فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی
محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

مکتبہ اویسیہ رضویہ
سیرانی روڈ بہاول پور

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

مصنف

سراج العلمأ زبدة الفضلأ حضرت مولانا شیخ اسماعیل حقی قدس سرہ

مترجم

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

ناشر: مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاول پور (پاکستان)

marfat.com

فہرست پارہ 18-19-20

نام مضمون	صفحہ نمبر	نام مضمون	صفحہ نمبر	نام مضمون	صفحہ نمبر
آغاز پارہ نمبر 18	3	یا ایها الذین آمنوا لا	170	آغاز سورۃ الفرقان مع عربی متن ترجمہ	312/313
[illegible]	10	[illegible]	176	تبارک الذی نزل الفرقان رکوع مع عربی متن ترجمہ	327
[illegible]	18	یا ایها الذین آمنوا لا رکوع مع عربی متن ترجمہ اردو	186-187	اختتام پارہ نمبر 18	349
رکوع ولقد ارسلنا مع عربی ترجمہ	36	[illegible]	206	آغاز پارہ نمبر 19	350
وقال الملأ من قومہ رکوع مع عربی متن ترجمہ	46-47	[illegible] رکوع مع عربی متن ترجمہ	212	[illegible]	375
یا ایها الرسل کلوا من الطیبت رکوع مع عربی متن ترجمہ	61-62	اللہ نور السموات والارض رکوع مع عربی متن ترجمہ	224	ولقد آتینا موسی الکتاب رکوع مع عربی متن ترجمہ اردو	379
[illegible]	69	الم تر ان اللہ یسبح	248	الم تر الی ربک کیف مد	401-402
وهو الذی انشأکم رکوع مع عربی متن ترجمہ اردو	90	انما کان قول المؤمنین	259	[illegible]	426
قل رب اما ترینی رکوع مع عربی متن ترجمہ اردو	120-121	[illegible]	265	تبارک الذی جعل فی السماء رکوع مع عربی متن ترجمہ اردو	461-462
آغاز سورۃ النور مع عربی متن ترجمہ	127-128	یا ایها الذین آمنوا لیستاذنکم رکوع مع عربی متن ترجمہ	277-278	آغاز سورۃ الشعراء مع عربی متن ترجمہ	507
ان الذین جاءو بالافک رکوع مع عربی متن اردو	147-148	[illegible]	284	واذ نادی ربک موسی مع عربی متن ترجمہ	525-526
[illegible] عائشہ رضی اللہ عنہا	165	انما المؤمنون الذین آمنوا رکوع مع عربی متن ترجمہ	301	[illegible]	540

marfat.com

پارہ ۱۸

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۱۱۸ رُكُوْعَاتُهَا ۶
سورۂ مومنون مکی ہے اور اس میں | اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے | ایک سو اٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ
بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں اور وہ جو کسی بیہودہ بات کی
اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ
طرف التفات نہیں کرتے اور وہ کہ زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی
حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ
حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بی بیوں یا شرعی باندیوں پر جو ان کے ہاتھ کی ملک ہیں کہ ان پر کوئی ملامت
مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ
نہیں تو جو ان دو کے سوا کچھ اور چاہے وہی حد سے بڑھنے والے ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں
لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ﴿۹﴾
اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾
یہی لوگ وارث ہیں کہ فردوس کی میراث پائیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے
وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ
اور بے شک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اُسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ
مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا
میں پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی

الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ

اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

تُبْعَثُوْنَ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ

غٰفِلِيْنَ ۝ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى

ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ

لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ

تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ

مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَعَلَيْهَا وَعَلَى

الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝

تمہاری سواری ہے۔

تفسیر عالمانہ سورۃ مومنین مکیہ ہے اور بصریوں کے نزدیک اس کی ایک سو دس اور کوفیوں کے نزدیک ایک سو اٹھارہ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ بے شک کامیاب ہیں اہل ایمان یعنی تصدیق کرنے والے سعادت مند اور

اور ہمیشہ بہشت میں رہنے والے۔

ف: مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو پیدا فرمایا تو اس سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بول، کیا کہتی ہے؟ اس نے عرض کی: قد افلح المؤمنون۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جنتِ عدن! تجھے مبارک ہو کہ تیرے اندر جنت کے بادشاہ داخل ہوں گے۔ اس نے عرض کی: جنت کے بادشاہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ فقراء جو صبر کرنے والے ہیں۔

ف: ماضی کا صیغہ دلالت کرتا ہے کہ مومن کو کامیابی نصیب ہوگئی۔ اور کلمۂ قد سے واضح ہوتا ہے کہ جو امر متوقع الثبوت تھا وہ واقع ہوگیا اس لیے کہ اہلِ ایمان کو فلاح و کامیابی کی امید تھی اور فلاح بمعنے بقاء اور مراد کو پہنچنے اور مکروہ امر سے نجات کو کہتے ہیں۔ اور افلاح بمعنے ان امور میں داخل کرنا جیسے ابشار بمعنے بشارۃ میں داخل کرنا۔ اور فلاح کبھی خود بھی متعدی ہو کر استعمال ہوتا ہے بمعنے ادخال فی الفلاح۔ جس قرأت میں فعل مجہول پڑھا گیا ہے اس کا یہی معنیٰ ہے۔

مسئلہ: جب تک ایمان کی دولت نصیب نہ ہو فلاح حقیقی نصیب نہیں ہوتی۔

ایمان کی تعریف

هو التصديق بما علم ضرورة انه من دين نبينا عليه السلام من التوحيد والنبوة والبعث والجزاء ونظائرها بل يحصل بالايمان الحقيقي المقيد بجميع الشرائط قال بطريق الايضاح او المدح۔

ایمان سے ان امور کی تصدیق مراد ہے جس کے متعلق یقین ہے کہ یہ ہمارے نبی علیہ السلام کے دین سے ہیں جیسے توحید، نبوّت اور قیامت میں اٹھنا اور اعمال کی جزا و سزا وغیرہ بلکہ فلاح حقیقی اس ایمان حقیقی سے حاصل ہوتی ہے جو جمیع شرائط سے مقید ہے۔

ربط: اب اہلِ ایمان کے اوصاف بیان فرمائے تاکہ مزید وضاحت ہو۔ یا ان اوصاف سے اہلِ ایمان کی مدح مقصود ہے۔

اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ الخشوع بمعنے الخوف والتذلیل۔ اور المفردات میں ہے کہ الخشوع بمعنے الضراعة۔ اور اس کا اکثر استعمال ان افعال پر ہوتا ہے جو قلب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اذا ضرع القلب خشعت الجوارح (جب قلب کو تضرع نصیب ہوتا ہے تو جوارح کو خود بخود خشوع حاصل ہو جاتا ہے) اب معنیٰ یہ ہوا کہ مومن وہ ہیں جو نماز میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے

marfat.ocm

ماجزی کرتے ہیں اور ہر وقت اس کی نگاہیں سجدہ گاہوں پر لگی رہتی ہیں۔

ف: کاشفی نے نقل کیا ہے کہ بعض ... جہاں بارگاہِ حق میں حاضر ہوکر مناجات کرتے ہیں۔

حکایت و روایت مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ نماز کے وقت آسمان کی طرف دیکھتے رہتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے اپنی نیچی نگاہ کر کے دیکھنا شروع فرمایا۔ ایک دن آپ نے ایک نمازی کو نماز میں اپنی داڑھی سے کھیلتے دیکھا تو آپ نے فرمایا اگر اس کا قلب خشوع سے ہوتا تو اس کے اعضاء بھی خاشع ہوتے۔

مسئلہ: نماز کی تکبیر اولیٰ کے وقت آسمان کی طرف نظر اٹھانا مکروہ ہے اس لئے کہ جب کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا منع ہے اور تکبیر اولیٰ میں آسمان کی طرف دیکھنا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

مسئلہ: نماز کے علاوہ دوسرے اعمال میں آسمان کی طرف دیکھنا منع ہے۔ اس لئے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے کیونکہ آسمان نزول برکات کا مرکز ہے۔

مسئلہ: حضرت کاشفی نے لکھا ہے کہ آداب میں ہے کہ نماز میں قیام کے وقت سجدہ گاہ کو دیکھنا چاہیے ایسے مسائل میں بہت سی شرعیت کو دیکھنا لازم ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بندہ نماز میں رب تعالیٰ کے سامنے ہوتا ہے۔ نماز میں جب بندہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے تو کس کو دیکھتا ہے، کیا مجھ سے بہتر بھی کوئی ذات ہے جسے تو دیکھتا ہے۔ میری طرف دیکھ اس لئے کہ میں ہی سب سے بہتر ہوں جس کی طرف دیکھا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہی ہے جو ظاہر و باطن خشوع کرتا ہے اس لئے کہ ظاہرے خشوع کا لازم یہ ہے کہ سر کو جھکا رکھے۔ آنکھ کو ادھر ادھر دیکھنے سے روکے کان کو بیہودہ باتیں سننے سے بچائے اور زبان کو صرف قرآن کی تلاوت اور نہایت ترتیل سے پڑھنے۔ ہاتھوں کا خشوع جب کہ سیدھے ہاتھ کو تسلیم کے ساتھ بائیں ہاتھ پر ایسے رکھے جیسے غلام اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ پیٹھ کا خشوع یہ ہے کہ رکوع میں اسے بالکل سیدھا رکھے۔ فرج کا خشوع یہ ہے کہ اس میں شہوات کا خیال نہ آنے پائے۔ قدموں کا خشوع یہ ہے کہ انہیں اپنی جگہ پر جمائے رکھے اور انہیں حرکت نہ دے۔ باطن کا خشوع یہ ہے کہ نفس کو خواہشوں سے دور رکھے۔ دل کا خشوع یہ ہے کہ اسے ذکر و فکر میں لگائے رکھے۔ سر کا خشوع یہ ہے کہ اسے کائنات کی طرف توجہات سے روکے۔ روح کا خشوع یہ ہے کہ اسے بحر محبت میں غرق کر دے اور صفت جلال اللہ کی تجلی کے وقت اسے پگھلا دے۔

ف: کسی شخص نے فرمایا کہ نماز میں سب سے پہلے اپنے آپ سے بیزار ہو جائے اس کے بعد ...

marfat.ocm

اس کے وصال میں پہنچے ؎

۱ یار بیزار است از تو تا توئی
اول از خود خویش را بیزار کن

۲ گر ز تو یک ذرہ ماندہ است
خرقہ و تسبیح با زنار کن

۳ ترک خویش و ہر دو عالم گیر درو
ذرۂ میندیش و چوں عطار کن

ترجمہ: تجھ سے تیرا یار بیزار ہے جب تک تیرے اندر دوئی ہے اس لیے پہلے اپنے آپ کے لیے بیزاری اختیار کیجئے۔ اگر تیرے اندر ذرہ برابر بھی دُوئی ہے تو خرقہ و تسبیح و زنار میں کوئی فرق نہیں۔ دُوئی کو چھوڑ پھر دونوں عالم تیرے قبضہ میں ہوں گے ذرّہ برابر بھی اپنا تصوّر دل میں نہ لایا کر، اور عطار کی طرح ہو جا۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ ۔ لایعنی اقوال وافعال کو لغو کہتے ہیں ۔ المفردات میں ہے غیر معتبر کلام کا دوسرا نام لغو ہے ۔ ایسا کلام انسان کے ارادہ وفکر کے بغیر منہ سے خارج ہو جاتا ہے ۔ ایسا کلام لغا کی طرح ہوتا ہے ۔ اور لغا بمعنے صوت العصافیر (چڑیوں وغیرہ کی آواز) ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ لغو ہر وہ فعل جو غیراللہ سے ہو اور ہر وہ قول جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہ ہو ۔ اور غیراللہ کو دیکھنا بھی لغو میں داخل ہے ۔ وہ فعل جو اللہ تعالیٰ سے دور رکھے وہ بھی لغو ہے ۔

ف: حضرت کاشفی نے فرمایا کہ امام قشیری کا ارشاد ہے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہ ہو وہ حشو ہے اور وہ کام جو اللہ تعالیٰ سے باز رکھے وہ سہو ہے اور جس فعل میں بندے کو حظِ نفس حاصل ہو وہ لہو ہے اور جو شے خدا تعالیٰ سے نہ ہو وہ لغو ہے ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ لغو وہ افعال و اقوال ہیں جو کسی کام نہ آئیں ۔

تفسیر عالمانہ مُعْرِضُوْنَ ۔ **حلِ لغات**: اعراض بمعنے عرضہ ۔ عرض بمعنے ناحیۃ (کنارہ) ۔ مثلاً جب کہا جائے گا عرض لی کذا یعنی مجھے اس کا کنارہ ظاہر ہوا تو مجھے اس کے حصول میں ممکن حاصل ہو گیا ۔ اور جب اعراض کہا جائے گا تو اس کا معنیٰ ہو گا ولی مبدیا عرضہ ۔ اب آیت کا معنی ہوا کہ وہ اپنے جملہ اوقات میں لغو سے روگردانی کرنے والے ہیں ۔ استمرار کا معنی صیغہ اسم فاعل سے حاصل ہوا ۔ جب وُہ حضرات عام اوقات میں لغو سے روگردان

marfat.ocm

رہتے ہیں تو پھر نماز تو بطریق اولیٰ ہے کہ اس میں لغو سے معرض ہوں۔

ف : نماز میں اعراض کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز کی اصل غرض و غایت کے مطابق غیر اللہ سے روگردانی کریں اور وہ نماز میں مشغول ہو کر غیر اللہ کی طرف متوجہ نہ ہوں اگرچہ وہ مباح امور ہوں اور یہ عوام کا کام ہے اور اس کے اعلیٰ مراتب ہوتے ہیں وہ اس طرح کہ [illegible] سے [illegible] خیال کرتا ہے [illegible] نماز میں وہ امور [illegible] داخل ہوتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ اور وہ زکوٰۃ و صدقات ادا کرتے ہیں۔ ادا کو لفظ فعل سے تعبیر کرنا ادب میں مستحسن ہے۔

[illegible] کی اصطلاح [illegible]

المخلصون [illegible] الى الخيرات [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] الخشوع فى الصلاة و الزكاة [illegible] [illegible] [illegible] هو [illegible]۔

وہ حالات جن کا ذکر [illegible] زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اعراض عن اللغو نماز و زکوٰۃ کے درمیان [illegible] لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور بدنی عبادت پھر عبادت مالیہ پیش کرے کیونکہ نماز کے ساتھ خشوع کا تعلق ہے اسی لیے اس کو خشوع کہا گیا۔ الزکوٰۃ مصدر ہے اس لیے کہ [illegible] فعل کے لیے وارد ہوتا ہے [illegible] فعل کے لیے۔ اس لیے فاعلون فرمایا کیونکہ فعل کا صدور فاعل سے ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

زکوٰۃ کا معنیٰ ہے نفس کو صفات ذمیمہ جیسے حب دنیا وغیرہ سے پاک و صاف کرنا۔ کما قال خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔

یہ حالت تزکیۃ النفس میں ہے۔ کما قال،

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى۔

اور کہا جاتا ہے،

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔

اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ صرف مال دنیا کو خرچ کیا جائے بلکہ قلب کو محبت دنیا اور جملہ صفات ذمیمہ سے پاک و صاف کرنا

marfat.ocm

مطلوب ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ۔

حل لغات: الفرج والفرجۃ بمعنے دو چیزوں کے درمیان سوراخ۔ دیوار کے سوراخ کو فرج وفرجۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ دو پاؤں کے درمیان کے حصے کو فرج کہا جاتا ہے۔ یہاں پر شرمگاہ مراد ہے۔ اور جمع کے صیغے میں تصریح مطلوب ہے۔

حٰفِظُوْنَ یعنی وہ اپنے فروج (شرم گاہوں) کو حرام سے روکنے والے ہیں اور انھیں غیروں کے ملک میں نہیں چھوڑتے اور نہ ہی انھیں بیجا استعمال کرتے ہیں اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ سوائے اپنی عورتوں کے۔ لفظ زوج نر و مادہ دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ یا (سوائے) اپنی کنیزوں کے جو ان کی اپنی ملک میں ہیں۔

ف: ما ملکت اگرچہ غلاموں کو شامل ہے لیکن یہاں پر بالاجماع صرف کنیزیں مراد ہیں۔

ف: ممالیك پر صیغہ غیر ذوی العقول یعنی لفظ ما میں اشارہ ہے کہ لفظ ملك عام ہے۔ ذوی العقول و غیر ذوی العقول دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ صرف رقیق (غلام و کنیز) کے لیے ملک یمین کی تخصیص کیوں۔ دوسرے املاک کو ملک یمین سے کیوں نہیں تعبیر کیا جاتا؟

جواب: غلام و کنیز کے ملک میں مخصوص تصرف کی اجازت ہے بخلاف دوسرے املاک کے۔ مثلاً دار کی ملکیت پر اسے توڑنا جائز ہے لیکن غلام و کنیز کی ملکیت کے بعد نقض کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

نکتہ: اگرچہ ما ملکت کا مفہوم عن اللغو میں ادا ہو جاتا تھا لیکن یہ چونکہ تمام لذات و شہوات سے لذیذ ترین ہے اسی لیے اسے خصوصیت سے علٰحدہ بیان کیا گیا، نیز یہ دوسرے امور سے زیادہ خطرناک بھی ہے اسی لیے اسے علٰحدہ ذکر کرنا نہ صرف موزوں بلکہ اشد ضروری تھا۔

فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ بے شک اپنے ازواج کے سوا فروج کی حفاظت کرنے والوں پر کوئی ملامت نہیں اس لیے کہ ان کی اپنی عورتوں سے انھیں مباشرت کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ حیض و نفاس اور روزہ و احرام میں نہ ہوں۔

ف: اللوم بمعنے انسان کو ایسے فعل سے منسوب کرنا جس میں ملامت ہو۔ التہذیب میں ہے کہ اللوم بمعنے ملامت کرنا۔

سوال: اللوم و الذم میں کیا فرق ہے؟

جواب: الذم صفات میں مستعمل ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: الکفر مذموم۔ اور اللوم کا استعمال

marfat.ocm

انتہا میں ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے، فلاں معلوم۔ (کذا فی اوضح الحق)

تفسیر صوفیانہ

یہ جو حدیث شریف میں ہے کہ جو لوگ بخوف زنا یا شہوت سے مغلوب ہوں یعنی ان کی اندام اور انثیاں ان کو بے بس نہیں کرتیں انہیں اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیں۔ اگر ایسے اندام و انثیاں ہوں تو ان سے روزہ رکھنا لازم ہے۔ کما قال، صوموا فانہ وجاء۔

نکتہ: و سنا حل میں اشارہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر غلبہ و استیلا حاصل ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ عورتیں مردوں پر غالب یا مرد عورتوں کے محتاج ہیں۔

مسئلہ: عورتوں سے معاشرت نکاح کے ساتھ ہو تو اس طرح کی معاشرت سے مردوں اور عورتوں پر کوئی ملامت نہیں اس لیے کہ ایسی معاشرت نسل انسانی کے اضافہ کا سبب ہے علاوہ اس کے یہ سنت نبویہ پر عمل ہے۔

تفسیر عالمانہ

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ۔ ابتغی بمعنی طلب یعنی جو معاشرت کے لیے (زوجہ) کے سوا کوئی اور طریقہ کی کوشش کرے۔ اور ذالک میں طریقہ اسلامیہ و سنت نبویہ کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ اس طریق میں سنت ہے وہ اس طرح کہ آزاد عورتوں میں چار سے اور لونڈیوں میں جتنا چاہے۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۔ یہ لوگ حد سے بڑھنے والے کمال کو پہنچنے والے یا وہ حلال سے تجاوز کر کے حرام کو ارتکاب کرتے ہیں۔ دراصل العدوان "الاخلال بالعدل" کو کہا جاتا ہے اور الاعتداء مجاوزۃ الحق کو کہتے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ ان سے ظلم کرنے میں کامل اور حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے میں حد سے گزرنے والے ہیں۔

مسئلہ: مشت زنی بھی اسی تجاوز عن الحد میں داخل ہے۔ (کذا فی تفسیر المظہری)

مسئلہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تم میں نکاح نہیں کر سکتا اسے روزے رکھنے چاہییں۔ (کذا فی انوار المشارق)

ف: اسی حدیث شریف سے علماء نے استدلال فرمایا ہے کہ مشت زنی حرام ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے عجز پر روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا اگر ایسی صورت میں مشت زنی جائز ہوتی تو اسے بھی ارشاد فرماتے کیونکہ یہ تو بیان فرماتے۔ اور روزے کے لیے اس لیے ارشاد فرمایا کہ روزہ شہوت نفسانی کو توڑتا ہے۔

مسئلہ: روایۃ الفقہ میں ہے کہ جس شخص نے بحالت روزہ مشت زنی کر کے ذکر سے منی خارج کی تو اس پر کفارہ نہیں قضا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ مکروہ ہے اگرچہ انسان میں یہ بات جائز ہے کہ کوئی شخص محض تسکین شہوت کے لیے مشت زنی کرے تو حرام ہے بلکہ امید ہے کہ قیامت میں اسے عذاب نہ ہوگا۔

مشت زنی حرام ہے

صحیح بخاری کی شرح میں ہے کہ مشت زنی حرام ہے۔ اس کا ثبوت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے:

marfat.ocm

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والذین هم لفروجهم حافظون،

الیٰ قوله فاولٰئك هم العادون۔

عادون وہ ظالم جو حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں۔ امام بغوی نے فرمایا کہ آیت میں دلیل یہ ہے کہ مشت زنی حرام ہے۔

(۲) ابن جریج نے فرمایا:

میں نے عطاء سے مشت زنی کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک قوم کو قیامت میں اٹھایا جائے گا جن کے ہاتھ گابھن ہوں گے۔ میرے خیال میں وہ یہی مشت زنی کرنے والے ہوں گے۔

(۳) حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس قوم کو عذاب میں مبتلا کرے گا جو اپنے ذکر سے کھیلتے ہیں۔ یعنی مشت زنی کرتے ہیں۔

مسئلہ: مشت زنی کرنے والے پر تعزیر ہے۔ کذا قال ابن الملقن وغیرہ۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ و امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس شرط پر (مشت زنی) جائز ہے کہ انسان کو زنا میں مبتلا ہو جانے کا یقین ہو۔

مسئلہ: ایسے ہی اسی شرط پر اپنی زوجہ اور اپنی لونڈی کے ہاتھ کے ذریعہ منی خارج کرنے کی اباحت ہے۔ لیکن قاضی حسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے مکروہ لکھا ہے اس لیے کہ یہ عزل میں داخل ہے۔

مسئلہ: التاتارخانیہ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسے شخص کا حساب و کتاب برابر ہو تو بھی اسے نجات کی امید رکھنی چاہیے (یعنی فتنۂ زنا سے بچنے کا ثواب جو نیکی کی وجہ سے ہوا اور مشت زنی کا ارتکاب کرکے جو گناہ ہوا یہ دونوں برابر ہو جائیں)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ یعنی وہ امانتیں اور وہ وعدے جو اللہ تعالیٰ سے یا بندوں سے کئے جائیں یعنی انھیں امانتوں پر امین مقرر کیا جائے از جانب مخلوق، یا وہ امانات اللہ تعالیٰ کی ہوں، جیسے نماز، روزہ، غسل جنابت۔ ایسی امانات کی پابندی لازم ہے۔

الامانة وہ شے جس کی انسان حفاظت کرے۔ اور عهد شے کو ہر حال میں محفوظ رکھنا اور وہ معاہدہ جس کی مراعات ضروری ہو، اسے بھی عهد کہتے ہیں۔

رَاعُوْنَ یعنی ان پر وہ قائم ہیں اور اصلاح کے ارادہ پر ان کی نگرانی کرتے ہیں۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ امانت سے وہی امانت مراد ہے جسے انسان نے ازل میں اٹھانے کا عزم ظاہر کیا۔ یعنی وہ فیض الٰہی جو انسان نے ازل میں بلا واسطہ قبول کیا اور یہ وہی احسان و اکرام ہے جس کی وجہ سے انسان جملہ مخلوق سے ممتاز اور مکرم و معظم قرار پایا۔ اور عہد سے وہ عہد مراد ہے جو انسان نے روز میثاق اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ اس کی عبادت کرے گا۔ کما قال:

وَاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ۔

اور راعون کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی امانت کا پورا پاس رکھتے ہیں خیانت نہیں کرتے اور وہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ غیر اللہ کی عبادت میں سب سے بڑھ کر خواہشات نفسانی کا مرتکب ہونا ہے۔

ف: امانت کی یہ تفصیل اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

انسان کے سارے اعضا اس کے پاس امانت ہیں اور امانت اس طرح کہ ہر عضو کے لیے جو حکم ہے اسی پر استعمال کرنا مثلاً آنکھ کو حرام کے دیکھنے سے بند رکھنا اور نظر کو عبرت میں لگانا اور کان کو لغویات اور بری باتوں کے سننے سے بچانا اور اسے مجالس ذکر میں لگانا اور زبان کی امانت غیبت و بہتان سے بچا کر ذکر الٰہی میں مصروف رکھنا اور پاؤں کی امانت یہ ہے کہ اسے مقامات الٰہیہ کی طرف لے جانا اور معاصی سے روکنا اور پیٹ کی امانت یہ ہے کہ اسے صرف حلال سے کھانا۔ اور ہاتھ کی امانت یہ ہے کہ اسے حرام کی طرف نہ پھیلانا اور نیکی سے نہ روکنا۔ اور قلب کی امانت ہر وقت اسے مراقبۂ حق میں مصروف رکھنا یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نظر نہ آئے اور نہ ہی غیر کا مشاہدہ کرے گا اور نہ ہی اسے اللہ تعالیٰ کے سوا سکون ملے۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ اور وہ لوگ اپنی فرض نماز کی محافظت کرتے ہیں۔ یعنی انہیں شرائط و آداب کے ساتھ اوقات مستحبہ میں ادا کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نماز کی اس لیے محافظت کرتے ہیں تاکہ نمازوں میں صورۃ و معنی حق واضح ہو اور صف اول میں حضور قلب پر صورۃ و معنی پوری نگرانی کرتے ہیں۔

حدیث شریف

جو شخص پہلی صف میں امام کے دائیں جانب کھڑا ہو اسے ایک سو نیکی کا ثواب نصیب ہو گا اور جو بائیں طرف کھڑا ہو اسے پچھتر نیکیوں کا اور جو باقی جانب ہو اسے پچاس کا۔ اور جو دوسری صفوں میں ہو اسے پچیس کا۔ (کذا فی شرح الحجہ)

ف: صف اول والے امام کے حال سے زیادہ باخبر ہوتے ہیں۔ اسی لیے بہ نسبت دوسری صفوں کے امام میں سبقت کرنے والے ہیں۔ اسی لیے ان کا اجر و ثواب بھی زیادہ ہے۔ (کذا فی شرح المشارق لابن الملک)

marfat.ocm

حدیث شریف جو لوگ مسجد میں پہلے زمرہ میں داخل ہوں وہی صفِ اوّل والے ہیں اگرچہ وہ مسجد کے کسی کونے میں نماز پڑھیں۔ (کذا فی خالصۃ الحقائق)

ف: لفظ یحافظون میں تجدد و تکرر ہے۔ اسی لیے صلوات کا صیغہ جمع لایا گیا ہے۔ خشوع کے ذکر کے بعد محافظت سے تکرار لازم نہیں آتا اس لیے کہ محافظت ایک علیحدہ فضیلت ہے۔

نکتہ: حضرت کاشفی نے لکھا کہ لفظ صلوٰۃ کو مضمون ہذا کے اوّل و آخر میں لانے میں نماز کی عظمت کا اظہار ہے

تفسیر عالمانہ اُولٰٓئِكَ یہ اشارہ ان مومنوں کی طرف ہے جن کے اوصافِ جلیلہ اوپر مذکور ہوئے۔ یعنی وہ مومن جو ان چھ اوصافِ جلیلہ سے موصوف ہیں هُمُ الْوٰرِثُوْنَ وہی اس لائق ہیں کہ صرف انھیں بہشت کا وارث سمجھا جائے۔ ورنہ دوسرے لوگ اگر وارث کہلاتے ہیں تو وہ اچھے مال و اسباب اور ذخائر اور بہترین ترکہ کی وجہ سے۔ الوراثۃ بمعنے کسی کو کسی کا مال بلا عقد منتقل کرنا اور عقد کے قائم مقام انتقالِ مال کا موجب ہو۔ جیسے میت کا مال منتقل ہوگا اسے وارث اور جو شئے منتقل ہو گی اسے میراث سے تعبیر کیا جائے گا۔ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ یہ لفظ ما کا بیان ہے کہ یعنی وہ لوگ جس شے کے وارث بنیں گے وہ جنۃ الفردوس ہے پہلے وراثت کو مطلقاً اور ابہام کے طور پر ذکر فرمایا ہے اس کے بعد اس کی تفسیر فرمائی۔ اس سے اس کی عظمت اور بزرگی کا اظہار مطلوب ہے۔

ف: یہ ان کے مستحق ہونے سے استعارہ کیا گیا ہے۔ یعنی وہ جنۃ الفردوس کے مستحق صرف اعمالِ صالحہ کی وجہ سے ہیں۔ جیسا کہ اس کا وعدہ کریمہ ہے کہ وُہ اپنے بندوں کو اعمال صالحہ کے بدلے جنۃ الفردوس عطا فرمائے گا اور اسے وراثۃ سے تعبیر کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے۔ وہ اس لیے کہ شے کی ملکیت کا اعلیٰ سبب وراثت ہے اور وُہ ایسی ملکیت ہے کہ نہ وُہ رد ہوسکتی ہے اور نہ منسوخ۔ نہ اس میں اقالہ ہوتا ہے اور نہ اسے توڑا جاسکتا ہے۔

هُمْ فِیْهَا ضمیر ھا کا مرجع فردوس ہے بایں معنیٰ کہ وہ جنت کا نام ہے یا وُہ چونکہ طبقۂ علیا ہے اسی بناء پر اس کے لیے مونث کی ضمیر موزوں ہوئی۔ در اصل وہ ایک باغ ہے جو جملہ ثمرات پر مشتمل ہے۔

روایت مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت الفردوس تیار فرمائی تو اس کی ایک اینٹ سونے کی اور دوسری چاندی کی، اور اس کے درمیان میں خالص مشک ڈالی گئی اور اس میں بہترین میوہ جات اور اعلیٰ قسم کے پھول بوئے۔

خٰلِدُوْنَ ○ خلود دراصل اس شے کو کہا جاتا ہے جسے فساد عارض نہ ہو اور اس حالت پر قائم ہو جس حالت پر اسے ابتداءً بنایا گیا اور بہشت میں خلود کا مطلب بھی یہی ہے کہ بہشت کی جملہ اشیاء جس حالت میں پیدا کی گئیں وہ اسی حالت پہ ہمیشہ رہیں گی ان میں تغیر و تبدل اور فساد عارض نہ ہو گا۔

marfat.ocm

فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ۔ بس برکت والا ہے اللہ تعالیٰ، اس کی شان بلند ہے۔ قرآن اس کے علم شامل اور قدرت کاملہ پر: اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ۔ وہ احسن الخالقین ہے اس لیے کہ اس مخلوقیں کو پیدا فرمایا۔ یہ جملہ اللہ سے حال ہے اور خالقین خلق سے مشتق ہے ... اس کا معنی خلقًا منصوب ہے۔ لفظ خالقین اس کے منسوب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

سوال: اس سے مراد یہ ہے کہ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر کا اثبات ہوتا ہے جبکہ وہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے اعمال کا خالق ہے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو احسن الخالقین فرمایا ہے۔

جواب: ہم نے پہلے ہی کہا ہے کہ یہاں خلق اپنے معنی میں نہیں۔ اب پھر غور کیجئے کہ احسن الخالقین سے احسن المصورین ہے اس لیے کہ مصور (فوٹوگرافر) مخلوق یعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ صورت و شکل کا عکس یا تصویر (فوٹو) کھینچتا ہے۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو نہیں پہنچ سکتا اس لیے کہ وہ خالق اسی زمانے میں روح پھونکتا ہے اور تصویر کھینچنے والے (فوٹوگرافر) کو یہ طاقت کہاں؟ اور قرآن مجید میں خلق

نے تصویر (فوٹو) کھینچا اور کم از کم مشغول ہے لیکن افسوس کہ ہمارے دور میں اس گناہ عظیم میں بڑے بڑے پیر اور مولوی بھی مبتلا ہیں (الا ما شاء اللہ)، عوام و حکام اور دیگر پیشہ ور بیچاروں کا کیا گلہ۔ افسوس تو یہ ہے کہ ان میں بعض مولوی اور اکثر پیشہ ور کی عورتیں بھی اس مرض کا شکار ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ اس گندے فعل کے ارتکاب پر احساس زیاں تک نہیں بلکہ فخریہ انداز میں اس کی نشر و اشاعت کی جا رہی ہے۔ ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ اس بیماری سے بچنے والے اور اسے غلط کہنے والے کو مطعون کیا جاتا ہے۔ فقیر نہایت ادب سے اپنے دور کے سجادہ نشینوں، بڑوں، چھوٹوں، مولویوں، پیشہ وروں، عوام اور حکام سے عرض کرتا ہے کہ خدارا اس لعنت سے بچو اور اپنے اندر خوف خدا پیدا کرکے سنت مصطفیٰ پر کاربند ہو۔ اگر آپ کی یہ مستقل یہی کیفیت رہی تو پھر اللہ ہی خدا حافظ۔

لیکن جناب! یہ نکتہ ذہن نشین فرمائیں کہ آقائے کریم حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذیل میں وعدہ بیان کردہ سزائیں رائیگاں نہیں جائیں گی ان پر ضرور بالضرور ہوگا۔ چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں:

۱۔ ہر تصویر پر عذاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہر مصور (تصویر بنانے والا) جہنمی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر تصویر کے بدلے جو اس نے بنائی ایک مخلوق پیدا کرے گا، وہ اسے جہنم میں عذاب کرے گی۔ (بخاری و مسلم، مسند امام احمد)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

marfat.ocm

بمعنے تصویر استعمال ہوا ہے۔ کما قال تعالیٰ: واذ تخلق من الطین کہیئۃ الطیر۔ بمعنے اذ تصور یعنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

۲۔ سخت سزا

انھیں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بے شک نہایت سخت عذاب روزِ قیامت تصویر بنانے والوں پر ہے۔ (بخاری و مسلم)

۳۔ بڑا ظلم

انھیں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ عزّ وجل فرماتا ہے اس سے بڑھ کر ظالم کون جو میرے بنائے ہُوئے کی طرح بنانے چلے، بھلا کوئی چیونٹی یا گیہوں یا جَو کا دانہ تو بنا دیں۔ (بخاری و مسلم)

۴۔ جان ڈالو

بخاری و مسلم و نسائی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بے شک جو تصویریں بناتے ہیں قیامت کے دن عذاب کیے جائیں گے اُن سے کہا جائے گا یہ صورتیں جو تم نے بنائی تھیں ان میں جان ڈالو۔

۵۔ عذاب اٹھاؤ

مسند امام احمد و صحیحین و سنن و نسائی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کوئی تصویر بنائے تو بے شک اللہ تعالیٰ اُسے عذاب دے گا یہاں تک کہ وہ اس میں رُوح پھُونکے، اور وہ نہ پھُونک سکے گا۔

۶۔ تین فرقے

مسند احمد و جامع ترمذی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، قیامت کے دن جہنم سے ایک گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہوں گی، دیکھنے والی۔ اور دو کان سُننے والے اور ایک زبان کلام کرتی، وہ کہے گی میں تین فرقوں پر مسلّط کی گئی ہوں۔ جو اللہ کا شریک بنائے اور ظالم ہٹ دھرم اور تصویر بنانے والوں پر۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

marfat.ocm

اے عیسیٰ (علیہ السلام)! جب تم تصویر بناتے تھے گارے سے پرندے کی شکل میں...... الخ

(بقیہ حاشیہ ص سابقہ)

۷- پانچ مجرم

حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بے شک روزِ قیامت سب دوزخیوں میں زیادہ سخت عذاب اس پہ ہے جس نے کسی نبی کو شہید کیا، یا کسی نبی نے جہاد میں اسے قتل فرمایا، یا بادشاہ ظالم، یا جو شخص بے علم حاصل کیے لوگوں کو بہکانے لگے اور جو تصویریں بناتا ہے۔

۸- پانچ دیگر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بے شک روزِ قیامت سب سے زیادہ سخت عذاب میں وہ ہے جو کسی نبی کو شہید کرے، یا کوئی نبی اسے جہاد میں قتل فرمائے، یا جو اپنی ماں یا باپ کو قتل کرے، اور تصویر بنانے والے پر، اور عالم جو علم پڑھ کر گمراہ ہو۔ (بیہقی شریف)

۹- پردہ کی تصویر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (دروازے پر تصویر دار) پردہ اتار کر پھینک دیا اور فرمایا: اے عائشہؓ! اللہ تعالیٰ کے یہاں سخت تر عذاب روزِ قیامت ان مصوّروں پر ہے جو خدا کے بنائے ہوئے کی نقل کرتے ہیں۔ ان کو روزِ قیامت کہا جائے گا یہ جو تم نے بنایا ہے اس میں جان ڈالو۔ اور فرمایا کہ جس گھر میں یہ تصویریں ہوتی ہیں اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ (بخاری، ابنِ ماجہ)

۱۰- تصویر کا سر کاٹ دیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے پاس جبرائیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کی، حضور مورتوں کے لیے حکم دیں کہ ان کے سر کاٹ دیے جائیں پیڑ کی طرح رہ جائیں۔ اور تصویر دار پردے کے لیے حکم فرمائیں کہ کاٹ کر دو مسندیں بنالی جائیں کہ زمین پر ڈال کر پاؤں سے روندی جائیں۔ (ترمذی)

۱۱- ملائکہ رحمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جبرائیل امین نے عرض کی، تین چیزیں ہیں کہ جب تک ان میں سے ایک بھی

(باقی)

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے ثُمَّ اَنشَانٰہُ خَلقًا اٰخَر یعنی ہم نے تمہیں اس مخلوق سے دوسرے طریقے سے پیدا فرمایا کیونکہ تم احسن تقویم اور استعداد کے لحاظ سے اکمل اور تکریم و تعظیم کے لحاظ سے اعلیٰ اور فضیلت کی وجہ سے مخصوص ترین ہو اس لیے انسانی تخلیق پر اپنی مدح و ثنا فرمائی۔ کما قال:

(بقیہ حاشیہ گذشتہ)

گھر میں ہوگی کوئی فرشتہ رحمت و برکت اس گھر میں داخل نہ ہوگا، ان میں سے ایک کُتا، دُوسرا جنبی، تیسری جان دار کی تصویر ہے۔ (احمد، نسائی، ابنِ ماجہ)

۱۲۔ تصویر توڑ دیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز میں تصویر (جان دار) ملاحظہ فرماتے اسے بے توڑے نہ چھوڑتے۔ (بخاری و ابوداؤد)

۱۳۔ تصویر مٹادو

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے میں تھے، حضور نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ایسا کون ہے کہ مدینہ جاکر ہر بُت کو توڑ دے اور ہر قبر کو برابر کر دے[ل] (جو شرع کے خلاف ہو) اور ہر تصویر کو مٹا دے۔ (امام احمد بسندِ جیّد)

۱۴۔ فوٹو گرافر ملعون

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے ذی رُوح کی تصویر بنائی وہ لعنتی ہے۔ (جامع صغیر)

۱۵۔ اللہ کی مار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، اللہ کی مار اس قوم پر جو ان چیزوں کی مصوّری کرتی ہے جنھیں بنا نہیں سکتی۔ (جامع صغیر)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے (احادیث مذکورہ بالا میں) ذی روح کی تصویر بنانا، بنوانا، اعزازاً اپنے پاس رکھنا سب حرام فرمایا اور اس پر سخت وعیدیں ارشاد کیں اور اُن کو دُور کرنے اور مٹانے کا حکم دیا۔ مسلمان بنظرِ ایمان دیکھے کہ صحیح و صریح حدیثوں میں اس پر کیسی سخت سخت وعیدیں فرمائی گئیں۔ اور یہ تمام

ل یہ احکام عوام کے لیے تھے خواص اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (فتاویٰ شامی) تفصیل مطولات میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

(باقی برصفحہ)

فتبٰرك الله احسن الخالقين چونکہ انسان احسن المخلوقین ہے اسی لیے اس کا خالق احسن الخالقین ہے، انسان احسن الخالقین اس لیے ہے کہ اسے اپنی معرفت کا سرچشمہ اور محبت وعشق کا مرکز اور عنایت و رحمت کا مخزن بنایا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲)

احادیث شامل محیط کامل ہیں جن میں اصلاً کسی تصویر کی کسی طریقہ کی تخصیص نہیں۔ شرع مطہر میں زیادہ شدت عذاب تصویر کی تعظیم ہی پر ہے۔ اور خود ابتداءً بت پرستی انھیں تصویرات معظمین سے ہوئی۔ قرآن کریم میں جو پانچ بتوں کا ذکر سورہ نوح (علیہ السلام) میں فرمایا وہ (۱) ود (۲) سواع (۳) یغوث (۴) یعوق (۵) نسر تھے یہ پانچوں بندگان صالحین تھے کہ لوگوں نے ان کے انتقال کے بعد باغوائے ابلیس لعین ان کی تصویریں بنا کر مجلسوں میں آویزاں کیں پھر آنے والی نسلوں نے انھیں معبود سمجھ لیا (اور تصویروں کی پوجا شروع کر دی)

خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

• "جب ان میں کوئی نیک بندہ، نبی یا ولی انتقال کرتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا کر اس میں (تبرکاً) اس کی تصویر لگاتے یہ لوگ بدترین خلق ہیں"۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

صحیح صریح احادیث کے مطابق تصویر خواہ دستی ہو یا مشینی (کیمرہ وغیرہ) سب کی سب حکم حرمت (حرام ہونے) میں برابر ہیں اور کبیرہ گناہ ہیں اور کسی طرح بھی جائز نہیں اور قرآن وحدیث میں ان کے جواز کی کوئی گنجائش موجود نہیں اور اس گھر میں واقعی رحمت کے فرشتے نہیں آتے اور وہ گھر بے برکت ابتلائے مصائب ہوتا ہے۔ بس تقویٰ اور عزیمت اسی میں ہے کہ تمام معاشرتی، معاشی اور اخلاقی برائیوں کے خلاف بھرپور جنگ کی جائے۔ یہ بات خوب سمجھ لینی چاہیے کہ کسی برائی اور گناہ کے عام ہو جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ گناہ اور برائی جائز ہو گئی ہے۔ نہیں نہیں وہ گناہ گناہ اور برائی برائی ہی رہتی ہے البتہ گناہگاروں کی تعداد میں اضافہ ضرور ہو جاتا ہے۔ کسی قانونی مجبوری سے بھی شریعت کے احکام کی قلب ماہیت نہیں ہوتی۔ شریعت کا ہر حکم ناقابل ترمیم ہے۔ لا تبدیل لکلمات اللہ۔ الآیۃ۔ شریعت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام حکومت اور عوام کے طرز عمل کی محتاج نہیں کہ کون کیا کرتا ہے۔ اور معاشرہ ان کے ہمنوا ہے یا نہیں۔ تصویر بہر نوع بہرحال ازروئے شریعت حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ اس گئے گزرے دور میں آرٹ اور تصویروں سے بچنے سے یقیناً حسنات میں اضافہ اور اس کے اجر وثواب میں برکت ہوگی۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ احادیث مبارکہ میں ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر کی ممانعت ہے نہ کہ کیمرہ سے کھینچی ہوئی کی۔

جواب: فوٹو گرافی اور مصوری میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا۔ اور ممانعت چونکہ جاندار اشیاء کی تصویروں کی ہے

(باقی برصفحہ ۲۳)

marfat.ocm

یوں سمجھیے کہ عرش، کرسی، لوح وقلم اور ملائکہ اور نجوم اور ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں عزیز ترین انسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی دوسری تمام مخلوقات کی تخلیق پر فتبارك الله احسن الخالقين نہیں فرمایا۔ یہ صرف انسانی تخلیق پر ارشاد ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اللہ کی بے نظیر مخلوق ہے ؎

بر ورق روئے لطف الہٰ
آئینہ حسن کہ تحریر کرد

ترجمہ: ہر پتے پر لطفِ الٰہی ہے کہ اس نے اس کے اس کے آئینہ پر حسن کا نقشہ کھینچا ہے۔

اور مثنوی میں ہے، ؎

۱ اے رخ چوں زہرہ است شمس الضحیٰ
اے گدائے رنگ تو گلگونہا

۲ تاج کرمناست بر فرق سرت
طوق فضلناست آویز برت

ترجمہ: (۱) تیرا چہرہ زہرا کی طرح روشن ہے تیرے رنگ تمام رنگ والے گداگر ہیں۔
(۲) تیرے سر پر کرمنا کا تاج ہے اور تیرے گلے میں فضلنا کا طوق ہے۔

؎

ہیچ کرمنا شنید ایں آسماں
کہ شنید آں آدمیٔ پُر غماں

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶)

اس لیے تمام تصویریں حرام رہیں گی۔ خواہ وُہ فحش ہوں یا غیر فحش، البتہ فحش تصویر میں ایک وجہ حرمت کی اور بڑھ جاتی ہے۔ مشائخ وعلماء و لیڈروں کی تصویریں اور جلسوں جلوسوں کی تصویریں کسی طرح بھی جائز نہیں۔ خصوصاً لیڈروں کی تصویریں تو بندگانِ خدا کو اس خطرہ سے بہت ہی قریب پہنچا دیتی ہیں جس کی وجہ سے تصویر کو حرام قرار دیا گیا۔

خلاصہ یہ کہ شریعتِ اسلامیہ میں جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً معصیت (گناہ) ہے خواہ کسی کی تصویر ہو خواہ مجسمہ ہو یا غیر مجسمہ۔ شریعت نے تصویر کشی کو حرام قطعی اور اس کے استعمال کو نا جائز قرار دیا ہے۔

اس مسئلہ کی مزید تحقیق فقیر کی کتاب اسوۃ العزیز فی تصویر التصویر میں دیکھیے۔

(اویسی غفرلہٗ)

marfat.ocm

ترجمہ: آسمان نے ایسا کہتا نہیں سنا اگر سنا ہے تو اس آدمی پر غم کے لیے۔

۱ احسن التقویم در والتین بخواند
کہ گرامی گوہر ست اے دوست جاں

۲ گر بگویم قیمت آں ممتنع
گر بسوزم هم بسوزد مستمع

ترجمہ: (۱) احسن تقویم سورۂ والتین میں فرمایا اے جانِ من! یہ گراں قدر جوہر ہے۔
(۲) اگر کوئی قیمت بتاؤں تو ناممکن ہے۔ اگر سناؤں تو سننے والا جل کر راکھ ہو جائے۔

نکتہ: بعض اہلِ وجدان نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کے مراتب و درجات مختلفہ بیان فرمائے، انھیں سُن کر گویا انسان حیران ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جس کی ترجمانی خود خالقِ کائنات نے فتبارك الله احسن الخالقين سے فرمائی۔

گستاخ اور عاشقِ رسول کے درمیان فرق

مروی ہے کہ عبداللہ بن سرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی مبارک لکھتا تھا، اور آیاتِ مذکورہ کے نزول کے وقت وہی کاتبِ وحی تھا، جونہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا خلقاً اٰخر، تو اس کے منہ سے نکلا فتبارك الله احسن الخالقين۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ! اسے لکھ دے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھی اسی طرح نازل ہُوا۔ کاتب کو بدگمانی ہُوئی اور کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اگر منجانب وحی نازل ہوتی ہے تو مجھ پر بھی ہوتی ہے۔ اسی بدگمانی سے وہ مرتد ہو کر مکہ معظمہ چلا گیا۔ پھر فتح مکہ کے موقعہ پر دوبارہ اسلام میں داخل ہُوا۔ بعض روایات میں ہے کہ وُہ کافر ہو کر مرا[۱] (اب ایک عاشقِ رسول کی سُنیئے)

مروی ہے کہ جب یہی آیت نازل ہُوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا فتبارك الله احسن الخالقين۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب تعالیٰ سے ایسے ہی وحی آئی ہے۔ اسے سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوشی سے جھوم اُٹھے اور ہمیشہ فخریہ طور (خوشی سے) کہا کرتے کہ الحمد للہ مجھے وحی ربانی کی موافقت نصیب ہوئی۔

---

[۱] اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بدگمانی بے ایمانی کی نشانی ہے۔ تفصیل فقیر کی تصنیف "گستاخوں کا برا انجام" میں ہے۔ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

سبق یہی واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سعادت کا موجب بنا اور بعینہٖ یہی واقعہ عبداللہ بن سرح کی شقاوت کا سبب بنا۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے :

یضل بہٖ کثیراً و یھدی بہٖ کثیرا۔

سوال : اس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ انسان کلامِ الٰہی کی طرح کلام بنا سکتا ہے اور قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس جیسا کلام کوئی شخص نہیں لا سکتا۔

جواب : قرآن مجید کا چیلنج چھوٹی سورۃ کی مقدار کلام بنانے کے متعلق ہے اور یہ ایک جملہ ہے۔ اور ایک دو جملوں کو چیلنج کا جواب نہیں کہا جا سکتا۔[۱]

تفسیر عالمانہ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ امور مذکورہ عجیبہ کے بعد پھر تم یقیناً لَمَيِّتُوْنَ ۝ موت کی طرف رجوع کرنے والے ہو۔ صیغۂ صفت سے ثبوتِ موت کا اثبات ہوا، ورنہ ظاہر ہے کہ فاعل کے صیغہ میں ثبوت کے بجائے حدوث ہوتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اے آدم زادو! تمہارا انجام بکار موت ہی ہے اور تم نے لازماً ساقیِ اجل کے ہاتھ سے فنا کا پیالہ پینا ہے۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو دُنیا میں موت کا شکار ہوا وہ آخرت کی حیات کی طرف لوٹا۔ اور جو آخرت کے تصورات سے بھی فارغ ہو گیا اسے حیاتِ اصلیہ یعنی البقاء مع اللہ نصیب ہوئی۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ پھر اس کے بعد قیامت میں یعنی نفخۂ ثانیہ کے وقت تُبْعَثُوْنَ ۝ تم اپنی قبروں سے حساب و کتاب اور ثواب و عقاب کے لیے اٹھائے جاؤ گے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان رتبۂ انسانیہ پر پہنچنے پر موت کے قابل ہو جاتا ہے۔ جیسے قلب اور نفس پر موت واقع ہوتی ہے ویسے ہی انسانی ڈھانچے پر۔ قلب و نفس دونوں حشر کے قابل ہیں۔ نفس کی حیات سے قلب کی موت ہے اور قلب کی حیات سے نفس کی موت ہے اور نفس کی حیات خواہشِ نفسانی سے منسلک ہے اور انہی خواہشاتِ نفسانیہ سے نفس پر ظلمت چھا جاتی ہے اور قلب کی حیات ذکر و نورِ الٰہی سے ہے۔ کما قال تعالیٰ :

او من کان میتا فاحیینٰہ وجعلنا لہ نوراً۔

اور یہی ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ کا حقیقی معنیٰ ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سوال (از پرویزی و کمیونسٹ وغیرہ) : الاسئلۃ المقحمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کا ابتداء سے

---

[۱] اویسی کہتا ہے کہ یہ کلام بنایا نہیں گیا بلکہ قلب پر نبوت کی برکت سے آیا ہے۔ تفصیل تفسیر اویسی میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

حشر اجساد تک تفصیل سے حال بتایا ہے۔ اس میں قبر، برزخ کا حال مذکور نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر و برزخ کا مسئلہ مولویانہ ہے۔

جواب : کسی شے کا مذکور نہ ہونا اس کے عدمِ وجود کو مستلزم نہیں۔ اس کی ہزاروں مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ یہاں پر چونکہ حیات اولیٰ و حیات ثانیہ کا ذکر مقصود تھا اس لیے کہ حیاتِ اولیٰ اعمال کا سبب ہے' اور حیاتِ ثانیہ جزائے اعمال کا۔ اسی لیے اہتمام سے ان دونوں کو بیان کیا گیا ہے۔

قاعدہ : جو شے موضوعِ بحث ہو اسی کا ذکر کیا جاتا ہے اور جو امور خارج از موضوع ہوں انھیں نہ کرنا اولیٰ ہوتا ہے۔

ف : موت کو صفت سطوات العزۃ اور ظہور انوار عظمت سے تعلق ہے اور حیات کو کشف الجمال ازلی سے اس لیے کہ ارواح و اشباح کو عیش و عشرت حیات وصالیہ سے نصیب ہوتی ہے اس کے بعد موت الفراق کا اجراء نہیں ہوتا۔

ف : حیاۃ و موت دونوں کی شکل و صورت ایک ہے جنھیں تربیتِ الٰہیہ سے حصہ نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ موت کے بعد مٹی سے مٹی میں ملنے سے مٹی میں تربیت ثانیہ نصیب ہوتی ہے۔ اسی کو صوفیہ کرام فنا سے تعبیر کرتے ہیں اور حیاۃ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے کہ اس نے ہمارے اجساد میں حیاتِ ثانیہ داخل فرمائی اور ہماری ارواح کو تربیت ثانیہ کا موقعہ بخشا۔

تفسیرِ عالمانہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ طرائق، طریقۃ کی جمع ہے اور طریق کی جمع طرق آتی ہے۔ اس سے آسمان کے ہفت طبق مراد ہیں۔ چنانچہ المفردات میں ہے طرائق السماء بمعنٰی طبقات آسمان یعنی ہم نے تمھارے اوپر سات آسمان طبق در طبق پیدا فرمائے۔ انھیں طرائق سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر ایسے ہیں جیسے جوتے کے نچلے حصّے کا چمڑا ایک دوسرے کے ساتھ چمٹا ہوتا ہے۔ ایک شے پر جو دوسری شے واقع ہو اسے طریق کہا جاتا ہے۔ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝ اور ہم اپنی پیدا کردہ ہفت طبق کی مخلوق سے بے خبر نہیں کہ اسے ضائع کر دیں بلکہ ہم اس کی ہر طرح سے حفاظت کرتے ہیں نہ اسے مٹنے دیتے ہیں اور نہ اس میں خلل پڑنے دیتے ہیں بلکہ اس کے جملہ امور کی ہر طرح کی بہتر تدبیر کرتے ہیں یہاں تک کہ اس کے اندر جتنے امور مقدر ہیں وہ اپنے کمال کو اسی طرح پہنچتے ہیں جس طرح ہماری قضاؤ قدر و مشیت کا تقاضا ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم جملہ مخلوق کے امور سے غافل نہیں ان کے خیر و شر اور نفع و ضرر اور شرک و کفر سے ہر وقت باخبر ہیں۔

marfat.ocm

ملفوظ بایزید سیّدنا بایزید بسطامی قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا عرفان نہیں لیکن وہ تو جانتا ہے اور تم اس کی طرف واصل نہیں۔ لیکن وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے اور اگر تم اس سے غائب ہو یا اس سے غافل ہو تو وہ نہ تم سے غائب ہے نہ غافل۔

فائدہ صوفیانہ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ ہمارے اوپر ظاہری و باطنی حجابات ہیں۔ ظاہری حجابات یہی ہیں کہ آسمان کے طبقات منازل عالیہ اور عرش و کرسی ہمارے درمیان حائل ہیں اور باطنی حجابات ہمارے قلوب کے پردے ہیں۔ مثلاً مادۂ منویہ اور خواہشاتِ نفسانیہ اور ارادات شاغلہ اور غفلات متراکمہ۔ لیکن اللہ تعالےٰ غافلین کی سکنات اور مریدین کی حرکات اور زاہدین کی رغبات اور عارفین کے لحظات سے غافل نہیں۔

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً من ابتدائیہ اور انزلنا کے متعلق ہے۔ ماء سے بارش کا پانی مراد ہے **بِقَدَرٍ** یعنی ہم نے بندوں کی صلاحیت کے مطابق آسمان سے پانی اتارا۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ ہم نے آسمان سے پانی اس اندازے سے اتارا کہ لوگ اس کے ضرر سے محفوظ ہیں اور اس سے وہ فوائد و منافع حاصل کرتے ہیں جو ان کے لیے مفید و نافع ہیں۔

فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖ اور ہم نے اسی پانی کو زمین میں ثابت اور برقرار فرمایا۔ **وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ** اور ہم اس کے لے جانے اور مٹانے یا اُوپر لے جانے یا اسے زمین میں دھنسانے پر کہ جسے وہ حاصل نہ کر سکیں اور وہ اور ان کے جانور پیاس سے مرجائیں **لَقٰدِرُوْنَ** ۚ ایسی قدرت رکھتے ہیں جیسے اس کے اتارنے میں۔

ف : حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت سے زمین پر پانچ نہریں جاری فرمائی ہیں:

۱۔ جیحون	۲۔ سیحون
۳۔ دجلہ	۴۔ فرات
۵۔ نیل	

یہ سب ایک ہی چشمہ سے آرہی ہیں اور وہ چشمہ بہشت کے سب سے نچلے حصّے سے اتر رہا ہے جسے جبریل علیہ السلام کے دو پروں کے ذریعے سے پہاڑوں میں امانت رکھ کر زمین پر جاری فرمایا اور ان میں لوگوں کے منافع پیدا فرمائے۔ اس کی تائید انزلنا من السماءٗ ماءً بقدر فاسکنّٰہ فی الارض سے ہوتی ہے۔

یاجوج ماجوج کی نحوست جب یاجوج ماجوج زمین میں پھیلیں گے تو اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کو بھیج کر قرآن مجید اور علم اور حجرِ اسود اور مقام ابراہیم علیہ السلام اور موسٰی

marfat.com

علیہ السلام کے تابوت کی امانت اور ان پانچوں نہروں کو آسمان پر اُٹھالے گا۔ چنانچہ وانا علیٰ ذھاب بہٖ لقادرون سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جب یہ تمام اشیاء آسمان پرلے جائی جائیں گی تو اہلِ ارض دین و دُنیا کی بھلائی سے محروم ہو جائیں گے۔ (ہذا حدیث حسن کذا فی بحر العلوم)

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ ہم نے تمہارے لیے پیدا فرمائے بِهٖ اسی آسمان کے پانی کے سبب سے جَنّٰتٍ باغات مِّنْ نَّخِيْلٍ کھجوروں کے۔

المفردات میں ہے کہ نخل مشہور درخت ہے۔ یہ لفظ واحد و جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی جمع نخیل بھی آتی ہے۔

وَّ اَعْنَابٍ اور انگوروں کے۔ انگور کے درخت کو عنب کہتے ہیں۔ انگور کے میوے کا واحد عِنَبَةٌ ہے۔ (کذا فی المفردات)

ف : کاشفی نے لکھا کہ نخیل کی تخصیص اہلِ عرب کی وجہ سے اور انگور کی اہلِ طائف کی وجہ سے ہے۔ اور یہ دونوں عرب و طائف میں بہ نسبت دوسرے علاقوں کے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

لَكُمْ فِيْهَا تمہارے لیے ان باغات میں فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ بہت سے میوے ہیں جنھیں تم کھاتے ہو۔

ف : المفردات میں لکھا ہے کہ فاکہہ بعض کے نزدیک ہر قسم کے ثمرات کو کہا جاتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انگور اور انار کے سوا باقی تمام ثمرات کو فاکہہ کہا جاتا ہے۔ اس کے قائل نے ان کی کثرتِ استعمال اور ان کی عظمت کے پیشِ نظر ایسے کہا ہے۔

مسئلہ : امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ فاکہہ نہ کھائے گا تو وہ انگور، کھجور اور انار کے کھانے سے حانث نہ ہوگا اس لیے کہ لغۃً و عرفاً یہ تینوں میوے ہیں لیکن ان میں تفکہ یعنی تلذذ و تنعم کے علاوہ ایک اور شے زائد ہے۔ یعنی غذائیت اور قوامِ بدن۔ اسی زیادتی کی وجہ سے یہ مطلق تفکہ سے مخصوص ہو جائیں گے اور قاعدہ ہے جس میں کچھ زیادتی پائی جائے وہ اطلاق سے نکل جاتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنی عام جنس میں داخل نہ ہوگا۔

اس مسئلہ میں صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے امام صاحب علیہ الرحمۃ کے خلاف کیا ہے۔

وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ اور انہی میں سے تم کھاتے ہو غذا کے طور پر، یا ہر قسم کا رزق دیے جاتے ہو یا تم اس سے اپنی روزی کماتے ہو۔ یہ اہلِ عرب کے اس محاورے سے ہے :

فلان یاکل من حرفته۔

چنانچہ حضرت کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ تم اسی سے کماتے ہو جو تمہاری معاش میں ضروری ہے۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے آسمان سے پانی اتار کر اہلِ زمین کو زندگی بخشی۔ ایسے ہی آسمانِ عنایت سے رحمت کا پانی اتار کر قلوب کو زندہ کرتا ہے۔ اسی پانی سے ہی گناہوں کی میل کچیل دھوتا ہے بلکہ ان کی جملہ غل وغش اسی پانی سے صاف ہوتی ہے اور اسی پانی سے ہی دلوں کے باغات میں بسط کے پھول اور انوار روح کے اصناف اگاتا ہے۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ جیسے آسمان کے پانی سے خشکیوں کو شاداب کرتا اور درختوں کو پھل دیتا اور نہروں کو جاری کرتا ہے ایسے ہی عنایت کے پانی سے عرفان کے درخت کو اگاتا اور کشف وعیان کے میوے عطا فرماتا ہے اور ہم اس کے بیان وشرح سے عاجز ہیں اور نہ ہی اس کے اشارات کی حصر ہو سکتی ہے۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی نعمتیں گنائی ہیں اور ان کی رہبری احسن اسلوب سے فرمائی۔ پھر جو بندہ اس کی نعمتوں سے اس کے وصال سے فائض ہوتا ہے وہی مطلوب حقیقی سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

سوال : جب یہ نعمتیں بندوں کے لیے پیدا فرمائی گئی ہیں پھر دُنیا میں زہد کا حکم کیوں ؟

جواب : بندوں کی علو ہمتی کا امتحان لیا جاتا ہے اس لیے کہ یہ دنیا آزمائش خانہ ہے اگر کوئی اس میں دُنیوی اشیاء کے حصول کی جدوجہد کرے تو وہ عنداللہ معیوب انسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء کرام نے دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور اپنے آپ کو اس سے کوسوں دُور رکھا اور صرف اپنی ضرورت پُوری کرنے پر دنیا کی قلیل مقدار کو قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بلند فرمائے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :

جوعوا انفسکم لولیمة الفردوس۔

(جنت الفردوس کے ولیمہ کے لیے اپنے آپ کو بھُوکا رکھو)

ف : مہمان اگر سمجھدار ہوتا ہے تو وہ پیٹ بھر کر نہیں کھاتا تاکہ طبع سکون میں رہے۔

حکایت ایک زاہد عابد کا کسی درخت کے نیچے سے گزر ہوا اس کے میوے کھانے کے لیے اس کے نفس نے خواہش کی اس نے نفس کو کہا کہ سال بھر روزہ رکھو پھر کھلاؤں گا۔ سال گزر جانے کے بعد پھر نفس نے خواہش ظاہر کی تو درخت سے نیچے پڑے ہوئے میوے اپنے نفس کو کھلائے۔ نفس نے کہا اوپر والے میوے اچھے ہیں ان میں سے کھلاؤ۔ نفس سے کہا اگر یہ شرط منظور ہو کر اس کے اچھے بھلے ہر طرح کے کھائیں گے ورنہ خاموش رہو۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ مرو در پے ہر چہ دل خواہدت
کہ تمکین تن نور جان کاہدت

marfat.ocm

۲ کند مرد را نفس امارہ خوار
اگر ہوشمندی عزیزش مدار

۳ اگر ہر چہ باشد مرادت خوری
ز دوران بسی نامرادی بری

ترجمہ: (۱) خواہشاتِ نفس کے تابع نہ ہو کیونکہ یہی وہ ظاہر ہے کہ جس کا کوئی تریاق نہیں۔
(۲) انسان کو نفس امارہ خوار کرتا ہے اگر تُو دانا ہے تو اسے عزت نہ دے۔
(۳) اگر اس کی ہر مراد پُوری کرو گے تو دُنیا میں بہت بڑی نامرادی اٹھائے گا۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اخروٹ، بادام، پستہ، چلغوزہ، سیتا سپاری، صنوبر، انار، نارنگی، کیلا، خشخاش، کھجور تر، زیتون، خوبانی، آڑو، آلو بخارا، عناب۔ غبیراء (ایک قسم کا پودا بقدر عناب، دراق (ایک قسم کا میوہ)، نہ عرود (ایک قسم کا پھل، اس کی گٹھلی گول اور بڑی ہوتی ہے)، بیر، سیب، ناشپاتی، انجیر، انگور، لیموں، خرنوب (ایک قسم کا درخت، اس کے پتے سبز اور چکنے ہوتے ہیں اور اس کے دانے باقلا کے مشابہ ہوتے ہیں)، گکڑی، کھیرا، خربوزہ یہ تمام بہشتی میوے ہیں۔ پہلی دس قسموں پر چھلکا ہوتا ہے اور دوسری دس پر چھلکا نہیں ہوتا اور تیسری قسم پر نہ چھلکا ہوتا ہے نہ گٹھلی۔

تفسیر عالمانہ وَشَجَرَةً منصوب ہے۔ اس کا عطف جنات پر ہے۔ اس کی تخصیص دوسرے اشجار سے اس لیے ہے کہ اس درخت کے منافع بہت زیادہ اور مشہور و معروف ہیں۔ بعض نے کہا کہ طوفان کے بعد سب سے پہلے یہی درخت پیدا ہوا۔ اس سے زیتون کا درخت مراد ہے۔
المفردات میں ہے کہ الشجر اس درخت کو کہا جاتا ہے جس کی پنڈلی نہ ہو، اسے ثمرۃ و ثمر کی طرح شجرۃ و شجر پڑھا جاتا ہے۔

تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ سیناء مصر و ایلہ کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے۔ یہ وہی پہاڑ ہے جس سے موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہُوا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے دُوسرا اور درخت تمہارے لیے پیدا کیا جو کہ حسین پہاڑ میں ہے اور وُہ پہاڑ موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جو مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے اسے طود سینین بھی کہتے ہیں۔ سیناء بمعنے حسن یا مبارک ہے۔

ف: اہلِ تفاسیر لکھتے ہیں کہ جبل کا نام طور اور اسی مقام کا نام سیناء ہے جس کی طرف یہی پہاڑ منسوب ہے، یا دونوں سے مرکب ہو کر ایک نام بن گیا ہے۔ جیسے امرأ القیس دو مرکب اسموں کا ایک شخص کا نام مقرر کیا گیا ہے۔

marfat.ocm

ف : سَیناء بالفتح بروزنِ فعلاء صحراء کی طرح ہے اور غیر منصرف ہے بوجہ تانیث کے، اور اسے بکسر الفاء بر وزن فیعال، بچوں ویماس بھی پڑھا گیا ہے ۔ السنأ بالمد سے مشتق ہے بمعنے بلندی، یا بالقصر بمعنے نور ہے اس کا غیر منصرف ہونا عجمہ و تعریف تانیث کی وجہ سے ہے بتاویل بقعہ اور الف مقصورہ وممدودہ کی وجہ سے اسے غیر منصرف نہیں پڑھا گیا۔

ف : باوجودیکہ یہ دوسرے مقامات سے بھی پیدا ہوتا ہے لیکن اس کی اس مقام کی تخصیص میں ان دونوں کی شرافت کا اظہار مطلوب ہے علاوہ ازیں وہی اس کا منشائے اعلیٰ ہے۔

ف : جلالین میں ہے کہ اس جگہ پر سب سے پہلے ہی زیتون پیدا ہوا ۔

تَنۢبُتُ بِالدُّهۡنِ تیل کے ساتھ اگتا ہے ۔ یہ شجرۃ کی دوسری صفت ہے اور باء کا متعلق محذوف ہے اور منہا سے حال واقع ہوا ہے ۔ اصل عبارت تھی : تنبت ملتبسة به و مستصحبة له (کذا قال الراغب) اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگتا ہے درانحالیکہ اس میں تیل بالقوہ موجود ہوتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ باء صلہ کی ہے اور تنبت کو متعدی بنانے کے لیے واقع ہوئی ہے جیسے ذھبت بزید میں باء تعدیہ کی ہے اب معنی ہوا تنبتہ بمعنے تتضمنه و تحصله ۔ اس لیے کہ بنات دراصل صفت شجرۃ کی ہے نہ کہ دھن کی ۔ وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ ۝ اور کھانے والوں کے لیے سالن ہے ۔ ہم نے اس کا معنیٰ سالن اس لیے کیا ہے کہ اہلِ عرب کہتے ہیں : اصطبغت بالخل ۔ اس کا عطف بالدھن پر ہے اور اس کا اعراب بھی وہی ہے جو الدھن کا ہے اور یہ عطف الصفة علی الصفة الاخری کے قبیل سے ہے ۔ یعنی ایک ایسی شے اگتی ہے جو دو صفتوں کی جامع ہے :

(۱) اس سے تیل حاصل کیا جاتا ہے ۔

(۲) اسے سالن کے کام بھی لایا جاتا ہے ۔ یعنی اس سے (سالن کا) وہی کام لیا جاتا ہے جو سرکہ وغیرہ سے لیا جاتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے اس سے شجر خفی مراد ہے جو تجلّی انوار صفات کی تاثیر سے روح کے طور سیناء سے پیدا ہوتا ہے اس سے دُھن یعنی وہ استعداد مراد ہے جس سے بلاواسطہ فیضِ الٰہی کو قبول کیا جاتا ہے اور اس کی قرارگاہ وہی (مقام) خفی ہے جو رُوح کے اوپر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان ایک راز ہے جس پر مقرب ملائکہ بھی مطلع نہیں ہو سکتے اور یہی سالن ہے دونوں جہانوں کی قوت کو ہمت سے قابو میں لانے والوں کے لیے ۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ اور بے شک تمہارے لیے جانوروں یعنی اونٹ، گائے، بکری وغیرہ میں لَعِبۡرَةً ؕ البتہ عبرت ہے ۔ یعنی ان کے حالات سے عبرت پکڑتے ہو اور اپنے رب تعالیٰ کی عظیم قدرت وحکمت پر استدلال کرتے ہو ۔ نُسۡقِيۡكُمۡ یہ سوال مقدر کا جواب ہے ۔ سوال

marfat.ocm

یہ ہے کہ وہ کیسے؟ جواب ملا کہ ہم تمھیں پلاتے ہیں مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا، ما سے یا تو ان کے پستان مراد ہیں اور مِن تبعیضیہ ہوگا اور بطون سے پیٹ مراد ہے یا لفظ ما سے گھاس مراد ہے کہ اسی سے دُودھ بنتا ہے اس معنے پر من ابتدائیہ ہوگا اور بطون اپنے حقیقی معنے پر ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جیسے جانوروں کے پیٹ میں سے خُون و گوبر کے درمیان سے دودھ نکلنا ایک عبرت ہے ایسے ہی صفاتِ انسانیہ کے گوبر اور صفات شیطانیہ کے خون سے خالص توحید اور محبت کے دودھ سے عبرت ہے کہ ایسا دودھ صدیقین کی ارواح کو نصیب ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا: ؎

سقانی شربة احیی فؤادی

بکأس الحب من بحر الوداد

توجمہ: مجھے صرف ایک گھونٹ نصیب ہُوا تو اس نے میرے دل کو زندہ کردیا۔ یعنی محبت الٰہی کے دریا کے پیالوں سے ایک گھونٹ نصیب ہُوا۔

تفسیر عالمانہ وَلَكُمْ فِيهَا اور تمھارے لیے ان میں مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ اور بہت سے منافع ہیں۔ (یعنی مذکورہ فوائد کے علاوہ ان میں اور بھی بہت زیادہ فائدے ہیں) یعنی اُون اور بال وغیرہ۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ تمھارے لیے ان میں بے شمار فائدے ہیں مثلاً ان کے بعض پر تم سوار ہوتے ہو اور بعض پر بوجھ لادتے ہو۔

وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۙ اور ان کے بعض سے کھاتے ہو یعنی گوشت یا ان کی کمائی۔

حدیث شریف (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) "گائے کا دُودھ پیو کیونکہ وہ ہر قسم کے درخت جمع کر کے کھاتی ہے"۔

حدیث شریف "گائے کا دُودھ پیو اور اس کا گھی اور مکھن کھاؤ لیکن اس کے گوشت سے بچو اس لیے کہ اس کے دودھ، مکھن اور گھی میں شفا ہے اور اس کا گوشت بیماری ہے"۔

گائے کی قربانی: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے عید قربانی پر گائے ذبح فرمائی۔

ف: گائے کے گوشت کو اس لیے بیماری فرمایا کہ اہلِ عرب خشک مزاج ہیں اور گائے کا گوشت بھی خشک ہے اس لیے انھیں اس کے گوشت سے احتراز لازم ہے اور گائے کا دودھ و مکھن (گھی) تر ہے اور خشک مزاجوں

marfat.ocm

کے لیے شفا اسی معنیٰ پر ہے۔

خلاصہ یہ کہ گوشت سب کے لیے بیماری نہیں بلکہ مخصوص لوگوں کے لیے یعنی خشک مزاجوں کے لیے ہے۔ اور یہی تاویل نہایت موزوں ہے کیونکہ اگر مطلقاً گائے کا گوشت بیماری ہوتا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لیے عید الاضحیٰ کے موقع پر ہرگز ذبح نہ کرتے۔

دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے کو بیانِ جواز کے لیے ذبح فرمایا ہو نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت آپ کو صرف گائے میسر آئی ہو۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ للامام السخاوی)

وَعَلَيْهَا اس سے یہ نہ سمجھنا کہ تمام جانوروں پر بوجھ لادا جاتا ہے بلکہ ان کی جنس مراد ہے۔ یعنی ان میں بعض وہ ہیں جن پر بوجھ لادا جاتا ہے جیسے اونٹ وغیرہ۔ بعض مفسرین نے کہا کہ یہاں پر صرف اونٹ ہی مراد ہے کیونکہ بوجھ اٹھانے کا رواج عرب میں صرف اونٹ پر ہے اور لفظ الفلك سے بھی یہی معنیٰ مناسب ہے کیونکہ فُلك دریائی اونٹ ہے اور اونٹ جنگلی کشتی۔ **وَعَلَى الْفُلْكِ** امام راغب نے فرمایا کہ یہ لفظ واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے لیکن ان دونوں کی اصل علٰحدہ علٰحدہ ہے مثلاً واحد ہو تو اس کا وزن قفل ہوگا۔ اگر جمع ہو تو اس کا وزن حمر آئے گا۔ **تُحْمَلُوْنَ** یعنی خشکی میں اونٹوں پر اور دریاؤں میں کشتی پر بوجھ اٹھاتے ہو۔ یعنی یہ تمہارے تابع ہیں کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں۔

سوال: یہاں پر وفی الفلك کیوں نہیں فرمایا حالانکہ سورۃ ہود میں قلنا احمل فیھا فرمایا ہے۔ یعنی اس کا صلہ فی ہونا چاہیے۔

جواب: (۱) دراصل اس سے ایعاء و استعلاء کا معنیٰ مطلوب ہے اور وہ دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے اس لیے کہ کشتی ہر اس شخص کے لیے بمنزلہ برتن کے ہے کہ وہ اس پر سوار ہو کر اپنا سامان لے جاتا ہے۔ جب دونوں معانی صحیح ہوئے تو دونوں طرح (علیٰ، فی) کا صلہ لانا صحیح ہوا۔

(۲) چونکہ اس کا عطف علیھا پر ہے اس کی مناسبت سے الفلك پر بھی لفظ علیٰ لایا گیا ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ دریائی سفر مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے بلا کراہت جائز ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔ لیکن بعض نے عورتوں کے لیے کراہت کا حکم فرمایا ہے۔ وہ دلیل میں کہتے ہیں کہ کشتی میں پردے وغیرہ کی احتیاط نہیں ہو سکتی اور نہ ہی وہ مردوں سے چہرہ وغیرہ چھپا سکتی ہیں اور قضاء حاجت وغیرہ کے لیے مردوں سے کس طرح چھپ سکیں گی بالخصوص جب کشتی چھوٹی ہو۔ (کذا فی انوار المشارق)

مسئلہ: ذخیرہ میں لکھا ہے کہ کشتی پر برائے ضرورت تجارت وغیرہ سوار ہونے سے اپنے اوپر اعتماد ہو

marfat.com

کہ خدانخواستہ اگر کشتی ٹوٹ جائے یا ڈوب جانے کا خطرہ ہو تو وہ تیر کر اپنی جان بچالے گا تو دریائی سفر جائز ہے اگر تیراکی نہیں جانتا تو پھر مکروہ ہے۔

مسئلہ: ذخیرہ کی تقریر سے معلوم ہوا کہ اگر تیرنا نہیں جانتا تو کشتی کا سفر اس کے لیے مکروہ ہے خواہ تجارت کے لئے سفر ہو یا طلب علم کے لیے یا دیگر امورِ خیر کے لیے۔ مثلاً حج یا زیارۃ الاقارب و صلۂ رحمی وغیرہ۔ اگرچہ اس میں صحت و سلامت اور سفر با ظفر کی امید غالب ہو یا نہ۔

مسئلہ: ذخیرہ کے برعکس دوسری کتبِ فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سفر اطمینان بخش ہو تو غیر تیراک کو بھی بلا کراہت کشتی کا سفر جائز ہے ورنہ ناجائز۔

حکایت شرح حزب البحر میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ مجھے دریا کے اوصاف سنائیے۔ اُنھوں نے عرض کی، وہ ایک عظیم مخلوق ہے جس پر ضعیف ترین مخلوق سوار ہوتی ہے اور وہ بھی ایک کمزور لکڑی پر۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر حج فرض نہ ہوتا اور لوگ اس ذریعہ سے حج ادا نہ کرتے ہوتے تو میں دریائی سفر کرنے والوں کو دُرّے مارتا۔ اس کے بعد آپ نے اس سفر کی ممانعت فرمادی لیکن بعد کو اس رکاوٹ سے رجوع فرمالیا۔ اسی طرح حضرت عثمان و حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو بھی دریائی سفر کے خطرات محسوس ہوئے تو رکاوٹ ڈالنے کا ارادہ فرمایا لیکن انسانی عام ضروریات کے پیش نظر جواز کا فتویٰ دیا۔ اسی پر اُمت کا اجماع ہے لیکن پھر بھی مشروط طور پر۔

مسئلہ: دریا وغیرہ میں تیرنا نبی علیہ السلام کی سنّت ہے۔

(اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:)

تیراکی کی سُنّیت کے دلائل

(۱) انسان العیون میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی وفات مدینہ طیبہ میں ہوئی لیکن انھیں دار المتابعہ میں دفنایا گیا۔

ف ۔ المتابعہ بالتاء المثناۃ فوق و بالباء الموحدۃ والعین المہملۃ، یہ ایک مرد کا نام ہے جو بنی عدی بن النجار کے قبیلے سے تھا اور حضرت عبد المطلب کے ماماؤں سے تھا اور النجار کا نام تیم تھا۔ بعض نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بنائی کہ انھوں نے اپنا ختنہ قدوم سے خود کیا۔ اور قدوم نجار کے ایک آلۂ صنعت کا نام ہے۔

جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو راستہ میں آپ کا اسی دار سے گزر ہوا تو آپ نے اس جگہ کو پہچان لیا اور فرمایا کہ مجھے اس جگہ پر میری والدہ کریمہ لے آئی تھیں اور میرے والد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا مزار شریف اسی دار میں ہے۔ اس مختصر تمہید و تعارف کے بعد اب

marfat.ocm

جاننا چاہیے کہ یہ لوگ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ثابت ہوئے اور یہ لوگ تیراکی میں مشہور و معروف تھے جو بنی عدی بن النجار کے بڑے کنوئیں میں تیرتے تھے۔ (اگر تیراکی ناجائز فعل ہوتا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی مدحت کے بجائے مذمت فرماتے)

(۲) حضرت عکرمہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بیان فرمایا کہ حضرت ابن عباس اور آپ کے اصحاب جحفہ کے کنوئیں میں خوب تیرتے تھے۔

(۳) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص اپنے ساتھی کو تیراکی سکھائے۔ جب تمام اصحاب نے ایک دوسرے کو یہ فن سکھا دیا تو خود حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بچ گئے۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گلے میں ہاتھ ڈال کر تیرنا شروع کیا اور ساتھ ساتھ یہ فرماتے جاتے تھے:

انا وصاحبی انا وصاحبی۔

(میں ہوں اور میرا دوست میں ہوں اور میرا دوست)[1]

ایک روایت میں ہے:

انا الی صاحبی وانا الی صاحبی۔

ف: ان روایات سے عدمِ جواز کے قائلین کا رد ہو گیا۔

ف: یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم واقعی تیراکی میں مہارت رکھتے تھے یا نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ تیراکی کا علم فی نفسہٖ تو تھا لیکن تیراکی کی مہارت تو اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کوئی تیر کر دکھائے۔ حضور علیہ السلام کو نہ کبھی دریائی سفر درپیش ہوا اور نہ ہی حرمین شریفین میں دریا تھا۔

---

[1] یہ تھی شانِ صدیقِ اکبر کی، (رضی اللہ عنہ) کسی نے کیا خوب منقبت لکھی ہے:

یہ عظمت یہ شرف یہ مرتبا صدیقِ اکبر کا
نبی صدیق اکبر کے خدا صدیقِ اکبر کا

بڑھا جب نشۂ ذوقِ وفا صدیقِ اکبر کا
مشیّت نے سجایا میکدہ صدیقِ اکبر کا

زمیں نے پھول برسائے جب ان کی نیک نامی پر
فلک نے جھک کے بوسہ لے لیا صدیقِ اکبر کا

فنا کے بعد رسمِ تعزیت رسمِ زمانہ ہے
پڑھیں گے مرثیا جود و سخا صدیقِ اکبر کا

کدورت لاکھ آ جائے صداقت چھپ نہیں سکتی
جلے گا آندھیوں میں بھی دیا صدیقِ اکبر کا

شبِ ہجرت بہم شمس و قمر تھے ایک منزل میں
نبی کی ذات تھی اور دوش تھا صدیقِ اکبر کا

محمد کی اطاعت کا یہ فیضِ خاص ہے اختر
جہاں میں نام روشن ہو گیا صدیقِ اکبر کا

(اویسی غفرلہٗ)

marfat.ocm

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا

اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا اے میری قوم! اللہ

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں تو کیا تمہیں ڈر نہیں تو اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کیا بولے

قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ

یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی چاہتا ہے کہ تمہارا بڑا بنے اور اللہ چاہتا تو فرشتے اتارتا

مَلٰۗىِٕكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ

ہم نے تو یہ اپنے اگلے باپ داداؤں میں نہ سنا وہ تو نہیں مگر ایک دیوانہ مرد تو کچھ

فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ

زمانہ تک اس کا انتظار کیے رہو نوح نے عرض کی اے میرے رب میری مدد فرما اس پر کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا تو ہم

اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَاۗءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ فَاسْلُكْ

نے اسے وحی بھیجی کہ ہماری نگاہ کے سامنے اور ہمارے حکم سے کشتی بنا پھر جب ہمارا حکم آئے اور تنور ابلے تو اس میں بٹھا لے

فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ

ہر جوڑے میں سے دو اور اپنے گھر والے مگر ان میں سے وہ جن پر بات پہلے پڑ چکی

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ

اور ان ظالموں کے معاملہ میں مجھ سے بات نہ کرنا یہ ضرور ڈبوئے جائیں گے پھر جب ٹھیک بیٹھ لے کشتی پر تو اور

وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾

تیرے ساتھ والے تو کہہ سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں ان ظالموں سے نجات دی

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور عرض کر کہ اے میرے رب مجھے برکت والی جگہ اتار اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے بے شک اس میں ضرور نشانیاں

لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا

ہیں اور بے شک ضرور ہم جانچنے والے تھے پھر ان کے بعد ہم نے اور سنگت پیدا کی تو ان میں ایک

فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ ع ۲

رسول انہیں میں سے بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں تو کیا تمہیں ڈر نہیں

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ لام قسم کا جواب ہے اور قصّے کو قسم سے شروع کرنے میں اس کی عظمتِ شان کا اظہار مطلوب ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ مضمون نہایت ہی مہتم بالشان ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ بخدا ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ جمال الدین کے قصیدہ میں ہے: ؎

من کثیر الذنب نوحوا نوح نوح فی الرسل

انه عمرا طویلا من قلیل النطق ناح

ترجمہ: زیادہ گناہوں سے آنسو بہاؤ۔ نوح علیہ السلام رسولوں میں بہت رونے والے تھے۔ انھوں نے بڑی عمر پائی اور ایک تھوڑی سی بات سے عمر بھر روتے رہے۔

اعجوبہ: حضرت نوح علیہ السلام ایک خارش زدہ کتّے کے پاس سے گزرے اور آپ نے اس کو کہہ دیا کہ یہ کیسا گندا کتا ہے۔ اس کے بعد ندامت سے عمر بھر روتے رہے۔

فَقَالَ توحید کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا **یٰقَوْمِ** اے میری قوم! در اصل یا قومی تھا۔ **اعْبُدُوا اللّٰہَ** ایک اللہ کی عبادت کرو۔ توحید کا معنیٰ ہم نے **مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ** کے قرینہ کی وجہ سے کیا ہے۔ یعنی وجود یا عالم میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں اس معنے پر الٰہ مرفوع ہے اس لیے کہ الٰہ کے محل کے اعتبار سے الٰہ کی صفت ہے اور الٰہ کا محل رفع اس لیے ہے کہ وہ فاعل ہے یا مبتدا ہے اور اس کی خبر لکم ہے اور من زائد ہے۔ **اَفَلَا تَتَّقُوْنَ** ۝ ہمزہ واقع کے انکار و استقباح کے لیے ہے اور فاء کا معطوف مقدر ہے جیسا کہ محل و مقام کا تقاضا بتاتا ہے کہ یہ در اصل الا تعرفون ذٰلک یعنی کیا تم مالکم من الٰہ غیرہ کے مضمون سے واقف نہیں ہو۔ فلا تتقون تو اس کے ساتھ اس کی عبادۃ میں دوسروں کو شریک کر کے اس سے ڈرتے نہیں کہ جو عبادت کا استحقاق نہیں رکھتے کیونکہ انھیں اللہ تعالیٰ پیدا نہ کرتا تو سرے سے عالمِ وجود میں بھی نہ ہوتے تو پھر وہ عبادت کے مستحق کیسے ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ تحقق موجب کے باوجود تقویٰ نہ کرنا بُرا کام ہے۔ کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو اور اس کے غیر کی عبادت کی طرف مائل نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے نوح یعنی رُوح کو اس کی قوم یعنی قلب، سر، نفس، قالب اور اس کے اعضاء کی طرف بھیجا فقال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ تو اس نے انھیں کہا کہ خواہشات اور شیطان کی پرستش مت کرو۔ قلب کی عبادت یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی محبت میں مستغرق ہو اور ما سوی اللہ سے تعلقات ختم کرے اور سِرّ کی عبادت یہ ہے کہ توحید میں گم ہو اور نفس کی عبادت یہ ہے کہ اخلاق مذمومہ کو محمودہ سے تبدیل کرے اور قالب کی عبادت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے لیے متجرد ہو اور جوارح کی عبادت یہ ہے کہ وہ ارکانِ شریعت کو قایم رکھیں افلا تتقون کیا وہ ان عبادات کی وجہ سے حرمان و خذلان اور عذاب نیران سے

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ فَقَالَ الْمَلَؤُا لیڈروں اور بڑے آدمیوں نے کہا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ اس کی قوم کے کافروں میں سے۔ یعنی عوام کو لیڈروں اور بڑے آدمیوں نے کہا اس میں مبالغہ مطلوب ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو رتبہ عالیہ سے گرانے اور منصبِ نبوت سے ہٹانے میں معمولی لوگوں نے جدوجہد نہیں کی بلکہ قوم کے چودھریوں اور بڑے بڑے لیڈروں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ حضرت کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ جب قوم کے اکابر نے دیکھا کہ ان کے اصاغر حضرت نوح علیہ السلام کی دعوتِ حق کی طرف میلان رکھتے ہیں تو انھوں نے نوح علیہ السلام سے نفرت دلاتے ہوئے انھیں کہا مَا هٰذَآ نہیں ہے یہ شخص جو تمھیں توحید کی دعوت دیتا ہے اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ مگر ایک بشر جو تمھاری جنس سے اور تمھارے وصفِ بشریت سے موصوف ہے تمھارے اور اس کے مابین کوئی فرق نہیں یعنی وہ اور تم سب برابر ہو (جیسے[1] آج کل وہابی دیوبندی نجدی وغیرہ کہتے ہیں کہ نبی و غیر نبی میں کوئی فرق نہیں، وہ بھی ہمارے جیسے بشر تھے صرف نبوت و غیر نبوت کا فرق ہے، معاذاللہ۔ ہم کہتے ہیں ان کی بشریت حق ہے لیکن بشریت بشریت کا فرق ہے وہ یہ کہ ان کی بشریت نور بن گئی اور ہماری بشریت گناہوں کی گندگیوں سے آلودہ۔ پھر قاعدہ ہے کہ کفار کے مقولہ سے اہلِ ایمان کو ممانعت ہے۔ کما قال لا تقولوا راعنا الخ اور یہ بشر بشر کی رٹ ابلیس سے لے کر ابوجہل تک پھر خارجیوں سے لے کر دیوبندیوں وہابیوں تک ایک گستاخی کا کلمہ بن گیا ہے اسی لیے اس کے اطلاق علی الانبیاء سے احتراز ضروری اور لازمی ہے۔ مزید تفصیل تفسیر اویسی میں دیکھیے)

ف : کاشفی نے لکھا کہ کافروں کو لیڈروں نے کہا کہ نوح علیہ السلام تمھارے جیسا انسان ہے۔ دیکھو وہ تمھاری طرح کھاتا پیتا اور شادیاں وغیرہ کرتا ہے (یہی[2] آج وہابی اور ان کے جملہ ہمنوا کہتے ہیں)

یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ چاہتا ہے کہ وہ تمھارے اوپر فوقیت حاصل کرے اور نبوت و رسالت کا دعویٰ کر کے تمھارا امیر بن جائے باوجودیکہ وہ تمھارے جیسا انسان ہے۔ الجلالین میں ہے کہ وہ تمھارے اوپر شرافت کا خواہاں ہے اور چاہتا ہے کہ وہ تم سے افضل ہو اور تم اس کے زیرِ فرمان اور وہ تمھارا افسر۔ یہ ایسے ہے جیسے فرعونیوں نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کے لیے کہا وتکون لکما الکبریاء فی الارض۔ لیڈروں نے طیش دلانے اور حضرت نوح علیہ السلام کی دشمنی پر اکسانے کی نیت سے کہا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ اور اگر اللہ تعالیٰ تمھارے ہاں رسول بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتا تاکہ مرسل اور مرسل الیہم کے درمیان امتیاز ہو۔

ف : انزل اس لیے کہا کہ ملائکہ کا بھیجنا اسی طریقہ انزال سے ہوتا ہے۔ مشیت کا مفعول نفسِ مضمون نہیں بلکہ مطلق

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ [2] ایضاً

marfat.ocm

ارسال ہے جو جواب سے سمجھا جاتا ہے جیسے ولوشاء لبھذا کہو اور اس جیسی عبارات سے واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے بعض باطل پرست سالکوں کے مقالات کی طرف اشارہ ہے مثلاً بعض ان میں طلبِ الٰہی میں سستی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ ہم اس کی طلب میں سعی کریں تو صفاتِ ملکیہ و توفیق ربانی سے ہماری تائید ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا ہم نے تو ایسی گفتگو اپنے پہلے بزرگوں میں سے کسی سے نہیں سنی۔ واحد رب تعالیٰ کی عبادت اور اس کی توحید کا کلام ہم نے اپنے اسلاف سے نہیں سنا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ اس سے ان کے بعثتِ نوح علیہ السلام سے قبل کے لوگ مراد ہیں۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ بھٰذا سے ارسال البشر مراد ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا علیٰ رجل منھم۔ لیکن انھیں اس پر اعتماد نہ تھا اس لیے کہہ دیا کہ ہم نے تو کسی سے نہیں سنا کہ آدمی رسولِ خدا بن کر مخلوق کی رہبری کے لیے آتا ہے۔

سوال : نوح علیہ السلام سے پہلے ادریس علیہ السلام بھی نبی گزرے تھے ان کا نام انہوں نے سنا ہوگا، پھر ان کا مطلق انکار کس طرح صحیح ہو سکتا تھا۔

جواب : غلو فی التکذیب میں افراط اور عناد کے طور کہہ دیا جیسے سرکشوں کی عادت ہے یا ادریس علیہ السلام کی مدتِ نبوت کو ایک لمبا عرصہ گزرا جو ان کے اور ان کے درمیان فترت کے دور کو خاصی مدت گزری اس لیے انھیں معلوم نہ ہونا بعید از امکان نہیں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ یہ نہیں مگر ایسا مرد جسے جنون ہے ورنہ وہ ایسی بہکی بہکی باتیں نہ کہتا اور نہ ہی بشر کو رسالت کی قابلیت و صلاحیت ہے۔

ف : جنون ایک عارضہ ہے جو نفس و عقل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ ردِ منکرینِ ولایت : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اربابِ حقیقت کے احوال اصحابِ طبیعت کو جنون محسوس ہوتا ہے ایسے ہی اربابِ حقیقت اصحابِ طبیعت کے احوال کو جنون سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف : ترکِ عقل و اختیارِ عشق کے بعد کا جنون اہلِ حق کو نصیب ہوتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست درو
شرط اول قدم آنست کہ مجنون باشی

marfat.com

ترجمہ: لیلیٰ کی منزل کی راہ میں بڑے خطرے ہیں اس کے لیے مجنون بننا شرطِ اول ہے۔

حضرت صائب نے فرمایا: ؎

روزنِ عالم غیب است دل اہل جنون

من و آن شہر کہ دیوانہ فراوان باشد

ترجمہ: اہلِ جنون کا دل عالمِ غیب کا دریچہ ہے۔ میں اور وہ ایسے شہر میں ہیں جہاں بے شمار دیوانگانِ عشق ہیں۔

تفسیرِ عالمانہ فَتَرَبَّصُوا بِهٖ پس صبر کرو اور انتظار کرو۔ امام راغب نے فرمایا کہ التربص بمعنے کسی شے کا چند لمحات اس لیے انتظار کرنا کہ ممکن ہے وہ شے سستی ہو جائے یا اس کے لیے عام رخصت ہو جائے یا اس کے زوال یا حصول کے لیے انتظار کرنا۔

حَتّٰى حِيْنٍ ۝ اس وقت تک کہ اسے جنون سے افاقہ ہو۔ یعنی تھوڑا سا صبر کرو کہ ممکن ہے وہ مر جائے یا جنون سے شفا پا کر ایسی بہکی باتیں نہ کہے فلہٰذا تم اپنے کام میں لگے رہو۔

قَالَ نوح علیہ السلام جب کفار سے مایوس ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے کہا رَبِّ اے میرے پروردگار! انْصُرْنِيْ میری مدد فرما ان کی تباہی و ہلاکت پر، بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ اس لیے کہ انہوں نے میری خوب تکذیب کی ہے یا میری تکذیب کے بدلے میں فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اس کے بعد ہم نے ان کے ہاں وحی بھیجی یا انہیں چپکے چپکے سمجھایا اس لیے کہ الوحی اور الایحا بمعنے اعلام فی خفا یعنی کسی کو چپکے چپکے کچھ بتانا اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ یہ اِن مفسرہ ہے اوحینا کی تفسیر کرتا ہے اس لیے کہ الوحی قول کے معنے کو متضمن ہے۔ الصنع بمعنے کسی کو ٹھیک طور پر کرنا بِاَعْيُنِنَا وہ متلبس ہو ہماری حفاظت کے ساتھ۔ یعنی ہم اس کی نگرانی کریں گے تاکہ اس کی تیاری میں غلطی نہ ہو جائے یا کوئی مفسد نقصان نہ کر ڈالے۔ یہ فلان بعینی کے محاورے سے ہے بمعنے احفظہ و داعیہ۔ اسی طرح ھو منی بمرأی و مسمع بھی یہی معنے دیتا ہے۔

ملفوظ جنید سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جو مشاہدہ سے عمل کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اپنی رضا کا وارث بناتا ہے۔ کما قال: و اصنع الفلك باعيننا۔

وَ وَحْيِنَا بمعنے امرنا و تعلیمنا لكيفية صنعها۔ یعنی اس کی تیاری کے کوائف ہماری تعلیم اور امر کے مطابق ہوں۔

ف: مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ کشتی کو جؤجؤ کی شکل و صورت میں تیار فرمائیں۔ (جؤجؤ، ایک پرندہ)

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے نوح یعنی روح کو حکم فرمایا کہ وہ ہماری نگرانی میں شریعت پر کاربند ہو اس میں نہ نفس کی خواہش کو دخیل ہونے دے اور نہ عقل کو، کیونکہ فلاسفہ و براہمہ اسی عقل و خواہش نفسانی کی وجہ سے مارے گئے ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا جب ہمارا امر برلئے عذاب قریب ہو جائے وَفَارَ التَّنُّوْرُ اور تنور جوش مارے۔ یعنی جب آپ کی عورت روٹی پکا کر فارغ ہوگی تو اس کے بعد تنور سے آگ کا شعلہ نکلے گا۔ (کذا فی تفسیر الفارسی) الفور بمعنے شدت کا شعلہ مارنا۔ یہ آگ کے لیے مستعمل ہے۔ مثلاً، ھاجت النار۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب آگ جوش مارے۔ ہانڈی اور غضب اور پانی کے جوش کے وقت بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اور پانی کے جوش کو ہانڈی سے مشابہت کی وجہ سے فور کہا جاتا ہے۔ کبھی الفور الساعة (یعنی ابھی ابھی) کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور التنور سے یہی روٹیوں والا تنور مراد ہے۔ خرقِ عادت کے طور پر اس سے پانی کے چشمے بہنے لگے۔ اور یہ تنور مسجد کے مقام پر کوفہ میں تھا۔

ف: نوح علیہ السلام کو حکم تھا کہ جب تنور سے پانی جوش مارے تو آپ اور آپ کے ساتھی کشتی میں بیٹھ جائیں۔ یاد رہے کہ یہ آدم علیہ السلام کا تنور تھا جو نوح علیہ السلام کے زمانے تک بدستور چلا آیا۔ جب پانی نے تنور سے جوش مارا تو نوح علیہ السلام کو ان کی اہلیہ نے خبر دی۔

فَاسْلُكْ فِيهَا کشتی میں داخل کیجئے۔

حلِ لغات: اہلِ عرب کہتے ہیں، سلك فيه بمعنے دخل اور سلكه فيه اي ادخله یعنی اس نے اسے داخل کیا۔ اسی لغت سے ہے، ما سلككم في سقر۔ (یعنی تمہیں جہنم میں کس شے نے داخل کیا)

مِنْ كُلٍّ ہر گروہ اور نوع سے زَوْجَيْنِ جوڑا یعنی نر و مادہ اثْنَيْنِ یہ زوجین کی تاکید ہے۔ اس سے نر اور مادہ مراد ہے۔

ف: تیسیر میں لکھا ہے کہ کشتی میں وہ چیزیں داخل کی گئیں جو بچے جنتی یا انڈے دیتی تھیں۔

وَأَهْلَكَ یہ منصوب ہے اس کا فعل مذکور ناصب ہے۔ یعنی اسلك اهلك یہاں پر اهل سے آپ کی زوجہ اور آپ کی اولاد مراد ہے۔ اور اهل کی تاخیر بوجہ تفصیل کے ہے یعنی استثناء وغیرہ سے اس کی تفصیل کی جائے گی۔ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ مگر وہ جس پر قولِ کفر سبقت کر گیا ہے یعنی اہل سے وہ اس کشتی میں داخل نہ ہو جس کے کافروں کے ساتھ تباہ اور ہلاک ہونا ہے۔ اس سے کنعان ابن نوح اور اس کی والدہ واغلہ مراد ہے اور لفظ علیٰ ضرر کے لیے ہے اس لیے سبقت کرنے والی تقدیر اس اہل کے لیے مضر تھی۔ لام نفع کے لیے آتی ہے اسی لیے ان الذین سبقت لهم منا الحسنیٰ میں لام لائی گئی ہے کہ ایسے لوگوں پر

marfat.ocm

تقدیر کی سبقت فائدہ کے لیے تھی۔ وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اور مجھے ان کے بارے میں کچھ نہ کہنا جو جبراً اثم و معاصی کا ارتکاب کر کے ظالم ہوئے اور جو جرائم پیشہ میں شفاعت کے قابل نہیں، نہ ہی ان کی سفارش کی جائے۔ اور ان کی شفاعت ہو بھی کیسے جبکہ نجات یافتہ لوگوں کو کشتی میں داخل ہونے والوں کے لیے الحمد پڑھی گئی اگر ان کی نجات بھی ہو جائے تو اس کا معنی یہ ہوا کہ جرائم پیشہ لوگوں کے لیے بھی حمد ہو۔ اور یہ غلط طریقہ ہے۔ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ اس معنے پر وہ یقیناً غرق ہوں گے کیونکہ وہ کفر و شرک میں مبتلا تھے اور کافر و مشرک کے لیے غرق ہونا ضروری ہو چکا تھا فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ اور جب آپ اور آپ کے اہل و عیال اور آپ کی جماعت کشتی میں سوار ہو جائیں۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ لفظ استواء دو طریقوں سے استعمال ہوتا ہے :

(۱) اس کی طرف دو یا اس سے زاید فعل کا اسناد ہو۔ مثلاً :

استوٰی زید و عمر کذا بمعنے تساویا۔

قرآن مجید میں ہے :

لا یستوون عند اللہ۔ اس میں استواء کا اسناد دو سے زاید فاعلوں کی طرف ہوا ہے۔

(۲) جو شے فی نفسہٖ معتدل ہو اس کے لیے استعمال ہوتا ہے فاذا استویت یعنی آیت ہذا۔

قاعدہ : پھر یہ جب متعدی بعلیٰ ہو تو استعلاء کا معنیٰ دیتا ہے۔ مثلاً الرحمٰن علی العرش استوٰی۔

عَلَی الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اور جب آپ کشتی پر سوار ہوں تو کہنا جمیع محامد اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات بخشی۔

سوال : کشتی میں اور لوگ بھی تو تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے حمد کا حکم صرف نوح علیہ السلام کو کیوں دیا؟

جواب : ان کی بزرگی اور شرافت کے اظہار کے لیے۔ اور متنبہ کرنا ہے کہ نوح علیہ السلام کی حمد میں وہ خلوص ہے جو دوسروں میں بہت کم ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ اور کہنا اے میرے اللہ تعالیٰ! مجھے اتار کشتی میں یا کشتی سے باہر۔ یعنی یہ دعا دونوں وقتوں کو شامل ہے۔ یعنی کشتی میں داخل ہونے کے لیے بھی اور اس سے فراغت کے بعد بھی۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دعا صرف کشتی میں داخلے کے لیے ہے۔ لیکن مشہور تر یہ ہے کہ یہ دونوں وقتوں کے لیے ہے۔

مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا منزل بمعنے مصدر رہے یا ظرف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ ہمیں ایسی جگہ پر اتار، جو خیر کثیر سے بھرپور ہو۔ اسے بفتح المیم بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی موضع نزول۔ اور نزول بمعنے اوپر سے نیچے اُترنا۔

marfat.ocm

مثلاً کہا جاتا ہے : نزل عن دابتہ و نزل فی مکان کذا ۔ یعنی اس جگہ پر اپنا سامان اتارا اور دوسرے کو اسی جگہ پر ٹھہرایا ۔ وَاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ٥ الجلالین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی انھیں حکم فرمایا ، اھبط بسلام منا و برکات علینا ہماری طرف سے سلامتی اور بے شمار برکات کے ساتھ اُترئیے۔ چنانچہ کشتی سے اُترنے کے بعد انھیں وہ برکات نصیب ہوئیں کہ زہے نصیب ۔ مثلاً تا حال تمام نسلِ انسانی نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی مرہونِ منت ہے [1] افسوس کہ وہابی نجدی وغیرہ انبیاء علیہم السلام بالخصوص نوح علیہ السلام کی ایسی دعاء مستجاب کو بھول جاتے ہیں اور ان کے وہ واقعات بار بار دُہراتے ہیں جن میں بظاہر ان کے خلاف نظر آتے ہیں اگرچہ درحقیقت وہ دُعا نہیں ہوتی اگر ہوتی ہے تو اس میں اسرار و رموز مضمر ہوتے ہیں مثلاً بار بار پیش کرتے ہیں کہ کنعان کے لیے نوح علیہ السلام کی دُعا رد ہوئی (معاذ اللہ) تفصیل ہم نے پارہ نمبر ۱۲ میں لکھ دی ہے مزید تفسیر اویسی میں ملاحظہ ہو)

فائدہ صوفیانہ : حضرت کاشفی نے لکھا کہ سلمی از ابن عطا نقل فرماتے ہیں کہ منزل مبارک سے وہ منزل مراد ہے جو ہواجسِ نفسانی و وساوسِ شیطانی سے محفوظ و مامون ہو اور اس میں آثار قرب از جمال قدس نازل ہوں ۔

۱ ہر کجا پرتو انوار جمال بیشتر
برکت آں منزل از ہمہ منازل افزون تر

۲ در منزلے کہ یارے روزے رسیدہ باشد
با ذرہ ہائے خاکش داریم مرحبائے

ترجمہ : (۱) جہاں انوارِ جمال کا پرتو (عکس) بہت زیادہ ہو وہ منزل دوسری منازل سے بڑی بابرکت ہو۔
(۲) کسی منزل میں دوست کی تشریف آوری ہو اس منزل کے ہر ذرہ کو صدہا مبارک ۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ نوح علیہ السلام اور آپ کی اُمت کے ساتھ جو کچھ ہُوا یہ اشارہ اسی کی طرف ہے لَاٰیٰتٍ بہت بڑی جلیل القدر آیات ہیں انہی سے اولی الابصار استدلال کرتے اور اہلِ اعتبار عبرت پکڑتے ہیں ۔ وَاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ٥ یہ اِنْ مخففہ ہے اور لام فرق بتاتی ہے کہ یہ نافیہ نہیں بلکہ ثقیلہ ہے اور اس کی ضمیر شان محذوف ہے دراصل عبارت یوں ہے و ان الشان کنا الخ یعنی شان یہ ہے کہ ہم نے انہی آیات سے اپنے مخصوص بندوں کا امتحان لیا تاکہ ظاہر ہو کہ وہ ان سے نصیحت حاصل کرتے اور عبرت پکڑتے ہیں یا نہیں ۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

marfat.ocm

قاعدہ لفظ ابتلاء : امام راغب نے فرمایا کہ جب کہا جائے ابتلی فلاں یا ابلاہ، تو وہ دو معانی کو متضمن ہوتا ہے :

(۱) معلوم کیا جائے کہ اس کا معاملہ کیسا ہے، مخلص ہے یا منافق ۔

(۲) اس کے کھرے کھوٹے ہونے کو ظاہر کرنا ۔

اللہ تعالیٰ کے لیے یہی دوسرا معنی استعمال ہوتا ہے کیونکہ اسے تو پہلے ہی سب کا حال معلوم ہے۔

شانِ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام آزمایش کو نمک کی طرح سمجھنا چاہیے ۔ اکابر انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام اگرچہ مصائب و مشکلات کے سامنے پہاڑ کی طرح مضبوط تھے تب بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کی تو ان حضرات نے اس پر صبر کیا ۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کو ساڑھے نو سو سال آزمائش میں رکھا تو نوح علیہ السلام نے اُف تک نہ کی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں قل الحمد للہ الذی نجانا من القوم الظّٰلمین کے خطاب سے نوازا۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

گرت چو نوح نبی صبر ہست بر غم طوفان
بلا بگردد و کام ہزار سالہ بر آید

ترجمہ : اگر تجھے نوح علیہ السلام کی طرح صبر کی طاقت ہے جیسے انھوں نے طوفان کے غم سے صبر کیا تو مراد پوری ہُوئی اسی طرح تیری مراد بھی پُوری ہو گی۔

ف : نوح علیہ السلام نے ظالم قوم کے لیے بددُعا فرمائی یہ بھی اذنِ الٰہی تھا۔ پھر جب قہرِ الٰہی آیا تو لطفِ رحمانی نے ظالمین پر کوئی لطف و کرم نہ فرمایا اور دُعا میں عاجزی و انکساری کا اظہار مطلوب ہے اور اس میں بھی درحقیقت انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام کی رفعتِ شان کا اظہار مطلوب ہوتا ہے بلکہ یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پیارے بندوں کے لیے نفع بخش ہے۔

ف : حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عبادت بمنزلہ تالہ کے ہے اس کی کنجی دعا ہے اور اس کنجی کے دندانے اکلِ حلال۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعاؤں میں سے ایک دُعا یہ تھی کہ اے اللہ تعالیٰ! جو کچھ میں چاہتا ہُوں اگر تیری رضا اس کے خلاف ہے تو مجھے اس پر صبر کی توفیق بخش۔

سبق آیت میں اشارہ ہے کہ مومن پر لازم ہے کہ وُہ اپنے لیے منزل مبارک کی طلب کرے۔ یعنی وُہ مبارک منزل جس میں دین و دنیا کی بھلائی ہو ؎

سعدیا حُبِ وطن گرچہ حدیث ست صحیح   نتوان مرد بسختی کہ من اینجا زادم

marfat.ocm

ترجمہ : اے سعدی ! اگرچہ حب الوطن من الایمان صحیح حدیث ہے لیکن وہاں اس ارادہ پر سختی کی موت مرنا کہ وہی میرا مولا ہے۔

ف : اگر غور سے دیکھا جائے تو انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیاء میں سے اکثر نے اپنے وطن اصلی سے ہجرت کی اس لیے کہ ظالم قوم میں زندگی بسر کرنا اچھا نہیں۔

صاحبِ روح البیان کی اپنی کہانی

(صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے مجھے بار بار ہجرت کا موقعہ بخشا اور شکر ہے کہ اب بہتر شہر بروسہ میں مقیم ہونے کا شرف بخشا اور میرے نام نیک فال آئی کہ مجھے اچھے شہر میں رہنے کا موقعہ نصیب ہوا اور جن لوگوں نے میرے ساتھ مخالفت کی اور میرے وعظ و نصیحت سے منہ موڑا وہ تباہ و برباد ہوئے اور میری آزمائش ہوئی اس سے میں نے نجات پائی اور قہر و لطف سے اور جلال جمال سے تبدیل ہوا۔ [1]

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قومِ نوح کو تباہ و برباد کرنے کے بعد ہم نے پیدا کی قَرْنًا اٰخَرِيْنَ قوم آخرین۔ اس سے قومِ عاد وغیرہ مراد ہے۔ کما قال تعالیٰ :

حکایۃ عن ھود علیہ السلام واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح۔

اور قرن سے وہ قوم مراد ہے جو یکے بعد دیگرے آئی۔

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ پھر ہم نے ان میں بھیجے رَسُوْلًا مِّنْهُمْ رسول علیہ السلام انہی میں سے، یعنی ان کے نسب سے۔ اس سے ہُود کی قوم مراد ہے نہ کہ خود ہُود اور صالح علیہما السلام۔ ہاں اگر قرن سے قومِ عاد و ثمود مراد ہو تو رسول سے ہُود و صالح علیہما السلام مراد ہو سکتے ہیں اور رسول بمعنے مرسل پر مقام کی مناسبت سے تثنیہ و جمع ہو سکتا ہے، جیسے انا رسولا ربك۔ اور قرن ارسال کی ظرف ہے جیسے امة کا لفظ آیۃ کذالك ارسلناك فی اُمة میں ظرف ہے اور یہ لقد ارسلنا نوحًا الیٰ قومه کی غایت نہیں اس میں اشارہ ہے کہ وہ رسل کرام علیہم السلام غیر ممالک سے نہیں بلکہ ان کے اپنے مولد و منشا اور ان کی اپنی برادری سے تھے اور ان کے سامنے جوان ہوئے اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ان مفسرہ ہے ارسلنا کی تفسیر کرتا ہے اس لیے کہ ارسال میں قول کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ

(باقی برصفحہ ۴۷)

---

[1] فقیر اویسی غفرلہ کو بھی ہجرت نصیب ہوئی۔ اگرچہ اپنے اصلی وطن حامد آباد ضلع رحیم یار خاں میں دینوی لحاظ سے ہر طرح سے آرام تھا لیکن دینی خدمات سرانجام دینے کے لیے سخت دشواریاں تھیں۔ الحمد للہ جب سے بہاول پور شہر میں ہجرت کر کے یہاں پر مستقل اقامت رکھی۔ دینی خدمات میں بہتر مواقع میسر آئے۔ خدا کرے یہ مختصر خدمات قبول ہوں۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

marfat.ocm

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي
اور بولے اس قوم کے سردار جنہوں نے کفر کیا اور آخرت کی حاضری کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں دنیا کی زندگی
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ
میں چین دیا کہ یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی جو تم کھاتے ہو اسی میں سے کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو اسی
مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿٣٣﴾ وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ ﴿٣٤﴾ أَيَعِدُكُمْ
میں سے پیتا ہے اور اگر تم کسی اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کرو جب تو تم ضرور گھاٹے میں ہو کیا تمہیں یہ وعدہ
أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُمْ مُخْرَجُونَ ﴿٣٥﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا
دیتا ہے کہ تم جب مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے اس کے بعد پھر نکالے جاؤ گے کتنی دور ہے جو تمہیں وعدہ دیا
تُوعَدُونَ ﴿٣٦﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٣٧﴾ إِنْ
جاتا ہے وہ تو نہیں مگر ہماری دنیا کی زندگی کہ ہم مرتے جیتے ہیں اور ہمیں اٹھنا نہیں وہ تو
هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي
نہیں مگر ایک مرد جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور ہم اسے ماننے کے نہیں عرض کی کہ اے میرے
بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٣٩﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ﴿٤٠﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ
رب میری مدد فرما اس پر کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا اللہ نے فرمایا کچھ دیر جاتی ہے کہ یہ صبح کریں گے پچھتاتے ہوئے تو انہیں آلیا سچی چنگھاڑ نے
فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً فَبُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ﴿٤٢﴾
تو ہم نے انہیں گھاس کوڑا کر دیا تو دور ہوں ظالم لوگ پھر ان کے بعد ہم نے اور سنگتیں پیدا کیں
مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿٤٣﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا كُلَّ مَا جَاءَ أُمَّةً
کوئی امت اپنی میعاد سے نہ پہلے جائے نہ پیچھے رہے پھر ہم نے اپنے رسول بھیجے ایک پیچھے دوسرا جب کسی
رَسُولُهَا كَذَّبُوهُ فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ فَبُعْدًا لِقَوْمٍ
امت کے پاس اس کا رسول آیا انہوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے اگلوں سے پچھلے ملا دیے اور انہیں کہانیاں کر ڈالا تو دور
لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٤٤﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿٤٥﴾
ہوں وہ لوگ کہ ایمان نہیں لاتے پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی آیتوں اور روشن سند کے ساتھ بھیجا
إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ﴿٤٦﴾ فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ
فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انہوں نے غرور کیا اور وہ لوگ غلبہ پائے ہوئے تھے تو بولے کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے

marfat.ocm

مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا
جیسے دو آدمیوں پر اور ان کی قوم ہماری بندگی کر رہی ہے تو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا تو ہلاک کئے ہوؤں میں ہو گئے اور بیشک ہم نے
مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَاۤ
موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی کہ ان کو ہدایت ہو۔ اور ہم نے مریم اور اس کے بیٹے کو نشانی کیا اور انہیں ٹھکانا دیا ایک
اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾
بلند زمین جہاں بسنے کا مقام اور نگاہ کے سامنے بہتا پانی

(بقیہ ص)

نے فرمایا: قلنا لہم علیٰ لسان الرسول ان اعبدوا اللہ وحدہ۔ اس لیے کہ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں اس کا اعراب بیان ہو چکا اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ بحر العلوم میں ہے کہ دراصل عبارت یوں تھی: اتشرکون باللہ کیا تم اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ کیا تم شرک کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں ہو؟ شرک کرنا اور تقویٰ نہ کرنا دونوں گناہ ہیں۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا امام راغب نے فرمایا کہ الملاء بمعنے ایسی جماعت جو جب کسی رائے پر مجتمع ہو تو آنکھوں اور نفوس کو دلالت اور رونق سے بھرپور کر دے۔ یہاں پر نوح علیہ السلام کی کافر برادری کے لیڈر مراد ہیں اور انہیں کفر سے موصوف کرنے میں ان کی مذمت مطلوب ہے اور اس مضمون کو فا کے بجائے واؤ سے بیان کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ کلام کلام رسول علیہ السلام سے متصل نہیں کیونکہ قولِ حق و قولِ باطل کا اجتماع محال ہے اور ان کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔

ف: برہان القرآن میں لکھا ہے کہ اس آیت میں قومہ کو مقدم اور ماقبل والی آیت میں مؤخر لانے میں حکمت ہے وہ یہ کہ ماقبل والی آیت میں الذین کا صلہ فعل اور فاعلین کی ضمیر پر مقصور ہے پھر اس کے بعد جار و مجرور پھر فاعل و مفعول مذکور ہوا۔ یہاں پر یہ بات نہیں، اس لیے موصول کا صلہ فاعل و مفعول اور اس پر دوبارہ عطف ڈالنے سے طویل ہو گیا ہے اور جار و مجرور کو مقدم کرنے میں ضرورت ہے کہ اس طرح نہ کیا جاتا تو التباس پڑ جاتا اور اسے درمیان میں لانے سے بھی عبارت رکیک ہو جاتی بنا بریں اسے مقدم لانا مناسب ہوا۔ وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ

marfat.ocm

اور انہوں نے آخرت کی طرف رجوع کرنے اور اس میں اٹھنے اور جمع ہونے اور اس کے حساب اور ثواب و عقاب کا انکار کیا وَ اَتْرَفْنٰهُمْ اور ہم نے انہیں نعمت سے نوازا اور ان کے معاملات میں وسعت پیدا فرمائی۔ یہ ترف فلان بمعنی توسع فی النعمۃ واترفتہ النعمۃ اطغتہ سے ہے فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا حیاۃ دنیا میں کثرتِ اموال و اولاد سے، پھر انہوں نے اپنے ماتحت لوگوں سے ہود علیہ السلام سے نفرت دلاتے ہوئے کہا مَا هٰذَاۤ نہیں ہیں ہود علیہ السلام اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ مگر تمہارے جیسے بشر یعنی صفات و اقوال میں تمہارے جیسے ہیں یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ یَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۞ جس سے تم کھاتے پیتے ہو اس سے وہ بھی کھاتا پیتا ہے[1]۔ یہ تاکید ان کے اس دعویٰ کی ہے کہ یہ تمہارے جیسے بشر ہیں وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اگر تم مذکورہ بالا صفات و احوال والے بشر کی اطاعت کرو گے تو بخدا اِنَّكُمْ اِذًا بے شک تم اس وقت (یعنی جب تم ان کی اطاعت کرو گے) لَّخٰسِرُوْنَ ۞ خسارہ والے ہو گے یعنی تم بے عقل سمجھے جاؤ گے اور تم فکر و نظر کے لحاظ سے بالکل گرے ہوئے متصور ہو گے۔

حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ لکھا کہ تم بڑا نقصان اٹھاؤ گے اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی اطاعت کی۔

سبق: غور کیجئے کہ کفار و مشرکین نے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت اور ان کی اتباع (جو سراسر سعادۃ دارین ہے) کو کیسے غلط انداز میں بیان کیا کہ اسے خسارہ اور نقصان سے تعبیر کیا اور بت پرستی جو سراسر نقصان اور گھاٹا ہے اس کے لیے نقصان و خسران کا تصور ہی نہیں رکھتے تھے۔ (اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے)

ترکیب: لفظ اذًا ان کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان واقع ہوا ہے حرف شرط کے مضمون کی تاکید کے لیے، اور جملہ قسم محذوف کا جواب ہے۔

ف: بعض فضلاء نے فرمایا کہ اذًا اسم ظرف مضاف ہے۔ اس کا مضاف الیہ محذوف ہے۔ یہی تنوین

---

[1] آج بھی ہم اہلسنت کو وہابی نجدی، دیوبندی انبیاء علیہم السلام بالخصوص آقائے کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہی آیت سناتے ہیں۔ یعنی وہ نبی غذا میں تمہاری طرح محتاج ہے اگر وہ نبی ہوتا تو وہ ملائکہ کے صفات سے موصوف ہو کر نہ کھاتا نہ پیتا۔ ہم اہلسنت انبیاء علیہم السلام کی بشریت کے منکر نہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ ان کی بشریت ہماری بشریت کی طرح خواہشاتِ نفسانی اور ضروریاتِ زندگانی میں ملوث نہیں بلکہ انہوں نے اپنی بشریت کا تزکیہ و تصفیہ کر کے اسے نورٌ علیٰ نور بنا دیا۔ اس معنے پر ہم ان کو نور اور ان کی بشریت کو نورانی بشریت سے تعبیر کرتے ہیں اور ان پر بشریت کے اطلاق سے اس لیے روکتے ہیں کہ یہ اطلاق ابلیس اور کفار و مشرکین کا تھا۔ قاعدہ ہے کہ گستاخ کی نقل قولی یا فعلی بھی گستاخی ہے۔ اس کی تفصیل فقیر اویسی کی کتاب نور و بشر دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

اسی مضاف الیہ کا عوض ہے۔

ف والیعون میں ہے کہ اذا شرط محذوف کا جواب ہے۔ دراصل عبارت انکم ان اطعتموہ اذن لخاسرون تھی۔

اَیَعِدُکُمۡ کیا تمہیں یہی پیغمبر وعدہ دیتا ہے کہ اَنَّکُمۡ اِذَا مِتُّمۡ بکسرالمیم از مَاتَ یَمَاتُ۔ اور بضم المیم بھی پڑھا گیا ہے از مَاتَ یَمُوۡتُ یعنی بے شک تم مرجاؤ گے وَکُنۡتُمۡ اور ہوجاؤ گے تُرَابًا وَّعِظَامًا مٹی اور ہڈیاں۔ یعنی تمہارے اجسام گوشت سے خالی ہوکر صرف بوسیدہ ہڈیاں رہ جائیں گے۔ یعنی تمہارے اجزا جو کے بعض حصص گوشت تھے وہ مٹی ہوجائیں گے اور باقی ڈھانچہ بوسیدہ ہڈیاں بچ جائے گا۔ مٹی کی تقدیم اس لیے ہے کہ گوشت کا مٹی ہوجانا عقلاً محال ہے۔ لیکن مرنے کے بعد اس کیفیت کے بغیر اور کیا تصور ہو سکتا ہے یا اس کی تقدیم اس لیے کہ مرنے کے بعد تمہارا اگلا حصہ مٹی اور پچھلا حصہ ہڈیاں رہ جائے گا۔

فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ تم پہلے ہڈیوں کی صورت میں پھر مٹی میں مل جاؤ گے۔ کیونکہ واؤ مطلق جمع کے لیے آتی ہے[1]

اَنَّکُمۡ یہ پہلے انکم کی تاکید ہے اور دوبارہ اس لیے لایا گیا ہے کہ اِنَّ اور اس کی خبر مُخۡرَجُوۡنَ ۝ کے درمیان عبارت کا فاصلہ طویل ہوگیا ہے۔ مخرجون بمعنے قبور سے زندہ کرکے اٹھائے ہوئے یعنی جیسے تمام عالم دنیا میں زندگی بسر کررہے تھے۔ ایسے ہی دوبارہ پھر تمہیں عالم آخرت میں زندہ اٹھایا جائے گا۔ هَیۡهَاتَ هَیۡهَاتَ یہ اسم فعل بمعنے بَعُدَ ہے اور بَعُدَ کی تاکید کے لیے مکرر لایا گیا ہے یعنی اس کا وقوع بعید ہے لِمَا تُوۡعَدُوۡنَ ۝ جس کے لیے تم وعدہ دیے جارہے ہو۔ یعنی مرنے کے بعد اُٹھنا اور حساب وکتاب کے لیے جمع ہونا یہ ہرگز نہ ہوگا۔ یا اس کا معنیٰ ہے کہ بعید ہے جس کا تم وعدہ دئے جارہے ہو۔ یہ لام مستبعد کے بیان کے لیے ہے گویا جب کلمۂ استبعاد کی آواز ان کے کان میں پڑی تو ان سے پوچھا گیا یہ استبعاد کیسا؟ جواب ملا یہ وہی ہے جس کے لیے تم کو وعدہ دیا جارہا ہے اِنۡ هِیَ اِنۡ نافیہ ہے۔ نہیں ہے یہ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا مگر ہماری دنیوی زندگی نَمُوۡتُ وَنَحۡیَا جملہ متقدمہ کی تفسیر ہے۔ یعنی بعض مریں گے

---

[1] مٹی میں مل جانے والا عقیدہ وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں کو نصیب ہوا ہے ان کے مولوی اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان اور اس سے پہلے محمد بن عبدالوہاب نجدی نے نہ صرف عوام کے لیے بلکہ امام الانبیاء علیہ وعلیہم السلام پر تہمت باندھ کر ایک حدیث حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کردی کہ ایک دن میں مرکر مٹی میں ملنے والا ہوں۔ حوالہ جات فقیر کی کتابوں "دیوبندی اور بریلوی فرق" اور "از ابلیس تا دیوبند" کا مطالعہ کیجئے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

اور بعض نئے پیدا ہوں گے یہاں تک کہ زمانہ کا دور ختم ہو جائے گا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ ہمیں دو امر پہنچیں گے موت یا حیات۔ حیات سے ان کی مراد یہی دنیوی حیات تھی اور موت سے مراد اس کے بعد مرنا، اس کے بعد جی اُٹھنے کے قائل نہ تھے۔

وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ اور ہم مرنے کے بعد نہیں اٹھائے جائیں گے۔ کفار کی یہ گفتگو حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ تھی اور مرنے کے بعد جی اُٹھنے کے عقیدے کو ہُود علیہ السلام کا ایک وہم وگمان سمجھتے تھے حالانکہ ان بیوقوفوں نے اتنا بھی نہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ پر اُن کا پیدا کرنا مشکل ہے نہ مارنا۔ بظاہر دیکھا جائے تو از سرِ نو پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے لیکن وہ قادر جب ہماری تخلیق پر قدرت رکھتا ہے تو مارنے کے بعد اٹھانا اس کے لیے کون سی مشکل بات ہے۔

اِنْ هُوَ نہیں وہ یعنی ہُود علیہ السلام اِلَّا رَجُلُ نِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا مگر ایک ایسا مرد جو اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشتا ہے اور دعوٰی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور کہتا ہے کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہو گا۔

حلِ لغات : امام راغب نے فرمایا کہ الفری بمعنے اصلاح وغیرہ کے لیے چمڑے کو کاٹنا۔ اور الافراد بمعنے الافساد۔ الافتراء دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن افساد کے معنے میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں کذب وشرک وظلم کے لیے استعمال ہوا ہے۔

وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور جو کچھ ہُود علیہ السلام فرما رہے ہیں ہم ان کی کسی بات کی بھی تصدیق نہیں کرتے قَالَ حضرت ہود علیہ السلام جب اُن سے ناامید ہوئے تو فرمایا رَبِّ انْصُرْنِیْ اے میرے رب! میری مدد فرما اور ان سے بدلہ لے، یعنی مجھے ان پر غلبہ عطا فرما اور مغلوب کر بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ انھیں ان کی تکذیب اور اس پر اصرار کی وجہ سے۔ قَالَ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا عَمَّا قَلِیْلٍ بمعنے عن زمان قلیل ہے۔ اس کا ما زائدہ ہے جار د مجرور کے درمیان واقع ہوا ہے قلت کے معنے کی تاکید کرتا ہے۔ یعنی ان کی زندگی کے چند لمحات باقی رہ گئے ہیں لَّيُصْبِحُنَّ یہی تکذیب کرنے والے کافر ہو جائیں گے نٰدِمِيْنَ ۝ کفر وتکذیب پر ندامت کرنے والے۔ یہ اس وقت ہو گا جب وہ عذاب دیکھیں گے۔ اور ندامة بمعنے پشیمانی۔ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ۔ صیحة سے جبریل علیہ السلام کی وہ سخت گرج جسے سُن کر ان کے قلوب پھٹ گئے۔ پھر اسی وقت مر گئے۔ الصیحتہ بمعنے رفع الصوت۔

سوال : اس سے ثابت ہوتا ہے قصہ کے ابتداء میں قرن مذکور سے ثمود یعنی قوم صالح علیہ السلام مراد ہو گی۔ اس لیے کہ وہی صیحة سے تباہ وبرباد ہوئی اور ہُود علیہ السلام کی قوم تو آندھی سے تباہ ہوئی تھی۔

جواب : پہلے انھیں سخت آندھی نے لپیٹا پھر وہ صیحہ سے مارے گئے اور یہ ہوتا رہتا ہے جیسے قوم لُوط علیہ السلام انھیں اور صیحہ دونوں سے تباہ وبرباد ہوئی۔

marfat.ocm

مروی ہے کہ شداد بن عاد نے جب ارم کی عمارت مکمل کر لی تو اپنے اہل و عیال سمیت اس میں رہنے سہنے کے لیے آ رہا تھا تو راستے میں سخت آواز سے تباہ و برباد ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صیحہ سے عذاب و موت مراد ہے۔ الاعجوبہ

جلالین میں اس کا ترجمہ صیحۃ العذاب لکھا ہے۔

بِالْحَقِّ یہ فاخذتھم کے متعلق ہے یعنی انھیں چنگھاڑ نے ایسے طریقے سے پکڑا جو طریقہ ثابت تھا، جسے کوئی شے دفع نہ کر سکی اور نہ دفع کر سکتی تھی۔

جلالین میں اس کا معنی بالامر من اللہ لکھا ہے۔

فَجَعَلْنٰهُمْ پس ہم نے انھیں کیا غُثَآءً سیلاب کے اس جھاگ وغیرہ کی طرح جو بیکار ہوتا ہے جسے کسی کام میں نہیں لگایا جاتا۔ دراصل غثاء سیلاب کے پانی کے اوپر والی اشیاء جیسے جھاگ، پتے، لکڑیوں وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

سال بہ الوادی لمن ھلک۔

یہ اس کے لیے بولتے ہیں جب وادی میں کوئی ڈوب کر مر جائے۔

کاشفی نے لکھا غثاء پانی کے وہ خاشاک جسے پانی اپنے اوپر اٹھائے۔ یعنی ہم نے انھیں ایسے ہی تباہ و برباد کر ڈالا جیسے سیلاب کے وہ خس و خاشاک جسے پانی سے باہر پھینکتے ہیں اور وہ سیاہ اور پرانے بیکار پڑے ہوتے ہیں۔

فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اس میں جملہ خبریہ کا بھی احتمال ہے اور ممکن ہے کہ یہ دعائیہ جملہ ہو۔ کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ ظالموں کو رحمتِ پروردگار سے دوری ہو۔ بُعْدًا کا مصدر ہے بَعُدَ کا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ہلاک و برباد ہو جائے۔ اور یہ ان مصادر سے ہے جن کا ناصب اکثر و بیشتر ظاہر نہیں ہوتا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ انتہائی بعید ہوئے یعنی تباہ ہوئے۔ اور لام ان لوگوں کے بیان کے لیے ہے جن کے لیے بعداً کہا گیا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ دنیا جب بغاوت کرتے ہیں تو رسل کرام علیہم السلام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں ؎

چو منعم کند سفلہ را روزگار
نہد بر دل تنگ درویش بار
چو بام بلند بود خود پرست
کند بول و خاشاک بر بام پست

ترجمہ: جب کسی کمینے کو اللہ تعالیٰ نعمتِ دنیوی سے نوازتا ہے تو وہ درویش کو تنگ کرتا ہے۔
جب کمینے کی دیوار اونچی ہو تو وہ نچلی چھت پر پیشاب کرتا اور گندگی پھینکتا ہے۔

اور اہلِ دُنیا ہمیشہ رسل کرام علیہم السلام کو پُرعیب بتلاتے اور انھیں ایذا دیتے ہیں کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام وہی کھاتے ہیں جو اہلِ دنیا کھاتے ہیں۔ لیکن اُن کے اور اِن کے کھانے میں فرق ہے۔ اہلِ دُنیا شہوت کی آگ بجھانے کے لیے اور حد سے متجاوز ہو کر کھاتے ہیں اور اہل اللہ رضائے الٰہی کے لیے اور بقدرِ ضرورت کھاتے ہیں۔

حدیث شریف: المومن یاکل فی معی واحد والکافر یاکل فی سبعة امعاء۔ (مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے) ؎

لاجرم کافر خورد در ہفت بطن
دین و دل باریک و لاغر زفت بطن

ترجمہ: بیشک کافر سات پیٹوں میں کھاتا ہے اس لیے اس کا دین و دل ضعیف اور اس کا باطن لاغر ہے۔

بلکہ اہل اللہ کے لیے یوں کہو کہ وہ دل کے منہ سے وہ کھاتے پیتے ہیں جو ان کا رب انہیں کھلاتا پلاتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شب باشی کرتے ہیں۔

حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا:

کان علیہ السلام یبیت عند ربہ فیطعمہ ویسقیہ من تجلیاتہ المتنوعة وانما اکلہ فی الظاھر لاجل امتہ الضعیفة والافلا احتیاج لہ الی الاکل والشرب۔

(حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب تعالیٰ کے ہاں شب باشی فرماتے ہیں وہی ان کو مختلف تجلّیات سے کھلاتا پلاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہری کھانا پینا امتِ ضعیفہ کی تعلیم کے لیے تھا ورنہ آپ کو کھانے پینے کی ضرورت نہ تھی) [1]

---

[1] ردِ وہابیہ و نجدیہ: ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نورٌ علیٰ نور تھے۔ ان کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا غرضیکہ ہر ادا نور ہی نور تھی۔

مندرجہ ذیل اشعار عشق و محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تصویر ہیں: ؎

(بر صفحۂ آئندہ)

marfat.ocm

وما روی من انہ کان یشد الحجر فھو لیس من الجوع بل من کمال لطافتہ لئلا یصعد الی الملکوت بل یستقر فی الملک للارشاد۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) ؎ اسم نور و جسم و جان نور
ذکر نور و فکر نور عرفان نور
دست نور و پائے نور و قد نور
ولد نور و اب نور و جد نور
موئے نور و رشئہ نور و خوئے نور
بوئے نور و گوئے نور و شوئے نور
باز گویم آل نور و اصحاب نور
اکل نور شرب نور و خواب نور
اہل نور و بیت نور و بلد نور
جائیکہ آمد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کرد نور
راست گو اے آفتاب جملہ نور
از کجا ملکے تو فرمودی ظہور

اعلیحضرت قدس سرہٗ نے فرمایا؛ ؎
تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور
تو ہی عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا
چاند جھک جاتا ہے جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

باقی رہا آپ کا کھانا پینا و دیگر لوازماتِ بشریہ کا پورا کرنا صرف اور صرف امت کی تعلیم کے لیے تھا۔ چنانچہ صدیوں پہلے اس کا فیصلہ اکابرینِ امت اپنی تصانیف میں کر گئے۔ منجملہ ان کے اسی تفسیر (روح البیان، ج ۶، ص ۴۳۸) میں ہے:

وانما اکلہ فی الظاھر لاجل امتہ الضعیفۃ والا فلا احتیاج لہ الی الاکل والشرب۔ آپ کا ظاہری کھانا امتِ ضعیفہ کی تعلیم کے لیے تھا ورنہ آپ کو کھانے پینے کی ضرورت نہ تھی۔

(باقی برصفحہ ۵۴)

marfat.ocm

(اور وہ جو مروی ہے کہ آپ اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھتے تھے وہ بھوک کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس لیے تھا کہ جب آپ کی کمالِ لطافت کا تقاضا عالمِ ملکوت کی طرف پرواز کرنے کا ہوتا آپ اس کو روکنے کے لیے پتھر باندھتے تاکہ جسمِ اقدس عالمِ دُنیا میں رہے اور خلقِ خدا مستفیض ہو)

[ف : یہ جواب نہایت لطیف ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نوری جسم ملکوتی تھا اس لیے وہ دنیا میں رہنا گوارا نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ عالمِ ملکوت سے ہونے کے باوجود عالمِ دنیا میں رہے۔ یہ بھی آپ کا ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ]

ف : اللہ تعالیٰ نے کفار کو بُرے اوصاف سے موصوف فرمایا ہے مثلاً کفر بالخالق اور کفر بیوم القیٰمۃ اور حبِ دنیا میں منغمس ہونا۔ پھر ان پر ظلم کی بھی مُہرِ ثبت فرمائی اور واضح فرمایا کہ ان کی تباہی و بربادی ان کے ظلم کی وجہ سے ہوئی۔

ے

نماند ستمگار بد روزگار

بماند برو لعنت پائدار

ترجمہ : ظالم دنیا میں ہمیشہ نہیں رہتا، اس پر ہمیشہ کے لیے لعنت برستی رہتی ہے۔

ف : ظلم اہلِ شقاوت اور اہلِ بُعد و فراق کی عادات سے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں خس و خاشاک سے بھی کمتر ہیں۔ چنانچہ (حدیثِ قدسی میں) کہا گیا ہے کہ وہ جہنم میں ہیں اور مجھے ان کی کوئی پروا نہیں۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ اَنْشَاْنَا پھر ہم نے قرون مذکورہ کی تباہی و بربادی کے بعد پیدا فرمائے۔ ان سے قومِ عاد مراد ہے جیسا کہ مشہور تر قول ہم نے اوپر بیان کیا۔ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ان کے بعد) قُرُوْنًا اٰخَرِیْنَ ○ دوسرے اور قرون۔ مثلاً قومِ صالح و لوط و شعیب علیٰ نبینا و علیہم السلام وغیرہم۔ تاکہ قدرت کا اظہار ہو اور ہر اُمت کو معلوم ہو کہ اللہ کو ان کی اور تمہاری ضرورت نہ تھی۔ اگر انھوں نے یا کسی نے انبیاء و

(بقیہ حاشیہ ص ۔)

اس سے نتیجہ نکلا کہ بشریتِ انبیاءؑ ہماری طرح نہ تھی ان کی بشریت نوری تھی۔ ہم چونکہ اکل و شرب کے بغیر زندگی نہیں بسر کر سکتے اس لیے ماننا پڑا کہ ہماری بشریت خاکی ہے۔

سوال وہابی : اگر حضور علیہ السلام کو کھانے کی ضرورت نہ تھی تو پھر آپ بھوک سے پیٹ پر پتھر کیوں باندھتے تھے؟

جواب : ہمارے کہنے سے صدیوں پہلے اس سوال کا جواب صاحبِ روح البیان نے اپنی تفسیر جلد ۶ ص ۸۴ میں دے دیا۔ وضاحت کے لیے جلد ہذا کا صفحہ ۵۳ دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

رسل علیہم السلام کی اتباع اور ان کی دعوت قبول کی تو وہ بھی ان کا اپنا فائدہ تھا۔ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا مِن زائدہ استغراق کے لیے ہے یعنی ہر وہ اُمت جو ہلاک اور برباد ہوتی ہے وہ اپنے مقررہ وقت سے پہلے تباہ و برباد نہیں ہوتی وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۰﴾ اور نہ ہی گھڑی بھر پہلے ہلاک ہوتی ہے بلکہ عین اسی وقت تباہ و برباد ہوتی ہے جب اس کی تباہی کا مقرر کردہ وقت آ پہنچے۔ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا اس کا عطف انشأنا پر ہے لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ ارسال جمیع قرونِ مذکورہ سے متاخر ہے بلکہ یہ معنیٰ ہے کہ ارسال ہر رسول انشأ قرن مخصوص سے بعد ہے۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ ہم نے قرونِ آخرین کے بعد قرن پیدا کئے اور ان کے ہاں ان کا رسول مخصوص بھیجا تَتْرَا ؕ یہ متواترۃ کا مصدر ہے بمعنے التعاقب، بمعنے حال واقع ہے بمعنے متواترین واحد بعد واحد یعنے یکے بعد دیگرے۔

ف: الارشاد وغیرہ میں ہے کہ یہ الوتر سے ہے بمعنے الفرد۔ اور پہلی تاء واؤ سے بدل کر آئی ہے اور الف تانیث ہے اس لیے کہ رسل بتاویل جماعت کے ہے۔

كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا جب اُمت کے ہاں ان کا رسول مخصوص معجزات لے کر تبلیغ کے لیے تشریف لایا كَذَّبُوْهُ تو انہوں نے اسے کذب کی طرف منسوب کیا یعنی ان کے اکثر نے رسول علیہ السلام کی تکذیب کی۔ اکثر کی قید ہم نے دوسری آیت ولقد ضل قبلہم اکثر الاولین سے سمجھی ہے (کذا فی بحر العلوم) حضرت کاشفی نے لکھا کہ انہوں نے رسول علیہ السلام کی تکذیب کی اور جو کچھ رسول علیہ السلام نے انہیں توحید و نبوت و بعث و نشر و حشر کی تبلیغ کی اسے انہوں نے جھوٹ سمجھا اور عاداتِ ناپسندیدہ اور اپنے آباء کی تقلید میں تصدیق سے محروم ہوئے۔ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بعضا یعنی ہم نے کافروں کو یکے بعد دیگرے تباہ و برباد کیا اس لئے کہ وہ کفر اور معاصی وجرائم کے اسباب مثلاً کفر و تکذیب میں ایک دوسرے کے تابع تھے۔ حضرت کاشفی نے لکھا کہ ہم نے ان میں سے کسی کو بھی مہلت نہ دی پچھلوں کو پہلے لوگوں کی طرح تباہ و برباد کر ڈالا وَجَعَلْنٰهُمْ اور ہم نے ان کو تباہ و برباد کرنے کے بعد ان کی بنا دیں اَحَادِيْثَ ج کہانیاں بعد والوں کے لیے، یعنی جب نہ وہ خود رہے اور نہ ان کے نشانات تو صرف ان کی صرف کہانیاں رہ گئیں جنھیں بعد والے ایک دوسرے کو سناتے اور ان سے تعجب کرتے اور عبرت حاصل کرنے والے عبرت پکڑتے یعنی اہلِ سعادت کو ان کہانیوں سے عبرت حاصل ہوتی۔

ف: احادیث، حدیث یا احدوثہ کی جمع ہے۔ یعنی وہ بات جو لہو ولعب یا تعجب کے طور پر بیان کی جائے۔ یہاں پر یہی مراد ہے۔ جیسے اعاجیب، اعجوبہ کی جمع ہے۔ یعنی وہ شے کہ جس سے تعجب کیا جائے۔ حضرت کاشفی نے لکھا کہ ہم نے ان کی کہانیوں کو لوگوں کے لیے ایک مثال بنا دیا تاکہ وہ ان کے عذاب کو یاد کر کے دوسروں کو

marfat.com

مثال دے کر سمجھائیں۔ خلاصہ یہ کہ ان لوگوں کی صرف کہانیاں ہی باقی رہ گئی ہیں جنہیں لوگ افسانے کے طور پر بیان کرتے ہیں اگر ان سے کوئی نیکی کی یادگار رہتی تو لوگ انہیں اسی رنگ میں یاد کرتے۔ کسی بزرگ نے فرمایا: ؎

تفنی و تبق عنك احدوثة

فاجهد بان تحسن احدوثتك

اس کا ترجمہ فارسی میں بیان کیا گیا ہے: ؎

پس از تو ایں ہمہ افسانہا کہ می خوانند

دراں بکوش کہ نیکو بماند افسانہ

ترجمہ: تیرے بعد تیری باتیں افسانہ بن کر رہیں گی، نیکی کی کوشش کرتا کہ تیرا نام نیکی سے یاد کیا جائے۔

شرح بیت عربی فقیر (حقی) کہتا ہے کہ شعر میں احدوثة کو خیر و شر دونوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے لیکن یہ اخفش کی تحقیق کے خلاف ہے انہوں نے فرمایا کہ احدوثة خیر میں استعمال نہیں ہوتا۔ چنانچہ قرآن مجید میں جعلنٰهم احادیث میں لفظ حدیث خیر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ممکن ہے شاعر احدوثة کو خیر کے معنے میں مشاکلة کی وجہ سے لایا ہو۔

فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہو اس گروہ کو جو انبیاء علیہم السلام کی تصدیق نہیں کرتے۔ اکثر اہلِ تفاسیر نے لکھا کہ بعداً فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے کہ دراصل بعد وابعد اتھا بمعنے اھلکوا یعنی وہ تباہ و برباد ہوئے۔ اور لام ان لوگوں کے بیان کے لیے ہے جن کے لیے لفظ بُعداً کہا گیا۔

نکتہ: اسے نکرہ اس لیے لایا گیا کہ قرون مذکورہ نکرہ ہیں اور القوم الظّٰلمین کو معرفہ اس لیے لایا گیا کہ اس سے قبل جن لوگوں کا ذکر تھا وہ معرفہ تھے۔ چنانچہ اس کی تفصیل ہم نے وہاں لکھی ہے۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ بے ایمانی تباہی وہلاکت اور عذابِ الٰہی کا سبب ہے اور جہنم میں داخلے کا ٹکٹ۔ جیسے ایمان واسلام اور تصدیقِ انبیاء علیہم السلام نجات اور دائمی نعمتوں کے حصول کا موجب اور بہشت کے داخلے کی سند۔

حکایت حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب قاصد نے حضرت یوسف علیہ السلام کے عالی مرتبے پر فائز ہونے کی خوشخبری سنائی تو آپ نے اس سے پوچھا کہ وہ کس دین پر ہیں؛ قاصد نے عرض کی کہ وہ دینِ اسلام پر ہیں۔ یہ سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام خوش ہوئے اور فرمایا الحمد للہ اب یعقوب و آلِ یعقوب پر نعمت کا اتمام ہوا،

marfat.ocm

اس لیے کہ ایمان جملہ نعمتوں کا سرتاج ہے یہ نہ ہو تو پھر جملہ نعمتیں نہ ہونے کے برابر۔ اور جب یہ نصیب ہو تو سمجھو کہ جملہ نعمتیں نصیب ہو گئیں۔

حکایت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا، کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہم بغیر دیکھے اس کی عبادت نہیں کرتے۔ سائل نے کہا: وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: اگرچہ ہم اسے ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے لیکن حقائق ایمان کے ذریعے اسے قلب سے دیکھتے ہیں۔

ف: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جس نے اللہ کو پہچانا وہ جلیل الشان ہوا اور جس نے نفس کو دیکھا وہ ذلیل ہوا، وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا عرفان عزت بخشتا ہے اور نفس سے ذلت حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفار و دیگر اہلِ ظلم نے اپنے نفوس کو برگزیدہ سمجھا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذلت کا نشانہ بن کر تباہ و برباد ہوئے۔ اور اہلِ ایمان و دیگر اہلِ سعادت نے اپنے نفوس کو ذلیل سمجھا تو انھیں قربِ حق نصیب ہوا اور ہلاکت و تباہی سے بچ گئے۔ یاد رہے کہ تمام تنزلات جہل کی وجہ سے نصیب ہوتے ہیں ؎

رونق کار خسان کاسد شود
ہچو میوۂ تازہ زو فاسد شود

ترجمہ: کمینوں کی رونق گھٹ جاتی ہے جیسے میوۂ تازہ کسی وجہ سے خراب ہو جاتا ہے۔

سبق: عاقل وہ ہے جو اللہ والوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے اس لیے کہ ان کی نیاز مندی سے عرفان اور شہودِ حق نصیب ہوتا ہے ؎

کے رسانند آں امانت را بتو
تا نباشی پیشِشاں راکع دو تو

ترجمہ: وہ امانت تجھے کب نصیب ہو سکتی ہے جب تک اللہ والوں کی نیاز مندی تجھے نصیب نہ ہو۔

اے اللہ! ہمیں عناد سے بچا اور اپنے محبوبوں کی نیاز مندی نصیب فرما۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۵ بِاٰيٰتِنَا پھر ہم نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو معجزات دے کر بھیجا وہ معجزات نو عدد مشہور ہیں:

(۱) یدِ بیضا — (۲) عصا

(۳) طوفان — (۴) ٹڈی

(۵) جوئیں — (۶) مینڈک

marfat.ocm

(۷) خون (۸) نقص ثمرات

(۹) طاعون

سوال : دریا کا چر جانا بھی تو معجزہ تھا اس کا ذکر کیوں نہیں کیا جاتا ہے ؟

جواب : چونکہ یہاں پر تکذیب کا ذکر مقصود ہے اور فرعونیوں نے ان مذکورہ بالا نو معجزات کو ٹھکرایا اس لیے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ وہ حجت واضحہ جو مخالف کو لاجواب کر دے، اس سے ید بیضا مراد ہے۔ اسے علٰحدہ ذکر کرنے میں باقی معجزات پر اس کی شرافت کا اظہار مطلوب ہے یا اس سے بھی وہی نو معجزات مراد ہیں عطف تفسیری ہے۔ انھیں دو علٰحدہ عنوانوں سے بیان کیا گیا ان کے تغایرِ ذاتی کی وجہ سے انھیں الگ الگ اقسام سے ظاہر کیا گیا ہے اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ مَلَائِہٖ سے قبیلوں کے لیڈر مراد ہیں اور ان کی تخصیص اس لیے ہے کہ بنو اسرائیل کے آراءُ ان سے متعلق تھے ان کے چھوٹے لوگوں کی آراء کی کوئی وقعت نہ تھی اس لیے رسل کرام علیہم السلام کا واسطہ انہی بڑوں سے تھا فَاسْتَكْبَرُوْا ایمان اور متابعت سے انکار کر کے تکبر کیا۔ سب سے بڑا تکبر یہی ہے کہ بندے رب تعالیٰ کے آیات اور ان کے رسل کا انکار کریں باوجودیکہ ان کے سامنے واضح دلائل موجود ہوں اور ہر طرح کے شکوک وشبہات کے ازالے کے اسباب پائے جائیں تب بھی رب تعالیٰ اور اس کے رسل کرام کے ارشادات کا انکار کریں وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۚ اور سخت متکبر اور کبر سے حد سے تجاوز کرنے والے تھے یعنی وہ ایسے لوگ تھے کہ تکبر و تمرد ان کی عادت ثانوی بن گیا تھا فَقَالُوْٓا اس کا عطف التکبروا پر ہے۔ ان کے مابین جملہ معترضہ تھا اور یہ قول ان کے تکبر کی تاکید کرنے والا ہے۔

اَنُؤْمِنُ ہمزہ انکاری ہے۔ یعنی ہم ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ہی ہماری شان میں ہے کہ ہم تصدیق کریں لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا اپنے جیسے دو بشروں کی، بشرین تثنیہ کی صفت مثل واحد بایں معنٰی ہے کہ مثل مصدر ہے اور مصدر عام واقع ہوتا ہے یعنی واحد کے لیے واحد، تثنیہ کے لیے تثنیہ، جمع کے لیے جمع، مذکر کے لیے مذکر، مونث کے لیے مؤنث وَقَوْمُهُمَا اس سے بنی اسرائیل مراد ہیں لَنَا اس کا متعلق عٰبِدُوْنَ ۚ ہے۔ یہ جملہ نؤمن سے حال ہے یعنی بنی اسرائیل جو کہ موسٰی و ہارون علیہما السلام کی قوم ہے وہ ہمارے فرمانبردار اور خادم ہیں جیسے عبد اپنے معبود کے تابع حکم ہوتا ہے ایسے وہ ہمارے لیے ہے۔ اس سے پیغمبروں کی خفت و تحقیر مطلوب ہے پہلے اُنھوں نے موسٰی و ہارون علیہما السلام کو اپنے جیسا بشر کہہ کر انھیں منصبِ رسالت سے گھٹایا پھر یہ دوسرا طعنہ بھی اسی مقصد سے تھا۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ تمام قوم فرعون کی پرستش کرتی تھی اور وُہ خود ایک بُت یا گوسالہ کو پُوجتا تھا۔

marfat.ocm

ایسے ہی بعض تفاسیر میں ہے۔ اس معنے پر بنو اسرائیل کو عابد کہنا اپنے حقیقی معنے پر ہوگا **فَكَذَّبُوْهُمَا** فرعونی موسٰی و ہارون علیہما السلام کی تکذیب پر ڈٹ گئے یہاں تک کہ موسٰی علیہ السلام و ہارون علیہ السلام ان کی ہدایت سے مایوس ہو گئے **فَكَانُوْا** پس فرعونی ہو گئے **مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ** ۝ بحر العلزم میں ڈوب کر تباہ و برباد ہونے والے **وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى** فرعونیوں کی تباہی و بربادی اور بنی اسرائیل کی نجات کے بعد ہم نے موسٰی علیہ السلام کو عنایت فرمائی **الْكِتٰبَ** توراۃ **لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ** ۝ تاکہ وہ بنی اسرائیل اس کے احکام و شرائع پر عمل کر کے طریقِ حق کی ہدایت حاصل کر سکیں **وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً** اور ہم نے ابنِ مریم یعنی عیسٰی علیہ السلام کو بنایا اپنی عظیم قدرت کی دلیل، کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ یہ درحقیقت ایک امر ہے لیکن بظاہر اسے دونوں کی طرف منسوب کر دیا۔ یا یوں کہو کہ عیسٰی علیہ السلام ایک علیحدہ آیت تھے کہ انہوں نے بچپن میں کلام فرمائی، پھر مُردوں کو زندہ کیا۔ اور بی بی مریم دوسری آیت کہ بغیر شوہر کے بچہ جنا۔ یہاں پر آیۃ کو محذوف ماننا پڑے گا جبکہ اس پر آیۃً آخر میں ذکر کرنے کو قرینہ بنایا جائے۔

ف : العیون میں ہے کہ یہاں پر اٰیۃ بمعنے عبرت ہے یعنی عیسٰی علیہ السلام اور ان کی والدہ بنی اسرائیل کے لیے موسٰی علیہ السلام کے بعد عبرت کا موجب تھے کیونکہ وہ مہد میں کلام فرماتے اور انہوں نے مُردوں کو زندہ کیا ہو اور ان کی والدہ نے بغیر شوہر کے بچہ جنا۔ اس معنے پر دونوں مستقل اور الگ الگ آیتیں ہیں لیکن ایک ذکر پر اکتفا کیا گیا، اور یہ عام ہے کہ دو کے بجائے ایک کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ف : یہاں پر عیسٰی علیہ السلام کے ذکر کی تقدیم دلالت کرتی ہے کہ وہ مستقل آیۃ تھے جیسے دوسرے مقام پر ان کی والدہ کے ذکر کی تقدیم ہے کما قال :

وجعلناها وابنها اٰیة للعالمین۔

اس میں بھی یہی مطلوب ہے کہ بی بی مریم بھی مستقل آیۃ ہیں بایں معنی کہ وہ پاکدامن تھیں اور شوہر کے بغیر بچہ جنا۔

روایت مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز پڑھائی جونہی اس مضمون پر پہنچے، بے ساختہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ آپ نے رکوع کیا اور آگے نہ پڑھ سکے دبوجہ قدرتِ ایزدی کی ہیبت کے)

وَاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ اور ہم نے ان دونوں ماں بیٹے کو جگہ دی ایک بلند ترین جگہ کی طرف یہ اس وقت ہے جب عیسٰی علیہ السلام یہود کے خطرہ سے اپنے مسکن سے فرار فرمایا تو اللہ تعالٰی نے انھیں بیت المقدس کی اسی بہتر جگہ پر رہنے سہنے کا موقعہ بخشا۔ یعنی ہم نے انھیں زمین کے بلند ترین مقام پر انھیں ٹھہرنے کا موقعہ بخشا، اور یہ بیت المقدس کے مقام ایلیاد کی طرف اشارہ ہے اس لیے زمین کا بلند ترین مقام یہی ہے[1]۔ اسی کو

[1] اس سے مرزا قادیانی کا رد ہو گیا جبکہ اس نے کہا کہ اس سے کشمیر کے علاقے کا سرینگر شہر مراد ہے۔ تفصیل فقیر اویسی کے رسالہ
القول التفصیلی فی ... [illegible]

زمین کا جگر کہا جاتا ہے اور یہاں سے آسمان کی اونچائی صرف اٹھارہ میل ہے بروایت کعب، واللہ اعلم۔

ف: امام سہیلی نے فرمایا کہ بی بی مریم اپنے صاحبزادہ عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں بستی ناصرہ (جو دمشق میں واقع ہے) میں لے آئیں۔ اسی معنی پر نصارٰی (عیسائی) اپنے آپ کو اسی نام سے موسوم کرتے ہیں گویا نصارٰی اسی ناصرہ سے مشتق ہے۔

ف: حضرت کاشفی نے لکھا کہ بی بی مریم اپنے چچازاد یوسف بن ماثان اور اپنے صاحبزادے عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر اسی بستی میں تشریف لائیں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بسر اوقات والدہ کے چرخہ کاتنے پر تھی کیونکہ بی بی صاحبہ سوت کات کر بیچتی تھیں۔ یہاں وہ بارہ سال رہے۔

ف: اس روایت سے معلوم ہوا کہ کپاس کے تاگے اور کتان کا کاروبار نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور یہ ریشم کے کاروبار سے افضل ہے۔ اہلِ بروسہ کو عبرت چاہیے کہ وہ ریشم کے کاروبار میں زندگی ضائع کر رہے ہیں کیونکہ ریشم اہلِ دنیا کی زینت ہے اور اس سے اہلِ دنیا کو فخر و ناز ہے۔

ذَاتِ قَرَارٍ وہ زمین صاحبِ قرار ہے۔ یعنی وہاں پہ لوگ قرار پکڑتے ہیں کیونکہ وہاں کھلی فضا ہے لوگ آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ ذات قرار بایں معنی ہے کہ وہاں کھیت اور باغات بکثرت ہیں اس لیے لوگوں کو وہاں سکون اور قرار نصیب ہوتا ہے۔

حل لغات: اہلِ لغت کہتے ہیں:

قرّ فی المکان یقر قرارًا بمعنٰے ثبت ثبوتا۔ اس کا اصل القر بمعنٰے البرد ہے۔ اس لیے کہ سردی سکون کو چاہتی ہے اور الحر (گرمی) حرارت کو۔

وَّمَعِيْنٍ اور چشموں والی۔ بروزن فعیل از معن الماء بمعنٰے جری الماء۔ بعض نے کہا کہ یہ عین سے ہے، اس کا میم زاید ہے۔ اور پانی جاری کو معین سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس سے پانی جاری ہوتا ہے اور وہ زمین بھی اسی وصف سے اس لیے موصوف ہوئی کہ اس میں چشمے بکثرت تھے کہ بلا تکلیف کھیتی باڑی اور جانوروں کو پانی حاصل ہوتا تھا اور اس کی آب و ہوا خوشگوار تھی اور اسی پانی جاری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہشت کے باغات سے موصوف فرمایا ہے کہ پانی سے ہی بہار ہے اور اسی سے ہی جگہ خوش منظر ہوتی ہے۔

حدیث شریف المقاصد الحسنہ میں ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کو دیکھ کر آنکھوں کی روشنی میں اضافہ ہوتا ہے:

١- سبزی

٢- پانی جاری

٣- حسین چہرہ۔ لیکن جس چہرے کو دیکھنا شرعاً جائز ہو، ورنہ حسین چہرہ والے بے ریش لڑکے

(بر صفحہ ٦٢)

marfat.com

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا
اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھا کام کرو
اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝٥١ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝٥٢
میں تمہارے کاموں کو جانتا ہوں اور بے شک یہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو مجھ سے ڈرو
فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝٥٣ فَذَرْهُمْ فِیْ
تو ان کی امتوں نے اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرلیا ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے تو تم ان کو چھوڑ دو ان
غَمْرَتِهِمْ حَتّٰی حِیْنٍ ۝٥٤ اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ ۝٥٥ نُسَارِعُ لَهُمْ
کے نشہ میں ایک وقت تک کیا یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ جو ہم ان کی مدد کر رہے ہیں مال اور بیٹیوں سے یہ جلد جلد ان
فِی الْخَیْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ۝٥٦ اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝٥٧
کو بھلائیاں دیتے ہیں بلکہ انہیں خبر نہیں بے شک وہ جو اپنے رب کے ڈر سے سہمے ہوئے ہیں
وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ۝٥٨ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ۝٥٩ وَ
اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کا کوئی شریک نہیں کرتے اور
الَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝٦٠ اُولٰٓىِٕكَ یُسٰرِعُوْنَ
وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں یوں کہ ان کو اپنے رب کی طرف پھرنا ہے یہ لوگ بھلائیوں میں
فِی الْخَیْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝٦١ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَیْنَا كِتٰبٌ
جلدی کرتے ہیں اور یہی سب سے پہلے انہیں پہنچے اور ہم کسی جان پر بوجھ نہیں رکھتے مگر اس کی طاقت بھر اور ہمارے پاس
یَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝٦٢ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِیْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ
ایک کتاب ہے کہ حق بولتی ہے اور ان پر ظلم نہ ہوگا بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور ان کے کام ان کاموں
اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝٦٣ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ
سے جدا ہیں جنہیں وہ کر رہے ہیں یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے امیروں کو عذاب میں پکڑا
اِذَا هُمْ یَجْــَٔرُوْنَ ۝٦٤ لَا تَجْــَٔرُوا الْیَوْمَ ۫ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ۝٦٥ قَدْ كَانَتْ
تو جبھی وہ فریاد کرنے لگے آج فریاد نہ کرو ہماری طرف سے تمہاری مدد نہ ہوگی بیشک میری آیتیں
اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤی اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝٦٦ مُسْتَكْبِرِیْنَ ۖۗ بِهٖ
تم پر پڑھی جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل الٹے پلٹتے تھے خدمت حرم پر بڑائی مارتے ہو رات
سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝٦٧ اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ یَاْتِ اٰبَآءَهُمُ
کو وہاں بیہودہ کہانیاں بکتے حق کو چھوڑے ہوئے کیا انہوں نے بات کو سوچا نہیں یا ان کے پاس وہ آیا جو ان کے باپ

marfat.ocm

الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ

دادا کے پاس نہ آیا تھا یا انہوں نے اپنے رسول کو نہ پہچانا تو وہ اسے بیگانہ سمجھ رہے ہیں یا کہتے ہیں اُسے سودا ہے

بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٠﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ

بلکہ وہ توان کے پاس حق لائے اور ان میں اکثر کو حق بُرا لگتا ہے اور اگر حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرتا تو ضرور

لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِذِكْرِهِمْ

آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہیں سب تباہ ہو جاتے بلکہ ہم توان کے پاس وہ چیز لائے جس میں ان کی ناموری تھی

فَهُمْ عَن ذِكْرِهِم مُّعْرِضُونَ ﴿٧١﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ

تو وہ اپنی عزت سے ہی منہ پھیرے ہوئے ہیں کیا تم ان سے کچھ اجرت مانگتے ہو تو تمہارے رب کا اجر سب سے بھلا اور وہ

وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٧٢﴾ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٧٣﴾ وَإِنَّ

سب سے بہتر روزی دینے والا اور بے شک تم انہیں سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہو اور بے شک جو

الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُونَ ﴿٧٤﴾ وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا

آخرت پر ایمان نہیں لاتے ضرور سیدھی راہ سے کترائے ہوئے ہیں اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور جو مصیبت

مَا بِهِم مِّن ضُرٍّ لَّلَجُّوا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٥﴾ وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ

ان پر پڑی ہے ٹال دیں تو ضرور ہٹ بنا کریں گے اپنی سرکشی میں بہکتے ہوئے اور بے شک ہم نے انہیں عذاب

فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ﴿٧٦﴾ حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا

میں پکڑا تو نہ وہ اپنے رب کے حضور میں جھکے اور نہ گڑگڑاتے ہیں یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر کھولا کسی سخت

ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٧﴾

عذاب کا دروازہ تو وہ اب اس میں ناامید پڑے ہیں

بقیہ ص ٦٠

اور عورت کو دیکھنا ممنوع ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے اس شخص کے لیے فرمایا جو نقش کو دیکھ کر نقاش کا تصور کرتا ہے ؎

چرا طفل یک روزہ ہوشش نبرد
کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خرد

marfat.ocm

محقق ہمی بیند اندر ابل

کہ در خوب رویان چین و چگل

ترجمہ: اس خام عاشق کا دل نوزائیدہ بچے نے کیوں نہ چھینا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی صفت جیسے نوجوان میں ہے ایسے ہی بچے میں۔ محقق اونٹ میں وہی دیکھتا ہے جو محبوبانِ چین و چگل میں دیکھتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ وجعلنا ابن مریم وامہ ابنِ مریم میں روح کی طرف اشارہ ہے کہ وہ امر کن سے بلاواسطہ پیدا ہوئی اور روح کے لیے باپ عالم اسباب کا کوئی سبب ہے اور یہ روح اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی آیات میں سے ایک ہے کیونکہ یہ ذات حق تعالیٰ پر دلالت کرتی ہے اور اس کی معرفت پر بھی یہ اعلیٰ دلیل ہے کیونکہ یہ اس کا خلیفہ اور اس کی روح ہے واوینا ھما الی ربوۃ اس میں ربوہ سے قالب (جسم) مراد ہے کیونکہ قالب روح کا ماویٰ ہے بایں معنیٰ کہ اس میں آتے ہی روح اوامر کا مامور اور مناہی سے بچنے کا پابند ہوا ذات قرار ومعین قرار و معین دونوں روح کی منزل و ماویٰ ہیں کیونکہ جسم جب تک باقی ہے روح کی قرارگاہ اور ماویٰ ہے اور وہ جسم روح کا ماویٰ و منزل بایں معنیٰ ہے کہ جب تک روح جسم میں ہے اس وقت تک اس سے تکالیف شرعیہ ساقط نہیں ہوتے اور معین سے حکمت کا وہ چشمہ مراد ہے جو قلب سے زبان پر جاری ہوتا ہے۔

یا معین! ہمیں اہلِ معین سے بنا۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ ۶۲)

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّہَا الرُّسُلُ کُلُوۡا مِنَ الطَّیِّبٰتِ یہ خطاب ہر رسول علیہ السلام کو ہے لیکن بیک وقت نہیں کیونکہ ان کا تشریف لانا مختلف زمانوں میں ہوا بلکہ اس کا خطاب انھیں اس وقت ہوتا رہا جب وہ اپنے زمانے میں تشریف لاتے رہے اور یہ خطاب اس لیے ظاہر کیا گیا تاکہ سامع کو معلوم ہو کہ اکلِ حلال کا حکم ہر زمانے میں رہا اور ہر نبی علیہ السلام اور ان کی امت کو اس کی پابندی کا حکم کیا گیا اس لیے ہر سامع پر اس کی پابندی لازمی اور ضروری ہے۔ اس تقریر پر گویا عبارت یوں تھی:

قلنا لکل رسول کل من الطیبات واعمل صالحا۔

اس معنے پر انھیں جو مختلف زمانوں میں حکم ہوتا رہا انھیں یکجا کر کے یوں کہا گیا یاایھا الرسل الخ۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے صرف اور صرف ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ اہلِ عرب کا طریقہ ہے کہ مخاطب کی تعظیم کے پیشِ نظر واحد کے صیغہ کے بجائے جمع کا صیغہ لایا جاتا ہے۔ اس سے ثابت

marfat.ocm

ہوتا ہے کہ جتنے فضائل و کمالات ان جملہ رسل میں تھے وہ سب کے سب ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے۔

ع وقد جمع الرحمٰن فیك المعا جزا

(اسے یوں ادا کیا گیا:) ع

آنکہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ف : الطیبات وہ اشیاء مآکل و مشارب و فواکہ جن سے لذت وغیرہ حاصل کی جاتے۔

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اور نیک عمل کرو کیونکہ تمہاری تخلیق کا اصل مقصد یہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرے لئے یہی نافع ہے۔ یہ امر وجوب ہے اور پہلا اباحت کا۔

جاہل صوفیوں کا رد اس سے ان جاہل صوفیوں کا رد ہو گیا وہ کہتے ہیں کہ انسان جب عشق و محبتِ الٰہی میں کمال کو پہنچ جائے اور اس کا دل صاف و شفاف ہو جائے اور اس کے ایمان کو کفر پر غلبہ ہو تو اسے نیک عمل کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ تمام عباداتِ ظاہرہ اس سے ساقط ہو جاتی ہیں اس کے ذمہ صرف ایک عبادت ہوتی ہے وہ ہے تفکر یعنی آیاتِ الٰہی میں غور و فکر کرنا۔ یہ صریح کفر اور کھلی گمراہی ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر عاشقِ خدا اور محبِ کبریا اور کون ہو سکتا ہے بالخصوص امامِ رسل ہادیِ سبل حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن باوجود اینہمہ ان سے اعمالِ صالحہ اور عبادات کی تکلیف ساقط نہ ہوئی بلکہ وہ خود ان کی ادائیگی میں نہ صرف پیش پیش بلکہ مکمل ترین تھے۔

اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بیشک تمہارے اعمال ظاہری و باطنی سے عَلِیْمٌ ؕ باخبر ہوں، اس لیے میں تمہیں ان کی جزا دوں گا۔

ف : اس میں رہبانیت کا رد ہے کہ وہ لوگ متلذذ و متطیب اشیاء کا استعمال حرام سمجھتے ہیں۔ بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ دین میں اکل طیبات ہے ہی نہیں۔

نکتہ : عمل صالح کو اکلِ حلال کے بعد ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ عمل صالح وہی مقبول و منظور ہے جو اکل حلال سے ہو۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ علم و حکمت زاید از لقمۂ حلال
عشق و رقت آید از لقمۂ حلال

۲ چوں ز لقمہ تو حسد بینی و دام
جہل و غفلت زاید آں را داں حرام

۳ ہیچ گندم کاری و جو بر دہد
دیدۂ اسپی کہ کرۂ خر دہد

marfat.ocm

۴ لقمہ تخمست و برش اندیشہا

لقمہ بحر و گوھرش اندیشہا

۵ زاید از لقمۂ حلال اندر دہان

میل خدمت عزم رفتن آں جہان

ترجمہ: (۱) حلال لقمے سے عقل و حکمت پیدا ہوتی ہے عشق و رقت بھی عشق سے پیدا ہوتی ہے۔

(۲) جب لقمہ سے حسد و غلطیاں اور جہالت و غفلت پیدا ہوں تو سمجھنا وہ لقمہ حرام ہے۔

(۳) گندم بونے سے جَو پیدا نہیں ہوتے، کبھی تم نے گھوڑی کو گدھا پیدا کرتے دیکھا ہے!

(۴) لقمہ بیج ہے اس کا پھل غور و فکر، لقمہ دریا ہے اس کے موتی اچھے خیالات۔

(۵) حلال لقمے سے منہ میں خدمت کا میلان اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ دراصل الطیب وہ شے ہے جس سے حواس و نفس لذت پائیں اور طعام طیب شرع میں جائز اور حلال کھانے کو کہا جاتا ہے جیسے ہو اور جس طرح سے حاصل ہو۔ اس لیے کہ اس طرح کا طعام خواہ جلدی یا بدیر حاصل ہو خوشگوار ثابت ہوگا ورنہ اگر حرام کی ملاوٹ ہو تو وہ اگرچہ جلدی اور بہتر حاصل ہوگا لیکن بالآخر بدہضمی (عذاب) کا موجب بنے گا۔

حدیث شریف: ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا۔

(اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک کو قبول کرتا ہے)

صاحبِ روضۃ الاخیار نے فرمایا: ؎

فرمودہ لقمہ کہ در اصل نباشد حلال

زو نفتد مرد مگر در ضلال

قطرۂ باراں تو چوں صاف نیست

گوہر دریاے تو شفاف نیست

ترجمہ: فرمایا گیا ہے کہ لقمہ اگر حلال کا نہ ہو تو اس سے بندہ گمراہ ہو جاتا ہے۔

قطرۂ باران اگر صاف نہ ہو تو اس دریا کا موتی صاف ستھرا نہیں ہوتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کھانا ماں کی کمائی سے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا بکریوں کی کمائی سے تھا اس لیے ایسا رزق اطیب الطیبات میں شمار ہوتا ہے۔

حکایت: شداد کی بہن نے اپنے زمانے کے رسول علیہ السلام کے پاس سخت گرمی میں بکری کا دودھ

marfat.ocm

بھیجا آپ اگرچہ روزہ دار تھے اور دودھ کی بھی سخت ضرورت تھی لیکن آپ نے قبول نہ کیا۔ اس کے اصرار پر آپ نے اس سے پوچھا: یہ دُودھ کہاں سے لائی ہو؟ اس نے عرض کی: میری اپنی گھریلو بکری کا ہے تب بھی آپ نہ مانے۔ پھر اس نے اصرار کیا۔ آپ نے پُوچھا: یہ بکری کہاں سے آئی؟ اس نے عرض کی: میری اپنی زر خرید ہے۔ جب آپ کو اطمینان ہُوا تب آپ نے دُودھ لے لیا۔ شداد کی بہن نے وجہ پُوچھی تو آپ نے فرمایا کہ رسل کرام کو اکلِ حلال اور اعمالِ صالحہ کا حکم ہے۔

مسئلہ: امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس شخص کا ظاہری حال اچھا ہے تو تم پر لازم نہیں کہ کہو اس کی نماز و روزہ قبول نہیں اور ایسے شخص سے بلا کراہت ہدایا و تحائف وغیرہ قبول کر سکتے ہو اس کے ساتھ بحث و مباحثہ کی ضرورت نہیں۔ اگر تم یہ کہو کہ دَورِ زمانہ بتاتا ہے کہ اکثر لوگوں کی کمائی حرام ہوتی ہے تو یہ بھی محض بدگمانی ہے اور مسلمانوں کو مسلمانوں پر بدگمانی سے روکا گیا ہے بلکہ حکم ہے کہ ان کے ساتھ نیک گمان رکھو۔

ف: حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حلال لقمے سے روزہ افطار کرنا ساری رات کی عبادت سے بہتر ہے، اس لیے کہ قلبِ مسلم کے شمسِ توحید پر حرام کا ایک لقمہ بھی حرام ہے۔

مسئلہ: اکلِ طیبات اگرچہ مباح ہے لیکن قطعِ شہوات کی نیّت سے نہ کھانا افضل ہے۔

ف: ابو الفرج بن الجوزی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

مباحات کا ذکر بھی قلب پر زنگ پیدا کرتا ہے جب یہ کیفیت ہے تو حرام لقمہ سے دل کا کیا حال ہوتا ہوگا۔

مسئلہ: جس پانی میں بدبو پیدا ہو جائے اس سے وضو ناجائز ہے۔ جب اس معمولی معاملہ سے وضو کے لیے اتنی نزاکت ہے تو اس پانی کا کیا حال ہوگا جس سے کتا پانی پیئے۔ اس لیے بزرگوں نے فرمایا جو مباحات کے استعمال میں لگا رہتا ہے اسے مناجاتِ الٰہی کی لذت کیسے نصیب ہوگی، بلکہ وہ اس نعمت سے محروم ہوگا۔

اے اللہ! ہمیں اہلِ توجہ و اہلِ مناجات سے بنا۔

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ یہ اشارہ ملّتِ اسلام و توحید کی طرف ہے اور لفظ هٰذِهٖ اسے اشارہ اس کے کمال ظہور کے لیے متنبہ کرنا مطلوب ہے۔ یعنی شریعتِ اسلامیہ کے امور صحیح سالم اور نہایت سیدھے اور ایسے واضح اور روشن ہیں کہ گویا محسوس مشاہد ہیں۔ اُمَّتُكُمْ یہ خطاب رسل کرام علیہم السلام کو ہے اور اُمّۃ سے ان کی شریعتیں مراد ہیں۔

ف: قرطبی نے فرمایا کہ یہاں پر اُمّۃ سے دین مراد ہے۔ چنانچہ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ میں اُمّۃ بمعنے دین ہے۔

marfat.ocm

اُمَّةً وَّاحِدَةً یہ ھٰذِہٖ سے حال ہے، یعنی ہر ملت و شریعت اصول شرائع میں متحد ہے تبدیلِ اعصار و ازمان سے متبدل نہیں ہوتے اور اختلاف فی الفروع کو شرعاً اختلاف فی الدین نہیں کہا جاتا۔ مثلاً حائض اور طاہر عورت کا ایک ہی دین ہے اگرچہ ان کے مکلف ہونے میں فرق ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ ھٰذِہٖ کا اشارہ رسل کرام علیہم السلام کی ان امتوں کی طرف ہے جو ان پر ایمان لائیں۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ تم سب کی ایک ہی جماعت ہو ایمان اور توحید فی العبادۃ میں متفق ہو، لیکن **وَاَنَا رَبُّكُمْ** اس تفسیر کی موافقت نہیں کرتا یعنی اور میں تمہارا پروردگار ہوں میری ربوبیت میں میرا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔

فَاتَّقُوْنِ ○ پس مجھ سے ڈرو، یعنی دین و اسلام اور کلمۂ توحید میں اختلاف نہ کرو۔ اور یہ ضمیر خطاب رسل کرام علیہم السلام اور ان کی اُمتوں کے لیے ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ انبیأ علیہم السلام کو تقوٰی و طہارت پر مزید استقامت کے لیے اور اُمتوں کو تحذیر و ایجاب کے لیے ہے۔

ف: تفسیر کبیر میں ہے کہ اس میں تنبیہ ہے کہ تمام ادیانِ حقہ ایک ہیں اور سب کی اصل غرض معرفتِ الٰہی کا درس دینا اور معاصی سے بچانا مطلوب ہے۔

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ یعنی دین و ملت اگرچہ ایک تھی لیکن اُمتوں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ادیانِ مختلفہ پر منقسم کر دیا **زُبُرًا** یہ امرھم سے حال ہے بمعنٰی قطعا۔ ذبود کی جمع ہے بمعنٰی الفرقۃ یعنی ٹکڑے ٹکڑے یعنی گروہ گروہ ہو گئے اور آپس میں مختلف ہو گئے **كُلُّ حِزْبٍ** انہی جدا جدا ہونے والوں میں ہر گروہ **بِمَا لَدَيْهِمْ** اپنے من گھڑت دین سے **فَرِحُوْنَ** ○ خوش ہے اور ان کا اعتقاد ہے کہ وہ من گھڑت دین حق ہے۔

تفسیر صُوفیانہ بعض مشایخ نے فرمایا کہ انسان اپنے اعمال حاصل شدہ سے کیونکر خوش ہو سکتا ہے جبکہ اسے انجام کا پتا نہیں اور عارفین کو تو عرش سے لے کر تحت الثرٰی کی کسی شے سے بھی خوشی نہیں ہوتی بس وہ خوش ہوتے ہیں تو حق تعالٰی کے وصال سے اور بس۔ بلکہ محقق یعنی عارف کامل اگر بحرِ معرفت میں جو نہی مستغرق تر ہوتا ہے غمگین تر ہوتا ہے جب اسے اپنی سابقہ کوتاہیوں سے سخت سے سخت ندامت ہوتی ہے۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کعبۂ جلال کے معتکفین کو اپنی کوتاہی کا اعتراف ہے کہ ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا اور اس کے حلیہ جمال کے واصفین متحیر ہو کر کہتے ہیں کہ ہم نے اس کی معرفت کا حق ادا نہیں کیا۔

س

١ گر کسے وصف او ز من پرسد

بے دل از بے نشان چہ گوید باز

marfat.ocm

۲ عاشقان کُشتگان معشوقند
بر نیاید ز کُشتگان آواز

ترجمہ: ۱۔ اگر کوئی اس کا وصف مجھ سے پوچھے تو بے دل بے نشان کے متعلق کیا کہہ سکتا ہے۔
۲۔ عاشق معشوق کے مارے ہوئے ہیں مرے ہوؤں سے کیا آواز آئے گی۔

تفسیرِ عالمانہ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ کفار کی گمراہی وجہالت کو پانی میں غوطہ لگانے کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ جیسے پانی میں غوطہ لگانے والا لہو ولعب میں سرمست ہوتا ہے ایسے ہی کفر وگمراہی میں پھنسنے والے کا حال ہے۔

حلِ لغات: امام راغب نے فرمایا کہ الغمر دراصل ازالۃ اثر الشئی (شے کے اثر کو زائل کرنا) کو کہا جاتا ہے۔ وہ سیلاب جو پانی کے بہنے کی جگہ کو بہا کر لے جائے یہاں تک کہ اس کے نشانات بھی ختم کر دے اس کے لیے کہتے ہیں غمر، اور وہ پانی جو اپنی گہرائی اور کثرت کے لحاظ سے اپنے اندر آنے والے کو چھپا دے اسے المغمرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور جہالت وگمراہی کو بھی اسی معنے پر محمول کیا جاتا ہے کیونکہ وہ گمراہ کو ہر طرف سے گھیر لیتی ہے۔ یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یعنی اے محبوبِ مدنی صلی اللہ علیہ وسلم! کفار کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے، اپنے قلبِ مبارک کو ان کے متفرق ہونے سے پریشان نہ کیجئے۔

حَتّٰى حِيْنٍ ۝ مقرر وقت تک، اس سے ان کا قتل یا موت علی الکفر یا ان پر وقوعِ عذاب مراد ہے۔ اس میں کافروں کو دُنیا و آخرت کے عذاب کی وعید اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی وتشفی ہے اور آپ کو حکم ہے کہ آپ ان کے لیے وقوعِ عذاب کی عجلت نہ کیجئے اور نہ ہی ان پر عذاب کی تاخیر سے گھبرائیے۔ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ یہ ہمزہ واقع کے انکار اور ان کی قباحت کے اظہار کے لیے ہے اور ما موصولہ ہے اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کیا کافروں کو گمان ہے کہ ہم نے انھیں جو دنیوی عیش وعشرت دے رکھا ہے یہ ان کو دائمی طور پر ملتا رہے گا اور کیا اسی طرح ہم ان کی ہمیشہ مدد کرتے رہیں گے مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ یہ ما موصولہ کا بیان ہے اور بنین (لڑکوں) کی تخصیص ان کے خیال کے مطابق ہے اس لیے کہ انھیں لڑکوں پر بہت زیادہ فخر و ناز تھا۔ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ ہم ان کے لیے خیرات (بھلائی) میں جلدی کر رہے ہیں۔

ف: حضرت کاشفی نے لکھا کہ کفار اس گمان میں نہ رہیں کہ ہماری امداد از قسم عطیہ اموال و اولاد عجلت کے طور ان کے اعمال کا بدلہ ہے بلکہ انھیں یقین ہونا چاہیے کہ ہم ان کو ان کی نیکیوں کا صلہ دنیا میں دے رہے ہیں۔ بَلْ یعنی ان کا گمان سراسر غلط ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ وہ سمجھ نہیں رہے کہ انھیں مہلت دی جا رہی ہے تو صرف استدراجاً ہے نہ یہ کہ ان کے لیے خیر وبھلائی کے استحقاق کی بنا پر ہے۔

marfat.ocm

اس کا عطف فعل مقدر پر ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی ، کلا لا نفعل ذٰلك بل هم الخ یعنی ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے بلکہ وہ لاشعور ہیں جیسے جانوروں کو کچھ پتا نہیں ہوتا کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے ایسے ہی یہ بے خبر ہیں نہ غور و فکر کرتے ہیں نہ ہی کچھ سمجھ سکتے ہیں کہ ان کی امداد صرف استدراج کے طور ہے اور انھیں گناہوں میں منہمک ہونے کا مزید موقعہ دیا جا رہا ہے جسے وہ اپنے لیے خیر و بھلائی سمجھ رہے ہیں۔

تنگدستی قربتِ خداوندی مروی ہے کہ سابق دور میں کسی نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ میرا بندہ اپنی دنیوی وسعت سے یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اسے مالا مال کر دیا حالانکہ یہ معاملہ تو اسے مجھ سے دُور کرتا ہے۔ اور میرا مومن بندہ اپنی تنگدستی سے نالاں ہوتا ہے حالانکہ اسے خبر نہیں کہ اس طرح وہ میرے قریب تر ہوتا ہے۔

اس کے بعد اس روایت کی تائید اس آیت ایحسبون انما نمد هم الخ سے کی۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دنیوی جاہ و حشم عطا کرکے آزمایا ، انھوں نے سمجھا کہ جاہ و حشم ، لذتِ دنیا اور مال و اسباب ان کے لیے زیب و زینت ہے اس لیے وہ لوگ اس کی لذّت کے جنگل میں پھنسے اور مشاہدۂ رحمٰن سے محجوب رہے ۔ وہ غلط خیالی میں مبتلا رہے کہ اس طرح سے وہ بہت بڑے مراتب و درجات کے مالک بن گئے اور مقبولانِ خدا ہو گئے حالانکہ انھیں معلوم ہے کہ ان فانی اشیأ کے حصول سے کوئی بندہ صاحبِ مرتبہ علیا نہیں بن جاتا۔ انھیں تو اس سے خوف کرنا چاہیے تھا کہ یہ ان کے لیے استدراج تو نہیں جو کہ اہل اللہ کے نزدیک اچھا طریقہ نہیں۔

ف : حضرت عبدالعزیز مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو شخص زینتِ دُنیا سے مزیّن ہوتا ہے اسے یاد رکھنا چاہئے کہ یہی زینتِ دنیا ایک دن اس کے لیے وبالِ جان ہوگی۔ مگر زینت اس ارادہ سے ہو کہ اس طرح نہ کرے تو طاعات و عبادات و مجاہدات میں کامیاب نہیں ہو سکتا تو جائز ہے۔

سبق : یاد رہے کہ سانس فانی اور اموال عاریت کی چیزیں ہیں اور اولاد فتنہ و آزمایش کی - جو شخص ان کے حصول اور پھر ان کے جمع کرنے میں کوشاں رہتا ہے وہ آخرت کی بھلائیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

قاعدہ صوفیانہ : مخالفتِ نفس سے بڑھ کر اور کوئی عبادت و اطاعت افضل نہیں ہے ۔ اسی طرح دنیاوی سامان کی قلت پر قانع رہنا افضل عبادت ہے ۔ اسباب الدنیا سے دل کو دور رکھنا بہتر عبادت ہے۔ اور مسارعۃ فی الخیرات صوفیاءِ کرام کے نزدیک شرور سے اجتناب کا دوسرا نام ہے۔ سب سے بڑا شر حُبِ دنیا ہے اس لیے کہ دُنیا شیطان کی کھیتی ہے۔ جو شخص دنیا کا طالب ہے یا اس کی آبادی میں کوشاں ہے اسے یُوں سمجھو کہ وہ شیطان کا ساتھی ہے اور اس کا بے دام غلام۔ سب سے شریر وہ شیطان ہے جو شیطان کی کوٹھی تعمیر کرتا ہے

marfat.ocm

یعنی دنیا کے امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے۔ سلطان ولد کے نصائح میں ایک یہ ہے:

۱ بگزار جہان را کہ جہان آن تو نیست
وین دم کہ ہمی زنی بفرمان تو نیست

۲ گر مال جہان جمع کنی شاد مشو
ور تکیہ بجان کنی جان آن تو نیست

ترجمہ: ۱۔ اس جہان کو چھوڑ، اس لیے کہ تیرا جہان نہیں، یہ سانس جو تیرے اندر باہر آجارہا ہے یہ بھی تیرے فرمان سے باہر ہے۔

۲۔ اگر تو مال جمع کر رہا ہے تو اس سے خوش نہ ہو۔ اگر تجھے اپنی جان پر بھروسا ہے تو یہ بھی تیری نہیں ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

۱ بر مرد ہشیار دنیا خس است
کہ ہر مدتے جائے دیگر کس است

۲ برفتند ہر کس درود آنچہ کشت
نماند بجز نام نیکو و زشت

ترجمہ: (۱) مرد ہشیار کے سامنے دنیا کچھ نہیں کیونکہ ہر روز اس کا نیا مالک ہوتا ہے۔

(۲) جو جو کچھ بوئے گا وہی کاٹے گا، مرنے کے بعد نیک نامی یا بدنامی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ بیشک یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔

حلِ لغات: الخشیۃ وہ خوف جس میں تعظیم بھی ہو۔ اور الاشفاق وہ عنایت جس میں خوف کی ملاوٹ ہو، اس لیے کہ مشفق کو مشفق علیہ (جس پر شفقت کی جائے) سے محبت ہوتی ہے، اس کے لیے اس کے دل میں خدشہ ہوتا ہے کہ کہیں اسے کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ اس کی تحقیق سورۂ انبیاءؑ میں گزر چکی ہے۔

ف: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا، مومن احسان و خشیت کا جامع ہے اور کافر اساءۃ (برائی کرنا) امن (عذابِ الٰہی سے نڈر رہنا) کا مجموعہ۔ ع

ہر کہ ترسد مرورا ایمن کنند

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ان آیات پر جو آفاق میں علی الاطلاق موجود ہیں۔

marfat.ocm

يُؤْمِنُوْنَ ؕ ایمان لاتے ہیں یعنی جس ذات پر یہ آیات دلالت کرتی ہیں اس کو یہ لوگ دل سے مانتے ہیں۔ نہ فعلاً تکذیب کرتے ہیں نہ قولاً۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ۙ اور یہ لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو نہ ظاہراً شریک ٹھہراتے ہیں نہ خفیاً۔ اس لیے اسے ایمان بالآیات سے تعبیر فرمایا۔

فائدہ صوفیانہ: حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا، اگر کسی کا دل چیر کر دیکھا جائے تو اس میں اللہ تعالیٰ سے عظیم تر یا بزرگ تر کوئی اور شے موجود ہو تو وہ ہمارے نزدیک بڑا مشرک ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ سب سے بڑا شرک یہ ہے کہ دل پر مخلوق کے احوال و اقوال کو رد و قبول کرنے کے اثرات ہوں اس لیے کہ اس طرح سے اس کے دل کو غیروں سے خوشی و انکار کا خیال ہے اسی طرح جو دل اسبابِ دُنیا میں گرفتار ہو وہ بھی شرک سے خالی نہیں۔ صوفی وُہ ہے جو یقین کرے کہ بیماری کی شفا دوا میں نہیں اور نہ ہی پیٹ کا سیر ہونا طعام کھانے سے ہے۔ قلب پر یقین کا اتنا غلبہ ہو کہ ایسے تصوّر کا دل میں آنے کا امکان تک نہ ہو یعنی کسی معاملہ کو نہ حادثہ سے تعبیر کرے اور نہ تقدیر سے، اس کی پابندی سے شرک سے نجات نصیب ہوتی ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

جیب خاص است کہ گنج گہر اخلاص است
نیست این درثمین در بغل ہر دغلے

ترجمہ: جیب خاص اور موتی کا خزانہ صرف اخلاص ہے اور یہ قیمتی موتی ہر کھوٹے آدمی کے پاس نہیں ہوسکتا۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا اور وُہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے رزق سے زکوٰۃ و صدقات دیتے ہیں اور دیگر خیرات اور نیکیوں کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ صیغہ مضارع استمرار اور صیغہ ماضی تحقق پر دلالت کرتا ہے وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ یہ یؤتون کے فاعل سے حال ہے یعنی ان کا حال یہ ہے کہ ان کے قلوب خوفِ خدا سے سرشار ہیں۔

ف: امام راغب نے فرمایا: الوجل بمعنے خوف کو دل میں جگہ دینا۔

اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ؕ بیشک وُہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ یعنی ان کا رجوع صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہے بایں معنیٰ کہ انھیں دل میں خوف رہتا ہے کہ ان کی نیکی قبول نہ ہو۔ اس کریم کی رضا کے خلاف ہم سے کوئی عمل سرزد ہو تو ہم پکڑے جائیں۔ اس سے صرف رجوع الی اللہ مراد نہیں ہے۔

ف: چاروں اسمائے موصولہ ایک ہی گروہ کے لیے ہیں جو مذکورہ بالا صفات سے موصوف ہیں۔ اس کا یہ

marfat.ocm

معنی نہیں کہ وہ چاروں ان میں سے کسی ایک صفت سے موصوف ہیں۔ گویا عبارت یوں تھی: ان الذین ھم من خشیۃ ربھم مشفقون و بآیٰت ربھم یؤمنون الخ۔

نکتہ: اسم موصول کا تکرار اشارہ کرتا ہے کہ وہ ہر ایک مستقل طور علیحدہ علیحدہ فضیلت کاملہ کا حامل ہے۔ چنانچہ ان کے استقلال کے اظہار کے لیے موصول کا تکرار کیا گیا ہے۔

نکتہ: اہل اللہ مخالفتِ احکام سے اتنا خوف زدہ نہیں ہوتے جتنا انھیں طاعتِ الٰہی بجا لانے سے خوف ہوتا ہے۔ اس لیے کہ مخالفت حکم توبہ سے معاف ہو سکتی ہے لیکن طاعت کے لیے پہلے تو تصحیح ضروری ہے پھر اس میں اخلاص و صدق واجب ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ نیکی کرنے والا اگر صرف اللہ تعالیٰ سے خوف رکھتا ہے تو پھر اسے غیر سے ڈر کیسا! شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ دران روز کز فعل پرسند و قول
اولو العزم را تن بلرزد ز ہول

۲ بجائے کہ دہشت خورد انبیاء
تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ: ۱۔ جس دن فعل و قول کی پرسش ہوگی انبیا علیہم السلام خوفِ الٰہی سے کانپ رہے ہوں گے۔
۲۔ جس محفل سے انبیاء علیہم السلام بھی دہشت زدہ ہیں تو بھی گناہوں کا عذر رکھتا ہے آج ہی معذرت یعنی توبہ کرلے۔

اُولٰٓئِكَ وہ لوگ جن کی صفاتِ جلیلہ ابھی بیان کی گئی ہیں **یُسٰرِعُوْنَ** جلدی کرتے ہیں **فِی الْخَیْرٰتِ** حصولِ خیرات میں منجملہ ان کے یہ بھی ہیں جو اعمال صالحہ پر ان کے ساتھ دنیا میں ہی وعدہ کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فاٰتاھم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الاٰخرۃ۔

اور فرمایا:

واٰتیناہ اجرہ فی الدنیا وانہ فی الاٰخرۃ لمن الصالحین۔

اسی کو مسارعت (جلدی کرنا) سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ انھوں نے اعمال صالحہ کرکے اس کے حصول میں جلدی کی، اس لیے جن امور کی کفار سے نفی کی گئی ان کے لیے لازماً ثابت ہوگئے۔

نکتہ: مسارعۃ کا صلہ الیٰ آتا ہے لیکن یہاں فی لایا گیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ لوگ ہر قسم کی خیر و بھلائی میں حصہ لیتے ہیں اور اس سے کبھی دوسرے امر کی طرف سے نہ فارغ ہوتے اور نہ اس کے غیر کی طرف

marfat.ocm

متوجہ ہوتے ہیں بخلاف الیٰ کے صلہ کے کہ اس میں صرف ایک صورت ہوتی ہے یعنی صرف توجہ۔ چنانچہ فرمایا:

وسارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم وجنۃ۔

وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ اور وہ اس کے لیے سبقت کرنے والے، اور ہر خیر و بھلائی میں پیش پیش ہوتے ہیں اور لام فاعل کے عمل کی تقویت کے لیے ہے۔ یعنی انھیں آخرت سے پہلے دنیا میں ہی یہ سعادت نصیب ہوتی ہے اور اس کا نیک صلہ بھی۔

فائدہ صوفیانہ: بعض بزرگوں نے فرمایا: المسارعۃ فی الخیرات سے درجۃ السابقین کے لیے جدو جہد اور مکارم الواصلین کی طلب مراد ہے۔ یعنی وہ لوگ خیرات نہ اسباب کی تکمیل کے منتظر ہوتے ہیں اور نہ انھیں حتی الامکان ترک اور نہ ہی تضییع اوقات کرتے ہیں۔

سبق: جو مقاماتِ اعلیٰ تک آداب و ریاضات و مجاہدات کے بغیر پہنچنے کی کوشش کرے گا وہ خسارے اور گھاٹے میں رہے گا۔ یہی نہیں بلکہ منزلِ مقصود سے بالکل محروم رہے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اولٰئك یسٰرعون فی الخیرٰت اس سے وہ حضرات مراد ہیں جن کی تقدیر ازل سے نیک ہے وہ قدم صدق اور سعی جمیل سے متوجہ الی اللہ اور غیر اللہ سے روگردان رہتے ہیں وھم لھا سٰبقون اور وہی لوگ تقدیر الٰہی میں سعادت مند لکھے جا چکے ہیں یعنی جن بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ازل میں اپنے فضل و کرم اور لطف و عنایت سے لکھا کہ انہیں خیر و بھلائی حاصل ہوگی۔ یہ حضرات انہی میں سے ہیں۔ اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جنۃ النعیم اہلِ علوم کو، اور جنۃ الفردوس اصحابِ فہوم کو اور جنۃ الماویٰ اصحابِ تقویٰ کو اور جنۃ عدن قائمین بالوزن کو اور جنۃ الخلد مقیمینِ مودتِ الٰہی کو اور جنۃ المقامہ اہلِ کرامت کو نصیب ہوگی۔ یاد رہے کہ ہر سانس پر یادِ الٰہی اور ہر لحمہ میں مراقبۂ ایزدی اور پھر ظاہراً و باطناً یہ ہر انسان کے بس سے باہر ہے بلکہ یہ ملأ الاعلیٰ کا خاصہ ہے اور ہمارے حضور پُرنور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تو حاصل تھا ہی بلکہ آپ ہی اس مرتبہ میں مسارع فی الخیرات ہیں۔ جمیع احوال میں آپ ہی کو جملہ مخلوق سے سبقت حاصل تھی اس لیے کہ سبقت یا وجوب میں ہوگی یا مندوب میں یا مباح میں۔ ان تینوں امور کی سبقت و مسارعۃ جمیع مراتب سے بلند و بالا ہے کہ اس کے بعد اور کوئی مرتبہ نہیں اور ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسی مرتبہ کے جامع تھے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں مسارعین الی الخیرات اور ان لوگوں سے بنائے جو ہر حال اور ہر سانس پر اسی کے خیال اور تصور میں زندگی بسر کرتے ہیں اسی کے مطابق فرمایا ہے:

والذین ھم فی صلوٰتھم دائمون۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اور ہم کسی تکلف میں نہیں ڈالتے اِلَّا وُسْعَهَا مگر اسی کی طاقت کے مطابق۔
اس سے معلوم ہوا کہ لا الٰہ الا اللہ کا عقیدہ اور احکام شرعیہ انسانی وسعت کے مطابق ہیں۔

مسئلہ: حضرت مقاتل نے فرمایا: جو کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا وہ بیٹھ کر پڑھے اور جو بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا وہ اشاروں سے ادا کرے۔

مسئلہ: حضرت حریری نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے حصول کا حکم بھی انسان کی وسعت کے مطابق فرمایا ہے اگر وہ اس کا حکم اپنی طاقت کے مطابق فرماتا تو کسی کو بھی معرفتِ الٰہی نصیب نہ ہوتی۔ اس لیے کہ جیسا کہ وہ ہے اس کے اپنے سوا اور کسی نے نہیں پہچانا۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

عمرے خرد چو چشمہا چشمہا کشاد
تا بر کمال کنہ اللہ افگند نگاہ
لیکن کشید عاقبتش در دو دیدہ نیل
شکل الف کہ حرف نخست است از الٰہ

ترجمہ: عمر بھر خرد نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا کہ کہیں اسے اللہ تعالیٰ کے کمال کی کنہ نصیب ہو جائے لیکن بالآخر اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اسے لفظ اللہ کے الف تک بھی رسائی نہ ہو سکی۔

وَلَدَيْنَا اور ہمارے ہاں كِتٰبٌ اعمال نامہ ہے کہ جس میں ہر ایک کے اعمال ثبت ہیں يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وہ حق بولتا ہے یعنی اس میں ہر عمل صحیح طریق سے لکھا ہوا ہے بال برابر بھی حقیقت کے خلاف نہیں ہے۔ یعنی عملنامہ اصلی بات ظاہر کر دے گا، گویا جیسے اس کے ساتھ کوئی بولنے والا بول رہا ہو۔ وہاں ہر ایک اعمال کھل کر سامنے آجائیں گے جن پر ہر ایک کی جزا و سزا مرتب ہوگی۔ اگر نیکی ہے تو اسے نیک جزا نصیب ہوگی اور برائی ہے تو اسے سخت سزا ملے گی۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے ہاں ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ عملنامہ ہے جس میں ہر ایک کے اعمال ثبت ہیں۔ وہی عملنامہ انسان کے عمل کی سچی گواہی دے گا۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ اور ان کی جزا کم نہیں ہوگی۔ یعنی اگر ثواب ہے تو پورا ملے گا ذرہ بھر بھی کم نہ ہوگا اگر عذاب ہوگا تو بھی پورا۔ غرضیکہ ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کی پوری پوری جزا ملے گی۔ اور اعمال کے متعلق گواہ ان کے اپنے اعمال نامے ہوں گے۔ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِىْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا بلکہ کافروں کے دل غافل اور پردے میں ہیں یعنی وہ احکام جو قرآن مجید نے بیان کیے ہیں ان سے ان کے قلوب پر پردہ ہے

marfat.ocm

وہ نہیں سمجھتے کہ ان کے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک کتاب میں جمع کیا جا رہا ہے۔ پھر وہی کتاب قیامت میں حق بولے گی اور ان کے ایک ایک عمل کو ظاہر کر دے گی جسے بر سر میدان ہر ایک دیکھے اور سنے گا۔ اس کے بعد انھیں اعمال کی سزا ملے گی وَلَهُمْ أَعْمَالٌ اور ان کے اعمال خبیثہ ہیں مِّن دُونِ ذَٰلِكَ ان مذکورہ غلط اعمال کے سوا۔ یعنی وہ جو ابھی مذکور ہوا کہ ان کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کی حاضری سے غافل ہیں اور پھر وہ کفریہ فنون اور معاصی وجرائم میں طرح طرح کے فن دکھاتے ہیں منجملہ ان کے قرآن مجید پر طعن وتشنیع کی تفصیل ابھی آتی ہے هُمْ لَهَا عَامِلُونَ ۝ وہ ان اعمال کو عادت کے طور پر کرتے ہیں حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم حتیٰ ان کے اعمال مذکورہ کی غایت اور مابعد کے مضمون شرط کے لیے ابتدائیہ ہے۔ یعنی وہ اپنے ان غلط امور کے مرتکب ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ جب ہم ان کے سرمایہ داروں اور لیڈروں کی گرفت کریں گے بِالْعَذَابِ اُخروی عذاب سے۔ ہم نے اُخروی عذاب کی قید اس لیے لگائی ہے کہ آخرت میں جب انھیں اچانک عذاب گھیرے گا تو دھاڑیں ماریں گے۔ اور ظاہر ہے کہ بدر میں اگرچہ انھیں عذاب میں مبتلا کیا گیا لیکن اس میں انھوں نے دھاڑیں نہیں ماریں۔ کیونکہ قیامت میں نہ انھیں کہیں سے بچنے کی امید ہوگی۔ نہ ہی ان کی بات سُنی جائے گی اور نہ ہی ان کا کوئی فریادرس ہوگا۔ إِذَا هُمْ يَجْأَرُونَ ۝ ھم کا مرجع کفار کے سرمایہ دار ہیں یعنی قیامت میں فریاد کے لیے دھاڑیں ماریں گے اور طلبِ نجات کے لیے گڑگڑائیں گے۔

حلِ لغات : جوار بمعنے گڑگڑا کر چیخنا۔ جیسے جأر الرجل الی اللہ تضرع بالدعا۔

امام راغب نے فرمایا کہ جأر اس وقت بولتے ہیں جب کوئی بہت زیادہ دعا وتضرع کرے۔ اسے جانوروں کی چیخ وپکار سے تشبیہ دی گئی ہے جیسے ہرنی وغیرہ کی آواز وغیرہ۔

سوال : آیت میں کیفیت مذکورہ کی تخصیص صرف سرمایہ داروں اور لیڈروں کے لیے کیوں؟ حالانکہ یہی کیفیت ہر کافر کی ہوگی۔

جواب : سرمایہ داروں اور لیڈروں کا حال واضح اور روشن ہوگا، نیز عذاب کی سختی کا بیان واضح اور روشن طریقہ سے کیا گیا ہے کہ قیامت میں جب کافروں کے لیڈروں اور سرداروں کا یہ حال ہوگا تو ان کے معمولی مرتبہ کے لوگوں کا حال کیا ہوگا۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ مترفین سے وہ کافر مراد ہیں جنھیں بدر میں قتل کیا گیا جیسے ابوجہل اور اس کے ساتھی۔ اور ھم یجئرون سے دیگر اہل مکہ مراد ہیں۔ اس معنے پر جن کی طرف مترفیھم کی ضمیر راجع ہوگی انہی کی طرف یہ ضمیر بھی راجع ہوگی۔ یعنی مطلق کفار کی طرف۔

لَا تَجْأَرُوا الْيَوْمَ قف یہاں قلنا محذوف ہے یعنی ہم انہیں قیامت کے دن کہیں گے کہ

marfat.ocm

مت چیخو۔ الیوم سے قیامت کے دن کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ دن بہت سخت ہے اور اس سے انھیں متنبہ کرنا ہے کہ معافی کا وقت گزر گیا اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ ہماری طرف سے تمھیں مدد نہیں ملے گی جو تمھاری نجات کا سبب بن سکے قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ دنیا میں تمھارے ہاں ہماری آیات پڑھی گئیں اس وقت تمھارے لیے ضروری تھا کہ تم ان آیات سے نفع اٹھاتے فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝ الاعقاب، عقب کی جمع ہے پاؤں کا پچھلا حصہ یعنی گٹہ۔ اہلِ عرب کہتے ہیں، رجع علی عقبہ۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی اُلٹے پاؤں چلے۔ اور النکوص بمعنے الرجوع القھقری۔ یعنی تھے تم ہماری آیات کے سننے سے سخت روگردان، اور پھر تم سے ان کی تصدیق کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور نہ ہی تم سے اُن پر عمل کی امید ہو سکتی تھی مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ درانحالیکہ تم میری کتاب کہ جسے ہم نے اٰیتی سے تعبیر کیا ہے کے ساتھ تکبر کیا ہے اگر کتاب کو آیات سے تعبیر کیا جائے تو استکبار تکذیب کے معنے کو متضمن ہوگا سٰمِرًا یہ دوسرا حال اور حاضر کی طرح اسم جمع ہے۔

ف : امام راغب نے کہا کہ اس کا معنی سمار ہے واحد کو جمع کی جگہ پر لایا گیا ہے۔

بعض نے کہا کہ السامر اندھیری رات کو اور السمر رات کی تاریکی کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے رات کی بات چیت کو سمر اللیل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں، سمر فلاں۔ یہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو رات کو باتوں میں مشغول رہے۔ مشرکین کی عادت تھی کہ رات کو ایک جگہ جمع ہو کر قرآن مجید پر طعن و تشنیع کرتے رہتے تھے اور ان کی عام بات چیت قرآن مجید کے متعلق ہوتی کہ وہ سحر ہے اور شعر ہے وغیرہ۔

تَهْجُرُوْنَ ۝ یہ حال دیگر ہے۔ یہ الھجر بالفتح بمعنے الھذیان یا الترک ہے۔ یعنی قرآن مجید کے متعلق بکواس کرتے اور اسے چھوڑ دینے کی باتیں کرتے ہیں۔

مسئلہ : اس آیت میں رات کو قصے کہانی اور غیر طاعت کی باتوں کی مذمت کی گئی ہے۔

ف : امام قرطبی رحمہ اللہ رات کے تہائی حصہ تک نماز کو مؤخر کرتے اور نماز سے پہلے نیند کرنے اور نماز کے بعد باتیں کرنے کو مکروہ سمجھتے۔

ف : امام قرطبی نے فرمایا کہ تمام علماء متفق ہیں کہ نماز کے بعد فضول باتیں کرنا مکروہ ہے اس لیے کہ نمازیں گناہوں کا کفارہ ہیں۔ اس لیے لازم ہے کہ انسان نیک عمل کر کے نیند کرے تاکہ کراماً کاتبین نیک عمل پر عمل نامہ کو لپیٹیں۔ اگر نیکی کے بعد فضول باتیں کرے گا تو اس کی نیکی لغو ہو جائے گی اور عمل نامہ بھی لغو اور فضول باتوں پر لپیٹا جائے گا۔

ف : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمازِ عشاء کے بعد سختی سے روکتے اور فرماتے کہ چل کر آرام کرو ممکن ہے تمھیں نماز یا تہجد نصیب ہو۔

marfat.ocm

ف : فقیہ ابو اللیث نے فرمایا ، نمازِ عشاؔ کے بعد باتیں تین قسم ہیں ؛

(۱) مذاکرۂ علمی ۔ یہ نیند سے افضل ہے (جیسے طلبۂ مدارس عربیہ اور علماء و مدرسین اور جلسہ ہائے اسلامی) اسی طرح وہ باتیں جو خیر و صلاح اور مبنی بر طاعت ہوں ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عشاؔ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں بیٹھ کر مسلمانوں کے معاملات میں صلاح و مشورے کیا کرتے تھے ۔

(۲) بناوٹی باتیں اور جھوٹے قصّے کہانیاں اور ہنسی مذاق وغیرہ مکروہ ہے ۔

(۳) آپس میں ایک دوسرے سے انس پیدا کرنے کے لیے گفتگو کرنا بشرطیکہ اس میں جھوٹ اور باطل قول سے احتراز کیا جائے ۔ ایسی باتیں اگرچہ مباح ہیں تاہم ان سے احتراز کرنا چاہیے کیونکہ اس کے لیے جو وارد ہوا ہے ' وہ عام ہے ۔

اگر فضول باتوں کا ارتکاب ہو جائے تو ان کے بعد آخر میں ذکرِ الٰہی ، استغفار اور تسبیح و تہلیل یا کوئی اور نیکی کی جائے تاکہ باتوں کا خاتمہ نیکی پر ہو ۔

ف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مجلس برخاست کرتے تو فرماتے :

سبحانك اللھم و بحمدك اشھد ان لا الہ الا انت استغفرك و اتوب الیك ۔

اور فرمایا کہ مجھے ایسے ہی جبریل علیہ السلام نے سکھایا ہے ۔

حدیث شریف : روضۃ الاخیار میں ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ جو شخص اپنی مجلس برخاست کرنے سے پہلے کلماتِ مذکورہ پڑھے گا وہ اس کے ان تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائیں گے جو اس سے اس مجلس میں سرزد ہوئے ۔

ارشادِ عائشہ رضؓ : حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ قصّے کہانیاں صرف مسافر اور نمازی کے لیے جائز ہیں ، وہ اس لیے کہ مسافر اپنا سفر کاٹنے کے لیے قصّے کہانیاں کہے گا تو اس کا سفر آسانی سے کٹ جائے گا ۔ بنا بریں اس کے لیے جائز ہے اُس سے اسے ثواب وغیرہ کی امید نہیں رکھنی چاہیے ۔ اسی طرح نمازی بھی جب نماز سے پہلے قصّے کہانیاں کہے گا تو نماز اس کے قصّے کہانیوں کا کفارہ بن جائے گی اور نماز پر اس کی مجلس کا خاتمہ ہو گا اور نماز پڑھ کر فوراً نیند کرے گا تو اس پر کسی طرح غلطی اور فضول باتوں کا جرم نہ ہو گا ۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ فضول باتوں اور ان جملہ امور سے احتراز کرے جو اسے حریمِ قبول سے محروم کر کے دُور پھینک دیں ۔ اور ایسا کام نہ کرے جس سے اس کی تمام زندگی ضائع ہو اور آفات و بلیات میں مبتلا ہو ۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم ۔ از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

marfat.com

ترجمہ: ہم نے قصہ سکندر و دارا پڑھا ہے لیکن ہم سے صرف مہر و وفا کی بات کا سوال کرو۔
کسی اور شاعر نے فرمایا: ؎

جز یاد دوست ہرچہ کنم جملہ ضائع ست
جز سر شوق ہرچہ گویم بطالت ست

ترجمہ: یاد دوست کے سوا جو کچھ کر رہا ہوں وہ ضائع ہے شوقِ محبوب کے سوا جو کچھ کہتا ہوں باطل ہے۔
اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ ہمزہ واقع کے انکار اور اس کی قباحت کے لیے ہے اور فا کا عطف فعل مقدر پر ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی:

افعل الکفار ما فعلوا من النکوص والاستکبار والھجر فلم یتدبروا الخ

کیا کافروں نے نکوص واستکبار اور ہجر وغیرہ کا ارتکاب کرکے قرآن مجید میں تدبر نہیں کیا تاکہ انہیں معلوم ہوتا کہ اس کی نظم و ترتیب میں کیسا اعجاز ہے اور اس کا بیان کتنا صحیح اور اس کی جملہ خبریں کیسی حق اور مبنی بر صدق ہیں۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ واقعی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے اس تدبر کے بعد انھیں دولتِ ایمان نصیب ہوتی لیکن ان کی شومیٔ قسمت کہ انھوں نے تدبر کی بجائے اس کی تکذیب کی اور اس کے جملہ احکام کو پسِ پشت ڈالا۔

ف: تدبر بمعنے بات سمجھنے کے لیے دل کو حاضر کرنا۔

امام راغب نے فرمایا کہ تدبر بمعنے تفکر ہے۔ یہ دبر الامور سے مشتق ہے۔

اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ یہ ام منقطعہ ہے اور یہاں لفظ بل اور ہمزہ مقدر ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ اضراب وانتقال کے لیے ہے۔ یعنی کافروں کو ایک توبیخ کے بعد دوسری توبیخ کی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کے ہاں کوئی نئی کتاب آئی ہے کہ جس کا انکار کر رہے ہیں حالانکہ ان کے آباء کے ہاں بھی اس طرح کی کتاب آیا کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ کا طریقہ قدیم سے چلا آرہا ہے کہ وہ اپنے رسل کرام علیہم السلام کے ہاں کتاب بھیجا کرتا ہے اسی طریقہ پر ان کے ہاں قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے پھر اس کا کیوں انکار کر رہے ہیں اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ اس میں بھی توبیخ ہے مذکورہ توبیخ کے بعد توبیخ میں دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور ہمزہ انکار الوقوع کے لیے ہے اور عبارت میں اضراب وانتقال سے یعنی کفار نے میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و امانت اور حسنِ اخلاق کو نہیں دیکھا اور کیا انھیں ان کے کمال علمی کا اعتراف نہیں کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے برعکس انھوں نے کسی سے پڑھا نہ سنا لیکن علوم اولین و آخرین کے بحرِ ذخار ہیں فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ آپ کی شان کو نہ جاننے سے نتیجہ نکلا کہ وہ آپ کی نبوت سے انکار کر رہے ہیں کیونکہ ان کے انکار کا ترتب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی کمالات سے بے خبری کی دلیل ہے۔

marfat.ocm

اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِہٖ جِنَّۃٌ ؕ یہ اور توبیخ کی طرف انتقال ہے یہاں بھی ہمزہ انکار واقع کے لیے ہے۔ یعنی کیا وہ کافر کہتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنون ہے (معاذ اللہ) حالانکہ ان بیوقوفوں کو معلوم نہیں ہو رہا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم عقل و فکر اور علم و عمل میں تمام لوگوں سے فائق اور فکر و فہم میں بلند تر اور قوتِ ارادی میں آپ کا ہم پلہ کوئی نہیں اور آپ کی رائے کا نظیر کوئی ہے نہیں بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ یعنی جیسے انہوں نے سمجھ رکھا ہے ایسا بالکل نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حق کو لائے ہیں اور ایسا کہ اس سے رُوگردانی تباہی اور اس میں بطلان کا تو امکان ہی نہیں۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ حق سے یہاں اسلام یا قرآن مجید مراد ہے۔

وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ اور ان کے اکثر لوگ حق سے یعنی یہ لوگ ہر حق سے ایسے کرتے ہیں نہ صرف اسی قرآن و اسلام سے كٰرِهُوْنَ ۝ کراہت کرنے والے ہیں اس لیے کہ ان کے عادات میں ہے کھوٹ اور انحراف۔ اور یہ دونوں باطل کو مستلزم ہیں اسی لیے انہوں نے ایسے روشن حق اور سیدھے راہ کا انکار کر دیا۔ اور اکثر کی قید اس لیے نہیں کہ ان کے بعض کو کراہت نہ تھی بلکہ یہ اکثریت حکم الکل کے قبیل سے ہے۔

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اس اکثر سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے تکذیب کی اور اس کے قلیل سے اہلِ ایمان مراد ہیں وہ اس لیے کہ حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مخالفین اکثر و بیشتر ہوں۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

گوہر پاک کہ بباید کہ شود قابل فیض
ورنہ ہر سنگ و گلے لُؤلُؤ مرجان نشود

ترجمہ : گوہر کا پاک ہونا ضروری ہے اس لیے کہ فیض کے قابل وہی گوہر ہوتا ہے ورنہ ہر پتھر اور ڈھیلہ لُؤلُؤ مرجان ہوتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قلیل سے وہی جواہر نفیسہ اور خوشبودار پھول مراد ہیں اور کافر بیکار پتھروں اور کوڑے کرکٹ کی طرح ہیں۔

ف : کافروں نے محبوب و مرغوب حق سے عقلاً و طبعاً کراہت کی اگر وہ عقل و طبع کو چھوڑ کر شرع پاک کی اتباع اور اس سے محبت کرتے تو ان کے لیے دُنیا و آخرت کی بہتری ہوتی۔

سوال : جو طاعتِ الٰہی دنیا میں مجبوراً کی جائے کیا آخرت میں اس کا ثواب ملے گا۔

جواب : نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قلوب پر نگاہ ہے اور وہ صرف اخلاص کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا : انما الاعمال بالنیات۔ اور فرمایا : اخلاص سے نیکی کا کام کرو، اگرچہ

marfat.ocm

تھوڑا سہی ؎

۱ عبادت با اخلاص نیت نکوست

وگرنہ چہ آید ز بے مغز پوست

۲ اگر جز بحق میرود جادہ ات

در آتش فشانند سجادہ ات

ترجمہ : ۱۔ عبادت میں خلوصِ نیت ضروری ہے ورنہ بے مغز پوست سے کیا حاصل ہوگا۔

۲۔ اگر تمہارا طریقہ حق کے خلاف ہے تو پھر تمہارا مصلّٰی آگ میں ڈالا جائے گا۔

حضرت جامی قدس سرہٗ کے لطائف میں سے ہے :؎

تہیست سبحۂ زاہد ز گوھر اخلاص

ہزار بار من آنرا شمردہ ام یک یک

ترجمہ : زاہد کی تسبیح اخلاص سے خالی ہے میں نے اسے ہزار بار ایک ایک کر کے گنا ہے۔

ف : آیت سے معلوم ہوا کہ ہر وہ امر جو انسان کے نزدیک مکروہ ہے ضروری نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مکروہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اگر کوئی بوجھ ڈالتا ہے تو وہ بھی اس لیے کہ وہ آخرت کی دائمی نعمتوں سے بہرہ ور ہو سکے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کی دارین کی مصلحت اسی میں دیکھی ہے کہ انھیں مشقت میں ڈال کر دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔ بنا بریں ان پر اپنی طاعت واجب فرمائی اور اسی پر ان کے ثواب و عذاب کو مرتب فرمایا۔ ان میں چونکہ ذاتی اور فطری مروّت نہیں تھی اس لیے ان پر ایجاب کے زنجیر ڈالے تاکہ اس کے ذریعے طاعت میں زندگی بسر کریں۔

ازالہ وہم یاد رہے کہ ایجاب کے زنجیر عوام کے لیے ہیں ورنہ اہلِ وفا اہل اللہ (انبیاء و اولیاء علی نبینا وعلیہم السلام) تو مروّت و محبت کی سچی تصویر ہیں۔ ان کو طاعتِ الٰہی کی بجا آوری سعادت بلکہ شرافت محسوس ہوتی ہے بلکہ وہ اسی کو اپنی زندگی کا بہترین نوالہ سمجھتے ہیں بلکہ ان کی فطرت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر طاعت کا حکمِ ربانی نہ بھی ہوتا تب بھی وہ عبودیتِ حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا اور ربوبیت کی خوشنودی میں خوشی محسوس کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایسے حضرات کے سامنے بہشت اور خدمتِ الٰہی کا اختیار پیش کیا گیا تو انہوں نے بہشت سے انکار کر کے خدمتِ حق میں کمر بستگی پر آمادگی کا اظہار کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ قیامت میں اپنے بعض بندوں پر بہت خوش ہوگا جنھیں پابہ زنجیر کر کے بہشت میں لایا جائے گا۔

حدیث شریف : چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف میں ہے :

marfat.com

عجب ربکم من قوم یقادون الی الجنۃ بالسلاسل۔

(اللہ تعالیٰ اس قوم سے بہت خوش ہوگا جسے زنجیروں میں جکڑ کر بہشت میں لایا جائے گا)

حدیث ہذا میں اشارہ ہے کہ کبھی کراہت محبت کی طرف کھینچ کرلے جاتی ہے جیسے تم نے دیکھا ہوگا کہ بعض قیدیوں کو دار الاسلام میں سخت مجبور کر کے لایا جاتا ہے پھر اسے اسلام کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ تو ایسے لوگ گویا پا بہ زنجیر کر کے بہشت میں داخل کیے گئے۔ اس لیے ہر شے میں خاتمہ کا اعتبار ہے۔

ف: جو شخص صرف ثواب و عقاب کو مدِ نظر رکھ کر اسلام قبول کرتا ہے طوعاً یا کرہاً، تو اس کا اسلام بھی مجبوری میں شمار ہوگا۔ اگر وہ صرف ثواب و عذاب دینے والے کو مدِ نظر رکھتا ہے اسے نہ ثواب سے غرض نہ عذاب سے واسطہ۔ تو اس کا اسلام مبنی بر معرفت و محبت ہے اس کا اسلام نہایت اعلیٰ درجے کا ہے اور اہل اللہ کے نزدیک یہی ایمان معتبر ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ قرآن مجید میں غور و فکر کرے تاکہ اس کا ایمان مخلصین کی فہرست میں ہو اور عرفان و ایقان بلکہ مشاہدہ و عیان کو پالے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رسل کرام کو بھیجا اس کے سوا گمراہی کے بغیر چارہ نہیں۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اور اگر حق جسے انہوں نے مجبوراً قبول کیا منجملہ اس کے وہ احکام شرعیہ ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا **اَهْوَآءَهُمْ** ان کی خواہشات کی اتباع کرے۔ یعنی ان کی خواہشات جنہیں صرف وہی چاہتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے کہ قرآن پاک ان کے ارادوں کے مطابق نازل ہو۔

ف: ان کی موافقت کو اتباع سے تعبیر کرنا مجاز ہے۔

لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ البتہ آسمان و زمین اور ان کے اندر رہنے والے جملہ فرشتے اور انسان و جن وغیرہ میں فساد پھیل جائے اور آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہو جائے اس لیے جملہ عالم کا نظامِ حق سے مربوط ہے جس کو اسلام و توحید اور عدل وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف: بزرگانِ اسلام نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نفس کی مخالفت اور اس کے ساتھ عداوت و دشمنی کا حکم نہ فرماتا تو مخلوق اپنی خواہشات و شہوات کے تابع ہو کر گمراہ ہو جاتی اور اس گمراہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اوامر کے خلاف کرتی اور طاعتِ الٰہی سے روگردانی کر کے مخالفتِ حق پر کمر بستہ ہوتی اور خواہشِ نفسانی کی عاشق ہوتی اور ایسا عشق اسے جہنم میں لے جاتا۔

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ (**ربط**: پہلے مضمون میں ان کی کراہت حق (کہ جس پر عالم کائنات کی وابستگی) کی مذمت کے بعد اب ان کی دوسری بُری عادت کی مذمت کی جا رہی ہے یعنی یہاں پر انسان کی جبلت میں جو خیر و

marfat.ocm

بھلائی پیدا کی گئی ہے اس سے کفار کی رُوگردانی کی مذمت کا بیان ہے اور یہاں پر ذکر سے قرآن مجید مراد ہے کیونکہ اگر اسے دل وجان سے قبول کرلیں تو دُنیا و آخرت میں ان کی شرافت و فخر کے لیے اور کوئی شے بہتر و برتر نہیں۔ کما قال تعالیٰ :

وانہ لذکرلك ولقومك۔

بے شک وہ قرآن آپ کا اور آپ کی شرافت و بزرگی کا موجب ہے۔

اب معنی یہ ہُوا کہ ہم نے ان کی شرافت اور خیر و بھلائی کا بہتر و برتر سامان عطا فرمایا ہے اسی لیے ان پر واجب ہے کہ وُہ اسے بدل وجان قبول کریں۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے انھیں وہ نسخہ کیمیا بخشا ہے جس میں ان کے حال و مآل کی خیر و بھلائی ہے۔

فَهُمْ پس وہ اپنے بُرے اختیار سے عَنْ ذِكْرِهِمْ اپنے حال و مآل کی خیر اور بھلائی سے۔

الارشاد میں ہے کہ ذکر سے صرف شرف و فخر مراد ہے۔

مُّعْرِضُوْنَ ۝ روگردان ہیں اَمْ تَسْئَلُهُمْ یہ ان کے قول ام یقولون بہ جنة سے انتقال ہے۔ اور اس سے ان کی زجر و توبیخ مطلوب ہے۔ یعنی ان بدبختوں کا خیال ہے کہ شاید آپ ان سے ادائے رسالت پر خَرْجًا اجر و انعام وغیرہ کا سوال کریں گے اسی وجہ سے وہ آپ پر ایمان نہیں لاتے فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ آپ کے لیے انعامِ ربانی بہتر ہے انکار مذکور سے جو نفیِ سوال مستفاد ہوتی ہے یہ اس کی تعلیل ہے یعنی آپ ان سے کسی قسم کا سوال کریں گے بھی کیسے، جبکہ آپ کے ہاں دُنیا میں رزقِ الٰہی کی کمی نہیں اور نہ ہی آخرت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کے اجر و ثواب میں کوئی کمی بلکہ آپ کو دارین میں خیر و برکت سے مالا مال کیا گیا ہے۔

ف : اس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استغناء کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ کو ان کافروں کے اجر و انعام کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ آپ کا رب تعالیٰ آپ کا کفیل کارہے۔ اور یہ معاملہ ان بیوقوفوں کو یا تو معلوم نہیں یا معلوم ہے تو پھر آپ پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔

الخراج ، الدخل کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے اور الخراج ہر اس خرچ کو کہتے ہیں جو اپنی جیب سے دوسرے پر خرچ کرنا ضروری ہو اور اس کا استعمال اکثر زمین کے محصولات پر ہوتا ہے اور یہاں پر یہ مقصود ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سب کچھ ہے اور ان کے ہاں ہر وقت انعاماتِ الٰہی کے خزانے کھلے ہوئے ہیں۔ اسی لیے انھیں کسی سے کسی شے کی ضرورت نہیں۔ اس معنے کو

marfat.ocm

مذکورہ بالا طریقہ سے بیان کرنا بلیغ ترین کلام میں شمار ہوا ہے۔ اس لیے اسے عطیۂ ایزدی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کا رزق اپنے ذمۂ کرم واجب فرمایا ہے کہ جس میں خلاف کا ہونا ممتنع ہے۔ (کذا فی تفسیر المناسبات)

وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ اور وہی ذات تمام ان دینے والوں سے بہتر ہے جو کسی کو کسی کے عمل کا عوض دیتی ہے کیونکہ دوسروں کی عطا میں انقطاع و تکدر ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا میں نہ انقطاع ہے نہ تکدر۔ یہ معنی اس لیے کیا ہے کہ صیغہ خیر افعل التفضیل کا ہے اور افعل التفضیل کے مفہوم کی صحیح تقریر وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ عارف باللہ وہ ہیں جو اپنے قلوب کے چہروں کو دنیوی طمع و لالچ کی گرد و غبار سے آلودہ نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے قلوب کے روشن چہروں کو آخرت کی نعمتوں کے لالچ سے بھی ملوث نہیں کرتے بلکہ وہ دعوتِ خلق الی اللہ میں للہ فی اللہ کام کرتے ہیں ؎

زیان می کند مرد تفسیر دان
کہ علم و ہنر می فروشد بنان

ترجمہ: تفسیر دان مرد نقصان کرتا ہے کیونکہ وہ علم و ہنر کو روٹی کے عوض بیچتا ہے۔

نکتہ عجیبہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ فتوحات مکیہ شریف میں لکھتے ہیں کہ واعظ کو اپنے وعظ پر لوگوں سے اجرت لینا جائز ہے[1]۔ بلکہ یہ اس کی بہترین حلال کمائی ہے اگر اس کا ترک اس کے لیے افضل ہے۔ اس لئے کہ ہر نبی علیہ السلام نے خلقِ خدا کو دعوتِ دینِ حق پیش کر کے فرمایا:

ان اجری الا علی اللہ۔

اس جملہ سے انبیاء علیہم السلام نے وعظ یعنی دعوت الی اللہ کے جواز کی طرف اشارہ فرمایا ہے اگرچہ اُنھوں نے اور ان کے عُشاق اولیاء کاملین اور علماء باعمل نے صرف اللہ تعالیٰ سے ہی انعام و اکرام کی امید رکھی۔ اور مخلوق سے اس کا تصور تک منقطع رکھا۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اور آپ انھیں بلاتے ہیں اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صراطِ مستقیم کی طرف، وہ صراطِ مستقیم جس کی استقامت کی گواہی عقول سلیمہ دیتے ہیں اور یقین سے

---

[1] اس سے ہمارے دور کے واعظین اگرچہ اپنا پروگرام صحیح سمجھیں گے لیکن میں ان سے عرض کرتا ہوں کہ بھائیو! بتاؤ تو واعظ بھی ہو، ذرا واعظ بن کر دکھاؤ تو سہی۔ امید ہے سمجھداروں نے یہ فقرہ سمجھ لیا ہوگا۔

اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

کہتے ہیں کہ ایسے راستے میں ٹیڑھے پن کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ جس سے کسی کو وہم ہو کہ آپ اس ٹیڑھے راستے کی دعوت دیتے ہیں وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ کافروں کو آخرت پر ایمان نہ لانے کے وصف سے موصوف کرنے میں ان کی مذمت مطلوب ہے اس لیے کہ وہ بدبخت دنیوی امور میں ایسے منہمک ہیں کہ وہ اپنا مقصدِ اعلیٰ بھی دنیا کو سمجھتے ہیں ان کے اس انہماک سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ دنیوی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی سے ہی نہیں عَنِ الصِّرَاطِ یعنی جس سیدھے راستے کے لیے آپ انہیں دعوت دیتے ہیں اس راستہ سے وُہ لوگ لَنٰكِبُوْنَ ٥ روگردان بلکہ اس سے عمداً ہٹ کر چلنے والے ہیں اس لیے کہ آخرت پر ایمان لانا اور ان کے حالات سے ڈرنا سب سے بڑا واعظ ہے۔ یہی عقیدہ انسان کو طلبِ حق اور اس کے راستہ پر چلنے پر مجبور کرتا ہے۔ چونکہ ان بیچاروں کو نہ خوفِ خدا ہے اور نہ ہی آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اسی لیے ان کو سیدھے راستے پر چلنے کی سعادت کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔

ف : ایمان نہ لانے کی صفت سے انہیں موصوف کرنے سے ان کے حکم کی علت بھی ظاہر کی گئی ہے جیسے ان کی مذمت سے ان کے حکم کی علت کو ظاہر کیا گیا۔

ف : حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : جس میں عالمِ آخرت کی طرف لوٹنے اور اس کے لئے سرمایہ جمع کرنے کے علامات نہ پائے جائیں اور نہ ہی ملاء الاعلیٰ اور مسندِ اعظم میں اس کا ذکر ہو اس کے لیے یقین سمجھو کہ وہ صراطِ مستقیم سے بھٹکا ہُوا اور راہِ رشد کی اتباع سے محروم ہے اس سے وہی شخص بہتر حال پر ہے جسے گزشتہ زندگی کی غلطی کا احساس ہے۔

ف : آیات میں اشارہ ہے کہ کفار بڑے سرکش اور رسولِ خدا کی اتباع اور ان کے ارشادات قبول کرنے سے ہر طرح سے محجوب و محروم ہیں۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

کسے را کہ پندار در سر بود
مپندار ہرگز کہ حق بشنود
زعلمش ملال آید از وعظ ننگ
شقائق بباران نروید ز سنگ

ترجمہ : ا۔ جسے عجب و کبر سر میں ہو وہ حق کی بات کب سُنے گا ایسے شخص کو علم و وعظ سننا بھی گوارا نہیں اور بارش پتھر سے پھُول نہیں اُگاتی۔

marfat.ocm

حکایت بہلول دانا اور ہارون الرشید

منقول ہے کہ جب ہارون الرشید مکہ معظمہ سے حج سے فارغ ہوکر واپس ہُوا تو کوفہ میں چند روز قیام پذیر ہُوا جب وہاں سے بغداد کو روانہ ہُوا تو راستہ میں حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے کھڑے ہوکر زور سے تین بار پکارا: اے ہارون۔ ہارون الرشید نے متعجب ہوکر پُوچھا: کون ہے مجھے پکارنے والا؟ لوگوں نے کہا: بہلول دانا ہیں۔ ہارون نے رُک کر اپنا پردہ ہٹایا۔ اس کی عادت تھی کہ ہر شخص سے پردہ کے اندر بات کرتا تھا۔ حضرت بہلول کو فرمایا: جانتے ہو میں کون ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، آپ وہ ہیں کہ اگر کوئی مشرق میں ظلم کرے اور آپ مغرب میں ہوں تب بھی آپ سے اس کے ظلم کے متعلق قیامت میں بازپرس ہوگی۔ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ کی اس گفتگو سے ہارون متاثر ہُوا پھر پوچھا آپ کو میرا حال بھی معلوم ہے۔ بہلول رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آپ اپنے حال کو قرآن مجید کے مضمون کے مطابق خود دیکھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان الابرار لفی نعیم و ان الفجار لفی جحیم۔ (بیشک ابرار بہشت میں اور فاجر دوزخ میں ہوں گے)

پھر ہارون الرشید نے پُوچھا کہ میرے اعمال کا کیا معیار ہے؟ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا:

انما یتقبل اللہ من المتقین۔

یعنی اللہ تعالیٰ صرف متقین کو قبول فرماتا ہے۔

پھر ہارون الرشید نے کہا: کیا قیامت میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت کوئی فائدہ نہیں دے گی؟ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا:

فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساءلون۔

(جب صور پھُونکا جائے گا تو سب انساب ختم ہوجائیں گے)

اس کے بعد ہارون الرشید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بھی کوئی فائدہ پہنچے گا؟ حضرت بہلول نے پڑھا:

یومئذ لا تنفع الشفاعۃ الا من اذن لہ الرحمٰن ورضی لہ قولا۔

(اس دن کسی کو شفاعت نفع نہ دے گی سوائے اس کے جس کی اللہ تعالیٰ اجازت دے گا)

ہارون الرشید نے کہا: آپ کا کوئی کام؟ حضرت بہلول رحمۃ اللہ نے فرمایا: میرے گناہ بخشوا کر مجھے بہشت میں داخل کرا دیجئے۔ ہارون الرشید نے کہا، یہ تو میرے بس سے باہر ہے البتہ میں آپ کا قرض اتار سکتا ہُوں، اس لئے کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ مقروض ہیں۔ حضرت بہلول نے فرمایا کہ قرضہ اٹھا کر کسی کا قرض اتارنا جائز نہیں پہلے آپ لوگوں کے حقوق ادا کیجئے جبکہ آپ خود مقروض ہیں میرا قرض کیا اتاریں گے۔ ہارون الرشید نے کہا، میرا دل چاہتا ہے

marfat.ocm

کہ میں آپ کے لیے ایسا وظیفہ مقرر کر دوں جو آپ کو تا دمِ زلیست کام دے۔ حضرت بہلول نے فرمایا: ہم سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جب وُہ تم کو رزق کے بارہ میں نہیں بھلاتا تو مجھے کیسے بھلائے گا۔ یہ کہہ کر حضرت بہلول رحمہ اللہ تعالیٰ چل دیے۔

ف: پچھلے مضمون میں حضرت بہلول نے آیت فخراج ربك خیر کی طرف اشارہ فرمایا تھا اس لیے کہ جو شے بلا تعیین ملے وہ معین کردہ وظیفہ سے بہتر ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گنج زر گر نبوده گنج قناعت باقیست
آنکہ آن داد بشاہان بگدایان این داد

ترجمہ: اگر زر کا خزانہ کسی کو میسر نہیں تو قناعت کا خزانہ تو باقی ہے جس ذات نے زر کا خزانہ بادشاہوں کو دیا ہے اسی ذات نے گداؤں (درویشوں) کو قناعت کا خزانہ بخشا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نیرزد عسل جان من زخم نیش
قناعت نکوتر بدو شاب خویش

اگر بادشاہ ست اگر پنبہ دوز
چو خفتند گردد شب ہر دو روز

ترجمہ: نیش کے زخم کے لیے شہد بے کار ہے اپنے لیے قناعت بہتر ہے۔ اگر کوئی بادشاہ ہے یا مزدور، دونوں رات کو سوتے ہیں، دونوں کے لیے دن برابر آتا ہے۔

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ **شانِ نزول**: مروی ہے کہ جب قبیلۂ ثمامہ بن اثال الحنفی مسلمان ہوئے اور یمامہ سے جا ملے اور اہلِ مکہ سے غلہ وغیرہ بھی روک لیا تو اہلِ مکہ قحط سالی میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ بھوک سے خون کو گوبر سے ملا کر کھایا، حضرت کاشفی نے لکھا کہ اہلِ مکہ نے گوبر اور خون کھایا پیا۔ ابوسفیان (جب مسلمان نہیں ہوئے تھے) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں آپ کو رب تعالیٰ کی قسم اور صلۂ رحمی اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ رحمۃ للعالمین ہونے کے مدعی ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ پھر عرض کی: تو آپ ہمارے بڑوں کو تلوار سے قتل کر رہے ہیں اور ہمارے چھوٹوں کو بھوک سے۔ آپ اپنے رب کریم سے دعا کیجئے تاکہ ہم سے اس قحط کا عذاب ٹل جائے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو ان سے عذابِ قحط ٹل گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر ہم نے ان پر رحم کر کے **وَكَشَفْنَا** ان سے ٹال دیا **مَا بِهِمْ** وہ جو ان پر

marfat.ocm

عذابِ قحط واقع ہوا ہے مِّنْ ضُرٍّ جو نہایت ہی سخت ضرر رساں ہے یعنی قحط اور بھوک جو ان پر غالب آگئی ہے ۔

لَّلَجُّوْا لجاج سے ہے بمعنے عداوت اور دشمنی کی حد کر دینا اور روکے ہوئے فعل کے ارتکاب میں سرکشی کرنا۔

فِیْ طُغْیَانِہِمْ طغیان بمعنے شے کی حد میں تجاوز کرنا اور جو بھی گناہوں میں حد سے متجاوز ہو جائے اسے طاغی کہا جاتا ہے یعنی وہ لوگ کفر و استکبار اور عداوتِ رسول اور اہلِ ایمان کی دشمنی میں حد سے متجاوز ہو کر اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جائیں اور پھر یہ خوشامد جو اب کر رہے ہیں اسے بھول جائیں ؎

ستیزندگی کار دیو و دوست
ستیزندگی دشمنی با خود است

ترجمہ : لڑائی جھگڑا شیطان اور درندوں کا کام ہے دراصل لڑائی جھگڑا کرنا اپنے ساتھ دشمنی کرنے کے مترادف ہے۔

یَعْمَهُوْنَ ۝ العمہ بمعنے تحیر سے کسی امر میں متردد ہونا یعنی ہدایت کی راہوں سے اندھے اور گمراہی میں حیران ہو کر بھٹک رہے ہیں انہیں معلوم نہیں ہو رہا کہ وہ کدھر جائیں، جیسے کوئی شخص راہ بھول جائے تو اس کی ہوش قائم نہیں رہتی اور اسے راستہ نہیں ملتا۔

ملفوظاتِ صوفیہ (۱) حضرت ابن عطاءؒ رحمہ اللہ نے فرمایا :

ارواح پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو تو مشاہدہ سے نوازتا ہے اور اسرار پر تو مراقبہ کی نعمت بخشتا ہے اور قلوب پر ہو تو معرفت عطا فرماتا ہے، ابدان پر ہو تو سنّتِ مصطفویہ پر چلنے کے جذبہ کی کرم نوازی فرماتا ہے۔

(۲) حضرت ابوبکر بن طاہر رحمہ اللہ نے فرمایا :

کشف الضر بمعنے نفس کی خواہشات اور طول امل و حُبِ ریاست و حب علو و حُبِ دنیا سے نجات بخشتا ہے اور مذکور بالا امور اہلِ ایمان کو ضرر پہنچاتے ہیں۔

(۳) حضرت واسطی رحمہ اللہ نے فرمایا :

علم کا طغیان علم پر ناز کرنا، اور مال کا طغیان بخل اور عبادت کا طغیان ریاء اور نفس کا طغیان اتباعِ شہوات ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لام قسم کا جواب ہے۔ دراصل عبارت یہ تھی :

و باللہ لقد اخذناھم الخ

یعنی بخدا ہم نے اہلِ مکہ کو عذابِ دنیوی میں پکڑا ۔ اس سے غزوۂ بدر میں ان کا مقتول ہونا اور قیدی ہونا مراد ہے۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے انھیں مقدماتِ عذاب میں گرفتار کیا۔ اس سے عذاب کے شدائد مراد نہیں کیونکہ وہ تو انھیں آخرت میں نصیب ہوں گے۔

تفسیر عالمانہ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ۝ یعنی اس کے بعد نہ ان سے عاجزی کا اظہار ہوا اور نہ ہی رب تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑائے۔ بلکہ اپنی سرکشی اور استکبار میں مست رہے۔

حلِ لغات : استکانۃ بمعنے خضوع و ذلت اور تضرع بمعنے عاجزی کا اظہار۔ اور استکان بر وزن استفعل از کون، وہ اس لیے کہ عاجز ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا ہے استحال کی طرح بمعنے انتقل من حال الیٰ حال آخر، یا افتعال کا باب ہے از سکون یعنی عین کو مفتوح کر کے، اور یتضرعون (فعل مضارع) رعایۃ فواصل کے لیے ہے۔

الارشاد میں ہے کہ یہ ماقبل کے مضمون کی تاکید کے لیے جملہ معترضہ کے طور پر واقع ہے۔ خلاصہ یہ کہ تضرع ان کے عادات میں داخل بھی نہیں۔

حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب یعنی آخرت کے عذاب کے دروازے کھولیں گے اِذَا هُمْ اچانک وہ فِيْهِ عذاب میں مُبْلِسُوْنَ ۝ حیران اور ہر بھلائی سے نااُمید ہوں گے۔ یعنی ہم انھیں ہر قسم کی محنت و تکلیف اور قتل اور قید اور بھوک وغیرہ میں مبتلا کریں گے اسی وجہ سے نہ ان سے حق کے سامنے سرِ تسلیم خم ہوا اور نہ ہی وہ اسلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ مگر ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو اس استکانۃ اور تضرع الی اللہ میں داخل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ اپنی جملہ طاقتوں سے مایوس ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے ان کی کیفیت اس شخص جیسی ہے جو بھوکا ہو تو عاجزی کا اظہار کرے، اگر سیر ہو تو لڑائی پر اُتر آئے۔ (لیکن بحمدہٖ تعالیٰ اسلام ایسا عالی ظرف ہے کہ جونہی اس قسم کے لوگ اس میں داخل ہوئے اگرچہ ابتداءً وہ ضعیف الایمان تھے لیکن بعد میں اسلام نے اپنے فیوض و برکات سے ان کو پختہ ایمان دار بنا دیا۔ اس لیے اہلِ اسلام پر لازم ہے کہ وہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی قسم کی بدگمانی نہ کریں۔ ان پر بدگمانی اور طعن و تشنیع سخت گناہ ہے۔ مگر یزید کو جتنا بھی مطعون کیا جائے کم ہے)[1]

ف : اکثر کفار اپنی اس بدقسمتی یعنی عجز و نیاز اور تضرع کی محرومی پر ڈٹے رہے یہاں تک کہ جہنم میں داخل ہوئے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

کما قال :

ویوم تقوم الساعۃ لیومئذ یبلسون۔

اور فرمایا :

لا یفتر عنھم وھم فیہ مبلسون۔

فائدہ تفسیریہ : حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

آیت میں جس دروازے کا بیان ہے وُہ جہنم میں سب سے اوپر ہے جس میں چار ہزار سیاہ چہرے والے داڑھیں نکالے ہُوئے فرشتے ہیں جن کے قلوب سے رحمت بالکل نکال لی گئی ہے جب جہنمی وہاں پہنچیں گے تو اس وقت وہی دروازہ کھُلے گا، ہم اللہ تعالیٰ سے ایسے عذاب سے عافیت و سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔

شبیر و شبر آگ کی لپیٹ میں

وہب بن منبّہ سے مروی ہے، وُہ فرماتے ہیں کہ بیت المقدس میں ایک ہزار چراغ جلائے جاتے تھے ان کے لیے طورِ سینا سے اُونٹ کی گردن کی طرح نہایت صاف و شفاف تیل ظاہر ہوتا اور ان چراغوں کو جلانے کا کام حضرت ہارون علیہ السلام کے دو صاحبزادوں شبیر و شبر کے سپرد تھا اور انھیں حکم تھا کہ وہ ان چراغوں کو اس دنیوی آگ سے نہ جلائیں بلکہ آسمانی آگ انھیں خود بخود روشن کرے گی۔ ایک دن شبیر و شبر نے عجلت کر کے اُنھیں دنیوی آگ سے روشن کر دیا۔ پھر یکایک آسمان سے آگ اُتری اور ان دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے کر جلا کر راکھ کر دیا۔ جونہی اس واقعہ کی اطلاع حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہُوئی وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑائے اور آسمانی آگ کے خلاف استغاثہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے ابنِ عمران! (موسیٰ علیہ السلام) جب میرے دوست کوئی معمولی غلطی کریں تو انھیں ایسے ہی سزا دیتا ہُوں۔ اس سے آپ خود سوچیں کہ اپنے مخالفین کو کتنی سزا دُوں گا!

ولی اللہ اور یہودی کا مناظرہ

ایک دن حضرت سہیل صعلوکی (مسکین درویش) ایک مالدار یہودی کے حمام کے سامنے سے گزرے اور یہودی نے کہا : کیا تمھارا عقیدہ حق ہے جب تم کہتے ہو کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنّت ہے۔ آپ نے فوراً بلا تامل فرمایا جب تم مرنے کے بعد عذابِ آخرت میں گرفتار ہو گے تو تمھیں یہی دنیوی عیش و عشرت بمنزلہ جنّت کے معلوم ہوگا اور جب ہم بہشت کی نعمتوں سے سرشار ہوں گے تو ہمیں یہی دنیوی زندگی بمنزلہ جہنّم کے محسوس ہوگی۔ درویش کی گفتگو سے تمام یہودی ششدر رہ گئے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ آخرت کا عذاب اس دنیوی تکلیف و مصیبت کی طرح نہیں اس کا نرالا رنگ ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے وہ گناہوں سے کوسوں دُور رہتا ہے۔

(صفحہ ۹۱ پر)

marfat.ocm

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ
اور وہی ہے جس نے بنائے تمہارے لیئے کان اور آنکھیں اور دل
قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ
تم بہت ہی کم حق مانتے ہو اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور اسی
وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝٧٩ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
کی طرف اٹھنا ہے اور وہی جلائے اور مارے اور اسی کے لیے ہیں رات اور دن کی تبدیلیں
أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝٨٠ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ۝٨١ قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا
تو کیا تمہیں سمجھ نہیں بلکہ انہوں نے وہی کہی جو اگلے کہتے تھے بولے کیا جب ہم مر جائیں اور
تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۝٨٢ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَٰذَا مِن قَبْلُ
مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں کیا پھر نکالے جائیں گے بے شک یہ وعدہ ہم کو اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا کو دیا گیا
إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝٨٣ قُل لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَن فِيهَا إِن كُنتُمْ
یہ تو نہیں مگر وہی اگلی داستانیں تم فرماؤ کس کا مال ہے زمین اور جو کچھ اس میں ہے اگر تم جانتے
تَعْلَمُونَ ۝٨٤ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝٨٥ قُلْ مَن رَّبُّ السَّمَاوَاتِ
ہو اب کہیں گے کہ اللہ کا تم فرماؤ پھر کیوں نہیں سوچتے تم فرماؤ کون ہے مالک ساتوں آسمانوں کا
السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝٨٦ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝٨٧ قُلْ مَن
اور مالک بڑے عرش کا اب کہیں گے یہ اللہ ہی کی شان ہے تم فرماؤ پھر کیوں نہیں ڈرتے تم فرماؤ کس
بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝٨٨
کے ہاتھ ہے ہر چیز کا قابو اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا اگر تمہیں علم
سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ ۝٨٩ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝٩٠
ہو اب کہیں گے یہ اللہ ہی کی شان ہے تم فرماؤ پھر کس جادو کے فریب میں پڑے ہو بلکہ ہم ان کے پاس حق لائے اور وہ بیشک جھوٹے
مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِن وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ ۚ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍ بِمَا خَلَقَ
ہیں اللہ نے کوئی بچہ اختیار نہ کیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا یوں ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق لے جاتا اور ضرور ایک دوسرے
وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝٩١ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
پر اپنی تعلی چاہتا پاکی ہے اللہ کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں جاننے والا ہر نہاں و عیاں کا تو اسے
ع ۱۵ فَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝٩٢
بلندی ہے ان کے شرک سے

marfat.com

(صفحہ ۸۹ سے آگے)

جہنّم کا خوف اور ملائکہ مقربین حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے میکائیل علیہ السلام کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی جب سے اللہ تعالیٰ نے جہنّم کو پیدا فرمایا ہے اس روز سے میکائیل علیہ السلام نے اس کے ڈر سے ہنسنا بند کیا ہوا ہے۔

فائدہ صُوفیانہ ریاضات و مجاہدات نفس امّارہ کے لیے عذابِ الٰہی ہیں ان سے نفس اور اس کی خواہشات اور طبیعت اور اس کے تقاضے مجاہدات و ریاضات سے جل کر راکھ ہو جاتے ہیں پھر وُہ اپنی فطرت اصلیہ کی طرف راجع ہوتے ہیں لیکن مجاہدات و ریاضت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز و نیاز اور آہ و زاری کرنا اور چہرے کو زمین پر رگڑنا ضروری ہے اس لیے کہ صرف اعمال صالحہ پر بھروسا کرنے سے کام نہیں چلتا لیکن عجز و نیاز اور انکساری سے قبولِ حق کے دروازے کھلتے ہیں ؎

جز خضوع و بندگی و اضطرار
اندریں حضرت ندارد اعتبار

ترجمہ : خضوع و بندگی و اضطرار کا ہی بارگاہِ حق میں اعتبار ہے۔

حکایت سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں، میں تیس سال تک عبادت و ریاضت میں پگھلتا رہا۔ ایک روز غیب سے ندا آئی کہ اے ابا یزید! عبادت سے میرے خزانے پُر ہیں اگر تم میرا وصال چاہتے ہو تو عجز و نیاز اور انکسار و ذلّت سے پیش آؤ۔ (یہ حکایت پہلے بھی کئی بار گزری ہے)

سبق اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا وصال صرف عبادت سے نہیں بلکہ اس کے ساتھ عجز و نیاز اور ذلّت و انکساری ضروری ہے۔ اور عجز و نیاز ایسا ہو کہ انا کا تصوّر ختم ہو جائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم سے ظلماتِ نفس دُور کرے اور ہمیں انس و قدس سے منور فرمائے۔ اسی کے ہاں ہر آرزو پیش کی جاتی ہے اور وہی ہر کام بنانے والا ہے۔

(تفسیر آیات صفحہ ۹۰)

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ وہ اللہ تعالیٰ جس نے پیدا فرمایا لَکُمُ تمہارے منافع کے لئے السَّمْعَ، سمع یعنی وہ قوت جو کانوں میں ہے جس کے ذریعے انسان اصوات کا ادراک کرتا ہے اس کے فعل کو سمع (شنیدن، سننا) سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے کبھی گوش (کان) سے بھی تعبیر

marfat.ocm

کرتے ہیں وَالْاَبْصَارَ بصر کی جمع ہے یعنی وہ عضو جس سے دیکھا جاتا ہے اور وہ قوت جس سے شے کا ادراک کیا جاتا ہے جسے فارسی میں دیدہ (آنکھ) سے تعبیر کرتے ہیں وَالْاَفْئِدَۃَ ط فواد کی جمع ہے جسے فارسی اور اردو میں دل کہا جاتا ہے۔

امام راغب نے کہا کہ فؤاد قلب کا دوسرا نام ہے لیکن ان دونوں میں فرق ہے۔ وہ یہ کہ اگر اس میں تفوُّد یعنی توقد کا معنیٰ معتبر ہو تو اسے فواد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ فادت اللحم سے ہے بمعنے شویتہ (میں نے گوشت کو بھُونا) اور کہتے ہیں لحم فئیل بمعنے مشوی یعنی بھُونا ہُوا گوشت۔

ف : ان تینوں اعضاء کی تخصیص اس لیے ہے کہ اکثر دینی و دنیوی فوائد انہی سے متعلق ہیں۔

قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ٥ ما، قلیلا کے صلہ اور اس کی تاکید کے لیے واقع ہوا ہے۔ اب معنیٰ یوں ہُوا کہ اتنی بہت بڑی نعمتوں کا تم بہت کم شکر کرتے ہو وُہ اس لیے کہ نعمت کی ادائیگیِ شکر کا یہ معنیٰ ہے کہ جس شے کو جس کام کے لیے پیدا فرمایا ہے اسے اسی پر استعمال کرنا۔ لیکن تم نے اس کے برعکس معاملہ کر دیا کہ ان کو غیر محل پر استعمال کیا۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قلت کو عدم کے معنیٰ میں لیا گیا ہے اور قلت عدم کے معنے میں بھی مستعمل ہے اور کفار کے حال کی مناسبت سے یہی معنیٰ موزوں ہے۔ آیت میں تین فوائد کا ذکر ہے:

۱۔ بہت بڑی نعمتوں مثلاً سمع، بصر فواد کا اظہار۔

۲۔ انہی نعمتوں کے لیے بندوں سے ادائیگیِ شکر کا مطالبہ۔

۳۔ بندوں کے شکر نہ کرنے کی شکایت۔ کیونکہ شکر گزار بندے قلیل ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وقلیل من عبادی الشکور۔

اور ان نعمتوں کی ادائیگی کا معنیٰ یہ ہے کہ انھیں منعم کی طاعت وعبودیت میں استعمال کرنا۔ مثلاً سمع کی طاعت منہیات کے استماع میں استعمال کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا اسے اور کوئی نہ ہو ؂

گزرگاہ قرآن و پندست گوش
بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

ترجمہ : کان قرآن ونصیحت کی گذرگاہ ہے باطل و بہتان سننے کی کوشش نہ کر۔

اور بصر کو طاعت میں استعمال کرنا یہ ہے محرمات کو دیکھنے سے اسے بند رکھنا ہر وقت عبرت کے دیکھنے میں لگا رہے ؂

دو چشم از پے صنع باری نکوست
ز عیب برادر فرو گیر و دوست

marfat.com

ترجمہ: دو آنکھیں صنعتِ باری تعالیٰ دیکھنے کے لیے ہیں، اے برادر! دوست کا عیب نہ تلاش نہ کر۔

اور قلب کا شکر میں استعمال کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے اخلاقِ ذمیمہ کی گرد و غبار سے پاک و صاف رکھنا اور کونین کے تعلق سے دُور رکھنا اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ اور اس کی محبت و عشق کے سوا اور کوئی کام نہ ہو ؂

ترا بگوہر دل کردہ اندر امانتدار
ز دزد امانت حق را نگاہ دار و مخسپ

ترجمہ: تیرے دل کو ایک گوہر کا امانت دار بنایا گیا ہے۔ امانتِ حق کو چور سے محفوظ کر اور غافل ہو کر نہ سو۔

وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وہ اللہ تعالیٰ جس نے نسل بڑھانے کے ذریعے تمہیں زمین پر پھیلایا ہے۔ یہ ذرا اللہ الخلق سے ہے بمعنے ان کے اشخاص کو پیدا فرمایا وَاِلَیْهِ اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف تُحْشَرُوْنَ ۝ قیامت میں تم جمع کیے جاؤ گے بعد اس کے کہ تمہارے اجسام کو مرنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے گا۔ جب تمہارا یہی حال ہے تو پھر تم ایمان کیوں نہیں لاتے اور اس کی نعمتوں کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو تمہیں زندہ کرتا اور مارتا ہے اس میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں یعنی وہ قیامت کے دن (بے جان) نطفوں، مٹی، انڈوں اور مُردوں کو حیات بخشنے والا ہے۔ اور زندوں سے زندگی چھینتا ہے۔

نکتہ: یہاں ماضی کے صیغہ (احییٰ و اَمات) کے بجائے مضارع (یحیی و یمیت) کے صیغے لانے میں اشارہ ہے کہ یہ اس کی عادتِ کریمہ ہے جس سے انھیں انکار نہیں کرنا چاہیے۔

وَلَهُ اور خاص اسی کے لیے اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ دن رات کا مختلف ہونا یعنی ان کے تعاقب کا مؤثرِ حقیقی وہی ہے سورج تو صرف ایک سبب ہے، یا اختلاف سے ان کا گھٹنا بڑھنا مراد ہے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ کیا تم اس سے غافل ہو، اگر نہیں تو پھر نظر و فکر کو استعمال کر کے کیوں نہیں سمجھتے کہ یہ جملہ امور ہماری طرف سے ہیں اور تمام ممکنات پر ہمارا تصرف جاری ہے اور قیامت کا اٹھانا بھی ہمارے تصرفات میں سے ایک ہے۔ بَلْ قَالُوْا اس کا علت فعل مضمر پر ہے جیسے کہ مقام کا تقاضا یُونہی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ انھیں بجائے سمجھنے کے کہہ دیا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ اسی طرح جیسے ان کے پہلے کافروں نے کہا۔ اب اس قوم مبہم کی تفسیر فرمائی قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا انھوں نے کہا کہ کیا جب ہم مر جائیں گے وَكُنَّا تُرَابًا اور ہو جائیں گے مٹی وَّعِظَامًا اور ہو جائیں گے ہڈیوں کا چورہ چورہ ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ کیا پھر ہم اٹھائے جائیں گے، یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی بر سبیلِ انکار انھوں نے کہا اور بعید سمجھا، حالانکہ انھوں نے غور و فکر نہیں کیا کہ

marfat.ocm

پہلے بھی تو وہ مٹی تھے ۔ اسی مٹی (لا شئے) سے انہیں پیدا کیا گیا ۔ اذا کا عامل ءَاِنَّا کا معنیٰ ہے یعنی نبعث۔
یہ اس لیے کہ ان کا ما بعد ما قبل پر عمل نہیں کرتا لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا بیشک ہم اور ہمارے
آباء اسی کا وعدہ دئے گئے هٰذَا کا اشارہ مرنے کے بعد جی اُٹھنے کی طرف ہے اور یہ وعدنا کا مفعول ثانی ہے
مِنْ قَبْلُ یہ فعل کے متعلق ہے بایں معنیٰ کہ اس کا اسناد ان کے آباء کی طرف ہے اس کا اسناد خود کی طرف نہیں
یعنی حضور (محمد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم) کی تشریف آوری سے پہلے ہمارے آباء کو بھی اسی کا وعدہ دیا گیا انھوں نے
اسے لا شئے سمجھا اور ہم بھی اس کی حقیقت کے منکر ہیں یعنی یہی مرنے کے بعد اُٹھنے کا وعدہ ہمیں اور ہمارے آباء کو
سنایا گیا لیکن یہ وعدہ سچا نہیں اور نہ ہی اس میں صداقت کی بُو ہے اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝
یہ نہیں مگر پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں ۔ اساطیر ، اسطورہ کی جمع ہے یعنی وہ جھوٹ جسے انسان اپنے ہاتھ سے
لکھے اور اسے عام پھیلائے اسی لیے اسطورہ ، اعاجیب واضاحیک کی طرح ان لہو ولعب کی باتوں میں استعمال
ہوتا ہے جنکی کوئی حقیقت نہ ہو۔

ف : آیت سے معلوم ہوا کہ انسان اپنے آباء کی تقلید (سوء) کا خوگر ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ اس کے نورِ ایمان
کی برکت سے تصدیق بالتحقیق کی ہدایت بخشے ورنہ عموماً اکثر متاخرین اپنے متقدمین آباء کی تقلید میں انبیاء علیہم السلام
کی تکذیب اور مرنے کے بعد قیامت میں اُٹھنے کا انکار کرتے چلے آئے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

خواہی بصوت کعبہ تحقیق رہ بری

پے بر پے مقلد گم کردہ رہ مرو

ترجمہ : اگر تم کعبۂ تحقیق کی طرف پہنچنا چاہتے ہو تو راہ گم کردہ مقلد کے نقشِ قدم پر مت چلو۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ ۔ من ذوی العقول کے لیے آتا ہے اور زمین میں ذوی العقول بہت کم ہیں
لیکن ان کی شرافت و بزرگی کے پیشِ نظر تغلیباً من کو لایا گیا یعنی فرمائیے زمین اور زمین پر رہنے والی جملہ مخلوق کس
کی ہے اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اگر تم کچھ جانتے ہو تو اس کی مجھے خبر دو ۔ یہی جواب بھی ہمارے دعویٰ کے لیے
کافی ہے اس میں ان کی جہالت کے واضح ہونے پر مبالغہ کیا گیا ہے سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ وہ کہیں گے یہ سب کچھ
اللہ کا ہے یہ اس لیے کہیں گے کہ بداہتہً عقل مجبور کرتی ہے کہ وہ اعتراف کریں کہ ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے
قُلْ جب وہ اس کا اعتراف کرلیں کہ واقعی سب کچھ اللہ تعالیٰ ہے تو اے محبوب ! (صلی اللہ علیہ وسلم) انھیں
فرمایئے اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ مانتے ہو تو پھر نصیحت پذیر کیوں نہیں ہوتے ہو کہ جس ذات نے ان تمام اشیاء
کو ابتداءً پیدا فرمایا تو وہ قادر ہے کہ انھیں قیامت میں بھی اٹھائے اس لیے کہ اسے نہ ابتداءً پیدا کرنا مشکل ہے

marfat.ocm

نہ لوٹاتا، ورنہ عقول کا تقاضا یہ ہے کہ ابتداءً پیدا کرنا مشکل ہے۔ عقل نے جب سر جھکا دیا کہ وہی ذات ابتداءً پیدا کرتی ہے، جو ایک مشکل کام ہے، تو اس کے لیے اعادہ مشکل کیوں؟ جبکہ اعادہ ایک آسان کام ہے قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ فرمایئے ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف اور اصغر سے اکبر کی طرف ترقی ہے۔

ازالہ وہم اس سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ آسمان و عرش اعلیٰ و اعظم ہیں اور زمین ادنیٰ، تو ان کے مکینوں کا مرتبہ بھی ایسے ہوگا بلکہ آسمان و عرش کے مکین سب کے سب زمین کے مکینوں سے افضل ہیں، یہ غلط ہے بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جملہ ملائکہ سے افضل ہیں خواہ وہ عرش کے مکین ہیں یا آسمانوں کے۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ۔ جواب دیں گے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے لله کی لام سوال کے معنی پر نظر کرکے مثلاً کہا جاتا ہے من ربه و لمن هو کا ایک ہی معنیٰ ہے یعنی رب تعالیٰ اور اس کے لیے ہے یعنی جب کہا جائے من رب هذا۔ اس کا معنی ہے لمن هذا یہ کس کے لیے ہے اس کا جواب آئے گا لفلان۔ یعنی فلاں کے لیے ہے۔

قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ یعنی تم اس پر عمل کرکے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے نہیں ہو جب تمہیں معلوم ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو اور قیامت کا انکار کیوں کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو تذکر کو تقویٰ پر مقدم کرنے کی وجہ ظاہر ہے یہ کہ تذکر سے ہی انسان معرفت حاصل کرتا ہے یعنی علم سے ہی انہیں پتا چلے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچنا لازم ہے۔ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ۔ اليد ایک مشہور عضو کا نام ہے جو کندھے سے لے کر انگلیوں تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ گوشت اور ہڈیوں اور عصب سے مرکب ہے اور یہ تینوں صفت مخصوص کے ساتھ الگ الگ جسم نہیں ہو سکتا۔ اس اعتبار سے ید کا معنیٰ مجازی کرنا ضروری ہوگا یعنی یہاں پر ید بمعنے قدرت ہے۔ یہی معنی ہر اس جگہ پر کرنا ہوگا جہاں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ید کا اطلاق ہوا۔

حدیث شریف: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان الله خمر طينة آدم بيده"۔

(اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت قاہرہ سے آدم علیہ السلام کا گارا گوندھا)

وہ اس لیے کہ ید (ہاتھ) ایک مخصوص عضو ہے جو چند چیزوں سے مرکب ہے، اور ترکیب حدوث کی دلیل ہے اور حدوث قدم اور ازلیۃ کے منافی ہے اسی طرح اصبعان (دو انگلیوں) کا اطلاق بھی اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی ہے۔

حدیث شریف: چنانچہ حدیث شریف میں ہے: ان قلب المؤمن بين اصبعين من اصابع الرحمٰن۔

marfat.ocm

(مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے)

اور دو ہاتھوں کا اطلاق آیا ہے۔ کما قال:

لما خلقت بیدی۔

یہ تمام اطلاقات مبنی بر مجاز ہیں کہ ید بمعنے قدرت ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں نے آدم (علیہ السلام) کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔

مَلَكُوْتُ كُلِّ شَىْءٍ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں ہر شے کے ملکوت۔ یعنی جو کچھ مذکور ہُوا اور جو ہوگا، اور ملکوت بمعنے ملك تام، اور تاء مبالغہ کی ہے۔ امام راغب نے کہا کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر شے کا ایک ملکوت ہے کہ اسی عالم دنیا کے ہر ایک کی روح اسی عالمِ ملکوت میں ہے عالمِ دنیا کی ہر شے اسی سے قائم ہے اسی سے ہی ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے۔ کما قال:

وان من شئ الا یسبح بحمدہٖ۔

(نہیں کوئی شے مگر حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے)

اور یہی رُوح اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہ گزشتہ آیت کے موافق ہے۔ مثلاً فرمایا جیسے ہر شے کو اللہ تعالیٰ جسم عطا فرماتا ہے اسی طرح اس کی رُوح بھی اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

تفسیر عالمانہ وَّهُوَ يُجِيْرُ وہی اللہ تعالیٰ پناہ بخشتا ہے جب چاہتا ہے وَّلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اور اسے کوئی پناہ نہیں دیتا۔ یعنی کوئی اسے کسی کی مدد کرنے سے نہیں روک سکتا۔ نصرت کے معنے کو متضمن ہونے کی وجہ سے اس کا صلہ لفظ علیٰ واقع ہوا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ قیومیت سے تمام اشیاء کو پناہ دیتا ہے اور جس کو وہ تباہ کرنے کا ارادہ فرمائے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

تفسیر عالمانہ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اگر تم اسے جانتے ہو تو اس کا مجھے جواب دو سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ وہ کفار اس کے جواب میں یہی کہیں گے کہ جملہ ملکوت اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ الخ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ فرمائیے تو پھر کیوں دھوکا و فریب کھا رہے ہو باوجودیکہ تمہیں اپنی گمراہی کا یقین ہے لیکن پھر بھی رشد و ہدایت کی روشنی میں نہیں آتے کیونکہ جو فریب خوردہ اور عقل کا کمزور ہوتا ہے وہ تمہاری طرح نہیں ہوتا۔ انہیں دھوکا میں ڈالنے والا شیطان ہے یا ان کی اپنی خواہش نفسانی ہے

marfat.ocm

۱ اے کہ پے نفس و ہوائی می روی
راہ اینست خطا می روی

۲ راہ روان زان رہ دیگر روند
پس تو بدیں راہ چرا می روی

۳ منزلِ مقصود ازان جانب است
پس تو ازیں سو بکجا می روی

ترجمہ:(۱) اے فلاں! تُو نفس و ہوٰی کے پیچھے کیوں جا رہا ہے سیدھی راہ تو اِدھر ہے تُو کہاں جا رہا ہے۔

(۲) تو اس راہ پہ مت جا جس پہ دوسرے گمراہ جا رہے ہیں۔ میں تجھے کہتا ہوں کہ تُو ان گمراہوں والی راہ پر کیوں جا رہا ہے۔

(۳) منزلِ مقصود تو اِدھر ہے تو اس جانب حق کو ترک کر کے کدھر جا رہا ہے۔

بَلْ اَتَیْنٰھُمْ بِالْحَقِّ بلکہ ہم نے انہیں توحید اور قیامت میں جی اُٹھنے کا دعوہ دیا ہے وَ اِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ ۝ اور بے شک وُہ جھوٹے ہیں یعنی شرکیہ کلمات اور قیامت میں اُٹھنے کے انکار میں وُہ جھوٹے ہیں اور پھر وہ اس غلط طریقے پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اپنی سرکشی اور حق سے دُوری پر قایم ہیں حالاں کہ ان کے جملہ اعذار اور علل کا ازالہ کیا گیا ہے۔ پھر جب عذاب میں مبتلا ہو گئے تو اس وقت ان کا عذر قابلِ سماعت نہ ہو گا اور نہ ہی انہیں یہ غلط فہمی ہو کہ یہ چند روز کی مہلت ان کے لیے بقا کا موجب ہے بالآخر اللہ تعالیٰ ان سے بدلہ لے گا کیونکہ مہلت دینا اس کی حکمت ہے اور وہ مہلت دینے پر مجبور بھی نہیں اور نہ اسے کوئی مجبور کر سکتا ہے۔

ف: جناب سزاد نے فرمایا کہ اہلِ دنیا کتاب کی سطروں کی طرح ہیں کہ اوراق گردانی سے ایک سطر کھل جاتی ہے تو دُوسری بند ہو جاتی ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قیامت کے جمعات میں سے ایک جمعہ ہے۔ یہ دنیا یعنی اس کی مقدار سات ہزار سال ہے اس سے چھ ہزار سال گزر گئے باقی چند صدیاں رہ گئی ہیں اور اس کی آخری صدی میں اہلِ توحید نہیں ہوں گے یعنی آخری ایام میں تمام سعادت مندفوت ہو جائیں گے اور قیامت بدبختوں پر آئے گی مرنے کے بعد سب کو اٹھایا جائے گا اور ہر ایک سے حساب ہو گا اور ہر ایک کو جزاو سزا دی جائے گی۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

marfat.ocm

۱ خاک را و نطفہ را و مضغہ را — پیش چشم ما ہمی دارد خدا

۲ کز کجا آوردمت اے بدنیت — کہ ازان آید ہمی خفریقیت

۳ تو بدان عاشق بدی در دور آن — منکر این فضل بودی آن زمان

۴ این کرم چون دفع آن انکار تست — کہ میان خاک می کردی نخست

۵ حجت انکار شد انشار تو — از دوا بہتر شد این بیمار تو

۶ خاک را تصویر این کار از کجا — نطفہ را خصمی و انکار از کجا

۷ چون دران دم بے دل و بے سر بدی — فکرت و انکار را منکر بدی

۸ از جمادے چونکہ انکارت برست — ہم ازین انکار حشرت شد درست

۹ پس مثال تو چو آن حلقہ زنیست — کز درونش خواجہ گوید خواجہ نیست

۱۰ حلقہ زن زین نیست در یابد کہ ہست — پس ز حلقہ برندارد ہیچ دست

۱۱ پس ہم انکارت مبین مے کند — کز جماد او حشر صد فن مے کند

۱۲ چند صنعت رفت از انکار تا — آب و گِل انکار زاد از ھل اتیٰ

۱۳ آب و گل میگفت خود انکار نیست — بانگ میزد بے خبر کا خبار نیست

ترجمہ: ۱۔ خاک نطفہ و مضغہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں۔

۲۔ اے بدنیت انسان! میں تجھے کہاں سے لایا ہوں کہ اس سے تجھے پناہ کیسے ملی ہے۔

۳۔ اس وقت تو اس پر عاشق تھا اس فضیلت کا تو اس وقت منکر تھا۔

۴۔ یہ کرم تیرے کرم کو دفع کرنے سے ہے جو کہ تو نے اس سے پہلے خاک میں انکار کیا تھا۔

۵۔ تیرے انکار کی دلیل تیرا دنیا میں آنا ہے تیرے لیے علاج سے یہی بیمار بہتر ہے۔

۶۔ خاک کو تصویر (شکل) مل جانا یہ کس کا کام ہے نطفہ کو خصومت اور انکار کیوں۔

۷۔ جب تو اس وقت بے دل و بے سر تھا تو انکار و فکر کا بھی منکر تھا۔

۸۔ ڈھیلوں سے چونکہ تیرا انکار نجات پا گیا اسی لیے تیرا حشر صحیح اور درست ہو گیا۔

۹۔ تیری مثال عورت کے اس حلقے کی ہے کہ اس کے اندر خواجہ ہو لیکن وہ کہے کہ خواجہ نہیں۔

۱۰۔ اس ماحول اور سوسائٹی میں ظاہری حسن و جمال کے سوا کچھ نہیں۔ پکی توبہ ہے کہ یہاں کھو لے سکے بھی دستیاب نہیں ہیں۔

۱۱۔ ایسے ہی تیرا انکار واضح ہو جائے گا ڈھیلہ ہونے کے باوجود سو مکر و فریب کرتا ہے۔

۱۲۔ انکار سے کئی صنعتیں گئیں ھل اتیٰ کا انکار آب و گل زادے سے ہوا۔

۱۳۔ آب و گل کہتا تھا کوئی انکار نہیں بے خبر ہی آوازیں دیتا تھا کہ یہاں کوئی خبر نہیں۔

marfat.ocm

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ نصاریٰ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اور ان کے بعض فرقے کہتے ہیں کہ ملائکہ کرام اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔ ان کے رد میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی اولاد نہیں بنا رکھی اس لیے کہ اولاد اپنے ماں باپ کی ہم جنس ہوتی ہے اور انہیں ایک دوسرے سے مماثلت ہوتی ہے اور زن و شوہر کی یک جنسیت سے سلسلۂ توالد و تناسل بڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ جنسیت و مشابہت سے منزّہ اور پاک ہے وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اور اس کے ساتھ کوئی معبود نہیں جو الوہیت میں کوئی شریک ہو یہ بدبخت بت پرستوں کا عقیدہ ہے جو کہا کرتے ہیں کہ بُت وغیرہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں اس میں اس بدعقیدہ گروہ کا رد بھی ہے جو کہا کرتے ہیں کہ نور کا خالق اور ہے اور ظلمت کا خالق اور۔ اِذًا یہ جواب وجزا پر داخل ہوتا ہے اور اس کا جواب وجزا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ ہے یعنی تو اس وقت ہر معبود اپنی پیدا کردہ شے کو لے جاتے۔

سوال ، شرط کا مضمون تو ہوا نہیں پھر یہ لذھب کل الٰہ الخ کیسے جزاء و جواب بنا دیا گیا۔

جواب ، وما کان معه الخ میں شرط کا معنی شرط مقدر پر دلالت کرتا ہے در اصل عبارت یوں تھی ، لوکان معه الٰهة الخ یعنی ہر معبود اپنے غیر سے ممتاز ہونے کے لحاظ سے اپنی پیدا کردہ مخلوق علیحدہ کر لے لیکن چونکہ یہ معاملہ ہر کس کے سامنے ہے کہ نہ کسی کی کوئی شے پیدا کردہ ہے نہ اسے علیحدہ لے جاسکتا ہے۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ اس واحد لاشریک کے ساتھ اور کوئی خدا نہیں وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اولاد اور شریک ہونا دونوں اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہیں کیونکہ یہ دونوں جنسیت و مماثلت چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دونوں چیزوں سے منزّہ و مقدس ہے اگر ہم مان بھی لیں کہ اس کے ساتھ اور بھی شریک ہیں تو وہ بھی خالق ہوں گے اور ہر ایک خالق اپنی پیدا کردہ شے کو اپنے قبضے میں رکھتا اس طرح عالمِ دنیا کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ بداہتہً عالمِ دنیا کا نظام صحیح ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صرف ایک معبود ہے اور بس ؎

بر وحدتش صحیفۂ لاریب حجتست
اینک نوشتہ از شہد اللہ بران گواہ

ترجمہ : اس کی توحید پر صحیفۂ لاریب حجت ہے اور شهد الله کی گواہی اس پر گواہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۙ اور تو البتہ ان کے بعض بعض پر غالب ہو جائیں گے جیسا کہ دنیا میں بادشاہوں کے درمیان عموماً ہوتا ہے اور وہ واحد لاشریک ہے اس لیے اس کے قبضہ میں ہے ہر شے، اگر اس کے بالمقابل کوئی اور ہوتا تو ضرور اس کا مقابلہ کرتا، وہ مالک مقابلہ کی بات بار بار کرتا ہے لیکن کوئی بھی اس کے مقابلے کے لیے نہیں آتا۔ تو معلوم ہوا کہ اس کا بالمقابل ہے ہی نہیں۔

marfat.ocm

ف : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ لعلا بمعنے غَلَبَ ہے۔ بعضھم علیٰ بعض سے قوی وضعیف مراد ہیں۔ آیت میں دلیل تمانع ہے وہ یہ کہ اگر دو معبود ہوتے تو ان کے آپس میں علم وقدرت کا امتناع واقع ہوا مثلاً ایک معبود زید کو زندہ رکھنا چاہتا تو دوسرا اسے مٹانا چاہتا۔ اگر ایک دوسرے کی مصالحت سے قدرت برابر ہو یا قوت آزمائی سے ایک غالب ہو جائے تو پھر ایک معبود نہ رہا۔ یہ ایسے ہے جیسے رسّی کو دو شخص کھینچیں تو لا انتہا فعل ہوگا۔ اگر ایک غالب ہو جائے گا تو مغلوب معبود نہ ہوگا۔ بعینہٖ اسی طرح آیت کا مفہوم ہے۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرو۔ کاشفی نے ترجمہ کیا کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ اور بحر العلوم میں اس کا معنیٰ تنزیہ وتعجب لکھا ہے عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ اس سے جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اس کی طرف اولاد و شرکاء کا اضافہ کرتے ہیں عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ یہ جملہ مجرور ہے اس لیے کہ لفظ اللہ سے بدل ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ پوشیدہ و آشکارا کو جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم ملک وملکوت اور اجساد وارواح کو جانتا ہے اور غیب کی نسبت بھی ہماری وجہ سے ہے ورنہ اس کے لیے غیب کیسا۔ کیونکہ اس کریم کے لیے غیب وشہادت برابر ہے[1] یہ بھی اللہ تعالیٰ کے شریک کی نفی کی دلیل دیگر ہے بایں معنیٰ کہ جب وہ ان کی غلطی پر انھیں متنبہ فرماتا ہے تو پھر لازماً اس کی توحید کو ماننا پڑے گا۔

تفسیر عالمانہ

اسی لیے فرمایا فَتَعٰلٰى پس اللہ تعالیٰ بلند اور منزہ ہے عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۧ اس سے جو اس کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ نہیں جانتے اور نہ ہی اس کے لائق ہے کہ وہ شہادت کو جانیں اس کا منفرد بالذات والصفات ہونا ثابت کرتا ہے کہ وہ شریک سے منزہ اور پاک ہے۔

ف : دین میں انسان کا شرک کرنا دو قسم ہے :

(۱) شرکِ عظیم یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک بنانا۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

اشرك فلان باللّٰه۔ (فلاں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا)

یہی شرکِ اعظم کفر ہے۔

(۲) شرکِ اصغر، وہ یہ ہے کہ بعض امور میں غیر اللہ کی رعایت کرنا، جیسے رعایت، منافقت۔

---

[1] اس سے وہابیہ کا رد ہوگیا وہ کہا کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اگر علمِ غیب ہوگیا تو پھر اسے علمِ غیب کہنا ناجائز ہے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اس امت میں شرک چیونٹی کے صاف پتھر پر چلنے کی آواز سے بھی پوشیدہ ہے۔

؎

مرائی ہر کسے معبود سازد
مرائی را ازاں گفتند مشرک

ترجمہ: ریاکار ہر ایک کو معبود بناتا رہتا ہے اس لیے اسے مشرک کہا جاتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

منہ آب زر جان من بر پشیز
کہ صراف دانا نگیرد بچیز

ترجمہ: سونے کا پانی تانبے پر نہ لگا اس لیے کہ صراف اسے کوڑی کے برابر بھی نہ لے گا۔

ف: حضرت یحیٰی بن معاذ نے فرمایا کہ توحید کے لیے نور اور شرک کے لیے نار ہے توحید کا نور موحدین کے سیئات کو جلا کر راکھ بنا دیتا ہے۔ ایسے ہی شرک کی آگ اہلِ ایمان کی نیکیوں کو جلاتی ہے۔

روایت کسی نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ میری نجات کے لیے کون سا بہتر عمل ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکا نہ کرنا۔ اس نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسے دھوکا کیا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکا یہ ہے کہ انسان وہ عمل کرے جو اس کے حکم کے خلاف ہے اور نیکی کے کام غیر اللہ کو خوش کرے۔

؎

زعمرو اے پسر چشم اُجرت مدار
چو در خانۂ زید باشی بکار

ترجمہ: عمرو سے اُجرت کی امید نہ رکھ جبکہ تُو زید کے گھر کام کرتا ہے۔

ف: جملہ اعمال و عقاید میں بہتر عمل توحید ہے اس لیے کہ اس کی وجہ سے جیسے انسان تو شرکِ جلی سے نجات نصیب ہوتی ہے۔ ایسے ہی شرکِ اصغر سے بھی بچ جاتا ہے۔

سبق انسان پر لازم ہے کہ بقدرِ استطاعت توحید میں مشغول رہے اور اسی کے لیے جد و جہد کرے تاکہ صدیقین کی طرح اسے توحید کے درجات نصیب ہوں لیکن شریعت سے بال برابر بھی باہر قدم نہ رکھے۔ نفس کے صفات ذمیمہ سے اجتناب کرے اور اخلاقِ الٰہیہ کے حصول میں ہر وقت لگا رہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو ماسوی اللہ سے منقطع ہو چکے ہیں اور ہر کام رضائے الٰہی کے لیے کرتے ہیں۔

marfat.ocm

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿٩٣﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ

تم عرض کرو کہ اے میرے رب اگر تو مجھے دکھائے جو انہیں وعدہ دیا جاتا ہے تو اے

فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿٩٥﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ

میرے رب مجھے ان ظالموں کے ساتھ نہ کرنا اور بے شک ہم قادر ہیں کہ تمہیں دکھا دیں جو انہیں وعدہ دے رہے ہیں سب سے اچھی بھلائی

هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ

سے برائی کو دفع کرو ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں یہ بناتے ہیں اور تم عرض کرو کہ اے میرے رب تیری پناہ شیاطین

هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٩٧﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿٩٨﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ

کے وسوسوں سے اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو

الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿٩٩﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ

موت آئے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے واپس پھیر دیجئے شاید اب میں کچھ بھلائی کماؤں اس میں جو چھوڑ آیا ہوں ہشت یہ تو ایک

قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٠٠﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ

بات ہے جو وہ اپنے منہ سے کہتا ہے اور ان کے آگے ایک آڑ ہے اس دن تک جس میں اٹھائے جائیں گے تو جب صور پھونکا جائے گا

بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٢﴾

تو نہ ان میں رشتے رہیں گے اور نہ ایک دوسرے کی بات پوچھے تو جن کی تولیں بھاری ہوئیں وہی مراد کو پہنچے

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٣﴾

اور جن کی تولیں ہلکی پڑیں وہی ہیں جنہوں نے اپنی جانیں گھاٹے میں ڈالیں ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ

ان کے منہ پر آگ لپٹ مارے گی اور وہ اس میں منہ چڑائے ہوں گے کیا تم پر میری آیتیں نہ پڑھی جاتی تھیں تو تم

بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٠٥﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَآ

انہیں جھٹلاتے تھے کہیں گے اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آئی اور ہم گمراہ لوگ تھے اے رب

اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿١٠٨﴾ اِنَّهٗ

ہمارے ہم کو دوزخ سے نکال دے پھر اگر ہم ویسے ہی کریں تو ہم ظالم ہیں رب فرمائے گا دھتکارے پڑے رہو اس میں اور مجھ سے بات نہ کرو

كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ

بے شک میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم

marfat.ocm

الرّٰحِمِیْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِیًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِیْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ
کرنے والا ہے تو تم نے انہیں ٹھٹھا بنا لیا یہاں تک کہ انہیں بنانے کے شغل میں میری یاد بھول گئے اور تم ان سے ہنسا
تَضْحَكُوْنَ ﴿١١٠﴾ اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآىٕزُوْنَ ﴿١١١﴾ قٰلَ
کرتے بے شک آج میں نے ان کے صبر کا انہیں یہ بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہیں فرمایا تم
كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ ﴿١١٢﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ
زمین میں کتنا ٹھہرے برسوں کی گنتی سے بولے ہم ایک دن رہے یا دن کا حصہ تو گننے والوں
فَسْــٴَـلِ الْعَآدِّیْنَ ﴿١١٣﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١١٤﴾
سے دریافت فرما فرمایا تم نہ ٹھہرے مگر تھوڑا اگر تمہیں علم ہوتا
اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿١١٥﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ
تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار بنایا اور تمہیں ہماری طرف پھرنا نہیں تو بہت بلندی والا ہے اللہ سچا
الْحَقُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ ﴿١١٦﴾ وَ مَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا
بادشاہ کوئی معبود نہیں سوا اس کے عزت والے عرش کا مالک اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو
اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا
پوجے جس کی اس کے پاس کوئی سند نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے یہاں
یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿١١٧﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَ اَنْتَ
ہے بے شک کافروں کا چھٹکارا نہیں۔ اور تم عرض کرو اے میرے رب بخش دے اور رحم فرما
ع ٦ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿١١٨﴾
اور تو سب سے برتر رحم کرنے والا

تفسیر عالمانہ قُلْ رَّبِّ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے اے میرے پروردگار! اَمَّا یہ دراصل اِنْ ما تھا اور یہ ما تاکید کے لیے ہے جیسے نون تُرِیَنِّیْ میں تاکید کے لیے ہے اگر تُو مجھے دکھائے اور واقعی یہی امر مقدر ہو چکا ہے مَا یُوْعَدُوْنَ ۝ وہ عذاب جو جڑ سے کاٹنے والا ہے مشرکین کو۔

ف: الوعد خیر و شر دونوں قسم کے وعدہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: وعدتہ، یعنی میں نے اس سے نفع یا ضرر کا وعدہ کیا۔

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اے میرے پروردگار! پس مجھے قوم ظالمین میں نہ بنانا۔

marfat.com

یعنی مجھے ان کے عذاب کا ساتھی نہ بنانا بلکہ مجھے اُن سے صحیح سالم کر کے بچا لینا۔ یہاں پر ظلم سے شرک مراد ہے۔

ف: اس میں تنبیہ ہے کہ کفار کے لیے سخت عذاب مقدر ہے اور خداترس انسان کو عذابِ الٰہی سے ہر وقت پناہ مانگنی چاہیے اس لیے کہ جب وُہ عام ہوتا ہے تو اس سے نہ بُرا بچتا ہے نہ نیک۔ اس میں ان کے عذاب کی عجلت سے مطالبے کا رد ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کا مطالبہ ٹھٹھا مخول کی بنا پر ہے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عذابِ الٰہی عام ہو تو اس میں نیک بھی پس جاتے ہیں، اور مالک کی مرضی، وہ جیسے چاہے کرے۔ ایسے وقت نیک کا عذاب میں مبتلا ہو جانا اللہ تعالیٰ کا ظلم نہ ہوگا اور نہ اسے قبیح کہا جائے گا۔

وَاِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۝ اور ہم آپ کے ساتھ وعدہ کے مطابق عذاب بھیجنے پر قادر ہیں لیکن ہم اسے موخر اس لیے کر رہے ہیں کہ ہمیں معلوم ہے کہ ان میں یا ان کی آنے والی نسلوں میں ایماندار ہیں یا اس لیے کہ آپ ان میں موجود ہیں اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ آپ انھیں احسن طریق سے دفع کیجئے، یعنی حوصلہ اور درگزر سے کام لیجئے السَّيِّئَةَ ط اس سے کفار کا ایذا رسانی اور دکھ تکلیف پہنچانا مراد ہے جو گاہے گاہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو ناجائز تکالیف اور پریشانیوں میں مبتلا کرتے تھے۔ یہ ادفع کا مفعول بہ ہے السیئۃ بمعنے قبیح فعل۔ اس کا معنیٰ یہ کیا ہے کہ اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کفار کے مقابلہ میں وہ اخلاق استعمال فرمائیے جو ہم نے آپ کو عنایت کئے ہیں۔ یعنی ان کے ساتھ رحمت و شفقت سے پیش آیئے اس لیے کہ آپ کریم النفس ہیں وُہ جتنا آپ کے ساتھ ظالمانہ رویہ اختیار کریں آپ ان کے ساتھ کریمانہ برتاؤ کریں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ برائی کا بدلہ بُرائی جائز ہے۔ لیکن معاف کر دینا احسن و افضل ہے اسی لیے مشائخ فرماتے ہیں کہ ظلم کا جواب وفا سے دو۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ احسن میں قلب کے معافاۃ اور السیئۃ میں نفس سے مکافات کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی نفس چاہتا ہے کہ بُرائی کا بدلہ بُرائی ہو اور قلب چاہتا ہے کہ مخالف سے درگزر کیا جائے۔ پھر اللہ والا اسی قلب کے منشور پر عمل کرتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی احسن ہے۔ مشائخ نے فرمایا کہ یہاں پر سالکِ راہِ ہدیٰ کو حکم ہے کہ وہ ظلمت خلائق کو نورِ حقائق سے اور حظوظِ نفس کو حقوقِ خدا سے اور طریقِ معرفت میں حوادث کے جنگلات کو قدم سلوک سے طے کرے ؎

چو طے گشت تیہ حوادث از آنجا
بملک قدم راں بیک حملہ محمل

marfat.ocm

دراں قلزم نور شو غوطہ زن

فرو شوے از خویشتن خلعت ظل

یکے خوان یکے دان یکے گو یکے جو

سوی اللہ واللہ زور است و باطل

ترجمہ :- جب حوادث کے جنگلات طے ہو جائیں تو اپنا سامان ملک قدم میں رکھ دیجئے۔ اس نورانی دریا میں غوطہ لگاتے رہو اور اپنے سے خلعتِ ظل دھو ڈالیے۔ پھر ایک ہی ذات تمہارا مطمحِ نظر ہو بخدا اللہ کے سوا باقی ہر شے جھوٹ اور باطل ہے۔

تفسیر عالمانہ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ۝ ہم ان کی باتوں کو خوب جانتے ہیں جن کی طرف آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً کبھی آپ کو جادوگر، کبھی شاعر اور کبھی مجنون کہتے ہیں۔

الوصف بمعنے شے کو اس کی اصلی شکل وصورت کے ساتھ بیان کرنا۔ وہ کبھی حق ہوتی ہے اور کبھی باطل۔

ف : اس میں کفار کو وعید اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے پھر آپ کو سمجھایا گیا ہے کہ آپ اپنا ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا کریں۔

وَقُلْ رَّبِّ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے : اے میرے پروردگار ! اَعُوْذُ یہ عوذ سے ہے۔ بمعنے التجاء الی الغیر والتعلق بہ۔ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ میں تیرے فضل وکرم کے ساتھ شیاطین کے وساوس سے پناہ مانگتا ہوں۔ یعنی شیاطین کے وساوس گمراہ کنندہ جو ہمیں محاسن سے ہٹا کر برائی کی طرف لے جاتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا، یعنی ادفع بالتی ھی احسن الخ

حلِ لغات : الھمز بمعنے النخس اسی لغت سے ہے مھماز الرائض یعنی معلم الدواب۔ الأنہ کا بھی یہی معنیٰ ہے کما قال :

تؤزھم ازا۔

امام راغب نے فرمایا کہ الھمز' العصر بمعنے نچوڑنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

ھمزت الشئ فی کفی۔ (میں نے شے کو اپنی ہتھیلی میں نچوڑا)

اور الھمز کا استعمال بھی اسی طرح ہے اور شیطان کے ھمز کو انسان کے جانوروں اور سواریوں کے ہانکنے اور بھگانے سے اس لیے تشبیہ دی ہے کہ جیسے وہ سواریوں اور جانوروں پر ڈنڈا برسا یا چھا کر انھیں تیز رفتاری اور بھگانے پر اکساتا ہے ایسے ہی شیاطین انسان کو معاصی و جرائم پر اکساتا ہے۔

ف : ھمز کو جمع کے ساتھ لانے میں یا تو شیطانوں کے بار بار اکسانے کی وجہ سے ہے یا وساوس

marfat.ocm

کے مختلف انواع کی وجہ سے یا ہمزات کے مضاف الیہ کے متعدد ہونے کی وجہ سے ہے۔

وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ یہ دراصل یحضرونني تھا۔ پہلے ایک نون پھر یاء متکلم کو کسرہ پر اکتفاء کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔ یعنی اے میرے پروردگار! تیرے فضل و کرم کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں کہ وہ شیاطین میرے ہاں حاضر ہو کر میرے کسی حال کے گرد گھومیں۔ مثلاً نماز یا تلاوتِ قرآن مجید یا موت وغیرہ کے وقت کوئی شرارت کریں۔

مسئلہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے ابتداء میں پڑھتے لا الٰہ الا اللہ تین بار، اور اللہ اکبر تین بار۔ اللّٰھم انی اعوذ بك من ھمزٰت الشیاطین من ھمزھا ونفثھا ونفخھا واعوذ بك رب ان یحضرون۔ ہمز سے جنون اور نفث سے شعر اور نفخ سے کبر مراد ہے۔

فسون کا علاج مروی ہے کہ کسی نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آسیب وغیرہ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا، سوتے وقت یہ دعا پڑھا کرو: اعوذ بکلمٰت اللہ التامات من غضبہ وعقابہ و من شر عبادہ ومن ھمزٰت الشیاطین وان یحضرون۔

ف: کلمات اللہ سے وہ کتبِ آسمانی مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر نازل کیں۔ یا اللہ تعالیٰ کے صفات مراد ہیں۔ جیسے عزت، قدرت۔ اور انھیں التامات سے موصوف کرنے میں ان کے نقائص وغیرہ سے پاک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا کہ یہ اس کے لیے ہے جو التفات الی غیر اللہ کے مقام پر ہو اور جو اس مقام سے ترقی کر کے بحرِ توحید میں غوطہ زن ہو کہ وہ وجود میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہ دیکھے، تو وہ کہتا ہے اعوذ بك منك۔

مسئلہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تو پڑھتے: اللّٰھم انی اعوذ بك من الخبث والخبائث۔

ف: خبث و خبائث سے جنات کے وہ عورت و مرد مراد ہیں جو خباثت سے موصوف ہیں۔

عقیدہ: تمام امت کا اجماع ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں یہاں تک کہ آپ کے ساتھ رہنے والا جن بھی مسلمان ہو گیا تھا یا یہ کہ آپ سے شیطان کے وسوسہ ڈالنے کے مقام کو ختم کر دیا گیا۔

مسئلہ: حضور علیہ السلام کا شیطان وغیرہ سے پناہ مانگنا دوسروں کو شیطان وغیرہ سے پناہ مانگنے کا طریقہ سکھانا ہے۔

ف: شیطان کا کام ہے کہ وہ ہر مرد و عورت کے دل میں وسوسہ ڈالے اور انھیں بدعات سیئہ اور خواہشات میں مبتلا کرے۔

marfat.ocm

حدیث شریف مع شرح

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صنفان من اھل النار لم ارھما۔ (دو قسم کے لوگ جہنمی ہیں جنہیں آج میں نہیں دیکھ رہا)

یعنی وُہ لوگ آپ کے زمانۂ اقدس کے بعد پیدا ہوں گے اس لیے کہ آپ کا زمانۂ اقدس مطہر تھا اور ایسے خبیث لوگ آپ کے زمانۂ اقدس کے بعد پیدا ہوں گے۔

۱۔ قوم معھم سیاط۔ ایسے لوگ جن کے ہاتھوں میں چابک ہوں گے۔

سیاط، سوط کی جمع ہے۔ عرب میں سیاط بمعنے مقارع مستعمل ہے۔ اور مقارع، مقرع کی جمع ہے یعنی وُہ چابک جس کے اوپر سخت قسم کا چمڑہ درمیانی انگلی کے برابر ہو۔ اس سے چوروں کو ننگا کر کے مارتے تھے۔

بعض نے کہا حدیث شریف کے اس جملہ کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ لوگ ظالموں کے دروازوں پر کتوں کی طرح چکر کاٹیں گے اور دوسرے لوگوں کو ان کے دروازوں سے مار کر اور گالیاں دے کر بھگائیں گے۔

۲۔ کاذناب البقر یضربون بھا الناس ونساء۔ یعنی وُہ چابک گائے کے کانوں کی طرح ہوں گے جن کے ساتھ لوگوں کو ماریں گے۔ یعنی دوسری قسم سے عورتیں مراد ہیں جن کے کوائف یہ ہوں گے۔ کاسیات بظاہر وہ کپڑے پہنے ہوں گی لیکن درحقیقت عاریات ننگی ہوں گی۔ بایں معنی کہ وُہ ایسے باریک کپڑے پہنیں گی جن سے ان کے جسم صاف نظر آئیں گے۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ وہ تقویٰ کے لباس سے ننگی ہوں گی۔ اس سے وہ عورتیں مراد ہیں کہ برقعہ پہننے کے باوجود چہرے کھلے رکھیں گی (جیسے آج کل فیشنی رنگ برنگے برقعوں سے عورتیں عام بازاروں، سڑکوں اور شاہراہوں پر پھر رہی ہیں)[1] یا اس کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ عورتیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مالا مال ہوں گی لیکن ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں کریں گی۔ اور شکر کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت سے محروم ہوں گی جس کی سزا انہیں آخرت میں یہ ملے گی کہ انہیں جنت کی تمام نعمتوں سے محروم کر دیا جائے گا۔ اور یہ پچھلا معنی صرف عورتوں سے مخصوص نہیں اگر مرد بھی ایسے ہوں گے تو انہیں بھی وہی سزا ملے گی جو مذکور ہوئی۔ ممیلات وہ عورتیں مردوں کو اپنی طرف مائل کریں گی یا وہ اپنے مونڈھوں اور رانوں کو جھکائیں گی جیسے رقاصاؤں کی عادت ہے۔ یا ان سے وہ عورتیں مراد ہیں جو سروں اور چہروں سے کپڑے اتار پھینکیں گی تاکہ مرد ان کی طرف مائل ہوں۔ مائلات مردوں کی طرف میلان رکھنے والی۔ دُوسھن کاسنمة البخت ان کے سر اونٹوں کے کوہان کی طرح ہوں گے۔ یعنی وُہ اپنے سروں پر دوپٹے اور کلاہ کچھ ایسے طرق سے رکھیں گی تاکہ ان کے سر کوہان کی طرح نظر آئیں۔ یا سر کو اوپر کر کے چلیں گی تاکہ مرد انہیں دیکھیں۔ ان کے سروں کو کوہان سے تشبیہ دینے کی وجہ ظاہر ہے کہ کوہان اپنے کثرتِ گوشت کی وجہ سے کبھی ادھر ہوتا ہے کبھی اُدھر۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

ایسے ہی ان کی چال ڈھال کا حال ہے ۔ لایدخلن الجنۃ ولا یجدن ریحھا وان ریحھا لتوجد من مسیرۃ کذا وکذا ۔ ایسی عورتیں بہشت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو سونگھیں گی حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے سونگھی جائے گی۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ ۔ حتّٰی یہ وہ لفظ ہے جس سے کلام کی ابتداء کی جاتی ہے جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے ۔ اور اس معنے کے ساتھ ماقبل کے لیے غایت ہے اور یصفون کے متعلق ہے ۔ یعنی ایسے لوگ بُرے ذکر پر رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کے کسی ایک کی موت آتی ہے درانحالیکہ وہ کفر پر ہوتے ہیں اور موت سے بھاگنے کا انہیں کوئی چارہ نہیں ہوگا اور پھر موت کے بعد احوالِ آخرت خود دیکھ لیں گے قَالَ اس کوتاہی پر کہیں گے جوان سے ایمان و عمل کے متعلق سرزد ہوئی ہے رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ اے میرے پروردگار ! مجھے دنیا کی طرف لوٹاؤ۔ یہ واؤ تعظیم مخاطب کے لیے ہے اس لیے کہ اہلِ عرب کی عادت ہے کہ معظم الشان شخصیت کو صیغۂ جمع سے خطاب کرتے ہوں۔

ف : اس میں رد ہے ان لوگوں کا جنہوں نے لکھا ہے کہ غیر متکلم کے صیغہ پر جمع کا اطلاق غیر فصیح ہے جب وہ کافر پھر دنیا کی طرف لوٹنے کی تمنا کرے گا تو اس سے پُوچھا جائے گا کہ کیا دنیا میں جا کر مال جمع کرے گا یا باغ لگائے گا یا عمارتیں تیار کرے گا یا نہریں کھودے گا ۔ اس کے جواب میں کہے گا :

لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ امید ہے کہ میں عمل صالح یعنی توحید کی گواہی دوں گا اس میں جسے میں نے چھوڑا ہے یعنی دنیا میں جا کر نیک اور پکا موحد بن جاؤں گا ۔ ایمان کے بجائے عمل صالح کا ذکر اس طرف مشیر ہے کہ اعمالِ صالحہ میں تو رجاء وغیرہ کا اظہار کیا جا سکتا ہے ۔ لیکن ایمان میں تو حتمی اور لازمی بات ضروری ہے۔ جلالین میں بھی یہی معنی لکھا ہے جو ہم نے اوپر عرض کیا۔

ف : بعض نے لکھا کہ یہ خطاب ملک الموت اور ان کے خدام کو ہے اور رب تعالیٰ کا ذکر قسم کے لیے ہے (کذا فی تفسیر الکبیر) پہلے اس نے اللہ تعالیٰ سے پھر ملائکہ سے مدد چاہی (کذا فی الاسئلۃ المقحمہ) اور حضرت کاشفی نے لکھا کہ امام ثعلبی اور دیگر جماعتِ مفسرین نے لکھا کہ یہ خطاب ملک الموت اور ان کے خدام کو ہے ۔ پہلے اللہ تعالیٰ سے استعانت کی گئی ہے پھر ملائکہ کرام سے ۔ اس تفسیر کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لعلی اعمل صالحا فیما ترکت ۔

جب مومن ملائکہ کو دیکھتا ہے تو ملائکہ اسے کہتے ہیں کہ ہم تجھے دنیا کی طرف لوٹاتے ہیں وہ کہتا ہے وہی دنیا جو دار الھم و الاحزان ہے بلکہ اگر مجھے کہیں لے جانا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں لے جاؤ ۔ اور جب کافر فرشتوں کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے

marfat.ocm

مجھے دنیا میں لوٹاؤ۔

ف : بعض نے کہا کہ فیما ترکت سے فیما قصوت مراد ہے۔ یعنی وہ اعمال جن میں سنے کوتاہی کی یعنی عبادات بدنیہ و مالیہ اور حقوق العباد واﷲ لیبہ۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ یہی معنی اقرب ہے۔ وہ اس لیے کہ انھوں نے دنیا کی طرف لوٹنے کا ارادہ بھی اسی لیے ظاہر کرنا ہے تاکہ وُہ اپنی کوتاہیوں کی اصلاح کر سکیں۔

ف : فقیر (صاحبِ روح البیان) کہتا ہے کہ میرے نزدیک عمل صالح سے وہی عمل مراد ہے جو ایمان کے ساتھ ہو کیونکہ ایمان کے بغیر عمل صالح کتنا ہی بہتر کیوں نہ ہو لیکن درحقیقت وہ عمل فاسد اور خبیث ہے کیونکہ عمل صالح کو کفر خراب اور گندا بنا دیتا ہے۔ اسی لیے جب وہ موت کے بعد اپنی کیفیت دیکھے گا تو عرض کرے گا کہ مجھے دنیا کی طرف لوٹاؤ تاکہ میں اپنے اعمالِ صالح ایمان کے دائرے میں حاصل کروں۔

ف : امام قرطبی نے لکھا کہ یہ دُنیا کے رجوع کی آرزو کافر سے مخصوص نہیں بلکہ مومن و کافر دونوں کو شامل ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

حقائق البقلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ قاعدہ بتایا ہے کہ جو شخص بلند مراتب سے گر تا ہے وہ کبھی عالی درجات کو نہیں پہنچ سکتا اور جو اپنی ابتدائی زندگی میں مراقبات سے محروم ہے وہ کبھی غایات میں مشاہدات و معاینات کو حاصل نہیں کر سکتا۔ دُنیوی نقش و نگار کے عشاق اور مال و دولت کے محب موت کے وقت یہی آرزو کریں گے جو اوپر مذکور ہوئی۔ اگر کسی خوش قسمت کے اوقات غفلت عن الطاعات سے بسر نہیں ہُوئے اور مخالفاتِ الٰہی میں وقت ضائع نہیں کیا اور نہ ہی دیگر خرابیوں کا شکار ہُوا تو اسے اللہ تعالیٰ کی طاعت نصیب ہو گی اور غلط دعوؤں سے بچ جائے گا اور اس کا قال حال بدل جائے گا۔ یاد رکھیے کہ دنیا ایک عظیم فتنہ ہے اس میں ہزاروں کی تباہی ہوئی کسی خوش قسمت کے معاملات صحیح ہوئے اور قربِ الٰہی نصیب ہوا اور مقامِ امن حاصل کر سکا جس نے بھی طریقِ حق چھوڑا وہ تباہ و برباد ہوا بلکہ بہت بڑے خوف میں پڑا۔ پھر بھلائی کی تمنا کرے گا تو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا: ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت بر آورد
روزے کہ رخت جاں بجہان دگر کشیم

ترجمہ : ہمیں کوئی کام کرنا چاہیے ورنہ اس وقت شرمسار ہوں گے جب اس جہان سے رختِ سفر باندھیں گے۔

اور حضرت جخندی نے فرمایا: ؎

علم و تقویٰ سر بسر دعویست و معنی دگر است
مرد معنی دیگر و میدان دعویٰ دیگر ست

ترجمہ: علم و تقویٰ صرف دعویٰ ہے ورنہ حقیقت کچھ اور ہے۔ مردِ معنیٰ کوئی اور ہے ورنہ دعویٰ کا میدان تو عام ہے۔

تفسیر عالمانہ کَلَّا ط طلب رجعت سے جھڑکی اور اسے بعید از امکان طبعی بتایا گیا ہے۔ یعنی تم دنیا میں ہرگز ہرگز نہیں لوٹائے جاؤ گے إِنَّهَا بے شک ان کا کلمہ ربِّ ارجعون كَلِمَةٌ منظم کلام کے ایک ٹکڑے کو کلمہ کہا جاتا ہے۔ هُوَ ان کا ایک قَائِلُهَا ط موت کے وقت کہے گا جبکہ اس پر حزن کا تسلط ہوگا اور اس کی تمنا پوری نہ ہوگی وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ وراء بروزن فعال، اس کا ہمزہ لام کے مقابلہ میں ہے یعنی سیبویہ کے نزدیک یہ ہمزہ اصل ہے۔ اسی طرح ابوعلی فارسی نے کہا ہے۔ اور عام اہلِ نحو کہتے ہیں کہ یہ ہمزہ لام سے مبدل ہے اور یہ ظروف مکان سے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ان کے پیچھے اور جمع کا صیغہ باعتبار معنیٰ کے ہے اس لیے کہ ان ہر ایک کا ایک حکم ہے اور قال اور دیگر صیغوں میں مفرد کا اس کے لفظ کے اعتبار سے ہے بَرْزَخٌ ان کے اور ان کی رجعت کے درمیان ایک آڑ ہے۔ اس سے قبر مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ اس سے ایک اور عالم مراد ہے جسے عالم مثال سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ اس دنیا کے عالم اور آخرت کے مابین بمنزلہ برزخ کے ہے۔

تفسیر عالمانہ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ اس سے قیامت مراد ہے اس میں انھیں رجعتِ دنیا سے کُلی طور ناامید کیا گیا ہے اس لیے کہ قیامت میں پہنچنے کے بعد دنیا کی طرف لوٹنا بالکل ممتنع ہے البتہ اب کی رجعت الی الآخرۃ ہے اور وہ ہونی ہے اور ہوگی۔ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ پس جبکہ قیامت میں نفخ صور ہوگا اس سے نفخ ثانیہ مراد ہے اسی وقت سے تمام بندے قیامت میں حساب و کتاب کے لیے اٹھائے جائیں گے اور نفخ ایک ہوا کا نام ہے جو کسی شے میں پھونکا جائے اور صور قرن کی طرح ہوگا جس میں اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے۔ اسی پھونک کو اللہ تعالیٰ ارواح کو اجسام میں لوٹنے کا سبب بنائے گا۔ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ تو اس دن آپس میں ایک دوسرے کی نسبتیں ختم ہو جائیں گی۔ اس لیے کہ وہاں حیرۃ و دہشت سے رحمت و شفقت اُٹھ جائے گی یہاں تک کہ نہ ماں بیٹے کی، نہ بیٹا باپ کا، نہ عورت شوہر کے کام آئے گی اور نہ اولاد امداد کرے گی۔

ف: نسب دو شخصوں اور اس سے زاید کے درمیان قرابت کا نام ہے وہ یا تو ماں باپ کی جانب سے ہوتی ہے یہ دو قسم ہے:

۱۔ طولاً۔ جیسے آباء اور ابناء کے مابین قرابت۔

۲۔ عرضاً۔ جیسے بھائیوں اور بنو اعمام کے درمیان قرابت داری۔

marfat.ocm

یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس وقت وہ نسب ختم ہو گا جس پر تم ایک دوسرے پر فخر کرتے ہو۔
یَوْمَئِذٍ آج کی طرح اس دن یہ رشتہ داریاں نہیں رہیں گی وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ ۵ ایک دوسرے کے تعلقات نہیں پوچھیں گے۔ مثلاً یہ نہ پوچھا جائے گا من انت (تو کون ہے؟) من ای قبیلہ ونسب انت (مجھے کسی قبیلہ اور نسب سے تعلق ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے کہ ہر ایک نفسی نفسی پکارے گا اور شدتِ ہول کا یہ عالم ہو گا کہ اس وقت ایک دوسرے کو پہچان بھی نہیں سکیں گے پھر ایک دوسرے کا حال کس طرح پوچھیں گے! دُنیا میں یہی ہوتا ہے کہ جب دُکھ اور درد بڑھ جاتا ہے تو آل اولاد کی خبر نہیں رہتی۔

سوال: یہ آیت دُوسری آیت فاقبل بعضھم علیٰ بعض یتساء لون کے منافی ہے کیونکہ دوسری آیت میں ایک دوسرے سے سوال کرنے کا بیان ہے۔

جواب: یہ دوسری آیت کا سوال حساب وکتاب کے بعد ہو گا۔ نیز سب کو معلوم ہے کہ قیامت کا دن بہت طویل ہو گا۔ مروی ہے کہ وہاں پچاس مجلسیں ہوں گی اور ہر مجلس ایک ایک ہزار سال کی ہو گی۔ ہر مجلس میں سختی اور شدت بڑھ کر ہو گی۔ بعض مجلسوں کی شدت اور گھبراہٹ سے ایک دوسرے سے بے خبر ہوں گے اور بعض مجلسوں میں افاقہ پائیں گے تو ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔

حدیث شریف ۱ شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا قیامت کا دن سخت ہو گا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا انساب بینھم الخ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں تین مقامات ایسے ہیں جہاں ہر ایک کے ہوش اُڑ جائیں گے:

۱۔ جب ہر ایک کا عمل نامہ ہاتھ میں دیا جائے گا۔
۲۔ وزنِ اعمال کے وقت۔
۳۔ پُل صراط پر۔

حدیث شریف ۲ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت میں مرد وعورت کا ہاتھ پکڑ کر برسرِ میدان ہر ایک کو کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں ہے جس کا ان میں سے کسی پر حق ہو تو اسے میدان میں لایا جائے۔ اس سے وہ مرد یا عورت خوش ہو گا کہ میرے والد میری ماں اور میری اولاد اور میری عورت یا مرد اور میرے بھائی بہنوں پر حقوق ہوں گے لیکن اعلان ہو گا کہ آج نسب سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

ف: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت میں انسان کو مبغوض ترین بات محسوس ہو گی آج کوئی

marfat.ocm

اسے اپنا رشتہ دار ظاہر کرے۔ اس کے بعد یہ آیت یوم یفو المرء الخ پڑھی۔

مسئلہ: حضرت محمد بن علی ترمذی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ قیامت میں تمام انساب ختم ہو جائیں گے۔ صرف وہ نسب باقی رہے گا، اس سے وہ نسبت مراد ہے جو عبودیتِ الٰہی کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہوگی کیونکہ یہ نسبت کبھی منقطع نہ ہوگی اور اس نسبت پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے (یہی نسبت ہم فقیروں قادریوں، چشتیوں، اویسیوں، نقشبندیوں، سہروردیوں کو نصیب ہوئی ہے) لیکن آباء امہات اولاد کی نسبت منقطع ہو جاتے گی (سوائے سادات کے)[1]

حکایت حضرت اصمعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں چاندنی رات میں کعبہ معظمہ کا طواف کر رہا تھا کہ اچانک میں نے ایک نہایت غمگین وحزین آواز سنی۔ میں طواف چھوڑ کر اس آواز کی طرف چلا گیا۔ چل کر دیکھا کہ ایک حسین نوجوان کعبہ معظمہ کے پردوں سے لٹکا ہوا کہہ رہا تھا: یا اللہ! اس وقت لوگ سو گئے اور ستارے اپنی تابانی سے رہ گئے تو ہی مالک حی قیوم ہے دنیا کے بادشاہوں نے دروازے بند کر دیے اور ان کے دروازوں پر نگران پہرے دار کھڑے ہیں اور انہوں نے گداگروں سے ڈرتے ہوئے پردے لٹکا دئے ہیں لیکن تیرا دروازہ ہر سائل کے لیے ہر وقت کھلا ہے اس لیے میں تیرے دروازے کا سائل ہوں اگرچہ گنہگار اور فقیر اور مسکین اور قیدی ہوں تاہم تیری رحمت کا امیدوار ہوں اس لیے کہ تو ارحم الراحمین ہے۔

اس کے بعد یہ اشعار پڑھے: ؎

۱ یا من یجیب دعاء المضطر فی الظلم
یا کاشف الضر والبلوی مع القسم

۲ قد نام وفدی حول البیت وانتبھوا
وانت یا حی یا قیوم لم تنم

۳ ادعوك ربی و مولای و مستندی
فارحم بکائی بحق البیت والحرم

۴ انت الغفور فجد لی منك مغفرۃ
او اعف عنی یا ذا الجود والنعم

۵ ان کان عفوك لا یرجوہ ذو جرم
فمن یجود علی العاصین بالکرم

ترجمہ: ۱۔ اے وہ ذات جو اندھیروں میں سب کی سنتی ہے، اے دکھ درد ٹالنے والے رب!

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

۲۔ میرے تمام ساتھی میرے گرد اگرد ہو گئے اور تو حی و قیوم نہیں سوئے گا۔

۳۔ اے پروردگارِ عالم! میں تجھے پکار رہا ہوں تو میرا مولا و سہارا ہے میرے رونے پر رحم فرما، تجھے واسطہ ہے بیت اللہ اور حرم کا۔

۴۔ تو غفور ہے مجھ پر مغفرت کی عطا فرما یا مجھے معاف فرما دے اے سخاوت اور الفت والے!

۵۔ اگر مجرم تیری معافی کی امید نہ رکھے تو فرمایئے تیرا کرم عاصیوں کے سوا اور کن پر ہوگا!

اس کے بعد آسمان کی طرف سر اٹھا کر اس نے عرض کی: یا الٰہی و سیدی و مولائی! اگر میں اطاعت کرتا ہوں تو بھی تیری منت و احسان ہے۔ اگر میں نافرمانی کروں تو وہ میری جہالت ہے اور تیرے لیے مجھ پر حجت اور تیری حجت میرے ہاں موجود۔ میرے حال پر رحم فرما اور میرے گناہ بخش دے اور مجھے میرے دادا میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور اپنے حبیب اور اپنے صفی اور اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مجھے محروم نہ فرما۔

اس کے بعد مندرجہ ذیل اشعار پڑھے: ؎

۱ الا ایها المأمول فی کل شدة
الیك شکوت الضر فارحم شکایتی

۲ الا یا رجائی انت کاشف کربتی
فهب لی ذنوبی کلها واقض حاجتی

۳ فزادی قلیل ما اراه مبلغی
علی الزاد ابکی ام لبعد مسافتی

۴ اتیت باعمال قباح ردیئة
وما فی الوری خلق جنی کجنایتی

۱۔ اے وہ ذات جو ہر سختی میں کام آتی ہے، میں نے اپنے دکھ کا تجھ سے شکوہ کیا ہے تو میری شکایت پر رحم فرما۔

۲۔ اے میری امیدگاہ! تو ہی میرے غم ٹالتا ہے میرے تمام گناہ بخش کر میری ضرورت پوری کر دے۔

۳۔ میرا زادِ راہ قلیل ہے اس سے میں منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکوں گا، اب میں زادِ راہ کو روؤں یا سفر کی طویل مسافت کو۔

۴۔ تیرے ہاں گندے اور ردی گناہ لے کر آیا ہوں اور دنیا میں مجھ جیسے اور کسی کے گناہ نہ ہوں گے۔

یہ اشعار پڑھتے پڑھتے وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ میں نے قریب جا کر دیکھا تو وہ امام زین العابدین علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب تھے۔ میں نے فوراً انھیں اٹھا کر اپنی گود میں لے لیا اور ان کے رونے پر خوب رویا، یہاں تک کہ میری

marfat.ocm

آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو ان کے چہرۂ اقدس پر پڑے تو اُنھوں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا اور فرمایا: کون ہے تُو؟ مجھے اپنے محبوب مشغلہ سے روکا۔ میں نے عرض کی: یا سیّدی! میں آپ کا غلام اصمعی ہوں، اور عرض کی: حضرت! اتنی جزع فزع کیوں، جبکہ آپ خاندانِ نبوت اور معدنِ رسالت سے ہیں۔ آپ حضرات کے بارے میں ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا۔ یہ سن کر سیدھے ہو بیٹھے اور فرمایا: اے اصمعی! یہ کیا کہا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت اپنے مطیعین کے لیے پیدا فرمائی ہے اگرچہ وہ حبشی غلام ہوں۔ اور دوزخ اپنے نافرمانوں کے لیے پیدا فرمائی ہے اگرچہ وہ بادشاہ اور قریشی ہوں۔ کیا تو نے نہیں سنا: فاذا نفخ فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساء لون۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب نفخۂ عنایت ربوبیت قلب کے صور میں پھینکا جاتا ہے تو قیامت قایم ہو جاتی ہے اور جملہ اسباب منقطع ہو جاتے ہیں تو بندہ کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، نہ آل کی طرف نہ اولاد کی طرف بلکہ جملہ خاندان اور تمام رشتے ناطے چھوڑ کر حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اسے ہر وقت بحرِ محبت میں استغراق رہتا ہے۔ وہ ان کے اسباب دنیا سے بالکل فارغ ہو جاتا ہے۔ نہ وہ اہل و عیال کی خبر رکھتا ہے نہ اوطان و املاک کی۔ اسی طرح جملہ سالکین راہِ ہدا کا حال ہے کہ جب وہ اس حال کو پہنچتے ہیں تو ان کی نرالی شان ہوتی ہے اور وہ اسی میں مستغرق ہوتے ہیں انہیں مطالبہ غیر سے غرض نہیں ہوتی وہ طلبِ حق میں مستغرق رہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ۔ موازین سے موزونات مراد ہیں یعنی تولی ہوئی نیکیاں۔ عقاید و اعمال دونوں مراد ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ جس کے عقاید صحیحہ اور اعمال صالحہ ہوں گے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تُلے ہوئے اور مقدر ہیں۔ اور موازین بمعنے موزونات یعنی ان کے اعمال کا اللہ تعالیٰ کے ہاں وزن و قدر ہے اور وہ قیامت میں حاضر کیے جائیں گے (اس کے متعلق تفصیل سے ہم نے سورۂ اعراف میں لکھا ہے) فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وہی لوگ کامیاب ہوں گے ہر مطلوب پر اور ہر پریشان کن امر سے نجات پانے والے ہوں گے۔

ف : لفظ مَن لفظاً واحد اور معنی جمع ہے اسی لیے اس کے لفظ کا اعتبار کر کے اس کے بعض ضمائر مفرد اور بعض جمع ہیں۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ اور جس کے عقاید و اعمال کا اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر و وزن ہوگا۔ اس سے کافر مراد ہے۔ چنانچہ اس کا معنیٰ اللہ تعالیٰ نے خود متعین فرمایا:

فلا نقیم لھم یوم القیٰمۃ وزنا۔

marfat.ocm

فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یعنی یہی لوگ وہ ہیں جنھوں نے نفوس کی استکمال کے وقت انھیں ضائع کر دیا اور وہ استعداد جس نے ان کے کمال کو حاصل کرنا تھا اسے اُنھوں نے باطل کر دیا۔

ف : الخسر والخسران بمعنے سرے سے اصل مال کا نقصان ہو جانا۔ (کذا فی المفردات)

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ یہ وہ گروہ ہے کہ اُنھوں نے اپنی زندگی کا سرمایہ بادِ غفلت سے برباد کر دیا اور حصول کمال کی استعدادات کو نفس کی آرزو اور شہوات کی متابعت سے ضائع کر دیا۔

فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ؕ یہ صلہ سے بدل اور اولئک کی دوسری خبر ہے۔

تفسیر صوفیانہ انسان اس انڈے کی طرح ہے جس میں مرغی کے تصرف کی ولایت اور اس سے بچے پیدا ہونے کی استعداد ہے۔ جب تک مرغی اس میں تصرف نہیں کرے گی اس میں وہ استعداد باقی رہے گی جب اس میں تصرف ہوگا اور وہ اپنی اس حالت سے متغیر ہو جائے گا یعنی وہ کیفیت جس سے انڈے سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد تصرف منقطع ہو جائے گا۔ یعنی جب انڈے میں فساد آ جائے گا اس کے بعد اس میں نفع بخش نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کی استعداد ختم ہو گئی۔ اسی لیے مشائخ نے فرمایا:

طریقت کا مرتد شریعت کے مرتد سے بدتر ہے۔

فی جہنم خٰلدون ایسے بے ایمان نفس ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور وہ اپنی فروختہ والی استعداد سے خارج نہیں ہوں گے اور استعداد کے فساد کے بعد اللہ تعالیٰ اصلاح نہیں فرماتا۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ آنرا کہ زمین کشد دروں چوں قارون
نے موسیش آورد بروں ہارون

۲ فاسد شدہ راز روز کار وارون
لا یمکن ان یصلحہ العطارون

ترجمہ (۱): جسے زمین قارون کی طرح اپنے اندر کھینچ کے لے جائے اسے نہ موسیٰ علیہ السلام باہر کھینچے ہیں نہ ہارون علیہ السلام۔

(۲) زمانہ میں فاسد شدہ راز کو عطار بھی درست نہیں کر سکتے۔

تفسیر عالمانہ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ان کے چہروں کو جہنم کی آگ جلائے گی۔ مثلاً کہا جاتا ہے: لفحته النار بحرها بمعنے احرقته۔ یعنی آگ نے اسے اپنی گرمی سے جلا دیا۔ (کذا فی القاموس) لفح و نفح ایک شے ہے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ لفح میں بہت زیادہ تاثیر ہوتی ہے۔ (کذا

marfat.ocm

فی الارشاد وغیرہ) اور چہروں کی تخصیص صرف شرافت کی وجہ سے ہے اور اس لیے کہ انسان ایسے وقت چہرے کے بچاؤ کی زیادہ جد وجہد کرتا ہے۔ اس سے انسان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ معاصی سے کنارہ کش رہے تاکہ جہنم کی آگ کا مستحق نہ بنے اور طریقہ بھی یہی اختیار کیا گیا یعنی چہرے کا ذکر کر کے انسان کو زجر و توبیخ کی گئی اسی لیے فاعل سے مفعول مقدم لایا گیا وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ۞ آگ کی سخت جلن سے وہ اس میں منہ چڑانے والے ہوں گے۔ الکلوح بمعنے دانتوں سے ہونٹوں کو علٰحدہ کرنا' جیسے بکری وغیرہ کے سر کو بھوننے کے بعد ہونٹ جل جاتے ہیں تو دانت کھلے رہ جاتے ہیں۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عتبہ غلام کی توبہ کا یہ سبب ہوا کہ وہ بازار سے گزرا ایک بکری کے بھنے ہوئے سر کو تنور سے باہر نکال کر رکھتے ہوئے دیکھا تو مسلسل تین رات بیہوش رہا۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن آگ پہلے ان کے چہروں کو جلائے گی تو ان کے اوپر والے ہونٹ کو جلاتی ہوئی سر کے درمیان پہنچے گی اور نیچے والے ہونٹ جل کر ناف تک لٹک آئیں گے۔

(نعوذ باللہ من النار ولفحہا)

پھر انھیں تحقیراً و توبیخاً و تذکیراً کہا جائے گا کہ تم اس عذاب کے مستحق ہو جس میں تمہیں مبتلا کیا جا رہا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ۞ کیا تمہارے ہاں ہمارے آیات نہیں آئے اور تم پر دنیا میں ہمارے یہی آیات پڑھے نہیں گئے تھے جن کی تم تکذیب کرتے تھے قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا کہیں گے اے ہمارے پروردگار! غالب ہو گئی ہمارے اوپر ہماری بدبختی جسے ہم نے اپنے برے اختیار سے اپنایا جس نے ہمیں آج یہی برے دن دکھلائے۔

ف: امام قرطبی نے فرمایا کہ شقوۃ سے یہاں لذات وخواہشاتِ نفسانی مراد ہیں اس لیے کہ یہی لذات وخواہشات ایسی بدبختی کے سبب بنے۔

اور ابو تراب نے فرمایا کہ شقوۃ سے نفس کے ساتھ حسنِ ظن اور خلق سے سوءِ ظن مراد ہے۔

وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ۞ اور اسی سبب سے ہوئے ہم بھٹکے ہوئے، اسی لیے ہم تکذیب و معاصی و جرائم کے مرتکب ہوئے رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ۞ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس سے نکال دے اس کے بعد اگر ہم دوبارہ غلطی کریں تو ہم بڑے ظالم ہوں گے۔ یعنی اپنے نفسوں پر ظلم کر کے حد سے تجاوز کرنے والے ہوں گے۔ قَالَ اللہ تعالیٰ انھیں قہر و جلال سے فرمائے گا اخْسَئُوا فِيهَا جہنم میں خاموشی سے پڑے رہو اور ذلت وخواری تمہارا مقدر ہو چکی ہے تمہارے لیے یہاں سوال کرنے کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ یہ جھڑکی انھیں اس طرح دی گئی جیسے کتوں کو جھڑکا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے؛

marfat.ocm

خسأت الکلب۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کُتّے کو ذلت کے طور جھڑکا جائے۔ فخسأ پس وُہ کُتّا جھڑکی پر ہٹ گیا۔

وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝ اور جہنّم سے نکلنے اور دنیا میں دوبارہ جانے کی مجھ سے بات مت کرو کیونکہ تمھیں ہمیشہ کے لیے جہنّم میں ہی رکھا جائے گا اِنَّهٗ یہ زجر اور دُعا مذکورہ کی تعلیل ہے یعنی شان یہ ہے کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ میرے بندوں میں سے ایک گروہ تھا یعنی اہلِ ایمان یَقُوْلُوْنَ دنیا میں کہتے تھے رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا اے ہمارے پروردگار ہم نے تیری اور تیرے ہاں سے آئے ہُوئے جملہ احکام کی تصدیق کی فَاغْفِرْ لَنَا ہمارے گناہ بخش دے ، وَارْحَمْنَا اور ہمارے حال پر رحم فرما اور ہمیں اپنی جملہ نعمتوں سے نواز ، منجملہ ان کے بہشت کا دخول اور جہنم سے نجات بھی ہے وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ تو خیر الراحمین ہے اس لیے کہ تیری رحمت تمام رحمتوں کا سرچشمہ ہے فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِیًّا اور اے کافرو! تم ان کے ساتھ ٹھٹھا مخول کرتے تھے۔ فلھذا اب دُعا مانگنے یعنی ربنا اخرجنا الخ کہنے سے باز آجاؤ اس لیے کہ تم دنیا میں مجھ سے دعا مانگنے والوں (اہلِ ایمان) سے مسخری کرتے تھے۔ جب وُہ کہتے ربنا امنا الخ تو تم اپنے مشغلہ میں مشغول رہتے حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ بھلا دیا تمہیں یعنی تمہارا ٹھٹھا مخول اتنا زبردست تھا کہ تم کو اس مشغلہ میں یاد نہ رہا ذِكْرِیْ میرا ذکر اور میرے ہاں یہی حاضری اور میری طاعت اور میرا خوف تمہارے دلوں سے اُٹھ گیا جبکہ تم ٹھٹھا مخول میں منہمک رہے وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۝ اور تم ان پر خُوب ہنستے تھے۔ یہ ان کے استہزاد کی انتہا تھی۔

شانِ نزول حضرت مقاتل نے کہا کہ یہ آیت حضرت بلال و عمار و سلمان و صہیب اور ان جیسے اور غریب لوگوں کے حق میں نازل ہُوئی۔ جب کفارِ مکہ جیسے ابو جہل و عتبہ و ابی بن خلف اور ان جیسے اور بڑے دنیادار و سرمایہ دار ہنستے اور ان کے اسلام پر پھبتیاں کستے اور انھیں ایذا دیتے تھے۔

اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا آج میں نے انھیں جزادی ہے ان کے اس صبر پر جو انھوں نے تمہارے ایذا پہنچانے پر کیا۔ صبر یعنے نفس کو شہوات سے روکنا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ یہ جزیتھم کا مفعول ثانی ہے یعنی میں نے انھیں بہشت میں داخل ہونے کی جزا بخشی اور ان کی جملہ مرادیں پُوری کیں اور وہی اس جزا کے ساتھ مخصوص ہیں اور اے کافرو! تم محروم۔

تفسیرِ صُوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ یہ سلوک کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے کہ اہل اللہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے دیدار پُر انوار اور اس کے مشاہدات سے لذت پائیں گے ایسے ہی کفار دیکھ کر بھی فرحت و سرور محسوس کریں گے اور بدبخت کفار جس طرح جہان میں انھیں دیگر سزاؤں سے دُکھ اور تکلیف پہنچے گی ایسے ہی اپنے ناصحین مرشدین کے استہزاد کی سزا کا اضافہ ان کے لیے اور جان لیوا

marfat.ocm

ثابت ہوگا۔

تفسیر عالمانہ قٰلَ جب اُنھوں نے دنیا کی طرف رجوع کا سوال کیا تو انھیں تذکیر کے طور پر فرمایا جبکہ انھیں پہلے تنبیہ فرمائی کہ دنیا کی طرف لوٹنا محال ہے : کما قال :

اخسئوا فیہا ولا تکلمون۔

لیکن یہ تو بتاؤ کَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ زمین پر کتنا عرصہ ٹھہرے رہے ہو یعنی جس دن کی طرف لوٹنا چاہتے ہو اس میں پہلے کتنا عرصہ بسر کر آئے ہو۔

حلِ لغات : اہلِ عرب کہتے ہیں ، لبث بالمکان۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو اس مکان میں کچھ عرصہ لازمی طور پر ٹھہرا ہو۔

عَدَدَ سِنِیْنَ ۝ یہ لفظ کم کی تمیز ، یعنی گنتی کے کتنے سال دنیا میں ٹھہرے رہے ہو قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ عرض کریں گے ہم دنیا میں ایک یوم یا اس کا بعض حصہ ٹھہرے ہیں۔ قلت کا اظہار دوزخ کی لمبی مدت کے مقابلہ کی وجہ سے ہوگا یا اس لیے کہ دنیا میں انھوں نے عیش و عشرت اور سرور و فرحت میں بسر کیا اور سرور و فرحت کے ایام گویا جلدی گزر جاتے ہیں یا اس لیے کہ وہ ایام گزر گئے اور گزرا ہوا وقت قلیل بلکہ کالمعدوم محسوس ہوتا ہے ؎

ہر دم از عمر گرامی ہست گنج بے بدل
میرود گنجے چنین ہر لحظہ برباد آہ آہ

ترجمہ : زندگی کا ہر لمحہ بے بدل خزانہ ہے لیکن افسوس کہ ہمارے لمحات برباد اور ضائع ہو رہے ہیں۔

فَسْئَلِ الْعَآدِّیْنَ ۝ ان سے پوچھ لیجئے جو ایامِ زندگی کو گنتے رہے۔ یعنی اگر ان لمحات کی گنتی ضروری ہے تو دوسروں سے پوچھیے ہم تو عذاب میں مبتلا ہیں نہ اس سے فرصت ملتی ہے نہ گزشتہ زندگی کے لمحات گنے جا سکتے ہیں۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کفار عرض کریں گے ، یا الٰہ العالمین ! ہمارے لمحاتِ زندگی ان ملائکہ کرام سے پوچھیے جو ہمارے ایام و لیالی کے لمحات کی گنتی پر مامور تھے۔

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا اللہ تعالیٰ ان کے قول کی تصدیق کرتے ہوئے فرمائے گا کہ واقعی تم دنیا میں بہت تھوڑا رہے ہو۔

ف : قلیلا مصدر محذوف یعنی لبثاً کی صفت ہے یا یہاں پر زمانہ محذوف ہے۔

marfat.ocm

لَوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اگر تمہیں علم ہوتا یعنی جیسے دنیا میں گزارا اور اس کے لمحات کو قلیل پایا لیکن نہ اس وقت تم نے کچھ جانا نہ اب تمہیں کچھ علم ہے۔

ف: بحر العلوم میں اس کا معنی لکھا ہے کہ باوجودیکہ تم نے دنیا میں بڑا عرصہ گزارا ہے لیکن اس کا علم نہیں رہا۔ اگر تمہیں اس کا علم ہوتا تو ضرور بتا دیتے لیکن نہ تمہیں یاد ہے اور نہ بتا سکتے ہو۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنے حال کا تدارک اور اس کی اصلاح میں کوشش کرے قبل اس کے کہ اس کی زندگی کے سانس ختم ہو جائیں اور موت آئے اور سارا کھیل ہی ختم ہو جائے۔

کسی نے خوب فرمایا: ؎

الا انما الدنیا کظل سحابۃ

اظلتك یوما ثم عنك اضمحلت

فلا تك فرحانا بها حين اقبلت

ولا تك جزعانا بها حين ولت

ترجمہ: خبردار یہ دنیا تو بادل کے سایہ کی مانند ہے کہ کچھ دیر وہ تجھ پر سایہ ڈالتا ہے پھر تجھ سے ہٹ جاتا ہے اس لیے کہ نہ اس کے آنے سے خوشی کرو اور نہ اس کے جانے سے غم کھاؤ۔

پندِ سُودمند اردشیر بن بابک بن ساسان نے فرمایا (یہی آل ساسان کا پہلا بادشاہ ہے) کہ دنیا کا میلان چھوڑ دے اس لیے کہ یہ کسی کے ہاں ہمیشہ نہیں رہتی اور نہ ہی اسے بالکل ترک کر دے اس لیے آخرت اسی کی وجہ سے سنورتی ہے۔

دیگر از زمخشری زمخشری نے کہا کہ زندگی کے ان چند لمحات کو غنیمت سمجھ کر نیک اعمال میں جد و جہد کیجئے۔ غلط اعذار اور بیکار حیلے ترک کر دے اس لیے کہ تجھے دنیا میں رہنے کے لیے بہت تھوڑا وقت دیا گیا ہے اور عمر بھی محدود دنوں کی ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ کنوں وقت تخمست اگر پروری

گر امیدواری کہ خرمن بری

۲ بشہر قیامت مرو تنگدست

کہ وجہی ندارد بغفلت نشست

۳ غنیمت شمر ایں گرامی نفس

کہ بے مرغ قیمت ندارد قفس

marfat.com

۴ مکن عمر ضائع بافسوس وحیف

کہ فرصت عزیز ست والوقت سیف

ترجمہ : ۱۔ ابھی تو بیج بونے کا وقت ہے اگر اس امید میں ہو کر خرمن اٹھاؤ گے ۔

۲۔ قیامت کے شہر میں تنگ دست ہو کر نہ جاؤ ، غافل (بیکار) بیٹھنے کا کوئی معنیٰ نہیں ۔

۳۔ ان لمحات کو غنیمت جان ، پرندے کے بغیر پنجرہ کس کام کا !

۴۔ افسوس وحیف کے ساتھ عمر ضائع نہ کر ، اس لیے کہ فرصت عزیز ہے اور وقت تلوار ہے ۔

سبق : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ وہ عمر جو تجھ سے ضایع ہو گئی اور اس میں کوئی عمل نہ کر سکا تو آنے والے لمحات کے لیے عزم بالجزم کر لے کہ باقی لمحات نیکی میں گزاروں گا تو اس کو بھی غنیمت سمجھ ۔ کسی شاعر نے کہا ؎

السباق السباق قولا و فعلا

حذر النفس حسرة المسبوق

ترجمہ : قول وفعل میں اب نیکی کی طرف توجہ دے اور نفس کو سمجھا کہ گزشتہ لمحات بھی ضایع گئے ۔

سبق : تمہیں زندگی کے لمحات مفت ملے تو ان قیمتی لمحات کی ادائیگی کا کچھ سوچ ۔ اور اسی سوچ میں ممکن ہے تجھے محبوب کا وصال نصیب ہو جائے ۔

ف : حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ زندگی کے لمحات جو گزر گئے وہ ضائع گئے لیکن جو باقی ہیں ان کو تو غنیمت سمجھو ، اگر ان کو بھی اعمال صالحہ پر صرف کیا جائے تو ضایع شدہ لمحات کی قیمت بھی حاصل ہو سکتی ہے ۔

حدیث شریف میں ہے کہ ہر وہ گھڑی جس میں انسان ذکر الٰہی کے بغیر گزار دیتا ہے وہ قیامت میں اس کے لیے حسرت کا سبب بنے گی ۔

ف : بعض انسانوں کو لمبی عمریں نصیب ہوتی ہیں لیکن ان کے لمحات کی کوئی قیمت نہیں ہوتی جیسے بعض بنی اسرائیل ہزاروں سال گزار گئے لیکن بہ نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بعض افراد کہ جن کی عمر تو تھوڑی ہوتی ہے مگر ان کے لمحات قیمتی ہوتے ہیں ۔ اسی لیے بنی اسرائیل کی لمبی عمروں والے ان قلیل عمروں والوں پر حسرت کریں گے ۔

ایسے ہی بعض ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں جنھیں ایک ہی نگاہ سے وصالِ یار نصیب ہو جاتا ہے (اور یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ اللہ والوں کا دامن پکڑو پھر دیکھو ان کی نگاہِ کرم سے کیا نصیب ہوتا ہے !)

سبق : افسوس تو اس بدقسمت پر ہے جسے لمحاتِ زندگی بھی وافر در وافر ملے لیکن زندگی ضائع کر دی اور خالی ہاتھ گیا ۔ اسی لیے فرمان ہے کہ انسان کی دو صفتوں پر رشک کرنا چاہیے :

۱۔ فراغت ۲۔ صحت

marfat.ocm

اس سے یہی یہی مراد ہے کہ صحت و عافیت اور فراغت اوقات میں دین و دنیا سنوار لے پھر بیڑا پار ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا ہمزہ انکاری ہے اور فاء کا عطف فعل مقدر پر ہے اور الحسبان بالکسر بمعنے الظن۔ اور عبثاً خلقنا کی ضمیر جمع متکلم سے حال ہے۔ یعنی ہم نے تمہاری تخلیق میں کوئی ذاتی غرض ملحوظ نہیں رکھی اور نہ ہی اس تخلیق سے ایسے امر کا ارتکاب مطلوب ہے جس کے فائدہ سے لاعلمی ہو۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کیا تم غافل ہو اور اپنی بہت بڑی غفلت سے گمان میں ہو کہ ہم نے تمہیں حکمت کے تقاضاؤں کے خلاف پیدا کیا ہے وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ اس کا عطف خلقنکو پر ہے۔ یعنی تمہارا گمان ہے کہ تمہارا ہمارے ہاں لوٹنا نہیں۔ یعنی تمہاری تخلیق سے غرض یہ ہے کہ تم نیک عمل کرو، پھر قیامت میں اٹھا کر تمہیں جزا و سزا دی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا معنیٰ یہ ہے کہ بندوں نے ایسے مالک و حاکم کے ہاں حاضر ہونا ہے اس کے سوا اور کوئی مالک ہے نہ حاکم۔

ف: ترمذی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا "تاکہ مخلوق اس کی عبادت کرے اور وہ اپنے بندوں کو عبادت کا ثواب اور ترک عبادت پر سزا دے۔ اگر وہ عبادت کریں گے تو عبدیت سے حریت اور عزت و عظمت پائیں گے یعنی دنیا میں عبد تھے تو آخرت میں بادشہ ہوں گے اگر ترک عبادت کریں گے تو وہ عبد مغرور بلکہ مالک کی نگاہ سے گرے ہُوئے اور بدبخت شمار ہوں گے اور قیامت میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ جہنم کے جیل خانے میں سخت سے سخت سزا پائیں گے۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ افحسبتم انما خلقنکم عبثا یعنی تم نے گمان کیا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بلامعنیٰ پیدا فرمایا ہے۔ اور تمہارا یہ بھی خیال ہے کہ تمہارے اندر کوئی معنیٰ نہیں کہ تمہیں فائدہ نہ نقصان دے یہاں تک کہ تم جانوروں کی سی زندگی بسر کرتے رہو اور تمہیں اعمال صالحہ کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب بھی نصیب نہ ہو گا وانکم الینا لا ترجعون اور یہ بھی تمہارا گمان ہے کہ تم نے لطف یا قہر سے ہمارے ہاں حاضر بھی نہیں ہونا۔ لطف سے رجوع کا یہ معنیٰ ہے کہ انسان اضطراری موت سے پہلے اختیاری موت سے مر جائے۔ اور وہ موت یہ ہے کہ انسان قدم شریعت و طریقت پر چل کر اسفل سافلین یعنی طبیعت سے نکل کر اعلیٰ علیین یعنی عالمِ حقیقت میں پہنچ جائے۔ اور رجوع بالقہر کا یہ معنیٰ ہے کہ موت اضطراری سے مرے پھر اسے شہواتِ دنیا اور اس کی زینت کے سلاسل اور صفاتِ ذمیمہ کے اغلال سے جکڑ کر اسے جہنم کی طرف گھسیٹ کر لے جایا جائے۔

حکایت پُر نصیحت

حضرت بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن بصرہ کی سڑک پر گزر رہا تھا ایک میدان میں چند لڑکے اخروٹ اور بادام سے کھیل رہے تھے لیکن ایک لڑکا

marfat.ocm

دور بیٹھا اُنھیں دیکھ کر رو رہا تھا، میں نے سمجھا کہ وہ اس لیے رو رہا ہے کہ اس کے پاس اخروٹ و بادام نہیں۔ میں نے پوچھا، بیٹا! کیوں رو رہا ہے، کیا تیرے پاس اخروٹ و بادام نہیں، کیا میں تجھے اخروٹ اور بادام خرید دوں؟ اس نے مجھے غصّے سے دیکھ کر کہا: اے بے عقل! کیا ہم کھیل و تماشا کے لیے پیدا کئے گئے ہیں؟ میں نے کہا: تو پھر کس لیے؟ اس نے کہا، علم و عمل کے لیے۔ میں نے کہا: اللہ تجھے برکت دے۔ بیٹا! تو دانا معلوم ہوتا ہے مجھے اختصاراً نصیحت کیجئے۔ اس نے یہ اشعار پڑھے ؎

۱ ادری الدنیا تجھز بالطلاق

مشمرۃ علی قدم و ساق

۲ فلا الدنیا بباقیۃ لحی

ولا حی علی الدنیا بباق

۳ کأن الموت والحدثان فیھا

الی نفس الفتی فرسا سباق

۴ فیا مغرور بالدنیا رویدا

و منھا خذ لنفسك بالوثاق

ترجمہ: (۱) میں دنیا کو دیکھ رہا ہوں کہ پا بہ رکاب ہو کر اپنا سامان اکٹھا کر رہی ہے۔

(۲) نہ کسی زندہ کے لیے باقی رہے گی اور نہ ہی کسی زندہ نے اس میں رہنا ہے۔

(۳) گویا موت اور اس کا حادثہ انسان کے لیے دو گھوڑے تیز دوڑنے والے ہیں۔

(۴) اے دنیا سے دھوکا کھانے والے! ذرا سوچ اور اس سے کنارہ کشی کر۔

اس کے بعد آسمان کی طرف دیکھ کر اس نے دونوں ہاتھوں کا اشارہ کیا، اس کے چہرے پر آنسوؤں کی بارش ہو رہی تھی اور وہ کہتا تھا: ؎

۱ یا من الیہ المبتھل یا من علیہ المتکل

۲ یا من اذا ما آمل یرجوہ لم یخط الامل

ترجمہ: (۱) اے وہ ذات جس کے ہاں ہماری عاجزی ہے، اے وہ ذات جس پر ہمارا سہارا ہے۔

(۲) اے وہ ذات جو کوئی تجھ سے امید رکھتا ہے تو وہ اسی کو چھوڑ کر چل بستا ہے۔

حضرت بہلول رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس بچے نے یہ کہا اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔ میں اٹھا، اس کے چہرے سے مٹی جھاڑی اور اسے اپنی گود میں سلا لیا۔ جب اس نے آنکھ کھولی اور ہوش میں آیا تو میں نے اس سے پوچھا

marfat.ocm

بیٹے! تجھے کیا ہوگیا ہے، اتنا خوف کیوں؟ ابھی تو تُو بچہ ہے، تیرے ذمّہ کوئی گناہ بھی نہیں۔ فرمایا: اے بہلول! کیا کہہ رہے ہو، میں اپنی والدہ کو دیکھتا ہُوں کہ جب وہ آگ جلاتی ہے تو پہلے چھوٹی لکڑیوں کو آگ لگاتی ہے پھر بڑی لکڑیوں کو۔ میں ڈر رہا ہُوں کہ کہیں قیامت میں ہم چھوٹے بچوں سے ہی نہ آگ سلگائی جائے اور خدا نہ کرے میں ان میں سے ہوں۔ میں نے پُوچھا، یہ بچہ کون ہے؟ کسی نے کہا: یہ حضرت حسین بن علی بن ابی طالب کی اولاد سے ہیں۔ میں نے کہا: جب درخت باکمال ہیں تو ان کے ثمر کیوں نہ ایسے ذی جوہر ہوں۔ خدا ہمیں اس سے اور اس کے آباءِ کرام سے نفع بخشے۔

ف: حضرت ابوبکر واسطی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ آیت پڑھا کرتے مخلوق کو عبث پیدا نہیں فرمایا بلکہ اس لیے پیدا فرمایا کہ اس کی ذات آشکار اور اس کی صفاتِ کمالیہ کا ظہور اس کی مصنوعات سے ہو تاکہ مخلوق اسی ذریعہ سے اس کا عرفان حاصل کرے۔

باعثِ ایجادِ کون ومکان بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہیں بے سُود پیدا نہیں فرمایا بلکہ تمہیں نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے لیے پیدا فرمایا ہے کیونکہ ازل میں یہ بات طے ہو چکی تھی کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور جنسِ انسان سے ہوگا۔ اس معنے پر آپ کائنات کی اصل اور جملہ موجودات کی فرع ہیں ؎

ہفت و نہ و چار کہ پرداختند
خاص پئے موکب او ساختند
اوست شہ و آدمیان جملہ خیل
اصل وے و جملۂ عالم طفیل

ترجمہ: ہفت و نہ و چار صرف محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے لیے بنائے وہی بادشاہ ہیں باقی تمام ان کے غلام۔ اصل آپ ہیں باقی جملہ جہان طفیلی۔

ف: بحر الحقائق میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تمہیں پیدا فرمایا تاکہ تم مجھ سے نفع حاصل کرو ورنہ مجھے تمہاری تخلیق کی ضرورت نہیں۔

حدیث قدسی: میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا تاکہ وہ مجھ سے نفع پائے، نہ یہ کہ میں ان سے نفع پاؤں۔

ف: مشایخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو پیدا فرمایا تاکہ وہ منظرِ قدرت ہوں اور آدمیوں کو پیدا فرمایا تاکہ وہ مخزنِ جوہرِ محبت ہوں۔

کنت کنزاً مخفیاً: بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے فرزندِ آدم! تمام اشیاء میں نے تیرے لیے اور تجھے اپنے لیے پیدا فرمایا۔ کنت کنزاً مخفیاً کا راز یہی ہے۔ مولانا روم قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

اے ظہور تو ...

marfat.com

۲ گنج مخفی بود ز پر چاک کرد — خاک را تابان تر از افلاک کرد
گنج مخفی بدز پری جوش کرد — خاک را سلطان باطلس پوش کرد

۳ خویش را نشناخت مسکین آدمی — از فزونی آمد و شد در کمی
خویشتن را آدمی ارزاں فروخت — بود اطلس خویش را بر دلق دوخت

۴ ای غلامت عقل تدبیرات ہوش — چوں چنینی خویش را ارزاں فروش

ترجمہ : ۱- اے کہ تیرا ظہور سر بسر نور ہے گنج مخفی تجھ سے ہی ظاہر ہوا۔

۲- گنج مخفی کا پردہ چاک ہُوا اس نے مٹی کو افلاک سے زیادہ روشن فرمایا گنج مخفی تھا پردے سے جوش مارا، مٹی کو شاہی اطلس پہنا دیا۔

۳- مسکین آدمی نے خود کو نہ پہچانا، ترقی کو چھوڑ کر تنزل میں گرا۔ آدمی نے خود کو سستا بیچ ڈالا اپنی اطلس کو گودڑی پر سی دیا۔

۴- عقل و تدبیرات و ہوش تیرے غلام ہیں، جب تو ایسا ہے تو تُو نے خود کو سستا بیچ ڈالا۔

تفسیر عالمانہ فَتَعٰلَى اللّٰهُ اللہ تعالیٰ کی ذات بلند اور اپنی ذات وصفات وافعال میں مخلوق کی مماثلت سے منزّہ ہے اور اس کے افعال حکمتوں اور مصلحتوں اور غایات جلیلہ کے خلو سے بھی پاک ہے الْمَلِكُ الْحَقُّ وہ مالک ہے اور ایجاداً و عدماً بدأً و اعادۃ و احیاءً و اماتۃ و عقاباً و اثابۃ ہر لحاظ سے علی الاطلاق ملک اسی کے لائق اور اسی کے لیے ثابت ہے اور اس کا جملہ ماسوا اس کا مملوک اور ہر شے اس کے ملکِ عظیم کے تابع ہے۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ ملک اور ذات وصفات وافعال میں ہر موجود سے مستغنی بلکہ ہر موجود اسی کا محتاج ہے۔

ف : المفردات میں ہے کہ حق وہ ہے جو اپنی حکمت کے تقاضے سے جیسے چاہے پیدا کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کی ذات وصفات اور اس کی بات سچی ہے اور مخلوق میں کسی کا اس پر کوئی حق نہیں۔ اگر وہ مخلوق پر احسان و کرم کرتا ہے تو وہ بایں معنیٰ نہیں کہ مخلوق اس کی مستحق تھی بلکہ یہ اس کا اپنا فضل اور لطف ہے۔

تفسیر عالمانہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے ماسوا ہر شے اس کی عبد ہے رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝ وہ عرش کریم کا رب ہے وہ جیسے بھی ہے اسی کے ماتحت فرمان ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کے احاطہ میں ہے اور عرش کو کریم کی صفت میں اشارہ ہے کہ وہ عرش

marfat.ocm

فیض کریم حق کا مقسم ہے وہاں سے اس کی رحمت اور کرم مخلوق کی طرف تقسیم ہو کر آتی ہے وَمَنْ يَّدْعُ وہ عبادت کرتا ہے مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کی افراداً یا اشتراکاً لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ غیر کی عبادت والے کی اللہ تعالیٰ کے سوا کی پرستش کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ اِلٰہ کی صفت لازمہ ہے، جیسے تطیر، بجناحیہ کی صفت لازمہ ہے معبودانِ باطلہ کی پرستش پر کوئی حجت نہیں، کیونکہ باطل معبود پر کوئی ایسی دلیل نہیں ہوتی جس پر کوئی تاکید ہو تاکہ اس پر کسی حکم کو مرتب کیا جا سکے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ باطل دین کی کوئی دلیل نہیں ہوتی اور عقل کی بداہت بھی اس کے خلاف گواہی دیتی ہے فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ بے شک اس کا حساب اس کے رب کے ہاں ہے اسے اس کے استحقاق کے مطابق سزا ملے گی۔ یہ من یدع کا جواب ہے اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ بے شک شان یہ ہے کہ کافروں کو فلاح نصیب نہیں ہو گی۔ یعنی وہ برے حساب اور سخت دن سے نجات نہیں پائیں گے۔ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اور فرمائیے اے پروردگار مجھے بخشئے اور میرے حال پہ رحم فرمائیے۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار اور رحم کی درخواست کا حکم فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ دین کے اہم امور سے ہے کہ وہ ذات جس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دئے گئے ہیں تب بھی انہیں مغفرت اور رحمت مانگنے کا حکم ہے۔ پھر ما وشما کس قطار میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ خطاب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ وہ محبوب کہ محبوبیت کا کمال ان پر ختم ہے اور جملہ خصوصیات میں ممتاز اور رسالت و نبوت میں اعلیٰ درجے کے مالک ہیں تب بھی انہیں مغفرت و رحمت کی طلب کا حکم ہے پھر وہ جو گناہوں میں ملوث اور کفر و شرک سے بھر پور ہوں وہ کیوں نہ مغفرت و رحمت کی طلب کریں۔

ف : امت پر لازم ہے کہ وہ اس دعا میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرے۔

تفسیر عالمانہ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ اور تو خیر الراحمین ہے۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ ہر راحم کی رحمت میں تغیر و تبدل کا احتمال ہے کیونکہ وہ کسی پر رحم کرنے کے بعد بھی اپنے تشدد کا نشانہ بنا سکتا ہے بخلاف اللہ تعالیٰ کے کہ وہ جس پر رحم کرتا ہے پھر اسے اپنے عذاب میں مبتلا نہیں کرتا اس لیے کہ اس کی رحمت ازلیہ ہے اس میں تغیر و تبدل کا احتمال نہیں۔

تفسیر صوفیانہ حقائق البقلی میں ہے اے اللہ تعالیٰ! میری وہ کوتاہی معاف کر دے جو میں نے تیری معرفت میں برتی ہے اور اپنے مشاہدہ کے مقام میرے اوپر کھولنے کے لیے میرے اوپر رحم

ل اس میں دیو بندیوں وہابیوں کو تنبیہ ہے کہ ایسے مقام دعا بمعنے عبادت ہے۔ چنانچہ روح البیان ج ٦ ص ١١٢ پر ومن یدع کا ترجمہ یعبد لکھا ہے تفصیل فقیر کی کتاب احسن البیان جلد دوم میں ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہ

marfat.com

فرما۔ اور تُو خیر الراحمین ہے اس لیے کہ کونین کی رحمت تیری رحمتِ قدیم کے دریا کا ایک قطرہ ہے۔

ہر مرض کا علاج حضرت عبداللہ بن مسعود ایک سخت بیماری میں مبتلا مریض پر گزرے، اس پر افحسبتم تا اختتام سورۃ اس کے کان میں پڑھا تو وہ فوراً صحت یاب ہوگیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تو نے کیا پڑھا ہے؟ عرض کی: یہی آیات پڑھی ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر ان آیات کو صدق دل سے پہاڑ پر پڑھا جائے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔

فضائل سُورۃ و آیات مروی ہے کہ اس سورۃ کی پہلی اور آخری آیات عرشِ الٰہی کے خزانوں میں سے ہیں۔ جو شخص اس سُورۃ کی پہلی تین آیات اور آخری چار آیات پر مداومت اختیار کرے گا وہ دارین میں نجات و فلاح پا جائے گا۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو شہد کی مکھی کی سی آواز سُنائی دیتی۔ ہم نے دیکھا کہ آپ پر وحی نازل ہورہی ہے اس لیے ہم تھوڑی دیر رک گئے۔ جب آپ فارغ ہُوئے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگی:

اے اللہ! ہمیں بڑھا اور ہمیں گھٹا مت۔ اور ہم پر اکرام عطا فرما اور ہماری اہانت نہ ہو۔ اور ہمیں عطا فرما، ہمیں محروم نہ رکھ، اور ہمیں پسند فرما اور ہمارے اوپر اوروں کو ناپسند فرما۔ اور ہم سے راضی ہو اور ہمیں راضی فرما۔

اس کے بعد فرمایا:

اب میرے اوپر دس آیات نازل ہوئیں جو ان پر عمل کرے گا وہ بہشت میں داخل ہوگا۔

اس کے بعد قد افلح المؤمنون تا دس آیات پڑھیں۔

(صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ) اس سورہ مومنین کی تفسیر ۲۲ رجب المرجب ۱۱۰۷ھ میں ختم ہوئی۔

اور

فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس سورہ مومنین کے ترجمہ سے ۶ شوال المکرم ۱۳۹۷ھ بروز خمیس تقریباً ۹ بجے شب فراغت پائی۔

والحمد للہ علیٰ ذٰلک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

marfat.com

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ٦٤ رُكُوْعَاتُهَا ٩

سورہ نور مدنی ہے اور اسمیں ۔ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ۔ چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿١﴾ اَلزَّانِيَةُ

یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور ہم نے اس کے احکام فرض کیے اور ہم نے اس میں روشن آیتیں نازل فرمائیں کہ تم دھیان

وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا

کرو جو عورت بدکار ہو اور جو مرد تو ان میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ ۔ اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے

رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا

اللہ کے دین میں اگر تم ایمان لاتے ہو اللہ اور پچھلے دن پر ۔ اور چاہیئے کہ ان کی سزا کے وقت

طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢﴾ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ

مسلمانوں کا ایک گروہ حاضر ہو ۔ بدکار مرد نکاح نہ کرے مگر بدکار عورت یا شرک والی سے ۔ اور بدکار عورت

لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ

سے نکاح نہ کرے مگر بدکار مرد یا مشرک اور یہ کام ایمان والوں پر حرام ہے ۔ اور جو پارسا عورتوں کو

الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً

عیب لگائیں پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں تو انہیں اسّی کوڑے لگاؤ

وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

اور ان کی کوئی گواہی کبھی نہ مانو اور وہی فاسق ہیں ۔ مگر جو اس کے بعد توبہ

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٥﴾ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ

کرلیں اور سنور جائیں تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور وہ جو اپنی عورتوں کو عیب لگائیں

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ

اور ان کے پاس اپنے بیان کے سوا گواہ نہ ہوں تو ایسے کسی کی گواہی یہ ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کے نام سے

لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٦﴾ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٧﴾

کہ وہ سچا ہے ۔ اور پانچویں یہ کہ اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر جھوٹا ہو

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٨﴾

اور عورت سے یوں سزا ٹل جائے گی کہ وہ اللہ کا نام لے کر چار بار گواہی دے کہ مرد جھوٹا ہے

marfat.ocm

وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٩ وَلَوْلَا فَضْلُ

اور پانچویں یوں کہ عورت پر غضب اللہ کا اگر مرد سچا ہو اور اگر اللہ کا فضل اور

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَأَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝١٠

اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ توبہ قبول فرماتا حکمت والا ہے تو تمہارا پردہ کھول دیتا

ع ۱۰

تفسیر عالمانہ

یہ سورہ مدنیہ ہے اس کی چونسٹھ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا، اس سورۃ میں عفت، پاکدامنی اور ستر و حجاب اور پردہ کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو لکھا کہ عورتوں کو سورۂ نور پڑھاؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو بالاخانوں پر مت جانے دو اور نہ ہی انھیں لکھنا سکھاؤ۔ انھیں سورۂ نور پڑھاؤ اور چرخہ کاتنا سکھاؤ۔

سُوْرَةٌ سورۃ قرآن کے اس ایک حصّے کا نام ہے جو چند آیات و کلمات اور علوم و معارف کو محیط ہوتی ہے یہ سُوْر المدینہ سے مشتق ہے بمعنے شہر کا احاطہ جو اسی شہر کے اردگرد ہوتا ہے۔ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ دراصل ھذہٖ سورۃ تھا۔ اگرچہ اس کا ذکر پہلے نہیں ہوا لیکن پھر بھی اسے ھٰذا اشارہ سے ذکر کیا گیا اس کی شرافت پر دلالت کرتا ہے کہ گویا یہ حاضر و مشاہد کی طرح ہے اس کی تنکیر بھی اس کی ذات فخامت و عظمت کی دلیل ہے اَنْزَلْنٰهَا یہ بھی اس کی عظمت و فخامت صفاتی کی دلیل ہے یعنی ہم نے اس سورۃ کو عالمِ قدس سے جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے نازل فرمائی۔ وَفَرَضْنٰهَا یعنی ہم نے ان کے اندر نازل کردہ احکام تم پر قطعی طور پر واجب فرمائے ہیں الفرض بمعنے کسی سخت شے کو کاٹنا اور اس میں نشان ڈالنا۔ اسی لیے لوہے کے کاٹنے کو الفرض سے تعبیر کرتے ہیں الایجاب والفرض کا اصطلاحاً ایک معنی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ باعتبار وقوع و ثبات کے ایجاب کہا جائے گا اور باعتبار حکم کے قطعی ہونے کے فرض سے تعبیر کیا جائے گا (کذا فی المفردات)

وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اور اس کے اندر ہم نے نازل کیں اٰيٰتٍ اس سے وہ آیات مراد ہیں جنہیں احکام فرائض سے تعلق ہے۔ اس سے اس کے جملہ آیات مراد نہیں بَيِّنٰتٍ ایسی آیات کہ ان کے احکام پر واضح اور روشن

marfat.ocm

دلائل موجود ہیں اور انزلنا کا تکرار ان احکام کی عظمت اور اہتمام بالشان کی وجہ سے ہے ورنہ انزال سورۃ میں انزال احکام کا ذکر ہوچکا تھا لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ شاید کہ تم انھیں قبول کرو اور اس کے محارم سے پرہیز کرو۔
یہاں پر ایک تا محذوف ہے اس لیے کہ یہ دراصل تتذکرون تھا۔ یعنی ان آیات سے نصیحت حاصل کرو اور جب حوادث کے داعیہ واقع ہوں تو تم ان کے موجب احکام کا اجراء کرسکو۔ اس میں اشارہ ہے کہ حق یہ ہے کہ جب بھی ان کے سامنے اس طرح کے واقعات سامنے آئیں تو اسی سورۃ کے احکام کو سامنے رکھ کر فیصلے کریں۔

نکتہ: بعض مشایخ نے فرمایا کہ سورۃ ہذا کے اگر اور آیات بھی نہ ہوتے تو جملہ احکام متعلقہ صرف بی بی عائشہ صدیقہ بنت صدیق حبیبہ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برأت میں آیات بھی کافی تھیں کیونکہ اس میں احکام متعلقہ و براہین و دلائل واضحہ موجود ہیں بلکہ اس معاملہ میں یہی آیات جامع ہیں اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ یہاں سے آیات بینات کی تفصیل اور ان کے احکام کا بیان شروع ہے۔ الزنا بمعنے ایسی عورت سے وطی کرنا جس کے ساتھ اس کا عقدِ شرعی نہ ہو۔ الزنا کو بالمد و بالقصر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ ہاں بالمد ہو تو اسے مصدر فاعلہ بنانا جائز ہے ایسے وقت بوقت نسبت سے زنوی پڑھا جائے گا۔ (کذا فی المفردات)

الزانیۃ ہر وہ عورت جو زنا کی قدرت رکھتے ہوئے کسی مرد سے وطی کرائے۔ اس کے اس صیغہ کا یہی تقاضا ہے بخلاف المزنیہ کے، اس لیے کہ مزنیہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ جبراً زنا کیا جائے۔ الزانیہ کی تقدیم عرب کی لونڈیوں کے کثرتِ زنا کی طرف اشارہ ہے کہ اس وقت وہ لونڈیاں کھلم کھلا زنا کا ارتکاب کرتی تھیں یا اس لیے کہ اس فعل کا زیادہ تر سبب عورت بنتی ہے اور پھر اس کی کثرتِ شہوت کی طرف اشارہ ہے، نیز اگر عورت اس فعل پر راضی نہ ہو تو مرد سے اس کا ارتکاب بہت کم ہوتا ہے۔ یہ مبتداء اور اس کی خبر فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ پر ہے۔ فا شرطیہ ہے اس لیے کہ یہ مبتدا متضمن معنے شرط کا ہے کیونکہ الزانیۃ و الزانی کی لام موصولہ ہے۔ دراصل عبارت التی زنت والذی زنا تھی۔ الجلد بمعنے ضرب الجلد (بالکسر) چمڑہ چھیلنا۔ کہا جاتا ہے: جلدہ ضرب جلدہ، جیسے بطنہ و ظہرہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے پیٹ یا پیٹھ پر مارا جاتے۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جلدہ کا ضربہ بالجلد یعنی اسے ڈنڈے وغیرہ سے مارا اور مائۃ منصوب علی المصدریہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے شہر والو! اور اے احکام قبول کرنے والو، دونوں کو حکم ہے کہ سو دُرّے مارو۔

مسئلہ: یہ حکم محصن غیر محصن دونوں کو شامل تھا۔ پھر شادی شدہ کے لیے حکم منسوخ ہوا اور ناسخ بھی حکم قطعی ہے اس لئے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز وغیرہ کو سنگسار فرمایا تھا۔ یہ نسخ الکتاب بالسنۃ المشہورہ کے قاعدہ سے ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ شادی شدہ کی حد سنگساری اور غیر شادی شدہ

marfat.ocm

کی حد سو دُرے مارنا ہے۔

قاعدہ فقہیہ: حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک باب رجم میں شادی شدہ ہونے کی چھ شرطیں ہیں:

(۱) اسلام

(۲) حریت

(۳) عقل

(۴) بلوغ

(۵) نکاح صحیح

(۶) دخول

کوئی ایک شرط مفقود ہو تو سنگسار نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ: بابِ قذف میں چار شرطیں پہلی، اور بعض فقہا کرام کی اس قول سے کہ رجم محصن ای مسلم حر عاقل الخ یعنی مسلمان عاقل، آزاد، بالغ، شادی شدہ اور صاحبِ دخول کی یہی مراد ہے جو ہم نے اوپر بیان کی۔ اسی طرح اُنہوں نے کہا قذف محصنا الخ یعنی مسلمان حر عاقل بالغ عفیف کو حد ماری جائے۔ جب ان میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو تو اسے حد وغیرہ نہیں لگائی جائے گی۔

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ اور تمہیں ان کے بارے میں رافت و شفقت نہ گھیر لے۔ البحر میں ہے کہ الرافۃ بمعنے رقت قلبی بمعنے مہربانی کرنا۔ اس کی تنکیر تقلیل کے لیے ہے۔ یعنی تمہیں ان کے ساتھ تھوڑی بسی مہربانی بھی نہ گھیر لے۔ **فِي دِينِ اللّٰهِ** اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی اطاعت اور اقامتِ حدود میں کہ اسے تم معطل چھوڑ دو یا اسے حد مارتے وقت تھوڑی تکلیف پہنچاؤ اور چشم پوشی کرتے تکمیلِ حد میں کمی کرو۔ اس لیے کہ جسے حد ماری جاتی ہے وہ عجیب وغریب حرکات کا مظاہرہ کرتا ہے اور عجز و انکساری اور فریاد کرتا ہے رحم و کرم کی درخواست کرتا ہے جس پر امامِ وقت یعنی حاکم کو اس کے حال پر رحم آجاتا ہے یا مارنے والا اس پر رحم کرنے لگ جاتا ہے اور حاضرین کو اس کے حال پر ترس آتا ہے بالخصوص جب سزا پانے والا محبوب ترین شخص ہو جیسے اولاد یا بھائی وغیرہ۔ اس طرح حد کی تکمیل نہیں ہو سکے گی اور حقوق الٰہی کی ادائیگی میں کمی ہو گی اور زانی کو سو دُرے نہیں مارے جاسکیں گے۔ بلکہ اس کو ترک کرنے سے حد میں کمی واقع ہو گی۔ یا آہستہ مارنے پڑیں گے۔ ان تمام صورتوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو روکا ہے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے جن امور کا حکم فرمایا ہے ان میں رحم و کرم کرنا قبیح ہے۔

marfat.ocm

حدیث شریف قیامت میں ان حکام کو بارگاہِ حق میں لایا جائے گا جنھوں نے حدودِ متعینہ میں ایک دو ضربیں کم ماری ہوں گی اللہ تعالیٰ انھیں فرمائے گا کیا تم مجھ سے زیادہ رحیم تھے ؟ اس کے بعد حکم ہوگا کہ انھیں جہنم میں ڈال دو۔ پھر ان حکام کو لایا جائے گا جنھوں نے سزا میں زیادتی کی ہوگی یعنی مثلاً سو کوڑوں سے ایک دو زاید مارے ہوں گے۔ تو انھیں حکم ہوگا کہ تم نے حد مارنے میں کیوں زیادتی کی ؟ تو عرض کریں گے اس لیے کہ تیرے بندوں کو عبرت ہو اور وہ برائیوں سے باز آجائیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم مجھ سے بڑھ کر حکومت میں تھے۔ پھر حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں لے جاؤ۔

سوال : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ آیت ہذا سے ثابت ہوا کہ کسی کو برائیوں میں مرتکب ہوتا دیکھ کر بہ بنائے شفقت و رحمت نہ روکنا گناہ ہے اور قیامت میں اس کے متعلق مواخذہ ہوگا۔

جواب : واقعی ایسے ہوگا۔ لیکن اس سے وہ فطری شفقت مراد نہیں اس لیے کہ وہ تکلیف شرعی میں داخل نہیں بلکہ وہ رحمت و شفقت مراد ہے جو حدودِ شرعیہ کی اقامت سے مانع ہو اور احکامِ شرع کو معطل کرے۔ ایسی شفقت و رحمت سے باری تعالیٰ نے آیت ہذا میں منع فرمایا ہے۔

مسئلہ : بحر العلوم میں ہے کہ اس میں دلالت ہے کہ مخاطبین پر لازم ہے کہ حدودِ شرعیہ بالخصوص حدِ زنا میں جدوجہد کریں۔ اس میں ذرہ برابر بھی تخفیف کا خیال نہ کریں بلکہ جتنا ہو سکے زوردار چابک لگائیں اس کے بعد حدِ قذف میں امام زہری اسی طرح فرماتے ہیں البتہ حدِ شراب میں تخفیف چاہیے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ حدِ قذف و شراب میں تخفیف چاہیے لیکن حدِ زنا میں چابک زور زور سے مارے جائیں۔

اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ اگر تم اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان لاتے ہو۔ یہ برانگیختہ کرنے کے باب سے ہے اور غضبِ الٰہی اور عذابِ آخرت سے خوف دلانے کے قبیل سے ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی طاعت و عبادت میں جدوجہد کی جائے اور احکامِ الٰہیہ کے اجراء میں ذرہ برابر بھی کمی نہ کی جائے۔

ف : حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مخالفین کے ساتھ شفقت کرنے سے احباب و موافقین سے روگردانی کے مترادف ہے اور آخرت کی تذکیر میں اس کے اندر کے حساب و عذاب کی طرف اشارہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ جو بھی احکام الٰہیہ اور حدودِ شرعیہ سے چشم پوشی کرے گا یا انھیں بروئے کار نہ لائے گا وہ قیامت میں سخت سزا کا مستحق ہوگا۔ قیامت کو یومِ آخرت سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہی گویا آخری دن ہے کہ اس کے بعد کوئی دن ایسا نہ ہوگا جس میں رات ہو۔ پھر وہی سارے کا سارا گویا ایک ہی دن ہو جائے گا اور ظلمات (تاریکیوں) کا اجتماع ہو کر دوزخ میں رات ہی رات ہوگی۔

marfat.ocm

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

حلِ لغات: الشهود بمعنے الحضور۔ عذاب بمعنے کسی کو سخت درد پہنچانا۔ بعض مشایخ نے فرمایا کہ تعذیب بمعنے ڈنڈے کے گوشہ سے بہت زیادہ مارنا۔ اس کے علاوہ اور بھی معانی لکھے گئے ہیں اس کا عذاب نام رکھنا بھی سزا پر دلالت کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے عذاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا درد گناہ کے دوبارہ ارتکاب سے مانع ہوتا ہے۔ الطائفۃ بمعنے وہ گروہ جو کسی شے کو اردگرد محیط اور حلقہ ہو سکے۔ یہ طوف سے مشتق ہے یہاں پر وہ جماعت مراد ہے جس سے مجرم کی تشہیر اور اس کے لیے زجر کا سبب ہو سکے۔ المؤمنین سے صالحین مراد ہیں اس لیے کہ فاسق تو خود بھی اپنے جرائم و معاصی کی وجہ سے شرمسار ہوگا تو اس کا مجرم کی سزا کے وقت حاضر ہونا بے معنیٰ ہے اور اگرچہ امر وجوب کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں پر یہ امر استحباب کے لیے ہے۔ کذا قال الفقہا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ زانی و زانیہ کی سزا کے وقت اہلِ ایمان کے معتبر اور نیک بخت لوگوں کو موجود ہونا چاہیے۔ خلاصہ یہ کہ زانی اور زانیہ پر حد قایم کرتے وقت معتبر مومنین اور نیک لوگوں کا موجود ہونا اس لیے ضروری ہے کہ بسا اوقات کوڑے مار کر شرمسار کرنا بہت بڑی اور سخت سزا بن جاتا ہے۔ کیونکہ گندی شہرت سے مجرم اپنے جرائم و معاصی سے باز آجاتے ہیں۔

مسئلہ: غیر شادی شدہ زانی و زانیہ کو سو کوڑے مارے جائیں۔ کوڑا درمیانہ ہو جس میں کوئی گرہ نہ ہو۔ مرد کو کھڑا کر کے مارے جائیں سر اور منہ اور فرج کے سوا باقی بدن پر متفرق طور پر کوڑے مارے جائیں اور عورت کو بٹھا کر مارے جائیں، زاید کپڑوں کے سوا اس کا کوئی کپڑا نہ اتارا جائے۔

مسئلہ: عورت کے لیے گڑھا کھودنا جائز ہے، مرد کے لیے گڑھا نہ کھودا جائے۔

مسئلہ: سنگساری اور کوڑے کی سزا کو جمع نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ہی ایسے مجرم کو شہر بدر کیا جائے۔ ہاں اگر سیاسۃً ایسا کیا جائے تو جائز ہے۔

مسئلہ: زانی مریض ہو تو اسے سنگسار کیا جا سکتا ہے لیکن کوڑے کی سزا صحت یابی تک موقوف رکھی جائے۔

مسئلہ: حاملہ کو وضعِ حمل کے بعد سنگسار کیا جائے۔ اگر کوڑے مارنے ہوں تو نفاس سے فراغت کے بعد مارے جائیں۔

مسئلہ: غلام کو کوڑوں کی آدھی سزا ہے، کوڑوں کی سزا اس کا آقا نہیں قایم کر سکتا مگر حاکمِ وقت کی اجازت سے سزا دے سکتا ہے۔ (خلافاً للشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ)

حدیث شریف: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس علاقہ میں زنا کی حد قائم ہو وہ بہت بڑی فضیلت والا ہے۔ اقامتِ حدِ زنا چالیس روز کی مسلسل رحمت کی بارش سے بہتر ہے۔

مسئلہ: زنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

marfat.ocm

زنا کی نحوست حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! زنا سے بچو، اس لیے کہ زنا میں چھ خرابیاں ہیں، تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ تین دنیا میں یہ ہیں:

۱۔ عزت و آبرو ختم ہو جاتی ہے۔

۲۔ تنگدستی پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ عمر کم ہو جاتی ہے۔

وہ تین خرابیاں جو آخرت میں ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔

۲۔ حساب سخت ہوگا۔

۳۔ جہنم کا عذاب ہوگا۔

مسئلہ: بُری نگاہ سے دیکھنا بھی زنا ہے بلکہ بُری نگاہ شیطان کے زہریلے تیر ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے:

این نظر از دور چوں تیر است و سم
عشقت افزون می کند صبر تو کم

ترجمہ: بُری نگاہ تیر اور زہر ہے۔ اس سے برا عشق بڑھتا اور صبر کم ہوتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الزانیۃ والزانی میں اشارہ ہے کہ جب نفسِ امارہ زنا کرتا ہے، اس کا زنا یہ ہے کہ وہ شیطان کے تصرفات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے اور دنیا کے امور میں منہمک ہو جائے اور ان اعمال کا ارتکاب کرے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ نیز روح کے زنا کی طرف اشارہ ہے۔ اور روح کا زنا یہ ہے کہ وہ دنیا اور اس کی شہوات کی طرف جُھک جائے اور ان خواہشات کے تصورات میں ڈوب جائے جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ نفس اور رُوح کو بھُوکا رکھو اور شہوات اور ان کی جملہ تمناؤں سے انھیں دُور کر دو۔ اس طرح سے ان کا تزکیہ ہوگا۔ ایسی سزا سے نفس و روح کو دولتِ ادب نصیب ہوتی ہے ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ یعنی اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہے تو اس کے مخالفین سے بغض رکھو۔ نفس و رُوح جب احکامِ الٰہیہ کی مخالفت کریں تو ان پر رحم مت کرو اس لیے ان پر رحم کرنا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے اور جو نفس و روح پر رحم کرتے ہیں وہ انجامِ کار سے بے خبر ہیں اس لیے کہ نفس و روح کا تزکیہ و تصفیہ نہیں کرتا وہ اس شخص کی طرح ہے جو اپنے بیمار بچے کا علاج نہیں کرتا جیسے اس شخص کی شفقت بچے کے لیے مضر ہے ایسے ہی نفس و روح پر شفقت کرنے والا نقصان کر رہا ہے۔ اس لیے کہ مرض جیسے مریض کو تباہ و برباد کر دیتی ہے اپنے

marfat.ocm

نفس و روح کو اوامرِ حق کی مخالفت تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اس لیے دانا وہ ہے جو نفس و روح کے تزکیہ و تصفیہ میں غیر معمولی جدوجہد کرتا ہے ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ولیشھد عذابھما طائفۃ من المؤمنین اس میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ اہلِ شہود کی صحبت اختیار کرے اور ہر وقت نفس کی گوشمالی کرے اور رُوح کی تادیب میں کوتاہی نہ کرے اور نفس کی گوشمالی اور روح کی تادیب کے لیے شیخ کامل واصل باللہ کی توجہ کرم کا دامن پکڑے تاکہ وہ افراط و تفریط سے بچائے اور صراطِ مستقیم پر چلائے۔ اور یہی اس کی صحیح راہ ہے جس پر چل کر منزلِ مقصود تک پہنچ سکے گا۔

قطع این مرحلہ بے ہمرہی خضر مکن
ظلماتست بترس از خطر گمراہی

ترجمہ: اس منزل کو رہبر کے بغیر طے نہ کرنا اس لیے کہ یہاں بڑی تاریکیاں ہیں اس لیے گمراہی کا خطرہ رکھنا۔

تفسیر عالمانہ

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ۫ وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ

حلِ لغات: النکاح قرآن مجید میں بمعنے العقد یعنی تزوّج مستعمل ہے بمعنے وطی، یہ معنی قرآن مجید میں نہیں آیا۔ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ النکاح اصل میں بمعنے العقد کے ہے۔ اس کے بعد استعارۃً جماع کے معنی میں آتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کہ وہ اصل جماع کے معنی میں ہو، پھر استعارۃً بمعنے العقد آتا ہے اس لیے کہ جماع کے جملہ اسمائے کنایہ کے طور پر آتے ہیں۔ وُہ اس لیے کہ اہلِ عرب جیسے اس کے عمل کو ظاہر کرنا قبیح سمجھتے ہیں ایسے ہی اس کے نام لینے کو بھی قبیح جانتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ قبیح کو بہتر شے کے لیے استعارہ کیا جائے۔

مسئلہ: یہ حکم اغلب حال کے مطابق ہے اس لیے کہ اہلِ ایمان کو جہاں زنا کے ارتکاب سے روکا ہے وہاں زنا کے مرتکبین کے ساتھ نکاح سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے اور عادت کا تقاضا بھی یُونہی ہے کہ زنا کا عادی نیک عورتوں کی بجائے بدکردار عورتوں سے نکاح کا خواہشمند ہوتا ہے یا پھر اسے مشرک عورتوں سے نکاح کی آرزو ہوتی ہے۔ ایسے ہی فاسق و فاجر عورتوں کا حال ہے کہ وُہ بھی نیک انسانوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے بجائے برے اور مشرک مردوں سے نکاح کی خواہش رکھتی ہیں بلکہ وُہ نیک مردوں سے نفرت کرتی ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ جنسیت اور مشاکلت کو بھی معاشرہ میں بڑا دخل ہے۔ اور طبیعت کی ناموافقت کو نفرت اور وحشت بلکہ افتراق کی موجب بنتی ہے۔

ف: یہاں پر الزانی کو مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ نکاح میں اصل مرد ہے اس لیے کہ اس کی طلب پہلے اسی سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منگنی کا آغاز مرد کرتا ہے دوسری وجہ اس کی شانِ نزول ہے۔ مروی ہے

marfat.ocm

کہ فقراء مہاجرین نے مدینہ طیبہ کی دولتمند عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی رغبت ظاہر کی صرف اس ارادہ سے کہ ان غریبوں پر وہ دولت مند عورتیں خرچ کریں گی۔ ایسے ہی زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کی عادت تھی۔ چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ یہودیوں کے بعض لوگوں نے مدینہ کے مشرکین کی ہمسائیگی میں اپنے گھروں کے سامنے جھنڈے گاڑے ہوئے تھے تاکہ اہلِ اسلام کو ورغلا سکیں اور وہ اس ورغلانے پر مشرکین سے اجر و مزدوری لیتے تھے، بالخصوص غریب و مسکین مسلمان جو روزی سے تنگ تھے وہ ان کے ورغلانے پر ان کے دامِ تزویر میں پھنس جاتے اور پھر اسلام میں کمزور پڑ جاتے جب مشرکین کی دولت مند عورتوں سے نکاح کر لیتے۔ چنانچہ اس معاملہ میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی انھیں اس سے نفرت دلائی گئی اور سمجھایا گیا کہ یہ معاملہ زانیوں اور مشرکوں کا ہے تم اس سے بچو۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ زانی کا کام ہے کہ وہ یا تو زانیہ کے ساتھ نکاح کی رغبت کرے یا مشرکہ عورت کے ساتھ، اسی طرح زانیہ کا کام ہے کہ وہ زانی مرد یا مشرک سے نکاح کرے۔ فلہٰذا تم اے مسلمانو! ان کے گرد نہ گھومو تاکہ تم ان میں شمار نہ ہو جاؤ یا ان کی عادات کی پیروی کرو۔ جملہ اُولیٰ صرف تاکید کے لیے لایا گیا ہے ورنہ نفرت دلانے کے لیے جملہ ثانیہ کی ضرورت ہے اور تاکید سے جانبین کے علاقہ کی تاکید مراد ہے تاکہ تنفیر و زجر میں مبالغہ ہو۔ اس سے صرف شرک سے نفرت دلانی مراد ہے اور اس میں نفرت دلائی گئی ہے کہ گویا زانیہ مشرکہ ہے وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○ اور زانی کا نکاح حرام ہے مومنین پر، اس لیے کہ زانیوں سے نکاح کا تعلق اچھا نہیں اس لیے کہ وہ فاسق ہیں اور فاسقوں سے تشبیہ ناموزوں ہے اور تہمت میں ملوث ہونا بھی ہے اور نسب میں طعن و تشنیع اور قبیح شہرت بھی ہو گی ان کے علاوہ اور مفاسد اور خرابیاں بھی، جنھیں کمینے اور رذیل لوگ بھی برداشت نہیں کرتے تو پھر اہلِ ایمان کب برداشت کریں گے۔

مسئلہ: کمینے اور رذیل مردوں سے اہلِ ایمان کا نکاح مکروہ تنزیہی ہے اور اسے لفظ حرم سے تعبیر کرنا زجر و توبیخ ہے یا یہ آیت وانکحوا الایامی منکم سے منسوخ ہے اس لیے کہ ایامی کا لفظ زانیہ کو بھی شامل ہے۔ اس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا، اس کا اول زنا تھا لیکن اس کا آخر نکاح ہے اور حرام فعل (زنا) حلال (نکاح) کو حرام نہیں کرتا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بُری دوستی اور صحبت سے کنارہ کشی ضروری ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ان لوگوں سے دوستی اور تعلق ہو جو اللہ والے ہوں کیونکہ طبیعت کا طبیعت پر اثر ہوتا ہے۔ جیسے بعض امراض متعدی ہوتی ہیں ایسے ہی صحبت کا اثر دوسری طبائع پر پڑتا ہے۔

حدیث شریف: نہ مشرکین کے ساتھ ٹھہرو اور نہ ان کے اجتماع میں جاؤ، اس لیے کہ ان کے اجلاسوں

marfat.ocm

میں شرکت کرے گا یا ان کے ساتھ نشست و برخاست کرے گا وہ انھیں سے ہوگا، اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یعنی ایک گھر میں مشرکین کے ساتھ نہ رہو اور نہ ہی ایک مجلس میں اکٹھے ہو تاکہ ان کی عادات و اخلاق تمہارے اندر نہ گھس جائیں اور نہ ہی ان کی سیرت قبیحہ اثر انداز ہو، اس لیے لوگ اپنی مخصوص عادات و اخلاق پر زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کے ساتھی اور دوست اسی عادات و اخلاق کے ہوتے ہیں ؎

ہمہ مرغان کنند با جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

ترجمہ: تمام پرندے اپنے ہم جنسوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں کبوتر کے ساتھ کبوتر اور باز کے ساتھ باز۔

اور ہر ساتھی اپنے ساتھی کا ہم مثل ہوتا ہے ؎

عن المرء لا تسئل وابصر قرینه
فان القرین بالمقارن یقتدی

ترجمہ: کسی کی عادات و اخلاق دیکھنے ہوں تو اس کے دوست کو دیکھ لو، اس لیے کہ ہر ساتھی اپنے ساتھی سے پہچانا جاتا ہے۔

اہلِ فساد فسادیوں کے دوست ہوتے ہیں اور دل سے ان کے ساتھ ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر ان کے گھر ایک دوسرے سے بہت دور ہوں، اور نیک لوگ نیکوں کے دوست ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر ان کے مکانات میں بہت زیادہ فاصلہ ہو۔ کاشفی نے لکھا کہ جنسیت ملاقات کا سبب ہے اور ہم شکل ہونا الفت کا موجب ہے ؎

ہر کس مناسب گہر خود گرفت یار
بلبل بباغ رفت و زغن سوئے خارزار

ترجمہ: ہر شخص اپنی طبع کے مناسب دوست تلاش کرتا ہے، بلبل باغ کو جاتی ہے اور گدھ جنگلوں میں۔

مسئلہ: اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ وہ برے دوستوں سے دور رہیں تاکہ برے احوال و اعمال کا ان پر اثر نہ پڑے۔ زمخشری کے بلاغات میں سے ہے کہ اپنی نشست و برخاست اپنے ہم جنس لوگوں سے رکھیے۔ یعنی تمہیں چاہیے کہ ایسے کو دوست بناؤ جو تمہاری طبع کے موافق ہو۔ اس لیے کہ غیر جنس کو دوست بنانا سخت عذاب میں مبتلا ہونا ہے۔

مسئلہ: فقہی مسائل میں ہے کہ نصرانی عورت فربہ کو دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ کاش وہ نصرانی ہوتا اور اس سے نکاح

marfat.ocm

کرتا، تو ایسی تمنا کفر ہے۔ بعض نے کہا وہ اس لیے کہ موٹی عورتیں اہلِ ایمان بھی ہوتی ہیں لیکن چونکہ اس نے جنسیت کی آرزو کی اس لیے کافر ہوگیا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ بقدرِ امکان اپنے آپ کو بچائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ غیور ہے۔ اس کی غیرت سے ہر وقت ڈرنا چاہیے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ۔ الرمی اعیان میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے پتھر وغیرہا۔ اور کبھی گفتگو میں بھی آتا ہے جس سے گالی مراد ہوتی ہے۔ مثلاً بہتان تراشی وغیرہ۔ اگرچہ اس کا حقیقی معنیٰ مطلقاً پتھر مارنا وغیرہ ہے۔

الارشاد میں ہے کہ ان کی بہتان تراشی کو الرمی سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ جیسے رامی سے مرمی (جسے پتھر، تیر وغیرہ مارا جائے)، کو سخت درد پہنچتا ہے ایسے ہی جو پاکدامن عورتوں پر بہتان تراشا ہے انھیں بھی ایسے ہی ذہنی دکھ درد پہنچتا ہے اس لیے کہ زبان کا زخم بہ نسبت پتھر اور تیر کے زخم، گہرا ہوتا ہے۔

المحصنات پاک دامن عورتیں۔ اگر بالفتح ہو تو وہ عورتیں جو اپنی پاکدامنی کی حفاظت خود کریں۔ اگر بالکسر ہو تو ان کی حفاظت دوسروں سے ہوتی ہے۔ الحصن کا معنیٰ معروف ہے۔ اس کے بعد مجازاً اس شے کو کہا جاتا ہے جو دوسروں کی حفاظت کرے۔ مثلاً کہتے ہیں:

درع حصينة۔ (زرہ مضبوط)

وہ اس لیے کہ زرہ بدن کی حفاظت کرتی ہے۔ اور کہتے ہیں: فرس حصان۔ وہ اس لیے کہ گھوڑا اپنے سوار کی حفاظت کرتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے: امراۃ حصان۔ پاکدامن عورت کو کہتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں ہم نے محصنات کا معنیٰ زنا سے پاک دامن کا اس لیے کیا ہے کہ اس سے قبل زانی عورتوں کا بیان ہوا ہے۔ اس اعتبار سے یہاں محصنات سے زنا سے پاکدامن عورتیں مراد ہیں۔ یہاں پر محصنات کی تخصیص صرف اس لیے ہے کہ ان پر بہتان تراشی عموماً ہوا کرتی ہے ورنہ اس حکم میں عورتیں اور مرد برابر ہیں۔ اور المحصنات سے بھی اجنبی عورتیں مراد ہیں ورنہ اپنی عورتوں پر بہتان باندھنے کا مسئلہ اور ہے۔ اس کی تفصیل اس کے بعد آئے گی۔

مسئلہ: علماءِ کرام کا اتفاق ہے کہ احصان القذف کی پانچ شرائط ہیں:

۱۔ حریت
۲۔ بلوغ
۳۔ عقل
۴۔ اسلام
۵۔ عفۃ عن الزنا۔

marfat.ocm

یہاں تک کہ اگر کسی نے ایک بار اوّل بلوغ میں ایک بار زنا کر کے تائب ہوا اور پھر ہر طرح کی بُرائی سے محفوظ رہا اگر ایسے شخص پر کسی نے زنا کی تہمت باندھی تو بہتان تراشی پر کوئی حد نہیں۔

مسئلہ: زنا کی تہمت کے الفاظ یہ ہیں:

عاقل محصنہ (جس پر پہلے زنا کی تہمت نہ لگی ہو) کو کہے:

یا زانیہ یا ابن الزانی یا ابن الزانیہ یا ولد الزنٰی۔ یا تُو اپنے باپ کی نہیں۔ یا غصّے میں کہے کہ اے فلاں کی بیٹی۔ اور دوسرے کو قذف یعنی تہمت اور بہتان تراشی میں ہے:

یا فاسق یا شراب الخمر یا آکل الربا، یا خبیث یا نصرانی یا یہودی یا مجوسی۔

ان صورتوں میں اسی طرح تعزیر واجب ہے جیسے غیر محصن تہمت و بہتان تراشی سے۔

مسئلہ: تعزیر کی زیادہ سے زیادہ سزا انتیس کوڑے اور کم سے کم تین، تاکہ تعزیر کی سزا حد شرعی کے درجہ کو نہ پہنچے اس لیے کہ غلام کی حدِ شرعی چالیس کوڑے ہے جبکہ وہ غیر محصن پر سزا کی یا شراب پئے تو اسے چالیس کوڑے مارے جاتے ہیں۔ لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انھیں آزاد مرد کی سزا کے برابر اسّی کوڑے مارے جائیں۔ اس سے کم کا قول بھی ہے اور پانچ کوڑے بھی ایک روایت میں مذکور ہیں۔ اور ایک روایت میں سو کوڑا بھی منقول ہے۔

مسئلہ: حد اور تعزیر میں فرق یہ ہے کہ حد کی سزا مقرر ہے اور تعزیر کی کوئی سزا مقرر نہیں وہ حاکم وقت کی رائے اور اس کی صوابدید پر موقوف ہے نیز حد معمولی سے شبہ سے ساقط ہو سکتی ہے لیکن تعزیر ساقط نہیں ہوتی اور حد بچے پر نہیں لگتی، تعزیر جاری ہو سکتی ہے۔ اور حد کا اطلاق ذمی پر ہو گا اگرچہ مقدراً۔ اور تعزیر کا اس پر اطلاق نہ ہو گا، اس لیے کہ تعزیر تطہیر کے طور جاری کی جاتی ہے اور کافر تطہیر کا اہل نہیں، ہاں اہل ذمہ کی حد جبکہ غیر مقدر ہو کو عقوبت کہا جائے گا اور وقت گزر جانے سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ لیکن تعزیر ساقط نہ ہو گی۔ اس لیے دوسرے حقوق کی طرح تعزیر میں حق العبد ہے تعزیر میں معافی اور شہادۃ علی الشہادت جائز ہے اور اس میں قسم بھی جاری ہو سکتی ہے بخلاف حد کے کہ اس میں مذکورہ بالا کا اجراء نہیں ہو سکے گا۔

ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ پھر وہ چار گواہ نہیں لا سکتے جو ان کے دعویٰ کی گواہی دیں۔

مسئلہ: حدود میں عورتوں کی گواہی غیر قابلِ قبول ہے اس لیے کہ حدِ زنا میں اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

نکتہ: لفظِ ثمّ میں اشارہ ہے کہ اس معاملہ میں اگر گواہی دیر سے دی جائے تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک گواہوں کی گواہی بیک وقت ضروری ہے اسی لیے لفظ لم لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ فرداً فرداً گواہی کے قابل نہیں۔ اسی لیے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے گواہی کے لیے اجتماع الشہود کی قید لگائی ہے۔ یعنی گواہی کے وقت گواہوں کا ایک مجلس میں ہونا واجب ہے خواہ اس مجلس میں

marfat.ocm

گواہی فرداً فرداً ادا کریں۔ چاروں گواہوں کی قید سے ظاہر ہے کہ اگر ان میں ایک کم ہوگیا تو بہتان تراشوں پر نصاب کی کمی کی وجہ سے حد قذف ہوگی۔

مسئلہ: اگر تمام گواہ نابینے ہوں یا تمام محدود فی القذف ہوں یا ایک یا کوئی گواہ غلام ہو تو بھی بہتان تراشوں پر حد قذف ہوگی اس لیے کہ یہ لوگ شہادت کے اہل نہیں۔

فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً۔ ثمانین مصادر کی طرح منصوب ہے اور جلدۃ تمیز ہے اسی لیے منصوب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر بہتان تراش آزاد ہو تو اسے اسّی کوڑے، اگر غلام ہو تو چالیس کوڑے مارے جائیں کیونکہ ان کا جھوٹ ظاہر ہوگیا اور ان کی بہتان تراشی واضح ہو چکی ہے جبکہ چار گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو گئے ہیں۔

مسئلہ: اگر قاذف بہتان تراش زانی ہو تو قاذف پر تعزیر ہے، اس پر حد نہیں۔ مگر مقذوف، جس پر بہتان تراشا ہے ثابت ہو جائے تو نہ مقذوف معاف کر سکتا ہے اور نہ ہی اس سے معافی کی درخواست کی جا سکتی ہے۔

مسئلہ: ثبوت حد کے بعد اگر قاذف و مقذوف مال لے دے کر صلح کریں تو ایسی صلح ناجائز ہے۔ ہاں قبل از ثبوت حد مال وغیرہ سے صلح ہو سکتی ہے۔

مسئلہ: نابالغ اور مجنون اگر اپنی عورت پر افترا باندھیں یا کوئی اجنبی غیر عورت پر افترا کریں۔ اور گواہ نہ پیش کر سکیں تو ان پر حد نہیں اور نہ ہی لعان کر سکتے ہیں۔ بعد بلوغ اور مجنون کے بھی لعان وغیرہ نہیں کر سکتے۔ ہاں ان پر زجراً و تادیباً تعزیر ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے بار بار کسی پر زنا کی تہمت لگائی، اگر ایک ہی سے زنا کا افترا کیا تو گواہ نہ پیش کرنے سے اس پر ایک حد ہے۔ اگر مختلف نام لے کر افترا کیا، مثلاً کہا کہ تو نے زید اور عمرو سے زنا کرایا۔ اگر گواہ نہ ہو تو متعدد الفاظ کی وجہ سے اس پر متعدد حدیں قائم کی جائیں گی۔ (کذا فی الکبیر)

وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا۔ اس کا عطف اجلدوا پر ہے۔ اس کے حکم میں داخل اور اس کا تتمہ ہے۔ یعنی جیسے اس میں زجر و توبیخ ہے۔ ایسے ہی اس میں ان کی شہادت کا قبول نہ ہونا ان کے قلب کو دکھ درد پہنچے گا جیسے جلد سے بدن کو درد پہنچانا مطلوب تھا۔ ایسے ہی اس میں قلب کو درد پہنچانا مطلوب ہے تاکہ اسے اس درد کی پوری پوری سزا ملے جو اس نے مقذوف کو زبان سے درد پہنچایا۔ لھم میں لام فعل محذوف کے متعلق اور شہادت سے حال ہے اور شہادۃ سے لھم کو مقدم اس لیے کیا گیا کہ وہ نکرہ ہے۔

ف: ان کی شہادت قبول نہ کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ تہمت باندھنے سے ان کی شہادت ان سے سلب ہو گئی جبکہ وہ تہمت نہ باندھنے سے شہادت کے اہل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد کافر محدود فی القذف کی

marfat.ocm

شہادت قبول ہے۔ اس لیے کہ اسلام سے پہلے وُہ شہادت کا اہل نہیں تھا۔ جب اسلام قبول کیا تو اب وُہ شہادت کے قابل ہُوا اور حد قذف کا حکم اس اہلیت سے پہلے کا تھا۔ اب آیت کا معنی یُوں ہُوا کہ قاذفین کی شہادت کسی حال میں بھی قبول نہ کرو اس لیے کہ قذف سے وُہ شہادت کے اہل نہیں رہے۔ اَبَدًاۚ ان کی مدت العمر تک۔ اگرچہ اس گناہ سے توبہ کر کے نیک ہو جائیں وَ اُولٰٓئِكَ صرف وہی هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ فسق اور خروج عن الطاعۃ اور تجاوز عن الحد میں کامل ہیں۔ اس معنے پر گویا فاسقون میں لفظ فاسق کا صرف وہی مستحق ہے۔

مسئلہ: تفسیر الکبیر میں ہے کہ قذف کے مرتکب کو فاسق کہنے سے ثابت ہُوا کہ بہتان تراشی کبیرہ گناہ ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا یہ الفاسقین سے استثناء ہے مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ مگر وہ لوگ جنھوں نے بہت بڑے گناہ کے ارتکاب کے بعد توبہ کی وَ اَصْلَحُوْاۚ اپنے اعمال کی اصلاح کی۔ مثلاً حد قذف کے لیے سر جھکانا اور مقذوف سے معافی طلب کرنا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ جو استثناء سے فوائد حاصل ہوئے ان کی تعلیل ہے کہ وہ اللہ غفور رحیم ہے وہ بموجب فسق مواخذہ نہیں فرماتا اور نہ ہی انھیں فاسقون میں داخل فرماتا ہے اس لیے کہ وُہ بہت بڑی مغفرت و رحمت والا ہے۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت بڑا رحیم و کریم ہے کہ ان کی خطاؤں پر پردہ ڈالتا ہے باوجودیکہ ان کے اپنے عزیز و اقارب یا دوست وغیرہم ان کے عیوب و نقائص کو ظاہر کرنے کے درپے رہتے ہیں اور پھر اگر بندوں کا آپس میں کسی معاملہ پر اختلاف ہو جائے تو ان کا صدق و کذب کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ بلکہ ایک ایسا طریقہ ان کے سامنے رکھتا ہے کہ جس سے کسی ایک کو جھُوٹا نہیں قرار دیا جا سکتا۔ پھر حدود کا حکم دے کر انھیں ادب سکھایا تاکہ آیندہ ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کریں اسی لیے ان کی گواہی ہمیشہ کے لیے رد فرمائی اور ان کا نام فاسق رکھا تاکہ تادیب سے بُرائی کا ارتکاب نہ کریں نیز انھیں ترغیب دلائی کہ وہ صفاتِ ستاریہ و کریمیہ و رحیمیہ سے موصوف ہوں اپنے بھائیوں کے عیوب و نقائص کو چھپائیں ان کی خطاؤں اور غلطیوں کے افشاء سے احتراز کریں۔

حدیث شریف ۱: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بندے سے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے جو دوسروں کے عیوب و نقائص کا اظہار کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اے زبان سے ایمان قبول کرنے والو، اور دل سے منکرو، یعنی منافقو! مسلمانوں کے عیوب و نقائص کے درپے نہ رہو، اس لیے کہ جو بھی کسی دُوسرے بھائی کے عیوب و نقائص کے درپے رہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ محشر میں برسرِ میدان عوام کے سامنے رُسوا فرمائے گا۔

حدیث شریف ۲: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کسی مسلمان کا عیب و خطا چھپاتا ہے

marfat.ocm

قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کے عیب و خطا چھپائے گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ منہ عیب خلق فرومایہ پیش
کہ چشمت فرو دوزد از عیب خویش

۲ گرت زشت خوئے بود در سرشت
نہ بینی ز طاؤس جز پائے زشت

۳ طریق طلب کز عقوبت رہی
نہ حرفے کہ انگشت بروئے نہی

ترجمہ : ۱۔ نالائق مخلوق کے عیب ظاہر نہ کر، اس لیے کہ تیرے عیب سے تیری آنکھ بند ہے۔

۲۔ اگر کوئی بری عادت تجھ میں ہے (تو تجھے نظر نہیں آتی) جیسے مور کو اپنے پاؤں کا عیب۔

۳۔ طریقت کے راہ میں یہی ہے کہ عذاب سے نجات پانا ہے تو کسی کے عیب پر انگشت نمائی نہ کر۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ کمال مہربانی اور نوازش فرماتا ہے کہ گناہوں کے ارتکاب پر ان کی توبہ قبول فرما لیتا ہے اگرچہ وہ کتنے ہی بڑے گناہ ہوں۔ لیکن صرف زبانی توبہ سے قبولیت کی امید نہیں رکھنی چاہیے جب تک انسان اپنے فساد حال کے ازالہ اور اصلاح اعمال کا مظاہرہ نہ کرے۔

بعض مشایخ نے فرمایا کہ اصلاح اعمال و ازالہ فساد حال اور توبہ کی قبولیت کی ایک علامت یہ ہے کہ بندہ اپنے برے عمل سے مکمل طور پر نہ صرف باز آجائے بلکہ اس کی ہر طرح سے مذمت کرے اور اس سے زمانۂ سابق میں جو کچھ ہوا اس پر اظہارِ ندامت کرے اور علم و عمل کی اتباع میں سر کی بازی لگائے۔ جو شخص توبہ کے بعد ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتا اسے توبہ کی قبولیت کی امید نہیں رکھنی چاہیے ؎

۱ فرا شو چو بینی در صلح باز
کہ ناگہ در توبہ گردد فراز

۲ مرو زیر بار گناہ اے پسر
کہ حمال عاجز بود در سفر

۳ بہشت او ستاند کہ طاعت برد
کرا نقد باید بضاعت برد

marfat.ocm

۴ اگر مرغِ دولت ز قیدت بجست
ہنوزش سر رشتہ داری بدست

ترجمہ: (۱) آگے بڑھ جب صبح کا دروازہ کھلا ہے کہ اچانک توبہ کا دروازہ بند ہو گا۔

(۲) اے عزیز! گناہوں کے بوجھ تلے مت آ، اس لیے کہ بوجھ والا سفر میں عاجز ہو جاتا ہے۔

(۳) بہشت وہ لے گا جو نیکی لائے گا، جس کے پاس نقد پیسہ ہوتا ہے سامان وہی خریدتا ہے۔

(۴) اگر دولت کا مرغ تجھ سے بھاگ گیا۔ اسے مضبوط رکھ کر ابھی اس کی رسّی کا سرا تیرے ہاتھ میں ہے۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ موت سے پہلے اپنے اعمال کی اصلاح کرے ورنہ جب موت آ جائے گی تو پھر اصلاحِ اعمال کا موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ اب ان لوگوں کا بیان ہے جو اپنی عورتوں پر تہمت باندھتے ہیں اس سے قبل ان لوگوں کا بیان تھا جو غیروں پر بہتان تراشی کا ارتکاب کرتے تھے۔ یعنی وہ لوگ جو اپنی عورتوں پر زنا کی تہمت باندھتے ہیں۔ مثلاً کہا:

یا زانیۃ یا زنیتِ۔ تُو نے زنا کیا۔

یا رأیتك تزنی۔ میں نے تجھے زنا کراتے دیکھا۔

مسئلہ: بحر العلوم میں ہے کہ جب کسی نے اپنی عورت سے کہا: یا زانیۃ۔ (حالانکہ وہ دونوں محصن ہیں) عورت نے جواب دیا: لا، بل انت۔ میں تو زانیہ نہیں بلکہ تُو ہے۔ اس صورت میں عورت پر حد ہے کیونکہ اس نے اپنے شوہر پر تہمت باندھی اور مرد پر حد نہیں، بلکہ وہ چاہے تو لعان کرے۔

مسئلہ: قاذف پر بھی جب تک دعویٰ دائر ہو کر حاکمِ وقت کے ہاں مقدمہ پیش نہ ہو اس وقت تک وہ لعان نہ کرے۔

لعان کا آغاز حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب آیت والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یأتوا باربعۃ شھداء نازل ہوئی تو عاصم بن عدی الانصاری نے کہا کہ اگر کوئی اچانک گھر میں داخل ہو اور اپنی عورت کے ساتھ کسی غیر مرد کو بُرائی کرتا دیکھے اور وہ چار گواہ تلاش کرنے جائے تو اس وقت تک وہ برائی سے فارغ ہو کر نکل جائے گا اور اگر اسے اس حالت میں قتل کر دے تو پھر قاتل قتل کیا جائے گا، اور اگر وہ کہے کہ میں نے اپنی عورت کے ساتھ فلاں کو بُرائی کرتے دیکھا تو حدِ قذف میں کوڑے کھائے گا۔ اگر خاموش رہے گا تو غیظ و غضب سے رہا نہ جائے گا تو اب کیا کرے؟ اے اللہ تعالیٰ! تُو ہی ہماری اس مشکل کو حل فرما دے۔

اسی عاصم کا چچا عویم نامی تھا۔ اس کی بیوی خولہ بنت قیس تھی وہ اپنے چچازاد عاصم کے پاس آیا اور

marfat.ocm

کہا کہ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ شریک بن سحماء کو برائی کرتے دیکھا ہے۔ عاصم نے سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضری دی اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ابھی ابھی آپ سے جو سوال کیا تھا اس میں میرے خاندان کے لوگ بہت جلد آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کیسے؟ عرض کی: میرے چچازاد عویمر نے کہا کہ میں نے اپنی عورت خولہ کے ساتھ شریک کو برائی کرتے دیکھا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو بلایا اور سب سے پہلے عویمر سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: اے عویمر! اپنی چچازاد یعنی اپنی زوجہ کے بارے میں خوفِ خداوندی کو سامنے رکھیے اس پر بہتان تراشی نہ کیجئے۔ عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بخدا! میں نے شریک کو اپنی عورت کے پیٹ پر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور چار ماہ سے میں نے اپنی زوجہ سے مجامعت بھی نہیں کی اور اب وہ حاملہ ہے۔ اس سے واضح ہے کہ وہ حمل غیر کا ہے۔ پھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زوجہ خولہ سے فرمایا کہ خدا کا خوف کھا کر سچ سچ کہہ دے۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عویمر ایک باغیرت انسان ہے اس نے شریک کو دیکھا کہ وہ میری طرف غور سے دیکھتا اور کبھی کبھی میرے ساتھ گفتگو کرتا۔ محض اتنی سی بات پر میرے شوہر نے مجھ پر تہمت باندھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جھگڑے پر یہ آیت نازل ہوئی: والذین یرمون ازواجہم۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت پر قذف کے بجائے لعان کیا جائے۔ اس لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت نماز کے اعلان کا حکم فرمایا۔ عصر کی نماز ادا کر کے عویمر کو فرمایا: اٹھ کھڑا ہو اور کہہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ بخدا! خولہ زانیہ ہے اور میں یقیناً سچا ہوں۔" پھر دوبارہ کہلوایا کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ بخدا! میں نے شریک کو اپنی عورت سے زنا کرتے دیکھا۔ اور واقعی میں سچا ہوں۔" تیسری بار فرمایا: کہو "میں گواہی دیتا ہوں کہ بخدا! خولہ میرے غیر سے حاملہ ہوئی ہے اور یقیناً میں سچا ہوں۔" چوتھی بار کہلوایا کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ بخدا! خولہ زانیہ ہے اور میں نے اس کے ساتھ چار ماہ سے جماع نہیں کیا اور میں یقیناً سچا ہوں۔" پانچویں بار کہلوایا کہ "عویمر پر لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو۔" اس کے بعد عویمر سے فرمایا: بیٹھ جا۔ اور خولہ سے فرمایا: اٹھ کھڑی ہو۔ جب وہ اٹھی تو اس سے کہلوایا کہ "میں گواہی دیتی ہوں کہ میں سچی ہوں میرا شوہر جھوٹا ہے۔" دوسری بار کہلوایا کہ "میں گواہی دیتی ہوں کہ شریک نے میرے ساتھ زنا نہیں کیا میرا شوہر جھوٹ بولتا ہے۔" تیسری بار کہلوایا "میں گواہی دیتی ہوں کہ میں اپنے شوہر عویمر سے حاملہ ہوں وہ جھوٹ بولتا ہے کہ میرا حمل اس کے غیر سے ہے۔" چوتھی بار کہلوایا کہ "میرے شوہر نے مجھے برائی کرتے نہیں دیکھا، وہ جو کچھ کہتا ہے جھوٹ بولتا ہے۔" پانچویں بار کہلوایا کہ "خولہ پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اگر عویمر اپنے دعوے میں سچا ہو۔" ان گواہیوں کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان جدائی کا حکم صادر فرمایا اور فرمایا کہ جب لڑکا پیدا ہو تو اس کی ماں کے حوالے کر دینا اسے باپ کی طرف منسوب نہ کرنا۔ چنانچہ

marfat.ocm

یہی مضمون قرآن مجید میں یوں ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اور وہ لوگ جو اپنی عورتوں پر تہمت لگاتے اور ان کے پاس گواہ بھی نہیں جو ان کے دعوے پر ان کے لیے گواہی دیں۔ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ یہ شھداءُ سے بدل ہے اور انہیں شھداءُ میں شامل کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کی بات دعوٰی کے طور کہنا بھی ایک قسم کی شہادت ہے۔ اس معنے پر ان کی بات کو بھی شہادت میں شامل کیا جائے گا فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ یہ مبتدا ہے اس کی خبر اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ ہے۔ یعنی ان میں سے ہر ایک کی شہادت مشروعہ چار شہادتیں ہوں بِاللّٰهِ شَهٰدٰت کے متعلق ہے اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ بخدا وہ جو اپنے دعوے میں سچا ہے۔ یہاں لفظ علیٰ محذوف ہے۔ حرف جارہ کو حذف کر کے ان کو مکسور پڑھا گیا ہے تاکہ مضمون کی تاکید ہو جائے وَالْخَامِسَةُ اور پانچویں شہادت۔ یعنی ان چاروں کے بعد پانچویں شہادت کو ملا کر یہ پانچ شہادتیں ہوں گی۔ اور پانچویں شہادت میں کہے اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ لعنت بمعنے طرد و ابعاد ہے۔ اور آخرت میں اس کا اثر عذاب سے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کے قبولِ فیض و توفیق سے محرومی۔ اور انسان کا اس طرح کہنا اس کی بددعا پہ دلالت کرتا ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ کفار پر لعنت تاقیامت مسلسل رہے گی۔ اور مسلمانوں کی لعنت خیر سے دُوری کا نام ہے اور جو بھی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اس وقت خیر و بھلائی سے دُور ہو جاتا ہے اور جب معصیت کو چھوڑ کر نیکی کرتا ہے تو وہ خیر و بھلائی کے قریب ہو جاتا ہے۔

اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ اگر وہ جھوٹا ہو اس دعوٰی میں جو اس نے زنا کی تہمت لگائی ہے۔

مسئلہ: جب مرد عورت سے لعان کر چکے تو پھر عورت کو قید کیا جائے یہاں تک کہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرے تو سنگسار کی جائے یا وہ بھی لعان کرے۔

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ جس عورت پر تہمت باندھی گئی ہے اس سے دنیوی عذاب دفع کرنے کے لیے اور دنیوی عذاب میں ایک سنگساری ہے اور یہی عذاب شدید ترین ہے۔ دَرْءٌ بمعنے دفع۔

حدیث شریف میں ہے:

ادرأوا الحدود بالشبہات۔

(حدود کو شبہات سے دفع کرو)

اس میں اشارہ ہے کہ مجرم کو حد سے بچانے کے لیے جائز حیلہ بنانا جائز ہے۔

اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ یہ کہ عورت چار گواہیوں میں کہے بخدا اس کا

marfat.ocm

شوہر جھوٹا ہے اس دعویٰ میں جو اس نے مجھ پر تہمت باندھی۔ وَالْخَامِسَةُ منصوب ہے اس کا عطف اربع شہادات پر ہے۔ یعنی پانچویں شہادت پر کہے اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا۔ الغضب بمعنٰی انتقام کے ارادہ پر قلب کے خون کا کھولنا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
غصہ سے بچو، اس لیے کہ ابن آدم پر وہ ایک انگارہ ہوتا ہے جو غصہ سے روشن ہوتا ہے۔ کیا تم نے غصہ والے کو نہیں دیکھا کہ غصہ کے وقت اس کی رگیں پھول جاتی ہیں اور آنکھیں سُرخ ہو جاتی ہیں۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کی طرف غضب کی نسبت بایں معنی جائز ہے کہ وہاں پر مطلقاً غیر سے بدلہ لینا مراد ہوتی ہے۔
اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۔ اگر میرا شوہر سچا ہو اس دعویٰ میں جس میں اس نے مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے۔

نکتہ: عورت کے لیے غضب اور مرد کے لیے لعنت کے استعمال میں عورت پر تغلیظ مطلوب ہے اس لیے کہ عورتوں میں فسق و فجور کا مادہ زیادہ ہے بہ نسبت مردوں کے۔ علاوہ ازیں عورتیں اپنی عام گفتگو میں لعنت کو بہت زیادہ استعمال کرتی ہیں اس لیے انہیں لعنت کے لفظ سے کوئی خطرہ نہیں ہوگا بخلاف لفظ غضب کے کہ اس سے اسے خطرہ ہوگا جبکہ ایک غیر مانوس لفظ اس کے سامنے آئے گا۔

مسئلہ: عورت لعان کے بعد مطلقہ بائنہ ہوگی۔ یہی امام ابوحنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کا مذہب ہے اور اس کا حکم تابیدی بھی نہیں یہاں تک کہ اگر مرد بعد کو کہے کہ میں نے لعان میں جھوٹ کہا ہے میری عورت کا کوئی قصور نہیں۔ اب اسے مطلقہ بائنہ نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کے ساتھ نکاح کر لے۔ لیکن اس جھوٹ کی وجہ سے اس پر حدِ قذف ہوگی۔ لیکن امام ابویوسف و زفر و حسن بن زیاد و شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ فرقت دائمی ہوگی اس سے طلاق کو کوئی تعلق نہ ہوگا اور دائمی فرقت کا یہ معنٰی ہے کہ اب کے بعد عورت و مرد آپس میں نکاح نہیں کر سکتے۔

مسئلہ: اگر زوج اہلِ شہادت سے نہ ہو مثلاً وہ عبد ہو یا کافر، اور عورت مسلمان ہو گئی اس وقت اس نے اپنی عورت پر زنا کی تہمت لگائی قبل اس کے کہ شوہر کو اسلام کی دعوت دی جاتی یا محدود فی القذف ہو اور عورت اہلِ شہادت سے ہے تو مرد پر حد ہے اور لعان نہ ہوگا اس لیے کہ یہاں لعان کا موقعہ معدوم ہے۔ لعان کے تفصیلی مسائل ایسے ہی قذف کے جملہ مسائل کتبِ فقہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا کا جواب محذوف ہے اور اسے اس لیے محذوف کیا گیا ہے تاکہ بندے کے خوف و خشیت میں اضافہ ہو۔ نیز معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا

marfat.ocm

احصاء نہیں ہو سکتا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے تہمت تراشنے والو! اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا ایسے ہی اگر تمہارے افعال و اقوال کی کوتاہیوں کی توبہ قبول نہ کرتا اور اس کے احکام شرعیہ کے اجراء میں حکمتِ بالغہ نہ ہوتی منجملہ ان کے ایک لعان کا حکم بھی ہے تو تم پر ایسے عذاب کا نزول ہوتا جس کا بیان تمہارے لیے ناممکن ہے۔ منجملہ اس عذاب کے ایک یہ بھی ہے کہ اگر لعان کا حکم مشروع نہ فرماتا تو زوج پر حدِ قذف لازم ہو جاتی حالانکہ لحاظ ہر اس کی بات ماننی پڑتی اس لیے کہ زوج اپنی زوجہ کے حالات کو خوب جانتا ہے اور نیز یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اپنی عورت پر ایسا افتراء نہ کرتا کیونکہ فضاحۃ و قباحت میں دونوں شریک ہیں۔ لیکن چونکہ لعان وغیرہ سے کسی قسم کی قباحت نہیں اس لیے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے نیز اگر اس کی شہادت اس کے لیے حدِ قذف کی موجب ہوتیں تو بھی اس کے ساتھ شفقت کیسی! بہرحال جملہ امور حکمتِ ایزدی اور اس کے لطف و کرم پر دلالت کرتے ہیں ان ہر ایک کی شہادت باوجودیکہ ان میں ایک کا جھوٹا ہونا لازمی ہے ایک دوسرے سے دنیوی سزا سے دفع کرنے والی ہے۔ یہ بھی اس کے کریم ہونے پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے حکمت سے ایسا حکم جاری فرمایا کہ جس سے بندوں کو دُکھ تکلیف نہ ہو۔ اس دعویٰ میں سچے کی تو بات ظاہر ہے جھوٹے کے لیے بھی رحمت ہے بایں معنیٰ کہ اسے مہلت مل گئی۔ اور دنیا میں اس کا پردہ رہ گیا اور اس سے حد دفع ہو گئی اور توبہ کے لیے اسے وقت مل گیا۔ یہ سب اس کی رحمت اور فضل و کرم ہے۔ کتنی ہی بلند شان کا مالک ہے اور بہت بڑی رحمت اور فضل و کرم والا ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اگر تم پر اللہ کی رحمت اور اس کا فضل و کرم اور بخشش نہ ہوتی اور وہ تمہاری توبہ قبول کرنے والا نہ ہوتا ایسے ہی وہ احکام کے لیے حدود قائم نہ فرماتا تو تم رسوائی میں مبتلا ہوتے اور پھر جھوٹے کو سخت سزا ملتی، ایسے ہی فضلِ خداوندی شامل نہ ہوتا کہ اس نے اپنی سزا میں تاخیر نہ فرمائی ہوتی تو تم ہلاک ہو جاتے یا اگر فضل و کرم نہ ہوتا کہ فواحش سے زواجر و نہی نہ فرماتا تو تمہاری نسلیں منقطع ہو جاتیں اور لوگ ایک دوسرے کو تباہ و برباد کر ڈالتے یا یہ کہ اگر تم پر بخششِ الٰہی نہ ہوتی کہ تمہاری توبہ قبول نہ فرماتا تو تم ناامیدی میں سرگرداں رہتے۔ اس کریم نے تمہیں اپنی مدد اور توفیقِ توبہ عطا فرمائی ورنہ تم منزلِ مقصود تک ہرگز نہ پہنچتے۔

ف

گر توبہ مددگار گنہگار نبودے — او را کہ بسر حد کرم راہ نمودے

در توبہ نبودے کہ در فیض کشودے — زنگ غم از آئینہ عاصی کہ زدودے

ترجمہ: اگر توبہ گنہ گار کی مددگار نہ ہوتی تو اسے سرحدِ کرم تک کون پہنچاتا۔ توبہ کا دروازہ نہ ہوتا توفیض کا دروازہ کب کھلتا، عاصی کے آئینہ سے غم کا زنگ کون صاف کرتا!

(باقی بر صفحہ ۱۴۹)

marfat.ocm

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ

بے شک وہ کہ یہ بڑا بہتان لائے ہیں تمہیں میں کی ایک جماعت ہے اسے

شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم

اپنے لیے برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہے ان میں ہر شخص کے لئے وہ گناہ

مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا إِذْ

ہے جو اس نے کمایا اور ان میں وہ جس نے سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بڑا عذاب ہے کیوں نہ ہوا جب

سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ

تم نے اسے سنا تھا کہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں پر نیک گمان کیا ہوتا اور کہتے یہ کھلا بہتان

مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ لَّوْلَا جَاءُو عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ

ہے اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے تو جب گواہ نہ لائے تو وہی اللہ کے

عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا

نزدیک جھوٹے ہیں اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر دنیا

وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ

اور آخرت میں نہ ہوتی تو جس چرچے میں تم پڑے اس پر تمہیں بڑا عذاب پہنچتا جب تم ایسی بات اپنی زبانوں

وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ

پر ایک دوسرے سے سن کر لاتے تھے اور اپنے منہ سے وہ نکالتے تھے جس کا تمہیں علم نہیں اور اسے سہل سمجھتے تھے

اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا

اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے اور کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا کہا ہوتا کہ ہمیں نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کہیں

سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿١٦﴾ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِن كُنتُم

الٰہی پاکی ہے تجھے یہ بڑا بہتان ہے اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب کبھی ایسا نہ کہنا اگر ایمان رکھتے

مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧﴾ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ

ہو اور اللہ تمہارے لیے آیتیں صاف بیان فرماتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے وہ لوگ جو چاہتے

يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا

ہیں کہ مسلمانوں میں برا چرچا پھیلے ان کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت

marfat.ocm

وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۹ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر
وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۰
نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ تم پر نہایت مہربان مہر والا ہے تو تم اس کا مزہ چکھتے

ع ۸ ۲

ف: بعض مشایخ نے فرمایا ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وانہ ولولا فضل عبادتکم وصلاتکم وجہادکم وحسن قیامکم بامر اللہ۔ یعنی تمہاری عبادت اور نماز اور اوامر الٰہی کے بجالانے کی فضیلت نہ ہوتی تو تم ہرگز نجات نہ پا سکتے تاکہ ہم ظاہر کریں کہ یہ تمہاری عبادت کا نتیجہ ہے ؎

چو روے بخدمت نہی بر زمین
خدا را ثنا گوے و خود را مبین

ترجمہ: جب تم خدمت کے لیے منہ زمین پر رکھو تو صرف اللہ تعالیٰ کی تعریف کرو خود کو درمیان میں نہ لاؤ۔

اے اللہ! ہمیں اہل فضل وعطأ ومحبت وولا سے بنا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ بے شک وہ لوگ جو لائے ہیں افک یعنی بہت بڑا افترا و کذب، جو بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تراشا گیا۔

حل لغات: الافک کا حقیقی معنی ہے القلب یعنی الصرف۔ کیونکہ وہ افترا جو کسی پر تراشا جاتا ہے وہ گویا اپنے طریقے سے ہٹ گیا ہے۔ اس سے وہی بہتان مراد ہے جو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر تراشا گیا۔ مناسبت ظاہر ہے کہ وہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا جو ثنا و ستائش کی مستحق تھیں، کیونکہ امانت و دیانت و صداقت اور عفت و شرافت آپ پر ختم تھی لیکن باوجود اینہمہ آپ کو قبیح امر سے متہم کیا گیا اس معنے پر جس نے آپ پر بہتان تراشا اس نے گویا اچھے اوصاف کو گندے اوصاف سے بدل ڈالا۔

واقعۂ افک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کو تشریف لے جاتے تو قرعہ ڈالتے۔

ف: القرعۃ بالضم، مٹی یا آٹا گوندھ کر اس کے اندر ایک کاغذ رکھ دیا جاتا جس پر سفر یا حضر لکھا ہوتا وہ کسی انجان بچے کو دے کر کہا جاتا کہ وہ ازواجِ مطہرات میں سے کسی ایک کو دے دے۔ وہ جسے دیتا اس پر عمل کیا جاتا (کذا فی القہستانی) جس بی بی کے نام قرعہ نکلتا حضور علیہ السلام اسی بی بی کو سفر میں ساتھ لے جاتے۔ چنانچہ ہجرت کے پانچویں سال غزوہ بنی المصطلق کو جاتے ہوئے آپ نے قرعہ ڈالا تو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام نکلا۔ اس غزوہ کا دوسرا نام غزوۂ المریسیع ہے۔ (کذا فی انسان العیون) بنو المصطلق قبیلہ خزاعہ کی

marfat.com

ایک شاخ کا نام ہے۔ المصطلق ، الصلق سے مشتق ہے بمعنے رفع الصوت۔ اور المریسیع خزاعہ کے پانی کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ یہ وسعت عین الرجل سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کی آنکھ کی خرابی کی وجہ سے آنسو بہائے۔ یہ چشمہ قدید کے ایک کنارے پر واقع تھا۔

ف : القاموس میں ہے کہ المریسیع ایک کنواں ہے یا ایک چشمے کا نام ہے۔ غزوہ بنی المصطلق اسی کی طرف منسوب ہے۔ غزوۂ مذکورہ میں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشریف لے گئیں اور یہ آیۃ حجاب کے نزول کے بعد کا واقعہ ہے آیۃ حجاب یایھا الذین لا تد خلوا بیوت النبی ہے۔ اس لیے کہ یہ آیت ۵ھ میں نازل ہوئی۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جنگ سے واپسی پر مجھے ہودج میں بٹھا دیا گیا جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو ایک جگہ قیام کیا۔ ہودج سے نکل کر قضائے حاجت کے لیے میں قافلہ سے کچھ دور چلی گئی۔ جب میں ضرورت سے فارغ ہوئی اپنے سامان کی طرف لوٹی، اچانک میں نے اپنے سینے پر ہاتھ لگایا تو ہار کو گم پایا جو شہر ظفار کا بنا ہوا تھا۔ ظفار، صنعا کے قریب علاقہ یمن کا ایک شہر ہے۔ الجزع بالفتح و سکون الزاء المعجمہ بمعنے خرزیمانی، وہ موتی جس میں سیاہی و سپیدی دونوں ہوں، اور وہ آنکھ کے مشابہ ہوتا ہے۔ (کذا فی القاموس) اس زمانے میں وہ بارہ درم کی قیمت کا تھا۔ بی بی صاحبہ فرماتی ہیں اس ہار کو تلاش کرتے مجھے دیر ہو گئی۔ میرے کجاوہ بردار آئے، ان کا سردار ابو مویہبہ تھا وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام تھا، نہایت صالح انسان تھا۔ اس کے ساتھ ایک جماعت تھی جو بی بی صاحبہ کا کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھتی تھی۔ حسبِ عادت انہوں نے میرا کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا اور چل پڑے، ان کا خیال تھا کہ میں کجاوے میں ہوں۔ اس وقت عورتیں ہلکی پھلکی تھیں کیونکہ گوشت خوری سے موٹاپا پیدا ہوتا ہے اس وقت گوشت خوری نہ تھی (کذا فی انسان العیون) جب وہ کجاوہ اونٹ پر رکھ کر چلے گئے تو مجھے ہار مل گیا، میں اپنے مقام پر پہنچی تو قافلہ وہاں سے روانہ ہو چکا تھا۔ میں اس خیال سے وہیں بیٹھ گئی کہ جب وہ مجھے اونٹ پر ہودج میں نہیں پائیں گے تو وہ میری تلاش میں واپس آئیں گے۔ مجھ پر نیند غالب آگئی تو تھوڑی دیر کے لیے میں سو گئی۔ اندریں اثنا صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ تشریف لائے وہ اس کام پر مامور تھے کہ ہمیشہ لشکر کے پیچھے رہتے تاکہ اگر کوئی چیز پیچھے رہ جائے یا گر پڑے تو وہ اسے اٹھا لائیں۔

قرطبی نے فرمایا کہ انھیں صاحب ساقہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا جاتا۔ اور صحابہ میں یہ برگزیدہ صحابی تھے کما فی الانسان۔

(حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) جب وہ میرے پاس پہنچے، دیکھا کہ میں سو رہی ہوں، میرے قریب آئے اور مجھے پہچان لیا اور ان کے انا للہ و انا الیہ راجعون کہنے پر میں بیدار ہو گئی۔ اور انہوں نے

marfat.ocm

یہ پڑھا بھی اسی لیے کہ میں جنگل میں تنہا تھی۔ یہ بھی ایک بہت بڑی مصیبت ہے۔ میں نے چہرے پر دوپٹہ ڈالا، یہ ایک چھوٹا سا کپڑا تھا جسے مقنعہ کہا جاتا ہے جس کے ساتھ عورتیں سر باندھتی ہیں۔ اُنھوں نے میرے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا ان کا ادب تھا۔ انہوں نے اونٹ بٹھایا، میں اس پر بیٹھ گئی اور وہ اونٹ کی مہار پکڑ کر چل دیئے۔ یہاں تک کہ ہم دوپہر کے وقت قافلے سے جا ملے۔ وہ بھی اُتر چکے تھے۔

مسئلہ: اسی واقعہ سے فقہاء کرام نے ثابت کیا ہے کہ اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں رہنا جائز ہے جب سفر طویل ہو بلکہ جب عورت کو کسی قسم کا خطرہ ہو، تو واجب ہے۔

نکتہ: حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے معانی الآثار میں لکھا کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا تمام عالم اسلام کے لیے محترم تھیں (اس لیے کہ آپ تمام اہلِ ایمان کی ماں تھیں) اور اس وقت دوسری عورت بھی ساتھ نہ تھی اس لیے حضرت صفوان کو مجبوراً بی بی صاحبہ کے ساتھ چلنا پڑا۔

صاحبِ روح البیان کی تشریح فقیر (اسماعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے امام صاحب کا مقصد یہ ہے کہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سب کی سب اُمت کی محارم ہیں کما قال تعالیٰ:

وازواجه امهاتهم۔

اور ان کے ساتھ نکاح بھی حرام ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ولا تنکحوا ازواجه من بعده ابدا۔

لیکن ان سے افضل بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضور علیہ السلام کو قریب تر بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں اس لیے بابِ دین میں جتنا وافر حصہ بی بی خدیجہ کے بعد بی بی عائشہ کو نصیب ہوا اور کسی بی بی کو نصیب نہیں ہوا، اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے میرے دین کی دو تہائیاں حاصل کرو۔ اس معنے پر بھی بی بی صاحبہ کی حرمت اور مؤکد ہو جاتی ہے۔ اسی لحاظ سے بی بی صاحبہ سے سفر و حضر میں دین حاصل کرنا ضروری ہے (واللہ اعلم)۔ بی بی صاحبہ فرماتی ہیں کہ جب ہم مدینہ طیبہ پہنچ چکے اس کے بعد بہت سے بدقسمت بہتان وافتراء کر کے تباہ و برباد ہوئے ان سب کا سرِ فہرست اور پہلا افتراء کرنے والا عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین تھا۔ یہ بدبخت اپنی جماعتِ منافقین کے ساتھ ایک جگہ بیٹھا تھا جب بی بی صاحبہ کو صفوان رضی اللہ عنہ لے کر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو اس بدبخت نے قسم کھا کر اعلان کر دیا کہ (معاذ اللہ) ان دونوں سے بُرائی ہو گئی اس کے بعد سارے شہر میں عام شہرت پھیلا دی یہاں تک کہ منافقین ٹولیاں بن بن کر جگہ جگہ یہی گفتگو کرنے لگے۔ بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں مدینہ طیبہ پہنچتے ہی بیمار پڑ گئی۔ اس بیماری میں مجھے

marfat.ocm

کامل ماہ گزر گیا ۔ میرے متعلق یہ خبر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والدین کو پہنچ گئی لیکن مجھے اس کے متعلق کوئی خبر نہ تھی صرف اتنا محسوس ہوتا تھا کہ حضور علیہ السلام کا میرے ساتھ وہ لطف و کرم نہیں رہا جو پہلے ہوا کرتا تھا میں نے اپنی بیماری کے اثنا میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے میکے چلے جانے کی اجازت چاہی آپ نے بطیب خاطر مجھے والدین کے گھر جانے کی اجازت بخشی ۔ میں والدین کے گھر پہنچی اور کامل بیس پچیس دنوں سے زاید ایام بیماری میں گزار دیے ۔ ایک رات قضائے حاجت کے لیے میں بی بی ام مسطح کے ساتھ باہر جنگل کو جا رہی تھی ۔ یہ ام مسطح حضرت ابوبکر کی خالہ زاد تھیں اور ہم قضائے حاجت کے لیے رات کو جاتی تھیں اس لیے کہ اس وقت مدینہ طیبہ میں پاخانہ کی تعمیر کا رواج نہ تھا کیونکہ اسے عجمیوں کا طریقہ سمجھا جاتا تھا ۔ بی بی صاحبہ فرماتی ہیں کہ جب ہم اپنی ضرورت سے فارغ ہوئیں تو گھر کو روانہ ہوئیں ۔ اس اثنا میں بی بی ام مسطح کا پاؤں ڈگمگا گیا ، فرمایا : مسطح برباد ہو ۔

ف : تعس مسطح بفتح العین وکسرھا بمعنے ہلاک ۔ اس سے بی بی صاحبہ کی مراد اپنے صاحبزادہ سے تھی ۔ مسطح خیمہ کی لکڑی کو کہا جاتا ہے ۔ ان کا اصلی نام عوف تھا ۔ میں نے انھیں کہا کیا آپ ایسے شخص کو گالی دیتی ہیں جو بدر کی جنگ میں حاضر تھا ۔ انھوں نے فرمایا : کیا تجھے معلوم نہیں کہ اس نے تیرے متعلق کیا کیا باتیں کی ہیں ۔ اس کے بعد مجھے سارا واقعہ سنایا ، میں سنتے ہی اور زیادہ بیمار ہو گئی اور اسی رات کو صبح تک میں روتی رہی نہ آنسو بند ہوئے اور نہ ہی مجھے نیند آئی ؎

چشم ز گریہ بر سر آب است روز و شب
جانم ز نالہ در تب و تاب است روز شب

ترجمہ : میری آنکھ گریہ سے دن رات پانی رواں ہے میری روح رونے سے دن رات گرمی میں ہے ۔

اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے متعلق رائے لی ۔ بعض نے میرے لیے طلاق کا مشورہ دیا اور بعض نے صبر کا ۔ ایک ماہ تک میرے متعلق کوئی وحی نہ اُتری ۔ ایک دن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے اور میرے والدین میرے پاس بیٹھے تھے حضور علیہ السلام آکر بیٹھے اور کلمہ شہادت پڑھا ۔ اس کے بعد فرمایا ؛

اے عائشہ ! مجھے تیرے متعلق ایسی بات پہنچی ہے اگر تو بری الذمہ ہے تو اللہ تعالیٰ تیری براءت کی آیات نازل فرمائے گا اگر تجھ سے غلطی ہو گئی تو تجھے اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرنی چاہیے اس لیے کہ بندہ جب گناہ کر کے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے ۔ جب حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بیان ختم فرمایا تو میرے آنسو تھم گئے یہاں تک کہ میں اپنی آنکھوں میں ایک قطرہ بھی محسوس نہیں کرتی تھی ۔ میں نے اپنے

marfat.ocm

والدگرامی سے عرض کی کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری طرف سے جواب دیجئے۔ والد گرامی نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دوں۔ اس کے بعد میں نے والدہ ماجدہ سے عرض کیا کہ آپ ہی کچھ فرمائیں۔ انہوں نے بھی یہی فرمایا۔ پھر میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ بخدا! مجھے یقین ہے کہ جو کچھ تم لوگوں نے سنا وہ تمہارے دلوں میں جم گیا اور تم نے اس کی تصدیق بھی کر لی اب اگر میں کہوں کہ میں اس قبیح فعل سے بری ہوں تو بھی تم تصدیق نہیں کرو گے اگر میں اس کا کچھ اعتراف کروں (خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں) تو تم تصدیق کرو گے بخدا اب میں اپنی اور تمہاری مثال سوائے اس کے اور کوئی نہیں پاتی وہی کہتی ہوں جو حضرت ابو یوسف یعنی یعقوب علیہ السلام نے کہا، فصبر جمیل واللہ المستعان علیٰ ما تصفون۔ گو

صبرے کنیم تا کرم او چہ مے کند

ترجمہ: میں صبر کرتا ہوں تاکہ دیکھوں کہ اس کا کرم کیا کرتا ہے۔

بی بی صاحبہ فرماتی ہیں کہ یہ کہہ کر میں واپس اپنے بستر میں آ گئی اور مجھے یقین تھا کہ میں بری ہوں اور یہ بھی خیال گزرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ میری برأت کا اظہار فرمائے گا۔ لیکن یہ بھی خیال آتا کہ میں کہاں کہ وہ بے نیاز مجھ جیسی کے لیے وحی اتارے جس کی تلاوت کی جائے یعنی میں اپنے دل میں اپنی تحقیر کے تصور میں برأت کی آیات کے نزول کو دور از قیاس سمجھتی تھی لیکن مایوس بھی نہیں تھی کہ ممکن ہے کہ میرے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں میری برأت کے متعلق کچھ معلوم فرما لیں یہاں تک کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر پر ہی تھے اور ابھی اس مجلس سے اُٹھے بھی نہیں تھے کہ آپ پر وہی کیفیت طاری ہو گئی جو بوقت نزول وحی آپ پر ہوتی تھی آپ کے چہرے پر اسی وقت کپڑا اُڑھا دیا گیا اور آپ کے سرہانے چمڑے کا تکیہ رکھ دیا گیا آپ کے چہرے سے بوقتِ نزول موتیوں کی طرح پسینہ ٹپکتا تھا۔ جب آپ نے وحی سے فراغت پائی تو چہرہ اقدس سے پسینہ پونچھتے ہوئے تبسم فرما کر سب سے پہلا کلمہ آپ کے منہ مبارک سے نکلا کہ اے عائشہ! تمہیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تیری برأت کا اظہار فرمایا ہے۔ میری والدہ نے فرمایا: اے عائشہ! اُٹھ اور حضور علیہ السلام کا شکریہ ادا کر۔ میں نے کہا میں صرف اپنے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گی جس نے آیات برأت ان الذین جاء و بالافك نازل فرمائیں۔

ف: سہیلی نے فرمایا کہ غزوہ مذکورہ سے واپسی کے بعد ستائیس راتوں کے بعد مائی عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کی آیات کا نزول ہوا۔ یہی عام مفسرین نے فرمایا۔

مسئلہ: رافضیوں کی طرح جو بھی بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی نسبت کرے وہ کافر ہے اس لیے کہ وہ قرآنی نصوص کی تکذیب کرتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ قرآنی آیات کا مکذب کافر ہے۔

دعا دافع الکرب: حیاۃ الحیوان میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب لوگ مجھ پر بہتان

marfat.ocm

تراشں رہے تھے تو میں نے خواب میں ایک نوجوان کو دیکھا جو مجھ سے پوچھتا: بی بی! تو کیوں غمگین ہے؟ میں نے سارا ماجرا سنایا۔ اس نے کہا، مندرجہ ذیل کلمات پڑھیے اللہ تعالیٰ تمہارا غم ٹال دے گا۔

یاسابغ النعم ویادافع النقم ویافارج الغمم ویاکاشف الظلم ویا اعدل من حکم و یا حسیب من ظلم ویا اول بلا بدایۃ ویا اٰخر بلا نہایۃ اجعل لی من امری فرجا و مخرجا۔

بی بی صاحبہ فرماتی ہیں میں نے بیدار ہو کر کلماتِ مذکورہ پڑھے تو اس کے بعد آیاتِ برأت کا نزول ہوا۔

ف: بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چار شخصوں کی برأت کا اظہار فرمایا:

(۱) یوسف علیہ السلام کی برأت زلیخا کے خاندان کے ایک ننھے بچے سے۔

(۲) موسیٰ علیہ السلام پر یہود کی تہمت کہ انہیں گندی بیماری ہے، جس کی برأت اس پتھر کے ذریعے فرمائی جو موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگا۔

(۳) بی بی مریم کی برأت ان کے اپنے صاحبزادے عیسیٰ علیہ السلام کی گفتگو سے۔

(۴) بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت آیاتِ مذکورہ نازل فرما کر۔

ف: آیاتِ برأت کے نزول کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ہاں تشریف لے گئے، اور انہیں بی بی رضی اللہ عنہا کی برأت کی آیات پڑھ کر سنائیں اور بہتان تراشوں کو اسّی اسّی کوڑے لگوائے۔

ف: بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ عبداللہ بن اُبی بن سلول کو دُگنے کوڑے لگوائے گئے۔ یعنی ایک سو ساٹھ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری ازواجِ انبیاء علیہم السلام پر تہمت لگائے تو اسے ایسی ہی دُگنی سزا ملنی چاہیے۔

مسئلہ: الخصائص الصغریٰ میں ہے کہ جو شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات پر زنا کی تہمت لگائے اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ایسے ہی حضرت ابنِ عباس و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا، بلکہ ایسے بدبخت کو قتل کر دینا چاہیے۔ چنانچہ قاضی وغیرہ سے اسی طرح منقول ہے۔ بعض فقہاء نے فرمایا کہ ایسی تہمت پر قتل کا حکم صرف بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے کہ جو بھی ان پر زنا کی تہمت لگائے اسے قتل کر دیا جائے۔ اور دوسری ازواجِ مطہرات پر بہتان تراشی پر دوہری حد ہے۔ (کذا فی انسان العیون)

ف: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام کی زوجہ زنا سے پاک ہوتی ہے۔

سوال: نوح و لوط علیہما السلام کی ازواج کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فخانتاھما (ان سے خیانت

marfat.ocm

کا صدور رہوا) اور آیت کا مضمون حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو ٹھکراتا ہے۔

جواب : یہاں پر خیانت سے ان کا اذیت پہنچانا مراد ہے، چنانچہ مروی ہے کہ نوح علیہ السلام کی اہلیہ نے انھیں مجنون کہا اور لوط علیہ السلام کی زوجہ نے اپنی قوم کو لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر دی۔

نکتہ : ہر نبی کی بیوی کافرہ تو ہو سکتی ہے لیکن زانیہ نہیں ہو سکتی وہ اس لیے کہ یہ حضرات کفار کی طرف دعوتِ حق کے لیے مبعوث ہوتے ہیں تو ان کے خاندان میں ایسے قبیح فعل کا صدور ناموزوں ہے جو ان کی دعوت وارشاد کے لیے نفرت وکراہت کا موجب بنے اور کفر موجب نفرت نہیں ورنہ کافر اس سے باز آ جاتے۔ البتہ فسق وفجور (زنا وغیرہ) نہ صرف نفرت وکراہت کا سبب ہے بلکہ جملہ قبائح کے سر فہرست ہے اسی لیے ہر مذہب کا سنجیدہ و مہذب طبقہ اس کا ارتکاب نہیں کرتا بلکہ اس سے سخت نفرت وکراہت کرتا ہے۔

جلیل القدر صحابہ اور عائشہ صدیقہ کی برأت

امام فخر الدین کی کتاب الاشارات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں میں اکثر اوقات مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ پس آپ کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ میں مشورہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں عائشہؓ کی پاکدامنی اور منافقوں کے جھوٹ پر یقین کرتا ہوں اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسم مبارک پر مکھیوں کو بیٹھنے سے روک رکھا ہے کیونکہ یہ مکھیاں ناپاکیوں پر بیٹھتی ہیں اور اس میں لتھڑ جاتی ہیں۔ پس جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس قدر معمولی نجاست سے آپ کو محفوظ رکھا ہے تو کیونکر آپ کو ایسے کی صحبت سے جو کہ اس قسم کے فحش کے ساتھ ملوث ہو محفوظ نہ رکھے گا۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ مبارک زمین پر پڑنے نہیں دیا۔ اس لحاظ سے کہ شاید کوئی شخص اس پر اپنا قدم رکھ دے یا کہیں زمین ناپاک ہو۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اتنی بھی قدرت کسی کو نہیں دی کہ آپ کے سایہ مبارک پر قدم رکھے تو وہ کیونکر کسی کو آپ کی زوجہ مطہرہ سے سوءِ ظن رکھنے کی قدرت دے سکتا ہے!

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مشورہ لیا۔ انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم سب آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ آپ نے اچانک نماز کے درمیان اپنا جوتا مبارک اتار دیا آپ کو دیکھ کر ہم نے بھی اتار دیا۔ جب آپ نے نماز تمام کی تو آپ نے ہم سے جوتا اتار دینے کا سبب دریافت کیا تو ہم نے جواب میں عرض کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع میں ایسا کیا گیا۔ یعنی جب آپ نے نعلین مبارک اتاری تو ہم نے بھی آپ کی فرمانبرداری کے لیے اتار دی۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ کو جبرائیل علیہ السلام نے

اُن کے اتارنے کے لیے کہا کہ ان میں کمال نظافت نہیں۔ قدرے گھن کی چیز لگی ہوئی ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اس امر پر آپ کو خبردار کیا کہ آپ کے جوتا مبارک پر کچھ گھن کی چیز ہے اس لیے ان دونوں کی آلودگی کی وجہ سے انکے اتار دینے کا حکم دیتا ہے تو پھر وہ کس طرح حکم نہ دے گا کہ وہ برائی کی مرتکب ہُوئی ہوں۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات کے مذکورہ بالا جوابات سے مسرور ہُوئے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان حضرات کی تصدیق فرمائی اور مخالفین یعنی منافقین کو ذلیل اور رُسوا فرمایا۔[1] اور آیت نازل ہُوئی کہ ان الذین جاءوا بالافك عصبة منكم ۔ عصبة منكم ' ان کی خبر ہے ۔ عصبہ اور عصابہ دس سے چالیس افراد کی جماعت کو کہا جاتا ہے۔ یہاں پر عبداللہ بن اُبی بن سلول اور زید بن رفاعہ و مسطح بن اثاثہ و حمنہ بنت جحش اور دیگر وہ لوگ جنہوں نے ان کا ساتھ دیا۔

---

[1] واقعہ افک پر فقیر نے ایک علیحدہ تصنیف[1] سپردِ قلم کی ہے یہاں قارئین رُوح البیان کے لیے چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

واقعہ ہذا میں سب سے زیادہ حصہ منافقین کا ہے ایسے ہی آج کل وہابی دیوبندی اس واقعہ کی آڑ میں عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو گھٹانے کے لیے مندرج سوالات پیش کرتے ہیں لیکن فقیر اویسی غفرلہٗ پہلے اپنے ہم مسلک سُنّی بھائیوں سے التماس کرتا ہے کہ واقعہ افک کے لیے بخاری شریف ج ۲ تفسیر سورۂ نور تحت آیت ہذا سامنے رکھیے۔ بخاری شریف میں اسی حدیثِ افک میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

واللہ ما علمت علی اھلی الا خیرا۔

(خدا کی قسم میں نے اپنے اہل پر بجز خیر کے کچھ نہیں جانا)

غور کیجئے اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم قسم ارشاد فرما کر اپنے علم کا اعلان فرما رہے ہیں مگر منکرین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم پر بھی یقین نہیں، تو پھر فقیر اویسی غفرلہٗ کو کہنے دو کہ ان بیچاروں کو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم پر بھی اعتبار نہیں۔ مجھے ان کے ایمان پر اعتبار نہیں۔

سوال: اگر حضور علیہ السلام کو بی بی کی برأت کا علم تھا تو پھر ان سے بے توجہی اور لطف و کرم میں کمی کیوں؟ جیسا کہ خود بی بی نے کہا کہ لا اعرف من رسول اللہ اللطف الذی کنت اری منه حتی اشتکیت الخ

جواب: (۱) اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صدیقہ کی طرف سے توجہ کو کم کر دینا لاعلمی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس تہمت کے بعد غیرتِ محمدیہ کا تقاضا یہ تھا کہ جب تک یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاف نہ ہو اس

---

[1] بنام شرح حدیثِ افک۔ اویسی غفرلہٗ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

ف : حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے متعلق اختلاف ہے۔ ان کے مندرجہ ذیل اشعار دلالت کرتے ہیں کہ

(بقیہ حاشیہ) وقت تک سرکار توجہ میں کمی فرمائیں تاکہ کسی دشمن کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کی تہمت سے کوئی نفرت نہیں۔

(۲) یہ عموماً فطرتِ انسانی ہے کہ جب کوئی کسی اہم کام میں مصروف ہو تو پھر گھر میں چاہے کوئی کتنا ہی محبوب ہو اس کی طرف توجہ کم ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مصروفیت کا اندازہ خود ہی کیجئے کہ جہاں اغیار بے پر کی اڑا رہے تھے وہاں حسّان رضی اللہ عنہ جیسے عاشق بھی اس مصیبت میں اضافے کا سبب بنے۔ ان سب سے نبٹنا معمولی مصروفیت نہیں تھی۔ جب تجربے سے ثابت شدہ امر ہے کہ ایسے امور درپیش ہوں تو کم توجہی ہو ہی جاتی ہے، تو پھر اس سے لاعلمی ثابت کرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے!

سوال : اگر حضور علیہ السلام کو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا علم تھا تو پھر غمگین کیوں ہوئے ؟ آپ کا حُزن ملال بتاتا ہے کہ آپ کو اس معاملہ میں کوئی علم نہیں تھا۔

جواب : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غمگین ہونا بھی اس وجہ سے تھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بے گناہی کا یقین رکھتے تھے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ سرکار نے فرمایا واللہ ما علمت الخ۔ صدمہ تو یہی تھا کہ بے گناہ پر تہمت لگی۔ اگر ان کی بے گناہی کا علم نہ ہوتا تو اس قدر صدمہ بھی نہ ہوتا۔ اگر آج ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کو بے گناہ پھانسی پر لٹکا دیا گیا تو ہمیں ضرور صدمہ ہوگا۔ اگر اس کی بے گناہی کا علم نہ ہو تو اس قدر صدمہ بھی نہ ہوگا۔

بلکہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنی تفسیر کبیر میں ایک قاعدہ لکھا کہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے اقوال سے تنگدل اور مغموم ہو جایا کرتے تھے باوجودیکہ حضرت کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کفار کے یہ اقوال بالکل فاسد ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولقد نعلم انك يضيق صدرك بما يقولون۔ (سورہ حجر، رکوع ۶)

یعنی ہم جانتے ہیں کہ آپ ان کی بیہودہ باتوں سے تنگدل ہوتے ہیں۔ تو یہ واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔ یعنی حضور کا تنگ دل ہونا محض کفار کی بیہودہ گوئی پر تھا باوجودیکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو اُن کی بیہودہ بکواس کا باطل اور جھوٹا ہونا معلوم تھا اور اس کی مثالیں قرآن و احادیث میں بے شمار ہیں۔ چند ایک تفسیر اویسی میں درج ہیں اور شرح حدیثِ افک میں بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے مفسدانہ اقوال سے تنگ دل ہوتے تھے جس کو خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ولقد نعلم انك يضيق الآية۔ اور ان مفسدوں کے اقوال کے فساد کو بھی جانتے تھے۔ اسی طرح اس

(باقی اگلے صفحہ پر)

marfat.ocm

انھوں نے بھی دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرح بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برآت کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) موقعہ پر بھی کفار کی جھوٹی تہمت سے مغموم تھے۔ ورنہ جانتے تھے کہ کافر جھوٹے ہیں۔

غرض ہر شخص جس کو زنا وغیرہ کی تہمت سے متہم کریں اور ہر جگہ اسی کا ذکر ہو تو وہ شخص اور نیز اس کے خویش و اقارب باوجود اس کی پاکی کے اعتقاد کے مغموم و پریشان ہوں گے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت کو غم ہوا۔ مگر مخالفین اس بات کو تسلیم کرنے کے بجائے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام نہ لگائیں انھیں آرام وچین نہیں آتا۔

لطیفہ: تجربہ شاہد ہے کہ مخالف کو کسی مجلس میں تہمت لگائی جائے تو فوراً اس کا چہرہ کالا نیلا ہو جائے گا باوجودیکہ اسے یقین ہوگا کہ وہ اس تہمت سے بری ہے۔ اس کے بعد اب اس سے پوچھیے کہ اب بھی کہو گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق علم تھا یا نہ۔

سوال: اگر حضور علیہ السلام کو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا علم تھا تو پھر تفتیش حال کا کیا معنیٰ، کہ کبھی اس سے پوچھا کبھی اس سے۔

جواب: (۱) اُمت کے لیے تشریع و تعلیم مقصود تھی کہ آنے والے دور میں اگر کسی کو ایسا واقعہ درپیش ہو تو صفائیِ معاملات ایسے ہو جیسے آپ نے اپنی محبوبہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے کیا۔ اور سیرۃ نبوی کا مطالعہ کرنے والے اور علوم حدیث کے واقفین سے پوشیدہ نہیں کہ آپ اپنے ہر معاملہ میں اُمت کی تعلیم کو مدِ نظر رکھتے تھے خواہ اس میں کتنی ہی تکالیف وشدائد کا سامنا کرنا پڑے۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہ کے معاملہ کی تفتیش لاعلمی کی وجہ سے نہیں فرمائی بلکہ حضرت صدیقہ کی پاک دامنی کو ان مسلمانوں کے اذہان میں قائم کرنے کے لیے فرمائی جو مسلمان ہونے کے باوجود تہمت لگانے والوں میں شامل ہو گئے تھے جب ان کے دلوں میں حضرت صدیقہ کی طرف سے بدگمانی راسخ ہو چکی تھی تو بمقتضائے فطرتِ بشریہ یہ بات قرین قیاس تھی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بذاتِ خود صدیقہ کی پاکی پر زور دیں تو شاید وہ سرکار کے حق میں بھی بدگمان نہ ہو جائیں اور یہ خیال کریں کہ ان کی عزت کا معاملہ ہے اس لیے اس طرح فرما رہے ہیں یہی وجہ تھی کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اس معاملہ میں زور نہیں دیا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ ہمارے حق میں بدگمان ہو کر کفر وارتداد تک پہنچ جائیں۔ اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو اپنے سے ایسی بدگمانی سے بچانے کی بہت کوشش کرتے تھے۔

باقی سوالات وجوابات اور مزید تحقیق عجیب فقیر کی کتاب "شرح حدیثِ انک" میں ہے۔

(اویسی غفرلہٗ)

marfat.ocm

اظہار فرمایا ؎

مھذبۃ قد طیب اللہ خیمھا
و طھرھا من کل سوء و باطل
فان کنت قد قلت الذی قد زعمتموا
فلا رفعت سوطی الیٰ اناملی
وکیف و ودی ما حییت و نصرتی
لآل رسول اللہ زین المحافل

(کما فی انسان العیون)

ترجمہ : وہ پاک دامن بی بی جسے اللہ تعالیٰ نے ہر عیب سے پاک فرمایا اور اسے ہر برائی اور باطل سے بری فرمایا ہے۔
اگر تو بھی منجملہ ان لوگوں کے ہو جنہوں نے بی بی پر تہمت تراشی، تو کیوں نہ ہو جبکہ میں نے تہیۃ کر رکھا ہے کہ جب تک زندہ ہوں آلِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کرتا رہوں گا۔

ف : امام سہیلی نے "کتاب التعریف والاعلام میں رقم کیا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بہتان تراشوں میں سے نہیں تھے۔

سوال : یہ قول ذیل کے شعر سے باطل ہے جبکہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے: ؎

لقد ذاق حسان الذی کان اھلہ
وحمنۃ اذ قالا لھجر و مسطح

ترجمہ : جب بہتان تراشوں کو حد ماری گئی تو حسان نے بھی مزہ چکھ لیا وہ اس لائق تھا کہ اسے حد ماری جائے۔ ایسے ہی حمنہ اور مسطح نے بھی بہتان تراشا۔

جواب : اس شعر میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا نام کسی نے غلط لکھا ہے اس لیے کہ یہ شعر دراصل عبداللہ بن ابی بن سلول کے متعلق ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی : ع

لقد ذاق عبد اللہ ما کان اھلہ

اب آیت کا معنی یوں ہوا کہ بے شک وہ لوگ جنہوں نے بی بی عائشہ پر بہتان تراشا وہ ایک جماعت تھی جو ایمان سے موصوف تھی۔

سوال : عبداللہ بن ابی بن سلول تو مومن نہیں تھا اسے کیسے مومن کہہ دیا گیا۔

marfat.ocm

جواب: چونکہ وہ بظاہر مومن تھا اس لیے ہم نے اسے ایمان سے موصوف کیا اگرچہ پوشیدہ طور پر وہ رئیس المنافقین تھا۔
لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عائشہ و صفوان رضی اللہ عنہم کو ہے۔ ایسے ہی ان لوگوں کو جو حضور علیہ السلام کی وجہ سے مغموم و محزون ہوئے تاکہ اس خطاب سے انہیں تسلی ہو۔ اور لا تحسبوہ کی ضمیر غائب افک کی طرف راجع ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بہی خواہو! تم اس بہتان تراشی کو اپنے لیے شر نہ سمجھو۔ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ بلکہ وہ تو تمہارے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اس لیے کہ اس سے تمہیں بہت زیادہ اجر و ثواب حاصل ہو رہا ہے کیونکہ وہ تمہارے لیے آزمائش اور بہت بڑا امتحان ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے تمہاری عزت و عظمت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جب بی بی کی برأت کے متعلق اٹھارہ آیات نازل ہو رہی ہیں ان سے تمہاری شان اور بڑھ گئی کہ تم نے بی بی کے بارے میں معاملہ صاف رکھا اور بدگمانی سے کام نہ لیا اس طرح سے تمہارا اعزاز و اکرام بلند ہو گیا اور مخالفین کو وعید شدید۔ نیز جنہوں نے تمہاری تعریف کی وہ بھی معزز و مکرم ٹھہرے لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ امرأ اور مرء بمعنے انسان و رجل (مرد) یعنی اس جماعت میں سے ہر ایک کے لیے وہی ہے مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ جو اس نے بُرے عمل کا ارتکاب کیا۔ یعنی اس نے جس قدر بی بی کے متعلق بدگمانی اور تہمت تراشی میں غور و خوض کیا اس لیے کہ ان میں بعض نے زور لگا کر بہتان تراشا اور بعض نے خوب ہنسی مذاق کی اور بعض خاموش رہے لیکن اس تہمت تراشی سے لوگوں کو منع نہ کیا۔

ف: تاویلات النجمیہ میں اس کا ترجمہ لکھا کہ جنہوں نے اس تہمت میں جد و جہد کی اور سخت بدگمانی کی اور حرم نبی علیہ السلام کی ہتک کی۔

وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ اور وہ جو بہت بڑے افتراء کا مرتکب ہوا۔

مسئلہ: المفردات میں ہے کہ اس میں تنبیہ ہے کہ جو کسی گناہ کی ابتدا کرتا ہے یہاں تک کہ لوگ اس کی اقتداء میں اس بُرائی کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس کا سب سے بڑا گناہ لکھا جائے گا۔

مِنْهُمْ اس جماعت میں سے۔ اس سے ابن ابی مراد ہے اس لیے کہ اس گناہ کا آغاز اس نے کیا اور حضور علیہ السلام کے بغض و عداوت میں اسے خوب پھیلایا، جیسا کہ گزرا لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اس عبداللہ بن ابی کو ایک خاص قسم کا عذاب ہو گا جس کا درد بہ نسبت دوسرے عذاب کے سخت تر ہو گا اس لیے کہ اس بہت بڑے گناہ کا آغاز اسی نے کیا بنا بریں اسے عذاب بھی سخت تر ہو گا۔ ایسے ہی جس قدر کسی نے اس گناہ میں زیادہ حصہ لیا اسے عذاب بھی اسی قدر زیادہ ہو گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس نے بُرائی کا طریقہ رائج کیا تو اس کے لیے تا قیامت اپنے گناہ کے علاوہ اس پر عمل کرنے والوں کے برابر گناہ لکھا جائے گا۔

marfat.ocm

marfat.com

ف : تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ایسے شخص کو اس جرم کی وجہ سے مواخذہ ہوگا اور اسے شدید ترین عذاب دیا جائے گا۔ اس سے دنیا و آخرت کا خسارہ مراد ہے ؎

ہر کہ بنہد سنتی بدائے فتی
تا در افتد بعد او خلق از عمی
جمع گردد بر وے آں جملہ بزہ
گو سرے بودست وایشاں دم غزہ

ترجمہ : جو بھی بُرا طریقہ جاری کرتا ہے تاکہ خلقِ خدا گمراہ ہو، تو تمام گناہ اس کے سر پر رکھے جائیں گے۔ تمام لوگ اس کے لشکری ہوں گے اور وہ ان سب کا سردار۔

لَوْلَآ یہ حرف تحضیض ہے بمعنے ھلّا (کہاں) ہے۔ یہ جب حرفِ ماضی پر داخل ہو تو بمعنے ترکِ فعل پر توبیخ و ملامت کا معنی دے گا۔ اس لیے کہ اگر اسے اصلی معنیٰ یعنی طلب کے معنیٰ میں رکھا جائے تو ماضی میں طلب کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اور جب مضارع پر داخل ہو تو اس وقت کسی فعل کی طلب اور اس پر برانگیختہ کا معنیٰ ہوتا۔ اس معنے پر وہ مضارع بمعنے امر ہوگا۔ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ اے غور و خوض کرنے والو یعنی قول باطل میں شروع ہونے والو کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا تاکید توبیخ کی وجہ سے غیبتہ کی طرف عدول کیا گیا ہے۔ یعنی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن پر نیک گمان کرنا ضروری ہے ایسے ہی اہلِ ایمان پر طعن و تشنیع کرنے والے کے طعن و تشنیع کو دُور کرنا بھی لازمی ہے۔ جو بھی اہلِ ایمان سے بدگمانی کرتا اور ان سے طعن و تشنیع کو دفع نہیں کرتا تو وہ مقتضائے ایمان پر عمل نہیں کرتا۔ اور انفسھم سے ان کے ابنائے جنس مراد ہیں جو کہ بمنزلہ ایک دوسرے کے نفوس ہوتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ :

ولا تلمزوا انفسکم۔

اس سے مراد یہ ہے بعض تمہارا تمہارے بعض کا عیب بیان نہ کرے۔ کیونکہ مومن آپس میں ایک نفس کی طرح ہیں اہلِ ایمان مرد و عورت پر واجب ہے کہ جونہی کسی کے متعلق خود یا بالواسطہ کوئی غلط بات سنیں اگرچہ عام مومن کے متعلق بھی ہو تو بلا تردد و بلا تفکر سنتے ہی حُسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے وَّقَالُوْا اسی کے متعلق اسی وقت کہہ دیں هٰذَآ یہ بات اِفْكٌ مُّبِيْنٌ کھلا اور واضح بہتان ہے۔ یعنی جب یہ عام اہلِ ایمان کے متعلق ہے تو پھر صدیقہ بنت الصدیق ام المومنین حرمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو اور زیادہ احتیاط لازمی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات کی تعظیم و تکریم کا حکم فرماتا اور انھیں ویسے بُرے افعال سے محفوظ رکھتا ہے لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ یہ غور و خوض کرنے والے اپنے دعویٰ پر

marfat.ocm

چار گواہ کیوں نہیں لائے۔ یہ قول کا تتمہ یا من جانب اللہ کلام جدید ہے۔ اس پر وہ چار گواہ کیوں نہ لائے فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّھَدَآءِ پس جب وہ چار گواہ نہ لائے فَاُولٰٓئِکَ عِنْدَ اللّٰہِ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ ۝ تو وہ مفسد اللہ کے ہاں یعنی اس کے حکم اور شرع (جس کے دلائل مضبوط اور ظاہر ہیں) میں وہ مکمل طور پر جھوٹے ہیں جن کے کذب پر شہادت موجود ہے اور علی الاطلاق کذب کی صفت کے وہی مستحق ہیں۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ یہ لوگ ظاہراً و باطناً جھوٹے ہیں اگرچہ وہ اپنی جھوٹی بات پر گواہ بھی لاتے اور ظاہری طور پر وہ سچے ثابت ہو جاتے تب بھی وہ باطناً جھوٹے ہوتے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج پر ایسی قباحت ممتنع ہے۔ پھر اس قانون پر ان کی ظاہری گواہی ان کے منہ پر ماری جاتی۔

ف: امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا، بسا اوقات انسان اپنے دعویٰ پر گواہ نہیں پیش کر سکتا تو اسے شرعاً تو جھوٹا کہیں گے لیکن عند اللہ وہ سچا ہوگا لیکن دنیا میں احکام کا دار و مدار ظاہر پر ہے اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے دنیوی احکام مشروع فرمائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ احکام کا ترتب انسان کے اپنے علم پر نہیں ہوتا۔ اسی لیے علماء کا اجماع ہے کہ احکام دنیا ظاہر پر مرتب ہوں اور ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے وَلَوْلَا یہ امتناعیہ ہے لولا امتناعیہ وہ ہے جو دوسری کسی شے کی وجہ سے اس کا وجود ممتنع ہو فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی۔ یہ خطاب تمام مسلمان مردوں عورتوں کو ہے فِی الدُّنْیَا دنیا میں مختلف نعمتوں سے نوازا جانا منجملہ ان کے ایک یہی ہے کہ تمہیں توبہ کی توفیق بخشی وَالْاٰخِرَۃِ اور آخرت میں بہترین اور مختلف قسم کی نعمتیں منجملہ ان کے گناہوں کی معافی اور مغفرت جو تمہارے لیے مقدر ہے لَمَسَّکُمْ تو تمہیں بہت جلد پہنچ جاتا فِیْ مَآ اَفَضْتُمْ اس سبب سے جو تم نے حدیثِ افک میں غور و خوض کیا عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ بہت بڑا عذاب جس کے بعد باقی تمام عذاب ہیچ ہیں اور وہ توبیخ و جلد ہیں اِذْ تَلَقَّوْنَہٗ یہاں ایک تا محذوف ہے اور یہ لمسکم کی ظرف ہے یعنی تمہیں وہ بڑا عذاب اس وقت پہنچتا جب تم ان مخترعین کے ساتھ ملاقی ہوتے، بِاَلْسِنَتِکُمْ اپنی زبانوں کے ساتھ۔ یعنی بہتان تراشی کی باتیں ایک دوسرے سے لیتے۔ اس کی صورت یوں تھی کہ جب بھی ایک دوسرے سے ملتے تو حدیثِ افک چھیڑ لیتے۔ جھوٹی معلومات سن سنا کر آگے کو بڑھاتے یہاں تک کہ یہ خبر عام پھیل گئی حتیٰ کہ مدینہ طیبہ کا کوئی گھر اور مکان اور کوئی گلی کوچہ ایسا نہ تھا جہاں یہ خبر نہ گونج رہی ہو۔

حل لغات: تلقی الکلام من خلان و تلقنہ و تلقفہ و تقفہ کا ایک ہی معنیٰ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے ملفوظات سے یا اس کے مفہومات سے استفادہ کرے۔ الارشاد میں ہے کہ تلقی و تلقف و تلقن ہم معنی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے میں استقبال، دوسرے میں خطف و اخذ بسرعۃ، تیسرے میں حذق و مہارت کا معنیٰ ملحوظ ہوتا ہے۔

marfat.ocm

وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ اور اپنے منہ سے وہ باتیں کہتے جن کا تمہیں علم بھی نہیں۔

سوال: قول تو منہ سے صادر ہوتا ہے پھر اسے بافواھکم سے مقید کرنے کا کیا معنیٰ؟

جواب: یہ ایک محاورہ ہے اور یہ اس وقت بولتے ہیں جب بات کسی کے دل پر اثر نہ کرے۔ سُن لینے کے بعد اس کا تعلق صرف زبان رہے۔ اور اس افک کی کیفیت بھی یہی تھی کہ وہ صرف زبانوں پر جاری رہا لیکن ان کے قلوب اس کے علم سے بالکل خالی تھے۔

مسئلہ: ایسے امور جن کا علم نہ ہو اور انھیں بیان کرنا حرام ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ولا تقف ما لیس لك به علم۔

یعنی ایسی بات مت کہو جو صرف زبان تک محدود ہو اور دل سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اسے علم نہیں کہا جا سکتا۔

وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا اور تم اسے آسان سمجھتے ہو اور خیال یہ ہے کہ یہ معمولی معاملہ ہے وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عَظِيْمٌ ○ بہت بڑے گناہ کا حامل ہے۔

حکایت: ایک شخص مرتے وقت رو رہا تھا۔ کسی نے سبب پُوچھا تو جواب دیا کہ میرا کوئی ایسا بُرا عمل ہوگا جسے میں معمولی سمجھتا ہوں۔ لیکن ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا ہو۔

ف: کسی نے اپنے عزیز کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اپنے کسی گناہ کو گٹھلی کے برابر مت سمجھو ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کھجور کے برابر ہو۔

ف: حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ ان لوگوں کے حق میں اُتری ہے جو بہت بڑے دعوے کرکے اپنے رب تعالیٰ پر جرأت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے مقدس درجات تک پہنچا ہوا جانتے ہیں۔ نہ وہ خدا سے ڈرتے ہیں نہ انھیں کچھ حیا ہے۔

ف: امام ترمذی نے فرمایا کہ جو اپنے غلط امور پر جُرأت کرکے انھیں کچھ نہیں سمجھتا تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کی عظمت کا منکر ہے۔ اس پر دلیل میں یہی آیت پڑھی ؎

اگر مردی از مردیٔ خود مگوی

نہ ہر شہواری بدر برد گوی

ترجمہ: اگر تُو جوانمرد ہے تو اپنی جوانمردی ظاہر مت کر اس لیے کہ بہادر اپنی گیند باہر لے جائے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ اور کیوں جب تم نے بہتانیوں اور ان کے تبیعوں سے جب سُنا قُلْتُمْ تو ان کی تکذیب کرتے ہوئے اور اسے ایک بہت بڑا بہتان خیال کرکے تم نے کہہ دیا ہوتا مَّا يَكُوْنُ لَنَآ ہمارے لیے ممکن نہیں اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا کہ ہم ایسی بات کہیں۔ اس سے ایسی بات کے بولنے کی نفی ہے اس کے وقوع کے

marfat.ocm

امکان کی نفی نہیں سُبۡحٰنَکَ اس سے تعجب ہے جو ایسی ناپاک گفتگو کی، دراصل یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے بے مصنوعات دیکھا جائے اس کی تنزیہ بیان کرنے کے ارادہ پر کہ اس ذات پر ایسے مصنوعات بنانا مشکل نہیں پھر بکثرت ہر تعجب کرنے والے کے لیے اس کا استعمال ہونے لگا یا اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ ذات مقدس ہے کہ وہ اس کے نبی علیہ السلام کے حرم محترم سے ایسے جرم کا صدور ہو جبکہ ان کی ازواجِ مطہرات فسق وفجور سے پاک ہوتی ہیں کیونکہ ان کا فسق وفجور عوام کی نفرت کا موجب بنتا ہے۔ ایسے ہی انبیاءؑ علیہم السلام کے ازدواجی مقصد کے لیے بھی مخل ہے اس لیے کہ ان کی ازواج کا فاسق وفاجر ہونا موجب نفرت ہوتا ہے لیکن ان کا کافر ہونا موجبِ نفرتِ عوام نہیں۔ جیسا کہ بارہا بیان کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی ہے کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کے حرم محترم کو ایسے بُرے فعل کا مرتکب ہونے دے ھٰذَا وہ بہتان جس کا بیان کرنا بھی حرام ہے بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ ۝ بہت بڑا بہتان ہے۔

حل لغات: بہتان، بهته کا مصدر ہے۔ یعنی کسی کے متعلق ایسی بات کہنا بہت بڑا گناہ ہے۔ (کما فی التاویلات النجمیہ)

یا یہ بہت وتحیر من عظمتہ سے ہے یعنی وہ جس شخص پر بہتان تراشا گیا اس کی عظمت سے متحیر ہوتا ہے اس لیے کہ اس نے اس پر ایسی بات کہہ دی جو اس کے اندر نہیں تھی گناہوں کی حقارت اور اس کی عظمت میں جیسے مصادر کا اعتبار ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوسعید خراز قدس سرہٗ نے فرمایا:

حسنات الابرار سیأت المقربین۔

(وہ امور جو ابرار کے نزدیک نیکیاں سمجھی جاتی ہیں وہ مقربین کے نزدیک برائیاں ہوتی ہیں)

ایسے ہی ان کی حقارت وعظمت میں متعلقات کا بھی اعتبار ہوتا يَعِظُكُمُ اللّٰهُ۔ الوعظ النصح والتذکیر ایک معنی ہوتا ہے بمعنے انجام سے آگاہ کرنا۔ اب معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں نصیحت فرماتا ہے۔ اور یہ خطاب بی بی صاحبہ پر بہتان تراشوں کو ہے اَنۡ تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِهٖۤ یہ کہ پھر ایسا بہتان نہ تراشنا، نہ ہی ان کے حق میں آئندہ کوئی بدگمانی کرنا اَبَدًا عمر بھر اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۚ اگر تم اللہ ورسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو اس لیے کہ ایمان ایسے بُرے امور سے روکتا ہے۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی آئندہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر افتراء کرے گا وہ ایمان کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا (روافض وشیعہ عبرت حاصل کریں جبکہ بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا پر گندے بہتان تراشتے ہیں)

marfat.ocm

مسئلہ : تفسیر الکبیر میں ہے کہ جو شخص بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہتان کو سن کر روکتا نہیں وہ بہتان تراشی میں شامل ہے اگرچہ اس کا گناہ بہتان تراش کے گناہ سے کم ہوگا۔

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ اور اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی آیات بیان کرتا ہے جو شرائع و محاسن آداب کو واضح کرتی ہیں تاکہ تم ان سے نصیحت حاصل کرسکو اور ان سے اپنے عادات و اخلاق کو درست کرسکو یعنی ایسے طریقے سے نازل فرمایا کہ جن سے مطالب و مقاصد واضح ہوجاتے ہیں۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ پہلے غیر واضح تھے پھر انہیں واضح کیا گیا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے جملہ چھوٹے بڑے سب احوال کو جانتا ہے حَكِيْمٌ ۝ وہ ان کی جملہ تدابیر و افعال میں حکمت سے کام لیتا ہے۔ جب وہ علیم حکیم ہے تو پھر اپنے ایسے رسول علیہ السلام کے حرم میں ایسا بُرا فعل کیسے صادر ہونے دیتا ہے جسے تمام رسولوں سے برگزیدہ بنایا اور انہیں اپنی جملہ مخلوق کے لیے مبعوث فرمایا تاکہ ان کی رہبری فرمائیں اور حق کا راستہ بتائیں اور ان کا تزکیہ کریں اور پاکیزہ بنائیں۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کو جانتا ہے۔ اسی لیے ہر عیب و عار سے ان کی برأت کا اظہار فرمایا۔

تا گریباں دامنش پاکست از لوث خطا
وز مذمت عیب چو آلودہ از سر تا بپا

ترجمہ : تاکہ لوث خطا سے ان کے دامن کا گریبان پاک ہو ایسے ہی عیب و عار کی مذمت سے بھی منزہ، جبکہ وہ از سر تا پا پاک ہے پھر اسے عیب دار بنایا جاسکتا ہے

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے : ؎

کرا رسد کہ کند عیب دامن پاکت
کہ ہچو قطرہ کہ بر برگ گل چکد پاکی

ترجمہ : وہ کون ہے جو تیرے پاک دامن میں عیب ظاہر کرے کہ جس دامن سے پاکی ٹپکتی ہے، جیسے برگ گل سے پانی ٹپکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے ساتھ جو کچھ کرتا ہے وہ در اصل اس کا لطف و کرم ہے اگرچہ بظاہر وہ غیظ و غضب اور قہر و جبر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس طرح سے ہی وہ اپنے پاک بندوں کی تادیب و تہذیب اور رفعت درجات فرماتا ہے بلکہ اس طرح سے ہی انہیں اپنا قرب عطا فرماتا ہے۔ ایسے ہی واقعہ افک اگرچہ بظاہر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور

marfat.ocm

بی بی عائشہ اور ان کے عزیز و اقارب اور جملہ صحابہ کرام کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش اور امتحان تھا ۔ اور قاعدہ ہے کہ ابتلاء و آزمائش اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب کی وجہ سے ہوتی ہے، جیسے سونے کے لیے آگ ۔

حدیث شریف ۱ حضور علیہ السلام نے فرمایا:
سخت ترین آزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے، اس کے بعد اولیاء کرام، پھر ان کے قریب تر وغیرہ ۔

حدیث شریف ۲ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"یبتلی الرجل علی قدر دینہ ۔"
(انسان کی آزمائش اس کے دین کی مقدار پر ہوتی ہے)

ف: اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے قلوب کے متعلق غیرت رکھتا ہے ۔ جب دیکھتا ہے کسی بندے کے قلب پر غیر کی محبت کا اثر ہے تو اس کو کسی ایسی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لائے ۔

فضائل و مناقب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

(۱) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس سے بہت زیادہ محبت ہے ۔
فرمایا ، عائشہؓ اور اس کے ساکن سے ۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:
یا عائشۃ حبك فی قلبی کالعقدۃ ۔
(اے عائشہ! تیری محبت میرے دل میں عقدہ کی طرح ہے)

(۳) مروی ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ سے محبت کرتی ہوں بلکہ میں چاہتی ہوں کہ ہر وقت آپ کے قریب رہوں ۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بی بی صاحبہ پر حدیثِ افک کا اجرا فرمایا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی صاحبہ کے قلب کو پھیر کر اللہ تعالیٰ کی طرف لگا دیا ۔ یعنی اپنی محبت سے اللہ تعالیٰ کی محبت میں مشغول فرما دیا ۔ یہاں تک کہ بی بی صاحبہ کے دل میں محبتِ الٰہی کا اتنا غلبہ ہو گیا کہ نزولِ آیاتِ برأت کے بعد بی بی صاحبہ نے کہا:
نحمد اللہ لا نحمدك ۔
(میں صرف اللہ تعالیٰ کی حمد کرتی ہوں آپ کی حمد نہیں کروں گی)

اللہ تعالیٰ نے بی بی صاحبہ کے قلب سے محبتِ غیر کے پردے ہٹا دئے اور ان کے شک و شبہات کو زائل فرما کر بی بی صاحبہ کی برأت ظاہر فرمائی اور بہتان تراشوں کی تادیب و تہذیب فرمائی اور بی بی صاحبہ کے

marfat.ocm

موافقین کے مراتب و درجات بلند فرمائے۔

ف : الحکم العطائیہ اور اس کی شرح میں ہے کہ جب بی بی صاحبہ کی برأت کی آیات حضور علیہ السلام نے پڑھ کر سنائیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بی بی صاحبہ سے فرمایا کہ اُٹھ کر حضور کا شکریہ ادا کیجئے اور یہ حکم اس لیے فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بی بی صاحبہ کی بلند قدری محسوس ہوئی۔ لیکن بی بی صاحبہ نے عرض کی، میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گی۔ اس میں بی بی صاحبہ کا قلب خالص توحید کی طرف مکمل طور پر جھک گیا تھا حتیٰ کہ اس وقت ان کے قلب پر غیریت کو گنجائش ہی نہیں تھی لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے قلب کو اکمل مقام کی طرف متوجہ فرمایا یعنی وہ مقام جسے بقا باللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور وہی مقام ہے جو اثباتِ آثار و عمارتِ دارین کا مقتضی ہے جس میں ہزاروں احکام اور ان گنت حکمتیں ہیں۔ اسی مقام کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان اشکر لی ولوالدیك۔

آیت میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو ملایا، اس لیے کہ والدین انسان کے وجود کی مجازاً بقا کے موجب ہیں اگرچہ حقیقی بقاء کا موجب اللہ تعالیٰ کا فضل و لطف ہے۔ اسی لیے حقیقی شکر اسی کے لیے ہے کیونکہ حقیقی نعمت اسی سے ملتی ہے۔ دوسروں کے لیے اگر شکر کیا جاتا ہے تو مجازاً، ایسے ہی کسی سے نعمت حاصل ہو تو بھی مجاز کا تصور ہو۔

حدیث شریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس۔

(جو لوگوں کا شکر نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتا)

ف : اللہ تعالیٰ کے شکر کو بندوں کے شکر سے مشروط فرمایا ہے۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر کا ثواب نہیں ملتا جب تک کہ اس کے بندوں کا شکریہ نہ ادا کیا جائے۔ اور بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت مشغول بخدا تھیں اسی لیے انھیں سوائے باری تعالیٰ کے کسی طرف توجہ نہیں تھی بلکہ ان پر منۃ مولیٰ کا ایسا غلبہ تھا کہ انھیں سوائے اپنے مولیٰ اور کسی کا خیال تک نہ تھا اسی لیے اس وقت اپنے محبوب کے تصور میں ڈوبی ہوئی تھیں اور یہ ان کے لیے اعلیٰ مقام تھا۔ چنانچہ یہی مقام ایک وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی پیش آیا تھا جبکہ نمرود نے انھیں آگ میں ڈالا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ کوئی ضرورت ہو تو فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے کوئی سوال نہیں کرنا اس لیے کہ وہ میرے حال کو خوب جانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ہی اتمامِ نعمت اور حفظ حرمۃ اور آداب لائقہ کے ساتھ مراداتِ حق پہ ثبات کا سوال ہے۔ وہی ہمیں کافی اور اچھا کارساز ہے۔

marfat.ocm

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جانے کے دو طریقے ہیں ،

۱۔ اہلِ سلامتہ

۲۔ اہلِ ملامتہ

اہلِ سلامت کے طریقے کی انتہا بہشت اور اس کے درجات ہیں اس لیے کہ وہ اپنے وجود کی قید میں محبوس ہیں اور اہلِ ملامت کے طریقے کی انتہا اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ ملامت حبس وجود کے دروازے کی کنجی ہے۔ اسی سے ہی وجود ایسے پگھل جاتا ہے جیسے سورج سے برف پگھل جاتی ہے۔ تاہم جس قدر وجود پگھلتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کا وصال نصیب ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو ملامت میں مبتلا فرمایا تاکہ اسی کی وجہ سے حبسِ وجود سے نکل کر واصل الی اللہ ہوں۔

اس واقعہ سے بی بی صاحبہ کی ولایت کا ثبوت ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو وجودِ مخلوق کے ظلمات سے نکال کر نورِ قدم کی طرف لے جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ :

اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

ترجمہ ، ہم وفا کرتے ہیں ملامت کھینچتے ہیں اور اس سے خوش ہوتے ہیں اس لیے کہ ہمارے طریقہ میں رنجیدہ ہونا کفر ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

عشق در ہر دل کہ سازد بہر ورت خانہٗ
اوّل از سنگِ ملامت افگند بنیاد او

ترجمہ : جس دل میں عشق گھر کرتا ہے اسے سب سے پہلے ملامت کا نشانہ بناتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الَّذِیۡنَ ابنِ ابی اور دیگر وہ لوگ جنہوں نے افک کے بارے میں اس کا اتباع کیا یُحِبُّوۡنَ بے شک وہ لوگ ارادہ کرتے ہیں کہ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ پھیلے اور ظاہر ہو فاحشہ تمام برائیوں سے قبیح تر ہو۔ برائی کو فاحشہ سے تعبیر کیا جاتا ہے خواہ اس کا تعلق اقوال سے ہو یا افعال سے۔ یہاں زنا مراد ہے یعنی دشمنانِ رسول چاہتے تھے کہ بی بی عائشہ کے زنا کی خبر دور دور تک پھیلے فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اہلِ ایمان میں، یعنی ان لوگوں میں جو ایمان کے بارے میں مخلص ہیں لَھُمۡ دشمنانِ رسول

marfat.ocm

کے لیے اسی سبب سے عَذَابٌ اَلِيْمٌ دردناک عذاب ہے۔ یعنی ایک قسم کا عذاب جس میں درد والم کے سوا اور کچھ نہ ہو فِی الدُّنْيَا دنیا کا عذاب جیسے حد کا اجراء وغیرہ وَالْاٰخِرَةِ جیسے نارِ جہنم اور وہ عذاب جو انھیں جہنم میں ملے گا۔

ف : ابن الشیخ نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ اہلِ ایمان میں برائی پھیلانے کا صرف ارادہ نہیں رکھتے تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ ایسی برائی کی نشر و اشاعت میں پورا زور لگانا چاہتے تھے کیونکہ صرف برائی پھیلانے کے ارادہ پر ان پر حدِ قذف نہیں لگی بلکہ ایسی برائی کی نشر و اشاعت کی وجہ سے سزا پائی۔ اور وہ یہی کہ انھوں نے حضرت صفوان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشا اور اس پر شرعی گواہ پیش نہ کر سکے تو ان پر حدِ قذف جاری ہوئی۔

ف : الارشاد میں ہے کہ لوگ ایسی برائی کی اشاعت کے متعلق دلچسپی رکھتے ہوئے اس کی نشر و اشاعت میں سر کی بازی لگاتے ہیں اور اس دوسرے فعل کا پہلے فعل پر اکتفا کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا اس لیے کہ وہ ایسا جامع فعل ہے کہ وہ دونوں کا معنیٰ پورا کر دیتا ہے۔ اور فی الذین اٰمنوا تشیع کے متعلق ہے۔

سوال : منافقین نے اس خبر کو تمام لوگوں میں پھیلایا لیکن قرآن مجید میں صرف الذین اٰمنوا (اہلِ ایمان) پر اکتفا کیا گیا ہے۔

جواب : چونکہ تمام لوگوں سے اہلِ ایمان عمدہ ہیں اور عمدۃ کے ذکر سے دوسروں کا ذکر ضمناً آ گیا۔ یا فی الذین اٰمنوا فعل مضمر کے متعلق ہے اور وہ الفاحشۃ سے حال ہے اور موصول سے صرف اہلِ ایمان مراد ہیں۔ اب عبارت یوں ہو گی:

یحبون ان تشیع الفاحشۃ کائنۃ فی حق المؤمنین و فی شانھم۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اور جملہ امور بالخصوص وہ باتیں جو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ کی اشاعت کے متعلق جو ان کے دلوں میں پوشیدہ رکھیں ہیں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور تم نہیں جانتے فلہٰذا تم صرف ان پر حدِ قذف جاری کرو اور ان کے باطن اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ لولا کا جواب محذوف ہے۔ یعنی اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور انعام نہ ہوتا تو وہ تمھیں بہت بڑے عذاب میں مبتلا فرماتا لیکن تمھیں عذاب میں مبتلا نہیں فرمایا تمھارے لیے رؤف و رحیم یعنی بہت زیادہ رحمت فرماتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں دو اشارے ہیں:

(۱) جیسے اہلِ افک کو اظہارِ برائی پر سزا ملی ایسے ہی محبۃ اشاعۃ سے انھیں باطنی نقصان بھی ہوا۔ چنانچہ قلوب مومنین کے وجوب سلامۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ظاہری اعضاء کو برائیوں سے روکنا

marfat.ocm

اور زبان کو کسی کی ضرر رسانی سے بچانا واجب ہے' ایسے ہی قلوب کو بھی۔ کیونکہ جیسے دیگر اعضاء کو آخرت میں سزا ملے گی ایسے ہی قلوب کو بھی۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف ۱ مَیں ان لوگوں کو جانتا ہُوں جن کے سینے پر جب جہنم کے چابک پڑیں گے اس سے جو آواز اُٹھے گی اُسے تمام اہلِ نار سُنیں گے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کے عیوب بیان کرتے اور ان کی پردہ دری کرتے اور ان کی برائیوں کو پھیلاتے تھے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف ۲ جو کسی دُوسرے مسلمان بھائی کی بُرائی کا صرف ایک کلمہ پھیلاتا ہے حالانکہ وہ اس برائی سے پاک ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ شخص اس بُرائی کی اشاعت سے دنیا میں رُسوا ہو تو اللہ تعالیٰ چاہے تو ایسے بدبخت کو جہنم کی آگ میں ڈال دے۔ (کافی الکبیر)

خلاصہ یہ کہ اہلِ افک نے جو کچھ کیا اس میں اہلِ ایمان کو ذرہ برابر بھی تعلق نہ تھا کیونکہ اہلِ ایمان کا وہ کام نہیں بلکہ اہلِ ایمان کی شان تو یہ ہے جو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ :

مومن ایک دوسرے کے لیے دیوار کی طرح ہے کہ وہ ایک دوسرے کی وجہ سے مضبوط ہوتے ہیں۔

اور فرمایا : اہلِ ایمان آپس میں محبت اور رحم و کرم میں ایک نفس کی طرح ہیں کہ ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو کر آنکھوں پر کاٹتا ہے۔

۱ بنی آدم اعضائے یکدیگر اند
که در آفرینش ز یک گوہر اند

۲ چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار

۳ تو کز محنت دیگراں بے غمی
نشاید که نامت نہند آدمی

ترجمہ : ۱۔ بنی آدم ایک دوسرے سے اعضاء کی طرح ہیں اس لیے تخلیق ایک ہی جوہر ہیں۔

۲۔ جب ایک عضو کو زمانہ تکلیف پہنچاتا ہے تو دوسرے اعضاء کو قرار نہیں رہتا۔

۳۔ جب تُو دُوسروں کے دُکھ سے بے خبر ہے تو لائق نہیں کہ تیرا نام آدمی ہو۔

(باقی ص ۱۷۱ پر)

marfat.ocm

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ وَمَن
اے ایمان والو! شیطان کے قدموں پر نہ چلو اور جو شیطان
يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۚ
کے قدموں پر چلے تو وہ بے حیائی اور بری ہی بات بتائے گا
وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ
اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں کوئی بھی کبھی ستھرا نہ ہو سکتا ہاں اللہ
اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢١﴾ وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ
ستھرا کر دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ سنتا جانتا ہے اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے
وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ
اور گنجائش والے ہیں قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے کی
وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢﴾
اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزریں کیا تم اسے دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تمہاری بخشش کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان
إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
بے شک وہ جو عیب لگاتے ہیں انجان پارسا ایمان والیوں کو ان پر لعنت ہے دنیا اور آخرت میں
وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم
اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے جس دن ان پر گواہی دیں گی ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں
بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ
جو کچھ کرتے تھے اس دن اللہ انہیں ان کی سچی سزا پوری دے گا اور جان لیں گے کہ
اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾ الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ ۖ
اللہ ہی صریح حق ہے گندیاں گندوں کے لیے اور گندے گندیوں کے لیے
وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ
اور ستھریاں ستھروں کے لیے اور ستھرے ستھریوں کے لیے وہ پاک ہیں ان باتوں سے جو یہ کہہ
لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾
رہے ہیں ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے

ع ۹ ۳

marfat.ocm

ف: اہلِ اسلام کی امداد اور ان کا تعاون اور ان کے لیے خیر و بھلائی کا ارادہ کرنا دین کے ارکان سے ہے جو مسلمانوں کو فتنہ میں ڈالنے اور رُسوا کرنے کے درپے ہو وہ خناس کی طرح تمام مخلوق سے شریر ترین انسان ہے۔

ف: آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ توبہ کرنے سے عذابِ الٰہی ٹل جاتا ہے۔ نیز ثابت ہُوا کہ آخرت کا عذاب اس شخص کو ہوگا جو گناہوں پر اصرار کرے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینے والے کو قیامت میں اللہ تعالیٰ عام مخلوق میں سزا دے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ میرے لیے مہاجرین میں چند برگزیدہ افراد کو منتخب فرمائے گا جن کے ساتھ میں تیرے متعلق مشورہ کروں گا۔

جب بی بی صاحبہ نے حضور علیہ السلام سے یہ حدیث سنی تو رو پڑیں اور کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا، میں آپ کی راحت اور آپ کے سرور کو اپنی خوشی سے مقدم سمجھتی ہُوں۔ یہ سُن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام متبسم ہُوئے اور فرمایا تو صدیق کی صاحبزادی ہے (اسی وجہ سے جواب وہ دیا جو لاجواب ہے)

ف: اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بڑا رحیم و کریم ہے ان پر بہت زیادہ لطف و کرم فرماتا ہے اور انہیں مذموم اوصاف سے پاک وصاف فرماتا ہے اگرچہ وہ دنیا و آخرت کے عذاب کے بھی مستحق ہوں کیونکہ اس نے مخلوق کو رحمت کرنے کے لیے پیدا فرمایا، اسے عذاب کرنے کے لیے نہیں بنایا۔ اگر ان پر کوئی عذاب نازل فرماتا ہے تو وہ ان کے اعمال کی شامت اور بُرے اختیار کی وجہ سے ہوتا ہے۔

دُعا ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان اوصافِ ذمیمہ سے بچائے جو دردناک عذاب کے موجب ہیں اور ہمیں ان اخلاقِ حمیدہ سے مشرف فرمائے جو دارِ نعیم میں تنعمات اور درجاتِ علیا کا باعث ہیں۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ۔ خطوات، خطوۃ بضم الخاء بمعنے وہ فاصلہ جو دو قدموں کے درمیان ہے۔ یعنی چلنے والے کے دو قدموں کے درمیان کا فاصلہ۔ وبالفتح بمعنے چلنے کی ایک نوبت۔ اور یہاں پر اتباع الخطوات سے اقتداء مراد ہے۔ اگرچہ یہاں چلنے کا معنیٰ ہی نہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے،

اتبع خطوات فلان ومشی علی عقبہ۔ (اس نے فلاں کی اتباع کی اور اس کے قدم بہ قدم چلا۔)

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے طریقے کو اپنائے۔ یہاں پر شیطان کی سیرت و طریقہ مراد ہے۔ اب معنیٰ یوں ہُوا کہ اے مومنو! شیطان کے اس طریقہ کو نہ اپناؤ جس کی طرف وہ تمہیں بلاتا اور اس کا تمہارے دلوں میں

maarfat.com

وسوسہ ڈالتا اور اسے تمہاری آنکھوں میں مزین کر دکھاتا ہے منجملہ اس کے فاحشہ کی اشاعۃ ومحبۃ ہے۔ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ اور جو بھی شیطان کی اتباع کر کے فاحش ومنکر کا ارتکاب کرتا ہے فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ط یہ جزاء کی علت اور اسی کے قائم مقام ہے فاحشہ و فحشاء وہ برائی جو عقلاً و عرفاً عظیم تر سمجھی جائے قولاً ہو یا فعلاً، اور المنکر وہ برائی جو شرعاً قبیح ہو۔

ف: ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ امر جسے شرع وسنت قبیح کہے۔ المفردات میں ہے جس کے قبح کا عقول صحیحہ حکم دیں یا اس کے قبح پر عقول صحیح کو توقف ہو۔ نیز جسے شریعت میں قبیح سمجھا جائے اسے منکر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ استعارۃً ہر وہ امر جسے شیطان مزین کر کے دکھائے اور بنو آدم کی تحقیر کے پیش نظر انھیں شر پر برانگیختہ کرے اسے منکر سے تعبیر کیا جائے گا۔ یعنی شیطان انہیں فحشاء و منکر کا حکم دیتا ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔ یعنی مذکورہ بیانات نہ ہوتے اور توفیق نصیب نہ ہوتی جو کہ گناہوں کو مٹانے والی ہے اور حدود شرع نہ مقرر ہوتے جو گناہوں کا کفارہ ہیں مَا زَكٰى تو گناہوں کی میل اور گرد سے پاک وصاف نہ ہو مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ تم میں سے کوئی ایک۔ پہلا مِن بیانیہ اور دوسرا زائدہ۔ محلاً مرفوع علی الفاعلیۃ ہے اَبَدًا ہمیشہ تک یعنی آخر الدہر یعنی غیر منتہی زمانہ تک وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ لیکن اللہ تعالیٰ پاک اور ستھرا کرتا ہے مَنْ يَّشَآءُ ط اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے کہ اس پر فضل ورحمت کی بارش برساتا اور اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ جیسے اے مومنو! تمہارے ساتھ کیا۔

ف: اس میں قدریہ کا رد ہے وہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے طاعات وعبادات سے ہی نفوس کا تزکیہ وتطہیر کرتا ہے جسے توفیق کو کوئی دخل نہیں۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ اللہ خوب سنتا ہے منجملہ ان کے یہ اقوال بھی ہیں جو انہوں نے حدیث افک میں تراشے اور ان کے بعض نے اظہارِ توبہ بھی کیا عَلِيْمٌ ○ جملہ معلومات کو بھی خوب جانتا ہے منجملہ ان کے ان کے یہ بیانات بھی ہیں جو انہوں نے واقعہ افک میں دل میں چھپائیں اس میں بندوں میں توبہ میں اخلاص پیدا کرنے پر انگیختہ کیا گیا ہے ؎

گر نباشد خالص چہ حاصل از عمل

ترجمہ: اگر نیت خالص نہ ہو تو اس عمل کا کیا فائدہ!

تفسیر صوفیانہ

ان آیات سے چند امور ثابت ہوئے۔

(۱) شیطان کے طریقے ان گنت ہیں یہ وہی ہیں جن پر فحشاء ومنکر کا اطلاق ہو سکتا ہے منجملہ ان کے قذف، شتم، کذب اور لوگوں کے عیوب کی تفتیش۔

حدیث شریف ۱: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

marfat.ocm

بندے کی ہر بات اس کے لیے مضر ہے سوائے امر بالمعروف ونہی عن المنکر لعد ذکرِ الٰہی کے۔

حدیث شریف ۲ : مبارکباد کا مستحق ہے ہر وہ شخص جو اپنے عیوب پر نظر رکھنے میں اتنا مشغول ہے کہ اسے دوسروں کے عیوب پر نظر کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔

ف : نیز وہ بھی مبارکباد کا مستحق ہے جو حلال کی کمائی سے راہِ حق میں خرچ کرتا ہے اور فقہاء کی مجلس میں بیٹھتا ہے اور حکماٗ کے پاس آمد و رفت رکھتا ہے اور اہلِ معصیت و جہلاٗ سے کنارہ کش رہتا ہے۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ خطوات الشیطان سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی منت ماننا۔ (کذافی تفسیر ابی اللیث) طاعتِ الٰہی کی منت ماننا کارِ ثواب ہے۔ مثلاً نماز، روزہ وغیرہما، اس لیے کہ یہ امورِ فحشاٗ و منکر سے روکتے ہیں۔

(۲) نفوس کا تزکیہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہ اپنے بندوں میں جس کے لیے استاد کامل یعنی مرشد کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اسے راہِ حق پہ لگائے۔ ہم ان امور میں سب سے بڑا وسیلہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں۔ ان کے بعد ان حضرات کو جو ہمیں راہِ حق پہ لگائیں۔

ابوالحسن خرقانی شیخ الاسلام حضرت عبداللہ انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علمِ حدیث وعلمِ شریعت کے میرے مشایخ بہت ہیں لیکن طریقت کے میرے مشایخ صرف ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ ہیں۔ اگر مجھے ان کی زیارت نصیب نہ ہوتی تو میں حقیقت سے ناآشنا رہتا۔

ف : اہلِ ارشاد ہی طریقۂ دین کے رہبر اور ابوابِ یقین کی کنجیاں ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان کامل کا وجود غنیمت ہے ان کی صحبت نعمتِ عظمیٰ ہے ؎

زمن اے دوست ایں یک پند بپذیر
برو فتراک صاحب دولتے گیر
کہ قطرہ تا صدف را در نیابد
نگردد گوہر روشن نتابد

ترجمہ : مجھ سے اے دوست یہ ایک نصیحت قبول فرما، وہ یہ کہ صاحبِ دولت کا دامن تھام اس لئے کہ پانی کا قطرہ جب تک صدف کے منہ میں نہیں جاتا اس وقت تک روشن موتی نہیں بن سکتا۔

تصفیۂ قلب کی نشانی حقیقی تزکیہ کی نشانی یہ ہے کہ پہلے دل کو گناہوں اور غلطیوں سے نفرت ہوتی ہے پھر اغیار سے بالکل تنفر ہو جاتا ہے۔

مَنْ یَّشَآءُ میں اشارہ ہے کہ ہر انسان تزکیہ کا اہل نہیں جیسے منافقین اور وہ لوگ جن کے قلوب رعونت و سرکشی کے زنگ میں ہیں۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی اہلِ ایمان میں سے حدیثِ افک میں غلطی کا شکار ہوا

marfat.ocm

اس کی مغفرت و معافی ہو گئی۔ جیسے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ، جیسا کہ آنے والی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں معظم الشان تھے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو جھانک کر دیکھا۔ یعنی انہیں نظرِ رحمت و مغفرت سے نوازا اور ان کے حق میں فرمایا:

اے بدریو! جو چاہو کرتے جاؤ، میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔

ازالۂ وہم اس حدیث شریف کی مراد یہ ہے کہ اس کریم نے اہلِ بدر کے ساتھ اظہارِ عنایت و شفقت اور ان کے مراتب و درجات کی بلندی کا اظہار فرمایا ہے۔ اس سے یہ مطلب لینا گمراہی ہے کہ (معاذ اللہ) انہیں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی برائی کے ارتکاب کی رخصت عام فرما دی۔ یہ وہ طرزِ ادا ہے کہ محبوب کو کہا جاتا ہے:

اصنع ماشئت۔

(جو تیرا جی چاہے کرتا جا)

ف: المقاصد الحسنہ میں ہے کہ بعض اہلِ عرب کہتے ہیں:

کانك من اهل البدر۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی قول و فعل سے چشم پوشی کی جائے۔ ہر گناہ کی توبہ کی قبولیت کا اسی سے سوال ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَا يَأْتَلِ۔ الأتلا بمعنے القسم یعنی قسم کھانا دکذا فی تاج المصادر) الالیۃ سے ہے بمعنے الیمین۔ ولا یاتل بمعنے ولا یحلف یعنی قسم نہ کھائے۔

شانِ نزول یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب انہوں نے قسم کھائی کہ اپنے خالہ زاد مسطح کو خرچہ وغیرہ نہیں دیں گے کیونکہ وہ فقیر مسکین بدری مہاجر تھے۔ قسم اس لئے کھائی کہ اُنہوں نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی میں حصہ لیا تھا۔

اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ دین کی فضیلت والے۔ اور الفضل بمعنے زیادتی۔ وَالسَّعَةِ اور مال کی وسعت والے۔ اَنْ يُّؤْتُوْٓا یہ کہ نہیں دیں گے اور احسان و مروّت نہیں کریں گے۔ یہاں پر حرف علیٰ محذوف ہے اور یہ عام ہے۔ یعنی اکثر طور بعض مقامات پہ حرفِ جر حذف کر دیا جاتا ہے اُولِي الْقُرْبٰى رشتہ داروں پر وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مسکینوں اور مہاجر فی سبیل اللہ پر۔ یہ ایک ہی موصوف کے صفات ہیں اور موصوف لفظ ناس ہے۔ یعنی وہ لوگ جن کے صفات مذکورہ جامع ہوں اس لیے کہ ایسے لوگوں کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ انہی صفات سے موصوف تھے کیونکہ مسطح رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر

marfat.ocm

رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار اور مسکین و مہاجر تھے۔

نکتہ: صفات کو حرفِ علت کے ساتھ لانے میں اشارہ ہے کہ ان کی ہر صفت مستقل طور پر استحقاق انفاق کی علت تھی وَلْيَعْفُوا چاہیے کہ ان کی غلطیوں سے درگزر فرمائیں وَلْيَصْفَحُوا اور ان کی ملامت سے اعراض فرمائیں۔

ف: امام راغب نے لکھا کہ الصفح بمعنے ترک ملامت۔ اور یہ عفو سے بلیغ تر ہے۔ اس لیے کہ بارہا کا تجربہ ہے کہ انسان کسی کو معاف تو کر دیتا ہے لیکن اسے اس کی غلطی پر ملامت کرتا رہتا ہے اَلَا تُحِبُّوْنَ کیا تمہیں پسند کہ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ تمہیں اللہ بخش دے یعنی تمہارے عفو اور ترکِ ملامت اور برائی کے بدلہ میں احسان کے عوض تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت عطا فرمائے وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے مواخذہ کی کامل قدرت ہے لیکن پھر بھی وہ بہت بڑی رحمت و مغفرت کا مالک ہے۔

ف: اس میں ترغیب ہے کہ بندے کو چاہیے کہ عفو و درگزر کرنے کی عادت اپنائے اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے بھی عفو اور مغفرت و رحمت کا وعدہ کریمہ فرمایا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو فرماتا ہے کہ کیا تم میری مغفرت کے خواہاں نہیں ہو۔ اگر واقعی میری مغفرت اور عفو و رحمت کے خواہاں ہو تو اس کا موجب یہی ہے کہ تم اس کے بندوں کو معافی دو اور ان کی غلطیوں اور خطاؤں سے درگزر کرو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایثار مروی ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آیۃ ہذا سنائی تو عرض کی: میں چاہتا ہوں کہ میرا رب تعالیٰ میری مغفرت فرمائے۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کو حسبِ دستور خرچہ دے دیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا اور فرمایا کہ تادمِ زیست ان سے خرچ بند نہ کروں گا۔

ف: معجم طبرانی کبیر میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد حضرت مسطح کو پہلے سے دُگنا خرچہ دینا فرما دیا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ جو شخص کسی امر کے کرنے نہ کرنے کی قسم کھائے لیکن پھر محسوس ہو کہ یہ قسم نہ کھانی تھی تو اس پر لازم ہے کہ حانث ہو کر قسم کا کفارہ ادا کرے۔ اس میں اسے تین ثواب نصیب ہوں گے:

۱۔ امرِ الٰہی کی فرمانبرداری

۲۔ احسان و مروت کا اجر، وہ اس لیے کہ اس نے صلہ رحمی کی۔

۳۔ کفارہ دینے کا اجر و ثواب۔

فضیلتِ صدیق رضی اللہ عنہ آیت سے چند فوائد مرتب ہوئے: علمائے کرام نے اس آیت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

marfat.com

فضیلت و شرافت پر استدلال کیا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک عیب سے معیوب ہونے سے روکا ہے اور انھیں اولو الفضل کے نام سے موسوم فرمایا نیز صیغہ جمع کے ساتھ یاد کرنے سے بھی ان کی فضیلت کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ صیغہ جمع تعظیم و تکریم کے لیے بولا جاتا ہے ۔ چنانچہ قوم کے سردار اور اعلیٰ شخصیت کے لیے کہا جاتا ہے لا یفعلوا کیت کیت ۔

شیعہ کا رد

منکرین نے کہا کہ یہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے مال و دولت کی وجہ سے اولو الفضل کہا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مال کی وجہ سے انھیں اولو الفضل کہنا تسلیم کیا جائے تو تکرار لازم آتا ہے اس لیے کہ آیت میں لفظ السعۃ واقع ہے اور قرآن مجید میں تکرار ناموزوں ہے ۔ نتیجہ نکلا کہ آیت میں صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی تصریح ہے کہ واقعی بعد الانبیاء افضل الخلق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں ۔

علی و صدیق کی آپس میں محبت و عقیدت کا بیان

انسان العیون میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس لیے اولو الفضل فرمایا کہ اس کے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے آپ کو اولو الفضل سے یاد فرمایا ۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر رونق افروز تھے ، حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب بیٹھے تھے جونہی حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جگہ چھوڑ دی اور اپنی جگہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بٹھایا ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیفیت دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا :

لا یعرف الفضل لاھل الفضل الا اولوا الفضل ۔

(صاحبِ فضیلت کی فضیلت کو فضیلت والا ہی جانتا ہے)

حکیم سنائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ؎

۱ بود چنداں کرامت و فضلش
که اولوا الفضل خواند ذو الفضلش

۲ صورت و سیرتش ہمہ جاں بود
زاں ز چشم عواں پنہاں بود

۳ روز و شب سال و ماہ در ہمہ کار
ثانی اثنین اذ ھما فی الغار

marfat.ocm

ترجمہ: ۱۔ اس کی کتنی فضیلت و بزرگی ہوگی جسے اہلِ فضیلت ذُوفضل سے یاد فرمائیں۔

۲۔ اس کی صورت و سیرت محبوب ہے وہ عوام کی آنکھ سے پوشیدہ ہے۔

۳۔ روز و شب اور مہ و سال اس کے ثانی اثنین اور رفیقِ غار ہیں۔

(۴) برے کو برائی کے بدلے کے بجائے احسان و مروت سے نوازا جائے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ہنس پڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ کے ہنسنے کا سبب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

"میری اُمت کے دو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور میں گھٹنوں کے بل حاضر ہوئے۔ ایک نے عرض کی کہ یا اللہ! اس سے میرے حقوق ادا کرائیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھی سے فرمایا: اس کے حقوق ادا کیجئے۔ اس نے عرض کی: یا اللہ! میرے پاس تو ایک نیکی بھی نہیں رہی۔ اس دوسرے نے عرض کی: یا اللہ! میرے گناہ اس پر رکھ دیجئے۔"

اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا:

"وہ بہت بڑا دن ہے اس وقت لوگ آرزو کریں گے کاش! ان کے گناہ سر سے اٹھانے والا کوئی ہو!"

اس کے بعد حضور علیہ السلام نے ان دونوں کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا:

"اللہ تعالیٰ حقوق طلب کرنے والے سے فرمائے گا آنکھ اٹھا کر بہشت میں دیکھیے۔ عرض کرے گا یا اللہ! بہشت میں سونے کے شہر دیکھتا ہوں جس کے محلات سونے سے اور ان پر موتیوں کا جڑاؤ ہے، فرمائیے یہ کسی نبی علیہ السلام یا کسی صدیق یا شہید کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ اس کے لیے ہیں جو ان کی قیمت ادا کرے گا۔ عرض کرے گا یا اللہ! اس کی قیمت کون ادا کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اس کی قیمت تیرے پاس ہے اگر تو ادا کر دے تو یہ تمام محلات تجھے دے دیے جائیں گے۔ عرض کرے گا یا اللہ! وہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ ہے تیرا اپنے بھائی کو معاف کرنا۔ عرض کرے گا: میں نے اسے معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو پھر دیر کیا ہے، لے جا اپنے بھائی کو، اور دونوں بہشت میں داخل ہو جاؤ۔"

من کان یرجو عفو من فوقہ

فلیعف عن ذنب الذی دونہ

ترجمہ: جو اپنے سے بڑے سے معافی کا خواستگار ہے اسے اپنے سے چھوٹے کو معاف کرنا چاہیے۔

marfat.ocm

ع درعفو لذتیست کہ در انتقام نیست

(معافی میں جو لذت ہے وہ انتقام میں نہیں)

۴۔ مشایخ و اولیاء و اکابر علماء کو نصیحت ہے کہ وہ اپنے متعلقین کی خطاؤں اور لغزشوں سے چشم پوشی سے کام لیں بلکہ تخلقوا باخلاق اللہ پر عمل کرتے ہوئے ان کی غلطیاں معاف کر دیں اور انھیں یہ بھی سمجھایا ہے کہ ان سے احکامِ طریقت کی تعلیم نہ روکیں اس لیے کہ ہر حال میں اللہ معین و مددگار ہے۔ اور سیئات اعمال کی معافی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ، الرمی کا معنیٰ سورۃ کے اوائل میں گزرا ہے، بے شک وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں اَلْمُحْصَنٰتِ پاکدامن عورتوں پر کہ جنہیں زنا اور فاحشہ جیسے قبیح افعال سے متہم کیا گیا اَلْغٰفِلٰتِ جو بے خبر ہیں یعنی ایسے قبائح و فواحش کا ان کو وہم و گمان تک نہیں ہوتا اور نہ ان کے متعلقات یعنی بوس و کنار وغیرہ کو جانتی ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہ محصنات سے زیادہ پاکیزہ ہوتی ہیں۔

ف: التعریفات میں ہے کہ غفلت عن الشئ سے مراد ہے کہ اس کا وہم و گمان تک نہ ہو۔

اَلْمُؤْمِنٰتِ وہ جو ایمان سے موصوف ہیں۔ یعنی ہر وہ جملہ امور واجبات ہوں یا محظورات، ان سب کو وہ دل سے مانتی اور زبان سے اقرار کرتی ہیں ایسی عورتیں جن کا ایمان حقیقی تفصیلی ہے اسی لیے اسے دوسری صفات سے مؤخر کر کے لایا گیا ہے۔ اس سے بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مراد ہیں۔ اور صیغۂ جمع اس لیے ہے کہ ان پر بہتان تراشی گویا جملہ امہات المؤمنین کو متہم کرنا ہے کیونکہ عصمت و نزاہت سب کی سب مشترک اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے میں برابر ہیں۔ اس کی نظیر کذبت قوم نوح المرسلین میں ہے کہ اُنھوں نے نوح علیہ السلام کو جھٹلا کر گویا تمام انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی لُعِنُوْا بسبب اس کے کہ اُنھوں نے بی بی صاحبان کے حق میں کہنے اور ان کی حرمت کی ہتک کی وجہ سے ملعون ہوئے فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ دنیا و آخرت میں اس لیے کہ اہلِ ایمان میں رحمت سے دور ہوئے یعنی عالم دنیا میں مردود و ملعون ہیں اور آخرت میں مبغوض و مطرود ہیں۔ لعنت بمعنے کسی کو بطریق غیظ و غضب ہٹانا اور دور کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے بندے کو آخرت میں عذاب میں مبتلا کرے اور دنیا میں اسے اپنے فیض کے قبول کرنے اور توفیق سے محروم فرمادے۔ اور بندے سے کسی دوسرے کو لعنت بمعنے بددعا کرنا وَلَھُمْ ان کے لئے مذکورہ لعنت ہے عَذَابٌ عَظِیْمٌ بہت بڑا عذاب، اس لیے کہ ان کا جرم عظیم ہے تو انہیں عذاب بھی بڑا ہوگا۔

ف: مقاتل نے فرمایا کہ یہ صرف عبداللہ بن ابی کے لیے ہوگا۔ اسی طرح حضرت شیخ نجم الدین قدس سرہٗ نے اپنی

marfat.ocm

تاویلات میں اشارہ فرمایا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ جَاءُو بِالْاِفْكِ الخ میں سے مستثنیٰ ہیں اسی لیے ہم اس حکم میں حضرت مسطح وغیرہ رضی اللہ عنہم داخل ہیں اہلِ بدر نہیں جیسا کہ ان کی مغفرت کی طرف اشارہ پہلے گزر چکا ہے۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حکم ہر بہتان تراشی کو عام ہے بشرطیکہ وہ خلوصِ قلب سے توبہ کرے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات اعمال تباہ کن ہیں ان سے بچو، وہ سات اعمال یہ ہیں :

۱۔ شرک باللہ

۲۔ سحر

۳۔ اس نفس کو قتل کرنا جس کا قتل کرنا حرام ہے۔

۴۔ سُود کھانا

۵۔ یتامیٰ کا مال کھانا

۶۔ جنگ میں پیٹھ دے کر بھاگنا

۷۔ مومنات غافلات پر زنا وغیرہ کی تہمت لگانا۔

مسئلہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر بہتان تراشا اس کی توبہ ناقابلِ قبول ہے، ان کے سوا عام مومن عورت پر بہتان باندھنے پر توبہ قبول ہونے کی اُمید ہے۔ اس کی دلیل آپ نے وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الٰی اِنْ قَالَ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا آیت میں پڑھی۔

یَوْمَ یہ مذکورہ جار مجرور کے متعلق استقرار کی ظرف ہے تَشْهَدُ الشہادۃ بمعنے وہ قول[1] جو علم سے صادر ہو اور وُہ علم جو بصر و بصیرۃ کے مشاہدہ سے حاصل ہو۔ عَلَیْهِمْ اسے فاعل پر اسی لیے مقدم کیا گیا ہے اَلْسِنَتُهُمْ یعنی اسی وقت ان کی زبانیں ان پر بلا اختیار گواہی دیں گی۔ یہ اس وقت سے پہلے کی بات ہے جب ان کی زبانوں پر مُہر لگائی جائے گی اسی لیے اس کے اور آیت الیوم نختم علی افواههم کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے کردار کی گواہی دیں گے یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ توفیۃ بمعنے شے کو پُورا خرچ کرنا۔

---

[1] اسی لیے ہم شاھدًا و شھیدًا بمعنے حاضر و ناظر کہتے ہیں۔ اویسی غفرلہ

marfat.com

ف : الوافی وہ شے جو اپنی تکمیل کو پہنچے۔ اور دین بمعنے جزاء اور الحق منصوب ہے۔ یہ دین کی صفت ہے۔ اب معنٰی یہ ہُوا کہ جبکہ ان کے اعمال قبیحہ کی گواہی دیں گے جس پر انھیں اللہ تعالیٰ مکمل طور پر جزا و سزا دے گا جبکہ وہ اسی سزا کے مستحق ہوں گے۔

وَيَعْلَمُونَ جب ہولناک امور دیکھیں گے تو یقین کریں گے کہ **إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ** ۝ بے شک اللہ تعالیٰ حق ہے اور اس کی حقانیت ظاہر ہے یعنی انہیں معلوم ہوگا کہ دُنیا میں جس سزا کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا وہ حق ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ وہ فرمان جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا' حق ہے۔

ف : آیت سے چند امور ثابت ہوئے :

(۱) جو لعنت کا مستحق ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔

قاعدہ : امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا :

لعنت کے موجب تین امور ہیں :

۱۔ کفر

۲۔ بدعت (سیئہ دربارہ عقاید)

۳۔ فسق

ان ہر ایک کے تین مراتب ہیں :

۱۔ لعنت بالوصف الاعم جیسے لعنۃ اللہ علی الکافرین۔ ایسے ہی کہنا مبتدعہ اور فسقہ پر لعنت وغیرہ۔

۲۔ لعنت بالوصف الاخص۔ مثلاً کہا جائے یہود و نصاریٰ اور قدریہ و خوارج و روافض اور زانیوں و ظالموں اور سُود خواروں پر لعنت ہو اور ایسے لوگوں پر مجموعی طور پر لعنت ہے۔

مسئلہ : اہلِ بدعت کے بعض افراد پر لعنت کرنا خطرہ ہے اس لیے کہ بدعت کو سمجھنا مشکل امر ہے جس امر کے لیے لعنت کی احادیث میں تصریح نہیں اس سے عوام کو لعنت سے روکا جائے کیونکہ بوجہ عدم صراحۃ کے عوام کے خیالات میں تصادم ہوگا۔ پھر اس تصادم سے آپس میں دنگا و فساد ہوگا (چنانچہ دورِ حاضرہ میں وہابیہ دیوبندیہ نجدیہ نے عوام سے بدعت کے معاملہ میں دنگا فساد برپا کیا ہوا ہے)

۳۔ شخص معین پر لعنت کرنا، لیکن اسے دیکھنا ہوگا کہ واقعی اس میں شرعی کفر ثابت ہے تو پھر اس پر لعنت کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس شخص معین پر لعنت کرنے سے کسی مسلمان کے دل کو اذیت نہ پہنچے، جیسے نمرود، فرعون' ابو جہل ملعون کہنا جائز ہے اس لیے کہ ان پر لعنت کرنے سے کسی کا دل نہیں دُکھتا اور شرعاً ثابت ہے کہ یہ لوگ کفر یہ مرے ہیں۔

marfat.ocm

مسئلہ: اگر کسی کے خاتمہ کا علم نہ ہو کہ وہ کفر پر مرا ہے یا نہیں، تو اس پر لعنت کرنا ناجائز ہے۔ جیسے کہا جائے کہ زید پر لعنت ہو اور وہ یہودی یا نصرانی ہو، تو ایسے لوگوں پر لعنت کرنا خطرے سے خالی نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ بعد ازاں مسلمان ہو گیا ہو یا توبہ کر کے مرا ہو یا وہ اللہ کے نزدیک اسلام قبول کر چکا ہو۔ اس لیے اسے قطعی طور پر ملعون نہ کہنا چاہیے۔

(۲) قیامت میں اعضاء گواہی دیں گے وہ اس لیے کہ انہیں اللہ تعالیٰ بولنے کی طاقت بخشے گا۔

ف: جیسے مجرمین کے اعضاء ان کے جرائم و معاصی پر گواہی دیں گے ایسے ہی مطیعین کی اطاعت پر بھی ان کے اعضاء نیکی کی گواہی دیں گے۔ مثلاً زبان نیک آدمی کے اقرار کی توحید و قرأۃ قرآن کی اور ہاتھ قرآن مجید پکڑنے کی اور پاؤں مسجد کی طرف چلنے کی اور آنکھ رونے کی اور کان کلام الٰہی سننے کی گواہی دیں گے۔

فائدہ صوفیانہ: قیامت کی گواہی تو ہوتی رہے گی لیکن دنیا میں عشاقِ حق کے اعضاء ان کے عشقِ الٰہی کی گواہی دیں گے۔ مثلاً:

۱۔ چہرے کا رنگ زرد ہونا
۲۔ جسم کا رنگ متغیر ہونا
۳۔ جسم کا ضعیف و نحیف ہونا
۴۔ آنکھوں سے آنسو کا بہنا
۵۔ دل کی دھڑکن وغیرہ۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

با ضعف و ناتوانی ہمچوں نسیم خوش باش
بیماری اندریں رہ بہتر ز تن درستی

ترجمہ: بادِ نسیم کی طرح اپنے ضعف و ناتوانی پر خوش ہو اس لیے کہ عشق میں تندرستی سے بیماری بہتر ہے۔

(۳) سزا اعمال کی مقدار پر ہوگی۔ مثلاً فساق کو دوزخ کے علاوہ ہجر و فراق میں مبتلا کیا جائے گا اور صالحین کو درجاتِ بلند اور عارفین وصال اور قربتِ الٰہی اور رؤیتِ رحمٰن نصیب ہوں گے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ وہ عورتیں جو زناکار ہیں لِلْخَبِيْثِيْنَ خبیث مردوں کے لیے جو کہ وہ بھی زانی ہوں گے۔ جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول منافق زانی تھا تو اسے عورت بھی زانی ملی یعنی خبیث عورتیں خبیث مردوں کو نصیب ہوں گی، اس لیے کہ ایسی عورتیں دوسروں کے لائق نہیں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے جو ہر ایک مرد و

marfat.ocm

عورت کو اس طرح کا رشتہ مقرر فرمائے جس طرح کے وہ ہیں۔ اس معنے پر یہ لام اختصاص کی ہوگی۔
وَالْخَبِیْثُوْنَ اور ناپاک مرد لِلْخَبِیْثٰتِ ناپاک عورتوں کے لیے، اس لیے کہ جنسیت کا تقاضا یونہی ہے، وَالطَّیِّبٰتُ اور پاک دامن عورتیں لِلطَّیِّبِیْنَ پاک دامن مردوں کے لیے وَالطَّیِّبُوْنَ اور پاک مرد لِلطَّیِّبٰتِ پاک عورتوں کے لیے۔ ایسے مردوں کو ایسی عورتیں نصیب ہوں گی جس کا نتیجہ نکلا کہ چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اطیب الطیبین و اوّلین و آخرین سے اولیٰ و اعلیٰ تھے۔ اسی لیے صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اطیب الطیبات ہونا ضروری ہے۔ اس کلیہ سے واضح ہوا کہ منافقین جو بکواسات و خرافات کہتے تھے سراسر باطل اور غلط تھے۔
کما قال تعالیٰ: اُولٰٓئِكَ وہ حضرات جو بلند شان کی صفت سے موصوف ہیں ان سے اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی ازواجِ مطہرات و آلِ اطہار) مراد ہیں۔

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ یہ آیات بی بی عائشہ صدیقہ و حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں نازل ہوئیں لیکن اسم اشارہ جمع کے لفظ کے ساتھ کیوں؟

جواب: چونکہ یہ عیب و نقص اور زنا کی تہمت اگرچہ بظاہر ان دونوں حضرات پر تھی لیکن حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع تھی اس لیے کہ آپ کے حرم محترم پر غلط تہمت لگائی گئی اور ایسے ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مطعون کیا گیا کیونکہ آپ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے والدِ گرامی تھے۔ ایسے ہی جملہ اہلِ اسلام پر طعن و تشنیع کی گئی ہے کیونکہ بی بی صاحبہ جملہ اہلِ اسلام کی ماں تھیں۔ اسی بنا پر صیغہ جمع کے ساتھ بیان فرمایا۔

مُبَرَّءُوْنَ بیزار یعنی منزہ و مقدس ہیں مِمَّا یَقُوْلُوْنَ اس سے جو اہلِ افک کہتے ہیں جو لوگ قیامت تک ہر زمانہ میں ان حضرات سے غلط باتیں منسوب کریں گے تو یقین جانئے کہ یہ حضرات ان کے جھوٹے اقوال کی نسبت سے پاک اور منزہ و مبرا ہیں لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ان کے لیے بہت بڑی مغفرت ہے۔ اس لیے کوئی بشر کسی غلطی سے خالی نہیں۔ (الا من شاء اللہ)

وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ اور بہشت میں ان کے لیے بہت بڑا رزق ہے۔ بعض نے کہا کریم بمعنے حسن ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ رزق بسیار و پایدار یعنی بہشت کی نعمتیں۔

قاعدہ: المفردات میں ہے کہ ہر وہ شے جو اپنی شان میں شرافت والی ہو اسے کرم کی صفت سے موصوف کیا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا: رزقِ کریم وہ ہے جو بقدر کفایت حاصل ہو جس میں کسی قسم کی منت و احسان نہ ہو۔ اس کی دنیا میں کوئی حد نہیں اور آخرت میں اس کے متعلق سوال نہ ہو۔

marfat.ocm

ف : فقیر (صاحبِ روح البیان) کہتا ہے کہ آیات کا سیاق بالخصوص جملہ ممّا یقولون بتاتا ہے کہ الخبیثات سے وہ خبیث مرد اور خبیث عورتیں اس لائق ہیں کہ ان کے منہ سے خبیث اقوال خارج ہوتے ہیں۔ ایسے ہی خبیث مرد اور خبیث عورتیں اس لائق ہیں کہ ان کے لیے خبیث باتیں کی جائیں یعنی بُرے لوگوں کو بُری شہرت نصیب ہوتی ہے۔ ایسے ہی وہ مرد اور عورتیں طیب (پاکیزہ) ہیں جن کی عالم دنیا میں نیک نامی مشہور ہوتی ہے۔ یہی وہ حضرات ہیں جو خبیث لوگوں کے خبیث اقوال سے پاک اور منزہ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ان آیات میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تنزیہ مراد ہے۔

ف : بعض علمأ نے فرمایا کہ خبیث قول خبیث مرد اور عورتیں بیان کرتی ہیں اور خبیث مرد اور عورتیں خبیث اقوال بولنے کے درپے رہتے ہیں۔ جیسے ابی بن سلول اور اس کے دوسرے ساتھی منافقین جنہوں نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشا اور یہ قاعدہ ہے کہ برتن سے وہی خارج ہوتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔ اور کلماتِ طیبہ ان لوگوں کے منہ سے نکلتے ہیں جو پاکیزہ ہیں اس لیے کہ وہ صرف کلمہ طیبہ ہی بولتے ہیں اور وہ ان خبیث کلمات سے مبرا اور پاک ہیں، جو خبیث لوگ بولتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ آیات میں ایسے لوگوں کی تنزیہ بیان کی گئی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں : سبحانك هٰذا بهتان عظيم۔

ایک شیعہ نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی گستاخی کی

حضرت حسن بن زیاد بن یزید رحمۃ اللہ علیہ طبرستان کے ایک بزرگ صوفیانہ لباس میں ملبوس رہتے تھے ان کا کام تھا کہ لوگوں کو امر بالمعروف فرمایا کرتے تھے اور ہر سال بغداد شریف میں بیس ہزار دینار بھیجتے تھے اور حکم فرماتے کہ یہ صرف صحابہ کرام کی اولاد پر تقسیم کیا جائے ان کے سامنے ایک شخص حاضر کیا گیا جو اپنے آپ کو شیعہ علی کہلواتا تھا لیکن وہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالیاں دیتا تھا۔ حضرت حسن مذکور نے اپنے نوکر کو فرمایا کہ اس کی گردن اڑا دے۔ علوی لوگوں نے درخواست کی حضور! اسے معاف کر دیجئے یہ ہمارا ہم جماعت ہے آپ نے فرمایا : (معاذ اللہ) اس بدبخت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہے کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذمت درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت ہے۔ قرآن مجید کا فیصلہ ہے کہ الطیبات للطیبین الخ۔ چونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم طیب و طاہر تھے اس لیے آپ کی زوجہ کا بھی طیبہ و طاہرہ ہونا لازمی ہے۔ اس لیے اے میرے غلام! جلدی کیجئے اور اس بدبخت کی گردن تن سے جدا کر دو۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

ذرہ کاندر ہمہ ارض و سما ست

جنس خود را ہمچو کاہ و کہربا ست

ترجمہ: وہ ذرّہ جو تمام زمین و آسمان میں ہے وہ اپنی ہم جنس کی طرح خس و خاشاک ہے۔

ناریاں مر ناریاں را جاذبند

نوریاں مر نوریاں را طالبند

ترجمہ: آگ سے پیدا ہونیوالی مخلوق ہمیشہ آگ والی مخلوق کو پسند کرتی ہے نیک لوگ ہمیشہ نیکوکاروں کو پسند کرتے ہیں۔

۱۔ اہلِ باطل باطلاں را می کشند

اہلِ حق از اہلِ حق ہم سرخوش تنند

۲۔ طیبات آمد ز بہر طیبین

الخبیثات للخبیثین است بین

ترجمہ: اہلِ باطل باطل کو کھینچتے ہیں، اہلِ حق اہلِ حق سے خوش ہیں۔

۲۔ طیبات طیبین کے لیے آیا ہے، الخبیثات خبیثین کے لیے ہے۔

ف: الراغب نے فرمایا جس سے طبیعت کراہت کرے وہ محسوس ہو یا معقول' یہ اعتقاد باطل اور جھوٹے اقوال اور گندے افعال کو شامل ہے الخبیثات للخبیثین یعنی اعمال ردیہ اور گندے اختیارات ان لوگوں کے نام نامزد ہیں جو خبیث ہیں۔ اور طیب وُہ ہے جس سے حواس کو لذت نصیب ہو۔ الطیبات للطیبین میں اشارہ ہے کہ پاکیزہ اعمال پاکیزہ انسانوں کو نصیب ہوتے ہیں۔

حدیث شریف: مومن اپنے اعمال سے طیب تر ہیں۔ اور کافر اپنے اعمال سے خبیث تر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں دنیا اور اس کی شہوات کی خباثت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب خبیث لوگوں کے لیے ہیں کیونکہ اس کے نفوس متمرد ہیں اور خبیث سے وُہ اہلِ دُنیا مراد ہیں جو دنیا سے مطمئن ہیں۔ للخبیثات سے نفس کو لذت دینے والی اور اس کی خواہش اور پسند کی چیزیں مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ایسے خبیثوں کے لیے وہی خبیث چیزیں ہیں نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الخبیثات سے اخلاقِ مذمومہ اور اوصافِ ردیہ مراد ہیں اور خبیثین سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان اوصاف سے موصوف ہیں اور الطیبات سے اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ کریمہ اور الطیبین سے صالحین اور اربابِ قلوب مراد ہیں یعنی طیبات طیبین اور طیبین طیبات کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و لذلك خلقهم۔ اسی لیے انھیں پیدا فرمایا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک عمل کرو اس لیے کہ انسان جس کے لیے

marfat.ocm

پیدا کیا گیا ہے اسے اس کے مطابق عمل کی توفیق میسر آتی ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت و دوزخ پیدا کرکے ان کے لیے ان میں رہنے والے بھی پیدا فرمائے۔

دوسری تقریر حقائق البقلی میں ہے کہ خبیثات سے نفس کے ہوا جس اور شیطان کے وہ وساوس مراد ہیں جو باطل اور ریاکار اور غلط کار لوگوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں۔ اور طیبات سے وہ الہام مراد ہیں جو ملائکہ کرام کے واسطہ سے اصحابِ قلوب و ارواح کو نصیب ہوتے ہیں۔ یعنی وہ اربابِ عقول جنہیں عارفین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تیسری تقریر پریشانیاں اور اضطراب شک کرنے والوں اور معارف کے حقائق و دقائق اور کواشف کی شرح عارفین عارفین وعشاق کو نصیب ہوتے ہیں۔ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ جب بھی بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی روایت کرتے تو کہتے:

حدثتنی الصدیقۃ بنت الصدیق حبیبۃ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) المبرأۃ من السماء۔ یعنی صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہما اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ جن کی برأت آسمان سے اُتری، نے مجھ سے روایت کی۔

وفاتِ عائشہ رضی اللہ عنہا مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے وقت آپ کے ہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور بی بی صاحبہ کو دیکھا کہ وہ بارگاہِ حق کی حاضری میں جانے سے گھبرا رہی ہیں۔ آپ نے ان سے فرمایا: آپ گھبراتی کیوں ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مغفرت و رزقِ کریم کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہ سُن کر بی بی صاحبہ پر خوشی سے غنودگی طاری ہوگئی۔

بی بی صاحبہ کے مناقب بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ انعامات بخشے جو اور کسی بی بی کو نصیب نہیں ہوئے:

۱۔ جبریل علیہ السلام میری تصویر لے کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۲۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ نکاح فرمایا درانحالیکہ میں باکرہ تھی۔ میرے سوا کسی اور باکرہ بی بی سے آپ نے نکاح نہیں کیا۔

۳۔ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔

۴۔ آپ کا مزار مبارک میرے حجرے میں ہے۔

(باقی ص ۱۸۷ پر)

marfat.com

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ
اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ

بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ
جب تک اجازت نہ لے لو اور ان کے ساکنوں پر سلام نہ کرلو یہ تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ
دھیان کرو پھر اگر ان میں کسی کو نہ پاؤ جب بھی بے مالکوں کی اجازت کے ان میں نہ جاؤ اور اگر تم

قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ
سے کہا جائے واپس جاؤ تو واپس ہو یہ تمہارے لیے بہت ستھرا ہے اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے اس میں تم پر کچھ

جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ
گناہ نہیں کہ ان گھروں میں جاؤ جو خاص کسی کی سکونت کے نہیں اور ان کے برتنے کا تمہیں اختیار ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم

وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ
ظاہر کرتے ہو اور تم چھپاتے ہو مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ

اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ
ان کے لیے بہت ستھرا ہے بے شک اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے اور مسلمان عورتوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ

مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا
نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ
اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنا سنگار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا

اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ
اپنے باپ یا شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹے یا شوہروں کے بیٹے یا اپنے بھائی

اَوْ بَنِيْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ
یا اپنے بھتیجے یا اپنے بھانجے یا اپنے دین کی عورتیں یا اپنی کنیزیں جو اپنے ہاتھ کی ملک

اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا
ہوں یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں یا وہ بچے جنہیں عورتوں کی شرم کی چیزوں کی

عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ
خبر نہیں اور زمین پر پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ جانا جائے ان کا چھپا ہوا سنگار

marfat.ocm

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٣١ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى

اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانوں سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ اور نکاح کردو اپنوں

مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ

میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا اگر وہ فقیر ہوں تو اللہ انہیں غنی کردے گا

مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝٣٢ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا

اپنے فضل کے سبب اور اللہ وسعت والا علم والا ہے اور چاہیئے کہ بچے رہیں وہ جو نکاح کا مقدور نہیں رکھتے یہاں

حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

تک کہ اللہ مقدور والا کردے اپنے فضل سے اور تمہارے ہاتھ کی ملک باندی غلاموں میں سے جو یہ چاہیں کہ کچھ مال کمانے

فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ڰ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا

کی شرط پر انہیں آزادی لکھ دو تو لکھ دو اگر ان میں کچھ بھلائی جانو اور اس پر ان کی مدد کرو اللہ کے مال سے جو تم کو دیا اور مجبور نہ کرو

تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَي الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ

اپنی کنیزوں کو بدکاری پر جب کہ وہ بچنا چاہیں تا کہ تم دنیوی زندگی کا کچھ مال چاہا ہو

وَمَنْ يُّكْرِھْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٣٣ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ

اور جو انہیں مجبور کرے گا تو بیشک اللہ بعد اس کے کہ وہ مجبوری ہی کی حالت پر رہیں بخشنے والا مہربان ہے اور بیشک

اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً

ہم نے اتاریں تمہاری طرف روشن آیتیں اور کچھ ان لوگوں کا بیان جو تم سے پہلے ہو گزرے اور ڈر والوں کے لیے

۴ ع ۸ ۱۰ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٣٤ ع

نصیحت

۵۔ جب آپ کے دوسرے گھر والوں کے ہاں وحی اُترتی تو وہ آپ سے جُدا ہوتے لیکن جب آپ نزولِ وحی کے وقت میرے ہاں ہوتے، آپ میرے ساتھ میرے لحاف میں ہوتے تب بھی وحی نازل ہو جاتی۔

۶۔ آپ کے وصال کے بعد میرے والد گرامی خلیفہ منتخب ہوئے۔

۷۔ میرے والد گرامی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدیق تھے۔

۸۔ میری براءت آسمان سے نازل ہوئی۔

۹۔ میں طیبہ و طاہرہ ہو کر پیدا ہوئی۔

۱۰۔ مجھے مغفرت اور رزقِ کریم کا وعدہ دیا گیا۔

marfat.com

تفسیر عالمانہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔

شانِ نزول : حضرت عدی بن ثابت ایک انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی :
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میں گھر میں ایک وقت ایسی حالت میں ہوتی ہوں اس وقت میں نہیں چاہتی کہ کوئی مجھے دیکھے لیکن آنے والے اچانک آ ہی جاتے ہیں تو فرمائیے' میں کیا کروں ؟ آپ نے اسے فرمایا اب چلی جا (اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہوگا اس کی میں تجھے خبر دے دوں گا) تب وہ چلی گئی تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو !
لَاتَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں نہ چلے جایا کریں۔

مسئلہ : غیر بیوتکم کی قید باعتبار عادت کے ہے ورنہ اجارہ و اعارہ کے مکان بھی تو غیر کے گھر ہیں لیکن وہاں داخل ہونے کے لیے اجازت کا کیا معنیٰ۔

ف : اجارہ وہ مکان جو کرایہ پر لیا جائے اور اعارہ جو کسی کو بلا اُجرت ٹھہرنے کے لیے دیا جائے۔

حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا یہاں تک کہ ان سے اجازت مانگو۔ الاستئناس بمعنے استعلام آنس الشئی سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے کوئی شے کھل کر آنکھ کے سامنے آجائے تو پھر اسے معلوم کرلے۔ اجازت مانگنے والے کے لیے اس لیے مستعمل ہے کہ وہ حال کو معلوم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے یقین ہوجائے کہ اسے اجازت مل گئی ہے۔ یہ استیحاش کی نقیض ہے اس لیے کہ اجازت سے پہلے اجازت لینے والے کو یہ خوف ہوتا ہے کہ نہ معلوم اسے اجازت ملے یا نہ ملے۔ جب اسے اجازت مل جاتی ہے تو پھر وہ مانوس ہوجاتا ہے۔ اسی لیے اجازت لے کر آنے والے کو کہا جاتا ہے مرحبا اھلاً وسھلاً۔ یعنی خوش آمدید۔ آئیے تمہارے لیے مکان کھلا ہے اور تم اپنوں کے ہاں آگئے یہاں غیر کوئی نہیں اور تم ایسے گھر میں اترے ہو جو تمہارے لیے خوشگوار ہے اس میں تمہیں کسی قسم کا حُزن و ملال نہیں ہوگا۔ یہاں پر تمہاری تمام وحشت دُور ہوجائے گی اور یہاں تم آکر بہت خوش ہوگے لیکن آیت مطلق اجازت کے لیے ہے۔ یہ باب کنایہ سے ہے کہ استئناس یعنی لازم بول کر اجازت یعنی ملزوم مراد لیا گیا ہے۔

مسئلہ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے استئناس کا معنی پُوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ گھر کے باہر تسبیح یا تکبیر پڑھے یا کھنکارے تاکہ گھر والے اسے اندر آنے کی اجازت دیں۔

مسئلہ : نصاب الاحتساب میں ہے کہ اگر کوئی عورت زوج کے غیر میں بلا اجازت داخل ہو تو کیا اس سے محاسبہ ہوگا یا نہیں ؟ تو اس کے جواب میں فقہاے کرام نے فرمایا کہ اگر وہ عورت کے شوہر کے ذی محرم ہوں تو عورت ان کے گھر بلا اجازت جاسکتی ہے۔ یہ فقہاء کے مسائل عجیبہ وغریبہ میں سے ہے۔ اسے محیط میں سرقہ کے باب میں لکھا گیا ہے۔ اس کی صورت یُوں لکھی کہ اگر کسی عورت نے زوج کے ذی محرم کے گھر سے چوری کی ہو تو

marfat.ocm

عورت کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔

مسئلہ: اگر عورت شوہر کے غیر محرم کے گھر میں داخل ہو تو اس کا محاسبہ ہوگا جیسے مردوں سے غیر کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے سے محاسبہ ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہی آیت کا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا، ای تستاذنوا۔

ف: غیر کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت مانگنا اسلام کے بہترین آداب اور پسندیدہ افعال سے ہے۔ اس میں سعادۃ دارین کا راز مضمر ہے۔

وَتُسَلِّمُوا عَلٰٓی اَھْلِھَا ط اجازت طلب کرتے وقت ان کو السلام علیکم کہہ کر تین بار یوں بولو کہ کیا میں آجاؤں۔ اگر وہ اجازت دیں تو گھر میں داخل ہو کر دوبارہ کہے السلام علیکم۔ اگر وہ اجازت نہ دیں تو لوٹ آئے۔ **ذٰلِکُمْ** یہ طلب اجازت کے ساتھ السلام علیکم کہنا **خَیْرٌ لَّکُمْ** تمہارے لیے بہتر ہے اس سے کہ تم کسی کے گھر میں اچانک چلے جاؤ اگرچہ گھر میں سگی ماں بھی کیوں نہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اس وقت سر سے ننگی بیٹھی ہو۔

ف: اس میں دورِ جاہلیت کی رسم مٹانے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دوسروں کے گھروں میں بلا اجازت چلے جاتے تھے بلکہ داخل ہوتے وقت صرف اتنا کہتے: حییتم صباحا۔ (خدا کرے تم خیر سے صبح کو اٹھو) یہ صبح کے وقت کہتے، اور شام کو داخل ہوتے وقت کہتے: حییتم مساءً (خدا کرے تمہاری شام خیر سے ہو)

مسئلہ: کاشفی نے لکھا کہ اگرچہ اپنے گھروں میں بھی جاؤ تب بھی آوازِ بلند سے کسی کا نام لو یا کھنکار دو یا کھانسو تاکہ گھر والے سنبھل جائیں ممکن ہے کوئی ان میں کپڑے اتارے بیٹھا ہو یا کسی ناشائستہ حالت میں ہو۔

لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۵ یہ فعل مضمر کے متعلق ہے یعنی اس کا حکم تمہیں اس لیے ہوا تاکہ تم پند و نصیحت حاصل کرو اور اسی کے مطابق عمل کرو۔

سلام کے فوائد

۱۔ مسلمانوں کا نیک طریقہ ہے۔
۲۔ اہلِ جنت باہمی ملاقات کے وقت سب سے پہلے السلام علیکم کہیں گے۔
۳۔ الفت و محبت بڑھتی ہے۔
۴۔ بغض و کینہ دور ہوتا ہے۔

آدم علیہ السلام پیدائش کے بعد

مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کے اندر روح پھونکی گئی تو آپ کو چھینک آئی آپ نے کہا الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یرحمك ربك۔ اے آدم! ملائکہ کے پاس چلے جاؤ وہاں ان کی جماعت بیٹھی ہوگی انہیں کہو السلام علیکم۔ آپ نے ایسے ہی کیا جب لوٹے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا تحیہ ہے۔

marfat.com

حضور تاجدارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں:

۱۔ جب اسے ملے تو السلام علیکم کہے۔

۲۔ جب وہ اسے دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرے۔

۳۔ اس کی غائبانہ خیر خواہی کرے۔

۴۔ جب وہ چھینکے تو اس کی چھینک کا جواب دے۔

۵۔ جب وہ بیمار ہو تو اس کی طبع پرسی کرے۔

۶۔ جب وہ مر جائے تو اس کی نمازِ جنازہ میں شامل ہو۔

مسئلہ: جس گھر کو آگ لگی ہو یا چور لوٹ رہے ہوں یا ناحق کسی کو قتل کیا جا رہا ہو تو اس گھر میں بلا اجازت جانا واجب ہے جبکہ ان امور کے ازالہ کا ارادہ ہو اس وقت استیذان و استیلام کی ضرورت نہیں۔

یہ امور آیت کے امور سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ شرع پاک کا قانون ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات۔

ف: کشاف میں لکھا ہے کہ لوگوں نے بعض شرعی مسائل کو ایسے ترک کیا ہوا ہے کہ گویا وہ احکام منسوخ ہو چکے ہیں منجملہ ان کے ایک یہی طلب اجازت ہے۔

فائدہ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اجساد کے فانی اور مجازی گھروں میں سکونت بلکہ دخول بھی چھوڑ دو۔ نہ ہی ان سے مطمئن ہونا چاہیے بلکہ ان سے خلاصی پانے کے لیے ان کو دور سے سلام کرنا ضروری ہے اس لیے کہ جو بھی دارِ فانی یعنی دنیا اور اس کی شہوات کو ترک بلکہ ان سے بالکل روگردانی کرنے سے وطن حقیقی (کہ جس کی محبت عین ایمان ہے) کی طرف پہنچنا نصیب ہوتا ہے ؏

اگر خواہی وطن بیرون قدم نہ

(اگر تم وطن اصلی کے طالب ہو تو اس دار دنیا سے باہر قدم رکھو)

فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ پس اگر گھروں میں نہ پاؤ اَحَدًا کسی ایسے شخص کو جو اجازت دینے کا اہل ہو مثلاً گھر پر عورتیں یا چھوٹے بچے ہیں جو کسی کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت کے اہل نہیں یا سرے سے گھر پر کوئی نہ ہو فَلَا تَدْخُلُوْهَا تو گھروں میں مت داخل ہو بلکہ صبر کرو حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ یہاں تک کہ تمہیں گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے یعنی وہ شخص گھر میں آجائے تو اجازت دینے کا اہل ہو کیونکہ گھر میں داخل نہ ہونے میں دو چیزیں مانع ہیں:

۱۔ جن کا پردہ لازمی ہے۔

marfat.ocm

۲۔ گھر کا ایسا سامان کہ جسے دوسروں سے پوشیدہ رکھنا مطلوب ہے۔

بنا بریں بلا اجازت کسی کے گھر میں جانے میں غیر کے ملک میں تصرف کرنے کے مترادف ہے۔ نیز غیر کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونے میں چوری کے الزام کا خطرہ ہے۔

اعجوبہ فقیر (حقی) کہتا ہے ایک دفعہ ہم کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو گئے قدرتی طور پر اس کے گھر سے کچھ سامان چوری ہو گیا تو ہم پر الزام لگایا گیا، ہمیں بہت پریشانی ہوئی کہ ہم سب ایسے تھے کہ جن سے سرقہ کا وہم و گمان تک نہ تھا لیکن آیت کریمہ پر عمل نہ کرنے کی ہمیں سزا ملی کہ عرصہ تک کوئی راز نہ کھلا بالآخر وہ چوری کسی دوسرے کے ہاں سے مل گئی جو ہمارے رفقاء میں سے نہ تھا تب ہماری جان چھوٹی۔

وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا اور اگر تمہیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ فَارْجِعُوْا تو لوٹ جاؤ، ان گھروں کے دروازوں پر ایک لمحہ بھی نہ ٹھہرو۔ یعنی اگر تمہیں گھر والوں سے حکم ہو کہ چلے جاؤ تو وہاں مت ٹھہرو۔ گھر سے روکنے والا اجازت کا اہل ہو یا نہ ہو۔ نہ تو استیذان کے لیے تکرار کرو نہ اصرار اور نہ انتظار' اس خیال پر کہ ممکن ہے اجازت مل جائے اس لیے کہ اگر ایسا کرو گے تو اہل خانہ کے قلوب سے تمہارا وقار اٹھ جائے گا اور ویسے بھی مروت کے خلاف ہے۔ هُوَ تمہارا لوٹنا اَزْكٰى لَكُمْ تمہارے لیے پاکیزہ امر ہے اس لیے کہ اس سے نہ ہی تمہاری خفت ہو گی اور نہ ہی اہل خانہ کا تمہارے متعلق عناد پیدا ہونے کا خطرہ ہو گا ویسے بھی بلا وجہ غیروں کے گھروں کے آگے کھڑا ہونا بری عادت اور نہایت خسیس آدمیوں کا کام ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کردار کو خوب جانتا ہے۔ یعنی جن امور پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے یا ان سے رکنے کا' اگر تم اس کے امر و نہی کے مطابق عمل کرتے ہو تو ثواب پاؤ گے ورنہ عذاب۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں صاحب خانہ کے فنا کی طرف اشارہ ہے اور صاحبِ خانہ سے وجودِ انسانیہ مراد ہے اور اس میں عدم دخول کا معنیٰ ہے کہ طبیعت کو تصرف نہ کرنے دیا جائے کیونکہ اس کا تصرف وجودِ انسانیہ کے دعویٰ کا موجب ہے حتی یؤذن لکم میں اشارہ ہے کہ ہاں اگر اس میں استقامت وغیرہ کے لیے بامرِ الٰہی تصرف کیا جائے تو جائز ہے وان قیل لکم ارجعوا اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہو فارجعوا تو لوٹ کر ان میں اس طرح تصرف کرو جیسے مطمئن لوگ تصرف کرتے ہیں هو ازکیٰ لکم وہی تمہارے لیے بایں معنیٰ پاکیزہ تر ہے کہ انسانیت کے فتنوں میں سے کسی ایک فتنہ میں نہیں پڑو گے اور نہ ہی فنائیت کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے وجود کے دعویٰ میں مبتلا ہو گے واللہ بما تعملون اور وہ عمل جو تم کرتے ہو، مثلاً رجوع الی اللہ اور ترک تعلقات بموت جسمانیہ' اسے اللہ تعالیٰ عَلِيْمٌ جانتا ہے اس لیے کہ وہی عمل تمہارے لیے بہتر ہے۔

marfat.com

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ۔

تفسیر عالمانہ **حل لغات** : المفردات میں ہے کہ جنحت السفینۃ ای مالت الی احد جانبیہا۔ کشتی ایک جانب جھکی چونکہ گناہ بندے کو حق سے باطل کی طرف لے جاتے ہیں اس لیے اسے اثم سے تعبیر کرنے لگے۔ پھر مطلقاً ہر گناہ پر اس کا اطلاق عام ہو گیا۔ یعنی تمہیں کوئی گناہ نہیں اَنْ تَدْخُلُوْا یہ کہ بلا اجازت داخل ہو جاؤ بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ ان گھروں میں جو مخصوص لوگوں کی سکونت کے لیے نہیں بلکہ عام سکونت کے لیے ہیں کہ جسے بھی ضرورت پڑے وہ اس میں ٹھہرے، جیسے رباطات، سرائیں، خالی دکانیں، حمام (غسل خانے) (اسٹیشن کے پلیٹ فارم وغیرہ) اس لیے کہ ان کو ہر انسان اپنی ضرورت کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ جیسا کہ فِیْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ سے معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ یہ بیوت کی صفت ہے۔ یعنی ان میں تمہارا بھی حق ہے کہ تم ان سے نفع اٹھاؤ۔ مثلاً گرمی یا سردی میں سر چھپانا، سامان محفوظ رکھنا، خرید و فروخت کرنے کے لیے بیٹھنا، غسل وغیرہ کرنا، یعنی وہ امور جو ان سے فائدہ اٹھایا جا سکے تو ایسے گھروں میں بلا اجازت چلا جانا جائز ہے کیونکہ ر: غات اور سرائیں اور حمامات (غسل خانے)، پلیٹ فارم وغیرہا بنائے بھی اسی لیے جاتے ہیں کہ ان سے ہر ایک فائدہ اٹھا سکے۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وَمَا تَكْتُمُوْنَ ○ اور جو کچھ تم چھپاتے ہو ان جملہ امور کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ یہ اسے وعید ہے کہ ایسی جگہوں پر شر و فساد یا لوگوں کے عیوب وغیرہ دیکھنے کے ارادہ پر جاتا ہے۔

مسئلہ : نصاب الاحتساب میں ہے کہ اگر کوئی درخت کی شاخیں بیچے اور وہ اتنی اونچی ہوں کہ نیچے کے گھروں کے صحن نظر آتے ہوں اور مشتری ان شاخوں پر چڑھ کر نیچے والے گھروں کے اندر جھانکے تو اہل خانہ کے لئے جائز ہے کہ وہ مشتری پر مقدمہ چلا کر اسے درخت پر چڑھنے سے روک دے۔

مسئلہ : الصدر الشہید رحمہ اللہ تعالیٰ نے واقعات المختار میں لکھا کہ مشتری کو چاہیے کہ وہ درخت پر چڑھنے سے پہلے ایک دو بار پردے والوں کو پردہ کا اعلان کر دے تو پھر کسی کو اس پر مقدمہ چلانے اور درخت پر چڑھنے سے روکنے کا حق نہیں پہنچتا۔ یوں جانبین کا حق بحال رہتا ہے کیونکہ مشتری کو اپنی ضروریات پوری کرنا ہیں پھر جب وہ پردے کا اعلان کر دے گا تو وہ لوگ بھی ضروری اشیاء کو چھپا سکیں گے، باپردہ عورتیں پردہ کر سکیں گی۔ ہاں اگر مشتری اعلان کیے بغیر درخت پر چڑھ جائے تو اس پر مقدمہ بھی چلایا جا سکتا ہے اور درخت پر چڑھنے سے روکا بھی جا سکتا ہے۔

مسئلہ : اگر کوئی شخص اپنے مکان میں دریچہ کھولتا ہے تو ہمسایہ کی باپردہ عورتوں پر نگاہ پڑتی ہے تو ایسے شخص کو دریچہ کھولنے سے روک دیا جائے گا۔

مسئلہ : البستان میں ہے کہ غیر کے گھر کے اندر جھانکنا ناجائز ہے اگر کوئی قصداً جھانکتا ہے تو برا کرتا ہے اس حالت میں صاحب خانہ کو چاہیے کہ اس جھانکنے والے کی آنکھ نکال لے۔ تو فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا

marfat.ocm

کہ آنکھ نکالنے والے پر کوئی تاوان نہیں، بعض نے کہا تاوان ہے، اور ہم اسی قول کو لیتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ایک شرابی کی کہانی

ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے رات کو ان کے گھر کی دیوار کے سوراخ سے دیکھا کہ بوڑھے ہمسایہ کے سامنے شراب کی بوتلیں پڑی ہیں، ایک گانے والی اس کے سامنے گا رہی ہے۔ دونوں حضرات گھر کی دیوار پھاند کر اس کے گھر چلے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بوڑھے سے فرمایا: افسوس ہے، اگر تجھ جیسے ایسی برائی کا ارتکاب کریں تو پھر عوام کا کیا قصور! وہ بوڑھا جرأت کر کے کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اے امیر المومنین! میں آپ کو خدا کی قسم دے کر آپ سے انصاف چاہتا ہوں، اجازت ہو تو عرض کروں۔ آپ نے فرمایا، کہئے۔ اس نے عرض کی: اگرچہ میں اس وقت مجرم ہوں، لیکن اس وقت میرا صرف ایک جرم ہے اور جناب تین جرائم کے مرتکب ہوئے۔ آپ نے فرمایا، وہ کیسے؟ اس نے عرض کی:

(۱) آپ نے میرے قصور کا تجسس کیا اور وہ گناہ ہے کما قال تعالیٰ:

ولا تجسسوا۔

(۲) آپ نے دیوار پھاندی، وہ بھی گناہ ہے۔ کما قال تعالیٰ:

لیس البر بان تأتوا البیوت من ظهورها۔

الی ان قال:

واتوا البیوت من ابوابها۔

(۳) آپ میرے گھر میں میری اجازت کے بغیر داخل ہو گئے۔ اور وہ بھی گناہ ہے۔ کما قال تعالیٰ:

لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتیٰ تستأنسوا وتسلموا علیٰ اهلها۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو، میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ اس نے عرض کی: اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے گھر سے روتے ہوئے باہر نکلے اور کہہ رہے تھے کہ عمر ہلاک ہو گیا اگر اسے اللہ تعالیٰ نے نہ بخشا۔

سوال: اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ محتسب بھی اجازت کے بغیر کسی کے گھر پر نہ جائے جبکہ شرع پاک کا قاعدہ ہے کہ جس گھر میں بدعات سیئہ اور افعال شنیعہ ہوں اس گھر میں محتسب کو بلا اجازت داخل ہونا جائز ہے۔

جواب: اس گھر میں بلا اجازت داخل ہونا جائز ہے جس گھر میں افعالِ شنیعہ کھلم کھلا ہو رہے ہوں یہاں تو چھپ کر برائی کا ارتکاب کیا جا رہا تھا۔

marfat.com

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ سالک واصل اس جسد میں تصرف کرسکتا ہے جس میں صاحبِ جسد سکونت نہیں رکھتا صاحب گھر سے انسانیت اور اس کی عدمِ سکونت سے اس کا اپنا وجود مٹا کر حق میں فانی ہونا مراد ہے۔ فیہا متاع لکم سے وہ آلات وادوات مراد ہیں جن کے ذریعہ عالمِ الٰہی میں سیر کے وقت استعمال کئے جاتے ہیں ان کے ارواح کو اسفل سافلین یعنی اجساد کی طرف بھی اسی لئے بھیجا گیا ہے تاکہ انسان انہی ادوات و آلات کو حاصل کرسکے۔ واللہ یعلم ما تبدون اور وہ جو تم آلاتِ انسانیہ کے ساتھ کھلم کھلا تصرف کرتے ہو ایسے ہی وہ جو تم دلوں میں چھپاتے ہو۔ مثلاً تمہارے بعض رضائے الٰہی کے طالب ہیں اور بعض خواہشاتِ نفسانی میں گرفتار، ان سب کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

جیب خاص است کہ گنجِ گہرِ اخلاص است
نیست ایں دُرِ ثمیں در بغل ہر دغلے

ترجمہ: اخلاص موتیوں کا ایک خزانہ ہے جو خاص جیب میں پایا جاتا ہے ہر کھوٹے کی بغل میں یہ قیمتی موتی نہیں ملے گا۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایئے لِّلْمُؤْمِنِيْنَ امر کا یعنی قل کا مفعول محذوف کیا گیا ہے اس لیے کہ امر کا جواب اس محذوف پر دلالت کرتا ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ ایمان والوں کو فرمایئے آنکھ ڈھانپنے کا، فرمایئے يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وہ چیزیں جنہیں دیکھنا ان کے لیے حرام ہے ان سے اپنی آنکھیں ڈھانپ لیں یعنی نامحرموں کو نہ دیکھیں کہ ان کا دیکھنا ان کے فتنے میں مبتلا ہونے کا سبب ہے۔ الغض آنکھ کو ایسے ڈھانپنا کہ دیکھنے سے بند ہو جائے۔

ف: چونکہ مبصرات میں جس کا دیکھنا حرام ہے وہ بعض ہیں اسی لیے بصر پر لفظ بعض (من) لایا گیا۔ اس معنے پر بصر کا بعض بوجہ متعلقات کے بعض کے وجہ سے ہے۔ یعنی بصر کو بعض سے ڈھانپنے کا حکم ہے۔

وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط اور اپنے فروج ان سے محفوظ رکھیں جو ان کے لیے حلال نہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ ہمیشہ کے لیے ان کو کھلنے سے محفوظ رکھیں۔

حل لغات: الفرج دو چیزوں کے درمیانی سوراخ کو کہتے ہیں، جیسے فرجۃ الحائط (دیوار کا سوراخ) اور دو پاؤں کے درمیان کے خلا کو فرج کہا جاتا ہے۔ پھر عضو خاص پر اس کا اطلاق ایسا غالب ہوا کہ جونہی یہ لفظ سامنے آتا ہے فوراً عضو خاص کا مفہوم ذہن میں آجاتا ہے۔

سوال: ابصار میں لفظ من لانے اور لفظ فرج میں نہ لانے میں کیا نکتہ ہے حالانکہ دونوں کو اپنے

marfat.ocm

بعض متعلقات سے حفاظت کا حکم ہے باوجودیکہ دونوں کا ایک حال ہے تو ایک میں لفظ من ہے ، دوسرے میں نہیں۔

جواب : چونکہ اس کے متعلقات سے استثناء کثیر اشیاء کا ہوتا ہے۔ مثلاً مرد اپنی عورت اور اپنی کنیز کے جملہ اعضاء کو دیکھ سکتا ہے ایسے ہی اپنی محارم کے بال، سینہ، پستان، اعضاء ، پنڈلی اور پاؤں وغیرہ دیکھنا جائز ہے ۔ ایسے اسے روا ہے کہ جب کسی سے لونڈی خریدنے کا ارادہ کرے تو اس کی مذکورہ اشیاء دیکھے ، اور حرہ اجنبیہ کا چہرہ، اس کی ہتھیلیاں اور دونوں قدم، ایک روایت میں ایک قدم دیکھنا جائز ہے بخلاف فرج کے مستثنیٰ کے کہ نہایت قلیل اور ان کے دیکھنے کا کبھی اتفاق ہوتا ہے ۔ مثلاً اپنی عورت اور لونڈی کی فرج ۔ اسی لیے فرج کو مطلقاً بلا قید بیان فرمایا بوجہ اس کی قلت کے اور بصر میں لفظ بعض لایا گیا اس کی کثرت کی وجہ سے۔

ذٰلِكَ یہ اشارہ حفظ اور غض مذکور کی طرف ہے۔ اَزْكٰى لَكُمْ تمہارے لیے نہایت پاکیزہ اور ستھرا ہے کہ ہر طرح کے شک و شبہ کی گرد و غبار سے دور ہے اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ٥ جو کچھ وہ کرتے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں۔ فلہٰذا انھیں چاہیے کہ اپنی ہر حرکت و سکون یعنی ہر آن اللہ تعالیٰ سے پرحذر رہیں۔

نکتہ : حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بیگانی عورت وغیرہ کے دیکھنے سے بچو، اس لیے کہ دل میں اس سے شہوت پیدا ہوتی ہے۔

آنکھ شیطان کا تیر ہے

کاشفی نے لکھا کہ ذخیرۃ الملوک میں ہے کہ انسان کے جسم میں شیطان کا سب سے بڑا تیر انسان کی آنکھ ہے اس لیے دوسرے حواس اپنے اپنے مقام پر ساکن ہے انھیں جب تک شے مس نہیں کرتی اس وقت تک حرکت میں نہیں آتے بخلاف آنکھ کے کہ یہ دور و نزدیک ، ہر طرح سے انسان کو کام دیتی ہے اور اسی کے ذریعے سے ہی انسان بہت سی غلطیوں کا شکار ہو جاتا ہے ٥

این ہمہ آفت کہ بہ تن می رسد
از نظر توبہ شکن می رسد
دیدہ فروپوش چو در در صدف
تا نشوی تیر بلا را ہدف

ترجمہ : یہ جملہ آفات جو انسان کو پہنچتی ہیں اسی آنکھ توبہ شکن سے ہی پہنچتی ہیں۔ آنکھ کو ایسے چھپا کے رکھو جیسے صدف میں موتی چھپا ہوتا ہے تاکہ بلیات کا نشانہ نہ بنو۔

مسئلہ : نصاب میں ہے کہ پہلی بار کسی اجنبی عورت وغیرہ کو دیکھنا معاف ہے اس کے بعد دوبارہ دیکھے گا

marfat.com

وہ عمداً دیکھنے میں داخل ہوگا۔

حدیث شریف ۱: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے کہ اے ابنِ آدم! پہلی بار دیکھنا تیرے لیے معاف ہے لیکن دوبارہ دیکھنے سے بچنا، ورنہ وہ تیرے لیے ہلاکت کا موجب بنے گا۔

حدیث شریف ۲: حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے میرے اُمتیو! تم چھ چیزوں کی ضمانت دو، میں تمہارے لیے بہشت کا ضامن ہوں۔ وہ چیزیں یہ ہیں:

۱۔ جب بات کرو تو سچ بولو۔

۲۔ جب وعدہ کرو تو اسے پورا کرو۔

۳۔ جب امانت رکھے جاؤ تو اسے ادا کرو۔

۴۔ اپنے فروج کی حفاظت کرو۔

۵۔ اپنی آنکھوں کو غیر محارم سے بچاؤ۔

۶۔ اپنے ہاتھوں کو حرام کاری سے محفوظ رکھو۔

حکایت ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس کے آگے سے ایک عورت گزری، اس نے نماز کے دوران ہی اس عورت کو بار بار دیکھا، اُسی وقت سے اس کی بینائی چھین لی گئی۔

تفسیر صوفیانہ شیخ نجم الدین اپنی تاویلات میں لکھتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ ظواہر کی آنکھ کو محرمات سے اور نفوس کی آنکھ کو دنیا کی شہوات و مالوفاتِ طبع و مستحسنات ہوٰی سے اور قلوب کی آنکھ کو رؤیتِ اعمال اور آخرت کی نعمتوں سے اور اسرار کی آنکھ کو درجات و قربات سے اور ارواح کی آنکھ کو ماسوی اللہ کی طرف التفات سے اور ہم کی آنکھ کو علل سے بند کیا جائے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو شہودِ حق کا مستحق بھی سمجھیں غیرتِ الٰہی اور اس کی تعظیم و تکریم کا تقاضا یونہی ہے۔

دُوسری تقریر: نیز اس میں اشارہ ہے کہ ظواہر کے فروج کو محرمات سے اور بواطن کے فروج کو تصرف فی الکونین سے محفوظ رکھا جائے، یہاں تک کہ دل میں نہ دنیوی فائدہ کا تصور رہو نہ اُخروی کا۔

ذٰلك ازكٰى لهم یہ ان کے لیے پاکیزہ ترین طریقہ ہے اس لیے کہ وہ اس طرح سے حدوث کے تلوث سے بچ جائیں گے اور حقوق کی رعایت میں حظوظِ نفسانی کی ملاوٹ سے حفاظت نصیب ہوگی ان اللہ خبیر بما یصنعون اللہ تعالیٰ انھیں خوب جانتا ہے جو حقوق و حظوظ کے لیے عمل کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اپنے ہر عمل میں حقوق کی رعایت کرتے ہیں۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ اور مومن عورتوں کو فرمائیے کہ وہ اپنی آنکھیں چھپائیں ان سے کہ جن کا دیکھنا ان کے لیے ناجائز ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک چہرہ اور اطراف کا ماسوا مراد ہے۔ اور امام شافعی کے صحیح ترین مذہب میں ہے کہ جیسے مرد کو عورت کے جملہ اعضاء کو دیکھنا حرام ہے ایسے ہی عورت کو وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ اور اپنے آپ کو زنا سے یا مطلقاً پوشیدہ رکھتے ہوئے اپنی فروج کی حفاظت کریں۔

مسئلہ: ستر عورت واجب ہے۔ یہ تمام ائمہ کا مذہب ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ ہاں اختلاف اس میں ہے کہ عورت ہے کیا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک مرد کا ستر ہے اور امام صاحب کے نزدیک گھٹنہ بھی اسی میں شامل ہے۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ جو شخص گھٹنہ نہیں ڈھانپتا اسے نرمی سے ڈھانپنے کے لیے کہا جائے گا اس لیے اس کے ستر کے بارے میں فقہاء کا اختلاف مشہور ہے اور جو شخص ران نہیں چھپاتا اسے سختی سے ڈھانپنے کے لیے کہا جائے گا لیکن اسے مارا نہ جائے، اس لیے کہ اس کے ستر کے بارے میں بعض محدثین کا اختلاف ہے اور جو شخص عضو مخصوص کو نہیں چھپاتا اسے ڈھانپنے کا کہا جائے۔ اگر نہیں مانتا تو اسے مارا جا سکتا ہے اس لیے کہ اس کے ستر میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (کذا فی الھدایۃ فی الکراہیۃ)

مسئلہ: لونڈی مرد کی طرح ہے صرف اس کا پیٹ اور پیٹھ عورت ہیں اس لیے کہ یہی شہوت کا مقام ہیں۔

مسئلہ: مکاتبہ، ام ولد، مدبرہ لونڈی کے حکم میں ہیں۔

مسئلہ: حرہ عورت کا جملہ جسم ہی عورت ہے سوائے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کے دونوں قدم بھی چہرہ کے حکم میں ہیں۔ یہی ان کے نزدیک صحیح ہے یہ بھی خارج از نماز کے وقت، ورنہ نماز میں قدموں کا چھپانا ضروری ہے۔

ف: امام مالک کے نزدیک مرد کے صرف دونوں فرج اور دونوں رانیں عورت ہیں، ایسے ہی لونڈی بھی۔ اور ایسے ہی مدبرہ اور ایک مدت تک کی آزاد شدہ لونڈی، اور آزاد عورت کا تمام جسم عورت ہے سوائے چہرے اور دونوں ہاتھوں کے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ام ولد کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے جسم کو اس قدر چھپائے جس قدر آزاد عورت کو جسم چھپانے کا حکم ہے۔ ایسے ہی مکاتبہ کا حکم ہے۔ اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مرد کا ستر ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ ہے ان کے نزدیک گھٹنے شامل نہیں ان کے نزدیک لونڈی، مکاتبہ، ام ولد، مدبرہ اور وہ عورت جس کا بعض حصہ آزاد ہے۔ ان سب کا حکم ستر عورت میں مرد جیسا ہے۔

marfat.com

مسئلہ: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آزاد عورت کا تمام جسم عورت ہے سوائے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا تمام جسم عورت ہے سوائے چہرہ کے، ان کے نزدیک یہی صحیح ہے۔

مسئلہ: ناف بالاتفاق ستر میں شامل نہیں (کذا فی فتح الرحمٰن)

نکتہ: آنکھ چھپانے کے حکم کی تقدیم اس لیے ہے کہ نظر سے ہی زنا کا آغاز ہوتا ہے بلکہ نظر ہی جملہ فسادات کی جڑ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حفظِ فرج سے پہلے آنکھ کو بند رکھنے کا اسی لیے حکم فرمایا ہے کہ نظر بڑی خطرناک شے ہے اس لیے کہ انسان بُرائی کا ارتکاب اسی نظر کی وجہ سے کرتا ہے۔

حدیث شریف: نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک ہے۔

ف: اسی لیے کہا گیا ہے جس نے کسی پر نگاہ ڈالی تو وہ پھنس گیا۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

گر زنائے چشم حظے می بری

نے کباب از پہلوی خود می خوری

ایں نظر از دُور چوں تیرست وسم

عشقت افزوں می شود صبر تو کم

ترجمہ: اگر تو اپنی آنکھ سے حظ اٹھاتا ہے تو پھر سمجھ لے کہ تُو اپنے جگر کو کباب بنا رہا ہے اس لیے کہ نظر دُور سے ہی تیر کی طرح شکار کرتی ہے پھر جب انسان شکار ہوجاتا ہے تو عشق میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور صبر میں کمی۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اور نہ ہی اپنی زینت ظاہر کریں چہ جائیکہ زینت کے مقامات کو کھولے رکھیں۔

حلِ لغات: اہلِ عرب کہتے ہیں:

بدا الشیٔ بدوا و بدوًا۔ بمعنٰے ظہر ظہورا بینا و ابدی بمعنٰے اظہر۔

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا مگر وہ جگہیں جو ظاہر ہیں۔ یہ زینت سے استثناء ہے یعنی جو کام کے وقت جگہیں ظاہر ہوتی ہیں جیسے انگشتری کی مُہر اور کپڑوں کے اطراف اور آنکھ کا سُرمہ اور ہاتھوں کا رنگ، اس لیے کہ انؔ کے چھپانے میں بہت بڑا حرج واقع ہوگا۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا: زینت وہ شے جس سے عورت مزین ہو، جیسے زیورات یا سُرمہ اور کپڑے اور رنگ۔ اس میں بعض وہ ہیں جو ظاہر ہوتے ہیں جیسے انگشتری اور اس کی مہر اور سُرمہ اور رنگ شہوت کے فتنے کا خطرہ نہ ہو تو ایسی زینت اجنبی کے سامنے ظاہر کرنا جائز ہے اور بعض زینت ایسی ہے جو پوشیدہ ہوتی ہے

marfat.ocm

جیسے کنگن اور دملج وہ چاندی کا حلقہ جو عورتیں بازو پر باندھتی ہیں اور الوشاح اور القرط ۔ ایسی زینت کو صرف ان لوگوں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہیں جن کی اجازت کو آنے والے مضمون میں بیان کیا گیا ہے ۔ کما قال الا لبعولتهن الخ

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ سالکین و عارفین پر لازم ہے کہ اگر ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ زینت بخشے تو اسے پوشیدہ رکھیں کیونکہ بسا اوقات اسرار ظاہر کرنے سے سنورے ہوئے معاملات معیوب ہو جاتے ہیں اسی لیے کہ اپنے حالات کی صفائی اور اعمال کے تزکیہ کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں ۔ ہاں وہ ارادات حق سے کوئی شے یا بلا تکلف اور بغیر اس کے اپنے دخل کے کوئی کرامت ظاہر ہو جائے تو وہ مستثنیٰ ہے اس لیے ولی کامل کے اپنے ارادہ و تکلف کے بغیر کوئی فعل صادر ہو تو اس پر اس سے مواخذہ نہ ہو گا ۔

ف : حقائق البقلی میں ہے یہ صوفیاء کی واضح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک عارفین کو جائز نہیں کہ وہ اپنی معرفت کے حقائق یا جو ان پر عالم ملکوت اور انوار ذات و صفات کے مکشوفات کھلتے ہیں ہر ایک کو بتاتے پھریں یا اپنے مواجید کسی پر ظاہر کریں ۔ ہاں غلبات سے ظاہر ہو جائیں ۔ مثلاً اس غلبہ سے ان سے ٹھنڈے سانس اور گرم آہیں اور پیلا اور سرخ رنگ ہو یا وہ بلا اختیار ان کی زبانوں پر شطحیات و اشارات مشاکلہ ظاہر ہوں تو کوئی حرج نہیں ۔

ف : یہی احوال عارفین کے بہترین سنگار ہیں ۔

ف : عارفین کی سب سے بہتر زینت طاعتِ الٰہی ہے جب وہ اسے ریاء کے ارادہ پر کسی کے سامنے ظاہر کرے تو اس کی زینت چلی جاتی ہے ۔

اعجوبۂ تصوف بعض عرفاء نے فرمایا کہ اہلِ معرفت کے لیے اس آیت میں ایک نکتہ یہ ہے کہ جو اہلِ معرفت اپنے احوال کو ظاہر کرتا ہے بلا قصد کا اظہار اس سے مستثنیٰ ہے تو وہ رؤیت حق سے اس قدر اس کا مرتبہ ساقط ہو جاتا ہے اس لیے کہ جو حصہ اس نے رؤیت خلق میں ضائع کیا اسی قدر رؤیت حق سے محروم ہو گیا ۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ہماں بہ گر آبستن گوھری
کہ ہمچوں صدف سر بخود در بری

ترجمہ : اگر تم موتیوں سے پُر ہو وہی بہتر ہے اس لیے کہ صدف کی طرح بغلوں میں یعنی نیچے رکھو گے ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

داند و پوشد بامر ذی الجلال — کہ نباشد کشف را از حق حلال

marfat.com

ترجمہ : اسرار کو جان کر پوشیدہ رکھنا امر حق ہے اس لیے کہ اسے کھولنا مناسب نہیں۔

۵

سرِ غیب آں را سزد آموختن

کہ ز گفتن لب تواند دوختن

ترجمہ : غیبی اسرار اس شخص کو سکھانے چاہئیں جو بیان کرنے سے اپنے لبوں کو بند رکھے۔

تفسیر عالمانہ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ضرب' القا' کے معنیٰ کو متضمن ہے اسی لئے اسے علیٰ کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے خمر' خمار کی جمع ہے وہ کپڑا جس سے عورتیں اپنا سر ڈھانپتی ہیں۔ جس سے سر کے ڈھانپنے کا کام نہ لیا جائے اسے خمار نہیں کہا جائے گا۔

المفردات میں ہے خمار کا حقیقی معنیٰ بھی چھپانا ہے۔ جس سے کسی شے کو چھپایا جائے اسے خمار سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب عرف عام میں ہر اس شخص کو کہا جانے لگا جس سے عورتیں اپنا سر ڈھانپیں۔ الجیوب جیب کی جمع ہے۔ وہ شے جو قمیص سے اس لیے کاٹی جائے کہ اس میں سر کو داخل کیا جا سکے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ عورتوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے گریبان کو کپڑے سے ڈھانپیں تاکہ اس سے اپنے بال اور بالیں اور گردن غیروں سے چھپا سکیں۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا سینہ اور اس کے گرد و نواح کا حصہ عورت ہے اسے غیروں سے چھپانا واجب ہے۔ اور غیروں کو چاہیے کہ ان کے سینے وغیرہ کو نہ دیکھیں۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ یہاں پر زینت سے وہ سنگار کی اشیاء مراد ہیں جو پوشیدہ ہوتی ہیں، جیسے کنگن، الدملج، الوشاح، القرط وغیرہ۔ جب یہ چیزیں ظاہر کرنا حرام ہے تو ان کے اعضاء کو ظاہر کرنا کیسے روا ہوگا۔

ف : یہ تکرار اس لیے ہے تاکہ معلوم ہو کہ عورتوں کو دیکھنا کس کے لیے جائز ہے اور کس کے لیے ناجائز۔

مسئلہ : ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورتوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی زینت کے اعضا کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں۔ وہ اعضا یہ ہیں :

۱۔ سینہ

۲۔ پنڈلی

۳۔ بازو

۴۔ سر

marfat.ocm

۵۔ سینہ ' اس لیے کہ وہ ہار پہننے کا مقام ہے اور پنڈلی پازیب کا اور بازو کنگن کا اور سر تاج کا۔

ف : زینت کا ذکر کر کے زینت کے اعضاء مراد لیے گئے ہیں۔

اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ۔

حلِ لغات : البعل بمعنے شوہر۔ اس کی جمع بعولۃ آتی ہے جیسے فحل کی جمع فحولۃ۔

یعنی مگر وہ اپنے شوہروں کے لیے، کیونکہ وہی زینت کے لیے مقصود ہیں۔

مسئلہ : شوہر کے لیے اپنی عورت کے تمام اعضاء کو دیکھنا جائز ہے یہاں تک کہ عضوِ مخصوص کو بھی۔ جبکہ اس کے اعضاء کو دیکھنے سے شہوت کو تقویت پہنچے۔

مسئلہ : عضوِ مخصوص کو دیکھنا مکروہ ہے یہاں تک کہ اپنے فرج کو بھی نہیں دیکھنا چاہیے۔ کیونکہ مشہور ہے کہ فرج کو دیکھنے سے طمس اور اندھاپن پیدا ہوتا ہے۔

فرمانِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تازیست میرے عضوِ مخصوص کو نہیں دیکھا اور نہ ہی میں نے آپ کے عضوِ مخصوص کو دیکھا۔

ف : النصاب میں لکھا ہے کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ بے شک عورتیں اپنی باطنی زینت اپنے شوہروں کے لیے ظاہر کریں اس لیے کہ شوہروں کی خواہش یونہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی عورتوں کے اعضاء باطنہ کو دیکھیں۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلتاء و مرہاء کو لعنت فرمائی۔ سلتاء وہ عورت جو مہندی رنگ وغیرہ نہ لگائے اور مرہاء وہ جو سرمہ نہ لگائے۔

وَ اٰبَآئِهِنَّ اَب حقیقی اور جد اس لیے کہ جد بھی اب کے حکم میں ہوتا ہے اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ یا شوہر کے باپ یعنی خسر، اس لیے کہ یہ بھی باپ کے حکم میں داخل ہیں اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اپنے بیٹے اور بیٹوں کی اولاد اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ شوہروں کی اولاد، یہ بھی عورتوں کے اپنے بیٹوں کے حکم میں ہیں اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اور اپنے بھائیوں کی اولاد، اس لیے کہ وہ بھائیوں کے حکم میں ہیں اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اور اپنی بہنوں کی اولاد یعنی بھانجے وغیرہ اس لیے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن سے ان کا نکاح جائز نہیں۔ اور ان کو گھر میں آنے کی اجازت اس لیے ہے کہ گھر میں ہر وقت آنا جانا ہوتا ہے اور ان سے زنا کے ارتکاب کا احتمال بھی بہت کم ہے کیونکہ قریبی رشتہ داری کی وجہ سے ایسے فعل کے ارتکاب سے ان کی طبع نفرت کرتی ہے[1] اور یہ ان کے وہ

---

[1] لیکن یہ ایسے لوگوں کے لیے ہے جن کے طبائع پر حیوانیت وسبعیت (درندگی) وشیطنت سوار نہ ہو، ورنہ خدا معاف کرے بعض ایسے بدنہاد اور بدطینت بھی سنے گئے جو اپنی بہو بیٹیوں بلکہ ماں سے بھی باز نہ آئے۔ (معاذ اللہ)

marfat.com

کی زینت دیکھنا جائز ہے خواہ وہ مالکہ مسلمہ ہو یا کافرہ، اس لیے کہ زینت باطنہ اگر نہ کھولے تو خدمت کس طرح کر سکے گی۔ اسی لیے حرہ کافرہ کا مسئلہ اور ہے اور کافرہ لونڈی کا مسئلہ اور۔

اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَۃِ مِنَ الرِّجَالِ ، الاربۃ بمعنے الحاجۃ یعنی ان مردوں سے جو اہل خانہ کے اتباع میں سے ہوں یعنی وہ بوڑھے کمزور، جن سے شہوت اور خیالات انسانی ختم ہو چکے ہوں انھیں عربی میں ممسوخین کہا جاتا ہے بالخاء المعجمہ، یعنی وہ لوگ جن کے اندر سے قوتِ انسانی ختم ہو کر الٹی ایسی قوت پیدا ہو جائے جو شہوت کے منافی ہے یہاں تک کہ انھیں عورت کے ساتھ ہمبستری کا خیال تک نہ ہو۔ بعض نے کہا کہ ممسوخ وہ مرد ہے جسے مخنث کہا جاتا ہے۔ یعنی قوتِ مردمی نہایت کمزور پڑ جائے اور زبان میں بھی رکاوٹ ہو اور یہ کمزوری اصلی و تخلیقی ہوتی ہے اسی لیے وہ عورتوں کے خواہشمند نہیں ہوتے۔

مسئلہ: مجبوب اور خصی کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ان سے پردہ ضروری ہے بعض کے نزدیک اس کے برعکس۔

ف: مجبوب وہ ہے جس کا ذکر اور خصیے دونوں کٹے ہوئے ہوں۔

الجب سے ہے بمعنے القطع۔ اور خصی وہ ہے جس کے صرف دونوں خصیے کٹے ہوئے ہوں۔

مسئلہ: مختار مذہب یہ ہے کہ مخنث، مجبوب، خصی تینوں سے پردہ لازمی ہے اس لیے کہ ان میں شہوت ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آلۂ تناسل نہ ہونے سے ارتکاب نہیں کر سکتے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم محکم ہے اور او التابعین الخ مجمل ہے پھر قاعدہ ہے کہ جہاں محکم و مجمل میں تعارض ہو تو محکم پر عمل اولیٰ ہے۔ اس قاعدہ پر خصی، مجبوب، مخنث سے پردہ ضروری ہے اگرچہ ان سے فتنہ کا احتمال نہ بھی ہو۔

مسئلہ: خصی لوگوں کو خدمت پہ رکھنا اور ان کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔ نہ ہی ایسا فعل اسلاف سے منقول ہے (کذا فی الکشاف)

حکایت: النصاب میں ہے کہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک خصی مجبوب کو لے کر عورتوں کے ہاں تشریف لے گئے۔ ایک عورت نے اس خصی مجبوب سے نفرت کی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے نفرت کیوں، جبکہ یہ عورتوں کی طرح ہے۔ اس بی بی نے جواب دیا کہ اگرچہ اس کا آلۂ تناسل کٹ گیا ہے تو کیا اس کے کٹنے سے عورتوں کا دیکھنا اس کے لیے حلال ہو گیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس بی بی کی فقاہت اور دانائی سے بہت خوش ہوئے۔

ف: انسانوں کے خصی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ الٹا نقصان ہے، نہ ہی یہ فعل شرعاً جائز ہے، اور

marfat.ocm

عورتوں کو اس وجہ سے ویسے پردہ ضروری ہے جیسے دوسرے عام مردوں سے بخلاف حیوانات کے خصی کرنے کے کہ ان سے یہ فائدہ ہوگا کہ خصی کا گوشت بہتر ہوتا ہے اور اس کی چربی بھی بڑھ جاتی ہے۔ جیسا کہ بکروں کے خصی کرنے سے تجربہ ہوا ہے۔ ایسے ہی دوسرے حیوانات کا حال ہے۔ کذا فی البستان۔

أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۖ یا وہ بچے جو ابھی عورتوں کی شرم کی چیزوں سے بے خبر ہیں اس لیے کہ انھیں ایسی باتوں کی تمیز نہیں۔ الظہور بمعنے اطلاع یا بمعنے غلبہ اور قدرت۔ اب معنٰی یہ ہوگا کہ وہ تاحال بالغ نہیں ہوئے یعنی شہوت کی حد کو نہیں پہنچے، اسی لیے ان سے پردہ کی ضرورت نہیں۔

ف : الطفل اسم جنس جمع کے قائم مقام واقع ہوا ہے اس لیے اس کی وصف جمع کے معنے پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ فانھم عدو لی میں لفظ عدو اسم جنس بمعنے جمع ہے۔

حل لغات : المفردات میں ہے کہ طفل وہ بچہ جب تک کہ غافل رہے طفیلی ایک مشہور شخص جو بن بلائے دعوتوں پر چلا جاتا تھا۔ تفسیر الغناری میں ہے کہ طفل وہ بچہ جو پیدائش سے لے کر چھ سال کی عمر کو پہنچے اور العورۃ انسان کے ستر کو کہتے ہیں۔ یہاں پر اسی سے کنایہ ہے۔ یہ العار سے ہے۔ اسے اس لفظ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس کے کھلنے سے انسان کو عار محسوس ہوتی ہے۔ عار بمعنے مذمت۔ اسی وجہ سے عورتوں کو عورت کہا جاتا ہے کہ مہذب قوم اس کے بے پردہ ہونے سے عار محسوس کرتی ہے۔ اسی سے ہے العوراء بمعنے الکلمۃ القبیحۃ (کذا فی المفردات)۔

ف : فتح القریب میں ہے کہ العورۃ ہر وہ شے کہ جس کے ظاہر ہونے سے انسان کو حیاء و شرم محسوس ہو۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح ستر کے کھلنے سے حیا محسوس ہوتی ہے ایسے ہی اس کی بے پردگی سے باحیاء انسان کو حیاء اور شرم لاحق ہوتی ہے۔

ف : اہل لغت فرماتے ہیں کہ عورت کو اسی لیے عورت کہا جاتا ہے کہ اس کا ظاہر ہونا قبیح ہے اسی لیے اس سے آنکھ چرانا ضروری ہے۔ یہ العور سے ہے بمعنے النقص والعیب والقبح۔ عور العین اسی سے ہے۔

مسئلہ : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ لفظ الطفل سے معلوم ہوا کہ سات سالہ لڑکے کو عورتوں کے ہاں آنے جانے سے روکا جائے۔ اس لیے کہ سات سالہ لڑکا اگرچہ حد شہوت کو نہیں پہنچتا لیکن سنِ تمیز کو ضرور پہنچتا ہے۔ بلکہ بعض بچے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ حد بلوغ سے پہلے ہی شہوتی ہوتے ہیں اسی لیے انہیں عورتوں کے ہاں آنے جانے سے روکنا چاہیے۔

مسئلہ : ملتقط الناصری میں ہے کہ جب بچہ بالغ ہو جائے اگر حسین وجمیل نہ ہو تو وہ مردوں کے حکم میں ہے

marfat.com

ورنہ وہ عورتوں کے حکم میں ہے ایسے لڑکے کو شہوت سے سر سے پاؤں تک دیکھنا حرام ہے - ہاں بلا شہوت انہیں السلامُ علیکم کہنا جائز ہے اسی لیے ایسے لڑکوں کو نقاب اوڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

امرد پرست عالم کی سزا منقول ہے کہ ایک عالمِ دین فوت ہُوا تو کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ اس کے چہرے کا ایک حصّہ سیاہ ہوگیا ہے اس سے سبب پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے فلاں مقام پر ایک بے ریش کو شہوت سے دیکھا تو اس کی مجھے یہ سزا ملی کہ میرے چہرے کے ایک حصّہ کو جہنم کی آگ سے جلایا گیا ہے۔

اعجوبہ : قاضی نے فرمایا کہ میں نے امام صاحب سے سُنا انہوں نے فرمایا کہ ہر عورت کے ساتھ دو شیطان ہوتے ہیں اور ہر بے ریش لڑکے کے ساتھ اٹھارہ۔

مسئلہ : بے ریش لڑکوں، خورد سال بچّوں اور پاگلوں کے ساتھ نشست و برخاست سے ہیبت اٹھ جاتی ہے۔ (کذا فی البستان)

مسئلہ : انوار المشارق میں ہے بے ریش کے چہرے کو دیکھنا حرام ہے وہ شہوت سے ہو یا نہ ہو، فتنے کا اندیشہ ہو یا نہ ہو ہر حال میں اس کا چہرہ دیکھنا حرام ہے۔

مسئلہ ؛ غسل خانے میں اپنے ہاتھوں اور نگاہ وغیرہ کو دوسرے کے ستر سے بچانا ضروری ہے یعنی نہ اپنا ستر کسی کو دیکھنے دے نہ دوسرے کا دیکھے۔ بلکہ ستر کھولنے والے کو ستر ڈھانپنے کو سختی سے تنبیہ کی جائے۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ اور اپنے پاؤں کو زمین پر نہ ماریں تاکہ ان کا پوشیدہ امر معلوم ہو یعنی انھیں اپنے آپ کو چھپانا چاہیے تاکہ انھیں لوگ نہ دیکھیں۔ اسی لیے انھیں حکم ہے کہ وہ آواز دار زیور مت پہنیں۔ اگر پاؤں میں آواز دار پازیب ہو تو زمین پر پاؤں آہستہ رکھیں تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ یہ پازیب پہن کر جا رہی ہے اس لیے کہ اس طرح سے عورتوں کی طرف مردوں کی شہوت اُبھرتی ہے یا یہ وہم ہوگا کہ عورتیں برائی کی طرف بلاتی ہیں۔

دورِ حاضرہ کی عورتیں اور شریعت کی نزاکت قرآن مجید میں جب زور دار زیور پہن کر زمین پر چلنے کو مکروہ کہا ہے تو ان کی آواز غیروں کو سنانے میں بطریق اولیٰ مکروہ ہوگی کیونکہ عورت کی آواز بہ نسبت زیور کی آواز کے زیادہ فتنہ انگیز ہے۔

مسئلہ : ——— اسی آیت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ عورت کو اذان کہنا مکروہ ہے اس لیے کہ اذان میں آواز کو بلند کرنا ہوتا ہے۔

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ عورت کو ذکر بالجہر مکروہ ہے کیونکہ جب ان کے لیے جمعہ کی حاضری اور اذان مکروہ ہے

marfat.ocm

تو ذکر بالجہر کیسے ہوگا۔ بعض شہروں میں جو عورتیں ذکر جہر سے کرتی ہیں انھیں اس سے روکا جائے لیکن یہ اس وقت ہے جب آواز غیروں کے کانوں تک پہنچتی ہو۔

مسئلہ: عورت کے ذکر بالجہر کی آواز غیروں کو سنائی دے تو انہیں بجائے ثواب کے بہت زیادہ عذاب ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان کے لیے جمعہ کی حاضری اور ذکر بالجہر جائز رکھا جائے تو ان کے لیے اذان کہنا اور نماز پڑھانا اور تلبیہ (لبیک) زور سے پکارنا جائز ہو جائے گا۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ اگر کوئی عورت پازیب پہنے تو اسے سزا دی جائے اس لیے کہ جب چھوٹے بچے کے پاؤں میں پازیب ڈالنا مکروہ ہے تو عورت کے لیے بطریق اولیٰ مکروہ ہے بلکہ اس کے لیے شدید ترین مکروہ ہے اسی لیے عورت کو پردے میں رہنا ضروری ہے۔

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ اے مومنو! سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہاں، توبہ کرو اس لیے کہ امر و نہی کے بارے میں بہت تھوڑے ہیں جو کوتاہی نہ کرتے ہوں بالخصوص شہوانی امور سے بچنا تو نہایت مشکل ہے۔

ف: جمیعا' توبوا کے فاعل سے ہے۔ اب عبارت یوں ہوگی:

توبوا الی اللہ مجتمعین۔

اور ایہا المؤمنین ایجاب کی تاکید ہے اور تنبیہ ہے کہ ایمان کا تقاضا ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ کی اتباع کی جائے۔

مسئلہ: ایہا المؤمنون کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ گناہِ کبیرہ انسان کو ایمان سے خارج نہیں کرتا، اس لیے کہ ایہا المؤمنون توبہ کے حکم کے بعد فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ توبہ کا حکم گناہ کے ارتکاب کے بعد ہوتا ہے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم سعادت دارین کی تحصیل میں کامیاب ہو جاؤ۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام اہلِ ایمان بندوں کو توبہ و استغفار کا حکم اس لیے فرمایا ہے کہ انسان فطرۃً کمزور ہے بہت تھوڑے ہیں جو کسی کی کوتاہی سے محفوظ ہوں ورنہ عموماً کسی نہ کسی غلطی کا ارتکاب ہو ہی جاتا ہے چاہے وہ برائی سے بچنے کی کتنی ہی کوشش کرے۔

ف: امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ توبہ کا سب سے زیادہ محتاج وہ ہے جو اپنے لیے توبہ کی ضرورت محسوس نہ کرے۔

نکتہ: جملہ اہلِ ایمان کو توبہ کا حکم اس لیے ہے تاکہ مجرم رسوا نہ ہو۔ کیونکہ اگر فرماتا کہ اے مجرمو! توبہ کرو۔ تو ان کی رسوائی ہوتی۔ اس سے امید بندھ جاتی ہے کہ جیسے ہمیں دنیا میں رسوا کرنا نہیں چاہتا، ایسے ہی

آخرت میں بھی رسوانہ کرے گا۔ (کذا فی کشف الاسرار)

چو رسوا نکردی بخشیدیں خطا

دریں عالم پیش شاہ و گدا

دراں عالم ہم بر خاص و عام

بیامرز و رسوا مکن والسلام

ترجمہ: اے الٰہ العٰلمین! جب اس دنیا میں شاہ و گدا کے سامنے تُو نے ہمیں رُسوا نہیں کیا، اس عالمِ آخرت میں بھی ہمیں ہر خاص و عام کے سامنے رُسوا نہ کرنا۔ اسی بنا پر ہم عرض کرتے ہیں کہ ہمیں بخش دے اور رُسوا نہ کر۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جیسے گناہ گاروں کو گناہ سے توبہ لازمی ہے ایسے ہی متوسط اور منتہی پر بھی توبہ لازم ہے اس لیے کہ ابرار کی حسنات مقربین کے ہاں سیئات متصوّر ہوتی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

توبوا الی اللہ جمیعا فانی اتوب الیہ فی کل یوم مائۃ مرۃ۔

(اے اللہ کے بندو! توبہ کرو، میں بھی دن میں سو بار توبہ کیا کرتا ہوں)

مبتدی محرمات سے اور متوسط محللات کے زوائد سے اور منتہی ما سوی اللہ سے اعراض کر کے اور متوجہ الی اللہ ہو کر توبہ کرے۔ لعلکم تفلحون مبتدی کی فلاح نار سے نجات اور بہشت کا داخلہ اور متوسط کی ارض جنۃ کو عبور کر کے اعلیٰ علیین مقربین کے مقامات و درجات تک پہنچنے میں اور منتہی کے وجود مجازی کو محبوس کر کے وجود حقیقی کی طرف، ایسے ہی ظلمت خلقیہ سے نکل کر نور ربوبیۃ کی طرف پہنچنے میں ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ چوں تجلی کرد اوصاف قدیم

پس بسوزد وصف حادث را کلیم

. . . . . .

۲ قرب نے بالا و پستی رفتن است

قرب حق از حبس ہستی رستن است

ترجمہ: (۱) جب اوصافِ قدیم کے تجلیات نے غلبہ کیا تو کلیم کے وصف حادث کو جلا دیا۔

(۲) بالا و پستی کی طرف جانے کا نام قرب نہیں قرب حق ہستی مجازی کو محبوس کرنے کو کہتے ہیں۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جمیع اہلِ ایمان سے توبہ کا مطالبہ فرمایا ہے اور توبہ یہ ہے کہ

marfat.ocm

بندہ اپنے معبود کو ماننے اور شرک کو ترک کرے اس طرح سے اس کی توبہ قبول ہو جائے گی پھر اسے رجوع الی اللہ ضروری ہے یاد رہے کہ توبہ کے وقت ہزاروں خیالات حائل ہوں تب بھی توبہ کی قبولیت میں رکاوٹ کا سبب نہ بنیں گے۔ بلکہ توبہ کے وقت گناہ کا صدور ہو گیا تب بھی بعد کی توبہ قبول ہوگی۔ عام مومن کی علامت یہ ہے کہ جب اس سے گناہ کا صدور ہو تو اس کا سینہ تنگ، دل مغموم، روح نادم اور جسم راجع الی اللہ ہونے کو چاہتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ مخصوص لوگ کبھی بعض امور سے قربتِ الٰہی سے محجوب اور مقاماتِ مخصوصہ ومشاہدات و معرفت حق اور توحید الٰہی سے محجوب ہو جاتے ہیں اسی لیے انہیں حکم ہوتا ہے کہ اے ایمان والو! اسی حجب کے مقام میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اس لیے کہ جو ان مقامات کی طلب یا خیال میں رہتا ہے تو معرفت الٰہی میں بہت خطرناک ہے اس لیے کہ جس کا گمان ہو کہ واصل باللہ ہے تو اسے معرفت وجود الٰہی اور کنہ جلال عزت سے کچھ حاصل نہ ہوگا اور جو بھی ہر آن اور ہر لحظہ توبہ پر التزام کرتا ہے تو بحر فنا میں فانی ہو کر محبوب خدا ہو جاتا ہے۔

اسی مقامِ فنا کے استغراق کی وجہ سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انہ لیغان علی قلبی وانی لا ستغفر اللہ کل یوم مائۃ مرۃ۔

(بے شک میرے دل میں گرد وغبار بیٹھ جاتا ہے تو دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر توبہ کے بعد توبہ ضروری ہے یہاں تک کہ توبہ سے بھی توبہ کرنی چاہیے۔ اس کی برکت یہ ہوگی رؤیتِ قدوم وبقا سے بحر فنا فانی ہو جائے گا۔

اے اللہ! ہمیں فانی وباقی بنا۔ آمین

تفسیر عالمانہ

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ ایایم، ایامی کا مقلوب ہے ایامی، ایم کی جمع ہے جیسے یتامیٰ، یتایم کا مقلوب، اور یتایم، یتیم کی جمع ہے اسے قلبِ مکانی کہا جاتا ہے۔ ایامی کے میم کی کسرہ کو فتح سے اور یاء کو الف سے تبدیل کیا گیا ہے۔ ایسے ہی یتامیٰ کی تعلیل ہے۔ ایم وہ مرد جس کی زوجہ نہ ہو اور وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو۔ بکر ہوں یا ثیّب۔ ایسے ہی المفردات میں ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے متولیو! تم اپنی قوم کے مردوں اور عورتوں کا نکاح کرو کیونکہ نکاح نسلِ انسانی کی بقاء اور زنا کا محافظ ہے وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ الکواشی میں الصّٰلحین سے بہتر یا ایمان دار لوگ مراد ہیں۔ الوسیط میں الصلاح بمعنے ایمان لکھا ہے۔ المفردات میں لکھا ہے کہ صلاح، فساد کی نقیض ہے۔ ان دونوں کا استعمال صرف افعال میں ہوتا ہے۔

نکتہ: غلاموں کے نکاح کے لیے صلاح کی قید اس لیے ہے کہ وہ غلام جو نیک نہ ہو وہ اس لائق نہیں کہ اس کا آقا اس کے لیے کسی کا اہتمام کرے یا اس پر شفقت کرے بلکہ اس قسم کی ضروریات پوری کرے نہ شرعاً نہ عادتاً۔ بلکہ

marfat.com

ایسے نالائق غلام کو اپنے پاس رکھنا بھی گوارا نہ کرے اور نہ ہی اسے اپنے پاس رکھے۔

سوال : آزاد مرد و عورت کا نام آیت میں نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ بے شک برائیوں کا ارتکاب کرتے رہیں۔

جواب : چونکہ ان میں عموماً فساد نہیں ہوتا بلکہ ان کے اکثر میں خیر و صلاح ہوتی ہے اس لیے ان کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

سوال : آیت میں غلام اور کنیز پر عبد و اَمَۃ کا اطلاق کیا گیا ہے حالانکہ حدیث شریف میں ایسا اطلاق ممنوع ہے۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ فلاں میرا غلام اور فلاں میری کنیز ہے اس لیے کہ تمام مرد اللہ تعالیٰ کے عبد اور تمام عورتیں اسی کی کنیزیں ہیں۔ ہاں یُوں کہہ سکتا ہے کہ فلاں میرا غلام اور فلاں میری لونڈی ہے۔

جواب : حدیث شریف میں ممانعت اس لیے ہے تاکہ انسان میں تکبر اور غرور پیدا نہ ہو جائے کہ متکبرانہ طور تحقیر کرتے ہُوئے کسی کو اپنا عبد اور کنیز کہے۔ اس تقریر سے آیت و حدیث کا تعارض اُٹھ گیا۔

(ف : یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ عبدالرسول، عبدالنبی وغیرہما اسماء میں ہمارا عبدیت سے حقیقی معنیٰ مراد نہیں ہوتا بلکہ ہم ایسے اسماء میں عبد سے غلام مراد لیتے ہیں اور اس میں کوئی قباحت نہیں جیسا کہ آیت میں عباد و اماء سے غلام اور کنیزیں مراد لی گئی ہیں۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یہ کہ وہ غلام اور کنیزیں ہوں، درویش اور تنگ دست يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ انھیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مستغنی فرمائے گا یعنی تم اس ارادہ سے انھیں نکاح سے نہ روکو کہ ناکح یا منکوحہ غریب و مسکین ہیں نان و نفقہ کہاں سے لائیں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل وسیع اور لطف عام ہے کہ وہ اپنے بندوں کی غربت اور مسکینی دور کر کے انھیں دولت مند و تونگر بنا دے۔ ویسے دنیاو دولت آنی جانی شے ہے۔ ممکن ہے آج وہ غریب و تنگدست ہیں تو کل وہ غنی اور مالدار ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ ایسے طریق سے رزق پہنچاتا ہے جس کا انھیں وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

ف : جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فقیر بنا دے وہ کل کائنات سے مستغنی ہو جائے گا۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ اور اللہ تعالیٰ غنی اور ایسی وسعت کا مالک ہے کہ اس کی نعمتیں کہیں بھی ختم نہیں ہوتیں کیونکہ اس کی قدرت کی انتہا نہیں ہے۔ عَلِیْمٌ علیم ہے، اسی لیے وہ اپنے منشأ پر جس کے لیے جیسے چاہتا ہے رزق گھٹاتا بڑھاتا ہے۔ وُہ جو کام کرتا ہے مبنی بر حکمت ہوتا ہے۔

marfat.ocm

مسئلہ: تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ نکاح سنّت ہے۔

حدیث شریف ۱: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من احب فطرتی فلیستن بسنتی و من سنتی النکاح۔

(جو شخص میری فطرت سے محبّت کرتا ہے اسے میری سنّت پر عمل کرنا چاہیے اور نکاح بھی میری سنّت ہے)

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔

(اے نوجوانو! تم میں جسے نکاح کی فرصت ہے اسے چاہیے کہ نکاح کرے اس لیے کہ نکاح آنکھوں کو برائی سے اور فرج کو زنا سے روکتا ہے۔ جسے نکاح کی فرصت نہیں اسے روزہ رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ روزہ زنا سے بچنے کے لیے ڈھال کا کام دیتا ہے۔)

مسئلہ: اگر کسی کو وطی کا اتنا سخت میلان ہو کہ اسے زنا کا یقین ہو جائے تو اسے نکاح کرنا واجب ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔

مسئلہ: امام مالک و امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا جسے نکاح کرنے کی ضرورت ہو، اسے اگر نان و نفقہ کی فرصت نہ بھی ہو تو اسے نکاح کرنا مستحب ہے۔

مسئلہ: جو شخص وطی کی طرف چنداں مائل نہیں اسے نوافل میں مصروف رہنے کے بجائے نکاح کرنا افضل ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ امام مالک و امام شافعی اس کے برعکس فرماتے ہیں۔

مسئلہ: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دیگر نفلی عبادت سے نکاح کرنا افضل ہے۔

مسئلہ: کیا کوئی عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر سکتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے، ان کی دلیل آیت:

فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن۔

(انھیں نکاح کرنے سے مت روکو)

ہے۔ آیت میں مردوں کو روکا گیا ہے کہ وہ عورتوں کو نکاح کرنے سے منع نہ کریں۔ آیت سے ثابت ہوا کہ عورت اپنے نکاح کی خود مالک ہے۔ لیکن ائمہ ثلاثہ عورت کا ولی کے بغیر نکاح کرنا ناجائز ٹھہراتے ہیں۔ اور

marfat.com

وہ بھی اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ آیت میں اولیاء متولیوں کو خطاب ہے جیسے غلاموں اور لونڈیوں کو از خود نکاح کرنے کی اجازت نہیں ایسے ہی آزاد عورتوں کو۔

مسئلہ : ائمہ کا اختلاف ہے کہ کیا آقا غلام کو نکاح کرنے پر مجبور کر سکتا ہے یا نہیں، جبکہ غلام نکاح کا خواہاں ہو۔ امام احمد نے فرمایا کہ جب غلام نکاح کا خواہاں ہو تو آقا پر لازم ہے کہ اس کا نکاح کر دے۔ ہاں لونڈی کا نکاح کر دینے کے بعد اس سے خدمت کرا سکتا ہے۔ اگر آقا غلام کو نکاح سے روکے تو پھر غلام کو مطالبہ کرنا جائز ہے کہ وہ اسے بیچنے پر مجبور کرے اور آقا پر بھی لازم ہے کہ ایسے غلام کو بیچ ڈالے۔ اس میں دوسرے ائمہ ثلاثہ نے اختلاف کیا ہے۔

مسئلہ : الکواشی میں ہے کہ آیت میں امر ندب کا ہے۔

ف : ترجمۃ الفتوحات میں ہے کہ اگر تم نکاح کا ارادہ رکھتے ہو تو قریشیوں میں نکاح کی جدوجہد کیجئے۔ اہل بیت کے خاندان سے نکاح ہو تو بہتر و موزوں تر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اونٹ سوار عورتوں سے وُہ بہتر عورتیں ہیں جو قریش خاندان سے ہیں۔"

نکاح فقر و تنگ دستی دُور کرتا ہے

زجاج نے فرمایا کہ نکاح کی اللہ تعالیٰ نے اس لیے ترغیب دلائی ہے کہ نکاح فقر و فاقہ اور تنگ دستی کو دُور کرتا ہے۔ غناء دو قسم ہے :

(۱) غناء بالمال ، لیکن یہ ضعیف سبب ہے۔

(۲) غناء بالقناعۃ ، اور یہ اقویٰ سبب ہے۔

نکتہ : نکاح غناء کا سبب اس لیے ہے کہ عقد دینی عقد دنیوی تحصیل کا سبب ہے۔ یا تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے اسباب تیار ہو جاتے ہیں جن کا فقیر تنگدست کو علم بھی نہیں ہوتا یا اس لیے کہ نکاح کے بعد انسان کاروبار کی فکر کرتا ہے اور کاروبار فقر و فاقہ کو دُور کر دیتا ہے ؎

رزق اگر چند بیگمان برسد
شرط عقلست جستن از درہا

ترجمہ : اگرچہ رزق اللہ تعالیٰ سے پہنچتا ہے لیکن اسے اسباب کے ذریعہ تلاش کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ : ائمہ کا اختلاف ہے کہ کیا زوج جب تنگدست ہو جائے یہاں تک کہ اپنی عورت کو نان و نفقہ اور پوشاک لہذا مکان بھی نہ دے سکے تو کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا نکاح فسخ کرائے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس معاملہ میں عورت کسی شے کی مالک نہیں۔ البتہ اسے حکم دیا جائے کہ وہ ان امور کے لیے قرضہ اٹھائے

marfat.ocm

اور وقت کا حاکم اسے قرض اٹھانے کا حکم دے پھر بعد کو مرد سے قرض ادا کرائے۔ اگر مر جائے تو اس کے مال سے قرض پورا کرے۔

حکایت: حضرت امام جعفر بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے فقر و فاقہ کی شکایت کی تو آپ نے اسے نکاح کا حکم فرمایا۔ اس نے نکاح کے بعد بھی پہلے کی طرح فقر و فاقہ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: طلاق دے دے۔ آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: میں نے نکاح کا حکم اس لیے دیا کہ ممکن ہے کہ وہ اس آیت "ان یکونوا فقراء الخ" کا مصداق ہے لیکن جب اس کا فقر بدستور رہا تو پھر میں نے سمجھا کہ وہ اس آیت کے بجائے دوسری آیت کا مصداق ہے وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ۔

مسئلہ: بعض فقہاء نے فرمایا کہ بسا اوقات نکاح نہ کرنا واجب ہوتا ہے جب کہ وہ نکاح الٹا معصیت اور فساد کا موجب بنے۔

حدیث شریف ۱: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یأتی علی الناس زمان لا ینال فیہ المعیشۃ الا بالمعصیۃ فاذا کان ذلک الزمان حلت العزوبۃ۔

(میری اُمت پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ اس وقت معیشت کا حصول معصیت اور گناہ کے ارتکاب کے بغیر نہایت مشکل ہو گا جب یہ زمانہ آجائے تو اس وقت نکاح کے بغیر زندگی بسر کرنا بہتر ہو گا)

حدیث شریف ۲: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا اتی علی اُمتی مائۃ و ثمانون سنۃ فقد حلت لھم العزوبۃ و الترھب علی رؤس الجبال۔ (کذا فی تفسیر الکواشی)

(جب میری اُمت پر ایک سو اسی سال گزر جائیں تو اس کے بعد نکاح کے بغیر زندگی بسر کرنا بہتر ہو گا)

ظہورِ مہدی کا سن حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا:

اذا نفد عدد حروف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فانہ یکون اوان خروج المھدی من بطن امہ۔

(جب بسم اللہ شریف کے مطابق صدیاں ختم ہوں (یعنی ۱۹۰۰ھ) تو پھر مہدی موعود پیدا ہو گا)

اسے حضرۃ الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے یوں نظم فرمایا: ؎

۱ اذا نفد الزمان على حروف
ببسم الله فالمهدی قاما

۲ ودورات الخروج عقیب صوم
الا بلغه من عندی سلاما

ترجمہ: (۱) جب بسم اللہ کے حروف کے مطابق زمانہ گزر جائے تو امام مہدی ظاہر ہوں گے۔
(۲) اور ظہور کا دور بھی بعد رمضان کے ہوگا۔ جب تشریف لائیں تو انہیں سلام عرض کرنا۔

ف: اگر حسد نہ ہوتا تو عدد کا راز ظاہر ہوتا۔

اسمٰعیل حقی کا بیان فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اگر ہر راء کو مکرر طور مانا جائے، جیسا کہ مشدد حروف کا تقاضا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا ظہور ایک ہزار ایک سو چھیاسی ۱۱۸۶ سال پر ہوگا (لیکن یہ ان کا اپنا خیال ہے اس لیے کہ مذکورہ مدت میں مہدی کا ظہور نہیں ہوا صحیح وہی ہے جو ہم نے کہا کہ سنہ ۱۹۰۰ھ کے بعد ان کے ظہور کا امکان ہے)

ف: الکواشی کی نقل کردہ روایت کہ "ایک سو اسی سال کے بعد نکاح نہ کرنا بہتر ہوگا" سے بھی یہی مراد ہے کہ ایک ہزار کے بعد جب ایک سو اسی سال گزریں تو نکاح نہ کرنا بہتر ہوگا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیرکم بعد المائتین خفیف الحاذ۔

(دو سو سال کے بعد بہتر انسان وہ ہے جس کی عیالداری بہت کم ہو)

حدیث شریف میں خفیف الحاذ کا لفظ ہے۔ اس کی مراد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا:

الذی لا اھل لہ ولا ولد۔

(خفیف الحاذ وہ ہے) جس کا نہ کنبہ ہو نہ اولاد نہ کوئی اور)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وانکحوا الایامیٰ الخ میں ان مریدین طالبین کی طرف اشارہ ہے جو شیخ کامل کی خدمت سے محروم ہیں یعنی ایسے محروموں کو حکم دو کہ وہ شیخ کامل کی خدمت و صحبت میں رہیں تاکہ شیخ ان میں یوں تصرف کرے کہ ان کے قلوب کے ارحام میں صلب ولایت سے نطفہ ڈالے اس لیے کہ کامل اولیاء کی تلاش کے بعد جب ان کی صحبت و خدمت حاصل ہوئی تو گویا عالم غیب میں معناً انہیں ولادت ثانی نصیب ہوگی جیسے عالم شہادت میں صورۃً اس کی ولادت ہوئی ہے

marfat.ocm

ایسے ہی عالمِ غیب میں معناً ولادت حاصل ہوتی ہے۔ جب شیخ کامل سے ولادت ثانیہ حاصل ہو جائے گی تو عالمِ ملکوت میں داخل ہونا نصیب ہو جائے گا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ "عالمِ ملکوت السمٰوٰت والارض میں وہ داخل ہو سکتا ہے جسے دوبارہ ولادت حاصل ہوتی ہے"۔ عیسٰی علیہ السلام کی عبارت میں النشاۃ الاخریٰ سے یہی ولادتِ ثانیہ مراد ہے، اور جب بندہ اس مقام کو پالیتا ہے تو وہ کفر اور موت کی طرف رجوع سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے کفر کی طرف رجوع سے امن کی دلیل آیۃ "کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا" ہے فاحیاکم یہاں پر احیاء سے ولادت اولیٰ مراد ہے ثم یمیتکم یہاں پر اماتت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے ارادے سے موت دی ثم یحییکم میں احیاء نشأۃ ثانیہ یعنی ولادتِ ثانیہ مراد ہے ثم الیہ ترجعون پھر تم اللہ تعالیٰ کے جذبہ سے ہی اس کی طرف رجوع کروگے۔ کما قال:

ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ۔

اور موت سے امن کی دلیل آیۃ او من کان میتا فاحیینٰہ کیا تم مُردے نہیں تھے پھر ہم نے تمہیں نورِ ربوبیت سے زندہ کیا وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی النّاس اور ہم نے اس لیے نور پیدا فرمایا۔ یہاں پر نور سے نورِ الٰہی مراد ہے جس سے وُہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ جب بندے کو یہ نور حاصل ہو جاتا ہے تو وہ دائمی زندگی پالیتا ہے جس سے موت کے خطرہ سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے اگرچہ اس دنیا سے رخصت ہو کر دوسرے عالم میں جاتا ہے تب بھی وہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہوتا ہے ان یکونوا فقراء سے مراد یہ ہے کہ وہ فیض الٰہی کے قبول کرنے کی استعداد سے محروم ہیں یغنھم اللہ من فضلہ انھیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے غنی کر دیتا ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انھیں فیض الٰہی کے قبول کرنے کی استعداد نصیب ہو جاتی ہے، ورنہ بندے کا اللہ تعالیٰ تک پہنچنا ناممکن ہے اس لیے کہ حادثات کے قدیم تک پہنچنے کی جملہ راہیں مسدود ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کھول دے تو پھر راہیں کشادہ ہیں، وہی فتاح ہے اور اسی کے ہاتھ میں ہر شے کے کھولنے کی کنجی ہے واللہ واسعٌ اللہ تعالیٰ ہی ارحام قلوب کو کشادہ کرتا ہے جس سے فیضِ الٰہی کے قبول کرنے کی استعداد حاصل کر لیتے ہیں علیمٌ اسے علم ہے کہ کون اس کے فیض تک پہنچنے کی استعداد رکھتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَلْيَسْتَعْفِفِ اس میں ان لوگوں کو جو اسباب و مبادی نکاح سے عاجز ہیں ایسے امر کی طرف رہبری کی جا رہی ہے جو ان کے لیے اولیٰ و افضل ہے اور ان کے لیے زیادہ لائق ہے جبکہ اس سے پہلے فقراء کو نکاح کرنے کے جواز کا طریقہ بتایا ہے۔

حل لغات: العفۃ نفس کو ایسی حالت کا حاصل ہونا جو اسے غلبۂ شہوت سے روک سکے المتعفف وہ شخص جسے یہی کیفیت حاصل ہو۔ اور الاستعفاف بمعنے طلب العفۃ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ عفۃ اور شہوت کے

marfat.com

قلع قمع کرنے میں جد وجہد کریں الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِکَاحًا وہ لوگ جو نکاح کے اسباب مثلاً مہر اور نان و نفقہ وغیرہ کی فرصت نہیں پاتے اس لیے کہ جسے یہ اسباب حاصل نہ ہوں تو اس کے لیے نکاح وغیرہ کرنا الٹا جنجال ہے۔ پھر ایسے لوگوں کے لیے روزہ ضروری ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔

(جو شخص نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھے اس لیے کہ روزہ ڈھال ہے)

یعنی روزہ سے شہوتِ نفسانی کمزور پڑ جاتی ہے اور اس سے جماع کی خواہش کا غلبہ ضعیف ہو جاتا ہے اس طرح سے فرج کی عفت وعصمت بطریقِ احسن حاصل ہوتی ہے۔

مسئلہ: جب شہوت کا غلبہ ہو تو اس وقت لیستعفف کے امر کو وجوب پر محمول کیا جائے۔

حَتّٰی یُغْنِیَہُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے غنی کر دے تاکہ اسے وہ اسباب حاصل ہوں جن سے وہ نکاح کر سکے۔

حکایت ترجمۃ الفتوحات میں ہے کہ ایک نیک انسان بظاہر دنیوی اسباب نہیں رکھتا تھا لیکن پھر بھی نکاح کر لیا۔ چند دنوں کے بعد عیال دار ہو گیا۔ جب عیالداری نے تنگ کیا تو لڑکے کو لے کر باہر میدان میں کھڑے ہو کر اعلان کیا یہ اس شخص کی سزا ہے جو فرمانِ الٰہی کے خلاف کرے۔ لوگوں نے کہا کیا آپ نے زنا کیا ہے؟ فرمایا نہیں۔ لوگوں نے کہا تو پھر یہ اعلان کیسا؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحًا الخ

لیکن میں نے عجلت کی باوجودیکہ نکاح کرنے کی فرصت نہیں رکھتا تھا تاہم نکاح کر لیا بالآخر یہ دن دیکھنے پڑے۔ لوگوں نے اس کے حال پر رحم کھا کر اس کی اتنی مالی امداد کی جس سے وہ افلاس وتنگدستی کی پریشانی سے بچ گیا۔

سبق: بہر حال کبھی نکاح کی سنّت ادا کرنے سے غنا اور تونگری حاصل ہو جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ولیستعفف الذین الخ یعنی جن لوگوں کو شیخ کامل دستیاب نہیں ہوتا ان پر لازم ہے کہ وہ تصرفاتِ دنیا اور خواہشاتِ نفسانی اور امورِ شیطانی سے ارحام قلوب کی حفاظت کریں حتّٰی یغنیھم اللہ من فضلہ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے حال پر رحم فرما کر اسے شیخ کامل کی طرف رہبر کرے، جیسے موسیٰ علیہ السلام کو خضر کی راہ دکھائی۔ یا اس کے لیے شیخ کامل کو فیض پہنچانے کے لیے بھیج دے۔ جیسا کہ پہلے دستور تھا کہ ہر قوم کی طرف نبی مبعوث ہوتا۔ امتِ محمدیہ میں ولی مقرر ہوتا ہے۔ یا پھر اپنے جذبۂ عنایت سے اسے اپنی طرف کھینچ لے۔ ان تینوں سے

marfat.ocm

کوئی ایک حال ایسے متعفف کو ضرور نصیب ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ

حل لغات: الابتغاء بمعنے طلب میں جدوجہد کرنا۔ الکتب مفاعلہ کے باب کا مصدر ہے بمعنے مکاتبۃ یعنی وہ لوگ جو مکاتبت طلب کرتے ہیں۔

مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اور غلاموں سے یا کنیزوں سے کہ جن کے تم مالک ہو مثلاً مولیٰ اپنے غلام سے کہے کہ تو اتنے عرصے کے اندر اتنی رقم ادا کر دے۔ غلام اسے قبول کر لے تو غلام آزاد ہو جائے گا بشرطیکہ اسی عرصے میں رقم معلوم ادا کر دے۔

حل لغات: کاتب عبدہ مکتابۃ یہ اس وقت بولتے ہیں جب مولیٰ غلام کے ساتھ قسطوں پر رقم کی ادائیگی کی شرط پر اس کی آزادی کا عقد کرلے۔ جب غلام عرصہ معلومہ تک رقم معلوم ادا کرے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا لیکن جب تک رقم ادا نہ کرے گا اس وقت تک وہ بدستور غلام رہے گا۔

نکتہ: مفاعلہ کے صیغے میں یہ نکتہ ہے کہ آقا اپنے اوپر واجب کرتا ہے کہ غلام رقم ادا کرنے کے بعد آزاد ہو جائے گا اور غلام اپنے اوپر واجب کرتا ہے کہ وہ اپنا مال بدل بغیر غلل و نقصان کے مدتِ معلومہ میں ادا کرے گا۔ نیز اس عقد کا بدل میعادی ہے جسے غلام قسطوار ادا کرے گا اور اس مال مؤجل کے لیے کتاب میں لکھا جائے گا کہ غلام اتنے عرصے میں رقم معلوم ادا کر دے گا۔ اگرچہ نہ لکھیں تب بھی قانون شرع کے مطابق ہے اور اکثر اسی طرح ہوتا ہے اسی لیے اسے مکاتبت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ المفردات میں ہے کہ چونکہ عبد اپنے آقا سے اپنے آپ کو رقم معلومہ کے ساتھ خرید رہا ہے اسی لیے کتاب بمعنے ایجاب سے اس کا مشتق ہونا صحیح ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ الکتب بمعنے النظم باللفظ سے ہے اور چونکہ انسان یہ عقد زبان سے بول کر کرتا ہے اس لیے اسے اس لفظ سے مشتق کیا گیا ہے۔

شانِ نزول: صبیح مولیٰ حویطب بن عبد العزیٰ کے غلام نے اپنے آقا سے مکاتبت کے ساتھ آزادی کا مطالبہ کیا تو اس نے انکار کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (کذا فی التکملہ)۔

فَكَاتِبُوْهُمْ یہ اسم موصول کی خبر ہے اور وہ چونکہ شرط کے معنے کو متضمن ہے اسی لیے یہ فا جزائیہ ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارے غلام اگر اپنی آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں تو تم ان سے بدلہ لے کر انہیں آزاد کر دو۔

مسئلہ: یہ امر ندب کا ہے اس لیے کہ مکاتبت ایک ایسا عقد ہے جو آقا اور غلام دونوں کے لیے نرمی کو متضمن ہے اس لیے ضروری نہیں کہ آقا غلام کی استدعا پہ اسے آزاد کر دے۔ اور نہ ہی غلام پر ضروری ہے کہ وہ خواہ مخواہ مکاتبت کی استدعا کرے۔ اسی لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بدل کتابت

marfat.com

یکمشت دینا بھی جائز ہے اور اقساط پر بھی اور میعاداً بھی اور دست بدست بھی۔

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ق اگر تم اس میں خیر اور بھلائی سمجھو یعنی تمہیں یقین ہو کہ واقعی غلام بدل کتابت ادا کر دے گا تو ان کے ساتھ آزادی کا وعدہ کر لو جبکہ وہ حلال کمائی سے ادائیگی کرے تو وہ مال تمہارے لیے حلال طیب بھی ہوگا کہ تم نے اسے اپنے غلام کی حلال کمائی سے حاصل کیا ہے اور ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ تم ان میں یوں خیر اور بھلائی محسوس کرو کہ وہ آزادی کے بعد کسی کو ایذا نہیں دیں گے اور نہ ہی وہ مطلق العنان ہو جائیں گے۔

ف : حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر تم ان میں علم بالحق اور عمل صالح پاؤ تو آزاد کر دو۔ اور یہ شرط امر کے لیے ہے یعنی یہ استحباب عقد کے لیے ہے اور وہ فکاتبوھم سے معلوم ہوتا ہے اس کے انتفاء سے استحباب کا انتفاء ہوگا نہ کہ اس سے جواز کا بھی انتفاء ہوگا۔

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ یہ آقاؤں کو حکم ہے اور یہ امر بھی ندب کا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے آقاؤ! اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال سے غلاموں کو بھی کچھ دو۔ یعنی مکاتبت کا بدل بالکل انہیں معاف کر دو یا کچھ لو اور کچھ معاف کر دو۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کفی بالمرء من الشح ان یقول آخذ حقی لا اترك منه شیئا۔

(انسان کے بخل کی دلیل ہے کہ وہ کہے کہ میں اپنا حق لوں گا۔ اس سے ذرہ برابر بھی نہیں چھوڑتا)

حکایت اصمعی لکھتے ہیں کہ ایک اعرابی لوگوں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ حق لیتے ہو یا اس سے بھی اور بہتر شے؟ انہوں نے کہا حق سے کیا شے افضل ہے؟ اس نے کہا کہ دوسروں پر احسان و کرم کرنا اپنا حق لینے سے افضل ہے (کذا فی المقاصد الحسنہ للسخاوی)

حویطب کا عمل بالقرآن کاشفی نے لکھا کہ حویطب نے اپنے غلام صبیح کو صد دینار کے عوض آزاد کیا تھا، لیکن جب آیت ہذا سُنی تو اسے بیس دینار معاف کر دیے۔

ف : حویطب غزوہ حنین میں مارے گئے۔

نکتہ : مال کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے اور اسے ایتان سے موصوف کرنے میں تعمیل فرمان حق پر برانگیختہ کرنا ہے تاکہ بندے مامور بہ کو رغبت سے ادا کریں اس لیے کہ انہیں خیال آئے گا کہ جب مال کا مالک حقیقی وہی خود ہے اور اس نے ہمیں عطا فرمایا ہے اور اب وہ اسے خرچ کرنے کا فرماتا ہے تو پھر

marfat.ocm

ہم کون لگتے ہیں کہ اسے اس کی راہ میں خرچ نہ کریں۔

ف : وآتوھم کا خطاب عام مسلمانوں کو ہے کہ وہ مکاتبوں کے آزاد کرانے میں ان کی نقد امداد کریں۔ ایسی آزادی کو عربی میں فک رقبہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی گویا وہ ایک عذاب میں مبتلا تھا جو آزادی کے بعد اس عذاب سے نجات پا گیا۔

بشنو از من نکتۂ اے زندہ دل
وز پس مرگم بہ نیکی یاد کن
کہ بلطف آزادۂ بندہ ساز
کہ باحسان بندۂ آزاد کن

ترجمہ : اے زندہ دل! مجھ سے ایک نکتہ یاد رکھ، مرنے کے بعد مجھے یاد کرنا۔ وہ یہ کہ آزاد کو اپنے لطف واحسان سے اپنا بندہ بنا اور احسان وکرم سے غلام کو آزاد کر۔

حدیث شریف میں ہے:

ثلاثۃ حق علی اللہ عونھم المکاتب الذی یرید الاداء والناکح یرید العفاف والمجاھد فی سبیل اللہ۔

(بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم تین حقوق ہیں:

۱۔ جن سے وہ اپنے بندوں کی مدد کرے جو غلام آزادی چاہتا ہے۔

۲۔ وہ شخص جو نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

۳۔ مجاہد فی سبیل اللہ۔

مسئلہ : اس مکاتب کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے جو مکاتبت کی قسط کی ادائیگی سے پہلے فوت ہو گیا۔ امام اعظم اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر اتنا مال چھوڑ گیا کہ اس کی قسط ادا کی جا سکے گی تو وہ آزاد ہے اور اگر کچھ مال بچ گیا تو وہ اس کی آزاد اولاد میں تقسیم ہو گا اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ غلام ہو کر مرا لیکن کتابت کی ادائیگی بھی اس سے مرتفع ہو گئی۔ یہ ایسے ہے جیسے مبیع قبضہ سے پہلے ضائع ہو گئی تو بیع ختم۔

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ اور اپنی لونڈیوں کو مجبور مت کرو۔ لفظ فتی کا غلام اور فتاۃ لونڈی پر عام اطلاق ہوتا ہے ویسے فتی اس مرد کو کہتے ہیں جس پر جوانی کا غلبہ ہو۔ اسی مناسبت سے یہاں پر وہ لونڈی مراد ہے جو نوجوان ہو۔ چنانچہ عَلَى الْبِغَاءِ سے معلوم ہوتا ہے البغاء بمعنے زنا۔ اس لیے اس کا

marfat.com

صدور عموماً نوجوان عورتوں سے ہوتا ہے بخلاف بوڑھیوں اور چھوٹی بچیوں کے کہ ان سے زنا کا صدور نہیں ہوتا۔

حلِ لغات : بغت المرأۃ بغایۃ اس وقت بولتے ہیں جب کسی عورت سے فجور کا صدور ہو اور وہ اس لیے کہ وہ اپنے شرم و حیا سے متجاوز ہو کر ایسے فعل کا ارتکاب کرتی ہے۔ اور الاکراہ کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب کسی کی ذات یا اس کے کسی عضو کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو۔ معمولی خطرے پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی نوجوان عورتوں کے علاوہ دوسری عورتوں کے لیے مکروہ کہا جائے گا۔

اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا ۔ تحصن بمعنے تعفف ۔ یعنی اگر وہ زنا سے عفت و عصمت کا ارادہ کریں یعنی اپنے آپ کو حصن (قلعہ) کی طرح محفوظ رکھتی ہے۔

نکتہ ارادہ کی قید اتفاقی ہے۔ یعنی اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ اگر وہ زنا سے بچنے کی خواہشمند ہو تو مجبور نہ کرو۔ بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ایسی حالت میں انہیں زنا پر مجبور نہ کرو۔ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی عادت تھی کہ عورتوں کو زنا پر مجبور کرتے تھے حالانکہ ان کی لونڈیاں زنا سے بچنے کی کوشش کرتی تھیں۔

شانِ نزول : منقول ہے کہ عبداللہ بن اُبی بن سلول کی چھ لونڈیاں نہایت حسین و جمیل تھیں جنہیں وہ زنا پر مجبور کرتا تھا۔ اگر وہ انکار کرتیں تو انہیں سخت سزا دی جاتی۔ ان میں سے دو لونڈیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، ان کا نام معاذہ و مسکینہ تھا۔ ان کی شکایت پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ف : اس میں جاہلیت کے لوگوں کی قباحت و شناعت کا ذکر ہے کہ وہ اس طرح کے گندے افعال کا ارتکاب کرتے تھے جیسا کہ سب کو معلوم ہے اس لیے کہ جسے تھوڑی سی مروت حاصل ہے وہ کبھی اپنی لونڈیوں سے اس طرح کی برائی نہیں دیکھ سکتا چہ جائیکہ انہیں ایسے گندے فعل کا امر مجبور کرے بالخصوص جب وہ برائی سے بچنے کے درپے ہوں۔

نکتہ : لفظ اذ کے بجائے اِن لانے میں نکتہ ہے ورنہ مورد نص میں ارادہ کا تحقق ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ تنبیہ ہو جائے جس فعل میں شک و تردد ہو اس سے رکنا ضروری ہے تو جس میں تحقق ہے اس سے بطریق اولیٰ رکنا ضروری ہے۔

لِتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۔ یہ اکراہ کی قید ہے اور عرض ہر وہ شے جس کا کوئی ثبوت نہ ہو اسی کو متکلمین نے ہر اس شے کے لیے استعارۃً استعمال کیا ہے جسے ثبات نہ ہو بلکہ کسی دوسری شے پر قائم ہو جیسے رنگ، ذائقہ وغیرہما۔ اسی لیے مشایخ نے فرمایا : دنیا بھی وہی عرض ہے کہ اسے ثبات نہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے لوگو ! متاع سریع الزوال کی طلب میں لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو یا زنا کے بچے پیدا نہ کراؤ۔

marfat.ocm

ف : کاشفی نے لکھا کہ تبیان میں ہے کہ ایک زانی شخص زنا کردہ عورت کے بچے کے لیے سو اونٹ دیتا تھا۔

وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ اور جو شخص عورتوں کو مذکورہ طریقے سے زنا پر مجبور کرتے تھے فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اکراہ کے بعد یہاں اکراہ مصدر مجہول ہے غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ انھیں بخشنے والا اور رحیم۔ ان کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان اکراہ لانے میں اشارہ ہے کہ ان کے لیے مغفرت و رحمت کا موجب یہی اکراہ ہے۔

ف : اس میں دلالت ہے کہ اگرچہ انھیں زنا پہ مجبور کیا جائے تب بھی وہ اپنی فطرتِ بشری کے مطابق رغبت بھی کرتی ہیں اسی لیے انھیں مغفرت و رحمت سنائی گئی ہے۔

مسئلہ : الکواشی میں ہے کہ یہاں گناہ نہ کرنے کے باوجود انھیں مغفرت کہا گیا ہے کیونکہ جب انھیں قتل و ضرب کا خطرہ دلا کر ان کو زنا پر مجبور کیا گیا ہے تو پھر مغفرت کیسی!

مسئلہ : مرد کو اگرچہ زنا پہ مجبور بھی کیا جائے تب بھی اس پر لازم ہے کہ زنا نہ کرے۔ اس لیے کہ زنا کے فعل کا صدور مرد سے ہوتا ہے اور وہ اس پر پختہ ارادہ کر کے اس کا ارتکاب کرتا ہے۔ اگر وہ اس پر مارا بھی جائے تب بھی ناحق قتل کیا جائے گا اور قتل ہونا منظور کرے لیکن زنا سے بہر حال بچے۔

تفسیرِ صوفیانہ (۱) آیت میں اشارہ ہے کہ بعض صلحاء وہ ہوتے ہیں جو طلبِ الٰہی میں منتہی لوگوں کے مراتب تک نہیں پہنچتے لیکن وہ نفسِ امارہ کی سرکشی پر غالب ہوتے ہیں ایسے لوگ اپنے نفس کو عذابِ الٰہی سے آزاد کرانا چاہتے ہیں اور ان کا ارادہ ہوتا ہے کہ وہ عمل اور توبہ و استغفار سے نفس کو آتشِ نار سے بچالیں۔ فکاتبوهم تو اے نیک بختو! تم ایسے نفوس سے توبہ کراؤ اگر ان میں صدق و صفائی کے آثار پاؤ اور یقین کرو کہ واقعی وہ اس توبہ پہ قائم رہیں گے اور جو وہ معاہدہ اللہ تعالیٰ سے کریں گے اس پر پورے اتریں گے۔ کیونکہ صوفیاءِ کرام کا قاعدہ ہے کہ وہ ہر ایک کو تلقین نہیں کرتے بلکہ ان لوگوں کو توبہ کراتے ہیں جنہیں اپنی فراست سے دیکھتے ہیں کہ واقعی وہ وفا کریں گے پھر جب ان میں وفا پاتے ہیں تو پھر انھیں ولایت کی سند عطا کرتے ہیں اور انھیں اجازت بخشتے ہیں کہ وہ اپنی قابلیت و صلاحیت سے خلقِ خدا کو دینی امور کا وعظ و نصیحت کریں۔ یاد رہے کہ ہر شے کی زکوٰۃ ہے اور ولایت کی زکوٰۃ علم و معرفت و معرفت و نصیحت لینے والوں کو نصیحت و طالبین کا ارشاد اور بر و تقویٰ کا تعاون اور متقین سے نرمی و رفق ہے۔ پھر جیسے زکوٰۃ نہ دینے سے مال ضائع اور برباد ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی اس شخص سے ولایت چھن جاتی ہے جو رہبری حاصل کرنے والوں کو دروازے پر نہیں آنے دیتا۔ پھر جیسے سلطنت ظاہری کے لیے ضروری ہے کہ وہ مصالح عوام کے لیے ہر وقت کمربستہ رہے ایسے سلطنت باطنی کے لیے لازم ہے کہ وہ مسترشدین کے ارشاد کے لیے ہر آن تیار ہو

marfat.com

ع

وللارض من کأس الکرام نصیب

ترجمہ : اور سخیوں کے کاسوں سے زمین کو بھی حصہ نصیب ہوتا ہے۔

(۲) آیت میں اشارہ ہے کہ جب نفوس متمردہ بتوفیقِ ایزدی و لطف و کرمِ الٰہی سے توبہ و استغفار کر کے برائیوں سے بچنے کا ارادہ کریں تو شہواتِ نفسانیہ کے لیے انہیں فساد پر نہ اکسایا جائے۔

صوفیہ کے نزدیک زانی کی تعریف

اہلِ معرفت فرماتے ہیں کہ جس کا نسب معنوی کسی ولی کامل سے نہیں ملتا اور وہ اپنے کمال و تکمیل کا دعوٰی کرتا ہے تو حقیقت میں زانی وہی ہے اور جو ایسے زانی سے معرفت و حقیقت کی تربیت حاصل کرتے ہیں تو وُہ صوفیہ کے نزدیک بفتوائے تصوف ولد الزنا ہیں۔ ہم نے اپنے دور میں بہت سے بدقسمت دیکھے کہ وہ طالبانِ حق کو حقیقی اہلِ معرفت سے گمراہ کر کے صرف مدعیانِ معرفت کے ہاں لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ محض اہل اللہ سے بغض و عداوت اور عناد و سرکشی سے ایسا کرتے ہیں بلکہ اس بُرے عمل پر انھیں خواہشِ نفس اور باطنی مرض ابھارتا ہے، اور وہ طالبانِ حق کو اہلِ باطل کے ہاں بھی اسی لیے لے جاتے ہیں کہ وہ اہلِ باطل سے کھاتے پیتے ہیں۔ اسی معنے پر ایسے طالبانِ حق جو اہلِ باطل کے ہاں چلے گئے وہ ولد الزنا کی طرح ہیں اس لیے کہ اس کی استعداد گندے انڈے کی طرح ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں کافرین کے دھوکا و فریب اور ماکرین کے مکر سے بچائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ بخدا ہم نے تمہارے ہاں اسی سورۃ کی آیاتِ روشن ان تمام ضروریات کے لیے نازل فرمائیں جن کی تمہیں حاجت ہے مثلاً حدود کے بیان و دیگر احکام اور آداب وغیرہا۔ اگرچہ درحقیقت ہر شے کا بیان کرنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے لیکن یہاں پر آیات کی طرف مجازاً منسوب کیا گیا ہے وَ مَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ اور ہم نے نازل کیں مثالیں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ مثلاً ان کے عجیب و غریب قصے اور ان کی وہ مثالیں جو کتبِ سابقہ میں بیان کی گئیں۔ ایسے وہ کلماتِ طیبات جو انبیاء علیہم السلام نے بیان فرمائے۔ مثلاً قصۂ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا، بی بی مریم و حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ یاد دلاتا ہے کہ جیسے ان کے قصے عجیب و غریب تھے ایسے ہی یہ جیسے زلیخا نے یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی حالانکہ وُہ اس تہمت سے بری تھے ایسے ہی بی بی عائشہ پر منافقین نے تہمت لگائی اور اس تہمت سے آپ کا دامن پاک تھا۔ ایسے ہی بی بی مریم پر یہود نے تہمت لگائی حالانکہ وہ اس تہمت سے پاک تھیں وَ مَوْعِظَةً اور پند و نصیحت ہے کہ اس سے تم

marfat.ocm

عبرت پکڑو اور محرمات و مکروہات و دیگران امور سے دور رہنے کی کوشش کرو جو محاسن آداب و مدار لطف کے منافی ہیں لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ پرہیزگاروں کے لیے۔ متقین کی تخصیص صرف اس لیے ہے کہ وہی لوگ ان آیات سے نفع پاتے ہیں اگرچہ ان کا نزول سب کے لیے برابر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تاکہ ان سے وہ نصیحت حاصل کرے جو اتقاء کا ارادہ رکھتا ہے وہ بایں طور نصیحت پائے گا کہ جیسے گزشتہ لوگ ان افعالِ قبیحہ سے عذاب کی لپیٹ میں آگئے اگر میں بھی ان کا ارتکاب کروں گا تو میں بھی عذاب میں مبتلا ہوں گا۔ سعادتمند وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نرود مرغ سوئے دانہ فراز
چو دگر مرغ بیند اندر بند
پند گیر از مصائب دگراں
تا نگیرند دیگراں ز تو پند

ترجمہ: کوئی پرندہ دانے کی طرف نہیں جاتا جب دیکھتا ہے کہ کوئی دوسرا پرندہ قید میں پھنسا ہے دوسروں کے مصائب سے ہی نصیحت حاصل کرو ایسا نہ ہو کہ دوسرے تجھ سے نصیحت پائیں۔

حکایت منقول ہے کہ شیر، لومڑی، بھیڑیا شکار کو نکلے۔ انھوں نے ایک وحشی گدھا، ہرن اور خرگوش شکار کیا۔ شیر نے بھیڑیے سے فرمایا کہ اسے تقسیم کرو۔ بھیڑیے نے کہا کہ حمار وحشی آپ کے لیے اور ہرن میرے لیے اور خرگوش لومڑی کے لیے۔ شیر کو غصہ آیا اس نے بھیڑیے کو ایک تھپڑ رسید کیا جس سے وہ زخمی ہوگیا۔ اس کے بعد شیر نے لومڑی سے تقسیم کے لیے کہا تو لومڑی نے کہا کہ آپ حمار صبح کو کھائیں، ہرن شام کو اور خرگوش درمیان میں۔ شیر نے لومڑی سے پوچھا تو نے یہ ترکیب کہاں سے حاصل کی؟ لومڑی نے کہا بھیڑیے کو جو تھپڑ رسید ہوا اس سے میں نے سمجھا۔

ف: نصیحت سے ہی قلوب نرم پڑتے ہیں اور خشک آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور یہ تاثیر تلاوتِ قرآن مجید میں بہت زیادہ ہے بشرطیکہ اسے حضورِ قلبی سے پڑھا جائے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان ھذہ القلوب لتصدأ کما یصدأ الحدید۔

(قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے)

آپ سے پوچھا گیا کہ ان کا زنگ کیسا اترتا ہے؟

(باقی ص ۲۲۵ پر)

marfat.com

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ
اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں
اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ
چراغ ہے وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا چمکتا روشن ہوتا ہے برکت والے
مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ
پیڑ زیتون سے جو نہ پورب کا نہ پچھم کا قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے
نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ
نور پر نور ہے اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے اور اللہ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ٣٥ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ
سب کچھ جانتا ہے ان گھروں میں جنہیں بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان میں اس کا نام لیا جاتا ہے اللہ کی
فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ ٣٦ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ
تسبیح کرتے ہیں ان میں صبح اور شام وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد اور نماز برپا
الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءِ الزَّكٰوةِ ۽ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ ٣٧ لِيَجْزِيَهُمُ
رکھنے اور زکوٰۃ دینے سے ڈرتے ہیں اس دن سے جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں تاکہ اللہ انہیں
اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ٣٨
بدلہ دے ان کے سب سے بہتر کام کا اور اپنے فضل سے انہیں انعام زیادہ دے اور اللہ روزی دیتا ہے جسے چاہے
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ
بے گنتی اور جو کافر ہوئے ان کے کام ایسے ہیں جیسے دھوپ میں چمکتا ریتا کسی جنگل میں کہ پیاسا اسے پانی سمجھے یہاں تک جب
يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ ٣٩ اَوْ
اس کے پاس آیا تو اسے کچھ نہ پایا اور اللہ کو اپنے قریب پایا تو اس نے اس کا حساب پورا بھر دیا اور اللہ جلد حساب کر لیتا ہے یا
كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّـجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ
جیسے اندھیریاں کسی کنڈے کے دریا میں اس کے اوپر موج موج کے اوپر اور موج اس کے اوپر بادل اندھیرے ہیں
بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا
ایک پر ایک جب اپنا ہاتھ نکالے تو سوجھائی دیتا معلوم نہ ہو اور جسے اللہ نور نہ دے اس کے
لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ ٤٠
لیے کہیں نور نہیں

marfat.ocm

تفسیرِ عالمانہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ امام غزالی قدس سرہٗ نے نور کی تعریف اسم نور کی شرح میں یوں لکھی:

هوالظاهر الذی به کل ظهور۔

(نور وُہ ہے جس سے ہر شئے کا ظہور ہو)

وہ اس لیے کہ ظاہر وہ ہوتا ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرے (ہم اہلسنت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لیے نور مانتے ہیں کہ آپ کی وجہ سے کل کائنات ظاہر ہوئی یہاں تک کہ کُن کا ظہور بھی ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرہونِ منت ہے) وجود عدم کا بالمقابل ہے اور ظاہر ہے کہ ظہور وجود کا ہوتا ہے نہ کہ عدم کا اور عدم سے تو اور کوئی شئے تاریک تر نہیں ہے اور جو شئے عدم کی ظلمات سے کوسوں دُور ہو اس کے لائق ہے کہ اسے نور سے تعبیر کیا جائے اور نور ایسا وجود ہے جو کل کائنات کو فیض پہنچاتا ہے۔ اور یہ ذاتِ الٰہی کا نور ہے۔ اسے نور السمٰوٰت والارض کہا گیا ہے جیسے سورج کے نور کا ذرہ ذرہ سورج کی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ ایسے ہی کل کائنات کا ذرّہ ذرّہ واجب الوجود کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اسی تقریر کی تائید تاویلاتِ نجمیہ سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ لکھا:

اللہ نور السمٰوٰت والارض۔

اللہ تعالیٰ وُہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کو عدم سے وجود میں ظاہر فرماتا ہے۔ ویسے بھی نور لغت میں ضیاءُ (روشنی)

(ص ۲۲۳ سے آگے)

آپ نے فرمایا:

تلاوۃ القرآن و ذکراللہ تعالیٰ۔

(تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی سے)

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ قرآن کو غور سے سُن کر اس سے نصیحت حاصل کرے اور اس کے اوامر و نواہی کو تہِ دل سے قبول کر کے ان پر عمل کرے تاکہ اس پر ان کے ظواہر و بواطن کے اثرات ہوں ؎

مهتری در قبول فرمانست
ترک فرمان دلیل حرمانست

ترجمہ: سرداری فرمانِ الٰہی کو قبول کرنے میں ہے فرمان کا ترک محرومی کی علامت ہے۔

marfat.com

کو کہا جاتا ہے اور روشنی وہ ہے جو اشیاء کو آنکھوں کے لیے ظاہر کرے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نور میں تشبیہ و استعارہ ہے کہ جیسے نور اشیاء کو ظاہر کرتا ہے ایسے ہی ذاتِ حق اشیاء کو عدم کو وجود سے ظاہر کرتی ہے یعنی عدم سے وجود میں لاتی ہے کیونکہ ظہور عدم کو وجود میں لانے کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جملہ اعیانِ ثابتہ ظلمت عدم میں علمِ الٰہی میں مخفی تھیں پھر وہ قدرتِ الٰہی کی تاثیر سے ظاہر ہوئیں۔ کما فی حواشی ابن الشیخ

علامہ اسمٰعیل حقی کی تحقیق

فقیر (حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ یہاں پر تشبیہ و استعارہ کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ نور اسمائے الٰہیہ سے ہے اور یہ اسم اللہ تعالیٰ کے لیے حقیقی معنیٰ میں مستعمل ہے نہ کہ مجازی معنیٰ میں۔ یعنی نور بمعنے منوّر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ ماہیات معدومہ کو انوارِ وجود سے ظاہر فرمایا جبکہ اس نے تمام اشیاء کو کتمِ عدم سے اپنے فیضِ جود سے منور فرمایا۔

حدیث شریف

: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰہ خلق الخلق فی ظلمۃ ثم رش علیھم من نورہٖ۔

(اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ظلمت میں پیدا فرما کر پھر اس پر اپنے نور کا چھینٹا مارا)

ف: حدیث شریف میں خلق بمعنے تقدیر ہے اس لیے کہ تقدیرِ الٰہی تخلیق و ایجاد سے پہلے ہے۔ اور رش النور (نور کا چھینٹا مارنا) سے افاضۃ الوجود علی الممکنات مراد ہے اور ممکن کو ظلمت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ ممکن وجود سے منور ہوتا ہے اور تنویر بمعنے ایجاد ہے۔

اقسامِ نور

نور چار قسم ہے:

(۱) وہ جس سے آنکھوں کو اشیاء ظاہر ہوں لیکن وہ خود دیکھنے والا نہیں، جیسے سورج وغیرہ کا نور کہ جس سے پوشیدہ اشیاء ظاہر ہوتی ہیں۔

(۲) آنکھ کا نور کہ جس سے اشیاء کو آنکھیں دیکھتی ہیں یہ پہلے نور سے اشرف ہے۔

(۳) عقل کا نور، یہ اشیاء معقولہ مخفیہ کو آنکھوں کے لیے ظاہر کرتا ہے۔

(۴) نور الحق، یہ اشیاءِ معدومہ مخفیہ کو ظاہر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں شے کے وجود و عدم کا کوئی فرق نہیں، وجود و عدم کا فرق مخلوق کے لیے ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ ازلیہ سے اشیاء کو عدم سے وجود میں لاتا ہے ؎

در ظلمت عدم ہمہ بودیم بے خبر
نور وجود سر شہود از تو یافتم

marfat.ocm

ترجمہ: ہم سب ظلمتِ عدم میں بے خبر پڑے تھے نورِ وجود سے ہمیں شہود نصیب ہُوا۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا کہ زمانۂ عدم میں کسی ساکن کو متحرک کی خبر نہ تھی اور نہ ہی اسے اونچا نیچا معلوم تھا اور نہ ہی اسے قبیح وصبیح معلوم تھا جب نور نمودار ہُوا تو ظلام عدم نے شکست کھائی اور وجودات وکیفیات ظاہر ہوئیں، پھر معلوم ہُوا کہ صاف وشفاف شے کون سی ہے اور میلی کچیلی کون سی۔ اس ظہور کے بعد ہی واضح ہُوا کہ عرض کیا ہے اور جوہر کیا۔ اور ہر ذی شعور کو معلوم ہے کہ یہ معلومات نور سے حاصل ہوتے ہیں لیکن نور کے ادراک سے تاحال متحیر ہے حالانکہ تمام عالم نور سے منور ہے لیکن خود مخفی ہے اور ظاہر تو ہے لیکن بالذات چھپا ہے۔ یہی کیفیت ذاتِ حق کی سمجھیے کہ ہم نے اسے جانا تو سہی لیکن تاحال اس کی کنہ کے ادراک سے ہم سب بے خبر ہیں۔ اسی معنے پر اسے نور کہنا زیادہ مناسب ہے ؎

ہمہ عالم بنورِ اوست پیدا
کجا او گردد از عالم ہویدا

ترجمہ: تمام عالم اسی کے نور سے ظاہر ہے لیکن وہ خود ظاہر کہاں!

زہے نادان کہ او خورشید تاباں
بنور شمع جوید در بیاباں

ترجمہ: اس سے بڑھ کر نادان اور کون ہوسکتا ہے کہ جس کے سامنے سورج چمک رہا ہے لیکن وہ جنگل میں شمع کا متلاشی ہے۔

ف: تبیان میں ہے کہ نور بمعنے مدلول ہے یعنی آسمان وزمین کی ہر شے اس کی ذات پر دلالت کرتی ہے یعنی جسے دیکھو وہی اس کی قدرت کی دلیل اور اس کی حکمت کی نشانی ہے وہ آسمان کی اشیاء ہوں یا زمین کی۔

؎

ففی کل شئ لہ اٰیۃ
تدل علی انہ واحد

ترجمہ: ہر شے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔

ع وجودِ جملہ اشیاء دلیلِ قدرتِ او

ترجمہ: ہر شے کا وجود اس کی قدرت کی دلیل ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نور بمعنے ہادی ہے اس لیے کہ جملہ عالم اللہ تعالیٰ کے نور سے

marfat.com

ہدایت پاتا ہے بلکہ حیرۃ ضلالت سے اس کی ہدایت سے ہر ایک نجات پاتا ہے بلکہ یُوں کہو کہ ہر ایک نے اس کی ہدایت سے ہستی پائی اور اسی کے ارشاد سے دین و دنیا کی مصلحتیں سمجھیں چونکہ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نورِ ہدایت پاتے ہیں اسی لیے اسے نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لیے عرب کی عادت ہے کہ جو شے کسی دوسری شے سے حاصل ہو تو اس دوسری شے والے نام سے پہلی شے کو موسوم کرتے ہیں، جیسے بارش بادل سے ہوتی ہے تو کبھی بارش کو بادل کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ چونکہ نورِ ایمان و ہدایت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا نام نور رکھا۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ نور کو ہدایت اور ہدایت کو نور کہا جائے اس لیے کہ یہ ایک دوسرے سے حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وبالنجم هم يهتدون۔

چونکہ لوگ ستاروں سے ہدایت پاتے ہیں اسی لیے ستارے کو ہادی کہا گیا ہے اور لوگوں کو ہدایت یافتہ کہا گیا ہے اس لیے کہ انہوں نے ستاروں سے راہ پائی۔ اسی معنے پر قرآن و توراۃ کو بھی نور کہا گیا ہے اس لیے کہ انہی سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ کما فی الاسئلۃ المقحمہ۔

ف: اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ ہدایت کو نور سے تشبیہ دی گئی ہے اس لیے کہ ہدایت وصول الی المطلوب کا سبب ہے اسی لیے بطور استعارہ ہدایت کو نور کہا گیا ہے اور نور کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق رجل عدل کے قبیل سے ہے۔

نُور بمعنے علم حضرت شیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کشف کے طور میرے دل میں کھٹکا ہے کہ آیت میں نور بمعنے علم ہے اور رجل عدل کی طرح علم بمعنے عالم ہے اور وجہ مناسبت یہ ہے کہ جس طرح علم سے معقولات بلکہ جملہ امور منکشف ہوتے ہیں ایسے ہی نور سے جملہ محسوسات منکشف ہوتے ہیں۔ کذا فی الواقعات المحمودیہ۔

نُور بمعنے منوّر بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر نور بمعنے منوّر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو سورج و چاند اور ستاروں سے اور زمین کو انبیاء و اولیاء، علماء اور اپنے دیگر نیک بندوں سے منور فرمایا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ عرائس البیان میں ہے کہ آیت میں السمٰوٰت والارض میں انسانوں کی صورت مراد لی گئی ہے۔ اس لیے انسان کا سر السمٰوٰت اور اس کا بدن زمین ہے اللہ تعالیٰ نے

marfat.ocm

اپنی قدرت کاملہ سے اس زمین آسمان کو یوں منور فرمایا کہ سر کو سمع بصر، سونگھنے، چکھنے اور زبان میں بیان کا نور بخشا۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کی آنکھ کا نور سورج اور چاند کے نور کی طرح ہے اور کان میں زہرہ و مشتری کے نور کی طرح اور مریخ و زحل کے نور کی طرح اور زبان کا نور عطارد کے نور کی طرح ہے۔ اور یہ سات بروج انسان کے سر میں سرایت کرتے ہیں ایسے ہی بدن کی زمین کو جوارح و اعضا و عضلات اور لحم و دم و شعرات سے سنگارا اور اس زمین بدن کے پہاڑ اس کی ہڈیاں ہیں۔۔

ف : امام زاہد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو نور تو کہہ سکتے ہیں لیکن اسے روشنی کہنا ناجائز ہے اس لیے کہ روشنی تاریکی کی نقیض ہے اور اللہ تعالیٰ ان دونوں نقیضوں کا خالق ہے۔ ہاں وُہ نور جو ظلمت کی نقیض ہے وہ حادث ہے اس لیے کہ جو شے کسی حادث کی نقیض ہو وہ بھی حادث ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یُوں کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ اس نور کا خالق ہے جو ظلمت کا بالمقابل ہے۔

نکتہ : اگرچہ اللہ تعالیٰ کا نور کسی اضافت کا محتاج نہیں لیکن اسے السمٰوٰت و الارض کی طرف اضافت کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ اشیاء کو منور کرنے میں بہت بڑی قدرت رکھتا ہے جیسا کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو منور فرمایا۔ اور قرآن کا قاعدہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی وسعت کا ذکر فرماتا ہے تو آسمان و زمین کا نام لے کر۔ چنانچہ دوسرے مقام پہ جنّت کی وسعت میں فرمایا :

وجنة عرضها السمٰوٰت والارض۔

ف : السمٰوٰت والارض سے جملہ عالم مراد لیا جائے۔ جیسا کہ مہاجرین و انصار کا نام لے کر جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد لیے جاتے ہیں۔ کذا فی حواشی سعدی المفتی۔

حدیث قدسی : اس کی نظیر حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا :

لولاك لما خلقت الافلاك۔

(اے محبوب ! اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک (یعنی جملہ عالم) کو پیدا نہ فرماتا)

اور حدیث شریف میں صرف افلاک کا ذکر ان کی عظمت کی وجہ سے ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ مخلوق صرف انھیں کو محسوس کرتی ہے۔ (یہی تقریر موزوں تر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال)

marfat.com

تفسیر عالمانہ مَثَلُ نُوْرِہٖ یعنی اللہ تعالیٰ کا وہ نور جو جملہ اشیاء کو فیض بخش رہا ہے اور جس سے جملہ عالم مستنیر ہے اور اس سے قرآن مجید مراد ہے۔ (کما فی الارشاد)

اور یہ تمثیل مشکوٰۃ کے ساتھ اس کے جلا اور ہدایت کے ساتھ ہے جو قرآن مجید میں ہے۔ اور مثل سے صفۃ عجیبہ مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نور عجیب کی صفت یہ ہے اور مثل نورہ کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافۃ میں اشارہ ہے کہ نور اپنے حقیقی معنیٰ میں نہیں ہے۔ کما فی انوار التنزیل۔

کَمِشْکٰوۃٍ مثل اس دریچہ کے جو دیوار میں ہو، جس کی باہر سے کوئی راہ نہ ہو۔ یہ لغت حبشیہ ہے۔

فِیْھَا مِصْبَاحٌ اس میں بہت بڑا چراغ ہے جو بہت زیادہ روشن ہے۔ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اور وہ چراغ شیشے میں ہو۔

حل لغات: الزجاجۃ، الزجاج سے ہے بمعنے صاف اور رونق والا۔ چراغ جب شیشے اور پھر کسی دریچے میں رکھا جائے تو بہت زیادہ روشنی دیتا ہے، اس لیے کہ مکان جتنا تنگ ہوتا ہے چراغ اس میں اتنی ہی زیادہ روشنی پھیلاتا ہے بخلاف فراخ مکان کے کہ اس میں اتنی زیادہ روشنی نہیں ہوتی اس لیے کہ چراغ کی روشنی مکان کی مکانیت میں تقسیم ہوتی ہے۔ اور زجاجہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ دیگر جواہرات کی بہ نسبت زیادہ صاف و شفاف ہوتا۔

اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ۔ دری بمعنے روشن موتی۔ یعنی وہ شیشہ اپنی صفائی میں ایسے ہے کہ گویا وہ چمکدار ستارہ ہے۔ اس سے زہرہ، مشتری، مریخ مراد ہے۔ اور درادی ان کا لقب ہے کہ عظمت اور رونق اور روشنی میں یہی ستارے دوسروں سے بڑھ کر ہیں۔ اور یہ جملہ محلاً مرفوع ہے اس لیے کہ الزجاجۃ کی صفت ہے یا الف لام زائد ہے۔ اسی لیے ایسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ گویا یوں فرمایا گیا ہے:

فیھا مصباح ھو فی زجاجۃ ھی کانھا کوکب دری۔

نکتہ: المصباح و الزجاجۃ کو پہلے نکرہ پھر معرفہ لانے میں ان کی تفخیم شان مطلوب ہے کہ قاعدہ ہے کہ جسے اجمال کے بعد تفسیر سے ذکر کیا جائے وہ شے معظم بالشان سمجھی جاتی ہے۔

یُوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ یعنی جس چراغ کو روشن کرنے کی زیتون کے درخت سے ابتدا کی جائے، مُّبٰرَکَۃٍ برکت والا، یعنی کثیر المنافع ہے اس لیے کہ جس زیتون سے چراغ جلایا جاتا ہے وہ سالن کا کام بھی دیتا ہے، اس کا تیل بہترین ہوتا ہے، چمڑے کو مل دیا جائے تو اسے مضبوط کرتا ہے اور اس کی لکڑی کو جلا کر اس کی راکھ سے ابریشم کو دھویا جاتا ہے۔ اس کا تیل آسانی سے نکلتا ہے یہاں تک کہ

marfat.ocm

اسے کولھو میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور پھر اس سے چراغ جلایا جاتا ہے تو روشنی تیز ہونے کے باوجود اس سے دُھواں نہیں نکلتا۔ اس کی مالش سے پھنسی پھوڑوں سے شفا مل جاتی ہے۔ زَيْتُونَةٍ یہ مبارکۃ سے بدل ہے۔ اور یہ وہ بابرکت درخت ہے جس کے لیے ستر انبیاء علیہم السلام نے دعا فرمائی منجملہ ان کے ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں انہی حضرات کی دُعا سے اس میں بہت زیادہ فوائد مضمر ہیں اور اس کی تخصیص بھی اسی لیے ہے کہ اس کی روشنی بہ نسبت دوسرے درختوں کے تیل کے روشن و صاف تر ہوتی ہے۔

ف: انسان العیون میں ہے کہ زیتون کا درخت تین ہزار سال تک باقی رہ سکتا ہے۔

لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ یعنی نہ یہ شرقی ہے کہ صرف بوقتِ طلوع اس پر سورج کی دھوپ پڑتی ہے اور نہ غربی ہے کہ صرف غروب کے وقت اس پر دھوپ پڑتی ہو۔ بلکہ یہ ایسا ہے کہ کسی وقت بھی اس پر سورج کی دھوپ کا اثر نہیں پڑتا جیسے کوئی شے پہاڑ کی غار میں یا جنگل کی اوٹ میں ہو۔ ایسے درخت کے میوے خوب پکتے ہیں اور اس کا تیل صاف و شفاف ہوتا ہے۔ یا اس کا معنٰی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر نہیں کہ جسے دھوپ کی گرمی جلا دے اور نہ ہی ایسے مقام پر واقع ہے جہاں سورج کی گرمی کا اثر بھی تر پڑتا ہو۔ یا اس کا معنٰی یہ ہے کہ وہ مشرق کے ایسے مقامات پر ہے جیسے کنذ اور دیارِ چین و خطا، اور نہ مغرب کے ایسے مقامات پر ہے جیسے طنجہ و طرابلس اور دیارِ قیروان، بلکہ وہ ان کے درمیان کے ممالک میں پیدا ہوتا ہے جیسے علاقۂ شام۔ اس لیے کہ اس ملک کا زیتون اچھا ہوتا ہے۔ مشرق و مغرب کے درمیان خطِ استواء پر واقع ہے جسے قبۃ الارض سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ یہاں پر نہ مشرق ہے نہ مغرب اور نہ ہی وہاں سورج کی گرمی کا اثر پڑتا ہے نہ سردی کا۔ بعض علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ یہ جملہ زمین آباد و غیر آباد کے وسط میں واقع ہے اسی لیے اسے قبۃ الارض کہا جاتا ہے اور یہ ایسی جگہ ہے جہاں ہمیشہ موسم معتدل رہتا ہے اور رات اور دن کے اوقات برابر ہوتے ہیں یعنی اس کا دن بھی بارہ گھنٹے کا ہوتا ہے اور رات بھی بارہ گھنٹے کی۔ حضرت حسن بصری قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ اس درخت کی اصل بہشتی ہے اور چونکہ یہ درخت اس عالمِ دنیا کا نہیں ہے اس لیے تو یہ شرقی ہے نہ غربی يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيٓءُ قریب ہے کہ اس کا تیل روشنی دے وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ اگرچہ اسے آگ نہ پہنچے۔ یعنی وہ ایسا چمکتا ہے کہ اسے آگ لگانے کی ضرورت ہی نہیں۔ یعنی نور پھیلانے اور صفائی میں کسی شئے کا محتاج نہیں اسے آگ لگائی جائے تب بھی روشن، نہ لگائی جائے تب بھی۔ وہ ہر حالت میں روشن اور صاف ہے روشنی کے لیے اس کی شرط پائی جائے یا نہ۔ اس معنے پر یہ جملہ حالیہ ہے تاکہ اس کے جملہ اوقات کے متعلق معلومات حاصل ہوں نُوْرٌ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ دراصل ذٰلک النور الخ تھا۔ یعنی

marfat.com

وہ نور جسے قرآن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال صفت عجیبۃ الشان سے بیان کی گئی ہے۔ یعنی وہ نور ایسا ہے جو ہونے والا ہے عَلٰی نُوْرٍ ؕ نور پر یعنی دُہرا نور ہے اس لیے کہ چراغ کے نور میں زیتون کے تیل کی صفائی اور قندیل کی رونق اور ضبط مشکوٰۃ کی وجہ سے اضافہ ہوتا ہے اس سے دو نور مراد نہیں بلکہ اس سے کثرت مطلوب ہے جیسے کہا جاتا ہے:

فلاں یضع درھمًا علٰی درھم۔

اس سے صرف دو درہم مراد نہیں ہوتے۔ بلکہ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ بہت زیادہ دراہم رکھتا ہے۔ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ اپنی ہدایت خاص جو موصل الی المطلوب ہو کی طرف اسی نور کی وجہ سے رہبری فرماتا ہے مَنْ یَّشَآءُ ؕ جس کے لیے چاہتا ہے۔ یعنی اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہتا ہے یعنی اسے توفیق بخشتا ہے اس کے دلائل و براہین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ اور اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنا معجزہ اور غیبی خبریں دینا وغیرہ موجباتِ ایمان سے ہے اور یہی ہدایت خاصہ کے قبیل سے ہے اسی لیے من یشآء فرمایا اس لیے کہ اس ہدایت کا دارومدار مشیتِ ایزدی پر ہے اگرچہ بظاہر اس کے اسباب نہ ہوں تب بھی اس کے مخصوص بندے اپنے مطالب میں کامیاب ہو جاتے ہیں ؎

قرب تو باسباب و علل نتواں یافت
بے سابقۂ فضل ازل نتواں یافت

ترجمہ: تیرا قرب اسباب و علل کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا، ہاں جب تک اسے فضل ازل کی تائید نہ ہو۔

وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ مثالوں سے بیان ان کے افہام کے قریب تر ہو اور ادراک کے راستے ان کے لیے آسان ہوں یعنی اللہ تعالیٰ معقولات کو محسوسات کے رنگ میں بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ اسے آسانی سے سمجھ کر اپنے مقصود کو حاصل کر سکیں، اور یہ ہدایت عامہ کے قبیل سے ہے اس لیے یہاں للناس فرمایا اور وہاں من یشاء) وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۙ اور اللہ تعالیٰ ضرب الامثال و دقائق المعقولات والمحسوسات وحقائق الجلیات والخفیات کو خوب جانتا ہے۔

تفاسیر آیت ہٰذا

(۱) علماء کرام نے فرمایا کہ یہاں پر یہ مثال قرآن مجید کے لیے دی گئی ہے اس لیے کہ مصباح سے قرآن مجید اور زجاجہ سے قلبِ مومن اور مشکوٰۃ سے اس کا منہ اور زبان اور شجرہ مبارکہ سے شجرۃ الوحی مراد ہے اس لیے کہ یہ نہ مخلوقہ ہے اور نہ من گھڑت۔ اور اس کے دلائل و براہین ایسے ہیں کہ اگر ناخواندہ انسان سنے تب بھی اس کے دلائل و براہین واضح ہیں۔ پھر جب

marfat.ocm

وہ دلائل و براہین سمجھنے کے بعد اس کی تلاوت کرے گا تو وہ اس کے لیے نورٌ علیٰ نور ثابت ہوگا۔

سوال: اسے نورِ چراغ سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے حالانکہ سورج سے تشبیہ دینی چاہیے تھی اس لیے کہ سورج کا نور چراغ کے نور سے بلیغ تر ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کا ارادہ ہُوا کہ اسے ایسی ضوءِ کامل سے بیان فرمائے کہ ظلمات کے وسط میں چمکے اور ظاہر ہے کہ عوام کے اوہام ظلمات کی طرح ہوتے ہیں تو پھر قرآن مجید ان کے وسط میں چمک کر ہدایت الٰہی حاصل کرلیتے ہیں اور یہ سورج سے تشبیہ دینے سے حاصل نہیں ہوتا اس لیے کہ جب سورج چمکتا ہے تو جملہ عالم کو نور سے بھر دیتا ہے اور جب وُہ چلا جاتا ہے تو جملہ عالم تاریکی میں ڈوب جاتا ہے۔ اس معنے پر اسے مثال میں بیان کرنا مناسب نہ ہُوا۔

(۲) بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے نورِ ایمان مراد ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کے سینہ کو مشکوٰۃ سے اور دل کو قندیل سے، جو مشکوٰۃ میں ہو، سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی ایمان کا چراغ قندیل میں روشن ہے اور قندیل کو چمکدار ستارے سے اور کلمۂ اخلاص کو شجرۂ مبارکہ سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی وہ شجرۂ مبارکہ یعنی کلمۂ اخلاص جو خوف کے آفتاب کی تاب اور رجاء کے زوال سے بہرہ ور ہے۔ اور وہ کلمہ اگرچہ مومن کی زبان پہ جاری نہ بھی ہو تب بھی وُہ عالم کو منور کرتا ہے۔ جب ایسا کلمہ زبان پر جاری ہوتا ہے پھر تصدیق قلبی اس کی تائید کرتی ہے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہوجاتا ہے۔

ف: جواہر دیگر کو چھوڑ کر صرف زجاجہ سے تشبیہ اس لیے دی گئی ہے کہ شیشہ میں روشنی اتنی صاف ہوتی ہے کہ اس کے ظاہر و باطن میں دونوں طرح روشنی صاف نمودار ہوتی ہے۔ ایسے ہی مومن کے ایمان کے نور کا حال ہے کہ وہ قلب سے متجاوز ہو کر تمام بدن میں سرایت کرجاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ جیسے شیشہ بہت جلد ٹوٹتا ہے کہ اسے معمولی سی ٹھوکر بھی توڑ دیتی ہے ایسے ہی مومن کا قلب بھی معمولی سی خرابی سے فاسد ہوجاتا ہے۔

(۳) بعض عارفین نے فرمایا کہ اس سے اسرارِ الٰہی کی معرفت مراد ہے یعنی چراغِ معرفت عارف کے زجاجۂ دل اور اس کے سینۂ مشکوٰۃ میں روشن ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین مبارک کے زیتونی تیل کی وجہ سے وہ نہ شرقی ہے نہ غربی بلکہ وہ مکّی ہے اور مکّہ مکرمہ جملہ عالمِ دنیا کی ناف ہے اور جب عارف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسرارِ معرفت حاصل کرتا ہے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہوجاتا ہے۔

marfat.com

وہ دلائل و براہین سمجھنے کے بعد اس کی تلاوت کرے گا تو وہ اس کے لیے نورٌ علیٰ نور ثابت ہو گا۔

سوال: اسے نورِ چراغ سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے حالانکہ سورج سے تشبیہ دینی چاہیے تھی اس لیے کہ سورج کا نور چراغ کے نور سے بلیغ تر ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کا ارادہ ہُوا کہ اسے ایسی ضوٴ کامل سے بیان فرمائے کہ ظلمات کے وسط میں چمکے اور ظاہر ہے کہ عوام کے اوہام ظلمات کی طرح ہوتے ہیں تو پھر قرآن مجید ان کے وسط میں چمک کر ہدایت الٰہی حاصل کر لیتے ہیں اور یہ سورج سے تشبیہ دینے سے حاصل نہیں ہوتا اس لیے کہ جب سورج چمکتا ہے تو جملہ عالم کو نور سے بھر دیتا ہے اور جب وُہ چلا جاتا ہے تو جملہ عالم تاریکی میں ڈوب جاتا ہے۔ اس معنے پر اسے مثال میں بیان کرنا مناسب نہ ہُوا۔

(۲) بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے نورِ ایمان مراد ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کے سینہ کو مشکوٰۃ سے اور دل کو قندیل سے، جو مشکوٰۃ میں ہو، سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی ایمان کا چراغ قندیل میں روشن ہے اور قندیل کو چمکدار ستارے سے اور کلمۂ اخلاص کو شجرۂ مبارکہ سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی وہ شجرۂ مبارکہ یعنی کلمۂ اخلاص جو خوف کے آفتاب کی تاب اور رجاٗ کے نوال سے بہرہ ور ہے۔ اور وہ کلمہ اگرچہ مومن کی زبان پہ جاری نہ بھی ہو تب بھی وُہ عالم کو منور کرتا ہے۔ جب ایسا کلمہ زبان پر جاری ہوتا ہے پھر تصدیق قلبی اس کی تائید کرتی ہے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہو جاتا ہے۔

ف: جواہر دیگر کو چھوڑ کر صرف زجاجہ سے تشبیہ اس لیے دی گئی ہے کہ شیشہ میں روشنی اتنی صاف ہوتی ہے کہ اس کے ظاہر و باطن میں دونوں طرح روشنی صاف نمودار ہوتی ہے۔ ایسے ہی مومن کے ایمان کے نور کا حال ہے کہ وہ قلب سے متجاوز ہو کر تمام بدن میں سرایت کر جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ جیسے شیشہ بہت جلد ٹوٹتا ہے کہ اسے معمولی سی ٹھوکر بھی توڑ دیتی ہے ایسے ہی مومن کا قلب بھی معمولی سی خرابی سے فاسد ہو جاتا ہے۔

(۳) بعض عارفین نے فرمایا کہ اس سے اسرارِ الٰہی کی معرفت مراد ہے یعنی چراغِ معرفت عارف کے زجاجۂ دل اور اس کے سینۂ مشکوٰۃ میں روشن ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین مبارک کے زیتونی تیل کی وجہ سے وہ نہ شرقی ہے نہ غربی بلکہ وہ مکّی ہے اور مکّہ مکرمہ جملہ عالمِ دنیا کی ناف ہے اور جب عارف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسرارِ معرفت حاصل کرتا ہے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہو جاتا ہے۔

marfat.com

ف : معرفت الٰہی کو مصباح سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے مصباح بہت جلد بجھ جاتا ہے اور پھر مومن کے قلب کو زجاجہ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ جلد ٹوٹتا ہے اور مصباح کو سورج سے تشبیہ نہیں دی گئی جب کہ اس کی روشنی بجھتی نہیں۔ اور قلبِ مومن کو سخت ترین اشیا سے تشبیہ نہیں دی گئی جبکہ وہ ٹوٹتی نہیں تاکہ تنبیہ ہو کہ معرفت و قلب پر خطر ہیں کہ ان کے نقصان سے ہر وقت آگاہ رہنا ضروری ہے۔ کذا فی التیسیر۔

(۴) شانِ مصطفیٰ کی تفسیر روح الارواح میں ہے کہ مثل نورہ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ اقدس مراد ہے جو کہ آدم علیہ السلام کے مشکوٰۃ اور نوح علیہ السلام کے زجاجہ ابراہیم علیہ السلام کے زیتون سے روشن تھے آپ نہ یہودی تھے جو غربی جانب کو قبلہ مانتے ہیں اور نہ نصرانی جو مشرق کو قبلہ سمجھتے ہیں۔

(۵) مصباح سے مراد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور مشکوٰۃ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں اور آپ کی زجاجہ دل صافی طاہر اور آپ کی مصباح علم کامل اور آپ کا شجرۂ خلق شامل کہ وہ نہ جانب غلو و افراط میں ہے نہ طرف تقصیر و تفریط میں، بلکہ وہ حدِ اعتدال میں ہے۔ خیرا لامور اوسطہا آپ کے لیے واقع ہے اور آپ کی ذات ہی صراطِ مستقیم ہے۔ اور عین المعانی میں ہے کہ نورِ محبت حبیب نورِ خلت خلیل سے مل کر نورٌ علیٰ نور ہے۔

۵

پدر نور پسر نور یست مشہور
ازینجا فہم کن نورٌ علیٰ نور

ترجمہ : باپ بیٹا دونوں مشہور نور ہیں یہاں سے ہی نورٌ علیٰ نور کا معنیٰ سمجھ لیجئے۔

ف : امام قشیری نے فرمایا کہ نورٌ علیٰ نور میں پہلے نور سے وہ نور مراد ہے جو بندگانِ خدا اپنی جد و جہد اور نظر و استدلال سے حاصل کرتے ہیں۔ اور دوسرے نور سے وہ نور مراد ہے جو بندگانِ خدا بفضلِ خدا اپنے افعال و اقوال سے پاتے ہیں والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے اپنی ذات و صفات کی تعریف کی مثال بیان فرمائی ہے اس لیے کہ عوام و خواص کا فہم خطاب میں معرفت کے لیے اپنا اپنا مقام اور حسنِ استعداد ہے۔ عوام تو اس کی معرفت شواہد حق اور اس کے آیات میں دیکھتے ہیں اسی لیے اپنی معرفت ان کے نفوس میں دکھاتا ہے جبکہ ان میں اپنی ذات و صفات کے ساتھ متجلی ہوتا ہے دونوں گروہوں کے بارے میں فرمایا :

سنریھم ایاتنا فی الآفاق۔

marfat.ocm

یہ عوام کے لیے ہے۔ وفی انفسھم یہ خواص کے لیے ہے۔ یہاں تک کہ انھیں واضح ہو جاتا ہے کہ یقیناً یہی حق ہے۔ پھر ہر گروہ اپنے مقام کے مطابق معرفتِ الٰہی سے حظ اٹھاتا ہے۔ عوام کا معرفت سے حظ اٹھانے کا معنیٰ یہ ہے کہ انھیں خطاب کے معنے کا فہم و نظر عطا فرماتا ہے تاکہ وہ آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کریں، ان کی ظاہری صورت یعنی ان کے اجسام بمنزلہ مشکوٰۃ کے ہیں اور ان میں زجاجہ عرش الٰہی ہے اور مصباح اس کے وہ قندیل ہیں جن میں روشنی کے آلات ہیں وہ بمنزلہ کرسی کے ہیں اور زجاجہ عرش، گویا وہ چمکدار ستارہ ہے جس کی روشنی شجرہ مبارکہ سے حاصل کی گئی ہے اور شجرۂ ملکوت ہے اور یہی آسمان و زمین کا باطن و معنیٰ ہے وہ نہ شرقی ہے یعنی وہ شرق ازل سے نہیں جیسے ذات وصفاتِ باری تعالیٰ۔ اور نہ وہ غربی ہے یعنی وہ غربِ فنا و عدم سے نہیں جیسے عالمِ اجسام اور صورۃ عالم، وہ اگرچہ مخلوق ہے لیکن اس پر فنا نہیں یکاد نہایتھا اس نہایت سے عالمِ ارواح مراد ہے یضیٔ جو کہ عدم سے عالمِ صور میں غیب و شہادت ازدواج سے طبعاً و خاصیۃً پیدا ہو کر ظاہر ہوتے ہیں ولو تمسسہ نار اگرچہ اسے قدرت الٰہیہ کی نار بھی مس نہ کرے۔ نورٌ علیٰ نور صفت رحمانیہ کا نور عرش پر ہے پھر نور صفۃ رحمانیہ کا عرش سے منقسم ہو کر آسمانوں اور زمینوں میں پہنچتا ہے اس سے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں متولدات ہیں قدرت الٰہیہ سے متولد ہوتے ہیں جیسا کہ اس کی حکمت کا تقاضا اور اس کا ارادہ قدیمہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان کل من فی السمٰوٰت والارض الا اٰتی الرحمٰن عبداً۔

اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

خواص کا حظ مشاہدۂ انوار و ذات وصفاتِ الٰہی میں یہ ہے کہ انھیں اپنے نفوس کی سیر نصیب ہوتی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نفسِ انسان کو شہودِ ذات وصفات کا آئینہ بنایا ہے۔ جب یہ صفاتِ ذمیمہ و اخلاقِ ردّیہ کے زنگ سے صاف ہو اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے مصقلہ سے اسے پاک کیا جائے۔ مثلاً لا الٰہ سے جمیع ماسوی اللہ کے تعلقات ختم کر دیے جائیں اور الا اللہ سے نور جلال وجمالِ الٰہی ثابت کیا جائے تو پھر وہ اپنے جسم کو نورِ الٰہی سے مشکوٰۃ کی طرح اور قلب کو زجاجہ کی طرح اور سر کو مصباح کی طرح دیکھتا ہے اور وہ زجاجہ چمکدار ستارہ کی طرح چمکتا ہے جسے شجرۂ مبارکہ سے روشن کیا گیا ہو اور شجرہ سے شجرۂ روحانیہ مراد ہے۔ وہ شجرہ نہ تو شرقی ہے یعنی نہ وہ قدیم ازلی ہے۔ اور نہ وہ فانی ہے جو کہ سماء وجود عدمی میں گم ہو جائے۔ یکاد نہایتھا یہاں پر نہایت سے رُوحِ انسانی مراد ہے یضیٔ جو کہ وہ نورِ عقل جو کہ وہی روح کی ضوٗ اور اس کی صفائی سے روشن ہوتا ہے۔ یعنی قریب ہے کہ وہ روح کا زیت نورِ عقل سے عرفانِ حق حاصل کر لے ولو تمسسہ نار اگرچہ اسے نورِ عظمتِ الٰہی کی نار مس بھی نہ کرے اس لیے کہ جلال وکبریائی حق کا ادراک

marfat.com

عقول سے نہیں ہوتا ہے کیونکہ عقل سے وُہ شے حاصل ہوتی ہے جس میں حدوث کی آلائش ہو۔ ہاں وہ نورِ عقل جو عدم سے خارج ہوا ہے اگر اس پر نورِ قدم کی تجلی نصیب ہو تو پھر وہ عظمت جلال و کبریائی حق کو حاصل کر لیتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

یہدی اللہ لنورہٖ من یشاء۔

یعنی نورِ قدم سے اس کا سر (مخفی راز) چمکتا ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ پھر ایسے شخص کا زجاجۂ قلب و مشکوٰۃ حسد بھی چمک اٹھتا ہے ایسے شخص کے حواس کے دریچے سے شعاعیں نکلتی ہیں۔ جب اسے ایسی کیفیت نصیب ہو جاتی ہے تو پھر اس کی بشریت کی زمین میں ضیاء اور نورانیت ہی نورانیت ہوتی ہے کما قال:

واشرقت الارض بنور ربہا۔

ایسے خوش نصیب کو مقام کنت لہ سمعاً و بصراً نصیب ہوتا ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے نورِ عقل صرف انسان کو نصیب ہوتا ہے لیکن نورِ الٰہی ہدایتِ حق کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ یہ اس کا اپنا لطف و کرم ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ اس میں بندے کی سعی اور کسب کو دخل نہیں۔

ویضرب اللہ الامثال للناس اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لیے ایامِ وصال کے عہد کی مثالیں بیان فرماتا ہے جو ازل الآزال میں بندوں کو نصیب ہوئیں واللہ بکل شیءٍ علیم اللہ تعالیٰ ہر شے کو حالات وجود اشیاء اور ان کے عدم کو خوب جانتا ہے۔ نہ اس کی ذات میں تغیر ہے نہ صفات میں۔

صدر الدین قونوی کی تقریر صوفیانہ

حضرت الشیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نورِ حقیقی کا ادراک ممکن ہے لیکن عین ذاتِ حق کا ادراک بالکل ناممکن ہے جبکہ وہ نسب و اضافات سے متجرد ہو۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ

"کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا؟"

تو آپ نے فرمایا:

"ہاں میں نے نورانی ذات کو دیکھا"

یعنی اس نورِ مجرد کو، جس کا دیکھنا ناممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اسی نور کو اپنی کتاب میں بیان فرمایا جبکہ وہ مظاہر میں ظاہر ہوا۔ کما قال:

اللہ نور السمٰوٰت والارض۔

marfat.ocm

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمثیل کے بعد فرمایا نورٌ علیٰ نور۔ اس میں ایک نور سے روشنی اور دوسرے سے نورِ مطلق اصلی مراد ہے۔ اسی لیے اس مضمون کو یوں مکمل فرمایا: یہدی اللہ لنورہٖ من یشاء۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس نور کے ذریعے نور مطلق کی طرف ہدایت بخشتا ہے جو مظاہر کے یقین میں آچکا ہے۔ یاد رہے کہ نورِ مطلق سے نور مطلق احدی مراد ہے۔ (کذا فی الفکوک)

دیگر شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر الفاتحہ میں لکھا کہ جملہ عالم بجمیع صور محسوس وحقائق غیبیہ معقولہ اس نورِ حق کی شعاع ہے۔ اس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اللہ نور السمٰوٰت والارض میں دی ہے اس کے بعد اس نے اسے ان امثلہ وتفاصیل سے سمجھایا ہے جو وہ نورِ حق مظاہر کے تعین میں آیا ہے جیسا کہ مظاہر کی استعدادتھی ویسے ہی نورِ حق کا ظہور ہوا۔ چنانچہ آخر میں فرمایا: نورٌ علیٰ نور یہدی اللہ لنورہٖ من یشاء۔ اس میں نور کو اپنی طرف مضاف فرمایا جو غیریت کا مقتضیٰ ہے حالانکہ نور وہی عین ذات ہے۔ وہ اس لیے کہ اس نور کو عالم اسفلی سے نسبت ہے۔ اسی نور سے نورِ مطلق کی ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ جیسے مصباح، مشکوٰۃ، شجرہ ودیگر امثال سے نور مقید اور مراتب مظاہرہ کے تعینات میں آئے ہوئے نور کی رہبری حاصل ہوتی ہے۔ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اسی نور کی تعریف یوں ظاہر کرائی کہ وہ نور ہے اور اس کے حجابات بھی نور ہیں۔

صاحبِ رُوح البیان کے پیر و مرشد کی تقریر میرے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہٗ نے فرمایا: نورٌ علیٰ نور سے نورِ اول مراد ہے۔ یہی اسماء کے سماوات اور ارض اشیاء پر پھیلا ہوا ہے اور نور ثانی سے نور حقیقی مراد ہے۔ یہ نور سمٰوٰت السماء وارض اشیاء سے مستغنی ہے۔ یاد رہے کہ نور اضافی نور حقیقی پر دلالت کرتا ہے۔ یوں سمجھو کہ اس نور اضافی سے ہی نور حقیقی کا ظہور ہے۔ اس کا ظاہر یہی نور اضافی ہے اور باطن نور مطلق۔

خلاصہ یہ کہ خود دال ہے اور خود مدلول۔ اسی لیے صوفیاء کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا عرفان اللہ تعالیٰ سے ہی نصیب ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

فِیْ بُیُوْتٍ اس کا تعلق یسبح سے ہے جو اس کے بعد واقع ہے۔

حل لغات: المفردات میں ہے کہ بیت بمعنے انسان کے رات گزارنے کا مقام۔ پھر اس کا اطلاق ہونے لگا کہ جہاں بھی انسان وقت بسر کرے رات گزرے یا نہ۔ اس کی جمع ابیات اور بیوت آتی ہے لیکن لفظ بیوت صرف وقت بسر کرنے کے مقام کے ساتھ مخصوص ہے اور ابیات عام ہے۔ یہ اشعار کے معنے میں بھی مستعمل ہے۔ اور بیت عام ہے۔ اسے پتھر سے بنایا جائے یا مٹی سے۔ اون کا ہو یا بکری اور اونٹ وغیرہا کے بالوں سے۔ اسی مناسبت سے ابیات کو اشعار کہا جاتا ہے۔ اور جو بھی کسی جگہ میں ٹھہرے اسے بیت سے

marfat.com

تعبیر کریں گے۔ یہاں پر بیوت سے جملہ مساجد مراد ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مساجد زمین میں اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں وہ آسمانوں میں ایسے چمکدار نظر آتی ہیں جیسے ہمارے لیے آسمان پر ستارے۔ اَذِنَ اللّٰہُ۔ اذن بمعنے کسی شے کی اجازت دینے کی خبر دینا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اجازت بخشی ہے اَنْ تُرْفَعَ یہ کہ اونچا بنایا جائے یا ان کی تعظیم کی جائے یا انھیں رفیع القدر سمجھا جائے۔ امام راغب نے لکھا کہ رفع بمعنے ان اجسام میں استعمال ہوتا ہے جبکہ انہیں اونچا کیا جائے۔ کما قال تعالیٰ:

ورفعنا فوقکم الطور۔

اور کبھی تعمیرات کے لیے استعمال ہوتا ہے جبکہ اسے اونچا بنایا جائے۔ کما قال تعالیٰ:

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت۔

اور کبھی ذکر میں استعمال ہوتا ہے جبکہ اس سے کسی کا چرچا کرنا مطلوب ہو۔ کما قال تعالیٰ:

ورفعنا لك ذكرك۔

کبھی مراتب میں استعمال ہوتا ہے جبکہ ان سے ان کی بزرگی اور شرافت کا اظہار مدِ نظر ہو۔ کما قال تعالیٰ:

ورفعنا بعضکم فوق بعض درجات۔

وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهٗ اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ اسم سے وہ شے مراد ہے جس کا ذاتِ باری تعالیٰ یا اس کی صفات میں سے کسی صفت پر اطلاق کیا جائے یا باعتبار صفات سلبیہ کے، جیسے قدوس یا باعتبار صفات ثبوتیہ کے جیسے علیم یا باعتبار اس کے افعال میں سے کسی فعل کے، جیسے خالق۔

مسئلہ: بعض علماء کے نزدیک اسماءِ الٰہی توقیفیہ ہے۔

مسئلہ: ذکر کا اطلاق عام ہے توحید کا بیان ہو یا تلاوت قرآن یا مذاکرہ علوم شرعیہ یا اذان ہو یا اقامت وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ: مسجد شریف میں ذکر و نماز و دیگر نیک اشغال میں مشغول ہونا چاہیے اس میں دنیوی باتوں سے احتراز لازم ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف فی المسجد یأکل الحسنات کما تأکل البھیمۃ الحشیش۔

(مسجد میں دنیوی باتیں نیکی کو ایسے کھا جاتی ہیں جیسے گھاس کو جانور کھا جاتا ہے)

يُسَبِّحُ لَهٗ فِيهَا یہ بیوت کی تکریر و تاکید کے لیے ہے۔ اور چونکہ درمیان میں ایک غیر فاصل آ گیا ہے اس لیے اسے تذکیراً دوبارہ لانا ضروری تھا اور تنبیہ کی گئی ہے کہ بیوت کی تقدیم صرف اہتمام کے لیے ہے

marfat.ocm

قصر کے لیے نہیں، ورنہ یہ معنی ہوتا کہ ذکرِ الٰہی صرف بیوت میں ہو۔ حالانکہ یہ مطلب صحیح ہے۔

ف : تسبیح بمعنے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرنا اس لیے یہ دراصل عبادتِ حق میں جلد تر اور تیزی سے ادائیگی کا نام تسبیح ہے۔ اور جو شخص پانی یا ہوا میں تیز چلے اس کے لیے لام کا صلہ لانا چاہیے اور کبھی لام نہیں بھی ہوتی۔ اور تسبیح عام ہے عبادت قولی میں ہو یا فعلی میں، اگر صرف دل میں عبادت کی نیت ہو تو بھی اسے تسبیح سے تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن یہاں پر فرضی نمازیں مراد ہیں جیساکہ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ کے ارشادِ گرامی سے اوقات کی تعیین میں سے معلوم ہوتا ہے۔ غدو سے صبح کا وقت اور اصال سے شام کا وقت مراد ہے۔ اس معنے پر لفظ غدو سے صبح کی اور اصال سے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں مراد ہیں کیونکہ لفظ اصیل ان تمام کا جامع اور سب کو شامل ہے (کذا فی الکواشی وغیرہ) اور الغدو ' غدا یغدو۔ غدوا سے ہے یعنی دخل فی وقت الغدوۃ (فلاں صبح کے وقت میں داخل ہوا) اس سے صبح صادق سے طلوعِ شمس کے درمیانی وقت کا نام ہے اس لیے کہ فعل مصدر میں واقع نہیں ہوتا۔ اسی لیے ہم نے یہ معنیٰ مراد لیا ہے جیساکہ اس کے بعد لفظ اصال دلالت کرتا ہے، اصال، اصیل کی جمع ہے بمعنے عشی یعنی وہ وقت جو زوالِ شمس سے لے کر صبح صادق سے پہلے کا ہے۔ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں مقامِ شہود میں مستغرق ہونے کی وجہ سے غافل نہیں کرتی۔ رجال، یسبح کا فاعل ہے۔

حلِ لغات : یہ عرب کے اس مقولہ سے ہے جو کہتے ہیں ؛

الھاہ عن کذا۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شئے کسی کو اپنے ارادہ سے غافل کرے۔

تِجَارَةٌ یہ تاجر کی صفت ہے یہ بیع وشراء پر بولا جاتا ہے۔ اور تاجر وہ ہے جو بیع وشراء کرے۔ المفردات میں ہے :

تجارۃ نفع کی طلب میں راس المال میں تصرف کرنے کو کہتے ہیں۔

اعجوبہ : عرب میں صرف ایک کلمہ ہے جس میں تاء کے بعد جیم واقع ہو۔

ف : یہاں پر تجارۃ کی تخصیص اس لیے ہے کہ عرب میں یہی کاروبار مشغولیت کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہے اور پھر بہ نسبت دوسرے امور کے ان کے ہاں یہی مشہور تر ہے۔ یعنی انھیں تجارت کا کوئی کام غفلت میں نہیں ڈالتا۔

وَّلَا بَيْعٌ۔ بیع بمعنے مثمن دے کر ثمن لینا اور شراء بمعنے ثمن دے کر مثمن لینا۔ یعنی انھیں بیوع کا کوئی ایک فرد بھی غافل نہیں کرتا اگرچہ انھیں اس سے بہت زیادہ منافع کے حصول کی امید ہو۔

marfat.com

ف : اگرچہ بیع تجارۃ میں شامل تھی۔ لیکن چونکہ یہ تجارت کے معاملات میں اہمیت رکھتی ہے اسی لیے اسے علیحدہ بیان فرمایا، اس لیے کہ شے کی بیع میں نفع کا حصول یقینی اور شراء کا ظنی۔ اس لیے خریدنے کے بعد یقین نہیں ہوتا کہ اس سے نفع حاصل ہو گا یا نہیں بخلاف بیع کے کہ اس میں حصولِ نفع کا یقین ہوتا ہے۔ اس معنے پر جب ان لوگوں کو یقینی نفع کا معاملہ غافل نہیں کرتا تو پھر ظنی نفع کیسے غافل کر سکتا ہے عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے ذکر تسبیح و تحمید وغیرہما سے وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ اور نمازیں اپنے اوقات میں بلا تاخیر ادا کرنے سے۔ یہاں پر وہ تا جو اقامۃ میں واؤ کے عوض تھی بوجہ اضافت نہیں لائی گئی۔

ف : ابن الشیخ نے فرمایا کہ نماز کو ان تمام رعایت سے ادا کرنا جن کا شرع پاک نے حکم فرمایا ہے۔ مثلاً تعدیل ارکان و شرائط اور سنن و مستحبات وغیرہ کا نام اقامۃ الصلوٰۃ ہے۔ جو بھی ان میں کسی قسم کا تساہل کرے گا اس کے لیے اقامۃ الصلوٰۃ نہیں ہو گا۔

وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ اور زکوٰۃ دینا۔ یعنی وہ جسے نکال کر مستحقین کو دینا شرعاً فرض ہے۔

سوال : ایتاء الزکوٰۃ کو بیوت سے کوئی مناسبت نہیں تو پھر اسے یہاں کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

جواب : چونکہ نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر گویا ایک لازمی جزء بن گیا ہے اس مناسبت سے نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا۔

يَخَافُوْنَ یہ رجال کی صفت ہے۔ مظنونہ یا معلومہ علامت سے ناپسندیدہ امر کی توقع کو خوف کہتے ہیں۔ اور مظنونہ یا معلومہ علامت سے محبوب امر کی توقع کو طمع و رجاء سے تعبیر کیا جاتا ہے اور خوف کی نقیض امن ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ لوگ باوجود ایسے استغراق و توجہ کے ڈرتے ہیں۔ يَوْمًا یہ یخافون کا مفعول ہے اس کا ظرف نہیں، اور یوم سے یومِ قیامت مراد ہے۔ یعنی ڈرتے ہیں قیامت کے دن سے تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ یہ یوماً کی صفت ہے اور تتقلب بمعنے تصرف، اور شے کا ایک حال سے دوسرے حال میں تبدیل ہونا۔ اور انسان کے دل کو بھی قلب اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بکثرت بدلتا ہے اور بصر دیکھنے والا عضو یعنی آنکھ۔ اور اس قوت کو بھی بصر کہا جاتا ہے جس سے دیکھنا حاصل ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قیامت میں یہ حالت ہو گی کہ نزع اور گھبراہٹ سے دل اور آنکھ کو قرار نہ ہو گا۔ دل کو تو یوں کہ وہ اپنے مرکز کو چھوڑ کر حلق تک پہنچ جائے گا۔ پھر وہ نہ باہر نکلنے کا نہ واپس آنے کا۔ کما قال تعالیٰ:

وبلغت القلوب الحناجر۔

اور آنکھ کو یوں بے قراری کہ وہ اوپر کو کھنچ جائے گی۔ کما قال تعالیٰ:

یوم تشخص فیہ الابصار۔

اور فرمایا :

و اذا ذاغت الابصار۔

یامعنیٰ یہ ہے کہ اس دن قلوب نجات کی امید اور تباہی کے خوف کے درمیان پھنسے ہوں گے کہ نا معلوم ہماری نجات کب ہو گی اور گرفت ہو گی تو کب اس کا حکم ہوتا ہے۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ یہ فعل محذوف کے متعلق ہے جیساکہ ان کے اعمالِ صالحہ کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی ان کے اعمال صالحہ جیسے تسبیح اور ذکر اور اقامۃ الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ، اور خوفِ خدا سے ہر وقت ڈرنے کی وجہ سے انھیں اللہ تعالیٰ جزا عطا فرمائے گا اور جزا بمعنے وہ امر جو عمل کے بعد صلہ یا سزا کے طور پر ملے اگر نیکی ہو نیک صلہ اگر برائی ہے تو سزا۔ اور لفظ اجر صرف نیک جزا کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کذا فی المفردات۔

أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا ان کے اعمال کی بہترین جزا، جیساکہ اس کا وعدہ ہے کہ ایک نیکی پر دس بلکہ سات سوگنا زائد اجر ملے گا۔ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ اور انھیں اپنے فضل میں اس سے بھی زیادہ دیتا ہے جو کہ عمل صالح کی جزا میں شمار نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی بندوں کو اس کے متعلق کچھ تصوّر اور خیال تھا۔ یہ ایک خاص عطا ہو گی جسے عمل سے کوئی تعلق نہ ہو گا وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ یہ یزید کی تقریر اور تنبیہ ہے کہ وہ مالک بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اور اپنی مشیّت پر جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کے احسان و کرم کی کوئی حد ہی نہیں۔ رزق بمعنے وہ عطا جو روزانہ ہر ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ اور حساب بمعنے وہ شے جو گنتی کے لیے استعمال ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے اجر و ثواب دینا چاہتا ہے تو پھر وہ نہ کسی کے شمار میں آسکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔

شانِ نزول بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے کہ یہ آیت اُن تاجروں کے حق میں نازل ہوئی جو بازار میں خرید و فروخت میں مصروفیت کے باوجود اپنے نیک مشاغل میں غفلت نہیں کرتے۔ مثلاً اذان ہوتی ہے تو فوراً نماز کے لیے مساجد میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ دکان پر کتنا ہی گاہکوں کا ہجوم ہو تب بھی تمام کام چھوڑ کر نماز کی حاضری کے لیے جد و جہد کرتے ہیں۔

ازالۂ وہم بعض لوگوں نے کہا کہ یہ آیت اصحابِ صُفّہ رضی اللہ عنہم کے حق میں نازل ہوئی۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے اس لیے کہ ایتاء الزکوٰۃ کے قرینے سے اصحابِ صُفّہ مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ جملہ امور کو ترک کر کے ذکر و فکر میں مصروف رہتے تھے لیکن ادائیگیِ زکوٰۃ ان سے کہاں، جبکہ وہ خود مفلس ترین صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ فلہٰذا انہیں یہاں پر مراد لینا بالکل نادرست ہے۔

مسئلہ : امام راغب نے فرمایا کہ لا تلھیھم الخ میں تجارۃ سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں منہمک ہونا

marfat.com

اور بہت زیادہ مشغول ہونا ممنوع ہے کہ پھر نہ نماز پڑھیں اور نہ دوسری عبادات کی طرف توجہ دیں۔

بہاء الحق والدین محمد نقشبند قدس سرہٗ اور شاہِ ہرات منقول ہے کہ ملک حسین شاہ نے حضرت بہاؑ الحق والدین محمد نقشبند قدس سرہٗ سے عرض کی کہ کیا آپ کے طریقہ میں سماع، ذکرِ جہر اور خلوت جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: ہم اس طریق سے فارغ ہیں البتہ ہمارے طریق میں خلوت در انجمن جائز ہے بظاہر مخلوق کے ساتھ اور بباطن حق کے ساتھ ؎

از درون شو آشنا واز بروز بیگانہ وش

ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہان

ترجمہ: دل سے اس کا آشنا ہو لیکن بظاہر اس سے بیگانوں کی طرح رہو۔ لیکن ایسی روش والے دنیا میں بہت کم ہیں۔

ف: مندرجہ ذیل قطعہ آیت ہذا کی ترجمانی کرتا ہے: ؎

سر رشتۂ دولت اے برادر بکف آر

وین عمر گرامی بخسارت مگذار

دائم ہمہ جا با ہمہ کس در ہمہ کار

میدار نہفت چشم دل جانب یار

ترجمہ: دولت سرمدی ابھی سے حاصل کر لے۔ اس چند روزہ زندگی کو خسارے میں نہ ڈال ہمیشہ اور ہر جگہ ہر ایک کے ساتھ اور جملہ امور میں پوشیدہ دل کا گوشہ یار کی طرف رکھ۔

سوال: اسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ آیت میں صرف مردوں کا ذکر ہے عورتوں کا ذکر کیوں نہیں۔

جواب: (۱) چونکہ عورتوں پر نہ جمعہ فرض ہے نہ نماز کی جماعت میں شرکت ضروری۔ اس لیے ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔

(۲) بعض مشایخ نے فرمایا کہ چونکہ صوفیہ کے نزدیک مرد صرف وُہ ہے جو اپنے قلب سے غیر اللہ کا تصور ہی مٹا دے جس میں یہ صفت نہ ہو وہ ان کے نزدیک مونث ہے۔ اس لیے آیت میں صرف رجال فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مذکورہ بالا اوصاف سے موصوفین کو رجال اس لیے فرمایا کہ ایسے لوگوں پر تجارت اثر انداز نہیں ہوتی۔ تجارت سے درکات نیران سے نجات پانا مراد ہے

کما قال تعالیٰ:

ھل ادلکم علیٰ تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم۔

اور بیع سے درجات جنان کی کامیابی مراد ہے۔ کما قال تعالیٰ:

marfat.ocm

فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ ۔

اور اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا:

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم بان لھم الجنۃ ۔

اگر دارین کی کوئی شے ان میں یوں تصرف ڈالے کہ انھیں ذکر الٰہی سے غافل کر دے تو وہ مرد نہیں عورت ہے کیونکہ عورتیں تصرف کا محل ہے۔ ایسے لوگوں کو مرد کہنا ناموزوں ہے ۔

وحیِ الٰہی اور داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ گھر کو میرے لیے فارغ کیجئے۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ تُو تو گھروں سے منزّہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو اپنے قلب کو میرے لیے پاک کیجئے۔ یعنی آیت میں بیوت سے قلوب مراد ہیں اور یہاں اس کی صفائی مُراد ہے یعنی باری تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ قلوب کو مکونات کے نقوش سے پاک اور صاف کرو اور تعلقات کونین کے زنگ سے انھیں دُور رکھو۔ اور یہ تصفیۂ قلوب و تزکیۂ نفوس ذکرِ الٰہی پر مداومت کرتا ہے ۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہر شے کے لیے مصقلہ ضروری ہے اور قلب کا مصقلہ ذکرِ الٰہی ہے ۔

نسخۂ روحانی جب کسی کا قلب صاف و شفاف ہو جاتا ہے تو پھر وہ جلوہ گاہ حق بنتا ہے اور اسی قلب کو اللہ تعالیٰ اپنے جمال کے نور سے منور فرماتا ہے اور آیۃ للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ میں زیادۃ سے یہی جلوۂ حق و نور و جمالِ الٰہی مراد ہے اور رزق بے حساب سے مراد یہ ہے کہ اس بندے کو اللہ تعالیٰ ارزاق ارواح اور مواہب خصوصی سے نوازتا ہے اور ایسا رزق بے حساب ہوتا ہے۔ ہاں اجسام سے جو رزق متعلق ہوتا ہے وہ محدود و معدود ہے ۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ اعمالِ شریعت و آدابِ طریقت پر عمل کرنے کی جدوجہد میں رہے اس لیے کہ ان پر عمل کرنا انوارِ حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے ۔

نتیجہ: جس شخص کا باطن دنیا میں منور ہو جاتا ہے آخرت میں اس کا ظاہر و باطن منور ہوگا ۔ اور قاعدہ ہے جزا اتنی ہی ملتی ہے جتنی ملنا ہوتی ہے ۔ جیسا عمل ہوتا ہے ویسی جزا نصیب ہوتی ہے ۔

اذان سننے کے بعد مروی ہے کہ قیامت میں بعض لوگ جب محشر میں حاضر ہوں گے تو ان کے چہرے چمکدار ستارے کی طرح روشن ہوں گے ملائکہ ان سے سبب پُوچھیں گے، وہ کہیں گے کہ جب ہم اذان سُنتے تو فوراً وضو کی تیاری میں لگ جاتے ہمیں اس کے لیے کوئی شے نہ روک سکتی۔ بعض لوگ ایسے ہوں گے جن کے چہرے چاند کی طرح ہوں گے ان سے پُوچھا جائے گا تو وہ کہیں گے ہم نماز کے

marfat.com

وقت سے بھی پہلے وضو میں مشغول ہوتے۔ بعض ایسے ہوں گے جن کے چہرے سورج کی طرح ہوں گے ان سے پُوچھا جائے گا تو وُہ کہیں گے ہم اذان سے اتنا پہلے وضو کر لیتے کہ اذان مسجد میں جا کر سنتے تھے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا کان یوم الجمعۃ کان علی کل باب من ابواب المسجد ملائکۃ یکتبون الاول فالاول۔

(جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو مسجد کے ہر دروازے پر اللہ تعالیٰ کے فرشتے کھڑے ہو جاتے ہیں، جو ہر آنے والے کا نام رجسٹر میں درج کرتے ہیں، جو پہلے آتا ہے اس کا نام پہلے، پھر دوسرا پھر تیسرا۔

شرح : حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جو پہلے آتا ہے اس کا ثواب سب سے زیادہ لکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے کا، پھر تیسرے کا۔ اسی طرح چوتھے، پانچویں، چھٹے کا۔

بقایا حدیث شریف پھر جب امام منبر پر بیٹھتا ہے تو پھر وہ اپنے رجسٹر بند کر کے جمعہ کا خطبہ سننے بیٹھ جاتے ہیں امام کے خطبہ کے شروع کرنے سے بعد کو آنے والے کے لیے وہ ثواب نہیں لکھا جاتا جو خطبہ سے پہلے آنے والوں کے لیے لکھا جاتا ہے۔

مسئلہ : بعض محدثین نے حدیث شریف کا وہی مطلب لکھا ہے جو ہم نے ترجمہ میں لکھا۔ بعض نے فرمایا کہ سرے سے اس کے لیے جمعہ کا ثواب بھی نہیں لکھا جائے گا۔ بعض نے کہا کہ خطبہ سننے کے بعد پھر حاضر جماعت کا ثواب لکھنا شروع کرتے ہیں۔

ف : ان ملائکہ کرام سے وُہ فرشتے مراد ہیں جو صرف جمعہ میں حاضر ہونے والوں کا ثواب لکھتے ہیں اور وہ ان کراماً کاتبین کے علاوہ ہیں جو روزانہ انسان کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں۔

اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو نیکی کے لیے عجلت اور سبقت کرتے ہیں۔ اور قیامت میں ہمیں اہلِ حق و صدق و یقین کے زمرہ میں شامل کر کے اٹھا۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَالَّذِينَ كَفَرُوٓا اَعْمَالُهُمْ اور کافروں کے اعمال۔ ان سے اعمالِ صالحہ مراد ہیں جیسے احسان و کرم اور صلہ رحمی اور گردن آزاد کرنا اور مسجد کی تعمیر اور حاجیوں کو پانی پلانا اور مظلوموں کی فریاد رسی اور مہمان نوازی اور راہِ حق میں جانوروں کی قربانی وغیرہ وغیرہ کہ اگر وہ یہ اعمال ایمان قبول کرنے کے بعد کرتا تو ثواب پاتا كَسَرَابٍ سراب ہر وہ شے جو دوپہر کے وقت سورج کی دھوپ سے ایسے محسوس ہو کہ گویا وہ پانی چل رہا ہے حالانکہ وہ درحقیقت کچھ نہیں ہوتا۔ اسے اردو میں دھوپ میں چمکتی ریت کہتے ہیں۔ یہ شراب کی نقیض ہے۔ کیونکہ شراب وہ ہے جس کی کوئی حقیقت ہو بِقِيعَةٍ اس کا متعلق محذوف اور یہ سراب کی صفت ہے یعنی وہ دھوپ کی چمکتی ریت جو میدان میں نظر آتی ہے اور قیعہ بمعنے فراخ اور برابر

marfat.ocm

زمین والا میدان۔ ایسے میدان میں کہیں کہیں پہاڑ بھی ہوتے ہیں۔ مختار مذہب میں ہے کہ یہ قاع کی طرح واحد ہے بعض نے کہا کہ یہ جمع کا صیغہ ہے یَحۡسَبُهُ الظَّمۡاٰنُ مَآءً ۚ یہ سراب کی دوسری صفت ہے یعنی اسے سخت پیاسا سمجھتا ہے کہ واقعی وہ پانی ہے۔ یہ ظمیٔ بالکسر یظمأ اور الظما بالکسر وہ شے جو پانی کے دو گھاٹوں کے درمیان واقع ہو۔ اور الظمأ وہ پیاس جو اس سے پیدا ہو اور حسبان اگرچہ ہر دیکھنے والے کو شامل ہے لیکن ظمآن کی تخصیص صرف تشبیہ کی تکمیل کے لیے ہے اس لیے کہ ان دونوں طرفوں کو وجہ شبہ میں مناسبت ہے کیونکہ اس کی ابتدا میں طمع ہے اور دوسرے کی انتہا میں ناامیدی ہے۔ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَهٗ یہاں تک کہ وہ اس کے پاس آتا ہے جبکہ اسے پانی سمجھا اور کوشش کر کے وہاں پہنچا تاکہ پانی پی سکے لَمۡ یَجِدۡهُ تو وہ جسے پانی سمجھ کر آیا اسے نہ پایا شَیۡـًٔا کوئی شے۔ نہ تحققاً نہ توہماً۔ جیسا کہ اس سے قبل وہ اسے کچھ سمجھتا تھا لیکن جونہی دیکھا تو وہ کوئی شے نہ تھی، تو الٹا اس کی پیاس میں اضافہ ہوگیا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ بلکہ پایا اللہ تعالیٰ کا حکم و قضا عِنۡدَهٗ آتے وقت۔ کما قال تعالیٰ:

ان ربك لبالمرصاد۔

یعنی تمہارا رب تعالیٰ مخلوق کے لوٹنے کے انتظار میں ہے۔

فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب پورا فرمائے گا۔ یعنی اسے پوری اور مکمل سزا دے گا۔ یعنی بندے کو اپنے برے حال کا علم ہو جائے گا اور اسے مکمل طور ناامیدی ہو جائے گی۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ سے بہت بڑی امید لے کر حاضر ہو تاکہ اس سے بہت بڑا انعام و اکرام پائے۔ لیکن اس کی آرزو کے خلاف اس کی سرکوبی ہو، اور اسے مار مار کر بادشاہ کے دروازے سے ہٹا دیا جائے۔

وَاللّٰهُ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ۙ اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ حساب لیتے وقت کوئی حساب اس کے حساب میں حائل نہ ہو سکے گا۔

ف: حضرت کاشفی نے لکھا کہ بہت جلد حساب لے گا کہ اس کے ایک حساب میں دوسرا حساب رکاوٹ نہ ڈالے گا۔ آیت میں کفار کے اعمال کو سراب اور کفار کو پیاسے سے تشبیہ دی ہے جیسا کہ پیاسے کی پانی سے ناامیدی کے بعد پیاس اور بڑھ جاتی ہے ایسے ہی کفار کی رحمتِ الٰہی سے مایوسی کے بعد عذاب میں شدت ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ یہاں پر کفار سے نعمت کو ٹھکرانے والے لوگ مراد ہیں جو نعمتِ الٰہی کو معاصی و مخالفتِ احکامِ ربانی میں صرف کرتے ہیں اور غفلت میں ڈوب کر اس رسم و رواج میں زندگی بسر کرتے ہیں جس پر ان کے آباؤ اجداد وقت گزار گئے اور وہ علم و عمل سے کورے تھے

marfat.com

انھیں معنیٰ سے دُور کا واسطہ نہ تھا اور ان کا ہر عمل جہالت پر مبنی تھا اور جن اعمال کو وُہ نیکی سمجھتے تھے وہ سراسر باطل تھے ان اعمال کو شیطان نے ان کے سامنے اچھا بنا کر دکھایا۔ ان کے اعمال کی مثال سراب کی ہے انھیں کوئی فائدہ نہ ہوگا اور صاحبِ اعمال اپنی غفلت وجہالت سے سمجھتا ہے کہ اس کے یہ اعمال غضبِ الٰہی کی آگ سے بچالیں گے یہاں تک کہ اس پر موت آجاتی ہے۔ تو اعمال کی جس جزا کی امید میں تھا اسے ہرگز نہیں پائے گا بلکہ اپنے اعمال کی جزاء اور وزن وحساب کے وقت اللہ تعالیٰ کو ناراض پائے گا، وہ صرف اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا معاملہ نہیں کیا تھا اسی وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ پوری پوری جزا دے گا۔

واللہ سریع الحساب میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جلد حساب لینے کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ وُہ بندے کی زندگی میں ہی اپنی ذات وصفات کے آثار اسی طرح سے ظاہر فرمائے گا جیسے اس کے اخلاقِ ذمیمہ و اعمالِ سیّئہ ہوں گے۔

تفسیر عالمانہ

اَوْ کَظُلُمٰتٍ اس کا عطف کسراب پر ہے اَوْ تنویع کا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کے نیک اعمال قیامت میں سراب کی طرح اور اعمال سیّئہ ظلمات کی طرح ہوں گے فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ۔ لجی، لُجّ کی طرف منسوب ہے بمعنے عمیق کثیر الماء۔ یعنی دریا کی وُہ گہرائی جہاں پانی بہت زیادہ جمع ہو۔

کاشفی نے لکھا کہ دریا کی گہرائی میں کہ جہاں لحظہ بہ لحظہ یَّغْشٰهُ مَوْجٌ یہ بحر کی دوسری صفت ہے یعنی اسے مکمل طور پر دریا کی لہر ڈھانپ لیتی ہے مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ یہ مبتدا خبر ہیں اور جملہ موجٌ کی صفت ہے مقصد یہ کہ اسے بے شمار دریا کی لہریں ڈھانپ لیں گی اور وہ لہریں بھی ایک دوسری پر تہ بہ تہ ہو کر آئیں گی مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ یہ موج ثانی کی صفت ہے۔ سحب کا حقیقی معنیٰ کھینچنا ہے اور بادل کو سحاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے ہوا کھینچ کر لے جاتی ہے یا اس لیے کہ وہ پانی کو کھینچ کر لاتا ہے یعنی موج ثانی پر تاریکی چھا جاتی ہے اس کے اوپر بادل آتا ہے تو وہ ستاروں اور ان کی روشنی کو چھپا دیتا ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ دریا کی بے شمار لہریں ایسی تاریکی پھیلاتی ہیں کہ گویا وہ بادل تک پہنچ جاتی ہیں۔

ظُلُمٰتٌ یہ تاریکیاں بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ گاڑھی اور تہ بہ تہ ہوتی ہیں یہاں تک کہ اِذَآ اَخْرَجَ اس تکلیف میں مبتلا ہونے والا جب ان تاریکیوں سے نکالتا ہے۔

سوال: مبتلی کا ذکر نہیں تم نے اخرج کی ضمیر اس کی طرف کیسے لوٹائی؟

جواب: معنیً اس کا ذکر ہے کیونکہ اسی کا ذکر ہے۔

اس دلالت واضحہ کی وجہ سے ہم نے اسی کی طرف ضمیر لوٹائی ہے۔ یَدَهٗ اپنا ہاتھ۔ اس کی

marfat.ocm

تخصیص اس لیے کہ باقی اعضائی کی بہ نسبت یہی اس کو قریب تر ہے اور دیکھنے کے وقت پہلے اسی کو دیکھتا ہے لَمْ یَکَدْ یَرٰىهَا شدتِ ظلمات کی وجہ سے قریب ہے کہ اسے نہ دیکھ سکے، یعنی وہ اسے دیکھ نہیں سکتا وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۠ اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا تو اسے نورِ قرآن نہیں دکھاتا۔ جس کی وجہ سے اسے ایمان کی توفیق نصیب نہیں ہوتی تو ایسے کو کسی سے بھی نور نصیب نہیں ہوتا۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ کفار کے اعمال کی یہ دوسری تمثیل ہے تاریکی سے ان کے اعمال اور بحرلجی سے ان کے دل مراد ہیں۔ ان کے اندر شرک وجہل وغیرہما کو موج در موج اور سحاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کی گفتار اور ان کا ہر عمل تاریک ہے اسی لیے قیامت میں بھی ظلمات میں آئیں گے بخلاف مومنین کے کہ ان کے لیے نور ہی نور ہوگا۔

مومناں از تیرگی دور آمدند

لاجرم نور علیٰ نور آمدند

کافر تاریک دل را فکر تست

حال کارش ظلمت اندر ظلمتست

ترجمہ : مومنین تاریکی سے دور ہیں اس لیے وہ نورٌ علیٰ نور ہیں۔ کافر کے دل میں فکر تاریک ہے اس لیے وہ ظلمات در ظلمات میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ ظلمات میں ان اعمال کی طرف اشارہ ہے جو انسان غفلت سے اور حضورِ قلب کے بغیر کرتا ہے جن میں خلوص نہیں ہوتا کظلمت فی بحرلجی حُبِ دنیا یغشٰہ موج سے ریاکاری مِنْ فَوْقِهٖ موج سے حبِ جاہ وطلبِ ریاست من فوقہ سحاب سے شرکِ خفی ظلمت بعضھا فوق بعض سے ظلمت طبعیہ مراد ہے۔ یعنی بندے پر ظلمت غفلت طبعیہ وظلمتِ حبِ دنیا و ظلمتِ حُبِ جاہ وظلمتِ شرک چھاجاتی ہے اذا اخرج یدہ جب بندہ جدوجہد کرتا ہے کہ اس کے حال و مآل کی اصلاح ہو اور ان ظلمات سے نجات پائے تو وہ اپنی عقل سے ان ظلمات سے چھٹکارا نہیں پاسکتا' اس لیے کہ روزِ ازل میں جب اللہ تعالیٰ نے نور کی تقسیم کے وقت نورانی چھینٹے مارے تو اس بدبخت کو نور سے کوئی حصہ نہ ملا کہ جس سے وہ ان ظلمات سے نجات پائے کیونکہ عقل کے نور میں ایسی طاقت نہیں جو ان ظلمات سے انسان کو چھٹکارا دے سکے۔ ایسی ظلمات سے نکالنا نورِ الٰہی کا کام ہے۔ کما قال تعالیٰ :

اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔

(باقی ص ۲۴۹ پر)

marfat.com

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ
کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے پر پھیلائے
كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٤١﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
سب نے جان رکھی ہے اپنی نماز اور اپنی تسبیح اور اللہ ان کے کاموں کو جانتا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت
وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ﴿٤٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ
آسمانوں اور زمین کی اور اللہ ہی کی طرف پھر جانا کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نرم نرم چلاتا ہے بادل کو پھر انہیں آپس میں ملاتا ہے
يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ
پھر انہیں تہ پر تہ کر دیتا ہے تو تو دیکھے کہ اس کے بیچ میں سے مینہ نکلتا ہے اور اتارتا ہے آسمان سے اس میں جو برف
فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَآءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَّنْ يَشَآءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ
کے پہاڑ ہیں ان میں سے کچھ اولے پھر ڈالتا ہے انہیں جس پر چاہے اور پھیر دیتا ہے انہیں جس سے چاہے قریب ہے
يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿٤٣﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿٤٤﴾
کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھیں لے جائے اللہ بدلی کرتا ہے رات اور دن کی بے شک اس میں سمجھنے کا مقام ہے نگاہ والوں کو
وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَمْشِي عَلٰى بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَمْشِي
اور اللہ نے زمین پر ہر چلنے والا پانی سے بنایا تو ان میں کوئی اپنے پیٹ پر چلتا ہے اور ان میں کوئی دو پاؤں پر چلتا ہے
عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَمْشِي عَلٰٓى أَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
اور ان میں کوئی چار پاؤں پر چلتا ہے اللہ بناتا ہے جو چاہے بے شک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے
قَدِيرٌ ﴿٤٥﴾ لَقَدْ أَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَآءُ إِلٰى صِرٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٤٦﴾ وَ
بے شک ہم نے اتاریں صاف بیان کرنے والی آیتیں اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے اور
يَقُولُونَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ
کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ اور رسول پر اور حکم مانا پھر کچھ ان میں کے اس کے بعد پھر جاتے ہیں اور
أُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾ وَإِذَا دُعُوٓا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ
وہ مسلمان نہیں اور جب بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے
مُّعْرِضُونَ ﴿٤٨﴾ وَإِنْ يَكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوٓا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿٤٩﴾ أَفِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ أَمِ
تو جبھی ان کا ایک فریق منہ پھیر جاتا ہے اور اگر ان کی ڈگری ہو تو اس کی طرف آئیں مانتے ہوئے کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے ع ۱۰
ارْتَابُوٓا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحِيفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ بَلْ أُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ﴿٥٠﴾ ۱۲
یا شک رکھتے ہیں یا یہ ڈرتے ہیں کہ اللہ و رسول ان پر ظلم کریں گے بلکہ وہ خود ہی ظالم ہیں

marfat.com

(صفحہ ۲۴۷ سے آگے)

نکتہ : یخرجھم الخ میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ جیسے چشموں سے پانی اور بادل سے بارش اور پتھر سے آگ اور پہاڑوں سے لوہا اور آگ سے دھواں اور زمین سے انگوری اور اشجار سے پھل سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں نکال سکتا اسی طرح بندے کو جب اللہ تعالیٰ سے نورِ ایمان و یقین و خلاص نصیب ہوتا ہے تو اسے شیاطین و طواغیت کفر و شرک میں نہیں لے جا سکتے۔ واللہ الہادی۔

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یہ ہمزہ تقریری ہے اور رؤیت سے رویتِ قلبی مراد ہے اس لیے کہ اسے آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے مشاہدہ نہیں فرمایا اور آپ کا مشاہدہ چونکہ وحی الٰہی سے ہوا اور وہ یوں ہوتا ہے گویا آنکھ سے دیکھا گیا یا اسے استدلال سے سمجھ کر رؤیت سے تعبیر کیا گیا ہے جبکہ یہ خطاب عام ہو یعنی دیکھو کہ علی الدوام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس و تنزیہ یہی لوگ کر رہے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور تمام مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب و نقص سے پاک ہے اور جو شے اس کی شان میں نقص و عیب کا شائبہ پیدا کرے وہ اس سے منزہ اور مقدس ہے۔

ف : ذوی العقول کے غلبہ کی وجہ سے لفظ مَن لایا گیا ہے۔

وَالطَّیْرُ مرفوع اور اس کا عطف مَن پر ہے اور یہ طائر کی جمع ہے، جیسے رکب، راکب کی جمع ہے اور طائر وہ پرندہ جو ہوا میں اڑے۔ اس کی تخصیص میں ایک نکتہ ہے ورنہ یہ تو من فی الارض میں داخل تھا۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ اسے زمین پر قرار نہیں ہوتا اور نہ ہی ایک جگہ پر رہتا ہے بلکہ اکثر طور آسمان و زمین کے درمیان میں گھومتا رہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مصروف ہے صٰٓفّٰتٍ، صف بمعنے بسط، اسی لیے گوشت کے خشک ٹکڑوں کو صفیف کہتے ہیں اس لیے کہ اسے زمین پر پھیلایا جاتا ہے تاکہ اس میں بدبو نہ ہو۔ ایسے ہی پرندے پروں کو پھیلا کر اڑتے ہیں۔ یعنی پرندے اپنے پروں کو پھیلا کر اور صف بستہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے ہیں کُلٌّ آسمان و زمین کے تمام مکین قَدْ عَلِمَ اللہ تعالیٰ کے الہام سے جان لیا ہمارے اس معنے کی تائید اس قرأۃ سے ہوتی ہے جس میں علم کو مشدد پڑھا گیا ہے یعنی ہر ایک نے معلوم کر لیا صَلَاتَہٗ اپنے لیے دعا مانگنا وَتَسْبِیْحَہٗ ط اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہ

بیان کرنے کا طریقہ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ ان کی طاعات وصلوٰۃ وتسبیح کو خوب جانتا ہے انھیں اس کی جزا دے گا۔ اس میں جن و انسان کے اس گروہ کو وعید ہے جو اللہ کی تسبیح و تقدیس نہیں کرتا۔ وَلِلّٰہِ اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کا ملک۔ اس لیے ان کی ذوات کا صفات وہی خالق ہے ایجاد و اعداماً وابداً و اعادۃً ہر طرح سے ان سب پر اسی کا تصرف ہے۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ ۝ اور اسی کی طرف سب کا رجوع ہے۔ یعنی سب کو فنا ہے۔ اور پھر اسی کی طرف قیامت میں اٹھنا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ اپنے مالک وقوی رب کی عبادت کرے اور ظاہری و باطنی زبان سے اسی کی تسبیح بیان کرے۔

ف: محققین کے نزدیک اس سے تسبیح حقیقی مراد ہے اس لیے کہ ہر ایک کو ان کی شان کے لائق زبان حاصل ہے جس سے وہ حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ غیر عقلا کو بھی زبان عطا فرمائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کریں اسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا وہ لوگ جنھیں اللہ تعالیٰ علم عطا فرماتا ہے۔ جیسے انبیاء و اولیاء۔ اس کی مزید تحقیق سورۂ اسراء میں تحت آیت وان من شیءٍ الا یسبح بحمدہٖ ولکن لا تفقھون تسبیحھم الخ میں دیکھئے۔

امام باقر رضی اللہ عنہ کی کرامت حضرت ابو ثابت سے مروی ہے کہ ہم حضرت ابو جعفر امام باقر رضی اللہ عنہم کی خدمت میں بیٹھے تھے مجھے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ طلوعِ شمس سے پہلے یہ چڑیاں کیا کہتی ہیں، اسی طرح غروبِ شمس کے بعد کیا بولتی ہیں؟ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا آپ نے فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس بیان کرتی اور اپنے رزق کا سوال کرتی ہیں۔

نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ کی تقریر دلپذیر حضرت ابو الجناب سیدنا نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ نے فواتح الجمال میں فرمایا کہ جملہ حیوانات انسان ہوں یا غیر انسان کے ہر سانس سے ذکرِ الٰہی ہمیشہ جاری ہے وہ اس خیال و تصور میں ہوں یا نہ۔ کیونکہ سانس کے آنے جانے سے لفظ ھُو خارج ہوتا ہے اور وہ ہویت غیب کی طرف اشارہ کرتا ہے اور لفظ اللّٰہ میں بھی حقیقی مراد حرف ھُ ہے باقی الف لام تعریف اور لام مشدد حرف مبالغہ کے لیے ہے اسی لیے ہر دانشمند پر لازم ہے کہ وہ سانس کے اندر باہر آتے جاتے وقت اللّٰہ اور ھُو کا تصور جمائے۔ تاکہ اس کی کوئی سانس ذکرِ الٰہی کے بغیر نہ گزرے۔ اسی لیے نقشبندی سلسلہ کے لوگ کہتے ہیں: ہوش در دم۔

marfat.ocm

(ہوش در دم سے یہی مراد ہے جو اوپر بیان ہوا) ؎

ہا غیب ہویت آمد اے حرف شناس

انفاس ترا بود بآں حرف اساس

باش آگہ ازاں حرف در امید و ہراس

حرفے گفتم خشگرف اگر داری پاس

ترجمہ: اے نکتہ شناس! ھا غیب ہویت کا راز ہے تیری سانسیں اسے محفوظ رکھنے کے لیے ہیں۔ رنج و راحت کی ہر گھڑی میں اس کی نگرانی کیجئے میں نے تجھے بہترین نکتہ بتایا ہے اگر اس کی حفاظت کرے گا تو منزلِ مقصود نصیب ہوگی۔

صاحبِ رُوح البیان کی خواب اور تقریرِ شیخ

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ مجھے خواب میں اپنے پیرومرشد قدس سرہٗ کی زیارت ہُوئی مجھ سے مخاطب ہوکر سوال کیا کہ لفظ اللہ منصوب و مجرور کے بجائے مرفوع کیوں ہے؟ میں نے لاعلمی ظاہر کی تو آپ نے فرمایا: اللہ در اصل ھُو ہے ضمہ کی صورت میں دو ہونٹوں کو ملانے میں ممکنات میں نور ذات اور مظاہر میں کمال ساری کے راز کی طرف اشارہ ہے اور یہ اشارہ نصب وجر سے حاصل نہیں ہوتا۔

ف: بعض علمأ نے فرمایا کہ حیوانات وجمادات کی تسبیح حالی ہوتی ہے اس لیے کہ ہر شئے کا وجود صانع پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا صانع صفاتِ کمالیہ سے موصوف اور جو امر اس کی شان کے لائق نہیں اس سے وُہ مقدس و منزہ ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ تسبیح کے تین طریقے ہیں:

(۱) تسبیح العقلاء

(۲) تسبیح الحیوانات

(۳) تسبیح الجمادات

عقلاء کی تسبیح نطق و معاملات سے۔ اور حیوانات کی تسبیح لسان حاجات، اور ایسی صورت میں ہونا کہ صانع کے وجود پر دلالت کرے۔ اور جمادات کی تسبیح خلق سے اور عام ہے جو جملہ جمادات کو شامل ہے

marfat.com

اس لیے کہ یہ آیاتِ الٰہی کے مظہر ہیں اور عقلاً کی تسبیح انسان اور ملک سے مخصوص ہے بلکہ ملائکہ کے لیے تو تسبیح بمنزلہ غذا کے ہے کہ اسی کے ذریعے ہی وہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر وہ اس سے ایک لمحہ غافل ہوں تو ان پر موت آجائے اور یہ تسبیح ان کی ترقی کا موجب بھی نہیں کیونکہ یہ تسبیح ان کی طبعی ہے (اور طبعی امر ترقی کا موجب نہیں ہوتا) اور انسان کی تسبیح سے بامرِ الٰہی اس کی تنزیہ بیان کرنا۔ چونکہ یہ طبعی امر نہیں اس لیے یہ اس کی ترقی کا موجب ہے اس لیے کہ اس تسبیح سے انسان اپنی انسانیت کے اوصاف کو فنا کر کے سبوحیت کے وصف سے بقا پاتا ہے پھر بقا پا کر اسی سے ہی بولتا ہے۔

مسئلہ: کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ میں اشارہ ہے کہ ہر شے میں اس کی شان کے لائق علم و شعور ہے اور صلاۃ کے علم وشعور کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کی عبودیت کے لیے قائم ہونا اور تسبیح سے ربوبیت کی ثنا کرنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شے کا ایک ملکوت ہے اور ہر ملکوت کا قیام قبضۂ قدرتِ حق میں ہے۔ کما قال تعالیٰ:

فسبحٰن الذی بیدہ ملکوت کل شئ۔

یاد رہے کہ عالمِ ملکوت حیاۃ محض اور علم ہی علم ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وان الدار الاٰخرۃ لھی الحیوان۔

اور ملکوت عالمِ ارواح کا نام ہے اسی سے ہی ہر شے کو روح نصیب ہوتی ہے جتنی اس کی استعداد ہوتی ہے اسی قابلیت کے مطابق روح ملتی ہے۔ چونکہ انسان کو روحِ اعظم کی قابلیت میسر تھی اس لیے اسے احسن تقویم میں پیدا کیا گیا۔ اسی بنا پر تمام مخلوق سے کامل اور افضل المخلوقات اور اکرم الخلق بنایا گیا اور چونکہ اسے عالمِ ملکوت سے حظِ وافر نصیب ہوا اسی لیے یہی صلوٰۃ و تسبیح کی زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہیں بلکہ اسے عالمِ ربوبیت سے بہت زیادہ حصہ نصیب ہوا ہے۔ بنا بریں صلوٰۃ و تسبیح سے اسی کو زیادہ تعلق ہے۔ ملائکہ کرام صلوٰۃ و تسبیح کی معلومات عالمِ ملکوت سے حاصل ہوئیں۔ جمادات اور حیوانات کو اپنے ملکوت سے صلوٰۃ و تسبیح کا علم بلاشعور حاصل ہوا۔

واللہ علیم بما یفعلون اور اللہ تعالیٰ حقیقتِ حال کو کامل طور جانتا ہے اور اس کی مخلوق کو اس کا علم ان کی استعداد کے مطابق حاصل ہے۔

ازالہ وہم بعض مواقع پر جمادات سے بولنا سنا گیا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت نے انھیں بلایا، وہ از خود نہیں بولے۔ ایسے ہی حیوانات بولتے ہیں جنہیں بولنے کی قدرت نہیں۔ یہ خرقِ عادت کے طور پر ہے یا پھر ان کے کلام کو وہ حضرات سنتے سمجھتے ہیں جو اہلِ کشف ومعائنہ ہیں۔ سورۂ اسرائیں

marfat.ocm

ہم نے اس کی بہت سی مثالیں لکھیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جن کی ہر سانس ذکرِ الٰہی میں گزرتی ہے اور ان کا ہر وقت لطف اندوزی سے بسر ہوتا ہے۔ وہی فیاض و وہاب وجواد ہے۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُزْجِیْ سَحَابًا۔

حلِ لغات: الازجاء بمعنے شے کو آرام سے چلانا تاکہ وہ چل پڑے عموماً اس کا استعمال غیر معتدبہ یا نہایت ہی معمولی اشیاء پر ہوتا ہے۔ البضاعۃ المزجاۃ (معمولی پونجی) اسی سے ہے اس لیے اسے ہر کس لے جاتا ہے اور معمولی شے سمجھ کر ہر ایک کو دیا جا سکتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ بادل کا چلانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کچھ نہیں۔ اور السحاب کو اس لیے اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے کہ اسے ہوا کھینچ کر لے جاتی ہے۔ یہ اسم جنس ہے یہ ایک اور ایک سے زاید بادلوں کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں پر بادل کا ایک ٹکڑا مراد ہے جیسا کہ لفظ بین کی اضافت سے معلوم ہوتا ہے اس لیے ایک سے زاید پر لفظ بین مضاف نہیں ہوتا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ بادل کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے۔

ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَہٗ پھر ان کے اجزاء کو آپس میں ملاتا ہے یہاں تک کہ بکھرے ہوئے اجزاء کا ایک ٹکڑا بن جاتا ہے حالانکہ اس سے قبل مختلف ٹکڑے تھا ثُمَّ یَجْعَلُہٗ رُکَامًا پھر اسے تہ بہ تہ کرتا ہے یعنی ان اجزاء کو ایک دوسرے کے اوپر رکھتا ہے۔ اور جسے ایک دوسرے پر تہ بہ تہ رکھا جائے اسے رکوم مجتمع سے تعبیر کرتے ہیں۔ المفردات میں ہے کہ اہلِ عرب کہتے ہیں:

سحاب مرکوم۔

یعنی بادل تہ بہ تہ ہے۔ اور جو ایک دوسرے پر رکھا جائے اسے رکام کہا جاتا ہے۔

فَتَرَی الْوَدْقَ بادل کے گاڑھے ہونے اور تہ بہ تہ ہونے کے بعد بارش کو دیکھتے ہو۔ ابو اللیث نے فرمایا:

الودق بمعنے بارش زیادہ ہو یا کم۔

المفردات میں ہے کہ وہ شے جو بارش کے درمیان میں غبار کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ اسے بھی المطر سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے آیت میں الودق فرمایا۔

یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِہٖ یہ الودق سے حال ہے کیونکہ یہاں پر رؤیت سے رؤیت بصری مراد ہے۔ الخلال، خلل کی جمع ہے جیسے الجبال، الجبل کی جمع ہے بمعنے وہ سوراخ جو چیزوں کے درمیان ہو یہاں پر بارش کے مخارج مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم دیکھتے ہو درانحالیکہ وہ ودق بادل کے درمیان سے

marfat.com

نکلتی ہے۔ اور وہ سوراخ بھی تمہیں نظر آتے ہیں جو بادلوں کے تراکم اور ایک دوسرے کے آپس میں ملنے سے ظاہر ہوتے ہیں۔

ف : کعب نے فرمایا کہ سحاب بارش کی چھلنی ہے اگر وہ نہ ہو تو جس پر بارش گرتی اسے فاسد کر دیتی۔ نیز السماء ، اور وہ بادل سے نازل ہوتی ہے۔ یہاں پر السماءُ سے بادل مراد ہے اس لیے کہ جو شے بھی سر کے اوپر ہو اسے اہلِ عرب سماء سے تعبیر کرتے ہیں اسی لیے جو شے کسی شے کے اوپر ہو گی اسے سماء کہا جائے گا۔

مِنْ جِبَالٍ بادلوں کے بہت بڑے ٹکڑوں سے۔ پہاڑوں کی مشابہت کی وجہ سے بادل کے بڑے ٹکڑوں کو جبال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فِيهَا جو کہ وہ آسمان میں ہیں۔ سماء چونکہ مؤنث سماعی ہیں اس لیے ان کی طرف مونث کی ضمیر راجع کی گئی ہے من برد یہ ینزل کا مفعول ہے اور یہ من تبعیضیہ ہے۔ اس سے پہلے دو من ابتدائیہ تھے باعادۂ جار، دُوسرا من پہلے من سے بدل الاشتمال ہے۔ البرد بالحرکۃ بمعنے منجمد پانی ، یعنی وہ سرد پانی جو ہوا کی وجہ سے منجمد ہو جائے (کذا فی المفردات)

اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ابتداءً ہی اوپر کے بادلوں سے پانی لاتا ہے جس کے بعض میں سردی ہوتی ہے۔

ف : بعض علماء کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کے درمیان میں مختلف قسم کے پہاڑ پیدا فرمائے ہیں جن میں سے بعض سرد اور بعض برف کی مانند، جن پر ملائکہ مقرر ہیں۔ پھر جب اور جہاں اللہ تعالیٰ برد و ثلج برسانے کا ارادہ فرماتا ہے تو مقدار مقرر فرما کر فرشتوں کو حکم دیتا ہے تو ہر قطرہ ایک ایک فرشتہ اٹھا کر زمین پر لاتا ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ زمین کا کوئی چشمہ ایسا نہیں جس کی اصل آسمان کی ثلج و برد سے متعلق نہ ہو۔ اور یہ بھی بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض ایسے فرشتے بھی پیدا فرمائے ہیں کہ جن کا نصف ثلج اور نصف آگ ہے۔ اس کی قدرت ہے کہ اس فرشتے کی نہ ثلج آگ کو نقصان دیتی ہے نہ آگ ثلج کو۔ جب اللہ تعالیٰ کسی علاقے میں برفباری کا ارادہ فرماتا ہے تو ان فرشتوں کو حکم دیتا ہے جو اپنے پردں کو ہلاتے ہیں جن کے قطرات زمین پر پڑتے ہیں۔

ف : روایت میں یترفرفوا با جنحتہم ہے۔ یہ رفرف الطائر سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب پرندہ کسی شے کے اردگرد اس لیے پَر ہلائے کہ گویا وہ اس پر گرتا ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت میں السماءُ سے الشئُ المظلۃ یعنی فلک مراد ہے اس لیے کہ افلاک میں سرد پہاڑ ہیں جیسا کہ زمین پر پتھروں کے پہاڑ ہیں اور یہ بات عقل کے بھی منافی نہیں۔

marfat.ocm

بادل اور بارش کیا ہیں

(۱) مشہور یہ ہے کہ جب بخارات زمین سے آسمان پر اُٹھتے ہیں اگر انہیں حرارت تحلیل نہ کرے تو ہوا کے طبقہ باردہ میں پہنچ کر سخت سردی سے مجتمع ہو کر بادل بن جاتے ہیں۔ اگر وہ بخارات سردی سے سخت نہ ہوں تو بارش بن کر نیچے گرتے ہیں۔ اگر سردی سے سخت ہو جائیں اور پھر اجتماع سے اجزاءِ بخاریہ تک پہنچ جائیں تو برد بن کر نیچے گرتے ہیں۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ بخارات ہوا سے بہت زیادہ ٹھنڈے ہو کر ہوا کے انقباض و انعقاد سے بادل بن کر بارش کی صورت میں یا اولے بن کر نیچے گرتے ہیں۔ لیکن یہ تمام اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت کے تحت ہوتا ہے۔

(۲) اخوان الصفاء میں ہے کہ اجزاء مائیہ و ترابیہ جب ہوا میں بکثرت اور متراکم ہو جاتے ہیں تو بادل بن جاتا ہے۔ اس کے رقیق اجزاء کو غیم اور متراکم اجزاء کو سحاب کہا جاتا ہے، اور بارش انہیں اجزاءِ مائیہ کا نام ہے جبکہ وہ اجزاء ایک دوسرے سے لپٹتے ہیں اور ٹھنڈے اور ثقیل ہو کر زمین پر گرتے ہیں۔ اور البرد وہ قطرات ہیں جو بادل سے نکل کر ہوا میں منجمد ہو جاتے ہیں اور الثلوج وہ چھوٹے قطرات ہیں جو غیم (بادل رقیق) کے درمیان سے نکل کر سحاب (بادل ثقیل) کے ساتھ معمولی طور پر ٹکرا کر زمین پر گرتا ہے۔

ف: زمین کے اجزاء لطیفیہ کو دخان اور مائیہ کو بخار کہا جاتا ہے۔

ف: ابن التجید نے فرمایا کہ جب سورج خشک زمین پر چمکتا ہے تو اس کے اجزاء ناریہ زمین کے اجزاء میں حل جاتے ہیں۔ ان دونوں کی ترکیب سے دخان بنتا ہے۔

ف: شرح القانون میں ہے کہ دخان و بخار میں فرق یہ ہے کہ دخان کی ترکیب اجزاءِ ارضیہ و ناریہ سے اور بخار کی ترکیب اجزاءِ مائیہ و ہوائیہ سے ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے بخار دخان سے لطیف تر ہوتا ہے۔

فَيُصِيبُ بِهٖ پس اس برد وغیرہ سے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے پہنچاتا ہے۔ یہ باء تعدیہ کی ہے مَنْ يَّشَآءُ جس کے لیے چاہتا ہے کہ اس کی جان و مال اور کھیتی و ثمرات وغیرہ کا نقصان ہو وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ اور اسے باز رکھتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے کہ اسے اس کا کوئی نقصان نہ پہنچے اور وہ اس کے ضرر سے امن میں رہے يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ قریب ہے کہ بادل کی بجلی کی روشنی۔ السناء (بالقصر) بمعنے الضوء الساطع (و بالمد) بمعنے الرفعۃ والعلو۔ اور البرق بمعنے بادل کی روشنی۔

ف: القاموس میں ہے کہ البرق، البروق کا واحد ہے یا بادل کے فرشتے کی مار اور اس کا بادل کو متحرک کرنا تاکہ چل پڑے۔

ف: اخوان الصفاء میں ہے کہ برق وہ آگ ہے جو اجزاءِ دخانیہ بادل میں جا کر چمکتے ہیں۔

marfat.com

يُذْهِبُ بِالْاَبْصَارِ اور آنکھوں کو لے جاتی ہے۔ یعنی اپنی زیادہ روشنی اور بار بار لوٹنے سے آنکھوں کی روشنی کو چھین لے جاتی ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ وہ شے کو اس کی ضد سے ظاہر کرتا ہے۔ جیسے ابر آبدار سے آگ کے شعلے نکالتا ہے۔

يُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے بدلتا ہے یا یہ کہ ایک دوسرے کو گھٹا بڑھا کر بدلتا ہے یا ان کے احوال کو متغیر کرتا ہے۔ مثلاً سردی و گرمی اور ظلمت و روشنی و دیگر وہ امور جو ان میں واقع ہوتے ہیں منجملہ ان کے بادلوں کا چلنا پھرنا، ان سے بارش کا برسنا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

حدیث قدسی یوذینی ابن اٰدم بسبب الدھر وانا الدھر بیدی الامر اقلب اللیل والنھار۔

(ابن آدم دہر کو گالی دے کر مجھے ایذا دیتا ہے حالانکہ جملہ امور کا خالق میں ہوں اور رات و دن کو میں ہی بدلتا ہوں) کذا فی المعالم والوسیط۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ بے شک اس میں جس کی تفصیل اوپر گزری مثلاً بادلوں کا چلنا پھرنا اور رات دن کا بدلنا۔ لَعِبْرَةً عبرت ہے اس لیے کہ یہ وجود صانع قدیم کے وجود اور اس کی وحدت اور اس کی کمال قدرت اور جمیع اشیاء کو اس کے علم محیط ہونے اور اس کے نفاذ مشیت اور جو امور اس کی شان کے لائق نہیں لکے تنزہ پر واضح دلالت ہے۔

حل لغات : العبر بمعنے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متجاوز ہونا۔ اور العبرۃ بمعنے وہ حالت جو مشاہد کی معرفت سے غیر مشاہد کی طرف پہنچا سکے۔

لِاُولِي الْاَبْصَارِ ان لوگوں کے لیے جنہیں بصر حاصل ہے۔

ف : قلب کی قوتِ مدرکہ کو بصیرت و بصر کہا جاتا ہے اور عضو معروفہ پر بصیرت کا اطلاق بہت کم ہوتا ہے۔ کذا فی المفردات۔ یعنی جسے بصیرت نصیب ہے وہی ان امور سے مدبر حقیقی کی معرفت حاصل کرتا ہے اور اسے یقین ہوتا ہے کہ وہی قدرتِ کامل کا مالک ہے اور بہت بڑے علم والا ہے۔ ایسے دلائل سے وہ سمجھتا ہے کہ وہ واحد لاشریک ہے۔

ف : حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کون سی عبادت افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اس کی مخلوق میں تفکر اور اس کے دین کی سمجھ سب سے بڑی اور افضل عبادت ہے۔

marfat.ocm

ف : عبر اُفکار سے اور معتبر مثال سے ہوتا ہے۔ عاقل وہ ہے جو رات کی گھڑیوں اور دن کی ساعات سے عبرت حاصل کرے۔

ف : رابعہ قیسیہ رحمہا اللہ تعالیٰ فرماتی ہیں کہ میں جب اذان سنتی ہوں تو مجھے قیامت کی پکار یاد آجاتی ہے اور برف کو دیکھتی ہوں تو عملناموں کا ہاتھ میں ملنے کو یاد کرتی ہوں۔ اور ٹڈیوں کو دیکھتی ہوں تو حشر میں اٹھنا یاد آجاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت کریمہ میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معاصی و اخلاق کے متفرق بادلوں کو جمع کر کے ایک دوسرے پر ڈھیر لگا کر رکھتا ہے تو تم اس کے درمیان میں توبہ کی بارش کو ایسے دیکھتے ہو جیسے بادلوں سے بارش خارج ہوتی ہے۔ عصیٰ اٰدم ربہ فغوی کی تعبیر بھی اسی طرح ہے کہ ان کی لغزش کا ڈھیر توبہ کی بارش سے مٹ گیا۔ کما قال تعالیٰ :

ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ وھدی۔

انسان کا مادہ نسیان سے ہے اور شر بشر کا جزو ہے۔ جب انسان گناہ میں مبتلا ہو جائے اسے طلب عفو میں ہمت کرنی چاہیے اور رحمتِ باری تعالیٰ تو گڑگڑا کر مانگنی چاہیے۔ اپنے کسی گناہ کو بڑا نہیں سمجھنا چاہیے، نہ ہی یہ گمان کرنا چاہیے کہ وہ کریم اس کے گناہ نہیں بخشے گا۔ بلکہ یہ یقین کرنا چاہیے کہ وہ کریم تو ازل سے غفار و تواب ہے اور جب بشر نہیں تھا تب بھی وہ غفار و تواب تھا تو اب بھی وہی تواب و غفار ہے بایں معنیٰ کہ انسان سے خطا کا صدور ہوا اگرچہ یہ بشر اور خطا حادث ہیں لیکن اس کی غفاریت و توابیت قدیم اور ازلی ہے۔ اس لیے گناہ و خطا کے بعد مایوس نہ ہو بلکہ اس کی رحمت اور عفو و کرم سے پُر امید ہو۔ حضرت حافظ نے فرمایا : ؎

سہو و خطائے بندہ گرش نیست اعتبار
معنئ عفو و رحمت آمرزگار چیست

ترجمہ : اگرچہ بندے کے سہو و خطا کا کوئی اعتبار نہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عفو و رحمتِ پروردگار کا معنیٰ کیا ہے!

(وہ یہی کہ بندے کے سہو و خطا کو معاف فرمادے)

سماء القلب سے اور اس کی قساوۃ سے جس میں جمود ہے اور اس سے ہی قہرِ حق کا نزول ہوتا ہے وہ نازل فرماتا ہے جس اہلِ شقاوت کے لیے قہرِ حق کی برد کا نزول چاہتا ہے اور اہلِ سعادت میں سے جس کے لیے چاہتا ہے اسے دور رکھتا ہے قریب ہے کہ برقِ قہرِ الٰہی کی چمک بصائر کو چھین کر لے جائے

marfat.com

جس کے لیے چاہتا ہے تو اس کے قلب کی معصیت کی رات کو نہار طاعت سے بدل دیتا ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام کے قلب کو طاعت کی توفیق بخشی اور جس کے لیے چاہتا ہے اس کے نہار طاعت کو معصیت کی رات سے بدل دیتا ہے جیسے ابلیس کے قلب کو معصیت سے تبدیل کر دیا۔ اس تقلیب میں اہلِ بصائر کو عبرت حاصل ہوتی ہے بایں طور کہ وہ اپنے قلوب کے آئینے میں رب تعالیٰ کے لطف و قہر کے آثار کا مشاہدہ کرتا ہے۔ کذا فی التاویلات النجمیہ۔

تفسیر عالمانہ وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ الدب والدبیب بمعنے آہستہ چلنا۔ اس کا استعمال حیوانات پر ہوتا ہے اور اکثر و بیشتر حشرات پر۔ کذا فی المفردات۔

یہاں پر ہر زمین پر چلنے والے کے لیے استعمال نہیں ہوا بلکہ اس کا اطلاق اس حیوان پر ہے جو زمین پر چلے اور اس کا مسکن بھی زمین ہو۔ اس سے ملائکہ دور نکل گئے کیونکہ ان کی تخلیق نور سے ہے ایسے ہی جن بھی، کیونکہ ان کی تخلیق نار سے ہے۔

فتح الرحمٰن میں ہے کہ دابہ ہر اس حیوان کو کہا جاتا ہے جس کا دنیا میں مشاہدہ ہو سکے۔ اس سے ملائکہ اور جن خارج ہو گئے اس لیے کہ ان کا دنیا میں مشاہدہ نہیں ہو سکتا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو پیدا فرمایا جو زمین پر چلتے ہیں۔

مِنْ مَّآءٍ پانی سے۔ اس سے اس کے مادہ کا جز مراد ہے یعنی اربعہ عناصر کا ایک عنصر اس کی تنوین وحدۃ الجنسیۃ کی ہے۔ اس میں آدم علیہ السلام بھی داخل ہیں اگرچہ ان کی تخلیق مٹی سے ہے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی، اگرچہ ان کی تخلیق روح سے ہے۔ یا ماء سے مخصوص پانی یعنی نر و مادہ کا نطفہ مراد ہے۔ اس معنے پر یہ تنوین وحدۃ نوعیۃ کی ہوگی اور اکثریت کا اعتبار کر کے ایسے ہی فرمایا ورنہ بہت سے حیوان ایسے ہیں جو نطفہ سے پیدا نہیں ہوتے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تبیان میں روایت منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جوہر پیدا فرما کر اس پر نگاہِ ہیبت ڈالی تو وہ جوہر پگھل کر پانی بن گیا پھر جس پر آگ کا غلبہ دیا اس سے جن پیدا فرمائے اور جس پر ہوا کا غلبہ دیا اس سے ملائکہ بنائے اور جس پر مٹی کا غلبہ دیا اس سے آدمی و دیگر حیوانات پیدا کئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر شے کا اصل مادہ پانی ہے۔

ف : الکواشی میں ہے کہ ماء کی تنکیر بتاتی ہے کہ ہر حیوان مخصوص پانی یعنی نطفے سے پیدا ہوا۔

خلاصہ یہ کہ جن و ملائکہ کے سوا باقی جملہ حیوانات پانی سے پیدا کئے گئے ہیں۔

سوال : یہ معنیٰ تب صحیح ہو سکتا ہے جب ماء تنوین کے ساتھ ہو حالانکہ دوسرے مقام پر اسے الف لام

marfat.ocm

کے ساتھ لایا گیا ہے۔ کما قال :

وجعلنا من الماء کل شئ حی۔

جواب : یہ الف لام جنس کا ہے اس لیے کہ جملہ مخلوق کی تخلیق پانی سے ہے۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا فرمایا پھر اس کا ایک حصہ ہوا میں تبدیل کر دیا۔ تو اس سے ملائکہ پیدا ہوئے۔ ایک حصہ آگ کا بنایا تو اس سے جنات پیدا ہوئے۔ ایک حصہ مٹی میں تبدیل ہوا تو اس سے آدمی و دیگر حیوانات پیدا ہوئے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ :

یشیر الی ان کل ذی روح خلق من نور محمد علیہ السلام لان روحہ

ہر شے محمد کے نور سے (صلی اللہ علیہ وسلم)

اوّل شئ تعلقت بہ القدرۃ۔

(اس میں اشارہ ہے کہ ہر ذی روح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئی کیونکہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق حضور علیہ السلام کی روح سے ہوا)

کما قال :

اوّل ما خلق اللہ روحی۔

(سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح پیدا کی)

ف : چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ موجودات کے صدف کا جوہر ہیں اس لیے آپ کی روح اقدس کو درہ اور جوھرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لما اراد اللہ ان یخلق العالم خلق درۃ۔

(جب اللہ تعالیٰ نے عالم کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے ایک موتی بنایا)

یہاں پر درۃ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ اقدس مراد ہے۔

ایک روایت میں خلق جوھرۃ وارد ہوا ہے (یہاں بھی جوھرۃ سے حضور علیہ السلام کی روحِ اقدس مراد ہے)

حدیث شریف : ثم نظر الیھا بنظر الھیبۃ فصارت ماء۔ (پھر اس پر ہیبت کی نگاہ ڈالی تو وہ موتی پانی ہو گیا)

marfat.com

پھر تمام ارواح کو اسی پانی سے پیدا فرمایا۔

سوال: جملہ مخلوق کو پانی سے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: پانی سے عجیب تر اور کوئی مخلوق نہیں، اور پھر یہ جملہ مخلوق سے نرم تر ہے کہ اسے جس طرح چاہو عمل میں لا سکتے ہو یہاں تک کہ اسے ہاتھ پر رکھا جاتا ہے لیکن سرزور بھی ہے کہ اس پر مکان نہیں بنایا جا سکتا اور نہ ہی براہِ راست اس سے کوئی شے بن سکتی ہے جب تک اس کے ساتھ اور کوئی شے نہ ملائی جائے بخلاف دوسری اشیاء کے کہ ان سے ہر طرح کی چیزیں تیار کی جا سکتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بتایا کہ جس پانی سے تم کوئی شے نہیں بنا سکتے اسی سے وہ قادرِ مطلق ہر شے پیدا فرماتا ہے۔ اس لیے مخلوق پر لازم ہے کہ اس کی قدرت پر ایمان لائے۔ کذا فی تفسیر ابی اللیث علیہ الرحمۃ۔

تفسیر عالمانہ

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى بَطْنِهٖ ان میں بعض ایسے ہیں جو پیٹ پر چلتے ہیں جیسے سانپ مچھلی وغیرہما۔

سوال: مشی تو پاؤں سے چلنے کو کہا جاتا ہے اور سانپ وغیرہ کے تو سرے سے پاؤں ہوتے ہی نہیں، تو پھر ان پر یمشی کا اطلاق کیسا؟

جواب: مجازاً ان پر مشی کا اطلاق ہوا ہے وہ اس لیے کہ ان کا ذکر ان چیزوں کے ساتھ ہوا ہے جو پاؤں پر چلتی ہیں۔ اسی مناسبت سے مجازاً ان پر مشی کا اطلاق ہوا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ سانپ وغیرہ پیٹ کے بل چلتے ہیں اور چونکہ اس طرح سے ان کا مقصد بھی مسافت کو طے کرنا ہے۔ اسی مناسبت سے ان پر مجازاً مشی کا اطلاق ہوا کہ پاؤں سے مسافت طے ہو تو مشی ہے تو وہ حقیقت ہے۔ اگر کسی دوسرے طریق سے مسافت ہو تو وہ مجاز ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى رِجْلَيْنِ اور ان میں بعض وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں جیسے انسان اور جن اور پرندے وغیرہ۔ کما فی الجلالین

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى اَرْبَعٍ اور بعض ان میں وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں جیسے جانور اور وحشی وغیرہ۔

سوال: بعض حیوانات ایسے بھی ہیں جو چار پاؤں سے زاید سے بھی چلتے ہیں جیسے مکڑی و دیگر حشرات الارض۔

جواب: (۱) یہ قلیل ہیں اور قلیل کالمعدوم ہوتے ہیں۔ کذا فی الارشاد۔

(۲) فتح الرحمٰن میں ہے کہ یہ چار پاؤں پر چلنے والوں میں شامل نہیں اس لیے کہ ان کی ظاہری صورت انہی کی مانند ہوتی ہے کہ گویا وہ چار پاؤں پر چل رہے ہیں کما فی الکواشی۔

marfat.ocm

اوران میں جمع مذکر عقلاء کی ضمیر محض تغلیباً ہے اور لفظ مِنْ سے مختلف اصناف کا ذکر اس لیے ہے تاکہ اجمال تفصیل کے موافق ہو۔ اور ترتیب بھی عجیب وغریب ہے اس لیے کہ پہلے ان حیوانات کا ذکر ہے جو پاؤں کے بغیر پیٹ کے ذریعے قطعِ مسافت کرتے ہیں، پھر ان کا ذکر ہے جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، پھر ان کا جو چار پاؤں پر چلتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ وہ بہت قدرت کا مالک ہے کہ وہ اشیاء پاؤں کے بغیر بھی چلا سکتا ہے اور پاؤں ہوں تو دو سے بھی کام چل سکتا ہے اور دو سے زائد سے بھی۔

یَخْلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ اللہ جسے چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے جیساکہ مذکور ہوا اور بعض ایسی چیزیں پیدا ہوں گی جن کا ذکر نہیں ہوا۔ اس کی بعض مخلوق بسیط اور بعض مرکب ہے۔ اس نے جیسے چاہا پیدا فرمایا۔ بعض مخلوق کو صورت بخشی اور اعضا عطا فرمائے اور ہیئاتِ عجیبہ سے نوازا، انہیں حرکات عطا فرمائیں۔ طبائع و قوٰی سے نوازا باوجودیکہ عناصر سب کے متحد ہیں۔ صاحبِ حدیقہ نے فرمایا: ؎

اوست قادر بہرچہ خواہد وخواست
کارہا جملہ نزد او پیداست

ترجمہ: وہ قادر ہے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔ تمام کام اس کے نزدیک ظاہر ہیں۔

کسی نے فرمایا: ؎

نقشبند برون کلہا اوست
نقش دان درون دلہا اوست

ترجمہ: جملہ نقوش ظاہری کا وہی نقشبند ہے۔ لیکن حقیقی نقش وہی ہیں جو دل کے اندر ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بے شک وہ ہر شے پر قادر ہے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ بے شک ہم نے واضح نشانیاں نازل فرمائیں یعنی احکام دینیہ واسرارِ تکوینیہ میں سے وہ امور جن کا بیان کرنا لائق ہے وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اور اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے یعنی اسے نظرِ صحیح کی توفیق اور آیات مبیّنات میں تامّل کرنے کی رہبری فرماتا ہے اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ صراطِ مستقیم سے اسلام مراد ہے کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور اسی سے ہی اس کی رضا اور جنت کا راستہ نصیب ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کی سیرت کی خبر دی ہے جو پانی سے پیدا ہوئے چنانچہ فرمایا:

فمنھم من یمشی علیٰ بطنہ یعنی ان کی سیرت یہ ہے کہ وہ پیٹ کی شہوات کی تحصیل میں عمر برباد کرتے ہیں

ومنھم من یمشی علیٰ رجلین یعنی ان کی سیرت یہ ہے کہ فرج کی شہوات کی تحصیل میں عمر ضائع کرتے ہیں اس لئے کہ ہر حیوان جب شہوت کو پورا کرتا ہے تو مباشرت کے وقت دو پیروں پر چلتا ہے اگرچہ وہ چار پیروں والا ہی ہو۔ ومنھم من یمشی علیٰ اربع یعنی ان کی سیرت یہ ہے کہ مرتبہ اور جاہ وجلال کی طلب پر چار پاؤں والی سواری پر سوار ہو کر چلتا ہے اس لیے کہ عموماً مرتبہ اور جاہ وجلال کی طلب میں ایسے لوگ ایسی سواریوں پر سوار ہو کر چلتے ہیں جو چار پاؤں پر چلتی ہیں جیسے گھوڑا، خچر اور گدھا۔ کما قال تعالیٰ: والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ یخلق اللہ ما یشاء۔ یعنی ان کے علاوہ دیگر وہ سواریاں جن کا تمہیں علم نہیں، جن کے متعلق ازل میں لکھا جا چکا تھا اور ان کا پیدا ہونا حکمت ومشیتِ ایزدی کے مطابق ہے اور یہ تخلیق اظہارِ قدرت کے لیے ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ ہر قسم کی مخلوق پیدا کرنے پر قادر ہے۔

حکایت ہارون الرشید نے ایک دن بازی اشہب کو آسمان پر کسی شکار کے پیچھے دوڑایا لیکن وہ خلا میں ایسا گم ہوا کہ ایک عرصہ تک واپس نہ آیا۔ مایوسی کے بعد ایک دن واپس آیا تو مچھلی لایا۔ علماءِ کرام کو بلایا گیا تاکہ اس کا حل بتائیں۔ ان میں مقاتل نے فرمایا آپ کے دادا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ خلائے آسمان میں بھی مختلف قسم کی مخلوق ہے جو انڈے اور بچے دیتی ہے جو مچھلی کی ہیئت پر ہوتی ہے۔ اس کے پر ہوتے ہیں۔ ہارون الرشید مقاتل کے اس جواب سے خوش ہوا اور اسے انعام سے نوازا۔

لقد انزلنا اٰیٰت مبیّنٰت ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا جس کی آیات واضح اور روشن ہیں اور ہم نے انسان کی مختلف قسمیں پیدا فرمائیں یعنی ان کے مختلف اوصاف بنائے اگر ہم انھیں ان کی فطرت کے حوالے کر دیتے تو ان میں کوئی بھی ہدایت نہ پاتا اور نہ ہی کوئی اپنی مشیت وارادہ پر ہدایت پا سکتا ہے واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراطٍ مستقیم اور اللہ تعالیٰ اپنے سیدھے راستہ کے لیے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے پھر وہی مشیتِ ازلیہ الٰہیہ کے مطابق حضرتِ حق کی طرف پہنچتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سیدھے راستہ کی ہدایت اور جادۂ تحقیق کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالرَّسُوْلِ اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لاتے ہیں۔

شانِ نزول: بشر منافق کے حق میں نازل ہوئی جس نے یہودی کے ساتھ زمین کے بارے میں جھگڑا کیا تو منافق کہتا کہ کعب بن اشرف یہودیوں کا عالم فیصلہ کرے گا لیکن یہودی کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ فرمائیں گے۔

صیغہ جمع میں اشارہ ہے کہ اس کی موافقت کرنے والا ایک گروہ تھا۔ جیسے کہا جاتا ہے: بنو فلان قتلوا فلاناً۔

marfat.ocm

یہاں جمع کا صیغہ ہے حالانکہ قائل صرف ایک ہوتا ہے۔

وَ اَطَعْنَا اور ہم نے اوامر و نواہی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی۔ الاطاعۃ بمعنے وُہ فعل جو کسی کے حکم پر کیا جائے۔ اس لیے کہ اطاعۃ انقیاد کے معنے میں آتی ہے اور انقیاد امر کے بعد ہوتا ہے۔ ہاں عبادت وغیرہ میں امر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ثُمَّ یَتَوَلّٰی پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کرنے سے رُوگردانی کرتا ہے۔

قاعدہ : امام راغب نے لکھا کہ لفظ تولّٰی جب متعدی بلا واسطہ ہو تو بمعنے ولایت آتا ہے۔ ایسے معانی میں استعمال ہوتا ہے جس کا حصول اقرب المواضع ہو۔ اور جب لفظ عن سے متعدی ہو خواہ وہ لفظوں میں ہو یا مقدر ہو تو اعراض و ترک قرب کے معنی میں مستعمل ہے اور الولی بمعنے القرب ہے۔

(۲) کبھی تولّٰی جسم کے ساتھ ہوتی ہے اور کبھی ترک اصغاء و ائتمار سے۔

ف : یہ ثُمّ تراخی زمانی کا ہے۔ یا اس لیے کہ ان کا اٰمنّا و اطعنا صرف زبانی ہے۔ حقیقی اٰمنّا و اطعنا کا معنیٰ ان سے کوسوں دور ہے۔

فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ ان قائلین کا ایک گروہ۔

المفردات میں ہے کہ الفرق بمعنے وُہ ٹکڑا جو کسی دوسری جماعت سے کٹ کر علیحدہ ہو جائے۔ اس لیے اس جماعت کو فرقہ کہا جاتا ہے جو جمہور سے علیحدہ ہو جائے۔ اور فریق وہ جماعت جو کسی دوسری جماعت کے بالمقابل ہو۔

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ اس مذکور قول کے بعد وَ مَآ اُولٰٓئِکَ یہ اشارہ قائلین کی طرف ہے اس لیے کہ ان سے ایمان کی نفی کا تقاضا یہ ہے کہ فریق متولّٰی کی نفی ہو۔ اس کے برعکس اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو ایمان و طاعت کا دعویٰ کرتے ہیں پھر ان کے بعض ہم اعتقاد و عمل منہ پھیرتے ہیں تو ایسے لوگ نہیں ہیں بِالْمُؤْمِنِیْنَ حقیقی مومن جیسا کہ اس پر الف و لام کا دخول دلالت کرتا ہے کیونکہ مُومن حقیقی وہ ہیں جنہیں ایمان میں اخلاص اور اس پر ثابت قدمی حاصل ہو وَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ اور جب وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کریں بَیْنَھُمْ ان کے درمیان، اس لیے کہ حقیقی فیصلہ کرنے والا رسولِ خدا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگرچہ حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر حضور علیہ السلام کے ذکر کی تعظیم کے لیے ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مرتبہ ہے اور حکم کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی شے کا فیصلہ اس طرح ہونا چاہیے جیسا کہ اس کا تقاضا ہو، خواہ دوسرا اسے قبول کرے یا نہ کرے اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مُّعْرِضُوْنَ اچانک ان

marfat.com

ان لوگوں میں سے ایک گروہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے رُوگردانی کرتا ہے ۔ وہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام کا فیصلہ ان کی خواہشات کے خلاف تھا اور انھیں یقین تھا کہ فیصلۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہوتا ہے کیونکہ آپ رشوت تو لیتے نہیں تھے ۔ یہ جملہ تولّی کی شرح اور اس میں مبالغہ کا بیان ہے معوضون اعرض سے ہے بمعنے اظہر عوض ای ناحیتہ ۔ یعنی فلاں نے فلاں کو اپنا کنارہ ظاہر کیا۔ وَاِنْ یَّکُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ اگر حق ان کے لیے ہو یعنی فیصلہ اگر ان کے فائدہ کے لیے ہو یَاْتُوْٓا اِلَیْهِ اِلیٰ، یاتوا کا صلہ ہے اس لیے کہ یاتی اور یجی (فعل مطلق) الیٰ سے متعدی ہوتے ہیں یعنی اس کی طرف آئیں گے مُذْعِنِیْنَ فرمانبردار ہوکر، اس لیے کہ انھیں یقین ہوگا کہ حضور علیہ السلام نے ان کے فائدے کا فیصلہ فرمایا ہے فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یہ انکار ہے اور ان کے اعراض مذکور کی قباحت کا اظہار اور اس کے اصلی منشا کا بیان ہے یعنی وہ اعراض ان کا قلبی مرض ہے اور وہ کفر و نفاق کی وجہ سے قلب (باطنی) مریض تھے اَمِ ارْتَابُوْٓا یا اس لیے کہ اُنھوں نے نبوت کے متعلق شک و شبہ کا اظہار کیا حالانکہ نبوت شک و شبہ کا محل نہیں کیونکہ اس کی حقیقت واضح ولائح ہے ۔ اَمْ یا اس لیے کہ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ انھیں خوف ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کرتے ہوئے ظلم کریں الحیف بمعنے جور و ظلم۔ اور فیصلہ میں دو جانبوں میں سے ایک جانب کی طرف مائل ہونا۔ جیساکہ کہاجاتا ہے :

حاف فی قضیتہ ۔

یعنی اس نے اپنے فیصلہ میں ظلم کیا ۔

اس کے بعد اعراض فرمایا اور بتایا کہ صرف یہی وجہ نہ تھی بلکہ ان کی اصلی منشا کچھ اور تھی اور وہ ان کے جملہ شنیع امور سے بدتر تھی وہ یہ کہ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ بلکہ وہی لوگ ظالم ہیں یعنی مذکورہ بالا دونوں وجوہ سے کوئی ایک وجہ بھی نہیں اس لیے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے حق کے لانے کے وقت اعراض نہیں کیا بلکہ ان میں تحقق، نفاق اور شک کی وجہ سے بظاہر حضور علیہ السلام کے سامنے گردنیں جھکا لیتے تھے ۔ اور دوسرا یہ کہ انہیں حضور علیہ السلام سے ظلم کا خطرہ بھی نہیں تھا اور انہیں یقین تھا کہ حضور حق پر ثابت قدم ہیں آپ پر معمولی وہم بھی نہیں کیاجاسکتا کہ آپ کو معمولی لغزش بھی آئے ۔ جب یہ باتیں حضور علیہ السلام میں نہیں تو ثابت ہوا کہ وہ لوگ ظالم ہیں ۔ بلکہ ان کا ارادہ تھا کہ اہلِ حق پر ظلم ڈھائیں۔ اور چاہتے تھے کہ حق والوں کا حق کھاجائیں، اسی لیے حضور علیہ السلام سے فیصلہ کرانے سے کتراتے تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ حضور علیہ السلام جو فیصلہ کریں گے وہ حق ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ دونوں کے امور مذکورہ سے اعراض سے نتیجہ نکلا کہ ان

(باقی بر صفحہ ۲۶۶)

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا
مسلمانوں کی بات تو یہی ہے جب اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے کہ عرض
وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝٥١ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ
کریں ہم نے سنا اور حکم مانا اور یہی لوگ مراد کو پہنچے اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝٥٢ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ
کرے تو یہی لوگ کامیاب ہیں اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنے حلف میں حد کی کوشش سے کہ اگر تم انہیں حکم دو گے
لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُلْ لَا تُقْسِمُوا ۖ طَاعَةٌ مَعْرُوفَةٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝٥٣
تو وہ ضرور جہاد کو نکلیں گے تم فرماؤ قسمیں نہ کھاؤ موافق شرع حکم برداری چاہیئے اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا
تم فرماؤ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ پھیرو تو رسول کے ذمہ وہی ہے جو اس پر لازم کیا گیا اور تم پر وہ
حُمِّلْتُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝٥٤ وَعَدَ اللَّهُ
ہے جس کا بوجھ تم پر رکھا گیا اور اگر رسول کی فرماں برداری کرو گے راہ پاؤ گے اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا اللہ نے
الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا
وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا
اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ
جیسی ان سے پہلوں کو دی اور ضرور ان کے لیے جما دیگا ان کا وہ دین جو ان کے لیے پسند فرمایا ہے
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ
اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دے گا میری عبادت کریں میرا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں
وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝٥٥ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
اور جو اس کے بعد ناشکری کرے تو وہی لوگ بے حکم ہیں اور نماز برپا رکھو اور زکوٰۃ دو
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝٥٦ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ
اور رسول کی فرمانبرداری کرو اس امید پر کہ تم پر رحم ہو ہرگز کافروں کو خیال نہ کرنا کہ وہ کہیں ہمارے قابو سے
فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۖ وَلَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝٥٧ ع ٧ ١٢
نکل جائیں زمین میں اور ان کا ٹھکانا آگ ہے اور ضرور کیا ہی برا انجام

marfat.com

۲۶۴
(ص سے آگے) لوگوں میں وہی قبائح موجود تھے اور تیسرا یہ بھی تھا کہ وہ ظالم تھے اور چوتھا یہ کہ یہ جملہ امور ان کی ذات میں راسخ ہو چکے تھے کہ ان سے ان کا باز آجانا بظاہر مشکل تھا۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ قول المؤمنین، کان کی خبر ہے۔ اسی لیے منصوب ہے اور اس کی خبر ما اپنے مابعد سے مل کر محلاً مرفوع ہو کر ان کا اسم ہے۔ بے شک ہوتا ہے اہلِ ایمان کا قول اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ جب انھیں اللہ جلالہٗ و رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بلایا جاتا ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا فیصلہ فرمائیں بَيْنَهُمْ جو کہ ان کے مخالفوں کے درمیان ہے ان کے مخالف اپنے ہیں یا پرائے اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَاؕ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ہمیں پہنچی ہم نے اسے سُن کر قبول کیا اور جیسے ان کا حکم ہے ہم اسی طرح تہ دل سے عمل کریں گے اور یہ لفظ اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر کے لیے مستعمل ہے کما فی فتح الرحمٰن۔ وَاُولٰٓئِكَ جن لوگوں کا ابھی ذکر ہُوا وہی لوگ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اپنے ہر مطلب میں کامیاب اور ہر خطرہ سے نجات پانے والے ہیں۔ المفردات میں ہے کہ الفلاح بمعنے الظفر و ادراک البغیہ (یعنی فتحمندی اور مقصد حاصل کرنا) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کی اطاعت کرتا ہے جیسے ان کا حکم ہوتا ہے احکامِ شرعیہ سے وہ احکام لازمہ ہوں یا متعدیہ ان کے ہر طرح کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے اس پر کاربند ہونے کی کوشش کرتے ہیں وَيَخْشَ اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے کہ کہیں اس کی گزرے ہُوئے گناہوں پر گرفت نہ ہو وَيَتَّقْهِ اور وہ اپنی بقایا عمر کے لیے بھی ڈرتا رہتا ہے۔ در اصل یتقیہ تھا' یا' کو عامل جازم کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے یتقہ بکسر القاف والھاء ہُوا اس کے بعد علیٰ خلاف القیاس قاف کو ساکن کیا گیا اس لیے کہ اب وُہ فعل کا ہم وزن ہو گیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ ہر وہ لفظ فعل (وزن) جو صورۃً ایک کلمہ ہو جیسے کتف' تو اس کی عین کو ساکن پڑھا جاتا ہے۔ پھر جو بھی اس کے وزن پر آئے خواہ وہ ایک کلمہ ہو یا علیحدہ علیحدہ، تو اسے بھی کتف پر محمول کرتے ہُوئے اس کی عین کو ساکن پڑھنا جائز ہے جیسے یہی یتقہ (اس کی یا' مضارع کو چھوڑ کر) کتف کا ہم وزن ہے اسی بنا پر اس کی عین کو ساکن پڑھا گیا ہے فَاُولٰٓئِكَ یہی لوگ جو طاعت و خشیۃ و اتقاء سے موصوف ہیں هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ وہی ہمیشہ کی نعمتوں پر کامیاب ہیں بخلاف ان کے غیروں کے کہ انہیں دائمی نعمتوں سے نہیں نوازا گیا۔ الفوز بمعنے الظفر مع حصول السلامۃ۔ کما فی المفردات۔

marfat.ocm

حکایت کشاف میں ہے کہ کسی بادشاہ نے کسی عالمِ دین سے پُوچھا کہ کوئی ایسی بات بتائیے کہ جس پر عمل کرنے سے دوسری آیات پر عمل کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ اس عالمِ دین نے یہی آیت پڑھی۔ جب دوسرے علماءِ کرام کے سامنے اس عالمِ دین کا جواب پیش ہُوا تو سب نے مان لیا کہ واقعی اس نے صحیح فرمایا کیونکہ فوز و فلاح فرمانبرداری اور مشیّتِ الٰہی و تقویٰ میں ہے ؎

اینک رہ اگر مسجد اقصیٰ طلبی
وینک عمل ار رضائے مولیٰ طلبی

ترجمہ: یہی حقیقی راہ اگر حقیقی مقصد کی طلب رکھتے ہو اور عمل خالص یہی ہے اگر رضائے حق کے طالب ہو۔

مسئلہ: ادائے فرائض و اجتناب محارم میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ جس امر کا حکم فرمائے اس کے لیے سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیے۔

چکڑالوی اور پرویزی کا رد (ہمارے دور کے منکرینِ حدیث رسول کی طاعت یا اس کے حکم کے منکر ہیں صاحبِ روح البیان ان کے رد میں پہلے فرما گئے کہ:[1])

قال ابن عطاء رحمہ اللہ الدعوۃ الی اللہ بالحقیقۃ والدعوۃ الی الرسول بالنصیحۃ فمن لم یجب داعی الرسول ضل وسبب عدم الاجابۃ المرض۔

ترجمہ: ابن عطاء نے فرمایا کہ دعوتِ الی اللہ دعوتِ الی الرسول ہے کیونکہ جو داعی رسول کو مانتا وہ گمراہ ہے اسکے نہ ماننے کی اصل وجہ اس کی اندرونی بیماری ہے۔

ف: حضرت امام راغب نے فرمایا کہ مرض بمعنے اعتدال خاص کی حد سے نکلنا۔ اور یہ دو قسم ہے:

۱۔ جسمانی مرض، جسے اللہ تعالیٰ نے ولا علی المریض حرج میں بیان فرمایا۔

۲۔ روحانی مرض، اس سے رذائل جیسے جبن، بخل، نفاق مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا میں بیان فرمایا ہے۔

نکتہ: نفاق و کفر وغیرہما کو مرض سے تشبیہ دینے میں اشارہ ہے کہ جیسے مرض انسان کے بدن کو تصرف کامل سے روکتا ہے ایسے ہی یہی رذائل یعنی کفر و نفاق وغیرہما اوراک خصائل سے مانع ہیں۔ یا اس لیے کہ یہ رذائل تحصیل حیاتِ اخرویہ جسے آیت وان الدار الاٰخرۃ لھی الحیوان میں بیان کیا گیا ہے، سے روکتے ہیں یا اس لیے کہ جیسے ضرر رساں اشیاء کے میلان سے انسان کے بدن کو نقصان پہنچتا ہے۔ ایسے ہی نفس انسانی کا ان رذائل کی طرف رغبت کرنے سے اس کا باطنی نقصان ہوتا ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.com

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تابعا لما جئت بہ ۔

(تم میں کوئی ایک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ میرے لائے ہوئے احکام کا پورے طور تابع نہ ہو)

شرح : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ کمالِ ایمانی کے درجات کو پہنچ سکتا ہے جب تک کہ اس کی نفسانی خواہشات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام اور آپ کی سیرت و ہدایت کے تابع نہ ہو جائیں۔

تفسیر صوفیانہ حقیقی اطاعت و اجابت یہ ہے کہ انسان ماسوی اللہ کو ترک اور اس سے مکمل طور روگردانی کرے، اس لیے کہ جو بھی غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ بے شمار آفات و بلیات کا شکار ہو جاتا ہے۔ آفات و بلیات کا شکار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل کا مزاج اس فطرت سے پھر جاتا ہے جس پر اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ یعنی وہ حُبِ الٰہی و حُبِ آخرت سے محروم ہو کر اہلِ ہوا و متبدعین کے کہنے پر دین میں شک و شبہ کرنے لگ جاتا ہے۔ یعنی فلاسفہ اور دہریوں کی تقلید کا پھندہ اس کے گلے کا ہار بن جاتا ہے۔ پھر وہ ڈرتا ہے کہ کہیں اس سے ترک دنیا کا حکم نہ ہو اور نہ ہی اس کے نفس کو خواہشات سے روکنے کا امر ہو جائے۔ بلکہ اب اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ مجاہدات و ریاضات سے نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ ہوتا ہے اور جب تک تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب نہ ہو روح اخلاقِ حق کے زیورات اور وصول الی الحضرۃ کا مقام نصیب نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی للذین احسنوا الحسنیٰ و زیادۃ کے وعدہ سے اسے کچھ نصیب ہوتا ہے اور عدم ادائیگی حقوقِ الٰہی کی وجہ سے ہر وقت سزا پائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ کما قال :

ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ ۔

تفسیر عالمانہ وَاَقْسَمُوْا اور منافقوں نے قسم کھائی۔ یہ دراصل القسامۃ سے ہے۔ ان لوگوں کے قسم کھانے کو کہا جاتا ہے جن پر کسی کے قتل کی تہمت ہو۔ پھر ہر قسم پر اس کا اطلاق ہونے لگا جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ الجھد بالفتح بمعنے طاقت۔ لغت میں بمعنے طاقت اور اصطلاح شرع میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ خبر کی دو طرفوں میں سے ایک طرف کو قوت دینا۔

امام راغب نے کہا حلف میں یمین ید سے مستعار ہے باعتبار اس کے کہ اسے مجاہد و معاہد اپنی طرف سے کرتے ہیں۔

marfat.ocm

الارشاد میں ہے کہ جھد کی نصب مصدر ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے کہ وہ اپنے مذکور فعل کی تاکید کرتا ہے اور وہ نصب کے حیز میں ہے کیونکہ وہ اقسموا کے فاعل سے حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں درانحالیکہ وہ اپنی قسموں میں جدو جہد کرتے ہیں۔ اور جہد الیمین کا مطلب یہ ہے کہ قسم اپنے انتہا کو پہنچ گئی ہے جھد نفسہ سے استعارہ ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنی وسعت و طاقت کی انتہا کو پہنچے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ شدۃ اور سختی میں وہ یمین کے آخری مراتب تک پہنچنے کی جدو جہد کرتے ہیں۔ مثلاً جو شخص کہے: اقسم باللہ۔ تو اس وقت اس کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے قسم میں پوری جدو جہد کی ہے۔ اور استعارہ کا مطلب یہ ہے کہ جب قسم میں اتنی وسعت و طاقت نہ تھی لیکن منافقین نے اسے طاقت و وسعت کی انتہا تک پہنچایا۔ یہ دراصل یجھدون ایمانھم جھد افعل کو حذف کر کے مصدر کو مقدم کیا گیا ہے پھر اسے اپنے فعل کے قائم مقام رکھ کر اپنے مفعول کی طرف مضاف کیا گیا ہے جیسے ضرب الرقاب میں مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ منافقوں کی اللہ تعالیٰ کی سخت ترین قسم کھائی۔

لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ اگر آپ انھیں جہاد کے لیے گھروں سے نکلنے کا حکم فرمائیں اس لیے کہ انھوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ہم ہر وقت آپ کے حکم کے پابند ہیں اور ہر وقت آپ کے ساتھ ہیں اگر آپ گھر سے باہر تشریف لے جائیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے اگر آپ گھر پر رہیں گے تو ہم بھی گھر پر رہیں گے اگر آپ ہمیں جہاد کا حکم فرمائیں گے تو بسروچشم آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ہم جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ لَيَخْرُجُنَّ یہ اقسموا کا جواب ہے اس لیے لئن امرتھم کی لام قسم پر دلالت کرتی ہے اور قاعدہ ہے جو جملہ شرط کے بعد مذکور ہوگا تو قسم کا جواب نہ ہوگا نہ کہ شرط کی جزا۔ ہاں ایسے مقام پر شرط کی جزا محذوف ہوتی ہے پھر وہی جواب قسم جزاء پر دلالت کرتی ہے۔ یہاں پر چونکہ جواب قسم اور جزائے شرط ایک دوسرے کی مماثل ہیں۔ بناءً بریں ان میں سے ایک یعنی جوابِ قسم پر اکتفا کیا گیا ہے۔

ف: ان کا یہ مقولہ جھوٹا تھا اور قسم بھی جھوٹی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ ان کی قسم اور ان کے مقولے کو ان کے منہ پر مار دو۔ کما قال:

قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا اپنے دعویٰ طاعت پر قسمیں نہ کھاؤ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ط یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اور جملہ نہی کی تعلیل ہے یعنی تمہاری طاعت مشہور و معروف ہے یعنی تم صرف زبانی جمع کرتے ہو۔ تمہارے اقوال تمہارے قلبی عزائم کے موافق نہیں۔

ف: ان کی طاعت کو معروفہ سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ ان کے عادات و اطوار اتنے عیاں تھے کہ

marfat.com

عرب کا بچہ بچہ جانتا تھا کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں منافقت سے کہتے ہیں۔ کمافی الارشاد۔

اور بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ طاعت سے اخلاص اور صدق نیت مقصود ہے اور تم زبانی جمع خرچ تو بہت کرتے ہو اور جھوٹی قسمیں بھی کھاتے ہو۔ لیکن اس کے بجائے تمہیں اخلاص و صدقِ نیت ضروری ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا کا معنی یہ ہے کہ تم جھوٹی قسمیں مت کھاؤ بلکہ عملی طور پر طاعت بجا لاؤ اس لیے کہ طاعت عمل کا نام ہے زبانی جمع خرچی کسی کام کی نہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے سچے حال اور جھوٹے مقال سے بے خبر ہے یا وہ تمہارے زبانی دعویٰ طاعت اور قلبی طور پر اس کی مخالفت سے آگاہ ہے وہی تمہارے جملہ اعمال کی سزا دے گا۔ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فرمائیے کہ فرائض و سنن میں رحمت و قبول کی امید پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو فَاِنْ تَوَلَّوْا یہ در اصل تتولوا تھا اس کی ایک تاء گر گئی ہے۔ یعنی تم امر الٰہی سننے کے بعد اگر منہ پھیرو گے فَاِنَّمَا عَلَيْهِ تو یقین کر لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مَا حُمِّلَ وہی ہے جس کے وہ مکلف ہیں یعنی ان کا کام ہے صرف پیغام الٰہی پہنچا دینا وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ اور تم پر وہی ہے جس کے لیے تمہیں حکم ہوا یعنی امر الٰہی کو مان کر اس کی اطاعت کرنا۔

ف: اسے حمل سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ حکم الٰہی ایک بہت بڑا بوجھ ہے کہ ادا کیے بغیر نہیں اترتا۔ اور اس وقت تک مامور کے ذمہ رہتا ہے جب تک اسے ادا نہ کرے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ یہ بوجھ تمہارے سر پر رہے گا اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سن کر روگردانی کرو گے تب بھی اس کے ذمہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکو گے جب تک کہ اسے ادا نہ کرو وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ اور اگر تم طاعت کے لیے سرِ تسلیم خم کرو گے تو تَهْتَدُوْا تم ہدایت پا جاؤ گے اور حق کی طرف تمہیں رہبری نصیب ہو گی اور مومن کا اصلی مقصد بھی یہی ہے اور اسی سے تم ہر خیر و برکت کو پا سکو گے اور اسی کی وجہ سے ہر برائی سے نجات پاؤ گے۔

نکتہ: اس جملہ کی تاخیر میں راز یہ ہے کہ جس معاملہ میں ترہیب (ڈرانا) کو مقدم کیا جائے تو اس کی ترغیب کی تاکید میں اضافہ ہو جاتا ہے وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ یہاں پر رسول سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں مطلقاً ہر رسول مراد نہیں ہو سکتا اس لیے کہ یہ معرف باللام ہے اور مکرر واقع ہوا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی اسم معرف و مکرر واقع ہو تو دوسرا پہلے کا عین ہوتا ہے۔

اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ بمعنے تبلیغ موضح یعنی جن امور کی تبلیغ ضروری ہے وہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ

marfat.ocm

واضح اور مکمل طور پر ادا کر چکے ہیں۔ اب تمہارے ذمہ ہے اگر امرِ الٰہی بجا لاؤ گے تو اجر پاؤ گے اگر خلاف ورزی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔

ف : حضرت ابو عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو سنتِ رسول پر التزام رکھتا ہے اس کے ہر قول و فعل سے حکمت کا صدور ہو گا:

اور جو نفس کی خواہشات پر عمل کرتا ہے اس سے بدعاتِ سیئہ کا ظہور ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا دار و مدار طاعتِ رسول کو بتایا ہے۔ کما قال :

وان تطیعوہ تھتدوا۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ تین آیات ایسی ہیں کہ ان کے دو امر آپس میں ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں یہاں تک کہ ان کے ایک پر عمل نہ ہو تو دوسرا بھی ناقابلِ قبول ہے، وہ تین آیات یہ ہیں :

(۱) اقیموا الصلٰوۃ و اٰتوا الزکوٰۃ۔

اس آیت میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم ہے۔ اگر کوئی شخص نماز تو پڑھتا ہے لیکن زکوٰۃ کا منکر ہے تو اس کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔

(۲) اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول۔

اس آیت میں اطاعتِ الٰہی و اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اگر کوئی شخص اطاعتِ الٰہی تو بجا لاتا ہے لیکن اطاعتِ رسول کا منکر ہے تو اطاعتِ الٰہی اس کے منہ پر ماری جائے گی۔

(۳) ان اشکرلی ولوالدیک۔

اس آیت میں شکرِ خداوندی اور شکرِ والدین کا حکم ہے۔ اگر کوئی شکرِ خدا تو کرتا ہے لیکن والدین کی شکرگزاری سے کتراتا ہے تو اس کا شکرِ خداوندی کا عمل قبول نہ ہو گا۔

طاعتِ رسول کا نتیجہ خلاصہ یہ کہ طاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقبولیت کی کنجی طاعتِ رسول ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل اصحابِ کہف کے کُتے کی مقبولیت ہے کہ جب اس نے اولیاء کرام کا دامن پکڑا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بہشت عطا فرمائی۔ غور کیجئے کہ جب کُتا مطیعین کے طفیل بخشا گیا تو مطیعین اپنا کتنا مرتبہ ہو گا۔

ف : حضرت حاتم الاصم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تین امور کا تین امور کے بغیر دعویٰ کرنا جھوٹ ہے :

۱۔ جو شخص بہشتی ہونے کا دعویٰ کرے لیکن راہِ حق میں خرچ نہ کرے تو وہ جھوٹا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا دم بھرے لیکن اس کے حرام کردہ امور سے کنارہ نہ کرے تو وہ کذاب ہے۔

marfat.com

۳۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وعشق کا مدعی ہو کر فقراء سے محبت نہ کرے تو وہ بھی جھوٹا ہے۔

ع حُبِ درویشاں کلیدِ جنّت است

حکایت حضرت امام احمد حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ حمام میں تشریف لے گئے اگرچہ دُوسرے لوگ ننگے نہا رہے تھے لیکن آپ نے کپڑا باندھ کر غسل کیا۔ اس کے بعد خواب میں دیکھا انھیں کہا جا رہا تھا کہ ہم نے تمھیں لوگوں کا امام اس لیے بنایا ہے کہ تم نے شریعت پر عمل کیا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ے

رہرو راہِ طریقت ایں بود

کاو باحکام شریعت می رود

ترجمہ: طریقت کی راہ یہی ہے کہ شریعت کے احکام کی پابندی کی جائے۔

(ہم اللہ تعالیٰ سے توفیقِ حق کا سوال کرتے ہیں)

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یہ خطاب کفارِ مکہ کو ہے۔ اور مِن تبعیضیہ ہے یا یہ خطاب حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے۔ اور مِن بیانیہ ہے۔ ظرف کو درمیان میں لانے میں ظاہر کرنا مطلوب ہے کہ اصل ایمان ہے اور اعمال اس کی فرع ہیں تمہارے مومنوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ یہ قسم کا جواب ہے اور قسم محذوف ہے۔ در اصل عبارت یوں تھی:

وعد اللہ واقسم یستخلفنهم۔

یعنی قسم سے مؤکد کر کے ان کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ وُہ اُنھیں جانشین بنائے گا یا یہ کہ ان کے ساتھ وعدہ قسم کے قائم مقام ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ ایفاء یقینی ہے یعنی انھیں عرب وعجم کے کفار کی جملہ املاک کا جانشین بنائے گا کہ ان کی املاک میں شاہانہ طریقہ سے تصرف فرمائیں گے۔ کاشفی نے کہا فی الارض: در زمین کفار از عرب وعجم۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیدخلن هذا الدین علیٰ ما دخل علیه اللیل۔

(یہ دین ان تمام مقامات پہ پہنچے گا جہاں تک رات داخل ہوئی) (یعنی دنیا کے چپے چپے پہ دین اسلام کا راج ہوگا)

ف: خلیفہ (نائب) اس وقت مقرر کیا جاتا ہے جب اصل مر جائے یا غائب ہو یا اصل کسی کام کی سرانجامی سے عاجز ہو یا پھر اصل کسی کو شرف بخشتے ہوئے اپنا قائم مقام مقرر فرمائے پہلے تینوں معانی اللہ تعالیٰ کے لیے ممتنع ہیں یہاں پر آخری معنیٰ مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کے نائب بنانے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ کریم اپنے اولیاء کو زمین پر تصرف

marfat.ocm

کرنے کے لیے مقرر فرماتا ہے۔ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جیسے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا،
جیساکہ فرعون وجبابرہ کے مرمٹنے کے بعد مصروشام کا خلیفہ بنی اسرائیل کو مقرر فرمایا وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ
التمکین بمعنے جعل الشئ مکانا لاٰخر۔ اہلِ عرب کہتے ہیں :

مکن له فی الارض ای جعلها مقرد له۔

یعنی فلاں کے لیے زمین کو قرار گاہ بنایا گیا۔

تاج المصادر میں ہے کہ تمکین بمعنے دست دادن وجاے دادن۔

مثلاً کہا جاتا ہے :

مکنتك ومکنت لك۔ یہ نصحتك ونصحت لك کی طرح بلا واسطہ اور لام کے واسطہ سے متعدی ہو کر استعمال ہوتا ہے۔

اور ابوعلی نے فرمایا کہ یہاں ردف لکم کی طرح متعدی بہ واسطہ لام استعمال ہوا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دین کو ایسا مقرر اور ثابت فرمانے گا کہ وہ بلا نزاع اس کے احکام پر عمل کرنے میں مداومت کریں گے الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ۔ الارتضاء بمعنے پسندیدن (کذا فی التاج)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خلفاء کی ہر اس جنس کو اپنی امانت کا بوجھ اٹھانے کی قدرت دے گا جس کے لیے اس کے دینی مراتب کی رضا اور خوشنودی ہوگی، اس لیے کہ وہی لوگ اسلام کے ارکان اور ستون ہیں وہی اللہ تعالیٰ کے بندوں کے صحیح ناصح اور حقیقی رہبر ہوتے ہیں۔ یہ چند قسم ہیں :

(۱) حفاظ القرآن والحدیث، انھیں یوں سمجھو کہ گویا وہ دین کے خزانچی ہیں۔

(۲) وہ علمائے اصول جو اصحاب بدعت سیئہ واہلِ عناد کا (دلائل واضحہ سے) رد کرتے ہیں۔ لیکن یہ اپنے اصول میں فلاسفہ کے علوم کو دخیل نہیں بناتے اس لیے فلاسفہ کے علوم بہت بڑی تباہی ہے اور ان سے صرف علماء راسخین اور اولیاء قائمین بالحق ہی بچ سکتے ہیں اور اسلام کے حقیقی رہبر بھی ہیں بلکہ دین کے شیر یہی حضرات ہیں۔

(۳) فقہاء عبادات ومعاملات کے متعلق انہیں سے رہبری حاصل کی جاتی ہے اور دینی امور میں ان کا وہی مرتبہ ہے جو دنیوی امور میں وکلاء اور متصرف فی الملک کا ہوتا ہے۔

(۴) اہلِ معرفت واصحابِ حقائق وارباب سلوک یعنی اولیاء کاملین درحقیقت اللہ تعالیٰ کے خلفاء یہی حضرات ہیں یہی اقطاب عالم وعمود وسماء اور اوتاد الارض ہیں انھیں سے زمین وآسمان کا نظام قایم ہے دین میں ان کی

marfat.com

وہی حیثیت ہے جیسے بادشاہوں کے خواص اور اعیان مجلس سلطان کو حاصل ہوتی ہے اور دین الٰہی سے آباد ہے اور تاقیامت یہ لوگ مختلف طبقات کی حیثیت سے موجود رہیں گے۔[1]

تفسیر عالمانہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ ۔التبدیل بمعنے جعل الشئ مکان آخر۔ (ایک شے کو دوسری شے سے بدلنا)، اور یہ عوض سے عام ہے۔ اس لیے کہ ایک شے دے کر دوسری شے لینے کو عوض کہا جاتا ہے۔ اور تبدیل بمعنے تغیر بھی آتا ہے اگرچہ اس کے عوض کوئی شے بھی نہ دی جائے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ انھیں بدل دے گا مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ دشمنوں کے خوف کے بعد اَمْنًا ۔ طمانیت النفس و زوال الخوف کو امن کہا جاتا ہے۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت سے پہلے دس سال کے عرصہ تک کفار سے خائف رہے۔ پھر جب مدینہ طیبہ میں ہجرت کر کے تشریف لائے تب بھی ہتھیار ساتھ رکھتے تھے کہ کہیں دشمن اچانک حملہ نہ کر دے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وعدہ پُورا فرمایا کہ اہل اسلام کو نہ صرف اہلِ عرب پر بلکہ عرب و عجم پر فتحیاب فرمایا۔

دمبدم صیت کمال دولت خدام او
عرصۂ زمیں را سر بسر خواہد گرفت
شاہباز ہمتش چوں برکشاید بال قدر
از ثریا تا ثریٰ در زیر پر خواہد گرفت

ترجمہ: ہر لحظہ اس کے خدام دولت کے آواز دے رہے ہیں کہ وہ زمین کے میدان کو لپیٹے گا۔ جب اس کی ہمت کا باز ہمت کے پر کھولتا ہے تو ثریا تحت الثریٰ تک اپنے پر کی گرفت میں لے لے گا۔

يَعْبُدُونَنِي یہ الذین امنوا سے حال ہے اور اس لیے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہر انسان کے لیے ہے جو توحید پر ثابت قدمی رکھے لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا یہ یعبدوننی کی واؤ جمع سے حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ مومن جو میری عبادت کرتے ہیں، درانحالیکہ وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ اور جو مرتد ہو جائے وعدہ کے بعد، یا سرے سے کفر پر ڈٹ جائے اور اسلام کی ترغیب و ترہیب پر اثر انداز نہ ہو اور جسے توحید پر دلائل و براہین کا مشاہدہ ہو

---

[1] ہم اسی چوتھے گروہ کو اولیاء، اقطاب، اغواث، ابدال وغیرہم کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن منکرینِ اولیاء کو انکار ہے۔ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

تب بھی ایمان نہ لائے تو وہ اصل کفر کے بعد دوسرے کفر کا ارتکاب کر رہا ہے یا اس کفر سے کفرانِ نعمت عظیمہ مراد ہے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ تو وہی لوگ کافر کامل و مکمل فاسق ہیں یا حدودِ کفر و طغیان میں مکمل طور پر خارج ہونے والے ہیں[1]

خارجیوں کی ابتدا حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کفران و طغیان ان لوگوں سے ہوا جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ جب انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُمت سے امن اٹھا لیا اور پھر اس پر خوف مسلط کر دیا، یہاں تک کہ یا یہ دور تھا کہ وہ آپس میں بھائی بھائی تھے یا یہ وقت زمانے نے دیکھا کہ مسلمانوں نے مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ وہ کسی سے کوئی نعمت نہیں چھینتا جب تک ان سے ایسے امور سرزد نہ ہوں جو نعمت کے چھن جانے کا موجب بنیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا وضع السیف فی اُمتی لا یرفع عنہا الیٰ یوم القیٰمۃ۔

(میری امت میں جب تلوار اُٹھے گی تو پھر قیامت تک چلتی رہے گی)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ہر چہ با تو آید از ظلمات غم
آں ز بے شرمی و گستاخیست ہم

ترجمہ: تجھ پر جتنے حوادثات و مصائب نازل ہوتے ہیں وہ تیری بدکرداری کا نتیجہ ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں کسی کے کھیت سے گزرا تو کسان نے مجھے بیل کہہ کر پکارا، میں نے دل میں سوچا کہ معمولی غلطی سے تو کسان مجھے بیل کہہ رہا ہے اگر غلطیوں کی کثرت ہو تو نہ معلوم اللہ تعالیٰ کی معرفت کا دروازہ بند ہو جاتا ہوگا۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اس کا عطف مقدرہ جملہ پر ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے اصل عبارت یوں تھی:

فآمنوا و امنوا صالحا و اقیموا الخ

اے لوگو! ایمان لاؤ اور اچھے عمل کرو اور نماز قایم کرو اور زکوٰۃ دو۔

---

[1] اس آیت سے ہم اہلسنّت خلفاء اربعہ کی ترتیب اور ان کی حقانیت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.com

وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو یعنی جتنے احکام وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں ان کی اطاعت کرو۔ یہ جملہ از باب تکمیل ہوگا لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ٥ تاکہ تم رحم کیے جاؤ۔ یعنی مذکورہ امور یعنی اقامۃ الصلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ اور طاعتِ رسول بجالا کر امید رکھو کہ تم رحم کیے جاؤ گے۔ اس معنے پر یہ امور ثلاثہ مذکورہ کے متعلق ہوگا لَا تَحۡسَبَنَّ یہ خطاب محبوب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ہر اس شخص کو ہے جو اس خطاب کا اہل ہو خواہ کوئی ہو الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یہ لاتحسبن کا دوسرا مفعول ہے۔ کافروں کے لیے خیال مت کیجیے کہ مُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یہ العجز سے ہے اور یہ قدرت کی نقیض ہے اور اعجزت فلانا بمعنے میں نے اسے عاجز کیا۔ یعنی کافر اللہ تعالیٰ کو ان کے ہلاک اور تباہ و برباد کرنے میں وہ اسے عاجز نہیں کر سکتے باوجودیکہ زمین وسیع ہے جہاں چلے جائیں اور اس کے جس حصہ میں بھاگ کر نکل جائیں تب بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ وَمَاۡوٰىهُمُ النَّارُ ؕ اس کا عطف جملہ نہی پر ہے جبکہ ہم اسے جملہ خبریہ سے مؤول کریں گے تب یہ عطف جائز ہوگا وَلَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ مقدر قسم کا جواب ہے اور اس کا مقسم بہ محذوف ہے یعنی بخدا ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ المصیر بمعنے المرجع۔ اور یہ صار الی کذا کے قبیل سے ہے۔ اسی سے صیر الباب ہے۔ جب کوئی اپنے تحرک و تنقل سے فراغت پا کر دروازے تک پہنچے تو کہتے ہیں صیر الباب۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں نعمتِ خداوندی کی ناشکری کرنے والوں کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص نعمتِ خداوندی کو معاصی پر صرف کرتے اور طاعات کے بجائے معصیات میں منہمک ہو تو اسے ہجر و فراق کی آگ میں داخل کیا جائے گا۔ حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حکمِ خداوندی کا کم مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اس کی دی ہوئی نعمت کو معصیت پر صرف نہ کرے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

جب تمہارے دو یوم برابر ہوں تو بھی تم اپنے آپ کو ناقص سمجھو۔

عرض کی گئی: وہ کیسے؟

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے نعمت سے نوازا تیرا فرض تھا کہ تو اس کا حق ادا کرتا۔ اور جو شے جس کام کے لیے بنائی جائے اگر وہ اس پر پوری نہ اترے تو اسے ناقص سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً گھوڑا سواری اور دوڑانے بھگانے کے لیے اور تلوار کاٹنے کے لیے۔ ایسے ہی اعضاءِ انسانی بالخصوص زبان شکرِ الٰہی کرنے کے لیے۔ جب یہ اشیاء اپنی کارروائی میں پوری نہ اتریں تو ناقص ہوں گی۔ ایسے ہی وہ انسان جو عبادت میں ناقص ہے

(باقی ص ۲۷۸ پر)

marfat.ocm

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ

اے ایمان والو چاہیے کہ تم سے اذن

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ

لیں تمہارے ہاتھ کے مال غلام اور وہ جو تم میں ابھی جوانی کو نہ پہنچے تین وقت نماز صبح سے

صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ

پہلے اور جب تم اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو دوپہر کو اور نماز عشا کے بعد

ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ

یہ تین وقت تمہاری شرم کے ہیں ان تین کے بعد کچھ گناہ نہیں تم پر نہ ان پر آمد و رفت رکھتے ہیں

بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا

تمہارے یہاں ایک دوسرے کے پاس اللہ یونہی بیان کرتا ہے تمہارے لیے آیتیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور جب

بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ

تم میں لڑکے جوانی کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اذن مانگیں جیسے ان کے اگلوں نے اذن مانگا

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا

اللہ یونہی بیان فرماتا ہے تم سے اپنی آیتیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور بوڑھی خانہ نشین عورتیں جنہیں نکاح

يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ

کی آرزو نہیں ان پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے بالائی کپڑے اتار رکھیں جب کہ سنگار نہ چمکائیں

بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى

اور اس سے بھی بچنا ان کے لیے اور بہتر ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے نہ اندھے پر تنگی

حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا

لنگڑے پر مضائقہ اور نہ بیمار پر روک اور نہ تم میں کسی پر کہ کھاؤ اپنی اولاد

مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

کے گھر یا اپنے باپ کے گھر یا اپنی ماں کے گھر یا اپنے بھائیوں کے یہاں یا اپنی بہنوں کے گھر یا اپنے

اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

چچاؤں کے یہاں یا اپنی پھپھیوں کے گھر یا اپنے ماموؤں کے یہاں یا اپنی

خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا

خالاؤں کے گھر یا جہاں کی کنجیاں تمہارے قبضہ میں ہیں یا اپنے دوست کے یہاں تم پر کوئی الزام نہیں کہ مل

marfat.com

جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا ۚ فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ
کر کھاؤ یا الگ الگ پھر جب کسی گھر میں جاؤ تو اپنوں کو سلام کرو ملتے وقت کی اچھی دعا اللہ کے پاس
اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٦١﴾
سے مبارک پاکیزہ اللہ یونہی بیان فرماتا ہے تم سے آیتیں کہ تمہیں سمجھ ہو

سمجھو کہ وہ اس انسان کی طرح ہے جس کے اعضا ٹوٹے ہوئے اور آلاتِ ضروریہ سے عاری ہیں۔

ف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو توحید و طاعتِ الٰہی کی دعوت دی جس نے آپ کی دعوت پر لبیک پکاری، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سعادت عطا ہوئی۔ اس دعوت کو سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قبول فرمایا اور جن لوگوں نے آپ کی دعوت سے رُوگردانی کی وہ بدبخت تھے اور ان سب کے سردار وہ کما فرد منافق ہیں جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں تھے۔ پھر جب یہ کافر و منافق طاعتِ الٰہی و طاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ترک کر کے بابِ حق سے بھاگے اور کفر و عصیان پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھی سزا دی۔ مثلاً غزوات میں مارے گئے اور ان کے مال و اسباب لُٹ گئے اور ان کی تمام عمارتیں دُوسروں کے قبضہ میں آئیں اور آخرت میں بھی سخت سزا پائیں گے۔ غور کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل و خوار بھی کیا لیکن وہ اس کے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکے تو پھر یہ لوگ اسے کیسے عاجز کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی عصمت کے مضبوط قلعہ میں جگہ دے اور اپنی رحمتِ خاص میں ڈھانپے اور لعین عنک ہماری حفاظت فرمائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا۔

تفسیر عالمانہ شانِ نزول: مروی ہے کہ اسماء بنت ابی مرثد کا غلام ایسے وقت میں ان کے گھر چلا گیا جس کا آنا اس وقت ان کے لیے ناگوار ہوا تو یہی آیت اُتری (خازن میں ہے کہ یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تفصیل فقیر کے رسالہ "شرح قطف الثمر" میں ہے اور تفسیر اویسی تحت آیت ہذا میں بھی۔ اویسی) اے ایمان والو یہ خطاب تمام مومن مردوں اور عورتوں کو ہے اس لیے کہ تغلیباً مردوں کا نام ہے ورنہ درحقیقت عورتیں بھی اس میں شامل ہیں۔

marfat.ocm

لِيَسْتَاْذِنْكُمُ یہ امر کی لام ہے الاستیذان بمعنے طلب الاذن۔ اور الاذن بمعنے کسی شے کی اجازت و رخصت کی خبر دینا یعنی انھیں چاہیے کہ وہ تم سے اجازت مانگیں الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وہ جن کے کہ تمہارے سیدھے ہاتھ مالک ہوئے ہیں یعنی تمہارے غلام اور لونڈیاں وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ اور وہ بچے جو ابھی سنِ بلوغ کو نہیں پہنچے۔

نکتہ: بلوغ کے بجائے احتلام کے ذکر میں اشارہ ہے کہ سنِ بلوغ کی سب سے اہم علامت احتلام ہے بلکہ سنِ بلوغ اسی سے ظاہر ہوتا ہے۔

مسئلہ: بچے کے بالغ ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر وہ جماع کرے تو اسے انزال ہو جائے۔

ف: القاموس میں ہے کہ الحلم بالضم بمعنے احتلام یعنی وہ جماع جو خواب میں ہو احتلام کا اسم الحلم بروزن العنق آتا ہے۔

سوال: المفردات میں ہے کہ حلم تو عقل کی حقیقت نہیں بلکہ ایک سبب ہے تو پھر اسے علم سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب: کبھی شے اپنے سبب سے بھی موسوم ہوتی ہے اور سنِ بلوغ بھی ایک ایسا سن ہے کہ انسان کے لیے اس وقت لائق ہے کہ اسے عقیل و فہیم کہا جائے۔

مِنْكُمْ یہ خطاب آزاد لوگوں کو ہے یعنی وہ آزاد جو غلام کی نقیض ہے ثَلٰثَ مَرّٰتٍ تین بار۔ یہ یستاذن کا ظرف زمان ہے یعنی انھیں چاہیے کہ دن اور رات کے اوقات میں اجازت طلب کریں کیونکہ یہ تین اوقات غرۃ و غفلت کے ہیں۔ اس کے بعد اب تین اوقات کی تفصیل بتائی مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فجر کی نماز سے پہلے، وہ اس لیے کہ یہی بستروں سے اٹھنے اور نیند کے کپڑے اتار پھینکنے اور بیداری کے بعد کے کپڑوں کے پہننے کا وقت ہے یہ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ ثلٰث مرات سے بدل ہے وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ اور کپڑے اتارنے کے وقت، یعنی ان کپڑوں کے اتارنے کا وقت جو کہ بحالت بیداری پہن رکھے تھے اور یہ عموماً دوپہر کے وقت قیلولہ کے لیے ہوتا ہے کہ گرمی کی وجہ سے یا ویسے ہی عادت کے طور قمیص وغیرہ اتار کر معمولی کپڑوں میں سویا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا مِّنَ الظَّهِيْرَةِ یہ حین تضعون الخ کا بیان ہے یعنی دوپہر کی شدت کی گرمی کی وجہ سے القاموس میں ہے کہ الظهیرۃ یعنی حد انتصاف النہار۔ اور یہ موسم گرما میں ہو سکتا ہے۔

سوال: کپڑے تو دوسرے دو اوقات میں بھی اتارے جاتے ہیں یہاں صرف اس وقت یعنی قیلولہ کے ساتھ تخصیص کیوں؟

marfat.com

جواب: قیلولہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ اولاً تو اس میں نیند کرنے کا وقت بہ نسبت دوسرے اوقات کے تھوڑا ہوتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ یہ نیند دن میں ہوتی ہے اور دن میں عموماً انسانوں کی آمد و رفت بکثرت رہتی ہے۔ ثالثاً یہ کہ چونکہ ان دوسرے اوقات میں عموماً کپڑے اتارے ہی جاتے ہیں۔ اور وہ ایسا معروف طریقہ ہے کہ جس کی تصریح کی ضرورت ہی نہیں۔

وَمِنۡ بَعۡدِ صَلٰوةِ الۡعِشَآءِ اور دوسری عشاء کی نماز کے بعد، اس لیے کہ اس وقت نیند کے لیے کپڑے اتارے جاتے ہیں سردی کی وجہ سے رضائی اوڑھنا یا کم از کم لبستر پہ سونا پڑتا ہے۔

ف: عربی میں لحاف ہر اس کپڑے کو کہتے ہیں جو انسان اپنے اوپر اوڑھ لے (ہمارے عرف میں اسے رضائی سے تعبیر کیا جاتا ہے)

ثَلٰثُ عَوۡرٰتٍ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے دراصل عبارت ھن ثلاثۃ اوقات تھی۔ لَّکُمۡ یہ تینوں ایسے وقت ہیں جن میں عموماً تمہیں چھپ کر رہنا پڑتا ہے اور عورت ہر وہ لباس جس سے ستر ڈھانپا جائے۔

سوال: ان اوقات مذکورہ کو عورات سے کیوں تعبیر کیا گیا حالانکہ یہ اوقات عورات تو نہیں۔

جواب: مجازاً اوقات کو عورات کہا گیا ہے۔ وہ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ شے کو ظرف کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں اس سے مبالغہ مطلوب ہے۔

لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ وَلَا عَلَیۡهِمۡ نہ تمہارے اُوپر ہے اور نہ ہی تمہارے غلاموں اور عام بچّوں پر جُنَاحٌ بلا اجازت تمہارے گھروں میں ان کے داخل ہونے میں کوئی گناہ نہیں کیونکہ ان اوقاتِ مذکورہ کے علاوہ دوسرے اوقات میں ان کا داخلہ نہ تو مخالفت امرالٰہی کا موجب ہے اور نہ ہی اطلاع علی العورات کا سبب بَعۡدَهُنَّ ان تینوں اوقاتِ مذکورہ کے بعد یہ وہی اوقات ہیں جو مذکورہ اوقات میں سے دو وقتوں کے درمیان کا وقت۔ اس لیے کہ اجازت طلبی صرف ان تینوں وقتوں کے لیے ہے ان اوقات کے بعد ایسے باقی جملہ اوقات میں اجازت طلبی کی ضرورت نہیں ہوگی طَوّٰفُوۡنَ وہ غلام اور عام بچے آتے جاتے رہتے ہیں عَلَیۡکُمۡ تمہارے ہاں یعنی خدمت اور دیگر امور کے لیے ان کی تمہارے ہاں بہت زیادہ آمد و رفت رہتی ہے اس لیے انھیں ان اوقات کے علاوہ اجازت طلبی کی ضرورت نہیں الطواف بمعنے کسی شے کے گرد پھرنا، اسی سے ہے طائف یعنی کعبہ معظمہ کے گرد چکر لگانے والا۔ وہ جن جو کسی پر خوف ڈالتا ہے اسے بھی طائف اسی معنے پر کہا جاتا ہے ایسے ہی خیال کو بھی اسی معنے پر طائف کہتے ہیں۔ اور حادثہ کو بھی طائف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (علاوہ ازیں جن پر اس معنے سے مناسبت ہوگی اسے طائف کہا جائے گا۔ بَعۡضُکُمۡ تمہارے بعض کی عَلٰی بَعۡضٍ اور ان کے ہاں آنا جانا ہوتا ہے۔ مثلاً تم ان غلاموں اور عام بچّوں کو خدمت کے لیے بلاؤ گے۔ اگر

marfat.ocm

ہر آمد و رفت کے لیے اجازت طلبی ضروری ہو تو بہت بڑا حرج ہو گا۔ اسی لیے ان اوقاتِ مذکورہ کے علاوہ دیگر اوقات میں اجازت عام کر دی گئی تاکہ کاروبار کے لیے ہر ایک دوسرے کے ہاں بلا تکلف آجا سکے۔ كَذٰلِكَ یہ اشارہ اس فعل کے مصدر کی طرف ہے جو بعد کو آ رہا ہے اور کاف زائدہ ہے۔ یعنی مثل ذٰلك التبيين۔ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ اللہ تعالیٰ ایسی آیات بیان فرماتا ہے جو احکام پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں۔ یعنی وہ آیات جو اللہ تعالیٰ نازل فرماتا ہے وہ خود بخود واضح دلالت کرنے والی ہیں۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ وہ پہلے اتنی واضح نہیں تھیں۔ لیکن پھر جب اللہ تعالیٰ نے انھیں نازل فرمایا تو واضح الدلالات ہو گئیں۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ جملہ معلومات کو خوب جانتا ہے اسی لیے تمہارے حال سے بھی باخبر ہے حَكِيْمٌ ۝ وہ جملہ امور کی حکمتوں کو جانتا ہے اسی لیے تمہاری معاش و معاد کے متعلق جو امور مفید تھے وہی تمہارے لیے نازل فرماتے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دو عراقی شخصوں نے اس آیت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سِتِّیْرٌ ہے اور ستر کو پسند فرماتا ہے۔ اور عرب قدیم کی عادت تھی کہ وہ اپنے ہاں نہ تو دروازوں پر پردہ لٹکاتے تھے اور نہ ہی دروازے پر کوئی رکاوٹ تھی جس سے تکلیف یہ ہوتی کہ اگر کوئی اپنے لڑکے کے گھر ایسے وقت چلا جاتا جو لڑکے کے لیے ناگوار گزرتا ایسے ہی دوسرے اقارب یا خدام یا دوسرے دوست احباب کا حال تھا۔ اس تکلیف کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجازت طلبی کا حکم نازل فرمایا۔ پھر جب مسلمانوں کو وسعت ہوئی اور رزق فراواں نصیب ہوا تو دروازوں پر پردے لٹکائے یا دروازوں کو اونچا اور بہتر بنایا تو پھر یہی امور خود بخود اجازت طلبی کے قائم مقام ہوئے۔ اب مزید اجازت طلبی کی ضرورت نہیں رہی۔

قاعدہ شرعیہ : اس سے معلوم ہوا کہ جب علت ختم ہو جائے تو حکم بھی ختم ہو جاتا ہے جیسے موجودہ دور میں ہر قسم کے لباس و معاش اور جدید طریق کے مکانات وغیرہ کے استعمال کی اجازت ہے بشرطیکہ اس سے کبر و غرور پیدا نہ ہو۔

ف : حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

اذا وسع اللّٰه عليكم فوسعوا علىٰ انفسكم۔

(جب اللہ تعالیٰ مالی وسعت عطا فرمائے تو بے شک دل کھول کر خرچ کرو)

ف : یہ عموم عورت کے لیے نہیں اس لیے کہ عورت کی عقل پر شہوت نفسانی کا غلبہ ہوتا ہے اسی لیے اس کے لیے اجازت نہیں کہ مالی وسعت پر جیسے چاہے کرے۔

حدیث شریف : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

marfat.com

ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علیٰ عبدہٖ۔

(اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی دی ہوئی نعمت کا اثر دیکھنا چاہتا ہے۔)

یعنی جسے اللہ تعالیٰ دنیوی دولت سے نوازے اس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ بندہ اس نعمت کو یوں ظاہر کرے کہ اچھے کپڑے پہنے۔

مسئلہ: بہترین لباس وغیرہ پہننے میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو ظاہر کرنا مطلوب ہو اور یہ ارادہ بھی کر سکتا ہے کہ اس کے ٹھاٹھ کو دیکھ کر فقراء و محتاج اس سے زکوٰۃ و خیرات طلب کر سکیں۔

مسئلہ: فرصت و فراغت ہونے کے باوجود بھی پھٹے پرانے کپڑے پہنے تو اسے تواضع میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کو اگر فرصت ہو تو وہ خدمات کے لیے غلام اور کنیزیں رکھ سکتا ہے بشرطیکہ ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔

مسئلہ: آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غلام اور کنیز پر اپنے مولیٰ کی خدمت ضروری ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حسنۃ الحر بعشر وحسنۃ المملوک بعشرین۔

(آزاد مرد کی ایک نیکی کا ثواب دس گنا اور غلام کا بیس گنا زائد ثواب ہے)

ف: یہ اس غلام کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بھی کوتاہی نہیں کرتا اور اپنے آقا کی خیر خواہی میں بھی کسر نہیں چھوڑتا بلکہ پُر خلوص ہو کر اس کے جملہ امور نیک اسلوبی سے سرانجام دیتا ہے۔ کذا فی شرح مشارق الانوار۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ ضروری ہے کہ گھر کے اندرونی امور کے لیے لونڈی خدمت کے لیے مقرر کی جائے اور بالغ غلام کو گھر پر نہ رکھا جائے۔ اس لیے کہ اجنبی لوگوں کی بہ نسبت گھر پہ رہنے والا غلام زیادہ نقصان کا موجب بنتا ہے اس لیے گھر پر آنے جانے سے اس کے دل سے مالک کی ہیبت اُٹھ جائے گی اور غیر محرم ویسے ہے پھر شہوت کا غلبہ خود بخود نقصان کا سبب بنے گا۔ اسی لیے اہل عرب نے کہا:

من اتخذ عبد الخدمۃ داخل البیت فھو کسحان (بالسین المھملہ بمعنی اعرج اومقعد)

یعنی جس نے اندرونی امور کے لیے غلام کو خدمت کے لیے رکھا وہ لنگڑا ہے۔

حکایت: کسی بزرگ نے غلام خریدا تو اسے کہا گیا بورک لک فیہ (آپ کو غلام خریدنے کی مبارک)۔ اُنھوں نے فرمایا: مبارک اسے دی جائے جو اپنی خدمت خود کرے غیر کی خدمت لینے سے

marfat.ocm

بچے، اس طرح سے اس کی ذمہ داری کم اور تکالیف میں تخفیف ہوگی اور گھریلو سیاست بھی صحیح رہے گی۔

نکتہ: ہر مرد اپنے گھر میں بمنزلہ قلب کے ہے اور باقی افراد بمنزلہ اعضاء کے۔ اور ظاہر ہے کہ قلب کی خدمت سے ہی اعضاء کی خدمت ہو سکے گی۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ بچہ اگرچہ ابھی بالغ نہ ہوا ہو لیکن سمجھدار ہو تو اسے شرائع و احکام کی پابندی کا حکم دیا جائے گا اور برائیوں کے ارتکاب سے روکا جائے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بچوں کو بھی ان اوقات میں کسی کے گھر پر جانے کے لیے اجازت طلبی کا حکم فرمایا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مروهم بالصلاة وهم أبناء سبع واضربوهم على تركها وهم ابناء عشر۔

(بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ دس سال کے ہو جائیں اور اگر وہ نماز ترک کردیں تو انہیں پیٹو اگر وہ دس سال کے ہوں)

ف: قبل بلوغ نماز کا حکم اس لیے ہے تاکہ اس کی عادت اچھی ہو اور بلوغ کے بعد آسانی سے نیکی کا کام کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے بچپن میں سنہری اور ریشمی لباس پہننا منع ہے تاکہ بلوغ میں اسے ممنوعہ لباس پہننے کی عادت نہ ہو۔ کما فی القہستانی۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ؎

بخردی درش زجر و تعلیم کن

بہ نیک و بدش وعدہ و بیم کن

ترجمہ: بچپنے میں ہی اسے زجر و تعلیم کر اسے نیکی اور برائی کے وعدہ و خوف کی خبر سنا۔

مسئلہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب بچہ دس سال کا ہو جاتا ہے تو اس کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور برائیاں نہیں لکھی جاتیں۔ بالغ ہونے تک ایسے ہوتا ہے۔

مسئلہ: الاشباہ میں ہے کہ نابالغ کی عبادت جائز ہے اگرچہ اس پر کوئی شے واجب اور فرض نہیں ہے۔

مسئلہ: اس میں اختلاف ہے کہ اس کی نیکی کا ثواب کسے ملے گا۔ صحیح یہ ہے کہ نیکی کا ثواب اسے خود ملے گا۔ اس کے سکھانے والے کو صرف تعلیم کا ثواب عطا ہوگا۔ ایسے ہی اس کی ہر نیکی کا حکم ہے۔

مسئلہ: اجنبیہ عورت کے لیے وہ بالغ کی طرح نہیں بلکہ وہ قبل بلوغ غیر محرم عورتوں کو دیکھ سکتا ہے اور ان کے ساتھ تنہا بھی بیٹھ سکتا ہے اور ان کے ہاں آمد و رفت رکھ سکتا ہے۔ سنِ بلوغ پندرہ سال ہے۔ کما فی الملتقط۔

marfat.com

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

پسر چوں زدہ بر گذشتہ سنین
زنا محرماں گو فراتر نشین
بر پنبہ آتش نشاید فروخت
کہ تا چشم برہم زنی خانہ سوخت

ترجمہ: لڑکا جب دس سال سے متجاوز ہو تو اسے حکم دو کہ وہ غیر محرموں کے ساتھ نشست و برخاست بند کر دے ورنہ اس کی مثال یوں ہو گی کہ روئی پر آگ ڈالو تو آنکھ جھپکنے سے پہلے تمام گھر جل کر راکھ ہو جائے گا۔

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ جب اجنبی اور آزاد بچے بالغ ہو جائیں۔

مسئلہ: اس شرط سے بالغ غلام کا حکم ثابت ہوا کہ اسے اپنی مالکہ کے گھر جاتے وقت اجازت کی ضرورت نہیں لیکن ان اوقاتِ ثلاثہ میں بلا اجازت یہ بھی نہیں جا سکتا۔ چنانچہ التتمہ میں لکھا ہے کہ غلام اپنی مالکہ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر جا سکتا ہے۔ اس پر امت کا اجماع ہے۔

فَلْيَسْتَاْذِنُوْا تو انھیں چاہیے کہ اجازت لیں جب تمہارے ہاں حاضری کا ارادہ کریں كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ ان کی طرح جو سنِ بلوغ کو پہنچے ہیں مِنْ قَبْلِهِمْ جو ان سے پہلے بالغ ہوئے یا وہ جن کا ذکر پہلے گزرا۔ چنانچہ اسی سورۃ میں انہیں لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا میں بیان کیا گیا ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہو گا کہ یہ ان کی طرح اجازت لیں جیسے مذکور لوگ اجازت چاہتے تھے۔ مثلاً جب تمہارے ہاں آئیں تو تم سے اجازت مانگیں۔ پھر اگر انھیں کہا جائے کہ چلے جاؤ تو چلے جائیں۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ایسے ہی اللہ تعالیٰ اپنی آیات بیان فرماتا ہے اور وہ علیم حکیم ہے تکرار اجازت طلبی کے مسئلہ کو مؤکد کرنے کے لیے اور اس میں مبالغہ مقصود ہے۔

بالغ ہونے کی تین علامات ہیں:

بلوغت کی علامات

(۱) حاملہ کرنا

(۲) انزالِ منی

(۳) احتلام

یہ لڑکے کی بلوغت کی نشانیاں ہیں۔ اور لڑکی کی علامات چار ہیں:

(۱) انزالِ منی

marfat.ocm

(۲) احتلام

(۳) حمل

(۴) حیض

اگر کسی بیماری یا اور وجہ سے حیض کا نہ پایا جانا بلوغت کے منافی نہیں۔ تو پھر سنِ بلوغ پندرہ سال کی مدت ہے اسی پر فتویٰ ہے اس لیے کہ آج کل عمریں بہت کم ہو گئی ہیں۔

اسّی سال کے بعد احتلام بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے: پہلے دور میں اسّی سال کے بعد انسان کو احتلام ہوتا تھا۔

آدم علیہ السلام کے ننھے بیٹے کی عمر حضرت وہب سے منقول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا سب سے چھوٹا بیٹا دو سو سال کی عمر میں فوت ہوا۔

مسئلہ: لڑکے کے سنِ بلوغ کی ادنیٰ مدت بارہ سال ہے۔

اسقاط کا ثبوت (ہم اہلسنت میت کے لیے اسقاط کرتے ہیں تو وہابی دیوبندی انکار کرتے ہیں حالانکہ اسلام میں یہ مسئلہ رائج ہے۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا:)

ولذا تطرح هٰذه المدة من سن الميت الذكر ثم يحسب ما بقي من عمره فنعطى فدية صلاته على ذالك۔

(اسی بنا پر کہ لڑکا بارہ سال کے بعد بالغ ہوتا ہے۔ اسقاط دیتے وقت بارہ سال چھوڑ کر باقی عمر کا فدیہ دیا جاتا ہے)

ف: ایسے ہی لڑکی کی بلوغت کی ادنیٰ مدت نو سال ہے۔ یہی مختار مذہب ہے۔ اسی لیے عورت مر جائے تو نو سال چھوڑ کر باقی عمر کا اسقاط کیا جائے۔ یہ انسان کی ظاہری بلوغت کی علامات ہیں۔

باطنی سنِ بلوغ کیا ہے باطن کا سنِ بلوغ یہ ہے کہ چالیس سال کی عمر کے بعد اس کے لیے حقیقت کے راز کا پردہ اٹھتا ہے اور بعض کو بچپن میں ہی یہ علامات نصیب ہو جاتی ہیں۔

ارشادِ ایوب علیہ السلام سیدنا ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر بڑے اور چھوٹے کے دل میں بیج بوتا ہے اور جسے بچپن سے ہی حکیم بناتا ہے تو بڑے سن والوں کی نظروں میں اس کی قدر و قیمت وہی ہوتی ہے جو کبیر السن حکماء کی۔

حکایت حضرت حسین بن فضل بعض دانشمندوں کے ہاں تشریف لے گئے آپ اس وقت بچے تھے اور

marfat.com

اس دانشمند کے ہاں بہت سے اہلِ علم وفن جمع تھے جب حسین بن فضل نے کچھ کہنا چاہا تو اس دانشمند کو یہ کہہ کر بولنے سے روک دیا کہ ایسے اہلِ علم وفضل کے مجمع میں بچوں کا بولنا اچھا نہیں۔ حسین بن فضل نے فرمایا کہ میں اگرچہ چھوٹا ہوں لیکن ہُدہُد سے کم نہیں۔ اور آپ اگرچہ بڑے ہیں لیکن سلیمان علیہ السلام سے بڑھ کر نہیں (یعنی مجھ سے چھوٹا ہُدہُد اگر بہت بڑی قدرومنزلت والے سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں بول سکتا ہے تو میں بھی تیرے سامنے گفتگو کر سکتا ہوں) چنانچہ ہُدہُد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کہا احطت بما لم تحط به (میں نے اس کا احاطہ کیا جہاں تم نے احاطہ نہیں کیا)

حکماء کی حکمتیں

حکماء نے فرمایا کہ تونگری ہُنر سے ہے نہ کہ مال سے، اور بزرگی عقل سے ہے نہ کہ سن سے۔ یعنی انسان کی فضیلت کا دارومدار بڑے چھوٹے پر نہیں بلکہ علم و ہُنر پر ہے۔

حضرت زید بن امام زین العابدین اور ہشام بن عبدالملک

حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہما کو ہشام بن عبدالملک نے کہا کہ آپ کا دعویٰ خلافت غلط ہے اس لیے کہ آپ اس کے اہل نہیں کیونکہ آپ کنیز زادے ہیں۔ آپ نے اسے جواب میں فرمایا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی کنیز زادے تھے اگرچہ حضرت اسحٰق علیہ السلام ایک آزاد بی بی سے پیدا ہوئے لیکن کنیز زادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے وہ ذات پیدا ہوئی جس پر کل کائنات کو فخر ہے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

چہ غم ز منقصت صورت اہلِ معنی را
چو جان ز روم بود گو تن از حبش می باش

ترجمہ: اہلِ معنی کو ظاہری صورت کے نقص سے غم نہیں ہوتا جب وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی رُوح منور ہے تو پھر ظاہری جسم، اگرچہ حبشی ہو تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

چو کنعان را طبیعت بے ہُنر بود
پیمبر زادگی قدرش نیفزود
ہنر بنمائے اگر داری نہ گوہر
گل از خارست و ابراہیم از آذر

ترجمہ: چونکہ کنعان بن نوح کی طبیعت ہُنر سے خالی تھی اسی لیے اسے پیغمبر کے بیٹے ہونے نے

marfat.ocm

فائدہ نہ دیا۔ اگر تیرے پاس ہنر ہے تو وہی دکھاؤ گوہرِ دکھانے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ خار سے گُل اور آذر[1] سے ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔

وَالْقَوَاعِدُ یہ مبتداء اور قاعدۃ کی جمع ہے۔

سوال: فاعل کی جمع فواعل نہیں آتی۔

جواب: جب فاعل کو مؤنث کے معنے میں استعمال کیا جائے تو اس کی جمع فواعل آتی ہے۔ یہاں پر یہ صیغہ مؤنث کے لیے استعمال ہوا ہے۔

ف: اگر قعود بمعنے جلوس ہو تو مؤنث کے لیے لفظ قاعدۃ استعمال ہوگا۔ جیسے لفظ حامل کہ اگر اس میں حمل سے حملِ بطن مراد ہو تو حامل استعمال ہوگا۔ اگر اس سے پیٹھ پر بوجھ اٹھانے والی عورت مراد ہو تو حاملۃ استعمال ہوگا۔ ایسے ہی یہاں پر قاعد سے وہ عورت مراد ہے جو بچہ جننے اور حیض سے فارغ ہو۔ یہی معنی قاموس میں ہے۔

مِنَ النِّسَآءِ یہ قواعد کی ضمیر مستتر سے حال ہے۔ یعنی وہ بوڑھی عورتیں جو بچہ جننے اور حیض سے فارغ ہوں۔ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا یہ قواعد کی صفت ہے نہ کہ النساء کی۔ یعنی وہ بوڑھی عورتیں جو بڑھاپے کی وجہ سے اب خواہش نہیں رکھتیں۔ ہم نے بڑھاپے کی قید اسی لیے لگائی ہے کہ بعض عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ اگرچہ وہ حیض سے فارغ ہوتی ہیں بلکہ نکاح کی رغبت ان میں پائی جاتی ہے۔ (بلکہ فقیر اویسی غفرلہٗ کہتا ہے کہ عورت کو مرتے دم تک یہ رغبت نہیں چھوڑتی۔ ایک حکایت[2] حاشیہ پر پڑھیے اور مزید تفصیل تفسیر اویسی میں دیکھیے) یعنی وہ عورتیں بڑھاپے سے نہیں چاہتیں کہ ان سے کوئی شخص نکاح کرے فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ جملہ مبتدا کی خبر ہے اور جناح بمعنے اثم و وبال ہے اَنْ یَّضَعْنَ اس میں کہ وہ مردوں کے سامنے اتار لیں ثِیَابَهُنَّ فالتو کپڑے، جیسے پردے کی بڑی چادر

---

[1] شعراء عام اقوال کو اپنے اشعار میں لاتے ہیں ورنہ حقیقۃً ان کا وہ مذہب نہیں ہوتا جیسا کہ ہم نے صدائے نوی شرح مثنوی میں تفصیل سے لکھا ہے۔

[2] صاحب نفحۃ الیمن نے لکھا کہ ایک شخص گٹھڑی کاندھے پر رکھ کر طواف کر رہا تھا، کسی نے کہا گٹھڑی اتار کر طواف کیجئے۔ اس نے کہا یہ میری ماں ہے میں اس کا وہ حق ادا کر رہا ہوں جو اس نے مجھے دورانِ حمل اٹھایا۔ اس شخص نے کہا اس کا حق یوں ادا ہوگا کہ اس کا کسی سے نکاح کر دو۔ وہ ناراض ہونے لگا کہ میری بوڑھی ماں کے متعلق ایسے کہتا ہے۔ وہ شخص دیکھ رہا تھا کہ اس کی ماں اسے مُکّے مار رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ وہ تجھے حق بات کہتا ہے اور تو اس سے ناراض ہو رہا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.com

یا وہ بڑا دوپٹہ جو سر ڈھانکنے کے باوجود بعض بوڑھی عورتیں اوپر اوڑھتی ہیں غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَۃٍ ؕ ما یہ یضعن کی ضمیر سے حال ہے اور وہ چیزیں جن کا چھپانا ضروری ہے ان کے اظہار میں تکلف کا نام تبرج ہے اور یہ عورتوں کو حکم ہے کہ جن اعضاء کا مردوں کے سامنے چھپانا ضروری ہے انہیں ہر حال میں چھپائیے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ عورتیں زینۃ خفیہ جیسے کنگن، پازیب اور ہار، کو چھپائیں۔ ہاں بوقتِ ضرورت انھیں ظاہر کریں۔ یا اتارنے کی ضرورت ہو تو اتار دیں اس میں ان کے لیے کوئی حرج نہیں وَ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ اور اشیاء مذکورہ کے ترک وضع میں عفت چاہیں۔

ف: نفس کو اس حالت کا حاصل ہونا جو اسے غلبۂ خواہشِ نفس سے روکے اسے عفت کہا جاتا ہے۔

یہ جملہ مبتدا اور خَیْرٌ لَّھُنَّ اس کی خبر ہے یعنی ان کا عفت طلب کرنا ان کے لیے بہتر ہے اس حالت سے کہ وہ فالتو لباس اتاریں کیونکہ عفت میں تہمت اور الزام کی مورد نہیں ہوں گی وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کی ہر بات سُنتا ہے اور وہ ان کی وہ باتیں بھی سُنتا ہے جو ان کے اور مردوں کے درمیان واقع ہوتی ہیں علیمٌ، علیم ہے، وہ ان کے جملہ مقاصد کو جانتا ہے۔

ف: اس میں بُری باتوں سے اجتناب کی ترہیب ہے۔

مسئلہ: ایسی بڑھیا کو دیکھنا جائز ہے جس کو دیکھنے سے شہوت نہ ہو۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ جب انسان سے فتنہ میں ڈالنے والے امور دُور ہو جائیں اور آفات و بلیات کا جوش ختم ہو جائے تو اسے ذہنی طور پر سکون مل جاتا ہے اور وہ مشکلات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے لیے سکون ہی سکون ہوتا ہے۔ لیکن یاد رکھو فتویٰ سے تقویٰ اوپر ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وان یستعففن خیر لھن۔

حدیث شریف میں ہے:

لا یبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع ما لا بأس به حذرا مما به بأس۔

(بندہ متقین کے مراتب کو اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک کہ وہ امور بھی نہ ترک کر دے جو اس کے لیے جائز ہیں لیکن جواز پر عمل کرنے سے برائی کے ارتکاب کا خطرہ ہے)

حکایت حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بفضلہ تعالیٰ اُمِّ عبداللہ (یعنی زوجۂ خود) کے سوا میں کسی عورت سے وطی نہیں کی نہ بیداری میں نہ خواب میں۔ یہاں تک کہ خواب میں مجھے خیال گزرتا تھا کہ یہ بیگانی عورت ہے اس کا دیکھنا گناہ ہے خواب میں ہی میں اس عورت سے منہ پھیر لیتا تھا۔

marfat.ocm

جب خواب میں اس کو دیکھنے کو جائز نہیں سمجھا جاتا تو پھر اس سے وطی کیسے ہو سکتی تھی۔ اسی لیے بعض مشائخ نے فرمایا: کاش! مجھے بیداری میں وہی عقل نصیب ہوتی جو حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں نصیب تھی۔

تفسیر صوفیانہ فتوحات مکیہ میں ہے کہ متقی پر لازم ہے کہ وہ اپنے خیال پر قابو پائے۔ وہ جیسے اپنے ظاہر پر قابو رکھتا ہے کہ اس سے بُرائی کا ارتکاب نہیں ہونے دیتا ایسے ہی خیال پر قابو پائے کہ اس میں غلط تصور نہ آنے دے۔ کیونکہ خیال حس کے تابع ہے۔ اسی لیے شیخ پر لازم ہے کہ اس مرید کی سرزنش کرے جسے احتلام ہو اس لیے کہ اگرچہ احتلام خواب کی بات ہے لیکن اس کا تصور بیداری میں نہ ہوتا تو اس کا وقوع بھی نہ ہوتا کیونکہ خواب میں وہ شہوت اثر انداز ہوتی ہے جو خیال میں ہو۔ اس سے صاحبِ کمال مستثنیٰ ہے۔ یعنی صاحبِ کمال کو بھی احتلام ہوتا ہے لیکن اس خیال میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ ان کے اعضاءِ باطنی میں کسی عضو پر مرض کا حملہ ہوگا یا اس کے مزاج میں کسی بیماری سے خرابی ہو گی جو احتلام کا موجب بنی ہو گی (جیسے بعض آدمیوں کو سونے سے پہلے گرم پانی وغیرہ پینے سے احتلام ہو جاتا ہے) بنا بریں ان کا احتلام نہ اپنی عورت پر ہوگا نہ بیگانی پر۔ بلکہ سوءِ مزاجی کی وجہ سے منی کا اخراج ہُوا جسے شرعاً تو احتلام کہا جا سکتا ہے لیکن حقیقۃً نہیں۔

مسئلہ: منہ کھلا رکھنے میں بوڑھی عورت مرد کی طرح ہے۔ لیکن بالکل مردوں کی طرح کُھلے منہ بھی نہ رہے۔

حکما کی حکمت کا بیان کسی حکیم نے فرمایا کہ مرد کی زندگی کا آخری نصف بہتر ہوتا ہے اس لیے کہ پچھلے حصۂ زندگی میں مرد کا جہل چلا جاتا ہے اور حوصلہ بڑھ جاتا ہے اور رائے پختہ ہو جاتی ہے۔ اور عورت کی زندگی کا آخری حصہ بُرا ہوتا ہے اس لیے کہ پچھلی عمر میں عورت پر بدخلقی کا غلبہ ہوتا ہے اور اس کی زبان میں تیزی آجاتی ہے اور بچہ جننے کے قابل نہیں رہتی۔

ف: نکاح کی امید کا انقطاع بُوڑھے مردوں سے ہوتا ہے نہ کہ بوڑھی عورتوں کی جانب سے۔

حکایت منقول ہے کہ ایک بُڑھیا بیمار ہو گئی اس کا بیٹا اس کے علاج کے لیے طبیب کو لایا۔ طبیب نے دیکھا کہ بڑھیا بہترین لباس میں ملبوس ہے۔ طبیب نے کہا اس کا علاج یہ ہے کہ اس کا کسی سے نکاح کر دو۔ بڑھیا کے بیٹے نے کہا اب اس کے نکاح کا کیا معنی! بڑھیا بولی: بیوقوف! تُو طبیب سے زیادہ سمجھ رکھتا ہے!

حکایت حسن بصری و رابعہ بصریہ منقول ہے کہ جب رابعہ بصری کا شوہر فوت ہُوا تو حضرت حسن بصری اپنے مریدین سمیت اس کے ہاں تشریف لے گئے۔ تو رابعہ بصری رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے سامنے پردہ لٹکا دیا اور پردے کے

marfat.com

پیچھے بیٹھ کر حضرت حسن بصری اور آپ کے مریدین سے ہم کلام ہوئیں۔ حضرت حسن بصری اور آپ کے مریدین نے کہا کہ آپ کا شوہر فوت ہو گیا اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ بی بی نے کہا آپ حضرات کا شکریہ، لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ تم میں سب سے بڑا عالم کون ہے تاکہ عدت گزارنے کے بعد میں اس سے نکاح کر سکوں۔ سب نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا نام بتایا۔ آپ نے فرمایا: اگر وہ مجھے چار سوالوں کا جواب دے دیں تو پھر میں ان کی، وہ میرے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ سوالات سنائیں اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی تو ان کا جواب ضرور عرض کروں گا۔ بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ میرا پہلا سوال یہ ہے کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا کیونکر؟ حضرت حسن بصری نے جواب دیا، یہ غیبی معاملہ ہے یہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

پھر بی بی صاحبہ نے پوچھا: جب میں قبر میں جاؤں گی اور مجھ سے منکر نکیر سوال کریں گے تو کیا میں ان کا صحیح جواب دے سکوں گی؟

حضرت حسن بصری نے فرمایا: یہ بھی غیبی معاملہ ہے۔

پھر بی بی نے کہا: قیامت میں جب خلقِ خدا کو ایک جگہ پر جمع کیا جائے گا اور اعمال نامے اڑا کر بعض کو دائیں ہاتھ میں اور بعض کو بائیں ہاتھ میں دئے جائیں گے۔ آپ بتائیں کہ میرا اعملنامہ مجھے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا یا بائیں ہاتھ میں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ بھی علومِ غیبیہ سے ہے۔

پھر بی بی رابعہ بصری رحمہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب قیامت میں خلقِ خدا کو پکارا جائے گا کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے، بتائیے میں کس گروہ میں ہوں گی؟

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ بھی منجملہ امورِ غیبیہ سے ہے۔

بی بی رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا: جسے ان چار امور کی ہر وقت فکر ہو وہ نکاح کا خیال کیسے کر سکتا ہے۔ (یعنی میں چونکہ ہر وقت ان چار امور میں متفکر رہتی ہوں اس لیے اب میرے لیے کسی سے نکاح کرنا مشکل ہے)

بی بی رابعہ بصریہ کے دیگر سوالات

مذکورہ بالا سوالات کے علاوہ بی بی رابعہ بصری نے حضرت حسن بصری سے سوال کیا کہ اے حسن! بتائیے اللہ تعالیٰ نے عقل کے کتنے اجزأ بنائے؟

حضرت حسن نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے عقل کے دس اجزأ بنائے، نو اجزأ مردوں کو اور ایک عورتوں کو عطا ہوا۔

پھر پوچھا کہ شہوت کے کتنے اجزأ پیدا فرمائے؟

marfat.ocm

حضرت حسن بصری نے فرمایا: دس۔ ان میں سے نو اجزاء عورتوں کو اور ایک مردوں کو۔

اس کے بعد بی بی رابعہ نے فرمایا: اے حسن! میں عورت ہونے کے باوجود شہوت کے نو اجزاء کو عقل کے ایک جز سے قابو میں رکھے ہوئے ہوں۔ تم مرد ہو کر عقل کے نو اجزاء کے ساتھ شہوت کے ایک جز کو قابو کیوں نہیں کرتے؟

حضرت حسن قدس سرہٗ بی بی رابعہ رحمہا اللہ کا یہ سوال سن کر رو پڑے اور نہایت خاموشی سے اپنے مریدین سمیت وہاں سے چل دئیے۔

فرمانِ سلیمان علیہ السلام مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ شہوت پر غالب ہونے والا اس شخص سے بہتر ہے جو تنہا کافروں کے کسی شہر کو فتح کر لیتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

مبر طاعت نفس شہوت پرست
کہ ہر ساعتش قبلۂ دیگر ست

ترجمہ: نفسِ شہوت پرست کا کہا مت مان، جس نے ہر گھڑی نیا قبلہ بنایا ہو۔

تفسیرِ عالمانہ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ نہیں نابینا پر کوئی حرج یعنی گناہ اور وبال وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ اور نہیں لنگڑے پر کوئی حرج۔

حلِ لغات الاعرج، العروج سے ہے بمعنے ذہاب فی صعود یعنی اوپر کو جانا۔ اور عرج بمعنے مشیٰ مشی العارج۔ یعنی وہ اوپر کو جانے والے کی طرح چلا از باب دخل۔ اور یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے پاؤں کو کوئی تکلیف پہنچے تو پھر اس شخص کی طرح چلے جو چڑھائی پر چلتا ہے۔ یعنی لنگڑا ہو کر۔ اور عرج بر وزن طرب۔ وہ شخص جس کا لنگڑا پن پیدائشی ہو۔

خلاصہ یہ کہ یہاں اعرج بمعنے لنگڑا ہے خواہ پیدائشی ہو یا بعد میں ہوا ہو۔

وَلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ اور نہیں بیمار پر کوئی حرج۔ المرض بمعنے انسان کا حدِ اعتدال سے بڑھ جانا۔

ف: چونکہ عموماً تندرست لوگ ان کے ساتھ اکٹھے کھانا پینا پسند نہیں کرتے بلکہ اکثر ان سے نفرت کرتے ہیں اور بہت سے تو ان کے افعال سے تکلیف محسوس کرتے ہیں اور ان کے بعض اطوار ان کے لئے ایذاء کا موجب بن جاتے ہیں۔ مثلاً نابینا جب اکٹھے کھائے گا تو لاشعوری میں اپنے ساتھی کے آگے سے طعام اٹھائے گا اور لنگڑا بیٹھے گا تو بہ نسبت دوسروں کے زائد جگہ پر قبضہ کرے گا جس سے دوسرے

marfat.com

بیٹھنے والوں کو جگہ کی تنگی کا شکوہ ہوگا۔ ایسے ہی مریض میں بعض امراض ایسی ہوں گی جن سے ساتھی کو نفرت ہوگی یا کم ازکم اس کے اندر بیماری کی وجہ سے بدبُو پیدا ہو جائے یا اسے پھنسی پھوڑا ہو تو اس کی پیپ یا طبیعت کی کمزوری سے بار بار ناک بھوں چڑھانا وغیرہ وغیرہ۔ یہ جملہ امور طعام اکٹھے کھانے والوں کے لیے حرج کا موجب بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لا بأس لهم بان يأكلوا مع الناس ولا مأثم عليهم۔

(ان کے ساتھ اکٹھا کھانے میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی کوئی گناہ کی بات ہے ان پر)

وَّلَا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اور تمہارے ہم مثل اور انسان بالخصوص اہلِ ایمان پر کوئی حرج نہیں اَنْ تَاْکُلُوْا الاکل بمعنے طعام کھانا۔ یہ کہ تم ان کے ساتھ مل کر کھاؤ مِنْۢ بُیُوْتِکُمْ البیت بمعنے رات کے لیے انسان کی جائے پناہ۔ اب ہر اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں انسان اوقات بسر کرے۔ اس میں رات کی قید کی ضرورت نہیں لیکن بیوت عموماً ان جگہوں کو کہا جاتا ہے۔ جہاں انسان سکونت اختیار کرے۔ اور لفظ ابیات کا اشعار پر اطلاق ہوتا ہے۔

ازالۂ وہم یہاں یہ معنیٰ نہیں کہ تم ان گھروں سے کھاؤ جن میں تم خود بہ نفس نفیس رہتے ہو اور وہاں پر تمہارا طعام اور اموال وغیرہ ہے بلکہ یہاں پر بیوت سے ان لوگوں کے گھر مراد ہیں جو ہیں تو دوسروں کے لیکن بوجہ اتصال قریبی کے انھیں اپنا ہی تصور کیا جاتا ہے۔ مثلاً عورت کا گھر، اولاد کا گھر، غلاموں کا گھر، ان سب کو اپنا گھر تصور کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرد اپنی عورت کے گھر کو اور باپ اپنے بیٹے کے گھر کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اطيب ما اكل الرجل من كسبه وان ولده من كسبه۔

(انسان کے لیے حلال ترین غذا وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے کماتا ہے اور انسان کی بہتر کمائی اپنی اولاد ہے)

حدیث شریف کے آخر میں ہے:

انت ومالك لابيك۔

(تُو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے)

ف: جب اولاد کا حکم معلوم ہوگیا تو غلاموں کا حال خود سمجھ لو۔

اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآئِکُمْ آب بمعنے والد یعنی وہ حیوان جس کے نطفے سے اور حیوان پیدا ہو۔ اَوْ بُیُوْتِ

marfat.ocm

اُمَّهٰتِكُمْ۔ امہات، اُم کی جمع ہے۔ اہراق کی ہا کی طرح اس کی ہا بھی زائدہ ہے اس لیے کہ اہراق بھی دراصل اراق تھا۔ اُم چونکہ یہاں اَب کے مقابلہ میں ہے فلہذا والدہ کے معنی میں ہے اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ یہ اخ کی جمع ہے بمعنے وہ شخص جو ولادت میں مساہم و شریک ہو۔ اگر ماں باپ ایک ہوں تو وہ اخ عینی ہوگا۔ اگر باپ ایک ہو اور ماں علیحدہ علیحدہ تو اخ علاتی ہوگا ورنہ خیفی کہلائے گا۔ اگر ایک ماں کا دودھ پیا ہے تو وہ اخ رضاعی ہوگا۔ کبھی ایک قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے بھی اخ کہا جاتا ہے ایسے ہی دین ایک ہو تو بھی، اور صنعت ایک ہو یا کسی معاملہ میں وحدت ہو تو بھی اخ سے پکارا جاتا ہے بلکہ اگر کسی کو ایک دوسرے سے محبت ہو تو بھی انہیں ایک دوسرے کا بھائی کہا جاتا ہے۔ غرضیکہ جب بھی کسی کو ایک دوسرے کو کسی امر میں مناسبت ہوا سے اخ (بھائی) کہا جائے گا اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اخت، اخ کی تانیث ہے۔ اس کی تاء بمنزلہ عوض کے ہے اس کلمہ سے جو اخ میں محذوف ہوا۔ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ عم باپ کے بھائی کو کہا جاتا ہے۔ العمہ اس کی بہن کو۔ یعنی پھوپھی۔ یہ العموم بمعنے الشمول اسی سے العامہ بمعنے کثیر التعداد۔ شہر میں کثرت کی وجہ سے انہیں عامہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور العمامہ بھی اسی سے ہے کہ وہ سر کو شامل ہوتا ہے اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ خواہران پدرِ خود، ماں کے بھائی، ماں کی بہنیں یعنی خالائیں، ان سب کے گھروں سے اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗ مفاتح مفتح کی اور مفاتیح مفتاح کی جمع ہے۔ دونوں فتح (کھولنے) کے آلہ کو کہا جاتا ہے۔ اور فتح بمعنے اغلاق و اشکال کا ازالہ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان گھروں سے کھاؤ جن کی کنجیوں کے تم مالک ہوگئے ہو یعنی مالکوں نے اپنے گھروں میں تصرف کرنے کی تمہیں اجازت بخشی ہے۔ مثلاً ایک تندرست کسی کام کے لیے یا جنگ پہ چلا جائے اور اپنا گھر ایک بیمار یا مذکورہ کمزوریوں میں سے کسی ایک کے سپرد کر دیا جائے اور گھر کی نہ صرف کنجیاں بلکہ کاروبار اس کے قبضہ اور تصرف میں دے جائے تو یہ بیمار وغیرہ اس کے گھر سے بلا اجازت اور بے خوف و خطر اپنی ضرورت کے مطابق کھا پی سکتے ہیں۔

ف: بعض نے کہا یہاں وہ شے مراد ہے جو اس کے ماتحت اور قبضہ میں ہو، مال ہو یا جانور، بحیثیت وکالت تصرف کرنے کا حق رکھتا ہو یا حفاظت کے طور پر اس معنے پر کنجیوں کے مالک ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ شے اس کے قبضے اور حفاظت میں ہے۔ فلہذا بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت اس سے کھا پی

لہ یہی پچھلا معنیٰ مراد ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، والی مدین اخاھم شعیبا وغیرہ۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام نے اپنی اُمت کو بھائی کہا۔ اویسی غفرلہ

marfat.com

سکتا ہے۔

مسئلہ : وکیل اور محافظ بھی شے کے عین کو ضائع کرنے کے مجاز نہیں بلکہ وہ جو ضرورت پورا کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً باغ کے پھل اور جانوروں کا دودھ وغیرہ۔

اَوْ صَدِیْقِکُمْ یہ صداقت سے ہے بمعنے محبت میں سچا عقد۔ اور یہ صرف انسان کے لیے ہے۔ اور صدیق اسے کہتے ہیں جو دوستی کا دم بھرنے والے کی دوستی کی تصدیق کرے اسے دوست حقیقی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف : حضرت ابو عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صدیق وہ ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں دوست کی دوستی کا دم بھرے۔ ایسے دوست کے لیے دوست کی ہر شے مباح ہے خواہ وہ دنیوی امر ہو یا دینی۔ اسی لیے مشایخ نے کہا کہ صدیق وہ ہے جس کی صداقت کا تمہیں یقین ہو، نہ یہ کہ وہ کہتا پھرے کہ میں اس کا دوست ہُوں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تم اپنے دوست کے گھر سے بھی کھاؤ خواہ تمہارا اور اس کا رشتہ نسبی نہ بھی ہو۔ اس لیے کہ ایسے دوست کے گھر سے کھانے سے اس کا جی خوش ہوگا بلکہ وہ رشتہ داروں سے بھی زیادہ مسرور ہوگا اور اس کو اپنے لیے فخر و سعادت سمجھے گا بخلاف اقرباء اور رشتہ داروں کے کہ ان میں بہت تھوڑے ایسے ہیں جو رشتہ دار کے کھانے سے خوش ہوتے ہیں (بلکہ آج کے دور میں تو الٹا اس کے کھانے سے دل میں جلن محسوس کرتے ہیں)

قولِ ابنِ عباس حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تمہارا سچا دوست تمہارے والدین سے بھی بوقت ضرورت زیادہ کام آئے گا۔

روایت اسی لیے مروی ہے کہ قیامت میں جب جہنمی فریاد کریں گے تو جواب میں یہ نہ کہا جائے گا کہ تمہارے اَب و اُم تمہاری فریاد رسی نہیں کرتے بلکہ کہا جائے گا:

فما لنا من شافعین ولا صدیق حمیم۔

(نہ تمہارے سفارشی ہیں اور نہ ہی سچے پکے دوست)۔

حکایت حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دن اپنے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ آپ کے دوستوں نے آپ کے گھر کے اندر سے تمام اشیائے خورد و نوش اٹھا کر کھانا شروع کر دیا۔ آپ انھیں دیکھ کر بہت مسرور ہُوئے اور فرمایا ہم نے دیکھا کہ جب اہلِ بدر ایک دوسرے سے ملتے تو ہشاش بشاش ہو کر ملتے جیسے میں نے تمھیں دیکھ کر فرحت محسوس کی ہے۔

حکایت حضرت کاشفی نے لکھا کہ فتح موصلی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی دوست کے گھر تشریف لے گئے تو وہ دوست گھر پر نہ تھا آپ نے اس کی کنیز سے کہا میرے دوست کا وہ تھیلا لاؤ جس میں

marfat.ocm

اس کے دراہم و دنانیر ہیں۔ کنیز وہی تھیلا لائی تو آپ نے اس سے صرف ایک درہم نکال کر اسے لوٹا دیا۔ جب گھر کا مالک لوٹا تو کنیز نے پورا واقعہ سنایا تو وہ شخص بہت خوش ہوا۔ اسی خوشی میں اس کنیز کو نہ صرف آزاد کر دیا بلکہ بہت بڑے انعام و اکرام سے نوازا۔ نگارستان میں ہے ؎

شبے گفتم نہاں فرسودۂ را
کہ بود آسودہ در کنج رباطی
ز لذت ہا چہ خوشتر در جہاں گفت
میان دوستداران انبساطی

ترجمہ : میں نے ایک رات پریشان حال کو کہا کہ وہ آدمی بہت خوش قسمت ہے جو گھر کی چار دیواری کے گوشۂ تنہائی میں وقت بسر کرتا ہے دنیا میں اس سے خوشتر اور کونسا وقت ہوگا، اس نے جواباً کہا کہ وہ وقت بڑا خوشتر ہے کہ دوستوں سے ہنسی مذاق میں گزرے۔

سچے دوست کی علامات عوارف المعارف میں ہے کہ جب دوست سے کوئی شے مانگی جائے اور وہ کہے کہ تھوڑی ہے اور اسے اپنے مصرف میں لاؤں گا۔ ایسا جواب دینے والا سچا دوست نہیں۔ سچا دوست وہ ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ دوست کے آگے پیش کر دے اسے چند وچون (کتنا اور کیسے) یعنی لیت و لعل اور ٹال مٹول سے کوئی سروکار نہ ہو۔

ف : دوست جانی مال فانی سے بہتر ہے۔ اسی لیے مشایخ نے فرمایا کہ اے عزیز! ایسا دوست خرید کہ پھر وہ کسی دوسرے کو دینے کو جی نہ چاہے اگرچہ ایسے دوست کی خریداری میں ہر شے قربان کرنی پڑے۔ کسی شاعر نے خوب فرمایا : ؎

یاران بجان مضایقہ باہم نمیکنند
آخر کسے بحال جدائی چرا کند
بسیار جد وجہد بباید کہ تا کسے
خود را بآدمی صفتے آشنا کند

ترجمہ : دوست ایک دوسرے پر تنگی نہیں کرتے بالآخر جدائی سے اسے کیا فائدہ ہوگا، انسان کو بڑی کوشش کرنی چاہیے تاکہ کسی اور سے اس کی آشنائی ہو جائے۔

مسئلہ : مفسرین نے فرمایا کہ دوست کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کچھ لینا اس وقت جائز ہے جب یقین ہو کہ وہ دل میں بوجھ محسوس نہیں کرے گا۔ اور وہ قرائن سے ہر ایک کو معلوم ہے کہ بعض رشتہ دار

marfat.com

اور بعض سچے دوست ایسی باتوں سے الٹا خوش ہوتے ہیں بعض دل میں اسے سخت بوجھ محسوس کرتے ہیں۔

ف : اقارب کے بجائے صدیق کا ذکر بھی اس لیے ہے کہ یہ بات عموماً دوستوں میں پائی جاتی ہے اور رشتہ داروں میں کم۔

اب آیت کا معنیٰ ہوا کہ تم ان مذکورہ لوگوں کے گھروں سے ضرورت کے وقت بقدرِ ضرورت ان کی اجازت کے بغیر بیشک کھاؤ پیو اس میں تمہیں کوئی گناہ نہیں ہوگا اگرچہ وہ گھر پر نہ ہوں تب بھی تمہارے لیے کھانا پینا جائز ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ گھروں سے کچھ باہر لے جاؤ یا بالکل ہی ان کے گھروں کا صفایا کر دو۔

مسئلہ : امام واحدی نے الوسیط میں فرمایا کہ ان رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں سے ان کی لاعلمی میں کچھ کھا پی لینا ایسے ہے جیسے کوئی بھوکا کسی کے باغ سے باغبان کی اجازت کے بغیر بقدرِ ضرورت پھل توڑ لے یا اس مسافر کی طرح جو بھوکا ہو تو راستے میں مالک کی اجازت کے بغیر بکریوں وغیرہ کا دودھ پی لے یا پیاسا بلا اجازت پانی پی لے۔

ف : یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے ایسے مواقع پر عام اجازت عطا فرمائی ہے اور اس میں بُرے اخلاق اور گندی عادات سے بچنے کی ترغیب ہے۔

مسئلہ : اسی آیت سے حضرت امام ابو حنیفہ قدس سرہٗ نے استدلال فرمایا ہے کہ اگر کسی نے اپنے قریبی رشتہ دار (ذی رحم محرم) کے گھر سے چوری کی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس لیے کہ ایسے رشتہ دار کے لیے مال محفوظ نہیں سمجھا جائے گا اور قطع ید کے لیے مال کا محفوظ ہونا شرط ہے۔ کما فی فتح الرحمٰن

مسئلہ : یہ اس وقت ہے جب تالہ نہ توڑا ہو یا اس کی چھپی ہوئی پیٹی کو نہ کھولا ہو یا کسی اور طریقے سے محفوظ مال کو نہ چرایا ہو۔ اگر مذکورہ صورتوں میں سے کوئی صورت پائی گئی تو قطع ید ہوگی۔

ف : اور پہلی صورت میں اس لیے قطع ید نہیں کہ رشتہ داروں کو گھروں میں آنے کے لیے عام اجازت دی گئی ہے اسی لیے ان کے لیے گھروں میں مال محفوظ نہ ہو سکے گا۔

مسئلہ : اگر کوئی کسی دوست کے گھر سے چوری کرے تو قطع ید ضروری ہے کیونکہ جب چوری کرے گا تو وہ دوست نہ رہے گا بلکہ خائن اور اس کا دشمن متصور ہوگا۔ یوں اس نے اپنے اوپر ظلم کیا اس لیے کہ جب اس نے اپنے دنیوی دوست کا خیال نہ کیا تو پھر سب کے مالک یعنی احکم الحاکمین کا کیا حیا کرے گا۔ اس معنے پر وہ اپنے آپ کو تباہ کرنے والا ہے اور گناہوں پر جسارت کرنے والا ہے۔

سبق : دانا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے پل بھر بھی غافل نہ ہو اور اسے ہر وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عادات و اخلاق پر نگاہ ہونی چاہیے کہ ان کا آپس میں کیسے بھائی چارہ تھا۔ اسی خلوص اور صدق نیت سے

marfat.ocm

وہ بہت بڑے مراتب وکمالات کو پہنچے بلکہ اسی صدق وصفائی کی وجہ سے اکمل واعلیٰ متصور ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور ان سے راضی ہو اور ہمیں ان جیسی نیات وخلوص قلبی اور اعمالِ صالحہ نصیب فرمائے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۔ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم مجتمع ہو کر کھاؤ یا تنہا ہو کر۔ اشتات، شت کی جمع ہے بمعنے متفرق بر حق کی طرح صیغہ صفت ہے یا بمعنے تفرق ہے اس معنے پر مصدر ہوگا لیکن مصدر بمعنے صفت ہوگا۔ اس وقت مبالغہ مقصود ہے۔

ف : شتیٰ، شتیت کی جمع ہے جیسے مریض کی جمع مرضیٰ ہے بمعنے متفرق۔

شانِ نزول یہ آیت بنی لیث کے حق میں نازل ہوئی۔ بنی لیث کنانہ کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ وہ اکیلے ہو کر کھانے کو ناپسند کرتے تھے بعض ان میں ایسے تھے کہ جب تک ان کے ہاں مہمان نہ آتا وہ طعام نہیں کھاتے تھے۔ بعض ایسے بھی تھے کہ صبح سے شام تک ان کے سامنے طعام پڑا رہتا اسے ہاتھ نہ لگاتے اگر مہمان نہ ہوتا بعض اونٹنیوں کا دودھ نہیں دوہتے تھے اور پیاسے بھوکے رہتے جب تک مہمان تشریف نہ لاتا۔

اس آیت میں رخصت دی گئی کہ تم اکیلے بھی کھاؤ اس لیے کہ بسا اوقات انسان کو مہمان میسر نہیں آتا تو اسے حرج کشی کی ضرورت نہیں کہ وہ مہمان کا انتظار کرے بلکہ اسے لازم ہے کہ وہ مہمان کا انتظار کیے بغیر اکیلا کھالے۔ ہاں اگر کوئی ضرورت مند ہو اور اکیلا کھائے اور اسے اپنے ساتھ نہ ملائے تو گنہگار ہوگا۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اکل و ذو عینین ینظر الیہ ولو یواسہ ابتلی بداء لا دواء لہ۔

(جو کوئی تم میں سے کچھ کھائے اور ضرورت مند اسے دیکھتا رہے اور اسے اپنے ساتھ شریک نہ کرے وہ ایسے مرض میں مبتلا ہوگا جس کا کوئی علاج نہیں۔

ف : امام نسفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جمیعا میں اشارہ ہے کہ اگر کوئی سفر پر جائے تو اپنی ضرورت کے علاوہ کسی دوسرے کا حصہ بھی ساتھ لے جائے۔

بعض مفسرین نے فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ اپنے طعام کو دوسروں کے طعام سے ملا کر کھاؤ۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا جب تم مذکورہ لوگوں کے گھروں میں داخل ہو۔ ہم نے مذکورہ گھروں کی قید قرینہ سے لگائی ہے کہ چونکہ ان کا ذکر ہو رہا ہے اس لیے یہاں پر بیوتا سے انہی لوگوں کے گھر مراد ہیں۔

ربط : رخصت عام کے مسائل بیان کرنے کے بعد اب گھروں میں داخل ہونے کے آداب بیان فرمائے

marfat.com

فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ جب ان کے گھروں پر جاؤ پہلے انھیں السلام علیکم کہو۔ انفسکم اس لیے فرمایا کہ وہ گویا دو جسم یک جان ہیں کیونکہ ان میں یا تو رشتہ داری کا تعلق ہوگا یا دینی مناسبت۔ اور یہ دونوں چیزیں السلام علیکم کا تقاضا کرتی ہیں۔ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے تحیۃ ہے۔ التسلیم بمعنے مسلّم علیہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے سلامتی طلب کرنا اور اس کا منصوب ہونا علی المصدر یہ ہے یعنی مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے۔ یہ دراصل فسلموا تسلیماً تھا یعنی السلامُ علیکم کا حکم اللہ تعالیٰ کی جانب ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ عند اللہ تحیۃ کا صلہ ہو۔ اب معنی یہ ہوگا کہ تم مسلّم علیہ کے لیے درازیٔ عمر کی دعا مانگو۔ مُبٰرَكَةً وہ تحیۃ جو خیر و برکت والی ہے اور اس پر دائمی ثواب ملے طَيِّبَةً ایسی تحیۃ کہ جس سے سننے والے کا جی خوش ہو۔ كَذٰلِكَ یہ اشارہ اس فعل کی طرف ہے جو اس کے بعد واقع ہے یعنی مثل ذٰلک التبیین بمعنے اس بیان کرنے کی طرح، يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ اللہ تعالیٰ وہ آیات نازل فرماتا ہے جو احکام پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ تاکہ تم ان کی شرائع و احکام و آداب کو سمجھو اور ان کے موجب عمل کرو اور ان کی برکت سے سعادتِ دارین سے کامیابی پاؤ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔ آپ نے مجھے کبھی نہ فرمایا کہ یہ کام تُو نے کیوں نہ کیا اور اگر مجھ سے اتفاقیہ کوئی شے ٹوٹ گئی تو یہ بھی نہ فرمایا کہ یہ تو نے کیوں توڑی۔ ایک دن میں کھڑا ہو کر آپ کے دست ہائے مبارک پر پانی ڈال رہا تھا تو فرمایا: اے انس! میں تمہیں تین کام ایسے نہ بتاؤں کہ اگر تم ان پر کاربند رہو تو نفع پاؤ گے۔ میں نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ! آپ وہ تین کام ضرور بتائیں میں ان پر یقیناً عمل کروں گا۔ آپ نے فرمایا: ایک تو یہ کہ جب تم میرے کسی اُمتی سے ملو تو اسے السلام علیکم کہو اس طرح سے تمہاری عمر دراز ہوگی۔

دوسرا یہ کہ جب گھر میں جاؤ تو بھی انھیں السلام علیکم کہو۔ اس سے تمہیں خیر و برکت نصیب ہوگی۔

تیسرا یہ کہ اشراق کا ناغہ نہ کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کی نماز ہے۔

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحیۃ کے

نکتہ از صاحبِ روح البیان خارجی معنیٰ کو معنوی معنیٰ پر درازیٔ عمر کا مطلب مرتب فرمایا ہے اس لیے کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ سلام کہنے والے کی دُعا قبول فرما لیتا ہے تو مسلّم علیہ کو عمرِ دراز عطا فرماتا ہے۔ یعنی اس کی عمر میں برکت ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی تسلیم داخلی یعنی گھر میں داخل ہوتے وقت کے سلام میں خیر و برکت کا معنیٰ مرتب فرمایا ہے اس لیے کہ عموماً گھر کے لیے خیر و برکت کی خواہش ہوتی ہے اور

marfat.ocm

پھر عموماً گھر میں جاتے ہی وضو کر کے نمازِ اشراق پڑھی جاتی ہے۔ اس بنا پر اسے السلام علیکم کے عمل کے بعد اور سلام داخلی کے بعد ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ نوافل چھپ کر پڑھنے چاہئیں بالخصوص گھر میں۔

مسئلہ: اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو کہے:

السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین۔

اس لیے کہ ایسے سلام کا جواب ملائکہ کرام دیتے ہیں۔ ایسے ہی مسجد میں داخل ہونے کا مسئلہ ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا دخلتم بیوتکم فسلّموا علیٰ اھلھا واذا طعم احدکم طعاما فلیذکر اسم اللہ علیہ فان الشیطان اذا اسلم احدکم لم یدخل بیتہ معہ واذا ذکرا للہ علیٰ طعامہ قال لا مبیت لکم ولا عشاء وان لم یسلم حین یدخل بیتہ ولم یذکر اسم اللہ علیٰ طعامہ قال ادرکتم العشاء والمبیت۔

(تم میں سے کوئی ایک جب گھر میں داخل ہو تو اسے چاہیے السلام علیکم کہے اور جب کچھ کھائے تو بسم اللہ پڑھے اس لیے کہ جب تم گھر جا کر السلام علیکم کہتے ہو تو شیطان تمہارے ساتھ گھر میں داخل نہیں ہوتا اور جب تم کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھتے ہو تو شیطان کہتا ہے خدا کرے تیرا گھر میں رہنا نہ ہو اور نہ ہی تمہیں شام کا کھانا نصیب ہو اگر کوئی گھر میں داخل ہونے پر السلام علیکم نہ کہے اور نہ ہی کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھے تو کہتا ہے تمہیں گھر میں رات گزارنا نصیب ہو اور شام کا کھانا بھی)

مسئلہ: سمجھدار بچوں کو السلام علیکم ترک نہ کیا جائے بلکہ انھیں السلام علیکم افضل ہے۔ کما فی البستان۔

مسئلہ: نوجوان عورتوں کو السلام علیکم نہ کہنا چاہیے تاکہ علیک سلیک سے واقفیت نہ ہو جائے جس سے فتنہ برپا ہو۔

مسئلہ: یہود و نصاریٰ کو السلام علیکم کی ابتداء نہ کی جائے ان کے لیے سلام کی ابتداء کرنا حرام ہے اس لیے السلام علیکم کہنا ایک قسم کا اعزاز ہے اور کفار کا اعزاز ناجائز ہے۔

مسئلہ: اہلِ بدعت (اعتقاداً) کو بھی سلام کہنا حرام ہے۔ اگر ناواقفیت سے ایسے پر السلام علیکم کہہ بھی دیا جائے تو اس کے سامنے ہی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ لیا جائے تاکہ اسے معلوم ہو کہ اس کی تحقیر ہوئی ہے۔

مسئلہ: اگر اہلِ کتاب یا بدعتی (بدمذہب) کو السلام علیکم کہنا ضروری ہو تو کہا جائے:

marfat.com

السلام علیٰ من اتبع الھدٰی۔

اگر وہ السلام علیکم کہہ دے تو اس کے جواب میں صرف "وعلیکم" کہا جائے۔ سلام کے مسائل تفصیل کے ساتھ ہم نے سورۂ نساء میں و اذا حییتم بتحیۃ کے تحت لکھ دیے ہیں۔

اولیاء اللہ کی شانِ اقدس

حقائق البقلی قدس سرہٗ میں ہے کہ جب تم اولیاء اللہ کے گھروں میں داخل ہو تو اعتقادِ صحیح لے کر ان کی تعظیم و تکریم بجا لاؤ۔ اس طرح سے تم بھی اہلِ کرامت سے ہو جاؤ گے۔ وہاں کی حاضری پر اپنی سلامتی کے لیے دعا مانگو اس لیے کہ ان کے آستانے کرامتِ حق و رحمتِ الٰہی کے مرکز ہیں۔

مزارات کی حاضری

(روح البیان گیارھویں صدی کے اوائل عشرہ کی تفسیر ہے اور وہابی سُنّی یعنی دیوبندی بریلوی اختلاف بارھویں صدی میں شروع ہوا۔ ہم اہلسنّت بریلوی وہی کہتے ہیں جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اور کیا۔ اور آپ کی وراثت میں اولیائے کرام نے ہمیں بتایا، اور اس اختلاف سے پہلے بھی وہی تھا جو ہم اہلسنّت میں ہے۔ چنانچہ روح البیان کی اصل عبارت ملاحظہ ہو):

یقول الفقیر وکذا الحال فی دخول المزارات والمشاھدات المتبرکۃ وان کان العامۃ لا یعرفون ذٰلک ولا یعتقدون۔ (ج ۶، ص ۱۸۳، آیۃ مذکورہ)

ترجمہ: فقیر (اسمٰعیل حقی رح) کہتا ہے کہ یہی حال مزارات و مشاہداتِ مقدسہ میں حاضری کا ذکر وہاں بھی (السلام علیکم کہو) اگرچہ اس سے عوام بے خبر ہیں اور نہ ہی ایسا عقیدہ رکھتے ہیں (یعنی اولیائے کرام کا سلام سننا اور جواب دینا)

حضرت کمال خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

صوفیم و معتقد صوفیان
کیست چو من صوفئ نیک اعتقاد

ترجمہ: میں صوفی ہوں اور صوفیہ کا معتقد ہوں اور میرے جیسا خوش اعتقاد صوفی ہے کون!

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بر سر تربت ما چوں گزرے ہمت خواہ
کہ زیارت گہ رندان جہان خواہد بود

ترجمہ: اے باہمت انسان! جب تم میری قبر پر گزرو اس لیے کہ میری قبر اہلِ دل لوگوں کی زیارت گاہ ہوگی۔

(باقی ص ۱۸۱ پر)

marfat.ocm

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ

والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں

يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ

حاضر ہوئے ہوں جس کے لیے جمع کیے گئے ہوں تو نہ جائیں جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں وہ جو تم سے اجازت

بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ

مانگتے ہیں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں پھر جب وہ تم سے اجازت مانگیں اپنے کسی کام کے لیے تو ان

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾ لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ

میں جسے تم چاہو اجازت دے دو اور ان کے لیے اللہ سے معافی مانگو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا

كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ

نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے بیشک اللہ جانتا ہے جو تم میں چپکے نکل جاتے ہیں کسی چیز کی آڑ لے کر تو ڈریں وہ جو رسول کے

الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾

حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے

أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ وَ

سن لو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے بے شک وہ جانتا ہے جس حال پر

يَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ

تم ہو اور اس دن کو جس میں اس کی طرف پھیرے جائیں گے تو وہ انہیں بتا دے گا جو کچھ انہوں نے کیا اور اللہ سب

ع ۹ ۳ ۵ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٤﴾

کچھ جانتا ہے۔

(ص ۳۰۰ سے آگے)

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ہے

نسیم الصبح زرعنی ربی نجد و قبلها

کہ بوئے دوست می آید ازاں پاکیزہ منزلہا

ترجمہ:

اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو ہر آن اور ہر گھڑی یمن سے نفس رحمانی سے خوشبو پاتے ہیں۔

marfat.com

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ۔

شانِ نزول: یہ آیہ اس وقت نازل ہوئی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے متعلق مشورہ کے لیے صحابہ کرام کو جمع فرمایا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں زیادہ دیر بیٹھنا ناگوار تھا اس لیے کچھ دیر بیٹھ کر حضور علیہ السلام سے بلا اجازت چلے جاتے۔ یا یہ آیت غزوۂ خندق کی کھدائی کے وقت نازل ہوئی۔ منافقین کی عادت تھی کہ وہ کام سے جی چرا کر حضور علیہ السلام سے اجازت کے بغیر چلے جاتے حالانکہ کھدائی کا کام نہایت اہم تھا تب اس کی کھدائی میں لگے رہے یہاں تک کہ چار نمازیں آپ سے قضا ہوتی ہوتی رہ گئیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیشک مومن کامل فی الایمان وہ ہیں۔ المؤمنون مبتدا اور اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اس کی خبر ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر صمیم قلب سے ایمان لائے اور پوشیدہ و علانیہ ہر لحاظ سے ان کے جملہ احکام میں اطاعت کی وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے ہیں عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ اس کا عطف اٰمنوا پر ہے اور الذین کا صلہ ہے۔ اور وہ لوگ جملہ اہم امور میں حضور علیہ السلام کا ساتھ دیتے ہیں۔ مثلاً جمعہ و عیدین اور جنگ اور امورِ اسلامیہ کے مشورے اور صلوٰۃ الاستسقاء، ایسے ہی وہ جملہ امور جو اجتماعی حیثیت سے سرانجام ہوتے ہیں اور امر کو جامع سے موصوف کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے۔ نیز اشارہ ہے کہ ان لوگوں کے اجتماع کا سبب وہی امر ہے اس لیے کہ وہ اتنا مہتم بالشان تھا کہ لوگوں کا اجتماع ہوا۔ یہ اسناد الفعل الی السبب کے قبیل سے ہے لَمْ یَذْهَبُوْا وہ حضور علیہ السلام سے بالکل جدا نہیں ہوتے حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ یہاں تک کہ آپ سے جانے کے لیے اجازت چاہتے ہیں جب آپ انہیں اجازت عنایت فرماتے ہیں پھر کہیں جاتے ہیں۔ ان کے ایمان کا کمال اسی میں ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی اجازت کے بغیر نہ جائیں۔ اس لیے کہ یہی صفت مخلص مومن اور منافق کے مابین امتیاز کرتی ہے۔ اس کے بعد مزید تاکید فرمائی کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ بے شک وہ لوگ جو آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ صرف وہی لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں ان کے ماسوا باقی سب منافق ہیں اور ان کی یہی علامت ہے کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت کے بغیر چلے جاتے ہیں۔

marfat.ocm

شانِ نزول کاشفی نے لکھا کہ آیت ذیل ان منافقین کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے غزوۂ تبوک سے جی کترانے کے لیے بہانے ڈھونڈے اور جنگ پر حاضری نہ دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا انما یستأذنك الذین یؤمنون باللہ و رسولہ الآیۃ بعض اجازت طلب کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے لیے ترہیب ہے۔ وہ اس لیے کہ ان لوگوں کے اغراض فاسد ہیں۔

ف : اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اجازت وعدمِ اجازت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ان کی غرضِ غلط کی وجہ سے تھی ورنہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تبوک میں چند دن گزار کر واپس مدینہ طیبہ جانے کی اجازت چاہی آپ نے انھیں بطیبِ خاطر اجازت عطا کر کے فرمایا :

انطلق فواللہ ما انت بمنافق جاؤ آپ منافق نہیں ہیں۔

(صاحبِ روح البیان کی یہ تحقیق نہایت ہی موزوں ہے)

فَاسْتَأْذِنُوكَ یعنی یقین ہو گیا کہ کامل فی الایمان وہ لوگ ہیں جو حضور علیہ السلام سے اجازت لے کر جاتے ہیں تو ان کے لیے یہ حکم بھی ہے کہ اگر وہ آپ سے اجازت طلب کریں لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ شان بمعنے حال امر۔ اسے ان احوال و امور میں استعمال کرتے ہیں جو نہایت اہم ہوں۔ کما فی المفردات۔

اب معنی یہ ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ لوگ اس وقت اجازت چاہتے ہیں جب انھیں اہم امور لاحق ہوتے ہیں یا کوئی حادثہ یا تکلیف درپیش ہوتی ہے شئونھم کے بجائے شانھم کہنے میں اور پھر اسے بعض سے مقید کرنے میں ان پر تغلیظ مطلوب ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک سے چلا جانا نہایت قبیح امر ہے ہاں اہم امور بھی انہیں طے کرنے ہوں تو انہیں اجازت دی جا سکتی ہے فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ تو آپ جن کے لیے چاہیں اجازت عطا فرمائیں کیونکہ ان کے معاملات اور ان کی حکمتیں و مصلحتیں آپ خوب جانتے ہیں اس معاملہ میں آپ پر کسی قسم کا اعتراض نہیں وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ اجازت دینے کے بعد ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب فرمایئے اس لئے کہ اگرچہ اجازت طلب کرنے سے ان پر کوئی گناہ نہیں لیکن پھر بھی یہ شائبہ تو ہے کہ انہوں نے دینی امر پر دنیوی معاملہ کو ترجیح دی۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ جانے کا خیال بھی نہ کرے چہ جائیکہ بلا اجازت چلا جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کوتاہیاں بخشنے والا، ان پر رحمت کرنے میں بہت بڑا مہربان ہے۔

marfat.com

ف: آیت میں حفظِ آداب کا بیان ہے وہ یہ کہ جب امامِ وقت (عالمِ دین، مرشدِ دوراں) کسی اہم امرِ دینی یا مسلمانوں کے کسی معاملہ میں لوگوں کو جمع کرے تو ان پر لازم ہے کہ جب تک امامِ وقت اجازت نہ دے وہ کہیں نہ جائیں اور نہ ہی طے شدہ امر کی مخالفت کریں اگرچہ جنگ کا کام ہو تو امیرِ لشکر کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں اور جنگ سے بھی نہ لوٹیں۔ ہاں شدید ضرورت ہو تو امامِ وقت سے اجازت لے کر واپس آسکتے ہیں اور امامِ وقت پر بھی لازم ہے کہ وُہ اجازت میں رکاوٹ نہ ڈالے۔ اگر مناسب سمجھے تو اجازت دے اور اجازت لینے والے پر بھی لازم ہے کہ بلا ضرورت اجازت نہ مانگے۔

ف: جو ایسے مواقع سے بلا اجازت چلا جائے وہ نفس پرست اور اہلِ بدعت ہوگا۔

ف: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ جمعہ کے دن خطبہ کے لیے آپ منبر پر رونق افروز ہوتے اور کوئی آپ سے جانے کی اجازت چاہتا تو وہ آپ کے سامنے کھڑا ہو جاتا تاکہ آپ دیکھ کر سمجھ جائیں کہ یہ شخص جانا چاہتا ہے۔ آپ اسے دیکھ کر اجازت کا اشارہ فرما دیتے۔

اسی لیے مشایخِ طریقت نے فرمایا کہ مرید جب کسی خاص ضرورتِ شدیدہ کے لیے جانا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ شیخ سے اجازت چاہے۔ اگر شیخ مکان میں نہ ہو تو شیخ کے دروازے پر حاضر ہو کر اپنے دل کی طرف متوجہ ہو یہاں تک کہ شیخ کی رُوح اسے اجازت بخشے گی جس کا اسے احساس ہوگا یہاں تک کہ وہاں سے چلے جانے سے یہ بھی محسوس نہیں کرے گا کہ وہ بلا اجازت جا رہا ہے لیکن یہ شغل پے در پے کرنے سے ہوگا اس لیے کہ تصور و خیال میں بھی بہت تاثیر ہے۔

تفسیرِ صُوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ مرید صادق وُہ ہے جو اپنے شیخ کے تصرفات کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے یہاں تک کہ اس کا کوئی سانس شیخ کی اجازت کے بغیر نہ نکلے۔ اگر کوئی اپنے شیخ کی مخالفت کرے سراً یا جہراً تو وہ صدق و صفائی کی بُو بھی نہ سونگھے گا۔ اور اس کی سیر الی اللہ بھی بہت دیر کے بعد طے ہوگی۔ اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو شیخ سے فوراً معافی مانگے اور اپنی غلطی کا اعتراف کھلم کھلا کر دے تاکہ شیخ سے کوئی نصیحت پائے جو اس کی غلطی کا کفارہ بن سکے۔ اس غلطی کے ازالے کے لیے شیخ کا جو حکم ہو اسے بجا لائے۔ ایسے ہی اگر کوئی مرید شیخ کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے معافی چاہے تو شیخ پر لازم ہے کہ اسے نہ صرف معاف کر دے بلکہ اسے ایسا عمل بتائے جس سے اس کے نقصان کی تلافی ہو سکے اور خود بھی اس پر خصوصی توجہ ڈالے کیونکہ مریدین اپنے شیخ کا عیال ہیں۔ بایں معنیٰ مشایخ کا فرض ہے کہ وہ اپنے فیوض و برکات سے اپنے مریدین کو نوازیں اور ان کی خامیاں پُوری کریں۔ اور مریدین پر لازم ہے کہ وہ جملہ امور میں اپنے مشائخ کی

marfat.ocm

موافقت کریں۔ امورِ شریعت ہوں یا امورِ طریقت، ان کے کسی امر کی مخالفت نہ کریں، نہ ہی ان سے دُوری اختیار کریں۔ سفر و حضر میں ان کی صحبت کو سعادۃِ عظمٰی سمجھیں اور مجاہدہ و ریاضت سے ان کی نگرانی میں اپنے نفس کا تزکیہ کریں۔

حکایت مریدین نے حضرت ابُو عثمان سے عرض کی کہ آپ ہمیں وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: دین پر مجتمع رہو، اپنے اکابر کی مخالفت سے پرہیز کرو اور ہر طاعت و عبادت کی ان سے اجازت لو اور اور ان کے مشورہ پر طاعات کرو اور اوراد و وظائف کرو۔ حسبِ استطاعت محتاجوں، مسکینوں اور ناداروں کی مدد کرو۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری محنت ضائع نہیں کرے گا۔

ف: اگر کسی سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو رحمتِ الٰہی سے ناامید نہ ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر وقت قبولیت ہی قبولیت ہے۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ بلے نبود دریں رہ ناامیدی
سیاہی را بود رو در سفیدی

۲ ز صد در گر امیدت بر نیاید
بنومیدی جگر خوردن نشاید

۳ در دیگر بباید زد کہ ناگاہ
ازاں در سوئے مقصود آوری راہ

ترجمہ: (۱) ہاں اس راہ میں ناامیدی نہیں کیونکہ سیاہی سے سپیدی ضرور برآمد ہوتی ہے۔
(۲) سو گھروں سے اگر تیری امید پوری نہ ہو تو بھی ناامیدی سے جگر کو پارہ پارہ نہ کر۔
(۳) اس نیے کہ اچانک کوئی ایسا دروازہ تمہیں مل جائے گا جس سے تو اپنی منزل تک پہنچ سکے گا۔

ف: اللہ تعالیٰ ہر بندے کی توبہ و استغفار قبول فرماتا ہے۔

شرح اشعار مذکورہ ان اشعار سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں یعنی انبیاء و اولیاء اور صالحین کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ اس کی رحمت بے پایاں ہے ورنہ جسے اللہ تعالیٰ مردود کر دے اسے کوئی نہیں بخش سکتا۔ اور جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دروازے سے دھتکار دیں اسے خلفاءِ راشدین ہی نہیں بلکہ اُمت کا کوئی فرد بھی گلے نہیں لگائے گا۔ جسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہیں بخشیں گے اسے کوئی بھی اجازت نہ دے گا اگر اجازت مل بھی جائے تو اسے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ ایسے ہی حال ہے اولیائے کرام کا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے وارث ہیں

marfat.com

کہ وہ بھی جسے اجازت نہ دیں اسے کوئی بھی اجازت نہ دے گا۔ اگر دے گا بھی تو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ یہ تصور کہ ایک وارث دھتکار دے تو کوئی دوسرا گلے لگا لے گا۔

(ایں خیال ست ومحال ست و جنوں)

اس لیے کہ جملہ اولیاء کرام ایک ہی حلقہ کی کڑیاں ہیں۔ جب کوئی بھی کسی ولی سے منہ موڑے گا اسے کوئی دوسرا ولی منہ نہ لگائے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل قبولیت کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ دُعا مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی آپ کی دعوت وامر برائے اعتقاد وعمل کو نہ بناؤ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا اپنے جلیسوں کی دُعا کی طرح یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو اپنی دعوت پر قیاس مت کرو اس سے اعراض اور اجابت میں مساہلت ان کی اجازت کے بغیر رجوع ہرگز نہ کرو اس لیے کہ آپ کی دعوت کی اجابت واجب ہے اور آپ کی اجازت کے بغیر رجوع حرام ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ ان کی نداء کو اپنی نداء پر قیاس نہ کرو۔ مثلاً یا محمد نہ کہو اور ان کے نام پر اپنا نام نہ رکھو مثلاً محمد بن عبداللہ وغیرہ۔ ایسے ہی جیسے اپنے ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ ایسے ہی انہیں مت بلاؤ ایسے ہی جب ان کے حجرۂ اقدس پر جاؤ چلا کر انہیں نہ بلاؤ۔ ہاں ان کا نام اور لقب تعظیم وتکریم کے ساتھ لو۔ مثلاً کہو: یا نبی اللہ، یا رسول اللہ۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے خود کہا ہے:

یا ایھا النبی، یا ایھا الرسول۔

ف: حضرت کاشفی نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو عام نداء سے پکارا لیکن اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکرم ترین القاب سے یاد فرمایا؛ ؎

یا آدم ست با پدرِ انبیاء خطاب
یا ایھا النبی خطابِ محمد است

ترجمہ: ابوالانبیاء کو یا آدم سے اور اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یا ایھا النبی کے پیارے لقب سے پکارا۔

مسئلہ: فقیہ ابواللیث نے فرمایا کہ آیت میں معلم الخیر یعنی استاد کا ادب سکھایا گیا ہے۔ یعنی اشارۃً حکم فرمایا کہ اپنے استاذ کی تعظیم وتکریم کرو۔

marfat.ocm

مسئلہ: آیت سے استاذ کی معرفت کو معرفتِ حق بتایا اور اس سے اہلِ علم وفضل کی علوِ شان و رفعتِ مرتبہ کا پتا چلا۔

ف: حقائق البقلی میں ہے کہ احترامِ رسول، احترامِ الٰہی اور معرفتِ نبوی، معرفتِ ایزدی اور ان کی متابعت حق تعالیٰ کی مطابقت ہے۔

تفسیر صوفیانہ التاویلات النجمیہ میں ہے کہ آیت میں مشائخِ طریقت کے ادب کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ وقت کا شیخ ایسے ہے جیسے امت میں نبی علیہ السلام۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ خطابات میں مشایخ کی تعظیم کرو اور ان کی خدمات بجالانے میں ادب کو ملحوظِ خاطر رکھو اور ان کی طاعت کرتے وقت ان کی ہیبت و عظمت کو سامنے رکھو۔

تفسیر عالمانہ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ۔ قد تحقیقیہ ہے اگرچہ یہ مضارع پر تحقیق کے لیے نہیں آتا ہے لیکن یہاں استعارہ کے طور تحقیق کے معنیٰ میں ہے جیسے کبھی لفظ رب تکثیر کے لیے آتا ہے۔ اس لیے تحقیقیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وعید یقینی ہے اس میں شک کی گنجائش کہاں۔ اسی تقاضا کو پورا کرنے کے لیے قد کو تحقیقیہ بنایا گیا۔

ف: الکواشی میں ہے کہ لفظ قد خبر دیتا ہے کہ مستللین بہت کم تھے اور واقعی تھا بھی ایسے ہی، کہ اس وقت یہ بہ نسبت دوسروں کے بہت کم تھے۔

حلِ لغات: التسلل بمعنے تدریجاً اور پوشیدہ طور پر درمیان سے نکل جانا۔ مثلاً کہا جاتا ہے:
تسلل الرجل یعنی فلاں آدمی لوگوں سے چوری نکل گیا اور ان سے اتنا دُور چلا گیا جس کا کسی کو علم بھی نہ ہو۔

اب معنی یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو جانتا ہے جو تھوڑے تھوڑے ہو کر چپکے چپکے نکل جاتے ہیں۔
لواذاً وہ شخص جو کسی کے خوف سے چھپ جائے کما فی الوسیط۔

القاموس میں ہے: اللوذ بالشیٔ بمعنے الاستتار والاحتصان بہ کاللواذ۔ یعنی لواذ کی طرح ہے بمعنے کسی شے کے ساتھ چھپنا اور محفوظ ہونا۔ یہاں پر اللواذ بمعنے الملاوذۃ ہے اس لیے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ چھپ کر نکلتے تھے یا مفاعلہ مجرد کے معنیٰ میں ہے اس لیے کہ ان میں جو اجازت لے کر جاتے تو دوسرے ان کے ساتھ چھپ کر چلے جاتے تھے۔ تاثر یہ دیتے تھے کہ یہ چھپنے والے ان سے اجازت لے کر جانے والوں کے اتباع سے ہیں لواذاً اس لیے منصوب ہے کہ وہ یتسللون کی ضمیر سے حال ہے بمعنے ملاوذین یا فعل مضمر سے مصدر (مفعول مطلق) مؤکد ہے۔

marfat.com

یہ عبارت یوں تھی :

بِلاوذون لِواذا۔

مسئلہ : جماعت سے نکل جانا عام ہے جنگ سے ہو یا جمعہ کے دن مسجد سے، ایسے ہی دوسرے حق کے مجمعوں سے (جیسے وہابی دیوبندی سلام وقیام کے وقت بھاگ جاتے ہیں)۔

شانِ نزول بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ پڑھتے تو منافقین ایک دوسرے کے سہارے یا صحابہ کرام سے پیچھے ہٹ کر مسجد سے نکل جاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ وعید نازل فرمائی۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ چاہیے کہ خوف کریں وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کرتے ہیں یعنی ان کے حکم کے مقتضیٰ پر عمل نہیں کرتے۔ صحیح سمت کے بجائے مخالف سمت کو چلے جاتے ہیں۔ عن کا لفظ اعراض کے معنے کو متضمن ہے بمعنیٰ روگردانی کرنا۔ اور یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اس لیے حقیقی آمر وہی ہے یا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ مقصود بالذکر آپ ہیں اَنْ تُصِيْبَهُمْ یہ کہ انھیں پہنچے فِتْنَةٌ دنیا کا کوئی دُکھ ان کے بدن یا مال یا اولاد میں مثلاً مریض ہو جائیں یا انھیں قتل کر دیا جائے یا تباہ و برباد ہو جائیں یا ان پر کسی جابر بادشاہ کا تسلط ہو جائے۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ ان کے دلوں پر مُہرِ غفلت لگ جائے یا توبہ کی توفیق نصیب نہ ہو۔

حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ فتنۃ سے دل کی سختی اور اس کا معرفتِ الٰہی سے متاثر نہ ہونا مراد ہے۔

اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ یا انھیں آخرت میں دردناک عذاب پہنچے۔

ف : جلالین میں ہے ان تصیبھم فتنۃ یہ کہ انھیں کوئی ایسی مصیبت پہنچے جس سے ان کی منافقت ظاہر ہو جائے او یصیبھم عذابٌ الیم یا انہیں دنیا میں بعجلت دنیا میں دردناک عذاب پہنچے۔ او منع الجمع کا نہیں بلکہ منع الخلو کا ہے فعل کا اعادہ تحذیر کے معنیٰ کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے ہے اور دو عذابوں کی ترتیب بتاتی ہے کہ یہ امر وجوب کا ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ امرہٖ کی ضمیر شیخ یعنی مرشد کامل کی طرف راجع ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ چاہیے ڈریں وہ لوگ جو اپنے مشایخ کے امر کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ان تصیبھم یہ کہ انھیں سستی یا قبول خلق یا بلا وقت نکاح کرنے یا شیخ کی اجازت کے بغیر سفر کرنے اور عورتوں اور لڑکوں میں مبتلا ہونے یا صحبتِ اغنیاء یا بادشاہوں (افسروں کے ہاں خواہ مخواہ) بکثرت آنے جانے یا عہدۂ ملازمت و مراتب دنیویہ کی طلب یا کثرتِ عیال سے آزمائش میں مبتلا ہوں وہ اس لیے کہ

marfat.ocm

ماسوی اللہ میں مشغول ہونا صوفیاءِ کرام کے نزدیک بہت بڑا فتنہ ہے او یصیبھم عذ اب الیم یا انہیں اللہ تعالیٰ سے منقطع ہونے کا بہت بڑا عذاب پہنچے۔

ف: حقائق البقلی میں ہے کہ یہاں پر فتنہ سے اپنے غیر جنسوں اور مخالفینِ اسلام اور منکرینِ دین کی صحبت مراد ہے (واللہ اعلم) اس لیے کہ ان کی صحبت سے اولیاءِ کرام کے ساتھ دل میں بدظنی پیدا ہوتی ہے (جیسے وہابیہ و دیگر بدمذاہب کے ساتھ میل جول رکھنے والوں کو ہم نے دیکھا اور آج کل یہ گروہ تبلیغی جماعت کا روپ دھار کر عوام اہلِ اسلام کو اولیاءِ کرام سے منحرف کرنے کی تحریک چلا رہا ہے) یقین جانیے کہ اولیاء اللہ سے بدظنی پھیلانے والے اللہ کے دشمن ہیں [1]

ف: حضرت ابو سعید الخراز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فتنہ بمعنے کسی کو استدراج کے طور نعمتوں سے مالا مال کر دینا حتیٰ کہ اسے معلوم نہ ہو کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

ف: حضرت رویم نے فرمایا کہ فتنہ عوام کے لیے اور بلاءٗ خواص کے لیے ہوتی ہے۔

ف: حضرت ابو بکر بن طاہر نے فرمایا کہ فتنہ پر گرفت ہوتی ہے اور بلاءٗ سے معافی مل جاتی ہے بلکہ صاحبِ بلا کو ثواب ملتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط خبردار جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ یعنی جملہ موجودات خلقاً و ملکاً و تصریفاً و ایجاداً و اعداماً بدءً و اعادۃً ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ قَدْ یہ بھی تحقیقیہ ہے۔ اس کی وہی تفصیل ہے جو ہم نے اوپر لکھی ہے یَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ط یہ خطاب مکلفین بالاحوال والاوضاع کو ہے منجملہ ان کے موافقت و مخالفت اور

---

[1] صاحبِ روح البیان کی اصل عبارت پڑھنے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

واعداء اولیائہ یقعون کل وقت فی الحق ویقبحون احوالھم عند العامہ لصرف وجوہ الناس الیھم وھذہ الفتنۃ اعظم الفتن۔ (ج ۷ ص ۱۸۶ تحت آیت مذکورہ)

ہمارے دور میں یہ فتنہ زوروں پر ہے کہ اولیاء اللہ کے دشمن مختلف رنگ و روپ دھار کر عوام اہلِ اسلام کو دھڑا دھڑ گمراہ کر رہے ہیں اور پھر مصیبت یہ ہے کہ بقول علامہ اسمٰعیل حقی دین و اسلام کے ٹھیکیدار بھی بنے پھرتے ہیں یہاں تک کہ عوام اہلِ اسلام کی نظروں میں دین و اسلام کے سچے خادم بھی وہی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون فالی اللہ المشتکی۔ اس مسئلہ کی تفصیل اور اولیاء اللہ کے اعداء کی علامات فقیر کی کتاب "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی وہابی دیوبندی کی نشانی" میں پڑھیے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.com

اخلاص و نفاق ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں جانتا ہے کہ جس حال میں تم ہو۔ وَيَوْمَ تُرْجَعُوْنَ إِلَيْهِ اس کا عطف ما انتم علیہ پر ہے اور یہ یوم مفعول بہ ہے ظرفیہ نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت کو تحقیقاً جانتا ہے جبکہ منافقین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی مخالفت کرنے والوں کو جزاء و عذاب کے لیے حاضر کیا جائیگا یرجعون، الرجع سے ہے جو کہ متعدی ہے الرجوع سے نہیں کیونکہ وہ لازم ہے اور شے کے وقوع کے وقت کو جاننا شے کے وقوع کو مستلزم ہے اور یہ وقوع شے کے علم سے زیادہ بلیغ ہے فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا پھر انھیں ان کے اعمال کی خبر دے گا۔ یعنی ان کے اعمال کو بر سر میدان عام ظاہر کرے گا۔ اس وقت انہیں اپنے قبیح ترین اعمال کا پتا چلے گا، اس وقت ان کے اعمال کی سزا مرتب ہوگی۔ چونکہ خبر دینے اور ظاہر ہونے سے آپس میں ملابست ہے اس لیے یظھر کے بجائے ینبئہم فرمایا۔ ان کی آپس میں ملابست ظاہر ہے وہ یہ کہ دونوں علم کے سبب ہیں۔ اس میں تنبیہ ہے کہ یہ لوگ ان کے اعمال کے ارتکاب کے وقت بے خبر اور اس کے انجام سے لاعلم تھے۔ اس لیے کہ ان پر ان کے خلقیہ امکانیہ کے احکام کا غلبہ تھا اور دنیا میں آثار امزجہ طبیعہ حیوانیہ سے مغلوب تھے وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ ہر شے کو جانتا ہے۔ یعنی اس سے زمین و آسمان کی کوئی شے مخفی نہیں اگرچہ منافقین دنیا میں اپنے اعمال کو مخفی رکھنے کی ہر طرح کی کوشش کرتے رہے۔

آنکس کہ بیافرید پیدا و نہان ‏ ‏ ‏ چوں نشناسد نہاں و پیدا بجہان

ترجمہ: وہ ذات جس نے ہر ظاہر و پوشیدہ کو پیدا فرمایا اس سے جہان کی ظاہری و مخفی شے کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے الا ان للہ ما فی السمٰوٰت والارض دُنیا و آخرت کی نعمتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں جو بھی ان میں کسی ایک سے چمٹا اللہ تعالیٰ سے دُور ہو جائیگا۔ بلکہ جس قدر اس کا تعلق کسی نعمت سے ہوگا اسی قدر اس سے مواخذہ ہوگا ویوم یرجعون الیہ اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں متعلقات کی زنجیروں سے جکڑ کر لایا جائے گا فینبئھم بما عملوا جب تو وہ انہیں ان کے اعمال کی جزا عطا فرمائے گا اگر اعمال اچھے ہوں گے تو جزا اچھی ہوگی ورنہ سزا پائیں گے واللہ بکل شیء علیم اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کے عمل کی مکافات کو جانتا ہے یعنی اگر کھجور کی گٹھلی کے پردے کے برابر نیکی ہے اور اس کی جو جزا ملے گی اور ایسے ہی اس کے بُرے عمل کی جو سزا ملے گی اسے خوب جانتا ہے کوئی شے اس سے مخفی نہیں۔

ف: معلوم ہوا کہ دُنیا و آخرت کی ہر شے اہل اللہ پر حرام ہے انھیں آخرت سے اگر کچھ محبّت ہے تو صرف اس لیے کہ وہاں دیدارِ الٰہی ہوگا۔ یا بایں معنی کہ اسے آخر بکسر الخاء سے نسبت ہے اور آخر اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

marfat.ocm

ف : بعض اہل اللہ فرماتے ہیں کہ انسان کو جو شے اللہ تعالیٰ سے غافل کردے اسی کا نام دنیا ہے۔
سبق : عاقل پر لازم ہے کہ تعلقات کی رسّی تجرد ذات وصفات کے سرِ مخفی بھید ہا سے توڑ کر امرِ الٰہی میں تفکر کرے یوم جزا و مکافات کے آنے سے پہلے اپنا حساب صحیح کرلے کیونکہ آخر فنا ہے اور اس چندروزہ زندگی کو بقا نہیں، نہ کوئی رہا نہ رہے گا۔
حدیث شریف میں ہے : ماقال الناس لقوم طوبیٰ لکم الا وقد خبأ لھم الدھر یوم سوء۔
(جس قوم نے دنیا میں عیاشی کی تو زمانہ نے اسے بُرے دن دکھائے)
کسی شاعر نے کہا، ؎

ان اللیالی لم تحسن الی احد
الا اساءت الیہ بعد احسان

ترجمہ : زمانہ جس کے ساتھ کچھ نیک سلوک کرتا ہے تو پھر اسی کی بُری طرح خبر لیتا ہے۔
کسی اور نے کہا : ؎ احسنت ظنك بالایام اذ حسنت
ولم تخف شر ما یأتی بہ القدر

ترجمہ : جب تیرے ساتھ زمانہ حسنِ سلوک کرتا ہے تو اس کی بھلائی سمجھتا ہے تو اس کی بُری تقدیر سے نہیں ڈرتا (کہ جب بُری تقدیر لاتا ہے تو ناکوں چنے چبوا دیتا ہے)
کسی اور شاعر نے فرمایا : ؎ لا صحۃ المرء فی الدنیا تؤخرہ
لا یقدم یوما موتہ الوجع

ترجمہ : نہ صحت وعافیت کسی کی عمر میں اضافہ کرتی ہے اور نہ ہی دکھ درد وقت سے پہلے مارتا ہے
واللہ بکل شیٔ علیم اللہ تعالیٰ ہر ایک کی موت اختیاری واضطراری اور اس کے لوٹنے اور دیگر جملہ امور کو سراً وجہراً جانتا ہے وہ شخص مبارکباد کا مستحق ہے جسے اس کا مشاہدہ نصیب ہوا اور جس نے ہر وقت اس کی حاضری کو مدِ نظر رکھ کر تمام زندگی خوف اور مراقبۂ موت پر بسر کی اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوا۔

تفسیر سورۂ نور ۳ رجب ۱۱۰۸ھ بروز ہفتہ ختم ہوئی۔ (اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ)

فقیر اویسی غفرلہٗ اس کے ترجمہ سے بروز ہفتہ ۳ ر رمضان
اور ۱۳۹۸ھ / ۷ ر ستمبر ۱۹۷۸ء سوا تین بجے بعد نمازِ ظہر
فارغ ہوا۔

فللہ الحمد علیٰ ذٰلك وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الاکرم
الف الف مرّۃ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہ کذٰلك۔

marfat.com

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اٰیَاتُهَا ٧٧ رُكُوْعَاتُهَا ٦
سورۂ فرقان مکی ہے اسمیں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ستتر آیات اور چھ رکوع ہیں

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۙ(١) الَّذِیْ
بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہاں کو ڈر سنانے والا ہو وہ جس کے
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ
لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور اس نے نہ اختیار فرمایا بچہ اور اس کی سلطنت میں کوئی ساجھی نہیں
كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا (٢) وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ
اس نے ہر چیز پیدا کر کے ٹھیک اندازہ پر رکھی اور لوگوں نے اس کے سوا اور خدا ٹھہرا لیے کہ وہ کچھ نہیں بناتے اور خود
یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً
پیدا کیے گئے ہیں اور خود اپنی جانوں کے برے بھلے کے مالک نہیں اور نہ مرنے کا اختیار نہ جینے کا نہ
وَّلَا نُشُوْرًا (٣) وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ
اٹھنے کا اور کافر بولے یہ تو نہیں مگر ایک بہتان جو انہوں نے بنا لیا ہے اور اس پر اور لوگوں نے انہیں مدد
قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ(٤) وَقَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا
دی ہے بیشک وہ ظلم اور جھوٹ پر آئے اور بولے اگلوں کی کہانیاں ہیں جو انہوں نے لکھ لی ہیں تو وہ ان پر
فَهِیَ تُمْلٰى عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا (٥) قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ
صبح و شام پڑھی جاتی ہیں تم فرماؤ اسے تو اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چھپی بات
وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (٦) وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ
جانتا ہے بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے اور بولے اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں
وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ۙ(٧)
میں چلتا ہے کیوں نہ اتارا گیا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کہ ان کے ساتھ ڈر سناتا
اَوْ یُلْقٰۤى اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ
یا غیب سے انہیں کوئی خزانہ مل جاتا یا ان کا کوئی باغ ہوتا جس میں سے کھاتے اور ظالم بولے تم تو پیروی

marfat.ocm

تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا
نہیں کرتے مگر ایک ایسے مرد کی جس پر جادو ہوا اے محبوب دیکھو کیسی کہاوتیں تمہارے لیے بنا رہے ہیں تو گمراہ

يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝
ہوئے کہ اب کوئی راہ نہیں پاتے

۱ ع۹ ۱۶

تفسیر عالمانہ سورہ فرقان مکیہ ہے۔ جمہور کے نزدیک اس کی ستتر آیات ہیں۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ بہت بڑی خیرو برکت والی ہے وہ ذات۔ یہاں پر مضاف محذوف ہے دراصل عبارت تبارك خير الذی الخ تھی۔ تبارك بمعنے تکاثر ہے اور برکت بمعنے خیر کثیر۔ اور قرآن پاک کے نزول کو خیرو برکت اس لیے فرمایا کہ قرآن مجید میں دینی و دنیوی دونوں برکتیں ہیں۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات ہر شے سے زائد اور برکت والی ہیں وہ اس لیے کہ برکة تزاید کے معنے کو متضمن ہے اور اس کی ذات وصفات کا ہر شے سے زاید ہونا ہر شے سے بلند ہونے پر بھی دلالت کرتا ہے۔

حکایت مولانا فناری نے تفسیر الفاتحہ میں لکھا کہ صاحب بن عباد کو رقیم و تبارک و متاع کے لغوی معنی میں تردد تھا۔ عرب کے متعدد قبائل میں سے تحقیق فرمائی لیکن اطمینان نہ ہوا۔ ایک دن کسی عورت سے سُنا کہ وہ اپنے بیٹے سے پُوچھ رہی تھی: این المتاع ؟ (متاع کہاں ہے؟) لڑکے نے جواب دیا:

جاء الرقيم واخذ المتاع وتبارك الجبل (کتا آیا اور رومال لے کر پہاڑ پر چڑھ گیا) اس وقت معلوم ہوا کہ الرقیم بمعنے کتا اور المتاع بمعنے وہ رومال جسے پانی سے بھگو کر برتن صاف کیے جائیں۔ اور تبارک بمعنے صعد (اوپر کو چڑھا) ہے۔

حلِ لغات: بعض اہلِ لغت نے کہا:

البرکة بمعنے خیر الٰہی کا کسی شے میں ثابت ہونا۔ اور جہاں ہر وقت پانی کھڑا رہے اسے بھی برکة اسی لیے کہا جاتا ہے کہ پانی ایک نعمت ہے اور وہ اس جگہ دائم و ثابت ہے۔

marfat.com

اس سے معلوم ہُوا کہ تبارك بمعنے دام دواماً ثابتاً یعنی اس نے ایسا ثبات و دوام کیا کہ وہاں سے ہٹنے کا نام تک نہ لیا۔ اسی لیے اس کا استعمال صیغہ مضارع یعنی یتبارك سے نہیں آیا کیونکہ یہ مضارع میں انتقال (ہٹنے) کا معنیٰ ہوتا ہے۔

ف: برہان القرآن میں لکھا ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے مستعمل ہے اور وہ بھی محض صیغہ ماضی کے ساتھ۔ اور اور یہاں پر اسے اس لیے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس کے مابعد جو مذکور ہوگا وہ عظیم الشان امر ہے۔ یعنی قرآن مجید ایسی عظیم الشان کتاب ہے جس میں جملہ کتبِ الٰہیہ کے علوم موجود ہیں۔

الفرقان مصدر ہے بمعنے فرق بین الشیئین یعنی فصل۔ اور قرآن مجید کو اس لیے فرقان کہا جاتا ہے کہ حق و باطل کے درمیان بہت زیادہ فرق واضح کرتا ہے اور اس سے مومن و کافر کی علامات کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔

عَلٰی عَبۡدِہٖ اپنے مخلص ترین عبد، اپنے خاص نبی، اپنے محبوب ترین، صفیہ الاولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

ف: حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عبد مطلق فرما کر تشریف و تکریم فرمائی۔ اور ظاہر فرمایا ہے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی علیہ السلام کو عبدِ مطلق نہیں کہا اور زکریا علیہ السلام کے لیے فرمایا عبدہ زکریا۔ تو اس میں ایسا اطلاق نہیں جیسا کہ یہاں ہے۔

ف: ثابت ہُوا کہ ہر نبی عبدِ الٰہ ہوتا ہے۔ اس میں نصاریٰ کا رد ہے کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کی عبدیت کے منکر ہیں اسی لیے ہم اہلِ اسلام تشہد میں پڑھتے ہیں عبدہٗ و رسولہٗ۔ اور اس میں عبدہٗ کی تقدیم بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔

لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ یہ تنزیل کی غایت ہے یعنی تاکہ وہ رسول قرآن مجید کے ذریعے اپنے معاصرین اور آنے والے انس و جان کے منذر ہوں۔ یعنی انھیں عذابِ الٰہی اور غضبِ خدا سے ڈرائے۔ نذیر بمعنے منذر ہے۔ انذار ایسی خبر دینا جس میں خوف دلانا بھی ہو۔ ایسے ہی تبشیر۔ ایسی خبر دینا جو خوشخبری پر مشتمل ہو۔

امام راغب نے فرمایا کہ فلک کے جواہر و اعراض کو عالم کہتے ہیں۔ دراصل اس شے کو کہا جاتا ہے جس سے کسی دوسری شے کا علم ہو، جیسے خاتم وہ آلہ ہے جس سے کسی شے کو ختم کیا جائے۔ چونکہ وہ آلہ کی طرح ہے اس لیے یہ صیغہ اسم آلہ کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ اور عالم کو اس نام سے اس لیے موسوم کرتے ہیں کہ یہ صانع حقیقی پر

marfat.ocm

دلالت کرتا ہے۔ اسے جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ کائنات کا ہر نوع ایک مستقل عالم ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے :
عالمِ انسان ، عالمِ ماء ، عالمِ نار وغیرہ۔
اور چونکہ اس عالم میں انسان اشرف المخلوق ہے اس لیے یہ جب کسی دوسرے غیر ذوی العقول کے کسی معاملہ میں شریک ہوتا ہے تو اس کی شرافت کے پیشِ نظر غیر ذوی العقول کے بجائے ذوی العقول کا صیغہ لایا جاتا ہے اسی لیے یہاں بھی صیغہ جمع سالم لایا گیا۔

ف : ابن الشیخ نے فرمایا کہ جمع سالم یعنی واؤ اور نون کے ساتھ اس صیغہ کو اس لیے لایا گیا تاکہ عقلاء کے جملہ افراد داخل ہوں وہ انسان ہوں یا جن ، اگرچہ ملائکہ بھی اجناسِ عالم سے ہیں لیکن حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم رسالتِ عامہ میں شامل نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام ملائکہ کے رسول نہیں۔ اس تقریر پر عالمین میں صرف جن و انس شامل ہیں اور آپ صرف انہی کے رسول ہیں اور بس[1]

اس تقریر پر آیت مذکور اور حدیث شریف :
ارسلت للخلق کافۃ۔
(میں تمام مخلوق کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں)
مخصوص عنہ البعض کے قبیل سے ہوں گے۔

قاعدہ : جملہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہر ایک نبی علیہ السلام ایک مخصوص قوم کے لیے مبعوث ہوئے۔

سوال : یہ قاعدہ بایں معنیٰ غلط ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام روئے زمین پر رہنے والوں کے نبی تھے۔

جواب : مبعوث تو عام لوگوں کے لیے ہوئے لیکن آپ کی رسالت کا دائرہ محدود رہا۔ اس لیے آپ کی رسالت آپ کے بعد آنے والوں کے لیے نہیں تھی۔

سوال : حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت بھی عام تھی پھر یہ قاعدہ غلط ہوا۔

جواب : اگرچہ جنات آپ کے تابع فرمان تھے لیکن بحیثیت نبوت نہیں بلکہ بحیثیت بادشاہت۔

مسئلہ : یہ آیت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے حجت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جنات کو اطاعت کا کوئی ثواب نہیں ملے گا سوائے اس کے کہ انھیں اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول کی برکت سے عذاب سے نجات نصیب ہوگی اور اگر وہ نافرمانی کریں گے تو سزا پائیں گے۔ اسی لیے صرف نذیرا للعٰلمین فرمایا ہے۔ اگر انھیں ثواب

---

[1] لیکن یہ صرف ابن الشیخ کا نظریہ ہے ورنہ جمہور اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ کائنات کے ذرہ ذرہ کے رسول ہیں۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہ

marfat.com

ملتا تو اس کے ساتھ بشارت کا ذکر بھی ہوتا (جیسا کہ قرآن مجید کا طریقہ ہے)

مسئلہ : الارشاد میں ہے کہ بشارت کا ذکر اس لیے نہیں ہے کہ یہاں صرف کافروں کے احوال بیان ہوں گے۔ ان کے لیے بشارت نہیں ہوتی۔[1]

الَّذِیْ اللہ وہ ذات ہے لَهٗ جو بالذات و بالاستقلال صرف اسی کے لیے ہے بالاشتراک یا لاستقلال اور کسی کے لیے نہیں مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور آسمانوں اور زمینوں کا ملک، اور ملک بمعنے جمہور میں امر و نہی کا تصرف۔ کاشفی نے لکھا کہ آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی، اس لیے کہ انہیں صرف اسی نے پیدا فرمایا اس لیے ان میں صرف اسی کو تصرف لائق ہے۔

رلبط : اس کے بعد نصارٰی کا رد فرمایا کہ :

وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا اس نے کوئی اولاد نہیں بنائی تاکہ اس کا کوئی وارث نہ ہو سکے اس لیے کہ وہ زندہ ہے اس پر موت نہیں اس کا عطف ماقبل کے جملہ ظرفیہ پر ہے۔

حل لغات : المفردات میں ہے کہ اتخذ بمعنے اخذ ہے اور اتخذ اسی کا باب افتعال ہے۔ الولد بمعنے المولود۔ اس کا واحد، جمع، صغیر کبیر، نر، مادہ میں مستعمل ہے۔

رلبط : اس کے بعد قریش کا رد فرمایا کہ :

وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ اور آسمانوں اور زمینوں کے ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں کہ اس کے ساتھ جھگڑا کرے یا ایجاد میں اس کی معاونت کرے۔ مثنوی شریف میں ہے :

۱ واحد اندر ملک او را یار نے
بندگانش را جز او سالار نے

۲ نیست خلقش را دگر کس مالکے
شرکتش دعوت کند جز ہالکے

---

[1] گویا امام ابوحنیفہ قدس سرہ کے استدلال کا رد کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ رد کمزور ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کفار کا رد ہے۔ اس میں بھی اہل ایمان کا ذکر کر کے بشارت بیان کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

ترجمہ: (۱) وہ شاہی کا واحد مالک ہے اس کا کوئی مددگار نہیں، اس کے بندوں کا کوئی سالار نہیں۔

(۲) اس کی مخلوق کا کوئی دوسرا مالک نہیں اگر کوئی اس کی شرکت کرے تو وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ اس نے مواد مخصوصہ معین صورتوں میں جملہ موجودات کو پیدا فرمایا اور اس میں مختلفۃ الاحکام والآثار قوی و خواص مرتب فرمائے فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ پھر اس نے ہر شے کو پورے اندازے پر رکھا۔ یعنی جیسے چاہا ہر شے کو تیار کیا اور ہر چیز کے خواص و افعال لائقہ ٹھیک ٹھیک بنائے۔ مثلاً انسان کی ہیئت کو دیکھئے کہ اس میں امورِ معاش و معاد میں نظر و تدبر و ادراک کا مادہ بنایا اسے مختلف صنائع کے استنباط کا طریقہ اور اعمالِ مختلفہ کو عمل میں لانے کی صلاحیت پیدا فرمائی۔ ایسے ہی دیگر انواع کا حال ہے۔ وَاتَّخَذُوْا اور مشرکین نے اپنے لیے مِنْ دُوْنِهٖٓ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ٹھہرائے۔ من دونہ حال ہے ای حال کونھم الخ یعنی ان کا حال یہ ہے کہ انھوں نے کہ ان اشیاءُ کے خالق کی عبادت سے تجاوز کر کے ٹھہرائے اٰلِهَةً معبودان باطلہ جیسے بت وغیرہ لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وہ کسی شے کو پیدا نہیں کر سکتے یعنی اُن کے بُت کسی شے کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی شے کو تباہ و برباد کر سکتے ہیں۔ انھیں کسی شے پر قدرت نہیں۔ کما فی تفسیر ابی اللیث

ازالۂ وہم: کفار چونکہ اپنے بُتوں کو ذوی العقول سمجھتے تھے ان کے خیالِ باطل کے مطابق ان کے بُتوں کے لیے ذوی العقول کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے[۱]

وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اور وہ دوسری مخلوق کی طرح پیدا کئے گئے ہیں وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ اور اپنے لیے بھی مالک نہیں۔ یعنی انھیں طاقت نہیں ہے ضَرًّا ضرر کے دفع کرنے کی۔ ضرر کو اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ یہ نفع سے اہم ہے وَّلَا نَفْعًا اور نہ نفع حاصل کرنے کی (ان میں طاقت ہے) جب وہ اپنے لیے نفع و نقصان کے مالک نہیں تو پھر دوسروں کو کیسے نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ وہ تو جانوروں سے بھی عاجز تر ہیں کیونکہ جانور اپنے سے نقصان کو دفع اور نفع حاصل کر سکتا ہے وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝ اور نہ وہ زندوں کو مارنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ہی مُردوں کو زندہ کرنے کی۔ اور نہ ہی ان میں

---

[۱] اس سے وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں کا وہم ملیامیٹ ہوا۔ وہ کہتے ہیں ان آیات سے بت مراد نہیں بلکہ اولیا مراد ہیں اس لیے کہ بت تو جماد محض تھے ان کے لیے ذوی العقول کے صیغے کیوں۔ اویسی غفرلہٗ

قیامت میں مُردوں کو دوبارہ زندہ کرکے اٹھانے کی طاقت ہے۔ جس کی یہ حالت ہو وہ الوہیت کا استحقاق نہیں رکھتا کیونکہ اس میں الوہیت کے لوازم نہیں بلکہ وہ ان اوصاف سے موصوف ہے جو الوہیت کے منافی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ الٰہ وہ ہے جو قیامت میں مُردوں کو دوبارہ زندہ کرکے اٹھانے کی قدرت رکھتا ہو اور اسے مکمل اختیار ہو کہ وہ جسے جس طرح چاہے جزا و سزا دے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ ضار، نافع، ممیت، محی، باعث صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی معبودِ حقیقی ہے اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں۔ بلکہ جملہ کائنات کا ہر فرد اس کا عبد ہے۔ کما قال تعالیٰ: ان کل من فی السمٰوٰت والارض الا اٰتی الرحمٰن عبدا۔

تفسیر صوفیانہ آیت سے ثابت ہوا کہ جھوٹے پیر اور مکار سجادہ نشین ہی درحقیقت اصنامِ باطلہ ہیں کیونکہ کسی بھی غافل دل کو بیدار کرنا نہیں آتا اور نہ ہی کسی نفسِ امارہ کو زیر کرنے کا طریقہ آتا ہے جو لوگ ایسے جھوٹے پیروں اور مکار سجادہ نشینوں کے مُرید ہوتے ہیں یا اُن کی اتباع کرتے ہیں بت پرست دراصل یہی لوگ ہیں (بخلاف صحیح طریقہ کے مشایخ عظام کے کہ وہ تو محبوبانِ خدا ہیں اور ان کے ساتھ تعلق مریدی تو بڑی شان ہے صرف منسوب ہونا بھی نجات کے لیے کافی ہے۔ فافہم ولا تکن من الوھابیین[1]

سبق: عقلمند وہ ہے جو ایسے جھوٹے پیروں اور مکار سجادہ نشینوں سے دور رہتا ہے اس لیے کہ صوفیاءِ کرام کے نزدیک حقیقی موت یہی ہے کہ بندہ حقیقت سے ناآشنا ہو۔ اور حقیقی حیاۃ علمِ دین ہے جس خوش بخت کو علم کے ذریعے خلقِ خدا کو فائدہ پہنچانے کا موقعہ ملا اور گمراہوں کو راہِ حق دکھانے کی توفیق نصیب ہوئی اور اندھوں کو جہالت کے گڑھے سے نکال کر معرفتِ الٰہی کا راستہ دکھانے کا موقعہ میسر ہوا اور غافلوں کے دل بیدار کرکے تجلیاتِ ربانیہ کی طرف لگائے تو سمجھو ایسے خوش نصیب نے انبیاء علیہم السلام کا کارنامہ سرانجام دیا۔ اور یہ کارنامہ ان خوش بختوں کو نصیب ہوتا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے سچّے اور صحیح جانشین ہوتے ہیں۔ انہیں سابق دور کی اصطلاح میں علمائے عاملین کہا جاتا ہے اور ہم (اہلسنت و جماعت) انہیں اولیاء اللہ اور پیرانِ طریقت اور مشایخِ کرام کے مقدس اسماء سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن افسوس ہمارے عوام بلکہ بعض مولویوں نے بعض جاہلوں اور بدعمل لوگوں کو ایسے القابات دے رکھے ہیں (اعاذنا اللہ تعالیٰ[2]) اور جو اس مرتبہ سے گرا تو اس کی ہر بات کا سننا ایسے ہوگا جیسے بنی اسرائیل نے بچھڑے کی آواز کو آوازِ حق سمجھ رکھا تھا۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ [2] ایضاً

marfat.ocm

سبق : جس پیر فقیر کو مندرجہ بالا طریقہ میسر نہ ہو اس مکار، فریبی سے دُور بھاگئے۔ اس کا مکر و فریب ویسے ہے جیسے بنی اسرائیل۔ کے بچھڑے سے آواز سنائی دیتی تھی۔

حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بلاف ناخلفان زمانہ غرہ مشو

مرد چو سامری از رہ ببانگ گوسالہ

ترجمہ : زمانہ کے مکاروں کی باتوں سے دھوکا نہ کھانا اور نہ ہی ان کی راہ پہ چلنا، ان کی آواز سامری کے بچھڑے کی آواز کی طرح ہے۔

سبق : اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

کونوا مع الصادقین۔

(منجملہ صادقین سے ہوجاؤ)

یعنی ان کی صحبت اختیار کرو تاکہ تمہیں بھی ان کی طرح صادق کہا جائے۔ اسی لیے مشایخِ طریقت نے فرمایا کہ انسان پر لازم ہے کہ اس شخص کی صحبت اختیار کرے جو دینی لحاظ سے احسن ہو یہاں تک کہ اس کی صحبت سے اسے صادقین کی جماعت میں شامل ہونا نصیب ہو۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نصیحت

حضرت عیسٰی علیہ السلام سے پُوچھا گیا کہ ہم کن لوگوں کی صحبت اختیار کریں۔ آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کی صحبت میں بیٹھو جن کی گفتگو سے تمہارے علم میں اضافہ اور ان کی زیارت سے بھی یادِ الٰہی اور آخرت کی ترغیب حاصل ہو۔

حضرت صائب قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

نورے از پیشانیٔ صاحب دلاں دریوزہ کن

شمع خود را می بری دل مردہ زیں محفل چرا

اے کہ رُوئے عالمے را جانب خود کردہٗ

رو نمی آری بروئے صائب بیدل چرا

ترجمہ : اہلِ دل لوگوں کی پیشانی کے نور سے کچھ مانگ اپنی شمع ان سے روشن کر، مردہ ہو کر یہاں سے نہ جا۔ اے برادر! تمام عالم کو تُو نے اپنی طرف متوجہ کر لیا تو خود بھی تو اپنے دل کا منہ کسی اہلِ دل کی طرف کر دے۔

اے اللہ! فرقان کے صدقے ہمیں صادقین کی جماعت کی صحبت فرما۔ (آمین)

marfat.com

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اور کافروں نے کہا۔ ان سے نضر بن حارث، عبداللہ بن امیہ، نوفل بن خویلد اور ان کے ساتھی مراد ہیں۔ اِنْ هٰذَآ نہیں یہ قرآن اِلَّآ اِفْكُ مگر جھوٹ محض جو اصلی حقیقت سے کوسوں دُور ہے۔ افک وہ بات جو حقیقت کے خلاف بیان کی جائے یعنی بناوٹی۔ اس لیے وہ ہوائیں جو خلافِ موقعہ اپنا رُخ بدل لیں انھیں المؤتفکات کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی وہ مرد جو حق سے منہ موڑ کر باطل کی طرف متوجہ ہوا سے رجل مافوك کہتے ہیں۔ افْتَرٰىهُ اسے (حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی طرف سے گھڑا ہے۔

افترا و کذب میں فرق افترا اس جھوٹ کو کہا جاتا ہے جو انسان خود گھڑ کر بیان کرے اور کذب عام ہے، اپنا گھڑا ہوا کلام بیان کرے یا کسی دُوسرے کا نقل کر کے۔ کما فی الاسئلة المقحمہ۔

وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ اور کلام کے گھڑنے پر مدد کی ہے قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ دُوسرے لوگوں نے۔ اس سے یہود مراد ہیں۔ یعنی یہود (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو اُمم سابقہ کی خبریں لا کر سناتے ہیں۔ پھر یہ ترمیم و اضافہ اور معمولی سا ردوبدل کر کے قرآن بنا لیتے ہیں فَقَدْ جَآءُوْ بیشک مذکورہ بات کہہ کر انھوں نے کیا ہے۔

قاعدہ: فعل جاء داتی کبھی فَعَل کے معنے میں بھی آتا ہے۔ جیسے یہاں پر جاء وا بمعنے فعلوا ہے۔ اس معنے پر یہ دونوں فعل متعدی ہوتے ہیں۔

ظُلْمًا کلام مُعجز کو یہود کی طرف سے اعانت کے طور گھڑا ہوا کلام کہہ کر بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کیا کیونکہ انہوں نے افک کو غیر محل میں استعمال کیا ہے۔ وَّزُوْرًا بمعنے بہت بڑا جھوٹ۔ اور ظاہر ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر افک کا بہتان باندھ کر بہت بڑے جھوٹ کا ارتکاب کیا اس لیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افک سے منزّہ تھے۔

امام راغب نے فرمایا کہ کذب کو زُور اس لیے کہا جاتا ہے کہ وُہ اپنی اصلی جہت (صدق) سے ہٹ گیا ہے کیونکہ اصل میں زور کا معنیٰ ہے سینے کے وسط کا ہٹ جانا ازور وہ انسان جس کا سینہ وسط سے ہٹا ہوا ہو۔

وَقَالُوْٓا اور اُنہوں نے اس قرآن مجید کے بارے میں کہا کہ یہ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے ہیں۔ اساطیر وہ خرافات اور جھوٹے افسانے جنھیں گزشتہ قوموں نے گھڑا۔ جیسے اسفندیار و رستم کے جھوٹے قصّے۔ یعنی یہ قرآن ان پُرانے افسانوں کا مجموعہ ہے جنھیں گزشتہ قوموں نے اپنے ہاں لکھ رکھا تھا۔

marfat.ocm

حلِ لغات اساطیر، اسطار کی اور یہ سطر کی جمع ہے۔ یا اساطیر بروزن احادیث۔ اسطورہ بروزن احدوثہ کی جمع ہے۔

القاموس میں ہے کہ السطر بمعنے کسی شے کی صف۔ کتاب ہو یا درخت یا شے دیگر۔ اور بمعنے الخط والکتابۃ والقطع بالسیف ہے۔ اسی لیے قصاب کو ساطر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ گوشت کو چھری سے کاٹتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے: اسطرہ بمعنے کتبہ ہے۔ اور اساطیر وہ باتیں جن کا سر ہو نہ منہ۔

اکْتَتَبَهَا انہیں اس نے لکھنے کا حکم فرمایا۔ خود لکھنے کے بجائے دوسرے کو حکم فرمانے کا معنیٰ ہم نے اس لیے کیا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود نہیں لکھتے تھے کیونکہ آپ اُمّی تھے (اکتتب بروزن احتجم افتصد۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب اسی کام کا دوسروں کو حکم دیا جائے۔

المفردات میں ہے کہ الاکتتاب، الاختلاق (گھڑنا) کے معنیٰ میں مشہور ہے۔

فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ تو من گھڑت افسانے جوڑ بنا کر حضور علیہ السلام کے سامنے پڑھے جاتے ہیں تاکہ آپ انہیں پورے طور یاد کر سکیں کیونکہ خود تو اُمّی تھے لکھتے نہیں تھے اس لیے دوسروں کے لکھے ہوئے کو سن کر یاد کر کے قرآن مجید تیار کر سکیں۔ الاملاء بمعنے القاء الکلام علی الغیر لیکتبہ (دوسرے کو بات بتانا تاکہ وہ اسے لکھ لے) **بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا** بکرۃ دن کے پہلے حصے کو اور اصیلا اس کے آخری حصے کو کہا جاتا ہے۔ اس سے ہر وقت مراد ہے یا بکرۃ سے صبح کا وہ وقت مراد ہے جب لوگ خواب سے بیدار ہو کر منتشر نہیں ہوتے اور اصیلا سے وہ وقت مراد ہے جب لوگ کاروبار سے فراغت پا کر گھروں کو لوٹتے ہیں۔

قاعدۂ علمِ میقات خرام السقط میں ہے کہ دن کے پہلے وقت کا نام فجر، اس کے بعد صباح، اس کے بعد غداۃ، اس کے بعد بکرۃ، اس کے بعد ضحی، اس کے بعد ضحوۃ، اس کے بعد ھجیرۃ، اس کے بعد ظھر، اس کے بعد رواح، اس کے بعد مساء، اس کے بعد عصر، اس کے بعد اصیل، اس کے بعد عشاء اولیٰ، اس کے بعد عشاء آخرہ اس کا وقت شفق کے غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔

قُلْ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کی تردید اور حق کی تحقیق میں فرمایئے **اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ** اسے اس ذات نے نازل فرمایا ہے جو غیب کو جانتی ہے **فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** جو کہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو یہاں پر لانے کی خصوصیت یہ ہے کہ کفارِ مکہ باوجودیکہ فصاحت و بلاغت

marfat.com

میں مشہور تھے لیکن قرآن مجید کی آیات کی فصاحت و بلاغت کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور پھر اس میں آنے والے مغیبات اور ان پوشیدہ امور کا ذکر ہے جنہیں سوائے غیب دان رب تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ جب وہ قرآن مجید اس کیفیت کا مالک ہے تو پھر اسے اساطیر الاولین کہنے والا احمق ہی ہوگا۔ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ بے شک اللہ تعالیٰ ازلاً ابداً دائماً وسیع المغفرۃ والرحمۃ ہے اسی لیے وہ باوجودیکہ تمہیں تباہ و برباد کرنے پر قدرت رکھتا ہے لیکن تمہارے غلط اقوال کی وجہ سے تمہاری سزا و عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اگرچہ تم اس لائق ہو کہ تمہیں جلد تر عذاب میں مبتلا کیا جائے۔

ف: آیت سے ثابت ہوا کہ وہ گمراہ قوم جس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان تراشا کہ آپ نے قرآن مجید اپنی جانب سے گھڑا ہے اگر وہ توبہ کر کے بارگاہِ حق میں گڑگڑاتے تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور بخش دیتا اور ان پر بے پایاں رحمت نازل فرماتا۔ کما قال تعالیٰ:

وانی لغفار لمن تاب۔

(جو میرے ہاں تائب ہو کر آئے میں اسے بخش دیتا ہوں)

ع در توبہ باز ست و حق دستگیر

ترجمہ: توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور اللہ تعالیٰ بندے کی دستگیری فرماتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی مصلحتوں کی رعایت رکھتے ہوئے اپنی حکمت ازلیہ کے موافق قرآن مجید کو اتارا تاکہ اس سے حضرت الٰہیہ کی طرف اہلِ سعادت ہدایت پائیں اور اہلِ شقاوت گمراہ ہو کر اسے انک کی طرف منسوب کریں۔ کما قال:

واذ لم یھتدوا بہ فسیقولون ھذا افك قدیم۔

(جب وہ اس سے ہدایت نہیں پاتے تو کہیں گے یہ تو پرانا افسانہ ہے)

اور قرآن مجید کا ادراک نورِ ایمان سے ہی ہو سکتا ہے۔ اور کفر ظلمت ہے اور ظلمت سے ظلمت ہی نظر آتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ کفار نے قرآن مجید کو کلام انسانی جیسا ظلمانی کلام سمجھا حالانکہ یہ نورانی اور قدیم اور کلامِ ربانی ہے۔ ایسے اہلِ بدعت (جیسے معتزلہ و کذالک الشیعہ) نے جب ظلمت بدعت سے قرآن مجید کو حدوث کی ظلمت مخلوق اور ظلمانی کلام دیکھا اور کلامِ الٰہی کو انسان کا کلام کہہ کر انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

القراٰن کلام اللہ تعالیٰ غیر مخلوق فمن قال بکونہ مخلوقاً فقد کفر بالذی انزلہ۔ (قرآن مجید کلامِ الٰہی ہے غیر مخلوق ہے جو شخص قرآن مجید کو مخلوق کہے وہ کافر ہے اس لیے

marfat.ocm

کہ اس نے نص صریح کے خلاف کہا)

ہم سب کو اللہ تعالیٰ الحاد اور سوءِ اعتقاد سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

ف: جُہلاء کی تعلیم اور ملاحدہ و مبتدعہ یعنی بدمذاہب کا رد واجب ہے اسے یُوں سمجھو جیسے زخم پر مرہم رکھی جائے یا جیسے باغی کو قتل کیا جائے اور بدمذاہب کو ایسے طریقہ سے دندان شکن جوابات دئے جائیں جو شریعت و طریقت کے خلاف نہ ہوں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ وہ کافروں کے غلط خیالات کا رد فرمائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی بدمذہب نے قرآن مجید اور اسلام پر طعن و تشنیع کی تو اسلاف صالحین نے بڑے مدلل و محقق جوابات لکھے۔ مثلاً جب معتزلہ نے کہا کہ قرآن مجید کو حادث اور مخلوق کہا تو علماء (اہلسنت) نے خوب خوب تردید کی ایسے ہی ہر زمانے میں مخالفینِ اسلام کا ہمارے علماء کرام نے رد فرمایا (جیسے دورِ حاضرہ کے مخالفینِ اسلام (مرزائی، وہابی، نجدی) کو ہمارے علماءِ کرام نے مسکت جوابات لکھے یہاں تک کہ انہیں منہ کھولنے کی جرأت نہ ہوئی)[1]

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من انتھر" ای منع "بکلام غلیظ صاحب بدعۃ سیئۃ مما ھو علیہ من سوء الاعتقاد والفحش من القول والعمل ملأ اللہ تعالیٰ قلبہ امنا وایمانا و من اھان صاحب بدعۃ اٰمنہ اللہ تعالیٰ یوم القیامۃ من الفزع الاکبر"۔

(اہلِ بدعت یعنی بدمذاہب کو بدعقیدگی سے زجر و توبیخ کے طور روکے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دے گا جو صاحبِ بدعت یعنی بدمذہب کو ذلیل و خوار کرے اسے اللہ تعالیٰ قیامت کی بہت بڑی گھبراہٹ سے امان عطا فرمائے گا)

ف: الفزع الاکبر سے نفخۂ اخیرہ کہ جس سے قیامت میں مخلوق کو سخت گھبراہٹ ہوگی، مراد ہے۔ یا وہ وقت مراد ہے جب کفار کو جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ یا وہ وقت مراد ہے جب کفار کو جہنم کے طبقات میں ڈال کر اوپر سے دوزخ کو بند کیا جائے گا۔ یا وہ وقت مراد ہے جب موت کو ذبح کیا جائے گا۔

ف: بدمذہب سے جتنی بے مروتی بلکہ جتنی زیادہ بے حُرمتی اور بے عزتی کی جاتی ہے انسان کو اتنی ہی قدر و منزلت اور امن و سلامتی و عافیت عطا ہوتی ہے اور جس بدمذہب کی بے عزتی کی جائے گی اس کی جانب کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ جیسا کہ اوپر ارشادِ قرآنی مذکور ہوا۔ (فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس نسخہ کو بہاولپور

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.com

پہنچنے پر آزمایا۔ لیکن افسوس کہ صلحکلیوں نے اسلام دشمنوں کو بجائے سرزنش و ملامت کے گود میں بٹھایا جس کی وجہ سے خود بھی ذلت کا سامنا کیا اور اسلام کو بھی شدید ترین نقصان پہنچایا۔ قیامت میں اسلام دشمنوں سے کچھ زاید صلحکلیوں سے اس جُرم کی سزا ملے گی[1]

ہم اللہ تعالیٰ سے امن و امان اور کامل ایمان اور اوامر کی پابندی اور مواعظ پر کاربند رہنے اور نواہی سے بچنے کا سوال کرتے ہیں۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

وَقَالُوْا اور قریشِ مکہ کے بڑے لیڈروں یعنی ابوجہل اور عتبہ و امیہ و عاص وغیرہم نے اس وقت کہا جب کعبہ معظمہ میں جمع ہوئے مَا استفہامیہ بمعنے انکار الوقوع کے ہے اور مبتدا ہے اس کی خبر لِ هٰذَا الرَّسُوْلِ ہے۔ مصحف میں لام هٰذا الرسول سے علیحدہ لکھی ملی ہے اور مصحف کی اتباع سنّت ہے۔ اس رسول کو کیا ہوگیا ہے۔ یہ حضور علیہ السلام کی تحقیر کے ارادہ پر کہا تھا اور آپ کو رسول بھی بطور استہزاء کہا گیا۔ یعنی کون سا سبب ہے اس شخص کو جو رسالت کا دعویٰ کرتا ہے۔ پھر اس کا حال یہ ہے کہ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وہ ہماری طرح کھاتا ہے۔ اور طعام اس شے کو کہا جاتا ہے جو غذا پر مشتمل ہو وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ اور وہ ہماری طرح طلبِ معاش کے لیے بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اسواق، سوق کی جمع ہے ہر وہ جگہ جہاں فروخت کے لیے شے کو لایا جائے۔ کفار کو انکار تھا کہ رسول بشری صفات سے موصوف ہو۔ خلاصہ یہ کہ کفار کا عقیدہ تھا کہ نبی علیہ السلام اپنے دعوئ نبوت میں سچے نہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ نبی وہ ہو جو کھائے نہ پیئے۔ بعض نے کہا کہ کفار کا خیال تھا کہ نبی بادشہ ہو یا فرشتہ، اس لیے کہ فرشتے کھاتے پیتے نہیں۔ اور بادشاہ بازار میں خرید و فروخت کے لیے نہیں آتے۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ رسول علیہ السلام کھاتے پیتے اور بازار میں خرید و فروخت کرتے ہیں تو متعجب ہوئے کہ رسول ہماری مثل ہے فلہٰذا یہ رسول نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رسول کو ہم سے فطرت اور اوصاف میں ممتاز ہونا چاہیے کیونکہ جیسے رسالت ایک اعلیٰ و اجل مرتبہ ہے ایسے ہی صاحبِ رسالت کو بھی اعلیٰ و اجل ہونا ضروری ہے۔ لیکن چونکہ وہ بصیرت سے بھی کورے تھے اور محسوسات پر ان کی نگاہ کی بھی کمی تھی ورنہ ظاہر ہے کہ رسل کرام علیہم السلام ظاہری امورِ جسمانیہ سے دوسروں سے ممتاز نہیں تھے بلکہ وہ دوسروں سے اگر ممتاز تھے تو احوالِ نفسانیہ کے لحاظ سے۔ اس لیے کہ بشریت تو صرف صورت کی حامل ہے اور صورت قلب کی سواری ہے اور قلب عقل کی، اور عقل روح کی، اور روح معرفت کی، اور معرفت ایک قدوسی قوّت ہے جو عین حق کشف سے صادر ہوئی ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

ف : کاشفی نے لکھا کہ انہیں معلوم نہ تھا کہ نبوت بشریت کے منافی نہیں بلکہ نبوت و رسالت کا حقیقی مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ وہ بشریت کے لباس میں ہو تاکہ تناسب و تجانس کی وجہ سے افادہ و استفادہ میں آسانی ہو۔ ع

جنس باید تا آمیزد بہم

(ہم جنس ہو تاکہ ایک دوسرے سے مل کر رہیں)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کافر بہرے گونگے اور اندھے ہیں اسی لیے وہ کچھ نہیں سمجھتے، اس لیے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حواسِ حیوانیہ کی نظر سے دیکھا۔ وہ حواسِ روحانیہ ربانیہ سے کوسوں دور تھے۔ انہوں نے وہی دیکھا جیسے عام حیوان کو دیکھا جاتا ہے لیکن ان کے پاس وہ نگاہ نہ تھی جس سے نبوت و رسالت کو دیکھا جاتا ہے اگر وہ اسی نگاہ سے دیکھتے تو یقیناً انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کا علم ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔ (نہیں ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا: وتراھم ینظرون الیك وھم لا یبصرون۔ (اور تو انہیں دیکھ رہا ہے کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں لیکن دیکھ نہیں سکتے)

وہ غریب بھی مجبور تھے کیونکہ ان کے قلوب تو تھے لیکن ان میں نبوت و رسالت کو سمجھنے کا مادہ نہ تھا اور ان کی آنکھیں تو تھیں لیکن وہ ان سے رسول و نبی علیہ السلام کو نہیں دیکھ سکتے تھے، ان کے کان تو تھے لیکن ان سے قرآن مجید نہیں سن سکتے تھے جب علم کے جملہ آلات کی جان ان کے ہاں نہیں تھی تو پھر انہیں کیا معلوم کہ رسول علیہ السلام کون ہیں اور ان کے کمالات و معجزات کیسے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر عالمانہ لَوْلَآ یہ حرف تحضیض بمعنے ھلا یعنی کیوں نہیں اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ نازل کیا جاتا فرشتہ، یعنی ان کے ہاں فرشتہ ایسی ہیئت و صورت میں حاضر ہو جو جن و بشر کی ہیئت و صورت سے مختلف ہو فَیَكُوْنَ منصوب ہے اس لیے کہ لولا کا جواب ہے مَعَهٗ ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے نَذِیْرًا ۙ تو ہو وہ فرشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار کے ڈرانے پر معاون۔ پھر ہمیں بھی اس کی تصدیق سے علم ہو گا کہ واقعی یہ رسول ہیں اَوْ یُلْقٰۤى اِلَیْهِ كَنْزٌ یا اس کی طرف آسمان سے مال و خزانہ نازل ہو جس سے وہ رسول دولتمند ہو کر معاش سے بے فکر ہو جائے۔

ف : کنز بمعنے مال مکنوز یعنی جمع کردہ اور محفوظ مال کو کنز کہا جاتا ہے جیسے فارسی میں گنج کہا جاتا ہے اور عام مشہور خزانہ ہے۔

اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ اگر انہیں خزانہ نہیں ملتا تو کم از کم اتنا تو ہو کہ اس کے

marfat.com

پاس کوئی باغ ہو جس سے اپنی معاش صحیح رکھ سکے، جیسے دولتمندوں اور سرمایہ داروں کے ہاں باغات ہوتے ہیں۔

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اس سے وہ کافر مذکور ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔ اور مضمر کے بجائے مظہر لایا گیا تاکہ ان کے ظلم کی مہر ثبت ہو اور اپنے قول میں حد سے متجاوز ہوئے اسی لیے انھیں ظالمین کہا۔ اور وہ یہ کہ خود تو گمراہ تھے اب اہلِ ایمان کو گمراہ کرنے کے ارادے پر کہا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ تم اتباع نہیں کر رہے اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ مگر ایسے مرد کی جس کی عقل پر جادو کا غلبہ ہے۔

ف: بعض اہلِ حقائق نے فرمایا کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کو اپنے اوپر قیاس کیا۔ اسی لیے اپنے قبیح حال کو ان کی طرف منسوب کیا۔ سحر (جادو) سحر (صبح کی روشنی) سے مشتق ہے جیسے سحر کی حالت ہوتی ہے کہ وہ روشنی اور تاریکی سے مختلط ہوتی ہے ایسے ہی جادو حق و باطل سے مختلط ہوتا ہے مسحور کے متعلق خیال کیا جاتا ہے اس نے کام کیا ہے حالانکہ اس نے وہ فعل نہیں کیا اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ دیکھئے آپ کے لیے کیسی عجیب وغریب مثالیں بیان کیں۔ یعنی آپ کے حق میں ایسے اقوال بیان کرتے ہیں جو عقلی لحاظ سے بھی بعید ہے اور آپ کے لیے ایسے احوال گھڑ لیے جو واقعہ سے کوسوں دور ہیں وہ صرف اس لیے کہ وہ آپ کی حقیقتِ حال سے بے خبر اور آپ کے جمال جہاں آرا سے غافل ہیں۔

ف: بعض مفسرین نے کہا کہ کفار نے آپ کو مسحور اور فقیر سے مماثلت دی کہ جیسے مسحور نبوت و رسالت کا اہل نہیں ایسے ہی آپ۔ اور جیسے فقیر ناقص ہوتا ہے کہ وہ اپنے امورِ معاش کو سرانجام نہیں دے سکتا ایسے ہی آپ (معاذ اللہ)۔ اسی لیے ان کا مطالبہ تھا کہ آپ کے ساتھ کوئی اور معاون ہو جو نبوت و رسالت کے امور سرانجام دے سکے۔

فَضَلُّوْا پس وہ کھلم کھلا حق سے بہک گئے۔ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ اسی لیے وہ سیدھے راستے پر نہیں چل سکتے بلکہ گمراہی کی وجہ سے راہِ حق سے کوسوں دور چل رہے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

بعض اکابر نے فرمایا:

یہ بدبخت نبوت و رسالت پر طعن و تشنیع کر کے استعداد ازلی کھو بیٹھے، اسی لیے وہ وصول الی اللہ سے محروم ہو گئے۔

marfat.com

تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ
بڑی برکت والا ہے وہ کہ اگر چاہے تو تمہارے لیے بہت بہتر اس سے کر دے
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُۙ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَ اَعْتَدْنَا
جنتیں جن کے نیچے نہریں بہیں اور کرے گا تمہارے لیے اونچے اونچے محل بلکہ یہ تو قیامت کو جھٹلاتے ہیں اور جو قیامت
لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ﴿۱۱﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا
کو جھٹلائے ہم نے اس کے لیے تیار کر رکھی ہے بھڑکتی ہوئی آگ جب وہ انہیں دور جگہ سے دیکھے گی تو سنیں گے اس کا جوش
وَّ زَفِیْرًا ﴿۱۲﴾ وَ اِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا
مارنا اور چنگھاڑنا اور جب اس کی کسی تنگ جگہ میں ڈالے جائیں گے زنجیروں میں جکڑے ہوئے تو وہاں موت مانگیں گے فرمایا
تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ
جائے گا آج ایک موت نہ مانگو اور بہت سی موتیں مانگو تم فرماؤ کیا یہ بھلا یا وہ ہمیشگی کے باغ
الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِیْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ
جس کا وعدہ ڈر والوں کو ہے وہ ان کا صلہ اور انجام ہے ان کے لیے وہاں من مانتی مرادیں
خٰلِدِیْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾ وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ وَ مَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ
ہیں جن میں ہمیشہ رہیں گے تمہارے رب کے ذمہ وعدہ ہے مانگا ہوا اور جس دن اکٹھا کرے گا انہیں اور جن کو اللہ کے سوا
دُوْنِ اللّٰهِ فَیَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا
پوجتے ہیں پھر ان معبودوں سے فرمائیگا کیا تم نے گمراہ کر دیئے یہ میرے بندے یا یہ خود ہی راہ بھولے وہ عرض کریں گے پاکی ہے
سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ یَنْۢبَغِیْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِیَآءَ وَ لٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ
تجھ کو ہمیں سزاوار نہ تھا کہ تیرے سوا کسی اور کو مولے بنائیں لیکن تو نے انہیں اور ان کے باپ داداؤں
وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا
کو برتنے دیا یہاں تک کہ وہ تیری یاد بھول گئے اور یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے تو اب معبودوں نے تمہاری بات
تَسْتَطِیْعُوْنَ صَرْفًا وَّ لَا نَصْرًا ۚ وَ مَنْ یَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِیْرًا ﴿۱۹﴾ وَ مَاۤ
جھٹلادی تو اب تم نہ عذاب پھیر سکو نہ اپنی مدد کر سکو اور تم میں جو ظالم ہے ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے اور ہم نے
اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ یَمْشُوْنَ فِی
تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب ایسے ہی تھے کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے
الْاَسْوَاقِ ؕ وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِیْرًا ﴿۲۰﴾
اور ہم نے تم میں ایک کو دوسرے کی جانچ کیا ہے اور اے لوگو کیا تم صبر کرو گے اور اے محبوب تمہارا رب دیکھتا ہے

marfat.com

تفسیر عالمانہ تَبٰرَكَ الَّذِیْٓ خیر و برکت والی ہے وہ ذات اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ اگر چاہے تو آپ کے لیے دُنیا میں کر دے۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ یہ تمام چیزیں آپ کو آخرت میں عطا فرمائے خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ اس سے بھی بہتر و برتر جو وہ کہتے ہیں کہ ان کے ہاں خزانے ہوں یا باغات۔ لیکن یہ چیزیں میں نے آپ کی آخرت کے لیے چھوڑ رکھی ہیں اور آخرت دُنیا سے بہتر و برتر اور دائمی بقاء والی ہے۔

حدیثِ لولاک دوبارہ تَبٰرَكَ اس لیے لایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کے لیے بہت بڑی عظمت والاخطاب بیان فرمایا ہے یعنی اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کی عظمت کی وجہ سے تَبٰرَكَ کا اعادہ فرمایا اور آپ کے خطاب کی عظمت کا اندازہ ذیل کی حدیثِ قدسی سے لگائیے کما قال تعالیٰ:

لولاک یا محمد ما خلقت الکائنات۔[1] اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا نہ فرماتا۔ (کذا فی برھان القرآن)

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وہ باغات کہ جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں۔ یہ خیراً سے بدل ہے جو کچھ انہوں نے کہا ان کے بالمقابل اپنے حبیب علیہ السلام کو جو کچھ دیا جائے گا اس کی بہتری و برتری کی تحقیق مطلوب ہے کیونکہ انہوں نے صرف ایک باغ کہا اور یہاں باغات، اور وہ بھی ایسے جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی وَیَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا اور چاہے تو آپ کے لیے دنیا میں ایسے مکانات بنا دے جو نہایت مضبوط، اونچے اور رفیع الشان ہوں۔

حلِ لغات: امام راغب نے فرمایا کہ اہلِ عرب کہتے ہیں:

قصرت کذا بمعنے ضممت۔ بعضہ الیٰ بعض۔ اسی لیے القصر ہے بمعنے میں نے شے کے بعض کو بعض سے ملایا اسی لیے القصر سے مشتق ہے اس کا عطف محل جزا پر ہے یعنی جعل پر۔

الفقر فخری حضور نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب تعالیٰ نے میرے سامنے بطحائے مکہ رکھ کر فرمایا کہ چاہو تو یہ سب آپ کے لیے سونے کے بنا دئے جائیں۔ میں نے عرض کی، نہیں اے میرے پروردگار! میں تو چاہتا ہوں کہ میں ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن سیر ہو کر کھاؤں۔ جس دن بھوکا

---

[1] **ردِ وہابیہ** حدیثِ لولاک کو وہابی دیوبندی مودودی وجملہ نجدی فرقے موضوع اور نہایت غلط انداز میں اسے ٹھکراتے ہیں حالانکہ یہ حدیث معناً صحیح ہے۔ اس کی تحقیق فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھیے۔ اور فقیر کا رسالہ شرح حدیث لولاک پڑھیے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

رہوں اُس دن تیرے سامنے گڑگڑاؤں اور دُعائیں مانگوں اور جس دن سیر ہو کر رہوں اس دن تیری حمد و ثنا بیان کروں۔

ردِ وہابیہ (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کی نفی میں وہابی لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر نبی علیہ السلام کو اختیار رہتا تو وہ پیٹ پر پتھر کیوں باندھتے اور اپنی معاش میں تنگ کیوں رہتے۔ انھیں مذکورہ بالا حدیث کو ٹھنڈے دل سے پڑھنا چاہیے اور ماننا چاہیے کہ آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ مبارک پر پتھر باندھنا یا معاش میں تنگ رہنا اپنے اختیار سے تھا، ورنہ اگر آپ چاہتے تو بطحائے مکہ سونا بن جاتا جس سے آپ کل کائنات سے زیادہ دنیا دار سمجھے جاتے۔ لیکن یہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناپسند تھا) ؎

شانِ نزول

کاشفی نے لکھا ہے کہ اسبابِ نزول میں مذکور ہے کہ جب کفارِ مکہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فقر و فاقہ کا طعنہ دیا تو وہ رضوان جو بہشت کے باغات کی آرائش و زیبائش پر مامور ہے یہ آیت لے کر حاضر ہوا اور ایک نورانی ڈبیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں پیش کی اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ساری دنیا کے خزائن کی کنجیاں اسی میں ہیں اور وہ سب میں نے آپ کو دے دی ہیں اور آخرت کی جتنی نعمتیں و کرامتیں میں نے آپ کے لیے مخصوص کر رکھی ہیں ان میں بھی کوئی کمی نہیں کروں گا۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے رضوان! اللہ تعالیٰ سے عرض کیجئے کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں میں تو فقر و فاقہ کو ترجیح دیتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ بندۂ صبور و شکور رہوں۔ رضوان نے عرض کی: آپ نے خوب فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سدا سلامت رکھے۔

ف: یہ بھی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی ہمتی میں شمار ہوتا ہے کہ باوجودیکہ آپ کو فقر و فاقہ سخت تھا اور معاشی لحاظ سے آپ کو ہر وقت تنگی رہتی تھی لیکن آپ نے روئے زمین کے خزانوں کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا، اور شبِ معراج تو آپ نے ماسوی اللہ کی طرف معمولی توجہ بھی نہ کی باوجودیکہ علوی کائنات کے خزانے اور دیگر ملکوتی عجائبات آپ کے سامنے رکھ دیے گئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مازاغ البصر وما طغیٰ۔ ۵

؎ اضافہ از اویسی غفرلہٗ

۱ ز رنگ آمیزیٔ ریحان آں باغ
نہادہ چشم خود را مہر ما زاغ

۲ نظر چوں برگرفت از نقشِ کونین
قدم زد در حریم قاب قوسین

ترجمہ: اس باغ میں اس کی خوشبو کی ملاوٹ کی طرف ہمارے محبوب نے آنکھ بھی نہ اٹھائی۔ جب آپ نے کونین کے نقش سے آنکھ پھیر لی تو آپ کو قاب قوسین کے حرم میں قدم رنجہ فرمانے کی اجازت عطا ہوئی۔

اختیار بدست مختار

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اپنے رب تعالیٰ سے کچھ مانگ لیں تاکہ آپ کو وہ خوشحال فرمائے۔ بی بی فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بھوکے ہیں اور آپ نے شکمِ اطہر پر پتھر بھی باندھا ہوا ہے میں آپ کی اس کیفیت پر رو پڑی۔ میرے رونے پر آپ نے مجھے فرمایا:

یا عائشۃ والذی نفسی بیدہ لو سألت ربی ان یجری معی جبال الدنیا ذھبا لاجراھا حیث شئت من الارض ولکن اخترت جوع الدنیا علی شبعھا وفقرھا علیٰ غناھا وحزن الدنیا علی فرحھا۔ یا عائشۃ ان الدنیا لا تنبغی لمحمد ولا لآل محمد۔

اے عائشہ! مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر میں اپنے رب سے سوال کروں کہ دنیا کے پہاڑوں کو سونے کا بنا کر میرے ساتھ کر دے تو وہ کر دے گا۔ لیکن میں نے اس سے دنیا میں بھوکا رہنا اور فقر مانگا ہے اور حزن کا سوال کیا ہے۔ اے عائشہ! یہ دنیا محمد اور آلِ محمد کے لائق نہیں۔

فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے:

مختارِ کل کی ایک بہترین دلیل

عصمہ اللہ القدیر کان علیہ السلام من اھل الاکسیر الاعظم والحجر المکرم فان شانہ اعلیٰ من شان

اللہ قدیر نے حضور علیہ السلام کو محفوظ رکھا۔ آپ اکسیرِ اعظم اور قیمتی حجر ہیں آپ کی شان دوسرے انبیاء علیہم السلام سے اعلیٰ سے ہر لحاظ سے

سائر الانبیاء علیھم السلام من کل وجه وقد اوتوا ذالك العلم الشریف و عمل به بعضھم کادریس و موسٰی و نحوھما علٰی ما فی کتب الصناعة الحجریة لکنه علیه السلام لم یلتفت الیه ولم یعمل به ولو عمل به لجعل مثل الجبال ذھبا و لملك مثل ملك کسری و قیصر لانه لیس بمناف للحکمة بالکلیة فان بعض الانبیاء قد اوتوا فی الدنیا مع النبوة ملکا عظیما۔

اور دوسرے انبیاء علیھم السلام بھی اکسیر کا علم دیئے گئے ان کے بعض نے اس پر عمل کیا مثلاً ادریس و موسٰی علیھما السلام جو انہوں نے اپنی کتابوں سے اکسیر کا علم پڑھا اور اسے عمل میں لائے لیکن ہمارے حضور علیہ السلام نے اس کی طرف توجہ تک نہ دی اگر آپ عمل میں لاتے تو بظاہر آپ کے پاس سونے کے پہاڑ ہوتے اور آپ قیصر و کسرٰی کی طرح ظاہری بادشاہ ہوتے کیونکہ یہ نبوت کے بالکل منافی بھی نہیں اس لیے کہ بعض انبیاءؑ علیھم السلام کو نبوت کے ساتھ بہت بڑی بادشاہی عطا ہوئی (جیسے سلیمان علیہ السلام)

فقر فخری کیوں

(صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں کہ) حضور علیہ السلام نے اپنے لیے فقر و فاقہ کیوں اختیار فرمایا، اس کے مندرجہ ذیل وجوہ تھے:

(۱) اگر آپ تونگری اختیار فرماتے تو آپ کے ہاں لوگ دنیوی طمع کی خاطر حاضری دیتے۔ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو فقر و فاقہ کا اختیار دیا تاکہ جو بھی آپ کے ہاں حاضر ہو خالص دین و اسلام کے لیے ہی حاضر ہو۔

(۲) اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فقر و فاقہ کا اختیار دیا تاکہ فقراء و مساکین کے قلوب کو تسکین نصیب ہو کہ جب انھیں تنگ دستی اور فقر و فاقہ ستائے تو وہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقہ کو یاد کر کے تسلّی

---

[1] یہ عمل وہ ہے جسے آج بھی بعض لوگ حاصل کر لیتے ہیں لیکن جن کی نظر و نگاہ اور زبان و کلام خود کیمیا ہو تو انھیں عمل کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ سیدنا فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ کے ہاں ایک شخص نے مفلسی کی شکایت کی تو آپ نے اسے ڈھیلے پر سورۂ اخلاص پڑھ کر دیا تو وہ ڈھیلا سونا بن گیا پھر وہ احمق گھر جا کر خود وہی عمل کرنے لگا لیکن بے سود۔ واپس حضرت کے ہاں شاکی ہوا کہ آپ نے تو ایک دفعہ سورۃ پڑھی تو ڈھیلا سونا بن گیا میں نے ہزاروں بار پڑھی لیکن کچھ نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا: پہلے زبانِ فرید پیدا کر پھر سونا بنانا مشکل نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضور گنج شکرؒ نے عسرت میں زندگی بسر فرمائی۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.com

پائیں جیسے دولت مند کو مال و دولت سے سکون حاصل ہوتا ہے۔

(۳) تاکہ لوگوں کو تنبیہ ہو کہ مالِ دُنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت، ذلیل اور بیکار شے ہے ورنہ اگر یہ اچھی شے ہوتی تو اللہ تعالیٰ تو کافر کو مکھی کے پر کے برابر بھی مالِ دُنیا عطا نہ کرتا اور نہ ہی اسے اس کا گھونٹ پینے کو دیتا، ورنہ اللہ تعالیٰ قادر تھا کہ جب کفار نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قلتِ مال کا طعنہ دیا جاتا تو آپ کو دنیوی مال سے مالامال کر دیتا لیکن چونکہ دنیوی مال ایک گندی چیز تھی اس لیے محبوب علیہ السلام کو طعنۂ کفار پر مال و دولت کی بجائے خوشخبری سنائی کہ میں نے جو کچھ آپ کے لیے آخرت کا سرمایہ تیار کیا ہے وہ اس سے کروڑ گنا بہتر و برتر ہے۔

ازالہ وہم جن حضرات انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام پر مال و دولت کی وافرت تھی ان پر بھی طعن و تشنیع نہ کی جائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے ارادہ و مشیت اور بتقاضائے حکمت و مصلحت مال و دولت عطا فرماتا ہے ورنہ اس قادرِ مطلق کا قانون ہے کہ جس پر معارف و علوم کے دروازے کھولتا ہے اس سے دنیوی مال و دولت کے دروازے بند فرما دیتا ہے۔ دوسروں کو جب مال و دولت عطا فرماتا ہے تو ان پر معارف و علوم کے دروازے بند کر دیتا ہے[۱] قصیدہ بردہ شریف میں ہے: ؎

وراودته[۲] الجبال الشم من ذهب

عن نفسه فاراها ايما شمم

ترجمہ: سونے کے بلند پہاڑوں نے حضور علیہ السلام کو پھسلانا چاہا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت استغنا ظاہر کیا، کچھ پرواہ نہ کی۔

---

[۱] اسی لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ؎

رضينا قسمة الجبار فينا

لنا علم وللجهال مال

فقیر اویسی غفرلہٗ اپنے مسکین سُنّی علماءِ کرام کو یہی شعر سنا کر خدمتِ دین میں منہمک رہنے کی استدعا کرتا رہتا ہے۔

[۲] **حل لغات**: راودت ماضی از مراودۃ بمعنے آمد و رفت رکھنا، کسی شے کی تحصیل کے لیے جد و جہد رکھنا۔ کما قال تعالیٰ:

وراودته التی عن نفسه یعنی اسے پھسلانا چاہا۔

جبال جمع جبل (پہاڑ)۔ شم بالضم جمع اشم نہایت بلند۔ الشم، الجبال کی صفت ہے۔ یعنی

(باقی برصفحہ آئندہ)

marfat.ocm

حل لغات: الشم جمع الاشم واشم بمعنے ارتفاع۔ یعنی میں انہیں بہت بلند سمجھتا ہوں یہاں تک کہ ان کی کُنہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

واکدت زھدہ فیھا ضرورتہ
ان الضرورۃ لا تعدوا علی العصم

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ضرورت نے آپ کے زُہد کو زیادہ کر دیا اس لیے کہ احتیاج دنیوی عصمت پر غالب نہیں ہو سکتی۔

(بقیہ حاشیہ ص گزشتہ) الجبال الرفیعۃ۔ ذھب زر۔ من ذھب صفت ہے جبال کی۔ اراھا فاعل اس کی ضمیر راجع بحضور علیہ السلام۔ وضمیر ھا راجع بجبال۔ ایما۔ ای کسی چیز کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ ما زائدہ۔ شمم بفتحتین بلندی بینی۔ اس سے مراد کمال استغنا ہے۔

ترجمہ: سونے کے بلند پہاڑوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پھسلانا چاہا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت استغنا ظاہر کیا، کچھ پروا نہ کی۔

تشریح: اشارہ ہے اس روایت کی طرف:

ان جبریل علیہ السلام نزل فقال ان اللہ یقرئك السلام و یقول لك اتحب ان اجعل ھذہ الجبال ذھبا وتکون معك اینما کنت فتوقف ساعۃ فقال یا جبرائیل ان الدنیا دار من لا دار لہ ومال من لا مال لہ قد یجمعھا من لا عقل لہ فقال لہ جبرائیل ثبتك اللہ یا محمد بالقول الثابت۔

ترجمہ: روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آئے اور کہا کہ خدا تعالیٰ بعد تحفۂ سلام کے فرماتا ہے کہ اگر آپ کی خواہش ہو تو میں آپ کے لیے پہاڑوں کو سونا کر دوں اور جہاں آپ جائیں یہ آپ کے ساتھ ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعد از تامل فرمایا کہ اے جبرئیل! دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا اور گھر نہیں ہے اور اس شخص کا مال ہے جس کا اور مال نہیں ہے۔ اس کو بے وقوف آدمی اپنا ذخیرہ سمجھتا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ خدا آپ کو اس پر ثابت قدم رکھے۔

پانچ پہاڑ تھے جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں یہ آرزو پیش کی تھی: جبل ابو قبیس، جبلِ حرا، جبلِ ثور، جبل لطحا، جبلِ عرفات۔ اس قسم کی روایات ہم نے تفسیر میں پہلے لکھ دی ہیں۔

۳۳۵ ,۱ ق ۱

marfat.com

حلِ لغات العصم، العصمۃ کی جمع ہے۔ یعنی آپ کی شدۃ ضرورت آپ کی ازلی عصمۃ پر غلبہ نہیں پاسکتی بلکہ آپ کی ضرورت الٹا آپ کے ترک دنیا دنیہ کو اور مضبوط کرتی تھی۔ نہ ہی آپ کی ہمت نے دنیا کو آنکھ اٹھا کر دیکھا اور نہ ہی آپ کی چشمِ خیال آخرت میں بہکی۔

(حاشیہ گذشتہ)
(اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

حلِ لغات : اکدت فعل ماضی از تاکید محکم و مضبوط کرنا۔ زھد بے رغبتی، ترکِ دنیا۔ مفعول اکدت۔ فیھا کی ضمیر جبالی یا دنیا کی طرف راجع ہے جو ضمناً لفظ ذھب (جو شعر ماسبق میں ہے) سے سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ دنیا زر و مال کا نام ہے۔ ضرورت سخت احتیاج۔ فاعل اکدت، زھدہٗ کی ضمیر حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی طرف راجع ہے۔ لاتعتدی صیغہ واحدہ مونث غائبہ معلوم مضارع منفی از عدوان بمعنے حد سے تجاوز کرنا، غالب آنا۔ عِصَم بکسر اول فتح ثانی جمع عصمۃ بمعنی باز داشتن و نگاہ داشتن از گناہ۔ وھی لطف من اللہ تعالیٰ یحمل العبد علی فعل الخیر و یزجرہ عن الشر (یہ خدا تعالیٰ کی مہربانی ہے جو بندہ کو اچھے کام کی طرف راغب کر دیتی ہے اور بُرے کاموں سے بچاتی ہے)

ترجمہ : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دنیوی حاجت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زُہد کو اور بھی زیادہ مستحکم کر دیا فی الحقیقت احتیاج دنیوی عصمت حقیقی پر غالب نہیں آسکتی۔

تشریح : لوگوں کی دنیوی احتیاج ان کی پرہیزگاری کو کمزور کرتی ہے برخلاف اس کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جس قدر دنیوی احتیاج زیادہ ہوتی اُسی قدر آپ کا زُہد زیادہ مستحکم ہوتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مایحتاج الیہ کی پروا تک نہ کرتے تھے کیونکہ آپ دنیا اور اُس کی ضرورتوں کو ایک فریب سمجھتے تھے۔ گویا ضرورتوں کا پیش آنا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان کے انصرام میں کم توجہی فرمانا باعثِ استحکامِ زہد ہوتا تھا۔

حدیث شریف

روی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان مضطجعاً سریر معروش بشئ خفیف رطب اخضر و تحت راسہ وسادۃ من ادیم مملوۃ بلیف فدخل علیہ عمرؓ مع جماعۃ من الصحابۃ فانحرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرأی عمرؓ اثر الغراش علی جنبیہ فبکیٰ فقال ما یبکیک یا عمرؓ فقال کیف لا ابکی ان کسریٰ وقیصر ینعمان

(باقی برصفحہ آئندہ)

marfat.ocm

وکیف تدعو الی الدنیا ضرورۃ من
لولاہ ثم تخرج الدنیا من العدم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۳۳۴)

فیہ من الدنیا وانت علی ھذہ الحالۃ فقال علیہ السلام یا عمرؓ اما ترضی ان یکون لھم فی الدنیا ولنا فی الاٰخرۃ فقال بلیٰ ۔ فنزل جبرئیل علیہ السلام وقال سنۃ اللہ قد جرت علیٰ ان لذۃ الاٰخرۃ تنقص علیٰ کل احد یجب ازدیاد لذۃ الدنیا فما کانت لذۃ الدنیا اکثر کانت لذۃ الاٰخرۃ اقل کما فی قولہ تعالیٰ اذھبتم طیبٰتکم فی حیاتکم الدنیا ۔ لکن اللہ یقول قل لمحمد خذ من عظائم الدنیا ما ترید واطلب ما تشاء فانک مجاب لا تنقص من لذاتک فی الاٰخرۃ بسبب لذاتک فی الدنیا فقال علیہ الصلوٰۃ والسلام واللہ خیر و ابقی ۔

ترجمہ : روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک چارپائی پر (جس پر سبز کھجور کا بوریا بچھا ہوا تھا) لیٹے ہوئے تھے اور سر مبارک کے نیچے چمڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری تھی ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جماعتِ صحابہؓ کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے ۔ اتفاقاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کروٹ لی تو حضرت عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو پر بوریا کے نشان دیکھتے ہی آبدیدہ ہو گئے ۔ حضورؐ نے پوچھا ، عمرؓ ! کیوں روتے ہو؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ میرے رونے کا یہ باعث ہے کہ کسریٰ اور قیصر تو دنیا میں نہایت شان و شوکت اور عشرت سے زندگی بسر کرتے ہیں اور حضور اس حالت میں ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ، عمرؓ ! کیا تو یہ نہیں چاہتا کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ؟ حضرت عمرؓ نے کہا ، بے شک میں یہی چاہتا ہوں ۔ پس جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ دنیا کی لذتیں جس قدر بڑھتی جائیں اسی قدر آخرت کی لذتیں کم ہو جاتی ہیں ۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں پا چکے ہو ۔ لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دو کہ تم دنیا کی نعمتوں سے جو تمہارا جی چاہے لے لو آپ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں تمہاری لذاتِ آخرت لذاتِ دنیاوی کے حاصل کرنے سے کم نہ ہوں گی ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ، اللہ بہتر و باقی ہے ۔

اویسی غفرلہٗ

marfat.com

حلِ لغات : دعاہ الیہ بمعنے طلبہ الیہ وحملہ علیہ یعنی اسے اس نے طلب کیا اور اس پر اسے ابھارا۔

[اضافہ از اویسی غفرلہ،

کیف کسی چیز کے حالات دریافت کرنے کے واسطے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں استفہام استبعاد ہے۔ یعنی آپ کی شان سے بعید ہے کہ دنیا کی احتیاج آپ کو اپنی طرف کھینچے۔ تدعو فعل مضارع واحدہ غائبہ مونث۔ دُعا بلانا۔ کیف تدعو استفہام انکاری ہے دنیا مشتق دنو سے بمعنے نزدیک ہونا۔ اِس جہان کو دنیا اس لیے کہتے ہیں کہ یہ باعتبارِ زمان بہ نسبت آخرت کے انسان کی ذات سے قریب ہے۔ یا مشتق ہے دنائیت بمعنی خست وکمینگی سے۔ کیونکہ یہ تقرب الی اللہ کی مانع ہے۔ لولاہ۔ ضمیرہ راجع بحضور علیہ الصلوٰۃ و السلام۔ مبتدا خبر موجود محذوف۔ لم تخرج صیغۂ جحد۔ یا تو یہ صیغہ معلوم ہے از خروج بمعنے نکلنا سے۔ یا مجہول از اخراج بمعنے نکالنا۔ اِس جگہ دونوں صحیح ہیں۔ عدم نیستی۔

ترجمہ : (کس طرح ممکن ہے) کہ ایسی ذاتِ اقدس کو اس کی ضرورت دنیا کی طرف بلائے کہ اگر آپ پیدا نہ ہوتے تو دنیا ہی عدم سے وجود میں نہ آتی۔

تشریح : پہلے شعر میں جو بظاہر تعجب پیدا ہوا تھا اُس کو رفع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے حق میں لولاک لما خلقت الافلاک آیا ہے تو پھر ضرورتِ انسانی دنیائے دنی کی طرف کس طرح حضور کی توجہ کو پھیر سکتی ہے۔]

سکونِ عرش نامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اوحی اللہ تعالیٰ الیٰ عیسٰی ان صدق محمدا وامر امتك من ادركه منهم ان یؤمنوا به فلولا محمد ما خلقت آدم ولولاہ ما خلقت الجنة والنار ولقد خلقت العرش فاضطرب فكتبت عليه لا اله الا الله محمد رسول الله فسكن[1]۔

اللہ تعالیٰ نے عیسٰی علیہ السلام کو وحی بھیجی اے عیسٰی! ایمان لا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور تیری امت سے جو لوگ ان کا زمانہ پائیں انہیں حکم دو کہ اس پر ایمان لائیں کیونکہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتا تو میں نہ آدم کو پیدا کرتا نہ جنت اور دوزخ بناتا جب میں نے عرش کو پانی پر بنایا اس میں جنبش تھی میں نے اس پر لکھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، تو وہ ٹھہر گیا۔

---

[1] اس جیسے اور مضامین فقیر کی کتاب "شہد سے میٹھا نام محمد" میں پڑھیے۔ اویسی غفرلہ،

marfat.ocm

نتیجہ جس کے فیضِ نعمت سے دنیا ایک قطرہ ہو اسے ضروریاتِ دنیا کیسے پریشان کرسکتی ہیں (کذا فی شرح العقیدہ لابن الشیخ)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ رہزن ہرگز گدائے را نزد
گرگ گرگ مردہ را ہرگز نگزد

۲ خضر کشتی را برائے آن شکست
تا تواند کشتی از فجار رست

۳ چون شکستہ می رہد اشکستہ شو
امن در فقرست اندر فقر رو

۴ آنکہے گو داشت از کان نقد چند
گشت پارہ پارہ از زخم کلند

۵ تیغ بہر اوست کو را گردنیست
سایہ افگندست بروے رحم نیست

ترجمہ: (۱) رہزن کبھی گداگر کو نہیں لوٹتا۔ بھیڑیا مُردہ بھیڑیے کو گزند نہیں پہنچاتا۔
(۲) خضر علیہ السلام نے کشتی اس لیے توڑی تاکہ کشتی نالائقوں سے بچ جائے۔
(۳) جب عاجزی میں نجات ہے تو عاجز ہو۔ امن فقر میں ہے اسی لیے فقیر ہو کر زندگی بسر کر۔
(۴) پھر وہ جو کچھ نقد اپنے پاس رکھتا ہے وہ کلند کے زخم سے پاش پاش ہو جاتا ہے۔
(۵) تلوار اس کے لیے ہے جس کی گردن ہے سایہ اسی گردن پر ڈالتی ہے پھر اس پر رحم بھی نہیں کرتی۔

سبق: انسان کو تواضع اور فقر و فاقہ لازم ہے۔

بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ بلکہ انہوں نے قیامت کی تکذیب کی۔ الساعۃ سے قیامت اور حشر نشر مراد ہے۔ اور الساعۃ زمانہ کے کسی ایک جزء کا نام ہے اور قیامت کو الساعۃ سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لے گا۔ کما قال تعالیٰ:

وھو اسرع الحاسبین۔ (وہ جلد تر حساب لینے والا ہے)

یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنے ارشادِ گرامی کانہم یرونھا لم یلبثوا الا ساعۃ من نہار سے متنبہ فرمایا ہے (کذا فی المفردات) ان کی جنایۃ سابقہ کی حکایت سے توبیخ کے اعراض کے

بعدان کی دوسری جنایۃ کی حکایت سے توبیخ فرمائی تاکہ انہیں یقین ہو کہ قیامت کے عذاب کا موجب ان کے اپنے اعمال سیئہ ہیں وَاَعْتَدْنَا اور ہم نے تیار فرمایا۔ یہ دراصل اَعْدَدْنَا تھا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ اس کے لیے جس نے قیامت کی تکذیب کی۔ یہاں پر ضمیر کے بجائے مظہر لایا گیا تاکہ انھیں اپنے عمل یعنی تکذیب بالساعۃ کی خرابی پر تنبیہ ہو۔ سَعِيْرًا ۞ بہت بڑے شعلوں والی آگ۔

ف : بعض اہل حقائق نے فرمایا کہ آخرت کی آگ ان دنیوی اعمال یعنی حرص علی الدنیا اور اسے اپنا ماویٰ وملجا سمجھنے سے سُلگائی جائے گی۔

اِذَا رَاَتْهُمْ یہ سعیر کی صفت ہے یعنی جب کفار اس مقام پر پہنچیں گے جہاں انہیں نارِ جہنم دیکھے گی۔

سوال : رؤیۃ کی نسبت نار کی طرف کیوں، جبکہ وہ دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

جواب : یہ نسبت مجازی۔ اور اسی محاورہ سے ہے جو اہلِ عرب کہا کرتے ہیں :

داری تنظر دارك۔ (میری دار تیری دار کو دیکھتی ہے)

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کی دار دوسرے کی دار کے بالمقابل ہو ملزوم یعنی رؤیت بول کر لازم مراد لیا گیا ہے۔ یعنی وُہ جگہ جہاں سے کوئی شے نظر آئے اور ملزوم سے لازم کی طرف منتقل ہونا مجاز ہے۔

مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ دُور کی جگہ سے، یعنی انتہائی بُعد سے جہاں تک دیکھنا ممکن ہو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ مشرق سے مغرب کی طرف پانچسو سال کی مسافت سے دوزخ کی آگ دکھائی دے گی۔ اس میں اشارہ ہے کہ دوزخیوں اور دوزخ کے درمیان فاصلہ اس دنیوی فاصلے سے نرالا ہو گا۔ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا سنیں گے اس سے سخت آواز۔ یعنی وُہ آواز جو ہنڈیا کے جوش مارنے سے خارج ہوتی ہے اور اس غضب ناک شخص کی آواز کو بھی کہتے ہیں جو غیظ و غضب کے وقت اس کے سینے سے سنائی دیتی ہے وہ بھی جب کسی پر غصہ کرتا ہے تو اس کے سینے سے سخت آواز نکلتی ہے۔ چنانچہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ اہلِ عرب کہتے ہیں :

اما رأیت غضب الملك۔ (کیا تو نے بادشاہ کا غضب نہیں دیکھا)

یہ اس وقت بولتے ہیں جب بادشاہ سے وُہ علامات محسوس ہوں جو ان کی ناراضگی پر دلالت کریں ویسے صرف آواز سے کسی کی شدید رنجش کا خیال نہیں گزرتا جب تک کہ اس میں ناراضگی کے سبب سے آواز کی سختی کا تصور نہ ہو اور وہ کبھی آواز سے محسوس ہوتا ہے اور کبھی آواز کے بغیر بھی۔ اور غضب وہ گرمی جو انسان کو قلب کے خون کے جوش سے محسوس ہو۔ وَّزَفِيْرًا زفیر اس آواز کو کہا جاتا ہے جو پیٹ کے اندر سے سنائی دے۔ دراصل یہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان کی سانس بار بار نکلے یہاں تک کہ پسلیاں پھول جائیں۔

marfat.ocm

نفسی نفسی کی آواز عبید بن عمیر نے فرمایا کہ جب جہنم کی آگ جوش مارے گی تو ہر نبی مرسل اور ملک مقرب خوفِ خدا کی وجہ سے سربسجود ہو کر گر جائے گا اور ان پر لرزہ طاری ہوگا یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام گھٹنے کے بل گر کر بارگاہِ ایزدی میں عرض کریں گے:

یا رب یا رب لا اسئلك الا نفسی۔

(اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے)

اہلسنت کا مذہب: اہل سنّت کے نزدیک نار کی مذکورہ آواز حقیقی ہے اس لیے کہ حیات وغیرہ کے لئے ڈھانچہ ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ نار بہ ہیئت کذائیہ میں حیات، عقل، رؤیۃ، نطق پیدا فرما دے [اسی بنا پر ہم اہلسنّت انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے لیے معجزات وکرامات کو بلا تامل تسلیم کر لیتے ہیں لیکن معتزلہ جمادات وغیرہ میں حیات کے قائل نہیں اسی لیے انھیں اشکال ہے تو ان کی ذریات کو بھی معجزات وکرامات سے طرح طرح کے اشکالات پیدا ہوتے ہیں[1]]

علامہ اسمٰعیل حقی کا استدلال فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اہل سنّت کا مذہب حق ہے جیسا کہ وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان[2] اس پر قوی دلیل موجود ہے اسی لیے ایسے مقامات پہ کسی قسم کی تاویل کی ضرورت نہیں۔

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا - مکانا مفعول فیہ در اصل فی مکان تھا اور منھا سابق مضمون کا بیان ہے۔ اسی معنے پر یہ اس سے حال ہے اور ضمیر سعید کی طرف راجع ہے۔ ضیقا، مکانا کی صفت ہے یعنی اور جب دوزخ کے تنگ مکان میں پھینکے جائیں گے۔ ضیق کی صفت میں اشارہ ہے کہ وہ دوزخ میں جا کر سخت کرب وبلا میں مبتلا ہوں گے جیسے روح جسم میں باوجود فراخی کے تنگی میں ہے۔ یہی راز ہے عرضھا السمٰوٰت والارض میں کہ بہشت میں اتنی وسعت ہے کہ یہ چودہ طبق اس کے ایک گوشے میں پڑے رہیں۔

ف: دوزخ ان کے لیے ایسے تنگ ہو جائے گی جیسے تیر میں تیر کا پھل یا جیسے دیوار میں میخ۔ اس سے ان کے عذاب میں سخت ترین اضافہ ہوگا جیسے ان کے دلوں میں ایسی تنگی تھی کہ ان میں نہ سما سکا (اعاذنا اللہ)

مُقَرَّنِيْنَ در انحالیکہ ان کے ہاتھوں کو کاندھوں سے ملا کر جکڑ دئے جائیں گے زنجیروں سے، یا ہر مجرم اپنے ہم جنس کے ساتھ جکڑا ہوگا یعنی اس کا ساتھی شیطان آتشیں زنجیر سے جکڑ کر جہنمی کے ساتھ جکڑ دیا جائے گا۔ اہلِ عرب کہتے ہیں:

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] اور بیشک دارِ آخرت ہی حقیقی حیوٰۃ ہے۔

marfat.com

قرنت البعیر بالبعیر۔ بمعنے جمعت بینھما یعنی میں نے دو اونٹوں کو یکجا ملا یا۔ وقرنتہ بالتشدید میں تکثیر مطلوب ہوتی ہے۔

دَعَوۡا اپنے لیے پکاریں گے هُنَالِكَ اسی خوفناک مکان اور اندوہناک حالت میں ثُبُوۡرًا ؕ ہلاکت کو۔ یہ کلمہ وہ شخص بولتا ہے جو ہلاکت کا آرزومند ہو۔ یعنی اس وقت ہلاکت کی تمنّا کرتے ہوئے کہیں گے :

یا ثبوراہ یا ویلاہ یا ھلاکاہ تعال فھذا اوانك۔ اے تباہی و ہلاکت آجا اب تیرا آنے کا وقت ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

اول من یکسی یوم القیامۃ ابلیس حلۃ من النار بعضھا علیٰ حاجبیہ فیسحبھا من خلفہ وذریتہ خلفہ وھو یقول واثبوراہ وھم ینادون یا ثبورھم حتی یقفوا علی النار فینادی یا ثبوراہ وینادون یا ثبورھم۔

(قیامت میں جہنم کا لباس سب سے پہلے ابلیس کو پہنایا جائے گا یہاں تک کہ اس کا بعض حصہ اس کے ابرو تک ہوگا اسے پیچھے سے کھینچا جائے گا اس کے پیچھے اس کی اولاد ہوگی۔ وہ پکارے گا واثبوراہ، اور وہ پکاریں گے اثبورھم۔ ایسے ہی کھینچ کر ان سب کو دوزخ میں لایا جائے گا۔ پھر پکارے گا واثبوراہ۔ اس کی اولاد پکارے گی واثبورھم)

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ بلا واسطہ یا ملائکہ کی زبان میں فرمائے گا :

لَا تَدۡعُوا الۡيَوۡمَ ثُبُوۡرًا وَّاحِدًا ۔ آج ایک ہلاکت کو نہ پکارو (بلکہ بہت ہلاکتیں تمہیں آئیں گی) تاکہ انہیں تنبیہ ہو کہ یہ عذاب ان کے لیے دائمی ہے۔ یعنی آج ایک دفعہ نہیں بلکہ وَادۡعُوۡا ثُبُوۡرًا كَثِيۡرًا ؕ بار بار پکارو یا اس قسم کی کئی دعائیں اور پکاریں پکارو کیونکہ جس سخت عذاب میں تم ہو وہ تمہارے لیے دائمی ہے اور جتنی بار پکارتے جاؤ گے اتنی بار تمہیں عذاب کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

قُلۡ اَذٰلِكَ فرمائیے کیا یہی عذاب خَيۡرٌ اَمۡ جَنَّةُ الۡخُلۡدِ الَّتِىۡ وُعِدَ الۡمُتَّقُوۡنَ ؕ اچھا ہے یا وہ دائمی جنۃ جس کا متقیوں کو وعدہ دیا گیا۔ اس سے مطلق تقویٰ مراد ہے یعنی ایمان تقویٰ کا صرف دوسرا اور تیسرا مرتبہ مراد نہیں اس لیے کہ ہم اہلسنت کے نزدیک ہر ایمان دار متقی ہے اگرچہ عاصی ہو۔ اور دار الخلد سے وہ نعمتیں مراد ہیں جن کا انقطاع نہ ہو اور نہ ہی ان کے اہل سے واپس لے جائیں اور خلد کی طرف جنۃ کی اضافت مدح کے لیے ہے ورنہ جنۃ خود اسی دار کا نام ہے جس میں دوام و بقا ہے اور خلود وہ

marfat.ocm

شے جو فساد کے عارض ہونے سے بری ہو اور اسی کی اسی حالت پر بقا ہو جس حالت پر وہ ہے۔ نیز یہ بھی ہے کہ جنۃ مطلقاً ایک اسم ہے جس میں ضروری نہیں کہ اس میں وہ باغات ہوں جو بہجۃ و سرور پر مشتمل ہیں۔ اور نہ ہی خلود کا معنیٰ اس سے حاصل ہوتا ہے اسی لیے اسے خلد کی طرف مضاف کیا گیا تاکہ اس سے خلود کا معنیٰ حاصل ہو۔

سوال : یہاں لفظ شک سے شک پڑتا ہے کہ ان میں اچھا کون ہے پھر اس میں استفہام اور لفظ تردید کا معنیٰ بھی مطابقت نہیں کھاتا۔ دوسرا عقلاً بھی یہ عبارت صحیح معلوم نہیں ہوتی اسی لیے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ "شکر زیادہ میٹھی ہے یا مصبر" اور مصبر ایک کڑوی دوائی کا نام ہے۔

جواب : (۱) ایسی عبارت در اصل تقریع وتہکم وتحسیر (حسرت دلانا) کے وقت بولی جاتی ہے جبکہ کسی سے کوئی شے رہ جائے اس کے لیے اس طرح کی عبارت بولتے ہیں۔

(۲) الوسیط میں ہے کہ اس میں دونوں جگہوں (دوزخ وجنۃ) کے مابین فرق ظاہر کرنا مطلوب ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دوزخ بھی ایک اچھا مقام ہے۔

(۳) مجازاً ایسے کہا گیا اگرچہ دوزخ میں خیر وبھلائی کا معنیٰ نہیں یہ ایسے ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں :

العافیۃ خیر من البلاء۔

(بیماری سے عافیت بہتر ہے)

اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وہ خطاب فرمایا جو ان میں متعارف تھا۔ كَانَتْ تھی وہ جنۃ لَهُمْ اللہ تعالیٰ کے علم میں متقیوں کے لیے جزا، بتقاضائے کرم ان کے اعمال پر جزا۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا بہشت عطا کرنا اس کا کرم ہے یہ تصور ہرگز نہ کرنا کہ یہ دولت اعمال سے نصیب ہوگی (اعمال اس کے کرم کا نتیجہ ہیں) جَزَآءً بمعنے غنا وکفایت یعنی جزاء وہ ہے جس میں اپنے بالمقابل کی کفایت کرے۔ اگر بالمقابل نیکی ہے تو نیک جزا، اگر برائی ہے تو سزا۔ اور الجزیہ وہ ہے جو اہل ذمہ سے وصول کیا جائے وہ اس لیے کہ یہی جزیہ چونکہ ان کی جان کی حفاظت کا سبب بنے گا اسی لیے اسے اس نام سے موسوم کرتے ہیں وَّمَصِيْرًا ○ لوٹنے کی جگہ، یعنی مرنے کے بعد وہیں پر لوٹیں گے۔

ف : المصیر والمرجع میں فرق ہے اس لیے کہ المصیر میں ضروری ہے کہ وہ پہلی جگہ کے خلاف ہو۔ اور المرجع میں دوسری جگہ کے خلاف ہونا ضروری نہیں۔

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ان کے لیے اس میں وہی ہوگا جو وہ چاہیں گے جس قسم کی نعمتیں اور لذتیں مطلوب ہوں گی انہیں وہاں میسر ہوں گی لیکن علیٰ حسب مراتب، کیونکہ وہاں اپنے مراتب سے

marfat.com

مافوق کی خواہش بھی نہ ہو گی اس لیے ضروری نہیں کہ ہر بہشتی دُوسرے بہشتی کے مرتبہ کے برابر ہو۔

ازالۂ وہم اس سے شرح الاشباہ کی غلطی کا پتا چلا جبکہ اس میں لکھا ہے کہ بہشت میں بھی لواطت کی اگر کوئی خواہش کرے گا تو اس کی خواہش پُوری کر دی جائے گی۔ یہ اس لیے غلط ہے کہ لواطت اخبث الخبائث ہے اس کے لیے حکمتِ ایزدی نے زنا کی طرح کسی زمانہ میں بھی کسی کو اجازت نہیں بخشی جب وہ حکمتِ ایزدی و مشیّتِ خداوندی کے خلاف ہے تو پھر وہاں کس طرح کوئی بہشتی اس کی خواہش کر سکتا ہے۔ اس کے جواز کا نظریہ خباثت سے خالی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ آیت کا عموم متعارف پر مبنی ہے۔ اسی لیے بعض مفسرین نے فرمایا کہ بہشت میں ضروری نہیں کہ ہر مراد پُوری ہو بلکہ وہ مراد پُوری ہو گی جو مقتضائے حکمتِ ایزدی کے مطابق ہو گی۔ اور لواطت چونکہ پاکیزہ طبائع والوں کے لیے دُنیا میں بھی اخبث محسوس ہوتی ہے پھر آخرت میں کس طرح اس کی خواہش ہو سکتی ہے۔

خٰلِدِیْنَ یہ جار مجرور کی ضمیر مستتر سے حال ہے اور یہ جائز ہے جب اسے کسی پر اعتماد ہو۔ اور یہاں پر جار مجرور کو مبتدا پر اعتماد ہے اسی لیے اس سے اس کا حال واقع ہونا جائز ہوا۔ **کَانَ** دخول خلود اور وہ جو کچھ چاہیں گے ہو گا عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ۝ تیرے پروردگار سے یہ وعدہ سوال کیا ہوا۔ یعنی اس وقت اس سے ان چیزوں کا سوال عرض کیا جائے گا۔

نکتہ لفظ علٰی جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اسی لیے لایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے خلف الوعید ممتنع ہے۔

ف: آخرت میں انسان کی کامیابی کے لیے اتنا کافی ہے کہ اسے بہشت نصیب ہو اور دوزخ سے نجات نصیب ہو۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے فرمایا:

"انی لا اعرف دندنتك ولا دندنة معاذ"

یعنی میں نہیں سمجھ رہا کہ تُو اور معاذ کیا کہہ رہے ہو!

یعنی تم اتنے لمبے اور طویل اذکار و دعوات کیوں بولتے ہو۔ میں تمہیں ان سے بھی مختصر اور جامع ذکر و دعا بتانا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ یُوں کہو:

انی اسئال الجنّة واعوذبه من النار۔ (میں بہشت کا سوال کرتا اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں)

پھر اسے فرمایا کہ حولھا ندندن یعنی حول الجنة والنار۔ یا اس کا معنی ہے ان دونوں کے

marfat.ocm

سوالات کے اردگرد پہلا سوال تھا جنت کے حصول کا، دوسرا دوزخ سے استعاذہ کا۔ (کما فی ابکار الاذکار)

خلاصۂ حدیث یہ ہے کہ انسان کو بہشت کے حصول اور دوزخ سے نجات کی کامیابی کافی ہے (کما فی عقد الدرر و اللآلی)

ف: ریاض الصالحین میں ہے کہ انسان کو یا تو صرف سالم ہونا چاہیے یعنی صرف فرائض ادا کرے اور معاصی سے اجتناب۔ یا رابح ہونا چاہیے کہ نوافل و سنن و مستحبات کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے یا پھر خاسر، کہ نہ فرائض ادا کرتا ہے اور نہ معاصی سے بچتا ہے اسی لیے ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ رابح بنے ورنہ کم از کم سالم تو ہو، اسے خاسر نہ بننا چاہیے۔

وظیفہ نبوی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دن میں ایک سو بار پڑھتا ہے: "لا الٰہ الّا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیٔ قدیر" تو اسے دس غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور اس کے عمل نامے میں ایک سو نیکی لکھی جائے گی اور اس کے سو گناہ معاف ہوں گے اور اس دن وہ شیطان سے شام تک محفوظ رہے گا۔ اُس سے افضل عمل والا اور کوئی نہ ہوگا جب تک کہ کوئی اس سے زاید نہ پڑھے۔ (رواہ البخاری وغیرہ)

صوفیاء کرام افضل ہیں حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ صوفیاء کرام ہم عوام سے افضل ہیں اس لیے کہ جب ایک سو دفعہ پڑھنے والے کا یہ مرتبہ ہے تو پھر ان حضرات کی کیا شان ہوگی جو ہمہ وقت اس قسم کے وظائف میں لگے رہتے ہیں۔ اور سب کو معلوم ہے کہ صوفیاءِ کرام اپنے ہر ورد اور وظیفہ پر سختی سے پابندی کرتے ہیں اور ان کے حضورِ قلبی کا کیا کہنا! حضور نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہتے اور ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ؎

ہر آن کو غافل از حق یک زمانست
دراں دم کافرست اما نہانست

ترجمہ: وہ شخص جو حق تعالیٰ سے ایک ساعت بھی غافل ہے وہ سمجھو کہ اسی گھڑی وہ کافر ہے اگرچہ پوشیدہ۔

وَیَوْمَ یَحْشُرُھُمْ اور اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی اُمت کو یاد دلائیے کہ جب اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جمع فرمائے گا مَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو معبود بنا رکھا تھا۔ یحشر بمعنے یجمع ہے۔ فَیَقُوْلُ تو اللہ تعالیٰ ان کے معبودوں کو فرمائے گا ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ کیا تم نے گمراہ کیا تھا عِبَادِیْ ھٰٓؤُلَآءِ میرے انہی بندوں کو۔ یعنی

marfat.com

تم نے انہیں اپنی عبادت کی دعوت دی اور حکم کیا کہ وہ تمہاری عبادت کریں اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ○
یا وہ خود گمراہ ہوئے جبکہ اُنھوں نے میرے دلائل و براہین کو صحیح نگاہ سے نہ دیکھا اور نہ ہی مرشد اور رہبرِ کامل کا فرمان مانا، ان کے فرمان کو سن کر رُوگردانی کی۔ یہاں پر السبیل سے باء جارہ حذف کر کے ضلوا کو بلا واسطہ متعدی بنایا گیا ہے جیسے وھو یھدی السبیل میں حرف جارہ حذف کر کے بلا واسطہ فعل یھدی متعدی ہوا کیونکہ یہ دراصل یھدی الی السبیل یا للسبیل تھا۔

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہ اپنے نظائر پر محمول ہے معنی یہ ہے کہ وہ سیدھے راستے سے بہک گئے۔ اور لغتِ عرب میں ایسے ہوتا ہے۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ مسئول عنہ یعنی کفار کے حال سے ازل سے باخبر تھا تو پھر یہاں پر سوال کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب: بت پرستوں کو مزید تنبیہ کرنا مطلوب ہے تاکہ اپنی خرابی کو ملاحظہ کریں یہ ایسے ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو فرمایا گیا:

ءَ انت قلت للناس اتخذونی و امی الٰھین من دون اللہ۔

(کیا تم نے لوگوں کو فرمایا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بناؤ)

وہ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ بتوں سے سوال کرے گا تو بت حق بات واضح کر دیں گے اس پر بت پرستوں کی حسرت و حیرت میں اضافہ ہوگا اور اپنے معبودوں کی تکذیب و بیزاری سے گریہ کریں گے اور حسرت کرتے ہوئے کہیں گے کہ کاش اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کو شریک نہ کرتے۔

قَالُوْا یہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا کسی نے پوچھا کہ پھر بُت اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ جواب دیں گے: سُبْحٰنَكَ تیری پاکی ہے یا اللہ! کفار نے ہمیں معبود بنایا یا تعجب ہے یا اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کی کہ یا اللہ! تُو تو شرکا سے پاک ہے۔ یہاں پر کفار کے وہی بت مراد ہو سکتے ہیں جن کی اُنھوں نے پرستش کی، اگرچہ وہ پتھر وغیرہ یعنی جمادِ محض تھے اور وہ کسی بات کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کے اندر حیات پیدا کر کے انھیں خطاب کی صلاحیت دیتا ہے تاکہ وہ سوال و جواب کر سکیں۔ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اور نہ ہی یہ ہمارے لائق ہے اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ یہ کہ تجھ سے متجاوز ہو کر بنائیں مِنْ اَوْلِيَآءَ یہ من زائدہ نفی کی تاکید کرتا ہے اولیاء، نتخذ کا مفعول ہے اور یہ صرف ایک مفعول کو چاہتا ہے۔ چنانچہ دُوسرے مقام پر ہے:

قل اغیر اللہ اتخذ ولیا۔

marfat.ocm

یعنی غیروں کو معبود بنائیں، نہ یہ ہمارے لائق ہے اور نہ ہم اس کے قائل ہیں۔ کیونکہ ہم تو یہ تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ کسی دوسرے کو تیرے سوا معبود بنائیں (حاشا وکلا)۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ ماکان ینبغی لنا الخ کو کنایہ بنایا گیا ہے ان کے اس عقیدے کا کہ ہم تو قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود بنانا جرم عظیم ہے بلکہ بعید از عقل ہے۔ یہ ان کے صریح انکار سے زیادہ بلیغ ہے مثلاً انھیں کہا گیا کہ تم نے انہیں گمراہ کیا یا تم نے کہا کہ وہ غیر اللہ کو معبود بنائیں تو صراحۃً یُوں کہتے نہ ہم نے انھیں گمراہ کیا اور نہ ہی غیر اللہ کو معبود بنانے کا حکم دیا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کی کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی ہم اس کے قائل ہیں کہ ہم غیر اللہ کو معبود بنائیں۔ لیکن انہوں نے خود اس غلطی کا ارتکاب کیا کہ انہوں نے غیر اللہ کی عبادت کی یعنی خدا تعالیٰ کے احکام پسِ پشت ڈال کر انسانوں کے احکام پر عمل کیا جیسے ہم عوام کی عادت ہے ان کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اولٰئك هم شرّ البريّه۔

(یہ جملہ مخلوق سے بدتر ہیں)

تفسیر عالمانہ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ متّع بمعنے برخورداری دادن۔ یعنی اے اللہ! ہم نے انھیں گمراہ نہیں کیا دراصل بات یہ ہے کہ تُو نے انہیں طویل عمریں عطا فرمائیں اور طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا تو وہ بجائے اس کے کہ تیری ذات کی معرفت حاصل کرتے اور تیری دی ہوئی نعمتوں کا شکر کرتے لیکن اُلٹا شہوات میں پڑ کر غلط کاریوں میں منہمک ہو گئے حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ یہاں تک کہ وہ ذکر سے غافل ہو گئے اور جتنی انھیں مواعظ و نصائح کیں سب کو پسِ پشت ڈال دیا۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انہوں نے تیری دی ہوئی نعمتوں کو بھلا کر تیری آیات میں تدبر ترک کر دیا اور وہ اسباب جو انھیں ہدایت کے لیے عنایت ہوئے اپنے غلط اختیار سے گمراہی میں لگا دیے اور اضلال کی نسبت ان کی طرف بوجہ ان کے کسب کے ہے ورنہ حقیقی اضلال تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور ان کے معبودوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اس فعل کا اسناد کیا جو ان کی گمراہی کا سبب بنا۔ اب معنی یہ ہُوا کہ ان کے معبود اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے: یا اللہ! ہم انہیں گمراہ نہیں کرتے تھے اور نہ ہم انہیں گمراہی پر اُکساتے تھے، بلکہ وجہ کچھ اور ہے وہ یہ کہ جب تُو نے دنیوی منفعتوں سے انہیں مالامال فرمایا تو وہ شہواتِ نفسانیہ سے گمراہی کی طرف مائل ہوئے تو تُو نے حسبِ دستور ان کے اندر گمراہی پیدا فرمائی۔

یہی اہلسنت کا مذہب ہے، یہی نظریۂ توحید ہے بلکہ اس بارے میں واضح ثبوت ہے کہ جملہ اسباب کا

marfat.com

سبب اللہ تعالیٰ ہے ؎

دریں چمن مکنم سرزنش بخود روئے
چنانکہ پرورشم میدہند میرومم

ترجمہ: اس دنیا کے چمن میں میں خود کو ملامت نہیں کرتا اس لیے کہ میرا عقیدہ ہے کہ جیسے ازل سے میرا مقدر تھا وہ مجھے ملے گا۔

وَكَانُوا اور وہ تھے تیری قضا اولیٰ میں قَوْمًا بُورًا ایک قوم تباہ و برباد ہونے والی۔ بُور، بائر کی جمع بمعنے ہالک، اور بُور بمعنے ہالکین (کما فی المفردات) یا مصدر ہے بمعنے اسم فاعل بطور مبالغہ لایا گیا اور اس میں واحد و جمع برابر طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

رجل بائر وقوم بُور۔ بُور وہ شے فاسد جس میں خیر اور بھلائی نہ ہو۔

امام راغب نے فرمایا:

البوار بمعنے بہت زیادہ کھوٹ۔ چونکہ کھوٹ شے کو فساد تک پہنچا دیتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا:

کسد حتی فسد۔ (کھوٹا ہوا یہاں تک کہ فاسد ہوا)

بنا بریں ہلاکت کی بجائے بُور سے تعبیر کیا گیا۔

فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرمائے گا کہ اب تو تمہارے معبود بھی تمہاری تکذیب کر رہے ہیں بِمَا تَقُولُونَ تمہارے اس عقیدہ کی، کہ تم کہا کرتے تھے کہ بے شک یہ ہمارے معبود ہیں۔ یہاں پر باء بمعنے فی ہے۔ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ پس اب اے میرے ساتھ شریک ٹھہرنے والو! تمہارے لیے ممکن نہیں صَرْفًا اپنے سے میرے عذاب کو دفع کرنا، نہ ذاتی طاقت سے نہ بالواسطہ۔ وَلَا نَصْرًا اور نہ ہی کوئی مدد کرنا نہ اپنی اور نہ دوسرے سے جن کی تم نے پرستش کی اور تم نے سمجھ رکھا تھا کہ وہ قیامت میں تم پر سے عذاب ٹال دیں گے اب وہ بھی تمہیں جواب دے چکے ہیں وَمَنْ يَظْلِمْ مِنْكُمْ اور اے میرے مکلف بندو! تم میں سے جو بھی ظلم یعنی شرک کرے گا۔ ہم نے شرک کا معنی نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ۝ کے قرینہ کی وجہ سے کیا ہے ہم اسے آخرت میں بہت بڑا عذاب چکھائیں گے یعنی اسے ہمیشہ نارِ جہنم میں مبتلا کریں گے۔ اس لیے کہ یہ بہت بڑے ظلم کی وجہ سے ہوگا۔ اور ظلم عظیم شرک ہی ہے۔ اس میں مومن فاسق کو بھی وعید ہے۔

ربط: اس کے بعد کفار کے اس سوال کا جواب دیا جو کہ اُنھوں نے کہا:

ما لھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق۔ (اِس رسول کو کیا ہے کہ وہ طعام کھاتا اور بازاروں میں پھرتا ہے)

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ اور ہم نے آپ سے پہلے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا اِلَّا اِنَّهُمْ

marfat.ocm

بکسر الہمزہ اس لیے کہ یہ ان صدر جملہ میں واقع ہے اور وہ موصوف محذوف کی صفت ہے یا اس لیے کہ عبارت "الا قیل انهم" تھی اور قاعدہ ہے قال یقول کے بعد (ان بکسر الہمزہ) آتا ہے کما فی اسئلۃ المقحمہ۔ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ؕ وہ طعام بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی تشریف لے جاتے تھے اور یہ امور ان کی رسالت و نبوت کے منافی نہیں تھی بنا بریں آپ کا کھانا اور بازار میں تشریف لے جانا بھی کوئی نئی بات نہیں وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ اور اے لوگو! ہم نے تمہارے بعض کو لِبَعْضٍ بعض کے لیے فِتْنَةً ؕ آزمائش بنایا ہے مثلاً فقراء اغنیاء کے لیے اور رسل کرام علیہم السلام مرسل الیہم کے لیے آزمائش ہیں کیونکہ یہ انھیں اپنی طبائع کے خلاف آزمائیں گے اور انھیں ایذائیں دیں گے۔ ایسے ہی بیمار تندرستوں کے لیے اور نچلی سطح کے عوام ، اونچے طبقہ والوں کے لیے اور رعایا بادشاہوں کے لیے اور رشتہ دار رشتہ داروں کے لیے اور اندھے آنکھوں والوں کے لیے اور کمزور طاقت وروں کے لیے آزمائش ہیں۔

ف : حضرت واسطی نے فرمایا کہ ہر شے موجود بھی فتنہ ہے اور شے کے حصول کے بعد اس کا گم ہو جانا بھی فتنہ ہے

أَتَصْبِرُونَ ۚ یہ جعلنا کی غایت ہے۔ تاکہ ہم ظاہر کریں کہ کیا تم صبر کرتے ہو یا نہیں۔ اس میں آزمائش پر صبر کی ترغیب دی گئی ہے۔

ف : ابواللیث نے فرمایا کہ یہ بظاہر جملہ استفہامیہ ہے لیکن درحقیقت امر ہے یعنی اتصبرون بمعنے اصبروا یعنی صبر کرو، جیسے افلا یتوبون بمعنے توبوا (توبہ کرو)۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے انبیاء علیہم السلام! ہم نے امتوں کا رسول بنا کر تمہیں آزمایا ہے مثلاً اُمت کے بعض لوگ بعض انبیاء علیہم السلام کو کہیں گے کہ ہمیں فلاں نبی علیہ السلام جیسا معجزہ دکھاؤ۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اے انبیاء علیہم السلام! کہ کیا تم اُمت کے غلط سلط اقوال پر صبر کرتے ہو یا نہیں، یا اے امتیو! ہم نے تمہیں تمہاری اپنی باتوں سے آزمائش میں ڈالا ہے۔ اس میں کفارِ مکہ کے مختلف اعتراضات اور غلط سلط باتوں سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے۔ گویا یوں کہا "اے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کی بے تکی باتوں اور پریشان کن گفتگو سے غم نہ کیجئے اس لیے کہ ہم نے بعض کو بعض کے لیے امتحان کا سبب بنایا ہے اس لیے کہ سونے کو آگ کی گرمی سے آزمایا جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ۟ اور تمہارا پروردگار بصیر ہے اسے معلوم ہے کہ ان میں کون صابر اور کون جزع فزع کرتا ہے۔ حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بصیر وہ ہے جسے ہر شے کا مشاہدہ ہو اور کوئی شے اس سے مخفی نہ ہو یہاں تک عرشِ عُلیٰ تا تحت الثریٰ اس کے لیے یکساں ہو۔ لیکن اس ذاتِ باری تعالیٰ کا دیکھنا اس آنکھ کی پتلی اور پلکوں سے پاک اور منزہ ہے اس لیے کہ

marfat.com

اس میں تغیر و تاثر ہے اور یہ حدوث کا مقتضی ہے جب وہ ایسے تغیر سے پاک ہے تو اب معنیٰ یہ ہوگا کہ بصیر اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس سے مبصرات کے تمام نعوت کما لہٗ منکشف ہوں اور یہ بصر کے مرئیات کے ادراک سے زیادہ روشن ہے۔ بندے کا بصر کے اس وصف سے حظ یا ناظاہر ہے لیکن ہے ضعیف اور قاصر، اس لیے کہ محدود ہے آگے دیکھے تو پیچھے نہیں دیکھ سکتا ایسے ہی برعکس اور نہ ہی اپنے قریب کو دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی اس کا باطن پر نظر پڑ سکتی ہے صرف ظاہر کو دیکھ سکتا ہے بواطن و سرائر کے دیکھنے سے محروم ہے اور باطناً یعنی ہم کے لحاظ سے عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے بصارت اس لیے بنائی تاکہ اس کے آیات و عجائب الملکوت والسمٰوٰت کو دیکھے اور اس کا یہ دیکھنا بطور عبرت کے ہو۔

حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہُوا کہ مخلوق میں آپ جیسا بھی کوئی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، وہ جس کا دیکھنا عبرت کے طور ہو اور خاموشی غور و فکر سے اور اس کی گفتگو ذکرِ الٰہی سے ہو۔ دوسرا باطناً اس کا دیکھنا یُوں ہو کہ وہ ہر وقت اس تصور میں مستغرق رہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا اور اس کی باتیں سُن رہا ہے۔ ایسا عمل نہ کرے کہ جس سے اس کی نگاہ سے گر جائے اور ایسا کام اس سے سرزد نہ ہو جس کی اسے اطلاع ہو۔ تو وہ ناراض ہو جائے۔ اگر بندوں سے چھُپ کر کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے کہاں چھُپے گا۔ اس پر لازم ہے کہ وہ ایسا قول و فعل اور عمل نہ کرے جس کی وجہ سے نگاہِ حق سے دور ہو جائے۔ اور یہ تصور ایمان کے نتائج و ثمرات سے ایک ہے۔ جو شخص گناہ کرتے وقت یہ خیال کرے گا کہ مجھے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے تو پھر وہ گناہ پر کب جرأت کرے گا۔ اگر کرے گا تو اس جیسا خائب و خاسر کون ہوگا۔ اگر یہ خیال کرے گا کہ اللہ کو کیا خبر، تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی لیے یہ نکتہ ہر سالک کے یاد رکھنے کا ہے۔ کما فی شرح اسماءُ الحسنیٰ۔

سبق بندے پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت قضا و قدرِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم رکھے۔ راحت و سرور ہو یا تکالیف و مصائب، فقر و فاقہ ہو یا دولتمندی و تونگری۔ کیونکہ بسا اوقات وہ اپنے بندے کو اپنی حکمت سے دکھ دے کر ہی اپنی راہ دکھاتا ہے اور اس کا بندے کو مراد سے باز رکھنا (باوجودیکہ اسے بہت بڑی قدرت ہے) بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے فرمایا:

۱	مگر دیوانۂ شوریدہ میخاست	برہنہ بد زحق کرپاس میخواست
۲	کہ الٰہی پیرہن در تن ندارم	وگر تو صبر داری من ندارم
۳	خطابی آمد آں بے خویشتن را	کہ کرپاست دہم اما کفن را
۴	زبان بکشاد آں مجنون مضطر	کہ من دانم ترا ای بندہ پرور

marfat.ocm

۵ که تا اوّل نمیرد مرد عاجز ، تو ندہی ہیچ کرپاسیش ہرگز

۶ بباید مرد اوّل مفلس و عور ، که تا کرپاس پاید از تو در گور

ترجمہ : ۱ ۔ شاید کوئی دیوانہ اللہ تعالیٰ سے کپڑا مانگتا تھا اس لیے کہ وہ بیچارہ ننگا پھر رہا تھا ۔

۲ ۔ الٰہی ! کپڑا میرے جسم پر نہیں تو تو صبر کرتا ہے لیکن مجھ سے نہیں ہو سکتا ۔

۳ ۔ اس بیہوش کو آواز آئی ' تجھے کفن کا ہی کپڑا ملے گا ۔

۴ ۔ اس پریشان حال مجنون نے زبان کھولی اور کہا کہ اے بندہ پرور ! مجھے معلوم ہے ۔

۵ ۔ کیا مرنے سے پہلے کسی کو بھی کپڑا نہیں دیتا ۔ (جب دوسروں کو دیتا ہے تو مجھے بھی دے)

۶ ۔ بندے کو پہلے مفلس اور کنگال ہونا چاہیے پھر وہ قبر میں ہمیشہ کے لیے کپڑے حاصل کرے ۔

ف : حکایت میں اشارہ ہے کہ مرد مولیٰ وہ ہے جو اپنی جملہ مرادات کو دبا لے اس لیے کہ نفس کی جب تک مرادیں پوری ہوتی رہیں اس وقت تک وہ اوصافِ ذمیمہ و اخلاقِ قبیحہ سے باز نہیں آتا ۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا فیض ہر وقت جاری ہے لیکن جب تک نفس اپنی بُری عادات میں منہمک رہتا ہے اس وقت تک اسے وہ فیض نصیب نہیں ہوتا ۔ نفس کو اس وقت رحمت نصیب ہوتی ہے جب وہ رذائل سے پاک ہو جائے ۔ یہ اہلِ سلوک کے لیے کیمیائی نسخہ ہے ۔ باقی رہے عوام وہ کالانعام ہیں ان کے نفوس امّارہ ہوتے ہیں اسی لیے وہ ہر وقت نفس کی مرادیں پوری کرتے رہتے ہیں ۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نعمتوں سے نوازے اور دولت مند بنائے تو یہ دراصل اس کی حکمتِ عظیمہ ہے لیکن درحقیقت اس طرح سے وہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے ۔ بالخصوص طالبانِ راہِ حق کے لیے تو بہت بڑا امتحان ہوتا ہے اس لیے کہ وہ بہت بڑی ذمہ داری کے مالک ہوتے ہیں ۔ ان کے لیے لازمی ہے کہ وہ ایسے مواقع پر صبر و سکون اور حوصلہ اور بُردباری سے کام لیں ۔ وہی سب کا مددگار ہے اور اسی پہ ہم سب کا سہارا ہے ۔

وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ۔

فقیر اویسی غفرلہٗ پارہ نمبر ۱۸ کے ترجمہ سے ، ۷ شوال ۱۳۹۸ھ / ۱۱ ستمبر ۱۹۷۸ء سوموار مبارک کو فارغ ہوا ۔ (الحمد للہ علیٰ ذالک)

محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ ۔ بہاول پور ۔

---

marfat.com

پارہ نمبر ۱۹

وَقَالَ الَّذِيْنَ

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ أَوْ نَرٰى رَبَّنَا

اور بولے وہ جو ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے ہم پر فرشتے کیوں نہ اتارے یا ہم اپنے رب کو دیکھتے

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا

بے شک اپنے جی میں بہت ہی اونچی کھینچی اور بڑی سرکشی پر آئے جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے وہ

بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ إِلٰى

دن مجرموں کی کوئی خوشی کا نہ ہوگا اور کہیں گے الٰہی ہم میں ان میں کوئی آڑ کر دے رُکی ہوئی اور جو کچھ انہوں نے

مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ

کام کیے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں جنت والوں

مُّسْتَقَرًّا وَّأَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ

کا اس دن اچھا ٹھکانا اور حساب کے دوپہر کے بعد اچھی آرام کی جگہ اور جس دن پھٹ جائے گا آسمان بادلوں سے اور فرشتے اتارے جائیں گے

تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾

پوری طرح اس دن سچی بادشاہی رحمٰن کی ہے اور وہ دن کافروں پر سخت ہے

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾

اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبا چبالے گا کہ ہائے کسی طرح سے میں نے رسول کے ساتھ راہ لی ہوتی

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۲۸ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ

وائے خرابی میری ہائے کسی طرح میں نے فلانے کو دوست نہ بنایا ہوتا بیشک اس نے مجھے بہکا دیا میرے پاس آئی ہوئی نصیحت

وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۲۹ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا

سے اور شیطان آدمی کو بے مدد چھوڑ دیتا ہے اور رسول نے عرض کی کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو

هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۳۰ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَكَفٰى

چھوڑنے کے قابل ٹھہرا لیا اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن بنا دیئے تھے مجرم لوگ اور تمہارا

بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۳۱ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً

رب کافی ہے ہدایت کرنے اور مدد دینے کو اور کافر بولے قرآن ان پر ایک ساتھ کیوں نہ اتار دیا ہم نے یونہی بتدریج

وَّاحِدَةً ۛ كَذٰلِكَ ۛ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۳۲ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا

اسے اتارا ہے کہ اس سے تمہارا دل مضبوط کریں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا اور وہ کوئی کہاوت تمہارے پاس نہ لائیں گے

جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۳۳ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ

مگر ہم حق اور اس سے بہتر بیان لے آئیں گے وہ جو جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے اپنے منہ کے بل ان کا

اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ۳۴

ٹھکانا سب سے برا اور وہ سب سے گمراہ

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ۔ الرجاء وہ ظن جو پوشیدہ امر کے حصول کا تقاضا کرے ۔ اللقاء وہ ادراک جو بصر و بصیرت کے متعلق ہے ۔

قاعدہ: اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے ذکر سے قرآن مجید میں ہر جگہ قیامت کا دن مراد ہے اور بمعنے رجوع الی اللہ یعنی ایسے حاکم و مالک کی طرف رجوع کرنا جس کے سوا کوئی حاکم ہے نہ مالک ۔

اب معنی یہ ہوا کہ اور کہا ان لوگوں نے جنہیں ہمارے ہاں حاضری کی کوئی امید نہیں یعنی وہ لوگ جو بعث و حشر اور حساب و جزا کے منکر ہیں یعنی کفار مکہ ۔ اور تاج المصادر میں الرجاء بمعنے امید رکھنا اور ڈرنا لکھا ہے ۔

marfat.com

اب آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ہمارے دیکھنے سے نہیں ڈرتے ۔ لَوْلَآ یہ حرف تحضیض ہے بمعنے ھلا یعنی کیوں نہیں اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِکَۃُ نازل کیے گئے ہمارے اوپر ملائکہ ۔ یعنی ہمارے ہاں فرشتے رسول بن کر نازل ہوتے کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق بشریت رسالت کے لائق نہیں اَوْ نَرٰی رَبَّنَا یا ہم اپنے پروردگار کو کھلم کھلا دیکھیں اور خود رب تعالیٰ ہمیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق واتباع کا حکم فرمائے کیونکہ یہی طریقہ ایمان وتصدیق کے لیے احسن واقویٰ ہے اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان دو طریقوں سے کوئی ایک طریقہ اختیار نہیں فرمایا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسے ہماری تصدیق برائے نبوت کا ارادہ نہیں ۔

منکرینِ رؤیتہ باری تعالیٰ کا رَد

شیخ نجم الدین نے اپنی تاویلات میں لکھا کہ منکرین آخرت اور کافرین تو رؤیتِ حق تعالیٰ کی آرزو کرتے ہیں ۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

اَوْ نَرٰی رَبَّھُمْ ۔ ترجمہ : یا ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں ۔

لیکن افسوس کہ ایمان کے مدعی جنہیں آخرت پر ایمان بھی ہے اور حشر میں اُٹھنے کا یقین بھی رکھتے ہیں لیکن اپنے رب تعالیٰ کی رؤیت کے منکر ہیں حالانکہ رویتِ باری تعالیٰ کے متعلق نصوص وارد ہیں ان سے تو وہی منکرینِ آخرت بہتر ہوئے کہ انہوں نے رؤیتِ حق تعالیٰ کا جواز ظاہر کر کے اس کی آرزو پیش کر دی ۔ جیسے انہیں انزال الملائکہ کا اقرار ہے ایسے ہی وہ رؤیت باری تعالیٰ کے بھی مُقِر ہیں ۔ نتیجہ نکلا کہ منکرینِ قیامت اور منکرینِ رؤیتِ باری تعالیٰ نصوص کے انکار میں اشتراک ہے کیونکہ جیسے روایات سے بعث ونشر اور آخرت ثابت ہے ایسے ہی نصوص سے ثابت ہے کہ اہلِ ایمان کو قیامت میں باری تعالیٰ کی زیارت ہوگی ۔

لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا یہ لام قسم محذوف کا جواب ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بخدا انھوں نے تکبر کیا ۔ الاستکبار انسان غلط تصورات سے بھر پور ہو کر اپنے میں وہ مرتبہ ظاہر کرے جو اس میں نہیں ۔ اب مطلب یہ ہُوا کہ اُنہوں نے باطل کے طور کبر کو ظاہر کیا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ اپنے نفسوں کے متعلق ، یعنی انہوں نے اپنے نفسوں کے لیے خیالی مراتب ودرجات گھڑ لیے اسی لیے کہہ دیا کہ ان کے ہاں پیغاماتِ الٰہی ملائکہ لے آئیں یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے لیے خود انہیں اللہ تعالیٰ آکر فرما دے ۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ بخدا انہوں نے اپنے خیال سے اپنے آپ کو بڑا بنا لیا یعنی اس فیصلے میں انہوں نے تکبر سے کام لیا اور بے جا جرأت کی ۔

وَعَتَوْ اور انہوں نے ظلم اور طغیان میں حد سے تجاوز کیا ۔ العتو بمعنے الغلو اور طاعت سے دُور ہونا ۔ عُتُوًّا کَبِیْرًا ○ سرکشی کی انتہا کو پہنچ گئے کہ باوجودیکہ معجزات وبراہین دیکھے لیکن ان سے

marfat.ocm

روگردانی کی اور خباثتِ طبعی سے اپنے خبیث نفسوں کے لیے ملائکہ کا معائنہ اور باری تعالیٰ کی زیارت کا مطالبہ کر ڈالا حالانکہ ان خبثاء کی خباثت اور غلاظتِ طبعی کو زیارتِ ایزدی کا امکان کسی پاگل دماغ کو ہوگا ، ورنہ ظاہر ہے کہ دنیا میں تو سوائے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی علیہ السلام اور ولی کو زیارت نہیں ہوئی اور نہ کسی کو ہوسکتی ہے اور ہمارے حضور شافع النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دنیا کی حدوں کو عبور کرکے ذاتِ حق تعالیٰ کو بے حجاب دیکھا ۔ دنیا کی حد ہفت افلاک تک ہے اور بس ۔ اس لیے کہ عالمِ دنیا کون و فساد کا عالم ہے ۔

مسئلہ : الوسیط میں ہے کہ رویتِ حق کی طلب کو عتو سے اس لیے موصوف کیا گیا کہ انہوں نے دل وجان سے رویت کی آرزو نہیں کی بلکہ ان کا مقصد حق سے عناد اور اللہ ورسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طاعت سے انکار کے طور آرزو کی اس اعتبار سے انہوں نے اپنی گفتگو اور کفر میں غلو کیا ۔

سوال : جب اللہ تعالیٰ کا دیدار جائز ہے تو پھر جائز امر پر انھیں زجر و توبیخ کیوں ؟

جواب : (۱) انھیں زجر و توبیخ دوسری وجہ سے کی گئی وہ یہ کہ ایسی طلب کی جو ان کے لائق نہیں تھی وہ اس لیے کہ جب انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دلائل و براہین دیکھ لیے تھے تو پھر بجائے تسلیم کرنے کے دوسرے مطالبہ کے درپے ہوگئے ۔ اور ظاہر ہے کہ جو دلیل دیکھ کر پھر دلیل کا مطالبہ کرے اسے احمق کہا جاتا ہے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں سرکشی یعنی عتو و غلو سے تعبیر فرمایا ۔

(۲) وہ ایمان بالغیب کے مکلف تھے لیکن جونہی انہوں نے رویت (آنکھوں سے دیکھنے) کا سوال کیا تو اصل موجب سے متجاوز ہوگئے اسی لیے انھیں اللہ تعالیٰ نے عتو سے موصوف فرمایا ۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ اس دن سے کہ وہ ملائکہ کو دیکھیں گے یعنی عذاب کے فرشتوں کو قیامت میں دیکھیں گے ۔

سوال : یوم تنزل الملٰئکۃ الخ کیوں نہیں فرمایا ؟

جواب : تاکہ معلوم ہو کہ ملائکہ کی رویت ان کے مطالبہ کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی دوسرے طریقہ سے ہے وہ ہے عذاب میں مبتلا ہونا اور یوم کا منصوب ہونا بوجہ ظرفیت کے ہے جیسا کہ اس پر دلالت کرتا ہے ۔

لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ اس دن مجرموں کو کوئی بشارت نہ ہوگی ۔ یہ جملہ بمعنے یبشر کے ہے یعنی قیامت میں انھیں خوشخبری سے نوازا نہیں جائے گا ۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ نفس بشریٰ ان سے متعلق نہ ہوگی اس لیے کہ بشری مصدر ہے اور مصدر اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اسی طرح جو شے ماقبل میں عمل نہیں کرتی وہ مابعد میں بھی عمل نہ کرے ۔ المجرم ، جرم سے ہے یعنی ثمر کو درخت سے کاٹنا ۔ عرفاً ہر مکروہ عمل کے ارتکاب کو جرم

کہا جاتا ہے۔ اور ضمیر کے بجائے المجرمین کی تصریح میں اشارہ ہے کہ ان پر کفر کے علاوہ مجرم ہونے کی مُہر ثبت کرنی ہے اور وہ تاکید (جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے یعنی انہوں نے فرشتوں کا نزول اور رویت باری تعالیٰ کا مطالبہ کیا ہے) کے لیے یومئذ کو تکرار کے طور پر لایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جو کچھ وہ مانگ رہے ہیں وہ ضرور ہوگا لیکن اس کے موجود ہونے پر انہیں پریشان ہونا پڑے گا کیونکہ اس وقت انہیں خوشخبری تو کوئی سنائی نہیں جائے گی البتہ انہیں ہراساں کیا جائے گا اور ہر وقت عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا بخلاف اہل ایمان کے کہ ان کے ہاں ملائکہ حاضری دے کر خوشخبریاں سنائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتے ہوئے کہیں گے :

ان لا تخافوا ولا تحزنوا الخ ترجمہ : نہ خوف کھاؤ اور نہ غم کرو۔

خلاصہ یہ کہ کفارِ مکہ کو قیامت میں کسی قسم کی خوشخبری نہیں دی جائے گی۔

وَيَقُولُونَ ملائکہ کو دیکھ کر کفار مجرمین کہیں گے۔ اس کا عطف فعل منفی مذکور پر ہے حِجْرًا مَّحْجُورًا ۝ حجراً، حجرہ کا مصدر ہے بمعنے منع، اور محجود بمعنے ممنوع۔ اور محجورا، حجرا کی صفت ہے۔ یہ تاکید کے طور لایا گیا ہے جیسے یوم میں ایوم اور لیل میں الیل تاکید کے لیے آتے ہیں۔ یہ کلمہ در اصل اس وقت بولتے ہیں جب ان پر سخت ہجوم اور دشمن کا سامنا ہو۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اپنے ہاں ملائکہ کے نزول کا مطالبہ کرتے ہیں حالاں کہ ان کا حال یہ ہوگا کہ جب وہ قیامت میں ملائکہ کرام کے دیکھنے سے کراہت کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے : حجراً محجوداً۔ یہ کلمہ نزول بأس کے وقت پناہ کے طور پر کہتے اور اللہ تعالیٰ سے استدعا کرتے ہوئے عرض کرتے کہ ان کے لیے کوئی سبب ہو جس سے وہ اس مکروہ شے کو نہ دیکھیں اور وہ مکروہ شے ان سے دور رکھے تاکہ وہ شے ان تک نہ پہنچ پائے۔

ف : زاد (المسیر) میں لکھا کہ جب کفار مشعر حرام میں کسی ایسے کو دیکھتے جس سے انہیں خطرہ ہوتا تو اسے کہتے : حجراً محجوداً۔ اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا کہ ہم ماہ حرام میں ہیں اور تو بھی اس ماہ حرام کا خیال کر۔ اس سے ان کا اصل مقصد یہی ہوتا کہ وہ اس مکروہ امر کی شدت سے حفاظت پا جائیں یہاں قیامت میں بھی اسی خیال سے حجراً محجوراً کہیں گے کہ شاید قیامت کے عذاب سے بچ جائیں۔

ف : منقول ہے کہ قریشِ مکہ کو جب کوئی ایسا امر لاحق ہوتا کہ جس سے انہیں خطرہ ہوتا تو کہتے :

حاجورا حاجورا۔ "بچاؤ بچاؤ"

اس سے ان کا یہ واضح کرنا ہوتا کہ وہ حرم شریف میں ہیں اور یہ لفظ سننے والا ان کو تکلیف نہ دیتا۔ اب قیامت میں بھی اسی ارادے سے کہیں گے ، حجرا محجودا۔ لیکن اس دن ایسا کلمہ انھیں کوئی فائدہ نہ دے گا۔

وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَٰهُ هَبَاءً مَّنثُورًا ۝ القدوم بمعنے مدت کے بعد مسافر کا

marfat.ocm

آنا۔ اور ھباء وہ گرد و غبار جو سورج کی کرنوں سے روشندانوں میں اڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ الھبوۃ سے ہے بمعنے الغبار۔ منثور، ھباء کی صفت ہے بمعنے پھیلی ہوئی۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے کفار اور ان کے ان اعمال کا حال بتایا ہے جو انہوں نے دنیا میں کیے۔ مثلاً صلہ رحمی، مظلوم کی فریاد رسی اور مہمان نوازی اور قیدی آزاد کرنا، یتیم پروری و دیگر وہ نیکیاں کہ اگر انہیں ایمان کو قبول کرنے کے بعد کرتے تو ان کا بہترین ثواب پاتے ان کی مثال بادشاہ کے ان باغیوں کی ہے جو بادشاہ کے خلاف ہو کر اچھے کام کریں تو بادشاہ حکم فرمائے کہ ان کے مکانات اور زمینیں وغیرہا چھین لی جائیں اور ان کی آبادیوں کو بربادیوں سے بدل دیا جائے حتیٰ کہ ان کے نشانات تک مٹا دیے جائیں۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے ان کے اعمال کے متعلق ارادہ کیا اور انہیں بالکل باطل قرار دے دیا۔ اس لیے کہ ان کے قبول کرنے کے شرائط نہیں ہیں یعنی ایمان سے خالی ہیں۔ اس تقریر پر قدمنا کا مجازی معنی کیا گیا ہے کیونکہ وہاں قدوم کا تصور کیسا۔ اور یہاں ہیئت کی تشبیہ ہے اور ایسے مقامات پر مفردات اپنے معانی اصلیہ میں مستعمل ہیں اور ان کے ضائع شدہ اعمال کو غبار سے حقارت کی وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ وہ قابلِ اعتبار نہیں۔ اور منثورا میں اشارہ ہے کہ ان کے اعمال کسی طریقہ سے بھی نظم و ترتیب میں نہیں آسکیں گے۔

فائدہ صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ اہلِ بدعت کے اعمال کا حال بھی یونہی ہے کہ وہ اپنے اعمال خواہشِ نفسانی کو بدِ نظر رکھ کر کرتے ہیں اور ان میں ریاء کی ملاوٹ ہوتی ہے اسی لیے ان کے اعمال باطل ہو کر رہ جائیں گے جن کا نہ کوئی نشان رہے گا اور نہ ہی ان کی کوئی خبر لے گا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱	شنیدم کہ نابالغی روزہ داشت	بصد محنت آورد روزی بچاشت
۲	بگفتا پس آں روز سائق نبرد	بزرگ آمدش طاعت از طفل خرد
۳	پدر دیدہ بوسید و مادر سرش	فشاندند بادام و زر بر سرش
۴	چو بروی گزر کرد یک نیمہ روز	فتاد اندر و آتش معدہ سوز
۵	بدل گفت اگر لقمہ چندی خورم	چہ داند پدر عیب یا مادرم
۶	چو روی پسر در پدر بود و قوم	نہاں خورد و پیدا بسر برد صوم
۷	کہ داند چو در بند حق نیستی	اگر بی وضو در نماز ایستی
۸	پس ایں پیر ازاں طفل نادان ترست	کہ از بہر مردم بطاعت درست

marfat.com

۹ کلید در دوزخ است آں نماز | کہ در چشم مردم گزاری دراز

۱۰ اگر جز بحق میرود جادہ ات | در آتش نشانند سجادہ ات

ترجمہ : ۱۔ میں نے سنا ہے کہ ایک نابالغ نے روزہ رکھ لیا۔ سو مشقتوں سے چاشت تک دن پہنچایا

۲۔ اس دن اس کو مکتب سے خلیفہ لے گیا۔ چھوٹے بچے کی عبادت اسکو بڑی معلوم ہوئی۔

۳۔ باپ نے آنکھیں چومیں ماں نے اس کا سر۔ انھوں نے بادام اور چاندی اسکے سر پر نچھاور کی۔

۴۔ جب اس پر آدھا دن گزرا۔ اس کے اندر معدہ کی آگ سے جلن پیدا ہو گئی۔

۵۔ اس نے دل میں کہا اگر میں چند لقمے کھاؤں میرے باپ یا ماں غیب کو کیا جانیں گے؟

۶۔ جب لڑکے کا رخ باپ اور قوم کی طرف تھا تو چپکے سے کھا لیا بظاہر روزہ پورا کر لیا۔

۷۔ اگر تو خدا کی فکر میں نہیں ہے تو کسی کو کیا معلوم۔ اگر تو بے وضو نماز میں کھڑا ہو جائے۔

۸۔ یہ بوڑھا اس بچہ سے بھی زیادہ نادان ہے جو انسانوں کی خاطر عبادت میں لگا ہے۔

۹۔ وہ نماز دوزخ کے دروازے کی کنجی ہے جو تو لوگوں کی نگاہوں کے سامنے لمبی پڑھے۔

۱۰۔ اگر تیری سڑک اللہ تعالیٰ کی جانب کے سوا ہے تو تیرے مصلیٰ کو آگ میں ڈال دیں گے۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ بہشتی یعنی اہلِ ایمان یَوْمَئِذٍ اس دن جس دن کفار کا حال وہی ہوگا کہ انھیں خوشخبری نہیں ہوگی اور وہ حجراً محجوراً پکاریں گے اور ان کے اعمال اڑتی ہوئی غبار کی طرح بیکار اور باطل بنا دئے جائیں گے، اور اہلِ ایمان اس کے برعکس خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا بہتر قرارگاہ میں ہوں گے۔ مستقر وہ مکان جسے انسان اپنی نشست و برخاست کے لیے مقرر کرے۔ یعنی اہلِ ایمان کی رہائش گاہ ان کافروں دنیاداروں کی دنیوی رہائش گاہ سے بہتر ہوگی۔ یعنی اہلِ ایمان کے مکانات آخر میں دنیا کے کافروں کے مکانوں اور منزلوں سے بہتر و اعلیٰ ہوں گے یا یہ افضلیت آخرت میں کفار کے مکانات کی وجہ سے ہے۔

سوال : یہ معنی نامناسب ہے اس لیے کہ کافروں کے لیے آخرت میں خیریت کا مفہوم کیسا؟

جواب : تہکم واستہزاء کے طور ہے۔ جیسے قولِ باری تعالیٰ "قل اذٰلك خيرام جنة الخلد" میں تہکم و تقریع ہے یا یہ افضلیت بوجہ زیادہ مطلقہ کے ارادہ پر ہے یعنی وہ اہلِ ایمان خیریت کے انتہائی اعلیٰ مراتب پر ہوں گے۔ یہی تقریر وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝ میں کی جاتی ہے۔ یعنی کافروں کے دنیا کے قیلولہ کرنے کے مکانات سے آخرت میں بہترین مقام میں ہوں گے یا آخرت میں اہلِ ایمان اہلِ کفر سے بہتر قیلولہ گاہ میں ہوں گے۔ یا وہ انتہائی احسن قیلولہ گاہ میں ہوں گے۔ المقيل بمعنے موضع القيلولة یعنی قیلولہ کی جگہ۔ اور قیلولہ بمعنے موسم گرما میں دوپہر کے وقت آرام کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

marfat.ocm

نمت نصف النهار۔ (میں دوپہر کو سویا)

اس سے یہی قیلولہ مراد ہوتا ہے۔ لیکن یہاں پر وہ جگہ مراد ہے جہاں اہلِ بہشت اپنی ازواج کے ساتھ آرام کے لیے اور ان سے گفت وشنید اور لہو ولعب کے لیے ٹھہریں گے۔ ورنہ بہشت میں کہاں دوپہر، کہاں گرمی اور کہاں نیند، بلکہ وہاں مطلق آرام ہوگا جس میں غفلت نہ ہوگی اور نہ کوئی حس ادراک سے خالی ہوگی۔ اسی طرح جہنم میں کوئی مکان آرام کے لیے نہیں ہوگا اور نہ ہی وہاں کافروں کو نیند کے لیے وقت دیا جائے گا بلکہ وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ف : مقیل سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے مروی ہے کہ اہلِ بہشت کے لیے قیامت کے دن اتنی مقدار ہوگی جتنی صبح سے دوپہر کا وقت گزار کر قیلولہ کے لیے اپنے مسکن میں آرام کے لیے جاتا ہے ایسے بہشتی اتنا وقت گزار کر اپنے اپنے مسکن میں چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں۔ اور مجوسیوں کے لیے پیاس کے ساتھ دنیوی پچاس ہزار سال کی مقدار گزرے گی (العیاذ باللہ)۔

ف : اسے احسن سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ بہشتیوں کے مسکن ایسے ہی مختلف مزینات سے مزین ہوں گے جیسے دنیا میں دلھن کا گھر سجایا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جو لوگ حشر ونشر پر ایمان اور رؤیتِ باری تعالیٰ کا یقین رکھتے ہیں ان اہلِ بہشت کے لیے یومئذ خیر مستقرا بہترین قرارگاہ ہوگی۔ اس لیے کہ عوام اہلِ بہشت کو بہشت اور خواص کو حضرتِ ربوبیت اور قربِ حق تعالیٰ نصیب ہوگا۔ کما قال تعالیٰ :

الیٰ ربك یومئذ المستقر۔ ترجمہ: تیرے رب کے ہاں آج ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

واحسن مقیلا اس لیے کہ دوزخ منکرینِ حشر اور بہشت اہلِ ایمان اور قربِ حق راجعین الی اللہ اور مجذوبین کے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ مستقر اخروی ومقیل علوی کے حصول کے لیے جد وجہد کرے۔

حکایت

ایک رات شیخ حجازی آیت :

"وجنة عرضها السموٰت والارض" ترجمہ : اور وہ بہشت جو کہ چوڑائی میں زمین وآسمان ہے۔

پڑھ پڑھ کر روتے رہے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ اس آیت میں تو الٹا بہشت کی وسعت کا بیان ہے پھر آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر خدانخواستہ اس میں مجھے قدم رکھنے کی جگہ بھی نہ ملے تو اس کی وسعت کا کیا فائدہ!

حدیث شریف میں ہے:

"من سعادة المرء المسکن الواسع والجار الصالح والمرکب الھنییٔ"۔

marfat.com

(انسان کی سعادت کی علامت ہے کہ اسے رہنے کے لیے جگہ فراخ اور ہمسایہ نیک اور سواری طبیعت کے موافق ہو)

ف: کسی سے پوچھا گیا: غنی کون ہے؟ اس نے جواب دیا: مکان فراخ اور رزق فراخ جسے حاصل ہو وہی دنیا میں غنی ہے۔

ف: دنیا کی سعادات آخرت کی سعادات کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

افتخار از رنگ و بو و از مکان

ہست شادی و فریب کودکان

ترجمہ: رنگ و بو و مکان پر فخر کرنا بازیچۂ اطفال ہے۔

؎

۱ ہر کجا باشد شہ ما را بساط

ہست صحرا گر بود سم الخیاط

۲ ہر کجا یوسف وحی باشد چو ماہ

جنت است آں چہ کہ باشد قعر جاہ

ترجمہ: جہاں ہمارا محبوب ڈیرہ ڈال لے وہی ہمارے لیے فراخ مکان ہے اگرچہ وہ سوئی کے ناکہ کے برابر ہو، جہاں یوسف قیام پذیر ہو وہاں گھرا کنواں بہشت ہے۔

عارف کی جنّت عارف باللہ کی جنّت پاک قلب و معرفتِ الٰہی ہے۔ چنانچہ یحیٰی بن معاذ رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دنیا میں ایک ایسی بہشت موجود ہے جو اس میں داخل ہوگا وہ کبھی آخرت کی بہشت کا شوق ظاہر نہیں کرے گا۔ عرض کیا گیا، وہ کون سی بہشت ہے؟ آپ نے فرمایا: معرفتِ الٰہی ؎

چو دادت صورت خوب و صفت ہم

بیا تا بدہدت ایں معرفت ھم

چو خونے مشک گردد از دم پاک

بود ممکن کہ تن جانے شود پاک

ترجمہ: جب تجھے صورت حسین اور بہتر صفت عطا کی ہے تو تم اس کے دروازے پر آؤ تاکہ وہ تمہیں معرفت عطا فرمائے۔ جو خون ایک ہی دم سے مشک ہو جاتا ہے کہ اس دم سے سارا

marfat.ocm

جسم کیوں پاک نہ ہو جائے گا۔

تفسیر عالمانہ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ اس وقت کو یاد کرو جب کہ پہاڑ پھٹ جائیں گے۔ تاج المصادر میں تشقق میں پھٹنا دراصل تتشقق تھا۔ تلظّی کی طرح ایک تا محذوف ہوئی ہے بِالْغَمَامِ بادل کے ساتھ۔ اسے اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ اس سے سورج کی روشنی چھپ جاتی ہے۔ الغم بمعنی ستر الشئ یعنی آسمانوں سے بادل کے طلوع سے۔ یہ وہی بادل ہے جسے آیت:

هل ينظرون الا ان ياتيهم الله فى ظلل من الغمام والملٰئكة۔

(نہیں دیکھیں گے مگر یہ کہ ان کے ہاں عذابِ الٰہی بادلوں کے سایوں میں آئیں گے اور فرشتے)

میں بیان کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا کہ غمام سائبان کی طرح باریک سفید بادل تھا جو بنی اسرائیل کے لیے ظاہر ہوا یعنی جب وہ جنگل میں حیران و ششدر پھر رہے تھے تو ان پر اس طرح کا بادل چھا گیا تھا۔

ف : حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا:

غمام بادل کی طرح ایک سفید شے جو ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے۔

چنانچہ **حدیث شریف** میں ہے:

دعوة المظلوم ترفع فوق الغمام۔

(مظلوم کی دعا ساتوں آسمانوں کے اوپر غمام کے اوپر جاتی ہے)

ف : حضرت امام نسفی رحمہ اللہ نے فرمایا:

غمام ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے اور سفید بادل ہے جس کی موٹائی ساتوں آسمانوں کے برابر ہے، جسے آج تک اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے روکا ہوا ہے اس کا بوجھ ساتوں آسمانوں کے برابر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں کے پھٹنے کا ارادہ فرمائے گا تو اس بادل کا بوجھ ان پر ڈالے گا تو وہ پھٹ جائیں گے۔ یوم تشقق السماء کا یہی مطلب ہے یعنی آسمان پھٹ جائیں گے اس بادل کے بوجھ سے۔ یعنی بادل ظاہر ہو کر آسمانوں سے نکلے گا اور اسی میں ملائکہ کرام ہوں گے۔ کما قال تعالیٰ:

وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ○ یعنی غیر معہود طریقہ سے اسی بادل سے عجیب طور نازل ہوں گے بعضوں نے کہا کہ اس وقت علٰحدہ علٰحدہ آسمان پھٹ جائیں گے تو انہیں آسمانوں سے ملائکہ کرام بندوں کے عملنامے لے کر نکلیں گے۔

marfat.com

تنشق السّماء مروی ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے پہلا آسمان پھٹے گا تو اس سے آسمانِ دنیا کے انس وجن کی گنتی میں ملائکہ کرام نکلیں گے انھیں مخلوقِ خدا کہے گی: کیا تم میں ہمارا پروردگار ہے یعنی حساب کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم وارد ہو چکا ہے، وہ فرشتے کہیں گے: نہیں وہ عنقریب آنے والا ہے۔ اس کے بعد دُوسرا آسمان پھٹے گا اس سے دوہرے فرشتے تشریف لائیں گے۔ اسی طرح ہر دوسرا آسمان پہلی مقدار سے دوہری مقدار سے ملائکہ نازل ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ ساتوں آسمان پھٹ جائیں گے تو غمام ظاہر ہوگا۔ یعنی وہی سفید بادل جو ساتوں آسمانوں کے اُوپر ہے اس کے بعد حساب کا حکم نازل ہوگا۔ یوم تشقق السّماء کا یہی معنیٰ ہے۔

ف: یہ زمین پہلے آسمان کے مقابلہ میں ایسے ہے جیسے زمین کے سامنے ایک رسّہ۔ اسی طرح ملائکہ کی گنتی کا حال ہے۔ پھر اسی طرح ہر نچلا آسمان اوپر والے کے مقابلہ میں، اندازہ لگائیے کہ ساتوں آسمانوں کی گنتی پر غور کیا جائے تو ان کے لیے زمین میں وسعت کہاں! کما فی حواشی الشیخ۔

اعجوبہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو دسترخوان کی طرح دراز کر کے بچھا دے گا۔ اور ظاہر ہے کہ آسمان قبہ جات کی طرح پھیلے ہوئے ہوں گے، جب ان میں سے ایک کو اٹھالیا جائے گا تو زمین اس کی مقدار وسیع ہو جائے گی اسی طرح ساتوں آسمانوں کے قبے اُٹھتے جائیں گے اور زمین وسعت پذیر ہوتی جائے گی۔ اسی طرح ملائکہ کرام اس میں پھیلتے جائیں گے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ملائکہ لطیف اجسام ہیں اس لیے ان کے لیے ایک دُوسرے پر مزاحمت کا تصوّر نہ کیا جائے۔ یہ مزاحمت انسانوں کے متعلق ہو سکتی ہے اس لیے کہ انسان ثقیل اجسام ہیں۔

اَلْمُلْكُ یَوْمَئِذِ ࣙالْحَقُّ۔ الملک مبتدا ہے اور الحق، الرحمٰن کی صفت ہے اور وہ مبتداء کی خبر ہے اور یومئذ خبر کو مبتدا کے ثبوت کے لیے ظرف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ سلطنت قاہرہ اور استیلاء کلی ظاہری و باطنی بایں معنی کہ اسے ہرگز زوال نہیں۔ وُہ قیامت میں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے اور اسے یومئذ سے مقید کرنے میں اشارہ ہے کہ قیامت میں سلطنت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہوگی اور کسی کے لیے مجازاً بھی ملکیت وسلطنت کا تصوّر نہ ہوگا ؎

چو مدعیان زبان دعوی
از مالکیت دربستہ باشند

ترجمہ: جب مدعیان قیامت میں مالکیت سے زبان بند کیے ہوں گے۔

ف: دنیا میں بھی اگرچہ سلطنت وملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن اس میں مجازاً کسی نہ کسی کا ملک و

سلطنت ہے۔

وَكَانَ يَوْمًا اور ہوگا وہ دن عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا کافرین پر سخت یعنی شدتِ ہول کی وجہ سے کفار پر وہ دن بڑا سخت ہوگا۔ عسیر یسیر کی نقیض ہے اسی لیے قیامت کا دن اہلِ ایمان پر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نہایت آسان ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے،

انه یهون یوم القیامة علی المؤمن حتی یکون اخف علیه من صلاة مکتوبة صلاها فی الدنیا۔

(قیامت کا دن اہلِ ایمان پر ایسے آسان ہوگا جیسے اس نے دنیا میں خفیف تردد کا نہ پڑھا ہوگا)

ف : کفار پر وہ دن اس لیے سخت ہوگا کہ وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور انہیں بہشت کی محرومی سے حسرت ہوگی حالانکہ دنیا میں نعمتیں حاصل تھیں اُن سے محروم ہوکر طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اور اہلِ ایمان کو آسانی بایں معنی ہوگی کہ وہ جنّات کی نعمتوں اور دیدارِ الٰہی سے نوازے جائیں گے اور اس سے قبل دنیا میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تکلیف پر راضی تھے اور انہیں آسانیاں حاصل نہیں تھیں۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ اس دُکھ درد کے بعد آرام وسکون نصیب ہوگا۔

حکایت علی سہل صعلوکی کو یہودی کے حمام کی قید سے نکال کر ایک سیاہ پردے کے دُھوئیں میں ڈالا گیا۔ یہودی نے کہا کہ تم کہتے ہو کہ دنیا اہلِ ایمان کے لیے قیدخانہ اور کافر کے لیے جنّت ہے۔ اس کا کیا مطلب؟ سہل صعلوکی نے فوراً جواب دیا کہ جب تم جہنم میں جاؤ گے تو تم اس دنیا کو جنّت تصور کروگے اور جب ہم بہشت میں جائیں گے تو ہمیں یہ دنیا قید محسوس ہوگی۔ لوگ ان کے فوری جواب سے متعجب ہوئے۔

نجاتِ اہوالِ آخرت حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی گئی، دنیا میں اشتغال اور آخرت میں اہوال ہیں ان سے نجات کیسے حاصل کی جاسکتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دنیوی مشاغل کو ترک کردو آخرت کے اہوال سے نجات نصیب ہوجائے گی۔ وہ لوگ مبارکباد کے مستحق ہیں جو دنیا کی طلب سے فارغ اور اس کے شہوات سے دُور اور اس کے فریب سے نہ صرف مجتنب ہیں بلکہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے ؎

این جہان جیفہ است و مردار و رخیص
بر چنیں مردار چوں باشم حریص

ترجمہ : یہ جہان جیفہ و مردار اور بدبُودار ہے۔ ایسے مردار پر میں کیسے حریص بن سکتا ہوں۔

marfat.com

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ بہشت کے بنگلے پر لکھا ہے کہ صد حیف اس پر جو دنیا کا خریدار ہے۔

اللہ والوں کی نشانی اولیاء اللہ نے ماسوی اللہ کی محبت کو دل سے کاٹ کر رکھ دیا ہے اور وہ شدائد و مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے آپ کو ہر وقت تیار رکھتے ہیں یہاں تک کہ وہ منزلِ مقصود کو پہنچے۔

اولیاء کے دشمن کی سزا اہلِ انکار قیامت میں سخت سے سخت دُکھ درد میں مبتلا ہوں گے اس لیے کہ وہ اولیاء کی شان میں گستاخیاں کرتے رہے اور عوام کو ان سے متنفر کرنے میں کوشاں رہے اور چاہتے کہ عوام اولیاء اللہ سے رُوگردانی کرکے ان کی طرف متوجہ ہوں اور وہ مال و اسباب وغیرہ ان سے لُوٹ کر کھا جائیں، حالاں کہ مرنے کے بعد جملہ املاک و اسباب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوں گے۔ اور ایسے لوگ کسی شے کے مالک نہیں ہوں گے، اسی لیے اپنے سے کوئی دُکھ اور درد دُور نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے لازم ہے کہ انسان ہر وقت تجدیدِ ایمان اور اقرارٌ باللسان پر کمربستہ رہے۔ کما ورد :

جددوا ایمانکم بقول لا الٰہ الا اللہ۔

(لا الٰہ الا اللہ کی تجدید کرو)

سوال : اس حدیث شریف سے معلوم ہُوا کہ ایمان بھی پُرانا ہوجاتا ہے۔

جواب : ایمان کے پرانے ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ انسان پر غفلت چھا جائے اور وہ شوقِ الٰہی سے دُور ہو جائے تو ایسے انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ تجدیدِ ایمان سے اپنی دُوری اور غفلت کو ہٹائے تاکہ کلمہ طیبہ کی برکت سے شوقِ حق اور جذبۂ الٰہی اور محبتِ ایزدی اسے حاصل ہو۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت ذکرِ حق میں مشغول رہے یہاں تک کہ اس کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ جائے۔

ؔ جدائی مبادا مرا از خدا
دگر ہر چہ پیش آیدم شایدم

ترجمہ : ایسا نہ ہو کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے جُدائی ہو، دوسرا کوئی دکھ درد آئے تو ہمیں منظور ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ مرتے دم تک ہم اس کی اطاعت و فرماں برداری سے سرِمُو نہ ہٹیں۔ (آمین)

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ یوم فعل اذکر مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور العض بمعنے کسی شے کو دانتوں سے چبانا۔ اور عض الیدین سے ندامت مراد ہے۔ کیونکہ لوگوں کی عادت ہے کہ ندامت کے وقت ہاتھ چباتے ہیں۔ اسی طرح اسے کبھی عض الانامل سے اور کبھی اکل البنان اور کبھی حرق الاسنان وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں اور ان الفاظ سے غیظ و غضب اور حسرت مراد لیتے ہیں اور یہ الفاظ مترادفات سے ہیں۔

marfat.ocm

ف : الکواشی میں ہے کہ ممکن ہے کہ لفظ علیٰ زائد ہو اس معنے پر عض اپنے حقیقی معنی پر ہوگا۔ جیسا کہ مروی ہے کہ قیامت کے دن کافر اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک چبا جائے گا ابھی کہنیوں تک پہنچے گا تو دونوں ہاتھ پھر مکمل اور صحیح و سالم ہو جائیں گے وہ پھر انہیں کھانے لگ جائے گا۔ اسی طرح وہ کھاتا جائے گا اور ہاتھ از سرِ نو پیدا ہوتے رہیں گے۔ اس کا یہ ہاتھوں کو چبانے اور کھانے کا عمل اپنی کمی اور کوتاہی سے ندامت کی وجہ سے ہوگا۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ ظالم قیامت میں حسرت سے اپنے دونوں ہاتھوں کو متحیر لوگوں کی طرح چبائے گا۔ الظالم سے ظالموں کی جنس مراد ہے اس میں عقبہ بن ابی معیط بھی داخل ہے۔

گستاخِ رسول کی سزا

عقبہ بن ابی معیط کی عادت تھی کہ جب بھی وہ سفر سے واپس آتا تو طعام پکا کر عام و خاص اہلِ مکہ سب کو مدعو کرتا اور اس کی دعوت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لاتے، اور وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک میں بھی بکثرت حاضری دیتا۔ اس کی باتیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی لگتیں۔ ایک دن سفر سے واپس آیا اور دعوتِ عام پکائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مدعو کیا۔ حضرت کاشفی نے لکھا ہے کہ وہ آپ کو آپ کی ہمسائیگی کی وجہ سے مدعو کرتا۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس نے طعام پیش کیا تو آپ نے فرمایا: میں تیرا طعام صرف اس شرط پر کھاؤں گا کہ تُو گواہی دے کہ:

لا الٰہ الا اللہ و انی رسول اللہ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور اہلِ عرب کے ہاں یہ بہت بڑی عار تھی کہ کوئی ان کے گھر آئے اور طعام کھائے بغیر چلا جائے۔ اس نے اس دستور کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی منت سماجت کی لیکن آپ نے ایک نہ مانی۔ عقبہ نے آپ کی شرط منظور کرتے ہُوئے کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔ اس پر آپ نے اس کا طعام کھایا۔ اس وقت عقبہ کا دوست اُبی بن خلف جمحی موجود نہیں تھا حالانکہ یہ عقبہ کا بہت گہرا اور جاں نثار دوست تھا۔ جونہی واپس آیا اور اسے معلوم ہُوا کہ عقبہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کر لیا ہے اس نے عقبہ سے کہا کہ: صبوت یا عقبہ۔ (اے عقبہ! تُو اپنے آبا کے دین کو چھوڑ کر ایک نئے دین[1] میں داخل ہوگیا ہے) اس نے کہا بخدا

---

[1] اس پر غور کریں کہ کفارِ مکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو بدعت اور آپ کو بدعتی کہتے تھے یہ سنت کہنا کسے نصیب ہے، اور جنہیں کہا جاتا ہے انھیں کس کی سنت نصیب ہے۔ تفصیل فقیر کی کتاب "العصمۃ عن البدعۃ" میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہ

marfat.com

میں غیر دین میں شامل نہیں ہُوا۔ صرف بات اتنی ہے کہ وہ شخص (حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) میرے گھر آیا اور اس شرط پر کھانا منظور کیا کہ میں اس کا کلمہ پڑھوں۔ میں نے بوجہ مجبوری پڑھ لیا، مجھے شرم آئی کہ کہیں وہ میرے گھر سے طعام کھائے بغیر نہ چلے جائیں۔ میں نے کلمہ پڑھا اور اس نے کھانا کھایا۔ ابی بن خلف نے کہا: میں ایسے تجھ پر راضی ہونے والا نہیں جب تک کہ تم چل کر اس کے چہرے پر نہ تھوکو اور کھلم کھلا گالی نہ دو اور اس کی تکذیب نہ کرو (نعوذ باللہ) عقبہ نے کہا: چلو ان امور کی سرانجام دہی سے مجھے کون سا انکار ہے۔ چنانچہ وہ دونوں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کو بارگاہ خداوندی میں سربسجود دیکھا تو اس (عقبہ) نے آپ کے چہرۂ اقدس پر تھوک دیا (العیاذ باللہ)۔

اسباب النزول کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہی تھوک ایک آگ جانسوز بن کر (بجائے حضور علیہ السلام پر گرنے کے) عقبہ کے چہرہ پر لوٹی اور اس کے دونوں رخساروں کو جلا ڈالا۔ جب تک وہ زندہ رہا اس کے چہرے پر وہ داغ نمایاں رہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

ہر کہ بر شمع خدا آرد پفو
شمع کے میرد بسوزد پوز او
کے شود دریا ز پو سگ نجس
کے شود خورشید از پف منطمس

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کی شمع پر تھوکتا ہے شمع تو نہیں بجھے گی البتہ اس کا منہ جل جائے گا۔ اور گوبر سے دریا پلید نہیں ہوتا اور نہ ہی سورج تھوکنے سے بے نور ہوتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ سے فرمایا کہ تُو نے میرے چہرے پر تھوکا ہے اس سے میرا تو کچھ نہیں بگڑا لیکن یاد رکھ میں تیرا سر تلوار سے مکہ کے باہر لٹکا دُوں گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ وہ بدر کے دن جب قیدی ہو کر آیا تو حضور علیہ السلام نے حضرت علی یا حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ اس خبیث کو قتل کر دیں۔ ابی بن خلف خبیث کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے اُحد کے دن تیر مارا تو وہ مکہ کو لوٹا اور سرف کے مقام پر دم توڑ گیا۔

ف: سرف بفتح السین المہملۃ وکسر الراء، اور یہی صفت ابی بن خلف کے لیے بھی موزوں ہے اس لیے کہ سرف بمعنے مسرف ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

marfat.ocm

شرالناس رجل قتل نبیا او قتلہ نبی۔

(بدترین انسان وہ ہے جو کسی نبی علیہ السلام کو شہید کرے یا نبی علیہ السلام اسے قتل کریں)

ف : پہلا شخص یعنی جس نے کسی نبی علیہ السلام کو شہید کیا تو وہ شریر ترین اس لیے ہے کہ اس نے نبی علیہ السلام کی توہین کی اور انبیاء علیہم السلام بلند درجات کے مالک ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ مقابلہ کرنے والے بھی مراتب کے لحاظ سے بدترین انسان ہوں گے یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ مراتب کے لوگوں کا مقابلہ رذیل تر لوگ کرتے ہیں اور جب دشمنی زوروں پر ہوتی ہے تو ان میں ایک مارا جاتا ہے اس لیے کہ ضد اپنی ضد کا ازالہ چاہتی ہے، اور دوسری صورت یعنی جسے نبی علیہ السلام قتل کریں اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام شفقت و رحمت علی الخلق سے جبلی طور پر بھرپور ہوتے ہیں وہ کسی کے قتل کا اقدام نہیں کرتے مگر اس وقت جب دیکھتے ہیں کہ اس کے لیے فلاح کے دروازے بند ہیں اور انہیں یقین ہو جاتا ہے اس کا زندہ رہنا مزید شقاوت کا موجب بلکہ ضرر شدید کا سبب ہوگا اسی لیے ان کا ایسے بدبختوں کو قتل کرنا بھی خالی از رحمت نہیں ہوتا۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

چونکہ دندان تو کرمش در فتاد

نیست دندان برکنش اے اوستاد

تاکہ باقی تن نگردد زار ازو

گرچہ بود آں تو شو بیزار ازو

ترجمہ : جب تمہارے دانتوں میں کیڑا پڑے تو تم اسے دانت نہ سمجھو بلکہ اسے جلد اکھیڑو تاکہ دوسرے اعضاء اس سے ضرر نہ پائیں۔ اگر سستی کرو گے تو پھر اس سے بھی بیزار ہو گے۔

ف : انسان العیون میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے ہاتھ مبارک سے سوائے ابی بن خلف کے اور کسی کو قتل نہیں فرمایا، نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔

یَقُوْلُ یہ بعض کے فاعل سے حال ہے۔ کہے گا کافر **یٰا** اے لوگو **لَیْتَنِیْ** کاش کہ میں۔ اس سے معلوم ہوا کہ منادی محذوف ہے یا حرفِ ندا محض تنبیہ کے لیے ہے جس میں منبہ کی کسی تعیین کا قصد نہیں کیا گیا۔ **اتَّخَذْتُ** دنیا میں میں بنا لیتا **مَعَ الرَّسُوْلِ** حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ **سَبِیْلًا** ان تکلیفوں سے نجات پانے کا کوئی چارہ۔ یعنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا اور آپ کے لائے ہوئے اسلام کو قبول کر لیتا۔ **یٰوَیْلَتٰی** میرے اوپر افسوس ہے۔ لفظ ویل، ویلہ بمعنے ہلاکت ہے اور یا ویلتا جزع و تحسر کا کلمہ ہے۔ دراصل یا ویلتی بکسر التاء تھا۔ کسرہ کو فتح سے اور یاء متکلم کو الف سے تبدیل کیا گیا، تاکہ کسرہ کا یاء کے ساتھ مل کر کسرات کا اجتماع نہ ہو۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اے میری ہلاکت! آجا اور حاضر ہوجا،

marfat.com

اس لیے کہ یہی تیری حاضری کا وقت ہے۔

ف: اصل ندا اس کے لیے ہوتی ہے جس کو اپنی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہو اور وہ ذوی العقول ہوتے ہیں لیکن کبھی اہل عرب مجازاً غیر ذوی العقول پر ندا استعمال کرتے ہیں اس میں صرف حسرت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

لَيۡتَنِيۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِيۡلًا۔ خلیل بمعنے دوست۔ یہ خلّة سے مشتق ہے بمعنے مودّت، اس لیے کہ وہ انسان کے نفس کے درمیان گھس جاتی ہے لیکن یہاں پر انسان کے وہ دوست مراد ہیں جنہوں نے اسے گمراہ کیا یعنی شیاطین جن و انس۔ اس معنے پر عقبہ کے لیے ابی بن خلف بھی اس میں داخل ہے۔

ف: فلاں وفلاں بول کر ان کے اسماء مراد لیے جاتے ہیں یعنی لفظ فلاں سے مذکر ذوی العقول کا علم اور فلانہ سے مونث ذوی العقول کا علم مراد ہوگا اور جب ان پر الف لام داخل ہو تو اس وقت غیر ذوی العقول مراد ہوں گے۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس کے لام کے مقابلہ کا الف یا سے تبدیل ہوا ہے یا واؤ سے۔

لَقَدۡ اَضَلَّنِيۡ بخدا مجھے گمراہ کیا یا باز رکھا عَنِ الذِّكۡرِ قرآن سے جو ہر مرغوب ذکر کی یاد دہانی کراتا ہے اور ہر تکلیف رساں امر کی خبر دیتا ہے بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِيۡ بعد اس کے کہ وہ میرے ہاں آیا اور باوجودیکہ میں اس پر عمل کرنے کی قدرت بھی رکھتا تھا اور اس کے احکامات سنانے والے سے اس کی باتیں بھی سنتا رہا۔

وَكَانَ الشَّيۡطٰنُ اور شیطان ابلیس مخالفینِ اسلام کے ساتھ تعلق جوڑنے اور رسولِ خدا سے تعلق توڑنے اور قرآن مجید کو چھوڑنے کے لیے لِلۡاِنۡسَانِ انسان کو جو اس کا مطیع ہے خَذُوۡلًا رسوا کرنے والا اور اسے اپنی دوستی میں بہت زیادہ ورغلانے والا یہاں تک کہ وہ اسے تباہی و بربادی کے گڑھے میں ڈال کر خود پیچھے ہٹ جاتا ہے اور بجائے فائدہ پہنچانے کے اسے نقصان میں ڈالتا ہے۔ یہی اس کا انجام ہوتا ہے جو ابلیس کی کارروائی کو صحیح سمجھتا ہے جسے مدد اور نصرت کی امید دلائی جائے۔ اس کی امداد سے پیچھے ہٹ جانے کو الخذلان کہا جاتا ہے اور شیطان کو اس صفت سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ شیطان انسان کو طرح طرح کی تمناؤں میں پھنسا کر مختلف وعدوں سے بہلا کر ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ مثلاً اسے دنیا میں کہتا ہے کہ آخرت میں میری طرف سے یہ ہوگا اور وُہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ جملہ معترضہ ہے اپنے ماقبل کے مضمون کی تائید و تاکید کرتا ہے یا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا ظالم کے قول کا تتمہ ہے۔

مسئلہ: یہ آیت عام ہے شیطان کے علاوہ ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو ظلم و ستم و دیگر معاصی و جرائم میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

مسئلہ: حقیقی محبت یہ ہے کہ جس میں نہ کوئی طمع و لالچ ہو اور نہ خوف اور خطرہ، صرف دین کی بھلائی مقصود ہو۔

marfat.ocm

اسی لیے حدیث شریف میں ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن کر رہو۔ یعنی طریق رحمٰن کی بنا پر دوستی ہو شیطان کے طریق سے نہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے:

انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اس لیے دیکھ لیا کرے کہ میں کس سے دوستی کر رہا ہوں۔

حدیث شریف میں ہے:

مومن کے سوا کسی دوسرے کو دوست مت بناؤ۔ اور تمہارا طعام بھی صرف متقی کھائے۔ یعنی گھر میں کھانے کے لیے صرف متقی کو بلاؤ۔

ف: حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

متقیوں کی صحبت اس میں پتھر ہی ڈھوتے پڑیں بہتر ہے فاسقوں کی صحبت سے اگرچہ اس میں حلوہ کھانے کو ملے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ یہاں پر شیطان سے مراد بُرا ساتھی ہے اور اسے شیطان اس لیے کہا ہے کہ وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسرے کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔

فائدہ صوفیانہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کی طلب میں نہ ہو وہ شیطان ہے اور حیوانوں کی مانند ہے بلکہ ان سے بھی گیا گزرا ہے کیونکہ جانور دوسروں کو تو گمراہ نہیں کرتے اور شیطان خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

حضرت ابوبکر محمد بن عبداللہ الحامدی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

اصحب خیار الناس حین لقیتھم
خیرا لصحابه من یکون عفیفا
والناس مثل دراھم میزتھا
فوجدت فیھم فضة وزیوفا

ترجمہ: جب تم کسی سے ملو تو بہترین لوگوں کو ساتھی بنا کر۔ اور بہترین ساتھی وہ ہیں جو پاکدامن ہوں۔ اور لوگ دراہم و دنانیر کی طرح ہیں ان میں بعض کھوٹے ہوتے ہیں اور بعض کھرے۔

حدیث شریف میں ہے:

مثل الجلیس الصالح مثل العطار ان لم ینلك من عطره یعبق بك من ریحه و

marfat.com

مثل الجلیس السوء مثل الکیران لم یحرقک بنارہ یعبق بک ریحہ۔

(نیک ساتھی کی مثال عطار کی ہے کہ اگرچہ تم ان سے عطر نہیں حاصل کر سکو گے اس کی خوشبو سے تو معطر ہو جاؤ گے۔ اور بُرے ساتھی کی مثال بھٹی کی ہے کہ اگر وہ جلائے گی نہیں تو اس کا دُھواں تو پہنچے گا ہی)

جونہی اہلِ اسلام مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ پہنچے تو کہا ہم نے دو دنوں میں تمہارے نیک اور بد پہچان لیے۔ اہلِ مدینہ نے پوچھا، وہ کیسے؟ اہلِ مکہ مہاجرین نے کہا: وہ اس طرح کہ ہمارے نیک نیکوں کے ساتھی ہو گئے اور بُرے بُروں کے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ ہر ایک اپنی فطرت کے مطابق کسی سے دوستی کرتا ہے۔

اضحوکہ ایک جگہ چوروں کو گرفتار کیا گیا تو ایک گویا بھی ان کے ساتھ پکڑا گیا۔ اس نے کہا کہ میں چور نہیں گویا ہوں۔ گرفتار کرنے والوں نے کہا، ہمیں گا کر دکھایئے۔ چنانچہ اس نے عدی کا یہ شعر پڑھا: ؎

عن المرء لا تسأل وابصر قرینہ

فکل قرین بالمقارن یقتدی

ترجمہ: کسی کی کیفیت ایسے مت پوچھ، بلکہ اس کے ساتھی کو دیکھ، اس لیے کہ ہر شخص اپنے دوست کی اقتداء کرتا ہے۔

منقول ہے کہ اس گویتے سے کہا گیا کہ تُو نے سچ کہا لیکن چونکہ تُو بھی ان کا ساتھی ہے اس لیے تجھے بھی قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ ان کے ساتھ اسے بھی قتل کر دیا گیا۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ حق ذات پاک اللہ الصمد

کہ بود بہ مار بد از یار بد

۲ مار بد جانی ستاند از سلیم

یار بد آرد سوی نار جحیم

۳ از قرین بے قول وگفت وگوے او

خو بدزدد دل نہاں از خوے او

ترجمہ: ۱۔ حق ذات اللہ الصمد ہے اس لئے کہ سانپ بُرا یار بُرے سے بہتر ہے۔

۲۔ بُرا سانپ تندرست انسان کی جان لیتا ہے لیکن بُرا دوست جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔

۳۔ ساتھی سے بغیر باتوں اور گفتگو کے صرف صحبت سے دل پر اس کی عادت کے اثرات پڑتے ہیں۔

marfat.ocm

۱ اے خنک آں مردہ کز خود رستہ شد
در وجود زندۂ پیوستہ شد

۲ وائے آں زندہ کہ با مردہ نشست
مردہ گشت و زندگی از وے بجست

۳ چوں تو در قرآن حق بگریختے
با روان انبیاء آو یختے

۴ ہست قرآن حالہائے انبیاءؑ
ماہیان بحر پاک کبریا

۵ ور بخوانی و نۂ قرآن پذیر
انبیا و اولیا را دیدہ گیر

۶ ور پذیرائی چو بر خوانی قصص
مرغ جانت تنگ آید در قفص

۷ مرغ کو اندر قفص زندانیست
می نجوید رستن از زندانیست

۸ روح ہائے کز قفصہا رستہ اند
انبیاء و رہبر شائستہ اند

۹ از بروں آواز شان آید ز دین
کہ رہ رستن ترا این است این

۱۰ ما بدین رستیم زین تنگین قفص
جز کہ این رہ نیست چارہ این قفص

ترجمہ : ۱۔ خوش قسمت ہے وہ مردہ جو دنیا سے نجات پاگیا زندہ کے وجود سے جاملا۔
۲۔ اس زندہ پر افسوس ہے جو مردہ کے ساتھ بیٹھ کر مردہ ہوا اور اس سے زندگی دور ہوگئی۔
۳۔ جب تم قرآن حق کی طرف متوجہ ہوئے تو ارواح انبیاء علیہم السلام سے اس کا تعلق جڑ گیا۔
۵۔ قرآن پڑھ کر اس پر عمل نہیں کرتے تو انبیاء و اولیاء کو اپنے سے دور سمجھ۔
۴۔ قرآن انبیاء علیہم السلام کے حالات ہیں وہ پاک کبریا کے دریا کی مچھلیاں ہیں۔

۶۔ اگر تم ان کے قصے پڑھ کر اس پر عمل کرتے ہو تو تیری روح تیرے پنجرے میں تنگ آجائیگی۔

۷۔ وہ پرندہ پنجرے میں قیدی ہے وہ اس قید سے چھٹکارا نہیں چاہتی۔

۸۔ وہ ارواح جو پنجروں سے نجات چاہتی ہیں انھیں انبیاء و اولیاء رہبر چاہئیں۔

۹۔ دین کے ذریعے باہر سے ان کی آواز آئے گی کہ اس قید سے چھٹکارے کا یہ طریقہ ہے۔

۱۰۔ ہم نے بھی اس قید سے اسی طرح نجات پائی ہے اس قید سے اسی طرح کے راہ کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے خلاص اور اہلِ اختصاص سے التحاق اور ہر زبان اور ہر حال میں قرآن مجید پر عمل کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الرَّسُوْلُ اس کا عطف وقال الذین لا یرجون لقاءنا پر ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ تھا۔ یعنی کافروں نے ایسے ایسے کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے سرکشی دیکھی تو بارگاہِ حق میں عرض کی: یَا رَبِّ اے میرے پروردگار اِنَّ قَوْمِی بے شک میری قوم قریش اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا انہوں نے قرآن مجید بالکل چھوڑ دیا اور اس پر ایمان نہیں لاتے اور اس سے روگردانی کی۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ مؤمن پر لازم ہے کہ قرآن مجید سے زیادہ لو لگائے اور دن رات اس کی تلاوت میں لگا رہے تاکہ اس کی وعید ہذا میں مندرج نہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے:

من تعلم القراٰن وعلق مصحفالم یتعاهده و لم ینظر فیه جاء یوم القیامة متعلقا به یقول یارب العالمین عبدك هذا اتخذنی مهجورًا اقض بینی وبینه۔

(جو قرآن مجید کو پڑھ کر اس کی تلاوت نہ کرے اور اس میں غور و فکر نہ کرے تو قیامت میں قرآن مجید اس کو پکڑ کر بارگاہِ حق میں لائے گا اور عرض کرے گا: تیرے اس بندے نے مجھے چھوڑ دیا تھا فلہذا اس کے اور میرے درمیان فیصلہ فرما)

مسئلہ: قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھ کر اسے بھلا دینا گناہِ کبیرہ ہے۔ اور بھلا دینے کا یہ معنیٰ ہے کہ اسے قرآن مجید سے دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے۔ کما فی القنیۃ۔

حدیث شریف میں ہے:

ان هذه القلوب لتصدأ کما یصدأ الحدید۔

(قلوب لوہے کی طرح زنگ آلود ہوجاتے ہیں)

عرض کی گئی تو پھر ان قلوب کو جِلاء کیسے نصیب ہوگی؟ آپ نے فرمایا:

تلاوة القراٰن وذکر اللہ (تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی سے)

marfat.ocm

ے

دل پر درد را دوا قرآن

جان مجروح را شفا قرآن

ہر چہ جوئے زنص قرآن جوے

کہ بود گنج علمہا قرآن

ترجمہ : دلِ پُر درد کی دوا قرآن مجید ہے اور مجروح جان کی شفا قرآن مجید ہے۔ جو کچھ تلاش کرنا ہو نصِ قرآن سے تلاش کرو کیونکہ علوم کا گنجینہ قرآن مجید ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ے

۱ شاہنامہ یا کلیلہ پیش تو

ہمچناں باشد کہ قرآن از عتو

۲ فرق آنکہ باشد از حق و مجاز

کہ کند کحل عنایت چشم باز

۳ ورنہ پشک و مشک پیش اخشمی

ہر دو یکسانست چوں نبود شمی

۴ خویشتن مشغول کردن از ملال

باشدش قصد کلامِ ذوالجلال

۵ کاتش وسواس را وغصّہ را

زاں سخن بنشاند و سازد دوا

ترجمہ : ۱۔ شاہنامہ یا کلیلہ (قصہ) تجھے سرکشی کے لئے اسی طرح مفید ہیں جیسے قرآن

۲۔ فرق یہ ہے کہ قرآن حق ہے اور وہ قصے مجاز لیکن چشم کشائی کیلئے ہر دونوں سرمہ ہیں۔

۳۔ ورنہ جس کی ناک بند ہو اسکے لئے مینگنی اور مشک یکساں ہیں کیوں کہ اس میں سونگھنے کی قوت نہیں۔

۴۔ خود کو ملال سے دور رکھنا اسے کلام ذوالجلال فائدہ دے گی۔

۵۔ وسواس اور غصہ کی آگ اس کلام سے بجھے گی بلکہ بیماریوں سے دوا و شفا کا کام دے گی۔

وَكَذٰلِكَ جیسے ہم نے آپ کی قوم کے مجرمین جیسے ابوجہل وغیرہ کو آپ کا دشمن بنایا ہے ، ایسے ہی جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ ہم نے ہر نبی علیہ السلام کے لیے بنایا ہے عَدُوًّا دشمن لفظ نبی جمع کا

marfat.com

معنیٰ دیتا ہے مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ اُن کی قوموں کے مجرمین ہے جیسے نمرود ابراہیم علیہ السلام کے لیے اور فرعون موسیٰ علیہ السلام کے لیے اور یہود عیسیٰ علیہ السلام کے لیے۔ اسی لیے آپ صبر کیجئے جیسے انہوں نے صبر کیا، آپ بھی فتحیاب ہوں گے جیسے وہ فتحیاب ہوئے۔

ف : اس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کی ترغیب ہے کہ جیسے اُنہوں نے صاحبِ شریعت ہوکر دعوتِ الی اللہ میں تکلیفیں جھیلیں اور کامیاب ہوئے۔ آپ بھی تکالیف برداشت کریں اور فتحیاب ہوں گے۔

وَكَفٰى بِرَبِّكَ اور آپ کو آپ کا رب تعالیٰ کافی ہے۔ باء صلہ کی زائدہ اور تاکید کے لیے ہے **هَادِيًا** یہ تمیز ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی وجہ سے کہ وہی آپ کو اپنے مطالب میں کامیابی کی رہبری فرمائے گا اور اسی سے ہی آپ کی شریعت کی ترویج ہوگی اور اسی سے ہی آپ کی شریعت پر عمل کرنے والوں کی کثرت ہوگی **وَّنَصِيْرًا** اور اس کی نصرت اور مدد سے کہ آپ اپنے جملہ اعداء پر غلبہ پائیں گے فلہٰذا آپ اپنے دشمنوں کی پرواہ مت کیجئے اور عنقریب زمین کے کونے کونے پر آپ کا حکم نافذ ہوگا اور عالمِ دنیا کے چپہ چپہ پر اسلام کا راج ہوگا۔

ف : آیت کی تصریح اور اس کے اشارہ سے ثابت ہُوا کہ ہر نبی علیہ السلام اور ہر ولی کا دشمن ہُوا کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ انہیں آزمائش میں ڈالتا ہے تاکہ ان کی شرافت اور برگزیدگی کا اظہار ہو۔

ف : حضرت ابوبکر بن طاہر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے درجات مخالفین کی مخالفت اور دشمنی سے بلند ہوتے ہیں ؎

از برائے حکمتی روح القدس از طشتِ زر
دستِ موسیٰ را بسوئے طشتِ آذر می برد

ترجمہ : حکمت کی بنا پر روح القدس نے سونے کے تھال سے موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ ہٹا کر انگاروں کے تھال کی طرف پہنچایا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے سچے دوست اولیاء احباء پر اپنی درگاہ سے راندہ شدہ دشمن کو مسلط فرما دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ مبغوض حق کی ایذاؤں پر صبر کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ اس کے حوصلے دیکھتا ہے کہ وہ قضاء و قدر پر صبر کرتا ہے اور اس کے دُکھ اور تکلیف کی آزمائش کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے اور اپنے جملہ امور اسی کے سپرد کرتا ہے اور اس پر توکل کرتا ہے یا اس کے برعکس عمل کرتا ہے تاکہ بندے کو اپنی طرف کی راہ آسان کرے بلکہ اس کے بعد اسے سیرِ الٰہی کے لیے پر نصیب ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ اڑ کر حضرت الٰہیہ میں

marfat.ocm

پہنچتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام و اولیاءِ کرام کی تربیت میں اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے طریقے میں ہرگز تبدیلی نہیں ہوتی۔

حدیث شریف میں ہے: کہ کوئی اللہ کا بندہ پہاڑ کی چوٹی پر اس لیے پہنچتا ہے کہ کوئی منافق اس کے ساتھ دشمنی کر کے اسے ایذا پہنچائے تو اللہ تعالیٰ اسے اجر و ثواب سے نوازتا ہے۔

ف: دشمنِ اولیاء بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے بلکہ ولایت کی دشمنی سے انہیں سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

حدیث قدسی من عادی لی ولیا فقد بارزنی بالحرب۔
(جس نے میرے کسی محبوب کو ایذا دی اس نے میرے ساتھ اعلانِ جنگ کیا)

حدیث قدسی (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:)
وانا انتقم لاولیائی کما ینتقم اللیث الجری لجروہ۔
(میں اپنے محبوبوں کے دشمنوں پر ایسے حملہ کرتا ہوں جیسے شیرِ نر اپنے چھوٹے بچے کو ایذا دینے والے پر حملہ کرتا ہے)

دشمن ولی اللہ کی حکایت منقول ہے کہ ایک دانشمند فنِ منطق میں یکتا اور دیگر فنونِ ریاضی و ہندسہ و معقولات میں بے نظیر تھا اپنے زمانے کا متبحر عالم مانا جاتا تھا اس کا نام تھا میر جمال۔ قلندرانہ طریق سے زندگی بسر کرتا تھا واسکٹ پہنتا تھا نماز کے قریب نہیں پھٹکتا تھا ایسی کوئی برائی نہ تھی جس کا اس نے ارتکاب نہ کیا ہو۔ پرلے درجے کا بے غیرت تھا۔ مشایخ و اولیاءِ کرام کا جانی دشمن تھا ہمیشہ ان کی مذمت و غیبت میں لگا رہتا تھا اور ان کی بے ادبی میں کسر نہیں چھوڑتا تھا ان کے حق میں ہر وقت گستاخانہ باتیں کہتا رہتا تھا ایک دن دو تین طالب علموں کو اپنے ساتھ لے کر حضرت مولانا ناصر الدین اترازی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے طالب علم بھی اولیاءِ کرام کی گستاخی اور بے ادبی میں اس سے کچھ کم نہ تھے۔ میر جمال مذکور نے حضرت مولانا ناصر الدین کے ہاں بیٹھتے ہی اپنی واسکٹ سے بھنگ کی چٹکی لی اور منہ میں ڈالی اور چاہا کہ اسے نگلے۔ لیکن جونہی اسے نگلنے لگا اس کے حلقوم میں پھنس گئی یہاں تک کہ سانس بھی بند ہو گئی، قریب تھا کہ دم توڑ دے مولانا اترازی نے اس کی گدی پر زور سے مکا رسید کیا، مکا لگتے ہی بھنگ کی چٹکی منہ سے باہر جا پڑی۔ اس کی اس خراب حالت پر تمام حضارِ مجلس ہنس پڑے اور وہ سخت شرمسار ہو کر مجلس سے بے آبرو ہو کر نکلا اور رسوائی سے علاقہ چھوڑ گیا۔ پھر کسی نے اسے نہ دیکھا۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

marfat.com

۱ چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

۲ آنکہ می درید جامہ خلق چست
شد دریدہ آن او ایشاں درست

۳ آں دہان کژ کرد و تسخیر بخواند
مر محمد را دہانش کژ بماند

۴ باز آمد کاے محمد عفو کن
اے ترا الطاف و علم من لدن

۵ من ترا افسوس میکردم ز جہل
می بدم افسوس را منسوب اہل

ترجمہ : ۱۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہے تو اس کا میلان پاک لوگوں (انبیاء و اولیاء) پر طعن و تشنیع کی طرف کر ہے۔ ۲۔ جو مخلوق کے پردے چاک کرتا ہے ان کے پردے تو درست ہو جائیں گے لیکن اس کا پردہ چاک رہتا ہے۔ ۳۔ اس نالائق کا منہ بگڑ گیا جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بددعا کی۔ ۴۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے معاف فرمائیے۔ آپ کا لطف و کرم تو لدنی (ازلی) ہے۔ ۵۔ میں نے آپکی جہالت سے بے ادبی کی ہیں برا ہوں اور میرے جیسے بروں کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ اور مشرکینِ عرب نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کیوں نہیں نازل کیا گیا جُمْلَةً وَّاحِدَةً ج کتب ثلاثہ یعنی توراۃ و انجیل و زبور کی طرح ایک ہی بار۔ یہ القرآن سے حال ہے اس لیے کہ یہ مجتمعاً کے معنی میں ہے۔

ف : یہ متحیر اور مبہوت لوگوں کا اعتراض ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ معجزہ ہونے کی حیثیت سے اس کا کوئی فرق نہیں کہ وہ متفرق ہو کر اترے یا مجتمع ہو کر حالانکہ انہوں نے ایک سورۃ کا مقابلہ کرنا چاہا تو اس سے بھی عاجز آ گئے اگرچہ انہوں نے اس مقابلہ میں سر تک کی بازی لگا دی بالآخر قرآن مجید کی ایک سورۃ جیسی سورۃ نہ لا سکے۔ ان کا اعتراض بیکار بایں معنی بھی ہے کہ قرآن مجید کے متفرق طور پر اتارنے میں بے شمار فوائد ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے جو قرآن مجید میں بیان فرمایا کہ : كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ کاف محلاً منصوب ہے اس لیے کہ یہ مصدر کی صفت ہے اور وہ مصدر مابعد کا مؤکد معلل ہے اور ذٰلك کا اشارہ ان کے مفہوم کلام کی طرف ہے

marfat.ocm

دراصل عبارت یُوں تھی :

مثل ذالک التنزیل المفرق الذی قد حوا الخ

یعنی ہم نے اسی متفرق تنزیل کو اسی طرح نازل کیا جس پر انہیں اعتراض ہے ہم اسس کے مخالف نہیں اتارا ، اور ہمارا ایسے اتارنا اسی لیے ہے تاکہ آپ کے قلبِ انور کو تقویت حاصل ہو۔

قرآن کو متفرق طور پر اُتارنے کے فوائد

قرآن مجید کو متفرق طور پر نازل کرنے میں چند فوائد یہ بھی ہیں کہ :

(۱) اس کی عبارت کو یاد کرنا ۔

(۲) معنی کا سمجھنا۔

(۳) احکام کا ضبط۔

(۴) اس پر عمل کرنا آسان ہو۔ ورنہ توراۃ جب یکبارگی نازل ہُوئی تو بنی اسرائیل کے لیے عمل کرنا دشوار ہوگیا ۔

(۵) جُونہی آپ پر وحی جدید نازل ہوتی تو آپ کی قوتِ قلبی اور بصیرۃ میں اضافہ ہوجاتا ۔

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید کا متفرق طور پر نزول حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص مبارکہ سے ہیں ۔ دوسرے انبیا علیہم السلام کو یہ شرف نصیب نہ ہوا۔

نیز قرآن مجید کے متفرق طور پر نازل کرنے کا اصلی مقصد یہی تھا کہ آپ کا قلبِ انور خلق قرآن سے متخلق اور آپ کی نورانیت کو تقویت حاصل ہو اور آپ اس کے حقائق وعلوم سے استفادہ و استفاضہ فرمائیں اور ان فوائد کی تکمیل قرآن مجید کے متفرق طور پر نازل کرنے سے ہوسکتی تھی۔ مثلاً آسمان سے اگر بارش یکبارگی نازل ہو تو کھیتوں کو بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا ۔ لیکن سب کو معلوم ہے کہ بارش کا نزول متفرق طور پر ہوتا ہے تو کھیتیاں سرسبز ہوتی اور رنگ لاتی ہیں۔

وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ۝ اس کا عطف فعل مضمر پر ہے۔ ترتیل بمعنے تفریق اور تھوڑا سا وقفہ کرکے حرف کا آنا لیکن سانس نہ ٹوٹے۔ دراصل اسے دانتوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے بمعنے دانتوں کا کھولنا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم آپ پر قرآن اتارا اور تھوڑا تھوڑا کر کے اسے پڑھا کر چنانچہ قرآن مجید کے نزول کی مدت بیس یا تئیس سال ہے۔ وَلَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ یہاں پر مثل سے سوال عجیب وغریب کلام مراد ہے اسے باطل امور کی مثال کے وقت بولا جاتا ہے یعنی کفار آپ پر اور قرآن مجید پر طعن وتشنیع کرتے ہیں ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! مشرکینِ عرب آپ کی نبوت اور آپ کی کتاب کے متعلق کوئی بری مثال نہیں دیتے اِلَّا جِئْنٰكَ مگر ہم اس کے مقابلہ میں صرف آپ کے لیے لاتے ہیں بِالْحَقِّ حق جواب کو۔ یعنی ہم کفار کے باطل اقوال کے مقابلہ میں ایسا جواب لاتے ہیں جو ان کے بطلان کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکتا ہے

marfat.com

وَاَحۡسَنَ تَفۡسِيۡرًا اس کا حق پر عطف ہے۔ تفسیر فسر سے ہے بمعنے پوشیدہ امر کو کھولنا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ایسا جواب لاتے ہیں جو بیان کے لحاظ سے نہایت احسن اور حق وصواب کی مکمل تفصیل کرنے والا اور حکمت کے تقاضے کے عین مطابق ہوتا ہے۔

ازالہ وہم یاد رہے کہ قرآن مجید کا ہر مضمون فی حد ذاتہ نہایت حسن وکمال پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ کفار کے مطاعن بھی حسن ہیں لیکن قرآن مجید کے مضامین ان سے احسن ہیں کیونکہ ان کا تو ہر سوال لبطلان کا مجموعہ ہوتا ہے تو پھر اسے کیسے کہا جائے کہ وہ حسن ہے ہاں احسن ان کے گمان کی حیثیت سے ہے کہ وہ اپنے ہر سوال کو حسن سمجھتے تھے یا یہ کہا جائے کہ ہمارا جواب ان کے سوال سے احسن ہے۔

ف : یہ استثنأ مفرغ ہے اور محلاً منصوب علی الحالیۃ ہے۔ اب عبارت یوں ہوگی:

لا یاتونك بمثل فی حال من الاحوال الاحال ایاتنا ایاك الحق الذی لامحید عنه۔

یعنی وہ آپ کے لیے بُری مثال قائم کرتے ہیں تو ہم اس کے جواب میں ایسی تحقیقی بات کرتے ہیں جس سے انھیں انکار کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

ف : اس سے صاف اور واضح طور پر فرمایا کہ کفار و مشرکین کے جملہ سوالات مبنی بر باطل اور اللہ تعالیٰ کے جملہ جوابات مبنی بر حق و صدق ہیں اور اس میں اشارہ ہے کہ ان کا سوال ہذا بھی باطل ہے اور ہمارا جواب صحیح اور حق ہے۔

نکتہ : پہلے انبیاء علیہم السلام کے ہاں دستور رہا کہ ان پر کفار سوالات کرتے تو ان کا جواب وہ خود دیتے اور یہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے کہ آپ پر کفار کے ہر سوال کا جواب خود اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔

اَلَّذِيۡنَ يُحۡشَرُوۡنَ عَلٰى وُجُوۡهِهِمۡ اِلٰى جَهَنَّمَ یہی وہ لوگ ہیں جو اٹھائے جائیں گے درانحالیکہ منہ کے بل گھسیٹ کر انہیں جہنم کی طرف کھینچ کرلے جایا جائے گا۔ یعنی زمین کی طرف منہ کے بل جہنم کی طرف جائیں گے۔

حدیث شریف میں ہے قیامت میں لوگ تین طرح پر محشور رہوں گے:

(۱) جانوروں کی طرح،

(۲) قدموں پر چل کر۔

(۳) منہ کے بل۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ منہ کے بل کیسے چلیں گے؟ آپ نے فرمایا: وہ ذات جس نے

marfat.ocm

قدموں پر چلنے کی توفیق بخشی ہے منہ کے بل چلنے کی بھی قدرت دے سکتی ہے۔

اُولٰٓئِكَ وہی گروہ شَرٌّ مَّكَانًا بدتر از روئے مکان ہے اس لیے کہ دنیا میں ان کے مکانات اہلِ ایمان کے مکانات سے برتر تھے۔ دراصل یہ لوگ اہلِ ایمان پر طعن و تشنیع کے طور کہا کرتے:

ای الفریقین خیر مقاما و احسن ندیا۔

(دو گروہوں میں سے کون سا گروہ مقام و مجلس کے لحاظ سے احسن ہے)

اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا:

فسیعلمون من هو شر مكانا۔

(عنقریب جان لیں گے کہ کون مکان کے لحاظ سے بُرا ہے)

یعنی ان دونوں گروہوں میں کون ہے مکان کے لحاظ سے بدتر، کیونکہ قیامت میں جب اپنے اندازے غلط پائیں گے تو کہہ اٹھیں گے ہم ہی مکانات کے لحاظ سے بدتر ہیں۔

وَّ اَضَلُّ سَبِيْلًا اور راہ سے سب سے زیادہ بھٹکے ہوئے اور خطاکار، یعنی بہت زیادہ ٹیڑھے اور از جہت راہ صواب اور حق سے دُور تر کیونکہ انہیں وہی راستہ جہنم میں لے جائے گا۔

ف: یہ افعل التفضیل مطلق زیادتی کے لیے ہے۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ وہی طریق مستقیم سے بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں ان کے مکان کو شریر تر کہہ کر ان کی بدترین شرارت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح سبیل کو اضل سے موصوف کرنا اسنادِ مجازی ہے اور اس میں بھی مبالغہ مطلوب ہے۔

ف: چونکہ وہ اہلِ ایمان کو گمراہی کی طرف منسوب کرتے اس لیے کہتے:

وانا او ایاکم لعلی هدی او فی ضلال مبین۔

(ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھُلی گمراہی میں)

جب اہلِ ایمان کو بہشت کی طرف جاتا دیکھیں گے اور اپنے آپ کو جہنم کی طرف، تو اس وقت ان کی آنکھ کھُلے گی۔ پھر انھیں معلوم ہوگا کہ گمراہ کون اور ہدایت یافتہ کون! حضرت صائب نے فرمایا: ؎

واقف نمی شوند کہ گم کردہ اند راہ

تا رہروان براہنمائی می رسند

ترجمہ: انھیں واقفیت اس لیے نہیں کہ انہوں نے اپنا راستہ گم کر دیا تا کہ رہرو لوگ رہنمائی نہ پا سکیں۔

marfat.com

ف : قیامت کے دن ایمان وکفر میں امتیاز کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے کما قال : وامتازوا الیوم ایھا المجرمون ۔ (اے مجرمو! آج علیحدہ ہو جاؤ)

نکتہ : منہ کے بل جہنم کی طرف اس لیے لے جانا ہوگا کہ اُنہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تکبر کیا اور اپنے آپ کو بہت اونچا تصور کر کے بارگاہِ الٰہی میں نہ جھکے اسی لیے انہیں اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کی سزا میں مبتلا فرمایا اور اہلِ ایمان نے چونکہ عجز و نیاز سے سر جھکایا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بلند فرمائے۔

ف : جو بھی مخالفت سے دور رہے اور موافقت میں سر جُھکا دے تو وہ نجات پا جاتا ہے اور جو اس کے برعکس کرتا ہے تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اور عاصی اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر جائے گا کہاں! بالآخر اس نے اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آنا ہے۔

حکایت حضرت احمد بن ابی الجواری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک دن میں اپنے بالاخانے میں بیٹھا تھا کہ ایک ننھی بچی نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے پُوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا میں ایک چھوٹی بچی ہُوں، آپ سے رہبری لینے آئی ہُوں۔ میں نے کہا: نجات کی یا فرار کی؟ اس نے کہا اے بطال! خاموش رہیے، کیا بھاگنے کا بھی کوئی راستہ ہوتا ہے، اور بندہ بھاگے گا بھی تو جائے گا کہاں! کیونکہ جب وہ اپنے آقا کے قبضے میں ہے تو پھر بھاگ کر جائے گا کہاں!

سبق : دانا پر لازم ہے کہ دنیا میں رہ کر کسی اچھے مکان کی طرف بھاگنے کی جدوجہد کرے تاکہ اسے آخرت میں بُرے مکان سے نجات نصیب ہو۔

مسئلہ : دنیا میں بہترین مکانات مساجد ہیں اور علومِ دینیہ کی مجالس بھی بہترین مجلسیں ہیں اس لیے کہ وہاں نفحاتِ الٰہیہ کی خوشبو آتی ہے۔

حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا:

ما نداریم مشامی کہ توانیم شنید
ورنہ ہر دم رسد از گلشن وصلت نفحات

ترجمہ: ہمارے ہاں وہ دماغ کہاں کہ ہم نفحاتِ حق سونگھ سکیں ورنہ گلشن وصالِ حق کے نفحات کی خوشبو ہر وقت نصیب ہوتی۔

ہم اللہ تعالیٰ سے روضات توحید کی نفحات اور حدائق التفرید کی خوشبوؤں کا سوال کرتے ہیں۔

marfat.ocm

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ
اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی اور اس کے بھائی
هَارُونَ وَزِيرًا ﴿٣٥﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ﴿٣٦﴾
ہارون کو وزیر کیا تو ہم نے فرمایا تم دونوں جاؤ اس قوم کی طرف جس نے ہماری آیتیں جھٹلائیں پھر ہم نے انہیں تباہ
وَقَوْمَ نُوحٍ لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً وَأَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ
کر کے ہلاک کر دیا اور نوح کی قوم کو جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا ہم نے ان کو ڈبو دیا اور انہیں لوگوں کے لیے نشانی کر دیا اور ہم نے ظالموں
عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣٧﴾ وَعَادًا وَثَمُودَ وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَٰلِكَ كَثِيرًا ﴿٣٨﴾ وَكُلًّا
کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور عاد اور ثمود اور کنوئیں والوں کو اور ان کے بیچ میں بہت سی سنگتیں اور ہم نے
ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمْطِرَتْ
سب سے مثالیں بیان فرمائیں اور سب کو تباہ کر کے مٹا دیا اور ضرور یہ ہو آئے ہیں اس بستی پر جس پر برا برساؤ برسا
مَطَرَ السَّوْءِ أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ﴿٤٠﴾ وَإِذَا رَأَوْكَ إِنْ
تھا تو کیا یہ اسے دیکھتے نہ تھے بلکہ انہیں جی اٹھنے کی امید تھی ہی نہیں اور جب تمہیں دیکھتے ہیں تو
يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿٤١﴾ إِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ
تمہیں نہیں ٹھہراتے مگر ٹھٹھا کیا یہ ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا قریب تھا کہ یہ ہمیں ہمارے خداؤں
آلِهَتِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ
سے بہکا دیں اگر ہم ان پر صبر نہ کرتے اور اب جانا چاہتے ہیں جس دن عذاب دیکھیں گے کہ کون گمراہ تھا
سَبِيلًا ﴿٤٢﴾ أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴿٤٣﴾ أَمْ تَحْسَبُ
کیا تم نے اسے دیکھا جس نے اپنے جی کی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا تو کیا تم اس کی نگہبانی کا ذمہ لو گے یا یہ سمجھتے
أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٤﴾
ہو کہ ان میں بہت کچھ سنتے یا سمجھتے ہیں وہ تو نہیں مگر جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی بدتر گمراہ

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ یہ لام قسمیہ ہے اور قسم کا جواب محذوف ہے۔ معنی یہ ہے کہ بخدا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ عنایت فرمائی یعنی فرعون اور اس کی قوم کو غرق کرنے کے

marfat.com

بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل فرمائی۔

نکتہ: قصے کے آغاز میں کتاب کے انزال کا ذکر فرمایا حالانکہ اس کا نزول فرعون اور اس کی قوم کی تباہی اور ہلاکت کے بعد ہوا اور اسے اس تباہی وہلاکت سے کوئی واسطہ بھی نہیں جیسے دوسرے معجزات کو اس کے گوئی واسطہ نہیں اس میں اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ابتدائی دور سے ہی عروج و ترقی کی منزلیں طے کرنے لگے تھے اور نہایت درجہ کے کمالات کو بہت جلد پہنچ گئے تھے مثلاً بنی اسرائیل کو نجات دلانا اور انہیں تورات کے احکام کے مطابق راہِ حق پہ لگانا وغیرہ۔

وَجَعَلْنَا مَعَهُ یہ ظرف جعلنا کے متعلق ہے **اَخَاهُ** یہ جعلنا کا مفعول اول ہے **هٰرُوْنَ** یہ اخاہ سے بدل ہے اور یہ عجمی اسم ہے اس جیسا کلمہ عربی میں استعمال نہیں ہوا **وَزِيْرًا** یہ جعلنا کا مفعول ثانی ہے۔ یعنی ہم نے ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کا وزیر بنایا بایں معنیٰ کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے معین ومددگار ہو کر ان کا دعوتِ حق اور اعلائے کلمہ میں ہاتھ بٹائیں۔

حل لغات: موازرۃ بمعنے معاونت ہے۔ القاموس میں ہے: الوزر بالکسر بمعنے حمل اور حمل ثقیل اور الوزیر بمعنے بادشاہ کا وہ ساتھی جو اس کے شاہی امور اٹھائے اور اس کی رائے اور جملہ حال میں اعانت کرے الوزارہ بالکسر، اور اسے مفتوح بھی پڑھا جاتا ہے۔ الوزیر کی جمع وزراء آتی ہے۔

ف: الحباء (محرکۃ) بادشاہ کا ہم نشین اور اس کا خاص آدمی۔ بعض اہلِ لغت کہتے ہیں:

وزیر وہ ہے جو مرجع امور ہو اور اس کی رائے کو کوئی ٹھکرا نہ سکے۔ الوزر بالتحریک سے ہے۔ الوزر وہ شے جسے جائے پناہ بنایا جائے اور مصائب کے وقت اس کا دامن تھاما جائے۔ پہاڑ کو بھی اسی معنیٰ پہ الوزر کہا جاتا ہے۔ اور قرآن مجید میں ہے: کلّا لا وزر بمعنے لا ملجأ یوم القیٰمۃ۔ یہاں پہ وزر بمعنے ملجاء واقع ہوا ہے اور الوزر بالکسر بمعنے الثقل۔ پہاڑ کے ثقل سے مشابہت کی وجہ سے اس معنیٰ میں استعمال ہوا اور کبھی وزر سے گناہ بھی مراد ہوتا ہے، اس لیے کہ گناہ ایک بوجھ ہے۔ چنانچہ گناہ کو ثقل (بوجھ) سے قرآن مجید میں تعبیر کیا گیا ہے۔ کما قال:

لیحملوا اوزارھم۔ (تاکہ اپنے بوجھ اٹھائیں)

اور فرمایا:

لیحملن اثقالھم و اثقالاً مع اثقالھم۔ (تاکہ اپنے بوجھ اور دوسروں کے بوجھ بھی اٹھائیں۔)

اور الوزیر فارسی میں بمعنے یار و مددگار اور کارساز۔

سوال: حضرت ہارون علیہ السلام کو وزیر کس طرح کہا گیا حالانکہ وہ تو نبی تھے اس معنے پہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے نبوت شریک تھے اور شرکت فی النبوۃ وزارت کے منافی ہے۔

marfat.ocm

جواب : مشارکت فی النبوۃ منافی نہیں بلکہ ہمارے مقصد کی مؤید ہے اس لیے کہ شریک فی الامر ایک دوسرے کے بوجھ اٹھانے والے ہوتے ہیں۔

فَقُلْنَا تو ہم نے انھیں اس وقت فرمایا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا تم دونوں ان لوگوں کے ہاں تشریف لے چلو جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے یعنی فرعون اور اس کی قوم قبطی کے ہاں، اور آیات سے موسیٰ علیہ السلام کے وہ نو معجزات مراد ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں اور موسیٰ علیہ السلام سے ظاہر ہوئے۔

سوال : ارسال الی القوم کے جملے میں قوم کو تکذیب کے ساتھ کیوں موصوف نہیں فرمایا اور اس جملہ میں اس صفت سے انھیں موصوف کرنے کا کیا فائدہ ؟

جواب : حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارسال کے وقت تو ان سے تکذیب کا صدور نہیں ہوا بلکہ ان کی تکذیب کا صدور ان معجزات کے ظہور کے بعد ہوا اسی لیے اب رسولِ خدا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بتایا گیا کہ وُہ تکذیب کرنے والے تھے نیز اب کا اظہار آنے والے جملے کی علت بنے گا یعنی بتایا گیا کہ ان کی تباہی و بربادی کی علت ان کی تکذیب تھی۔ بعض نے کہا کہ آیات سے یہاں پر آیاتِ تکوینیہ مراد ہیں یعنی وہ علامات جنھیں اللہ تعالیٰ نے عالمِ دنیا میں پیدا فرمایا بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر آیات سے رسلِ کرام علیہم السلام اور وہ کتابیں آسمانی مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے سے پہلے نازل ہوئیں۔ چنانچہ نوح علیہ السلام کے واقعہ میں الرسل سے سابقہ رسل مراد ہیں۔ کما قال :

وقوم نوح کذبوا الرسل۔ ترجمہ : اور نوح کی قوم نے تکذیب کی۔

باء ہر لحاظ سے کذبوا کے متعلق ہے اذھبوا کے متعلق بنانا غلط ہے اگرچہ ان کے ہاں بھی معجزات لے کر گئے۔ چنانچہ سورۂ شعراء میں ہے کہ :

فاذھبا بأیتنا۔ ترجمہ : تو جاؤ ہمارے معجزات لے کر۔

یاد رہے کہ تکذیب کا تعلق کبھی آیات سے ہو۔ چنانچہ اعراف میں فرمایا :

فظلموا بھا۔ ترجمہ : تو انہوں نے ان کے ساتھ ظلم کیا۔

اور سورۂ طٰہٰ میں فرمایا :

ولقد اریناہ اٰیاتنا۔ ترجمہ : بے شک ہم نے اسے اپنی آیات دکھائیں۔

یہاں دونوں آیتوں میں ھا کا مرجع آیات ہے اور کبھی اس کا تعلق موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے ہوا۔ چنانچہ سورۂ مومنین میں ہے : فکذبوھما۔ (تو انہوں نے ان دونوں کی تکذیب کی)

marfat.com

فَدَمَّرْنٰھُمْ تَدْمِیْرًاؕ تو ہم نے انہیں تباہ و برباد کر ڈالا۔

حل لغات : التدمیر بمعنے ہلاکت و تباہی کو کسی شے پر ڈالنا۔ اور الدمار بمعنے ہلاکت کے ذریعے کسی کی جڑ اکھاڑنا۔ الدموں بمعنے مکروہ شے میں داخل ہونا۔ اصل عبارت یوں ہے : پھر وہ دونوں حضرات فرعون اور اس کی قوم کے ہاں تشریف لے گئے اور انہیں ہمارے جملہ آیات دکھائے لیکن انہوں نے ہمیشہ کے لیے انکار کر دیا پھر ہم نے ان کی تکذیب کے بعد مکمل طور ایسے عجیب طریقے سے تباہ و برباد کر ڈالا کہ جس کی کُنہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی ان کی تکذیب کے بعد ہم نے انہیں دریائے قلزم میں ڈبو دیا۔

سوال : قصّے کے ابتدائی اور پھر آخری حصّے کو بیان کرنے کا کیا معنے ؟

جواب : نصیحت و عبرت مقصود تھی اور ان پر الزام حجت مطلوب تھا کہ انہوں نے بعثت رسل کی تکذیب کی۔ ہم نے انہیں تباہ و برباد کر ڈالا۔

یہ فاء تعقیبیہ ہے اس سے تکذیب کا انجام بتانا مطلوب تھا سو وہ ہوگیا یعنی چونکہ ان کی تکذیب میں استمرار تھا اسی لیے وہ تباہ و برباد ہوئے اگرچہ تکذیب و تباہی و بربادی کے درمیان میں لمبا عرصہ گزرا لیکن چونکہ وہ استمراری تھی اس لیے فاء تعقیبیہ لانے میں کوئی حرج نہیں۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اور اس محذوف فعل پر دَمَّرْنٰھُمْ دلالت کرتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے قومِ نوح علیہ السلام کو تباہ و برباد کیا لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ جبکہ اُنہوں نے رسل کرام یعنی نوح علیہ السلام اور ان سے پہلے حضرات جیسے شیث و ادریس علیہما السلام کی تکذیب کی یا یہاں پر صرف نوح علیہ السلام مراد ہیں، اس لیے کہ ایک نبی علیہ السلام کی تکذیب گویا جملہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب ہے اس لیے کہ ان سب کا توحید و اسلام پر اتفاق تھا۔ بعض مفسرین نے فرمایا چونکہ حضرت نوح علیہ السلام اپنے اور اپنے سے بعد کو آنے والے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے۔ پھر جب اُنہوں نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تو گویا جملہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان روایات میں ہے کہ ہر نبی علیہ السلام اپنی اُمّت سے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا معاہدہ لیتے تھے اگر وہ ان کے زمانۂ اقدس میں تشریف لائیں۔

اَغْرَقْنٰھُمْ ہم نے ان سب کو طوفان میں غرق کر دیا۔ الاغراق بمعنے غرق کرنا۔ اور الغرق بمعنے پانی میں ڈوبنا الرسوب بمعنے السفول یعنی نیچے کو ہونا یعنی پانی کے نیچے ہونا، جسے ہم ڈوبنے سے تعبیر کرتے ہیں یہ جملہ مستانفہ ہے اور ان کے اغراق کی کیفیت بیان کرنے کے لیے واقع ہوا ہے وَجَعَلْنٰھُمْ اور ہم نے ان کے اغراق اور قصّے کو بنایا ہے لِلنَّاسِ اٰیَةً لوگوں کے لیے ایک عظیم علامت جس سے مشاہدہ کرنے اور سننے والا

marfat.ocm

عبرت حاصل کرے۔ ایۃ بمعنے نشان و داستان ہے اور یہ جعلنا کا مفعول ثانی ہے اور للناس اس کا ظرف لغو ہے۔ وَاَعْتَدْنَا اور ہم نے آخرت میں تیار کیا ہے لِلظّٰلِمِیْنَ ظالمین یعنی غرق ہونے والوں کے لیے۔ یہاں ضمیر کے بجائے اسم ظاہر کو لانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ظلم پر مہر ثبت ہو اور معلوم ہو کہ وہ کفر و تکذیب میں حد سے تجاوز کر گئے۔ عَذَابًا اَلِیْمًا ٥ دردناک عذاب۔ یہ عذاب اس کے علاوہ ہوگا جو انہیں دنیا میں نصیب ہوا۔ اور الیم بمعنے وجیع یعنی دردناک وَّعَادًا اس کا عطف قوم نوح پر ہے یعنی ہم نے عاد کو ہود علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک و تباہ کیا وَّثَمُوْدَاْ اور ثمود کی قوم کو صالح علیہ السلام کی تکذیب سے وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ الرس بمعنے کنواں۔ اور ہر وہ گڑھا جو پتھروں اور پکی اینٹوں سے تیار نہ کیا گیا ہو۔ چنانچہ کشاف میں لکھا ہے الرس البئر الغیر المطویۃ ای المبنیۃ انتھی۔ اور قاموس میں صحاح کی طرح ہے کہ وہ کنواں جو مٹی وغیرہ ہٹا کر تیار کیا جاتے۔ اور اصحاب الرس وہ قوم ہے جو بت پرستی کرتی تھی۔ ان کے ہاں شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تو اُنھوں نے آپ کی تکذیب کی۔ وُہ ایک دن کنوئیں کے ارد گرد بیٹھے تھے اور وُہ کنواں صرف پانی کا گڑھا تھا اسی سے وُہ خود اور جانوروں کو نہریں کھود کر پانی پلاتے تھے وہ سب اسی میں دھنس گئے اور ان کے جانور اور اسباب بھی اسی میں برباد ہو گئے۔ اور قاموس میں ہے الرس وہ کنواں ہے جو قوم ثمود کا بقایا ہے انھوں نے بھی اپنے نبی علیہ السلام کی تکذیب کی پھر اسے بند کر کے بالکل چھپا دیا پھر جو فعلِ بد اُنھوں نے اپنے نبی علیہ السلام کے ساتھ کیا اسی سے منسوب ہُوئے، اس معنے پر رس مصدر ہے اور اُن کے نبی علیہ السلام کا نام نامی حضرت حنظلہ بن صفوان تھا جو موسٰی علیہ السلام سے پہلے گزرے۔ اسی طرح ابنِ کثیر نے ذکر کیا ہے۔

اصحاب الرس کو عذاب

مروی ہے کہ جُونہی انہوں نے نبی علیہ السلام کو کُنوئیں میں ڈالا تو اس کا پانی نیچے چلا گیا۔ اس سے وہ پیاسے مرنے لگے اور ان کے درخت خشک ہو گئے اور باغات کے پھل ختم ہو گئے حالانکہ اس سے قبل وُہ بڑے خوشحال تھے سیر ہو کر پانی پیتے۔ اور ان کی تمام زمینوں اور باغات کے لیے کنوئیں کا پانی مکتفی تھا اس کے بعد وہ وحشی طبیعت ہو گئے حالانکہ اس سے قبل بہت شریف انسان سمجھے جاتے تھے، ان میں افتراق و اختلاف پیدا ہو گیا حالانکہ اس سے قبل بہت بڑے متحد و متفق تھے اگرچہ بت پرست تھے لیکن نبی علیہ السلام کی برکت سے بڑے خوشحال تھے جب نبی علیہ السلام کی گستاخی کی تو ان مصائب و مشکلات میں مبتلا[1] ہو گئے۔

---

[1] یہ پہلے زمانہ کے لوگوں کے لیے تھا اب ہزاروں گستاخیاں کی جا رہی ہیں لیکن کچھ نہیں ہوتا۔ اس کی سزا ایک یہی ہے کہ خاتمہ برباد ہوگا ورنہ پھر مرنے کے بعد سخت عذاب۔ اویسی غفرلہ،

marfat.com

معجزۂ نبی ان کے ہاں ایک جانور بہت طاقت ور اور عظیم الجثہ پیدا ہوگیا جس کی گردن بھی بہت لمبی تھی۔ اور اس میں ہر قسم کا رنگ پایا جاتا تھا اور وہ ان کے بچوں پر حملہ کر کے ان کے گھروں سے اٹھا کر لے جاتا تھا اور بجانب غرب کہیں نامعلوم جگہ پر چھپ جاتا۔ اس کی طویل گردن کی وجہ سے اسے عنقاء اور مغرب کی طرف جانے سے عنقاءِ مغرب کہا جاتا۔ اور اسے چھپا اور پوشیدہ کرنے والا جانور کہا جانے لگا۔ ایک دن اس نے ایک قریب البلوغ لڑکی کو اٹھایا اس کی شکایت حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام سے کی گئی اور وعدہ کیا کہ اگر انھیں اس موذی جانور کی شرارت سے نجات مل جائے تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ آپ نے اس کے لیے بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک بجلی نازل فرمائی جس سے وہ جل کر راکھ ہوگیا۔ اس کے بعد وہ لوگ محفوظ ہوگئے۔ بعض نے فرمایا کہ اسے خطِ استوا کے نیچے بعض ایسے جزائر میں اللہ تعالیٰ نے پہنچایا جہاں کوئی انسان نہیں پہنچ سکتا اور وہاں ایسے حیوانات بکثرت میں مثلاً ہاتھی اور کرکدن (گینڈا)[1] اور دیگر درندے اور موذی پرندے۔

دُعائے نبی کی تاثیر حضرت کاشفی نے لکھا کہ پیغمبر نے دعا مانگی کہ یا اللہ! اس مُرغ کو پکڑ لے اور اس کی نسل کو ختم کر دے۔ پیغمبر علیہ السلام کی دُعا قبول ہُوئی کہ وہ پرندہ گم ہوگیا اور اس کی نسل آج تک ختم ہے حتیٰ کہ اب اس کا نشان بھی نہیں ملتا۔ ہاں ہم صرف اس کے نام سے واقف ہیں۔ اب نایاب اشیاء کے بارے میں مثال دی جاتی ہے تو عنقا کی۔ چنانچہ کسی نے کہا: ؎

منسوخ شد مروّت و معدوم شد وفا
وز ہر دو نام ماند چو عنقاء و کیمیا

ترجمہ: مروّت مٹ گئی اور وفا ناپید ہوگئی۔ عنقاء و کیمیا کی طرح اب ان دونوں کا محض نام ہی باقی ہے۔

اور صاحبِ لمعات نے عشق کی بے نشانی بھی اسی سے ظاہر فرمائی ؎

عشقم کہ در دو کون و مکانم بدید نیست
عنقائے مغربم کہ نشانم بدید نیست

ترجمہ: میرے عشق کی منزل دیکھنے کے قابل ہے لیکن میں تو عنقائے مغرب ہوں پھر میرا مکان قابلِ دید کیسے!

---

[1] غیاث اللغات

marfat.ocm

عنقاء کا تعارف مزید عنقاء (بالضم) اسے عنقائے مغرب و مغربہ کہا جاتا ہے۔ یعنی عنقاء کو مغرب کی طرف مضاف کر کے، وہ ایک معروف الاسم پرندہ ہے لیکن اس کا جسم کسی نے کہیں نہیں دیکھا ویسے نایاب اشیاء کے لیے اسے مثال کے طور بولا جاتا ہے یا اس پرندے کو بولتے ہیں جو بہت بڑا ہو اور اڑنے میں بہت جولانیاں دکھائے۔ کمافی القاموس

اصحاب الرس ان بدبختوں نے نبی علیہ السلام کی شکر گزاری کے بجائے انھیں شہید کر کے کنویں میں پھینک دیا اور پھر اسے چھپادیا، جیساکہ اوپر گزرا۔

زندہ نبی علیہ السلام حضرت حنظلہ علیہ السلام کو بہت مدت کے بعد اسی کنویں میں دیکھا گیا کہ آپ نے اپنا ہاتھ زخم کے اوپر رکھا ہوا تھا۔ جونہی لوگوں نے آپ کے جسم اطہر کو دیکھا تو آپ کا ہاتھ زخم سے ہٹادیا۔ ہاتھ کا ہٹانا ہی تھا کہ آپ کے زخم مبارک سے خون بہنے لگا۔ پھر ہاتھ مبارک زخم کے اوپر رکھ دیا گیا تو خون بہنے سے رک گیا۔

اعجوبۂ اصحاب الرس بعض علمائے نے کہا کہ اصحاب الرس عورتوں کا گروہ تھا جو اپنے عملِ بد کی شامت سے عذاب میں مبتلا ہوا۔ ان کا واقعہ یوں ہے کہ دلہات بنت ابلیس نے ان عورتوں کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ اگر عورت عورت سے بدفعلی کرے تو خوب مزا آتا ہے۔ پھر انہیں سحق کا طریقہ بتایا، اس سے اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کو یوں عذاب میں مبتلا کیا کہ اوّل شب کو ایک کڑک ان پر پڑی، صبح کو زمین دھنس گئی، دوپہر دن کو ایک سخت چیز آئی اس کے بعد ان میں ایک بھی باقی نہ رہی، تمام کی تمام تہس نہس ہوگئیں۔

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان من اشراط الساعۃ ان تستکفی الرجال بالرجال والنساء بالنساء وذالک السحق۔

(قیامت کی علامات میں سے ہے کہ مرد مردوں سے شہوت رانی کر کے اور عورتیں عورتوں سے سُحق کے طریقہ سے گزارہ کریں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

سحاق النساء زنا بینھن۔

(عورت عورت سے سحق کرے تو ان کا یہ فعل زنا میں داخل ہے)

یہ حدیث مرفوع ہے۔

marfat.com

پہلا بہشتی کالا حبشی

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اصحاب الرس نے اپنے نبی علیہ السلام کی تکذیب کی اور اسے ایک تنگ کنوئیں میں بند کرکے اوپر ایسا بڑا پتھر رکھ دیا کہ جسے کوئی بھی نہ ہٹا سکے اگرچہ مل کر کئی آدمی بھی ہٹانا چاہیں۔ اس نبی علیہ السلام پر صرف ایک حبشی کالا ایمان لایا جو وہی صرف اپنے نبی علیہ السلام کے کام آیا کہ دن کو پہاڑوں سے لکڑیاں جمع کرکے بیچتا اور اسی سے طعام لے جاکر کنوئیں کے کسی سوراخ سے ڈالتا جسے وہ نبی علیہ السلام تناول فرماتے اور عرصہ کئی سال یہی طریقہ کار رہا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو تباہ و برباد کر ڈالا پھر ایک فرشتے نے وہ پتھر ہٹایا اور وہی نبی علیہ السلام کنوئیں سے باہر تشریف لائے۔

ف: بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ پتھر اسی کالے حبشی نے ہٹایا جسے اللہ تعالیٰ نے اتنا بھاری پتھر اٹھانے کی قوت بخشی۔ پتھر ہٹاکر اندر رسّی ڈالی جسے پکڑ کر وہ نبی علیہ السلام باہر تشریف لائے۔ اسے انعام یہ ملا کہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ وہی کالا حبشی بہشت میں آپ کا رفیق ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے:

ان اول الناس دخولا الجنۃ لعبد اسود۔

(سب سے پہلے بہشت میں داخل ہونے والا ایک کالا حبشی ہوگا[1])

علی بن حسین بن علی زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تفسیر کا نمونہ

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص از بنی تمیم حضرت امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ فرمایئے کہ اصحاب الرس کون لوگ تھے اور کس زمانہ اور کس ولایت میں اور ان کا مسکن کہاں تھا اور کون سے بادشاہ کے زمانہ میں تھے۔ ان کے ہاں کوئی پیغمبر تشریف لایا یا نہ۔ اور وہ کس وجہ سے ہلاک و تباہ ہوئے۔ ہم قرآن میں ان کا نام تو پڑھتے ہیں لیکن ہمیں ان کا ذکر تفصیل سے نہیں ملا۔ سیدنا امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے تمیمی بھائی! تو نے مجھ سے ایسا سوال کیا ہے کہ تجھ سے پہلے مجھ سے کسی نے پوچھا تک نہیں اور میرے سوا تم کسی اور سے یہ قصہ نہیں سنو گے۔ اصحاب الرس بنی اسرائیل کے ہمعصر اور سلیمان علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں۔ وہ صنوبر کے درخت کو پوجتے تھے اور یہ درخت چشمہ معروف کے کنارے پر یافث بن نوح علیہ السلام نے بویا تھا۔ اس چشمہ سے باہر ایک نہر جاری تھی اور ان کا بارہ حصص پر مشتمل نہر کے کنارے ایک شہر تھا۔ اس نہر کا نام رس تھا،

---

[1] اس سے یہی کالا حبشی مراد ہے جس نے اپنے نبی علیہ السلام کی غلامی کا حق ادا کیا۔

marfat.ocm

بلادِ مشرق میں اس سے بڑی نہر کوئی نہیں تھی اور نہ ہی اس زمانہ میں اس سے بڑا کوئی اور شہر تھا ان کا دارالخلافہ شہر اسفند آباد میں تھا بادشاہ نمرود بن کنعان کی نسل سے تھا اور وہ بھی اسی شہر میں رہتا تھا اور صنوبر کا درخت بھی اسی شہر میں تھا۔ یہ لوگ اسی درخت کا بیج لے کر اپنے شہر میں گئے تاکہ وہ درخت پیدا ہو اور وہ اس کی پرستش اپنے شہر میں ہی کریں اور وہ چشمہ جو اس درخت کے نیچے تھا اس کا پانی پینے کی کسی کو اجازت نہ تھی اور نہ اس سے پانی لے کر کسی اور ضرورت کے لیے اسے استعمال کرتے۔ بلکہ کہتے،

هی حیاة الھتنا فلا ینبغی لاحد ان ینقص من حیاتہا۔

(یہ پانی ہمارے معبودوں کی زندگی ہے اس لیے کسی کو لائق نہیں کہ ان کی زندگی کو گھٹائے)

ہاں پانی کی اپنی ضروریات اسی نہر سے پوری کرتے ان کا طریقہ تھا کہ ہر ماہ اس درخت صنوبر کے ارد گرد جمع ہوتے اور اسے طرح طرح کے زیورات اور پوشاک سے آراستہ و پیراستہ کرتے اور جانور ذبح کرتے اور بہت بڑی آگ جلا کر قربانیوں کو اسی میں ڈالتے تاکہ گرد اور دھواں زیادہ سے زیادہ ہو جب دھوئیں سے تاریکی چھا جاتی یہاں تک کہ آسمان کے کنارے چھپ جاتے تو پھر سربسجود ہو جاتے اور نہایت عجز و نیاز سے گڑگڑاتے یہاں تک کہ درخت سے شیطان آواز دیتا:

انی قد رضیت عنکم فطیبوا انفسا وقروا اعینا۔

(میں تم سے راضی ہوں فلہذا خوشیاں مناؤ اور آنکھیں ٹھنڈی کرو)

وہ شیطانی آواز جب ان کے کان میں پہنچتی سجدہ سے سر اٹھا کر خوش ہو جاتے یہاں تک کہ اسی خوشی میں ایک سالم دن شراب نوشی کی محفل جماتے اور کہتے کہ ہم سے ہمارا معبود راضی ہو گیا۔ اسی طریقے سے زندگی بسر کرتے۔ یوں ان کے کفر و شرک کا بازار گرم ہو گیا اور وہ طغیان و سرکشی میں یکتا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے ان کے ہاں ایک پیغمبر بھیجا۔ وہ پیغمبر یہود بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ عرصہ دراز تک انہیں دعوتِ دین دیتے رہے لیکن وہ بدبخت کفر و شرک میں قدم آگے ہی بڑھاتے رہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے تنگ آ کر اللہ تعالیٰ سے التجا کی: یارب

یارب ان عبادك ابوا الا تکذیبی والکفر بك یعبدون شجرة لا تضر ولا تنفع فارهم قدرتك وسلطانك۔

اے اِلٰہُ العالمین! تیرے بندے میری تکذیب کر رہے ہیں اور تیرے ساتھ کفر کرنے میں کسر اٹھا نہیں رکھ رہے فلہذا انہیں اپنی قدرت کا کرشمہ دکھا۔

جب پیغمبر علیہ السلام نے بددعا کی تو ان کے تمام درخت خشک ہو گئے۔ اصحاب الرس نے کہا یہ نحوست اسی مرد کی ہے جو پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے اور ہمارے معبودوں کی مذمت کرتا ہے۔ ان بدبختوں نے پیغمبر علیہ السلام کو پکڑ کر ایک بڑے کنویں میں پھینک دیا۔ بعض نے کہا کہ نے کی لکڑیوں سے کنواں اس طرح تیار کیا گیا کہ اوپر سے پانی

marfat.com

کھینچتے تھے۔ لیکن وہ بھی خشک ہو گیا اسی نبی علیہ السلام کو پکڑ کر اسی کنوئیں میں ڈال دیا اور اوپر ایک بھاری پتھر رکھ دیا۔ پھر خوش ہوئے کہ اب ہم سے ہمارے معبود راضی ہوں گے اس لیے کہ ہم نے ان کے دشمن کو کنوئیں میں بند کر دیا ہے پیغمبر علیہ السلام نے اس وحشت گاہ میں اللہ تعالیٰ سے عرض کی:

سیدی و مولائی قد تری ضیق مکانی وشدۃ کربی فارحم ضعف رکنی وقلۃ حیلتی وعجل قبض روحی ولا توخر۔

(اے میرے آقا و مولا! تو میری تنگیٔ مکان اور درد و کرب کی سختی کو دیکھ رہا ہے۔ فلہذا میرے حال پر رحم فرما اور میرے قلت حیلے کو دیکھ اب میری گزارش ہے کہ مجھے دنیا سے اٹھا لے، میری روح قبض کر لے)

اس کے بعد نبی علیہ السلام کا وصال ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا: میرے بندوں نے میرے حوصلے سے فائدہ اٹھایا ہے اور وہ میری مہلت سے دھوکا کھا بیٹھے ہیں اسی لیے میرے غیر کی پرستش کر رہے ہیں اور میرے نبی علیہ السلام کو شہید کر ڈالا اور میں اپنے اس بندے سے بدلہ لیتا ہوں جو میرا مقابلہ کرتا ہے اور میرے عذاب سے نہیں ڈرتا۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ ان کو آنے والی نسلوں کے لیے عبرت بناؤں اور انہیں سخت عذاب میں مبتلا کروں۔ یہ فرمایا اور سخت آندھی کو حکم دیا کہ انہیں تباہ و برباد کر دے۔ چنانچہ آندھی چلی اور وہ تباہ و برباد ہو کر زمین میں دھنس گئے اور اوپر سے زمین کبریت کی طرح سخت ہو گئی اور اوپر سے سیاہ بادل اٹھا اور آگ برسائی۔ یوں وہ زمین کے اندر ہی پگھل کر فی النار والسقر ہو گئے۔ (کذا فی کشف الاسرار للعالم الربانی الرشید الیزدی)

وَقُرُوْنًا اور ہم نے بہت سے زمانہ کے لوگوں کو تباہ کیا۔ یہ قرن کی جمع ہے وہ قوم جو ایک دوسرے سے ایک زمانہ کو مقترن ہو۔ اور صحیح یہ ہے کہ ایک سو سال کا قرن ہوتا ہے۔

چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نومولود بچے کی دعا میں فرمایا:

عش قرنا۔

تو وہ سو سال زندہ رہا۔ (کذا فی القاموس)

بَيْنَ ذَالِكَ مذکورہ طائفوں اور امتوں کے درمیان۔

یعنی نوح وعاد کے درمیان اور اصحاب الرس کے درمیان۔

كَثِيْرًا بہت سے گروہ جنہیں صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

marfat.ocm

لا یعلمھم الا اللہ۔ ترجمہ: انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اسی لیے مروی ہے کہ کذب النسابون (نسب بیان کرنے والے) جھوٹے ہیں یعنی وہ نسّاب جو انساب بیانی میں صدق اور حق کے مدعی ہیں یہ قرونا کی صفت ہے اور اس کا مفرد ہونا مضر نہیں اس لیے کہ اس میں جمع اور عدد پایا جاتا ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا:

وبث منھما رجالا کثیرا۔ ترجمہ: اور ان سے بہت سے مرد عورتیں پھیلائے۔

وَكُلًّا اس کا منصوب ہونا فعل مضمر کی وجہ سے ہے جس پر اس کا مابعد دلالت کرتا ہے۔ یعنی ذکرنا و انذرنا یعنی ہم نے مذکورہ ہلاک و تباہ شدگان کے ہر ایک گروہ کو نصیحت کی اور خدا تعالیٰ کے خوف سے ڈرایا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ہم نے انھیں بواسطہ رسل کرام علیہم السلام عجیب وغریب قصّے سنائے جو انہیں معاصی وکفر سے روکنے کا سبب بن سکتے تھے وَكُلًّا تکذیب و اصرار علی المعاصی والجرائم کے بعد ہر ایک گروہ کو تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۝ عجیب وغریب طریقے سے تباہ و برباد کر ڈالا۔ التبر بالفتح والکسر بمعنے اہلاک یعنی تباہ و برباد کرنا۔ تتبیر بمعنے تکسیر و تقطیع۔ زجاج نے فرمایا جس چیز کو تم توڑو گے اور ٹکڑے ٹکڑے کرو گے تو اہلِ عرب کہیں گے: تبرتہ۔ اسی لیے التبر توڑنے والی شے کو کہا جاتا ہے اور سونے اور چاندی کے وہ ٹکڑے جنہیں زیورات وغیرہ کے قابل نہ بنایا جائے تو انہیں بھی تبر سے تعبیر کرتے ہیں جب زیورات کے لائق بنائے جائیں گے تو پھر انھیں ذھب و فضّہ کہا جائے گا۔

وَلَقَدْ اَتَوْا اور بخدا قریش اپنی تجارت گاہوں سے علاقہ شام میں آئے اور گزرے عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِىٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ایسی بستی پر جس پر بُری بارش اُتری یعنی سدوم (بالدال المھملہ) بعض نے بالذال المعجمہ لکھا۔ اور قوم لوط کے ان پانچوں شہروں میں سب سے بڑا شہر یہی تھا اور وہ سب پتھراؤ سے تباہ و برباد ہوئے اور ان کے اہل بہت برا فعل یعنی لواطت کرتے تھے ان پر جو پتھر پڑتا تھا وہ انسان کے برابر ہوتا تھا۔ ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکا۔ البتہ ان پانچ شہروں میں ایک شہر کے لوگ بچ گئے کیونکہ وُہ یہ فعلِ بد (لواطت) نہیں کرتے تھے۔ اور سدوم تو سارا ہی تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ اس کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہی قریش کے تاجروں کی گزرگاہ تھا اور وہ جب وہاں سے گزرتے تو اسے الٹا پڑا دیکھتے لیکن عبرت حاصل نہیں کرتے تھے۔ اور مطر السّوء مصدر مؤکد ہے اور اس کے زوائد کو حذف کیا گیا ہے۔ دراصل امطار السّوء تھا۔ اور ایسے زوائد کا حذف عرب میں عام ہے جیسے: انبتہ اللہ نباتا حسنا۔ مطر بالمجہول خیر میں اور امطر شر میں استعمال ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ دونوں مشترک لغتیں ہیں۔ السوء بفتح السین وضمہا ہر وہ شے جس سے انسان پریشان ہو اور غم یا آفت میں مبتلا ہو یا کسی اور آزمائش

marfat.com

اب معنٰی یہ ہوا کہ وہ لوگ اس لبستی سے گزرتے ہیں جن پر بُری بارش یعنی پتھر برسائے گئے۔

حدیثِ معراج کا ایک جُز حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج تیسرے آسمان پر ایک پتھر رکھا دیکھ کر جبرائیل علیہ السلام سے پُوچھا۔ انہوں نے عرض کی کہ یہ قومِ لوط سے ہم نے بچا کر رکھا ہے اور آپ کی ظالم امت کے لیے چھپا رکھا ہے۔ یعنی میں نے اسے چھپایا اور تیار کر رکھا ہے، اور یہ قیامت کے علامات میں سے ہے کہ آسمان سے بعض دانے مثلاً گندم یا جوار وغیرہ برسیں گے۔ فقیر (صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ہم نے اپنے زمانے میں ان کو دیکھا اور آنے والے زمانے میں ظالمین پر پتھر وغیرہ برسیں گے۔ (نعوذ باللہ تعالیٰ)

اَفَلَمْ یَکُوْنُوْا یَرَوْنَهَا کیا انہوں نے انھیں سر کے بل پڑے نہیں دیکھے جب وُہ ان سے گزرتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اس منظر کو دیکھ کر خوف کر کے اور عبرت حاصل کر کے ایمان لائیں بَلْ کَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ نُشُوْرًا۔ الرجاء در اصل بھلائی کے انتظار کو کہا جاتا ہے اور مسرّت کے حصول کے گمان پر بھی رجاء کا اطلاق ہوتا ہے اور کافر کو تو مرنے کے بعد اُٹھنے کی کوئی خوشی نہیں۔ لیکن اُن کے لیے یہ اطلاق مجازی ہے بمعنٰی توقّع، اور لفظ توقع خیر و شر دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ اس معنٰی پر کافر اور توقع النشور کے درمیان نسبت جائز ہے۔ اب معنٰی یہ ہُوا کہ وہ کافر تو نشور کی توقع بھی نہیں رکھتے بلکہ سرے سے قیامت میں اعمال کی سزا کے منکر ہیں اور قیامت میں پل بھر بھی اُٹھنے کے قائل نہیں، حالانکہ اس کا وقوع یقینی اور جُملہ لوگوں کو حاوی ہے اور ہر ایک کا اُٹھنا لازمی امر ہے۔ جب وُہ آخرت میں اُٹھنے کے منکر ہیں تو پھر ایک مخصوص گروہ کو دُنیوی عذاب کے کس طرح قائل کر سکتے ہیں۔ جب انہیں اس کا اقرار ہی نہیں تو پھر ان سے نصیحت قبول کرنے کی توقع کیسے ہو سکتی ہے، اگرچہ وہ ایک گروہ کی تباہی و ہلاکت کو آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں۔ ہاں وُہ ایسے آثار دیکھ کر صرف اتنا کہتے ہیں کہ یہ اتفاق ہے زمانے کا۔

ف: قیامت میں اُٹھنے کا منکر صرف کافر ہو سکتا ہے اُسے موسم ربیع سے محسوس ہونا چاہیے، کیونکہ یہ بتاتا ہے کہ آخر فنا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

جب تم موسمِ بہار کو دیکھو تو قیامت میں اُٹھنے کی گھڑی کو یاد کر لیا کرو۔

ف: اس لیے موسم ربیع یوم النشور کی مانند ہے۔ کیونکہ ربیع بیج بونے کے ابتدائی موسم کا نام ہے کہ پھر اس سے کھیتی اُگنے کی اُمید ہوتی ہے اور دل اسی طرف لگا رہتا ہے کہ نہ معلوم کھیتی اُگے یا نہ اُگے۔ ایسے ہی اس مومن کا حال ہے جو طاعتِ الٰہی میں جد و جہد کرتا ہے تو پھر اس کا دل قیامت تک خوف و رجاء

marfat.ocm

میں معلق رہتا ہے کہ نجانے اس کی نیکی قبول بھی ہوگی یا نہیں۔ پھر جب کھیتی اُگتی ہے اور پک جاتی ہے اسے کاٹ کر صاف ستھرا کیا جاتا ہے پھر اسے پیس کر آٹا گوندھ کر پکایا جاتا ہے اور جونہی روٹی صحیح سالم پک کر دسترخوان پر آجاتی ہے تب انسان خوش ہوتا ہے کہ اس کی محنت کام آگئی۔ اگر روٹی تنور میں جل جائے تو غمگین ہوتا ہے کہ افسوس محنت رائیگاں گئی۔ ایسے اطاعت گزار انسان کا حال ہے کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دیگر نیک کام بجالاتا ہے یہاں تک کہ ملک الموت آکر اس کی جان لے لیتا ہے گویا اس کی رُوح کو موت کی درانتی سے کاٹ لیا جاتا ہے اور پھر اسے قبر میں دفن کیا جاتا ہے اور وہ قیامت کا انتظار کرتا ہے پھر اسے قبر سے اٹھا کر حساب کے میدان میں لے جایا جاتا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ پل صراط سے گزرے جب وہ بندہ پل صراط سے صحیح سالم گزر گیا تو وہ لقائے حق کا مستحق ہوتا ہے ورنہ ہلاک و تباہ ہو گیا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنے اعمالنامے کو ہر وقت سامنے رکھ کر اپنے انجام کو اچھا بنانے کی کوشش کرے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

١ فضل مردان بر زن اے حالی پرست
زان بود کہ مرد پایان بین تر ست

٢ مرد کاندر عاقبت بینی خمست
او ز اہل عاقبت از زن کمست

٣ از جہان دو بانگ می آید بضد
تا کدامین را تو باشی مستعد

٤ آن یکی بانگش نشور اتقیا
وین دگر بانگش فریب اشقیا

٥ آن یکے بانگ این کہ اینک حاضرم
بانگ دیگر بنگر اندر آخرم

٦ من شگوفہ خارم اے فخر کبار
گل بریزم من نمایم شاخ خار

٧ بانگ اشگوفہ اش کہ اینک گل فروش
بانگ خارش او کہ سوی ما مکوش

٨ اے خنک آن کو ز اول آن شنید
کش عقول و مستمع مردان شنید

marfat.com

ترجمہ :۱۔ اے حال پرست اپنے میں برگزیدہ لوگوں کے حالات پیدا کر اس لئے کہ نیک مرد اپنے انجام کا خوب خیال رکھتا ہے۔

۲۔ جو شخص اپنے انجام بینی میں کمزور رہے وہ عاقبت بینوں میں عورت سے بھی کم درجہ ہے۔

۳۔ جہانِ دنیا میں دو مخالف آوازیں آرہی ہیں نامعلوم تو کس آواز کا مستعد ہے۔

۴۔ ایک آواز پرہیزگاروں کے ساتھ اٹھنے کی دوسری آواز بدبختوں کے مکر و فریب کی۔

۵۔ ایک آواز تو نقد صورت میں ہے کہ وہ کہتی ہے میں تیرے سامنے ہوں دوسری آواز کہتی ہے کہ میرا نتیجہ آخرت میں ہوگا۔

۶۔ دوسری کہتی ہے کہ میں کانٹوں کا شگوفہ ہوں شگوفہ آواز دیتا ہے کہ اسے حال کر لے آگے پھول ہے اسے حال کر لے پھر تجھ پر پھول نچھاور کروں گا۔ ۷۔ شگوفہ کی یہی آواز ہوتی ہے کہ آجا اور پھول حال کرے لیکن کانٹا آواز دیتا ہے کہ ادھر آنے کی کوشش نہ کر۔ ۸۔ خوش قسمت ہے وہ جس نے عقل سے پہلی آواز سنی اور مردانِ حق کی آواز سے نفع اٹھایا

وَاِذَا رَاَوْكَ اور اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو قریشِ مکہ جب دیکھتے ہیں اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا یہ ان نافیہ ہے یعنی آپ کو نہیں بناتے مگر ٹھٹھا مخول کی جگہ۔ یعنی آپ سے استہزاء کے طور آپ کی تحقیر و اہانت کرتے ہوئے کہتے ہیں اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ کیا یہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاں رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ ہمارے اوپر حجت قائم کرے۔ یعنی ان بدبختوں نے نہ صرف ایمان کا انکار کیا بلکہ شبہات ظاہر کئے۔ جب آپ کو دیکھتے تو آپ کے ساتھ استہزاء کرتے اور آپ کی تحقیر و اہانت کرتے۔ یہی بات ابوجہل نے ابوسفیان کو کہی کہ کیا بنی عبد مناف کا نبی (علیہ السلام) یہی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ظاہر بین لوگ تو نبوت کو صرف ظاہری حس سے دیکھتے ہیں حالانکہ اسے نظرِ بصیرۃ سے دیکھا جاتا ہے وہ بھی نورِ حق کی تائید و توفیق سے، اور یہ بیچارے نگاہِ بصیرت سے محروم اور نورِ الٰہی کی تائید و توفیق سے بے بہرہ ہیں اسی لیے جو نبی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں تو کلامِ نبوت و رسالت کی حقیقت کو نہ پا سکے بلکہ ان سے الٹا استہزاء کرتے ہوئے کہنے لگے:

اھذا الذی بعث اللہ رسولا وھو بشر مثلنا محتاج الی الطعام والشراب۔

(کیا اسی بشر کو ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے وہ تو ہمارے جیسا آدمی اور بشر ہے وہ کھانے پینے کا محتاج ہے)[1]

---

[1] یقین جانئے آج کل اسی طرح کی باتیں وہابی، دیوبندی، نجدی، مودودی وغیرہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ کار پاکان را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نبشتن شیر شیر

۲ جملہ عالم زین سبب گمراہ شد
کم کسی ز ابدال حق آگاہ شد

۳ ہمسری با انبیاء برداشتند
اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

۴ گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر
ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور

۵ این ندانستند ایشاں از عمی
ہست فرق درمیان بے منتہی

۶ ہر دو گون زنبور خوردند از محل
لیک شد زین نیش وزاں دیگر عسل

۷ ہر دو گون آہو گیا خوردند و آب
زین یکے سرگیں شد و زاں مشک ناب

۸ ہر دو نے خوروند از یک آبخور
این یکے خالی واں پُر از شکر

ترجمہ : ۱۔ پاک لوگوں کا قیاس اپنے اوپر نہ کر اگرچہ لکھنے میں شیر و شیر برابر ہیں۔

۲۔ اکثر لوگ اسی لئے گمراہ ہوئے ابدال کے سوا بہت بہت اس راز سے آگاہ ہوئے۔

۳۔ لوگوں (کافروں) نے انبیاء سے برابری کا دم بھرا اور اولیاء کو اپنے جیسا سمجھا۔

۴۔ (اور) کہا وہ بھی بشر ہیں اور ہم بھی بشر ہیں ہم سب خواب اور خوراک کے پابند ہیں۔

۵۔ لیکن اندھے پن سے یہ نہ سمجھا کہ ان کے اور ہمارے درمیان بے انتہا فرق ہے۔

۶۔ دو بھڑ ہیں جو ایک ہی جگہ سے خوراک کھاتے ہیں لیکن ایک میں زہر ہے دوسرے میں شہد

۷۔ دو ہرن ہیں ایک جیسا گھاس کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں لیکن ایک سے گندگی دوسرے سے مشک حاصل ہوتا ہے۔

۸۔ دو نے ہیں ایک ہی نہر کا پانی پیتے ہیں ایک خالی ہے دوسرا شکر سے پُر ہے۔

marfat.com

تفسیر عالمانہ اِنْ کَادَ لَیُضِلُّنَا یہ اِن مخففہ از ثقیلہ ہے اور لیضلنا میں لام فارقہ ما بین النافیہ و المثقلہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے یعنی بیشک شان یہ ہے کہ (حضرت محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں بہکا دیں گے عَنْ اٰلِهَتِنَا ہمارے معبودوں سے، یعنی وہ ہمیں ہمارے معبودوں کی عبادت سے پھیر کر ان سے بالکل دُور کر دیں گے یعنی قریب ہے کہ وہ اپنے میٹھے کلام اور اپنی دعوتِ اسلامی میں بہت جدوجہد کریں گے اور ہمیں ہمارے معبودوں کی پرستش سے روک دیں گے لَوْلَا اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا کیوں نہ ہم اپنے معبودوں کی پرستش پر ثابت قدم رہیں اور اسے مضبوطی سے پکڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ اور یقیناً معلوم کرلیں گے اگرچہ دیر سے سہی حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ جب اس عذاب کو دیکھیں گے جس کے وہ کفر کی وجہ سے مستحق ہیں، اسے قیامت میں تو کھلم کھلا دیکھیں گے۔ اور نمونہ کے طور پر انھیں بدر میں دکھایا گیا مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ٥ راستے کے لحاظ سے کون زیادہ گمراہ ہے۔ یہ اس لیے کہا گیا کہ انہوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیضلنا (گمراہ ہونے) کی طرف منسوب کیا اور ظاہر ہے کہ جو دُوسرے کو گمراہ کرتا ہے وہ پہلے خود گمراہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا۔

ف: اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دیتا ہے اسی لیے گمراہی کی رؤیت کو قیامت سے متعلق فرمایا۔ اور گمراہی کی نسبت راستہ کی طرف مجازی ہے کیونکہ گمراہ تو وہ ہوتے ہیں جو گمراہی کے راستہ پر چلتے ہیں۔ اور من اضل سبیلا جملہ استفہامیہ ہے جسے یعلمون سے معلق کیا گیا ہے اور وہ اس کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

اَرَءَيْتَ کیا تم نے نہیں دیکھا مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ جس نے اپنی خواہشات کو معبود بنالیا ہے۔

تحقیق اَرَءَيْتَ یہ کلمہ کبھی اعلام کے لیے اور کبھی سوال کے لیے اور یہاں تعجب کے لیے ہے یعنی تم نے ان کے اس صفت سے موصوف ہونے سے تعجب نہیں کیا الٰھہ مفعول ثانی ہے اسے مفعول اول سے مقدم کرنا اس کے مہتم بالشان القبیح ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے امر تعجب اس پر گھومتا ہے اور الھویٰ، ھوٰنہ کا مصدر ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے محبت اور اس کی خواہش نفسانی کرے پھر محبوب خواہش کردہ شے پر استعمال ہونے لگا وہ محبوب خواہش کردہ شے محمود ہو یا مذموم پھر عموماً غیر محمود استعمال ہونے لگا۔ مثلاً کہا جاتا ہے،

فلان اتبع هوىٰه۔ ترجمہ: فلاں نے خواہش کی تابعداری کی۔

یہ کسی کی مذمت کے وقت بولا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ الھوی ہر اس شے پر استعمال ہوتا ہے جس کی طرف طبع کا میلان ہو اور محض شہوت کی بنا پر بغیر سند منقول و دلیل معقول کے جس کی نفس خواہش کرے۔

marfat.ocm

اب معنی یہ ہُوا کہ اے (محبوب) محمد (عربی صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے اس سے تعجب نہیں کیا جس نے خواہش نفسانی کو اپنے لیے معبود بنایا باین طور کہ اس کی اطاعت کی اور اپنے دینی امر کی اسی پر بنا رکھی کہ وہ حجت و برہان کو سننے سے رُوگردانی کرتا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے تعجب نہیں کرتے ہو جس نے اپنی خواہشِ نفسانی کو معبود کے قایم مقام بنا لیا کہ اس کی اطاعت پر التزام کرتا اور اس کی مخالفت کو حرام سمجھتا ہے۔ یعنی اسے دیکھ کر تعجب کرد - یہ استفہام تقریر و تعجیب کا ہے۔

اعجوبۂ کفار منقول ہے کہ عرب کی ایک قوم پتھروں کی پرستش کرتی تھی - جو بھی حسین پتھر دل کو اچھا لگتا اسی کی عبادت کرنے لگ جاتے، اس سے پہلے والے پتھروں کو پھینک دیتے تھے - حارث بن قیس اس قوم کا ایک فرد تھا، اس کا ایک پتھر کا بُت اونٹ سے گر کر گم ہو گیا - اعلان ہوا کہ اے قافلے والو! ٹھہرو، بُت اونٹ سے گر کر کہیں گم ہو گیا ہے جب تک مل نہ جائے آگے نہ بڑھو - تھوڑی دیر تک تلاش کے بعد جب پتھر کا بت نہ ملا، تو کسی نے آواز دی: گھبرایئے نہیں، مجھے اس سے حسین تر پتھر مل گیا ہے، اسے چھوڑیئے اب اسی کی پرستش کرتے رہیں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

ماعبد الہ ابغض علی اللہ من الھوٰی -

(معبودانِ باطل میں سب سے مبغوض تر خواہشِ نفسانی ہے)

ف: جو نفس کی خواہش کے مطابق عبادت کرتا ہے وُہ غیر اللہ کا پرستار ہے - اسی طرح جو شریعت کے مطابق امور تو سرانجام دیتا ہے لیکن اس میں خواہشِ نفسانی کو دخل دیتا ہے تو وہ بھی حظوظِ نفسانیہ کا پرستار ہے اسے حقوقِ ربانیہ سے کوئی تعلق نہیں (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ف: مُلّا کاشفی نے لکھا کہ صاحبِ تاویلات نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور شئے سے محبّت کرتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اس سے باز آجائے ورنہ اس کی ہر عبادت غیر اللہ کی پرستش میں شمار ہوگی اس لیے کہ وہ عبادت کے غیر اللہ کی محبت میں مبتلا ہوگا۔

اعجوبۂ دُنیا سید حسینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام کا نکاح بی بی حوّا علیہا السلام سے ہوا تو ابلیس کا عقد دنیا سے کیا گیا، جیسے آدم علیہ السّلام کی نسل سے انسان پیدا ہُوئے شیطان سے بذریعہ دنیا ہوا و ہوس اور رسوم و عادات مردودہ اور مذاہب و ادیانِ باطلہ ظاہر ہوئے ؎

غبار یکہ خیزد میان رہ اوست
چہ گویم کہ ہر یوسفے را چہ اوست

(ترجمہ: وہ غبار کہ درمیان راہ سے اٹھتی ہے میں کیا عرض کروں کہ ہر یوسف (نیک نام) کے

marfat.com

آگے ہلاکت کا گڑھا ہے)

شہوتِ نفسانی کا غلبہ اور اسے یہ درجہ حاصل ہے کہ دُنیا میں سب سے پہلا غیر کی پرستش کردہ یعنی معبودِ باطل خواہشِ نفسانی ہے۔ اسی کی شان میں وارد ہے اور قرآن مجید اسی کے متعلق فرماتا ہے:

ارأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ۔ ترجمہ: کیا اسے دیکھا ہے جس نے خواہش کی تابعداری کی۔

خلاصہ یہ کہ غیر اللہ کی پرستش کا اصل معبود باطل خواہش نفسانی ہے باقی جملہ معبودانِ باطلہ اسی کی فرع ہیں۔ اسی لئے مشائخ نے فرمایا کہ جو بھی خواہشِ نفسانی سے بچ گیا اسے ایمان کی حقیقت نصیب ہو گئی ؎

سرز ہوی تافتن از سروریست
ترک ہوی قوتِ پیغمبریست [طرب المجالس]

(ترجمہ، خواہش نفسانی سے منہ موڑنا دین کی سرداری ہے اور خواہشِ نفسانی کا ترک پیغمبری قوت ہے)

ف: حضرت ابو سلیمان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو اپنے نفس کی خواہش کا اتباع کرتا ہے وہ اپنے آپ کو قتل کرتا ہے اس لیے کہ انسان کی حقیقی زندگی ذکر میں اور اس کی موت ذکر سے فراموشی اور غفلت ہے جو وہ غفلت کر کے خواہشات کی اتباع کرتا ہے۔ اور جب خواہشات کی اتباع کرتا ہے تو اہلِ اموات میں داخل ہو جاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ ایں جہان شہوتے بتخانہ الیست
انبیا و کافراں را لانہ الیست

۲ لیک شہوت بندۂ پاکاں بود
زر نسوزد زانکہ نقد کاں بود

۳ کافراں قلبند و پاکاں ہمچو زر
اندریں بوتہ درند ایں دو نفر

۴ قلب چوں آمد سیہ شد در زماں
زر در آمد شد زری او عیاں

ترجمہ: ۱۔ یہ جہان شہوت سے پُر اور بتخانہ ہے انبیاء علیہم السلام اور کافروں کیلئے امتحان گاہ ہے۔
۲۔ لیکن نیک لوگ شہوت سے پاک ہوتے ہیں سونا نہیں جلتا اس لئے کہ اصلی کان سے ہے۔
۳۔ کافر کھوٹ کی طرح ہیں اور نیک لوگ سونے کی طرح اسی دو مثالوں میں ہیں یہ دو گروہ۔
۴۔ سونے کا کھوٹ اسی وقت سیاہ ہوتا ہے تو سونا کھل کر صاف ظاہر ہوتا ہے۔

marfat.ocm

حکایت کسی نے سمرقند کے ایک شیخ کامل سے سوال کیا کہ کسی نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو مُردہ دیکھا، اس کی تعبیر کیا ہے؟ اسی طرح کسی نے نبی علیہ السلام کو مُردہ دیکھا۔ اس شیخ نے فرمایا کہ اس شخص نے کسی شرعی معاملہ میں کوتاہی کی ہوگی، اور رمزنادر اصل شریعت کا ہے جسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاری فرمایا؛ اس شخص کو حضورِ حق وحضوریِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نصیب تھی اب وہ کسی غلطی کے باعث اس حضوری سے محروم ہوگیا۔ اسی کو اسے موتِ الٰہی ونبوی میں دکھایا گیا۔

حضرت عارف مولانا نورالدین جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: اس کی تاویل آیۃ ارأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ سے ظاہر ہے۔ وہ اسی طرح ہے کہ اس شخص نے اپنی خواہشِ نفسانی کو معبود بنایا ہُوا ہے اور خواہش نفسانی کی صورت مُردے کی ہے پھر اسے کسی کامل یا کسی عمل سے اس کے دل سے دُور کیا گیا، تو اس خواہش کا چلاجانا گویا اس کا مُردہ ہوجانا ہے۔ اس کی تعبیر کے بعد اس کی سچائی کی علامت یہ ہے کہ اس شخص کی حق کی حضوری میں اضافہ ہو۔ (کذا فی رشحات علی الصفی بن الحسین الکاشفی)

اَفَاَنۡتَ تَکُوۡنُ کیا تم ہو عَلَیۡہِ اس شخص پر جس نے خواہشِ نفسانی کو معبود بنایا وَکِیۡلًا ۙ نگران جسے تم شرک ومعاصی سے بچاؤ اور وہ اسی حال پر قایم ہو۔ یعنی آپ اس کام کے لیے نہیں بھیجے گئے کہ انہیں معاصی وشرک سے بچاتے رہیں بلکہ آپ کو خوفِ حق دلانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے اور اس میں آپ کو روکا نہیں گیا کہ آپ انہیں دعوتِ اسلام بھی پیش نہ کریں۔ بلکہ آپ کو بتایا گیا کہ ان کے متعلق قضا وقدر میں ایسا ہوچکا ہے لیکن آپ انھیں بدستور حق کا ڈر سناتے رہیں۔

ف: بعض نے کہا کہ یہ آیت آیۃ السیف سے منسوخ ہے۔

اَمۡ تَحۡسَبُ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ کیا تمھیں گمان ہے کہ اَنَّ اَکۡثَرَهُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ ان کے سامنے جو آیاتِ قرآنی پڑھی جاتی ہیں ان کے اکثر صحیح طور پر سُنتے ہیں اَوۡ یَعۡقِلُوۡنَ ؕ یا قرآن مجید کے اندر کی نصائح ومواعظ اور وہ امور جو انہیں ان قبائح سے روکنے والے ہیں جو محاسن کے اسباب ہیں کو صحیح طور سمجھتے ہیں اسی لیے آپ ان کے متعلق اہتمام فرماتے اور ان کے ایمان کے لیے طمع رکھتے ہیں۔

ف: اکثر کی قید اس لیے ہے کہ ان کے بعض نے قرآن مجید کو صحیح معنے پر سُنا اور صحیح معنے پر سمجھا، لیکن تکبّر اور بغاوت کے طور روگردانی کی یا انہیں خطرہ تھا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے تو ہم سے جاہ وحشم چھن جائے گا۔

فائدہ صوفیانہ حضرت ابن عطا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ گمان مت کرو کہ تم انھیں سُنا رہے ہو، ہاں تم انھیں سنا سکتے ہو جو ازل سے سُن چکے ہیں۔ ورنہ جو ازل سے محروم ہے اسے کتنی ہی حق کی باتیں سناؤ، اور دعوتِ حق کی کتنی ہی دلیلیں قایم کرو وہ نہیں سُنے گا۔ اور یہ جو آپ کی دعوت قبول کر رہے ہیں اور قرآن کو

marfat.com

صحیح معنے میں سنتے سمجھتے ہیں یہ وہ ہیں جنھوں نے ازل میں سُنا اور سمجھا اور قبول کیا۔ جو رُوگردانی اور غفلت کرتا ہے اس کے نصیب میں ازل سے محرومی تھی۔

اِنْ هُمْ نہیں ہیں یہ، یعنی آیاتِ قرآنی وغیرہ جو ان کے کانوں میں گونج رہی ہیں اور توجہ نہیں دیتے اور نہ ہی ان سے نفع پاتے ہیں اور نہ دلائل و معجزات کا مشاہدہ کرکے ان میں تدبّر کرتے ہیں اِلَّا كَالْاَنْعَامِ مگر جانوروں کی طرح ہیں یعنی جیسے جانور غفلت میں ہیں اور کچھ نہیں سمجھتے۔ یہ بھی ایسے ہی ہیں۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ کھانے پینے اور حظوظِ نفسانیہ پورے کرنے کے ہیں، جیسے جانوروں کو کھانے پینے وغیرہ کے بغیر کام ہے۔

بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۵ بلکہ وہ راستہ پر چلنے کے لحاظ سے جانوروں سے زیادہ گمراہ ہیں اس لیے کہ وہ اپنے قائد (کھینچ کر لے جانے والے) کے سامنے سر جھکاتا اور اپنے محسن کی تمیز رکھتا ہے اور وہ صرف ان چیزوں کا متلاشی ہوتا ہے جو اسے نفع دیں اور جو چیزیں اسے نقصان دیں ان سے دُور بھاگتا ہے اور یہ اپنے رب تعالیٰ کے نافرمان اور اس کے احسان فراموش بلکہ اس کے دشمن شیطان کے زیرِ فرمان چلتے ہیں اور ثواب جو ان کے لیے بہت بڑے نفع سے دُور، اور عذاب و سزا جو ان کے لیے عظیم نقصان کے درپے رہتے ہیں اور جانوروں کو حق کے اعتقاد اور خیر و شر کے اکتساب کا پتا نہیں ہوتا اور یہ ان امور کے جاننے کے باوجود بے خبر رہتے ہیں اور جانوروں کی جہالت کسی کو نقصان نہیں پہنچاتی اور ان کی جہالت ہزاروں فتنوں کے دروازے کھولتی ہے بلکہ اوروں کو بھی حق سے روکتی ہے اور جانوروں کو طلبِ کمال کی قدرت ہی نہیں دی گئی اسی لیے نہ ان کی تقصیر سمجھی جاتی ہے اور نہ ہی ان کی مذمت کی جاتی ہے اور انہیں قدرت حاصل ہے لیکن کوتاہی کرتے ہیں اسی لیے یہ سخت سے سخت تر عذاب کے مستحق ہیں۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے ملائکہ میں صرف عقل پیدا فرمائی اور جانوروں میں صرف شہوت، اور انسان میں عقل اور شہوت دونوں پیدا کیے گئے جس پر شہوت کا غلبہ ہُوا اور عقل مغلوب، تو وہ جانوروں سے بدتر ٹھہرا۔ کما قال :

بل هم اضل سبيلا۔ ترجمہ: بلکہ وہ راستہ سے بہت زیادہ بھٹکنے والے ہیں۔

اسی لیے اپنے دونوں قدموں یعنی عقل مغلوب اور شہوت غالب سے درکِ اسفل کی طرف منتقل کیا جاتا ہے اور وہ ایسے نچلے درک میں پہنچتا ہے جہاں جانوروں کا پہنچنا بہت کم ہے اس لیے کہ انسان دو قدموں (عقل مغلوب اور شہوت غالب) سے چل کر گیا اور جانور صرف شہوت سے چلے گا۔ فلہذا اسے اضل سبیلا سے تعبیر کیا گیا۔ یعنی جس کی عقل شہوت پر غالب ہوئی وہ بمنزلہ ملائکہ ہوگیا، اس لیے کہ جیسے وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے پاک ہوگیا۔ اور جو شخص اپنے معاملات پر قابو پالیتا ہے وہ ملائکہ سے افضل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اولئك هم خير البرية۔ ترجمہ: وہی تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔

marfat.ocm

چنانچہ مثنوی شریف میں ہے :-

۱	در حدیث آمد کہ یزداں مجید	خلق عالم را سہ گونہ آفرید
۲	یک گروہ را جملہ عقل و علم و جود	آں فرشتہ است او نداند جز سجود
۳	نیست اندر عنصرش حرص و ہوا	نور مطلق زندہ از عشق خدا
۴	یک گروہ دیگر از دانش تہی	ہمچو حیوان از علف در فربہی
۵	او نبیند جز کہ اصطبل و علف	از شقاوت غافلست و از شرف
۶	ایں سوم ہست آدمی زاد و بشر	از فرشتہ نیمی و نیمی ز خر
۷	نیم خر خود مائل سفلی بود	نیم دیگر مائل علوی بود
۸	آں دو قسم آسودہ از جنگ و خراب	ویں بشر باد و مخالف در عذاب
۹	وایں بشر ہم زامتحان قسمت شدند	آدمی شکلند و سہ امت شدند
۱۰	یک گروہ مستغرق مطلق شدست	ہمچو عیسی با ملک ملحق شد است
۱۱	نقش آدم لیک معنی جبرئیل	رستہ از خشم و ہوا و قال و قیل
۱۲	قسم دیگر با خراں ملحق شدند	خشم محض و شہوت مطلق شدند
۱۳	وصف جبریلی در ایشاں بود رفت	تنگ بود آں خانہ و آں وصف رفت
۱۴	نام "کالانعام" کرد آں قوم را	زانکہ نسبت کو بیقظہ نوم را
۱۵	روح حیوانی ندارد غیر نوم	حسہاے منعکس دارند قوم
۱۶	ماند یک قسمی دگر اندر جہاد	نیم حیوان نیم حی بارشاد
۱۷	روز و شب در جنگ و اندر کش مکش	کردہ چالیش آخرش با اولش

ترجمہ: ۱۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق تین طرح کی پیدا فرمائی۔

۲۔ ایک تو وہ ہے جو سراپا عقل و علم موجود ہے۔ وہ فرشتے ہیں جو سجدہ کرنے کے سوا کچھ نہیں جانتے۔

۳۔ ان کے عنصر میں حرص و ہوا ہے نہیں نورِ مطلق ہیں عشقِ خدا سے زندہ ہیں۔

۴۔ دوسرا گروہ ہے جو دانش سے بالکل فارغ ہیں جیسے حیوان کہ وہ گھاس کھا کر موٹے ہیں۔

۵۔ انھیں اصطبل اور گھاس کے سوا کسی شئے سے غرض نہیں نہ انھیں شقاوت کا علم نہ شرافت کا۔

۶۔ تیسرا گروہ آدم زادوں کا ہے جو فرشتوں کی طرح بھی اور گدھوں کی طرح بھی۔

۷۔ گدھے کی طرح سفل کی طرف مائل ہیں اور ملائکہ کی طرح علوی کی طرف بھی مائل ہوں۔

marfat.com

۸۔ پہلے دو گروہ جنگ اور دیگر خرابیوں سے آسودہ ہیں اور یہ انسان دو مخالف وجوہ سے دوزخ میں ہے۔

۹۔ پھر انسان کا امتحان کی وجہ سے تقسیم ہوئی - وہ آدمی کی شکل میں ہیں لیکن دراصل تین قسم ہیں۔

۱۰۔ ایک گروہ مطلق مستغرق ہے عیسیٰ علیہ السلام کی طرح فرشتوں سے جا ملے۔

۱۱۔ بظاہر آدمی ہیں درحقیقت وہ فرشتے ہیں وہ غصہ اور شہوت اور قیل وقال سے چھٹکارا پا چکے ہیں۔

۱۲۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو گدھوں سے جا ملے ہیں ان میں غصہ و شہوت بھرپور ہے۔

۱۳۔ ان میں ملکی صفت تو تھی لیکن اب ان سے نکل گئی کیوں کہ انکا اندرونی حال تنگ تھا اسی لئے وہ وصف نکل گیا۔

۱۴۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو جانوروں جیسا کہا ہے اسی لئے کہ یہ بہ نسبت بیداری کی نیند میں زیادہ ہیں۔

۱۵۔ کیوں کہ روح حیوانی نیند میں ہے ایسے لوگ ہمیشہ حِس اُلٹی رکھتے ہیں۔

۱۶۔ ایک گروہ اور ہے جو ہمیشہ جہاد میں ہے وہ حیوان بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ رہبری سے سرشار ہے۔

۱۷۔ روز و شب جنگ اور کشمکش میں ہیں ان کے آخری حالات کو اول سے ملا دیا گیا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ افعالِ حیوانیہ سے احتراز کرے اس لیے کہ وہ صوری و معنوی جاہ وجلال کے زوال کا سبب ہے۔

زوالِ دولت کا سبب برامکہ سے پوچھا گیا کہ تمہاری دولت کے زوال کا سبب کون سا عمل ہوا؟ انہوں نے کہا صبح کی نیند اور شام کو خورد و نوش کی مصروفیت۔

ف: (صاحبِ روح البیان نے فرمایا کہ) صبح کی نماز کے بعد میں سو رہا تھا کہ مجھے کہا گیا کون ہے جو صبح کی نیند نہیں چھوڑتا! اس کا مطلب یہ تھا کہ جو مطلقاً راحتِ ظاہرہ کو نہیں چھوڑتا اور حیوانوں کی طرح آرام طلبی میں وقت بسر کرتا ہے تو وہ غفلت سے خلاص نہیں پائے گا۔

نتیجہ: نکلا کہ خلاص کا دار و مدار ترکِ راحت اور مخالفتِ نفس و طبیعت کی راہ پہ چلنے میں ہے۔

marfat.ocm

أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ
اے محبوب کیا تم نے اپنے رب کو نہ دیکھا کہ کیسا پھیلایا سایہ اور اگر چاہتا تو اُسے ٹھہرایا ہوا کر دیتا پھر ہم نے سورج کو اس

عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿٤٥﴾ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ﴿٤٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا
پر دلیل کیا پھر ہم نے آہستہ آہستہ اُسے اپنی طرف سمیٹا اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے پردہ کیا

وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ﴿٤٧﴾ وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ
اور نیند کو آرام اور دن بنایا اُٹھنے کے لیے اور وہی ہے جس نے ہوائیں بھیجیں اپنی رحمت کے آگے مژدہ

رَحْمَتِهِ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴿٤٨﴾ لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا
سناتی ہوئی اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا پاک کرنے والا تاکہ ہم اس سے زندہ کریں کسی مُردہ شہر کو اور اُسے پلائیں اپنے

وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا ﴿٤٩﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿٥٠﴾
بنائے ہوئے بہت سے چوپائے اور آدمیوں کو اور بےشک ہم نے ان میں پانی کے پھیرے رکھے کہ وہ دھیان کریں تو بہت لوگوں نے نہ مانا مگر

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا
ناشکری کرنا اور ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈر سنانے والا بھیجتے تو کافروں کا کہا نہ مان اور اس قرآن سے ان پر جہاد کر بڑا جہاد

كَبِيرًا ﴿٥٢﴾ وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا
اور وہی ہے جس نے ملے ہوئے رواں کیے دو سمندر یہ میٹھا ہے نہایت شیریں اور یہ کھاری ہے نہایت تلخ اور ان کے

بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَحْجُورًا ﴿٥٣﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ
بیچ میں پردہ رکھا اور روکی ہوئی آڑ اور وہی ہے جس نے پانی سے بنایا آدمی پھر اس کے رشتے اور سسرال مقرر کی

وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿٥٤﴾ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ
اور تمہارا رب قدرت والا ہے اور اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں جو ان کا بھلا برا کچھ نہ کریں اور کافر

الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿٥٥﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٥٦﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ
اپنے رب کے مقابل شیطان کو مدد دیتا ہے اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر خوشی اور ڈر سناتا تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ

مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٥٧﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا
اجرت نہیں مانگتا مگر جو چاہے کہ اپنے رب کی طرف راہ لے اور بھروسا کرو اس زندہ پر جو کبھی نہ

يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۚ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا ﴿٥٨﴾ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ ع
مرے گا اور اُسے سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور وہی کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں پر خبردار جس نے آسمان

marfat.com

وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۛ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ

زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں بنائے پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے وہ بڑی مہر والا تو

بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا

کسی جاننے والے سے اسکی تعریف پوچھ اور جب اُنسے کہا جائے رحمن کو سجدہ کرو کہتے ہیں رحمن کیا ہے کیا ہم سجدہ کرلیں جسے تم کہو اور اس حکم نے

وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ ۩

انہیں اور بدکنا بڑھایا

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور ہمزہ تقریر کا ہے۔ اور رؤیت سے آنکھوں کا حقیقی دیکھنا مراد ہے۔ اس لیے دیکھی ہوئی شے کے لیے ضروری ہے کہ آنکھ کا اس سے تعلق ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کی عجیب و غریب مصنوعات کو نہیں دیکھا کَیْفَ منصوب ہے اس کا ناصب مَدَّ الظِّلَّ ہے۔

حلِ لغات: المد بمعنے الجز، یعنی المدۃ سے ہے۔ یعنی وہ مدت جو ممتد وقت کے لیے ہو، اور ظل (سایہ) ہر اس روشن چیز سے حاصل ہوتا ہے جس کی روشنی ذاتی ہو جیسے سورج یا عرضی جیسے چاند۔

المفردات میں ہے کہ الظل، الضح (بالکسر) کی نقیض ہے۔ الضح بمعنے سورج اور اس کی روشنی (کما فی القاموس) اور وہ الفئ سے عام ہے اسی لیے ظل اللیل و ظل الجنۃ کہا جاتا ہے۔ اور جہاں سورج کی روشنی نہ پہنچے اسے بھی ظل سے تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن فئ کا اطلاق زوالِ شمس کے بعد ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ پہلے سورج سایہ کو تھوڑا تھوڑا کر کے زائل کرتا ہے زوال تک یہی صورت رہتی ہے زوال کے بعد سایہ سورج کی روشنی کو کاٹنا شروع کر دیتا ہے یہاں تک کہ سورج کی روشنی ختم ہو جاتی ہے اور یہ سلسلہ سورج کے زوال سے شروع ہو کر غروب تک جاری رہتا ہے یعنی وہ ظل جو سورج کی روشنی کا ناسخ ہوتا ہے اسے فئ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ الفئ بمعنے الرجوع اور اس لیے بھی کہ مشرق سے مغرب کی طرف رجوع کرتا ہے یعنی زوال سے غروب کو پہنچتا ہے اور الظل کا تعلق صرف زوال تک رہتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے سایہ کو پیدا فرمایا پہاڑوں اور مکانوں اور درختوں سے جب سورج طلوع کر کے آگے کو بڑھتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کا بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ جملہ امور حادثہ ہیں اس کی حکمت کو بالذات نسبت ہے اسے درمیان میں کسی سبب کی محتاجی نہیں ہر شے میں بالذات وہی خود مؤثر ہے البتہ اسباب و علل اس کی قدرت کی دلیلیں ہیں۔

marfat.ocm

وَلَوْ شَآءَ اور تیرا رب تعالیٰ اسی سایہ کو ساکن کرنا چاہے لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا تو اسے ساکن بنا سکتا ہے۔ یعنی شے اپنے طول و امتداد میں ثابت اور مقیم ہو۔ لیکن بلد کذا یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شہر میں ساکن اور مقیم ہو۔ دو معطوفوں کے درمیان یہ جملہ معترضہ ہے اور تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی مشیت و حکمت سے اشیاء میں تاثیر پیدا کرتا ہے اسباب عادیہ کو درمیان میں دخل نہیں ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۙ ۝ اس کا عطف مدّ پر ہے یعنی یہ بھی اسی کے حکم میں ہے اور دلیلاً بجائے دالاً اس لیے کہ اس سے ضوء شمس مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے سورج کو ایک ایسی علامت بنایا ہے جو اس کے تغیر احوال سے سایہ کا پتا چلتا ہے اس میں کسی خارجی سبب کی بھی ضرورت نہیں اور نہ ہی کسی غیر کی تاثیر کی ضرورت ہے جیسا کہ جملہ معترضہ سے معلوم ہوتا ہے۔

ف: صیغۂ غائب کے بعد صیغہ جمع متکلم لانے میں اشارہ ہے کہ واقعی ان امور میں خارجی تاثیر کو کسی قسم کا تعلق نہیں اور پھر اتنا بڑا کام ایک ذات سے سرانجام ہو رہا ہے تو یہ اس کی عظیم قدرت کی دلیل ہے۔ اس معنے پر صیغہ جمع عظمت و حکمت پر دلالت کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور یہی راز ہے لفظ ثمّ کے لانے کا، ورنہ یہاں تاخیر زمانی تو نہیں ہو سکتی۔

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اس کا عطف بھی مدّ پر ہے اور یہ بھی اسی کے حکم میں داخل ہے اور یہ ثمّ زمانی تراخی کے لئے ہے یعنی ہم نے اسے زائل کیا بعد اس کے کہ ہم نے اسے دراز کر کے پیدا کیا پھر اسے ہم نے مٹایا یہ محض ہماری قدرت اور مشیت سے ہوا ہے جبکہ سورج اپنی شعاعوں کو معمول کے مطابق پھیلاتا ہے۔ اس میں کسی خارجی تاثیر کو کوئی دخل نہیں۔ یہاں پر اسے قبض سے اشارہ ہے کہ گویا وہ ایک بکھری ہوئی شے کی طرح ہے جسے سمیٹ لیا گیا ایسے ہی اس کی پیدائش کو احداث سے تعبیر فرمایا ہے یہ بھی اس کے بکھرنے کی طرف اشارہ کرنا مطلوب تھا ورنہ دونوں میں اصلی مقصد تخلیق ہے۔ اِلَيْنَا اس میں تصریح ہے کہ جملہ امور کا مرجع ذات باری تعالیٰ ہے جیسے ہر شے کا حدوث اسی سے ہے تو اسی طرح رجوع بھی اسی کی طرف ہے قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝ سمیٹنا تھوڑا تھوڑا کر کے، یعنی جونہی سورج اوپر چڑھتا جائے گا سایہ گھٹتا جائے گا، اس لیے کہ سورج سایہ کے گھٹنے اور بڑھنے کی دلیل ہے۔ یعنی سورج جب بلند ہو گا تو مغرب کی جانب سے سایہ گھٹ جائے گا اور یہ کیفیت آہستہ آہستہ ہوتی ہے۔ اور اگر یکبارگی سایہ کو سمیٹ لیا جاتا تو سایہ اور دھوپ سے جو منافع مطلوب ہیں وہ سب کے سب بیکار ہو جاتے اسی لیے سایہ کو بتدریج سمیٹا گیا تاکہ انسان سایہ اور دھوپ سے منافع حاصل کر سکے (کذا قال مولانا ابو السعود فی تفسیرہ) اور دوسرے مفسرین نے فرمایا کہ مدّ بمعنے بسط ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے طلوع فجر و طلوع شمس کے درمیان سایہ کو بسیط فرمایا۔ اس لیے کہ اس وقت دھوپ نہیں ہوتی اور روشنی تو ہوتی ہے لیکن سایہ تمام روئے زمین پہ پھیلا ہوتا ہے سمٹنا اس وقت شروع ہوتا ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے۔ اور یہی وقت نہایت خوشگوار ہوتا ہے اس لیے کہ اندھیرا طبیعت میں گھبراہٹ پیدا کرتا ہے اور آنکھوں کو بھی کوئی شے اچھی طرح نظر نہیں آتی۔ اسی طرح جب سورج

marfat.com

طلوع ہوتا ہے تو روشنی آسمانی خلا پہ حائل ہوجاتی ہے اور سورج کی تیز روشنی آنکھوں کی بینائی کے لیے مضر ہے لیکن طلوعِ فجر او طلوعِ شمس کے درمیانی وقت میں ان دونوں میں کوئی نہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بہشت کو ایسے سایہ سے موصوف فرمایا۔ کما قال :

وظل ممدود۔ ترجمہ : اور سایہ دراز۔

اس لیے بعض بزرگوں نے اس وقت کو بہشت کی گھڑیوں سے تشبیہ دی ہے صرف فرق اتنا ہے کہ بہشت کی ساعات منور ترین ہوتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ظل ضوء خالص وظلمت خالصہ کی درمیانی شے کو کہا جاتا ہے۔

ولو شاء لجعله ساکناً اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے ہمیشہ ساکن بناتا کہ اس پر کسی جگہ سے دھوپ نہ پڑتی۔ اسی کا نام ہے سایہ کا استقرار۔ یعنی سورج اس پر دھوپ ڈال کر زائل نہ کرتا۔ مثلاً نہ سورج منقبض ہوتا نہ منسبط بایں طور کہ وہ ایک جگہ پر ٹھہرا رہتا۔ اسی کو سکون یعنی عدم الاستقرار کہا جاتا ہے۔ ثم جعلنا الشمس علیه دلیلا پھر ہم نے سورج کو سایہ کی علامت بنایا اس لیے کہ اگر سورج نہ ہوتا تو سایہ بھی نہ ہوتا اس لیے کہ یہ آپس میں لازم و ملزوم ہیں جیسے نور نہ ہو تو ظلمت نہیں۔ ایسے ہی تمام اضداد کو سمجھئے۔ یہی معنی یعنی تعمیم الظل کا مفہوم زیادہ موزوں ہے لیکن یہ معنی حضرت مولانا ابو السعود کو ناپسند ہیں، اس لیے کہ جو معنی ہم نے بیان کیا ہے وہ اگرچہ درحقیقت افق شرقی کا سایہ ہے۔ لیکن وہ غیر معہود ہے۔ کیونکہ متعارف میں ہے کہ سایہ ایک مخصوص حالت کا نام ہے جس کا عوام مشاہدہ کرتے ہیں وہ ایک ایسی جگہ پڑتا ہے جو اس کے اور سورج کے درمیان ایک جسم کثیف کا ہونا ضروری ہے[1]

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس

عین المعانی میں لکھا ہے کہ مد الظل ابی زمانہ فترت کی طرف اشارہ ہے جس زمانہ میں کوئی نبی علیہ السلام نہیں تھا اس دور میں لوگ سخت متحیر تھے کہ اچانک سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے اگر وہ سایہ (یعنی دورِ فترت) دائمی رہتا تو مخلوق ہمیشہ اندھیرے میں پڑی رہتی ؎

گر نہ خورشید جمال یار گشتی رہنموں
از شبِ تاریک غفلت کس نبردے رہ بروں

(ترجمہ : اگر جمالِ محبوب کا سورج طلوع نہ ہوتا تو اس شبِ تاریک سے کسی کو بھی رہبری نصیب نہ ہوتی)

---

[1] اسی وجہ سے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہیں تھا کہ آپ کا جسم اطہر کثیف نہیں، بلکہ لطیف ترین تھا۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

شانِ نزول اور معجزہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم

صاحبِ کشف الاسرار نے لکھا کہ یہ آیت ایک معجزہ ہے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ظاہر ہوا۔ جسے اہلِ حقیقت سمجھتے ہیں کہ یہی قرب وکرامت کی علامت ہے جو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوئی۔ معجزہ کا بیان یوُں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اثنائے سفر میں قیلولہ کے ارادے سے ایک درخت کے نیچے آرام فرما ہوئے لیکن درخت کا سایہ مکتفی نہ ہوا ، اس لیے کہ آپ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر تعداد تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر درخت کا سایہ دراز کردیا ، یہاں تک کہ تمام لشکر اسی سایہ کے نیچے آرام فرما ہوا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت وکرامت کو بھی ظاہر فرمادیا۔ کما قال :

الم تر الیٰ ربك کیف مدّ الظّل ۔ ترجمہ: کیا اپنے رب کو نہیں دیکھا کہ کیسے سایہ کو دراز کیا۔

نکتہ موسیٰ علیہ السلام نے جب عرض کی : ارنی ، تو انہیں جواب ملا : لن ترانی ۔ لیکن یہاں بغیر طلب کے کہا : الم ترَ ، یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! جب آپ مجھے دیکھتے اور میرے دیدار سے سرشار ہیں تو پھر آپ کو اور کیا چاہیے ! ؎

فرقست میان آنکہ یارش در بر
با آنکہ دو چشم انتظارش بر در

(**ترجمہ** : ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے ایک کا محبوب بغل میں ہے اور دوسرا دروازے پر محبوب کے انتظار میں ہے)

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ مرغ بر بالا پران و سیاہ اش
می دود بر خاک و پران مرغ وش

۲ ابلہی صیاد آن سایہ شود
می دود چندآنکہ بے مایہ شود

۳ بے خبر کان عکس آن مرغ ہوا ست
بے خبر کہ اصل آن سایہ کجا ست

۴ تیر انداز د بسوے سایہ او
ترکشش خالی شود از جست و جو

marfat.com

۵ ترکش عمرش تهی شد عمر رفت
از دویدن در شکار سایه تفت

۶ سایهٔ یزدان چو باشد دایه اش
وارهاند از خیال و سایه اش

۷ سایهٔ یزدان بود بندهٔ خدا
مردهٔ این عالم و زنده خدا

۸ دامن او گیر زوتر بے گمان
تا رہی در دامن آخر زمان

۹ "کیف مد الظل" نقشِ اولیا ست
کاو دلیل نور خورشید خدا ست

۱۰ اندر ایں وادی مرو بے این دلیل
"لا احب الآفلین" گو چون خلیل

۱۱ رو ز سیاه آفتابے را بیاب
دامن شہِ شمس تبریزی بتاب

(ترجمہ: ۱۔ پرندہ اوپر اڑتا ہے لیکن اس کا سایہ زمین پر اسی طرح دوڑتا ہے جیسے مرغ اوپر اڑتا ہے۔

۲۔ بیوقوف ہے وہ جو اس سایہ کا شکاری ہے بے سود اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔

۳۔ اسے خبر نہیں کہ یہ تو اس ہوا پر اڑنے والے پرندے کا سایہ ہے اس سے وہ بے خبر ہے کہ اسکا اصل کہاں ہے؟

۴۔ اس کے سایہ کی طرف تیر پھینکتا ہے جستجو سے اس کی ترکش خالی ہو جاتی ہے۔

۵۔ اسکی عمر کی ترکش خالی ہو گئی اور عمر ختم ہو شکار کے سایہ کے پیچھے دوڑنے میں۔

۶۔ ہاں سایہ یزداں اگر اسکی پرورش کنندہ ہو جائے تو پھر وہ خیال و سایہ سے نجات پالے گا۔

۷۔ بندۂ خدا سایۂ یزداں ہے۔ یہ جہان مردہ ہے اور زندہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

۸۔ اس کا دامن جلدی پکڑ پھر یقیناً تو زندگی بھر اسکے دامن رکھ کر نجات پائیگا۔

۹۔ کیف مد الظل نقشِ اولیا ہے اسلئے کہ وہ نور خدا کے آفتاب کی دلیل ہے

۱۰۔ اس وادی میں رہبر کے بغیر نہ جا خلیل علیہ السلام کی طرح کہہ۔

۱۱۔ سایہ کو چھوڑ سورج کو تلاش کر شاہ شمس تبریزی کا دامن حاصل کر۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ المصطلحات میں ہے کہ الظل سے وجودِ اضافی مراد ہے جو اعیانِ ممکنہ کے تعینات سے ظاہر ہوا اور ان کے احکام یہ ہیں کہ وہ تعینات معدوم تھے پھر اللہ تعالیٰ کے اسم نور سے وجودِ خارجی میں ظاہر ہوئے۔ یہی وجود خارجی انہی تعینات کی طرف منسوب ہے۔ ان تعینات کی ظلمت عدمیۃ اُس نور سے جو اپنی ظاہری صورتوں میں ہوا چھپ جاتے ہیں۔ ظہور نور کی وجہ سے یہ ظل ظاہر ہو جاتا ہے ورنہ فی نفسہٖ وہ معدوم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا الم تر الی ربک کیف مد الظل کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب تعالیٰ نے ممکنات پر وجود اضافی کو کیسے ظاہر فرمایا، اسی نور کے مقابلہ میں یہ ظلمت عدم ہے جہاں بھی ظلمت استعمال ہوگی وہاں یہی عدم نور مراد ہوگا، یعنی وُہ عدم جس کی شان یہ ہے کہ وہ منوّر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللّٰہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور (الاٰیۃ)

اللہ مومنوں کا ولی ہے وہ انہیں ظلمات سے نُور کی طرف نکالتا ہے۔

اور وہ کامل ولی جسے حضرۃ واحدیہ کا تحقق نصیب ہے اور سلطان عادل کو ظل اللہ کہا جاتا ہے یعنی حقیقتِ الٰہیہ جامعہ کا ظل۔ انسانِ کامل جسے سلطانِ اعظم کہا جائے، کا راز یہی ہے وہی الجامعیۃ والاحاطہ کا مظہر ہے۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا اور اللہ تعالیٰ وُہ ہے جس نے تمہارے لیے رات کو لباس کی طرح بنایا جیسے لباس انسان کو چھپالیتا ہے ایسے ہی رات انسان کو اپنی اندھیری میں اپنے اندر چھپالیتی ہے رات کی اندھیری کو لباس سے مشابہت صرف چھپانے کی وجہ سے ہے۔

حلِ لغات: اللبس بمعنے ستر الشیٔ (کسی شے کو چھپانا) اور اللباس اس شے کا نام ہے جو انسان کے قبیح حصّے کو چھپالے، اور عورت و مرد کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا۔ کما قال:

ھن لباس لکم وانتم لباس لھن (وُہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا)

وہ بھی اس لیے کہ ایک دوسرے کو بُرائی سے بچانے سے روکتے ہیں، اور تقویٰ کو لباس کہا گیا۔ کما قال:

ولباس التقوٰی۔ ترجمہ: اور تقویٰ کا لباس۔

اس میں بھی تمثیل و تشبیہ ہے۔

سوال: جب رات کو انسان کا لباس کہا گیا تو پھر رات کو نماز پڑھنے میں لباس کی ضرورت نہ ہو، حالانکہ یہ غلط ہے۔

جواب: نماز کے حقوق کی ادائیگی کے لیے ظلمۃ اللّیل کافی نہیں بلکہ اس کے لیے علٰحدہ لباس ضروری ہے اندھیرے میں نماز پڑھی جائے یا اُجالے میں۔

وَالنَّوْمَ سُبَاتًا اور نیند کو آرام بنایا۔ النوم چڑھنے والے بخار کے رطوبات سے دماغ کے اعصاب کا ڈھیلا ہونا۔ السبت بمعنے قطع العمل۔ یوم سبتھم یعنی یوم قطعھم للعمل۔ ہفتہ کے دن کو بھی اسی لیے اس نام سے موسوم کیا گیا کہ اسی دن ان کا کام منقطع ہو جاتا ہے یا اس لیے کہ ہفتہ بھر کے ایام اسی پر ختم ہوئے۔ چنانچہ مروی ہے

marfat.com

کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کا آغاز اتوار کے دن شروع فرما کر چھ دنوں میں مکمل کر دیا، اور ہفتہ کا دن خالی رہ گیا (کذا فی المفردات)

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ عموماً رات کے وقت جو نیند کی جاتی ہے اس میں تمام کاروبار منقطع ہو جاتے ہیں۔ یعنی وُہ کاروبار جو حالتِ بیداری میں انجام پاتے ہیں وہ رات کے وقت منقطع ہو جاتے ہیں۔ یا چُونکہ نوم ایک قسم کی موت ہے اسی لیے اسے سبات سے تعبیر کیا گیا، سبات بمعنے منقطع ہونا، اور موت بھی ہر قسم کے تعلقات منقطع کر دیتی ہے اور چونکہ انقطاعِ حیات ہیں ان دونوں کو آپس میں مشابہت ہے اس لیے اسے مسبات سے تعبیر کیا گیا۔ اسی معنے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وھو الذی یتوفاکم باللیل۔ ترجمہ: اور وہ اللہ جو تمہیں رات میں فوت کرتا ہے۔

اس سے ثابت ہُوا کہ نیند اور موت ایک شئے ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ موت میں روح کی روشنی جسم کے ظاہر و باطن سے بالکل خارج ہو جاتی ہے اور نوم (نیند) میں انقطاع ناقص ہوتا ہے۔ یعنی نیند میں روح کی روشنی بظاہر تو منقطع ہو جاتی ہے لیکن بباطن باقی رہتی ہے۔ اسی اعتبار سے میّت کو مسبوت کہا گیا کہ اس سے حیات کا انقطاع ہو جاتا ہے۔ وُہ مریض جس پر بیہوشی طاری ہو اسے بھی مسبوت کہتے ہیں اس لیے کہ اس سے عقل و تمیز زائل ہو جاتی ہے چنانچہ اسلام کی بعض کتب کی عبارات میں ہے:

مثل المبطون والمفلوج والمسبوت۔ (جیسے مبطون جو پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو اور مفلوج جس پر فالج کا حملہ ہو اور مسبوت بمعنے بیہوش)

مسئلہ: ایسے اہلِ اموات کو دیر سے دفنایا جائے یہاں تک کہ ان پر ایک دن اور ایک رات گزر جائے تاکہ ان کی موت کا یقین ہو جائے۔

وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ○ اور بنایا دن کو ایسا وقت کہ اس میں روشنی منتشر ہو۔

مسئلہ: النہار شریعتِ پاک میں ما بین طلوع الفجر الیٰ غروب الشمس کو کہا جاتا ہے۔ عموماً اس کا اطلاق طلوع الشمس الیٰ غروب الشمس پر ہوتا ہے۔

النشور یا الانتشار سے ہے بمعنے ذونشور۔ یعنی بنایا دن کو صاحب نشور بایں معنی کہ لوگ اس میں منتشر ہوتے ہیں طلبِ رزق و معاش کے لیے۔ کما قال:

لتسکنوا فیہ و لتبتغوا من فضلہ (تاکہ تم اس میں سکون کر سکو اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کر سکو۔

یا نشور، نشر المیت سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب مُردہ زندہ ہو کر لوٹے اور نہار کو اسی نیند سے اٹھنے کی جاگ مقرر فرمایا اور نیند موتٰی کے قیامت میں اُٹھنے کی طرح ہے۔ یہاں مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ کو مضاف کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے۔ اس میں مبالغہ مقصود ہے۔ خلاصہ یہ کہ نوم و یقظہ میں موت و نشور کی طرف

marfat.ocm

اشارہ ہے۔ اسی لیے حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا: "بیٹا! جیسے نیند کے بعد جاگ اُٹھتے ہو ایسے مرو گے پھر قیامت میں اُٹھو گے"۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

نوم ما چوں شد اخ الموت اے فلاں

زیں برادر آں برادر را بداں

(ترجمہ: ہماری نیند موت کی بہن سمجھئے، یہ دونوں آپس میں بہن بھائی ہیں)

مسئلہ: آیت سے بقدرِ ضرورت نیند کی اجازت دی گئی ہے۔ ضرورت سے بدن کی سستی مراد ہے، اور مجاہدات سے بدن تھک جاتا ہے، دراصل نیند سے ظاہری حواس بند ہو جاتے ہیں اور قلب کے حواس کھل جاتے ہیں۔

دنیا کا مسافر نیند میں ایک راز یہ ہے کہ انسان کا روح قدسی یا لطیفہ ربانیہ یا نفس ناطقہ اسی جسم سفلی میں مسافر ہے اور وہ اسی جسم کی اصلاح اور اس کے منافع کی تحصیل اور اس کے نقصانات کو دفع کرنے کے لیے دنیا میں آکر اسی جسم میں مقید ہے جب تک انسان جاگتا رہتا ہے وہ رُوح مقید رہتی ہے۔ جب انسان نیند کرتا ہے تو رُوح اپنے اصلی مکان اور معدن ذاتی کی طرف جا کر ارواح و معرفت معانی کو دیکھ کر راحت پاتی ہے اور ان غیوب کو دیکھتی ہے جو عالمِ ملکوت میں معانی موجود ہیں وہ عالمِ شہادت میں صورِ مثالیہ میں دیکھتی ہے۔ تعبیرِ رؤیا میں بھی یہی راز ہے جب کوئی مجاہد ربانی نیند نہیں کرتا تو اس کے ارکان اربعہ مٹی، ہوا، نار، پانی پگھل جاتے ہیں اس طرح سے اس کا دل عوارض ظاہری سے خالی ہو جاتا ہے۔ پھر چونکہ اس وقت حجابات ہٹ جاتے ہیں، بنا بریں وہ اپنے دل کی آنکھ سے عالمِ ملکوت کا مشاہدہ کرتا ہے اسی لیے اسے رب تعالیٰ کے وصال کا اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر خوش قسمتی سے بارہا خواب میں دیدار الٰہی سے مشرف ہوتا ہے۔

حکایت شاہ شجاع رحمہ اللہ تعالیٰ نے تیس سال مسلسل نیند نہ کی ایک رات ان کی اچانک آنکھ لگ گئی تو انہوں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا اس کے بعد جہاں بیٹھے ہوتے سو جاتے۔ آپ سے وجہ پوچھی گئی تو آپ نے اس کا جواب دیا: ؎

رأیت سرور قلبی فی منامی

فاحببت التنعس والمناما

(ترجمہ: مجھے خواب میں محبوب کی زیارت ہوئی اسی لیے نیند اور اُونگھ مجھے پسند ہے)[1]

---

[1] ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو بھی سو بار خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی۔ اویسی غفرلہٗ

شانِ ولایت یہی اہل نہایۃ اولیائے کاملین کا حال ہے کہ ان کی قلبی بصیرت ہر وقت بیدار رہتی ہے اسی لیے ان کی نیند بیداری کا حکم رکھتی ہے[1]۔ کسی شاعر نے فرمایا: ؎

مشو بمرگ ز امداد اہلِ دل نومید
کہ خواب مردم آگاہ عین بیداریست

(ترجمہ: اولیاء اللہ کے وصال (موت) سے ان کی امداد سے (وہابیوں) کی طرح ناامید نہ ہو اس لیے کہ ان بزرگوں کی نیند بھی بیداری ہے (اسی طرح ان کی موت بھی حیات ہے)

اور ہم جیسوں کا حال یہ ہے: ؎

سر آنگہ ببالیں نہد ہوشمند
کہ خوابش بقہر آورد در کمند

(ترجمہ: جب کوئی دانشمند سرہانے پر سر رکھتا ہے تو قہر وغلبہ سے نیند اسے مقید کرلیتی ہے)

ف: حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عبادت کی تین علامتیں ہیں:
(۱) رات کو سو جانا کہ بیدار ہو کر طاعتِ الٰہی بجالائے گا۔
(۲) صلوٰۃ کے لیے خلوۃ۔
(۳) دن سے کراہت کرنا کہ ریاء کا شائبہ ہے۔

یاد رہے کہ نماز سے غفلت اور اس کے امور کی ادائیگی میں عجلت کرنا فتنہ کا خطرہ ہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ رات کی گھڑیاں بعض لوگوں کے لیے سکون کا، اور بعض لوگوں کے لیے بے قرار رہنے کا موجب بنا یا مثلاً اہلِ غفلت رات کو سکون سے سوتے ہیں تو اہلِ دل بیدار رہتے ہیں۔ اگر وہ روح وصال میں ہوتے ہیں تو ان پر نیند غلبہ نہیں کرتی بوجہ ان کے کمال انس کے اگر وہ فراق کے درد رسیدہ ہوتے ہیں تو بھی نیند نہیں کرتے بوجہ پریشانی کے۔ خلاصہ یہ کہ بیداری عُشّاق کا خاصہ ہے یا بوجہ کمال سرور کے یا بوجہ ہجوم غموم کے۔

ف: بیداری پر اپنے باطن کو اللہ تعالیٰ کی طرف لگادے اور اپنے فکر کو امورِ الٰہی میں مصروف رکھے ورنہ اس پر ماسوٰی کے فکرات گھیرلیں گے اسی لیے لازم ہے زبان کو ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھے۔ سچے عاشق الٰہی کی مثال اس ننھے بچّے کی ہے جسے کسی شے سے پیار ہو کہ وُہ جاگتے ہی اسی کو یاد کرتا ہے۔ اسی طرح ہر انسان کی کیفیت مرنے کے

---

[1] اسی لیے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا نیند کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا تھا اسی طرح بعض دیگر عارفین کے متعلق منقول ہے۔ اویسی غفرلہٗ (الیواقیت والجواہر)

marfat.ocm

بعد اُٹھنے کی ہے کہ جس شے سے اسے دُنیا میں پیار ہوگا اسی پر مرنے کے بعد اُٹھے گا۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ بیداری کے بعد غور کرے کہ وہ کس فکر میں ہے تاکہ اسے عبرت حاصل ہو کہ مرنے کے بعد قبر سے اُٹھتے وقت وہی نصیب ہوگا جو اس کا شغل دنیا میں ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ اس کا شغل ذاتِ حق ہے یا غیر اللہ، اب خود سوچ لے کہ کس شغل سے محبت کرتا ہے!

حدیث شریف "جب انسان نیند کرتا ہے تو شیطان اس کے سر میں تین گرہیں ڈالتا ہے پھر اگر اٹھ کر ذکرِ الٰہی کرتا ہے تو اس کی ایک گرہ ٹوٹ جاتی ہے، جب وضو کرتا ہے تو دوسری، جب نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ بھی ٹوٹ جاتی ہے۔ اس کے بعد خوش و خرم اور ہشاش بشاش ہو کر وقت گزارتا ہے۔"

حدیث کے آخر میں ہے:

"اگر وہ نیند میں ایسا غرق ہو جاتا ہے کہ اس کی نماز بھی چلی جاتی ہے تو شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نفس اور شیطان کے شر سے بچائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِیْٓ اور وہ اللہ تعالیٰ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ جس نے ہواؤں کو کھولا۔ کشف الاسرار میں ہے کہ یہاں پر ارسال بمعنے کھولنا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

ارسلت الطیر وارسلت الکلب المعلم۔

(میں نے پرندہ اور شکاری کتا کھول دیا)

المفردات میں ہے کہ کبھی الارسال بمعنے التسخیر آتا ہے۔ جیسے ارسال الریح۔ اور الریح مشہور ہے اور وہ متحرک ہے اور رحمت کے وقت الریاح بولا جاتا ہے۔ یعنی جمع کے صیغہ سے اس لیے کہ وہ ہوا جنوب، شمال، صبا کی جامع ہوتی ہے اور عذاب میں ریح استعمال ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ صرف ایک ہے یعنی الدبور یعنی عقیم، جو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچاتی۔

حدیث شریف میں وارد ہے:

اللھم اجعلھا ریاحا ولا تجعلھا ریحا۔

(اے اللہ! ہمارے لیے ہوا ریاح بنا ریح نہ بنا)

بُشْرًا یہ الریاح سے حال ہے مخفف کر کے بضمتین بشور اور بشیر کی جمع ہے بمعنے مبشر، اس لئے کہ ایسی ہوائیں بارش کی خوشخبری سُناتی ہیں بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ بارش سے پہلے اسے استعارۃً رحمت

marfat.com

کہا گیا ہے وہ اس معنے پر کہ پہلے ہوا چلتی ہے پھر بادل آتے ہیں اس کے بعد بارش ہوتی ہے۔ یعنی بارش سے پہلے عموماً ہوائیں چلتی ہیں اسے آسمان کی رحمت سے تعبیر کرتے ہیں اس لیے کہ آسمان رحمت بھیجتا ہے۔ یعنی اسی سے ہی یہ رحمت نازل ہوتی ہے وَ اَنْزَلْنَا اور ہم نے اپنی عظمت سے نازل کیا۔ صیغہ غیب سے جمع متکلم کی طرف التفات کیا گیا ہے انزال الرحمۃ کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے اور نزول رحمت ارسال الریاح کا نتیجہ ہے مِنَ السَّمَآءِ آسمان یعنی اوپر کی جہت سے۔ اس کی بارہا تحقیق گزری ہے۔ مَآءً طَهُوْرًا پاک پانی، طھور، طاھر کا مبالغہ ہے یعنی وہ پانی جو خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والا یعنی وہ پانی جس سے حدث ونجاست دور کی جائے۔ لفظ طھور جیسے صفت واقع ہوتا ہے جیسے آیت ہذا میں ہے۔ ایسے ہی اسم بھی واقع ہوتا ہے۔ جیسے:

التراب طھور المؤمن۔

(مٹی مومن کو پاک کرنے والی ہے)

اور کبھی بمعنے طہارت بھی آتا ہے، جیسے:

تطھرت طھورا حسنا۔ (یعنی میں نے اچھے طریق سے وضو کیا)

اسی سے ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی:

لاصلوٰۃ الا بالطھور۔ (یعنی طہارت کے بغیر نماز جائز نہیں)

ف: اصل لفظ طھور ہے کہ یہ پانی کی اصل خلقت پر استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: ماء المطر، ماء البحر، ماء العیون، ماء الآبار۔ اور پھر پانی جس صفت کو اختیار کرے تب بھی طھور کا استعمال ہوگا۔ مثلاً عذوبۃ، ملوحۃ، حرارۃ، برودۃ وغیرہ۔ (فتح الرحمٰن)

مسئلہ: اگر پانی میں تغیر آجائے۔ مثلاً ایک مدت تک کھڑا رہنا یا کسی ایسی پاک چیز کی اس میں ملاوٹ ہو کہ جس سے بچنا ناممکن ہو، جیسے مٹی، درخت کے پتے وغیرہ۔ تو وہ پانی پاک رہے گا اور دوسروں کو بھی پاک کرسکے گا۔ یعنی اس سے رفع احداث اور ازالۂ انجاس جائز ہے۔ (اس پر تمام فقہائے کرام کا اتفاق ہے)

مسئلہ: اگر پانی اپنی خلقت بدل لے تب بھی پاک ہے۔

مسئلہ: جس پانی پر غیر شے کا غلبہ ہوجائے تو وہ پانی پاک تو ہوگا لیکن دوسروں کو پاک نہ کرسکے گا۔ یہی تینوں ائمہ کا مذہب ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بہنے والی پاک اشیاء سے وضو کے لیے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ جیسے سرکہ اور گلاب کا پانی، اور ان کی طرح اور چیزیں۔ اس کے متعلق ائمہ ثلاثہ اور محمد بن حسن اور زفر نے خلاف کیا ہے۔

مسئلہ: امام اعظم رحمہ اللہ نے اس پانی سے ازالۂ نجاسات اور وضو وغیرہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے جو پاک شے سے

marfat.ocm

متغیر ہو جائے جیسے زعفران وغیرہ بشرطیکہ پانی کی رقّت (رقیق ہونا) باقی ہو۔ باقی تفصیل کتبِ فقہ میں ہے۔

ف : ماء کو طہور سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ پانی ایک عظیم نعمت ہے اور یہ نعمت احیاء و سقیٰ کا تتمہ ہے اور پانی انسان کے لیے ضروری ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خوشگوار شے اور نافع ترین چیز ہے کہ جہاں پہنچتا ہے فائدہ پہنچاتا ہے۔ اگرچہ پانی کی طہارت کے بیان کو یہاں بظاہر کوئی مناسبت نہیں۔

نکتہ : اس میں انسان کو تنبیہ ہے کہ جیسے ظاہر کو پاک کرنا ضروری ہے ایسے ہی باطن کو پاک کرنا اور زیادہ ضروری ہے اس لیے کہ باطن کو تلویثات سے پاک رکھنا بہ نسبت ظاہر کے نہایت لازم اور بہت اہم ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ کا منظر ظاہر نہیں بلکہ باطن ہے۔

وُسعتِ رزق کا آسان طریقہ تطہیر یعنی کپڑے، جسم کا پاک رکھنا اور ہمیشہ باوضو رہنا وسعتِ رزق کا سبب ہے۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"دم علی الطہارۃ یوسع علیك الرزق"۔

(طہارت پر مداومت کرو، رزق میں وسعت ہوگی)

اور پانی رزق ظاہری کا سبب ہے اور طاہر و مطہر ہے۔

سبق : طالب سالک پر لازم ہے کہ وہ باوضو ہو یعنی طہارت پر مداومت کرے اس لیے کہ یہ رزق معنوی کے حصول کا سبب ہے۔ رزقِ معنوی سے فیضِ الٰہی مراد ہے جو رُوح کی غذا ہے۔

لِنُحْیِۦَ بِهٖ یہ پانی کے نازل کرنے کی تعلیل ہے بَلْدَةً مَّیْتًا تاکہ ہم آباد کریں ایسے شہروں کو جہاں نہ اشجار نہ اثمار اور نہ چراگاہیں ہیں۔ احیاء سے کھیتیاں اگانا مراد ہے اور بلدۃ سے زمین کا ایک علاقہ مراد ہے آباد ہو یا غیر آباد۔ مطلب یہ کہ ہم بارش کے ذریعے ایسے علاقے آباد کرتے ہیں جو قحط سالی کی وجہ سے خشک تھے یا موسم سرما کی وجہ سے ویران اور غیر آباد ہو چکے تھے۔

سوال : بلدۃ کی صفت میتۃ ہونا چاہیے یہاں مذکر (میتا) کیوں؟

جواب : یہاں بلدۃ سے بلد یا موضع یا مکان مراد ہے۔ علاوہ ازیں میتا کے لفظ کی گردان نہیں ہوتی اس کا صیغہ اسم فاعل یا اسم مفعول وغیرہ نہیں آتا اسے اسمِ جامد کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔

وَنُسْقِیَهٗ اور پانی پاک کے نالوں اور وادیوں وغیرہ میں جاری ہونے یا حوضوں اور چشموں اور کنوؤں میں جمع ہونے کے وقت پلاتے ہیں۔

حل لغات : اسقی اور سقی کا ایک ہی معنی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے : سقاۃ الغیث واسقی۔ یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے بارش کا پانی پلایا۔ اس کا اسم السقیا آتا ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ السقی والسقیا بمعنے کسی کو پانی دینا، تاکہ

marfat.com

وہ اسے پیئے۔ اور الاسقاء بمعنے کسی کو پانی دینا تا کہ وُہ اسے لے کر جہاں چاہے استعمال کرے۔ الاسقاء، السقی سے بلیغ تر ہے کیونکہ الاسقاء کا مطلب یہی ہے کہ دوسرے کو پانی کا گویا مالک بنا دیا جاتا ہے کہ وہ جیسے چاہے کرے یا کسی دوسرے کام میں لگائے۔ مثلاً:

اسقیته نهراً۔ (یعنی میں نے نہر کا پانی دیا) جسے وہ ہر مصرف میں لا سکتا ہے، یہی نہیں کہ وہ صرف پئے گا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے انھیں پانی پر قدرت دے دی تا کہ وہ اس سے اپنے کاروبار چلائیں، اسی سے خود پئیں اور اپنے جانوروں کو پلائیں، وغیرہ۔

مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا یہ نسقیہ کے متعلق ہے یعنی ہم پلاتے ہیں اپنی بعض مخلوق کو، جو وہ جانور اور انسان ہیں انعاماً و اناسیّ کا منصوب ہونا جار و مجرور کے محل سے بدل کی وجہ سے یعنی ممّا خلقنا کے ممّا سے۔ اور یہ بھی ہے کہ نسقیہ کا مفعول ہو اور ممّا خلقنا کا متعلق محذوف ہے اور یہ انعام سے حال ہے الانعام، نعم کی جمع ہے وہ مال جو چر کر گزارہ کرے۔ اس کا زیادہ تر اطلاق اونٹوں پر ہوتا ہے۔ "المغرب" میں ہے کہ الانعام ان آٹھ جوڑوں کا نام ہے جن کا ذکر آٹھویں پارے میں گزرا ہے۔ کما قال:

من الابل اثنین و من البقر اثنین و من الضأن اثنین و من المعز اثنین۔

(اُونٹ اور گائے اور بھیڑ بکری کا جوڑا جوڑا)

تحقیق اناسی سیبویہ کے نزدیک یہ انسان کی جمع ہے دراصل اناسین تھا، نون کو یاء سے تبدیل کر کے ماقبل والی یاء میں ادغام کیا گیا ہے۔ اور فراء و مبرد اور زجاج فرماتے ہیں کہ یہ انسی کی جمع ہے لیکن اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے اس لیے کہ فعالی اس صیغے کی جمع ہوتی ہے جس میں وہ یاء مشدّدہ ہو جو نسب پر دلالت نہ کرے جیسے کرسی کی جمع کراسی آتی ہے اگر کرسی میں یاء نسبی ہوتی تو اس کی جمع کراسی ہرگز نہ آتی، اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ انسی کی یاء نسبی نہیں، اگر انسی کی جمع مانا جائے تو اسے اناسیة آنا چاہیے جیسے معالی کی جمع معالیة آتی ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ انسی، انس کی طرف منسوب ہے۔ ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس میں انس بہت زیادہ ہو، اور ہر وُہ شے جس کے ساتھ انس کیا جائے، اس کی جمع اناسی آتی ہے۔ اور فرمایا کہ کرسی میں بھی یاء نسبی ہے اس لیے کہ کرس کی طرف منسوب ہے بمعنے تلبد۔ اسی لیے کاغذوں کے یکجا شدہ مجموعہ یعنی متلبد (گتہ) کو کراسہ کہا جاتا ہے۔

كَثِیْرًا یہ اناسی کی صفت ہے کیونکہ یہاں پر اناسی بمعنے بشر ہے اور ان سے وُہ جنگلی لوگ مراد ہیں جن کی بسر اوقات بارش پر ہے۔ اسی لیے انعام و اناسی کو نکرہ لایا گیا ہے۔ یہ تنکیر افراد نوعی ہے اور ان کی تخصیص اس لیے ہے کہ شہری اور دیہاتی لوگ نہروں یا چشموں کے قریب رہتے ہیں اسی لیے انہیں پینے کی ضروریات پُورا کرنے کیلئے آسمانی پانی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اسی طرح حیوانات اور وحوش وطیور کا بھی ذکر نہیں کیا اس لیے کہ

marfat.ocm

انھیں بھی پانی کی تلاش نہیں ہوتی۔

ف: اعوزہ الشئ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو اسی شے کی محتاجی ہو لیکن وہ اس کے حصول پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ اور انعام کی تخصیص اس لیے ہے کہ ایسے جانوروں کو انسان اپنی ضروریات پورا کرنے کے لیے اکثر اوقات اپنے پاس رکھتا ہے اور اس کے اکثر منافع اور اس کی معیشت کے اکثر معاملات انھی سے متعلق ہیں اسی لیے اناسی سے انعام کا ذکر پہلے فرمایا، یہ ایسے ہے جیسے ان کے ذکر زمین کی آبادی کو پہلے بیان فرمایا کیونکہ زمین کی آبادی جانوروں اور انسانوں کی زندگی اور وجہ معاش کا سبب ہے۔ قربان اس کی شان پر کہ پہلے انسان کا ذکر، پھر اس کے رزق کا ذکر فرمایا۔ مثلاً انعام کا ذکر پہلے ہے اس لیے کہ وہ انسان کا رزق ہیں، پھر نبات کا، اور وہ جانوروں کا رزق ہیں، پھر بارش کا، کہ وہ نبات کا رزق ہے۔ اس بنا پر بارش کا ذکر پہلے کر کے اسی پر حیات الارض بالنبات کو مرتب فرمایا۔ اس پر انعام کے ذکر کو مرتب فرمایا۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بخدا ہم نے اسے بار بار دہرایا۔ یعنی انشاء السحاب و انزل المطر انھیں قرآن مجید و دیگر کتب سماویہ میں بار بار تکرار کیا ہے **بَیْنَهُمْ** ان کے مابین، یعنی متقدمین و متاخرین میں **لِیَذَّكَّرُوْا** تاکہ نصیحت حاصل کریں یعنی تفکر کریں اور کمال قدرت کو پہچانیں اور نعمت کا حق سمجھیں اور پھر اس کی ادائیگی کے لیے تیار ہوں۔ یہ در اصل یتذکروا تھا۔ اور تذکر و تفکر کا ایک معنیٰ ہے **فَاَبٰی**، الاباء بمعنے سخت انکار کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: رجل ابی بمعنے سخت منکر۔ یعنی وہ تکالیف برداشت کرنے سے بچنے والا ہے۔ اس معنے پر یہ نفی کے معنی میں ہے۔ اسی لیے اس کا استثنا جائز ہوتا ہے۔ گویا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ لم یفعل یا لم یرد یا لم یرض۔ **اَكْثَرُ النَّاسِ** پہلے اور پچھلے لوگوں میں سے اکثر **اِلَّا كُفُوْرًا** مگر کفرانِ نعمت اور ان کی شان میں بہت تھوڑی پروا کرنے والے، ورنہ نعمت کا حق یہ تھا کہ وہ اس میں تفکر کرتا اور اس سے ہی وجود صانع اور اس کی قدرت و احسان پر استدلال کرتا۔ اور کفران یا کفر نعمۃ یہ ہے کہ شکر کی ادائیگی نہ کی جائے اور سب سے بڑا کفران یا کفر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی علیہ السلام کی نبوت و شریعت کا انکار کیا جائے لفظ کفران اکثر نعمت کے انکار پر اور لفظِ کفر دین کے انکار پر استعمال ہوتا ہے۔ اور کفور دونوں کے لیے برابر استعمال ہوتا ہے۔ (کذا فی المفردات) اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ صرفنٰہ کی ضمیر پاک پانی کی طرف راجع ہے جس سے آسمان کا پانی مراد لیا گیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ولقد صرفنٰہ ہم نے بارش کے پانی کو ان کے بعض شہروں اور مکانوں پر مختلف کر کے اتارا، بعض اوقات میں ان پر بارش نازل فرمائی، یعنی انھیں نہ تو تیز بارش برسا کر تکلیف دی جاتی ہے نہ بالکل معمولی بارش سے انھیں قحط سالی میں مبتلا کیا جاتا ہے نہ ہی لگاتار بارش کر کے انھیں تباہ کیا جاتا ہے لیکن ان کے اکثر ایسے ہیں جو صرف کفرانِ نعمت اور کفرِ دین کو پسند کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں:

مطرنا بنوء کذا۔

یعنی ہم فلاں ستارے کے سقوط سے بارش دئے گئے، جیسے اہلِ نجوم کہتے ہیں۔ اس عقیدہ والے لوگوں کو کافر کہا گیا ہے

marfat.com

کہ اُنھوں نے ایسی صفت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کے بجائے ایسی عظیم نعمت کو افلاک و کواکب کی طرف منسوب کیا۔

مسئلہ : جس کا عقیدہ ہو کہ بارش کا تعلق ستاروں سے ہے تو وہ کافر ہے۔ ہاں اگر یہ عقیدہ ہو کہ ہر شے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ستارے تو صرف بارش کی علامت ہیں انھیں اللہ تعالیٰ نے بارش کے لیے نشانیاں بنایا ہے کہ فلاں وقت طلوعِ فجر کے وقت جانبِ مغرب سے ستارا گرے گا اور اس کے مقابلے میں مشرق سے عین اسی وقت ستارہ طلوع ہوگا تو بارش ہوگی۔ یہ عقیدہ صحیح ہے (ہم اہلسنّت بحمدہٖ تعالیٰ انبیاء و اولیاءؑ کے متعلق اس طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ کام کرتا تو اللہ ہے اور اسی کی تخلیق سے امور سرانجام پاتے ہیں لیکن یہ حضرات ان امور کے وسائل ہیں۔ والتفصیل فی کتب اہلسنّت)

عقیدہ : اہلِ عرب (جاہلیت کے لوگوں) کا عقیدہ تھا کہ بارشیں اور ہوائیں، اور گرمی سردی انہی ستاروں کے سقوط یا طلوع کی وجہ سے ہوتی ہے، اس لیے کہ جس ستارے کی تاثیر ہوتی ہے اسی دور میں اس کی شاہی ہوتی ہے۔

حلِ لغات : نَوْءًا بہ الحمل بمعنے اثقلہ سے ہے۔ اور النوء وہ ستارہ جو غروب کی طرف مائل کرے، اور جو شخص اپنی طلب میں کامیاب نہ ہو اس کے لیے کہا جاتا ہے : اخطأ نوئُک۔

حدیث شریف میں ہے :
ثلاث من امر الجاهلية الطعن فی الانساب والنياحة والانواء۔

(زمانۂ جاہلیت کی تین رسمیں ہیں :

۱۔ انساب پر طعن و تشنیع

۲۔ بین کرنا

۳۔ ستاروں کو اپنے امور میں موثر سمجھنا۔

حدیث شریف : حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صبح کی نمازِ حدیبیہ میں بادلوں کے سایہ میں نماز ادا فرمائی۔ فراغت کے بعد آپ نے صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ تمھارے رب تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ انھوں نے عرض کی، اللہ ورسولہ اعلم۔ (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : میرے بندے میرے اوپر ایمان بھی لاتے ہیں اور میرے ساتھ کفر بھی کرتے ہیں ان میں جو کہتا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت سے بارش نصیب ہوئی ہے تو ایسا بندہ میرے اوپر ایمان رکھتا ہے اور ستاروں سے کفر کرتا ہے۔ اور ان میں جو یہ کہتا ہے کہ ہمیں بارش ملی ہے نو ستاروں سے، تو ایسا شخص میرے ساتھ کفر کرتا ہے اور ستاروں پر ایمان رکھتا ہے (کذا فی کشف الاسرار)

marfat.ocm

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ برے اعتقاد سے بچے اور عقیدہ رکھے کہ ہر شے کا مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے ۔ اسی کے حکم سے بارش نازل ہوتی ہے اور وہی اسے بعض شہروں میں نازل کرتا ہے اور بعض سے بند رکھتا ہے ۔ بعض اوقات میں برساتا ہے اور بعض اوقات روکتا ہے کبھی زور سے برساتا ہے کبھی آہستہ ، اس میں اس کی ہزار مصلحتیں اور بے شمار مصلحتیں ہوتی ہیں ۔

ف : ملائکہ کرام کو معلوم ہوتا ہے کہ اس سال کتنے قطرے زمین پر برسائے جائیں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مقررکردہ مقدار کو نہیں گھٹاتا ۔ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ کن کن شہروں میں بارش ہوگی ۔

حدیث شریف رات اور دن کی کوئی گھڑی ایسی نہیں ہوتی جس میں آسمان سے بارش نہ برسے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے کہ وہ جہاں چاہے بارش برسائے ۔ یہ حدیث مرفوع ہے ۔

حدیث شریف ہر سال کی بارش کی مقدار برابر ہوتی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ جس علاقہ کے لوگوں کے جرائم و معاصی زیادہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوتا ہے تو ان کے علاقہ کی بارش دوسرے علاقہ میں برسائی جاتی ہے یا پھر جنگلوں اور دریاؤں میں ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

تو بزن یا ربنا آب طہور

تا شود این نار عالم جملہ نور

آب دریا جملہ در فرمان تست

آب و آتش اے خداوندان تست

گر تو خواہی آتش آب خوش شود

ور نخواہی آب آتش ہم شود

ایں طلب از ما ہم از ایجاد تست

رستن از بیداد یارب یاد تست

ترجمہ : یارب پاک پانی مار تاکہ اس عالم کی نار نور ہو جائے ۔

۲ ۔ دریا کا پانی تیرے فرمان میں ہے اے اللہ والو ! یہ پانی اور آگ تیرے ہیں ۔

۳ ۔ اگر چاہتے ہو کہ آگ پانی ہو جائے اور چاہتا ہے کہ پانی آگ ہو جائے ۔

۴ ۔ یہ طلب بھی تیری ایجاد ہے بیداد سے نجات تیری یاد سے ملے گی ۔

وَلَوْ شِئْنَا اگر ہم چاہیں **لَبَعَثْنَا** تو بھیج دیں ۔ المفردات میں ہے کہ البعث بمعنے شے کو برانگیختہ اور کسی شے کی طرف

marfat.com

متوجہ کرنا فِیْ کُلِّ قَرْیَۃٍ ہر گاؤں میں ۔ دراصل القریہ اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں نَذِیْرًا ۂ منذر یعنی ڈرانے والا ، یہ الانذار سے ہے بمعنے ایسی خبر دینا جس میں خوف ہو اور خبر دینے والا بھی رسول علیہ السلام ہو۔ یعنی آپ کو کل کائنات کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہے ۔ یہ صرف آپ کی عزت افزائی اور تمام رسل کرام علیہم السلام پر آپ کو فوقیت بخشنے کے لیے ہے ورنہ ہم اگر چاہتے تو ہر بستی کا علیحدہ علیحدہ رسول بھیجتے ، اس سے آپ سے نبوت و رسالت کے امور کا بوجھ ہلکا ہو جاتا لیکن چونکہ آپ ختم المرسلین ہیں اسی لیے آپ کو تا قیامت کُل کائنات کے ذرّے ذرّے کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہے ۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کا بیان ہے اور خاص بندوں کو اپنے محبوب علیہ السلام کی شانِ اقدس کے متعلق تنبیہ ہے اس کی قدرت کا اظہار تو بایں معنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اس سے فلاسفر کا رد ہے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کو بعض امور کا قادر نہیں مانتے ۔ اسی طرح طبائعیہ یعنی جاہل صوفیوں کا رد ہے ۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اربابِ نبوت وُہ ہو سکتے ہیں جنہیں اتصالِ الٰہی حاصل ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ان کی غلط فہمی ہے اس لیے کہ میں قادر ہُوں اپنے بندوں سے نبی بنانے پر ، اور اپنی مرضی سے کام کرنے پر ۔

فلاسفہ اور جہال صوفیہ کا رد ایسے جاہلوں کا رد موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے واضح ہوتا ہے ۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ امت کے کثرتِ سوال سے تنگ آکر اللہ تعالیٰ سے شکایت کی اس پر اللہ تعالیٰ نے آنِ واحد میں بنی اسرائیل سے ایک ہزار آدمیوں کو نبی منتخب فرما دیا اس پر بنی اسرائیل کے باقی لوگ ان انبیاء علیہم السلام کے ہاں چلے گئے اس سے موسیٰ علیہ السلام کو ملال ہُوا اور عرض کیا ، یا اللہ ! میں اس کی طاقت نہیں رکھتا ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو آنِ وحدت میں موت دے دی اس سے موسیٰ علیہ السلام کی عزت و عظمت کا اندازہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی خاطر داری کتنی مطلوب تھی ۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان جب موسیٰ علیہ السلام کی عزت و عظمت کا یہ حال ہے تو ان سب اور ہم سب کے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم (جو خود موسیٰ علیہ السلام کے بھی آقا ہیں) کی عزت و عظمت کو خود سمجھے کہ آپ کو نبوت میں منفرد مقام حاصل ہے اور نبوت میں فضیلت کا یہ عالم ہے کہ عالمِ کائنات کے ذرہ ذرہ کے نبی مرسل ہیں ۔ آپ کی تشریف آوری سے جملہ سابق شرائع منسوخ ہو گئیں اور آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو گیا اور آپ کی کتاب (قرآن مجید) ہر طرح کی تغییر و تبدیل سے محفوظ کر لیا گیا اور آپ کی ملت ... کو تا قیامت جاری و ساری رکھا گیا ۔

ف : آیت میں اپنے مخصوص بندوں کو بھی ادب سکھایا گیا ہے اس لیے کہ جب اپنے حبیب علیہ السلام سے

marfat.ocm

یُوں خطاب فرمایا؛

ولوشئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک ۔ ترجمہ: اگر ہم چاہیں تو اسے لیجائیں جو تمہاری طرف وحی کی گئی ۔

تو پھر باقیوں کی کیا مجال کہ دم مار سکیں۔ اس میں انھیں اشارہ ہے کہ وُہ اگرچہ گناہوں سے معصوم و محفوظ سہی لیکن انھیں اپنے اعمال پر نظر نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی ان سے عجب کرنا چاہیے بلکہ انھیں ہر وقت فضلِ الٰہی اور لطفِ حق کو مدِّ نظر رکھنا لازمی ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے مخصوص بندوں کو معصوم و محفوظ رکھے اس لیے انھیں شدید تاکید فرمائی کہ وہ صرف اسی کی طرف متوجہ ہوں یہاں تک کہ درمیان سے دُوئی کو اٹھا دے۔

تفسیر عالمانہ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ ان کافروں نے آپ کو اپنے معبودوں کی پرستش کے لیے دعوت دی تو آپ ان کی دعوت قبول نہ کیجئے اور نہ ہی ان کے آباء کے دین کی اتباع کیجئے بلکہ آپ ان کی سخت گرفت فرمایئے، معمولی جھکاؤ کا بھی اظہار نہ فرمایئے بلکہ اپنی دعوت اسلامی پر مضبوطی کیجئے اور اظہارِ حق میں مکمل جدوجہد فرمایئے۔

وَجَاهِدْهُمْ اور ان کے ساتھ جہاد فرمایئے اور کوشش کو بڑھایئے۔ الجہاد والمجاھدہ بمعنے دشمن کی مدافعت میں اپنی جملہ طاقت کو خرچ کر دینا بِهٖ قرآن مجید کی تلاوت کے ذریعے یعنی قرآنی مواعظ و امم سابقہ کے مکذبین کے جملہ حالات انھیں سنایئے جِهَادًا كَبِيْرًا بہت بڑا جہاد کہ اس میں معمولی سستی و کاہلی بھی نہ ہو۔ اس لیے سفہاء کو دلائل و براہین سے سمجھانا اعداء کے ساتھ تلوار کے ذریعے لڑنے سے زیادہ اہم ہے۔

سوال: تم نے یہاں پر جہاد سے دلائل و براہین قائم کرنا مراد لیا ہے حالانکہ جہاد سے تو علی الاطلاق قتال بالسیف مراد ہوتا ہے۔

جواب: قتال بالسیف کے جہاد کا حکم ہجرت کے بعد نازل ہُوا اور یہ سورۃ مکیہ ہے اس لیے لازماً وہی معنیٰ کرنا پڑے گا جو ہم نے اُوپر بیان کیا ہے۔

مسئلہ: امام راغب نے فرمایا کہ جہاد جیسے تلوار سے ہوتا ہے ایسے ہی ہاتھ اور زبان سے بھی ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

جاھدوا الکفار بایدیکم و السنتکم ۔
(کافروں سے ہاتھ اور زبان سے لڑو)

اور حدیث کے آخر میں ہے؛

جاھدوا المشرکین باموالکم و انفسکم و السنتکم ۔
(مشرکین سے مال اور نفوس اور زبانوں سے لڑو)

marfat.com

ف : زبان سے لڑنے کا معنی یہ ہے کہ اُن کی خرابیوں کو اُنھیں زبانی سمجھاؤ اور ان کی ہجو کرو اگروہ ہجو سے باز آتے ہیں۔ ان کے ساتھ سخت کلامی کرو اگروہ سخت کلامی سے ہی مانتے ہیں، وغیرہ (کما فی مشارع الاشواق)

ف : فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ لفظ مشرکین میں اہلِ ریا اور اہلِ بدعۃ (سیئہ) کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے اور جاھدوا کا خطاب اہلِ اخلاص اور اہلسنّت کو ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے مخلصو! اور اے اہلسنت! ہر زمانہ میں اہلِ بطلان کا مقابلہ کرو۔ اور یہ حکم بالخصوص اس وقت ضروری ہو جاتا ہے جب اہلِ بطلان کے غلبے کا خوف ہو (بحمدہٖ تعالیٰ ہم اہلسنت (بریلوی مسلک) کے احناف کو خصوصیت حاصل ہے کہ ہم اپنے دور کے تمام بد مذاہب سے ٹکرا جاتے ہیں اور کسی مصلحت سے ہم بد مذہبوں کی تردید سے نہیں رُکتے۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ)

یہی وجہ ہے کہ سلطان ظالم کے سامنے کلمۂ حق کہنے کو افضل جہاد کہا گیا ہے اور یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

افضل الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر۔ ظالم بادشاہ کو کلمہ حق کہنا افضل جہاد ہے۔

نکتہ : بادشاہ ظلم کو کلمۂ حق کہنے کو افضل جہاد اس لیے کہا گیا ہے کہ عام دشمن کے مقابلہ کے وقت انسان کو جہاں مغلوب ہونے کا خوف ہوتا ہے وہاں پر غالب ہونے کی بھی امید ہوتی ہے لیکن ظالم کے سامنے حق کہنے کے وقت تباہی و ہلاکت کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہوتا اس لیے کہ ظالم اپنے نفسِ شریر کا بندہ ہوتا ہے، وہ جُونہی اپنے خلاف کوئی بات سنتا ہے تو کہنے والے کو فوراً اپنے ظلم و قہر کا نشانہ بنا دیتا ہے۔ اسی بنا پر ظالم کو حق کہنے والا جان ہتھیلی پہ رکھ کر حق بولے گا۔ اس معنے پر اس کے حق بولنے کو افضل الجہاد کہا گیا اس لیے کہ یہ اجل الخوف یعنی بہت بڑے خوف کے مقابلے میں اجرِ عظیم ہوگا (کذا فی ابکار الافکار للسمرقندی)

تفسیر صُوفیانہ آیت میں نفس اور اس کے صفات کی طرف اشارہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے سالک! تم نفس اور اس کی صفاتِ ذمیمہ کی اتباع نہ کرنا بلکہ اس کی خواہش کی مخالفت میں اس کے ساتھ قانونِ قرآن کے مطابق صدق و سچائی کی تلوار سے جہاد کرنا اور اس کی شہوات کو ہرگز پُورا نہ کرنا بلکہ اس کے تعلقات کو منقطع کرنا ہمارے لیے بہت بڑا جہاد ہے خیال رکھنا کسی وقت بھی اس کی معمولی ضرورت و خواہش میں موافقت نہ کرنا ہر وقت عزم بالجزم کر کے اس کی دشمنی میں سر کی بازی لگا دینا اسی طرح حقوق اللہ کی ادائیگی ہوگی یاد رکھنے کسی وقت بھی اس کی طرف منہ پھیر کر نہ دیکھنا بلکہ جہاں تک ہوسکے ماسوی اللہ کے جملہ خطرات دل سے دُور رکھنا۔

مثنوی شریف میں ہے:

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں
ماند خصمی زاں بتر در اندروں

marfat.ocm

۲ کشتن این کار عقل و ہوش نیست
شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست

۳ دوزخست این نفس و دوزخ اژدہاست
کو بدریاہا نہ گردد کم وکاست

۴ ہفت دریا را در آشامد ہنوز
کم نگردد سوزش آں خلق سوز

۵ قوت از حق خواہم و توفیق و لاف
تا لبسوزن برکنم ایں کوہ قاف

۶ سہل شیری دانکہ صفہا بشکند
شیر آنست آنکہ خود را بشکند

ترجمہ
۱۔ اے یارو ہم تو باہر والے دشمن سے لڑ رہے ہیں۔ بدترین دشمن تو ہمارے اندر ہے۔
۲۔ اس کا مارنا عقل وہوش کا کام نہیں اندر کا شیر خرگوش کے تابع نہیں ہو سکتا۔
۳۔ یہ نفس دوزخ ہے اور دوزخ بھی بڑا اژدہا کی طرح کہ وہ کئی دریاؤں سے بھی کمی نہیں ہو سکتی۔
۴۔ سات دریا پی جائے تو تاہنوز خلق سوز سوزش کم نہ ہوگی۔
۵۔ حق تعالیٰ سے قوت وتوفیق وامداد چاہتا ہوں تاکہ سوئی سے کوہ قاف کو اکھیڑ لوں۔
۶۔ صفوں کو توڑنے والا شیر بننا آسان ہے شیر وہ ہے جو خود کو شکست دے۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ یہ مرج الدابۃ سے ہے بمعنے خلاھا وارسلھا ترعی۔ اس کو چھوڑ دیا لیکہ وہ چرتی ہے۔ یا مرج امرھم سے ہے بمعنے اختلط۔ البحر اکثر لوگوں کے نزدیک بہت زیادہ پانی کو کہا جاتا ہے وہ میٹھا ہو یا کڑوا۔ در اصل اس مکان واسع کو کہا جاتا ہے جو بہت زیادہ پانی کا جامع ہو۔ (کذافی المفردات)

اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے دو دریاؤں کو اپنے جاری ہونے کی جگہ ایسے چھوڑ دیا جیسے گھوڑوں کو چراگاہ میں چھوڑا جائے درانحالیکہ وہ آپس میں ایسے مل کر چلنے والے ہیں کہ ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے اور نہ ہی ایک دوسرے ملتبس ہوتے ہیں باوجودیکہ آپس میں ایک دوسرے کے بالکل قریب ہیں لیکن ان کا آپس کا بُعد بھی ظاہر ہے۔ ان کے متقارب ہونے کے اشارہ پر حرف قرب مصرح ہے۔ چنانچہ اسے مقید پر محمول کرنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ فرمایا: مرج البحرین یلتقیان۔

marfat.com

هٰذَا عَذْبٌ یہ حال ہے یہاں مقولاً محذوف ہے یعنی درانحالیکہ کہا جائے گا کہ یہ میٹھا ہے فُرَاتٌ پینے کے لحاظ سے خوشگوار ہے کہ اس کے پینے سے پیاس بجھ جاتی ہے بوجہ اس کے میٹھا ہونے کے۔ یہ عذبٌ کی صفت ہے اور اس کی تاء اصلیہ ہے۔

ف: علامہ طیبی نے فرمایا کہ یہ اس نام سے اس لیے موسوم ہوا ہے کہ یہ پیاس مٹاتا ہے، بمعنے الکسر، اسی معنے کے اعتبار سے کہ وُہ پیاس کو قلب سے کاٹ دیتا ہے اس کا کسر سے مشتق ہونے کے لیے کافی ہے یہ اشتقاقِ کبیر میں داخل ہے جیسے جبذ' جذب سے، اشتقاق سے اشتقاق کبیر ہے۔ اسی سے کوفہ کی نہر فرات مشتق ہے یہ ایک بہت بڑی نہر ہے جس کا مخرج ارمینیہ ہے اور اس کا اصل ملکوت ہے۔ وہ جابلقا کی ایک بستی ہے۔ یہی نہر وہاں سے کُوفہ میں پہنچتی ہے، اس کا آخر کا ایک حصہ دجلہ میں ہے دُوسرا بحر فارس میں ہے۔

وَهٰذَا مِلْحٌ اور یہ دُوسرا دریائے شور ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ ملح سے وُہ پانی مراد ہے جس کے ذائقہ کا تغیر معروف ہے اور منجمد ہے اہلِ لغت کہتے ہیں مَلَحَ، یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شے کا ذائقہ متغیر ہو جائے اگر منجمد نہ ہو تو کہا جائے گا: ماء ملح۔ اہلِ عرب ماء مالح بہت تھوڑا استعمال کرتے ہیں۔ اُجَاجٌ ط بہت زیادہ کڑوا۔ یہ ملح کی صفت ہے۔

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اسی دریا کو نہایت سخت کڑوا پیدا فرمایا یہاں تک کہ پینا تو در کنار مُنہ میں ڈالنا تک مشکل تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے میٹھا پانی نازل فرمایا۔ یہ نہروں، دریاؤں، کنوؤں، چشموں کا میٹھا پانی وہی آسمانی پانی ہے جب قیامت قریب ہوگی تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو تھال دے کر بھیجے گا اس تھال کی عظمت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے وہ فرشتہ تمام نازل کردہ پانی اسی تھال میں جمع کر کے بہشت میں لے جائے گا۔ **اعجوبہ**

ف: ماء البحر کے کڑوے پن کے متعلق اختلاف ہے بعض نے کہا کہ جب وہ کافی دیر ٹھہرتا ہے تو اسے سورج کی گرمی جلاتی ہے تو وُہ پانی کڑوا ہو جاتا ہے۔ اس کے لطیف اجزاء کو ہوا جذب کر لیتی ہے اس کے غلیظ اجزاء باقی رہ جاتے ہیں زمین کی رطوبت اس کا بقیہ ہیں۔ بعض نے کہا کہ دریا کے اندر چند جڑیں ہیں جو دریا کے پانی کو متغیر کر دیتی ہیں۔ اس معنے پر وہ سخت کڑوا ہوتا ہے۔

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا اور ان دو دریاؤں کے درمیان میں بنائی بَرْزَخًا اپنی قدرت سے ایک آڑ اور حاجز جو کسی کو نظر نہیں آتا وَحِجْرًا مَّحْجُوْرًا، الحجر بمعنے المنع اور المحجود بمعنے الممنوع، اور یہ الحجر کی صفت تاکیدی ہے جیسے لیل الیل میں الیل لیل کی اور یوم الیوم میں ایوم، یوم کی صفت تاکیدی ہے یہ استعاذہ کا کلمہ ہے جیسے اسی سورت میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہاں پر تشبیہ کے طور پر واقع ہوا ہے۔ یعنی اس میں تنافر بلیغ ہے، گویا وہ ہر ایک ایک دوسرے اسی کلمہ سے پناہ مانگتا ہے اور کہتا ہے تجھ پر حرام ہے کہ تو مجھ پر غلبہ

marfat.ocm

کرسکے اور میری صفت وکیفیت کو زائل کرسکے۔

ف : اکثر اہلِ تفاسیر فرماتے ہیں کہ بحرین سے بحر فارس و بحر روم مراد ہیں اس لیے کہ یہ دونوں بحر محیط میں ملتے ہیں یہی ان دونوں کے ملنے کی جگہ ہے۔ سورۂ کہف میں مجمع البحرین سے یہی جگہ مراد ہے لیکن اس سے لازم ہے کہ ایک میٹھا ہو اور دُوسرا کڑوا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ اس میں میٹھے دریا کا یہاں وجود ہی نہیں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ دونوں دریائے محیط کی دو جھیلیں ہیں وُہ یہاں کڑوا ہے اگرچہ اس کا اصل میٹھا ہے۔ (کذا قال فی فتح القریب عند قولہٖ تعالیٰ :

وکان عرشہ علی الماء۔

یہاں پر الماء سے میٹھا دریا مراد لیا ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا تو دریائے محیط کو زمین سے علیحدہ کر لیا اور وہ جملہ زمین کو ایسے محیط ہے جیسے آنکھ میں سیاہ حصّے کو سفید حصہ محیط ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تمام نہروں کو ایک میٹھا دریا کہا جائے اس لیے کہ ہر بڑی نہر کو بھی دریا کہا جا سکتا ہے (کذا فی مختار الصحاح) جیسے بغداد کے دجلہ کو نہر کہا جاتا ہے جسے دریائے فارس میں ملایا جاتا ہے باوجود انیہمہ اس کا عمق کئی میلوں تک پھیلا ہُوا ہے اور اس کا ذائقہ کبھی متغیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح نہر طبریہ کہ اس کا ایک حصہ ٹھنڈا ہے اور دوسرا گرم۔ لیکن کیا مجال ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے میں مل جائے۔ آیت میں بہتر ہے کہ اسے دریائے نیل اور بحر اخضر پر محمول کیا جائے۔ بحر اخضر سے دریائے فارس مراد ہے، اور یہ بحرِ ہند کا ایک شعبہ ہے اور یہ بھی دریائے محیط سے متصل ہے اور بحر فارس کڑوا ہے اور یہ عجائبات کے اظہار میں مشہور ہے اسی میں موتی بنتے ہیں اور موتی دریائے شور میں بن سکتے ہیں اور دریائے زنگ کے ملنے سے پہلے دریائے اخضر میں داخل ہوتا ہے۔ السمرج کا یہی معنی ہے۔ اگر دریائے نیل اس میں نہ ملتا تو اسے کوئی بھی نہ پی سکتا کیونکہ دریائے اخضر حد سے زیادہ کڑوا ہے (کذا فی انسان العیون)

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ دریائے سیحون وجیحون ونیل وفرات جبل عالی سے زبرجد خضرا سے نکل کر بحر مظلم پر چلتا ہے اور وہ شہد سے میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے لیکن اس کے جاری ہونے کی جگہیں متغیر ہو جاتی ہیں اس پر بحر ملح ہے بحر الملح سے بحر ظلمۃ مراد جسے بحر محیط غربی کہا جاتا ہے اسے المظلم اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی آواز ہولناک ہے اور اس سے بڑی بڑی موجیں اُٹھتی ہیں جو بڑی سخت ہوتی ہیں اللہ ہی جانے اس کے اگلے کنارے کے بعد کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ میٹھا اور کڑوا پانی دریا میں جمع ہوتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ میٹھا پانی اوپر ہوتا ہے اور کڑوا نیچے۔ لیکن یہ دوسرے پر غلبہ نہیں پاسکتے۔ یہی حجراً محجوراً کا معنٰے ہے یہ قول اس کے مخالف ہے جو بعض نے کہا ہر نہر کا ابتدائی کنارہ پہاڑوں سے شروع ہوتا ہے اور پھر وُہ جمع ہو کر دریاؤں میں پہنچتی ہیں ان کی گزرگاہوں میں پتھروں کے ٹکڑے اور جھیلیں واقع ہوتی ہیں جب وُہ نہریں دریائے شور میں گرتی ہیں اور ان پر سورج کی روشنی پڑتی ہے تو آسمانی فضا میں بخار اٹھتا ہے، پھر بادل بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہروں کے گرنے سے دریاؤں کے پانی میں اضافہ

marfat.com

نہیں ہوتا۔ اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ میٹھا پانی دریا کے اُوپر کے حصے میں اور کڑوا نچلے حصے میں ہوتا ہے اس لیے کہ میٹھا پانی خفیف اور کڑوا ثقیل اور بوجھل ہوتا ہے، اور خفیف کا میلان اوپر کو ہوتا ہے۔

ف : وہب نے کہا ہے کہ مچھلی اور بیل دریا کے اس پانی کو پی جاتے ہیں جو زمین کے پانیوں سے زاید پانی دریا میں پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت تک دریاؤں میں پانی اپنی مقدار سے نہیں بڑھتا۔ اور قدرتِ حق کی کوئی انتہا نہیں۔

اعجوبہ علماء فرماتے ہیں کہ بحیرہ تنیس ایک ششماہی میٹھا ہوتا ہے دوسری ششماہی کڑوا۔ اس کا یہ حال ہمیشہ رہا اور رہے گا۔

تفسیر صوفیانہ کاشفی نے لکھا کہ محققین صوفیہ نے فرمایا کہ بحرین سے وہ خوف ورجا مراد ہے جو مومن کے قلب میں ہے کہ ان دونوں کو ایک دُوسرے پر غلبہ نہیں ہوتا۔ اگر خوف ورجا کو تولا جائے تو دونوں کا وزن یکساں ہوگا۔

ف : کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ بحر ملوح عذوبۃ نہیں اور نہ ہی ملح میں ملوحت ہے اصلی جوہریۃ میں دونوں برابر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دو الگ الگ متغایر صفتیں پیدا فرمائی ہیں اسی طرح انسانی قلوب کا حال ہے کہ ان میں بعض یقین وعرفان کا معدن ہیں اور ان کے بعض شکوک وکفران کا مرکز۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ دریا صرف دو ہیں:

۱- بحر المعرفۃ

۲- بحر النکرہ

پہلے کو بحر الصفات کہا جاتا ہے اس سے ارواح وقلوب وعقول پر لطائف کا فیضان ہوتا ہے اور یہ عارفین کا حصہ ہے۔ دوسرا بحر الذات ہے یہ کڑوا بایں معنیٰ ہے کہ اس کو قلوب وارواح وعقول حاصل نہیں کر سکتے، اور نہ ہی اس میں کسی نے قدم رکھا ہے۔ اس معنے پر یہ بحر النکرہ ہے۔ ان کے درمیان مشیتِ الٰہی کی آڑ ہے کہ وہ بحرِ صفات کو بحر ذات سے ملنے نہیں دیتی اور نہ ہی بحر الذات والے بحرِ صفات والوں کی طرف جا سکتے ہیں نیز یہ بھی ہے کہ اہلِ معرفت قلوب انوار موافقات سے منور ہیں اور بحر اہلِ نکرہ کے قلوب ظلمۃ مخالفات سے تاریک ہیں ان کے درمیان عوام کے قلوب میں انھیں نہ درود کی خبر نہ وصول کا پتا، نہ انھیں خطاب نہ جواب۔ مثنوی شریف میں ہے، ؎

۱ ماہیاں را بحر نگزارد بروں
خاکیاں را بحر نگزارد دروں

۲ اصل ماہی زآب وحیواں از گلست
حیلہ وتدبیر ایں جا باطلست

marfat.ocm

۴ قفل زفتست وکشایندہ خدا

دست در تسلیم زن اندر رضا

ترجمہ : ۱. مچھلیوں کو دریا باہر نہیں جانے دیتا۔ خاکیوں کو وہ اپنے اندر نہیں رہنے دیتا۔

۲. مچھلی کا اصل پانی اور دوسرے بعض حیوان کا اصل گل ہے۔ حیلہ و تدبیر اس جگہ باطل ہے۔

۳. تالہ بند ہے اسے خدا کھولے۔ رضا و تسلیم کو ہاتھ میں لے۔

قطرہ با قلزم چہ استیزہ کند

ابلہست او ریش خود بر مے کند

ترجمہ : قطرہ دریائے قلزم سے کیا لڑائی کرے ایسا انسان بے وقوف ہے جو اپنے سے زائد طاقت والے کے ساتھ لڑائی کر کے اپنی داڑھی نوچتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ فیاض وہاب سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے بحر فیض کثیر اور عطائے وفیر میں داخل فرمائے۔ اور وہ اس پر قادر بھی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ اور اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا مِنَ الْمَآءِ اس پانی سے جس سے آدم علیہ السلام کا گارا گوندھا گیا، یا اس سے نطفہ مراد ہے بَشَرًا آدمی کو۔ بشر، بشرۃ سے ہے بمعنے ظاہر الجلد [اس معنے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر ہیں، ہمیں اس سے انکار نہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام بشر تو ہیں لیکن آپ کی حقیقت نور ہے][1] جیسے لفظ ادمہ (محرکۃ) جلد کے اندر کے اس حصہ کو کہا جاتا ہے جو گوشت سے متصل ہے۔ اور انسان کو بشر بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا چمڑا بالوں سے ظاہر ہے بخلاف دیگران حیوانات کے کہ جن کے چمڑے پر اُون یا بال وغیرہ ہیں جیسے بھیڑ بکری، اونٹ وغیرہ۔ اور قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ بشر آیا ہے وہاں یہی معنیٰ مراد ہے اس میں واحد و جمع یکساں ہیں۔ فَجَعَلَهٗ یہ ضمیر البشر کی طرف راجع ہیں یا الماء کی طرف۔ نَسَبًا وَّصِهْرًا ط یعنی پھر اس بشر یا پانی کو دو قسم بنایا:

(۱) دو نسب یعنی وہ نرینہ رشتہ، جس کی طرف باقی سب منسوب ہوں۔ مثلاً کہا جائے فلان بن فلان اور فلانۃ بنت فلان ؎

فانما امہات الناس اوعیۃ مستودعات وللآباء ابنا

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

ترجمہ: لوگوں کی مائیں برتن اور امانت کی جگہ ہیں اور ابنا، آبا کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

(۲) زنانہ رشتہ، کہ جن سے مردوں کے اختلاط سے نسل میں اضافہ ہو۔ کما قال تعالیٰ:

فجعل منہ الزوجین الذکر والانثیٰ۔ ترجمہ: تو بنایا اس سے جوڑا نر اور مادہ۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ نسب ماں باپ کے اشتراک سے ہوتا ہے، یہ دو قسم ہے:

(۱) نسب بالطول جیسے آباؤ ابنا کے درمیان اشتراک۔

(۲) نسب بالعرض جیسے اخوۃ و بنی العم کے مابین نسبت کو کہا جاتا ہے۔ نسیب فلان بمعنے فلان اس کا قریبی رشتہ دار ہے۔ الصھر بنت الرجل کے شوہر یعنی داماد کو کہا جاتا ہے، اسی طرح بہن کا شوہر (بہنوئی) بھی الصھر میں شامل ہے (کذا فی القاموس) اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

ف: تاج المصادر میں ہے کہ المصاھرۃ بمعنی کسی کے ساتھ رشتہ قائم کرنا۔

وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ○ اور تیرا رب بہت قدرت والا ہے کہ اس نے صرف ایک مادہ سے ان گنت انسان پیدا فرمائے، پھر ان کے اعضا اور طبائع بھی مختلف ہیں اور ان کی دو متقابل اقسام بنائیں، کبھی ایک ہی مادہ سے جوڑا (نر، مادہ) پیدا فرماتا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں مرقوم ہے کہ یہ آیت حضور علیہ السلام اور حضرت علی و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوئی جب حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عزاد اور داماد تھے۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسباً میں شامل تھے اور صھراً میں بھی۔ یہ ابن سیرین کا قول ہے۔

نکاحِ فاطمہ وعلی رضی اللہ عنہما عرشِ بریں پر

ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ میں خوشبودار پھول تھا آپ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے سلمان! جاؤ، علی (رضی اللہ عنہ) کو بلا لاؤ۔ حضرت سلمان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ آپ کو حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں۔ حضرت علی نے پوچھا: کیوں؟ اور آپ کیا فرماتے ہیں؛ اور آپ کس حالت میں ہیں؟ اس نے عرض کی: ہشاش بشاش اور شاداں و فرحاں۔ اس وقت ایسا لگتا تھا جیسے آپ کا چہرۂ منور ماہِ تاباں اور شمعِ فروزاں ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، حضور اکرم نے وہی خوشبودار پھول حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس پھول کی بہت اچھی خوشبو ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پھول اُن پھولوں میں سے ایک ہے جو حوران بہشتی نے میری لختِ جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت برسائے۔

marfat.ocm

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کا عقد کس کے ساتھ ہوا؟ آپ نے فرمایا: آپ کے ساتھ اے علی! (رضی اللہ عنہ)۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ میں مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک فرشتہ حاضر ہوا جسے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا میں نے اس کا نام پوچھا تو اس نے اپنا نام 'محمود' بتایا۔ اس نے عرض کی میں تیسرے آسمان کے فلاں مقام پہ رہتا ہوں شب کا باقی تہائی حصہ رہتا تھا کہ مجھے آسمان کے طبقات سے ایک آواز سنائی دی جس میں تمام طبقات کے ملائکہ مقربین و روحانیین و کروبیین کو چوتھے آسمان کے ایک خاص مقام پر جمع ہونے کا حکم ہوا، وہ حسب الحکم جمع ہو گئے۔ اسی طرح مقعدِ صدق اور تمام بہشت اور جنۃ الفردوس وغیرہ کے ملائکہ اور جنۃ عدن وغیرہ کے اعلیٰ درجات کے فرشتے جمع ہوئے، حکم ہوا کہ اے مقربانِ بارگاہ! اور اے خاصانِ بادشاہِ حقیقی! سورۂ ھل اتیٰ علی الانسان پڑھو۔ سب نے مل کر نہایت خوش الحانی سے مذکورہ سورت پڑھی۔ پھر شجرِ طوبیٰ کو حکم ہوا کہ وہ اپنے اور بہشت کے خوشبودار پھول برسائے تاکہ فاطمہ و علی رضی اللہ عنہما کا نکاح پڑھا جائے۔ چنانچہ بہشت کے تمام درختوں اور طوبیٰ نے پھول برسائے۔ پہلے بتایا گیا ہے کہ طوبیٰ درخت کا پتہ پتہ بہشت کے تمام مکانات کے چپہ چپہ سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ طوبیٰ درخت نے حرکت کی تو بہشت کے مروارید اور موتی اور بہترین زیورات جھڑ پڑے۔ اس کے بعد حکم ہوا کہ ایک منبر لائیے جو کہ طوبیٰ کے درخت کے ایک زبرجد کے موتی کا دانہ تھا، اسے وہاں بچھایا گیا اور ساتویں طبقہ کا ایک حیل نامی فرشتہ بلایا گیا جو تمام ملائکہ سے فصیح ترین اور قادر الکلام فرشتہ ہے وہ اسی منبر پر تشریف لایا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور پیغمبرانِ عظام پر درود بھیجا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل و میکائیل علیہما السلام کو بلا واسطہ بلا کر گواہ بنایا اور فرمایا کہ میں نے فاطمۃ الزہرا اور علی رضی اللہ عنہما کا عقد نکاح کیا اور میں ہی ان دونوں کا متولی ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جنات عدن کے نیچے سے ایک بہترین اور روشن ترین بادل کو فرمایا کہ وہ موتیوں کی بارش برسائے۔ اس کے بعد جملہ رضوان و ولدان و حورانِ بہشت نے موتی نچھاور کیے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے یہی خوشخبری اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھجوائی اور فرمایا کہ میں نے فاطمہ و علی رضی اللہ عنہما کا عقد آسمان پر کر دیا آپ ان کا عقد زمین پہ کیجئے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتے کا بیان سن کر تمام مہاجرین و انصار کو بلایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منہ کر کے فرمایا: اے علی (رضی اللہ عنہ)! یہی حکم مجھے آسمان سے پہنچا ہے، میں نے فاطمہ کا نکاح تم سے کر دیا آپ چار درہم مہر ادا کیجئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے قبول کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بارك الله فيكما (اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو برکت دے)[1]

ف: انسان العیون میں لکھا ہے کہ یہ نکاح ہجرت کے دوسرے سال ہوا اور ماہِ رمضان میں یہ رسم ادا کی گئی۔

---

[1] انسان العیون۔

marfat.com

اس وقت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک پندرہ سال اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک اکیس برس اور پانچ ماہ تھی۔ ولیمہ میں ایک بکرا ذبح کیا گیا جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ چند سیر جوار کی روٹیاں پکائی گئیں۔ اس وقت انصار کی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی۔

صحابۂ کرام کے تعلقات کا نمونہ

مروی ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو بی بی صاحبہ خاموش ہوگئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ بیٹی! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے ساتھ عقد نکاح کی درخواست کی ہے آپ کی کیا مرضی ہے۔ یہ سن کر بی بی صاحبہ رو پڑیں اور عرض کی: ابا جان! آپ مجھے قریش کے غریب ترین انسان سے نکاح کے لیے فرماتے ہیں[1]۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹی! میں نے خود نہیں فرمایا مجھے تو آسمان سے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا ہے۔ بی بی صاحبہ نے عرض کیا: تو پھر میں ویسے ہی راضی ہوں جیسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہیں۔ اس سے قبل ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بی بی صاحبہ کے عقد کے لیے عرض کیا تھا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسے حکمِ ربانی ہوگا میں بھی انتظار کرتا ہوں تم بھی انتظار کرو۔ اس کے بعد حضرت علی کو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ نے مشورہ دیا کہ آپ بھی حضور علیہ السلام سے بی بی فاطمہ سے نکاح کی درخواست کیجئے۔ حضرت علی رضی اللہ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے دونوں حضرات سے فرمایا کہ آپ حضرات نے مجھے ایسے امر کا مشورہ دیا جس کا مجھے خیال تک نہ تھا۔ اس کے فوراً بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد نکاح میرے ساتھ کر دیجئے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ کے پاس مال کتنا ہے؟ عرض کی: ایک گھوڑا اور ایک زرہ۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: گھوڑے کی تو آپ کو جہاد کے لیے ضرورت پڑے گی البتہ اپنی زرہ بیچ ڈالیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ چار سو اَسّی درہم میں بیچ ڈالی اور وہ دراہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے وہ دراہم لے کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بازار سے خوشبو وغیرہ خرید لائیے۔ پھر حضور علیہ السلام نے نکاح کا خطبہ پڑھا جس کے الفاظ مبارک یہ تھے:

الحمد للہ المحمود بنعمتہ المعبود بوحدتہ الذی خلق الخلق بقدرتہ ومیزھم بحکمتہ ثم اُن اللہ تعالیٰ جعل المصاھرۃ نسبا وصھرا وکان ربك قدیرا ثم ان اللہ امرنی ان ازوج فاطمۃ من علی علی اربعمائۃ مثقال فضۃ اُرضیت یا علی۔

---

[1] آپ حیران نہ ہوں کہ بی بی صاحبہ نے یہ کیا کہہ دیا، جو کہا صحیح کہا۔ شیعہ کی روایات دیکھیے جن میں انہوں نے کمال کر دیا۔ دیکھیے جلاء العیون۔ اویسی غفرلہٗ۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر کی کتاب آئینۂ شیعہ نما اور چشمۂ نور افزا۔

marfat.ocm

(جمیع محامد اللہ محمود کے لیے اس کی نعمت کے ساتھ جو وہ وحدانیت میں واحد معبود ہے اور اس نے مخلوق کو اپنی قدرت سے پیدا فرمایا اور انھیں اپنی حکمت سے جدا کیا پھر اللہ تعالیٰ نے مصاہرہ کو نسب وصہر کا سبب بنایا اور تیرا رب قادر ہے۔ اس کے بعد مجھے حکم دیا کہ میں فاطمہ کا نکاح علی (رضی اللہ عنہما) سے کر دوں اور اس سے چار سو مثقال چاندی مہر کے عوض لوں (پھر آپ نے فرمایا) اے علی! تم اس سے راضی ہو)

اس کے بعد حضرت علی نے خطبہ پڑھا:

الحمد لله شكرا لا نعمه و ایادیه واشهد أن لا اله الا الله وحدهٗ لا شريك له شهادة تبلغه و ترضیه -(اس کی نعمتوں پر شکر و حمد ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ایسی جو اس تک پہنچ جائے اور راضی کر دے۔)

شادی کے بعد حصولِ برکت کا طریقہ

جب عقدِ نکاح کی رسم ادا ہو گئی تو حضور علیہ السلام نے کھجور کا تھال منگوایا اور حاضرین کے سامنے رکھ کر فرمایا کہ لے جا کر تقسیم کر دو یہ علی و فاطمہ (رضی اللہ عنہما) کے ولیمہ کی دعوت ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

لاتحدث شيئا حتى تلقاني۔

(میرے حکم کے بغیر کسی سے بات نہ کرنا)

اس کے بعد بی بی اُم ایمن رضی اللہ عنہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو لائیں اور بی بی صاحبہ کو گھر کے ایک کونے میں بٹھا دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر کے دوسرے کونے میں بیٹھے تھے حتیٰ کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا:

ائتني بماء۔ (پانی لائیے)

بی بی شرم وحیا سے کپڑوں میں چھپی چھپی ایک پیالے میں پانی لائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ لے کر اس میں کلی کی اور بی بی صاحبہ کو فرمایا:

لیجئے اس پانی سے اپنی چھاتیوں اور سر پر چھینٹے ماریئے۔

اور فرمایا:

اللهم اني اعيذها بك و ذريتها من الشيطن الرجيم۔

(اے اللہ! میں اسے اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں اور ان کے لیے شیطان رجیم سے پناہ چاہتا ہوں)

بعدہٗ پھر فرمایا:

ائتوني بماء۔ (پانی لائیے)

marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں سمجھ گیا کہ یہ پانی میرے لیے ہوگا۔ اس لیے میں اُٹھا اور پانی کا پیالہ بھر لایا آپ نے اسے لے کر کُلی کر کے پیالے میں ڈال دی اور میرے لیے وہی حکم فرمایا جو فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو فرمایا تھا۔ پھر میرے لیے وہی دُعا مانگی جو فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے لیے مانگی تھی۔ اس کے بعد ہمارے لیے مشترک دُعا مانگی،

اللھم بارک فیھما و بارک علیھما و بارک لھما فی شملھما۔

(اے اللہ! ان دونوں میں اور ان دونوں کے لیے اور ان دونوں کے جماع میں برکت عطا فرما)

پھر سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھیں اور مجھے فرمایا:

ادخل باھلک باسم اللہ و البرکۃ۔ یعنی اپنی اہلیہ کو اللہ کے نام اور اس کی برکت سے لے جا۔

فاطمۃ الزہراؔ و علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کا بستر مبارک

ان دونوں حضرات کا بستر مبارک بکرے کے چمڑے کا تھا، ایک کمبل تھا جسے سر کی طرف کرتے تو پاؤں کی جانب خالی ہو جاتی اور اگر پاؤں کی جانب پُورا کرتے تو سر کی جانب خالی۔ ایک روز بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ ہمارا محض بکرے کے چمڑے کا ایک بستر ہے جسے ہم رات کو آرام کرنے کے لیے بچھاتے ہیں اُسی میں دن کو اونٹ کے لیے گھاس لاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

یا بنیۃ اصبری فان موسیٰ بن عمران علیہ السلام اقام مع امرأتہ عشر سنین لھما فراش الاعباءۃ قطوانیۃ۔

(بیٹی! صبر کیجئے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا بستر دس سال تک صرف ایک قطوانیہ کی عبا تھی اور بس)

ف: قطوانیہ کوفہ کی بستی قطوان کی طرف منسوب ہے۔

ولادت و وصالِ فاطمۃ الزہراؔ رضی اللہ عنہا

نبوت سے پانچ سال پہلے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہُوا۔ آپ کی کل عمر مبارک اٹھائیس سال تھی۔ آپ کے بے شمار مناقب ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کوفہ میں ہُوئی اور آپ کی عمر مبارک ترسیٹھ سال تھی۔ آپ کی نمازِ جنازہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ کو رات کے وقت اندھیرے میں دفن کر کے بنو امیہ کے دور میں آپ کی قبر انور کو پوشیدہ رکھا گیا۔ خلافت بنی العباس کے شروع تک آپ کا مزار پوشیدہ رہا۔ پھر حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ

marfat.ocm

نے بتایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مزار انور فلاں جگہ ہے۔

ف : حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کی حسبِ وصیت پڑھائی تھی۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

یہلك فیك رجلان محب مطر وکذاب مفتر۔

(دو گروہ آپ کی وجہ سے تباہ و برباد ہوں گے:

۱۔ حد سے زائد محبت کرنے والے۔

۲۔ آپ پر جھوٹ باندھنے والے (مفتری) [یعنی شیعہ اور خارجی وغیرہ] کذا فی انسان العیون۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان دو مختلف جنسوں سے مرکب ہے: اس کی ظاہری صورت عالم خلق سے اور اس کی روح عالم امر سے ہے ان کے درمیان نسب و صہر کا رشتہ قائم کیا گیا اس کی نسبت رُوح کی طرف ہے، اور روح اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے کی دلیل آیت ونفخت فیه من روحی ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے:

انا من اللہ والمؤمنون منی۔

(میں اللہ سے ہوں اور مومن مجھ سے ہیں)

اہل اللہ اسی خاص نسب کی طرف منسوب ہیں اور ان کی صہری رشتہ داری ان کی بشریت ہے جسے پانی سے پیدا کیا گیا۔ کما قال:

انی خالق بشرا من طین فاذا سویته ونفخت فیه من روحی۔

(بے شک میں نے بشر کو گارے سے بنا کر اسے برابر کیا پھر اس میں اپنی رُوح پھونکی)

اس میں اللہ تعالیٰ نے دو امر جمع فرمائے۔ عوام انسانوں کو اسی صہری رشتہ داری سے بنایا۔ اسی وجہ سے ان پر خواص بشریت غالب ہے۔ مثلاً حرص و شہوت اور ہویٰ و غضب، انہی وجوہ سے عوام درکات سفلیہ کی طرف دھکیلے جاتے ہیں اور اہل نسب پر روحانیت کے خواص غالب ہوتے ہیں۔ مثلاً شوق، محبت (عشق)، طلب، علم، کرم۔ انہی اسباب سے یہ حضرات درجات علیا پر فائز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ ان دو گروہوں کو دو مختلف طریقوں سے بنائے۔ حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

قرب تو با اسباب و علل نتواں یافت
بہ سابقۂ فضل ازل نتواں یافت

marfat.com

ترجمہ: تیرا قرب اسباب وعلل سے نصیب نہیں ہوتا۔ سابقہ ازل کے بغیر اس کا ملنا محال ہے۔ ہر مقصود کا سوال اور اس کی اُمید اللہ تعالیٰ سے ہی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَيَعْبُدُوْنَ اور مشرک عبادت کرتے ہیں درانحالیکہ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تجاوز کرنے والے ہیں مَا لَا يَنْفَعُهُمْ ایسی چیزوں کی عبادت کرنے میں جو انھیں کسی قسم کا نفع نہیں دیتیں۔ النفع بمعنے ایسی شے کہ جس سے بھلائی تک پہنچنے میں مدد حاصل کی جائے اور اسی کے ذریعہ خیر تک پہنچا جا سکے۔ یہاں پر خیر مراد ہے۔ اس کی نقیض ضُرٌّ آتی ہے وَلَا يَضُرُّهُمْ اور نہ ہی انھیں وہ ضرر پہنچاتے ہیں یعنی اگر ان کی عبادت نہ کی جائے تو انھیں ان سے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا۔ اس سے اصنام مراد ہیں۔ اسی طرح مخلوق میں دیگر وُہ چیزیں جو ان کے حکم میں ہیں اس لیے مخلوق میں کوئی شے مستقل بالذات نہ کسی کو نفع دیتی ہے نہ نقصان[1] اور ظاہر ہے کہ جو مستقل بالذات کسی کو نفع و نقصان نہ پہنچائے تو اس کی عبادت سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس پر کسی معاملہ کا اعتماد نہ ہونا چاہیے اور نہ ہی اس کی اتباع کرنی چاہیے وَكَانَ الْكَافِرُ اور کافر کفر اور حق سے عداوت کی وجہ سے ہے عَلٰى رَبِّهٖ اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ، یعنی وُہ کریم جو نعمتوں سے اپنے بندوں کی تربیت فرماتا ہے یہ ظَهِيْرًا کے متعلق ہے، شیطان کا مددگار۔ یہاں پر ظہیر بمعنے مظاہر یعنی معین و مددگار ہے اور کافر سے جنس کافریا ابوجہل مراد ہے اس لیے کہ اس نے رحمان تعالیٰ کی نافرمانی اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں اصرار پر شیطان کی اعانت کی اور لوگوں کو نبی علیہ السلام کے ساتھ جنگ لڑنے پر ابھارنا وغیرہ بھی شیطان کی اعانت میں شامل ہے وَمَا اَرْسَلْنٰكَ ہم نے آپ کو کسی حال میں نہیں بھیجا اِلَّا مگر اس حال میں کہ آپ مُبَشِّرًا اہلِ ایمان کو جنۃ و رحمۃ کی خوشخبری سنانے والے۔ التبشیر سے مراد ہے ایسی خبر سنانا جس میں سرور و فرحت ہو وَّنَذِيْرًا اور کافروں کو نار و غضبِ الٰہی سے ڈرانے والے۔ الانذار ایسی خبر سنانا جس میں ڈر اور خوف ہو قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ انھیں فرمائیے مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ میں تم سے تبلیغِ رسالت پر کچھ نہیں مانگتا ـــــ

---

[1] یہی قاعدہ ہے جس سے دیوبندی، نجدی، مودودی وغیرہم عمداً چشم پوشی کرتے ہیں یا واقعی جہالت کے شکار ہیں ورنہ ہم اہلسنت کسی نبی ولی کو مستقل بالذات نفع و نقصان کا مالک نہیں بناتے بلکہ مستقل بالذات ماننے والے کو ہم بھی مشرک اور بے دین کہتے ہیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ ہم اہلسنت میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں۔ یہ ان لوگوں کا ہمارے اوپر بہتان و افترا ہے کہ بریلوی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کو مستقل بالذات نفع و نقصان کا مالک مانتے ہیں۔ ہاں ہم بفضلہٖ تعالیٰ انھیں اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے مان کر انھیں اللہ تعالیٰ کے اذن و عطا سے نفع و نقصان کا سبب اور وسیلہ مانتے ہیں اور یہی اسلام کا ضابطہ ہے، ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

تبلیغِ رسالت کا اضافہ ہم نے سابقہ جملہ وما ارسلناك الخ کی وجہ سے کیا ہے مِنْ اَجْرٍ اجر اور مزدوری جو تمہاری طرف سے مجھے حاصل ہو جس کی وجہ سے تم کہو کہ نبی علیہ السلام چونکہ تبلیغِ احکام پر ہم سے مال طلب کرتے ہیں اسی لیے ہم ان کی اتباع نہیں کرتے۔

ف : ہر وہ فائدہ جو انسان کو عمل کرنے پر حاصل ہو اسے اجر کہتے ہیں وہ دنیوی ہو یا اُخروی۔

اِلَّا مَنْ شَآءَ مگر وہ جو ارادہ کرے **اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا** ۝ اپنے رب تعالیٰ کی طرف راہ بنائے، یعنی اس کا مقرب ہو یا اس کے تقرب کا متلاشی ہو اس پر ایمان لا کر یا اس کی اطاعت کر کے، جیسا کہ میں تمہیں اس کی دعوت دیتا ہوں، یعنی میں تم سے صرف یہی چاہتا ہوں کہ تم ایمان قبول کرو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اگر تم میں سے مجھے کوئی اس کی مزدوری دینا چاہتا ہے تو میری مزدوری یہی ہے کہ میری دعوت قبول کر لے، ورنہ مجھے تمہارے اجر و مال کی ضرورت نہیں اس لیے کہ میرے رب تعالیٰ نے جو کچھ مجھے عطا فرمایا ہے وہ بہت ہے اور میرا اجر و ثواب ان کے ہاں مقرر ہے کیونکہ قیامت میں جہاں وہ اپنے نیک بندوں کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ پیغمبروں کو بھی اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

ف : یہاں استثناء منقطع ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں تم سے اپنے لیے مال کا سوال نہیں کرتا، ہاں تم سے کوئی محض رضائے الٰہی کی طلب پر جتنا چاہے مجھے دے تو میں اس سے منع نہیں کرتا۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے الا من شاء ان یتخذ ہاں جو اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت اور اس پر خرچ کر کے یا اس کی تعظیم کر کے **اِلٰى رَبِّهٖ** اپنے پروردگار کی قُرب و منزلت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے مشائخ کرام نے فرمایا کہ سالک کو اطاعت سے جنت اور بزرگوں کی تعظیم و تکریم سے قُربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔

مسئلہ : فتوحاتِ مکیہ میں فرمایا کہ واعظ کو وعظ و تقریر سے اُجرت لینا ہمارے نزدیک جائز ہے اور حلال روزی کے طالب کو یہ اجر حلال ہے اگرچہ اس کا ترک افضل ہے۔

مزید توضیح وعظ و تقریر پر اُجر و قیمت لینے کی حکمت یہ ہے کہ دعوت الی الحق اجارہ کی مقتضی ہے، اسی لیے ہر نبی علیہ السلام نے دعوتِ حق کے وقت بارہا فرمایا:

ان اجری الا علی اللہ۔

(میرا اجر و ثواب اللہ کے ہاں ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر نبی علیہ السلام نے دعوت کو اجر و مزدوری ظاہر فرمایا، اگرچہ مخلوق سے نہیں بلکہ خالق سے سہی۔

marfat.com

مسئلہ: اس سے ثابت ہُوا کہ اذان واقامت، تعلیم و تدریس، فقہ و قرآن اور اس کے پڑھنے اور حج اور جنگ اور وعظ و تقریر پر اُجرت، تنخواہ، نذرانہ وغیرہ لینا جائز ہے کیونکہ آج کے زمانہ میں دینی امور میں رغبت گھٹ گئی ہے اگر اجر و مزدوری تنخواہ کو منع کیا جائے تو دین و اسلام کا کام رک جائے گا۔

مسئلہ: اگرچہ شرعی امور کو ظاہر کرنا واجب ہے لیکن وہ اجر و تنخواہ اور نذرانے کے بغیر نہ بتائے تو بھی جائز ہے۔ مثلاً مفتی، معلم (مدرس)، امام (پیش امام) وغیرہم کو اپنی ڈیوٹی کی ادائیگی واجب ہے لیکن اگر وہ اپنی ڈیوٹی پر تنخواہ وغیرہ لیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کما فی الکرمانی وغیرہ (شرح بخاری) وغیرہ۔

مسئلہ: غسّال (میت کو نہلانے والا) اگر کسی بستی میں سوائے اس کے اور کوئی نہ ہو تو وہی غسل (میت) کے لیے متعین ہو جانا چاہتا ہے تو اسے اجر و مزدوری نہیں لینی چاہیے۔

تفسیر عالمانہ

وَتَوَکَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ اور اس ذات پر توکل کیجئے جو ہمیشہ زندہ ہے اور اس پر موت طاری نہیں ہوتی، وہی سب کو شرور سے بچاتا ہے اور وہی ہر ایک کا کارساز ہے اسی لیے لائق ہے کہ اسی پر توکل کیا جائے۔ کیونکہ دوسرے مجازاً "حی" ہیں لیکن پھر بھی ان پر موت واقع ہوتی ہے پھر جب ان پر موت واقع ہو گی تو پھر ان پر توکل (بھروسا) منقطع ہو جائے گا۔ توکل کا معنیٰ یہ ہے کہ انسان یہ یقین کرے کہ جملہ حوادث اللہ تعالیٰ سے صادر ہوتے ہیں اس کے سوا کسی حادثہ کی کوئی ایجاد نہیں کرتا۔ اسی لیے اپنی جملہ ضروریات اسی کے سپرد کی جائیں گی۔

مسئلہ: مذکورہ بالا عقیدہ فرض ہے اور یہ ایمان کی شرائط سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین۔

(اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اگر تم مؤمن ہو)

مسئلہ: اس کے علاوہ جو قلب کو سکون اور اضطراب و پریشانی سے دُوری حاصل ہوتی ہے وہ توکل کے کمالات سے ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

مسئلہ: واسطی نے فرمایا جو غیر اللہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو اس کا توکل خدا پر نہیں بلکہ غیر اللہ پر ہے۔

نکتہ: ہم صرف توکل پر عمل کرنے سے سُنّت کے عامل ہو سکتے ہیں یا کسبِ معاش سے؟ یہ سوال حضرت ابن سالم رحمہ اللہ سے ہُوا، آپ نے جواباً فرمایا کہ حقیقی توکل تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہُوا اس مرتبہ کو حاصل کرنا معمولی بات نہ تھی اگر حضور علیہ السلام کی طرح ہر کوئی مامور ہوتا تو کوئی بھی پُورا نہ اُترتا کیونکہ ضعفِ حال سے ان کے حقیقی توکل کی تاب تھی جب وہ توکل کے مرتبہ سے گر گئے تو پھر اُنہیں کسبِ معاش کا حکم بھی ہوا تا کہ رسالت پناہی

marfat.ocm

(صلی اللہ علیہ وسلم) کی دوسری سنّت سے محروم نہ رہ جائیں۔ اگر یہ دُوسرا حکم نہ ہوتا تو سبب کے سبب حکمِ الٰہی کی نافرمانی کے گڑھے میں گر جاتے۔

ف : عوام کا توکّل یہ ہے کہ جب کچھ ملے تو شکر کریں اور جب نہ ملے تو صبر کریں۔ اور خواص کا توکّل یہ ہے کہ جب کچھ ملے تو لے لیں اور جب دے ملے تو شکر کریں۔

لطیفہ اولیائے کرام کے لیے اللہ تعالیٰ ایسے اسباب آسان فرماتا ہے جہاں ان کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا، اگرچہ بعض اوقات ان کے اسباب تیار کردہ ہوتے ہیں لیکن ان کو بھی اللہ تعالیٰ آسان فرماتا ہے۔

لطیفہ خالص اصفیاء کا توکّل یہ ہے کہ پہلے وہ اپنی آرزوئیں ختم کرتے ہیں، اس کے بعد وہ اس کی طلب کرتے ہیں (مل جائے تو سبحان اللہ ورنہ ان کے قلب پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ہوتا)

نکتہ کامل توکّل کی علامت اس شیرخوار بچّے کی ہے کہ اسے اپنی ماں کے سوا کوئی جائے پناہ نظر نہیں آتی۔ ایسے ہی سالک کا کام ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ملجاء و ماویٰ نہیں سمجھتا۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ نیست کسبے از توکل خوب تر
چیست از تسلیم خود محبوب تر

۲ طفل تا گیرا و تا پویا نبود
مرکبش جز گردن بابا نبود

۳ چوں فضولی گشت و دست و پا نمود
در عنا افتاد و در کور و کبود

۴ ما عیال حضرتیم و شیر خواہ
گفت "الخلق عیال للاٰلہ"

۵ آنکہ او از آسمان باران دہد
ہم تواند کو ز رحمت نان دہد

ترجمہ : ۱۔ توکّل سے بہتر کوئی عمل نہیں۔ تسلیم و رضا سے بھی خوب تر کوئی کام نہیں۔
۲۔ بچے کو کیا پرواہ کچھ ہنر نہ ہو اس کے سوائے باپ کی گردن کے اور کوئی سواری نہیں۔
۳۔ جب بڑا ہوا اور ہاتھ پاؤں پائے تو تکلیف میں پڑا اور پریشانیوں میں مبتلا ہوا۔
۴۔ ہم حضرت کے عیال اور شیر چاہنے والے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلق اللہ تعالیٰ کا عیال ہے۔
۵۔ وہ ذات جو اپنے فضل سے آسمان سے بارش بخشتی ہے، رحمت سے روٹی دے گی۔

marfat.com

تفسیر عالمانہ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِهٖ ؕ اس کی حمد کرتے ہوئے اس کے ہر نقصان اور ہر وہم و گمان سے تنزیہ بیان کیجئے اور جتنے کمالات بیان ہو سکتے ہیں اس کی نعمتوں کی شکر گزاری کیجئے۔

حدیث شریف میں ہے:

من قال کل یوم سبحان اللہ وبحمدہ مائۃ مرۃ غفرت ذنوبہ ولو کانت مثل زبد البحر۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص دن میں سو بار حمد و تسبیح کا ورد کرتا ہے اس کے جملہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (کذا فی فتح الرحمٰن)

وَكَفٰى بِهٖ با زائدہ تاکید کے لیے ہے یعنی وہ ذات جو ہمیشہ زندہ ہے اس پر کبھی موت نہیں آئے گی بِذُنُوۡبِ عِبَادِهٖ ۚ اپنے بندوں کے ظاہری و باطنی گناہوں کے لیے کافی ہے خَبِيۡرًا ۚ ای مطلق خبیر ہے۔ اسی لیے وہ پوری جزا عطا فرمائے گا۔ وہ اجر و ثواب عطا فرمانے میں کسی کا محتاج نہیں ۨ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ یہ جملہ محلاً مجرور اور الحی کی دوسری صفت ہے وَمَا بَيۡنَهُمَا اور ان کے درمیان جتنے موالید و ارکان ہیں سب کا خالق وہی ہے فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ چھ دنوں میں۔ یعنی یہی دنیوی چھ ایام، کیونکہ وہاں نہ سورج تھا، نہ چاند۔ باوجودیکہ وہ ان کو ایک لمحہ میں پیدا فرما سکتا تھا لیکن پھر بھی چھ دن لگائے۔ اس میں اپنے بندوں کو بتانا تھا کہ کاروبار میں عجلت نہ کرنا مستحب ہے ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ ۛۚ عرش اور اس کے ماسوا اسی کا تصرف ہے۔

حلِ لغات الاستواء بمعنے استقرار و تساوی اور بالذات شے کا معتدل ہونا۔ جب یہ لفظ علیٰ سے متعدی ہو تو استیلاء و غلبہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (کذا فی المفردات)

یہاں یہی معنیٰ مراد ہے ملک و سلطان سے کنایہ ہے یعنی وہی عرش اور اس کے ماسوا کا مالک ہے۔ عرش کی تخصیص اس لیے کہ وہ تمام اجسام سے عظیم ہے۔ اَلرَّحۡمٰنُ خبر ہے، اس کا مبتدا محذوف ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اجرام علویہ و سفلیہ اور آسمان و زمین کے درمیان ہر شے کو پیدا فرمایا۔ یہ آنے والے مضمون کی تمہید ہے۔ واذا قیل لھم اسجدوا للرحمٰن (اور جب انھیں کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو) میں اشارہ ہے کہ استواء مذکور میں مرتبۂ رحمانیہ کی تعیین ہے۔ فَسۡـئَلۡ بِهٖ یہ ما بعد کے متعلق ہے یعنی خَبِيۡرًا سے، جیسے انہ بھم رؤف رحیم میں بھم، رؤف رحیم کے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں ہیں یعنی خلق و استواء کے معانی خبیر سے پوچھیے کیونکہ وہ صفات افعال کو خوب جانتا ہے۔ کما قال:

ولا ینبئک مثل خبیر (خبیر جیسا تمھیں کوئی خبر نہ دے سکا)

marfat.ocm

اور فرمایا:

وما یعلم تاویلہ الا اللہ۔

(اس کی تاویل صرف اللہ ہی جانتا ہے)

ف: بعض نے اس کا عطف والراسخون بنایا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ معنی راسخین ہی جانتے ہیں۔ فلہٰذا ان سے سوال کیجئے۔ استواء علی العرش کی تحقیق ہم نے سورۂ اعراف، یونس، طٰہٰ میں تفصیل سے لکھی ہے۔

تفسیر صوفیانہ فتوحات مکیہ میں ہے کہ جب مسلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سلطانِ اعظم ہے اور سلطان کا کوئی مکان ضروری نہیں جہاں جاکر رعایا اپنی ضروریات وحاجات پیش کر سکے، وہ مکان سے منزّہ ہے، لیکن یہ اس کی مہربانی اور لطف وکرم ہے کہ اس نے اپنے ملنے کا ایک ایسا مرتبہ بتایا جسے عرش سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی لئے فرمایا استوی علی العرش تاکہ بندے اس کی طرف اپنی ضروریات لے جائیں۔ اس میں بندوں پر رحمت کا اظہار ہے نیز یہ بندوں کے عقول کے مطابق بھی ہے ورنہ وہ ہمیشہ حیران وششدر رہتے۔ اور پھر بندوں میں قلب کو ذوجہۃ پیدا فرمایا کہ وہ ہر اس شے کو قبول کرتی ہے جو جہت والی ہو، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے جہتیں بیان فرمائی ہیں، کبھی فوقیت یعنی عرش وسمٰا اور کبھی احاطہ۔ کما قال:

اینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ ترجمہ: جہاں منہ پھیرو وہاں اللہ ہے۔

اور فرمایا:

ینزل ربنا الی سماء الدنیا۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف ہمارا رب ہے۔

اور حضور علیہ السلام نے فرمایا:

ان اللہ فی قبلۃ احدکم۔ ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے قبلہ میں ہے۔

(بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے قبلہ کی جانب میں ہوتا ہے)

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ امور کو اعیان کے لیے نہیں بلکہ مراتب کے لیے پیدا فرمایا۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اور جب اہلِ شرک کو کہا جاتا ہے اسْجُدُوْا نماز پڑھو۔ نماز کو سجدہ سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ سجدہ نماز کے عظیم ترین ارکان سے ہے لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن کے لیے، یعنی وہ ذات جس نے اپنی رحمت سے موجودات کو پیدا فرمایا قَالُوْا مشرکین نے کہا وَمَا الرَّحْمٰنُ رحمان کیا شے ہے یا وہ کون ہے؟ کیونکہ لفظ ما کے وضع عام ہے یا ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں پر اس مسمّیٰ سے سوال ہے جو اس نام سے موسوم ہے اور سوال اس لیے کیا کہ وہ مشرکین اللہ تعالیٰ کا یہ نام نہیں جانتے تھے اگرچہ کتب سابقہ میں موجود تھا کہ رحمٰن بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے یا وہ اس نام کو جانتے تو تھے لیکن

marfat.com

ان کا خیال تھا کہ اس کا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہوتا ہے جیسے مسیلمۃ الکذاب کو " رحمان الیمامہ" کہتے ہیں اور مشرکین اس کی بھی تکذیب کرتے تھے اسی لیے غلطی کھا گئے ہیں اور ہر غیر اللہ یعنی "رحمان الیمامہ" کی عبادت کا بھی ۔ اور یہ استہزاءً کہتے تھے ، جیسے منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرتے تھے ۔ کما قال تعالیٰ :

ولئن سألتهم ليقولن انما كنا نخوض ونلعب ۔

منافقین نے سوال کے جواب میں دو غلطیاں کھائیں اور دعویٰ کیا کہ وہ اپنے قول میں سچے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی ۔ کما قال تعالیٰ :

قل اباالله وآياته كنتم تستهزءون ۔

(فرمایئے کیا تم اللہ اور اس کے آیات کے ساتھ استہزاء کرتے ہو)

مغالطہ کا موجب متکلم کے کلام سے معلوم ہوا کیونکہ ہر کلام کی شق اور نقیض بھی ہوتی ہے ، اور یہاں نقیض موجود ہے کہ اے منافقو ! تم استہزاء کر رہے ہو اور استہزاء سے ہی تمہاری صداقت کی بجائے تکذیب ٹپکتی ہے (کذا فی العقد المفرید للعلامہ ابن طلحہ)

اَنَسۡجُدُ لِمَا تَاۡمُرُنَا کیا ہم سجدہ کریں اس کے لیے جس کا تو ہمیں حکم فرماتا ہے وہ تو اسے جانتے ہی نہیں ۔ ماذا استفہام انکاری ہے ۔

خلاصہ یہ کہ ہم رحمان کو سجدہ ہرگز نہیں کریں گے وَزَادَهُمۡ نُفُوۡرًا ۩ اور رحمان کے سجدے کا حکم بڑھاتا ہے ان کے ایمان کی نفرت سے ۔ نفور بمعنے انزعاج عن الشیٔ والتباعد یعنی ایک شے کا دوسری شے سے دُور ہونا ۔ اس کی نظیر آیہ فلم یزدهم دعائی الا فرارا ہے ۔

مسئلہ : جو سرے سے رحمٰن سے ناواقف ہے یا اسے جانتا ہے لیکن اس سے ایسا قول و فعل صادر ہوتا ہے جو کافروں کے افعال و اقوال کے مشابہ ہے ، تو وہ بھی بالاتفاق کافر ہے ۔ (کذا فی فتح الرحمٰن)

مسئلہ : اس کی مثال صنم (بُت) کو سجدہ کرنا یا قرآن مجید کو گندگی میں ڈالنا یا کفریہ کلمات بکنا ، یہ بھی بالاتفاق کفر ہے ۔ کیونکہ یہ بھی تکذیب کی علامت ہے ۔

ف : حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ جب یہی آیت پڑھتے تھے تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر عرض کرتے ،

الٰهي زادني خضوعا ما زاد اعداك نفورا ۔

(یا الٰہی ! میرے خشوع و خضوع میں اتنا اضافہ کر ، جتنا دشمنوں کو دین سے نفرت ہے)

حدیث شریف ایک شخص نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ دعا فرمایئے کہ جنت میں مجھے آپ کی رفاقت نصیب ہو ۔ آپ نے اسے فرمایا :

marfat.ocm

اعنی بکثرۃ السجود۔

(کثرتِ سجود سے میری معاونت کیجئے)

مسئلہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ سجداتِ تلاوت میں ایک سجدہ اسی آیت پر ہے۔

ف: جناب کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا، سجداتِ تلاوتِ قرآن کا یہ ساتواں سجدہ ہے۔ یہی امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آٹھواں سجدہ ہے۔

ف: فتوحات میں اس سجدہ کا نام سجدۂ نفور و انکار ہے اس لیے تلاوتِ قرآن مجید کے بعد سجدہ کرنے سے مومن، کافروں سے ممتاز ہو جاتا ہے اس لیے اسے سجدۂ امتیاز بھی کہا جا سکتا ہے۔

مسئلہ: سجدہ کے وقت اللہ اکبر کہنا سنّت ہے (کذا فی النہایہ) اور کافی میں یہاں اللہ اکبر کہنا مستحب ہے۔ اس میں دوسری بار اللہ اکبر کہنا رکن ہے (کذا فی الزاہدی) لیکن یہ کہیں سے نہیں ملا کہ دونوں رکن ہیں۔

مسئلہ: اگر تلاوت کے وقت سجدہ نہ کیا جائے تو یہ قضا ہو گی جیسا کہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا لیکن اس کی قضا فی الفور ضروری ہے اور اسے قضا بھی نہیں سمجھا جائے گا، اس کی تاخیر مکروہ نہیں۔ (کذا فی کتب الاصول و الفروع) امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا، اس کی تاخیر مکروہ ہے وہی صحیح تر ہے (کذا فی التجنیس) امام قہستانی رحمہ اللہ نے اپنی شرح میں ذکر کیا اسجد و اللرحمٰن یہ حکم دلالت کرتا ہے کہ سجدہ صرف رحمان کے لیے ہے اگر غیر اللہ کے لیے سجدہ روا ہوتا تو عورت کو حکم ہوتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

مسئلہ: شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے فرمایا:

تعظیم کے طور غیر اللہ کو سجدہ (عبادت) کفر ہے۔

مسئلہ: یہ جو عموماً علماء کے آگے جھک کر زمین کو چوما جاتا ہے حرام ہے [ان کے ہاتھ پاؤں چومنا جائز ہے] حضرت صدر الشہید رحمہ اللہ نے فرمایا:

سجدۂ تعظیمی حرام نہیں (مکروہ ہے) کیونکہ اسے سجدۂ تحیۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تحیۃ کے طور سجدہ بمنزلہ سلام کے ہوتا ہے۔ لیکن اس سے لازم نہیں کہ اسے لزوماً عمل میں لایا جائے کیونکہ سجدۂ تحیہ منسوخ ہو چکا ہے اور یہ یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں ہے ان کی شریعت میں سجدہ تحیۃ 'السلام علیکم' کے قائم مقام تھا جیسے تعظیماً کھڑا ہونا اور مصافحہ اور ہاتھ چومنا وغیرہ لوگوں کی عادات میں شامل ہے اور وہ انہیں تعظیم و تکریم کے طور کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا واقعہ دلالت کرتا ہے۔ کما قال تعالیٰ: وخروا لہٗ سجدًا۔

مسئلہ: بادشاہ وغیرہ کے لیے سر جھکانا مکروہ ہے کیونکہ اس طرح یہود سے مشابہت ہوتی ہے جیسے ملاقات کے مصافحہ کے بعد اپنے ہاتھ چومنا مکروہ ہے کیونکہ مجوس کے ساتھ مشابہت ہے۔

marfat.com

مسئلہ : تجدد نعم یعنی حصولِ نعمت کے وقت شکر کے سجدہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؛ سجدۂ شکر مکروہ ہے ۔ زبان کے ساتھ حمد و شکر کہنا کافی ہے لیکن امام ابُو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں امام اعظم رحمہ اللہ سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ سجدۂ شکر قربتِ الٰہی کا موجب ہے فلہٰذا اس پر سجدہ کرنے والے کو ثواب نصیب ہوتا ہے۔ اور امام شافعی و احمد رحمہما اللہ کے نزدیک سجدۂ شکر سنّت ہے۔ اس کا وہی طریقہ ہے جو سجدۂ تلاوت کا ہے لیکن اسے نماز میں نہیں کیا جاتا ۔ (کذا فی فتح الرحمٰن)

مسئلہ : امام زاہدی نے شرح قدوری میں ذکر فرمایا ہے ، سجدے پانچ ہیں :

۱۔ سجدۂ صلاتیہ ، یہ فرض ہے۔

۲ ۔ سجدۂ سہو اور

۳ ۔ سجدۂ تلاوت ، یہ دونوں واجب ہیں۔

۴ ۔ سجدۂ نذر ، یہ بھی واجب ہے ۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کہے :

للہ علیّ سجدۃ تلاوۃ (اللہ کے لیے مجھ پر سجدۂ تلاوت ہے) اگر اسے تلاوت سے مقید نہیں کیا جائے گا تو سجدہ واجب نہیں ہوگا ۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کا اس میں اختلاف ہے ۔

۵ ۔ سجدۂ شکر ، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ میرے (ابو حنیفہؒ) کے نزدیک یہ سجدہ کچھ نہیں ۔ حضرت ابو بکر رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ سجدہ نہ واجب ہے نہ سنّت ، ہاں مباح ہے لیکن بدعت نہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ سجدہ مکروہ ہے لیکن حصولِ نعمت کے وقت اور تکالیف کے دفع ہو جانے کے بعد سجدہ کرنا مستحب ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سجدۂ شکر کا طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رُخ ہو کہ سجدہ ریز ہو جائے اور شکر کرتے ہوئے تسبیح پڑھے اس کے بعد اللہُ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھائے ۔ لیکن بغیر سبب ایسا سجدۂ شکر قربتِ الٰہی کا موجب نہیں۔ تاہم مکروہ بھی نہیں ۔ ہاں نماز کی فراغت پر سجدہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ جہاں اسے سنّت یا واجب سمجھیں گے ، اور ہر وہ مباح جس سے سنّت یا وجوب کا احتمال پیدا ہو جائے وُہ فعل مکروہ قرار دیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ سجدۂ شکر جائز بلکہ مستحب ہے ، واجب بھی نہیں اور مکروہ بھی نہیں۔ (کما فی شرح المنیۃ) ۵

بشکر عشق بنہ جبہہ دائما بر خاک
کہ نعمتست نخوردست ساکن افلاک

ترجمہ : عشق کی نعمت پر شکرانہ کے طور پر ہمیشہ مٹی پر ماتھا رگڑ، کیونکہ یہ وُہ نعمت ہے جو اہلِ افلاک کو نصیب نہیں۔

اے اللہ! ہمیں اندھیرے اور روشنی میں اپنے دربار کا متواضع بنا ۔ (آمین)

marfat.ocm

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا

بڑی برکت والا ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور ان میں چراغ رکھا اور چمکتا

مُّنِیْرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ

چاند اور وہی ہے جس نے رات اور دن کی بدلی رکھی اس کے لیے جو دھیان کرنا چاہے یا شکر کا ارادہ

شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ

کرے اور رحمان کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات

الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ

کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام اور وہ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے لیے سجدے اور قیام میں اور وہ جو عرض کرتے

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ

ہیں اے ہمارے رب ہم سے پھیر دے جہنم کا عذاب بیشک اس کا عذاب گلے کا غل ہے بیشک وہ بہت ہی بری ٹھہرنے

مُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

کی جگہ ہے اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا

اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پوجتے اور اس جان کو جس کی اللہ نے حرمت رکھی

بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾ یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ

ناحق نہیں مارتے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے وہ سزا پائے گا بڑھایا جائے گا اس پر عذاب قیامت

الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

کے دن اور ہمیشہ اس میں ذلت سے رہے گا مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھا کام کرے تو ایسوں کی برائیوں

یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿٧٠﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا

کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور جو توبہ کرے اور اچھا کام کرے تو

فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾ وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا

وہ اللہ کی طرف رجوع لایا جیسی چاہیے تھی اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب بیہودہ پر گزرتے ہیں اپنی عزت

كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِیْنَ

سنبھالے گزر جاتے ہیں اور وہ کہ جب کہ انہیں ان کے رب کی آیتیں یاد دلائی جائیں تو ان پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے اور وہ جو

marfat.com

يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ
عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دے ہماری بی بیوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمیں پرہیزگاروں کا

إِمَامًا ﴿٧٤﴾ أُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا
پیشوا بنا ان کو جنت کا سب سے اونچا بالاخانہ انعام ملے گا بدلہ ان کے صبر کا اور وہاں مجرے اور سلام کے ساتھ ان کی

تَحِيَّةً وَسَلٰمًا ﴿٧٥﴾ خٰلِدِينَ فِيهَا ۗ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٧٦﴾
پیشوائی ہوگی ہمیشہ اس میں رہیں گے کیا ہی اچھی ٹھہرنے اور بسنے کی جگہ تم فرماؤ

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ
تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے یہاں اگر تم اسے نہ پوجو تو تم نے تو جھٹلایا تو اب ہوگا وہ عذاب

يَكُونُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾
کہ لپٹ رہے گا

تفسیر عالمانہ تَبٰرَكَ بکثرت خیر و برکت والا ہے، فیاض ہے، اس لفظ کی تحقیق ہم نے سورہ کے شروع میں لکھ دی ہے۔ **نکتہ:** اس مقام پہ تبارک لانے کی حکمت یہ ہے کہ اس سورت میں بہت بڑے امور کا ذکر ہے مثلاً بروج و سیارات، شمس و قمر، لیل و نہار۔ اگر یہ نہ ہوتے تو زمین پر نہ کوئی حیوان ہوتا، نہ کھیتیاں ہوتیں اور نہ کوئی اور شے۔ الَّذِي جَعَلَ جس نے اپنی قدرت کاملہ سے بنائے فِي السَّمَاءِ آسمان میں بُرُوْجًا بارہ بروج ہر برج میں دو منزلیں ہیں اور چاند کی تین منزلیں ہیں اور یہی کواکب سبعہ (سات ستاروں) کی منزلیں ہیں اور سورج کے تیس درجے۔

بروج کے اسماء

۱۔ حمل	۲۔ ثو
۳۔ جوزا	۴۔ سرطان
۵۔ اسد	۶۔ سنبلہ
۷۔ میزان	۸۔ عقرب
۹۔ قوس	۱۰۔ جدی
۱۱۔ دلو	۱۲۔ حوت

حمل و عقرب مریخ کے اور ثور و میزان زہرہ کے اور جوزا و سنبلہ عطارد کے اور سرطان قمر کے اور اسد سورج کے اور قوس و حوت مشتری کے اور جدی و دلو زحل کے مراکز ہیں اور یہ تمام بروج طبائع اربعہ پر منقسم ہیں ان میں ہر ایک کے تین تین ستارے ہیں؛

marfat.ocm

(۱) حمل ، (۲) اسد ، (۳) قوس ناریہ ؛
(۱) ثور ، (۲) سنبلہ ، (۳) جدی ارضیہ ؛
(۱) جوزا ، (۲) میزان ، (۳) دلو ہوائیہ ؛
(۱) سرطان ، (۲) عقرب ، (۳) حوت مائیہ ۔

ف : ہر منزل کو بُرج سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ بروج بمعنے قصور (محلات) ۔ چونکہ جملہ ستارگان کے لیے ہر ایک کی منازل اونچی اونچی ہیں جیسے مکین مقیم میں اور اس کا اشتقاق تبرج سے ہے بمعنے ظہور ۔

ف : حضرت حسن و مجاہد و قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بروج بڑے ستارگان کو کہا جاتا ہے ۔ جیسے زہرہ ، سہیل ، مشتری ، سماک ، عیوق وغیرہ ۔ ان کی نورانیت اور حُسن اور روشنی کی وجہ سے انھیں مذکورہ ناموں سے پکارا جاتا ہے ۔ الابرج بمعنے دو ابروؤں کے درمیان کی وسعت ۔ ہم نے بروج اور ان کے اسمائے سورہ یونس کے اوائل میں بیان کیے ہیں ۔

وَّجَعَلَ فِيْهَا اور ہم نے بنائے بروج میں نہ کہ آسمان میں ، کیونکہ بروج قریب تر ہیں ۔ فلہٰذا ضمیر اس کی طرف لوٹانا زیادہ موزوں ہے اگرچہ السماء کی طرف بھی لوٹایا جا سکتا ہے ۔ **سِرَاجًا** چراغ یعنی سورج ۔

حلِ لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ السراج دراصل وہ جسے فتیلہ کے ذریعے روشن کیا جائے ۔ پھر ہر روشنی والی شے کو سراج سے تعبیر کیا جانے لگا ۔ یہاں پر سورج مراد ہے ۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا :

وجعل الشمس سراجا (اور بنایا سورج کو سراج)

اور سورج اور بڑے ستاروں کو سرج و مصابیح سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔ کما قال تعالیٰ :

ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح ۔

(اور ہم نے آسمان کو مصابیح سے مزین فرمایا)

وجہ تشبیہ انارۃ و اشراق ہے ۔ **وَّقَمَرًا** اور چاند جسے فارسی میں ماہ کہا جاتا ہے اور تین راتوں کے چاند کو الھلال اور اس کے بعد کے چاند کو قمر کہا جاتا ہے بوجہ اس کی سپیدی کے (کذا فی المختار) یا اس لیے کہ اس سے زمین سفید نظر آتی ہے اور الاقمر بمعنے الابیض (سفید تر) کذا فی کشف الاسرار ۔ **مُّنِيْرًا** ○ رات کو روشن کرنے والا ۔

صُوفیانہ معنیٰ بعض اہلِ دل نے فرمایا کہ اس سے آسمانِ قرآن مراد ہے کیونکہ جملہ اہلِ ایمان اس کے بیان کے زیرِ سایہ ہیں اور اس کی ہر سُورۃ بمنزلہ برج کے ہے جیسے سات آسمانوں میں بُرج کی کیفیت ہے ویسے ہی سُورتوں میں سورۃ فاتحہ بمنزلہ برج کے ہے جو کوئی رات کے وقت ستارہ کو دیکھ کر زمین کی راہ طے کرتا ہے

marfat.com

تو اسے کسی قسم کی کمی نہیں آئے گی ایسے ہی جو فتنے کی شب شک وشبہ کے خوف سے دل کی چشم قرآن پاک کی کسی آیت کے ستارے پر ڈالتا ہے تو اس کے دین کی منزل میں بھی کمی نہیں آئے گی۔

ف : نفائس المجالس میں ہے کہ یہ کمال قدرت الٰہی کی دلیل ہے کہ اس قدر روشن ستارے انسان کی خدمت پر لگا دئے (لیکن افسوس کہ انسان ایک چھوٹی سی مخلوق ہونے کے باوجود اللّٰہ کی اطاعت سے دُور ہے)

تفسیر صُوفیانہ ا جان لو کہ اللّٰہ تعالیٰ نے انسان کے نفوس میں حواس کے بروج بنائے اور ان میں رُوح کا چراغ رکھا اور قلب کا روشن قمر جو انوارِ روحانیت سے منور ہے، اس لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ وجود کو منوّر بنائے اور قلب کو ظلماتِ نفسانیہ سے خالص مخلص بنائے تاکہ انوارِ تجلیات کی استعداد اور تاریکیوں اور ظلمات سے چھٹکارا نصیب ہو۔ اس کے بعد ہی کہیں منزلِ مقصود اور اصلی مطلوب حاصل ہو سکتا ہے۔ یعنی فنا بعد البقاء کا مقام اور فقر کے بعد کمال غنا یعنی مشاہدۂ تام نصیب ہوگا۔ پھر قادر مالک کی قدرتِ کاملہ معلوم ہوگی۔

ف : عرائس القرآن میں ہے کہ آسمان کے بروج چاند اور سورج کی شاہراہ ہیں اور وہ بروج یہ ہیں، حمل ثور وغیرہ۔

فائدہ صُوفیانہ قلب کے بروج یہ ہیں :

(۱) برج الایمان	(۲) برج المعرفۃ	(۳) برج العقل
(۴) برج الیقین	(۵) برج الاسلام	(۶) برج الاحسان
(۷) برج التوکل	(۸) برج الخوف	(۹) برج الرجاء
(۱۰) برج الشوق	(۱۱) برج المحبۃ	(۱۲) برج الولہ

ان بارہ بروج سے قلب کی دائمی اصلاح یونہی ہوتی ہے جیسے بارہ برجوں حمل وغیرہ سے دار فانی اور اس کے مکینوں کی۔ آسمان میں سراج الشمس و نور القمر ہیں تو قلب میں سراج الایمان والاقرار اور قمر المعرفۃ ہیں کہ ان سے ایمان ومعرفۃ کا نور چمک اٹھتا ہے زبان سے ذکر کے ساتھ اور آنکھوں میں عبرت کے ساتھ اور دیگر اعضاء میں طاقت و خدمت کے ساتھ۔

تفسیر صُوفیانہ ۲ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں سماء القلوب و بروج المنازل والمقامات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بھی بارہ ہیں :

(۱) توبہ	(۲) زہد	(۳) خوف	(۴) رجاء
(۵) توکل	(۶) صبر	(۷) شکر	(۸) یقین
(۹) اخلاص	(۱۰) تسلیم	(۱۱) تفویض	(۱۲) رضا

سیارگانِ احوال کی یہی منزلیں ہیں ان میں شمس تجلی و قمرِ مشاہدہ و زہرۂ شوق و مشتری محبۃ و عطارد کشوف و مریخ فنا

marfat.ocm

د زحلِ بقا ہیں ؎

۱ ہر کہ خواہد بجان سیر بروج

آسماں را کند چو عیسی عروج

۲ آسماں را طریق معراجست

دل بمعراج فلک محتاجست

۳ چوں گزر میکند ز برج فنا

یابد آخر تجلیات بقا

۴ ایں تجلی زسوے عرشی نہ

ایں تسلی زسمت فرشی نہ

۵ ایں تجلی خالق الابراج

بسراجش ندیدہ چشم سراج

ترجمہ: ۱ جو بروج کی روحانی سیر چاہتا ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر عروج کرے۔

۲ آسمان تو معراج کا راستہ ہے دل معراجِ فلک کی محتاج ہے۔

۳ جب بندہ برجِ فنا سے گزرتا ہے بالآخر وہ تجلیاتِ بقا حاصل کر لیتا ہے۔

۴ اس تجلی کو عرش کی طرف لیجا لیکن اسے فرش سے تسلی دی۔

۵ یہ خالق بروج کی تجلی ہے اس کے چراغ سے چراغ کی آنکھ نہیں دیکھی جا سکتی۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ وہی وہ ہے جس نے اپنی حکمتِ تامہ سے بنایا ہے اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا۔

حلِ لغات خِلفۃ مصدرِ نوعی ہے اس معنی پر یہ جعل کے مفعولِ ثانی کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کا حال بن سکتا ہے۔ لازماً یہاں پر مضاف ذو مقدر کرنا ہوگا اور بمعنے خلیفہ بھی مستعمل ہے۔ اور ہر وہ جو کسی کے بعد آئے، کے معنی میں بھی آتا ہے۔ پہلے کے اعتبار سے معنیٰ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں خلیفہ بنایا ہے کہ ہر ایک اپنے دوسرے کا خلیفہ و جانشین بنتا ہے کہ ایک کا عمل اگر رہ گیا تو اسے دوسرے میں ادا کیا جا سکتا ہے اس میں بندوں کے لیے توسیع ہے کہ وہ عبادات و طاعات آسانی سے ادا کر سکیں۔ اس کی تائید ذیل کی حدیث شریف سے ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ رات کے وقت تلاوتِ قرآن کا وظیفہ رہ گیا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، آپ نے فرمایا:

marfat.com

"اے ابن الخطاب! اللہ تعالیٰ نے اس سوال کا جواب اس آیت وھو الذی جعل الیل و النہار الخ میں نازل فرمایا ہے۔ تم سے اگر رات کے نوافل قضا ہوں تو انہیں دن میں ادا کرو، اور اگر دن کو کوئی وظیفہ رہ جائے تو اسے رات میں ادا کر لیا کرو۔"

دوسرے معنی پر تقریر یوں ہوگی کہ رات اور دن کو ایک دوسرے کے بعد کو آنے والا بنایا ہے رات جائے تو دن آئے، ایسے دن جائے تو رات آئے۔ ایسے کبھی نہ ہوگا کہ دن ہو تو رات نہ ہو اور رات ہو تو پھر دن نہ ہو۔ یہ اس لئے ہے تاکہ لوگ سنین اور دیگر حساب وکتاب معلوم کر سکیں اور معاش کے لیے وقت معلوم میں آ جا سکیں اور انھیں معلوم ہو کہ اس وقت آرام وسکون کرنا ہے اور اس وقت کاروبار کرنا ہے۔

ف: آیۃ میں ایک اور نعمت کی تذکیر ہے اور اس کی قدرت کاملہ اور حکمت تامہ پر تنبیہ بھی۔

لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّکَّرَ اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تذکیر اور اس کی صنعت میں تفکر کرنا چاہتا ہے تاکہ اسے یقین ہو کہ صانع حکیم اور واجب بالذات اور رحیم بالعباد ذات کا ہونا ضروری اور لازم ہے یہ تنبیہ دراصل کافر کے لیے ہے۔ اب مومن کے لیے فرمایا: **اَوْ اَرَادَ شُکُوْرًا**۝ بضم الشین شکر کا مصدر ہے یعنی اس کی دی ہوئی نعمتوں پر اطاعت کر کے اس کا شکر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس تقریر پر لفظ اَوْ اپنے حقیقی معنی پر ہوگا۔ اور اگر بمعنی واؤ ہو تو معنی ہوگا کہ انہیں ہم ایک دوسرے کا جانشین بنائیں گے تاکہ وہ دونوں شاکرین و ذاکرین کے لیے اوقات ہو جائیں تاکہ ان کے اوراد و وظائف اگر فوت ہو جائیں تو وہ اسے پورا کر سکیں۔ پھر اسے اَوْ کے ساتھ لانے میں تنبیہ ہے کہ یہ دونوں جعل کے مستقل طور پر مطلوب ہیں۔ اگر واؤ کے ساتھ عطف کیا جاتا تو معنی یہ ہوتا کہ دونوں مل کر جعل کے مطلوب ہیں۔

حلِ لغات: امام راغب نے فرمایا کہ شکر بمعنے نعمت کا تصور و اظہار۔ بعض نے کہا کہ یہ کشر کا مقلوب ہے بمعنے الکشف۔ اس کی نقیض کفر ہے بمعنے نعمت کا ستر و نسیان۔ بعض نے کہا یہ عین کشری (بمعنے بھرپور یعنی وہ چشمہ جو پانی سے پُر ہو) سے ماخوذ ہے۔ اور شکر کو بھی اسی لیے شکر کہا جاتا ہے کہ وہ منعم علیہ کے ذکر سے بھرپور ہوتا ہے۔

شکر کی قسمیں شکر تین قسم ہے:

(۱) زبان سے، یعنی نعمت پر کسی کی ثنا کرنا۔

(۲) قلب سے، یعنی نعمت کا دل میں تصور اور اعتراف ہو۔

(۳) جملہ اعضاء سے، وہ یہ کہ بقدر استحقاق نعمت کا بدلہ اتارنا۔

marfat.ocm

؎

عطائیست ہر موئے از و بر تنم
چگونہ بہر موئے شکرے کنم

(ترجمہ : میرا ہر بال اس کی عطا ہے تو پھر میں اس کی ہر نعمت کا شکر کس طرح ادا کر سکتا ہوں)

مسئلہ : آیت میں اوراد و وظائف ایسے ہی جملہ نفلی عبادات کی قضا علی سبیل الاستحباب کا اشارہ ہے۔ اس سے ان کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

صوفیانہ نسخہ اوراد و وظائف وغیرہا کی مداومت وارد کی مداومت کا موجب ہے اور وارد کی مداومت وصالِ یار سے ہمکنار کرتی ہے۔ مثلاً وہ دریا سمندر تک پہنچتا ہے جسے پہاڑوں سے مسلسل بذریعہ بارش پانی وغیرہ ملتا رہے۔ اگر درمیان میں کئی روز یہ سلسلہ منقطع ہو جائے تو وہ دریا کبھی سمندر تک نہیں پہنچ سکے گا۔

حضرت صائب نے فرمایا : ؎

از زاہداں خشک رسائی طمع مدار
سیل ضعیف واصل دریا نمی شود

(ترجمہ : زاہدانِ خشک سے رسائی کی طمع مت رکھو اس لیے کہ دھیمی بارش کبھی دریا تک نہیں پہنچا سکتی)

وہابیوں کا رد (وہابی لوگ اوراد اولیاء و وظائف مشائخ کے مخالف میں کہتے ہیں کہ یہ صاحبان اپنے مشاغل کی سختی سے پابندی کیوں کرتے کراتے ہیں۔ اس کا جواب صاحبِ روح البیان نے لکھا کہ)

ولذا اکب العبّاد والسلاك على الاوراد فى الليل والنهار وجعلوها على انفسهم بمنزلة الواجبات ولذا لوفات عنهم ورد الليل قضوه فى النهار ولوفات عنهم ورد النهار قضوه فى الليل يعنى اتوا ببدل له مما كان مثلاً له حتى

اسی لیے سالکین صوفیہ کرام اوراد و ظائف میں شب و روز منہمک رہتے ہیں اور انہیں اپنے لیے لازم بنا رکھے ہیں اگر کوئی وردرات کو رہ جاتا ہے تو پھر دن کو پورا کرتے ہیں اگر دن کا رہ جائے تو رات کو مکمل کرتے ہیں اسے اس کا بدل سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہی ہمارا سلوک کا راستہ ہے تو یہ ا

marfat.com

لا ینقطعوا دون السبیل فمن عرف الطریق الی اللہ لا یرجع ابدا ولو رجع عذب فی الدارین لم یعذب بہ احدا من العالمین فعلیك بالورد صباحًا و مساءً فانہ من دیدن السلف الصالحین وایاك والغفلۃ عنہ فانہا من دأب من بال علی اذنہ الشیطان من الفاسقین۔

(ج ۶ ص ۲۳۹)

کیوں ترک کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کا راستہ جانتا ہے تو وہ اسے کبھی نہیں چھوڑتا اور نہ ہی اس سے پیچھے ہٹتا ہے اگر کوئی ہٹ جاتا ہے تو دارین کے عذاب میں ایسا مبتلا ہو جاتا ہے کہ کسی کو اس جیسا عذاب نہ ملے اے سالک اپنے صبح و شام کے اوراد کو لازم پکڑ کیونکہ یہی اسلاف کا طریقہ ہے غفلت کو چھوڑ اس لیے کہ یہ ان غافلین کا طریقہ ہے جن پر شیطان کا تسلط ہے۔

حکایت شیخ ابو بکر ضریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا ہمسایہ ایک نوجوان حسین وجمیل، جو صائم الدہر اور قائم اللیل تھا ایک دن اس نے آکر مجھے کہا کہ ایک رات میں اپنے وظیفے قضا کر بیٹھا، خواب میں دیکھا کہ میری عبادت گاہ کی دیوار پھٹ گئی ہے اس سے کئی حسین وجمیل لڑکیاں نکلی ہیں ان میں سے ایک ایسی نہایت قبیح صورت تھی میں نے کبھی ایسی قبیح شکل نہیں دیکھی۔ میرے پوچھنے پر سب نے کہا کہ ہم تیری ان راتوں کی عبادتیں ہیں جنہیں تو ہر رات ادا کرتا تھا اور یہ قبیح شکل والی تیری اس غفلت کا نتیجہ ہے جو تو ایک رات سو گیا تھا۔ اگر تو اسی رات کو مرجاتا تو یہی قبیح شکل والی لڑکی حصے میں آتی۔ پھر اس قبیح شکل والی نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے؛

اسئل لمولاك واردد نی الی حالی

فانت قبحتنی من بین اشکالی

لا ترقدن اللیالی ما حییت فان

نمت اللیالی فهن الدهر امثالی

(ترجمہ: اپنے مالک سے سوال کیجئے اور مجھے اپنے حال پہ لوٹائیے کیونکہ تو نے ہی مجھے اپنی ہمجولیوں میں بدشکل بنایا ہے۔ جب تک تو زندہ ہے نیند نہ کر اس لیے کہ اگر تو راتوں کو سوئے گا تو تیری تمام زندگی میں تیرا حال ایسے ہی ہوگا)

حسین وجمیل لونڈیوں میں سے ایک نے جواباً کہا: ؎

نحن اللیالی اللواتی کنت تسهرها

تتلوا القران بترجیع و رنات

marfat.ocm

نحن اللسان اللواتی کنت تخطبنا

جوف الظلام بانات و نفوات

(ترجمہ: ہم ہیں وہ راتیں جنہیں تو زندہ رکھتا تھا، نہایت اچھے لہجوں سے قرآن کی تلاوت کرتا تھا
ہم ہیں وہ حسین راتیں جو تو ہم سے مخاطب ہوتا تھا آہ وزاریوں سے آدھی رات کے وقت۔)
اس پر وہ نوجوان چیخ کر گرا اور وہیں ڈھیر ہوگیا۔ (ذکرہ الامام الیافعی فی ریاض الریاحین)

ابلیس کی کہانی اس کی اپنی زبانی

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ابلیس کو دیکھا کہ اس کا جسم چھوٹے چھوٹے زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے۔ یحییٰ علیہ السلام نے پوچھا: یہ کیا؟ اس نے عرض کی: یہ وہ شہوات ہیں جن کے ذریعے میں اولادِ آدم سے غلطیاں کراتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کچھ میرے لیے بھی ہیں یا نہیں؟ اس نے کہا: ہاں، ہیں۔ جب آپ کھانا زیادہ کھاتے ہیں تو پھر میں آپ کو نماز اور ذکرِ الٰہی سے سستی کراتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کچھ اور؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: بخدا آئندہ میں پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ ابلیس نے کہا: بخدا آئندہ میں بھی اپنا راز کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ (کذا فی آکام المرجان)

حکایت

ایک عابد مر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ مجھے دنیا اور اس میں خطایا و ذنوب پر کوئی افسوس نہیں۔ ہاں مجھے افسوس ان راتوں کا ہے جن میں سویا رہا اور ان دنوں کا جن کا میں روزہ نہ رکھ سکا اور اس گھڑی کا جو میں نے غفلت سے گزار دی ؎

۱ اے کہ پنجاہ رفت و در خوابے

مگر ایں پنج روز دریا بے

۲ خواب نوشین بامداد رحیل

باز دارد پیادہ را ز سبیل

(ترجمہ (۱): اے وہ کہ تیری عمر کے پچاس سال خوابِ غفلت میں گزر گئے شاید ان پانچ دنوں کو پالے تو ان میں کچھ بندگی کرے۔
(۲) اس نے سامان بھی درست نہیں کیا میٹھی نیند کوچ کی رات میں پیدل چلنے والے کو راستہ چلنے سے روک دیتی ہے۔)

ف: علماء مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلک کو پیدا فرما کر اس میں دو طرح کے دَور بنائے:
(۱) اندھیری رات کہ اس میں زمین کالی سیاہ نظر آتی ہے۔

marfat.com

(۲) روشن دن کہ جس سے زمین کافور کی طرح سپید محسوس ہوتی ہے۔

اس میں اشارہ کیا کہ لے دن کی روشنی میں دولت کما کر آرام سے زندگی بسر کرنے والو! تیار رہو ابھی رات کی تاریکی اس کے پیچھے آرہی ہے۔ اور لے رات کی تاریکی میں ایڑیاں رگڑنے والو! غم نہ کھاؤ ابھی دن کی روشنی اس کے بعد آنے والی ہے ؎

اے دل صبور باش و مخور غم کہ عاقبت

ایں شام صبح گردد و ایں شب سحر شود

(ترجمہ: اے دل! صبر کیجئے اور مت گھبرائیے اس لیے کہ انجام بکار اسی صبح کی شام ہوگی اور اس شب کی سحر لازماً ہوگی)

اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ وہ ہمیں بیدار اور ہر مشہود میں مطالعۂ جمال کے واصلین کا مشاہدہ نصیب فرمائے اور دائمی ظلمت الوجود اور فیض الجود کی محرومی سے پناہ مانگتے ہیں۔ وہی رحیم اور ودود ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ رحمٰن کے بندے نہ کہ دنیا اور شیطان اور نفس اور خواہشات کے بندے کیونکہ اگرچہ وہ بھی ایجاد کے لحاظ سے اسی کے بندے ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہو کر شرافت اور بزرگی کے مستحق نہیں ہیں اس لیے کہ وہ آنے والے اوصاف سے موصوف نہیں ہیں کیونکہ وہ اوصاف رحمتِ الٰہی کے آثار سے ہیں اور وہ مخصوص بندوں کے ساتھ مختص ہیں۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے وہ مقبول بندے اور یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ ہے۔ وہ لوگ ہیں جو چلتے ہیں۔ المشی بمعنے ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف اپنے ارادہ سے منتقل ہونا عَلَى الْاَرْضِ زمین پر جو کہ نہایت طمانیتٌ سکون وتحمل کی حامل ہے هَوْنًا درانحالیکہ وہ پرسکون اور پُر وقار ہوتے ہیں۔

ف: هَون بمعنے سکینہ و وقار ہے (کذا فی القاموس) هَوْنٌ انسان کی وہ کیفیت کہ اسے کسی وجہ سے طبع پر بوجھ محسوس نہ ہو (کذا فی المفردات)۔ هيّن بمعنے ليّن۔ کبھی ان دونوں کو مخفف بھی پڑھا جاتا ہے یعنی وہ انسان جو پرسکون اور نرم اور ملائم اور رقیق القلب ہو۔ یعنی وہ لوگ ہر لحاظ سے نرم اور پرسکون رہتے ہیں اور زمین پر چلتے ہیں تو بھی نہایت مسکین صورت اور متواضع اور منکسر ہو کر۔ ان سے تکبر اور فخر و ریاء کا ذرہ برابر بھی نشان نہیں ہوتا کیونکہ انھیں عظمتِ حق و ہیبتِ ذات مدِّنظر اور کبریائی وجلال کا مشاہدہ ہو تو اس سے سر اٹھانے کی سکت نہیں رکھتے اس لیے کہ ان کی ارواح کو خشوع اور ان کے نفوس و ابدان کو خضوع نصیب ہو چکا ہے۔

marfat.ocm

حدیث شریف میں ہے :

المومن هینون لینون کالجمل الانف ان قید انقاد و ان انیخ علی صخرة استناخ ۔

(مومن نہایت نرم اور رقیق ہیں جیسے اونٹ کی ناک میں نکیل ہو کہ اسے پکڑ کر باندھ لیا جائے تو سر جھکائے اور اگر بٹھایا جائے تو بیٹھ جائے)

حلِ لغات : صحاح میں ہے : انف البعیر یعنی سوئی کے چبھونے سے اونٹ کی ناک کو تکلیف ہوئی ۔ انف بروزنِ کتف ۔

حدیث شریف میں ہے :

المومن کالجمل ان قید انقاد و ان استنیخ علی صخرة استناخ ۔

(مومن اونٹ کی طرح ہے اگر اسے پکڑ کر لے جایا جائے تو سرِ تسلیم خم کرے اگر اسے پتھر پر بٹھایا جائے تو اس پر بیٹھ جائے)

وہ اس لیے کہ اگرچہ اس سے اسے تکلیف ہوتی ہے لیکن فرمانبرداری میں کمی نہیں کرتا اور قید بصیغہ مجہول از قاد والقود، السوق کی نقیض ہے فرق صرف یہ ہے کہ قود آگے چل کر اپنے پیچھے لگایا جانا ہے اور سوق اس کو آگے کر کے پیچھے سے ہانکا جانا ہے ۔ انقیاد بمعنے کھینچنا ۔ اور گردن نہادن بمعنے فرماں برداری کرنا ۔ اہلِ لغت کہتے ہیں :

انخت الجمل فاستناخ ۔

(میں نے اونٹ کو بٹھایا تو وہ بیٹھ گیا)

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ نے فرمایا : ؎

۱ فروتن بود ہوشمند گزیں
نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمیں

۲ چو سیل اندر آمد بہول و نہیب
فتاد از بلندی بسر در نشیب

۳ چو شبنم بیفتاد مسکین و خرد
بمہر آسمانش بعیوق برد

marfat.com

ترجمہ: (۱) تواضع دانا کو پسند ہے وہ شاخ سرزمین پر رکھتی ہے جو میووں سے پُر ہوتی ہے۔

(۲) جب سیلاب زوروں پر ہوتا ہے تو قطرات (بارش) سر کے بل زمین پر گرتے ہیں۔

(۳) چونکہ شبنم عاجزی سے نیچے گرتی ہے اسی لیے سورج اسے آسمان کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے۔

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ اور جب انھیں جاہل خطاب کرتے ہیں۔

حلِ لغات: الجهل علم سے خالی ہونا اور کسی شئے کو واقع کے خلاف اعتقاد رکھنا اور کسی کام کو اس کی اصلی صورت کے خلاف کرنا۔ اعتقاد (صحیح ہو یا فاسد اس) کے برعکس کا نام جہالت ہے، جیسے نماز کو عمداً ترک کرنا، یہ اعتقادِ فاسد کی دلیل ہے اسی سے ہے:

اتتخذنا هزوا قال اعوذ بالله ان اكون من الجٰهلين۔

(یہودیوں نے کہا: کیا آپ ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں۔ موسٰی علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں ہو جاؤں جاہلوں سے)

یہاں پر مذاق ٹھٹھا مخول کو جہل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کے بندوں سے جہال بالمشافہ قبیح بات کرتے ہیں تو قَالُوْا سَلٰمًا ۝ اللہ والے انہیں سلامتی کا جواب دیتے ہیں۔ یعنی انھیں کہتے ہیں کہ ہم تمہارے لیے سلامتی کے طالب ہیں۔ سلاماً فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے (کذا فی المفردات) یعنی کہتے ہیں کہ خدا کرے ہم تمہارے شر سے محفوظ رہیں اور تم ہمارے شر سے (کذا فی احیاء العلوم)

ف: بعض کے نزدیک سلاماً فعل محذوف کا مصدر ہے اور تسلّم کے قائم مقام ہے۔ اب معنی یوں ہوگا کہ ہم تم سے سلامتی چاہتے ہیں یعنی تمہیں جاہل کہنے سے کنارہ کش ہیں۔ المجاهلة بمعنی کسی کے ساتھ سفاہت کرنا یعنی ہم تمہارے کسی معاملہ میں خلط ملط نہیں کرتے۔ اس سے وہ جہل مراد ہے جو انہوں نے اللہ والوں کو کہا، کیونکہ یہ خفت کی علامت ہے یعنی خیر و شر میں ہم تم ایک دوسرے سے دُور ہیں نہ تمہیں ہمارے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ نہ ہمیں تمہارے ساتھ۔

ف: اکثر مفسرین کے نزدیک سلام سے اس کا معروف معنی مراد نہیں بلکہ یہ صفت ہے اس کا مصدر محذوف ہے دراصل عبارت یوں ہے: قالوا قولا سلاما۔ یعنی وہ ایسی بات کہتے ہیں جس سے وہ ان کے ایذاء و اثم سے سالم ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اللہ والے سفہاء و جہلاء کے درپے نہیں ہوتے اور نہ ہی ان سے کوئی بات کرتے ہیں اور نہ جھگڑتے ہیں۔

حضرت محقق رومی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

marfat.ocm

۱ اگر گویند زراقی و سالوس

بگو ہستم دو صد چنداں و میرد

۲ وگر از خشم دشنامی دہندت

دعا کن خوش دل و خنداں و میرد

ترجمہ: (۱) اگر تجھے کہیں کہ تو مکار اور چاپلوس ہے تو تم کہو کہ میں تو اس سے کئی گنا بڑھ کر ہوں۔

(۲) اگر تجھے کوئی غصے سے گالی دے تو تو اُسے خوش دلی سے دُعا دے اور ہنستا ہوا چلا جا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ~

۱ یکے بربطی در بغل داشت مست

بشب در سر پارسائی شکست

۲ چو روز آمد آں نیک مرد سلیم

بر سنگ دل برد یک مشت سیم

۳ کہ دوشینہ معذور بودی و مست

ترا و مرا بربط و سر شکست

۴ مرا بہ شد آں زخم و برخاست بیم

ترا بہ نخواہد شد الا بسیم

۵ ازاں دوستان خدا بر سرند

کہ از خلق بسیار بر خر خورند

ترجمہ: ۱۔ ایک آدمی سارنگی بغل میں دبا کر مست رہتا تھا۔ ایک رات کسی نیک آدمی کے سر پر مار کر اسے توڑ دیا۔

۲۔ دن کو وہ نیک آدمی اس سنگدل کیلئے چند ٹکے تحفہ کے طور پر لے گیا۔

۳۔ اور کہا کہ تو گذشتہ شب معذور و مست تھا تیری سارنگی ٹوٹی اور میرا سر۔

۴۔ میرا سر تو اچھا ہو گیا اور درد بھی ختم ہے لیکن تیری سارنگی سوائے پیسوں کے درست نہ ہو گی (لہٰذا یہ پیسے لے لے)

۵۔ اس لئے بندگانِ خدا سب سے اونچے ہیں کہ وہ خلقِ خدا سے بہت زیادہ تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔

ربط: یہاں سے اللہ والوں کے حال کے بیان کے بعد ان کا وہ حال بیان کیا گیا ہے کہ وہ دوسروں سے کیسے پیش آتے ہیں۔

مسئلہ: اکثر کے نزدیک یہ آیت محکم ہے کیونکہ بیوقوف کی کڑوی بات سُننا مندوب ہے اور جاہل کی جاہلانہ بات سے چشم پوشی۔ ادب و مروت و شریعت کے لحاظ سے امر مستحسن ہے اور یہی عزّت بچانے کا بہترین

marfat.com

طریقہ اور پرہیزگاری کے لیے زیادہ موافق ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت میں مخلوق کو جمع کرے گا تو منادی ندا دے گا کہ اہلِ فضل کہاں ہیں؟ ان میں بہت تھوڑے لوگ اُٹھ کھڑے ہوں گے ان سے پوچھ جائے گا تمہیں کون سی فضیلت حاصل ہوئی؟ وہ جواب دیں گے کہ جب ہم پر ظلم ہوتا تو ہم صبر کرتے اور جب ہمارے ساتھ کوئی بُرائی کرتا تو ہم بخش دیتے، اور جب ہمارے ساتھ زیادتی کی جاتی تو ہم حوصلہ کرتے۔ اس پر انہیں کہا جائے گا بہشت میں چلے جاؤ اس لیے کہ عمل والوں کا یہی بہتر عمل ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے اپنی امت کے چند ایسے افراد دیکھے ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے عنقریب پیدا ہونے والے ہیں میں ان سے محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے سے خیر خواہی کریں گے اور راہِ خدا میں مال لٹا دیں گے اور لوگوں میں نورِ الٰہی کے ساتھ وقار و آرام سے چلیں گے اور خوفِ خدا سے بھرپور ہوں گے۔ وہ لوگوں کو تکلیف نہیں دیں گے اور ان کے حوصلہ و صبر کی وجہ سے لوگ ان سے آرام پائیں گے۔ ذکرِ الٰہی سے ان کے قلوب مطمئن ہوں گے اور ان کی نمازوں سے ان کی مساجد آباد ہوں گی اور وہ چھوٹوں پر رحم کریں گے اور بڑوں کی عزت کریں گے اور آپس میں متفق ہوں گے ان کا دولت مند فقیر مسکین کی بیمار پرسی کرے گا۔ اور وہ ایک دوسرے کے جنازے میں شامل ہوں گے۔"

اس کے بعد آپ نے یہی آیت وعباد الرحمٰنِ الذین یمشون الخ پڑھی۔

لطائف بعض مشائخ نے فرمایا کہ عباد الرحمٰن کی عبادت ان کا زیور ہے اور فقر ان کی کرامت، اور طاعتِ الٰہی ان کی حلاوت اور محبتِ الٰہی ان کی لذت اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی حاجت اور ان کا تقوٰی ان کا زادِ راہ ہوگا اور ہدایت ان کی سواری ہوگی اور ان کی گفتگو قرآن ہوگی اور ذکر ان کی زینت ہوگی اور قناعت ان کا مال ہوگا اور ان کا کسب عبادت ہوگی اور شیطان ان کا دشمن ہوگا اور حق ان کا نگہبان ہوگا اور دن ان کی عبرت گاہ ہوگی اور غور و فکر کر کے رات گزارتے ہیں۔ اور حیات ان کا مرحلہ اور موت ان کی منزل اور قبر ان کا قلعہ ہے اور فردوس ان کا مسکن ہے اور ان کی آرزو زیارتِ الٰہی ہوگی۔

عبداللہ اللہ تعالیٰ کے بندے مختلف اسماء رکھتے ہیں؛ (۱) عبدالرزاق (۲) عبدالوہاب وغیرہ لیکن صرف نام سے اللہ تعالیٰ کی عبودیت حاصل نہیں جب تک کہ اس میں اسم کی تجلیات کی جھلک نہ ہو۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ عبداللہ وہ ہے جس میں

marfat.ocm

اللہ تعالیٰ اپنے جمیع تجلیات صفاتیہ سے متجلی ہو۔ اور حقیقۃً عبداللہ یہی ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ نہیں اور نہ ہی اس سے اعلیٰ شان والا کوئی اور بندہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایسے خوش قسمت انسان کو اسمِ اعظم نصیب ہوتا ہے۔ اور وہ جمیع صفات الٰہیہ سے موصوف ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ اسم صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے (کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات سے موصوف ہیں۔ (ولکن الوہابیہ قوم لا یعقلون) اسی تقریر پر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا ہے:

وانہ لما قام عبد اللہ یدعوہ۔ اور بے شک جب اللہ تعالیٰ کا بندہ کھڑا ہو کر اسے پکارتا ہے (عبادت کرتا ہے)

اس معنیٰ پر عبداللہ کا نام حضور علیہ السلام کے لیے حقیقۃً اور آپ کے تابعداروں (اقطاب، اغواث وغیرہ) کے لیے مجازاً۔ (کیونکہ جنہیں بھی صفاتِ الٰہیہ سے کچھ نصیب ہوا ہے وہ نبی علیہ السلام کی اتباع کے طفیل ملا ہے)

عبد الرحمٰن وہ جو اسم رحمٰن کا مظہر ہو۔ اسی معنیٰ پر وہ جملہ عالمین کے لیے رحمت ہوتا ہے۔ کسی بھی عالم کا کوئی ایک فرد بھی اس کی رحمت سے خارج نہیں ہوتا ہے جتنی کسی کی قابلیت و استعداد ہوتی ہے اتنی ہی اسے رحمت نصیب ہوتی ہے۔

عبد الرحیم وہ جو اسم رحیم کا مظہر ہو۔ یہ رحمت خاصہ ہے۔ یہ اسے نصیب ہوتا ہے جو متقی صالح ہو اور جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اس میں غیرت ہو کہ اس سے انتقام لے جو اللہ تعالیٰ کا مغضوب ہے۔

عبد الرزاق وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ وسیع رزق عطا فرمائے اور وہ رزق کو اپنے بجائے خلقِ خدا پر صرف کرے۔

عبد الوهاب وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ اسم جود کے ساتھ جلوہ فرمائے جو مستحق کو اس کے استحقاق پر بلا عوض اور بغیر کسی طمع و لالچ اور امید کے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے عطا کرے اور امدادِ الٰہی سے اہلِ عنایت کی مدد کرے۔ (اے اللہ! ہم سب کو ان حضرات سے بنا جو اسمائے حسنیٰ کی تحقیق رکھنے والے ہیں کیونکہ وہی مطلب اعلیٰ اور مقصد اسنیٰ ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ اس کا عطف موصوف اول پر ہے۔ یبیتونۃ، ظلال کی نقیض ہے بمعنی رات گزارنا، نیند ہو یا نہ ہو۔ اہلِ عرب کہتے ہیں:

بات فلان قلقا۔

(فلاں نے اضطراب میں شب گزاری)

marfat.com

اب آیت کا معنی یہ ہوگا کہ عبادِ رحمٰن وُہ لوگ ہیں جو رات گزارتے ہیں لِرَبِّهِمْ اپنے رب (پروردگار) کے لیے، انہیں اپنے نفس کے حظ کا کوئی خیال نہیں۔ اور یہ اپنے مابعد سے متعلق ہے اور تقدیم تخصیص کے لیے ہے چونکہ فاصلہ مطلوب ہے اسی لیے جار مجرور کو مقدم کیا گیا ہے سُجَّدًا ساجد کی جمع ہے یعنی درانحالیکہ وُہ لوگ اپنے چہروں پر گر کر سجدہ کرتے ہیں وَّقِيَامًا یہ قایم کی جمع ہے جیسے نائم نیام کی جمع ہے یا مصدر ہے اور جمع کے صیغہ کے قائم مقام واقع ہے۔ یعنی درانحالیکہ وہ اپنے قدموں پہ کھڑے ہوتے ہیں اور تقدیم سجود علی القیام فواصل کی رعایت سے ہے تاکہ یقین ہو کہ نماز میں قیام سجدہ سے پہلے ہوتا ہے حالانکہ سجدہ کی اہمیت کا تقاضا یہ تھا کہ سجدہ ہر عمل سے پہلے ہو۔

حدیث شریف

اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد۔

(بندہ سجدہ کے وقت اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے)

اور کفار سجدہ سے نہ صرف کتراتے بلکہ اس سے تکبر کرتے ہیں یہاں تک کہ کافروں کے بعض بیوقوفوں سے سُنا گیا وُہ کہتے تھے کہ ہم دُبروں کو سر سے اوپر نہیں کرتے۔

اب معنی یہ ہُوا کہ وہ اپنے پروردگار کو سجدہ کرتے اور قائم ہیں۔ یعنی وہ ساری رات یا رات کا اکثر حصہ زندہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ متقین کے متعلق فرماتا ہے:

کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون۔

(وہ رات کے تھوڑے حصے میں سوتے ہیں)

نکتہ: عبادت کے لیے رات کی تخصیص اس لیے ہے کہ رات کو عبادت کرنا نفس کے لیے سخت کام اور ریاء سے بعید تر ہے۔ اور ان کے اس معاملہ کا بیان ہے جو اپنے پروردگار کے ساتھ کرتے ہیں کہ دن کو ان کا کیا کام ہوتا ہے اور رات کو کیا۔

ف: بہت سے بزرگوں کی سوانح میں ہم نے پڑھا ہے کہ وہ رات کو عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھا کرتے جیسے حضرت سعید بن المسیب، فضیل بن عیاض، ابوسلیمان دارانی، حبیب عجمی، مالک بن دینار اور رابعہ عدویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ غوثِ اعظم و امام اعظم و دیگران جیسے محبوبانِ خدا رحمہم اللہ)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے وہ اپنے رب کے لیے سجدہ کرتے ہوئے رات گزارتے ہیں تو صبح ہوتے ہی اپنے رب کو پا لیتے ہیں گویا انھیں رات کے سجدوں کا نتیجہ صبح کو مل جاتا ہے۔

marfat.ocm

حدیث شریف میں ہے:
من کثر صلاته باللیل حسن وجهه بالنهار۔
(جو رات کو سجدے بکثرت کرتا ہے دن کو اس کا چہرہ نورانی ہوتا ہے)
یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی عزت و عظمت بڑھ جاتی ہے اشیاء کے ظاہر میں بہتر شے سجدہ ہے اور باطن انسان کا اسی سے مزین ہوتا ہے۔

حکایت بی بی حفصہ بنت سیرین یعنی محمد بن سیرین کی بہن ہر رات پندرہ پارے نوافل میں کھڑے ہو کر پڑھتی تھیں جب دیا بجھ جاتا تو صبح تک قدرتی طور پر اس کا گھر نور سے روشن رہتا اور یہ بی بی بصرہ کی بہترین عابدات میں سے تھیں یہاں تک ابن سیرین رضی اللہ عنہ کو اگر قرآن مجید میں التباس پڑجاتا تو فرماتے حفصہ سے جا کر سنو وہ اسے کیسے پڑھتی ہیں اور وہ فرمایا کرتی تھیں اے نوجوانو! جوانی میں ہی کچھ کر لو کیونکہ میں نے سب کچھ جوانی میں پایا ہے۔

حکایت بی بی رابعہ رضی اللہ عنہا ساری رات عبادت میں گزارتی تھیں۔ جب سحر قریب ہوتی تو تھوڑی دیر سو جاتیں اور پھر اپنے آپ کو کہتیں کہ اے نفس! کتنی دیر سوئے گا اور کتنی دیر ٹھہرے گا ابھی تیری نیند کا وقت آرہا ہے تو ایسا سوئے گا کہ پھر اُٹھے گا نہیں۔

حدیث شریف میں ہے:
قم من اللیل ولو قدر حلب شاة۔
(رات کو عبادت کے لیے اٹھو اگرچہ بکری دوہنے کی دیر)

ف: جو بوجہ سستی اور غفلت یا اسے معمولی عمل سمجھ کر یا کسی اور خیال سے دھوکا کھا کر رات کو عبادت کے لئے نہیں اُٹھتا وہ اپنی محرومی کا ماتم کرے کیونکہ اس نے اپنا بہت بڑا نقصان کیا ہے۔

ف: جو شخص امورِ دنیا کے مشاغل، دیگر کاروبار کے اہتمام، اعضاء کی تھکان، بسیار خوری، دیر تک باتوں میں لگے رہنے، لہو ولعب میں وقت گزارنے اور دن کو قیلولہ نہ کرنے کی وجہ سے رات کو عبادت کیلیے نہیں اُٹھتا اس جیسا اور کون محروم ہوگا۔

ف: اسے منجانب اللہ توفیق دیا ہوا سمجھو جو اپنے وقت کو غنیمت جانتا ہے اور اپنی بیماری اور اس کا علاج جانتا ہے اور اپنے اوقات کو ضائع نہیں کرتا۔

سوال: فقیر[1] اسے اللہ تعالیٰ فعلِ خیر کی قوت بخشے، کہتا ہے کہ اگر تجھ سے کوئی سوال کرے کہ اس حدیث شریف کا جواب کیا ہے جبکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص عشاء کی نماز باجماعت

---

[1] صاحب روح البیان قدس سرہٗ ۱۲۔

marfat.com

پڑھتا ہے گویا وہ ساری رات جاگتا رہا اور جو صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا ہے گویا وہ ساری رات عبادت میں رہا۔" اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ دو نمازوں کو باجماعت ادا کرنے پر ساری رات کی مشقت سے بھی بچ گیا اور ثواب بھی ساری رات کا پا گیا۔

جواب : حدیث شریف میں نماز باجماعت ادا کرنے کی ترغیب اور پھر رات کو آرام کرنے کی رخصت اور تاثیر نیت کا بیان ہے۔ مثلاً جو شخص رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر سوتا ہے اور دل میں نیت رکھتا ہے کہ صبح کی نماز باجماعت ادا کرے گا تو وہ اگرچہ بستر پر سو رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک گویا وہ مسجد میں نماز کا انتظار کر رہا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ بہت سی نیک نیتیں نیک عمل کرنے سے اعلیٰ مرتبہ رکھتی ہیں اگرچہ نیت مع عمل افضل ہے اور رخصت سے عزیمت کو فوقیت حاصل ہے۔

ف : حضرت عبداللہ بن سہل تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سنن مؤکدہ فرائض کی اور نوافل سنن کی اور مستحبات نوافل کی تکمیل کے لیے ہوتے ہیں اور ترک دنیا بھی مستحبات میں سے ایک ہے۔

مسئلہ : فقہاءؒ کا اختلاف ہے کہ کیا نماز میں قیام طویل افضل ہے یا کثرتِ سجود و رکوع۔ (درر کتاب فقہ) میں لکھا ہے کہ :

طول القیام اولیٰ من کثرت السجود۔

(کثرتِ سجود سے طویل قیام افضل ہے)

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا :

افضل الصلوات طول القنوت۔

(نمازوں میں وہ نماز افضل ہے جس میں قیام طویل ہو)

القنوت بمعنے القیام ہے اس لیے کہ قرأت میں طول قیام میں قرأت کی کثرت ہوتی ہے اور رکوع و سجود کی طوالت میں تسبیحات کی کثرت حاصل ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ قرأت کی کثرت تسبیح کی کثرت سے افضل ہے۔ بعض فقہاءؒ نے کثرتِ سجود کو افضل کہا ہے۔

حکایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی کو نماز میں طویل قیام کرتے دیکھ کر فرمایا کہ اگر میں اسے جانتا ہوتا تو اسے کہتا کہ رکوع و سجود کی کثرت کیجئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا، فرمایا کہ بندہ جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو گناہ اس کے سر اور کاندھوں پر رکھے جاتے ہیں۔ جب وہ رکوع و سجود کرتا ہے تو وہ تمام گناہ اس سے گر جاتے ہیں۔

marfat.ocm

حکایت حضرت معدان بن طلحہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ثوبان غلامِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا اور عرض کی کہ مجھے ایسا عمل بتائیے جس سے بہشت کا داخلہ نصیب ہو۔ فرمایا کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق عرض کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا :

علیك بکثرۃ السجود للہ فانك لا تسجد للہ سجدۃ الا رفعك اللہ بہا درجۃ وحط عنك بہا خطیئۃ۔

(کثرتِ سجود پر التزام کیجئے اس لیے کہ تیرے ایک سجدے سے تیرا ایک مرتبہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے)

مسئلہ : ہر نیک کام میں اچھی نیت اور خلوصِ کامل ضروری ہے۔

ع

۱ مشایخ ہمہ شب دعا خواندہ اند
سحر گہ مصلی بر افشاندہ اند

۲ کسے کو بتابد ز محراب روے
بکفرش گواہی دہند اہل کوے

۳ تو ہم پشت بر قبلہ در نماز
گرت در خدا نیست روے نیاز

(ترجمہ : (۱) مشایخ تمام رات دعا میں مشغول رہ کر صبح کو مصلّے وغیرہ لپیٹ لیتے ہیں تاکہ ریاء کا شائبہ نہ ہو۔

(۲) وہ شخص جو محراب یعنی عبادتِ الٰہی کا انکار کرتا ہے اس کے کفر کی اس کے ہمسائے گواہی دیتے ہیں۔

(۳) تیری پیٹھ بھی نماز کے وقت قبلہ کی طرف ہے اگر تیری نیت نیاز درگاہ خداوندی کی نہیں تو۔
ہم سب کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف متوجہ ہونے کی توفیق بخشے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کے بعد یا عام اوقات میں کہتے ہیں رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا اے ہمارے پروردگار! پھیر دے ہمیں عَذَابَ جَہَنَّمَ جہنم کے عذاب سے۔ العذاب بمعنے الایجاع الشدید (سخت درد پہنچانا)، اِنَّ عَذَابَہَا کَانَ غَرَامًا ۖ بے شک اس کا عذاب گلے کا طوق یعنی دائمی شر اور ہلاکت لازمی ہے یعنی

marfat.com

کافروں کو جو عذاب پہنچے گا اس سے ان کو فراغت نہ ملے گی۔

حلِ لغات : راغب رحمہ اللہ مفردات میں لکھتے ہیں کہ غرام ، مغرمًا بالنساء سے ہے۔ یعنی وہ شخص جو عورتوں کا فریفتہ ہے ان کے پیچھے قرضدار کی طرح لگا رہتا ہے۔ الغریم وہ شخص جس پر قرض ہو۔

ف : حضرت محمد بن کعب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے اپنی نعمتوں کا ثمن مانگا وہ نہ ادا کر سکے تو انھیں اللہ تعالیٰ نے غرق کر دیا۔

اِنَّهَا سَاۗءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ○ بے شک وہ بُرا ٹھکانا اور بُری آرام گاہ ہے۔ پہلے ان کے بُرے کردار کی بری جزا کا ذکر تھا اب ان کے بُرے ٹھکانے کا بیان ہے۔ یہ کلام کا تتمہ ہے اور ساءت کی ضمیر تو ان کے اسم کی طرف راجع ہے نہ ہی کسی دوسرے معیّن اسم کی طرف۔ بلکہ یہ ایک مبہم ضمیر ہے جس کی تفسیر اس کے مابعد کی تمیز کرتی ہے۔ یعنی مستقرا و مقاما ، اس لیے کہ افعال ذم کے فاعل کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ معرف باللام ہوتا ہے یا مضاف بہ معرف باللام یا مضمر ممیز بنکرۂ منصوبہ ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بُرا ہے وہ مقام جو ان کے ٹھہرنے اور رہنے کی جگہ ہے یعنی جہنّم۔ آیت میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ خلق کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے ہیں اور حق تعالیٰ کی عبادت میں بھی مشغول رہتے ہیں لیکن باوجود ایں ہمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زاری و انکساری کرتے ہوئے ڈرتے رہتے ہیں اور آرزو کرتے ہیں کہ ان سے دوزخ کا عذاب پھیر دیا جائے۔ یعنی جدّوجہد کرتے ہیں اور امکانی صورت تک کوشاں رہتے ہیں۔ اور سوال و دُعا کے وقت اپنے آپ کو بہت بڑا مجرم اور گنہگار سمجھتے ہیں اور نہایت ہی عذر کے ساتھ لسان تذلّل سے بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

وما رمت الدخول علیہ حتی

حللت محلۃ العبد الذلیل

(ترجمہ : میں نے اس کے ہاں حاضری کی کوشش نہیں کی۔ ہاں جب بھی گیا ہوں تو عبدِ ذلیل کی طرح حاضر ہوا ہوں)

ف : اس کی وجہ وہی ہے کہ انہوں نے اپنے اعمال کا کوئی اعتبار نہیں کیا اور نہ ہی اپنے احوال پر بھروسا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا حال بیان فرمایا ہے :

والذین یؤتون ما آتوا وقلوبہم وجلۃ۔

(اور وہ لوگ جن کو ہم نے مال و دولت دی ہے وہ راہِ حق میں خرچ کرتے ہیں تو ان کے دل خوفِ خدا سے ڈرتے ہیں)

marfat.ocm

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

طریقت ہمینست کاہل یقین
نکو کار بودند و تقصیر بین

(ترجمہ : طریقت یہی ہے کہ اہل طریقت وہ ہیں جو نیکی بھی کرتے ہیں لیکن پھر بھی اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتے ہیں)

اور فرمایا : ؎

بندہ ہمان بہ کہ ز تقصیرِ خویش
عذر بدرگاہ خدائے آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش
کس نتواند کہ بجائے آورد

(ترجمہ : وہی بندہ بہتر ہے جو اپنی کوتاہیوں کا عذر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لائے۔ ورنہ اس کے خداوند ہونے کی حیثیت سے کوئی بھی اس کا شکر نہیں بجا لاسکتا)

مسئلہ : اس بندۂ خدا کو عبودیت سے ذرہ برابر بھی حصہ نصیب نہیں جو عبادت کرتا ہے تو ریا کی، اور زبانی جمع خرچ کے سوا اور کچھ اس کے پاس ہے نہیں۔

ف : ہجویری رحمہ اللہ نے فرمایا اس بندے کے متعلق محبتِ حق کی علامت سمجھو جو اپنی ہر عبادت میں کوتاہی اور اخلاص میں کمی تصور کرے اور خیال رکھے کہ میں نے کبھی اللہ تعالیٰ کو یاد کیا ہی نہیں اور صداقت سے مجھے حصہ نصیب نہیں ہوا اور مجاہدہ میں کوتاہی ہی کوتاہی رکھتا ہوں اور فقر کی میں نے کچھ رعایت نہیں کی غرضیکہ وہ اپنے احوال اللہ تعالیٰ کے ہاں غیر پسندیدہ سمجھتا ہے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے فقر اور محتاجی کے اظہار میں بڑھتا رہتا ہے اور سیر الی اللہ میں بڑھتے بڑھتے فنا کے مقام کو پہنچ جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا تمام کو فانی دیکھتا ہے۔

دُعا مانگنا آیت سے ثابت ہوا کہ مطلقاً دعا مانگنا ہر وقت جائز ہے بالخصوص نمازوں کے بعد، کیونکہ دُعا عبادت کا مغز ہے اور نمازی کو چاہیے کہ نماز کے بعد دعا ضرور مانگے خواہ وہ اکیلا ہو یا جماعت کے ساتھ۔ امام ہو یا مقتدی۔

دعا کے الفاظ اللھم صلّ علیٰ (سیدنا) محمد و علیٰ اٰل (سیدنا) محمد
اللھم انی اسئلك الجنّة وما قرب الیھا من قول وعمل واعوذبك

marfat.com

من النار وما قرب الیها من قول وعمل اللھم استر عورا تی و آمن روعاتی واقل عثراتی اللھم انی اسئلك ایمانا لا یرتد و نعیما لا ینفد وقرۃ عین الابد ومرافقۃ نبیك محمد اللھم البس وجوھنا منك الحیاء واملاء قلوبنا بك فرحا واسکن فی نفوسنا عظمتك وذلل جوارحنا لخدمتك واجعلك احب الینا مما سواك اللھم افعل بنا ما انت اھلہ ولا تفعل بنا ما نحن اھلہ اللھم اغفرلی ولوالدی وارحمھما کما ربیانی صغیرا واغفر لاعمامنا وعماتنا واخوالنا وخالاتنا وازواجنا وذریاتنا ولجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والاموات یاارحم الراحمین ویا خیر الغافرین۔

(ترجمہ: اے اللہ! اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر رحمت بھیج۔ اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا اور اس قول و عمل کا سوال کرتا ہوں جو جنت کے قریب کردے اور پناہ مانگتا ہوں دوزخ سے اور اس قول و عمل سے جو دوزخ کے قریب کردے اے اللہ! میرے عیوب ڈھانپ دے اور گھبراہٹوں سے مجھے محفوظ فرما اور میری لغزشیں معاف فرما اے اللہ! میں تجھ سے ایمان کا سوال کرتا ہوں کہ وہ رد نہ ہو اور نعمتیں کہ ختم نہ ہوں اور آنکھوں کی دائمی ٹھنڈک اور تیرے پیارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنت کی رفاقت مانگتا ہوں اے اللہ! اپنی طرف سے ہمارے چہروں پر حیاء کا لباس پہنا اور ہمارے دلوں کو اپنی طرف سے خوشی سے بھر دے اور ہمارے نفوس کو اپنی عظمت کی تسکین بخش اور اپنی خدمت کے لیے ہمارے نفوس کو اپنا فرمانبردار بنا دے اور ما سوا اپنے تو اپنی ذات ہمیں زیادہ محبوب بنا دے اے اللہ! ہمارے ساتھ وہی کر جس کا تو لائق ہے نہ کہ جس طرح ہم لیاقت رکھتے ہیں اے اللہ! مجھے بخش دے اور میرے والدین کو بھی اور ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے ہماری تربیت فرمائی جبکہ میں چھوٹا تھا اور ہمارے چچاؤں کو بخش اور ہماری پھوپھیوں کو اور ہماری خالاؤں کو اور ہماری عورتوں کو اور ہماری اولاد کو اور تمام مرد و زن اہلِ ایمان و اہلِ اسلام کو بخش دے ان میں جو زندہ ہیں یا مر گئے ہیں، اے تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحیم اور تمام بخشنے والوں سے اعلیٰ)

ف: ان کے علاوہ اور دُعائیں عوارف المعارف میں قوت القلوب للامام المکی میں ہیں وغیرہ۔

marfat.ocm

وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا اور وہ لوگ جنہوں نے خرچ کیا۔

حلِ لغات : نفق الشئ یہ اس وقت بولتے ہیں جب شے جل جائے اور ختم ہو جائے بیع کے ذریعے۔ مثلاً کہتے ہیں :

نفق المبیع نفاقا۔

یا موت سے، جیسے : نفقت الدابۃ نفوقا۔

یا فنا سے، جیسے : نفقت الدراھم وانفقتھا۔

لَمۡ یُسۡرِفُوۡا اور حد سے نہیں بڑھے یعنی احسان وکرم کی حد سے متجاوز نہیں ہوئے وَلَمۡ یَقۡتُرُوۡا اور تنگی نہیں کی یعنی بخیل کی طرح مال کو چھپا کر رکھ نہیں دیا۔

حلِ لغات : قتر، اقتار، تقتیر بمعنے وہ تنگی جو اسراف کی نقیض ہے اور اسراف بمعنے خرچ کرنے کی حد سے بڑھ جانا۔

وَكَانَ اور ہے انفاق وہ جس پر انفقوا دلالت کرتا ہے بَیۡنَ ذٰلِكَ تنگی اور انفاق مذکور کے درمیان۔ یہ کان کی خبر ہے۔ قَوَامًا ۝ یہ دوسری خبر ہے۔ یا یہ خبر ہے اور بین ذٰلك ظرف لغو ہے کان کی یہ اس مذہب پر ہے جو کان کو ظرف کا عامل مانتا ہے۔ اب معنی یہ ہُوا کہ خرچ کرو جو تنگی اور اسراف کے درمیان ہے یعنی دونوں طرفوں کو مدِّنظر رکھ کر خرچ کیا جائے ان میں کسی کو بلا وجہ ترجیح نہ دی جائے یہ ایسے ہے جیسے دائرہ کا مرکز ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہر طرف کو برابر رکھتا ہے۔ قوام اور سواء ایک دوسرے کی نظیر ہیں چونکہ ان کی دونوں طرفیں برابر ہوتی ہیں اس لیے سواء سے موسوم ہے۔ یہ آیت :

ولا تجعل یدك مغلولۃ الیٰ عنقك	اور نہ کر اپنے ہاتھ کو گردن سے بندھا
ولا تبسطھا كل البسط فتقعد ملوما	ہُوا اور نہ ہی اسے پُورا کھول دے
محسورا۔	سو تو بیٹھ جائے گا ملامت کیا ہُوا اور
	حسرت خوردہ۔

کی نظیر ہے ؎

وسط را مکن ہرگز از کف رہا
کہ خیر الامور ست اوساطہا

(ترجمہ : درمیانی رفتار کو ہاتھ سے نہ جانے دے اس لیے کہ درمیانے امور بہتر ہیں۔)

marfat.com

انفاق کی قسمیں

انفاق دو قسم ہے:

(۱) محمود

(۲) مذموم

محمود وہ ہے جس کا مرتکب عدالت (برابری) کو مدِ نظر رکھے۔ یعنی شرع کے احکام کے مطابق خرچ کرے جیسے صدقہ فرضیہ اور اپنے عیال پر خرچ کرنا۔ اسی لیے حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا: انسان جو کچھ اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے اس میں نہ اسراف کرتا ہے نہ فساد نہ تنگی، تو وہ راہِ خدا میں لٹانے کے معنی میں ہے۔ اور ایسے جو خرچ ثواب کی خاطر کیا جائے اور وہ وہی ہے جس کا خرچ کرنا شریعت نے بتایا ہے۔ اور وہ خرچ بھی محمود ہے جو انسان کی مروت پر دال ہو۔ یعنی وہ خرچ جسے شرع نے مندوب قرار دیا ہے۔ یعنی خلقِ خدا سے مروت کر کے ان کو شکریے کا موقع دینا۔ اور نعمت کے مالک یعنی اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب حاصل کرنا۔

انفاق مذموم بھی دو قسم ہے:

(۱) افراط یعنی تبذیر و اسراف یعنی فضول خرچی۔

(۲) امساک و التقصیر یعنی تنگی سے خرچ کرنا۔

ان میں کیفیت و کمیت کی رعایت ضروری ہے۔ تبذیر کیفیت کے لحاظ سے یوں ہے کہ اپنے حال سے بڑھ کر کوئی شے خرچ کرے۔ اور کیفیت کے لحاظ سے یوں ہے کہ اسے غیر محل میں خرچ کیا جائے۔ اس میں کمیت کے لحاظ سے کمیت کا اعتبار زیادہ ہے بہت سے تھوڑا خرچ کرنے والے مسرف اور ظالم و مفسد کہلاتے ہیں جیسے فاجرہ عورت کو کچھ دینا اگرچہ معمولی سہی یا شراب خریدنا اگرچہ تھوڑی سی قیمت میں۔ ہاں ہزاروں روپے خرچ کر دینا یہاں تک کہ گھر کا گھر راہِ خدا میں خرچ کر دینا اسراف میں داخل نہیں بلکہ وہ میانہ روی ہے اور ان کا خرچ کرنا محمود ہی محمود ہے جیسے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے غزوۂ تبوک میں اپنے گھر کا تمام اثاثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر رکھ دیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما ذا ابقیت لاھلك یا ابا بکر۔

(اے ابوبکر! تم نے اپنے بچوں کے لیے کیا چھوڑا)

عرض کی:

اللہ و رسولہ۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ آیا ہوں)

(یہ ہے اہلسنت کا مذہب، جو ہر وقت عقیدت سے کہا کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ و رسول (جل جلالہ، و

marfat.ocm

صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کافی ہیں اور اسی سے حاضر و ناظر کے مسئلہ کی بھی دلیل ملتی ہے)[1]

لطیفہ کسی دانا سے پوچھا گیا کہ وہ کون سا قلیل ہے جس کا خرچ اسراف سمجھا جائے اور جس کا کثیر حق۔ فرمایا جو باطل میں خرچ ہو اگرچہ کتنا ہی تھوڑا ہو وہ اسراف ہے اور راہِ حق میں جتنا کثیر ہو تو وہ اسراف نہیں بلکہ حق ہی حق ہے۔

مجاہد مفسر کا قول امام مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کسی کے پاس ابو قبیس (پہاڑ) کے برابر سونا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دے تو وہ اسراف نہیں لیکن جسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کیا جائے وہ اسراف ہے اگرچہ ایک درم ہی ہو۔

اور تقتیر از جہۃ کمیت یہ ہے کہ اپنی وسعتِ حال کے باوجود بہت کم خرچ کرے اور کیفیت یہ ہے کہ خرچ کرنے کی جگہ پر خرچ نہ کرے اور جہاں خرچ نہیں کرنا وہاں خرچ کرے۔

ف بعض لوگوں کے نزدیک فضول خرچی اچھی ہے۔ لیکن چونکہ عند الشرع ضرورت سے زائد ہے اسی لئے وہ تبذیر ہے اور بخل اگرچہ لوگوں کی نظروں میں مذموم ہے لیکن اگر ضرورت کے مطابق ہو تو تبذیر نہیں ویسے سخاوت فی نفسہٖ ہر حال میں اچھی شے اور بخل بُرا ہے اس لیے کہ فضول خرچی سے سخاوت کی طرف رجوع کرنا آسان ہے لیکن بخل سے سخی بننا مشکل ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ فضول خرچ انسان کسی وقت نفع دیتا ہے اگرچہ فی نفسہٖ تبذیر مذموم ہے لیکن جب نفع دے گا تو وہ مذموم محمود ہو جائے گا۔ کنجوس نہ اپنے آپ کو فائدہ دیتا ہے نہ دوسروں کو۔ فضول خرچی درحقیقت من وجہٍ قبیح ترین ہے اس لیے کہ اسراف میں حق کو ضائع کرنا ہے اور اسراف مسرف کو ظلم کی طرف کھینچ لاتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ بخیل ظالم کی بہ نسبت زیادہ معذور ہے اس لیے کہ اسے مال کی قدر و قیمت معلوم نہیں کیونکہ مال تو بقائے نفس کا سبب ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جہالت ہر شے کی سر ہے اور مال ضائع کرنے والا ظالم ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں:

۱- مال کا لینا غیر محل میں ہے۔

۲- مال کو خرچ کرنا بھی۔

فضیلتِ صحابہ حضرت یزید بن حبیب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت کا بیان ہے کہ ان کا کھانا پینا دنیا داری کی حیثیت سے نہیں تھا اور نہ ہی ان کا لباس سنگار کے لیے تھا۔ بلکہ اس قدر کھاتے پیتے کہ بھوک پیاس رفع ہو جائے اور عبادت میں مدد دے۔ اور

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

marfat.com

اور پہننے اس قدر کہ جس سے ستر پوشی ہو سکے اور گرمی و سردی سے بچا جا سکے۔

حدیث شریف میں ہے:

لیس لابن آدم حق فیما سوی ھذہ الخصال بیت یکنہ و ثوب یواری عورتہ و جرف الخبز والماء۔

(ابن آدم کا حق ذیل کے امور میں صرف اتنا ہے کہ گھر بنائے تو سر چھپانے کے لیے، کپڑے پہنے تو ستر ڈھانپنے کے لیے، روٹی کے ٹکڑے جینے کے لیے، پانی پینے اور نہانے دھونے کے لیے)

ف: جرف بمعنے روٹی کے ٹکڑے۔ جرفۃ بالکسر کی جمع ہے۔

مسئلہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بھی فضول خرچی ہے کہ نفس کسی چیز کی خواہش کرے تو فوراً اسے خرید کر دے دی جائے۔ ؎

اگرچہ باشد مرادت خوری
ز دوران بسی نامرادی بری
دریغ آدمی زادہ پر محل
کہ باشد چو انعام بل ہم اضل

(ترجمہ: اگر تیرا مقصد صرف کھانا پینا ہے تو تجھے زندگی میں نامرادی حاصل ہوگی۔ اس آدمی زادے شہوت پرست پر افسوس ہے جو جانوروں سے بھی گیا گزرا ہے)

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

خواب و خورت ز مرتبہ خویش دور کرد
آنگہ رسی بخویش کہ بے خواب و خور شوے

(ترجمہ: اپنے سے خواب و خوراک دور کرئے۔ خودی کو اس وقت پائے گا جب تو خواب و خوراک کو دور کر دے گا)

فائدہ علمی اسراف صرف مال میں نہیں بلکہ ہر وہ امر اسراف میں داخل ہے جسے غیر محل میں رکھا جائے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو مسرفین فرمایا ہے جبکہ انہوں نے بیج کھیتی کی جگہ میں نہ رکھا۔

چنانچہ فرمایا:

ائنکم لتاتون الرجال شھوۃ من دون النساء بل انتم قوم مسرفون۔

(بے شک تم مردوں کے پاس عورتوں کی بجائے شہوت رانی کرتے ہو بلکہ تم ہو حد سے بڑھنے والی قوم)

marfat.ocm

اور فرعون کو بھی مسرف فرمایا ۔ کما قال :

انہ کان عالیا من المسرفین ۔

(بے شک وہ متکبر حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا)

اس لیے کہ غیر متکبر سے تکبر اسراف مذموم ہے اور متکبر کو میانہ روی اچھی ہے ۔ اسی طرح باقی امور کا قیاس کیجیے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ وہ خرچ کرنے والے اہل اللہ ہیں جو اپنے وجود کو اللہ کی ذات و صفات میں خرچ کرتے ہیں اور وہ مجاہدہ و ریاضت میں حد سے نہیں بڑھتے کہ وہ اپنے آپ کو بالکل تباہ و برباد کر دیں ۔ چنانچہ خود فرمایا :

ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ ۔

(اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)

ولم یقتروا اور تنگی نہیں کرتے یعنی وجود کے خرچ کرنے میں خواہشات و شہوات کے ترک کرنے میں نفس سے جہاد نہ کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی :

انذر قومك من اكل الشهوات فان القلوب المتعلقة بالشهوات محجوبة عنى ۔

(اپنی قوم کو شہوانی اشیأ کے کھانے سے ڈرائیے اس لیے کہ وہ قلوب جو شہوات سے متعلق ہیں وہ مجھ سے محجوب ہیں ۔)

وکان بین ذلك قواما اور وہ میانہ رو ہیں کہ نہ تو وہ زیادہ مجاہدہ کر کے ہلاکت کے گڑھے میں پڑتے ہیں اور نہ ہی مجاہدہ کے ترک سے شہوات کے پیچھے لگ کر قلب کو خراب کرتے ہیں ۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۔ لا یدعون بمعنے لا یعبدون یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے ۔ جیسے بت ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا شریک نہیں ٹھہراتے ۔ (اس سے ہمارے دور کے وہابیوں دیوبندیوں کا رد ہو گیا یہاں دُعا بمعنے عبادت ہے ۔ اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معبود ماننا ہے ۔ اور وہابی لوگ دُعا کا معنی پکارنا کر کے انبیاء و اولیا کو وسیلہ کے طور پکارنے کو شرک اور انبیاء و اولیاء کو شریک قرار دے کر ہم اہل السنت والجماعت کو مشرک کہتے ہیں)[1]

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

شرک کے اقسام کہا جاتا ہے شرک تین قسم ہے :

(۱) اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت کرنا۔

(۲) گناہ کرنے میں کسی دوسرے کا حکم ماننا۔

(۳) غیر اللہ کے لیے کوئی نیک عمل کرنا۔

پہلی قسم کفر اور دوسری دونوں معصیت ہیں۔

تفسیر صوفیانہ وہ لوگ اپنی حوائج ہر دکھ اور سکھ غیر اللہ کے ہاں نہیں لے جاتے (دنیا داری کی حیثیت سے، اور یہ توکل کا انتہائی درجہ ہے نہ کہ جو انبیاء و اولیا کے لیے وسیلہ کے طور نفع ونقصان کا عرض کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ آگے والی عبارت بتاتی ہے[1]) اور نہ ہی اپنے اعمال میں ریاء و سمعہ کو دخل دیتے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا مطلوب تلاش کرتے اور نہ اس کے سوا کسی دوسرے کو محبوب سمجھتے ہیں بلکہ صرف اسی کو چاہتے اور اسی سے محبت کرتے ہیں۔

جناب صائب نے فرمایا : ؎

غیر حق را می دہی رہ در حریم دل چرا

میکشی بر صفحۂ ہستی خط باطل چرا

(ترجمہ : اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو حریم دل میں کیوں جگہ دیتا ہے اور صفحۂ ہستی پر باطل کی لکیر کیوں کھینچتا ہے)

تفسیر عالمانہ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اور انہیں قتل کرتے اس نفس کو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے۔ حرّم بمعنے حرّم قتلھا ہے مضاف حذف کرکے مضاف الیہ کھڑا کرنا تحریم کے معاملہ میں مبالغہ ہے اس سے نفس مومن مراد ہے یا جس سے معاہدہ ہوا ہو۔ اِلَّا بِالْحَقِّ مگر حق سے یعنی جس کا قتل کرنا شرعاً مباح ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ نفس کو کسی ایک سبب سے قتل نہیں کرتے سوائے اس حق کے سبب کے جو اس کی حرمت وعصمت کو زائل کرنے والا ہے۔ جیسے کسی کو قتل کر دیا تو اس کے قصاص میں قتل کرنا یا شادی شدہ ہو کر زنا کرے تو اسے سنگسار کر کے مار دینا، یا مرتد ہو جائے یا زمین پر فتنہ وفساد برپا کرے تو ان تمام صورتوں میں قتل کرنا حق ہے وَلَا يَزْنُونَ اور نہ ہی زنا کرتے ہیں۔

زنا کی تعریف : عقد شرعی کے بغیر کسی عورت سے وطی کرنے کو شرعاً زنا کہا جاتا ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

ربط : خواص عباد کے اصول طاعات تواضع ومقابلہ القبیح بالجمیل واحیاء اللیل والدعاء والانفاق العدل کے بعد امہات المعاصی عبادۃ الغیر وقتل النفس المحرمہ والزنا کا ذکر فرمایا ۔ یہ ان کے کمال کا اظہار ہے کیونکہ انسان کا کمال اسی میں ہے کہ جہاں وہ فضائل سے آراستہ ہو وہاں رذائل سے بھی پاک وصاف ہو ۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ اجر کامل وثواب مکمل ایسی صورت میں نصیب ہوگا جب انسان ان دونوں کا جامع ہو ۔ اور اشارہ ہے کہ یہ بُرے کام کافروں کے علامات میں سے ہیں ۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے وہی ہیں جو ان کبائر کے مرتکب نہیں ہوتے جن کے عامل کفار ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بھی وہی شریک کرتے ہیں اور نفوس محرمہ کے قتل کرنے والے بھی یہی ہیں منجملہ ان کے زندہ درگور کرنا بھی ہے ۔ اور زنا کے خوگر بھی یہی ہیں جبکہ یہ اسے مباح سمجھتے ہیں ۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ سب سے بڑے (کبیرہ) گناہ کون سے ہیں ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان تجعل لله ندا وهو خلقك ۔

(اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا کیونکہ وہ سب کا خالق ہے)

میں نے پھر عرض کیا ، آپ نے فرمایا :

ان تقتل ولدك مخافة ان يطعم معك ۔

(بچوں کو اس ارادہ پر قتل کر دینا (زندہ درگور کر دینا) کہ یہ بڑے ہوں گے تو ان کی معاش کا کیا بنے گا)

(جیسے آج کل برتھ کنٹرول کی وبا پھیلی ہے ۔ ایسے لوگوں کا توہم بھی انہی لوگوں جیسا ہے ۔ یہ بھی سمجھتے ہیں اولاد زیادہ ہوگی تو ان کی معاش کا کیا بنے گا) [1]

پھر سوال کیا کہ (اس کے بعد کونسا بڑا گناہ ہے ؟) فرمایا :

ان تزني بحليلة جارك

(اپنے ہمسایہ کی عورت سے زنا کرنا)

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

marfat.com

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے ولا یزنون وہ لوگ بوڑھی دنیا میں شہوات نفسانیہ حیوانیہ کو مدِنظر رکھ کر تصرف نہیں کرتے بلکہ اس میں ان کا تصرف اللہ کے لیے اللہ کے حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہے بخلاف عوام کے کہ وہ اس میں بیجا تصرف کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ اور وہ ان مذکورہ امور میں سے کسی امر کا ارتکاب کرتا ہے جیسے کفار کا طریقہ ہے يَلْقَ اَثَامًا ۝ گناہوں کا مرتکب ہو رہا ہے تو اسے سزا ملے گی اور وُہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔

حلِ لغات: اثام نکال و بال کے وزن اور معنیٰ میں ہے۔ یعنی اپنے گناہوں کی سزا پائے گا۔ اہلِ عرب کہتے ہیں: اثم (بالکسر) الرجل واثمہ یعنی اس نے گناہ کیا تو اس کی سزا پائی۔ قاموس میں ہے: اثام جہنم کی ایک وادی کا نام ہے بروزن سحاب۔ اور عقوبت کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
الغی والاثام بئران یسیل فیھما صدید اھل النار۔

(غی اور اثام دونوں کنوئیں ہیں جن میں اہلِ نار کی پیپ جمع ہوتی ہے) (پناہ بخدا)

يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اس کے لیے قیامت میں عذاب دُگنا کیا جائے گا۔

حلِ لغات: المضاعفۃ بمعنے زیادہ کرنا اور ایک سے دو کرنا یعنی دُگنا کرنا۔ جیسا کہ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ضعف بمعنے ایک کے ساتھ اس جیسا دوسرا ملانا۔ کہا جاتا ہے: اضعفت الشئ وضعفتہ وضاعفتہ (میں نے اس کے ساتھ اس جیسا دوسرا یا اس سے زاید کو ملایا) یہ جملہ یلق اثاما سے بدل ہے اس لیے کہ دونوں کا معنیٰ ایک ہے۔

اب مطلب یہ ہوا کہ ان کا عذاب ہر وقت بڑھتا رہے گا وُہ اس لیے کہ وُہ بھی زندگی بھر کفر کے بعد گناہوں پر گناہ کرتے چلے جاتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان کو عذاب کے اضافہ کا یہ معنیٰ ہے کہ ایک طرف ان کے لیے درکات جہنم کا اضافہ دوسری طرف درجات جنان سے محرومی کا غم تیسری طرف دیدارِ الٰہی کے قربات کی بدنصیبی۔

تفسیر عالمانہ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ۖ اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ رہے گا درانحالیکہ وہ ذلیل وخوار ہوگا اور جسمانی و روحانی دونوں عذابوں میں ایسا مبتلا رہے گا کہ اس کی نجات کی بات تک نہ ہوگی۔

marfat.ocm

ف : مُہان بمعنے ذلیل و خوار اور حقیر و بیکار و بے اعتبار۔

قاعدہ تجوید ابن کثیر و حفص نے فِیہِی پڑھا ہے یعنی ھی کی کسرہ کے اشباع کے ساتھ اسے بحالت وصل یا سے پڑھنا تاکہ تنبیہ ہو کہ ایسے عذاب کے اسباب سے دُور بھاگنا اور بچنا ضروری اور لازمی ہے۔

اِلَّا مَنْ تَابَ مگر وہ گروہ جو شرک و قتل و زنا سے توبہ کرے وَ اٰمَنَ اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق کرے وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا اور ایمان کی تکمیل کے لیے نیک عمل کرے۔

سوال : عمل موصوف کے اضافہ کی کیا ضرورت تھی جبکہ صالح کا لفظ بھی اسمًا نیک عمل پر دلالت کرتا ہے۔

جواب : عمل کو مہتم بالشان ظاہر کرنے کے لیے اس سے اہلسنت کے مذہب کی تائید ہوتی ہے کہ عمل ایمان کے مغایر ہے اور استثناء میں مستقل ہے لیکن ہے ہی مستثنیٰ یعنی توبہ و ایمان کی جنس سے (کہ اگر وہ نہ ہو تو ایمان و توبہ میں خلل واقع نہ ہوگا) کیونکہ اس وقت بتانا یہ ہے کہ امور مذکورہ بالا کا مرتکب عذاب میں مبتلا ہوگا مگر یہ کہ توبہ کرے۔ آیت میں واضح کرنا ہے کہ استثناء کے بعد یہی تین امور مطلوب ہیں :

۱۔ ایمان ۲۔ توبہ ۳۔ عمل

اس میں عذاب کے تعرض و عدمِ تعرض کو کوئی تعلق نہیں۔

فَاُولٰٓئِكَ پس وہ لوگ جو ایمان و توبہ و عمل صالح سے موصوف ہیں یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے سیّات (برائیوں) کو تبدیل فرمائے گا یعنی وُہ برائیاں جو اس نے دنیا میں کیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بدل دے گا حَسَنٰتٍ نیکیوں سے قیامت میں بایں طور کہ اس کی ہر بُرائی کے عوض نیکی عطا فرمائے گا اور ہر سزا کے بدلے جزا بخشے گا۔

حلِ لغات : امام راغب مرحوم نے فرمایا کہ تبدیل بمعنے ایک شے کے بدلے دوسری شے رکھنا۔ اور بدل' عوض سے اعم ہے۔ عوض یہ ہے کہ ایک دو' دوسرا لو۔ لیکن تبدیل میں یہ نہیں بلکہ اس میں تغییر ہوتی ہے وُہ یہی کہ دوسرا عوض میں دو یا نہ دو۔

کریم کا کرم سیّدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں کسی ایک بندے کو لایا جائے گا پھر حکم ہوگا کہ اسے اس کے صغیرہ گناہ پیش کرو جب وہ اپنے صغائر پر نگاہ ڈالے گا تو اقرار کرے گا کہ یہ واقعی میری ہی غلطیاں ہیں لیکن دل ہی دل میں خوفزدہ ہوگا کہ نا معلوم میرے کبائر (بڑے گناہوں) کا کیا بنے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ملائکہ کو فرمائے گا کہ اسے ہر برائی کے بدلے میں نیکی دو۔ پھر وہ شخص کہے گا کہ میرے تو اور بھی بڑے بڑے گناہ تھے لیکن اب وُہ مجھے نظر

marfat.com

نہیں آرہے (اس حرص پر کہ اسے برائیوں کے بدلے نیکیاں مل رہی ہیں) حضور علیہ السلام اس کی اس کاروائی سے ایسے ہنسیں گے کہ آپ کی داڑھ مبارک کھل جائیں گی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیۃ فاولٓئک یبدل اللہ (الآیۃ) پڑھی۔ (آپ نے گویا اپنے ارشادِ گرامی کی تائید میں قرآن مجید سے دلیل بیان فرمائی)

اقوالِ مشایخ فی تفسیر ہٰذہ الآیۃ

(۱) زجاج نے فرمایا اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہی بُرائی نیکی بن جاتی ہے بلکہ اس کی تاویل یہ ہے کہ بُرائی تو توبہ سے مٹ جاتی ہے۔ پھر ہر بُرائی پر توبہ نیکی بن جاتی ہے۔

(۲) مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہر بُرائی نیکی کے حکم میں آجاتی ہے کیونکہ اعیان کا تبدل نہیں ہوتا بلکہ ان کے احکام کا تبدل ہوتا ہے۔ (شرح فصوص الحکم)

(۳) حضرت الشیخ صدرالدین قنوی قدس سرہٗ اپنی اربعین (چہل حدیث) میں فرماتے ہیں کہ طاعات سب کی سب مطہرات (پاک کرنے والی ہیں) پھر کبھی تو گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ جیسے اسی آیت میں ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اتبع الحسنۃ تمحہا۔

(برائی کے بعد نیکی کیجئے)

تاکہ وہی نیکیاں برائیوں کو ختم کر ڈالیں کبھی تبدیل کی جاتی ہیں۔ اسی کی طرف الا من تاب و اٰمن الخ میں اشارہ ہے یہ محو مذکور حقیقی عفو اور تبدیل مقام مغفرت ہی ہے۔ میری مذکور تقریر کو غور سے پڑھو گے تو تمہیں عفو و مغفرت کا فرق معلوم ہو جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الا من تاب مگر وہ گروہ جو دنیا کی عبادت و ہوائے نفس سے توبہ کرتا ہے و اٰمن اور ان کمالات و کرامات پر ایمان لاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے تیار فرمائی ہیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی قلب بشر پہ اس کا تصور آسکتا ہے وعمل عملاً صالحًا اور وہ نیک عمل کئے جو اسے انہی کمالات کی طرف پہنچانے والے ہیں اور وہ عمل یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے بالکل روگردانی ہو اور کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف اس امید پر متوجہ ہو کہ اس کے احسان و کرم کا مستحق ہو جائے۔

نکتہ: کسی کامل کو کسی نے کہا کہ آپ آج کل مشغول ہے۔ انہوں نے فرمایا بلکہ میرا کل اسی پہ فدا ہے بخدا ابھی ایک ایسا اکسیر اعظم ہے کہ اگر اس کا ایک ہی ذرہ زمین پر ڈالا جائے تو اس کے گناہوں کا

marfat.ocm

تانبہ خالص حسنات کے سونے سے تبدیل ہو جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے اکسیر اعظم والوں کی طرف سے خبر دی ہے فاولٓئک یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات یعنی توبہ وغیرہ سیئات کو حسنات سے ایسے تبدیل کر دیتی ہے جیسے اکسیر تانبے کو سونا بناتی ہے۔

عقلی دلیل فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ انقلاب الاعیان اور ان کا ایک دوسرے کی شکل و صورت اختیار کرنا اہل اللہ کے نزدیک محال نہیں کیا عالم صناعی میں تم نے نہیں دیکھا کہ بہت سی چیزیں اپنے مادہ اصلیہ سے اپنے غیر میں حلول کر جاتی ہیں جب ایک مزاج حلول کرتا ہے اور مادہ صورت ہیولانیہ میں داخل ہوتا ہے تو صورت ہیولانیہ میں صلاحیت ہوتی ہے کہ اس سے فلسفی انسان پیدا ہو۔

ف : امام جلدکی نے فرمایا کہ زمین پانی بن جاتی ہے اور پانی ہوا بن کر اڑتا ہے اور ہوا آگ بن جاتی ہے۔ ایسے ہی برعکس یعنی آگ ہوا بن جاتی ہے اور ہوا پانی اور پانی مٹی ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی اربعہ عناصر ایک دوسرے میں حلول کر جاتے ہیں باوجودیکہ وہ آپس میں طبیعت کے لحاظ سے دو علیحدہ مزاج رکھتے ہیں ان میں بعض فاعلہ بعض منفعلہ اصول کا یہی قاعدہ مشہور ہے کہ ایک مزاج دوسرے میں حلول کرتا ہے۔

دلیل دوم فصول میں یہ قاعدہ موجود ہے۔ مثلاً زمین انگوری بن جاتی ہے اور انگوری حیوان بنتی ہے۔ اس دوسرے کلیہ میں ابن سینا نے توقف فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ انگوری تو حیوان میں حلول کر جاتی ہے لیکن حیوان کسی میں حلول نہیں کرتا۔ مگر فاسد ہو کر عناصر کی طرف لوٹتا ہوا طبائع میں حلول کرتا ہے۔ اسی پر ہم کہتے ہیں کہ اگر زمین اور پانی کی صورت اپنی ہیئت سے نہ بدل جاتے تو پھر انگوری کیسے ہو سکتے تھے ایسے ہی نباتات اپنی ہیئت سے نہ بدل جاتی تو حیوان میں کیسے حلول کر جاتی۔ کہ ابن سینا پر یہ امر پوشیدہ رہا کہ نباتات و حیوان کو مطبوخ کرنے سے فاسد ہو کر انسانی غذا بنتے ہیں اور ان کا مزاج کیموس غذائی میں حلول کر کے انسان کے پیٹ میں خون بن جاتے ہیں اور یہی خون مرد اور عورت کی حرکت شوقیہ سے منی بن جاتا ہے اس کے بعد یہی خون بچہ کا ڈھانچہ بنتا ہے۔ پھر چند روز کے بعد کامل انسانی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یوں ہی انسان کے جسم کے متعلق سمجھئے کہ بعد فساد ممکن ہے کہ وہ انگوری بن جائے اور پھر وہ مختلف حیوانوں کی غذا بن کر ان میں حلول کر جائے اور ان میں ایسے ہو جیسے مختلف کیڑوں اور حیوانات وغیرہ میں ہوتے ہیں۔ اس معنی پر اس کا جسم حلول کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ہڈیوں کے متعلق بھی یہی تقریر کی جا سکتی ہے کہ وہ ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر بے حس پڑی ہوں لیکن جب ان پر آب حیات کا چھینٹا پڑ جائے تو وہ جان دار ہو جائیں گی۔ مگر انسانی ڈھانچے کے اجزاء اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ و معلوم ہیں اگر وہ ایک صفت سے کسی دوسری صفت میں حلول کر جائے یا ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل جائے بلکہ اس کے کل اجزاء کسی دوسری شے میں کالجزء ہو جائیں۔

marfat.com

انسان کے اجزا کی بقا انسانی ڈھانچہ اگرچہ گل سڑ کر کیسے ہی کہیں چلا جائے لیکن اس کی روح ، عقل ، نفس ، ذات باطنی برزخ میں باقی رہتی ہیں ان کو فنا نہیں ۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

دمت از مس وجود چو مردان رہ بشوی
تا کیمیائے عشق بیابی زر شوی

(ترجمہ : تم مردانِ راہِ ہدیٰ کی طرح تانبے سے ہو جاؤ گے جب عشق کے کیمیا سے کچھ ملے گا تو زر ہو جاؤ گے)

تفسیر عالمانہ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا اور اللہ تعالیٰ غفور ہے اسی لیے وہ برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل فرماتا ہے رَّحِيْمًا ۝ مہربان ہے اسی لیے وہ نیکیوں پر اجر و ثواب بخشتا ہے وَمَنْ تَابَ اور وہ تائب ہوتا ہے یعنی تمام گناہوں کے ترک کرنے پر مطلقاً رجوع کر لیتا ہے اور ان کے ارتکاب پر نادم ہوتا ہے وَعَمِلَ صَالِحًا اور نیک عمل کرتا ہے یعنی اپنی گزشتہ کوتاہی کا تدارک کرتا ہے یا گناہوں سے نکل کر طاعات میں داخل ہوتا ہے فَاِنَّهٗ پس بے شک وہ جو عمل کئے يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مرنے کے بعد ان اعمال کے ساتھ لوٹے گا اللہ تعالیٰ کی طرف ۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ لفظ الیٰ میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ضرور جانا ہے ۔

مَتَابًا ۝ عظیم الشان رجوع اور پسندیدہ اللہ کے ہاں کہ وہ عذابِ الٰہی کو مٹائے گا اور اجر و ثواب کو حاصل کرے گا ۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اس عبارت میں شرط و جزا میں اتحاد لازم نہیں آیا اس لیے کہ جزا میں ایک زائد معنی ہے اس لیے کہ توبہ یعنی شرط میں ہے رجوع عن المعاصی فقط اور جزا میں ہے ایسا رجوع الی اللہ جو اسے پسندیدہ ہے ۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ متابًا بمعنی التوبۃ التامۃ یعنی ترک القبیح و تحری الجمیل ، برائیوں کو مکمل طور پر چھوڑنا اور نیکیوں کو مکمل طور حاصل کرنا ۔

ف : اس میں تخصیص کے بعد تعمیم ہے اس لیے کہ آیت اولیٰ میں توبہ کا تعلق صرف شرک و قتل و زنا سے تھا اور اس آیت میں مطلقاً جمیع معاصی سے ہے ۔

توبہ کا شرعی معنی شریعت میں توبہ چار امور کے اجتماع کا نام ہے :

(۱) گناہ کو قبیح سمجھ کر چھوڑنا ۔

(۲) سابقہ کوتاہی اور زیادتی پر ندامت ۔

marfat.ocm

(۳) دوبارہ ایسی غلطی کے ارتکاب کے ترک پر پختہ ارادہ کر لینا۔

(۴) سابقہ خامیوں کے عوض نیکیوں کا تدارک۔

جب یہ چار شرائط پائی جائیں تو توبہ کامل کہی جائے گی۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

باخلق لاف توبہ و دل بر گنہ مصر

کس پے نمی برد کہ بدیں گونہ گمرہم

(ترجمہ: مخلوق کے ساتھ تو توبہ کا دعویٰ لیکن گناہوں پر بدستور اصرار ہے۔ پھر کون ہے جو مجھے اس کے باوجود گمراہ تصور نہ کرے گا)

اقوالِ مشائخ (۱) حضرت ابن عطاؒ نے فرمایا کہ توبہ یعنی ہر مذموم عادت سے باز آجانا اور نیک عادت کی عادت بنا لینا، لیکن یہ خواص کی توبہ ہے۔

(۲) بعض مشائخ نے فرمایا کہ توبہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ کی ہر شے سے توبہ کرے لیکن یہ اخص الخواص کی توبہ ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت توبہ و استغفار کو اپنائے اس لیے کہ یہ گناہوں کا صابن ہے۔

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے)

حدیثِ قدسی انین المذنبین احب الی من زجل المسبحین۔

(گنہگار کی مغموم آواز مجھے زیادہ محبوب ہے تسبیح پڑھنے والوں کی سریلی آواز سے)

ف: زجل یعنی تسبیح پڑھتے وقت کی آواز۔

انتباہ: گناہ بار بار کرنا شرک و کفر اور غیر ملتِ اسلامیہ کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے۔

حکایت حضرت ابو اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ ہر وقت اپنے چہرے کا آدھا حصہ چھپائے رکھتا تھا، میں نے سبب پوچھا تو کہا کہ میں قبر کھود کر کفن چرانے کا عادی مجرم تھا ایک دن ایک بی بی کی قبر کھودی اور کفن کو پکڑا تو اس بی بی نے میرے منہ پر طمانچہ مارا جس کا نقش تا حال میرے چہرے پر موجود ہے۔ میں نے امام اوزاعی رضی اللہ عنہ کے ہاں یہی واقعہ لکھا تو انہوں نے فرمایا اس سے سوال کیجئے کہ اس نے مُردوں کو کس حال میں پایا۔ دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ اکثر کے چہرے قبروں میں قبلہ سے پھرے ہوئے تھے۔ امام اوزاعی رضی اللہ عنہ کو واپس لکھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ وہی ہوں گے جن کی موت غیر ملت اسلامیہ پر واقع ہوئی (العیاذ باللہ) کیونکہ وہ لوگ گناہ کا بار بار ارتکاب کرتے رہے تو پھر خاتمہ خطرہ میں پڑ گیا۔

marfat.com

قاعدہ : مامور بہ کے ترک کی بہ نسبت منہی عنہ یعنی جس فعل کے نہ کرنے کا حکم ہو، اس کے ارتکاب میں زیادہ گناہ ہے اسی لیے شیطان ابلیس مردود ہوا۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ توبہ را از جانب مغرب دری
باز باشد تا قیامت بر دری

۲ تا ز مغرب بر زند سر آفتاب
باز باشد آں دری از وی رومتاب

۳ ہشت جنت را ز رحمت ہشت در
کہ در توبہ است زاں ہشت اے پسر

۴ آں ہمہ کہ باز باشد گہ فراز
واں در توبہ نباشد جز کہ باز

۵ ہین غنیمت دار در باز ست زود
رخت آنجا کش بکوریٔ حسود

(ترجمہ : (۱) توبہ کا دروازہ از جانبِ مغرب بند ہے۔ وہ قربِ قیامت تک کھلا رہے گا
(۲) جب سورج مغرب سے طلوع ہو گا۔ پھر وہ دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس کا انکار نہ کرنا۔
(۳) بہشت کے آٹھ دروازے رحمت کے آٹھ دروازوں کے مطابق ہیں اسی لیے یہ توبہ کا دروازہ انہی آٹھوں سے ہے۔
(۴) وہ آٹھوں دروازے جب تک کھلے ہیں یہ بھی کھلا ہے۔ جب وہ بند ہوں گے تو پھر یہ کیسے کھلا رہ سکتا ہے۔
(۵) اب یہ دروازہ کھلا ہے اسے غنیمت سمجھ۔ وہاں پر سامان باندھ کر جا بیٹھ تاکہ تیرے دشمنوں کے دل جلیں)

ہم اللہ تعالیٰ سے خالص توبہ کا سوال کرتے ہیں اور اس کے آثار رحمت سے فیض اور نعمت و فتوح مانگتے ہیں۔ (آمین ثم آمین)

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

حلِ لغات : الشہادۃ مشاہدہ وعیان ہے، کسی شے کی صحیح خبر دینا (اسی سے حاضر و ناظر کا مسئلہ ثابت کیا جاتا ہے کیونکہ شاہد و شہید اسی سے مشتق ہیں[1]) الزور بمعنے الکذب، اصل میں کسی شے کو ایسے رنگ میں

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

marfat.ocm

ظاہر کرنا کہ گویا وہ حق ہے، کو کہا جاتا ہے۔

امام راغب نے فرمایا کہ الازور بمعنے مائل الزود یعنی سینے کو ٹیڑھا کرنے والا۔ اور زور کو جھوٹ سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ سچائی کی جانب سے ہٹا ہوا ہے۔

ترکیب : الزور کا منصوب ہونا علی المصدریہ ہے۔ دراصل لا یشھدون شھادۃ الزور تھا باضافۃ العام الی الخاص مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ اس کے قائم مقام کیا گیا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ جھوٹی گواہی قائم نہیں کرتے یعنی جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

مسئلہ : امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جھوٹے گواہ کی سزا یہ ہے کہ اسے اپنی برادری میں کھڑا کر کے کہا جائے کہ یہ جھوٹا گواہ ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحہم اللہ نے فرمایا کہ اسے سزا دے کر برادری میں کھڑا کر کے کہا جائے اس نے جھوٹی گواہی دی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی جامع مساجد اور بازاروں اور مجمعوں میں تشہیر کی جائے کہ یہ جھوٹا گواہ ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسے ان مقامات پر پھرایا جائے اور اعلان کیا جائے کہ اس کو ہم نے جھوٹا گواہ پایا ہے۔ فلہذا آئندہ اس سے بچ کر رہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے چالیس کوڑے مارے جائیں اور اس کا منہ کالا کر کے بازاروں میں پھرایا جائے۔ (کذا فی کشف الاسرار)

ف : حضرت ابن عطا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے وہ گواہی مراد ہے جو مشاہدہ قلب کے بغیر صرف زبان سے ہو۔

حاضر و ناظر کا ثبوت ممکن ہے کہ یہ یشھدون از شھود ہو بمعنے حضور[1] (ہم اہل السنت و الجماعت شاھد و شھید کا مادہ شھود سے لیتے ہیں بمعنے حاضر۔ دلائل ہماری کتاب "تسکین الخواطر المعروف بہ دلوں کا چین" میں دیکھئے[2]) اور اس معنی پر الزور کا منصوب ہونا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اصل میں تھا : لا یشھدون مجالس الزور (وہ لوگ جھوٹی مجلسوں میں حاضر نہیں ہوتے مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کیا گیا ہے۔

---

[1] روح البیان ج ۶ ص ۲۴۹

[2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.com

اب معنیٰ یہ ہوا کہ وُہ لوگ مجالس کذب و محافلِ فحش میں شریک نہیں ہوتے۔ باطل محافل میں صرف شریک ہونا اس میں شامل ہونے کے مترادف ہے کیونکہ شرکت اس فعل سے رضا کی نشانی ہے جیسے کوئی شرابیوں کے ساتھ بلاضرورت بیٹھے تو وہ بھی گناہ میں ان کے ساتھ شریک سمجھا جائے گا۔

ملامیہ فرقہ ملامیہ فرقہ (اولیاء اللہ کے ایک گروہ کا نام ہے) وہ ایسے حضرات ہیں جو نیکی کو چھپاتے اور برائی کو ظاہر کرتے ہیں وہ مستثنیٰ ہیں اس لیے کہ ان کا دل صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگا رہتا ہے اسی لیے وہ بازاروں کا چکر بھی لگاتے ہیں۔ عوام میں گھل مل کر رہتے ہیں بلکہ بعض شرور کی مجالس میں بھی شریک ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ ہر قضا و قدر کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اسی لیے وہ عوام کے ساتھ صرف ظاہراً شر کی موافقت کرتے ہیں ورنہ حقیقی اولیاء الرحمٰن وہی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم سوائی۔

(میرے اولیاء میری قبا میں چھپے رہتے ہیں انہیں میرے سوا اور کوئی نہیں پہچانتا)

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

مکن بنامہ سیاہی ملامت من مست
کہ آگہت کہ تقدیر برسرش چہ نوشت

(ترجمہ: مست کو نامۂ سیاہی سے ملامت نہ کر اس لیے کہ وہ اس سے باخبر ہے کہ اس کی تقدیر کا لکھا ہوا کیا ہے)

حضرت خجندی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

برخیز کمال از سر ناموس کہ رندان
کردند اقامت بسر کوئے ملامت

(ترجمہ: اے کمال از سر ناموس رندان اٹھ جا، اس لیے کہ انہوں نے ملامت کی گلی میں اقامت رکھی ہوئی ہے)

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ الزور سے اعیاد المشرکین والیہود والنصاریٰ یعنی مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی عیدیں مراد ہیں یعنی ان کی کھیل کود کے مقام۔ (کذا فی تفسیر الکاشفی)

فتوحات مکیہ فتوحات کے ترجمہ میں ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اہلِ ذمہ (مشرکین) شرک کا فریب دیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری ہلاکت و تباہی اسی میں ہو۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس کا

marfat.ocm

ہم نے دمشق میں مشاہدہ کیا کہ مسلمان اپنے بچوں کو نصاریٰ کے گرجے میں لے جا کر معمودیہ کے پانی سے تبرک لیتے اور ان کو ان کے گرجوں سے نہ روکتے جس کا نتیجہ خراب نکلا۔ ایسا کام کفر کے قریب ہے۔ اسے عین کفر کہا جائے تو بجا ہے اسے کوئی مسلمان پسند نہیں کرتا۔

مسئلہ: قاضی خان میں ہے کہ اگر کوئی شخص نیروز (نصاریٰ کی عید میں) میں کوئی شے خریدے اور سوائے اس دن کے وہ شے کہیں سے نہیں خریدتا اور اس کی تعظیم و تکریم کے طور خریدتا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کفار اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ تو ایسا کرنا کفر ہے۔ مگر اسی نیروز میں اگر کھانے پینے اور تعیش کے لیے کچھ خریدتا ہے تو کفر نہیں۔

ف: نیروز سے نصاریٰ کا نیروز مراد ہے اس سے عجم کا نیروز مراد نہیں، جیسا کہ قاضیخان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ: مجلس زُور میں لہو و لعب اور کذب اور نوحہ اور غناء داخل ہیں۔

ف: محمد بن المنکدر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو اپنے کانوں کو لہو اور مزامیر شیطان سے بچاتے تھے، انھیں مشک کے باغات میں لے جاؤ۔ پھر ملائکہ کو حکم ہو گا کہ میرے بندوں کو میری تحمید و ثناء و تمجید سناؤ اور انہیں خبر دو کہ انہیں آج نہ کوئی غم ہے نہ خوف۔ (کذا فی کشف الاسرار)

مسئلہ: روزے کی سنتوں میں سے ایک یہ ہے کہ روزہ میں کذب و غیبت اور فضول کلامی، گالی گلوچ، چغلخوری، مزاح، بے جا مدح اور غلط شعر گوئی سے زبان کو روکا جائے۔

ف: غناء سے غناء باطل مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسا غنا جو شیطان کی مراد و مقصد کو قلب میں حرکت پیدا کر دے یعنی شہوت اور مخلوق کی محبت کا سبب بنے۔ ہاں وہ غنا جو شوق الی اللہ کا متحرک ہو تو وہ غناءِ حق ہے۔ (کذا فی الاحیاء)

مسئلہ: الحان کے ساتھ قرآن کی تلاوت میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور جمہور اسے مکروہ سمجھتے ہیں اس لیے کہ قرآنی حقوق کے لحاظ سے خشوع نہیں ہو سکتا اور نہ ہی قرآنی مفہوم سمجھ میں آتا ہے اسی لیے قاضیخان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تراویح میں خوش خوان بلکہ درست خوان کو کھڑا کیا جائے اس لیے کہ خوش خوان خشوع اور تدبر و تفکر سے باز رکھتا ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور اسلاف رحمہم اللہ کی ایک جماعت اسے مباح سمجھتی ہے کیونکہ اس کے متعلق احادیث وارد ہیں اور اس طرح رقت اور خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ (کذا فی فتح القریب)

marfat.com

مسئلہ: اصولِ حدیث میں ہے کہ محدّث جب احادیث کا درس شروع کرے تو لازم ہے کہ وہ اس محفل ومجلس کا آغاز تلاوتِ کلام اللہ سے کرائے اور قاری بھی خوش الحان ہو۔

مسئلہ: خوش الحانی سے پڑھنے میں یہ ضروری ہے کہ حدِ قرأت سے بڑھ نہ جائے اور نہ کم ہو۔ یعنی خوش الحانی کے اصول کی ادائیگی میں قرآن مجید کے کلمات میں کسی حرف کی کمی وبیشی نہ ہو اس لیے کہ ایسا کرنا حرام ہے۔ (کذا فی ابکار الافکار)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

به از روے زیباست آواز خوش
که ایں حظ نفست و آں قوت روح

(ترجمہ: حسین چہرے سے اچھی آواز بہتر ہے اس لیے کہ یہ لذتِ نفس ہے اور وہ روح کی غذا)

شبِ معراج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شبِ معراج ایک فرشتہ دیکھا جس کو آپؐ نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا وہ جب سبحان اللہ کہتا تو اس کے حُسنِ صوت کی وجہ سے عرشِ الٰہی ہل جاتا اس کے آگے نور کے دو بڑے بڑے صندوق پڑے تھے اس میں روزہ داروں کی براءت لکھی ہوئی تھی۔ اس کی تفصیل مجالس النفائس میں ہے جو حضرت الہدائی قدس سرہٗ کی تصنیف ہے۔

ف: حضرت سہل قدس سرہٗ نے فرمایا: الزور سے مجالس المبتدعین مراد ہیں۔ اور حضرت ابو عثمان قدس سرہٗ نے فرمایا: اس سے مجالس المدعین مراد ہیں۔

قاعدہ شرعیہ: ہر وہ مجلس جس میں انسان کے دین کا نقصان اور فساد ہو وہ مجلسِ زُور میں داخل ہے۔

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ اور جب اتفاقیہ طور کہیں کسی راستہ سے گزرتے ہیں باللغو ایسی باتوں سے جو لغو ہیں اور ایسی بیکار کہ انہیں چھوڑنا لازمی ہو۔ یعنی لغو سے مراد وہ شے ہے جو ناپسندیدہ ہو۔

ف: فتح الرحمٰن میں لکھا ہے کہ اس میں کل معاصی مراد ہیں اور ہر وہ قول وفعل جو نظروں سے گرا ہوا ہے۔ اور امام راغب قدس سرہٗ نے فرمایا: لغو سے وہ کلام مراد ہے جس کا کوئی اعتبار نہ ہو اور ذوق اسے ردی اور بیکار اور فکری طور بالکل غیر معتبر ہو دراصل چڑیوں اور دوسرے پرندوں کی بیکار آواز کو کہا جاتا ہے۔

كِرَامًا ۝ درانحالیکہ وہ باعزت ہو کر گزرتے ہیں۔

حلِ لغات: کرام، کریم کی جمع ہے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں:

تکرم فلان عما یشینہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب انسان ایسے کلام سے احتراز کرے

marfat.ocm

جو اس کی خفت وحقارت کا موجب ہو۔ امام راغب نے فرمایا: لفظ کرم جب اللہ تعالیٰ کی صفت واقع ہو تو مراد ہو گی اس کی صفت احسان و انعام جو اس کی طرف سے اس کی مخلوق کو نصیب ہوتا ہے۔ اگر انسان کی صفت ہو تو اس سے اس کے وہ اخلاق و افعال حمیدہ مراد ہوں گے جو اس سے صادر ہوتے ہیں اور ایسے ہی ہر ایک کو کریم نہیں کہا جائے گا جب تک کسی سے اخلاق و افعال کا صدور نہ ہو۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ بندگانِ خدا برائیوں سے اجتناب کرتے اور ایسے افعال سے کنارہ کش ہوتے ہیں جو ان کی حقارت و خفت کا سبب بنیں۔ فواحش سے بچنا، ذنوب سے رُوگردانی اور ایسے افعال سے بھی بچنا جن سے طبع گھبراہٹ محسوس کرے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ جب نکاح وغیرہ اور فرج وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں تو تصریح کے بجائے اشارہ و کنایہ سے بات کرتے ہیں۔ اس معنی پر یہاں کرم بمعنے کنایہ و تعریض ہے جیسے:
کانا یاکلان الطعام۔

اس سے بول و براز کنایہ ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے جماع کے لیے غشیان، نکاح، سِرّ، اتیان، افضاء، لمس، مس اور دخول و مباشرت و مقاربۃ کے الفاظ سے کنایہ فرمایا ہے۔ چنانچہ دو آیتیں ملاحظہ ہوں۔
فرمایا: ولا تقربوھن۔
اور فرمایا: لم یطمثھن۔

اور عربیت میں یہ باب وسعت رکھتا ہے۔

ف: امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ فحش کی حد و حقیقت یہ ہے کہ جس لفظ کو زبان پر لانا قبیح سمجھا جاتا ہو جیسے جماع یا اس جیسے اور الفاظ۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے بندے ان الفاظ کو زبان پر لانے سے احتراز کرتے ہیں ان کے بجائے ایسے الفاظ لاتے ہیں جو ان سے کنایہ ہوں اور رمزاً ان پر دلالت کرتے ہوں جیسے ابھی گزرا کہ جماع کی بجائے مس یا دخول یا صحبت اور پیشاب کی بجائے قضائے حاجت بولا جائے ایسے ہی یوں نہیں کہا جاتا کہ تیری جورو نے کہا، بلکہ کہتے ہیں گھر سے یہ بات ہوئی یا پردہ والی نے کہا یا بچوں کی ماں نے کہا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی دیگر وہ امراض جن کا ذکر اچھا نہ ہو مثلاً برص، قرع اور بواسیر۔ ایسے ہی وہ بیماریاں جو انسان کو لاحق ہوں لیکن ان کے صریح الفاظ ننگ و عار ہوں تو ایسے وہ امور جن کا چھپانا ضروری ہے اور بیان کرنے سے شرم و حیا آئے، تو یہ بندگانِ خدا ان کو بیان نہیں کرتے کیونکہ یہ فحش ہے اور فاحش کو قیامت میں کُتّے کی شکل میں اٹھایا جائے گا۔

marfat.com

حکایت سعدی شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھے ایک زخم ہو گیا جو کپڑے کے اندر تھا۔ روزانہ مجھ سے شیخ صاحب فرماتے کہ زخم کا کیا حال ہے؟ لیکن یہ کبھی نہ پوچھتے کہ زخم ہے کہاں! اس سے میں سمجھا کہ آپ اس کے ذکر سے احتراز فرما رہے ہیں کیونکہ ایسے اعضاء کا ذکر اچھا نہیں۔

اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ جس سخن سے کسی کو رنج پہنچے اس کا بیان کرنا اچھا نہیں ؎

تا نیک ندانی کہ سخن عین صوابست

باید کہ بگفتن دہن از ہم نکشائی

گر راست سخن گوئی و در بند بمانی

بہ زانکہ دروغت دہد از بند رہائی

(ترجمہ: جب تک تمہیں یقین نہ ہو کہ یہ سخن اچھا ہے اسے منہ سے باہر نہ نکالئے۔
اگر سچا کلام کہنے سے قید میں جانا پڑے تو اس سے وہی جھوٹ بہتر ہے جس سے تجھے قید سے چھٹکارا نصیب ہو)

شرح بیت مذکور اس سے مراد یہ ہے کہ سچائی ہر لحاظ سے بہتر ہے اگرچہ اس سے قائل کو کیسا دکھ اٹھانا پڑے سچائی کا دامن نہ چھوڑے اور جھوٹ سے نجات اپنی نجات مراد نہیں بلکہ دوسرے کو نجات دلانا مراد ہے اور ایسا فتنہ دور کرانا جس میں عام لوگ مبتلا ہوں ایسے ہی "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" سے بھی یہی مراد ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں صادقین مخلصین بلکہ صدیقین مخلصین سے بنائے بروزِ قیامت کرماء، حلماء، علماء، ادباء سے اٹھائے وہی اقوالِ حسنہ و افعال مستحسنہ کی توفیق بخشنے والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا اور وہ لوگ جو نصیحت کیے جاتے ہیں بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ ایسی آیات کے ساتھ جو پند و نصیحت پر مشتمل ہیں لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا نہیں گرتے۔

حل لغات: خر بمعنے سقط سقوطا یسمع منہ خریر ایسا بُری طرح گرا کہ اس سے خریر کی آواز۔

ف: خریر پانی اور ہوا اور ان اشیاء کی آواز کو کہا جاتا ہے جو اوپر سے نیچے کو گریں۔ صُمًّا اصم کی جمع ہے وہ شخص جس کی سمع کی حس مفقود ہو ایسے ہی اس سے اس شخص کی تشبیہ دی جاتی ہے جو حق کی طرف متوجہ نہ ہو اور نہ ہی اسے قبول کرے۔

وَّعُمْيَانًا ○ اعمیٰ کی جمع ہے وہ شخص جس کی بصارت کی حس مفقود ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ

marfat.ocm

بندگانِ خداوہ ہیں جو آیات پر ایسے حال میں نہیں ٹھہرتے کہ وہ گونگے اور اندھے ہوں بلکہ وہ تو ان پر گرویدہ ہو جاتے ہیں درانحالیکہ وہ کان لگا کر سنتے اور نگاہ تیز سے دیکھتے ہیں اور مکمل طور پر ان سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔

ف : جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ وہ سنتے ہیں تو باہوش ہو کر اور دیکھتے ہیں تو جلوات دلبر کے جلووں سے۔ خلاصہ یہ کہ وہ آیاتِ الٰہی سے غفلت نہیں کرتے۔

نکتہ : ان کے سننے کو اس طرح تعبیر کرنا کفار و منافقین پر تعریض ہے کہ وہ لوگ گویا گونگے و اندھے ہیں کہ ان آیات کو سننے اور دیکھنے کے بعد کورے رہ گئے۔ اس معنی پر ان سے گونگے اور اندھے کی نفی مراد ہے نہ کہ خرور کی۔ اگرچہ حرف نفی خرور پر ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں عطا فرما۔

حلِ لغات : هب وهب يهب کا امر ہے وهبًا وهِبةً اس کا مصدر آتا ہے کسی کو اپنی شے کا بلا عوض مالک کر دینا۔ اللہ تعالیٰ کو واہب و وہاب اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ہر ایک کو اس کے استحقاق پر عطا فرماتا ہے۔

مِنْ اَزْوَاجِنَا ہماری عورتوں میں سے۔

حلِ لغات : ازواج ' زوج کی جمع ہے ہر وہ جو دوسرے کو مقترن ہو اس کا مماثل ہو یا نقیض۔ زوج و زوجہ دونوں طرح، لیکن زوجہ کی لغت ردیئہ ہے۔ (کما فی المفردات)

وَذُرِّيّٰتِنَا اور ہماری اولاد میں سے۔

حلِ لغات : ذرّیّات ذرّیّۃ کی جمع ہے۔ دراصل چھوٹی اولاد کو کہا جاتا ہے پھر عُرف میں بڑی اولاد میں بھی استعمال ہونے لگا۔ قاموس میں ہے، ذراء الشیٔ بمعنے کثرہ (اسے زیادہ کیا) اسی سے ہے الذریۃ (مثلثہ) جن وانس کی انس کو کہا جاتا ہے۔

قُرَّةَ اَعْيُنٍ آنکھوں کی ٹھنڈک کہ جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں یعنی ان کی معاونت سے طاعتِ الٰہی و فضائل کے جمع کرنے پر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں کیونکہ مومن کو جب اس کے اہل و عیال طاعتِ الٰہی میں مدد دیں تو اس کا دل خوش ہوتا ہے اور آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ اس کے اہل و عیال دین میں اس کے موافق ہیں پھر[1] اس سے پُر امید ہوتا ہے کہ وہ جنت میں ان کے ساتھ ہوں گے

---

[1] اس آیت سے وافر حصہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے اپنے والدین اور اولاد و تمام ذکور و اناث پھر پوتوں اور نواسوں کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں پایا اور انہیں درجۂ صحابیت نصیب ہوا اس مرتبہ میں حضرت ابوبکر جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ممتاز ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.com

جیسے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا:

الحقنا بھم ذریاتھم۔

(اور ہم ان کے ساتھ ملا دیں گے ان کی اولاد)

اس معنے پر یہاں قرود (آنکھوں کی ٹھنڈک) سے ان کا فضائل دینیہ سے مزین ہونا مراد ہے مال وجاہ وجمال وغیرہ سے نہیں۔

ترکیب: قرۃ اعین کا منصوب ہونا ھَبْ کی مفعولیۃ کی وجہ سے ہے۔

ف: قرۃ یا تو قرار سے ہے بمعنے قلب کو ایسے امر کا حاصل ہونا جس سے وہ خوش ہو کہ اس کے دیکھنے سے آنکھ دوسری طرف نہ اُٹھے گی اور نہ ہی اس سے اونچی شے ہو گی جو اس طرف اوپر کو اٹھے۔ یا القُر (بالضم) سے ہے بمعنے البرد (ٹھنڈک) چونکہ عربی گرمی سے تکلیف محسوس کرتے ہوئے ٹھنڈک تلاش کرتے ہیں۔ اس معنی پر قرۃ العین سے مراد فرح وسرور ہے۔

دمع العین عند السرور بارد و عند الحزن حار۔

اعجوبہ (سرور و فرح کے آنسو ٹھنڈے اور حُزن و ملال کے آنسو گرم ہوتے ہیں)

ترکیب: مِن ابتدائیہ ہے اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہماری آنکھیں ان کی جہت سے ہوں کہ وہ طاعت وعبادت کریں گے اور نیکیوں کے خوگر ہوں گے تو ان سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ یا مِن بیانیہ ہے اس وقت وہ جملہ حالیہ ہے گویا کہا گیا کہ اے پروردگارِ عالم! ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرما۔ اس کے بعد اس کی تفسیر میں کہا گیا کہ من ازواجنا و ذریاتنا (ہماری ازواج و اولاد کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے۔ یہ ایسے ہے جیسے:

رأیتُ منك اسدا (میں نے تجھ سے شیر دیکھا)

یعنی تُو بعینہٖ شیر ہے۔ کسی شاعر نے خوب فرمایا: ؎

نعم الالٰہ علی العباد کثیرۃ
واجلھن نجابۃ الاولاد

(ترجمہ: ویسے تو بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کوئی شمار نہیں لیکن سب سے بڑی نعمت اولاد کا نیک ہونا ہے)

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

زن خوب فرمان بر پارسا
کند مرد درویش را پادشا

marfat.ocm

چو مستور باشد خوب رُوئے

بدیدار وے در بہشت است شوے

(ترجمہ: عورت حسین فرمانبردار نیک ہو تو وہ مرد درویش کو بادشاہ بنا دے گی۔ عورت اگر پردہ دار حسین ہو تو اس کے دیکھنے سے مرد دنیا میں ہی بہشت میں ہے)

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ اور ہمیں متقیوں کا امام بنا دے۔

حلِ لغات: الامام[1] ہر وہ جس کے قول و فعل کی اقتداء کی جائے وہ انسان ہو یا کتاب یا کوئی اور شے، وہ حق پر ہو یا بطلان پر۔ (کذافی المفردات)

---

[1] شیعوں میں امام کا وہی تصور ہے جو اہلسنّت کے نزدیک نبی کا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ جیسا کہ فقیر اویسی غفرلہ نے اپنی کتاب "آئینہ مذہب شیعہ" میں تفصیل سے لکھا ہے یہاں بقدرِ ضرورت لکھا جاتا ہے۔

جس امام کا تصوّر شیعہ نے ظاہر کیا ہے اسے اہلسنّت غلط اور بے بنیاد سمجھتے ہیں کیونکہ جس امام کا تصوّر شیعہ نے کیا ہے اس کا ثبوت نہ قرآن مجید میں ہے نہ احادیثِ مبارکہ میں۔ یہ ابنِ سبا کی پارٹی کا من گھڑت عقیدہ ہے ورنہ جب اس عقیدہ کا مرتبہ عقیدۂ نبوت سے بھی فزوں تر ہے تو اس کا تقدس بھی اتنا ہی لازمی ہے، پھر جس طرح نبوّت کی صفت کا سوائے نبی کریم کے کسی دوسرے پر اطلاق حرام ہے جیسے کہ مرزا قادیانی کے اطلاقِ نبوت پر اسے کافر قرار دے دیا گیا ہے اسی طرح امامت کی صفت کا اطلاق بھی سوائے امام معصوم کے کسی دوسرے پر حرام ہوگا۔ حالانکہ آیت ہذا میں امام کا اطلاق ہر نیک نمازی پر ہے اور آیۃ ائمۃ الکفر میں کفار کے لیڈروں پر۔ اب سُنیئے شیعوں کا عقیدہ۔

عقیدہ شیعہ

شیعہ کہتے ہیں کہ مسئلہ امامت اصولِ دین میں ہے اور اس مسئلہ کی ایجاد پر ان کو اس قدر ناز ہے کہ اگر ان کو امامیہ کہا جائے تو بہت خوش ہوتے ہیں۔

سُنّی عقیدہ

اہلسنّت کہتے ہیں کہ شیعوں کا مفروضہ مسئلۂ امامت دینِ الٰہی کی سخت ترین بغاوت ہے کیونکہ اس کا

(باقی ص ۴۹۶ پر)

marfat.com

اب معنی یہ ہوا کہ اے اللہ! ہمیں ایسا بنا دے کہ اہل تقویٰ مراسم دین کی اقامت اور افاضۂ علم و توفیق عمل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۵) کوئی ثبوت نہیں۔ ہاں جن دلائل سے یہ لوگ امامت کا عقیدہ ثابت کرتے ہیں وہ ہے خلافت۔ اور خلافت ہمارے نزدیک حق ہے لیکن اس کے وہ شرائط نہیں جو شیعوں نے گھڑے ہیں کیونکہ شیعہ کی بیان کردہ شرائط کا کوئی وجود نہیں۔

شرائط

شیعہ کہتے ہیں کہ رسول کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اگر انہی کا مثل کوئی معصوم دُنیا میں موجود نہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اس کی اطاعت لوگوں پر فرض نہ ہو۔ تو لوگوں کو ہدایت کس سے حاصل ہو گی۔ غیر معصوم کی اتباع میں سوا گمراہی کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ غیر معصوم سے ہر وقت خطا کا صادر ہونا ممکن ہے۔ لہذا ضروری ہُوا کہ رسول کے بعد ہر زمانے میں قیامت تک ایک معصوم مفترض الطاعۃ دنیا میں موجود رہے تاکہ سعادت مند لوگ اس سے دین حاصل کریں اور خدا کی حجت بندوں پر قائم رہے۔ اسی معصوم مفترض الطاعۃ کو جو ہر صفت میں رسول کا مثل اور مانند ہے امام کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کے لیے خدا کی طرف سے بارہ امام مقرر ہو چکے ہیں اور بارھویں امام پر دنیا کا خاتمہ ہے۔

اہلسنت کا موقف

اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہدایت خلق اللہ اور بندوں پر حجتِ خداوندی قایم رکھنے کے لیے جو چیزیں کافی ہیں اور جو قیامت تک موجود رہیں گی قرآن اور سنت یہی دو ثقلین ہیں جن کے اتباع کا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے گئے اور فرما گئے کہ ان کا اتباع کرنے سے تم میں ہرگز گمراہی نہ آئے گی۔ یہ بھی فرما گئے کہ دونوں چیزیں قیامت تک موجود رہیں گی۔ لہذا آپ کے بعد نہ کسی کو آپ کا مثل اور معصوم مفترض الطاعۃ ماننے کی ضرورت اور نہ کسی غیر معصوم کے اتباع کی حاجت۔

قیامِ خلافت اور سُنّی شرائط

ہاں یہ ضرور ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو شاہانہ اقتدار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب بن کر دین کے ان مہمات کو انجام دیتا رہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

marfat.ocm

میں ہماری پیروی کریں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۶) جن کی انجام دہی بغیر شاہانہ اقتدار کے نہیں ہو سکتی۔ مگر اس شخص کے معصوم ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ رسول کی طرح دین کا ماخذ نہیں۔ قرآن وسنّت کی پیروی جس طرح اور مسلمانوں پر فرض ہے بالکل اسی طرح اس شخص پر بھی۔ دین میں ذرہ برابر تغیر و تبدل کرنے کا اس شخص کو اختیار نہیں۔ نہ حرام کو حلال کر سکتا ہے نہ حلال کو حرام۔ اس شخص کی اطاعت بھی صرف انہیں باتوں میں ضروری ہے جو قرآن وسنّت کے خلاف نہ ہوں۔ جیسا کہ آیت اولی الامر میں اس کو صاف ارشاد فرمایا ہے۔ اسی شخص کو خلیفہ یا امام کہتے ہیں۔

سُنّی و شیعہ کی اختلافی نوعیت

• خلیفہ یا امام کا انتخاب بھی اُمت کے ذمہ ہے بالکل اسی طرح جیسے امام نماز کا تقرر مقتدیوں کے ذمّہ ہے اگر اُمت کسی نالائق شخص کو خلافت کے لیے منتخب کرے گی تو گنہ گار ہوگی جس طرح مقتدی کسی نالائق شخص کو امام بنا لینے سے گنہ گار ہوتے ہیں۔

سوال: قرآن وسنّت ہدایت کے لیے کافی نہیں ہیں اس لیے کہ بہت لوگ ایسے ہوں گے جو قرآن وسنّت کے مطالب معلوم کرنے کے لیے کسی بیان کرنے والے کے محتاج ہوں گے اور وہ غیر معصوم ہوگا تو لامحالہ ان کو غیر معصوم کی اتباع کرنی پڑے گی اور وہی سب خرابیاں لازم آئیں گی جو غیر معصوم کے اتباع میں ہوتی ہیں۔

جواب: اس چیز کو اگر غیر معصوم کا اتباع قرار دیا جائے تو اس سے کسی حال میں مفر نہیں ہو سکتا۔ معصوم کی موجودگی میں بھی یہ کام کرنا پڑتا ہے کیونکہ معصوم کسی ایک مقام میں ہوں گے۔ اس مقام کے بھی سب لوگ ہر ہر بات میں معصوم کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ اور دوسرے مقامات کے لوگوں کا تو ذکر ہی کیا لامحالہ ان کو کسی غیر معصوم سے معصوم کے احکام معلوم کرنا پڑیں گے، خواہ وہ معصوم کا نائب ہی کیوں نہ ہو۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلافت بھی حاصل ہُوئی پھر بھی وہ کوئی ایسا انتظام نہ کر سکے کہ ہر معاملہ میں لوگ ان سے ہدایت حاصل کرتے بلکہ خاص کوفہ میں اُن کی طرف سے ایک غیر معصوم قاضی مقرر تھا جو مقدمات کے فیصلے کرتا تھا۔

شیعہ مذہب میں اختلافاتِ ائمہ

شیعہ نے ایک عذر کیا تھا کہ نبی علیہ السلام کے بعد غیر معصوم لوگوں کا اختلاف ہوگا ہم کہتے ہیں کہ ائمہ کی موجودگی میں بھی اصحاب ائمہ میں باہم دینی مسائل میں اختلاف ہوتا تھا اور وُہ اختلاف نزاع کی (باقی ص ۱۴۱ پر)

marfat.com

ف : الارشاد میں ہے کہ گویا یہ دُعا ہر ایک سے فرداً فرداً علیحدہ علیحدہ صادر ہوتی ہے اور ان کا ہر ایک دعا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۷) اس حد تک پہنچتا تھا کہ باہم ترکِ کلام وسلام کی نوبت آجاتی تھی اور کسی طرح اس کا تصفیہ نہ ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ مجتہدین شیعہ کہتے ہیں کہ اصحاب ائمہ پر واجب نہ تھا کہ ائمہ سے یقین حاصل کریں۔ ائمہ کی موجودگی ہی میں غیر معصوم کا اتباع برابر جاری تھا اور اب تو کسی شیعہ کو کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں کیونکہ قدرت نے اس طرح ان کے خانہ ساز مسئلۂ امامت کو خاک میں ملایا ہے۔

شیعہ کے دُوسرے مفروضہ کا جواب : شیعہ کہتے ہیں کہ ہر زمانے میں ایک معصوم کا موجود ہونا ضروری ہے تاکہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں۔ مگر جناب حسن عسکری کے بعد جن کی وفات ۲۶۰ھ میں ہوئی آج تک کہ گیارہ سو پینتالیس اُوپر کئی سال ہوئے کوئی امام معصوم نہیں ہے اور شیعہ بھی غیر معصومین ہی کا اتباع کر رہے ہیں اور روایات ہی پر ان کا بھی عمل ہے اب کوئی پُوچھے کہ غیر معصوم کا اتباع کرکے تم گمراہ ہُوئے یا نہیں۔ اور جب روایات ہی پر عمل کرنا ٹھہرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات نے کیا قصور کیا ہے کہ ان کو چھوڑ کر کسی دوسرے غیر نبی کی باتوں پر عمل کیا جائے۔

شیعہ کی بڑ

شیعہ کہتے ہیں کہ امام معصوم موجود تو ہیں مگر وہ نظروں سے پوشیدہ ایک غار کے اندر تشریف فرما ہیں ان کو کوئی دیکھ نہیں سکتا اور نہ اُن سے ہدایت حاصل کر سکتا ہے۔

ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ جب انھیں کوئی دیکھ بھی نہیں سکتا اور ان سے ہدایت بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ تو پھر ان کا وجود عدم کے برابر ہے۔ اور پھر اگر ایسا موجود ہونا کافی ہے تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی قبر انور میں زندہ موجود ہیں اور ایسی زندگی کے ساتھ کہ اس عالم کی کروڑوں زندگیاں اس پر قربان ہیں یعنی حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں جس میں شیعہ کو بھی اختلاف نہیں اگر بالواسطہ احکام کا اجراء شرعاً جائز ہے تو پھر اس کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زیادہ حقدار ہیں کیونکہ آپ ہی اپنے احکام کے ذمہ دار ہیں۔ پھر یہ کہاں کا اصول ہے کہ نبی علیہ السلام کا در چھوڑ کر سرمن غار غیر معروف مقام کے لیے امام مہدی کو تلاش کرتے پھریں جبکہ شیعہ مذہب میں ان کے وجود کا اقرار ہے باقی فرقے ان کی موجودگی کے قائل ہی نہیں۔

اصل حقیقت بانیانِ مذہب شیعہ کا مقصود اصلی دینِ اسلام کو خراب کرنا تھا اور وہ اسی لیے مسلمانوں کے لباس میں آکر اپنی کارروائیاں کر رہے تھے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

marfat.ocm

کے وقت عرض کرتا ہے: واجعلنی للمتقین اماما (اے اللہ! مجھے متقیوں کا امام بنا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۸) لہذا انہوں نے ایک طرف تو قرآن کو محرف کہنا شروع کر دیا، دو ہزار سے زیادہ روایتیں قرآن میں ہر قسم کی تحریف کی تصنیف کرلیں، اور دوسری طرف قرآن کو معمہ اور چیستان مشہور کیا۔ تیسری طرف تمام صحابہ کرام کو کاذب قرار دیا تاکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور تعلیمات جو انہیں صحابہ کرام سے منقول ہیں قابلِ اعتبار نہ رہیں۔ اور چوتھی طرف یہ کارروائی کی کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ شخص آپ کے مثل معصوم اور مفترض الطاعۃ تجویز کیے اور ان کے اختیارات یہ بیان کیے کہ:

فهم يحلون ما يشاءون ويحرمون ما يشاءون ..... (اصول کافی ص ۲۷۰)

یعنی یہ ائمہ جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں اور جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں تاکہ مسلمانوں کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے استغنا ہو جائے۔

یہ وہ باتیں ہیں کہ بانیانِ مذہب شیعہ کے اصلی مقصود کو عالم آشکارا کر رہی ہیں۔ غضب خدا کا کہا تو یہ جاتا ہے کہ ہم غیر معصوم کے اتباع سے بچنے کے لیے دوازدہ اماموں کو مانتے ہیں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں چونکہ غیر معصومین سے منقول ہیں اس لیے نہیں لیتے اور پھر غیر معصومین کا اتباع بھی کیا جائے اور غیر معصومین کی نقل کی ہوئی روایات بھی لی جائیں مگر رسول کی نہیں بلکہ ائمہ کی۔

فقیر کی بیان کردہ باتوں پر غور فرمائیں۔ اب دلائل پڑھیے:

قرآن اور امامت

قرآن مجید کو شروع سے اخیر تک کوئی پڑھے تو اس کو سینکڑوں آیتیں اس مضمون کی ملیں گی کہ رسول کی اطاعت نجات کے لیے کافی ہے اور رسول ہی کے مبعوث ہونے سے خدا کی حجت قایم ہوتی ہے۔ خدا کی طرف سے رسول ہی کی اطاعت مخلوق پر فرض کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں سوائے رسول کے اور کسی کی اطاعت کو خدا نے اپنی اطاعت نہیں فرمایا۔ نمونہ کے طور پر چند آیتیں حاضر ہیں باقی آیات مجموعی طور پر فقیر کی کتاب "مرآۃ الدلائل" میں ہیں۔

(۱) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم۔

کہہ دیجئے اے نبی! اگر تم دوست رکھتے ہو اللہ کو تو میری پیروی کرو محبت کرے گا تم سے اللہ اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

(باقی بر صفحہ)

marfat.com

نکتہ: اس طرح سے جملہ لانا یعنی صیغۂ متکلم لا کر اس سے فرداً فرداً مراد لیا جانا ایجاز کے طور پر ہے۔ جیسے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۸۹)

(۲) قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین۔ (پارہ ۱۸)

فرمائیے اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی پھر اگر منہ پھیریں یہ لوگ تو اللہ نہیں پسند کرتا کافروں کو۔

(۳) من یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنّٰت تجری من تحتہا الانھر خالدین فیھا و ذٰلک الفوز العظیم۔ (پارہ ۴)

جو شخص اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو داخل کرے گا اللہ باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

(۴) وما ارسلنا رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ (پارہ ۵)

جو رسول ہم نے بھیجا وہ اسی لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے۔

(۵) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ (پارہ ۵)

جس نے رسول کی اطاعت کی تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(۶) رسلا مبشرین و منذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل۔ (پارہ ۶)

رسول خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تاکہ نہ رہے کوئی حجت لوگوں کی اللہ پر رسول کے بھیجنے کے بعد۔

(۷) واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا۔ (پارہ ۱۸)

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی نافرمانی سے بچتے رہو۔

(۸) یا معشر الجن والانس لم یاتکم رسل منکم یقصّون علیکم ایاتی وینذرونکم لقاء یومکم ھٰذا۔ (پارہ ۸)

اے گروہ جن و انس! کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم میں سے کہ بیان کرتے میرے احکام اور ڈراتے تم کو اس دن کے ملنے سے۔

(۹) یا بنی ادم اِمّا یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم ایاتی فمن اتقی و

اے بنی آدم! آئیں گے تمہارے پاس رسول جو تمہی میں سے ہوں گے بیان کریں گے تم سے میرے احکام پھر جو لوگ پرہیزگاری

(باقی ص ۴۹۱ پر)

marfat.ocm

یاایھا الرسل کلوا من الطیبات میں فرداً فرداً ہر ایک نبی علیہ السلام کو حکم ہوتا رہا اور اب آخر

(بقیہ حاشیہ ص ۴۹۵)

اصلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ (پارہ ۸)

کریں گے اور اچھے کام کریں گے ان پر نہ کچھ خوف ہوگا نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

(۱۰) یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و رسولہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ (پارہ ۲۱)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں اچھی پیروی ہے۔

(۱۱) و من یطیع اللہ و رسولہ فقد فاز فوزاً عظیما۔ (پارہ ۲۲)

جو اطاعت کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی، تو بہ تحقیق وہ بڑی کامیابی کو پہنچ گیا۔

(۱۲) و قال لھم خزنتھا الم یاتکم رسل منکم۔ (پارہ ۲۴)

اور کہیں گے ان سے داروغہ جہنم کے کہ کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس رسول تم میں سے۔

(۱۳) ما اتاکم الرسول فخذوہ و ما نھاکم عنہ فانتھوا۔ (پارہ ۲۸)

جو حکم دیں تم کو رسول اس پر عمل کرو اور جو منع کریں اس سے باز رہو۔

قاعدہ کلیہ

قرآن مجید میں ہر جگہ رسول ہی کی اطاعت کا حکم ہے انہی کی اوامر نواہی کو واجب الاتباع قرار دیا گیا ہے انہی کی اطاعت پر فوزِ عظیم اور جنت کا وعدہ ہے۔ قبر سے لے کر حشر تک انہی کی اطاعت کا سوال ہوگا انہی کی اطاعت بعینہٖ خدا کی اطاعت قرار دی گئی ہے۔

مسئلہ امامت کی تاریخی حیثیت

شیعہ مذہب کے عقاید و مسائل کو غور سے دیکھا جائے تو ۹۸ فیصد ایجاد بندہ ثابت ہوں گے۔ چنانچہ فقیر نے "آئینۂ شیعہ مذہب" میں ان کے ہر عقیدہ و مسئلہ پر واضح ثبوت لکھے ہیں۔ سو یہ عقیدہ امامت بھی انہی ایجادات سے ہے جہاں تک فقیر اویسی غفرلہ نے کتبِ شیعہ کے مطالعہ سے (باقی ص ۴۹۲ پر)

marfat.com

میں ہمارے رسول علیہ السلام کو حکم ہُوا تو گویا جمع سے فرد واحد مراد ہے (نہ کہ جمع جس طرح مرزائیوں نے سمجھا ہے)۔

سوال: امام کو واحد کیوں لایا گیا بقاعدۂ نحو ائمۃ ہونا چاہیے۔

جواب: اسی مذکورہ بالا مقصد کے پیشِ نظر۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۱) نتیجہ نکالا ہے کہ امامت کا عقیدہ شیعوں نے تیسری صدی ہجری میں ایجاد کیا ہے اس کے اخفا میں انہوں نے اور زیادہ کوشش کی اور اس بارے میں تقیہ سے کام لیتے رہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ سُنّی اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصانیف میں ائمہ پر لفظ علیہ السلام کا اطلاق کرتے تھے اور ان کو دوسرے بزرگوں کی طرح لفظ امام سے یاد کرتے تھے ان کو اس کا خیال بھی نہ ہُوا کہ ان بزرگوں کے نام کے ساتھ امام اور علیہ السلام کے الفاظ استعمال کرنے سے شیعوں کا باطل عقیدۂ امامت اہلسنت میں جگہ حاصل کرے گا۔ شیعہ کے اسلاف اہلسنت سے اپنے دین کو چھپاتے تھے اور ناواقف سُنّیوں میں تدریجًا اپنے عقاید و اعمال پھیلاتے تھے۔

سوال: اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے بعد بھی یہ استعمال پایا جاتا ہے۔

جواب: بعد والوں میں اختلاف ہوگیا ان میں جو حضرات بلاتکلف یہ الفاظ استعمال کرتے رہے تو انہوں نے بھی اپنے پیشرواکابر علماء کی پیروی کی اور ان الفاظ کا رواج بڑھ گیا مگر ان حضرات کے حاشیہ خیال میں بھی امامت کے مذکورہ مخصوص معنی نہ تھے بلکہ یہ امام بمعنی مقتدا اور پیشوا استعمال کرتے تھے۔ علیہ السلام بھی محض تبعاً لکھ دیتے تھے جس میں اس لفظ کے لغوی معنی ملحوظ ہوتے تھے جیسے ہر مسلمان کو السلام علیکم کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت ان بزرگوں کے حالات ہیں جن پر نظر کرنے کے بعد کوئی بھی فہیم آدمی ان حضرات کے بارے میں اس قسم کا وہم نہیں کرسکتا۔ یہ حضرات اس معاملے میں معذور تھے ان پر کوئی اعتراض نہیں مگر اس معاملے میں ان کی پیروی نہ کی جائے گی کیونکہ اب یہ واقعہ بالکل واضح ہوچکا ہے کہ ان الفاظ کے استعمال سے شیعوں کے عقیدۂ امامت کو تقویت پہنچتی ہے یعنی اہلسنت میں اس عقیدۂ باطلہ کی اشاعت ہوتی ہے اور اہلسنت میں جو لوگ اس سے متاثر ہیں ان کے فاسد عقیدہ کو اس سے قوت حاصل ہوتی ہے اب اس روش کو ترک کرنا لازم ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے اسماءِ گرامی کے ساتھ حضرت یا سیدنا اور رضی اللہ عنہ لکھنا اور بولنا چاہیے کیونکہ یہ سب حضرات صحابی ہیں۔ بزرگان مذکورہ میں سے باقی حضرات مثلاً حضرت زین العابدین حضرت باقر رحمہم اللہ کے اسماءِ گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ یا رحمہ اللہ لکھنا پڑھنا چاہیئے تاکہ سنّی و شیعہ کے درمیان فرق ہو۔ مزید تفصیل فقیر کے رسالہ "علیہ السلام" میں پڑھئے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

سوال : اسم موصول کو بار بار کیوں لایا جا رہا ہے؟

جواب : تاکہ معلوم ہو کہ ہر موصول کے بعد کا مضمون مستقل طور پر علٰحدہ علٰحدہ مہتم بالشان ہے اور وہ ایسے اوصافِ جلیلہ ہیں کہ ان کے لیے موصوف کا ذکر بار بار ہو اور معلوم ہو کہ ہر ایک صفت کسی دوسری صفت کا تتمہ یا طفیلی نہیں اور واؤ حرف عاطفہ بھی اسی لیے بار بار ہے کہ ہر وصف اپنی دوسری صفت کے مغایر ہے۔ یہ اختلاف عنوانی بمنزلہ اختلاف ذاتی کے ہے۔

حکومت و جاہ طلبی واجب ہے قفال و دیگر مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ طلب ریاست دینی یعنی دینی حکومت اور جاہ و مرتبت کی طلب واجب ہے۔

ف : ریاست و حکومت اور جاہ و مرتبت کی طلب سے مراد اسلامی ریاست و حکومت اور جاہ و مرتبت کی طلب ہے نہ کہ دنیوی۔

دُعاءِ مستجاب حضرت عروہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ دعا مانگتے تھے کہ "اے اللہ! ان لوگوں سے بنا جن کے علم کی اشاعت بہت زیادہ ہو۔" اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا مستجاب فرمائی۔

دنیوی حکومت طلبی کی تحقیق ہماری مراد حکومتِ دنیوی نہیں اس لیے کہ اس میں سنت یہ ہے کہ دنیوی لحاظ سے کسی قسم کی سرکاری ملازمت قبول نہ کی جائے نہ قضاء نہ افسری نہ فتوٰی نہ دیگر دنیوی عہدے۔ دلی طور پر انہیں اپنے لیے زہرِ قاتل سمجھنا چاہیے۔ ایسے عہدوں پہ رضامندی کی بجائے نفرت کا اظہار کرنا چاہیے۔ ہاں اگر کوئی جبر و اکراہ اور سخت وعیدوں یعنی دھمکیوں میں آ جائے تو الگ بات ہے۔ کیونکہ جب ہمارے اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے دل سے قبول نہیں کیا تو ہم کون ہیں قبول کرنے والے۔[1]

؎

بوحنیفہ قضا نکرد و بمرد
تو بمیری اگر قضا نکنی

---

[1] فقیر اویسی ہمیشہ اس دعا کو نماز کی ماثورہ دعا کے بعد پڑھا کرتا ہے مجھے امید ہے کہ فقیر کی اولاد تا قیامت دینِ اسلام کی خادم، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی غلام اور آپ کے صحابہ کرام و اہلبیت عظام اور اولیاءِ امت و علماءِ اہلسنت کی نیاز مند رہے گی۔

[2] بحمدہٖ تعالیٰ فقیر اویسی اسی گھاٹے کا ایک فرد ہے خدا کرے میری اولاد اور میرے احباب و متعلقین کو بھی حکومت اور سرکاری تعلق سے حفاظت نصیب ہو۔ آمین اویسی غفرلہٗ

marfat.com

(ترجمہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے قضا قبول نہ فرمائی اور اسی میں فوت ہوئے تو بھی مرے گا اگر قضا قبول نہ کرے گا)

سوال: حضرت شیخ ابو مدین قدس سرہٗ نے فرمایا:

آخر ما یخرج من رءوس الصدیقین حب الجاہ۔

یہاں یخرج سے یظہر مراد ہے۔ معنی یہ ہے کہ صدیق وہ ہے جس کا انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ اس سے جاہ و مرتبت کی محبت کا اظہار ہو گا۔

جواب: جب صدیقین اسم باطن کی تکمیل کر لیتے ہیں تو پھر خواہش کرتے ہیں کہ وہ اسم ظاہر کے مرتبہ کو بھی ظاہر کریں تاکہ تمام اسمائے الٰہیہ کے کمالات سے کلی طور پر انہیں حصہ نصیب ہو۔ اس طرح سے ابناء الدنیا (دنیا داروں) پر ان کا قیاس نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی وہ دنیا داروں کی طرح دنیاوی مراتب پر فائز ہونا چاہتے ہیں بلکہ وہ دنیا کے انتظامات میں دخیل بننا چاہتے ہیں جس طرح بھی ان سے بن پڑتا ہے۔

صاحبِ روح البیان کے پیر و مرشد قدس سرہٗ کا کارنامہ

ہمارے شیخ اجل و کامل و اکمل قدس سرہٗ نے اپنے بعض مکاشفات میں دیکھا کہ وہ عنقریب بادشاہ بنا دیئے جائیں گے تھوڑا عرصہ گزرا کہ باغیوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے بادشاہ کو، اس کے ارکانِ دولت اور قریبی رشتہ داروں کو قید کر دیا۔ پھر یہ فتنہ ہمارے شیخ قدس سرہٗ کی حسنِ تدبیر سے فرو ہوا اور بادشاہ اور جملہ اہلِ اسلام کو نجات ملی اور باغیوں کی بنیاد جڑ سے کٹ گئی۔ اس طرح سے ہمارے شیخ کو اسم ظاہر کی تکمیل کا موقع میسر آیا۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب "تمام الفیض" میں ہے۔

شانِ نزول و فضیلتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کشف الاسرار میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی: اے امیر المؤمنین! یہ آیت کہاں اور کس کے حق میں نازل ہوئی۔ عباد الرحمٰن الخ سے کون لوگ مراد ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے جابر! تمہیں معلوم ہے یہ لوگ کون ہیں اور یہ آیت کہاں اُتری؟ میں نے عرض کی: یا حضرت! یہ آیت مدینہ طیبہ میں اُتری۔ آپ نے فرمایا: نہیں یہ آیت مکہ شریف میں اُتری اور الذین یمشون علی الارض ھونا سے حضرت ابوبکر ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ مراد ہیں کیونکہ آپ کو ہی حلیم قریش کہا جاتا تھا۔

marfat.ocm

صدیقِ اکبر اور عشقِ نبوی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دولت سے نوازا تو میں نے انہیں ایک دن دیکھا کہ وہ مسجد حرام میں بیہوش پڑے ہیں اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہیں بنی مخزوم و بنو امیہ کے کفار نے زدوکوب کیا تھا۔ میں انہیں اپنے گھر لے گیا۔ جب ہوش میں آئے تو والدہ (جو ان کے سرہانے بیٹھی تھی) سے پوچھنے لگے کہ اماں! میرے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں اور ان کا کیا حال ہے۔ ان کے والد ابو قحافہ نے فرمایا، بیٹا! تو بار بار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیوں پوچھتا ہے جبکہ تم انہی کی وجہ سے زخم خوردہ ہو۔ اور تم ان کو ایسے دل دے چکے ہو کہ اب اپنی پروا تک نہیں، ہر وقت انہی کا خیال رکھتے ہو حالانکہ تمہاری اس روش سے ہمارے ساتھ بنی مخزوم بائیکاٹ کر گئے ہیں اور کہہ گئے ہیں کہ یہ اپنے باپ دادا کے دین میں جب تک واپس نہ آئے گا ہمارا تم سے بائیکاٹ ہی رہے گا۔ اب بھی اگر تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ تو ہم ان سے تمہارا بدلہ لے سکتے ہیں ایسا بدلہ کہ تم اس سے خوش ہو جاؤ گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت بڑے حلیم اور بُردبار تھے اور متواضع بھی، سر اٹھا کہ دعا کی:

"اے اللہ! بنو مخزوم کو ہدایت سے نواز، وہ بے خبر ہیں، الٹا مجھے حق سے موڑ کر باطل کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔"

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہے اور انہیں حلیم کی صفت سے نوازا ہے۔ انہی کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما۔

(وہ لوگ جو زمین پر منکسر و متواضع ہو کر چلتے ہیں اور جب ان سے جُہّال غلط باتوں سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ ان کو دعائیں دیتے ہیں۔)

حضرت سالم رضی اللہ عنہ کی فضیلت اے جابر! والذین یبیتون لربھم سجدًا و قیاماً (اور وہ لوگ جو رات اپنے رب کے ہاں سجود و قیام میں گزارتے ہیں) حضرت سالم جو حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہما کے غلام ہیں، کے حق میں ہے کہ وہ ہمیشہ رات کو عبادت کرتے اور تہجد پڑھتے گزارتے تھے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اے جابر! والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جھنم (اور وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے جہنم کا عذاب پھیر دے) یہ آیت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے حق میں ہے کہ آپ ہمیشہ

marfat.com

حزن وغم میں گزارتے اور دوزخ کے عذاب سے ڈرتے رہتے تھے یہاں تک کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! یہ جبریل ہیں اور مجھے اللہ تعالیٰ سے خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دوزخ کے عذاب سے پناہ دے دی ہے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت

والذین اذا انفقوا و لم یسرفوا الخ (اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے اور حد سے نہیں بڑھتے) یہ آیت حضرت ابوعبیدہ کے حق میں ہے کہ انہوں نے اپنا بہت سا مال اپنے لیے اور اپنے اقرباء کے لیے خرچ کیا اللہ نے ان سے راضی ہو کر یہی فرمایا جو اُوپر مذکور ہُوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت

والذین لا یدعون مع اللہ الٰہا آخر (اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرتے) یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں ہے کہ آپ نے کبھی بُت پرستی نہ کی اور نہ ہی زنا کیا اور نہ کبھی قتلِ ناحق کا ارتکاب فرمایا۔

سعید بن زید بن عمر بن نفیل رضی اللہ عنہ کی فضیلت

خطاب بن نفیل نے ایک زِرہ بیچ ڈالی، پھر پشیمانی ہُوئی خطاب نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ تم یہ دعویٰ کرو کہ یہ زرہ میرے دادا کی ہے خطاب کو اسے بیچنے کا حق نہ تھا فلہذا مجھے واپس دی جائے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو میں تمہیں معقول رشوت دُوں گا۔ آپ نے فرمایا: مجھے تیری رشوت کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی مجھے جھُوٹ بولنا آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے راضی ہو کر اس آیت میں ان کی تعریف کی: والذین لا یشھدون الزور۔

سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی فضیلت

والذین اذا ذکروا الخ میں حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بیان ہے (کہ وہ اسی آیت کے مصداق تھے)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی فضیلت

والذین یقولون ربنا ھب لنا الخ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بیان ہے (کیونکہ آپ اسی آیت کے صحیح مصداق تھے)

ربط: مذکورہ بالا اوصافِ مبارکہ بیان کرنے کے بعد اب ان کی جزاء کا ذکر فرمایا۔

اُولٰٓئِکَ یہی وہ لوگ ہیں جو ابھی آٹھ صفات کے موصوف بیان ہُوئے اپنے ان صفات سے

marfat.ocm

موصوف ہونے کی وجہ سے یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر یُجْزَوْنَ الْغُرْفَۃَ ہے یعنی جزا دئے جائیں گے بالاخانوں سے۔ جزاء بمعنے غناء وکفایۃ ہے یعنی عمل کے مقابلہ کی کفایۃ کرنے والی شے۔ اگر خیر ہے تو جزاء بھی بھلی، اگر برائی ہے تو جزا بھی بری۔

حلِ لغات: الغرف بمعنے شے کو اُٹھانا اور کسی شے سے کچھ لینا۔ کہا جاتا ہے:

غرفت الماء والمرق۔ (میں نے پانی اور شوربہ لیا)

اور منازل عالیہ سے ایک بلند منزل بھی مراد ہوتی ہے (یہاں یہی مراد ہے) یعنی وہ جنت کے بلند و بالا منازل میں سے جزا دئے جائیں گے۔ یہ اسم جنس ہے اس سے جمع مراد ہے۔ جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا:

وھم فی الغرفات آمنون۔

(وہی لوگ بالاخانوں میں امن وچین کے ساتھ ہوں گے)

ف: فصول عبدالوہاب میں ہے کہ وہ چار کونوں والے محلّات ہوں گے جو زر و سیم اور لؤلؤ و مرجان سے تیار کیے گئے ہیں۔

بِمَا صَبَرُوْا بسبب[1] اس کے کہ انہوں نے صبر کیا۔ ما مصدریہ ہے اور صبر کو کسی عمل سے متعلق نہیں فرمایا بلکہ مطلق رکھا گیا تاکہ مصبر علیہ (جس امر پر صبر کیا گیا) کو شامل ہو۔ اب معنی یہ ہوا بوجہ ان کے صبر کرنے کے طاعات کی تکالیف اور ترکِ شہوات کی پریشانیوں کے اور مجاہدات کے برداشت کے منجملہ ان کے روزہ بھی ہے۔

فضیلتِ روزہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الصوم نصف الصبر والصبر نصف الایمان۔

(روزہ نصف صبر ہے اور صبر نصف ایمان ہے)

---

[1] جیسا کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک واقعۂ صبر یوں ہے کہ ایک دفعہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا: "کیا آپ کے والد کا انتقال ہو چکا ہے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں"۔ اس نے پھر پوچھا: آپ کی والدہ زندہ ہیں؟" آپ نے فرمایا: "ہاں"۔ وہ کہنے لگا: "میں نے سنا ہے آپ کی والدہ بڑی حسینہ و جمیلہ ہیں میں ان سے نکاح کرنے آیا ہوں آپ میرے ساتھ اُن کا نکاح کر دیں۔" آپ نے فرمایا: "وہ عاقل و بالغ ہیں انہیں نکاح کا اختیار ہے میں جبر نہیں کر سکتا البتہ ان سے پوچھ سکتا ہوں"۔ آپ پوچھنے جا رہے تھے اتفاق سے آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ شخص تڑپ تڑپ کر جان دے رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: "ابوحنیفہ کے صبر نے اس کی جان لے لی۔ اویسی غفرلہٗ

شرح الحدیث حدیث شریف کے حکم پر روزہ ایمان کا ایک چوتھائی ہے کیونکہ یہ دشمنِ خدا کے لیے قہر ہے اس لیے کہ شہوات شیطان کا وسیلہ ہیں اور شہوات کو خورد و نوش سے تقویت ملتی ہے اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان الشیطان لیجری من ابن آدم مجری الدم فضیقوا مجاریہ بالجوع ۔

(شیطان ابنِ آدم میں خون کی طرح چلتا پھرتا ہے اس کے راستے بھوک سے روکو)

۱ جوع باشد غذاے اہلِ صفا

محنت وابتلاے اہلِ ہوا

۲ جوع تنویر خانۂ دل تست

اکل تعمیرِ خانۂ گِل تست

۳ خانۂ دل گذاشتی بے نور

خانۂ گل چہ میکنی معمور

(ترجمہ :(۱) بھوک صوفیہ کرام کی غذا ہے لیکن شہوت پرستوں کو محنت اور دکھ محسوس ہوتی ہے ۔

(۲) بھوک دل کو نورانی بناتی ہے ، کھانا مٹی کے گھر یعنی جسم کی تعمیر ہے ۔

(۳) دل کی روشنی کو چھوڑ کر مٹی کے گھر (جسم) کو کیوں آباد کر رہا ہے)

حدیث شریف میں ہے :

ان فی الجنۃ لغرفا مبنیۃ فی الھوا لا علاقۃ من فوقھا ولا عماد لھا من تحتھا لا یأتیھا اھلھا الا شبہ الطیر لا ینا لھا الا اھل البلاء ۔

(بہشت میں ایسے بالا خانے بھی ہیں جو ہوا پر تیار کیے گئے ہیں انہیں نہ اوپر سے کوئی تعلق ہے اور نہ ان کے نیچے کوئی ستون ہے اس میں آنے والے پرندوں کی طرح ہی جائیں گے لیکن اہلِ شہوت کو ان میں داخلہ نہ ملے گا ۔ بلکہ یہ دُکھ درد والوں کو نصیب ہوں گے)

تفسیر صوفیانہ اولئك یجزون الغرفۃ یہ وہ لوگ ہیں جن کو مالک قادر کے ہاں (جو قیام گاہ مقام عندیہ میں ہے) ٹھہرایا جائے گا بما صبروا بسبب ان کے صبر کرنے کے ابتداے سلوک میں بوجہ ادائیگی اوامر و ترک نواہی کے اور وسطانی دور میں اخلاق ذمیمہ کو اخلاق حمیدہ سے تبدیل کرنے میں اور انتہا میں وجودِ انسانی کو وجودِ ربانی میں فنا کرنے میں ۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

marfat.ocm

صبر بمعنے ترک شکوٰی از الم البلوی لغیر اللہ لا الی اللہ۔

ف : بعض اکابر نے فرمایا : سالک کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ دکھ درد کا شکوہ اللہ تعالیٰ کی طرف اسی طرح لے جائے جیسے ایوب علیہ السلام نے عرض کی تھی تاکہ ادبِ الٰہی بھی نصیب ہو اور اظہارِ عجز بھی، نہ یہ کہ قہرِ الٰہی کا مقابلہ کرنے لگ جائے۔ جیسے جاہل صوفی کرتے ہیں پھر مدعی بنتے ہیں کہ ہم ہی اہلِ تسلیم و تفویض ہیں۔ یوں وہ دو جہالتوں کو جمع کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا اور انہی بالاخانوں میں ملتے ہیں ملائکہ کی طرف سے تَحِيَّةً

حلِ لغات : تلقیۃ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کو پیش کی جائے۔ یہ دوسرے مفعول کی طرح بواسطہ باء و بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے۔ جیسے : لقیتہ کذا و بکذا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو آگے چل کر ملے۔ (کما فی المفردات)

اب معنی یہ ہوا کہ ملائکہ کرام ان کا تحیۃ سے استقبال کرتے ہیں وَسَلٰمًا۝ اور سلام سے۔ یعنی ملائکہ کرام ان کے پاس آکر السلامُ علیکم کہتے ہیں اور ان کی درازیِ عمر کی دعا بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کرے کہ تم ہر بلاء و آفت سے محفوظ رہو اس لئے تحیۃ و سلام میں درازیِ عمر اور سلامتی از آفات کی دعا ہوتی ہے۔

حلِ لغات : المفردات میں ہے کہ التحیہ یہ ہے کہ کسی کو کہا جائے : حیاکَ اللہ (اللہ تجھے تا دیر زندہ رکھے) یہ اصل میں اخبار ہے لیکن دعا کے معنی میں مجازاً (انشاء) مستعمل ہے جیسے کہا جاتا ہے :

حیّی فلان فلانا تحیۃ۔ (فلاں نے فلاں کے لیے درازیِ عمر کی دعا کی)

اور تحیۃ دراصل حیاۃ سے ہے پھر ہر دعا (مطلق) کو تحیہ سے تعبیر کیا گیا ہے اس لیے کہ ہر دعا حیوٰۃ سے متعلق ہے یا دعا حیوٰۃ کا سبب ہے یا دنیا میں یا آخرت میں۔ اسی سے ہے : التحیات للہ۔ اور السلام و السلامۃ بمعنے آفات ظاہرہ و باطنہ سے خالی ہونا۔ اور حقیقی سلامتی جنت میں ہی ہے اس لیے کہ اس میں بقاء بلا فنا اور غناء بلا فقر اور عزت بلا ذلت اور صحت بلا مرض ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض مشایخ نے فرمایا کہ تحیۃ و سلام میں یہ فرق ہے کہ سلام بمعنے سلامۃ العارفین فی الوصال عن الفرقۃ (عارفین کا وصال فرقت و جدائی کے خطرہ سے سلامتی) اور تحیہ بمعنے روح تجلی حیاۃ الحق الازلی علی ارواحھم واشباحھم فیحیون حیاۃ ابدیۃ (حیاۃ حق کی تجلی ازلی ان کے ارواح و اجسام پر جس سے وہ ابدی حیات پاتے ہیں) اور بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ بہشت میں حیاتِ الٰہی اور سلامِ ربانی پاتے ہیں جس سے وہ زندہ رہیں گے

marfat.com

اور استہلاک کلی سے نجات پائیں گے جیسے ابراہیم علیہ السلام آفت برد سے سلام ربانی سے محفوظ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

کونی برداً و سلاما علی ابراهیم۔

(ٹھنڈی ہوجا اور سلامتی والی ہو ابراہیم پر) ؎

سلامت من دلخستہ در سلام تو باشد

زہے سعادت اگر دولت سلام تو یابم

(ترجمہ: مجھ دل خستہ کی سلامتی آپ کے سلام علیکم کہنے میں ہے۔ میری خوش بختی کا کیا کہنا اگر آپ سے مجھے ایک بار سلام علیکم نصیب ہو)

تفسیر عالمانہ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا یجزون کے فاعل سے ہے کہ حال یعنی ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ نہ تو مریں گے اور نہ ہی بالاخانوں سے نکالے جائیں گے حَسُنَتْ بہترین ہیں وہ بالاخانے مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا۝ وہ ٹھہرنے کی جگہ اور قیام گاہ ہونے کے لحاظ سے۔ یعنی ان کی قرارگاہ اور قیامگاہ بہتر سے بہتر ہوگی۔ یہ ساءت مستقرا کے بالمقابل لایا گیا ہے اسی لیے معنی و اعراب کے لحاظ سے اسی کی طرح ہوگا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ ایسے بلند قدر اور اعلیٰ بالاخانوں کے حصول کے لیے آج ہی سے اعمال صالحہ کے ذریعے کوشش جاری کردے صرف خیالی تصور اور آرزو مند رہنے سے کام نہ بنے گا کیونکہ خیالی تصورات موت کی طرح ہیں اور بس۔ کیونکہ ؎

و بقدر الکد و التعب تکتسب المعالی

و من طلب العلی جد فی الایام و اللیالی

(ترجمہ: دکھ اور تکلیف کے مطابق ہی انسان کو ترقی نصیب ہوتی ہے جو بلند مرتبے کا خواہشمند ہے وہ دن رات اس کے حصول کے لیے کوشاں رہتا ہے)

محبت الٰہی کی علامات بعض مشایخ نے فرمایا کہ جو شخص چاہے کہ اسے زندگی میں ہی معلوم ہو جائے کہ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ اور وہ اس کا سچا محب ہے تو اپنے اندر جھانکے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سچے جانشینوں، صحابہ کرام و ائمہ مجتہدین کی اتباع میں ہے یا نہیں، اور ان کے عادات و اخلاق، سیرۃ و اعمال مثلاً زہد، تقویٰ اور شب بیداری اور جمیع ماموراتِ شرعیہ اور جمیع منہیات پر کس قدر کاربند ہے اور وہ بلاؤ مصیبت اور دکھ درد اور تنگیٔ معاش

marfat.ocm

کے ورود سے قلبی طور پر خوش ہے اور دُنیا کی گوناگوں رنگینیوں اور اس کی چہل پہل سے رُوگردان ہے یا نہیں۔ اگر اس کا حال ان کے عین مطابق ہے تو یقین کر لے کہ اس پر اس کا خدا راضی ہے ورنہ سمجھے کہ اس سے اس کا خدا ناراض ہے۔ (اب اختیار بدستِ مختار)

نوافل اور دوگانے، حدیثِ قدسی

نفلی عبادات بکثرت کرنا محبت الٰہی کی تمہید ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ سے بیان کرتے ہیں:

ما تقرب المتقربون الیّ بمثل اداء ما فرضت علیھم ولا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبه۔

(میرے قرب کے متلاشی میرے فرائض کی ادائیگی اور نوافل کی کثرت کرتے ہیں تو میں ان سے محبت کرتا ہُوں)

آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرتا ہوگا اسی کو بہشت کے بالاخانوں میں جگہ دے گا۔ اور اسی پر ہی تجلّیِ الٰہی کا ورود ہوگا ایسے حضرات اللہ تعالیٰ کے قُرب میں خلوت نشین ہوں گے ان میں سب سے اعلیٰ منبروں پر انبیأ علیہم السلام جلوہ افروز ہوں گے۔ ان کے بعد اولیاءِ کرام تختوں پر، پھر علماءِ ربانیین کرسیوں پر، ان کے بعد ان کے ماننے والے اور ان کی تقلید میں زندگی بسر کرنے والے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے اہلِ ایمان حسبِ مراتب بیٹھے ہوں گے۔ اور یہ نشست جنت عدن کے کثیب ابیض کے قریب ہوگی۔

ف: جس نے توحید کا اقرار صرف دلائل کی روشنی میں کیا ہوگا وہ زمین پر بغیر کسی اونچے مرتبے کے بیٹھے گا۔ مقلد فی التوحید سے بھی اس محقق براہِ راست کا مرتبہ بہت ہو گا (ثابت ہُوا کہ محبوبانِ خدا کا وسیلہ فائدہ دیتا ہے)

نکتہ: محقق کا مقلد[1] سے مرتبہ اس لیے گھٹایا گیا ہے کہ محقق اپنے طور اگرچہ منزلِ مقصود پر پہنچ بھی جائے تب بھی ہزاروں ٹھوکریں کھانے کے بعد بخلاف مقلد کے کہ وہ شارع کے قدموں پر چل رہا ہے۔ اسی لیے اسے کسی قسم کی دقّت نہ ہوگی کیونکہ محقق ذات و صفاتِ باری تعالیٰ میں اپنی عقلی دلیلوں کے بل بوتے کم و بیش گر جائے گا بخلاف مقلد کے کہ وہ نبی علیہ السّلام کے بتائے ہُوئے اصولوں کے مطابق ذات و صفات

---

[1] یہاں مقلد سے لغوی معنیٰ مراد ہے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.com

میں عقیدہ رکھتا ہے اس لیے اس کا ایمان ویقین زیادہ پختہ اور مضبوط ہو گا۔

تفسیرِ صُوفیانہ غرفہ (بالاخانوں) کا ذکر محض لالچیوں اور نفس کے بندوں کے لیے ہے ورنہ خواص کو تو سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی قسم کا طمع ولالچ نہ ہو گا۔ اسی لیے وہ اور بالاخانوں جوان کے اوپر ہوں گے ان جیسی نعمتوں سے نوازے جائیں گے جن کا اشارہ تحیۃ وسلام میں ہے یہ اس وقت ہو گا جب تحیہ وسلام منجانب اللہ ہو کیونکہ عاشق تو صرف جمالِ یار کے دیدار سے ہی لذت پاتا ہے اور بس یا پھر اس کی گفت گو سے۔

حکایت ایک نصرانی کا ہمسایہ مسلمان تھا۔ مسلمان نے نصرانی کو اسلام کی دعوت دی۔ نصرانی نے پوچھا، اسلام پر مجھے ملے گا کیا؟ مسلمان نے کہا: بہشت۔ نصرانی نے کہا: بہشت تو مخلوق ہے اس کے ملنے سے مجھے کیا فائدہ! پھر مسلمان نے کہا: حُور عطا ہو گی۔ نصرانی نے کہا: میں اس سے بھی اعلیٰ انعام چاہتا ہُوں ع

صحبتِ حُور نخواہم کہ بود عین قصور

(ترجمہ: میں حور کی صحبت نہیں چاہتا اس لیے کہ یہ تو سراپا نقصان ہے)

مسلمان نے کہا، تو پھر تجھے دیدارِ الٰہی نصیب ہو گا۔ اس پر نصرانی نے کہا: اب تم نے میرے مقصد کو پالیا کیونکہ دیدارِ یار سے بڑھ کر ہمیں کوئی انعام نہیں چاہیے۔ نصرانی اسلام لے آیا۔ پھر چند دنوں کے بعد فوت ہو گیا۔ اسے خواب میں دیکھا گیا کہ وہ بہشت میں گھوڑا دوڑا رہا ہے اس سے پُوچھا گیا تم فلاں نصرانیت سے اسلام لانے والے تو نہیں ہو؟ اس نے کہا، وہی ہُوں۔ پُوچھا گیا: تیرے ساتھ اللہ نے کیا کیا؟ کہا: جب میری رُوح نے پرواز کی تو مجھے عرش پر پہنچایا گیا، مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندے! تُو نے میرے اشتیاقِ دیدار میں اسلام قبول کیا ہے فلہذا جا تیرے لیے دائمی خوشنودی اور بقاء ہے۔

تفسیرِ عالمانہ قُلْ اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمام لوگوں سے فرمائیے مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ۔

ربط: مذکورہ اہل ایمان کا حال بیان کرنا ہے۔

ترکیب: ما استفہامیہ محلاً منصوب علی المصدریہ یا نافیہ، ما عبأ ما یبالی ولا یعتد به (کذا فی القاموس)

حلِ لغات: ما اعباء بفلان ما ابالی، لولا کا جواب محذوف ہے۔ اس کا ماقبل اس پر دلالت کرتا ہے اور دعاءکم مبتداء اور اس کی خبر موجودٌ یا واقعٌ ہے اور یہ مصدر مضاف

بسوئے فاعل ہے بمعنے عبادت[1]۔ دعا بمعنے عبادت کی نظیر آیۃ والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا آخر (یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کی عبادت نہیں کرتے) ہے۔ اور اس جیسی اور آیات جن میں دعا بمعنے عبادت ہے بکثرت ہیں۔

ما استفہامیہ ہو تو معنیٰ ہوگا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! فرمائیے کہ میرے پروردگار کے ہاں تمہاری کیا قدر و قیمت ہے اگر تم اسے نہ پوجو اور اس کی اطاعت نہ کرو کیونکہ بندے کی قدر و منزلت عبادت سے ہی ہوتی ہے ورنہ عبادت نہ کرنے والا انسان اور جانور برابر ہیں۔

ف: زجاج نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ اے مومنو! اللہ کے ہاں تمہاری کوئی قدر اور وزن نہیں اگر تم اس کی عبادت نہ کرو۔ دراصل عبئ بالکسر و بالفتح بمعنے الثقل والحمل (بوجھ) ہے جس حیثیت کا ہو۔ ما اعباء بہ بمعنے ما ادی لہ وزنا میں اسے وزنی نہیں سمجھتا اور نہ ہی میرے نزدیک اس کی قدر و منزلت ہے۔ آیۃ میں امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ کا رجوع بھی اسی معنی کی طرف ہے۔ آیت کے اور معانی بھی ہیں لیکن محققین کے نزدیک یہی معنیٰ بہتر ہے[2]۔

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ

ربط: یہاں سے کافروں کا حال بیان کرنا ہے[3]۔ یعنی اے کافرو! میری بتائی ہوئی خبر کو تم نے جھٹلایا اور تم اس حد سے گزر گئے ہیں کہ جس سے تمہیں اللہ تعالیٰ قدر و منزلت بخشے یا تمہاری قدر اور وزن کا اعتبار فرمائے۔

---

[1] یہ معنیٰ صاحب روح البیان نے بیان فرمایا ہے جو نہ بریلوی ہیں نہ بریلویت سے انہیں کوئی تعلق ہے لیکن افسوس کہ وہابیوں دیوبندیوں نے دعاء بمعنے عبادت کا الزام لگا کر بریلوی ترجمہ کہہ کر حق کو دبانے کی کوشش کی ہے یہ ان کی خام خیالی ہے۔

[2] صاحب روح البیان کے ایک مضمون کو ناظرین غور سے پڑھیں کہ یہ ترجمہ اس وقت کر رہے ہیں جب بریلویت و وہابیت و دیوبندیت کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اب اسی ترجمہ کو اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے کنز الایمان میں اپنایا تو وہابی دیوبندی چیخ پڑے کہ یہ معنی ایجاد بندہ ہے حالانکہ وہ لوگ دعاء بمعنے پکارنا کر کے مطلقاً شرک کا فتویٰ دیتے ہیں انہیں تحریف قرآنی کا خوف نہیں ہوتا۔ اب فیصلہ ناظرین فرمائیں کہ صدیوں پہلے جو مفسرین لکھ گئے ہیں وہی ہم اور ہمارے امام اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ لکھتے ہیں۔ اس پر ہمیں ناز ہے کہ ہم اپنے اسلاف صالحین کے نقش قدم پر ہیں۔

[3] اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے کنز الایمان میں یہی ترجمہ کیا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.com

فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ○ قتال کے وزن پر مصدر ہے۔ عدل کی طرح فاعل کے قائم مقام آتا ہے یعنی جیسے عدل بمعنے عادل ہے۔ ایسے ہی یہ الزام بمعنے ملازم ہے۔ یعنی تمہاری تکذیب پر جو بھی سزا مقرر ہوگی وہ تم پر ایسی لازم ہوگی کہ تمہیں ایسے گھیر لے گی کہ جس سے تمہارا نجات پانا مشکل ہو جائے گا اور وہی سزا تمہیں جہنم میں جھونک دے گی۔ یہ معنیٰ ہم نے فاء کی وجہ سے کیا ہے کہ اس کو ماقبل کا مابعد کا لزوم چاہیے اور اسے چھپایا اس لیے گیا ہے کہ گویا وہ اتنا ظاہر ہے کہ اس کے اظہار کی ضرورت ہی نہیں اور تاکہ اس کے ہولناک ہونے پر دلالت کرے۔ یعنی یہ ایک ایسی سزا ہے کہ جس کی کُنہ وحقیقت کو کوئی نہیں پا سکتا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے دنیوی سزا مراد ہے اور وہ ہے بدر کے جنگ کا موقعہ کہ اس میں بعض بُری طرح مارے گئے اور بعض قیدی بنائے گئے یعنی ستّر آدمی قیدی بنے۔ پھر اس کے ساتھ انہیں آخرت کا عذاب متصلاً لازم ہو گیا۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

رطب ناورد چوب خر زهره بار
چه تخم افگنی بر همان چشم دار

(ترجمہ: جھاؤ کی لکڑی سبز کھجور کا پھل نہ دے گی۔ جیسا بیج ڈالو گے اس سے ویسا ہی پھل پاؤ گے۔)

تفسیر صوفیانہ

کفار نے استعداد فطری ضائع کر دی تھی اور قویٰ کو بیکار کر دیا تھا۔ ان کا حال گٹھلی کی طرح ہو گیا تھا کیونکہ اس سے اب سیب نہیں اگایا جا سکتا تھا۔ قاعدہ ہے کہ شے کی اصل تخلیق وقوت مفقود نہیں ہوتی مثلاً گٹھلی سے کھجور تو پیدا ہو سکتی ہے اس کے لوازمات پورے کیے جائیں تو۔ اگر اسے بیکار اور لاوارث چھوڑ دیا جائے تو کچھ نہ اُگے گا۔ ایسے ہی انسان کا حال ہے کہ اس میں فساد و صلاح دونوں مادّے ہیں اگر دونوں مادّے نہ ہوتے تو مواعظ و وصایا کا کوئی فائدہ نہ ہوتا حالانکہ وعدہ وعید اور اوامر و نواہی اسی صلاح و فساد کے لیے مقرر ہوئے ہیں اور نہ ہی عقل کا تقاضا ہے کہ ان دونوں مادوں کے نہ ہونے پر اسے زجر و توبیخ ہوگی اور پھر یہ انسان کے لیے کیسے ممکن نہ مانا جائے جبکہ ہم بعض جانوروں میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ مثلاً وحشی جانور مانوس ہونے سے عادت بدل لیتا ہے اور رذیل جانور سلامتی قبول کر لیتا ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ توحید و تصدیق و طاعت انسان میں ممکن ہے اور وہ قدرت رکھتا ہے کہ اپنے سے شرک و تکذیب و عصیان دُور کرے۔ اور اس کی تخلیق بھی اسی توحید و تصدیق و طاعت کے لیے ہوئی ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ما يعبأ بخلقكم ربي لولا عبادتكم وطاعتكم اياه۔

marfat.ocm

(میرے پروردگار کو تمہارے پیدا کرنے کی ضرورت نہیں اگر تم اس کی عبادت و طاعت نہ کرو)

یعنی اس نے تمہیں محض عبادت کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔

(اور میں نے جن و انس کو محض اس لیے پیدا کیا کہ وہ عبادت کریں)

نتیجہ نکلا کہ انسان کی تخلیق میں حکمتِ الٰہیہ و مصلحتِ ربانیہ یہی ہے کہ وہ طاعت و عبادت کرے۔ اگرچہ اشاعرہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے افعال معللہ بالاغراض نہیں لیکن غایات جلیلہ کے ساتھ متعلق تو ہیں۔

ملفوظِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ امام راغب فرماتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں مسافر ہے جیسا کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الناس سفر والدار دار ممر لا دار مقر۔

(لوگ مسافر ہیں اور یہ دنیا گزرگاہ ہے قیام گاہ نہیں)

انسان کے سفر کی ابتدا ماں کے پیٹ سے ہے اور اس کی اصل منزل آخرت ہے اور اس کی زندگی اس کے سفر کی مسافت ہے اور اس کی عمر کے مہ و سال فراسخ اور اس کے ایام میل (کلومیٹر) اور سانس چلنے کی رفتار۔ اور ایسے چل رہا ہے جیسے کشتی اپنے سوار لے کر چلتی ہے۔ کسی شاعر نے فرمایا: ؎

رأیت اخا الدنیا وان کان ثاویا

اخا سفر یسری به وهو لا یدری

(ترجمہ: میں نے دنیا کے مقیم کو سفری دیکھا ہے اگرچہ وہ مقیم ہے لیکن رات دن چل رہا ہے اگرچہ وہ اسے نہیں جانتا)

اصلی غرض انسان کو در اصل اللہ تعالیٰ نے اپنے دار السلام میں پہنچنے کی دعوت دی ہے لیکن چونکہ راستہ پُر ظلمات اور مشکلات سے بھرپور ہے اسی لیے انسان کو عقل کا نور بمنزلہ رہبر کے بنایا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ یا اس پر سوار ہو کر راستہ طے کرے اور عبادات کو بمنزلہ مضبوط قلعوں کے بنایا ہے تاکہ ان کے ذریعے باحفاظت اور امن و سلامتی کے ساتھ منزلِ مقصود تک پہنچ سکے۔[1]

---

[1] عموماً انسان عبادتِ الٰہی سے گھبراتا ہے حالانکہ سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے جتنے طریقے بتائے ہیں وہ سب کے سب انسان کی تندرستی (باقی اگلے صفحہ پر)

marfat.com

مسئلہ: جو شخص کہے کہ یہ عبادات تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے عذاب مقرر فرمایا ہے تو وہ کافر ہو گیا بشرطیکہ وہ اپنے قول میں تاویل نہ کرتا ہو۔

ف: ایک تاویل یہ ہے کہ وہ کہے کہ عذاب سے میری مراد دکھ اور تکلیف ہے۔

مسئلہ: اگر کہے کہ کاش اللہ تعالیٰ ہم پر کوئی امر فرض نہ کرتا۔ اور اس کی تاویل کرتا ہو تو کافر ہو جائے گا۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ ہمارے لیے بہتر ہے۔ ہاں اگر وہ شخص تاویل کرتا ہو کہ خیر سے آسانی مراد ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ باطن و ظاہر اور اول و آخر میں ہمیں آسانی و سہولت سے نوازے۔ (آمین ثم آمین) صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

(سورۂ فرقان کا اختتام ہفتہ کے دن ۶ رمضان ۱۱۱۱ھ کو ہوا۔

فقیر اویسی غفرلہ نے اس کے ترجمہ سے ۲۶ ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ شب منگل عند اذان العشاء فراغت پائی۔ فصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) صحت کے لیے ہیں۔ مثلاً قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر نماز فرض کی ہے اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ادا کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے انہوں نے یہاں تک کہا ہے کہ "اگر مجھے عورتوں اور بچوں کا خیال نہ ہوتا تو جو مسلمان پانچ وقت کی نماز باجماعت ادا نہیں کرتے ہیں ان کے مکانوں کو نذر آتش کر دینے کا حکم دیتا۔" اب چودہ سو سال کے بعد بحال ہی میں امریکہ میں ہارورڈ میڈیکل سکول کے ایک پروفیسر ہربرٹ ولسن نے لندن میں طب کے متعلق ایک کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے انکشاف کیا ہے کہ جدید طبی تحقیق کے مطابق دل کے دورے روکنے، ہائی بلڈ پریشر کو نارمل رکھنے، شدید درد اور کینسر کو ختم کرنے میں عبادات انتہائی اہم کردار ادا کرتی ہیں اب ذرا ملاحظہ کیجئے کہ مسلمانوں میں تو عیسائیوں کی نسبت بہت زیادہ عبادت کرنی پڑتی ہے۔ پانچ وقت کی نماز تو فرض ہے لیکن اس کے علاوہ تین نفلی نمازیں یعنی تہجد، اشراق اور چاشت بھی ہیں۔ اس طرح سے مسلمانوں کو عبادات میں زیادہ مشقت کرنی پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ سال کے بعد رمضان شریف کے تیس روزے اور حج کے ایام میں کئی روز تک نماز، طواف اور سعی میں مشغول رہنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے بدن کی شریانوں میں کولسٹرول کی کمی واقع ہو جاتی ہے اور بلڈ پریشر نارمل ہو جاتا ہے اس لیے مسلمانوں کے لیے فرائض خداوندی ادا کرنے کے علاوہ طبی فوائد کے لیے بھی عبادات ضروری ہیں۔ میرا ذاتی مشاہدہ بھی یہی ہے کہ حج کے ایام میں زیادہ ریاضت کی وجہ سے بغیر دوائی لیے بلڈ پریشر نارمل ہو جاتا ہے اور دل کی تکلیف عارضی طور پر دور ہو جاتی ہے۔ ہم پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل اور احسان ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان پیدا کیا اور دین اسلام پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائی۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "طب اور اسلام" میں ہے۔ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

سُوْرَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اٰيَاتُهَا ۲۲۷ رُكُوْعَاتُهَا ۱۱

سورۂ شعراء مکی ہے اس میں دو سو اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ستائیس آیات اور گیارہ رکوع ہیں

المنزل ۵

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③

یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④ وَمَا

اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ان پر کوئی نشانی اتاریں کہ ان کے اونچے اونچے اس کے حضور جھکے رہ جائیں اور

يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوْا

نہیں آتی ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت مگر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں تو بے شک انہوں نے

فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا

جھٹلایا تو اب ان پر آیا چاہتی ہیں خبریں ان کے ٹھٹھے کی کیا انہوں نے زمین کو نہ دیکھا ہم نے اس میں کتنے

فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۗ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧

عزت والے جوڑے اگائے بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑨

اور بے شک تمہارا رب ضرور وہی عزت والا مہربان ہے

سورۂ شعراء مکیہ ہے اور اس کی ایک سو بائیس یا ستائیس آیتیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

تفسیر عالمانہ

طٰسٓمّٓ ○ حروفِ مقطعہ جو سورتوں کے اول میں ہیں۔ ان کا مجموعہ ہے:

سر حصین قطع کلامہ۔

ان حروف کے متعلق وہی قول موزوں تر ہے جو جمہور مفسرین نے اختیار فرمایا کہ:

اللہ اعلم بمرادہ۔ (اللہ تعالیٰ اپنی مراد کو خود خوب جانتا ہے)

اس لیے کہ یہ مخفی اسرار سے ہیں۔

قولِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان لکل کتاب سرا و سر القراٰن فی المقطعات۔ (ہر کتاب میں اسرار ہوتے ہیں اور قرآن مجید کے اسرار مقطعات ہیں) (ریاض الاذکار)

(صاحبِ روح البیان صدیوں پیشتر اپنا عقیدہ لکھ گئے، وہ فرماتے ہیں:)

marfat.com

المعانی المتعلقۃ بالاسرار والحقایق لا یعلمہا الا اللہ ومن اطلعہ اللہ علیہا من الراسخین فی العلم۔[1]

(وہ معانی جو اسرار و حقائق سے متعلق ہیں انہیں اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا یا وہ اولیاءِ کرام و علماے راسخین جانتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے علوم سے نوازا)

تنبیہ ان علوم پر بحث فضول ہے جن پر نہ زبان کو رسائی اور نہ قلم کو امکانِ بیان۔ ہاں وہ لوازم جن کے ذریعہ حقایق کی طرف راستہ ملتا ہے انہیں ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ بھی حقایق سے ہے اور مرتبۂ فہم کے قریب تر ہے۔ ہماری تقریر اول کی طرف سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا قول اشارہ کرتا ہے کہ،

طٰسم، عجزت العلماء عن تفسیرھا۔ (طٰسم کی تفسیر سے علماً عاجز ہیں) (کذا فی فتح الرحمٰن)

روایتِ علی رضی اللہ عنہ اور ہماری تقریرِ ثانی کی طرف کشف الاسرار کی بیان کردہ روایتِ علی (رضی اللہ عنہ) اشارہ کرتی ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب طٰسم کا نزول ہُوا تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"طاٗ سے طورِ سینا، سین سے سکندریہ اور میم سے مکّہ (معظمہ) مراد ہے۔"

اس کی حقیقی مراد تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مقامات کی قسم یاد فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

لا اقسم بھذا البلد۔

جبلِ طُور طُورِ سینا شام و مدینؑ کے درمیان واقع ہے اور یہی موسیٰ علیہ السلام کی مناجات کی جگہ ہے۔ اسی مقام پہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہُوئے اور یہیں پر انہیں جلوۂ حق نصیب ہُوا۔ کما قال تعالیٰ:

فلمّا تجلّٰی ربّہ للجبل۔

اعجوبہ اس پہاڑ (طورِ سیناؔ) کے پتھر کو توڑا جائے تو اس کے درمیان سے عوسج (درخت) کی صورت کا ایک ڈھیلا نکل آتا ہے اور یہ ہر ایک پتھر میں دائمی طور پر ہے۔ اسی لیے یہودی عوسج درخت کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اسی لیے یہ درخت شجرۃ الیہود کے نام سے مشہور ہے۔

اسکندریہ یہ مغربی ممالک کا آخری شہر ہے اور رُوئے زمین پر اس جیسا کوئی اور شہر نہیں تھا۔ ایک وقت اس شہر کی مساجد بیس ہزار تھیں۔ منقول ہے کہ اس کے مسلسل سات قصبے ایک دوسرے سے متصل تھے پھر دریا میں ڈوبا تو باقی صرف ایک قصبہ رہ گیا اور آئینہ سکندری جو ایک مینار پہ نصب تھا وہ دریا میں غرق ہو گیا تھا اب آئینۂ سکندری کا کوئی وجود نہیں۔

---

[1] الحمد للہ یہی عقیدہ ہمارا ہے جو ہمیں اسلافِ صالحین کے توسط سے نصیب ہوا۔ ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون۔ اویسی غفرلہ

آئینہ سکندری سکندر نے اسی شہر میں ایک مینار بنوایا جس کا طول تین سو گز تھا اس کے اوپر ایک قبہ تھا جس میں یہی آئینہ رکھا گیا اس دور کے حکما (سائنسدانوں) نے سکندر یہ کے لیے تیار کیا تھا جس سے ایک ماہ کی مسافت تک سے جہاز وغیرہ دیکھ لیے جا سکتے تھے۔ آئینہ میں عجائب غرائب رکھے گئے تھے۔ مثلاً جب دشمن کا جہاز دُور سے دکھائی دیتا تو اس کے شیشے کی تاثیر سے جہاز کو آگ لگ جاتی۔

آئینہ کی بربادی رومی بادشہ نے مصر کے بادشہ کو لکھا دیا کہ سکندر نے اس شیشے میں بہت بڑے خزینے چھپا رکھے تھے۔ اگر تجھے میری بات کی تصدیق ہو جائے تو آئینہ سکندری سے خزانوں کو ابھی قبضہ میں لے لے ورنہ اس کے عوض میرا سونے چاندی اور جواہرات سے لدا ایک جہاز قبول کر کے مجھے اجازت دے تاکہ وہ خزانے میں نکال لوں۔ ان خزانوں میں تیرا بھی حصہ ہوگا۔ مصری بادشہ رومی بادشہ کے جھانسے میں آگیا اور آئینہ سکندری کا قبہ توڑ دیا۔ اس میں سے شے تو کوئی برآمد نہ ہوئی بلکہ اُلٹا نقصان یہ ہوا کہ آئینے کا طلسم ٹوٹ گیا۔

مکہ معظمہ مکہ معظمہ کے تعارف کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ قدیم الایام سے موجود چلا آرہا ہے۔ اسی میں مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ اسلام کے ارکان کا ایک رُکن حج یہیں پر ادا کیا جاتا ہے۔

طسم کی دوسری تفسیر بعض مفسرین نے فرمایا کہ طسم کی "طاء" سے طول یعنی قدرتِ ایزدی اور "سین" سے سنا یعنی رفعتِ حق اور "میم" سے ملک و مجد الٰہی مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی ان شانوں کی قسم یاد فرمائی ہے۔

تفسیر نمبر ۳ "طاء" سے طائرین باللہ کا طیران اور "سین" سے سائرین الی اللہ کی سیر اور "میم" سے ماشین للہ کی مشی مراد ہے۔ پہلا مرتبہ اہلِ نہایہ کا، دوسرا اہلِ توسط کا اور تیسرا اہلِ بدایہ کا ہے۔ ہر سالک کا اپنا مقام اور ہر ایک کی اپنی پرواز ہے۔

تفسیر نمبر ۴ "طاء" میں اہلِ توحید کے اسرار کی طہارت اور "سین" میں ان کے قلوب کی سلامتی، اور "میم" میں خالق کی منۃ علی المخلوق کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر از جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سید الطائفہ سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "طاء" سے میدان الرحمٰن میں تائبین کی طرب اور "سین" سے وصلۃ کے میدان میں عارفین کا سرور اور "میم" سے میدانِ قربۃ میں مقامِ محبین مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت مولانا نجم الدین قدس سرہٗ نے فرمایا کہ "طاء" سے حضور علیہ السلام کے قلب مبارک کا تعلقاتِ کونین سے طاہر ہونا اور "سین" سے حضور نبی پاک علیہ السلام کی جملہ انبیاءٔ و مرسلین پر سیادت اور "میم" سے رب العالمین کے جمال کا مشاہدہ مراد ہے۔

marfat.com

تفسیر از امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ طٰسم میں اللہ تعالیٰ نے شجرۂ طوبیٰ کی "طاء" اور سدرۃ المنتہیٰ کے "سین" اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے "میم" کی قسم یاد فرمائی ہے۔ اس معنی پر طاء سے طوبیٰ کا درخت اور "سین" سے سدرۃ المنتہیٰ اور "میم" سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مراد ہیں۔

طوبیٰ کے فضائل اللہ تعالیٰ نے طوبیٰ کو اس لیے برگزیدہ بنایا ہے کہ جب جنۃ عدن کو بلا واسطہ پیدا فرمایا تو اس میں ایک ایسا قلعہ تیار کیا جو بادشاہوں کے لیے ہوتا ہے اور اس میں ایک ایسا ٹیلہ رکھا جو تجلی گاہِ حق ہے۔ اسی میں ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقامِ وسیلہ ہے۔ اسی جنتِ عدن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے طوبیٰ کا درخت بویا اور اسے ایسا لمبا بنایا کہ اس کی ٹہنیاں جنت عدن کی دیواروں تک پھیلی ہوئی تھیں اور اس کا سایہ جنت عدن کے جملہ باغات پر سایہ فگن تھا اور اس کی ٹہنیوں پر سوائے سنہری حلوں کے اور کوئی ثمرہ نہ تھا اور یہی اہلِ جنت کا لباس اور زیب و زینت بنیں گے۔ اور طوبیٰ کو اسی لیے فضیلت حاصل ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ پیدا فرمایا۔ یہی تمام بہشتوں کی جملہ نعمتوں کی جامع الحقائق اور برکت کے لحاظ سے تمام نعمتوں کو اعم ہے۔ اور طوبیٰ اشجارِ جنت کے لیے ایسے ہے جیسے آدم علیہ السلام اپنی تمام اولاد کے لیے اصل ہیں اور بہشت کی ہر نہر کی اصل طوبیٰ ہے، گویا یہ محمدیۃ المقام ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ کے فضائل سدرۃ المنتہیٰ کو برگزیدہ بنانے میں یہ نکتہ ہے کہ یہ وہ مقام ہے جو کرسی اور ساتویں آسمان کے درمیان واقع ہے۔ اس کی ٹہنیوں میں تسبیح و تحمید و ترجیع کی ایسی خوش کن آواز ہے جس سے ارواح و قلوب کو وجد آجاتا ہے وارین کے درمیان یہ برزخی حد ہے اور اسے منتہیٰ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ارواح یہاں تک پہنچتے ہیں اور زمین میں رہنے والے سعادت مندوں کے اعمال یہاں سے اُوپر کو جاتے ہیں اور احکامِ شرعیہ کا نزول اوّلاً یہیں پر ہوتا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ملائکہ کی امامت فرمائی اسی مقام (سدرۃ المنتہیٰ) پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ملائکہ آسمانی کی نمازِ وتر کی امامت فرمائی۔

ف: بیت المقدس میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انبیاء علیہم السلام کے امام بنے اور سدرۃ المنتہیٰ پر ملائکہ کرام کے۔ اس سے ہمارے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ عالم (آسمان و زمین) والوں پر فضیلت ثابت ہوئی۔ (کذا فی تفسیر التیسیر)

سدرۃ المنتہیٰ کی چوٹی پر جبریل علیہ السلام کا مسکن ہے جیسے وسطِ دماغ

مقامِ جبریل علیہ السلام عقل کا مسکن ہے اور اس لیے کہ جبریل علیہ السلام عقل کی سدرہ و مقام ہیں اس میں عقل کے مقام کی طرف اشارہ ہے اور عقل کا مقام دماغ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا اس نے گویا عقل کی صورت دیکھا کیونکہ جبریل علیہ السلام اپنے مقامِ تعین میں سوائے انبیاؑ علیہم السلام کے اور کسی کو نہیں دیکھتے۔

نکتہ: طٰسٓمٓ میں میم کو مؤخر کرنے میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ختم المرسلین ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کیا جیسے حروف ہجا کو یاؔ (وہ جو میم کے درمیان واقع ہے) پر ختم فرمایا۔

نکتہ: طٰسٓمٓ قسم ہے اور اس میں جملہ تین اصول حقایق جمع فرمائے:

(۱) حقیقت جنانیہ نعیمیہ جامعہ۔ اور یہ شجرۂ طوبیٰ ہے اسی لیے اسے مقامِ محمدی میں امانت رکھا کیونکہ مقامِ محمدی جمع نعم جنانیہ کا جامع ہے اور یہ مقام یہی شجرۂ طوبیٰ ہے۔ اسی لیے اسے اللہ تعالیٰ نے مقامِ محمدی میں امانت کے طور پر رکھا کیونکہ یہ نعم جنانیہ کا جامع ہے اور یہاں سے ہی ایسی تمام نعمتیں تقسیم ہوتی ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام علوم و معارف و انواع کمالات تقسیم ہوتے ہیں۔

(۲) حقیقتِ برزخیہ۔ یہ حقائق دارین کی جامع ہے اور یہی شجرۂ سدرۃ المنتہیٰ ہے اس کی شاخیں تمام اہلِ جنت کی نعمتیں ہیں اور اس کی جڑیں اہلِ نار کے لیے زقوم ہیں کیونکہ فلک البروج یعنی فلک اعظم کا مقعر بھی ہے اور فلک اعظم کو فلک الافلاک بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ جمیع افلاک کا جامع ہے۔ اسے فلک اطلس بھی کہتے ہیں کیونکہ اس پر ستارے نہیں ہیں۔ یہ اس کپڑے کی طرح ہے جو سادہ یعنی نقش و نگار سے خالی ہو۔ اور فلک اعظم کی دونوں سطحیں فلک ثوابت کے محدب کو مس کرتی ہیں لیکن اس کے محدب کی کوئی شے مس نہیں کرتی کیونکہ اس کے آگے اور کوئی شے نہیں ہے نہ خلا نہ ملا، بلکہ اس محدب پر عالم کے امتدادات منقطع ہو جاتے ہیں۔

ف: بعض نے کہا اس کے آگے نورانی افلاک غیر متناہیہ ہیں اور فلک اعظم کے ماتحت میں خلا کا کوئی قائل نہیں۔ ہاں اس کے تحت ملا ہے۔ (کذا فی کتب الٰہیہ)

ف: صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ وہ مقام جہاں نہ خلا ہے نہ ملا۔ وہ عالمِ ارواح کے اوپر ہے نہ کہ عرشِ الٰہی کے آگے۔

ف: شرح التقویم میں ہے کہ چونکہ کتبِ الٰہیہ میں مذکور ہے کہ آسمان سات ہیں اسی لیے اسلامی حکماؒ نے سمجھا کہ آٹھواں آسمان کرسی اور نواں عرشِ الٰہی ہے اور انہی کے اس قول کی تائید وسع کرسیہ السموٰت والارض سے ہوتی ہے۔

(۳) حقیقۃ الحقائق الکلیہ۔ یہی حقیقتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طٰسٓمٓ میں

marfat.com

جامع حقائق کی قسم یاد فرمائی ہے کیونکہ اسے جمیع حقائق پر فضیلت حاصل ہے اس لیے حقیقۃ محمدیہ (علیٰ صاحبہ التحیۃ والثناء) جمیع حقائق کی حقیقت (جامعہ) ہے، دنیوی ہوں یا برزخی یا اُخروی۔ اسی لیے آپ کو جمیع حقائق کا خاتم بنایا ہے

ہردو عالم بستۂ فتراک او
عرش وکرسی کردہ قبلہ خاک او
پیشوائے ایں جہاں و آں جہاں
مقتدائے آشکارا و نہاں

(ترجمہ: تمام عالم آپ کی فتراک سے وابستہ ہے۔ عرش وکرسی کا قبلہ آپ ہی ہیں۔ آپ ہی اِس جہان اور اُس جہان کے پیشوا ہیں۔ آشکارا و نہاں کے مقتدا ہیں (صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم))

ف: بعض مشایخ اہلِ مکاشفہ نے فرمایا کہ اوائل سور کے حروف مقطعہ کے حقایق صرف اہلِ کشف و وجود جانتے ہیں کیونکہ یہ ملائکہ ہیں اور ان کے نام ان حروف کے نام پر ہیں اور وُہ چودہ ہیں اور حروفِ مقطعہ بھی بلا تکرار چودہ ہیں جن کا آخری حرف نٓ والقلم ہے۔

ف: یہ منازل قرآن پر وجوہِ مختلفہ سے ظاہر ہُوئے۔ بعض منازل تو ایسے ہیں جن میں ایک فرشتہ ظاہر ہُوا، جیسے نٓ و صٓ۔ اور بعض وُہ ہیں جن میں دو ظاہر ہُوئے۔ جیسے طٰسٓ و یٰسٓ و حٰمٓ۔ اور بعض وہ ہیں جن میں تین ظاہر ہوئے، جیسے الٓمٓ و طٰسٓمٓ اور بعض وہ ہیں جن میں چار ظاہر ہوئے جیسے، الٓمٓصٓ بعض وہ ہیں جن میں پانچ ظاہر ہوئے جیسے کٓھٰیٰعٓصٓ و حٰمٓ عٓسٓقٓ۔ اور ان کی صورتیں مع التکرار ننانوے ملائکہ ہیں اور ہر فرشتے کے ہاتھ میں ایمان کے شعبوں میں ایک شعبہ ہے اور ایمان بھی بضع وسبعون ہے اور بضع کا اطلاق تین سے نو تک آتا ہے اور یہاں بضع آخری مرحلہ میں استعمال ہوا یعنی نو اور نوّے۔ کُل ننانوے ایمان کے شعبے ہوئے۔ پھر جب کوئی ان مقطعات میں سے کسی ایک کو پڑھتا ہے، مثلاً کہتا ہے، الٓمٓ تو تینوں فرشتے بول اُٹھتے ہیں اور کہتے ہیں اے قاری کیا کہتے ہو؟ تو قاری ان حروف کے بعد والا مضمون عرض کرتا ہے۔ پھر اسے کہا جاتا ہے تیرے لیے ابوابِ عجائبات کھول دیے گئے ہیں اور تو ان سے عجائب وغرائب دیکھے گا۔ ارواحِ ملکیہ (جن کے اجسام یہی حروف ہیں جو قرآن مجید کے تحت تسخیر ہیں اور انہی ارواح کے قبضے میں ایمان کے شعبے ہیں) اس کی مدد اور اس کے ایمان کی حفاظت کرتی ہیں۔

ایمان کے شعبے: وصایا الفتوحات کے ترجمہ میں ہے کہ ایمان کے شعبوں میں سے چند یہ ہیں:

۱- توحید کی شہادت
۲- نماز ادا کرنا

۳- زکوٰۃ دینا
۴- روزہ رکھنا
۵- حج کرنا
۶- وضو کرنا
۷- جنابت کا غسل
۸- جمعہ کا غسل
۹- صبر
۱۰- شکر
۱۱- پرہیزگاری
۱۲- حیا
۱۳- امان
۱۴- نصیحت
۱۵- اولوالامر کی طاعت
۱۶- ذکرِ حق
۱۷- خلقِ خدا سے دُکھ درد ٹالنا
۱۸- امانت ادا کرنا
۱۹- مظلوم کی مدد کرنا
۲۰- ظلم کا ترک
۲۱- کسی کی تذلیل نہ کرنا
۲۲- ترکِ غیبت
۲۳- ترکِ نمیمت (چغلخوری)
۲۴- ترکِ تجسس یعنی کھوٹ نہ کرنا
۲۵- کسی کے گھر میں جانا ہو تو اس کے طریقۂ کار کو مدِنظر رکھنا
۲۶- غصہ پینا
۲۷- عبرت حاصل کرنا
۲۸- اچھی بات کو غور سے سننا اور اس پر عمل کرنا
۲۹- بُری بات کو نہ اچھالنا
۳۰- اچھی بات بولنا
۳۱- حفظِ فرج (زنا سے بچنا)
۳۲- حفظِ زبان (بُری باتوں سے زبان کو روکنا)
۳۳- توبہ
۳۴- توکل
۳۵- خشوع
۳۶- ترکِ لغو یعنی بیہودہ باتوں کو چھوڑنا
۳۷- لایعنی گفتار کا ترک
۳۸- حفظِ عہد (وعدہ پورا کرنا)
۳۹- تقوٰی پر مداومت
۴۰- گناہ پر مدد نہ کرنا
۴۱- ظلم کی مدد نہ کرنا
۴۲- نیکی اور پرہیزگاری کے لیے مدد کرنا
۴۳- سچائی اپنانا
۴۴- امر بالمعروف کرنا
۴۵- برائی سے روکنا
۴۶- دو مسلمانوں کے درمیان صلح و صفائی کرانا
۴۷- خلقِ خدا کے لیے دعا اور رحمت طلب کرنا
۴۸- بڑوں اور بزرگوں کی تعظیم و تکریم
۴۹- حدود اللہ کی پابندی
۵۰- جاہلیت کی رسوم کا ترک
۵۱- پیٹھ کے پیچھے کسی کو بُرا نہ کہنا
۵۲- آپس میں دشمنی نہ رکھنا

marfat.com

۵۳ - جھُوٹی گواہی سے احتراز
۵۴ - جھُوٹ سے پرہیز
۵۵ - منہ پر کسی کو بُرا کہنے سے اجتناب
۵۶ - منہ پر عیب بیان کرنے سے بچنا
۵۷ - بُرے اشاروں سے بچنا
۵۸ - غائبانہ اور منہ پر کسی کو بُرا نہ کہنا
۵۹ - آنکھوں سے بُرے اشارے نہ کرنا
۶۰ - کسی کی غلط بات دوسرے سے نہ کہنا
۶۱ - نماز باجماعت ادا کرنا
۶۲ - نیک اجتماعات میں حاضر ہونا
۶۳ - ایک دوسرے کو ہدیہ دینا
۶۴ - السلام علیکم کہنے کی عادت ڈالنا
۶۵ - حسنِ خلق
۶۶ - حسنِ عہد
۶۷ - راز کی نگہداشت کرنا
۶۸ - نکاح دینا (یعنی اپنی بچیوں اور رشتہ داروں کا بیاہ کرنا)
۶۹ - نکاح لینا
۷۰ - حُبِّ اہلبیتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
۷۱ - اپنی عورت سے محبت
۷۲ - خوشبو سے محبت
۷۳ - حُبِّ انصار
۷۴ - تعظیمِ شعائر
۷۵ - ترکِ عیش
۷۶ - اہلِ ایمان پر حملہ نہ کرنا
۷۷ - میّت کی تجہیز و تکفین
۷۸ - اہلِ اسلام کی نمازِ جنازہ پڑھنا
۷۹ - بیمار پُرسی
۸۰ - راستہ سے وہ چیز ہٹانا جو مسلمانوں کو ایذا دے
۸۱ - جو شے اپنے لیے پسند کریں وہی اہلِ اسلام کے لیے پسند کرنا
۸۲ - خدا و رسول جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم کو ہر شے سے محبوب جاننا
۸۳ - کفر و زنا کے مرتکب کو قتل کرنا
۸۴ - ملائکہ اور ان کتب پر ایمان لانا (جو انبیاء لائے ہیں)

اور دیگر وہ جملہ امور جو قرآن و سنت میں موجود ہیں اور یہ ان گنت ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:
الایمان بضع وسبعون شعبة افضلها قول لا اله الا الله وادناها اماطة الاذی عن الطریق والحیاء شعبة من الایمان۔
(ایمان کے کئی شعبے ہیں ان کا افضل شعبہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی اور ادنیٰ شعبہ راستے سے ایذا دینے والی چیز ہٹانا، اور حیاء بھی ایمان کا شعبہ ہے)

ف: ایمان کے شعبوں پر عمل کرنا ایمانداروں کا کام ہے۔

مسئلہ: ایمان کے شعبوں کی مخصوص تعداد کسی ایک روایت میں نہیں۔ ہاں اہلِ علم نے اس کی گنتی بتائی ہے زیادہ سے زیادہ ایک حدیث سے اس کے ننانوے شعبے ثابت ہیں۔

marfat.ocm

امام نسفی کا قول

حضرت امام نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر تیسیر میں لکھا ہے کہ میں ان شعبوں کو لکھتا ہوں اور یہ میرا اپنا پسندیدہ قول و اجتہاد ہے وہ شعبے یہ ہیں :

۱ - تہلیل (یعنی لاالٰہ الا اللہ کی گواہی)
۲ - تکبیر (یعنی اللہ اکبر کہنا)
۳ - تسبیح (یعنی سبحان اللہ کہنا)
۴ - تحمید (یعنی الحمد للہ کہنا)
۵ - تمجید (یعنی اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کرنا)
۶ - تجرید
۷ - تفرید
۸ - توبہ
۹ - انابت (یعنی رجوع الی اللہ)
۱۰ - نظافت (صفائی و ستھرائی)
۱۱ - طہارت
۱۲ - صلوٰۃ
۱۳ - زکوٰۃ
۱۴ - روزہ
۱۵ - قیام برائے نماز
۱۶ - اعتکاف
۱۷ - حج
۱۸ - عمرہ
۱۹ - قربانی
۲۰ - صدقہ
۲۱ - غزوہ
۲۲ - عتق (غلام آزاد کرنا)
۲۳ - تلاوتِ قرآن
۲۴ - احسان
۲۵ - گناہوں سے اجتناب
۲۶ - ترکِ طغیان
۲۷ - کسی سے بول چال چھوڑنا
۲۸ - ترکِ عداوت
۲۹ - قلب کا تقویٰ
۳۰ - حفظِ لسان
۳۱ - ثناء
۳۲ - دعاء
۳۳ - خوف
۳۴ - رجاء
۳۵ - حیاء
۳۶ - صدق
۳۷ - صفا
۳۸ - نصیحت
۳۹ - وفا
۴۰ - ندامت
۴۱ - بکاء (گریہ و زاری)
۴۲ - اخلاص
۴۳ - ذکاء
۴۴ - حلم
۴۵ - سخاء
۴۶ - عطائے الٰہی پر شکر

marfat.com

۴۷ - بلیات و مصائب پر صبر
۴۸ - تقدیر پر رضا
۴۹ - نیک نیتی کی استعداد
۵۰ - اتباعِ سنت
۵۱ - موافقتِ صحابہ بہ عقاید و اعمال
۵۲ - بڑوں، بزرگوں اور بوڑھوں کی تعظیم
۵۳ - صغار (چھوٹوں) سے محبت
۵۴ - علمائے امت کی اقتداء
۵۵ - عوام الناس پر شفقت
۵۶ - خواص کا احترام
۵۷ - اہلسنت کی تعظیم و تکریم
۵۸ - ادائے امانت
۵۹ - اظہارِ صیانت
۶۰ - بھوکوں کو کھانا کھلانا
۶۱ - غرباء و مساکین پر انعام
۶۲ - یتیم پروری
۶۳ - صلہ رحمی
۶۴ - افشاء السلام یعنی السلام علیکم کہنا
۶۵ - تسلیم و رضا
۶۶ - برائیوں سے بچنے کی تدابیر
۶۷ - زہد
۶۸ - رغبۃ الی العقبیٰ
۶۹ - راضی بہ رضائے آقا
۷۰ - مخالفت خواہشاتِ نفسانی
۷۱ - جہنم کی آگ سے بچنے کا خوف
۷۲ - جنۃ الماویٰ یعنی بہشت کی طلب
۷۳ - جود و کرم عام رکھنا
۷۴ - حفظ الحرم یعنی محرمات سے بچنا
۷۵ - خدام (نوکر چاکر) کے ساتھ نیک برتاؤ۔
۷۶ - توفیقِ خیر کی طلب
۷۷ - حفظ التحقیق
۷۸ - ہمسایہ کے حقوق کی پاسداری
۷۹ - دوستوں کے حقوق کی پاسداری
۸۰ - غلاموں کے ساتھ نیک سلوک
۸۱ - راستہ سے موذی چیزوں کو ہٹانا اور یہ ان کا درجۂ اُولیٰ ہے۔

ف: جو بھی ایمان کے شعبوں کی تکمیل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے وعدۂ کرم کو پائے گا بلکہ اس سے کمال ارکان حاصل کرے گا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم اولئك لهم الامن وهم مهتدون۔
(وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو برائیوں سے نہ ملایا تو ان لوگوں کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں)۔

تفسیر عالمانہ وَتِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۝ تلک مبتدا ہے اس کی خبر اس کا مابعد ہے یہی وہ سورۃ ہے جو قرآنی آیات ہیں جن کا اعجاز ظاہر ہے اور صحیح یہ ہے کہ

marfat.ocm

یہ کلامِ الٰہی ہے۔ اگر یہ کلامِ الٰہی نہ ہوتا تو کفارِ عرب اس جیسا کلام لانے کی قدرت رکھتے اور اس کے معارضہ سے عجز کا اظہار نہ کرتے۔

حلِ لغات: المبین، ابان سے ہے بمعنے بان یا اظہر۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ اور ان کے متعلقات کو ظاہر کرنے والا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ حروفِ مقطعہ اسی سورت کے ہوں یا دوسری سورتوں کے، یہ از قبیل حروف مخلوقہ نہیں بلکہ یہ قدیم کتاب مبین کی آیات سے ہیں اس لیے کہ ان کا ہر حرف آیاتِ قرآنیہ کی طرح کثیر معانی پر دلالت کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ یہاں پر لفظ لعل اشفاق یعنی اظہارِ خوف کے لیے ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ اس صفت سے منزّہ ہے اس لیے اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوگی۔

حلِ لغات: اہلِ لغت بخع نفسہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی غم کی وجہ سے اپنے آپ کو ختم کر ڈالے۔

حدیث شریف چنانچہ حدیث شریف میں ہے:
اتاھم اھل الیمن ھم ارق قلوبا وابخع طاعۃ۔

یعنی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اہلِ یمن حاضر ہوئے ان کا حال یہ تھا کہ وہ رقیق القلب اور طاعت میں جان پر کھیل جانے والے تھے (یعنی طاعتِ خداوندی میں اپنے نفوس پر اتنی سختی کرتے تھے کہ اپنی جان کی بھی پروا نہیں کرتے تھے)۔

بخع کی تحقیق دراصل بخع ذبح کے اس مقام کو کہتے ہیں جو چھری پھیرنے کا آخری حصہ ہے، یعنی بخاع تک چھری کا پہنچ جانا۔ اور بخاع بالکسر نخاع کے علاوہ پیٹھ کی ایک رگ کا نام ہے، نخاع (بالنون) ایک دھاگا نما رگ ہے جو فقار کے جوف میں واقع ہے۔ وہ دماغ سے نیچے اترتی ہے پھر اس سے جسم میں رگیں پھیلتی ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اپنے اوپر شفقت کیجئے اور بلا وجہ حزن سے اپنے آپ کو نہ مار دیجئے۔

ف: اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترکِ تاسف کی ترغیب، صبر کی تلقین اور تسلی ہے۔

marfat.com

کاشفی کا بیان جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ جب قریش نے قرآن کو ٹھکرایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی خواہش تھی کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں اور ان کا انکار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ تسلی کیجئے جان کی بازی نہ لگائیے۔

اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝ یہ کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ یہ مفعول لہ ہے اور اس کا مضاف محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی:

خیفۃ ان لا یؤمن قریش۔ یعنی آپ اس خوف سے جان کی بازی لگا رہے ہیں کہ قریش ایمان نہیں لا رہے۔ ایسے موقعہ پر خوف و حزن غیر مفید ہوتا ہے جب کہ ان کے لیے مقدر ہو چکا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے یہ ایسے ہے جیسے تم آزما چکے ہو کہ ان کو قرآن مجید کی نصیحتیں کوئی فائدہ نہیں دیتیں فلہٰذا آپ غم نہ کھائیے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ اے محبوب! یہ لوگ بیگانے اور میرے قہر و غضب کے مارے ہوئے اور راندۂ درگاہ ہیں فلہذا آپ ان کے ساتھ دل نہ لگائیے اور نہ ہی ان کے انکار پر تشویش کیجئے انہیں ہمارے حکم کے سپرد کر دیجئے اور خود میرے ساتھ مشغول ہو جائیے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ادب سکھایا ہے کہ آپ اپنی اُمت پر شفقت و رحمت میں اس حد تک نہ بڑھ جائیے جس سے آپ مشقت میں پڑ جائیں اور پھر اس طرح سے آپ زیادہ تر انہی کے ساتھ منسلک ہو جائیں گے۔ اور یہ آپ کے شایانِ شان نہیں نیز اس میں تفریط سے بھی روکا گیا ہے آپ اپنی امت کے لیے سخت دل بھی نہ ہوں۔ بہرحال اعتدال کا درس دیا گیا ہے تاکہ آپ خالق سے بھی واصل رہیں اور مخلوق میں بھی شاغل ہوں

۱ ترا مہر حق بس ز جملہ جہاں
برو از نقوش سوے سادہ باش

۲ بہار و خزاں را ہمہ در گزر
چو سرو سہی دائم آزادہ باش

(ترجمہ): (۱) تجھے لطفِ حق جملہ جہان سے کافی ہے ماسوی اللہ کے نقوش سے فارغ ہو جا۔
(۲) بہار و خزاں دونوں سے گزر جا، سرو سہی کی طرح ہمیشہ آزاد رہ۔

ربط: اب بیان فرماتے ہیں کہ ان کے ایمان کو مشیّتِ ایزدی سے کوئی تعلق نہیں۔

تفسیر عالمانہ **اِنْ نَّشَاْ** اگر ہم چاہیں **نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَةً** ان پر آسمان سے کوئی آیۃ نازل فرمائیں جو دلیل بن کر انہیں ایمان پر مجبور کرے۔ جیسے

marfat.ocm

ملائکہ کا نزول۔ یا آفت جو انھیں تباہ و برباد کر ڈالے۔ جیسے آثارِ قیامت کا کوئی نشان۔ فَظَلَّتْ تو ہو جائیں اور ڈھلک جائیں پھر تم سمجھو گے اَعْنَاقُهُمْ ان کی گردنیں ہو جائیں لَهَا ان آیات کے لیے خٰضِعِيْنَ جھکنے والی۔ پھر ان میں کوئی ایک ایسا نہ ہوگا جس کا قلب معصیت کی طرف مائل ہو۔ لیکن ہم ایسا نہیں کرتے کیونکہ اس ایمان کا کوئی اعتبار نہیں جو قہر و غلبہ سے مجبور کر کے منوایا جائے۔ جیسے قیامت کے دن ان کا ایمان لانا[1]

ف: یہ عبارت دراصل فظلوا لها خضعين تھی اس لیے کہ خضوع درحقیقت اصحاب اعناق کی صفت ہے۔ لیکن اسے اعناق کی صفت بنایا گیا ہے تاکہ بات زیادہ سے زیادہ ذہن نشین ہو کہ جب محل خضوع کا حال ہے تو صاحبِ حال اس کا زیادہ مستحق ہے۔

ف: ظلیت کی خبر حال یعنی خاضعین کی وجہ سے کی گئی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ایمان و معرفت عطائے خاص ہے جس میں درحقیقت کسب مخلوق کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ جب عطائے الٰہی دستگیری فرماتی ہے تو پھر انذار و بشارت نفع بخشتی ہے ورنہ وہ اپنی بدبختی پر ماتم کرے جسے شقاوۃ نے گھیر لیا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

چوں حسن عاقبت نہ برندی و زاہدیست
آں بہ کہ کار خود بعنایت رہا کنند

(ترجمہ: جب کسی کو حسنِ عاقبت اور زہد نصیب نہ ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنا کام عنایتِ الٰہی کے سپرد کرے)

تفسیر عالمانہ وَمَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ اور ان کے ہاں قرآنی نصائح میں سے کوئی نصیحت نہیں آئی یا قرآن مجید کا کوئی حصہ نہیں آیا جو انہیں مکمل طور پر نصیحت کرتا اور کامل وجہ سے متنبہ کرتا۔

سوال: قرآن کی نصیحت اور اس کے حصہ کو ذکر سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

---

[1] اسی لیے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

آج لے اُن کی پناہ آج مدد مانگ اُن سے
پھر نہ مانیں گے کبھی قیامت میں اگر مان گیا

marfat.com

جواب: مبالغہ کے طور پر کہ قرآن کی ہر آیت اور اس کا ہر مضمون مجسّم ذکر ہے۔

مِّنَ الرَّحْمٰنِ رحم والے خدا تعالیٰ سے بذریعہ وحی، جو اپنے نبی علیہ السلام کے ہاں بھیجتا ہے۔

ف: صفت رحمٰن لانے میں اشارہ فرمایا کہ قرآنی نصائح بھیجنا اس کی رحمت کی دلیل ہے جو وہ اپنے بندوں پر فرماتا ہے۔

مُحْدَثٍ (نیا)۔

سوال: یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ قرآن حادث مخلوق ہے۔

جواب: چونکہ اس کا نزول تکرار تذکیر اور عجیب طرز سے ذہنوں میں بٹھانے کے لیے ہوتا ہے اس لیے اس کا یہ نزول حدوث پر دلالت نہیں کرتا۔

اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝ مگر ہیں یہ رُوگردانی کرنے والے۔ یعنی ہر نزول پر اس ذکر سے روگردانی کرتے اور ایمان سے منہ موڑتے اور اپنے طرز کفر پر دائماً اصرار کرتے رہتے ہیں۔

ف: یہ استثناء مفرغ اعم الاحوال سے ہے اور اس کا منصوب ہونا علی الحالیۃ ہے یعنی ما یأتیھم کے مفعول کا حال ہے۔ اس میں قَدْ محذوف ہے اور کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے جیسا کہ نحویوں کا خلاف مشہور ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ان کے ہاں جس وقت بھی ذکر آتا ہے ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ اس سے روگردانی کرتے ہیں فَقَدْ كَذَّبُوْا اعراض کے بعد پھر وہ اس ذکر کی تکذیب کرتے ہیں۔ فاء تعقیب کے لیے ہے یعنی کبھی اسے سحر سے تعبیر کرتے ہیں کبھی شعر سے، اور کبھی اسے بناوٹی باتیں بتاتے ہیں فَسَيَاْتِيْهِمْ سو عنقریب ان کے ہاں بلاخلاف اور یقیناً آئیں گی۔ یہ فاء سببیہ ہے یعنی بسبب ان کے اعراض کے بعد تکذیب کے جو ان سے استہزاء کا سبب بنتا ہے اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ قرآن کی وُہ خبریں جن کے ساتھ یہ استہزاء کرتے ہیں یعنی وہ عاجلہ یا آجلہ سزاؤں میں مبتلا ہوں گے جن کا انہیں مشاہدہ ہوگا اور یقین کریں گے کہ قرآن مجید نے جو کچھ بتایا تھا وہ حق اور سچ ہے، اور ہم جو کچھ کہتے تھے وہ سراسر باطل ہے اور قرآن مجید اس لائق تھا کہ ہم اس کی تصدیق کرتے، اس کی تعظیم بجالاتے اور اس کی قدر و منزلت کو مانتے۔ اس کی تکذیب کرنے اور احترام نہ کرنے کے باعث ہمیں یہ وقت دیکھنا پڑا۔ لیکن اب یہ اس کی خبروں پر کان نہیں دھرتے۔

ف: اس میں انہیں سخت ترین عذاب سے ڈرسنایا گیا ہے۔ اسی لیے نبأ ہر اس خبر کو کہا جاتا ہے جو عظیم الشان ہو اور اس میں کوئی بڑا واقعہ رُونما ہوتے والا ہو۔

ف: کاشفی مرحوم نے فرمایا تکذیب کے نتائج کے ظہور کے بعد پشیمانی مفید نہیں ہوتی ابھی سے انسان کو سمجھ جانا

marfat.ocm

چاہیے ورنہ کل پریشانی ہوگی جس سے کوئی فائدہ مرتب نہ ہوگا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا او کا ہمزہ استفہام انکار توبیخی اور واؤ عاطفہ ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے کہ دراصل افعلا المکذبون من قریش ہے یعنی مکذبین قریش نے جو کچھ تکذیب و اعراض و استہزاء کا ارتکاب کیا انہوں نے نہ دیکھا اِلَى الْاَرْضِ زمین کے ان عجائبات سے جو انہیں ان کے غلط کردار سے روکنے والے ہیں اور ان کے وہ کردار جنہوں نے انہیں اعراض و روگردانی وغیرہ پر ابھارا كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا ہم نے اس میں کس قدر (پھل پھول اور نباتات وغیرہ) اگائے ہیں جبکہ وہ بالکل ویران اور بیکار ہے مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ ہر قسم کے اچھے اچھے گھاس و انگوری اور پھول، گل نسرین، بنفشہ، یاسمین، رنگارنگ شگوفے، عجیب و غریب نباتات نافعہ جسے لوگ اور جانور کھاتے ہیں۔

ف: اہل تفاسیر فرماتے ہیں کہ لفظ کم خبریہ منصوب بما بعدہا علی المفعولیۃ، محاط بہ کی کثرت پر دلالت کرتا ہے کہ نباتات وغیرہ کے جوڑے بکثرت ہیں۔ اور لفظ کل اگرچہ محیط ہر شے ہے لیکن یہاں اس سے مطلق کثرت مراد ہے۔

ف: زوج بمعنے صنف قسم مراد ہے اور یہ کسم کی تمیز ہے اور کریم بمعنے پسندیدہ اور محمود شے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

وجہ کریم یعنی وہ چہرہ جس کا حسن و جمال مرغوب ہو۔

اور کہتے ہیں:

کتاب کریم۔ یعنی وہ کتاب جس کے معانی و فوائد محبوب ہوں۔

اور فارس کریم یعنی وہ جس کی شجاعت اور جنگجوئی پسندیدہ ہو۔

اب معنی یہ ہوا کہ زمین کی نباتات وغیرہ کثیر ہیں جن کے فوائد کثیر اور مرغوب ہیں جنہیں ہم نے اگایا۔

سوال: نباتات نافعہ کے ذکر کی تخصیص کیوں، حالانکہ نباتات ضرر رساں بھی تو اسی زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔

جواب: اگرچہ ہر نبات اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے لیکن انسان کو نافع نعمت محسوس ہوتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا اظہار اپنی نباتات نافعہ سے فرماتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ظاہری زمین میں نباتات نافعہ پیدا فرماتا ہے ایسے ہی قلوب عارفین کی زمین میں عجیب و غریب نباتات وغیرہ پیدا فرماتا ہے جیسے ایمان، توکل، یقین، اخلاص، اخلاقِ کریمانہ۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لا الٰہ الا اللہ ینبت الایمان کما ینبت البقل۔

marfat.com

(لا الٰہ الا اللہ ایمان کو ایسے اگاتا ہے جیسے پانی سبزی کو)

ف: حضرت ابوبکر بن طاہر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین کی نباتات میں سے مکرم تر جوڑا آدم و حوا علیٰ نبینا و علیہما السلام ہیں کیونکہ یہ دونوں انبیاء و رسل اور اولیاء و عارفین علیٰ نبینا و علیہم السلام کے ظہور کے سبب ہیں۔

ف: شعبی نے فرمایا کہ زمین کی انگوری میں سے جو بہشت میں داخل ہوئی وہ کریم ہے اور جو دوزخ میں داخل ہوئی وہ لئیم ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بے شک اس انبات مذکور میں یعنی ان کی ہر ایک قسم میں لَاٰیَۃً عظیم نشانی ہے جو اگانے والے کی کمال قدرت اور اس کے وفور اور اس کی وسعتِ رحمت پر دلالت کرتی ہے وہ ایمان کی موجب کفر سے روکنے والی ہے وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے اکثر لوگ ایسے ہیں مُّؤْمِنِیْنَ ۝ جو ایمان لانے والے نہیں باوجودیکہ ان کے سامنے دلائل روشن اور واضح موجود ہیں اس لیے کہ وہ کفر و ضلالت کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ اور گمراہی جہالت میں منہمک ہیں۔

ف: سیبویہ کے نزدیک لفظ کان صلہ ہے کیونکہ اگر اسے اپنے معنیٰ پر باقی رکھا جائے تو معنیٰ ہوگا کہ ان کے اکثر اللہ تعالیٰ کے علم و قضا میں مومن نہیں تھے تو اس سے وہم پیدا ہوگا کہ وہ لوگ ایمان نہ لانے سے معذور تھے، کیونکہ ظاہری معنیٰ کا تقاضا یہی ہے اور یہ مذہبِ حق کے خلاف ہے۔ اور اگر ایسی بات ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ایمان کے موجبات کا بیان کرنا عبث ہوگا۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ ان نشأ ننزل الخ اور اس قسم کی ... سری ... یات دوسرے معنیٰ کی تائید کرتی ہیں اور اس سے ان کی معذوریت لازم نہیں آتی کیونکہ انہوں نے اپنا ... ختیار کو معصیت میں ... رف کر دیا اور ازل میں اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کا کافر ہونا ان کے اختیار کی وجہ سے تھا۔

ف: عدمِ ایمان کی نسبت ان کے اکثر کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ ان کے بعض کے متعلق ایمان مقدر تھا جو بعد کو مسلمان ہوئے۔

وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ع اور بے شک وہ پروردگار عزیز یعنی کافروں سے انتقام لینے پر قادر اور غالب ہے۔ الرحیم بہت بڑا رحم والا ہے اسی لیے انہیں مہلت دیتا ہے اور جرائم پر اچانک ان کی گرفت نہیں فرماتا۔

نکتہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اہلِ ایمان پر رحم فرماتا ہے کیونکہ وہ قلیل ہیں جو ان کی کثرت سے جدا ہوئے۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ اپنے غلبہ و قدرت سے سرکش دشمنوں کے لیے قہر اور اپنے لطف و رحمت سے جذباتِ عنایت کے ساتھ اپنے اولیاء کی دستگیری فرماتا ہے۔

حکایت حضرت سری سقطی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے شہر کی جامع مسجد میں وعظ کر رہا تھا کہ دورانِ تقریر ایک حسین و جمیل نوجوان بہترین لباس پہنے آیا اس کی معیت میں اور نوجوان بھی تھے۔ میں اس وقت کہہ رہا تھا تعجب ہے کہ بندہ ضعیف ہو کر اپنے مالکِ قوی کی نافرمانی کرتا ہے۔ میرے ان الفاظ سے اس نوجوان کا چہرہ متغیر ہو گیا اور پیچھے کو ہٹ گیا۔ دوسرے روز پھر وہی نوجوان دورانِ تقریر آیا اور السلام علیکم کہہ کر دوگانہ پڑھنے لگا۔ فراغت کے بعد مجھے کہنے لگا: اے سری سقطی! میں نے کل آپ سے سُنا تھا کہ اس ضعیف پر تعجب ہے جو قوی کی نافرمانی کرتا ہے، اس کا کیا معنیٰ ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے قوی تر اور بندے سے ضعیف تر اور کون ہے، جبکہ بندہ اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتا ہے۔ یہ سُن کر وہ نوجوان اُٹھ کر چلا گیا۔ پھر تیسرے روز حاضر ہوا اس پر دو سفید کپڑے تھے لیکن آج تھا اکیلا۔ اور آ کر مجھ سے پُوچھا، اے سری سقطی! بتائیے اللہ تعالیٰ کے ملنے کا راستہ کون سا ہے؟ میں نے اسے کہا: اگر تو عبادت کرنا چاہتا ہے تو کثرت سے روزے رکھ اور رات کو نوافل پڑھا کر۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ملنا چاہتا ہے تو ماسوی اللہ کو ترک کر، امید ہے واصل باللہ ہو جائے گا، اور یہ وصول مساجد و محاریب و مقابر سے ہی حاصل ہوگا۔ یہ سُن کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور کہتا جا رہا تھا: بخدا! میں سخت ترین راہ طے کرنے جا رہا ہوں۔ چند دنوں کے بعد بہت سے نوجوان میرے ہاں آئے اور پُوچھا: احمد بن یزید الکاتب کا کیا بنا؟ میں نے کہا: میں اسے تو نہیں جانتا، ہاں البتہ چند روز پہلے ایک وجیہ نوجوان آیا تھا اور میرے اور اس کے درمیان فلاں فلاں باتیں ہوئیں لیکن مجھے یہ علم نہیں کہ وہ گیا کہاں۔ انہوں نے کہا: آپ کو اپنے پیدا کرنے والے کی قسم! اگر آپ کو اس کا کوئی سراغ مل جائے تو ہمیں ضرور مطلع کیجئے۔ چند سال یوں ہی بیت گئے۔ ایک رات اسی نوجوان نے عشاء کی نماز کے بعد میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے کہا، آ جائیے۔ جب وہ اندر آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک پھٹی پرانی کملی اس کے جسم سے لپٹی ہوئی ہے اور دوسری چادر کی طرح بندھی ہوئی ہے اور ایک گدڑی اس کے پاس ہے جس میں کھجور کی گٹھلیاں تھیں۔ آتے ہی میری دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دے کر مجھے کہا: اے سری سقطی! اللہ تعالیٰ آپ کو جہنم کی آگ سے دُور رکھے آپ نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے دنیا کی قید سے آزاد کیا۔ میں نے اپنے ساتھی کے ذریعہ اس کے گھر والوں کو مطلع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی بیوی چھوٹا بچہ اٹھائے وہاں پہنچ گئی اس کے ساتھ اور بھی بہت سے نوجوان تھے۔ عورت نے آتے ہی بچہ اس نوجوان کی گود میں پھینک دیا جو بہترین کپڑوں میں ملبوس اور زیورات سے لدا ہوا تھا۔ وہ عورت کہتی تھی، تو نے جیتے جی مجھے بے شوہر اور بیٹے کو یتیم

marfat.com

بنا دیا ۔ یہ سُن کر اس نوجوان نے میری طرف دیکھ کر کہا : اے سری سقطی ! اس کا کیا جواب دوں ؟ پھر اپنی عورت کی طرف متوجّہ ہو کر کہنے لگا : بخدا تُو میرے دل کا ثمرہ اور جگر کی محبوبہ ہے اور یہ بچہ بھی میری عزیز ترین متاع ہے ۔ لیکن مجھے اسی بزرگ (سری سقطی) نے بتایا کہ جب تک ماسوا کو ترک نہ کرو گے اللہ تعالیٰ کو نہیں مل سکتے۔ اس کے بعد بچّے کے کپڑے اور زیورات اتار کر عورت کو دیکھ کر کہا کہ یہ غریبوں مسکینوں اور بھوکوں میں بانٹ دو۔ پھر اپنی کملی سے تھوڑا سا کپڑا پھاڑ کر بچّے کو لپیٹا ۔ عورت نے کہا : میں بچّے کو ایسی حالت میں نہیں دیکھنا چاہتی۔ فوراً بچّے کو شوہر سے لے لیا ۔ نوجوان نے دیکھا کہ عورت بچّے کے پیار میں مشغول ہے ، وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا ، آج رات کی عبادت تم نے ضائع کر دی ۔ چلتے ہوئے کہنے لگا : اللہ حافظ ۔ عورت اپنے شوہر کے فراق میں دھاڑیں مار کر رونے لگی اور جاتے وقت کہا : اے سری سقطی ! پھر اگر آپ کو اس کے متعلق کبھی علم ہو تو مجھے ضرور آگاہ کرنا ۔ میں نے کہا ، اِن شاءاللہ تعالیٰ ۔ چند دنوں کے بعد ایک بُڑھیا میرے پاس آئی اور کہا ، اے سری سقطی ! شونیزیہ میں ایک نوجوان آپ کو یاد کر رہا ہے ۔ میں وہاں گیا ، دیکھا کہ وہی نوجوان اینٹ سرہانے رکھ کر لیٹا ہُوا ہے ۔ میں نے کہا : السلام علیکم ۔ اُس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے آنکھیں کھول کر کہا ، میرے پچھلے گناہ بخشے گئے یا نہیں ؟ میں نے کہا : ضرور بخشے گئے ہوں گے ۔ کہا : مجھ جیسے مجرم کے گناہ بخشے گئے ہوں گے ! حالانکہ میں سرتاپا گناہوں میں غرق ہُوں ۔ میں نے کہا : گناہوں میں غرق ہونے والوں ہی کو تو وُہ نجات دینے والا ہے ۔ اس نے کہا ، مجھ پر لوگوں کے حقوق ہیں ۔ میں نے کہا : حدیث شریف میں ہے،

انه یؤتی بالتائب یوم القیامة ومعه خصومه فیقال لهم خلوا عنه فان الله تعالیٰ یعوضکم۔

(اللہ تعالیٰ نے جس کی توبہ قبول کرلی ہوتی ہے تو قیامت میں جب اسے لایا جائے گا اور اس سے حقوق کا مطالبہ کرنے والے بھی ہوں گے، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے چھوڑ دو اس کے جملہ حقوق میں خود ادا کرتا ہوں)

پھر مجھے کہا : اے سری سقطی ! میرے پاس چند دراہم ہیں جو میں نے گٹھلیاں بیچ کر جمع کئے ہیں آپ پر لازم ہے کہ ان سے میری تجہیز و تکفین کریں ، اور میرے گھر والوں کو خبر نہ دینا تاکہ وہ حرام کے مال سے میری تجہیز و تکفین نہ کر ڈالیں ۔ میں تھوڑی سی دیر اس کے پاس بیٹھا پھر آنکھ کھول کر کہا ، لمثل ھذا فلیعمل العاملون یعنی اس جیسے عمل کرنے والوں کو چاہیے کہ وُہ عمل کریں ۔ یہ کہہ کر وہ فوت ہو گیا ۔ میں نے اس کے دراہم لے کر بازار سے اس کی تجہیز و تکفین کا سامان خریدا ، لَوٹا تو لوگ جوق در جوق آ رہے تھے اور کہہ رہے تھے ، اللہ کا ولی فوت ہو گیا ، جلدی چلو ، اس کی نمازِ جنازہ میں شرکت کرو ۔ میں نے اُسے غسل دیا پھر کفن دے کر نمازِ جنازہ

(باقی ص ۱۵۱۲ پر)

marfat.ocm

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰٓ أَنِ ٱئْتِ ٱلْقَوْمَ ٱلظّٰلِمِينَ ﴿١٠﴾

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے موسیٰ کو ندا فرمائی کہ ظالم لوگوں کے

قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۚ أَلَا يَتَّقُونَ ﴿١١﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّىٓ أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ﴿١٢﴾ وَيَضِيقُ

پاس جا جو فرعون کی قوم ہے کیا وہ نہ ڈریں گے عرض کی اے میرے رب میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور میرا سینہ تنگی کرتا

صَدْرِى وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِى فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هٰرُونَ ﴿١٣﴾ وَلَهُمْ عَلَىَّ ذَنۢبٌ فَأَخَافُ

ہے اور میری زبان نہیں چلتی تو تو ہارون کو بھی رسول کر اور ان کا مجھ پر ایک الزام ہے تو میں ڈرتا

أَن يَقْتُلُونِ ﴿١٤﴾ قَالَ كَلَّا ۖ فَٱذْهَبَا بِـَٔايٰتِنَآ ۖ إِنَّا مَعَكُم مُّسْتَمِعُونَ ﴿١٥﴾ فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ

ہوں کہیں مجھے قتل کردیں فرمایا یوں نہیں تم دونوں میری آیتیں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سنتے ہیں تو فرعون کے پاس

فَقُولَآ إِنَّا رَسُولُ رَبِّ ٱلْعٰلَمِينَ ﴿١٦﴾ أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿١٧﴾ قَالَ أَلَمْ

جاؤ پھر اس سے کہو ہم دونوں اس کے رسول ہیں جو رب ہے سارے جہان کا کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو چھوڑ دے بولا

نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴿١٨﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ ٱلَّتِى

کیا ہم نے تمہیں اپنے یہاں بچپن میں نہ پالا اور تم نے ہمارے یہاں اپنی عمر کے کئی برس گزارے اور تم نے کیا اپنا وہ کام جو تم نے کیا

فَعَلْتَ وَأَنتَ مِنَ ٱلْكٰفِرِينَ ﴿١٩﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ إِذًا وَأَنَا۠ مِنَ ٱلضَّآلِّينَ ﴿٢٠﴾ فَفَرَرْتُ

اور تم ناشکر تھے موسیٰ نے فرمایا میں نے وہ کام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی تو میں تمہارے

مِنكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِى رَبِّى حُكْمًا وَجَعَلَنِى مِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿٢١﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ

یہاں سے نکل گیا جب کہ تم سے ڈرا تو میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے پیغمبروں سے کیا اور یہ کوئی نعمت ہے

تَمُنُّهَا عَلَىَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ ٱلْعٰلَمِينَ ﴿٢٣﴾ قَالَ

جس کا تو مجھ پر احسان جتاتا ہے کہ تو نے غلام بنا کر رکھے بنی اسرائیل فرعون بولا اور سارے جہان کا رب کیا ہے موسیٰ نے

رَبُّ ٱلسَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَآ ۖ إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُۥٓ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿٢٥﴾

فرمایا رب آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اگر تمہیں یقین ہو اپنے آس پاس والوں سے بولا کیا تم غور سے

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ ءَابَآئِكُمُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ ٱلَّذِىٓ أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿٢٧﴾

سنتے نہیں موسیٰ نے فرمایا رب تمہارا اور تمہارے اگلے باپ داداؤں کا بولا تمہارے یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں ضرور

قَالَ رَبُّ ٱلْمَشْرِقِ وَٱلْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَآ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَئِنِ ٱتَّخَذْتَ

عقل نہیں رکھتے موسیٰ نے فرمایا رب پورب اور پچھم کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تمہیں عقل ہو بولا اگر تم نے میرے سوا کسی

marfat.com

اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ

اور کو خدا ٹھہرایا تو میں ضرور تمہیں قید کردوں گا فرمایا کیا اگرچہ میں تیرے پاس کوئی روشن چیز لاؤں کہا تو

فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾

لاؤ اگر سچے ہو تو موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا جبھی وہ صریح اژدہا ہوگیا

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور اپنا ہاتھ نکالا تو جبھی وہ دیکھنے والوں کی نگاہ میں جگمگانے لگا

(بقیہ صفحہ ۵۲۴) پڑھا کر دفن کر دیا تھوڑی دیر کے بعد اس کے گھر والے پہنچ گئے اور پوچھا کہ ہمارے نوجوان کا کوئی اتا پتا دیجئے۔ میں نے کہا وہ اللہ کو پیارا ہو گیا۔ یہ سن کر اس کی بیوی آٹھ آٹھ آنسو روئی۔ پھر میں نے اس کا حال سُنایا۔ مجھ سے اس کی قبر کے بارے میں پُوچھا۔ میں نے کہا مجھے خطرہ ہے کہ تم اس کی قبر کھود کر اس کو نیا کفن دو گے۔ عورت نے وعدہ کیا کہ وہ ایسا ہرگز نہ ہونے دے گی۔ میں نے اس کی قبر دکھائی۔ وہ دھاڑیں مار کر روئی اور کہا دو گواہ لاؤ۔ دو گواہ لائے گئے۔ اس نے گواہوں کے سامنے کہا گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اس کی تمام کنیزیں آزاد کر دیں اور اس کا جملہ مال راہِ خدا میں تقسیم کر دیا۔ یہ کہہ کر اس کی قبر سے چمٹ گئی اور وہیں جان دے دی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے ؎

چوں کند کحل عنایت دیدہ باز
ایں چنیں باشد بدنیا اہل راز

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کی عنایت کا سُرمہ کسی آنکھ کو بینائی بخشتا ہے تو وہ دنیا میں اس طرح اس کا اہلِ راز بن جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰى اور یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام کو تمہارے رب نے ندا دی اِذْ اذکر محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔

حلِ لغات

المناداۃ والنداء بمعنے آواز بلند کرنا۔ یہ الندی سے ہے بمعنے رطوبت۔ آواز کے لیے استعارہ کیا گیا ہے اس لیے کہ جس کے منہ میں رطوبت بہت زیادہ ہوتی ہے اس کے

marfat.ocm

کلام میں حسن و حلاوت پائی جاتی ہے۔ اسی لیے وہ شخص فصیح ہوتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا اے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی قوم کو وہ وقت یاد دلائیے جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو شجرہ کی شب نار دیکھنے پر گفتگو فرمائی جب وہ مدین سے گھر لوٹ رہے تھے۔ یا انہیں موسیٰ علیہ السلام کا وہ دور یاد دلائیے جب فرعون کی قوم نے تکذیب کی، اور ڈرائیے کہ کہیں ان کے ساتھ بھی وہی نہ ہو جو ان کے ساتھ ہوا۔ اَنِ ائۡتِ الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ یہ کہ تشریف لے جائیے اس قوم کے ہاں جنہوں نے کفر و معاصی کے ارتکاب سے اور بنی اسرائیل کو غلام بنا کر اور ان کے بچوں کو قتل کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ القوم الظالمین سے بدل ہے۔

سوال : قوم ظالم تھی اور فرعون اظلم تھا۔ پھر صرف قوم کے ذکر کا کیا معنیٰ ؟

جواب : چونکہ اس فعل میں وہ سب سے پیش پیش ہونے کی وجہ سے مشہور تھا اسی لیے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں کیونکہ جسے جس فعل پر شہرت حاصل ہو بوجہ شہرت اس فعل کے ذکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ف : ان ائت میں ان مفسرہ ہے جو نادیٰ کی تفسیر کے لیے آیا ہے بمعنے ای یعنی الاتیان بمعنے آرام سے آنا۔

اب مطلب یہ ہوا کہ اے موسیٰؑ! آپ آرام سے ظالم قوم کے ہاں تشریف لے جائیے اَلَا يَتَّقُوۡنَ ۝ یہ جملہ مستانفہ ہے جس کا اعراب میں کوئی محل نہیں۔ الا تحضیض کے لیے ہے جو اس فعل پر برانگیختہ کرتا ہے جس کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا تاکہ وہ لوگ ڈریں۔ انھیں تعجب دلانا بھی مطلوب ہے کہ تم لوگ کتنے ظالم اور حد سے متجاوز ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کیوں خوف نہیں کھاتے اور اس پر ایمان لا کر اور اس کی اطاعت کر کے اپنے نفوس سے عذاب و عقابِ خداوندی کو کیوں نہیں ہٹاتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ کیوں نہیں ڈرتے، یعنی انہیں لازم ہے کہ وہ عذابِ الٰہی سے ڈریں اور کفر سے کنارہ کش ہو جائیں اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کر دیں قَالَ یہ جملہ مستانفہ ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے سوال کیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کیا عرض کیا ؟ اس کے جواب میں فرمایا : موسیٰ علیہ السلام نے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کی رَبِّ اے میرے پروردگار! اِنِّیۡۤ اَخَافُ الخوف معلوم یا مظنون علامات پا کر کسی فعل سے ناگواری کرنا طمع و رجاء کی نقیض ہے یعنی طمع و رجاء بمعنے معلوم یا مظنون علامات پا کر کسی فعل سے محبت کرنا۔ بے شک مجھے خوف ہے اَنۡ يُّكَذِّبُوۡنِ ۝ کہ وہ میری نبوت کی تکذیب اور میری بات کی سماعت سے انکار کر دیں گے۔

سوال : انبیاء علیہم السلام تو سوائے خدا کے اور کسی سے ڈرتے ہی نہیں لیکن یہاں موسیٰ علیہ السلام قوم فرعون کے پاس جانے سے گھبرا رہے ہیں۔

marfat.com

جواب : بعض کبار نے فرمایا کہ وُہ اپنے لیے نہیں بلکہ قوم فرعون پر شفقت کرتے ہوئے گھبرا رہے تھے کہ اگر میں ان کے ہاں چلا گیا اور انہوں نے میری نبوت کا انکار کر دیا تو ان پر عذابِ الٰہی نازل ہو جائے گا جیسے سابقہ امتوں میں ہُوا تو پھر کیوں نہ اللہ تعالیٰ سے معذرت کرلوں ۔ اس معنیٰ پر موسیٰ علیہ السلام کا ڈرنا اپنے لیے نہیں بلکہ قوم کے لیے تھا۔ اور یہ ان کے رحیم ہونے کی دلیل ہے ۔[1]

ف : یکذبون در اصل یکذبونی تھا ۔ یاءِ متکلم حذف کر دی گئی ہے اس لیے کہ ماقبل کی کسرہ اس کے محذوف ہونے پر دلالت کرے گی اور اس کی ضرورت بھی پُوری کرے گی کیونکہ کسرہ یا ٔ سے مستغنی کر دیتی ہے ۔

وَيَضِيقُ صَدْرِي اور ان کی تکذیب نبوت اور احکامِ شریعت کے انکار سے میرا سینہ تنگ ہو گا (یعنی مجھے غم لاحق ہوگا) اور موسیٰ علیہ السلام میں فطرۃً تیزی بھی تھی ۔

ف : اس کا عطف اخاف پر ہے ۔

وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي اور میری زبان بھی نہ چلے گی بلکہ اس پر جو ثقالت ہے اور بڑھ جائے گی ۔ الانطلاق بمعنے کھلنا اور چلنا ہے یہاں پہلا معنیٰ مراد ہے اور لسان عضوِ مخصوص کو کہا جاتا ہے اور اس کی قوت کو بھی ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

واحلل عقدة من لسانی ۔ بمعنے من قوة لسانی ۔ (یعنی میری زبان کی قوت کھول دے) اس لئے کہ ثقالت زبان پر نہ تھی بلکہ اس کی قوت پر تھی (یعنی بولنے پر) (کذا فی المفردات)

ف : اس کا عطف اَخَافُ پر ہے ۔

فَأَرْسِلْ سو جبریل علیہ السلام کو بھیجئے إِلَىٰ هَارُونَ ۝ ہارون کے ہاں تاکہ وہ تبلیغ میں میرا ہاتھ بٹائیں کیونکہ میری نسبت وہ مجھ سے زیادہ فصیح ہیں ۔

ف : ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے ۔

یعنی ہارون علیہ السلام کو تبلیغ کے کام میں میرا حامی بنا تاکہ میں اس کو ساتھ لے کر قوم فرعون کے ہاں جاؤں ۔

نکتہ : کسی کی بات نہ ماننا اس کے تنگ دل ہونے کا سبب ہے اور تنگ دلی بولنے پر اثر انداز ہوتی ہے کہ ایسی حالت میں گفتگو کرنا بوجھل ہو جاتا ہے بالخصوص اس کے لیے جس کی زبان میں ثقالت ہو ۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قلب کی تنگی پر روح و حرارت غریزیہ قلب کے باطن میں منقبض ہو جاتے ہیں ۔ جب یہ دونوں

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

منقبض ہوجائیں تو زبان کی ثقالت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے پہلے خوفِ تکذیب کا اظہار فرمایا پھر تنگئ دل کا عذر کیا۔ آخر میں زبان نہ چلنے کی عرض کرکے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو تبلیغی امور میں شریک کرنے کی تمنا کی۔

ف : اگر موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو تبلیغی امور میں شریکِ کار نہ رکھتے تو ان کی بعثت کا مقصد فوت ہوجاتا۔

ف : موسیٰ علیہ السلام کی زبان کی ثقالت کا موجب وہی انگارہ تھا جو آپ نے فرعون کے امتحان کے وقت خود اپنی زبان پر رکھ لیا تھا۔ حضرت عطار قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ہمچو موسیٰ این زمان در طشتِ آتش مانده ایم
طفلِ فرعونیم ما کام و دہان پر اخگر ست

ترجمہ : ہم اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آگ کے طشت میں ہیں اور ہم فرعون کے طفل ہیں ہماری زبان اور منہ میں انگارے ہی انگارے ہیں۔

معجزۂ موسیٰ علیہ السلام انگارے سے ہاتھ نہ جل سکا۔ یہ بھی معجزہ اور زبان کا جلنا بھی معجزہ، باوجودیکہ وہ جل گئی۔ لیکن جب فرعون کے ہاں تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے تو فصاحت میں کوئی فرق نہ آیا (فرعون کا یہ سوچنا ہی تھا کہ جس کی زبان جل گئی اور بولنے کے قابل نہ تھی اب وہ بلا تکلف گفتگو فرماتے ہیں بدقسمتی نے اسے سوچنے کا موقعہ نہ دیا۔ ایسے ہی منکرینِ ولایت کا حال ہے اور ایسے ہی پہلے منکرینِ نبوت کا حال رہا) لہ

عظمتِ نبوت بعض واعظین کہہ دیتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اعلانِ نبوت کے بعد بھی توتلے تھے (یعنی اس انگارے کے جلانے کا اثر موجود تھا)۔ ایسے کہنے والا خطاکار ہے۔

(انتباہ ہمارے دور میں بے ادب اور گستاخ لوگ ادّعائے علم وفہم اور دین واسلام کی علمبرداری کے باوجود نبوت کے عظمت واحترام میں کوتاہی کرتے ہیں ان کو انتباہ کیا جائے تو اسے غلو سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن صدیوں پہلے صاحبِ روح البیان ہماری تائید اس طرح فرما گئے :) ؏

قال بعض الکبار ینبغی للواعظ ان	بعض مشایخ نے فرمایا کہ واعظ کو لازم ہے
یراقب اللہ فی وعظہ و یجتنب	کہ وعظ وتقریر میں خدا کا خوف نگاہ میں رکھے

لہ و ؏ اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.com

عن تکلم ما یشین بجمال الانبیاء و بھتك حرماتھم ویطلق السنۃ العامۃ فی حقھم و یسئ الظن بھم والامقتہ اللہ و ملائکتہ۔

(روح البیان ج ۶ ص ۲۶۶)

کہ اپنے وعظ و تقریر میں ایسی بات منہ سے نہ نکالے جو انبیاء علیہم السلام کے حُسن و جمال میں نقص و عیب کا شائبہ پیدا کر دے یا جس سے ان کی ہتک اور گستاخی کا پہلو نکلتا ہو۔ اس طرح عوام کی زبانیں انبیاءٔ علیہم السلام کے بارے میں نہ رک سکیں گی اور وہ ان (انبیاءٔ) متعلقین اور ملائکہ کے متعلق بدگمانی کا شکار ہو جائیں گے۔ ؎

؎ الحمد للہ یہی ہمارا منشور ہے۔ ہم نجدیوں، وہابیوں، دیوبندیوں، مودودیوں اور دیگر مذاہب باطلہ سے اسی لیے اختلاف رکھتے ہیں کہ ان کی تقریر و تحریر میں انبیاء علیہم السلام کی گستاخی پر نہ صرف اشارہ و کنایہ ہوتا ہے بلکہ واضح توہین اور بے ادبی ہوتی ہے جس کو پڑھ سن کر ادنیٰ سمجھ رکھنے والا بھی خدا سے پناہ مانگتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ وہ لوگ دین کا دم بھرتے ہیں، اس کی تردید قرآن مجید میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ منافقین کے متعلق فرماتا ہے:

و من الناس من یقول اٰمنّا باللہ و بالیوم الاٰخر و ما ھم بمؤمنین۔

اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ مومن نہیں۔

منہ سے تو یہ سبھی لوگ ایمان دار ہونے کے مدعی ہیں لیکن ان کی عباراتِ ذیل ان کے ایمان کی تصدیق نہیں کرتیں:

باری تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت

"امکانِ کذب سے مراد دخولِ کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔" (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۱۹ - براہین قاطعہ ص ۲۷۵)

افعالِ قبیحہ

"افعالِ قبیحہ کو مثل دیگر ممکنات ذاتیہ مقدور باری جملہ اہلِ حق (علماءِ دیوبند) تسلیم فرماتے ہیں۔"

(جہد المقل، ج ۱، ص ۴۱)

(باقی برصفحہ آئندہ)

marfat.ocm

وَلَهُمْ اور ان لوگوں یعنی فرعونیوں کا عَلَیَّ میرے ذمہ ذَنْبٌ ایک جرم کی سزا اور اس کا موجب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۰) "چوری، شراب خوری، جہل، ظلم سے معارضہ کم فہمی معلوم ہوتا ہے، حالانکہ یہ کلیہ ہے جو مقدور العبد ہے مقدور اللہ ہے۔" (مولوی محمود حسن، اخبار نظام الملک ۲۵ ر اگست ۱۸۸۹ء)

علم نبی کی تنقیص

"شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعتِ علم کی کون سی نصِ قطعی ہے۔" (براہینِ قاطعہ مؤلفہ مولوی خلیل احمد مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی ص ۵۱)

علم کے بعد عمل کی تنقیص

"انبیاء اپنی اُمت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں، باقی رہا عمل، اس میں بسا اوقات بظاہر اُمتی مساوی ہو جاتے بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔" (تحذیر الناس، مولوی محمد قاسم نانوتوی ص ۴)

انکارِ ختمِ نبوّت

"عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔" (تحذیر الناس ص ۳)

"اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔" (تحذیر الناس ص ۲۴)

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا آپ کی عظیم الشان فضیلت اور بہت بڑا اعزاز ہے۔ اور خاتم النبیین کا معنیٰ باجماعِ اُمت آخری نبی ہے۔ خود حضورؐ کا مشہور ارشاد ہے:
انا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔ (میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں)

(باقی برصفحہ آئندہ)

marfat.com

یہاں مضاف محذوف ہے اور اس کے قائم مقام مضاف الیہ کو رکھا گیا ہے اس سے قبطی کا قتل مراد ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۱) مگر اس کے سراسر برعکس تحذیر الناس کی پہلی عبارت میں اس اجماعی معنی کو "عوام کا خیال" قرار دے کر ختمِ نبوت کی اہمیت کو ختم کیا ہے اور پھر "بالذات کچھ فضیلت نہیں" کہہ کر اس کی فضیلت ہی کا انکار کر دیا ہے۔ اور مزید ستم ظریفی یہ کہ دوسری عبارت میں:

"خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا"

لکھ کر ختمِ نبوت کی بنیاد ہی ختم کر دی کہ چونکہ بقول نانوتوی "خاتم النبیین بمعنی آخری نبی نہیں ہیں اس لیے اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔" الخ

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

نیا کلمہ اور درود

دیوبندی حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی کے ایک مرید نے لکھا کہ "میں پہلے خواب میں اور پھر بیداری میں لا الٰہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ اور اللھم صل علیٰ سیدنا ونبینا ومولانا اشرف علی پڑھتا ہوں حالانکہ اب بیدار ہوں خواب میں نہیں۔"

اس پر تھانوی صاحب نے اس بدنصیب کو تجدید ایمان و توبہ کی تلقین کی بجائے یہ کہہ کر تسلی دی کہ "جس کی طرف تم رجوع کرتے (اور اس کا کلمہ و درود پڑھتے) ہو وہ متبع سنت ہے۔" (رسالہ الامداد ص ۳۵ صفر المظفر ۱۳۳۶ھ)

نبی کی استادی

"مدرسہ دیوبند کی عظمت حق تعالیٰ کی درگاہِ پاک میں بہت ہے۔ صدہا عالم یہاں سے پڑھ کر گئے۔ اور خلقِ کثیر کو ظلماتِ ضلالت سے نکالا۔ یہی سبب ہے کہ ایک صالح (دیوبندی) فخرِ عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے تو آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا آپ کو یہ کلام کہاں سے آ گئی، آپ تو عربی ہیں؟ فرمایا کہ جب سے علماءِ مدرسۂ دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا ہم کو یہ زبان آ گئی۔ سبحان اللہ! اس سے رتبہ اس مدرسہ کا معلوم ہوا۔" (براہینِ قاطعہ ص ۲۶)

(باقی بر صفحہ ۵۳۳)

marfat.ocm

چکہ موسیٰ علیہ السلام نے سبطی اپنے قومی فرد کے لیے قتل کردیا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱۴)

رحمۃ للعالمین سے انکار

"استفتاء: رحمۃ للعالمین مخصوص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر شخص کو کہہ سکتے ہیں؛

الجواب: لفظ رحمۃ للعالمین صفت خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے بلکہ دیگر اولیاء و انبیاء اور علمائے ربانیین بھی موجب رحمتِ عالم ہوتے ہیں اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اعلیٰ ہیں۔ لہٰذا اگر دوسرے پر اس لفظ کو بتاویل بول دیوے تو جائز ہے۔" (فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۹)

⊙ "حضرت گنگوہی صاحب کو حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب کی وفات کی خبر ملی تو بظاہر یہ معلوم نہ تھا کہ اس قدر محبت حضرت کے ساتھ ہوگی۔ حضرت گنگوہی صاحب کی نسبت بار بار رحمۃ للعالمین فرماتے تھے۔" (افاضات الیومیہ، تھانوی، ج ا ص ۱۰۵)

⊙ "آج نمازِ جمعہ کے موقعہ پر خبرِ جانکاہ سن کر دلِ حزیں پر بے حد چوٹ لگی کہ حضرت قبلہ (مفتی محمد حسین) رحمۃ للعالمین دنیا سے سفرِ آخرت فرما گئے۔" (عزیز الرحمٰن مہتمم مدرسہ امداد العلوم ایبٹ آباد تذکرہ حسن ص ۲۰۶)

رسول کا حال

"میرے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے میں محض رسول ہوں۔"

"رسول عاجز بندے ہیں رسولوں کے ہاتھ میں کوئی اختیار نہیں ہے۔" (بلغۃ الحیران، مولوی حسین علی، ص ۱۰۲ - ۲۸۴)

رسول کا کمال

"لائق عبادت ایک اللہ تعالیٰ ہے اور رسولوں کا کمال عذابِ الٰہی سے نجات پالینی ہے۔" (بلغہ ص ۲۴۴)

ذرہ ناچیز سے کمتر

"سب انبیاء و اولیاء اس (اللہ) کے روبرو ایک ذرۂ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔" (بلغہ ص ۶۸)

(باقی برصفحہ)

marfat.com

سوال : انبیاء علیہم السلام تو گناہوں سے معصوم ہیں پھر یہاں ذنب (گناہ) کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف کیوں منسوب کیا گیا ہے؟

جواب : چونکہ فرعونیوں کے نزدیک یہ گناہ تھا ان کے گمان کے مطابق ذنب (گناہ) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ف : کاشفی مرحوم نے لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی : ان کا مجھ پر قتل کا دعویٰ ہے یعنی قبطی کے قتل کا، اور وہ ان کے گمان پر میرے ذمہ ایک جرم ہے۔

فَاَخَافُ سو مجھے خوف ہے کہ اگر میں ان کے ہاں اکیلا چلا گیا اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۞ تو وہ مجھے قتل کر دیں گے قبل اس کے کہ میں انہیں تیرا پیغام پہنچاؤں، اور ہارون کے متعلق ان کا کوئی دعویٰ نہیں۔ (فلہٰذا یہ ڈیوٹی انہی کے ذمہ لگائیے)

سوال : اولیاء بھی خوف و حزن سے مامون ہوتے ہیں چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام، لیکن یہاں پر موسیٰ علیہ السلام خوف ظاہر کر رہے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۳)

چوہڑے چمار

”ہمارا جب خالق اللہ ہے اور اس نے ہم کو پیدا کیا تو ہم کو بھی چاہیے کہ اپنے تمام کاموں پر اسی کو پکاریں اور کسی سے ہم کو کیا کام؟ جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا ہے تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اسی سے رکھتا ہے دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا۔ چمار کا تو ذکر ہی کیا ہے۔“ (بلغہ ص ۲۱)

لرزہ خیز تشبیہ

”آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا اگر بقولِ زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کُل غیب۔ اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علمِ غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم (چوپایوں) کے لیے بھی حاصل ہے۔“ (حفظ الایمان اشرف علی تھانوی ص ۸)

نوٹ : مذکورہ عبارت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کو زید و عمرو، بچہ و پاگل اور حیوانات و بہائم کے ساتھ تشبیہ دے کر جس شقاوت و جسارت کا مظاہرہ کیا گیا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

جواب : جملہ امور کا دارو مدار قلب پر ہوتا ہے اگرچہ بشری تقاضا پر، اور انسانی طبیعت کے مطابق کسی فعل کا صدور ہو تو حرج نہیں۔ بنا بریں ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا قلب بالکل مطمئن تھا اگر بتقاضائے بشریت خوف کا اظہار فرمایا تو کیا حرج ہے۔

سوال : انبیاء علیہم السلام کو فرمانِ الٰہی پر پس و پیش نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے احکام کی ادائیگی میں حیلہ و حجت پیش کرتے ہیں لیکن موسیٰ علیہ السلام نے حکمِ الٰہی پر کئی اعذار پیش کئے۔ یہ ان کی شانِ نبوت کے خلاف ہے۔

جواب : موسیٰ علیہ السلام عذر نہیں کر رہے بلکہ آنے والے واقعات و حوادث کے لیے دفاع کے اسباب ظاہر فرما رہے ہیں اور اپنے مالک سے ان اسباب کو عمل میں لانے کا سوال کر رہے ہیں اور یہ کوئی قباحت نہیں۔ (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ فرماتے ہیں) دراصل بات یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی تلوین کا اظہار فرمایا تاکہ انہیں اپنے مالک سے تمکین نصیب ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہر طرح کی آسائش بخشی اور ان کے تمام خدشات زائل کر دئے۔ چنانچہ فرمایا : قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کَلَّا کوئی بات نہیں تم اپنے ان امور کو خیال میں نہ لائیے تو وہ آپ کو شہید نہیں کر سکیں گے میں ان کو تم پر مسلط نہیں ہونے دوں گا بلکہ الٹا تم ہی ان پر غالب رہو گے فَاذْهَبَا سو دونوں بھائی جائیے، جیسا کہ تم ہارون کا ساتھ چاہتے ہو۔ اسے ساتھ لے لو اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چل پڑو۔

سوال : اس مکالمہ میں ہارون علیہ السلام تو موجود نہ تھے پھر ان کو خطاب میں کیسے شامل کیا جا سکتا ہے۔

جواب : تغلیب الحاضر علی الغائب کے قبیل سے ہے۔

بِاٰيٰتِنَآ جائیے اور ہماری آیات یعنی نو معجزات بھی ساتھ رکھئے کیونکہ یہی میری قدرت کے دلائل قاہرہ اور حجت نبوت سے ہے اس میں ان آنے والے حوادث کے دفعیہ کی طرف اشارہ ہے اِنَّا مَعَكُمْ یہ اسی موعودہ دفعیہ کی علت ہے اور مزید تسلی بھی کہ اے پیارے کلیم! گھبراتے کیوں ہو جبکہ تم میری حفاظت میں ہو۔ ہر وقت میری مدد تمہارے شامل حال ہو گی۔

سوال : خطاب تو تھا موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو، لیکن یہاں صیغہ جمع کا ہے۔

جواب : یہاں فرعون کو بھی خطاب میں شامل کیا گیا ہے بایں معنیٰ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں مدد کے لیے۔ اور فرعون کے ساتھ ہوں اس پر قہر و جبر کے لیے۔

انا معکم مبتدا ہے، خبر ہے مُّسْتَمِعُوْنَ ○ اس مبتدا کی دوسری خبر ہے یا مستمعون، انا کی خبر ہے اور معکم ظرف لغو ہے۔

حلِ لغات : الاستماع بمعنے کان لگا کر کسی بات کو سننے کی طلب۔ یعنی کان لگانا۔

marfat.com

سوال : اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا اطلاق ناجائز ہے اور وہ منزّہ ہے کہ کوئی بات اعضاء سے سُنے۔
جواب : یہاں پر استماع سمع کے معنی میں استعارہ کیا گیا ہے یعنی کان لگاتے بغیر حروف واصوات کا ادراک یعنی میں تمہارے اور فرعون کے درمیان میں جو کچھ واقعات ہوں گے میں انہیں سنوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام کے لئے تسلی دی گئی ہے کہ جیسے کوئی کسی مہم کو سر کرنے جائے اور اس کے ساتھ بہت بڑی طاقت خفیہ طور پر مدد کے لئے ہو اور عین موقع پر اس کی اعانت کرے۔
مسئلہ : اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی خفیہ طور پر مدد فرماتا ہے جس کے متعلق کسی کو خبر تک نہیں ہوتی اور ان کے مخالفین و اعدا نابود ہو جاتے ہیں۔
مسئلہ : اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔
ف : یہ استعارہ تمثیلیہ ہے اس میں وجہ شبہ چند امور سے ہیئۃ منتزعہ ہے۔
فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ پس فرعون کے پاس آؤ۔

فرعون کا تعارف فرعون کا نام ولید بن مصعب اور کنیت ابو العباس ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس کا نام مغیث اور کنیت ابو مرہ ہے۔ چار سو سال زندگی پائی تھی۔

فَقُولَا إِنَّا اسے جا کر فرمائیے کہ ہم سب کے سب رَسُولُ رَبِّ الْعَٰلَمِينَ ۝ پروردگارِ عالم کے پیغمبر ہیں۔
سوال : بعض نے کہا کہ صرف رسول کیوں نہ کہا۔
جواب : حضرت موسیٰ علیہ السلام مستقل رسول تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام ان کے امدادی تھے جو ان کی رسالت کی تائید و تصدیق کے لیے ساتھ چلے جاتے تھے۔
أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ان مفسرہ ہے۔
سوال : تفسیر اس وقت ہو جب پہلے ارسال مذکور ہو۔
جواب : لفظِ رسول پہلے مذکور ہے اور وہ ارسال کو متضمن ہے۔
سوال : ان مفسرہ کے لیے باب قال یقول کا ہونا ضروری ہے۔
جواب : ارسال قول کے معنی کو متضمن ہے کیونکہ یہاں تخلیہ و اطلاق کا معنی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے :
ارسلت الکلب الی الصید بمعنے خلھم و شأنھم۔ انہیں اور ان کے شان کو راہ دو تاکہ وہ شام کے علاقہ کو جا سکیں اور وہ ان کے آباء کا مسکن ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجئے اور ان سے ہاتھ اٹھائیے تاکہ ہم انہیں علاقہ شام کو لے جا سکیں کیونکہ وہ ان کا آبائی مسکن ہے۔

marfat.ocm

ف : فرعون نے بنی اسرائیل کو چار سو سال تک غلام بنائے رکھا اور وہ اس وقت چھ لاکھ تیس ہزار افراد تھے۔

بہر حال یہ حکم سُن کر حضرت موسیٰ و ہارون علیٰ نبینا و علیہما السلام مصر کی طرف چل پڑے اور فرعون کے دروازے پر جا کر دستک دی۔ رات کا وقت تھا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا مبارک سے دروازہ کھٹکھٹایا تو فرعون کے دربان گھبرا گئے اور پُوچھا آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا، میں پروردگارِ عالم کا رسول ہُوں۔ دربانوں نے جا کر فرعون سے کہا کہ ایک مجنون دروازے پر کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ میں پروردگارِ عالم کا رسول ہُوں۔ فرعون نے آپ کو اندر آنے کی اجازت دے دی جیسا کہ سدی نے کہا ہے، یا یہ ہُوا کہ صبح تک نہ آنے دیا۔ صبح ہوتے ہی اپنے پاس بُلایا۔ جب وہ دونوں فرعون کے پاس پہنچے تو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا اور گالی دی قَالَ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا۔

ف : حضرت قتادہ نے فرمایا کہ فرعون نے موسیٰ و ہارون علےٰ نبینا و علیہما السلام کو سال تک اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ ایک دن دربان نے فرعون سے جا کہ کہا کہ ایک شخص دروازے پر آیا ہے وہ کہتا ہے کہ میں پروردگارِ عالم کا رسول ہُوں۔ فرعون نے کہا اسے لے آؤ تاکہ اس سے ہنسی مذاق کریں۔ دربان موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس لے گیا۔ فرعون نے موسیٰ کو پہچان لیا، اسے اپنے پچھلے احسانات جتاتے ہُوئے کہا اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا ہم نے تجھے بچپن میں اپنے گھر میں نہیں پالا تھا؟ حضرت کاشفی نے اس کا ترجمہ یُوں کیا کہ کیا ہم نے اپنے گھر میں تیری پرورش نہیں کی؟ ولیداً حال ہے یعنی تمہاری پرورش تمہارے بچپن میں ہم نے کی وَلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝ اور تم نے ہمارے گھروں میں اپنی زندگی کے کافی سال بسر کئے۔ من عمرك، سنین سے حال ہے۔

حلِ لغات

عمر (بضمتین) عمر سے ہے بمعنے عاش جیی یعنی بسر کیا اور زندگی گزاری۔

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا: عمر اس مدت کا نام ہے جس میں حیات بدن میں رہ کر بدن کو معمور رکھے، وہ مدت قلیل ہو یا کثیر۔

ف : بعض کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاں تیس سال کا عرصہ رہ کر مدین کو چلے گئے۔ وہاں دس سال گزار کر واپس فرعون کے ہاں تشریف لائے اور دعوتِ اسلام کے لیے اس کے ہاں تیس سال بسر کیے۔ فرعون کے غرق ہونے کے بعد پچاس سال زندہ رہے۔ اس لحاظ سے آپؑ کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ الفعلة (بالفتح) ایک بار کام کرنا، یعنی قبطی کا قتل کرنا جو فرعون کا باورچی تھا۔ اس کا نام فاتون تھا۔

marfat.com

ربط : اپنی نعمتوں کو گننے کے بعد اب فرعون نے موسٰی علیہ السلام کو تنبیہ کی کہ اے موسٰی ! میں نے تجھے پالا پوسا اور جوان کیا لیکن تُو نے میرے باورچی کو قتل کر ڈالا ۔ یہ تیرے لیے اچھا نہ تھا۔

سوال : تم نے اس فعل کو بڑا مبہم بتایا کہ فرعون کی تنبیہ کا ذکر کر دیا یہ تم نے کہاں سے سمجھا ؟

جواب : جس فعل کی تصریح کے بجائے اسے مبہم طور پر ذکر کیا جائے وہ اس کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ تنکیر کبھی تعظیم کا فائدہ دیتی ہے ۔ (کذا قال الشیخ)

وَاَنۡتَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ○ یہ انت ضمیر فعل سے حال ہے۔ یعنی اے موسٰی ! تم میری نعمت کو ٹھکرانے والے اور میری تربیت کے حق کے منکر ہو کہ تم نے میرے باورچی کو قتل کر ڈالا۔ قَالَ مُوۡسٰے علیہ السلام نے فرمایا فَعَلۡتُهَاۤ وہ کام کیا اِذًا جبکہ میں نے قبطی کو قتل کیا اذ حرفِ جواب ہے فقط ۔ یہاں جزا کا تصور بعید ہے وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيۡنَ ○

حلِ لغات ضل فلان الطریق سے ہے بمعنے فلاں سیدھے راستے سے ہٹ گیا ۔ یعنی میں صواب کے راہ سے ہٹ گیا، میں نے بلا قصد خطا کی ۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جس نے تیر تو کسی پرندے کو مارا لیکن جا لگا آدمی کو۔ کیونکہ اس وقت موسٰی علیہ السلام کا قبطی کو ادب سکھلانا مطلوب تھا قتل کرنا مقصد نہ تھا۔

خلاصہ یہ کہ موسٰی علیہ السلام نے فرمایا : مجھے کیا خبر تھی کہ میرے مُکّے سے یہ قبطی مر جائے گا فَفَرَرۡتُ مِنۡكُمۡ تو میں اس خوف سے مدین چلا گیا کہ کہیں اس کے بدلے میں مَیں نہ قتل کر دیا جاؤں لَمَّا خِفۡتُكُمۡ جب مجھے خوف ہُوا کہ تم مجھے ضرر پہنچاؤ گے اور جس کا میں نے ارتکاب بھی نہیں کیا تم اس پر میرا مواخذہ کرو گے فَوَهَبَ لِىۡ رَبِّىۡ جب میں مدین سے لَوٹا تو مجھے میرے پروردگار نے عطا فرمایا ہے حُكۡمًا علم و حکمت وَّجَعَلَنِىۡ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ○ اور مجھے تمہاری طرف رسول بنا دیا ہے۔

ف : فتح الرحمٰن میں ہے کہ حکمًا سے مراد نبوت ہے وجعلنی من المرسلین نبوت کے دوسرے درجہ یعنی رسالت کی طرف اشارہ ہے، اس لیے کہ ضروری نہیں کہ ہر نبی رسول بھی ہو۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابر مشایخ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو اعلیٰ مقام عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس کے دل میں ایک رُعب ڈالتا ہے جس سے وہ مخلوق سے ہٹ کر اس کی طرف رجوع کرتا ہے جس سے اس پر خصوصی اسرار و رموز منکشف ہو جاتے ہیں، جیسے موسٰی علیہ السلام کے لیے ہُوا۔

marfat.ocm

منکرینِ عصمتِ انبیاءِ علیہم السلام کا ردّ

(بعض لوگ انبیاءٔ علیہم السلام کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ انبیاءِ علیہم السلام سے بھی ہماری طرح غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں ان کے استدلال میں ایک یہی واقعۂ موسیٰ علیہ السلام کا بھی ہے۔ ان کے رد میں صاحب روح البیان قدس سرّہٗ جلد ۶ ص ۲۶۰ میں تحت آیت ہٰذا لکھتے ہیں:)

ومعاصی الخواص کمعاصی غیرھم فانھم لا یقعون فیھا بحکم الشھوۃ الطبیعیۃ بل بحسب الخطا و ذٰلک مرفوع۔	خواص لوگوں کی غلطیاں ہماری غلطیوں جیسی نہیں ہوتیں کیونکہ ان کا ایسے امور کا ارتکاب خواہشِ نفسانی سے نہیں ہوتا بلکہ خطأً ہوتا ہے اور وہ مرفوع ہے۔

تفسیرِ عالمانہ

وَتِلْكَ یہ اس تربیت کی طرف اشارہ ہے جو الم نربك میں ہے **نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ** وہ نعمت جو تم نے مجھے ظاہری طور پر عطا کی جو در اصل **اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝** بنی اسرائیل کو تیرا عبادت کرانا اور ان کے بچوں کو ذبح کرنا تھا۔ یعنی میرا تیرے پاس پہنچنا اور تیری تربیت کا حاصل ہونا ایک سبب تھا۔ یعنی اگر وہ کام فرعون نہ کرتا یعنی بنی اسرائیل پر قہر و غضب نہ کرتا اور ان کے بچوں کو قتل نہ کرتا تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ خود ان کی کفالت کرتی اور انھیں دریا کے سپرد نہ کرتی۔ نہ موسیٰؑ فرعون کے ہاں پہنچتے اور نہ وہ ان کی تربیت کرتا۔ پھر اس کا احسان جتلانا کیسا جبکہ وہی امر اس کے لیے ایک عظیم مصیبت کا سبب بن گیا۔

ترکیب: تلك مبتدا ہے اور نعمۃ اس کی خبر ہے تمنھا علیّ، نعمۃ کی صفت ہے اور ان عبدت مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ یعنی یہ درحقیقت میری قوم کی عبادت کرانا ہے۔

حلِ لغات: تعبید بمعنے قید کرنا اور بندگی میں لینا۔ اہلِ عرب کہتے ہیں عَبَّدْتُّهٗ یعنی میں نے اسے اپنا بندہ بنایا اور اس پر غلبہ پایا اور اسے ذلیل کیا۔

ربط: پہلے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کا رد فرمایا جب اس نے آپ کی نبوت پر جرح و قدح کی اور آپ کو جھڑکا پھر جب اس نے اپنا احسان جتلایا تو اس کو کھری کھری سنائیں لیکن کھل کر اس کی تردید نہیں کی کیونکہ من وجہ فرعون کی بات سچی تھی، اسے آپ کی نبوت سے معرفہ نہ تھا۔ اس کا وہی منت و احسان اس کے لیے نقصان کا سبب بنا۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام نے صرف اسے متنبہ فرمایا۔

ف: بعض علماءٔ نے فرمایا کہ فرعون نے گھٹیا رویہ اختیار کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو اپنی منت و احسان جتلایا جس پر اسے امید تھی کہ موسیٰ علیہ السلام انہیں خدائی دعویٰ سے نہیں روکیں گے۔

marfat.com

منّت کی وضاحت

منت بھاری نعمت کو کہا جاتا ہے اور یہ دو قسم ہے :

(۱) فعل سے ۔ جیسے کہا جاتا ہے ، منّ فلان علی فلان ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو بھاری احسان سے نوازے ۔ اسی سے ہے قولِ باری تعالیٰ :

لقد منّ اللہ علی المؤمنین۔

(اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر بھاری احسان فرمایا)

اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو سکتا ہے ۔

(۲) قول سے ۔ یہ عوام لوگوں کے لیے ظاہر کرنا قبیح ہے ۔ ہاں اس وقت جائز ہے جب دوسرا کفرانِ نعمت کرے ۔ اسی قباحت پر اہلِ عرب کہتے ہیں ؛

المنّۃ تھدم الصنیعۃ ۔

(احسان جتلانا کئے کرائے پر پانی پھیر دیتا ہے)

مگر کفرانِ نعمت پر اظہار جائز ہے اسی لیے کہا گیا ہے ؛

اذا کفرت النعمۃ حسنت المنّۃ ۔

(جب نعمت کی ناشکری ہو تو منت جتلانا اچھا ہے)

ف : حضرت محمد بن علی ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ جوانمردی نہیں کہ کسی پر احسان کر کے منت جتلائی جائے ۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ فرعون میں جواں مردی کا فقدان ہوا تو اس نے اپنے احسانات موسیٰ علیہ السلام کو جتلائے ۔

ص

از ناکساں دہر ثبوت طمع مدار

از طبع دیر خاصیت آدمی مجوی

ترجمہ : کمینے لوگوں سے ثبوت طمع نہ رکھ ۔ گندی طبیعت والوں سے آدمی کی خاصیت طلب نہ کر ۔

تفسیر صوفیانہ

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت لطف کا مظہر بنایا کہ انھیں نبی مرسل بنایا ، اور یہ ایسا مرتبہ ہے کہ اسے تربیت اور انتہائی تکالیف کے بعد حاصل کیا جاتا ہے ۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے تکالیف و شدائد دیکھے فرعون کو وہ تمرد و تکبر تھا جو ابلیس سے بھی بازی لے گیا ۔ اس سے ظاہر کرنا مطلوب تھا کہ انسان ایسے مراتب یونہی پاتا ہے جو ملائکہ کو بہت نصیب نہ ہو ۔ اسی لیے انسان مسجود بنا اور ملائکہ ساجد ۔ اگر موسیٰ علیہ السلام فرعون کے لیے داعی الی نہ ہوتے تو فرعون کبھی ایسی

marfat.ocm

سرکشی و تکبر کو وہ پہنچا کیونکہ قہر و غضب کی صفت الٰہی کا مظہر تھا (کذا فی التاویلات النجمیہ) ایسے ہی ہر زمانہ کے موسیٰ و فرعون کا قیامت تک قیاس کرتے جایئے اس لیے ہر شے اپنی ضد سے اپنے کمال تک پہنچتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

حلِ لغات : ما استفہامیہ ہے بمعنے ای شئ۔ یعنی وہ کون سی شے ہے۔ الرب بمعنے المربی والمتکفل یعنی مصلحت موجودات کا تربیت کنندہ اور کفیل کار۔ العالم نام ہے ما سوی اللّٰہ کا۔ وہ جواہر ہوں یا اعراض۔

اب معنی یہ ہُوا کہ وہ رب العالمین کیا شے ہے جس کی طرف سے تم اے موسیٰ علیہ السلام! مدعی ہو کہ میں اس کا رسول ہوں۔ اس کا خاصہ کیا ہے اور وہ کون سی جنس سے ہے۔ فرعون اس کا منکر تھا کہ اس کے سوا کوئی اور رب العالمین ہو۔

ف : جناب کاشفی مرحوم نے لکھا کہ جب فرعون نے سُنا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں تو اس نے اپنے سخن کا اسلوب بدلا اور بطورِ امتحان کہا کہ پروردگارِ عالم کیا شئے ہے۔ گویا اس نے رب العالمین کی ماہیت کے بارے میں سوال کیا۔

ربط : پھر چونکہ اللّٰہ کی تعریف صرف لوازم خارجیہ سے ہو سکتی ہے اس لیے جنس و فصل سے اس کی ذات کی ترکیب محال ہے۔

اسی لیے قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اسی طرح جواب دیا جو ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے کہا جائے رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا آسمانوں، زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے۔

ف : موسیٰ علیہ السلام نے بعینہٖ وہی ارادہ کیا جو عالمین کا معنیٰ ہے تاکہ وہ لعین اس پر محمول نہ کرے کہ وہ اللّٰہ تعالیٰ اس کی مملکت کے ماتحت ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ اگر تم اشیاء کا یقین رکھتے ہو اور نظرِ صحیح سے تمہیں تحقیق ہو کہ واقعی یہ اشیاء ہیں اور ان کا کوئی رب ہے یعنی بلا شک و گمان تم جانتے ہو کہ عالم وہ ہے جس سے معلوم ہو کہ ان آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی جملہ اشیاء کا کوئی صانع ہے اور میرا رب تعالیٰ وہی ہے جس نے انہیں پیدا کیا اور جو ان کے اندر ہیں ان کو رزق دیتا ہے اور ان کے جملہ امور کی تدبیر کرتا ہے۔ یہی اس کی تعریف ہے اور یہی تمہارے سوال کا جواب ہے۔

ف : کُم کے مخاطب فرعون اور اس کے ساتھی حاضرینِ مجلس ہیں۔

marfat.com

ف : جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ کسی کو حق کی ذات کی آگاہی نہیں اور نہ ممکن ہے جو کچھ عقل و فہم و وہم و حواس و قیاس میں آتا ہے ان تمام سے ذاتِ خداوندی منزہ و مقدس ہے کیونکہ یہ جملہ اشیا محدث (نئی ایجاد) اور محدث (نوایجاد) صرف محدث (نوایجاد) کو معلوم کر سکتا ہے اور بس ؂

آنکہ او از حدث بر آرد دم

چہ شناسد کہ چیست سر قدم

علم را سوئے حضرتش رہ نیست

عقل نیز از کمالش آگہ نیست

ترجمہ : وہ جو حدوث کا دم مارتا ہے اسے کیا معلوم کہ قدم (قدیم ذات) کیا ہے۔ علم کو ذاتِ حق کی بارگاہ تک رسائی نہیں۔ عقل بھی اس کے کمال سے بے خبر ہے۔

ف : علم باللہ کا بھی یہی معنی ہے کہ اس حیثیت سے کہ بین الخلق والخالق ایک رابطہ ہے اور جہان کو اس نے پھیلایا ہے۔ یہ علم بطاقت بشریہ ہے کیونکہ جیسے کہ وہ ہے طاقتِ بشریہ کا کوکب ممکن کہ اسے پورے طور سمجھ سکے بہت بڑے باکمال لوگ اس دریا کی گہرائی میں حیران و سرگردان اور اپنے عجز کے معترف کہ ہم کون ہیں کہ اس کی کُلی معرفت کے عارف ہوں۔

قَالَ فرعون بولا جب موسیٰ علیہ السلام کا جواب سنا تو اسے خطرہ لاحق ہُوا کہ اس کی قوم میں موسیٰ علیہ السلام کی تقریر کی تاثیر پیدا ہو گئی ہے ممکن ہے کہ اس کی قوم موسیٰ علیہ السلام کی مطیع و فرمانبردار ہو جائے لِمَنْ حَوْلَهٗٓ جو اس کے اردگرد بیٹھے تھے۔ اس کے سردارانِ قوم یعنی قبطی۔ یہ پانچسو تھے جو زیوروں سے آراستہ و پیراستہ سنہری کرسیوں پر براجمان تھے۔

حلِ لغات : حول الشیٔ شے کا وہ کنارہ جہاں اسے پھرنا اور بدلنا ممکن ہو۔

اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝ کیا نہیں سُن رہے یہ کیا کہہ رہے ہیں سُنو اور تعجب کرو اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ میری ربوبیت کے علاوہ دوسرے کی ربوبیت کی بات کیوں ہو رہی ہے۔ قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے اور فرعون کو مرتبۂ ربوبیت سے اتار کر مرتبۂ مربوبیت میں ظاہر کر کے فرمایا۔ جناب کاشفی نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان آیات سے عدول فرمایا جو بعید تھیں اور ان آیات کو ظاہر فرمایا جو ان کے قریب تر تھیں تاکہ وہ ان میں غور و فکر کریں اگر غور و فکر کرنا چاہیں۔ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ تمہارا اور تمہارے پچھلے آبا و اجداد کا رب ہے۔

ف : فرعون صرف موجودہ لوگوں کے لیے ربوبیت کا مدعی تھا اس سے پہلے گزشتہ لوگوں کے لیے اس کا دعویٰ

marfat.ocm

نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے اس بیان سے آیت میں بتایا گیا ہے کہ ربوبیت کا مستحق ہے جو ہر زمانے والوں کے لیے رب ہو۔

قَالَ فرعون نے اپنی بیوقوفی اور اپنی قوم کو قبولِ حق سے پھیرنے کے ارادے پر کہا اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝ بے شک تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے مجنوں ہے ایسی باتیں کہتا ہے جو کوئی عقلمند نہیں کہہ سکتا۔

سوال: جب فرعون موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا منکر تھا تو پھر انہیں رسول کی صفت سے کیوں موصوف کیا؟
جواب: فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کو رسول کہنا ازراہِ تمسخر و مذاق تھا۔
سوال: جب وہ موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا قائل ہی نہ تھا تو پھر مخاطبین کو رسولکم کے لفظ سے کیوں مخاطب کیا۔

جواب: ازراہِ تکبر۔ تاکہ انہیں معلوم ہو کہ بفرضِ محال تم نے انہیں رسول مان بھی لیا تب بھی میں اسے رسول ماننے کے لیے قطعاً تیار نہیں۔

حلِ لغات: نفس و عقل کے درمیان جو شے حائل ہو اسے جنون کہا جاتا ہے۔ (کذا فی المفردات)

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف میں مزید فرمایا اس کی سفاہت و بیوقوفی کی طرف دھیان نہ کیا اور نہ ہی اس کا جواب دینا مناسب سمجھا۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا وہ مشرق اور مغرب اور جو ان کے درمیان ہے کا پروردگار ہے۔

سوال: جب پہلے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی اشیا کے لیے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ذکر ہو چکا ہے تو اب مشرق و مغرب و ما بینہما کی تصریح کی کیا ضرورت ہے جب کہ متضمناً ان کا ذکر ہو چکا ہے۔

جواب: چونکہ مشرق و مغرب سے نور و ظلمات کا آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اور مخالف کو جب تصریح نہ کی جائے وہ سمجھتا نہیں اسی لیے ان کے لیے دوبارہ تصریح کی گئی تاکہ ان پر واضح کیا جا سکے کہ جب تم ان چیزوں کے قائل ہو تو لازماً ماننا پڑے گا کہ ان کا کوئی بنانے والا ہے وہ ان کو جانتا اور ان کے متعلق حکمتیں بھی رکھتا ہے، فلہذا لازماً ماننا پڑے گا وہی مستحق عبادت و ربوبیت ہے اور بس۔

تفسیر صوفیانہ ابنِ عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہی اپنے دوستوں کے قلوب کو ایمان کی روشنی سے نور بخشنے والا اور ان کے ظواہر کو روشن کرنے والا اور اپنے دشمنوں کے قلوب کو کفر کی تاریکیوں سے تاریک کرنے والا اور آثارِ ظلمت ان کی شکلوں اور صورتوں پر ظاہر کرنے والا ہے۔

marfat.com

تفسیر عالمانہ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ○ اگر تم کچھ سمجھتے ہو یا منجملہ ان لوگوں سے ہو جن کو عقل و تمیز نصیب ہے۔ پھر جان جاؤ گے کہ حق وہی ہے جو میں نے کہا ہے اور استدلال کر سکو گے کہ ان جملہ امور کا کوئی مؤثر (خالق) ضرور ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ وہ لوگ دائرہ عقل سے کوسوں دُور تھے وہ خود جنون کی صفت سے موصوف تھے تبھی تو موسیٰ علیہ السلام کو مجنون کہہ دیا۔

تفسیر صُوفیانہ جیسے موسیٰ علیہ السلام و فرعون آپس میں ایک دوسرے کی نقیض تھے ایسے ہی قلب و نفس بھی آپس میں نقیضین ہیں۔ یہ ہر ایک اپنے دوسرے کے صادر ہونے والے ہر فعل کو جنون سے تعبیر کرتے ہیں ایسے ہی عاشق و زاہد کی مثال ہے کہ عشق کا جنون کچھ اور ہے اور زہد کا جنون کچھ اور سے

زد شیخ نارسیدہ بعشق تو طعنہ ام

دیوانہ را ز سرزنش کودکاں چہ باک

ترجمہ: عشق سے محروم شیخ نے تیرے عشق پر مجھے مطعون کیا بچّوں کی ملامت سے دیوانہ کب گھبراتا ہے!

تفسیر عالمانہ قَالَ فرعون نے کمال تمرد اور سزا دینے کے گھمنڈ میں کہا جیسا کہ ظالم و جابر حکمرانوں کی عادت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے دلائل کے جواب دینے کی بجائے سزا سنانے پر اُتر آیا ہے ایسے ہی تصوّف کی باریکیوں سے محجوب انسان کی عادت ہوتی ہے (جبکہ وہ صوفیہ کرام کے دلائل سے عاجز ہوتا ہے تو ان کی تنقیص و تحقیر پہ اُتر آتا ہے) فرعون کو اپنی ربوبیت کے علاوہ دوسرے کی ربوبیت کے ادّعا پر غصّہ آ گیا۔

(صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا:)

فرعون دہریہ تھا لعله كان دهريا اعتقد ان من ملك قطرا و تولى امره بقوة طالعه استحق العبادة من اهله۔

شاید وُہ دہریہ تھا اور اس کا اعتقاد تھا کہ جو بھی کسی علاقے پر اپنے زورِ بازو سے قابض ہو جائے اسے حق ہے کہ اس علاقے کے لوگوں سے اپنی عبادت کرائے۔

فرعون بد مذہب تھا بعض علماء نے فرمایا کہ وہ فرقہ مشبّہہ سے تعلق رکھتا تھا جبکہ اس ملعون نے وما رب العالمین کہا یعنی ربّ العالمین کون سی شے ہے کہ جسے ہم اپنے وہم و خیال سے کچھ سمجھ سکیں۔

marfat.ocm

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ ۝ لام عہدی ہے یعنی میں تمہیں یقیناً ان لوگوں کے ساتھ قید خانے میں شامل کردوں گا جو میری قید میں ہیں جن کا حال تمہیں معلوم ہے۔ اور وہ یوں کیا کرتا تھا کہ قیدیوں کو گہرے گڑھے میں پھینک دیتا تھا پھر اس وقت نکالتا جب وہ مر جاتے۔ اسی لیے لاسجننك نہیں کہا تاکہ اس سے جدید قید کا وہم نہ ہو۔

ف: حضرت کاشفی مرحوم نے ترجمہ لکھا کہ "میں تمہیں اپنے قیدیوں میں شامل کردوں گا۔ اس کی قید کے متعلق مشہور ہے کہ وہ قیدیوں کو ایسے گہرے گڑھے میں پھینک دیتا تھا کہ جہاں نہ کچھ نظر آئے اور نہ کچھ سنائی دے۔ انہیں وہ اس وقت باہر نکالتا تھا جب اسے یقین ہو جاتا کہ اب وہ مر چکے ہوں گے۔ یہ سزا قتل سے بھی بدتر تھی۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ حبِ دنیا پر بھی اسی طرح کی سزا ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور صرف اس کی طلب اس کا مطمحِ نظر ہو نفس اور اس کی شہوات سے کوسوں دور ہو تو پھر نفس قلب کو پھنساتا ہے۔ حبِ جاہ و مرتبہ کے جال میں۔ یہی آخری بدقسمت ہوتا ہے جیسے حبِ جاہ و مرتبہ کی وجہ سے صدیقین کے زمرہ سے علٰحدہ کر دیا جاتا ہے ؎

باشد اہلِ آخرت را حب جاہ
ہمچو یوسف دراں شہراہ جاہ

ترجمہ: اہلِ آخرت کے لیے حبِ جاہ ایسے ہے جیسے یوسف علیہ السلام کے لیے۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اَوَلَوْ جِئْتُكَ اگرچہ میں تیرے سامنے لاؤں بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ ۝ کوئی شے واضح۔ یعنی اے فرعون! کیا میرے لیے قید لائے گا، جب میں تیرے ہاں ایسی چیز لاؤں جو میرے دعویٰ کی سچائی پر روشن دلیل ہو۔ یعنی ایسا معجزہ لاؤں جو میرے رب تعالیٰ کے وجود کی جامع دلیل اور میری نبوت کی واضح برہان ہو۔ اس معنی پر واو حالیہ ہے جس پر ہمزہ استفہام انکاری داخل ہے جس میں فعل محذوف ہے یعنی درانحالیکہ میں روشن دلیل لانے والا ہوں۔ بعض مفسرین نے اسے واو عاطفہ بنایا ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے:

اتفعل بی الی ان قال ولو جئتك الخ

یعنی میرے لیے قید کا حکم صادر کرے گا اگر میں تیرے ہاں کوئی دلیل نہ لاؤں۔ تاہم تو یہ تہیہ کر چکا ہے کہ تو مجھے قید ہی کرے گا چاہے میں کوئی دلیل لاؤں یا نہ لاؤں۔ قَالَ فرعون نے کہا فَاْتِ بِهٖ تو لائیے اسے اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ اگر تو سچے لوگوں میں سے ہے۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام کے

marfat.com

ہاتھ میں جنت مورد درخت کا عصا تھا جسے آدم علیہ السلام بہشت سے لائے تھے۔ جب ان کا وصال ہوا تو اسے جبریل علیہ السلام اٹھا کر لے گئے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نبی مبعوث ہوئے تو انہیں دے دیا گیا۔ اسی عصا کے متعلق فرعون نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: عصا ہے۔ **فَاَلْقٰی** تو موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ سے چھوڑ کر زمین پر ڈال دیا **عَصَاهُ** اپنا عصا (ڈنڈا)۔

حلِ لغات: الالقاء بمعنے شے کو ایسی جگہ پھینکنا جہاں اسے دیکھا جا سکے۔ لیکن عُرف میں مطلقاً پھینکنے کو کہتے ہیں۔

فَاِذَا هِیَ پس پھینکنے کے بعد اچانک اس جگہ پر وہی عصا تھا **ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ** ۝ اژدہا کھلم کھلا۔ یعنی وہ شے جو اژدہا کے مشابہ تھی جادو کے ذریعے یا کسی اور عمل سے۔

حلِ لغات: ثعبان دراصل تمام سانپوں سے بڑے سانپ کو کہا جاتا ہے جسے اژدہا سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ ثعبت الماء فانثعب سے ہے بمعنے میں نے پانی بہایا تو وہ بہ نکلا۔

ف: حضرت کاشفی نے فرمایا کہ جب فرعون نے اس (اژدہے) کو دیکھا تو ڈر گیا، اس کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ اس بھگدڑ میں پچیس ہزار افراد ہلاک ہو گئے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا میں تمہیں اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں جس نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے اس اژدہے کو پکڑ لے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے پکڑا تو وہی ڈنڈا تھا جو پہلے ان کے ہاتھ میں تھا، اس میں معمولی تغیّر و تبدّل بھی نہ تھا۔

سوال: اس آیت میں ثعبان ہے۔ لیکن دوسری آیت میں کا ننھا جانّ ہے۔ دونوں آیتوں میں تغایر ہے اس لیے کہ بقول شما ثعبان بڑے سانپ کو کہا جاتا ہے اور جانّ چھوٹے سانپ کو۔

جواب: اس کی ظاہری شکل و صورت تو اژدہا جیسی تھی لیکن اس کی چال اور حرکت چھوٹے سانپ جیسی تھی۔ (کذا فی کشف الاسرار)

(اس معنی پر اب تناقض نہیں رہا کہ ایک مقام پر اسے شکل و صورت کی وجہ سے ثعبان کہا گیا ہے اور دوسرے مقام پر اس کی حرکت اور چال کی وجہ سے جانّ کہا گیا ہے۔ ایسے اطلاقات قرآن مجید میں بہت ہیں تفصیل فقیر کی کتاب احسن البیان حصّہ دوم میں دیکھئے)[1]

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جب قلب ذکر الٰہی کا سانپ نفس پر چھوڑتا ہے تو لا الٰہ کی نفی سے ما سوی اللہ کو لقمہ بنا لینا ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ وَّنَزَعَ يَدَهٗ اور اپنے ہاتھ کو گریبان سے نکالا فَاِذَا هِيَ پس اسی جگہ پر وہ ہاتھ تھا بَيْضَآءُ نورانی اور سفید جس پر برص کے مرض کا شائبہ تک نہ تھا، یعنی نورانی سفید تھا لیکن اس کے اصلی گندم گوں رنگ میں سرِمو فرق نہ تھا لِلنّٰظِرِيْنَ۠ دیکھنے والوں کے لیے۔

نبی علیہ السلام کے حسّی نور ہونے پر استدلال (صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ اسی مقام پر رقمطراز ہیں کہ) موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کا نور سورج کی روشنی کی طرح تھا، جیسے سورج کی روشنی سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کی روشنی سے آنکھیں چندھیا گئیں[1]

ف: مروی ہے کہ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کا پہلا معجزہ دیکھا تو سوال کیا کہ کچھ اور بھی ہے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنا سیدھا ہاتھ دکھا کر فرمایا: یہ کیا ہے؟ فرعون نے کہا: یہ تمہارا ہاتھ ہے۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں بغل میں دبا کر ظاہر فرمایا تو وہ ایسا چمکدار تھا کہ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں اور اس کا نور افق میں پھیل گیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے:
وَنَزَعَ يَدَهٗ اور موسیٰ علیہ السلام نے قدرت کا ہاتھ ظاہر فرمایا فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ تو اس جگہ پر وہ تائیدِ الٰہی سے نورِ ربّی سے منور تھا اور اس سے شعلے بھڑک اُٹھے لِلنّٰظِرِيْنَ ان اہلِ نظر کے لیے جو نورِ الٰہی سے دیکھتے ہیں کیونکہ نور بنور سے دیکھا جا سکتا ہے۔

---

[1] اسی معنے پر ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسّی نور بھی ہیں اگر وہ اسے ظاہر فرماتے تو۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کا معجزۂ یدِ بیضا پر ایمان ہے تو اسے حسّی نور ماننا بھی ضروری ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حسی نور کو کبھی کبھار ظاہر بھی فرمایا لیکن معمولی۔ ورنہ اگر پورے طور نورانیت کا اظہار فرماتے تو کسی کو دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.com

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾
بولا اپنے گرد کے سرداروں سے کہ بے شک یہ دانا جادوگر
یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖۗ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ
ہے چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں اپنے جادو کے زور سے تب تمہارا کیا مشورہ ہے وہ بولے انہیں اور
ابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۳۶﴾ یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِیْقَاتِ
ان کے بھائی کو ٹھہرائے رہو اور شہروں میں جمع کرنے والے بھیجو کہ وہ تیرے پاس لے آئیں ہر بڑے جادوگر دانا کو تو جمع کئے گئے جادوگر ایک
یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّ قِیْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ
مقرر دن کے وعدہ پر اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم جمع ہو گے شاید ہم ان جادوگروں ہی کی پیروی کریں
كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ
اگر یہ غالب آئیں پھر جب جادوگر آئے فرعون سے بولے کیا ہمیں کچھ مزدوری ملے گی اگر ہم
الْغٰلِبِیْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ
غالب آئے۔ بولا ہاں اور اس وقت تم میرے مقرب ہو جاؤ گے موسیٰ نے ان سے فرمایا ڈالو جو تمہیں ڈالنا ہے
مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَ عِصِیَّهُمْ وَ قَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾
تو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور بولے فرعون کی عزت کی قسم بیشک ہماری ہی جیت ہے
فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ﴿۴۶﴾
تو موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا جبھی وہ ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا اب سجدہ میں گرے
قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ
جادوگر بولے ہم ایمان لائے اس پر جو سارے جہان کا رب ہے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے فرعون بولا کیا تم اس پر ایمان
اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ۬ لَاُقَطِّعَنَّ
لائے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں بے شک وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا تو اب جانا چاہتے ہو مجھے قسم
اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَیْرَ ۫ اِنَّاۤ
ہے بے شک میں تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی دوں گا وہ بولے کچھ نقصان نہیں
اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ
ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں ہمیں طمع ہے کہ ہمارا رب ہماری خطائیں بخش دے اس پر کہ ہم سب سے پہلے

marfat.ocm

الْمُؤْمِنُونَ ۵۱
ایمان لائے

تفسیر عالمانہ قَالَ فرعون نے کہا لِلْمَلَاِ اپنی قوم کے سرداروں سے، جو اس کے ساتھ بیٹھے تھے حَوْلَہٗ یہ ظرف ہے حال کے قائم مقام ہے اس کی تحقیق پہلے گزری ہے۔

حل لغات : الملا دراصل اس جماعت (جو ایک رائے پر متفق ہو) کو کہتے ہیں جو لوگوں کی آنکھوں اور نفوس کو جلالت اور رونق کے لحاظ سے سیر کر دے۔

اِنَّ هٰذَا بے شک یہ (موسیٰ علیہ السلام) لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ علم سحر میں بہت سمجھدار ہے یعنی دانا جادوگر، اور اس فن کا استاد ہے۔ اس سے اسے خطرہ ہوا کہ لوگ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اس لئے کہا کہ یہ جادوگر ہے اور اس فن کا بہت بڑا ماہر ہے۔

حل لغات : وہ تخیلات جن کی کوئی حقیقت نہ ہو اسے السحر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ساحر بھی حیلہ گری اور ایسے تخیلات سے کام لیتا ہے جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

سوال : یہاں مقولہ فرعون کا ہے دوسری آیت میں یعنی سورۂ اعراف میں یہی مقولہ قومِ فرعون کی طرف منسوب ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب : دراصل یہ مقولہ ہے تو فرعون کا' جو اس نے حاضرین سے کہا۔ پھر اسے قومِ فرعون کی طرف اس لیے منسوب کیا کہ انہوں نے غیر موجود لوگوں تک اسے پہنچایا۔ (کذا فی الاسرار)[1]

یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ اس کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے اور غلبہ پا کر اپنی قوم کو یہاں بسائے بِسِحْرِهٖ اپنے جادو کے بل بوتے پر فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ تو بتاؤ تم اس کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو۔

سوال : بڑا چھوٹے کو مشورہ دیتا ہے نہ کہ چھوٹا بڑے کو۔ یہاں فرعون نے انہیں تامرون کیوں کہا؟

جواب : (۱) یہ تامرون' امرٌ کے محاورہ سے نہیں بلکہ مؤاتمرہ سے ہے بمعنی مشورہ دینا۔

---

[1] اس قسم کے مضامین قرآن مجید میں بکثرت ہیں جن کی تفصیل فقیر نے احسن البیان جلد دوم میں بیان کی ہے۔
اویسی غفرلہٗ

marfat.com

(۲) بعض نے کہا مجلسِ مشاورت میں ایک دُوسرے کے مشورہ کو قبول کر کے ثابت کیا جاتا ہے کہ گویا اس نے دوسرے کا حکم مانا ہے۔ (کما فی کشف الاسرار)

خلاصہ یہ کہ فرعون نے اپنے شورٰی کے اراکین سے کہا کہ تم مجھے موسٰی علیہ السلام کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو۔

سوال: جب وہ ان سب کا رب تھا تو پھر ان سے مشورہ لینے کی کیا ضرورت تھی، یہ تو اس کے عجز کی دلیل ہے۔

جواب: دراصل موسٰی علیہ السلام کے معجزات کے اظہار کے بعد فرعون کا حوصلہ پست ہوگیا اور اپنے ربوبیت کے دعوٰی کو غلط محسوس کرنے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے قبل وہ کسی کے مشورہ ورائے کو جبہ بھر اہمیت نہ دیتا۔ اب یہ حال ہے کہ اپنے غلاموں اور ماتحتوں کو مشورہ میں شریک کر رہا ہے۔ اسے اپنی سلطنت اور شاہی میں ضُعف پیدا ہوتا نظر آنے لگا۔

سوال: جب وہ خدا بنا بیٹھا تھا تو اس آیت میں قوم کو نکالنے کی نسبت موسٰی علیہ السلام کی طرف کیوں کردی!

جواب: تاکہ قوم کو موسٰی علیہ السلام سے نفرت ہو کہ یہ کون ہے ہمیں ہمارے ملک سے نکالنے والا!

اسی نفرت کی وجہ سے قَالُوْٓا قبطیوں کے لیڈروں (اراکینِ شورٰی) نے کہا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ

حلِ لغات: ارجہ بمعنے معاملہ کو اپنے وقت سے پیچھے ہٹا دینا (کذا فی القاموس)

یعنی مُوسٰی علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کے معاملہ میں سوچ بچار سے کام لے ان کے قتل میں عُجلت نہ کر جب تک کہ ان کا جھُوٹ واضح نہ ہو جائے تاکہ تیرے عبادت گزاروں کو تجھ سے بدگمانی نہ ہو اور تجھے ان کے قتل پر ان سے معذرت نہ کرنی پڑے۔ وَابْعَثْ اور بھیج دے فِى الْمَدَآئِنِ شہروں میں اور اپنی مملکت کے چھوٹے بڑے قصبوں میں۔ یعنی اپنی مملکت کے مختلف مقامات پر۔ فتح الرحمٰن میں ہے مدائن سے ایک قصبہ مراد ہے جو حدودِ مصر کے آخری حصّہ میں آباد تھا حٰشِرِیْنَ ۝ۙ بہت زیادہ ارکان کو جمع کیا جائے۔ اس معنٰی پر حاشر موصوف محذوف کی صفت ہوگی اور وہ ابعث کا مفعول بہ ہے۔

حلِ لغات: شرط جمع شرطا بالضم وسکون الراء وفتحہا۔ وُہ جماعت جو اراکینِ سلطنت کی وجہ سے مشہور و معروف ہو۔ (کذا فی القاموس)

الشرط بالفتح بمعنے علامت، اسی سے شرط ماخوذ ہے کیونکہ اسی سے لوگ اپنے لیے علامت مقرر کرتے ہیں جس سے وُہ پہچانے جاتے ہیں۔

یَاْتُوْكَ لائیں تمہارے پاس بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ ۝ ہر جگہ سے اچھے اچھے جادُوگر جو اپنے فن میں مہارت تامہ رکھتے ہوں پھر وہ موسٰی علیہ السلام کا اپنے جادو کے ساتھ معارضہ کریں بلکہ اس سے بڑھ جائیں تاکہ عوام پر

marfat.ocm

موسیٰ علیہ السلام کا کذب واضح ہو۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر ڈالو۔

تفسیر صُوفیانہ یہی نفس اور القائے شیطانی کی تدبیر ہے جب وہ حق صریح کو دفع کرنے پہ آتے ہیں، ان کی جملہ تدابیر یُونہی ہوتی ہیں بلکہ ہر دور میں ہر کوئی اپنے مخالف کی مخالفت میں یُونہی تدبیر کرتا ہے اور خبث قول و فعل نفس سے ہی سرزد ہوتا ہے کیونکہ برتن سے وہی چیز ٹپکتی ہے جو اس میں ہو۔ اگر فرعون اور اس کی قوم موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنی جملہ تدابیر کر کے ان کے ارشاد پر عمل کرتے تو تمام آفات و بلیات سے بچ جاتے۔ لیکن اسے حُبِ جاہ و مرتبۂ دنیوی نے ایسی سوچ سے محروم رکھا۔ اور قاعدہ ہے کہ جسے جس سے محبت ہوتی ہے وہ اس کے خلاف سے اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے۔ وہ زمین کو یعنی دنیوی مراتب کو چمٹ گئے اور ایمان و اتباع بموسیٰ علیہ السلام سے ان پر غفلت کے بادل چھا گئے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ تخت بندست آنکہ تختش خواندہٗ
صدر پنداری و بر در ماندہٗ

۲ پادشاہان جہان از بدرگی
بو نبردند از شراب بندگی

۳ ورنہ ادہم وار سرگردان و دنگ
ملک را برہم زدندی بے درنگ

۴ لیک حق بہر ثبات این جہان
مہرشان بنہاد بر چشم و دہان

۵ تا شود شیرین بریشان تخت و تاج
کہ ستانیم از جہانداران خراج

۶ از خراج ار جمع آری زر چو ریگ
آخر آن از تو بماند مردہ ریگ

۷ ہمرہ جانت نگردد ملک و زر
زر بدہ سرمہ ستان بہر نظر

۸ تا ببینی کین جہان چاہیست تنگ
یوسفانہ آن رسن آری بچنگ

۹ ہست در چاہ انعکاسات نظر
کمترین آنکہ نماید سنگ زر

marfat.com

۱۰ وقت بازیٔ کودکاں را ز اختلال

می نماید این خزفہا زر و مال

ترجمہ: (۱) جسے تم تخت کہتے ہو وہ تمہاری جیل ہے، جسے تم صدارت کی کرسی کہتے ہو وہ تمہارے لیے وبالِ جان ہے۔

(۲) دنیا کے بادشاہ اپنے امور میں منہمک رہنے کی وجہ سے شرابِ بندگی کا ایک قطرہ بھی اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔

(۳) ورنہ حضرت ادھم رحمہ اللہ کی طرح سرگردان وحیران ہو کر ملک کو یک لخت خیر باد کہہ دیتے۔

(۴) لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے انہماک کو دیکھ کر اس جہان کے تصورات یوں ڈال دئے کہ ہم نے یہاں ہمیشہ رہنا ہے اسی لیے پھر ان کی آنکھوں اور مُنہ پر مہر لگا دی۔

(۵) یہاں تک کہ ان کو تخت و تاج میٹھے لگے اور سوچا کہ دوسرے بادشاہوں سے خراج لیں گے۔

(۶) خراج کو اگرچہ ریت کے ذرات کے برابر بھی جمع کروگے تب بھی یہی نتیجہ نکلے گا کہ وہ تم سے چھن جائے گا اور وہ تمہارے لیے بیکار ریت کی طرح رہ جائے گا۔

(۷) ملک و زر تیرے ساتھ نہیں جائیں گے۔ زر اور دولت راہِ خدا میں لٹا دے، یہ تیری نگاہ کا سُرمہ ثابت ہوگا۔

(۸) خبردار! یقین کرلے کہ یہ دُنیا تیرے لیے اندھے کُنویں کی مانند ہے یُوسفی رسّی ہاتھ میں لے (تب نجات ملے گی)

(۹) اس دُنیا کے اندھے کُنویں میں نظریں اُلٹی ہو جاتی ہیں ہر ذرہ اس کا سونا اور زر نظر آتا ہے۔

(۱۰) بچّوں کو دیکھئے کہ وہ کھیل کُود میں مٹّی کے تودوں کو بہترین زر و مال سمجھتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ تو فرعون نے شہروں میں آدمی بھیج کر شاہی نوکروں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے علاقہ کے بہترین جادوگر لے کر حاضر ہوں۔ اس حکم پر شاہی نوکروں نے بہتّر یا ستّر ہزار جادوگر جمع کئے۔ جیسا کہ آیت میں لفظ حبال وعصی (رسّیاں اور ڈنڈے) دلالت کرتے ہیں جنہیں انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں میدان میں ڈالا جن کو لوگوں نے سانپ سمجھا اور یہ اجتماع (مناظرہ) شہر اسکندریہ میں ہوا۔ (رواہ الطبری) لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝

حلِ لغات: میقات وہ وقت جو کسی خاص امر کے لیے مقرر کیا جائے۔

یعنی فرعون نے ان کے لیے معیّن دن کی گھڑی مقرر کی اور وہ فرعون کی قوم کا دن تھا اور چاشت کا دن مقرر ہوا

marfat.ocm

اس دن وہ سنگار کر کے ہر سال جمع ہوتے ہیں۔

ف: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سال کے پہلے دن پروگرام بنا تھا اور وہ ہفتہ کا دن تھا۔ اسے یوم النیروز سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہی فرودین ماہ کا پہلا دن ہے جسے لغتِ قبط میں "طلم الماء" کہا جاتا ہے۔ یعنی دریائے نیل کا پانی چڑھ گیا۔ اور لغتِ عجم میں اسے نوروز یعنی یومِ جدید سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ ان کے نزدیک نئے سال کے پہلے دن کا نام ہے۔

نکتہ: موسیٰ علیہ السلام نے اسی وقتِ چاشت کو یومِ عید مقرر فرمایا۔ کما قال تعالیٰ:

موعدکم یوم الزینة وان یحشر الناس ضحی۔

(تمہارا وعدہ عید کے دن کا ہے اور یہ کہ لوگوں کو چاشت کے وقت جمع کیا جائے)

تاکہ برسرِ میدان حق غالب ہو اور باطل مٹ کر رہ جائے۔ اور فرعون نے بھی اس وقت کو اس لیے پسند کیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کا کذب مکمل کر عوام کے سامنے آجائے۔ لیکن ہُوا وہی جو خدا کو منظور تھا۔

وَقِيلَ اور فرعون کی طرف سے اعلان ہُوا **لِلنَّاسِ** اہلِ مصر کو اور دیگر ان لوگوں کو جو اس اجتماع (مناظرہ) میں آسانی سے پہنچ سکیں۔ **هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ** ۝ کیا تم جمع ہو گے یا نہیں۔

ف: یہ استفہام اس لیے نہیں کہ فرعون ان کو اجتماع کے لیے اختیار دے رہا ہے بلکہ جلد تر پہنچنے کے لیے برانگیختہ کر رہا ہے۔

لَعَلَّنَا شاید ہم تمام بالاتفاق **نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ** ۝ جادوگروں کا اتباع کریں اگر وہ غلبہ پا جائیں نہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا۔

ف: اس سے فرعون کے ذکر شاہیوں کی یہ مراد نہیں کہ وہ جادوگروں کے دین پر آجائیں گے۔ بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ اس طرح سے وہ موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے بچ جائیں گے۔ کلام کو اس اسلوب سے ذکر کرنے میں ان جادوگروں کے غلبہ پا جانے کی طرف اشارہ ہے اور **لَعَلَّ** کا لفظ بھی باعتبار غلبہ کے ترجی کے طور پر استعمال کیا جائے چونکہ ان کی مذکورہ اتباع کا مقتضی ہے نہ کہ ان کے مذہب کا اتباع۔

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ پس جب جادوگر فرعون کے دربار میں حاضر ہوئے، فرعون نے ان کی خوب آؤ بھگت کی اور انھیں اپنے قرب میں بٹھایا لیکن انہوں نے اس کے دربار کی گستاخی کرتے ہوئے **قَالُوا لِفِرْعَوْنَ** فرعون سے کہہ دیا **أَئِنَّ لَنَا** کیا ہمارے لیے **لَأَجْرًا** بہت بڑا انعام مقرر ہے یا نہیں **إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ** ۝ اگر ہم غلبہ پا جائیں یعنی یقیناً ہم غلبہ پا جائیں گے اور موسیٰ علیہ السلام کو شکست فاش ہو گی تو پھر ہمیں کتنا انعام ملے گا **قَالَ نَعَمْ** ہاں تمہیں بہت بڑا انعام ملے گا **وَإِنَّكُمْ** اور باوجود اینہمہ بے شک تم

marfat.com

اِذًا جب تم غالب ہو جاؤ گے لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ تو تم میرے ہاں ان مقربین سے ہو گے جو میری بارگاہ میں سب سے پہلے حاضر ہوتے ہیں اور کچہری برخاست ہونے کے بعد سب سے آخر میں جاتے ہیں۔ اور یہی مرتبہ فرعون کے ہاں سب سے بڑے مراتب سے تھا۔ اور یہی طریقہ دنیا داروں کا ہے جو حُبِ دنیا میں غرق ہو جاتے ہیں ایسے لوگ دنیا والوں کا قُرب چاہتے ہیں۔ اللہ والوں کے نزدیک یہ سب سے بڑی مصیبت ہے۔

ف: اس معاہدہ پختہ کے بعد جادوگروں کو میدان میں لایا گیا اور وہ موسٰی علیہ السلام کے بالمقابل صف بستہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور موسٰی علیہ السلام سے کہا: آپ پہلے جادو چھوڑیں گے یا ہم چھوڑیں؟

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا موسٰی علیہ السلام نے فرمایا ڈالو مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝ جو تم ڈالتے ہو۔

سوال: ساحروں نے جب جادو چھوڑنے کا کہا تو موسٰی علیہ السلام نے ان کی تردید کی بجائے اجازت کیوں دے دی؟

جواب: (۱) اس سے سحر کی اجازت کا پہلو نہیں نکلتا بلکہ اجازت سے صرف اظہارِ حق کی تمہید مطلوب تھی اور وہ سوائے اس طریقہ کے نہیں ہو سکتا کیونکہ بالمقابل مخالف صرف جادو کے ذریعے سے ہی بات ماننے کو تیار ہُوا تھا اور ناچار موسٰی علیہ السلام نے باطل کو مٹانے اور حق کو ظاہر کرنے کے لیے اجازت دے دی۔

(۲) کشف الاسرار میں ہے کہ اگرچہ بظاہر اس میں جادو کی اجازت کا امر ہے لیکن درحقیقت اس سے ان کی ذلت و رُسوائی کا حکم ہے اور موسٰی علیہ السلام نے لاپروا ہو کر ایسے فرمایا کہ جب یہ میرا کچھ بگاڑ ہی نہیں سکتے تو پھر مرعوب ہونے کا کیا معنٰی! گویا اسی لیے کہہ دیا: کرو جو چاہو۔

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ حبل کی جمع ہے۔ پس انہوں نے پھینک دیں اپنی رسّیاں وَعِصِيَّهُمْ عصا کی جمع ہے۔ اور پھینک دئے ڈنڈے، اور وہ سیماب سے تیار کردہ اور اندر سے کھوکھلے تھے ستر ہزار رسّیاں اور ستر ہزار ڈنڈے تھے وَقَالُوْا رسّیاں اور ڈنڈے چونکہ سیمابی تھے اس لیے سورج کی حرارت سے حرکت میں آ گئے۔ اس سے لوگوں میں شور برپا ہُوا۔ رسّیاں اور ڈنڈے ڈالتے وقت ساحروں نے قسم کھا کر کہا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ قسم ہے فرعون کی بزرگی اور قوت اور غالبیت کی اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ بیشک ہم ہیں موسٰی و ہارون (علٰی نبینا وعلیہما السلام) پر غلبہ پانے والے۔

ف: انہوں نے قسم اس لیے کھائی کہ انہیں یقین تھا کہ وہ ضرور غلبہ پا جائیں گے کیونکہ وہ سحر کے ذریعے اپنی پُوری قوت صرف کر کے آخری وار کر رہے تھے۔

مسئلہ: غیر اللہ کی قسم جاہلیت کی قسموں سے تھی۔

حدیث شریف میں ہے: اپنے آباء و اُمّہات اور بُتوں کی قسمیں مت کھاؤ، قسم صرف اللہ تعالٰی

marfat.ocm

کی ہی ہے اور قسم اس وقت کھاؤ جب تمہیں اپنی سچائی کا یقین ہو۔

لطیفہ جادوگر اپنے ڈنڈوں اور رسیوں کی کثرت پر بہت اترلائے اور موسٰی علیہ السلام کے تنہا ہونے اور ہاتھ میں صرف ایک ڈنڈا لیے ہوئے کھڑے ہونے پر ان کو حقارت سے دیکھا لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ حق اگرچہ قلیل ہو باطل کثیر پر غالب آجاتا ہے، جیسے نور تھوڑا سا بھی ہو تب بھی ظلمات کو مٹا دیتا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب

تنہا جہان بگیرد بے منت سپاہی

ترجمہ: جس تلوار کو آسمانی فیض نصیب ہو تو صرف ایک سپاہی تمام جہان کو مٹا سکتا ہے۔

فَاَلْقٰی مُوْسٰی عَصَاهُ پھر موسٰی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا ڈنڈا ڈالا **فَاِذَا ھِیَ** پس اس وقت وُہ ڈنڈا **تَلْقَفُ** تیزی سے انہیں نگلتا تھا۔

حلِ لغات: لقفہ بروزن سمعہ سے ہے بمعنے تناولہ بسرعۃ یعنی اس نے جلدی سے لیا۔ (کما فی القاموس)

مَا یَاْفِکُوْنَ ۝ جنہیں وہ دھوکا سے بناتے اور سانپ کی شکل وصورت میں گھڑتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابر مکاشفین سے ہے جادوگروں کی دھوکا سازی سے ان کی رسیاں اور ڈنڈے سانپوں کی صورتوں میں تھے اور لوگوں کو وہ رسیاں اور ڈنڈے ہی دکھائی دیئے جیسے وہ اصلی شکلوں میں تھے۔ جیسے جب اہلِ حق باطل کے بطلان کو توڑتے ہیں تو بطلان اصل صورت میں ظاہر ہوجاتا ہے۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ رسیاں اور ڈنڈے ہی باطل تھے جیسے جمہور کے نزدیک ہے ورنہ موسٰی علیہ السلام کے ڈنڈے کو دیکھ کر جادوگروں پر بھی یہی تصور گزرتا اور ان کے آگے بھی یہی التباس پڑتا تو وہ اس پر ایمان نہ لاتے جو احکام موسٰی علیہ السلام لائے اگر وُہ بھی اسی طرح کا جادُو ہوتا جو ساحروں کا تھا یا یہ کہ وہ ان کے جادو سے قوی تر جادو سمجھا جاتا، پھر بات وہی ہے جو ہم نے کہی **تلقف ما یافکون** نگلتا تھا اسے جو گھڑ کر لاتے اور جو انہوں نے رسیوں اور ڈنڈوں کو جادو سے سانپ بنا کر دکھایا اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ جادوگروں نے جادو سے لوگوں کی نظروں میں سانپ بنا کر دکھائے جنہیں عصائے موسٰی (علیہ السلام) نے لقمہ بنا لیا۔ اسے حضرت امام شعرانی قدس سرہٗ نے اپنی کتاب "الکبریت الاحمر" میں ذکر کیا ہے۔

marfat.com

تفسیر عالمانہ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ تو جادوگر منہ کے بل گر کر سٰجِدِيْنَ ۝ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے لگے جب انہوں نے یقین کر لیا کہ عصا کا ثعبان (اژدہا) ان کی رسیوں اور ڈنڈوں کو ہڑپ کر گیا ہے تو وہ جان گئے کہ یہ جادو نہیں۔ یہ معجزہ دیکھنے کے بعد وہ سجدہ میں گرے۔ اس میں انہیں کسی قسم کا شک اور تردد نہ تھا۔ اس سجدے میں وہ اپنی قوت وطاقت کھو بیٹھے۔ گویا انہیں کسی دوسری طاقت نے سجدے میں گرایا ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ کرشمے جادو کے قوانین سے باہر ہیں۔ ایسا سوائے امرِ الٰہی کے اور کسی سبب سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ہر فن میں مہارت نافع ہے۔ جادوگروں کا موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ہتھیار ڈال دینا اسی مہارت فی فن السحر کی وجہ سے تھا۔ انھیں ان کے فن کے کمال نے بتایا کہ یہ امر فنی نہیں بلکہ امر ربّی ہے نیز اس لیے کہ منتہائے سحر یہ ہے کہ مکر و فریب اور دھوکا سے دوسروں کے خیالات بدل دئے جائیں جس کی دراصل کوئی حقیقت ہی نہیں۔

سوال: تم نے یہ اضافہ بار بار کیا ہے کہ جادو ایک خیالی امر ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ تم نے یہ اضافہ کہاں سے سمجھا؟

جواب: جادوگر اپنے فن میں کامل تھے۔ حقیقۃ الشئ اگر دوسری حقیقت سے بدل جائے تو وہ کمالِ فنِ سحر ہے۔ اگر وہ عاجز نہ ہوتے تو عصائے موسیٰ کو سانپ بن جانے کو معجزہ تصور نہ کرتے، کیونکہ یہ بات فنِ سحر کے قاعدہ سے خارج ہے۔ نہ اسے دیکھ کر ایمان لاتے نہ ہی بارگاہِ الٰہی میں سربسجود ہوتے۔ سورۂ طٰہٰ میں جادو کے متعلق تفصیل گزر چکی ہے۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا: 'سحر' السحر سے ماخوذ ہے۔ یعنی وہ وقت جو فجر اول و فجر ثانی کے درمیان ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں روشنی اور تاریکی کا اختلاط نہیں ہوتا۔ نہ تو اسے رات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں صبح کی روشنی کی ملاوٹ ہوتی ہے، اور نہ ہی اسے دن کہا جا سکتا ہے کہ آنکھوں کے سامنے طلوع شمس کے آثار مفقود ہوتے ہیں۔ ایسے ہی جو کام جادوگر دکھلاتے ہیں اس میں حق و باطل کی ملاوٹ ہوتی ہے کیونکہ وہ باطل محض بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے اس وقت آنکھ کو جو ادراک ہوتا ہے آنکھ اسے حقیقت سمجھتی ہے حالانکہ وہ حقیقت نہیں ہوتا۔

ف: حضرت امام شعرانی قدس سرہٗ یہ تقریر لکھ کر فرماتے ہیں کہ یہ وہ کلامِ نفس ہے جسے ہم نے پہلے کبھی نہیں سنا۔

قَالُوْٓا جادوگروں نے صدق دلی سے کہا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ہم رب العالمین پر ایمان لائے۔
یہ القی سے بدل الاشتمال ہے اس لیے کہ ان کے درمیان حرف عاطف نہیں ہے۔

marfat.ocm

غور کیجئے کہ ان خوش قسمتوں کی قسمت کیسے بدلی کہ صبح کو جادوگر (کافر) تھے اور شام کو مومن۔ اس سے
سبق ۔ اس شخص کو خصوصیت سے نصیحت حاصل کرنی چاہیے جو اپنے اقوال و اعمال و احوال پر نازاں ہے۔
حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

برعمل تکیہ مکن زانکہ دران روز ازل
تو چہ دانی قلم صنع بنامت چہ نوشت

ترجمہ: عمل پر بھروسا نہ کر اس لیے کہ نجانے ازل میں تیرے نام پر قلمِ لم یزل تعالیٰ نے کیا لکھا۔
اور فرمایا: ؎

مکن بنامہ سیاہے ملامت من مست
کہ آگہست کہ تقدیر بر سرش چہ نوشت

ترجمہ: مجھ مست پر میری نامہ سیاہی پر ملامت نہ کر، کسے کیا خبر کہ اس کی تقدیر نے میرے لیے کیا لکھا ہے۔

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ یہ رب العالمین سے بدل ہے۔

سوال: اس اضافہ کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: فرعون کی قوم جاہل تھی۔ وہ اپنے آپ کو رب کہلواتا تھا۔ جب جادوگروں نے اٰمنّا بربّ العٰلمین کہا تو فرعون نے قوم سے کہا کہ یہ مجھ پر ایمان لا رہے ہیں پھر انہوں نے رب موسٰی وھٰرون کا اضافہ کیا کہ ہم اس رب العالمین پر ایمان لائے ہیں جو موسٰی و ہارون (علیٰ نبینا وعلیہما السلام) کا رب ہے۔

قَالَ فرعون نے جادوگروں سے کہا اٰمَنْتُمْ بصیغۂ خبر یا ہمزۂ استفہام محذوف ہے لَهٗ موسٰی علیہ السلام پر ایمان لاتے ہو قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اس سے پہلے کہ میں تم کو موسٰی علیہ السلام پر ایمان لانے کی اجازت دیتا۔ یعنی تم میری اجازت کے بغیر ایمان لائے ہو۔ یہ لنفد البحر ان تنفد کلمات ربی کے محاورہ پر ہے کیونکہ اس سے نہ ایمان کا اذن ممکن تھا اور نہ متوقع۔ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ تمہارا بڑا (استاذ) ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا تمہیں اس پٹڑی پہ لے آیا، جو کچھ تم نے کر دکھایا اور اس کے ساتھ موافقت کر لی۔ یعنی تم نے مل کر میرے ملک پر قبضہ کرنے اور مجھے ہلاک کرنے کا منصوبہ بنالیا ہے۔
جیسا کہ سورۂ اعراف میں ہے:

ان ھذا لمکر مکرتموہ فی المدینۃ۔
(یہ ایک مکر اور فریب ہے جو تم نے شہر میں پھیلایا)

marfat.com

اس سے پہلے کہ تم اس سے نکل جاتے۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تمہارا استاد ہے کہ اس نے تمہیں کچھ سکھایا اور کچھ اپنے پاس محفوظ رکھا جس کی وجہ وہ آج تم پر غالب آ گیا ہے۔

ف : یہ تقریر بھی فرعون نے اپنی قوم کو طفل تسلی کے طور پر سنائی تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ جادوگروں نے ایمان قبول کیا ہے تو کسی دانشمندی اور حق کے ظہور سے۔

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۵ؕ پس عنقریب تم اپنے کیے کا مزہ چکھ لو گے۔ یہ لام تاکیدی ہے حالیہ نہیں اسی لیے یہ حرف استقبال کے ساتھ جمع ہو گئی ہے۔

ربط : اب فرعون جادوگروں کو بتاتا ہے کہ ان کے ساتھ وہ کیا کرے گا۔

چنانچہ کہا لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ البتہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا۔

ف : تفصیل کا باب ایدی (ہاتھ) و ارجل (پاؤں) کی کثرت کی وجہ سے ہے ورنہ قطع و تقطیع میں کوئی خاص فرق نہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے :

فتحت الباب (بصیغۂ مجرد) و فتحت الابواب بصیغۂ مزید بوجہ کثرت افراد کے۔

مِّنْ خِلَافٍ خلاف سے یعنی ہر طرف سے، اس کی دوسری جانب سے۔ مثلاً یہ کہ سیدھا ہاتھ کاٹوں گا اور اس کے ساتھ بایاں پاؤں۔ اس طرح سے تمام بدن بے طاقت ہو جاتا ہے۔ (کذا فی کشف الاسرار)

ف : یہی فعل سب سے پہلے فرعون نے کیا۔ اس سے پہلے ایسا کسی ظالم و جابر یا عادل حکمران نے نہیں کیا تھا۔ (کذا فی فتح الرحمٰن)

ف : بعض نے فرمایا کہ یہ من تعلیلیہ ہے۔ یعنی یہ کام میں اس لیے کروں گا کہ تم نے میرے خلاف کیا ہے۔ یہ قطع مذکور ایک معمولی سزا ہے۔ اور کسی کو کاروبار سے محروم کر دینا فرعون جیسے جابر بادشاہ کے لیے بھی جائز نہیں کہ اپنے مخالف کو ایسی سزا دے۔ اسے اس کی حماقت پر محمول کیا جائے گا کہ سخت غلط عمل پر ایک معمولی سزا سے ڈرایا۔ لیکن یہ قول وہم پر مبنی ہے کیونکہ اس نے اپنی مخالفت کی سزا کو آگے یوں بیان کیا :

وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۵ میں تم سب کو دریا کے کنارے پر سولی پہ لٹکا دوں گا اور تم تڑپ تڑپ کر مر جاؤ گے۔ اس سے دوسروں کو عبرت حاصل ہوگی۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ ان دونوں سزاؤں کو جمع کروں گا (یعنی قطع کرنا اور سولی پہ لٹکانا)

ف : مروی ہے کہ فرعون نے انہیں کھجور کے تنوں پہ لٹکایا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔ سورۂ اعراف میں ثم لاصلبنکم ہے۔ اس سے مہلت دے کر ان کے عذاب میں اضافہ مطلوب ہے کہ قطع ید کے بعد سولی پہ لٹکائے جانے پر مغموم و محزون رہیں گے۔"

marfat.ocm

قَالُوْا اُن جادوگروں نے کہا جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے **لَا ضَیْرَ** یہ ضاد یضیر ضیرا کا مصدر ہے بمعنی ضرر یعنی تمہاری اس تہدید سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں اور نہ ہی ہم موت سے ڈرتے ہیں **اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ** ○ بے شک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ وہی ہمیں تیرے عذاب پر صبر کا اور توحید پر ثابت قدم رہنے کا ثواب عطا فرمائے گا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ حق کو ظاہر کر دے اگرچہ قتل ہونا پڑے۔

فائدہ صوفیانہ حضرت عطاؒ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جسے حقیقت کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے اس پر لازم ہے کہ ہر دکھ سکھ اٹھائے۔ دیکھئے جادوگروں کو جب مشاہدہ نصیب ہوا تو فرعون کو بے دھڑک کہہ دیا: لاضیر۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ اہل اللہ کے بارے میں کہتے ہیں: ؎

دما دم شراب الم در کشند
وگر تلخ بینند دم در کشند
نہ تلخست صبری کہ بر یاد اوست
کہ تلخی شکر باشد از دست دوست

ترجمہ: ہردم دکھ درد اٹھاتے ہیں تلخی دیکھنے کے باوجود قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ اس کی یاد میں صبر تلخ نہیں بلکہ ایسی تلخی شکر سے میٹھی ہے جو دوست کے ہاتھ سے حاصل ہو۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

عاشقاں را گر در آتش می پسندد لطف یار
تنگ چشم گر نظر چشمۂ کوثر کنم

ترجمہ: اگر لطف دوست عشاق کو آگ میں چھلانگ لگانے کے لیے کہے مجھے اندھا کہنا اگر میں اس کے بعد چشمۂ کوثر کی طرف نگاہ کروں۔

اور فرمایا: ؎

اگر بلطف بخوانی مزید الطافست
وگر بقہر برانی درون ما صافست

ترجمہ: اگر لطف سے بلاؤ تو مزید لطف و کرم ہے اور اگر قہر سے ہٹاؤ تو بھی کوئی فرق نہ پڑے گا اس لیے کہ میرا دل صاف ہے۔

marfat.com

اِنَّا نَطْمَعُ بےشک ہم پُر امید ہیں۔

حلِ لغات : المفردات میں ہے : الطمع بمعنے خواہشِ نفسانی پر نفس کا کسی شے کی طرف مائل ہونا۔
اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَآ یہ کہ ہمارے سابقہ جرائم مثلاً شرک وغیرہ بخش دے۔ اَنْ کُنَّا یہ کہ ہم ہیں اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ اتباعِ فرعون پر سب سے پہلے ایمان لانے والے۔ یا ہم سب سے پہلے اہلِ مشہد ہیں۔

ف : حضرت کاشفی مرحوم لکھتے ہیں، منقول ہے کہ فرعون نے حکم دیا کہ ان اہلِ ایمان کو گرفتار کر کے ان کے ہاتھ پاؤں بصورتِ مذکورہ کاٹ کر پھانسی پر لٹکایا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی گرفتاری سے خوب روئے اور پریشان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیانی پردے اٹھا دئے یہاں تک کہ مقاماتِ انس و منازلِ قرب کا آنکھوں سے مشاہدہ کیا تو خوش ہو گئے ؎

۱ جادواں کاں دست و پا در باختند
در فضائے قرب مولیٰ تاختند

۲ گر برفت آں دست و پا برجاے آں
رسمت از حق بالہاے جادواں

۳ تا بداں پر ہا بپرواز آمدند
در ہوائے عشق شہباز آمدند

ترجمہ :(۱) وہ جادوگر جنہوں نے ہاتھ پاؤں راہِ حق میں کٹوا دئے فضائے قربِ الٰہی میں خوب دوڑے۔
(۲) اگر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے تو کیا ہوا جبکہ انہیں اللہ تعالیٰ سے دائمی قوت وطاقت نصیب ہوئی۔
(۳) انہی پروں سے پرواز میں آ گئے۔ عشق کی قوت سے شہباز بن گئے۔

تفسیر صوفیانہ

یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ظاہری زندگی میں جتنی تکلیف راہِ حق میں پہنچتی ہے اتنی ہی اسے روحانیت اور مشاہدۂ حق میں اضافہ نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ وہ اپنے بندوں سے فانی چیزیں لے کر باقی چیزیں بخشتا ہے۔

حکایت

سیدنا جعفر ابن عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض غزوات میں لڑ رہے تھے اور اسلام کا جھنڈا سیدھے ہاتھ میں لیے کھڑے تھے۔ جب وہ کٹ گیا تو آپ نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ وہ

marfat.ocm

بھی کٹ گیا تو دونوں بازوؤں میں تھام لیا حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر تینتیس ۳۳ سال کی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض انہیں بہشت میں دو پر عطا فرمائے جن کے ذریعے وہ اُڑتے ہیں جہاں جانا چاہتے ہیں جاتے ہیں اسی لیے ان کا نام جعفر طیار بھی ہے۔

ف : یہی کیفیت ہر اس خوش بخت کی ہے جو اپنے دعویٰ میں سچا ہو۔

سبق جس پر کوئی مصیبت آئے وہ اسے راحت سمجھے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو آزماتا ہے لیکن یہ دولت اسے نصیب ہوتی ہے جو ازلی خوش بخت ہوتا ہے۔ دیکھیے جادوگروں کو کس طرح مصیبت میں ڈالا گیا۔ لیکن چونکہ مشاہدۂ حق ان کی قسمت میں تھا اس لیے اسے وہ اپنے لیے راحت و رحمت سمجھ رہے تھے لیکن ایسے مرتبے والے بہت کم ہوتے ہیں کیونکہ یہ مرتبہ انجذابی ہے اور وہ سالکین کو بیک وقت نہیں بلکہ تدریجاً نصیب ہوتا ہے۔

ف : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال اسلام لاتے وقت جادوگروں کی طرح تھا۔

قاعدۂ تصوف : اسلام احسان یعنی مشاہدۂ حق کا وسیلہ ہے۔

سبق : جو شخص بھی اصلاح حال بذریعہ اعمال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وہی احوال عطا فرماتا ہے جو صاحبانِ حال کو نصیب ہوتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم۔

(جو اپنے پڑھے پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وہ عمل عطا کرتا ہے جسے وہ پہلے نہیں جانتا تھا)

ف : حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر فرماتے ہیں تم ایسے عبادت کرو جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے اظہار سے پہلے شریعتِ ابراہیمی پر کرتے تھے۔ یہ بھی آپ پر منجملہ عنایاتِ الٰہیہ سے تھا کہ اس عبادت کی ادائیگی کے بعد آپ کو رسالت و نبوت نصیب ہوئی (اگرچہ نبوت حقیقۃً آپ کو پہلے حاصل تھی لیکن ظاہر کرنے کا موقعہ اب ملا تاکہ امت کو تعلیم ہو کہ عبادت کی برکات یوں ہوتی ہیں)

ولایت کا حصول ایسے ہی ولی اللہ کا حال ہے کہ جب وہ شریعتِ مطہرہ پر مکمل طور پر عمل کرتا ہے تو اس کے قلب پر واردات الٰہیہ کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اسے قرآن مجید کے معانی الہام ہوتے ہیں یہاں تک کہ محدثین (بفتح الدال) کے زمرہ سے ہو جاتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ ارشادِ خلق کے لیے مقرر فرماتا ہے جیسے رسل کرام علیہم السلام کے لیے رسالت دے کر مبعوث فرماتا رہا (چونکہ اب نبوت ختم ہے اس لیے وہ طریقہ جو پہلے عبادت کا تھا اگر اب کسی خوش نصیب کو حاصل ہو تو پھر اسے رسول بنا کر تو

(باقی صفحہ پر)

marfat.com

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ

اور ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے نکل بیشک تمہارا پیچھا ہونا ہے اب

فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا

فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والے بھیجے کہ یہ لوگ ایک تھوڑی جماعت ہیں اور بے شک وہ ہم

لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ

سب کا دل جلاتے ہیں اور بے شک ہم سب چوکنے ہیں تو ہم نے انہیں باہر نکالا باغوں اور چشموں اور خزانوں

وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾

اور عمدہ مکانوں سے ہم نے ایسا ہی کیا اور ان کا وارث کر دیا بنی اسرائیل کو تو فرعونیوں نے ان کا تعاقب کیا دن نکلے

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ

پھر جب آمنا سامنا ہوا دونوں گروہوں کا موسیٰ والوں نے کہا ہم کو انہوں نے آلیا موسیٰ نے فرمایا یوں نہیں بیشک

رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ

میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے اب راہ دیتا ہے تو ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ دریا پر اپنا عصا مار تو جبھی دریا

فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى

پھٹ گیا تو ہر حصہ ہو گیا جیسے بڑا پہاڑ اور وہاں قریب لائے ہم دوسروں کو اور ہم نے بچا لیا موسیٰ

وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ

اور اس کے سب ساتھ والوں کو پھر دوسروں کو ڈبو دیا بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں

اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾ ع

اکثر مسلمان نہ تھے اور بیشک تمہارا رب وہی عزت والا

وقف لازم

(بقیہ حاشیہ صفحہ) نہیں بھیجا جاتا البتہ ولایتِ کاملہ سے نوازا جاتا ہے) جب تمہیں راستہ معلوم ہُوا تو لازم ہے کہ اہل اللہ کا طریقہ اختیار کرو کیونکہ حقیقی بادشاہ یہی لوگ ہیں۔ اور یہ مرتبہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک انسان اپنی آل و اولاد اور اموال و اسبابِ دنیویہ سے مکمل طور پر انقطاع نہ کرے اور صرف اللہ تعالیٰ کا نہ ہو جائے۔ جیسے جادوگروں نے فرعون کو جواباً کہا انا الیٰ ربنا منقلبون۔

سبق: یہ مسئلہ اس طرح سمجھ میں آئے گا کہ تم دیکھتے ہو کہ کوئی بندہ کسی سفر پر جائے تو سب چیزیں چھوڑ کر جاتا ہے تب سفر ہوتا ہے ورنہ مشکل ہوتا ہے کیونکہ بندہ ضعیف ہے اور ضعیف زیادہ بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے تیسیر و تسہیل کا سوال کرتے ہیں۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ

وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِیۡۤ

حلِ لغات: الایحاء بمعنے اعلام فی خفاء۔ چپکے سے کسی کو کچھ بتانا۔
سرٰی (بالکسر) و سرٰی (بالضم) و سرٰی (بالفتح) بمعنے رات کو جانا۔ ایسے ہی اسرٰی بمعنے رات کو جانا۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے موسٰی علیہ السلام کو بذریعہ وحی فرمایا کہ اے موسٰی (علیہ السلام) ! بنی اسرائیل کو رات کے وقت بحرِ قلزم تک لے جائیے وہاں پر میرا جو حکم پہنچے اس پر عمل کرنا۔ یہ حکم اس لیے ہوا کہ موسٰی علیہ السلام کئی سال فرعون کے ہاں رہے اسے اور اس کی قوم کو بہت سمجھایا لیکن وُہ بجائے حق کو قبول کرنے کے سرکشی اور شر و فساد میں بڑھتے گئے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مُوسٰی (علیہ السلام) ! اپنی قوم کو رات کے وقت بحرِ قلزم کی طرف لے جائیے وہیں پر کافروں کو تباہ و برباد کروں گا۔

ف : حضرت موسٰی علیہ السلام کو بحرِ قلزم تک چلے جانے کا حکم بذریعہ وحی ہُوا۔ وہ بظاہر یہ نہ جانتے تھے کہ رات کو جانا کہاں ہے اور ہماری منزلِ مقصود کیا ہے۔ پھر ان کو جبریل علیہ السلام کا وہ وعدہ بھی یاد تھا جو آخری الوداع پر انہوں نے کیا تھا کہ اب ہیں، آپ اور فرعون کا لشکر بحرِ قلزم کے کنارے پر ملیں گے۔

اِنَّكُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ ۝ بے شک تمہارے پیچھے فرعون چلا آئے گا اور اس کے ساتھ اس کا لشکر بھی ہوگا۔ یہ رات کو چلے جانے کی علت ہے۔ وہ یہ کہ اسے موسٰی (علیہ السلام) ! تم اپنی برادری کو لے کر چلو پھر فرعون بمعہ لشکر تمہارا تعاقب کرے گا لیکن وہ آپ تک پہنچ نہ سکے گا۔ یہاں تک کہ تم دریا کو عبور کر و گے اور وہ تمہارے تعاقب میں بمعہ لشکر اور قوم دریا میں ڈوب کر مر جائے گا۔ فَاَرۡسَلَ فِرۡعَوۡنُ جب فرعون کو مُوسٰی علیہ السلام اور آپ کی قوم کی روانگی کا علم ہُوا تو فرعون نے بھیج دئے فِی الۡمَدَآئِنِ ان شہروں میں جو اس کے دار الحکومت کے قرب وجوار میں تھے حٰشِرِیۡنَ ۝ جمع کرنے والے، تاکہ تمام لوگ اکٹھے ہو کر موسٰی علیہ السلام کا پیچھا کریں۔

ف : کاشفی مرحوم نے لکھا کہ قبطیوں کو شام کے وقت علم ہُوا کہ بنی اسرائیل رات کے وقت یہاں سے نکل گئے ہیں۔ صبح کو اس لیے علم نہ ہو سکا کہ ان کا خیال تھا کہ شاید بنی اسرائیل عید کی تیاری میں مصروف ہیں لیکن شام تک ان کے نہ ملنے پر انہیں یقین ہو گیا کہ وہ یہاں سے کُوچ کر گئے ہیں۔ دوسرے روز ان کا پیچھا کرنا چاہا تو ہر قبطی گھرانے کا ایک ایک معزز فوت ہو گیا وہ ان کی تدفین وغیرہ میں لگے رہے۔ اس دن فرعون نے شہروں سے بہت بہادر و دلاور

maktabah.org

لوگ بلوائے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ جس رات موسیٰ علیہ السلام قوم کو لے کر چلے، صبح کو اتوار کا دن تھا۔ اسی دن قبطیوں کے اعزہ فوت ہوئے وہ ان کی تدفین میں مصروف ہو گئے تو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی گرفتاری کا حکم جاری کیا۔ دوسرے دن یعنی سوموار کو لشکر جمع کر کے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے تعاقب کے لیے شوریٰ کا اجلاس ہوا۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ یعنی جب فرعون نے شہروں سے امراء اور بھاری لشکر بلوایا تو مجلس شوریٰ کے اراکین نے کہا لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ۝ بنی اسرائیل گنتی کے چند افراد ہیں۔

سوال: مجلسِ شوریٰ کے اراکین نے بنی اسرائیل کو گنتی کے افراد (یعنی معمولی اور نہایت قلیل) بتایا حالانکہ وہ اس وقت چھ لاکھ ستر ہزار افراد تھے اور یہ کوئی معمولی تعداد نہیں۔

جواب: یہ بہ نسبت لشکر فرعون کے معمولی گنتی ہے اس لیے کہ فرعون کا لشکر شمار سے باہر تھا۔

ف: التکملہ میں ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا تو اس وقت اس کے ساتھ دس لاکھ گھوڑے تھے اور اس کا مقدمۃ الجیش ستر لاکھ افراد پر مشتمل تھا۔

حلِ لغات: الشرذمۃ مختصر سے گروہ کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد قلیلون لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ بہت ہی تھوڑے تھے۔ وہ بایں طور کہ بنی اسرائیل کا ہر قبیلہ بہ نسبت دوسرے کے قلیل تھا۔

وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ۝ اور بے شک وہ ہمیں بڑے غصے میں ڈالنے والے ہیں۔

حلِ لغات: الغیظ شدید ترین غصہ کو کہا جاتا ہے اور غضب و غیظ ایک حرارت کا نام ہے جو قلب کے خون کھولنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ ہمارے دین کی مخالفت کر کے ہمیں غیظ و غضب پر مجبور کر رہے ہیں اور مزید برآں یہ کہ انہوں نے ہم سے عاریت کے طور کچھ زیورات و اموال لیے۔ وہ بھی ساتھ لے گئے۔ اس وجہ سے اب ہمارا خون ان کے لیے کھول رہا ہے کہ وہ جہاں بھی مل جائیں ہم ان کو کھا جائیں۔

ف: زیورات اور اموال اس لیے کہ بنی اسرائیل مفلس تو تھے ہی، اور ان دنوں عید منانے کے لیے گھروں میں کچھ نہ تھا اس لیے قبطیوں سے کچھ نقدی ادھار لی اور بنی اسرائیل کی عورتوں نے قبطی عورتوں سے سنگار کے لیے زیورات لیے۔ جب وہ اسی شب یعنی عید گزارنے کے بعد چلے گئے تو بنی اسرائیل کی عورتیں زیورات بھی ساتھ لے گئیں۔ اور بنی اسرائیل چونکہ قبطیوں کے نوکر اور غلام تھے قبل ازیں باہر جاتے تھے تو قبطیوں سے اجازت لے کر جاتے تھے اس دفعہ ان سے اجازت لیے بغیر چلے گئے۔ قبطیوں کو ان کے مال اور زیورات ساتھ لے جانے کے علاوہ ان کے بلا اجازت چلے جانے پر بھی بہت غصہ آیا۔

وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ۝

حلِ لغات: شے کے مجموعہ کو جمیع و جمع و جماعۃ کہا جاتا ہے۔ الحذر بمعنے الاحتراز عن مخیف (ڈراؤنی شے سے بچنا)

marfat.com

اب معنی یہ ہوا کہ ہم ان کے لیے ایک ایسی خطرناک ترین جماعت ہیں کہ جس سے وہ ہر وقت گھبرائے رہتے تھے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل اقلیت میں تھے اور فرعون کے متبعین لا تعداد۔ اسی لیے قبطی ان کو بہ نظرِ حقارت دیکھتے اور ان کو کسی گنتی میں نہیں لاتے تھے۔ اور پھر ان کے وہم وگمان میں نہ تھا کہ بنی اسرائیل کبھی اقتدار پر آسکیں گے۔ اور قبطیوں پر ان کا غلبہ ممکن ہی نہیں تھا۔ لیکن اب ایسا کام کر دکھلایا جس سے قبطیوں کے غصّہ کی آگ اور بھڑکی۔ وہ کہتے ہم ایک علیم قوم ہیں اور غیظ وغضب ہمارا شیوہ ہے اور جس بڑے سے بڑے کام کا ارادہ کرتے ہیں اسے کرگزرتے ہیں۔ کوئی ہمیں چھیڑتا ہے تو پھر ہم اسے ہرگز نہیں چھوڑتے۔ یہ تقریر فرعون کی ہے جسے اہلِ مدائن کے سامنے بیان کیا تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ بنی اسرائیل سے خوف زدہ ہے۔

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ حاذرون بمعنے ہتھیاروں والے اور جنگی سازوسامان اور امورِ جنگ کو بخوبی جاننے والے، بخلاف قومِ موسیٰ کے کہ وہ نہ تو ہتھیار رکھتی اور نہ جنگی امور سے واقف۔ اس معنی پر حاذر بمعنی جنگ کے لیے تیار رہنے والا۔ (کذا فی الصحاح)

فَاَخْرَجْنٰهُمْ پس ہم نے فرعون اور اس کی قوم کو نکالا بایںطور کہ ان کے دل میں خیال ڈالا کہ وہ بنی اسرائیل کو پکڑنے کے لیے یہاں سے نکلیں۔

سوال: فرعون اور اس کی قوم نکلی تو تھی اپنے اختیار سے لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب فرمادیا۔

جواب: یا تو اس لیے کہ ہر فعل کا خالق وہی ہے یا یہ اسناد مجازی ہے۔

مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ۝ باغات سے جو دریائے نیل کے دونوں کنارے پر پھیلے ہوئے تھے اور پانی کے چشموں سے۔

حلِ لغات: المفردات میں ہے کہ پانی کے چشمے کو آنکھ سے تشبیہ دی گئی ہے اور وجہِ تشبیہ جریان الماء ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ یہاں عیون سے نہریں مراد ہیں۔ کاشفی نے مطلقاً بہنے والا پانی مراد لیا ہے۔

وَّكُنُوْزٍ اور خزانوں یعنی ظاہری مال، سونا چاندی وغیرہ۔ اسے کنز اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے حقوقِ الٰہی ادا کئے جاتے ہیں اگرچہ وہ زمین کے اوپر بھی پڑے ہوں۔ جس سے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا نہ کیے جائیں وہ کنز نہیں خواہ وہ ساتوں زمینوں کے نیچے ہو۔ دراصل مالِ مجموع ومحفوظ کو کنز کہا جاتا ہے۔

کنوز و رکوز میں فرق رکاز وہ مال جو زمین میں ہو۔ پیدائشی طور یا کسی نے خزانہ بنا رکھا ہو۔ معدن وہ مال جو زمین میں پیدائشی طور پر ہو۔ کنز وہ مال جو کسی نے خزانے کے طور جمع کر رکھا ہو۔

مصر کے خزانے خریدۃ العجائب میں ہے کہ مصر کی زمین میں بکثرت خزینے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے اس کی زمین کے اکثر حصّوں میں سونا مدفون ہے۔ یہاں تک کہ یہ بھی مشہور ہے کہ اس کا کوئی حصہ ایسا نہیں

marfat.com

جو دفینوں سے خالی ہو۔

وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ اور حسین منزلیں اور بہترین مجلسیں۔

ف : سہیلی نے کتاب التعریف والاعلام میں لکھا کہ اس سے ارضِ مصر کا فیوم مراد ہے، جیسا کہ مفسرین نے فرمایا ہے۔ الفیوم بمعنے الف یوم (ہزار دن) (کذا فی التکملہ) اور یہ ایک بہت بڑا شہر ہے جسے حضرت یوسف صدیق علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے بنایا اور اس کی ایک ایسی نہر تھی جو عجائبِ دنیا میں سے ایک تھی وہ دریائے نیل سے متصل ہوتی تھی اور سردیوں میں منقطع ہو جاتی تھی۔ اس شہر سے تین سو ساٹھ بستیاں ملحق تھیں جو سب کی سب سرسبز و شاداب تھیں۔ اس نہر کا زیادہ تر پانی انہی بستیوں میں کھپ جاتا اور یوسف علیہ السلام نے اسے سال کے دنوں کے برابر تیار کرایا تھا۔ جب قحط پڑتا تو ہر بستی مصر کی تمام آبادی کے اخراجات کی کفیل ہوتی۔ ارض الفیوم میں بہت بڑے باغات اور درخت اور میوہ جات نہایت لذیذ تھے۔ اس میں کماد بکثرت پیدا ہوتا تھا۔

كَذٰلِكَ ؕ جیسے فرعون اور اس کی قوم کا مصر سے نکالنا عجیب و غریب تھا ایسے ہی یہ اخرجنا کا مصدر تشبیہی ہے۔

ف : حضرت ابو اللیث نے اس کا ترجمہ یوں کیا کہ : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم یونہی کرتے ہیں اس کے ساتھ جو ہماری نافرمانی کرے۔

وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۝ؕ اور ہم نے ان باغات اور چشمہ جات اور خزائن اور مقام کریم کا مالک بنا دیا بنی اسرائیل کو، جیسے وارث مورث کی جائداد کا کامل مکمل مالک ہوتا ہے ایسے ہی بنی اسرائیل فرعون اور اس کی قوم کے مالک بنے۔ گویا یہ اس وقت سے مالک بن گئے جب سے فرعون اور اس کی قوم گھروں سے نکلی، اگرچہ اس پر قابض بعد میں ہوئے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کی قوم کے باغات، چشمہ جات اور خزائن اور مکانات کا وارث بنایا۔ مروی ہے کہ قبطیوں کی تباہی کے بعد بنی اسرائیل مصر میں آ کر ان کی تمام جائداد پر قابض ہو گئے۔ لیکن صحیح تر یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہی بنی اسرائیل کو مصر کا کامل طور پر قبضہ میسر آیا جیسا کہ طبری نے لکھا کہ وہ اگرچہ قبطیوں کی جائداد کے مالک ہوئے لیکن مصر میں واپس نہ آئے بلکہ ملک شام میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔

فرعون کی دریائے نیل کی طرف روانگی

جب فرعون نے لشکر کو آراستہ و پیراستہ کر لیا تو ساٹھ ہزار افراد مقدمۃ الجیش مقرر کیے ساٹھ ہزار میمنہ اور ساٹھ ہزار میسرہ اور ساٹھ ہزار ساقہ پر مقرر کر کے خود گھنے لشکر کے درمیان چلا گیا اور لشکر سر تا پا لوہے کے لباس سے ملبوس اور دریا کی

marfat.ocm

موج کی طرح تیز رفتار تھا ان کا خیال تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے خون سے ہولی کھیلیں گے۔

فَأَتْبَعُوهُمْ (پس فرعونیوں نے ان کا پیچھا کیا)

حلِ لغات: ہمزہ قطعی ہے، جیسے کہا جاتا ہے: اتبعه اتباعا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے ساتھ ملنے کی طلب میں ہو۔ وتبعه تبعا یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے پاس سے گزرے۔

اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے فرعون اور اس کے لشکر کے نکالنے اور ان کے ملک کو بنی اسرائیل کے قبضہ میں دینے کا ارادہ کیا تو وہ قبطی گھروں سے نکل پڑے اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو جا ملے مُّشْرِقِينَ ○

حلِ لغات: یہ اشرق واصبح و امسی و اظھر کے قبیل سے ہے بمعنے شروق و صبح و مسا، و ظہیرہ میں داخل ہوا یعنی وہ صبح اشراق کے وقت داخل ہوئے۔ یہ فاعل یا مفعول دونوں سے حال ہے کیونکہ دخول مذکور ہر ایک سے متعلق ہے۔

ف: وہ قبطی بنی اسرائیل کو صبح کے وقت جا ملے اس وقت بنی اسرائیل دریائے قلزم کے کنارے تک پہنچ چکے تھے اور ارادہ کر رہے تھے کہ اب دریائے قلزم کو کیسے عبور کریں عین اس وقت ان کے پیچھے فرعون بھی لشکر لے کر دریائے قلزم تک پہنچ گیا۔

فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعٰنِ پس جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے قریب ہوئے یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا لشکر مراد ہے۔

حلِ لغات: ترئی باب تفاعل بمعنے ایک دوسرے کو دیکھنا اور ایک دوسرے کے برابر میں گرنا۔ (کذا فی التاج)

قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ○ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا کہ دشمن ہمارے پیچھے آچکا ہے، وہ ہمیں خوب ستائے گا، اس سے مقابلہ کی ہمیں طاقت بھی نہیں اور بھاگنے سے بھی رہے، کیونکہ آگے دریا ہے۔ قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: كَلَّا ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ ایسی باتیں چھوڑ دو اور تسلی رکھو کہ دشمن تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کیونکہ میرے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ تمہیں نجات بخشے گا۔

اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ بے شک میرا پروردگار مدد کرنے، حفاظت کرنے اور مہربانی کرنے میں میرے ساتھ ہے۔

فائدہ صوفیانہ: حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی عنایت پہلے ہوئی یا رعایت۔ فرمایا کہ عنایت اس وقت ہوئی تھی جب انسان کا گارہ بھی تیار نہ ہوا تھا (اور رعایت بعد کو)۔

سَیَھْدِیْنِ ○ مجھے نجات کے راستہ کی رہبری عطا فرمائے گا۔

marfat.com

حبیب و کلیم میں فرق محققین نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کلام میں معیت کو پہلے بیان کیا [1] کما قال : ان معی ربی (بے شک میرے ساتھ میرا پروردگار ہے) اور ہمارے حضور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام میں اللہ تعالیٰ کا نام پہلے اور اپنی معیت بعد کو بیان کی ۔ چنانچہ فرمایا :

ان اللہ معنا ۔ (بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے)

تاکہ عارفین کے قلوب روشن ہوں کہ کلیم اللہ علیہ السلام نے پہلے اپنے آپ کو پھر اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور یہ مرید کا مقام ہے اور حبیب علیہ السلام نے پہلے حق کو پھر اپنے آپ کو دیکھا اور یہ مقامِ مراد ہے ۔ مُرید وُہ ہوتا ہے جس کے ہر حکم کی پابندی لازمی ہے اور مراد وُہ ہے کہ جو اس کے منہ سے نکلے اسے پُورا کیا جائے ؎

این یکی را روے او در رُوے دوست
وآں دگر را روے او خود رُوے اوست

ترجمہ : ایک وُہ جس کا منہ دوست کی جانب ہے دوسرا وہ ہے کہ اس کے منہ کی جانب ہی دوست کی توجہ ہو ۔

نکات

(۱) کشف الاسرار میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو اکیلا پاکر کہا : معی ربی ۔ ورنہ انہیں ان اللہ معنا کہنا چاہیے تھا ۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی خودی کو پیشِ نظر رکھا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ جانتے تھے (جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے ہمارا عقیدہ ہے، کہ انہیں بعطائے الٰہی علمِ غیب حاصل ہوتا ہے) کہ بعد کو ان کی قوم گوسالہ پرستی کرے گی اس لیے صرف اپنے آپ کو مقدم فرمایا اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یارِ غار سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ ملایا چنانچہ فرمایا :

ان اللہ معنا ۔ (بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے)

(۲) موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لیے اپنے رب کی معیت کا دعویٰ کیا ۔ کما قال :

ان معی ربی سیھدین ۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لیے اپنی معیت کا اظہار فرمایا ، کما قال تعالیٰ :

---

[1] جیسے اس کلام میں محققین کو فخر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اللہ کا نام لیا اسی لیے افضل المرسل ہیں ہمیں اعلحضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی کے ترجمۂ قرآن پر فخر ہے کہ بسم اللہ جیسی اور ترکیب قرآنی میں پہلے اللہ کا نام لکھا بعد میں مفہوم بخلاف دوسرے تراجم کے کہ ان میں اللہ کا نام بعد میں ہے اور مفہوم پہلے ۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

ان اللہ مع الذین اتقوا۔

(۳) موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کہا اللہ تعالیٰ نے اسے پُورا فرمایا کہ انھیں نجات بخشی اور دشمن کے مکر و فریب سے بچایا لیکن ادھر امتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خود وعدہ فرمایا اور پھر اسے پُورا کر دکھلایا اور انھیں گناہوں کے غم سے نجات بخشی اور انہیں اپنی رحمت و مغفرت تک پہنچایا۔

حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خفیہ ایمان لانے والا راستے میں موسیٰ علیہ السلام کے آگے آگے تھا، پُوچھا، کہاں جا رہے ہو آگے دریا ہے پیچھے فرعون، کیسے نجات پاؤ گے؛ آپ نے فرمایا میں کیا کر سکتا ہُوں مجھے جیسے حکم ہوا ہے اسی طرح کر رہا ہُوں، آگے اس کی مرضی جو چاہے کرے۔

دعائے موسیٰ علیہ السلام حضرت عبداللہ بن سلام سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام دریائے نیل کے کنارے پر پہنچے تو دُعا مانگی:

یا من کان قبل کل شیٔ والمکون لکل شیٔ والکائن بعد کل شیٔ اجعل لنا مخرجا۔

(اے وہ ذات جو سب سے پہلے تھی اور ہر شے کو پیدا کرنے والی اور ہر شے کے بعد بھی باقی رہے گی، ہمارے لیے راستہ کھول دے)

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

الا اعلمك الکلمات التی قالھن موسیٰ حین انفلق البحر۔

(میں تمہیں وہ دعا نہ سکھاؤں جو موسیٰ علیہ السلام نے دریا عبور کرتے وقت پڑھی تھی)

میں نے عرض کی، ہاں جی (ضرور سکھائیے)!

آپ نے یہ دُعا پڑھی،

اللھم لك الحمد والیك المشتکی وبك المستغاث وانت المستعان ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

(اے اللہ! تیرے لیے حمد اور تیری طرف شکوہ اور تجھی سے فریاد ہے اور تو ہی مددگار ہے اور نہ ہی تکلیف سے بچنے کی ہماری ہمت ہے اور نہ ہماری کوئی طاقت ہے سوائے تیرے)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ دعا سیکھی ہے اسے کبھی ترک نہیں کیا۔

فَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ پس ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی کی کہ اے موسیٰ! مار دے دریا پر عصا۔ اس دریا سے دریائے قلزم مراد ہے۔ اور دریا کو بحر اس کی وسعت و فراخی کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور بحر القلزم بحر فارس کا ایک حصّہ ہے۔ القلزم بضم القاف

marfat.com

وسکون اللام وضم الزاء مصر کی طرف ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ وہاں سے مصر تک تین روز کا سفر تھا۔ یہ شہر بعد میں ویران ہوگیا۔ اس جگہ کو آج کل (بزمانۂ صاحب روح البیان) سویس کے نام سے پکارتے ہیں جو کہ عجرود (شہر) کے بالمقابل واقع ہے مکہ مکرمہ کے لیے مصر سے جانے والے حجاج وہاں جاکر اترتے تھے۔ اسی کے قریب ہی فرعون اور اس کی قوم بحر قلزم میں غرق ہوئی تھی۔ بحر القلزم سیاہ اور نہایت ہی پُر وحشت دریا ہے اس میں ظاہراً و باطناً کوئی خیر و بھلائی نہیں رکھی گئی۔ اسی دریا کے کنارے شہر مدین آباد ہے۔ یہ بھی ویران ہوگیا ہے۔ اسی میں وہ کنواں ہے جس سے موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تھا لیکن اب یہ بھی ویران ہے۔

ف : کاشفی مرحوم نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے دریا کے کنارے پر پہنچ کر عصا مارا اور دریا کو فرمایا: اے ابوخالہ! ہمیں راستہ دے۔

فَانْفَلَقَ فاء فصیحیہ ہے یعنی اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا۔ فانفلق تو دریا کا پانی پھٹ گیا یعنی دریا چر گیا تو اس میں موسیٰ علیہ السلام کے بارہ گروہوں کی گنتی کے برابر بارہ راستے بن گئے۔ **فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ** تو اس میں ٹکڑا متفرق ہوگیا۔

ف : المفردات میں ہے الفرق و الفلق کا تقریباً ایک ہی معنیٰ ہے لیکن الفلق شے کے چر جانے پر اور الفرق شے کے جدا ہونے پر بولا جاتا ہے۔ اب الفرق کا معنیٰ ہوا ایک ٹکڑا جدا کیا ہوا۔

قاعدۂ تجوید : کل فرق کو تفخیم و ترقیق دونوں طرح پڑھنا جائز ہے لیکن تفخیم اولیٰ ہے۔

كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ○ اونچے پہاڑ کی طرح، یعنی وہ پہاڑ جو آسمان کی جانب اونچا اور اپنے ٹھہرنے کے مقام پہ ثابت اور قائم ہو۔

حل لغات : امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے المفردات میں لکھا ہے الطود عظیم پہاڑ کو کہا جاتا ہے اسے العظیم سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ اس کا ہر حصہ باعظمت تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے بالمقابل کوئی پہاڑ تھا اسی لیے اسے العظیم سے موصوف کیا گیا۔ جب دریا میں راستے بنے تو ہر قبیلہ اپنے لیے ایک راستہ منتخب کرکے چل پڑا۔

ف : کاشفی مرحوم نے لکھا کہ دریا میں آندھی چلی جس سے دریا کے راستے نہایت خشک ہوگئے جس پر بنی اسرائیل آسانی سے گزرتے چلے گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا:

فاضرب لهم طريقا فى البحر يبسا۔

(تو ان کے لیے دریا میں ایک خشک راستہ مقرر کیجئے)

وَاَزْلَفْنَا اور ہم نے بنی اسرائیل کے قریب کردیا۔

marfat.ocm

حلِ لغات: تاج المصادر میں ہے کہ الازلاف بمعنے نزدیک اور جمع کرنا۔ ان دونوں کی تائید اسی آیت سے کی گئی ہے لیکن پہلا معنی احسن ہے۔

ثَمَّ وہاں پر، یعنی جہاں سے دریا پھٹ گیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ موسٰی علیہ السلام کی قوم دُور چلی گئی تو پھر فرعون کی قوم دریا میں پہنچی **الْاٰخَرِیْنَ ۝** دوسروں کو یعنی فرعون اور اس کی قوم کو بنی اسرائیل جہاں سے دریا میں داخل ہوئے وہ بھی دریا کو خشک دیکھ کر اس میں داخل ہو گئے **وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ۝** اور ہم نے موسٰی علیہ السلام کو ان کے سب ساتھیوں سمیت نجات دے دی یعنی وہ سب کے سب دریا میں غرق ہونے سے بچ نکلے جیسے داخل ہوئے تھے ویسے ہی صحیح و سالم سب کے سب بلا کم و کاست باہر نکلے **ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ۝** پھر ہم نے دوسروں کو دریا جاری کر کے ڈبو دیا یعنی جب بنی اسرائیل صحیح سالم دریا سے باہر نکل آئے تو موسٰی علیہ السلام نے چاہا کہ اب دریا اپنی حالت پہ آجائے کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ قبطی اور فرعون اگر دریا کے ان راستوں سے چلے آئے تو پھر ان کی خیر نہیں۔ اس لیے کہ موسٰی علیہ السلام کو حکم تھا اترك البحر رھوا (دریا کو اسی صاف حالت میں چھوڑ دے) کیونکہ فرعون اور اس کی قوم غرق ہونے والی ہے۔ اسی لیے موسٰی علیہ السلام نے دریا کو اسی حالت میں چھوڑ دیا، یہاں تک کہ فرعون اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے غرق کر دیا، جیسا کہ متعدد مقامات پر یہ واقعہ بیان ہوا ہے۔

دن دسواں اور رات گیارھویں مروی ہے کہ جس دن فرعون لشکر سمیت غرق ہوا اور موسٰی علیہ السلام بنی اسرائیل کو نجات کی راہ پر لے گئے پیر کا دن تھا اور محرم کی دس تاریخ تھی۔ موسٰی علیہ السلام نے اس نعمت پر شکرانے کا روزہ رکھا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً بے شک ان تمام تفاصیل مذکورہ بالخصوص نجاتِ موسٰیؑ اور غرقِ فرعون میں البتہ بہت بڑی عبرت ہے عبرت گیروں کے لیے **وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ** اور نہ تھے ان کے اکثر یعنی اہلِ مصر۔ اس سے فرعون اور اس کی قوم مراد ہے **مُّؤْمِنِیْنَ ۝** ایمان لانے والے۔ منقول ہے کہ ان میں سوائے بی بی آسیہ کے ایک بھی اہلِ ایمان نہ تھا ہاں خربیل تو تھا ہی کیونکہ اس کا ذکر قرآن مجید میں مصرح ہے تیسری وہ بی بی مریم بنت ناموشا جس نے حضرت موسٰی علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے مزار کا پتا دیا تھا جب موسٰی علیہ السلام مصر سے ہجرت کر رہے تھے **وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ** اور بیشک تیرا پروردگار البتہ وُہ غالب اپنے اعدا سے بدلہ لے سکتا ہے جیسے فرعون اور اس کی قوم سے بدلہ لیا **الرَّحِیْمُ ۝** مہربان ہے اپنے دوستوں کے لیے، جیسے موسٰی علیہ السلام اور بنی اسرائیل پر مہربانی فرمائی۔

marfat.com

قاعدہ عجیبہ فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ان فی ذٰلک الخ اس سورۃ میں آٹھ بار آیا ہے،
(۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کا ذکر ہے۔

(سوال : تم نے کیسے سمجھا کہ اس میں حضور علیہ السلام کا ذکر ہے؟

جواب : اگرچہ حضور علیہ السلام کا ذکر صراحۃً نہیں البتہ کنایۃً تو ضرور ہے۔

(۲) موسیٰ علیہ السلام کا ذکر

(۳) ابراہیم علیہ السلام کا ذکر

(۴) نوح علیہ السلام کا ذکر

(۵) ہُود علیہ السلام کا ذکر

(۶) صالح علیہ السلام کا ذکر

(۷) لُوط علیہ السلام کا ذکر

(۸) شعیب علیہ السلام کا ذکر

ف : ان اذکار میں جتنے واقعات گزرے ہیں ان میں لفظ اکثر سے کافر مراد ہیں۔

ف : ان مقامات کے علاوہ اور جگہوں پر بھی وماکان اکثرھم مومنین سے کفار مراد ہیں اور عبرت کا حکم ان لوگوں کو ہے جو واقعہ میں موجود تھے یا جو لوگ بعد کو (قیامت میں) آنے والے ہیں۔ اس سے قریش مراد ہیں کیوں کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور دیگر کفار اور حضرات انبیأ علیہم السلام کے قصّے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنے اسی لیے ان کے لیے عبرت کا حکم زیادہ موزوں ہے کیونکہ انھیں یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے سُنے بغیر بیان فرمائے ہیں تو یہ ان کا معجزہ ہے فلہٰذا اس اعتبار سے یہ ان کے لیے ایمان لانے کا موجب قوی تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کرنا یقیناً بذریعہ وحی صادق ہے اور یہ سوائے نبی (علیہ السلام) کے اور کوئی نہیں بیان کرسکتا۔

ف : ان فی ذٰلک لاٰیۃ کے جملہ واقعات ان لوگوں کے لیے بھی عبرت ہیں جو غرق ہُوئے پھر ان کے لیے جنہوں نے انہیں دیکھا اور ایسے ہی بعد کو آنے والوں کے لیے بھی عبرت ہے۔

ف : بعض مفسرین نے لکھا کہ وماکان اکثرھم کی ضمیر ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زمان کافروں کی طرف راجع ہے۔ اب معنیٰ یُوں ہُوا کہ اس قصہ سے پہلے کا بیان بھی ان کے لیے عبرت ہے لیکن ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں یعنی وُہ کافر جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ سُنا۔ ان سے اہلِ مکہ مراد ہیں کیونکہ انہوں نے نہ تدبیر سے کام لیا اور نہ ہی عبرت حاصل کی۔

سبق : اہلِ حق پر لازم ہے کہ وُہ فرعون اور دیگر اقوام کے حالات سے عبرت حاصل کریں تاکہ ان کی طرح

بقیہ ص ۵۷۰

marfat.ocm

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۝٦٩ اِذْ قَالَ

مہربان ہے اور ان پر پڑھو خبر ابراہیم کی جب اس نے

لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝٧٠ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۝٧١

اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا تم کیا پوجتے ہو بولے ہم بتوں کو پوجتے ہیں پھر ان کے سامنے آسن مارے بیٹھے

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۝٧٢ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۝٧٣ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ

رہیں فرمایا کیا وہ تمہاری سنتے ہیں جب تم پکارو یا تمہارا کچھ بھلا برا کرتے ہیں بولے بلکہ ہم نے اپنے

اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝٧٤ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝٧٥ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ

باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا فرمایا تو کیا تم دیکھتے ہو یہ جنہیں پوج رہے ہو تم اور تمہارے اگلے باپ

الْاَقْدَمُوْنَ ۝٧٦ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٧٧ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝٧٨

دادا بے شک وہ سب میرے دشمن ہیں مگر پروردگار عالم وہ جس نے مجھے پیدا کیا تو وہ مجھے راہ دے گا

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۝٧٩ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝٨٠ وَالَّذِيْ

اور وہ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے اور وہ مجھے وفات

يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۝٨١ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝٨٢ رَبِّ

دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا اے میرے

هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝٨٣ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝٨٤

رب مجھے حکم عطا کر اور مجھے ان سے ملا دے جو تیرے قرب خاص کے سزاوار ہیں اور میری سچی ناموری رکھ پچھلوں میں

وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝٨٥ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝٨٦

اور مجھے ان میں کر جو چین کے باغوں کے وارث ہیں اور میرے باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہ ہے

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝٨٧ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝٨٨ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ

اور مجھے رسوا نہ کرنا جس دن سب اٹھائے جائیں گے جس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت

سَلِيْمٍ ۝٨٩ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝٩٠ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ۝٩١ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا

دل لے کر اور قریب لائی جائے گی جنت پرہیزگاروں کیلئے اور ظاہر کی جائیگی دوزخ گمراہوں کے لیے اور ان سے کہا جائے گا

كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝٩٢ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝٩٣ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا

کہاں ہیں وہ جن کو تم پوجتے تھے اللہ کے سوا کیا وہ تمہاری مدد کریں گے یا بدلہ لیں گے تو اوندھا دیئے گئے

هُمْ وَالْغَاوٗنَ ۝٩٤ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ۝٩٥ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ۝٩٦ تَاللّٰهِ

جہنم میں وہ اور سب گمراہ اور ابلیس کے لشکر سارے کہیں گے اور وہ اس میں باہم جھگڑتے ہوں گے خدا کی

marfat.com

إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٩٧﴾ إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٨﴾ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿٩٩﴾

قسم بے شک ہم کھلی گمراہی میں تھے جب کہ تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے اور ہمیں نہ بہکایا مگر مجرموں نے

فَمَا لَنَا مِن شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ

تو اب ہمارا کوئی سفارشی نہیں اور نہ کوئی غمخوار دوست تو کسی طرح ہمیں پھر جانا ہوتا کہ ہم

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٢﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ وَإِنَّ

مسلمان ہو جاتے بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں بہت ایمان والے نہ تھے اور بے شک

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾

تمہارا رب وہی عزت والا مہربان ہے

عذاب میں مبتلا نہ ہوں۔

تفسیر صوفیانہ

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ بے شک تمہارا رب ان لوگوں سے بدلہ لینے پر غالب ہے جنہوں نے اس کی تکذیب کی الرَّحِيمُ بہت بڑا مہربان ہے اسی لیے انہیں مہلت دیتا ہے اور ان کے عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا باوجودیکہ وہ لوگ بڑی بڑی آیات کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن پھر بھی منکر ہو کر عذاب کے مستحق ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرتے ہوئے ان کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔

ف: اس میں نبی علیہ السلام کے لیے تسلی ہے کیونکہ کفار کی تکذیب پر آپ کا قلب مبارک محزون و مغموم ہو جاتا باوجودیکہ معجزات دیکھتے پھر بھی نہ مانتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو سابقہ امم کے مختلف قصے سنائے تاکہ آپ کو تسلی ہو اور آپ ان امور میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کریں یعنی صبر فرمائیں جب آپ کی قوم

ضد و عناد پر اڑ گئی پھر آپ کو کشادگی کا انتظار ہو یعنی دکھ اور تکلیف دفع ہو اور آپ خوش اور راضی ہوں۔ جیسا کہ مشہور ہے:

اصبروا تظفروا کما ظفروا۔

(صبر کرو فتح پاؤ گے جیسے اگلے لوگوں نے فتح پائی)

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

سروش عالم غیبم بشارتے خوش داد
کہ کس ہمیشہ بگیتی دژم نخواہد ماند

ترجمہ: عالم غیب کے فرشتے نے مجھے خوشخبری دی ہے کہ کوئی شخص اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔

marfat.ocm

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ تلاوت سے ہے بمعنے پے در پے پڑھنا اور لفظ قراءت عام ہے۔ یعنی لفظِ قراۃ سے پڑھنا مراد ہوتا ہے اس میں تتابع یعنی پے در پے کی قید نہیں یعنی آپ مشرکین کے سامنے پڑھیے اور اہلِ مکہ کو خبر دیجئے نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۝ ابراہیم علیہ السلام کی عظیم الشان خبر۔ کاشفی نے لکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کی خبر کی خصوصیت اس لیے ہے کہ اہلِ مکہ۔ حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے کی وجہ سے ان کی بات کو خوشی سے سُنتے، بلکہ اپنی اس نسبت پر فخر کرنے کی بنا پر ان کی خبر سے متاثر ہوتے۔

اِذْ یہ نباء کا ظرف ہے قَالَ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا لِاَبِيْهِ اپنے اَب یعنی چچا آذر کو۔ اس کا قصہ پہلے گزرا ہے۔ اس کا نام تارخ تھا وَقَوْمِهٖ اور اپنی قوم یعنی اہلِ بابل بروزن صاحب عراق میں ایک جگہ کا نام ہے اسی طرف سحر منسوب ہے قوم دراصل صرف مردوں کی جماعت کو کہا جاتا ہے جس میں عورتیں شامل نہیں ہوتیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الرجال قوامون علی النساء۔

اور قرآن مجید میں عام طور پر مرد و عورت دونوں مراد ہوتے ہیں۔ (کذا فی المفردات)

مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وہ کیا شے ہے جس کی تم پرستش کرتے ہو۔

سوال: ابراہیم علیہ السلام کو تو علم تھا کہ یہ بتوں کے پجاری ہیں پھر سوال کیوں کیا؟

جواب: تاکہ انھیں تنبیہ ہو جائے کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں۔

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا انہوں نے کہا ہم بُتوں کی پرستش کرتے ہیں اور یہ ہیں پیتل، سونے، چاندی، تانبے، لکڑی اور لوہے کے۔ یہ بہتر بت تھے۔ (کشف الاسرار)

ف: صنم وہ ہے جو پتھر وغیرہ سے آدمی کی صورت میں تیار کیا جائے۔ (فتح الرحمٰن)

مفردات میں فرمایا کہ صنم وہ مجسمہ جو سونے یا پیتل سے بنا کر پُوجا جائے۔ اور وثن وہ ہے جو پتھر سے تیار کر کے پُوجا جائے۔

کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ یہاں پر مطلقاً بُت مراد ہیں انہوں نے مختلف صورتوں پر مختلف اشیاء سے تیار کر کے ان کی پرستش پر مداومت اختیار کی۔

چنانچہ فرمایا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۝ پس ہم ان کے لیے بیٹھے رہیں گے۔

سوال: جواب کے لیے کفار کا اصناما کہنا کافی تھا اگلی عبارات بڑھانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ طویل عبارت سے فصاحت و بلاغت کو نقصان پہنچتا ہے۔

جواب: فعل کے اظہار سے اور فعل دوام کی تصریح سے اپنے عمل پر فخر و ناز سے کہہ رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ ہم اس عمل سے خوش و خرم ہیں۔

۲، لغات: ظللت (بالکسر) اعمل کذا ظلولا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی دن کو

marfat.com

عمل کرے۔ اس عمل میں رات کے وقت کو دخل نہیں ہوتا۔

سوال : یہ تو ان کی عبادت کے خلاف ہے کیونکہ ان کی پرستش صرف دن کو نہیں بلکہ ہر وقت (دن رات) جاری رہتی۔

جواب : یہاں پر ظلول سے دوام مراد ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم اپنے بتوں کی پرستش پر مداومت و ملازمت رکھیں گے۔

حلِ لغات : العکوف بمعنے اللزوم ۔ اسی سے المعتکف ہے ۔ کیونکہ اعتکاف والا قربتِ الٰہی کی نیت سے مسجد میں بیٹھنے پر ملازمت و مداومت کرتا ہے۔

سوال : عکوف کا صلہ علیٰ ہوتا ہے لیکن لام کیوں لائی گئی ہے ؟

جواب : اس میں ایک زاید معنیٰ کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے گویا یُوں کہا گیا ہے کہ پس ہم ان بتوں کے لیے ان کی عبادت کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے گرد چکر لگاتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے ماں سے پُوچھا حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو ماں نے غار میں جنا اور وہیں آپ کی تربیت ہوتی رہی۔ جب آپ جوان ہُوئے ، غار سے نکل کر شہر میں آئے اور ماں سے پُوچھا : ان شہر والوں کا کیا مذہب ہے ؟

ف : اسی لیے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ مسافر جس شہر میں جائے اس کو چاہیے کہ وہ اس شہر والوں کے مذہب کے متعلق سوال کرے اگر وُہ بد مذہب ہوں تو ان کو صحیح اور حق مذہب کی تلقین کرے۔

ربط : جب ابراہیم علیہ السلام نے ان شہر والوں سے بُتوں کے متعلق سوال کیا اور انہوں نے ان کی پرستش کا دم بھرا تو آپ نے انہیں بتوں کے عیوب بتلائے۔

چنانچہ فرمایا : **قَالَ** یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے **هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ** ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کیا وہ تمہاری دُعا کو سنتے ہیں ۔ یہاں مضاف محذوف ہے۔

سوال : تم نے مضاف کا محذوف ہونا کہاں سے سمجھا ؟

جواب : کُفر تو سننے کی شے نہیں اس لیے سُننے کے لائق دُعا ہوتی ہے اور وہی ہم نے کہا۔

سوال : یسمعون کا صیغہ ذوی العقول کے لیے مستعمل ہے اور بُت تو غیر ذوی العقول تھے۔

جواب : چونکہ بُت پرست انہیں ذوی العقول سمجھتے تھے اسی لیے ان کے گمان پر ان پر ذوی العقول کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

(اور یہ قاعدہ ہر جگہ استعمال ہوگا اس سے مخالفین یعنی وہابیہ و دیوبندیہ اور دیگر گمراہ کن فرقوں کا

marfat.ocm

رد ہے کہ وہ ایسے صیغے انبیاءِ عظام و اولیاءِ کرام کے لیے استعمال کر کے عوام کو یوں دھوکا دیتے ہیں کہ ایسی آیات میں بُت مراد نہیں کیونکہ وہ غیر ذوی العقول ہیں، اور صیغے ذوی العقول کے ہیں۔ تفصیل فقیر کی کتاب "احسن التقریر" و "احسن التحریر" و "تفسیر اویسی" میں دیکھئے)[1]

اِذْ تَدْعُوْنَ جب تم انہیں پکارتے ہو یعنی جب تم اپنی ضروریات ان سے مانگتے ہو تو کیا وہ تمہیں۔ ان کا جواب دیتے ہیں یا تمہاری ضروریات پُوری کرتے ہیں اَوْ یَنْفَعُوْنَكُمْ یا وہ تمہاری عبادت پر تمہیں نفع پہنچاتے ہیں (اس سے معلوم ہوا کہ تدعون میں دعا بمعنے عبادت ہے جیسا کہ اہلسنت کا مسلک ہے بخلاف وہابیہ دیوبندیہ کے کہ وہ ایسی آیات میں دُعا بمعنی عبادت نکال کر تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں تفصیل کتبِ مذکورہ میں دیکھئے)[2] اَوْ یَضُرُّوْنَ یا وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں جب تم ان کی پرستش چھوڑ دو کیونکہ عبادت کے لیے نفع کا حصول اور ضرر کا دفع ضروری ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا جواب نہ دے سکے تو تقلیدِ آباد کا سہارا لیتے ہوئے جواب میں کہا قَالُوْا بت پرستوں نے کہا ہم نے بتوں سے اپنے سوالات کے جوابات تو نہیں سُنے اور نہ ہی ان سے کبھی نفع پایا یا نہ نقصان بَلْ وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ بلکہ ہم نے آباؤ اجداد کو ایسے کرتے دیکھا ہے كذالك فعل یَفْعَلُوْنَ ○ کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ وجدنا کا مفعول ثانی ہے یعنی چونکہ ہمارے آباؤ اجداد بتوں کی پُوجا کرتے تھے اسی لیے ان کی اقتداء میں ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ یُوں انہوں نے اقرار کر لیا کہ وہ نہ تو بتوں سے کوئی بات سنتے ہیں نہ ان سے نفع پاتے ہیں نہ نقصان۔ بلکہ مجبوراً کہہ بیٹھے کہ ان کے پاس بُت پرستی پر کوئی دلیل نہیں سوائے تقلیدِ آباء کے ؎

خواہی بسوئے کعبہ تحقیق رہ بری
پے بر پے مقلد گم کردہ رہ مرو

ترجمہ: تم چاہتے ہو کہ کعبۂ تحقیق کی طرف راہ پا جاؤ تو مقلد گم کردہ رہ کے پیچھے نہ چلو۔

قَالَ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا اَفَرَءَیْتُمْ تو کیا تم نے دیکھا اور غور بھی کیا، یا کیا تم نے تامل کر کے کچھ سوچا بھی مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ○ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ○ کہ کس کی پُوجا کرتے ہو، تم اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد یعنی تم نے صحیح طریقہ سے سوچا اور غور کیا کہ کبھی باطل بھی حق ہو سکتا ہے؟ اگرچہ باطل کے پجاری بہت بڑی تعداد میں ہی کیوں نہ ہوں اور عرصہ دراز سے ان کی عبادت کی جا رہی ہو۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ [2] ایضاً

marfat.com

ف : ما موصولہ میں بُت مراد ہیں۔

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ جب انہیں تنبیہ کی گئی کہ ان کو ان بُتوں کی پرستش کا کوئی علم نہیں۔ اب ان کا حال بتاتے ہو جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ ان کا حال یہ ہے کہ وہ تو میرے دشمن ہیں۔ یعنی اگر تم بتوں کی حقیقت کو نہیں سمجھتے اور نہ ہی تم اس پر غور کر سکتے ہو تو تم یقین کر لو کہ بُت نہ صرف میرے دشمن ہیں بلکہ اپنے پجاریوں کے بھی دشمن ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے ایسا نقصان پہنچے گا جیسا کسی اور وجہ سے نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی ان کی وجہ سے انہیں جہنم میں جانا ہوگا اور یہی سب سے بڑا نقصان ہے۔

سوال : بُت تو پتھر محض تھے، دشمنی تو وہ کر سکتا ہے جس میں عقل و شعور ہو۔

جواب : استعارۃً کہا گیا ہے جس کی مختصر تقریر اوپر گزری ہے۔

سوال : بتوں کو صرف ان کا دشمن ہی کیوں بتایا حالانکہ وہ ان (ابراہیم علیہ السلام) کے بھی دشمن تھے؟

جواب : کنایۃً ان کا نام بھی اس مضمون میں شامل ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے جس مضمون کو تعریضاً وکنایۃً ذکر کیا جائے وہ نصیحت کے متعلق زیادہ نافع ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ انسان جب خیر میں اپنا نام پہلے پیش کرے تو اس کی نصیحت زیادہ قابلِ قبول ہوتی ہے۔

ف : فرّاء نے فرمایا کہ از قبیل مقلوب ہے اس لیے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں ان کا دشمن ہوں۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جس کا تو دشمن ہوگا لازماً وہ بھی تیرا دشمن ہوگا۔

سوال : بُت تو بہت تھے، ھُمْ کی ضمیر بھی بتاتی ہے لیکن عدو کا صیغہ واحد کیوں؟

جواب : یہ مصدر ہے اور مصدر کا صیغہ واحد اور جمع دونوں طرح جائز ہے یا یہ صیغہ نسبتی ہے یعنی وہ بت ذی عداوت ہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے تامر یعنی ذو تمر، اب اشکال نہ رہا۔

اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ یہ استثناء منقطع ہے اِلّا بمعنے لکن ہے۔ یعنی لیکن رب العالمین الیسا نہیں ہے وہ میرا دشمن نہیں بلکہ دنیا و آخرت میں میرا مہربان ہے ان دونوں کے منافع سے ہر لحظہ مجھ پر فضل و کرم فرماتا رہتا ہے۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام اس وقت اپنے آپ کو مقامِ خلّت میں دیکھ رہے تھے یہ ایسا مقام ہے کہ خلیل تمام مخلوق سے علیحدہ ہو کر اس کو اپنا دشمن اور اپنے پروردگار محبوب کو دیکھ رہے تھے۔

سبق : یہ ابراہیم علیہ السلام کی کمال محبت کی دلیل ہے کیونکہ انسان پر لازم ہے کہ سوائے حق کے کسی سے محبت نہ کرے۔

marfat.ocm

نسخۂ رُوحانی حضرت سمنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں جسے عالمِ اکوان میں دیکھا نہیں جا سکتا اس سے محبت لائق نہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھے تاکہ اسے محبوبِ حقیقی کی محبت اور جملہ عالم سے انقطاع اور وصالِ محبوبِ حقیقی نصیب ہو۔ دیکھیے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کیا فرماتا ہے فانھم عدو لی الا رب العالمین ؂

ہجرت الکل فیک حتی صح لی الاتصال

بہجر ماسوی باید طلب کردن وصال او

کن من الخلق جانبا وارض اللہ صاحبا

قلب الخلق کیف شئت تجدہم عقاربا

ترجمہ: تیرے لیے میں نے سب کچھ چھوڑ دیا تاکہ مجھے تیرا وصال نصیب ہو۔ ماسوی کا ترک لازم ہے اس کے وصال کی طلب میں۔ مخلوق سے علیحدگی اختیار کر، اللہ تعالیٰ کی مصاحبت سے راضی ہو جا۔ مخلوق کا تصور الٹ دے کیونکہ تو اسے ہر لحاظ سے بچھو پائے گا۔

صاحبِ روح البیان کی تقریر فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ دشمن دشمن کو آنکھ چرا کر دیکھتا ہے بلکہ دیکھتا ہی نہیں کیونکہ دشمن کی طرف قلبی میلان کا فقدان ہے اس سے لازم ہے کہ ماسوی اللہ سالک کا دشمن ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ غیر کو بالکل نہ دیکھے اگر دیکھے تو عبرت کی نگاہ سے۔

لطیفہ انسان میں اللہ تعالیٰ نے دو آنکھیں بنائی ہیں۔ دائیں آنکھ میں ملکوت کی طرف اشارہ ہے اور بائیں میں ملک کی طرف۔ جب بائیں آنکھ ملک کی طرف کھلی رہے گی تو دائیں آنکھ ملکوت سے محجوب رہے گی اور جب ملکوت کی طرف آنکھ دیکھتی رہے گی تو سالک جبروت و لاہوت سے محجوب رہے گا۔ بنابریں سالک پر لازم ہے کہ وہ دونوں آنکھوں کو ملک و ملکوت کی طرف بند رکھے اس معنیٰ کو ملحوظ رکھنے پر انسان کو جبروت و لاہوت تک پہنچنے کا موقع نصیب ہوگا کیونکہ انسان کا مقصودِ اعظم اور اصلی مطمحِ نظر یہی ہے۔

دعا: اللھم اشغلنا بك عمن سواك۔

(اے اللہ! ہمیں ماسوی اللہ سے دور کر کے اپنی ذات کا شغل نصیب فرما)

یہ دعا اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ ماسوی اللہ میں تجلیات کے آثار بھی شامل ہیں پھر بقولِ شما آثارِ تجلیات بھی دشمن اور غیر ہوں حالانکہ یہ بالکل مقصد کے خلاف ہے۔

جواب: واقعی آثارِ تجلیات غیر ہیں لیکن ان میں مراتب کا اشارہ ہے اور سالک پر لازم ہے کہ وہ مراتب سے

marfat.com

بھی عبور کرے کیونکہ مراتب سالک کا مقصد نہیں بلکہ مقصد ذاتِ حق ہے۔ اور چونکہ یہ مراتب بھی ایک عارضی توجہ کا مرکز ہیں اور صنم بھی ایک توجہ کا مرکز ہے اسی لیے اس غیریت کی بنا پر سالک کی دشمن اور تعلق ما سوی اللہ ہے۔ اسی لیے ان کا ترک لازم ہے لیکن سالک تو ہر شے میں حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے اور غیر اللہ سے تعلق توڑتا ہے۔ اس معنی پر اس کا ہر دشمن بھی صدیق ہے ؎

جہان مرآت حسن شاہد ما ست

فشاہد وجہہ فی کل ذرات

ترجمہ: یہ تمام جہان ہمارے محبوب کے حسن کا آئینہ ہے اس لیے ہر ذرہ میں محبوب کی ذات کا مشاہدہ کیجئے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ وہ جس نے جملہ مخلوق کو پیدا کیا۔ یہ رب العالمین کی صفت ہے۔ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ مجھے صلاحِ دارین کی طرف اپنی ہدایت سے راستہ دکھاتا ہے یعنی اس کی وُہ ہدایت جو مخلوق سے متصل ہے نفخ صور کے بعد استمراراً جاری ہے جیساکہ فاء عاطفہ تعقیبیہ اور مضارع دلالت کرتا ہے اور انسان کی ہدایت کے مبدأ پیدائش سے پہلے پیٹ میں سے یُوں جاری ہُوئی کہ پیٹ میں ماہواری کا خون چوسنا شروع کر دیا اور اس کا انتہاء طریق جنت اور اس کی نعمتوں کو حاصل کرنے تک ہے۔

تفسیر صُوفیانہ فھو یھدین میں اسی طرف اشارہ ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ جملہ اسباب ظاہرہ کو منقطع کرے اور نبوت و ولایت و خلت کے کمالات حاصل کرے۔ بلکہ اس میں ازلی برگزیدگی کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ جملہ مقامات اختصاصیہ عطائیہ غیر کسبیہ ہیں جو فیض اقدس اور اس کے ظہور سے محصول شرائط و اسباب عین ثابتہ کو حاصل ہوتے ہیں لیکن یہ اسباب محجوب ہیں جن سے گمان ہوتا ہے کہ یہ مراتب کسبی ہیں جو شاید عمل کرنے سے نصیب ہوں۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

قومے بجہد وجد نہادند وصل دوست

قومے دگر حوالہ بتقدیر مے کنند

ترجمہ: ایک گروہ تو جدو جہد سے وصالِ دوست کو حاصل کرنے کا قائل ہے دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ (وصالِ دوست) تقدیر پر موقوف ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْ الخ کا عطف صفت اولیٰ پر ہے اور تینوں مقام پر الذی (اسم موصول) کا تکرار دلالت کرتا ہے کہ ہر جملہ اقتضائے حکم میں مستقل ہے هُوَ يُطْعِمُنِیْ وہی مجھے طعام کھلاتا ہے یعنی ایسی غذا جو قوام بدن کے لیے نافع ہوتی ہے مجھے کھلاتا ہے وَيَسْقِيْنِ ۝ اور وہ جو

marfat.ocm

چاہے مجھے پلاتا ہے یعنی وُہ چیز مجھے پلاتا ہے جو پیاس بجھانے اور تربیت اعضا کا سبب ہے۔ یعنی وہی میرا رزاق ہے اسی لیے تو اسی کے پاس میرا طعام و شراب ہے۔

ف : طعام وسقی سے صرف خلق الطعام والسقی اور ان کی تملیک مراد نہیں بلکہ ان میں وہ جملہ امور داخل ہوں گے جن سے طعام وسقی کے لیے نفع اٹھایا جاتا ہے جیسے کھانے پینے کی خواہش ان کے نگلنے اور چوسنے سے حاصل ہوتی ہے اور ہضم اور دفع وغیرہ۔

ف : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دُعا مشہور ہے :

اللھم اجعل لی ضرسا طحونا و معدۃ ھضوما و دبرا بثورا۔

(اے اللہ! ڈاڑھ چبانے والی اور معدہ ہضم کرنے والا اور دُبر فضلات کو باہر نکالنے والی عطا فرما)

تفسیر صُوفیانہ اس آیت میں توکل ورضا وتسلیم وتفویض وقطع اسباب اور صرف اسی طرف متوجہ رہنے اور ماسوا سے رُوگردانی کے مقام کی طرف اشارہ ہے۔

ف : صاحب بحر الحقائق نے فرمایا : طعام سے وہ ابدیت مراد ہے جس سے دل زندہ رہتا ہے اور شراب صفتِ ربوبیت کی وہ تجلی ہے جس سے ارواح کو تازگی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ طعام سے طعامِ معرفت اور شراب سے شرابِ محبّت مراد ہے۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا : ؎

شراب المحبۃ خیر الشراب
وکل شراب سواہ سراب

ترجمہ : محبۃ کا شراب سب سے بہتر شراب ہے۔ بلکہ اس کے ماسوا جتنے بھی شراب ہیں وہ تمام سراب ہیں۔

حدیث شریف : نیز حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پُر اسرار کلام :

ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی۔

(میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں شب باش ہوتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے)

میں اسی طرف اشارہ ہے۔

؎

ترا نوال دمادم ز خانہ یطعمنی
ترا پیالہ مدام از شراب یسقینی

marfat.com

مرا تو قبلۂ دینی ازاں سبب گفتم

بر دماں کہ "لکم دینکم ولی دینی"

ترجمہ: تجھے یطعمنی کے گھر سے ہر لحظہ لقمے پہنچتے ہیں تجھے یسقینی کے شراب سے پیالے بھر بھر کر پلائے جاتے ہیں چونکہ تُو میرے دین کا قبلہ ہے اس لیے میں لوگوں سے کہا کرتا ہوں تمہارا دین تمہارے لیے میرا دین میرے لیے۔

حدیث شریف میں یطعمنی ویسقینی کے طعام وشراب میں علماً کے دو قول ہیں:

شرح الحدیث (۱) اس سے ظاہری طعام اور پانی مراد ہیں جنہیں منہ کے ذریعے پیٹ کے اندر پہنچایا جاتا ہے کیونکہ طعام وشراب کا حقیقی معنی یہی ہے اور حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لینا مناسب نہیں۔ پھر اس معنی پر کہ یہ طعام وغیرہ بہشتی تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا۔

(۲) اس سے مراد وہ غذا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو اپنے معارف عطا فرمائے۔ مثلاً مناجات کے وقت کی لذت اور قُرب سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور محبت کی نعمت اور دیگر وہ احوال جو قلوب کی غذا میں داخل ہیں۔ ایسے ہی رُوح کی نعمتیں اور آنکھ کی ٹھنڈک اور نفوس کی رونق سب اسی تقریر میں شامل ہیں۔

اہلسنّت کی تائید دربارہ مسئلہ نور و بشر (ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری مثل نہیں بلکہ آپ سراسر نور ہیں آپ کی بشریت نمونۂ بشریت ہے نہ کہ ان کی حقیقت، اس کی دلیل حضرت اسماعیل حقی قدس سرہٗ اپنی تفسیر روح البیان ج ۶ ص ۲۸۴ میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

قال الشیخ الشهیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ انما اکل نبینا علیه السلام فی الظاهر لاجل امته الضعیفة والا فلا احتیاج له الی الاکل والشرب۔

حضرت شیخ شہیر بافتادہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری طور پر امتِ کمزور کی خاطر کھایا ورنہ آپ کو نہ کھانے کی ضرورت تھی نہ پینے کی حاجت تھی۔

(**سوال کا جواب**: اگر محتاج نہ تھی تو پھر بھوک سے پیٹ پر پتھر کیوں باندھے؟ اس کا جواب بھی صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے دیا:

وما روی من انه کان یشد الحجر علی بطنه فهو لیس من الجوع بل من کمال لطافته لئلا یصعد الی الملکوت

اور وُہ جو کہ مروی ہے کہ آپ پیٹ پر پتھر باندھتے تھے تو وہ بھی بھوک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ آپ کی کمال لطافت کی وجہ سے تھا تاکہ

marfat.ocm

بل یبقٰی فی عالم الملک و یحصل لہ الاستقرار فی عالم الارشاد۔
(روح البیان ج ٦ ص ٢٨٣)

آپ کا جسم اطہر ملکوت کی طرف نہ چلا جائے بلکہ آپ کا جسم اطہر عالم ملک میں باقی رہے۔ اور تاکہ آپ کو عالم ارشاد میں استقرار ہو۔

اعجوبہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں بہت سے بزرگوں کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے سالہا سال تک نہ کھایا نہ پیا۔ جب امتیوں کو یہ کمال حاصل ہے تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کمال حاصل ہونا بطریق اولیٰ ہے۔

دلیل: اور ہمارے دعویٰ کی یہی بہت بڑی دلیل قوی ہے کیونکہ ایسے لوگوں کے لیے بشریت کی جملہ آلائش مٹ کر رہ جاتی ہے پھر ان کو عالم قدس کی طرف کشش رہتی ہے۔ اسی لیے وہ عالم بشریت کے عوارض اور ضروریات سے فارغ ہوجاتے ہیں۔

حکایت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں ایک سقا تھا جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں تین دن نصیب ہوئے۔ اور وہ یہ آیت پڑھتا رہا:

وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ اس نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ڈال دیا اور بیہوش ہوگیا۔ اسے خواب میں ایک پیالہ جنت کے شراباً طہورا سے نصیب ہوا جسے اس نے پی لیا۔ اس کے بعد وہ بیس سال سے زیادہ زندہ رہا۔ لیکن اس دوران اس نے خواہش سے نہ کبھی کچھ کھایا نہ پیا۔ (کذا فی کشف الاسرار)

تفسیر عالمانہ وَاِذَا مَرِضْتُ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ تو وہی مجھے بیماری سے شفا بخشتا ہے نہ کہ اطباء۔

نکتہ: یہ اس لیے فرمایا کہ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بیماری اوقات کے اثرات سے ہوتی ہے یا پھر مختلف غذاؤں کے استعمال سے، اور شفا اطباء سے ملتی ہے یا پھر ادویہ سے۔ ابراہیم علیہ السلام نے انھیں سمجھایا کہ بیماری دینے والا بھی وہی ہے اور شفا دینے والا بھی وہی۔

سوال: ابراہیم علیہ السلام نے مرض کو اپنی طرف منسوب کیا ہے لیکن باقی افعال اللہ کی طرف۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: یہ ازراہِ ادب فرمایا۔ جیسے خضر علیہ السلام نے بھی یہی ادب ملحوظ رکھ کر کہا:

فاردت ان اعیبہا۔

اس میں عیب کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے لیکن کارِ خیر میں۔ فرمایا:

marfat.com

فاراد ان یبلغا اشدھما ویستخرجا کنزھما۔

یہ فعل خیر ہے اسی لیے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ ایسے ہی جنّات نے بھی ادب کا لحاظ رکھا۔ چنانچہ،

وانا لا ندری أشر ارید بمن فی الارض ان اراد بھم ربھم رشدا۔

آیت میں شر کی نسبت میں فعل مجہول ہے لیکن خیر میں اللہ تعالیٰ کے نام کی تصریح کی ہے۔

ف : واذا مرضت الخ کا عطف یطعمنی ویسقینی پر ہے۔

سوال : مرض کو اطعام وسقاء کے ساتھ کیوں لایا گیا ہے؟

جواب : چونکہ بیماری عموماً زیادہ کھانے سے پیدا ہوتی ہے اسی لیے اس کے ساتھ لایا گیا ہے۔ قاعدہ مشہور ہے کہ بسیار خوری بیماری لاتی ہے اور بھوک راحت وسرور پیدا کرتی ہے۔

لطیفہ : حکما کہتے ہیں کہ اگر مُردوں سے بات چیت ہوتی تو ان میں سے اکثر یہی کہتے کہ ان کی موت کا سبب زیادہ کھانا ہے۔

ف : حکمت میں ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے میں بھلائی نہیں اگرچہ بھوک کے بعد بھی کھایا جائے۔

ملفوظِ امام جعفر رضی اللہ عنہ حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب میں گناہ کی بیماری سے بیمار پڑتا ہوں تو مجھے توبہ سے شفاء نصیب ہوتی ہے۔

ف : حضرت سلمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اغیار کو دیکھنے سے مرض بڑھتا ہے۔ واحد قہار کے مشاہدہ سے شفاء نصیب ہوتی ہے۔

ف : بحر الحقائق میں ہے کہ تعلقاتِ کونین بیماری ہے شفاء قطع تعلق سے ہوتی ہے۔ لیکن یہ جذبہ عنایت الٰہی سے وابستہ ہے کہ جب کسی سالک کو نصیب ہوتا ہے تو وہ تمام کائنات سے منقطع ہو کر ایک ذات سے وابستہ ہو جاتا ہے یعنی شربتِ تجرید سے دُنیوی تعلق کے مرض سے نجات نصیب ہو سکتی ہے ؎

چہ گویمت کہ چہ خوش آمدی مسیح صفت
بیکنفس ہمہ درد مرا دوا گردد

ترجمہ : میں تجھے کیا کہوں کہ تو مسیح کی طرح کیسے تشریف لایا کہ بیک لحظہ میرے تمام دردوں کا علاج ہو گیا۔

فائدہ صوفیانہ بعض مشایخ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب میں محبوب کی محبت اور اس کے وصال اور دیدار کے شوق میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے اپنے حسن وصال وکشف جمال سے شفا بخشتا ہے ؎

marfat.ocm

بمقدك المبارك زال دائی

و فی لقیاك عجل لی شفائی

ترجمہ : تیری مبارک تشریف آوری سے میری بیماری ٹل گئی اور تیرے دیدار سے مجھے جلدی شفا نصیب ہو گئی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ رفع الرجوع الی الغیر اور دوا سے سکون اور کسی شے سے علاج کرانا بھی کمال تسلیم و رضا کی نشانی ہے۔

ف : کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ یہ وہ مرض نہیں جسے مرض کہا جائے بلکہ یہ ان مرضوں سے ہے کہ جن سے محبوب کا طبع پرسی کے لیے تشریف لانے کی طمع میں اپنے آپ کو بیمار بنا لینا ہے ؎

یود بان یمسی سقیما لعلها

اذا سمعت عنہ سلیمی تراسلہ

ان کان یمنعك الوشاۃ زیارتی

فادخل الیٰ بعلّۃ العوّاد

ترجمہ : وہ چاہتا ہے کہ وہ بیمار پڑ جائے کیونکہ جب محبوبہ سنے گی تو کچھ تو پیغام بھیجے گی۔ اگر میرے ملنے کے لیے تمہیں چغلخوروں کا خطرہ ہے تو میری طبع پرسی کے بہانے تشریف لایا کرو۔

لطیفہ حضرت خلیل کی شفاء مرض میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گویا کہ حاضر ہو کر عرض کرتے کہ آپ کو آپ کا مالک و مولا فرماتا ہے :

کیف انت البارحۃ۔

(اے خلیل (علیہ السلام) ! رات کیسے گزری)

حضرت ابراہیم علیہ السلام جواب میں گویا یوں کہتے : ؎

خرسندم شدم بدانکہ گوئی یکبار

کاے خستہ روزگار دوشت چوں بود

ترجمہ : میں اس سے خوش ہوں کہ اگر تو ایک بار فرما دے کہ اے خستہ روزگار ! تیری رات کیسے گزری۔

حکایت کسی بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ بیمار ہو کر کمزور ہو گئے اور ان کا رنگ پیلا ہو گیا۔ ان سے کہا گیا اجازت ہو تو آپ کے لیے طبیب بلایا جائے تاکہ آپ کا علاج کرے۔ انہوں نے جواب دیا :

marfat.com

طبیب نے تو مجھے بیمار کیا ہے ؎

کیف اشکو الی طبیبی مابی
والذی بی اصابنی من طبیبی

ترجمہ : میں طبیب سے کیا شکوہ کروں کہ میں فلاں مرض میں مبتلا ہوں کیونکہ مجھے جو بیماری ملی ہے اسی طبیب سے ملی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ اور وہ ذات مجھے دنیا کے اجل کے ختم ہونے پر موت دے گی ثُمَّ یُحْیِیْنِ ۝ پھر آخرت میں مجھے اعمال کی جزا کے لیے زندہ فرمائے گی۔

ف : ان دونوں جملوں کے درمیان ثُمَّ کا لفظ لایا گیا ہے اس لیے کہ اماتت و احیا کے درمیان ایک عرصہ گزرے گا۔

نکتہ : اماتت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے سے اس کی نعمت کا اظہار اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ موت بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ اس سے ہی اہلِ کمال کو وصالِ یار اور حیاتِ ابدیہ اور تکالیفِ دنیویہ و مصائبِ شاقہ سے نجات نصیب ہوتی ہے ؎

پس رجال از نقل عالم شادمان
وز بقا اش شادمان ایں کودکاں
چونکہ آب خوش ندید آں مرغ کور
پیش او کوثر نماید آب شور

ترجمہ : مردانِ خدا دنیا سے کوچ کرنے سے خوش ہوتے ہیں۔ ہاں البتہ بچے زندہ رہنے پر خوش ہوتے ہیں۔ اس اندھے پرندے کو کڑوا پانی میٹھا لگتا ہے جس نے آبِ کوثر کی چاشنی نہیں چکھی۔

تفسیر صوفیانہ امام ثعلبی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں کو موت دینا عدل اور زندہ رکھنا فضل ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اماتت سے معصیت اور احیاء سے طاعت میں مصروف رکھنا مراد ہے۔ یا اماتت سے جہل اور احیاء سے عقل کی عطا مراد ہے یا اماتت سے طمع اور احیاء سے تقویٰ و پرہیز گاری کی زندگی بسر کرانا مراد ہے۔ اور اماتت میں فراق کی طرف اور احیاء میں وصال کی طرف اشارہ ہے۔ اور حقائق سلمی میں لکھا کہ روحانیت کی نشانیوں سے محروم رکھتا ہے اور صفاتِ ربانیت سے زندہ فرماتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اماتت کا معنیٰ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ مجھے میری انانیت سے مٹاتا اور اپنی ہدایت سے مجھے زندہ کرتا ہے۔ اسی معنیٰ پر

marfat.ocm

کہا گیا ہے ؎

نخواہم عرفانی را توئی عمر عزیز من
نخواہم جان پرغم را توئی جانم بجان تو

ترجمہ: میں تجھ سے عرفانی نہیں چاہتا کیونکہ تُو ہی تو میری جانِ عزیز ہے اور تجھ سے جانِ پُرغم نہیں چاہتا اس لیے کہ تیری جان میں ہی میری جان ہے۔

اور بعض بزرگوں نے یُوں کہا: ؎

غم کے خورد آنکہ شادمانیش توئی
با کے برد آنکہ زندگانیش توئی
در نسیۂ آں جہاں کجا دل بندد
آنکس کہ بنقد ایں جہانیش توئی

ترجمہ: اسے کا ہے کا غم جس کی خوشی تم ہو۔ وہ کس کے ہاں جائے جس کی زندگی کا سرمایہ تم ہو ادھارے سودے پر اس جہان میں کون دل لگائے جس کا اس آخرت میں نقد سودا تم ہو۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیۡۤ اَطۡمَعُ اور وُہ ذات جس سے میں طمع اور اُمید رکھتا ہُوں اَنۡ یَّغۡفِرَ لِیۡ خَطِیۡٓئَتِیۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ ؕ یہ کہ قیامت میں وہ گناہ بخش دے۔

سوال: جیسے سابقہ مضامین عزم بالجزم سے کہتے چلے آئے اس مقام پہ طمع یعنی صرف امید کے ساتھ مضمون کو ظاہر فرمایا۔

جواب: ادب کو ملحوظ رکھا ہے یا یہ سبق سکھایا ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ از خود ایسے احکام صادر نہ کرے بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے خوف و رجا کے درمیان زندگی بسر کرے نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وُہ بڑا کریم ہے اس سے امید کی جائے تو کرم فرماتا ہے۔ اور خطا کو اپنی طرف منسوب فرمایا یہ آپ کی کسرِ نفسی اور تواضع ہے اور امت کو تعلیم ہے تاکہ گناہوں سے اجتناب کرے اور ہر وقت خوفِ الٰہی میں رہے اور اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی مغفرت کی طلب گاری میں گزارے اور آئندہ ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ سے بچنے کی توفیق مانگے اور نیز اپنے ان خلاف اولیٰ امور کی مغفرت چاہے جو اگر ہم جیسوں سے سرزد ہوں تو معمولی جرائم سمجھے جائیں لیکن وہ اپنے لیے ہزاروں کبائر سے بھی بڑا جرم سمجھتے ہیں۔ جیسے مشہور ہے:

حسنات الابرار سیئات المقربین۔

اور یہ بھی مشہور ہے:

marfat.com

درجاتھم درکات المقربین۔

یعنی ان (ابرار) کے درجات مقربین کے گرے ہوئے مراتب کی مانند ہیں۔

نکتہ: آیۃ میں خطیئتہ سے ابراہیم علیہ السلام کی اپنی خطا مراد نہیں بلکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کی خطا مراد ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے حضور نبی پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی خطاؤں کی مغفرت کی دعا فرمائی۔ (کذا فی التلخیص)

سوال: گناہ کی بخشش تو ہر وقت ضروری ہے خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام نے یوم الدین (قیامت) کے ساتھ معلّق فرمایا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: چونکہ گناہوں کے اثرات اور ان کی جزا کا ترتّب آخرت میں ہوگا اسی لیے یومِ آخرت سے خطرہ اور ڈر رہتا ہے اور یہی مطلب ہے ان کے اس قول کا:

ربّ اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب۔

(اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور میرے والدین کو اور مومنین کو حساب کے دن)

حدیث شریف بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ابنِ جدعان زندگی بھر جاہلیت میں صلۂ رحمی کرتا تھا اور غرباء و مساکین کو کھانا کھلاتا تھا کیا اسے یہ نیک عمل فائدہ دیگے؟

آپ نے فرمایا:

لا انہ لم یقل یوما ربّ اغفرلی خطیئتی یوم الدین۔

(نہیں اس لیے کہ اس نے زندگی میں ایسا لفظ (منہ سے) نہیں نکالا جس سے بخشش کی طلب کا مفہوم نکلتا ہو (یعنی کہنا) اے اللہ! حساب کے دن میرے گناہ بخش دے)

یعنی وہ کافر تھا اسے یومِ آخرت پر ایمان نہ تھا کیونکہ جو بھی یومِ آخرت کا اقرار کرتا ہے وہ اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہے، اسی لیے اسے ایمان کے بغیر عمل صالح کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

ف: ابنِ جدعان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا چچا زاد تھا ابتدائی زندگی میں غریب اور مسکین تھا پھر اسے کہیں سے خزانہ مل گیا جس کی وجہ سے وہ خوشحال ہو گیا اور غرباء و مساکین پر اسی خزانے سے خرچ کرتا تھا اور دوسرے امورِ خیر میں وافر حصّہ لیتا تھا۔

نکتہ: ان امور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم پر حجت قایم کی اور واضح فرمایا کہ جو یہ امور نہیں بجالاسکتا وہ الٰہیتہ کے لائق نہیں۔

ربط: آیاتِ مذکورہ میں ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے الطاف وانعامات کا ذکر فرمانے کے بعد

marfat.ocm

اب اپنے مالک کے آگے مناجات کرتے ہیں۔ چنانچہ کہا:

رَبِّ اے میرے پروردگار! هَبْ لِیْ حُكْمًا مجھے علم و عمل کا کمال عطا فرما تاکہ اس کی وجہ سے خلافت حق و ریاست خلق کی استعداد حاصل کر سکوں اس لیے کہ اگر کوئی علم تو رکھتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتا تو اسے حکیم نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اسے حکم حاصل ہے نہ حکمت وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ اور مجھے صالحین سے ملا دے اور ایسے علوم و اعمال و اخلاق کی دولت عطا فرما جس سے مجھے زمرۂ کاملین راسخین فی الصلاح میں داخل ہونا نصیب ہو اور کبائر و صغائر سے حاصل ہو یا یہ کہ مجھے اور انہیں بہشت میں جمع فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ خود فرمایا:

و انہ فی الآخرۃ من الصالحین۔

(اور بیشک وہ آخرت میں صالحین میں سے ہوں گے)

اور باقی ایسی بحث سورۂ کہف کے اواخر میں گزر گئی۔

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝ اور آخر میں آنے والے لوگوں کے ہاں میری سچی شہرت بنا۔ یعنی ان کے ہاں دنیا میں میری اچھی شہرت اور قیامت میں چرچا ہو۔

قبولیتِ دُعا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا یوں قبول ہوئی کہ ہر نبی علیہ السلام کی ہر امت کا ہر فرد اس کا ثنا خوان اور محب رہا۔ ونیا میں تا دمِ زیست آپ ذی جاہ رہے اور بعد میں آپ کا ذکر حسنِ ثنا سے ہوتا رہا۔

خلاصہ یہ کہ آپ نے دعا مانگی کہ آنے والے لوگوں کی زبانوں پر میرا ذکر خیر سے ہو۔ یعنی ان کی زبانوں پر میری تعریف جاری فرما اور ان کی آپس کی گفتگو میں میری مدح و ثنا جاری ہو۔

ف: فی الآخرین سے آپ کے بعد آنے والی امتیں مراد ہیں۔

سوال: حسنِ ثناء اور قبولِ عام کو زبان سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب: چونکہ حسنِ ثنا اور قبول کا اظہار و انتشار زبان سے ہوتا ہے اسی لیے زبان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ف: کسی کا مرنے کے بعد اچھا چرچا اور حسنِ قبول بھی ایک عظیم دولت ہے اور یہ بھی منجملہ رضائے الٰہی اور قبولیت عند اللہ کی دلیل ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس بندے سے محبت کرتا ہے زمین و آسمان والوں کے دلوں میں اس کی محبت القا فرماتا ہے اسی لیے اس بندۂ خدا کے ساتھ تمام مخلوق پیار کرتی ہے یہاں تک کہ مچھلیاں پانی میں اور پرندے ہوا میں اس سے پیار کرتے ہیں۔

(... یہی ہمارے مسلک اہل سنت کی روشن دلیل ہے کہ ہم نے اہلِ مزارات کے ساتھ محبت میں خلقِ خدا کو

marfat.com

دیوانہ پایا، روکنے کے باوجود رکنے کو نہیں آتی۔ ہم نے مزارات پر حاضری دینے والے نہ صرف انسانوں بلکہ حیوانوں کو سر جھکاتے دیکھا اور درندوں اور پرندوں کو وارفتہ پایا۔ ایسا بھی دیکھا کہ سیلاب کے پانی نے بڑی بڑی عمارات کو منہدم کر ڈالا لیکن مزارات جوں کے توں کھڑے رہے[1]۔

حضرت ابن عطا رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اے پروردگار! میرا ذکر اور مدح و ثنا امتِ محمدیہ کی زبانوں پر جاری فرما اور امتِ محمدیہ کو میری نیک نامی کا گواہ بنا کیونکہ تُو نے اسے اپنا مقبول گواہ مقرر فرمایا ہے۔

ف : حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اے اللہ! مجھے تمام اُمتوں اور تمام ملتوں کی نیک نامی کی ثنا کیا ہوا بنا۔" وہ اس لیے کہ بات فعل جمیل اور خلق حسن اور نرمی برتنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور یہی لسان صدق کے اسباب ہیں اور اسی کی ہی آنے والی نسلیں اتباع کریں گی پھر ان کے عمل پر بوجہ اقتدار اسے بھی اجر و ثواب حاصل ہوگا۔

وَاجْعَلْنِىْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝ اور مجھے جنت نعیم کے ورثا سے بنا۔

نکتہ : بہشت کو مالِ موروث سے تشبیہ دینے میں اشارہ ہے کہ جس طرح مورث کے مرنے کے بعد وارث کو مال ملتا ہے ایسے ہی عامل اپنے عمل کو مٹا لیتا ہے یعنی نہ ہونے کے برابر سمجھ کر محض فضلِ ربانی سے بہشت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اب یہ معنی ہوا کہ اے اللہ! مجھے بہشت کے مستحقین اور متمتعین سے بنا جیسے وارث مورث کے مال کا مالک بن کر مال سے نفع اٹھاتا ہے۔ جنت النعیم بمعنے وہ باغ جو ہر قسم کی نعمتوں سے بھرپور ہو۔

مسئلہ : اس میں اشارہ ہے کہ جنت کی طلب طلبِ حق کے منافی نہیں بلکہ ترک طلب ربوبیت کے ساتھ بغاوت ہے۔

نکتہ : بعض اکابر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محبوب لنفسہ ہے اور اس کی عطا محبوب لغیرہ کہ ہم اس لیے اس سے محبت کرتے ہیں کہ وہ محبوب کی عطا ہے۔ اس معنی پر ہمیں دو قسم کی محبت نصیب ہوئی براہِ راست ذات حق سے اور بالواسطہ اس کی عطا سے اور یہ دونوں بھی اسی کی ذات کی وجہ سے نہ کہ اس کے غیر کی وجہ سے۔ کیونکہ اس سے محبت ہے تو اس کی ذات کی وجہ اور عطا سے بایں معنی کہ یہ اس کی ایک صفت اور یہ بھی حبِ ذاتی ہوئی۔ اس اعتبار سے یہ ایک محبت ہوئی نہ کہ دو۔ ہاں اگر اسے متعدد کہا جائے تو یوں کہا جائے گا کہ تعدد اس کے فروع سے ہے جیسا کہ جمع اور وحدت کا تقاضا اور فرق و کثرت کا موجب ہے۔ اس لحاظ سے ہمارا ان سے محبت کرنا جمع الجمع کے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

marfat.ocm

مقام میں ہوگا کیونکہ یہ مقامِ اعتدال ہے نہ کہ فقط مرتبۂ فرق وجمع میں ۔ (یہی تقریر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی محبت کے متعلق ہوگی)

وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اور میرے چچا کو بخش دے ۔ مغفرت ایمان سے مشروط ہے ۔ مشروط کی طلب شرط طلب کو متضمن ہے ۔ اس تقریر پر زندہ مشرکین کے لیے مغفرت سے ان کے لیے توفیق اور ہدایت ایمان کی طلب مراد ہے ۔ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ۝ اس لیے کہ گمراہوں سے ہے یعنی طریقِ حق سے بھٹکا ہوا ہے ۔

ازالہ وہم : یہ دعا اس سے پہلے کی ہے جب ظاہر ہوگیا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے (پھر ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لیے دعا نہیں مانگی) جیسا کہ سورۃ توبہ میں گزرا ۔

حدیث شریف حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو شخص بھی گھر سے کامل وضو کر کے مسجد کو روانہ ہوا اور گھر سے نکلتے وقت کہا :

بسم اللہ الذی خلقنی فھو یھدین الاھداہ اللہ لصواب الاعمال والذی ھو یطعمنی ویسقین الا اطعمہ اللہ من طعام الجنۃ وسقاہ من شرابھا واذا مرضت فھو یشفین الا شفاہ اللہ تعالیٰ والذی یمیتنی ثم یحیین الا احیاہ اللہ حیاۃ الشھداء واماتہ میتۃ الشھداء والذی اطمع ان یغفر لی خطیئتی یوم الدین الا غفر اللہ خطایاہ ولوکانت اکثر من زبد البحر رب ھب لی حکما والحقنی بالصالحین الاوھب لہ حکما والحقہ بصالح من مضی وصالح من بقی واجعل لی لسان صدق فی الاخرین الاکتب عند اللہ صدیقا واجعلنی من ورثۃ جنۃ النعیم الاجعل اللہ لہ القصور والمنازل فی الجنۃ ۔

(اس اللہ کے نام سے جس نے مجھے پیدا کیا اسے (مندرج) فوائد نصیب ہوں گے :

(۱) صواب اعمال کی ہدایت

(۲) جنت کا طعام و شراباً طہورا

(۳) بیماریوں سے شفاء

(۴) شہداء کی زندگی اور موت

(۵) گناہوں کی بخشش ، خواہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں ۔

(۶) حکمرانی نصیب ہوگی اور گزشتہ نیکوں اور صالحین کی رفاقت نصیب ہوگی ۔

(۷) اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھا جائے گا ۔

marfat.com

(۸) جنّت میں اونچی منازل اور بہترین عمارت حاصل ہو گی۔)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان الفاظ پر ذیل کے الفاظ کا اضافہ کرتے:

واغفر لوالدی کما ربیانی صغیرا۔ (کذا فی کشف الاسرار)

(اور میرے ماں باپ کو بخش جیسے انہوں نے مجھے بچپن میں پالا)

وَلَا تُخْزِنِیْ (اور مجھے رسوا نہ کرنا)

حلِ لغات: الخزی بمعنے ذلّت وخواری۔

یعنی اور مجھے رُسوا نہ کرنا اور نہ ہی میری پردہ دری کرنا اور نہ مجھے میری کوتاہی پر عتاب کرنا۔

سوال: ابراہیم علیہ السلام کو جب معلوم تھا کہ ان کی قیامت میں رُسوائی نہیں ہوگی تو پھر ایسی دعا کیوں مانگی؟

جواب: انبیاء علیہم السلام کی عادت ہے کہ اپنی عبودیت کے اظہار کے لیے ایسی دُعائیں مانگتے ہیں اور دوسروں کو سکھاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یُونہی عجز و انکساری کا اظہار کیا جاتا ہے جیسا کہ کاشفی مرحوم نے لکھا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اُمتوں کی تعلیم کے لیے ایسی دُعا مانگی تھی ورنہ انبیاء علیہم السلام کی رسوائی نہیں ہوگی۔

ف: اس سے شوم بختوں کو حیاء و شرم کرنی چاہیے جو انبیاء علیہم السلام کے ایسے مقامات کو دیکھ کر اپنے اوپر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے بھی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہی کا اعتراف کر کے دُعائیں مانگتے ہیں وغیرہ۔

نکتہ: انبیاء علیہم السلام سوءِ خاتمہ سے محفوظ ہوتے ہیں اسی لیے ہم نے یہ تقریر لکھی ہے (لیکن بعض بدبختوں نے اپنی کتابوں براہینِ قاطعہ اور تقویۃ الایمان میں لکھ دیا کہ نبی علیہ السلام کو اپنے خاتمے کا علم نہ تھا۔ معاذاللہ)[1]

ف: جبکہ خطاؤں کی مغفرت والذی اطمع میں ترکِ معاتبہ کو مستلزم نہیں اسی لیے دُعا میں ترکِ معاتبہ کا ذکر علیحدہ کیا۔

یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۝ اس دن کہ قبور سے تمام لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔

سوال: تم نے تمام لوگوں کا معنی کہاں سے نکال لیا؟

جواب: اس کے عموم کا تقاضا یہی ہے کہ اس میں لفظ کافۃ مقدر ہو۔

سوال: قیامت میں رسوائی کے اظہار کی تخصیص کیوں؟

جواب: چونکہ دنیا ستر پوشی کا مقام ہے اسی لیے صرف قیامت کے ساتھ اظہار خزی مخصوص ہو گیا۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

ربط : ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں پر ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو کے اختتام کے بعد قیامت کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔

چنانچہ فرمایا یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ ۝ اس دن نہ مال نفع دے گا نہ اولاد۔ یہ یوم یبعثون سے بدل اور فعل محذوف کا مفعول ہے۔ اصل عبارت یوں ہے : لا ینفع مال احدا الخ کسی کو مال نفع نہ دے گا اگرچہ اسے نیکی اور خیرات میں خرچ کیا ہوگا اور ایسے ہی اولاد سے بھی کچھ حاصل نہ ہوگا اگرچہ وہ سب کے سب نیک اور لائق شفاعت ہوں گے اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ ۝ یہ مفعول محذوف سے بدل ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے : الا مخلص سلیم القلب من مرض الکفر والنفاق ضرورۃ اشتراط نفع کل منھما بالایمان۔ (مگر وہ جس کا قلب کفر و نفاق کے مرض سے مخلص ہوگا، کیونکہ ہر نفع مشروط بالایمان ہے)

ف : کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ یہاں پر قلب بمعنے نفس ہے یعنی وہ نفس جو کفر و معاصی سے صحیح و سالم ہے۔

سوال : گناہوں کا تعلق تو اعضاء سے ہوتا ہے لیکن یہاں پر ان کا تعلق قلب کے ساتھ بتایا گیا ہے۔

جواب : چونکہ تمام اعضاء قلب کے تابع ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر قلب صحیح ہو تو اعضاء بھی برائی نہیں کرتے اور اگر قلب میں فساد ہو تو اعضاء برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے :

ان فی جسد ابن آدم لمضغۃ اذا اصلحت صلح لھا سائر الجسد واذا فسدت فسد لھا سائر الجسد الا وھی القلب۔

(ابن آدم کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ صحیح ہو تو تمام جسم صحیح ہوگا اگر وہ فاسد ہوگا تو تمام جسم میں فساد ہوگا، خبردار وہ ٹکڑا قلب ہے)

ازالہ وہم وہابیہ (اس آیت سے وہابیہ نے عدم شفاعت کا استدلال کیا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے صاحب روح البیان قدس سرہ فرماتے ہیں کہ)

یہ آیت کفار و مشرکین کے رد میں ہے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ چونکہ ان کا مال اور اولاد بکثرت ہے قیامت کے روز ان کے کام آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ نہ انھیں مال نفع دے گا نہ اولاد۔ اہل ایمان و اسلام کو قیامت میں ان کی نیکی اور خیرات فائدہ دے گی۔ ان کا خیال تھا کہ ایسے ہی ان کی اولاد بھی انھیں نفع پہنچائے گی۔

استدلال اہلسنت قیامت میں مال و اولاد کا فائدہ پہنچنا ظاہر ہے کیونکہ خیرات و صدقات راہ خدا میں مال لٹانے کا نام ہے اور اس کا اجر و ثواب ملے گا اور اس کے عوض بہشت

marfat.com

ملے گی ۔ اس معنی پر بندے کو مال نے نفع دیا اور اولاد کا نفع دینا حدیث شریف کے مضمون ذیل سے واضح ہے ۔ وہ یہ کہ جو اولاد اس کی موجودگی میں مرجاتی ہے وہ اس کے لیے اجر اور ذخیرۂ عقبیٰ بن جاتی ہے اور اگر وہ خود مرجائے اور اپنے پیچھے اولاد چھوڑ جائے تو اس کی اولاد اگر اسے نیک دعاؤں سے یاد کرتی ہے تو اس سے بھی اس کی شفاعت متوقع ہوتی ہے ۔

قلبِ سلیم کے معانی

○ حضرت ابوالقاسم حکیم رحمہ اللہ سے قلبِ سلیم کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا قلبِ سلیم کی تین نشانیاں ہیں :

(۱) کسی کو ایذا نہ دے ۔

(۲) کسی سے ایذا محسوس نہ کرے ۔

(۳) جس کے ساتھ احسان کرے اس سے مکافاتِ عمل کی توقع نہ رکھے ۔

اس لیے ایذا نہ دینا ورع اور پرہیزگاری کا موجب بنے گا اور کسی سے ایذا نہ پانا وفا لائے گا ۔ احسان کرنے پر بدلہ کی امید نہ رکھنا اخلاص لاتا ہے ۔

○ کاشفی مرحوم نے لکھا کہ اہلِ تصوّف نے فرمایا کہ سلامت قلب کا مطلب یہ ہے کہ مومن کلمۂ اسلام لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینے میں مخلص ہو ۔

○ بعض نے کہا کہ قلبِ سلیم کا معنیٰ یہ ہے کہ دل حُبِ دنیا سے خالی ہو ۔

○ بعض نے کہا کہ اسے حسد و خیانت سے دُور رکھا جائے ۔

اہلِ بیت و ازواج و اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین

○ تیسیر (تفسیر) میں ہے کہ قلبِ سلیم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت و ازواجِ مطہرات و اصحابِ کرام سے بغض سے دل کو پاک و صاف رکھا جائے ۔

○ امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قلبِ سلیم یہ ہے کہ دل از غیرِ خدا یعنی طمعِ دنیا و رجائے عقبیٰ سے خالی ہو یا بدعت سے خالی اور سنّتِ رسول سے مطمئن ہو ۔

○ حضرت سیّد الطائفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سلیم اس شخص کو کہتے ہیں کہ جسے ایسا سانپ ڈسے کہ جس کے ڈسنے سے ایسی بیقراری اور اضطراب پیدا ہو کہ اسے لمحہ بھر بھی قرار نہ ملے ۔ ایسے ہی سلیم وہ قلب ہے جو دائماً جزع و فزع اور تضرع و زاری میں ہو اور اس سے بیقرار ہو کہ شاید وصال کی گھڑی سے ہجر و فراق دُور ہو جائے ۔

ز شوقِ وصل می نالم وگر دستم دہد روزے
ز بیمِ ہجر می گریم کہ ناگہ در کمیں باشد

marfat.ocm

ہمام از گریۂ خونیں و سوزِ دل مکن چندیں
ندانستی کہ حال عشقبازاں ایں چنیں باشد

ترجمہ : شوق وصال سے اس لیے روتا ہوں کہ شاید کبھی نصیب ہو تو پھر ہجر و فراق نہ آجائے خون کے آنسو اور سوزِ دل کا غم مت کھا اس لیے کہ عاشقوں کا یہی حال ہوتا ہے۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

محنت قرب ز بعد افزونست
جگر از محنت مرہم خونست
ہست در قرب ہمہ بیم زوال
نیست در بعد جز امید وصال

ترجمہ : قرب و بُعد کا درد بہت ہے جگر ہر قسم کے درد سے پُر ہے قرب میں زوال کا خوف ہے اور بُعد و فراق میں امیدِ وصال کے سوا کیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ بحر (تفسیر) میں ہے کہ قبول فیض الٰہی کے لیے حضرت حق کے وصول کے لیے نہ مال نفع دیتا ہے نہ اولاد۔ مگر اس کو، جو مراقبہ کے وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں قلب سلیم لائے۔ اور قلبِ سلیم وہ ہے جو مزاج اصلی کے انحراف سے سالم ہو۔ مزاج اصلی سے وہ فطرتِ انسانی مراد ہے جس پر انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا کیونکہ وہ کیفیت شیشے کی طرح ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسان میں تجلی صفات جمال و جلال کے قابل بنایا ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے اول فطرت میں قبل از تعلق کونین سے پیدا فرمایا تھا۔ الا من اتی الخ تخلق باللہ و اتصاف بصفۃ الٰہیہ کی طرف اشارہ ہے۔ جب قلب سلیم بلا عیب نہ ہو تو نقصان ہے فائدہ اس وقت ہے جب وہ قلب متصف بطہارۃ قدس الحق ہو کہ اس کی نظر خلق پر بالکل نہ رہے۔

قلب سلیم کے مزید معانی ⊙ حضرت ابن عطاؒ رحمہ اللہ نے فرمایا : قلبِ سلیم وہ ہے جسے آفات کی کوئی شے تشویش میں نہ ڈالے۔

⊙ کسی سے سلامت صدر کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا : قلبِ سلیم یہ ہے کہ انسان حدِ یقین پر ہو اور اس کے دل سے تلوین و تمکین کے ارادے اور خیالات بالکل مٹ جائیں۔

⊙ حضرت ابویزید رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں مفاوز یعنی جنگلات طے کر کے بوادی تک پہنچا پھر ان کو طے کرتا ہوا ملکوت تک پہنچا ملکوت کو طے کر کے ملک (بفتح المیم و کسر اللام) کے ہاں حاضر ہو کر عرض کی اس کا مجھے انعام عطا ہو۔ فرمایا جتنی منازل طے کرلی ہیں یہ سب میں نے تجھے انعام میں دیں۔ میں نے عرض کی : میں نے

marfat.com

ان کو دیکھا تک نہیں۔ فرمایا تو پھر کیا چاہتا ہے۔
کہا میں چاہتا ہوں کہ میرا کوئی ارادہ نہ ہو۔ یعنی فنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: میں نے وہی تمہیں بخشا۔

تفسیر عالمانہ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ اس کا عطف لا ینفع پر ہے۔
سوال: ماضی کا مضارع پر عطف کیوں؟

جواب: تاکہ تحقق وقوع پر دال ہو جیسے مضارع میں استمرار نفع مال و اولاد کی دلالت ہے۔ یعنی جو لوگ کفر و معاصی سے دنیا میں محفوظ رہے بہشت ان کے اتنی قریب لائی جائے گی کہ وہ اسے موقف (محشر کے میدان) میں دیکھیں گے اور ان کے اندر نعمتوں اور لذتوں سے خوش ہوں گے کہ ابھی ہم اس میں داخل ہونے والے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ البحر (تفسیر) میں ہے کہ بہشت ان کے قریب لائی جائے گی کیونکہ وہ قبل ازیں اس سے دور تھے۔ اس لیے کہ اس مقام پر انہیں قربِ الٰہی نصیب ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ۝ اور جہنم ان گمراہوں کے سامنے لائی جائے گی جو طریقِ حق سے بھٹک گئے اور طریقِ حق سے ایمان اور تقویٰ مراد ہے۔ یعنی دوزخ ان کی نظروں کے سامنے آئے گی اس کے اندر جو عذاب کے سامان ہیں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور انہیں یقین ہوگا کہ ابھی وہ اس میں ڈالے جائیں گے اور بچنا مشکل ہے اس سے غم بڑھ جائیں گے۔

نکتہ: دو مختلف فعل لائے گئے تاکہ جانب وعد کو ترجیح ہو اس لیے کہ تبریز تقریب کو مستلزم نہیں۔

نکتہ: بہشت کی تقدیم میں سبقت رحمت بر غضب کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ البحر میں ہے دوزخ اس لیے ظاہر کی گئی کہ دنیا میں ان کی توجہ اس طرف تھی کیونکہ وہ ہمیشہ شہوات کی طلب میں مبتلا رہے اور دوزخ کو شہوات نے گھیرا ہوا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

حفت الجنة بمکروھاتنا
حفت النیران من شھواتنا

ترجمہ: بہشت کو تکالیف نے گھیرا ہوا ہے تو دوزخ کو شہوات نے۔

یعنی بہشت کے ارد گرد وہ امور ہیں جو ہمارے نزدیک مکروہ ہیں اور دوزخ وہ امور گھیرے ہوئے ہیں جو ہمیں مرغوب ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَ قِيْلَ لَهُمْ اور قیامت میں گمراہوں کو زجر و توبیخ کے طور کہا جائے گا اور انھیں کہنے والے فرشتے ہوں گے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے حکم سے کہیں گے اَيْنَمَا كُنْتُمْ دنیا میں تَعْبُدُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے سوا تم کس کی عبادت کرتے تھے

marfat.ocm

یعنی اب وہ تمہارے معبود کہاں ہیں جن کی تم دنیا میں اس لیے پرستش کرتے تھے کہ وہ قیامت میں تمہاری سفارش کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہیں مقرب بنائیں گے۔ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ کیا تم سے عذابِ الٰہی دفع کر کے وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ یا اپنے سے عذاب دفع کر سکیں گے۔

ف: افتعال کا باب یہاں پر فعل کے تابع ہے۔

حلِ لغات: کشف الاسرار میں ہے کہ غیر سے شر و سوء دفع کرنے پر مدد کا نام نصر ہے اور اپنے سے شر و سوء دفع کرنے کو انتصار کہا جاتا ہے۔

سوال: ینصرون کے بعد ینتصرون کیوں؟

جواب: انتصار کا رتبہ نصر کے بعد ہے اس لیے کہ جو دوسرے کی مدد کر سکتا ہے وہ بطریقِ اولیٰ اپنی بھی کر سکتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جو دوسروں کی مدد نہیں کرتا اس کی مدد کی جاتی ہے۔

ف: ابراہیم علیہ السلام کا سوال تقریع و تبکیت کا ہے اسی لیے اس سوال کے جواب کی ضرورت ہے۔ اسی لیے کہا گیا فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا۔

حلِ لغات: کبکبہ بمعنے عاجز کر کے اوندھا کرنا۔ کسی شے کا نیچے کی طرف گرنا۔ الکب کا تکرار ہے، بمعنے نیچے کو گرنا یا گرانا۔ تکرارِ لفظ تکرارِ معنیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ یہ کبّ کا تکرار ہے اسے تفعیل کے باب میں لایا گیا۔ یعنی عین کو مکرر کیا گیا ہے۔ گویا کبکبوا دراصل کببوا تھا تین باآت کے اجتماع سے ثقالت پیدا ہو گئی تو دوسری باء کو کاف سے تبدیل کیا گیا جیسے نحزح دراصل نحخ تھا۔ نحخہ یزحّہ سے ہے بمعنے کسی کو اپنی جگہ سے ہٹانا۔ پھر اسے بابِ تفعیل پر لایا گیا پھر دوسری حاء کو زاء سے تبدیل کیا گیا نحزحہ ہوا بمعنے باعدہ یعنی اس نے دور کیا۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ وہ جہنم میں بار بار سر کے بل اوندھے گرائے جائیں گے یہاں تک کہ جہنم کے گہرے گڑھے میں جا پہنچیں گے۔ هُمْ ان کے معبود وَالْغَاوٗنَ ۝ اور تمام گمراہ جو ان کی پرستش کرتے تھے۔ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اور ابلیس کا لشکر اور اس کی ذرّیت جو انہیں گمراہ کرتی اور ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتی اور انہیں بُت پرستی پر ابھارتی اور ان سے کفر کے جملہ طریقوں اور جرائم و معاصی کا ارتکاب کراتی تو وہ سب کے سب جہنم میں اکٹھے جائیں گے جیسے وہ دنیا میں ان برائیوں میں اکٹھے تھے اَجْمَعُوْنَ ۝ ان کے ضمائر ان کے معطوف علیہ کی تاکید ہے قَالُوْا یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے یعنی جب بُت کے پجاریوں کو سزا مذکور میں مبتلا کیا جائے گا تو وہ اپنے جرائم کا اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ۝ حالانکہ وہ جہنم میں جھگڑیں گے یعنی جہنم میں اپنے معبودوں سے گفتگو کریں گے بایں معنیٰ کہ انہیں اللہ تعالیٰ گفتگو کی

marfat.com

طاقت پیدا فرمائے گا اور سمجھ بھی دے گا کہ انہیں کفار کیا کہہ رہے ہیں تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ان مخففہ ہے لام فرق بتانے والا ہے کہ ان ثقیلہ ہے نافیہ نہیں یعنی بخدا شان یہ ہے کہ ایسی روشن گمراہی میں تھے جس میں کسی قسم کا خفا نہ تھا اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ظرف ہے اس لیے کہ وہ روشن گمراہی میں تھے اور مضارع کا صیغہ اس لیے ہے تاکہ ماضی کا واقعہ سامنے آجائے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نہایت فاحش گمراہی میں تھے جبکہ ہم تمہیں عبادت کے استحقاق میں رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے حالانکہ تم اس کی ادنیٰ اور ذلیل اور عاجز ترین مخلوق تھے وَمَا اَضَلَّنَاۤ اور ہمیں گمراہی کی دعوت نہیں دی اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ مگر مجرموں نے یعنی ہمارے بڑے سرداروں اور لیڈروں نے، جیساکہ دوسری آیت میں ہے،

ربنا انا اطعنا سادتنا وکبراءنا۔

(اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی)

حلِ لغات: جرم کا اصل معنی ہے درخت سے پھل کاٹنا۔ اور الجرامۃ بمعنے ردی کھجور۔ اور اجرم بمعنے صار ذا جرم۔ جیسے اُتمر و اُلبن بمعنے صار ذا تمر و لبن یعنی صاحب تمر و لبن ہوگیا ایسے ہی اجرم بمعنے صاحبِ جرم ہوگیا۔ اب استعارۃً اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو ناپسند کام کا مرتکب ہو اسے اچھے کام کے لیے کبھی استعمال نہیں کیا جائے گا۔

فَمَا لَنَا تو نہیں ہیں ہمارے لیے مِنْ شَافِعِيْنَ ۝ کوئی سفارش کرنے والے، جیساکہ اہلِ ایمان سفارش کرنے والے ملائکہ و انبیاء علیہم السلام ہیں وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ۝ اور نہ کوئی شفیق دوست ہے جیسے اہلِ ایمان ایک دوسرے کے سچے دوست ہیں۔

حلِ لغات: الصدیق وہ ہے جو کسی کے ساتھ سچائی رکھتا ہو۔ اور حمیم انسان کے خاص قریبی عزیز کو کہا جاتا ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں: حامۃ الرجل بمعنے خاصتہ۔ (کذا فی فتح الرحمٰن)

امام راغب فرماتے ہیں، حمیم بمعنے القریب المشفق، اس لیے کہ جو اپنے عزیزوں کے لیے حمایت یقینی کا دم بھرے وہی درحقیقت دوستی کا حقدار ہے اسی لیے خواص لوگوں کو حامہ کہا جاتا ہے۔

بعض نے کہا کہ الحامہ بمعنے العامہ ہے۔ جیساکہ ہم نے لکھا کہ اہلِ عرب کہتے ہیں: احتم فلان لفلان (فلاں نے فلاں کے لیے پختہ ارادہ کیا) یہی وجہ ہے کہ یہ اھتم سے بلیغ تر ہے، کیونکہ اھتمام احتمام میں پایا جاتا ہے۔

ف: جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ قوت القلوب میں ہے کہ حمیم دراصل ھمیم تھا۔ ہا، کو حاء کے ساتھ تبدیل کیا گیا ہے اسی لیے ان کو آپس میں مزج کا قرب ہے اور ھمیم از اھتمام مشتق ہے۔ چونکہ

marfat.ocm

ھیم کافروں کے مقابلہ میں اہتمام کرتا ہے اسی لیے اسے ھیم کہا جاتا ہے اور اس میں دوستی کا حق ادا کیا جاتا ہے۔

ف : شافعین، شافع کی جمع ہے۔ صیغہ جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ عموماً سفارش کے لیے زیادہ آدمی جمع ہوتے ہیں جیسا کہ بادشاہوں کے غیظ و غضب کے وقت سفارشیوں کو دیکھا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ سچے اور پکے دوست بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ بلکہ اگر کہا جائے کہ وہ نہ ہونے کے برابر ہیں تو بجا ہے۔ چنانچہ صائب نے فرمایا : ؎

دریں قحط ہوادری عجب دارم کہ خاکستر
کہ در ہنگام مردن چشم می پوشاند آتش را

ترجمہ : اس قحط سالی میں مجھے تعجب ہے کہ تو چاہتا ہے کہ آگ کی چنگاری ملے جبکہ راکھ پڑی ہے اور راکھ سے آگ خاک حاصل ہو گی !

کوئی کام نہ آئے گا سوائے ولی اللہ کے

بعض اخبار میں ہے کہ قیامت میں ایک بندے کو حساب کے لیے لایا جائے گا حساب کے بعد اس کا عملنامہ نیکی و برائی میں برابر ہو گا اسے صرف ایک نیکی کی ضرورت ہو گی، اگر مل جائے گی تو اس کی نجات ہو سکے گی، اسے حکم ہو گا ایک نیکی لائیے تاکہ تمہیں بخشش نصیب ہو کیونکہ تیرے حقوق مانگنے والوں کو راضی کر لیا گیا ہے۔ ایک نیکی کی خاطر وہ شخص صفوں میں گھس کر اپنے ماں باپ سے ایک نیکی طلب کرے گا وہ جواب دے دیں گے۔ اس کے بعد دوستوں کے پاس جائے گا وہ بھی انکار کر دیں گے بلکہ کہیں گے کہ ہم خود ایک نیکی کے محتاج ہیں۔ واپس آئے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا : اے میرے بندے ! نیکی لایا ہے ؟ عرض کرے گا : یارب العالمین ! سب نے جواب دے دیا ہے۔ اللہ فرمائے گا : اگر انہوں نے جواب دے دیا ہے تو یاد کر کوئی میرا دوست بھی تیرا دوست تھا۔ عرض کرے گا، ہاں رب العالمین ! تیرے فلاں محبوب سے میرا تعلق تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا : اس کے پاس جاؤ۔ وہ بندہ اس محبوبِ خدا کے پاس جا کر ایک نیکی کا سوال کرے گا تو وہ بندۂ خدا اسے نیکی عطا فرمائے گا۔ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ہاں واپس آکر عرض کرے گا، یا اللہ ! میں نیکی لایا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا : میں اس کے اعمال میں کمی نہیں کرتا۔ جاؤ میں نے تمہیں اور اس نیکی دینے والے محبوب کو بخش دیا۔

ف : اس روایت سے ثابت ہوا کہ اللہ والوں کی محبت اور دوستی سے بہت زیادہ فوائد نصیب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی دوستی اور محبت کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔

نیک کا پیار فائدہ دے گا

حدیث شریف میں ہے :

ان الرجل لیقول فی الجنۃ ما فعل بصدیقی فلاں وصدیقہ فی الجحیم فیقول اللہ اخرجوا لہ صدیقہ الی الجنۃ۔

(بہشت میں پہنچ کر نیک آدمی پوچھے گا میرا فلاں دوست کہاں ہے؟ وہ اس وقت دوزخ میں ہوگا۔ نیک آدمی کی وجہ سے اسے دوزخ سے نکالنے کا حکم ہوگا۔ چنانچہ اس نیک آدمی کے پیار کی وجہ سے اسے دوزخ سے نکال کر بہشت میں لایا جائے گا (اللہ تعالیٰ بہشت میں بھیجتے وقت نیک آدمی کو فرمائے گا) میں نے اسے تجھے ہبہ کیا۔

اللہ والوں سے تعلق اور نسبت پیدا کرنے کا حکم

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہل ایمان اور نیک لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دوست بناؤ کیونکہ قیامت میں انھیں شفاعت کی عام اجازت ہوگی۔

شفاعت کنندگان

حدیث شریف میں ہے:

ان الناس یمرون یوم القیامۃ علی الصراط و الصراط دحض مزلۃ یتکفأ باھلہ والنار تاخذ منھم و ان جھنم لتنطف علیھم۔

(لوگ پل صراط سے گزریں گے، پلصراط چونکہ ڈگمگانے کا مقام ہے اس لیے بعض لوگ جہنم کے اندر ہی گریں گے لیکن دوزخ بجائے جلانے کے ان پر برف برسائے گی)

یعنی اس وقت دوزخ آوازیں دے گی۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے پوچھے گا، تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ عرض کریں گے: یا اللہ! تمہیں زیادہ معلوم ہے کہ ہم سوائے تیرے اور کسی کو نہیں پوجتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ایسی آواز دے گا کہ اس طرح کی آواز پہلے کسی نے نہیں سنی ہوگی کہ آج میں تمہیں کسی کے سپرد نہیں کروں گا، سن لو میں نے تمہیں بخش دیا اور تم سے راضی ہوں۔ اس وقت ملائکہ ان کی شفاعت کریں گے اور وہ وہاں سے نجات پاکر بہشت میں چلے جائیں گے ان کے دوسرے دوزخی ساتھی اسی جگہ کہیں گے فمالنا من شافعین الخ ہمارے سفارشی کوئی نہیں اور نہ ہی کوئی ہمارا سچا اور پکا دوست ہے۔

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً۔ لو تمنائیہ ہے لیت کے قایم مقام ہے۔ کیونکہ یہ تقدیر کے معنی کے لیے آتا ہے گویا کہا گیا ہے کاش! ہمیں دنیا کی طرف لوٹنا ہوتا فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ تو ہم ہوتے اہل ایمان سے نکون منصوب ہے اس لیے کہ تمنا کا جواب ہے اور یہ کلام ان سے افسوس اور حیرت سے ظاہر ہوگا۔ اور انھیں بالفرض دنیا کی طرف بھیجا بھی جاتا تب بھی وہ وہی عمل کرتے جن سے انھیں روکا گیا اس لیے کہ جسے خود اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ وہ اگرچہ دنیا میں بار بار لوٹائے جاتے تب بھی وہ وہی برائیاں کرتے جو وہ پہلے دنیا میں کرتے تھے۔ دیکھیے دنیا میں انہیں کئی بار دکھ اور بیماریوں میں مبتلا کیا جاتا ہے نجات پانے کے بعد پھر اسی طرح برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں جیسے پہلے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے

marfat.ocm

بنائے جو سُن کر عبرت حاصل کرتے ہیں۔ اُن سے نہ بنائے جو سن کر رُوگردانی کرتے اور غافل رہتے ہیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بے شک ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی قوم کے مذکورہ قصہ میں لَاٰیَۃً عبرت ہے اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی پرستش کرتا ہے تاکہ معلوم کرکے غیر اللہ سے بیزاری ہو اور آخرت کی طرف توجہ ہو۔ کیونکہ اسے غیر اللہ کی پرستش نفع نہ دے گی، بالخصوص وُہ اہلِ مکہ جو ملتِ ابراہیمی کے مدعی ہوکر غیر اللہ کی پرستش کرتے تھے وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ ابراہیم علیہ السلام کی اکثر قوم نہ تھی مُّؤْمِنِیْنَ ۝ قریش کی طرح اہلِ ایمان۔

اعجوبہ: مروی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر ماسوائے لُوط علیہ السلام اور نمرود کی لڑکی کے اور کوئی ایمان نہ لایا۔

وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ مشرکین پر ایسا غالب ہے کہ اس کا غلبہ رد نہیں ہوسکتا الرَّحِیْمُ ۝ بخشنے والا ایسا کہ جو بندہ توبہ کرے اس کی توبہ رد نہیں فرماتا اور وُہ بلاوجہ کسی کو عذاب میں مبتلا نہیں فرماتا بلکہ مہلت دیتا ہے جیسے قریش کو بہت مہلت بخشی۔ کیونکہ اس کی رحمتِ واسعہ کا یہی تقاضا ہے صرف اس لیے کہ وُہ خود یا ان کی اولاد میں سے کوئی ایمان لائے۔ لیکن عمل کی جزا و سزا ضرور دے گا کیونکہ ہر عمل کی جزا و سزا ضروری ہے۔ اگر عمل نیک ہُوا تو نیک جزا نصیب ہوگی اگر عمل بُرا ہوا تو سزا پائے گا۔

ف: ممکن ہے کہ اکثرھم کی ضمیر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کی طرف راجع ہو اس لیے کہ یہ آیات ان کے سامنے پڑھی جاتیں تاکہ وُہ عبرت پکڑ کر ایمان لائیں۔ اسے تفصیل کے ساتھ پہلے بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

بحر العلوم (تفسیر) میں ہے کہ نفس کی تخلیق صرف امّارۃ بالسُّوء کے لیے ہُوئی ہے یعنی اس کی فطرت کفر ہے اگر وہ ایمان لائے تو امّارہ کے بجائے مامورہ ہو جائے گا جو کہ وہ اس کی عادت ہے۔ ہماری اس تقریر پر وان النفس لامارۃ بالسوء الخ دلالت کرتا ہے یعنی ہے تو وُہ امّارہ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم سے مامورہ و مومنہ ہوجائے گا جو اس کی طبع کے خلاف ہے، اسی لیے فرمایا وماکان اکثرھم مؤمنین یعنی اکثر اصحاب نفوس مومن نہیں وان ربک لھو العزیز اور بے شک تیرا رب اکثر مخلوق کو ایمان کی ہدایت نہیں دیتا چہ جائیکہ وُہ اپنی درگاہ تک پہنچائے الرحیم وُہ اپنی رحمت سے ہی سبیل الرشاد کی راہ دکھاتا ہے ان لوگوں کو جو اس کے لیے جدوجہد کرتے ہیں بلکہ اپنی بارگاہِ جلال تک ان کو بھی پہنچاتا ہے جو طالبِ صادق ہیں۔ اس سے ثابت ہُوا کہ اگرچہ ہدایت اس کی عنایت سے ہوتی ہے لیکن اسباب کا دامن پکڑنا ضروری ہے تاکہ رحمت کے دروازے مفتوح ہوں اور نفس کی امرِ الٰہی کی مخالفت پر ملامت کی جائے اور دُنیا میں ہی ایسے آداب بجالانے چاہئیں جو کل آخرت میں فائدہ دیں۔ ورنہ آخرت میں تو کفار بھی اپنے آپ کو ملامت کریں گے کہ وہ ایمان نہ لائے (باقی بر صفحہ ۶۰۲)

marfat.com

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ
نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان
أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾
کے ہم قوم نوح نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں بے شک میں تمہارے لیے اللہ کا بھیجا ہوا امین ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو
وَمَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَٱتَّقُوا
اور میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے تو اللہ سے ڈرو
ٱللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾ قَالُوٓا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَٱتَّبَعَكَ ٱلْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِي
اور میرا حکم مانو بولے کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں اور تمہارے ساتھ کمینے ہوئے ہیں فرمایا مجھے کیا خبر ان کے
بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿١١٣﴾ وَمَآ أَنَا
کام کیا ہیں ان کا حساب تو میرے رب ہی پر ہے اگر تمہیں حس ہو اور میں مسلمانوں
بِطَارِدِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٤﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١١٥﴾ قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنتَهِ يَٰنُوحُ
کو دور کرنے والا نہیں میں تو نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا بولے اے نوح اگر تم باز نہ آئے تو ضرور
لَتَكُونَنَّ مِنَ ٱلْمَرْجُومِينَ ﴿١١٦﴾ قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿١١٧﴾ فَٱفْتَحْ
سنگسار کیے جاؤ گے عرض کی اے میرے رب میری قوم نے مجھے جھٹلایا تو مجھ میں اور ان
بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَن مَّعِيَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ فَأَنجَيْنَٰهُ
میں پورا فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے ساتھ والے مسلمانوں کو نجات دے تو ہم نے بچا لیا اسے
وَمَن مَّعَهُۥ فِي ٱلْفُلْكِ ٱلْمَشْحُونِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ ٱلْبَاقِينَ ﴿١٢٠﴾ إِنَّ فِي
اور اس کے ساتھ والوں کو بھری ہوئی کشتی میں پھر اس کے بعد ہم نے باقیوں کو ڈبو دیا بے شک اس
ذَٰلِكَ لَءَايَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٢١﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١٢٢﴾
میں ضرور نشانی ہے اور ان میں اکثر مسلمان نہ تھے اور بے شک تمہارا رب ہی عزت والا مہربان ہے

(بقیہ صفحہ ۶۰۱) بلکہ اس وقت آرزو کریں گے کہ کاش انہیں پھر دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ ایمان لائیں اور

marfat.ocm

وہ اعمال کریں جو ان کے لیے مفید ہوں ؎

امروز قدر پند عزیزان شناختیم
یارب روان ناصح ما از تو شاد باد

ترجمہ: آج ہی ہمیں عزیزوں کی نصیحت کا پتا چلا ہے اے رب میرے ناصح کی روح شاد باد ہو۔

دُعا: اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے غلبہ وقہر سے محفوظ رکھے اور اپنی رحمت میں جگہ دے اور دنیا و آخرت میں ہمیں اہلِ قبور سے بنائے کیونکہ وہی خیر کے امورِ باطنہ و ظاہرہ کی توفیق بخشنے والا ہے۔

(تفسیر آیات صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ كَذَّبَتْ ہمیشہ تکذیب کی یعنی عمر بھر، جب سے نوح علیہ السلام کی دعوت کا پیام سنا قَوْمُ نُوْحِ ۨ قوم مردوں اور عورتوں کی ملی جلی جماعت کو کہا جاتا ہے یا صرف مردوں کی جماعت کو قوم کہتے ہیں اور عورتیں اس میں تبعاً شامل ہوتی ہیں اور یہ صیغہ مونث ہے بدلیل تصغیر کے کہ وہ قویمۃ آتی ہے الْمُرْسَلِيْنَ ۝ صرف نوح علیہ السلام کی تکذیب کی، لیکن جمع کا صیغہ اس لیے ہے کہ ایک رسول کی تکذیب سے گویا سب کی تکذیب ہوتی کیونکہ اصول شرائع اور توحید پر سب کا اتفاق تھا، یا اس لیے کہ ایک رسول باقی تمام رسل علیہ السلام کی تصدیق کا حکم فرماتا ہے اِذْ قَالَ لَهُمْ۔ اذ تکذیب کی ظرف ہے اس لیے کہ زمان طویل کے لیے مستعمل ہے اَخُوْهُمْ اُن کے بھائی نے فرمایا اور نوح علیہ السلام ان کے نسباً بھائی تھے۔ یہ اس لیے ظاہر کیا گیا تاکہ یقین ہو کہ ان کا معاملہ کوئی ڈھکا چھپا تو ہے نہیں اسی لیے ان کے معاملۂ صدق و دیانت میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اور دوسرا یہ کہ وہ اس کی زبان کو بھی جانتے تھے اس طرح سے ان کو دعوت کو قبول کرنا قریب الفہم تھا نُوْحٌ یہ اخوھم کا عطف بیان ہے اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ کیا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں ہو کہ اس کی عبادت چھوڑ کر اس کے غیر کی پرستش میں لگے ہوئے ہو اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ بے شک میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہوں اَمِيْنٌ ۝ امانت دار مشہور ہوں، تمہیں میری امانت کا پورا یقین ہے اور جو دنیوی امور میں دیانت و امانت میں کمی نہیں کرتا تو پھر وحی و رسالت میں کس طرح کمی کر سکتا ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اور میری اطاعت کرو اس بارہ میں کہ میں تمہیں توحید اور طاعتِ الٰہی کے متعلق حکم دیتا ہوں اس میں خیانت نہیں کرتا اور نہ ہی میرا کسی بُرائی کا ارادہ ہے۔ فا، ما بعد کو

marfat.com

امانت کے ساتھ ترتیب کے لیے ہے وَمَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اور میں تم سے پیغام رسانی پر سوال نہیں کرتا مِنْ اَجْرٍ کسی مزدوری اور انعام کا۔ وہ اس لیے کہ جب رسل کرام علیہم السلام کا پیغام رسانیِ حق پر مزدوری و اجر نہ مانگنا ان کی تصدیق کے لیے پُر اثر ثابت ہوتا ہے تو دنیوی لالچ کی تہمت سے بھی ان کو بیزاری حاصل ہوتی ہے، اِنْ اَجْرِيَ میں جو عمل کرتا ہوں اس پر مجھے کوئی ثواب نہیں اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ مگر رب العلمین کے ہاں، کیونکہ جو بھی محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر عمل کرتا ہے وہ غیر اللہ سے اجر طلب نہیں کرتا۔

اہلِ علم کو سبق اس سے وُہ اہلِ علم سبق سیکھیں جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں وہ جو عمل اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے کریں اس پر اجر اور مزدوری انسانوں کی بجائے اللہ تعالیٰ سے طلب کریں، جیسے انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تھا۔ انھیں ان کے طریقے اپنانے لازم ہیں۔ اشاعتِ علومِ اسلامیہ میں کسی سے کچھ نہ مانگیں وعظ و نصیحت کا فریضہ فی سبیل اللہ سرانجام دیں۔ جو عالمِ دین مسلمان سامعین سے علم کی اشاعت اور اپنی وعظ و نصیحت پر کسی قسم کا اجر اور انعام یا مفاد اٹھانا چاہتا ہے اس کے وعظ و نصیحت اور علم میں برکت نہیں ہوتی۔ ایسے عالم کو نہ کوئی اخروی فائدہ ہوگا نہ سامعین کو برکت نصیب ہوگی۔ بلکہ یوں سمجھو کہ یہ ایک قسم کی بیع و شرا ہے، تھوڑی سی قیمت پر بہت سے دینی سرمایہ کو ضائع کر دیا ہے۔

زیاں می کند مرد تفسیر دان
کہ علم و ادب می فروشد بنان

ترجمہ: وُہ تفسیر دان عالمِ دین بہت نقصان کر رہا ہے جو علم و ادب کو روٹی کے عوض بیچ رہا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ تو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر میری اطاعت کرو۔ فا ما بعد کو ان کے تنزہ عن الطمع کی ترتیب کے لیے لایا گیا ہے اور تکرار تاکید اور تنبیہ کے لیے ہے کہ دونوں یعنی امانت و قطعِ طمع ایجاب تقویٰ و طاعت میں ایک الگ مستقل باب ہے۔ پھر جب دونوں کا اجتماع ہو جائے تو اور فوقیت حاصل ہو جاتی ہے قَالُوْۤا نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا اَنُؤْمِنُ لَكَ یہ استفہام انکاری ہے یعنی کیا ہم ایمان لائیں وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝ حالانکہ تیرے فرمانبردار تو وُہ ہیں جو نہایت ہی ادنیٰ مرتبہ رکھنے والے ہیں نہ ان کے ہاں مال و دولت ہے نہ عوام کی نظروں میں ان کی عزت۔ یہی تمہارا حال ہے جیسے تم کہتے ہو تو پھر ہم تمہاری کیا صحبت حاصل کریں۔ ارذلون ارذل کی جمع ہے اور رذالہ خساست اور دناءت اور ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو طبع کو ناگوار ہو۔ کفار کی مراد یہ تھی کہ جب تک تیرے ہاں یہ رذیل لوگ ہوں گے ہم تیرے ہاں نہیں آ سکتے۔ کیونکہ ان لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ نہ تو عقل کی طاقت رکھتے ہیں، نہ ہی فکر و سوچ کے لحاظ سے اچھے ہیں بلکہ یہ عامی فکر کے لوگ ہیں۔ یہ ان کافروں کی کم عقلی اور دنیاوی انہماک کا نتیجہ تھا اس لیے

marfat.ocm

کہ وہ برگزیدہ اسے سمجھتے تھے جو دنیاوی اسباب رکھتا تھا۔ جو دنیا و دولت نہ رکھتا وہ اسے رذیل خیال کرتے تھے حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ ان احمقوں کو یہ خبر نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی قدر و قیمت مکھی کے پر کے برابر بھی نہیں۔ ایسے ہی قریش کہا کرتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غریب و مسکین حاضر ہونے لگے۔ حالانکہ ان کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ لوگ آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہیں اگرچہ دنیوی اسباب سے خالی ہیں۔ اسی طرح ہر نبی علیہ السلام کے متبعین کا حال رہا کہ اکثر مسکین و فقیر اور غریب لوگ ان کی اتباع کرتے رہے۔

ف: اولیاء اللہ (اور علمائے حق) کے متبعین کا بھی یہی حال ہے کہ چونکہ انہیں انبیاء علیہم السلام کی وراثت نصیب ہے اسی لیے ان کے متبعین کی طرح ان کے تابعدار بھی اکثر غریب و مسکین لوگ ہوتے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ارباب جاہ و مال و اسباب بہت کم حقیقت شناس ہوتے ہیں ع

درآں سر ست بزرگی کہ نیست فکر بزرگی

ترجمہ: اسی سر کو بزرگی نصیب ہوگی جسے بزرگی کا تصور نہ ہو۔

قَالَ نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا جب کافروں نے کہا کہ یہ لوگ نظر و بصیرت کے تحت ایمان نہیں لاتے **وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ** ۞ اور وہ جو عمل کر رہے ہیں اس کا مجھے علم نہیں کہ وہ اخلاص سے عمل کر رہے ہیں یا منافقت سے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ میں ان کے ظاہر کا اعتبار کروں اور ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کروں مجھے ان کی تفتیش حال کا حکم نہیں اور ان کا دل چیرنا میرے ذمہ ہے۔

ف: ظاہر یہ ہے کہ ما استفہامیہ ہے بمعنے ای شئ ہے محلاً مرفوع علی الابتداء ہے اور علمی اس کی خبر ہے اور یہ نافیہ بھی ہو سکتا ہے اور باء کا تعلق علمی ہے یہ تقدیر اول پر ہے اور تقدیر ثانی پر خبر محذوف ہو گی تاکہ کلام مکمل ہو۔ جناب کاشفی مرحوم نے اس کا معنی یہ کیا کہ میرا علم وہاں نہیں پہنچا جو یہ عمل کر رہے ہیں **اِنْ حِسَابُهُمْ** ان کے باطن کا محاسبہ نہیں **اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ** مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں، کیونکہ دل کی بات وہی جانتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاذا شهدوا ان لا اله الا الله عصموا منی دماءهم واموالهم الا بحقها وحسابهم علی الله۔

(جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) کی گواہی دی انہوں نے اپنی جان اور مال کو محفوظ کر لیا اب ان کا حساب صرف اللہ تعالیٰ پر ہے) (وہ جیسے چاہے کرے)

ف: حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نہ زندوں کا محاسبہ کر سکتے ہیں اور نہ مردوں کا کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

marfat.com

لَوْ تَشْعُرُوْنَ ○ اگر وہ اہلِ شعور و ادراک سے ہیں تو وہ خود سمجھ جائیں گے۔ لیکن اے کافرو! تم جاہل ہو کہ ایسی باتیں کر رہے ہو جن کا تمہیں کوئی علم نہیں اور یہ باب اوّل سے ہے۔ اگر شعر بمعنے نظم ہو تو باب خامس سے ہے۔ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ میں اہلِ ایمان کو اپنے ہاں سے نہیں ہٹا سکتا الطرد بمعنے ابزعاج و الابعاد علیٰ سبیل الاستخلاف یعنی میں مومنوں کو ہٹانے والا نہیں ہوں۔ یہ انؤمن لک سے جو وہم پیدا ہوتا تھا اس کا جواب ہے یعنی کافرو! جو تم کہتے تھے کہ ہم اس وقت ایمان لائیں گے جب غریب لوگ تمہارے ہاں نہیں آئیں جائیں گے۔ نوح علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا: میں اہلِ ایمان کو اپنے سے دُور نہیں کر سکتا۔

ف: ابنِ عطاؒ نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں اس سے کیسے رُوگردانی کروں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہے۔

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ○ میں نہیں ہُوں مگر ڈرسنانے والا یعنی میں نہیں مگر رسول یہ کہ لوگوں کو ڈرسناؤں اور انھیں کفر و معاصی سے روکوں خواہ وہ دنیادار ہوں یا غرباء، زیادہ عزت والے ہوں یا کم عزت والے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دنیاداروں کی تابعداری کے خیال پر غریب تابعداروں کو اپنے سے ہٹا دُوں قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ کافروں نے کہا کہ اے نوح (علیہ السلام) اگر تم اس سے باز نہیں آتے جس کی ہمیں دعوت دیتے ہو اور خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہو۔ الانتہاء بمعنے پیچھے ہٹنا۔ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ○ تو ہو جاؤ گے مار کھانے والوں میں سے۔

حلِ لغات: المفردات میں ہے الرجام بمعنے پتھر۔ الرمی بمعنے پتھر مارنا۔ اہلِ عرب کہتے ہیں:

رجم فھو مرجوم۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لتکونن من المرجومین۔ المرجومین یعنی المقتولین۔ یعنی وہ مقتول جسے نہایت قبیح کیفیت سے قتل کیا جائے، جسے ہمارے عرف میں سنگساری کہا جاتا ہے۔

ف: جب انہوں نے نُوح علیہ السلام کو یہ دھمکی دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل و خوار کر کے تباہ و برباد کر ڈالا۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے بارگاہِ حق میں عرض کی:

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ○ کہا اے میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے۔ یعنی بہت عرصہ میں نے انہیں دعوتِ حق دی اس کے باوجود انہوں نے میری تکذیب کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ مجھ سے دُور بھاگتے چلے جا رہے ہیں۔ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ فتحًا میرے اور ان کے مابین وہی فیصلہ فرما جس کے میں اور وہ مستحق ہیں۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ تاویلات میں لکھا ہے کہ ان کے اور میرے اُوپر اپنے فضل وکرم سے ایک ایسا دروازہ کھول دے جس سے ہر ایک مستحق کو اس کا حق ملے، اور عدل وانصاف سے ہمارا فیصلہ فرما۔

حلِ لغات: افتح، الفتاحۃ سے ہے بمعنے الحکومۃ۔ الفتاح بمعنے الحاکم۔ اللہ تعالیٰ کو الفتاح اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بڑی سے بڑی مشکل کو کھولتا ہے۔ جیسے الفصیل اسے کہا جاتا ہے جو ہر طرح کے فیصلے کرے۔

ف: ابن الشیخ نے لکھا کہ الحکم سے ان پر عذاب نازل کرنا مراد ہے۔ جیساکہ ان کے بعد کے قول سے معلوم ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ چنانچہ کہا وَنَجِّنِیْ اور مجھے نجات بخش وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ اور انہیں جو میرے ساتھی اہلِ ایمان ہیں یعنی ہم سب کو عذاب اور کفار کے ایذأ سے نجات بخش دے فَاَنْجَیْنٰہُ وَمَنْ مَّعَہٗ تو پھر ہم نے انھیں اور ان کے ساتھیوں کو نجات دے دی، جیسا کہ اُنہوں نے دعا کی فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ○ بھری ہوئی کشتی میں۔ یعنی ان کے ساتھی اہلِ ایمان اور دیگروُہ حیوانات جو ان کے ساتھ تھے اور ضرورت کے سامان اور کھانے پینے کی اشیأ سے کشتی بھری ہوئی تھی۔

حلِ لغات: الشحنا بمعنے عداوت اسی سے ہے کہ وہ بھی غصہ والے انسان کے دل کو بھر دیتی ہے۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ پھر ان کو نجات دینے کے بعد ہم نے غرق کر دیا الْبٰقِیْنَ ○ نوح علیہ السلام کی وہ باقی قوم جو کشتی پر سوار نہ ہو سکی۔

ف: اس سے معلوم ہُوا کہ نوح علیہ السلام تمام رُوئے زمین کے لوگوں کے لیے مبعوث ہوئے، اس لیے کہ ان کے لیے الباقین فرمایا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے لیے فرمایا:

ثم اغرقنا الاٰخرین۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَۃً بےشک اس میں آنے والی نسلوں کے لیے عبرت ہے یعنی نوح علیہ السلام کی قوم کی قبولِ حق سے رُوگردانی اور فقراء ومسلمین کی تحقیر کرنے والے لوگ عبرت حاصل کریں گے وَمَا كَانَ اَكْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ اور نوح علیہ السلام کی قوم سے اکثر لوگ ایمان نہ لائے۔ مروی ہے کہ صرف استی مرد اور عورتیں ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔

کاشفی مرحوم نے لکھا کہ وہ کل اناسی تھے۔

ف: یا یہ حضور علیہ السلام کی قوم کے لیے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب محمد صلی اللہ

marfat.com

علیہ وآلہٖ وسلم ! آپ کی قوم قریش سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے۔ فلہذا آپ نوح علیہ السلام کی طرح اپنی قوم کی ایذا و تکلیف سے صبر کیجئے۔ وہ بھی فتح یاب ہوئے آپ بھی فتحیاب ہوں گے ؎

کار تو از صبر نکو تر شود
ہر کہ شکیباست مظفر شود

ترجمہ: صبر سے تمہارا کام بہتر ہو گا کیونکہ جو صبر کرتا ہے وہ فتحیاب ہوتا ہے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ اور بے شک تیرا پروردگار جن کافروں پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہ ایسا قادر غالب ہے کہ اپنے ارادہ کے مطابق کام کر گزرتا ہے الرَّحِيْمُ ۝ اور جو گناہوں سے توبہ کرے تو اس کے لیے رحیم ہے یا یہ کہ عذاب میں تاخیر کرنے میں رحیم ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر قصہ میں ان فی ذٰلك لاٰیۃ ماکان اکثرھم مکرر لایا گیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ اللہ کے نزدیک عزت و اکرام کا مستحق وہی ہے جو ایمان کی دولت رکھتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔

(بے شک تمہارے خدا کے نزدیک مکرم تر وہ ہے جو پرہیزگار ہے)

اور اس میں شک نہیں کہ کمینے لوگ کثیر تعداد میں ہیں اور اہلِ کرم نہایت قلیل۔ کسی شاعر نے فرمایا: ؎

تعیرنا انا قلیل عدادنا
فقلت لہا ان الکرام قلیل

ترجمہ: مجھے میری محبوبہ نے عار دلاتے ہوئے کہا کہ تم تو معدودے چند ہو۔ میں نے کہا اہلِ کرم ہمیشہ تھوڑے ہوتے ہیں۔

اسی لیے اس کے بعد فرمایا، ان ربك لعزیز یعنی اس کی طرف اربابِ نفوس کے ذلیل لوگ ہدایت نہیں پا سکتے بوجہ ان کی خساست کے، اور اللہ تعالیٰ کے عزیز ہونے کے بعد یعنی ان کے مابین تضاد ہے پھر ہدایت کیسی۔ الرحیم وہ اپنی رحمت سے اربابِ قلوب میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے ان کی علوِ ہمت اور اپنی رحمت کی وفرت کی وجہ سے۔ ع

آفریں بر جان درویشے کہ صاحبِ ہمت است

ترجمہ: آفرین اس درویش پر جو صاحبِ ہمت ہے۔

(باقی صفحہ ۶۰۶ پر)

marfat.ocm

كَذَّبَتْ عَادٌ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝١٢٣ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوْهُمْ هُوْدٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ۝١٢٤ إِنِّيْ لَكُمْ

عاد نے رسولوں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے ہم قوم ہود نے فرمایا کیا تم ڈرتے نہیں بے شک میں

رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ۝١٢٥ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ۝١٢٦ وَمَا أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ

تمہارے لیے اللہ کا امانت دار رسول ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو

أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٢٧ أَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝١٢٨

اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب کیا ہر بلندی پر ایک نشان بناتے ہو راہ گیروں سے ہنسنے کو

وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝١٢٩ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝١٣٠ فَاتَّقُوا

اور مضبوط محل چنتے ہو اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے اور جب کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑی بیدردی سے گرفت کرتے ہو

اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ۝١٣١ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝١٣٢ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝١٣٣

تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری مدد کی ان چیزوں سے کہ تمہیں معلوم ہیں تمہاری مدد کی چوپایوں اور بیٹوں

وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝١٣٤ إِنِّيْٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝١٣٥ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ

اور باغوں اور چشموں سے بیشک مجھے تم پر ڈر ہے ایک بڑے دن کے عذاب کا بولے ہمیں برابر ہے

أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝١٣٦ إِنْ هٰذَآ إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِيْنَ ۝١٣٧ وَمَا

چاہے تم نصیحت کرو یا ناصحوں میں نہ ہو یہ تو نہیں مگر وہی اگلوں کی ریت اور ہمیں عذاب

نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝١٣٨ فَكَذَّبُوْهُ فَأَهْلَكْنٰهُمْ ۗ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۗ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ

ہونا نہیں تو انہوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے انہیں ہلاک کیا بیشک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں

مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٣٩ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝١٤٠

بہت مسلمان نہ تھے اور بے شک تمہارا رب ہی عزت والا مہربان ہے

(بقیہ صفحہ ٦٠٨)

تفسیر صوفیانہ دیگر نوح میں قلب کی طرف اور قوم میں نفس اور اس کی صفات کی طرف اور مومنین میں جسد وجملہ اعضاء کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ یہ بموافق شرع نیک عمل کرتے ہیں اور اس میں نفس کے بعض صفات کی طرف بھی اشارہ ہے جبکہ انھیں غلط راستے سے صحیح راستے پر لگایا جائے۔

الفلك سے شریعت کی کشتی مراد ہے اس لیے کہ وہ اوامر ونواہی اور حکمتوں اور مواعظ واسرار وحقائق ومعانی سے پُر ہے جو اس پر سوار ہُوا وہ نجات پا گیا، اور جو اس پر سوار نہ ہو سکا وہ نفس کے اخلاقِ ذمیمہ کے طوفان کے غلبہ اور مال وجاہ وزینت وشہوات، جو کہ دنیا کمینی کے آفات سے ہیں، کے ابتلاء میں غرق ہو گا۔ اور کشتی

marfat.com

کے لیے ملاح ضروری ہے ۔ اور شرع کا ملاح وہ استاذ اور پیرو مرشد ہے جو اعمالِ خیر پہ لگاتا ہے کہ ان کی صحبت سے نجات نصیب ہوتی ہے ۔ جیسا کہ حضرت حافظ نے فرمایا : ؎

یار مرداں خدا باش کہ در کشتی نوح

ہست خاکی کہ بآبی نخرد طوفان را

ترجمہ : مردانِ خدا کا دوست ہو جا اس لیے کہ نوح کی کشتی میں کوئی ایسی بات نہیں کہ وہ طوفان کے پانی کو اپنے اندر آنے دے ۔

اس میں اشارہ ہے کہ وہ کام جو مشکل ہو مرشد کے اشارے سے آسان ہو جاتا ہے اور وہ کام جو غافل سے ہونا ناممکن ہو وہ واصل سے بآسانی ہو جاتا ہے ۔

(تفسیر آیات صفحہ ٦٠٩)

تفسیر عالمانہ

كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عاد نے رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کی ۔

سوال : عاد تو مذکر تھا پھر صیغہ مؤنث کا کیوں ؟

جواب : یہاں چونکہ قبیلہ مراد ہے اور لفظ قبیلہ مونث ہے اس لیے صیغہ مونث لایا گیا ہے اور وہ اس قبیلہ کا مورثِ اعلیٰ تھا ۔

ف : مقاتل نے لکھا عاد و ثمود ایک دوسرے کے چچا زاد تھے ۔ عاد ہود علیہ السلام کی قوم تھی ۔ صالح علیہ السلام کی قوم کا نام ثمود تھا ۔ عاد و ثمود کی ہلاکت کے درمیان پانچسو سال کا فاصلہ تھا ۔ مورخین فرماتے ہیں کہ عاد و ثمود دونوں بھائی تھے ۔ ارم بن سام ابنِ نوح علیہ السلام کے فرزندوں سے تھے کیونکہ سام بن نوح علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے :

۱ ۔ ارم ۔ ۲ ۔ ارفخشہ

۳ ۔ عالم ۔ ۴ ۔ الیغر

۵ ۔ الاسود

ارم ان پانچوں سے کمزور اور بالکل ناکارہ متصور ہوتا تھا اس کے سات بیٹے تھے :

۱ ۔ عاد ۔ ۲ ۔ ثمود

۳ ۔ صحار ۔ ۴ ۔ طسم

۵ ۔ جدیس ۔ ۶ ۔ جاسم

۷ ۔ وبار

عاد اور اس کی اولاد کا مسکن یمن تھا اور ثمود اور اس کے فرزندوں کا مسکن حجاز و شام کے درمیان میں ۔ اور طسم کا

marfat.ocm

مسکن عمان وبحران اور جدیس کا مسکن تہامہ اور صحار کا مسکن مابین طائف سے جبال طی تک اور جاسم کا مسکن مابین الحرم سفوان تک اور وبار کا مسکن ارضِ وبار تھا جو اسی کے نام سے مشہور ہے۔ ان سب کی بولی عربی تھی اور یہ سب کے سب نیست و نابود ہو گئے ان کی نسل میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ یہ تکذیب کی ظرف ہے یعنی جب ان کے نسب کے بھائی نے فرمایا هُوْدٌ یعنی ہود علیہ السلام بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام نے فرمایا۔

تعارفِ ہود علیہ السلام بعض نے کہا ہود علیہ السلام کا نام عابر تھا لیکن چونکہ باوقار شخصیت تھے اسی لیے اسی نام (ہود) سے مشہور ہوئے۔ آپ نے ڈیڑھ سو سال عمر پائی۔ چالیس سال کی عمر میں آپ کو عاد کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ انھیں جا کر فرمایا:

اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ کیا تم شرک سے کنارہ کش نہیں ہوتے اور خدا کا خوف نہیں کرتے اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ بے شک تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لیے رسول بن کر آیا ہوں اَمِیْنٌ ۝ تمہارے ہاں میں امانتدار مشہور ہوں فَاتَّقُوا اللّٰهَ سو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو وَاَطِیْعُوْنِ ۝ اور جن حق باتوں کا میں تمہیں حکم دوں ان میں تم میری اطاعت کرو وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اور پیغامِ حق پہنچانے پر میں تم سے نہیں مانگتا مِنْ اَجْرٍ کوئی مزدوری، جیسے بعض قصہ گو لوگ قصے سنانے کے بعد تم سے اجر یا انعام مانگتے ہیں اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ میرا اجر نہیں مگر پروردگارِ عالم پر، کیونکہ اسی نے مجھے بھیجا ہے تو میرا اجر یا انعام وہی عطا فرمائے گا۔ اس میں ہود علیہ السلام وضاحت فرما رہے ہیں کہ میرا پیغام پہنچانا دنیوی یا دینی کوئی غرض نہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرطِ مزد مکن
کہ دوست خود روش بندہ پروری داند

ترجمہ: گداگروں کی طرح کسی اجر و ثواب کی شرط پر تم عبادت نہ کرو کیونکہ وہ کریم خود ہی بندہ پروری کی روش جانتا ہے۔

اَتَبْنُوْنَ ہمزہ استفہام انکاری ہے۔ کیا تم بناتے ہو بِكُلِّ رِیْعٍ ہر اونچے مقام کو۔

حلِ لغات: الریع بکسر الراء اور بالفتح بھی۔ ریعۃ کی جمع ہے یعنی بلند مکان۔ اسی سے ریع الارض (اونچی زمین) کا استعارہ ہے بوجہ زیادتی و ارتفاع کے۔

اٰیَةً نشانی بلند یعنی ایسے اونچے مکانات جو باقی تمام مکانوں سے ممتاز اور نمایاں ہیں تَعْبَثُوْنَ ۝ اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم ان عمارات سے کھیل رہے ہو کیونکہ جو عمارت بلاضرورت بنائی جائے وہ عبث (فضول) ہے۔

marfat.com

حدیث شریف ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر نکلے اور ایک بہت بڑی عمارت کو دیکھ کر فرمایا : ماھٰذہ (یہ کیا ہے ؟) عرض کی گئی یہ فلاں انصاری کی بلڈنگ ہے۔ اس سے آپ کبیدہ خاطر ہو کر واپس گھر تشریف لائے کچھ دیر کے بعد وہی انصاری حاضر درگاہ ہوا۔ اس نے سلام عرض کیا تو آپ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر اس نے متعدد بار سلام عرض کیا لیکن بارگاہِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب نہ پاکر سمجھا کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ مغموم ہو کر اپنے دوستوں سے عرض کی کہ آج مجھ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض محسوس ہو رہے ہیں لیکن سمجھ نہیں آرہا کہ مجھ سے کیا غلطی سرزد ہوئی ہے۔ دوستوں نے کہا آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ کی اونچی بلڈنگ دیکھ کر کبیدہ خاطر ہوئے۔ یہی وجہ ناراضگی معلوم ہوتی ہے۔ یہ سن کر وہ صحابی گھر لوٹے اور بلڈنگ مسمار کر دی۔ دوسرے روز حضور علیہ السلام گھر سے باہر نکلے اور اس اونچی بلڈنگ کو نہ پا کر پوچھا تو عرض کی گئی کہ حضور! آپ کی ناراضگی دیکھ کر صاحبِ مکان نے اسے گرادیا ہے۔ اس پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان کل بناء یبنی وبال علیٰ صاحبہ یوم القیٰمۃ الا مالابد منہ۔	ہر تعمیر جو بلا ضرورت تعمیر کی جائے وہ صاحبِ تعمیر پر قیامت میں وبال ہوگی۔

ف : یہ امام راغب اور صاحبِ کشف الاسرار وغیرہما کا خیال ہے۔ اور جلالین میں فرمایا کہ آیۃ سے کبوتروں کے لیے عمارات اور بڑے بڑے بروج مراد ہیں۔ اور یہاں بروج سے کبوتر خانے مراد ہیں۔

ہُود علیہ السلام کی تقریر کا موضوع حضرت ہُود علیہ السلام نے ان کے بڑے بڑے کبوتر خانے (جو فضول عمارتیں تھیں) دیکھ کر انہیں روکا اور فرمایا : بچوں کی طرح کبوتروں سے مت کھیلو۔

ف : نصاب الاحتساب میں ہے کہ جس کھیل پر قیامت میں حساب ہوگا وہ لہو ولعب اور کبوتر بازی ہے۔

ف : حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا : بیوقوف ہے وہ جو کبوتر بازی اور جُوا کھیلتا ہے۔

مسئلہ : شرح القہستانی میں ہے کہ پرندوں اور مُرغیوں کو پنجروں وغیرہ میں بند رکھ کر انہیں دانہ دُنکا ڈالنا اور پانی پلانا اور ان کے دیگر لوازمات پُورے کرنا اور ان کی خوب خدمت کرنا ان کو عام بازاروں میں چھوڑنے سے افضل ہے۔

مسئلہ : کبوتروں کو مکانات میں بند رکھنا مکروہ ہے جبکہ لوگوں کو ان سے ضرر پہنچتا ہو۔ ابن مقاتل نے فرمایا : اگرچہ بلا وجہ انہیں قید میں رکھا جاتا ہے تاہم ان کو دانہ پانی ڈالنا نہایت ضروری ہے۔

- تتارخانیہ میں ہے کہ بلبل، طوطی، قمری وغیرہا کو پنجروں میں لہو ولعب کی خاطر رکھنا جائز نہیں۔
- کسی اور غرض سے بند رکھنا جائز ہے۔ مثلاً بطخ اور مرغابی وغیرہ کو اس لیے قید رکھا جائے کہ انہیں

marfat.ocm

کھلا پلا کر موٹا بنایا جاتے یا یہ ہمسائیگان کو ضرر نہ پہنچائیں تو کوئی ہرج نہیں ۔

○ درندے پرندوں کو شکار کے لیے قید کرنا جائز ہے ۔

○ فتاویٰ قاریؔ الہدایہ میں ہے کہ کیا پرندوں (جو خوش الحانی سے آواز نکالتے ہیں) کو بند رکھنا جائز ہے یا انہیں چھوڑ دینا؛ اس میں کون سے فعل میں ثواب ہے؟ اور کون سے عمل میں گناہ؟ ایسے ہی چمگادڑ کو مارنا جائز ہے یا نہیں جبکہ یہ مساجد کی چٹائیوں وغیرہ کو بلوث کر دیتا ہے ۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ خوشنوا پرندوں کو ان کی خوش نوائی سے انس پانے کی نیت پر قید رکھنا جائز ہے جبکہ اس پرندے کو کھلانے پلانے میں کمی نہ کی جائے ۔

○ موذی جانوروں اور پرندوں وغیرہ کو قتل کرنا جائز ہے ۔

حدیث شریف میں ہے:

لا تحضر الملائكة شيئًا من الملاهي سوى النضال و الرهان ۔

(ملائکہ کرام کسی بھی لہو و لعب کی جگہ پر نہیں آتے سوائے تیر اندازی اور گھڑ دوڑ کے) جو کہ جنگ و جہاد کے لیے کی جائے؛ ایسے اونٹوں اور پہلوانوں کی لڑائی جبکہ جنگ و جہاد کے لیے دیکھی جائے ۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ تعبثون کا مطلب یہ ہے کہ کیا ان لوگوں سے ٹھٹھا مخول کرتے ہو جو تمہارے ہاں سے گزرتے ہیں کیونکہ وہ بہت اونچے مکان بناتے تھے پھر اوپر بیٹھ کر نیچے سے ہر راہ گیر سے ہنسی مذاق کرتے تھے ۔

ف: بعض بہت بڑے مفسرین نے لکھا کہ اٰیۃ سے وہ علامتی اونچے مکانات مراد ہیں جو دور سے دکھائی دیں اور انہیں دیکھ کر منزل مقصود پر پہنچا جا سکے ۔ باوجودیکہ آگے ان کی نیت اچھی تھی ۔ لیکن چونکہ یہ عمارتیں بلا ضرورت تھیں اس لیے انہیں عبث سے تعبیر کیا گیا ان کی اس لیے ضرورت نہ تھی کہ منزلِ مقصود تک لوگوں کا پہنچنا تو ستاروں کے ذریعے ہو سکتا تھا پھر اونچی منازل بنانے کا کیا فائدہ!

ف: مفتی سعدی مرحوم نے فرمایا کہ اس سے انہیں بے فائدہ کہنا نامناسب ہے اس لیے کہ رات کو تو ستاروں کے ذریعے منازل تک پہنچنے کی معلومات حاصل کر سکتے ہیں لیکن دن کو ستارے نہیں ہوتے یا پھر کبھی رات کو ستارے بادلوں میں چھپ جاتے ہیں ۔

ف: فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ ایسے علامات یعنی تعمیرات کی بلندی (راستہ بتلانے کے لیے) کو عبث کہنا نامناسب ہے اگرچہ اس کے بالمقابل اس کا بدل موجود ہو ۔ جیسے بغداد و مکّہ کے راستوں پر میل نصب کیے گئے ہیں انہیں کوئی بھی عبث نہیں کہتا حالانکہ ان کے بالمقابل ستارے بھی موجود ہیں اور ان کو دوسرے طریقوں

marfat.com

سے راستہ مل سکتا ہے اور مٹی کو سونگھ کر اور دیکھ کر بھی علاقوں میں منازل طے کیے جا سکتے ہیں۔ جیسے روح البیان کی جلد اوّل میں گزرا ہے۔

وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ اور بہترین جگہیں بناتے ہو۔ مفردات میں مصانع سے امکنہ شریفہ مراد لیے ہیں اور صحاح میں لکھا ہے کہ ان سے زمین کے نیچے کے پانی کے ماٰخذ مراد ہیں (کذا فی القاموس)

حلِ لغات: المصنع بفتح المیم وضم النون وفتحہا، حوض کی طرح بارش کے پانی کے جمع ہونے کی جگہ ہوتی ہے۔ اس کی جمع مصانع ہے یعنی بڑے حوض۔

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ۝ تاکہ تم اس دنیا میں ایسے اعمال کر کے امید میں رہو کہ تمہیں اس میں مداومت نصیب ہو یعنی یہ تعمیرات اس نیت پر کرتے ہو کہ تمہیں اس دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ یہ لعل تشبیہ کے لیے ہے یعنی گویا تم نے اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

ف: پہلے ان کی مذمت کی ہے کہ بلا فائدہ مال ضائع کر دیا۔ (۲) مضبوط بلڈنگیں بنا کر اس امید میں پڑ گئے کہ ہم تا دیر زندہ رہیں گے۔

حضرت صائب نے فرمایا: ؎

در سرایں غافلاں طول امل دانی کہ چیست
آشیاں گردست ماری در کبوتر خانہ

ترجمہ: غافلوں کے ذہن میں لمبی لمبی امیدیں جانتے ہو کیا ہیں یہ کبوتر خانہ اور گرد کے بڑے بڑے سانپ ہیں۔

وَإِذَا بَطَشْتُم اور جب تم ڈنڈے یا تلوار سے پکڑتے ہو۔

حلِ لغات: البطش بمعنے شے کو حملہ یا قہر و جبر اور غلبہ سے پکڑنا۔

بَطَشْتُم پکڑتے ہو اس وقت تمہارا حال ہوتا ہے جَبَّارِينَ ۝ سرکش یعنی متسلط اور ظالم کا کہ اس میں نہ تمہارا قصد ہوتا ہے کہ کسی پر رحم کیا جائے یا ادب سکھایا جائے اور نہ ہی تمہاری انجام پر نظر ہوتی ہے۔ نہ ہی تم حق و عدل کو مدِ نظر رکھتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بطش کی ایک قسم جائز بھی ہوتی ہے اور جبّار وہ ہوتا ہے جو غضب میں کسی کو مار دے یا قتل کر دے فَاتَّقُوا اللّٰهَ یہ امور یعنی اونچے اونچے مکانات بنانا اور بہترین سے بہترین تعمیرات تیار کرنا اور بڑے بڑے حوضوں کی تیاری میں مال خرچ کرنا اور ناحق گرفت کرنا چھوڑ دو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے وَأَطِيعُونِ ۝ اور میری اطاعت کرو جس کی میں تمہیں دعوت دیتا ہوں، یعنی توحید و عدل و انصاف و ترک الامل وغیرہ پر میرا کہا مانو اس میں تمہاری بھلائی ہے وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُم اور اس ذات سے ڈرو جس نے تمہاری مدد کی۔ الامداد بمعنے دوسرے کا پہلے کے پیچھے لگنا انتظام میں یا کسی اور معاملہ میں۔

marfat.ocm

اس کا اکثر استعمال محبوب اشیاء میں اور مدّ کا مکروہ اشیاء میں ہوتا ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کے قول والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر میں تو تمہارا قانون نہیں چلتا۔

جواب: یہ مددت الدواۃ امدھا سے ماخوذ ہے اسے قاعدہ مذکور کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بسبب اس کے کہ جو تم جانتے ہو کہ اس کی تم پر بہت بڑی نعمتیں ہیں اور طرح طرح کے انعامات عطا فرمائے ہیں۔ پہلے اسے اجمالاً پھر تفصیلاً بیان فرماتا ہے کہ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ اس نے تمہاری مدد کی جانوروں سے۔ جیسے اونٹ، گائے اور بکریاں وغیرہ تاکہ تم ان سے نفع حاصل کرو وَّبَنِيْنَ ۝ اور اولاد سے، کہ ہر حال میں وہ تمہارے مددگار ہیں۔ وَجَنّٰتٍ اور باغات سے، تاکہ تم ان کے میوہ جات سے مستفید ہو وَّعُيُوْنٍ ۝ اور چشمے جاری کہ پیاس بجھانے اور سبزیاں اگانے اور کھیتیاں پکانے کا کام ان کے بغیر مشکل ہے اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ اگر تم ان نعمتوں کا حق ادا نہ کرو گے تو مجھے خطرہ ہے عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ تم پر بڑے دن کے بڑے عذاب کے نزول کا یعنی دنیا و آخرت میں مجھے تمہارے عذاب میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہے کیونکہ کفرانِ نعمت اپنے پیچھے عذاب لاتا ہے جیسے شکرِ نعمت زیادتیِ انعامات کا موجب ہے اور یوم کو عظم موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ دن بہت بڑے خطروں کا مجموعہ ہے کہ اس دن سب سے بڑی آندھی چلے گی۔ قَالُوْا ہود علیہ السلام کو عاد کی قوم نے جواب میں کہا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ ہمارے لیے یکساں ہے اَوَعَظْتَ نصیحت کرو اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝ یا نصیحت نہ کرو کیونکہ ہم ان امور سے باز نہیں آئیں گے جن پر ہم زندگی بسر کر رہے ہیں۔ الوعظ وہ زجر و توبیخ جو خوف دلانے پر مشتمل ہو اور وہ کلام جو دل کو نرم کرے وعد یا وعید سے۔

ف: خلیل نے کہا وہ خبر جو دل کو نرم کرے۔ اور عظۃٌ و موعظۃ ایک شے ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ الموعظۃ ' عظۃ کا اسم ہے۔

اِنْ هٰذَآ نہیں ہے یہ جو تم ہمارے ہاں لائے ہو اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ مگر پہلے لوگوں کی عادتیں کہ وہ بھی یہی کہتے کہ ہم پیغمبر ہیں اور (معاذ اللہ) جھوٹ بولتے رہے۔ وہ بھی تمہاری طرح جھوٹ گھڑتے اور اپنی لکھی ہوئی تحریر سے ہم لوگوں کو ورغلاتے، اور جس حال میں ہم ہیں وہ بھی پہلے لوگوں کا طریقہ ہے جیسے ہم دوسرے لوگوں پر غلبہ رکھتے ہیں وہ بھی ایسے ہی تھے اور وہ بھی گزار گئے ہم بھی گزار رہے ہیں وہ بھی کھا پی کر مر گئے ہم نے بھی مرنا ہے اس کے بعد نہ اٹھنا اور نہ کوئی حساب وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ اور نہ ہم عذاب دئیے جائیں گے یعنی جن اعمال و عادات کو ہم اپنا رہے ہیں ان پر ہمیں کوئی عذاب بھی نہ ہوگا۔

فَكَذَّبُوْهُ پھر قومِ عاد نے تکذیب پر اصرار کیا فَاَهْلَكْنٰهُمْ تو ہم نے قومِ عاد کو تباہ کر ڈالا بسبب تکذیب کے سخت آندھی سے۔

marfat.com

خلاصہ یہ ہوا کہ ہود علیہ السلام نے انہیں وعظ و نصیحت کی لیکن قوم عاد نہ مانی جس پر وہ تباہ و برباد ہوئے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً بے شک اس میں البتہ نشانی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ عاد کی قوم تباہ و برباد ہوگی وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ اور عاد کی قوم میں اکثر ایسے تھے مُّؤْمِنِیْنَ۝ جو ایمان لانے والے نہ تھے اس لیے کچھ لوگ ہود علیہ السلام پر ایمان لائے وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ اور بے شک تیرا پروردگار وہ غالب ہے جو بدلہ لے سکتا ہے ان لوگوں سے جو تکبر کرتے ہیں اور وعظ و نصیحت کو نہیں مانتے الرَّحِیْمُ۝ وہ مہربان ہے کہ اہلِ ایمان کو سزا کی تباہی سے باہر لاکر نجات دیتا ہے۔ اس میں اس امت کو ڈرایا گیا ہے کہ وہ قومِ عاد کے طریقہ پر نہ چلے۔

ف : حکماء فرماتے ہیں انسان کو سب سے بہتر شے جو عطا ہوئی ہے وہ عقل ہے جو اسے برائیوں سے روک لیتی ہے وہ نہ ہو تو حیاء، یہ نہ ہو تو خوف، یہ نہ ہو تو مال اس کے جملہ عیوب ڈھانپ لیتا ہے۔ یہ نہ ہو تو جلانے والی آگ آئے گی جو اسے جلاکر راکھ بنا دے گی جس سے بندگانِ خدا کو آرام ملے گا اور شہر کے لوگ خوش ہوں گے۔

یہ ایسے ہے جیسے زمین پر کانٹے بچھے ہوں تو انہیں زمین سے ہٹانا یا جلانا پڑتا ہے تاکہ زمین صاف ستھری ہوکر کام میں آسکے۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ عبرت حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے اور عادات و شہوات کو ترک کردے مخالفات و منہیات پر اصرار نہ کرے ؎

مگر کہ عادت شوم از جنود ابلیس است

کہ سدِ راہ عبادت شدہ است عادت ما

ترجمہ : بُری عادت ابلیس کے لشکر سے ہے جبکہ ہماری عادت عبادت کرنے سے سدِ راہ ہوگئی ہے۔

سبق : جو کچھ دنیا میں ہورہا ہے لطف ہو یا قہر، یہ سب کچھ عقل والوں کے لیے نصیحت و عبرت ہے۔

؎

عاقلاں را گوش بر آوازہ طبل رحلتست

ہر طبیدن قاصدے باشد دل آگاہ را

ترجمہ : دانا ہر وقت نقارۂ موت کی آواز پر کان لگائے بیٹھے ہیں کیونکہ ہر سخت آواز انسان کے دل کو آگاہ کرنے کے لیے ہے۔

ف : باوجودیکہ قومِ عاد کو طاقت و قوت حاصل تھی لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اسے تباہ و برباد کودیا۔ اور وہ

بقیہ صفحہ ۶۱۸

marfat.ocm

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٤١﴾ إِذْ قَالَ

ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا جب کہ ان سے

لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٤٢﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٤٣﴾

ان کے ہم قوم صالح نے فرمایا کیا ڈرتے نہیں بے شک میں تمہارے لیے اللہ کا امانت دار رسول

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٤٤﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ

ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور میں تم سے کچھ اس پر اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان

رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٤٥﴾ أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ ﴿١٤٦﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٤٧﴾ وَ

کا رب ہے کیا تم یہاں کی نعمتوں میں چین سے چھوڑ دیئے جاؤ گے باغوں اور چشموں اور

زُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿١٤٨﴾ وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ ﴿١٤٩﴾

کھیتوں اور کھجوروں میں جن کا شگوفہ نرم نازک اور پہاڑوں میں سے گھر تراشتے ہو استادی سے

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٥٠﴾ وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٥١﴾ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ

تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور حد سے بڑھنے والوں کے کہنے پر نہ چلو وہ جو زمین میں فساد پھیلاتے

فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿١٥٢﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٥٣﴾ مَا أَنْتَ

ہیں اور بناؤ نہیں کرتے بولے تم پر تو جادو ہوا ہے تم تو ہمیں

إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٥٤﴾ قَالَ هَٰذِهِ نَاقَةٌ

جیسے آدمی ہو تو کوئی نشانی لاؤ اگر سچے ہو فرمایا یہ ناقہ ہے ایک

لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَعْلُومٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ

دن اس کے پینے کی باری اور ایک معین دن تمہاری باری اور اسے برائی کے ساتھ نہ چھوؤ کہ تمہیں

عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ ﴿١٥٧﴾ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ

بڑے دن کا عذاب آلے گا اس پر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں پھر صبح کو پچھتاتے رہ گئے تو انہیں عذاب نے آلیا

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٥٨﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ

بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں بہت مسلمان نہ تھے اور بے شک تمہارا رب ہی عزت والا

الرَّحِيمُ ﴿١٥٩﴾

marfat.com

بھی نہایت کمزور شے سے یعنی ہوا سے۔ اور جب چاہتا ہے کہ ضعیف کو قوی بنا دے تو کر دکھلاتا ہے جیسے مچھر سے نمرود کو مروا دیا۔ اس معنے پر ہوا اللہ والوں کے لیے ضعیف ہے لیکن دشمنانِ خدا کے لیے بڑی طاقت ور ہے اس لیے اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ کی مختلف شانوں کی معرفت نصیب ہے۔ اسی لیے وہ ہر وقت مراقبہ میں رہ کر خوفِ خدا سے بھرپور رہتے ہیں جیسے جاہل لوگ خدا کے خوف سے غافل ہو کر امن میں رہتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں ان کی سرزنش کی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حقائقِ اشیاء سے تقویت بخشے اور ہر وقت ہمیں اہلِ مراقبہ سے بنائے۔ آمین

تفسیر عالمانہ

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ قبیلہ کی تاویل پر صیغہ مؤنث لایا گیا ہے اور ثمود اس قبیلہ کا جدِ اعلیٰ تھا اس کا نسب نامہ یوں ہے:

ثمود بن عبید بن عوص بن عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔

اس کے علاوہ اور وجوہ بھی ہیں جن کا ذکر مجلسِ اوّل میں آگیا ہے الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ثمود نے رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کی۔ اس سے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ سے پہلے پیغمبرانِ عظام علیہم السلام یا صرف صالح علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ ایک رسول علیہ السلام کی تکذیب کرنا گویا تمام رسل علیہم السلام کو جھٹلانا ہے بوجہ توحید اور اصول شرائع پر متفق ہونے کے۔ اب بتایا کہ انہوں نے کس وقت اپنے رسول علیہ السلام کی تکذیب کی۔ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ جب ان کے نسبی بھائی نے فرمایا۔ یہاں دینی برادر مراد نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے گناہوں سے محفوظ اور نبوت کے بعد معصوم ہوتے ہیں۔ اس نسبت کے اظہار کا فائدہ یہ ہے کہ معلوم ہو کہ صالح علیہ السلام ان کی برادری کے اور ان کے ہم زبان تھے تاکہ وہ دینی باتوں کو سمجھیں اور انکار نہ کرسکیں کہ ہمیں پیغمبر سے شناسائی نہ تھی اور نہ ہی ہم ان کی بولی سمجھتے تھے صٰلِحٌ صالح ابن عبید بن آسف بن کاشح بن حاذر بن ثمود اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ کیا تم خدا کے عذاب سے نہیں ڈرتے کہ کہیں وہ تمہیں تباہ کر ڈالے جب کہ تم اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ میں تمہارا رسول ہوں اور میری امانت داری تم میں مشہور و معروف ہے۔ اسی لیے میری بات پر تمہیں اعتماد ہے۔ فلہذا میں کہتا ہوں کہ تم خوفِ خدا کو دل میں جگہ دو اور میری اطاعت کرو ان جملہ امور میں کہ جن کی میں تمہیں دعوت دیتا ہوں وَمَاۤ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَیْهِ اس عقد نصیحت اور دعوت و تبلیغ پر میں تم سے نہیں مانگتا مِنْ اَجْرٍ مزدوری اور انعام کیونکہ اہلِ عفت اور پاکدامن لوگوں پر اس سے دھبہ لگتا ہے اِنْ اَجْرِیَ میری مزدوری اور انعام نہیں اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ مگر پروردگارِ عالم پر، کیونکہ مجھے اسی نے ہی تمہارے ہاں بھیجا ہے تو اس کی مزدوری بھی وہی دے گا بلکہ وہ اپنے مخلص بندوں کو بہتر مزدوری عطا فرماتا ہے۔

marfat.ocm

حدیثِ قدسی جیسا کہ حدیثِ قدسی میں اس کا اپنا فرمان ہے:
من قتلتہ فانا دیتہ۔
(جسے میں قتل کر ڈالوں اس کی دیت میں خود ہوں)

شعر لیف میں ہے:؎

عاشقاں را شادمانی وغم اوست

دست مزد و اجرت خدمت ہم اوست

ترجمہ: عشاق کی خوشی اور غم وہی ہے مزدوری اور اُجرت بھی وہ خود ہی ادا کرے گا۔

اَتُتۡرَکُوۡنَ ۝ استفہام انکار و توبیخ کا ہے یعنی کیا تمہارا گمان ہے کہ تم چھوڑ دئے جاؤ گے **فِیۡ مَا ھٰھُنَاۤ** یہاں کی سرزمین پر ان نعمتوں میں جو یہاں پر دنیا میں موجود ہیں اور یہ دنیا دار الجزاء نہیں **اٰمِنِیۡنَ** ۝ تتّرکون سے حال ہے یعنی درانحالیکہ تم آفات اور نعمتوں کے فوات سے امن و سکون میں ہو۔ نعیم کی تفسیر فرمائی۔ **فِیۡ جَنّٰتٍ** باغات میں **وَّ عُیُوۡنٍ** ۝ اور چشموں اور نہروں میں۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ صالح علیہ السلام کی قوم کے ہاں کوئی نہریں نہیں تھیں۔ اس معنیٰ پر یہاں عیون سے کنویں مراد ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ گرمیوں میں نہریں چلتی تھیں اور سردیوں میں کنووں سے کام لیتے تھے کیونکہ گرمیوں میں محلات میں اور باغات میں گزر اوقات کرتے اور ان ضروریات کو نہروں سے پورا کرتے۔

وَّ زُرُوۡعٍ اور کھیتیاں **وَّ نَخۡلٍ** اور کھجوریں۔

ف: کھجوریں اگرچہ باغات میں شامل تھیں لیکن چونکہ یہ تمام اشجار پر فضیلت رکھتی ہیں اس لیے ان کا علیحدہ ذکر کیا گیا ہے اس لیے کہ یہ آدم علیہ السلام کی بقایا مٹی سے پیدا کی گئی ہے۔

طَلۡعُھَا نخل کا طلع وہ ہوتا ہے جو تلوار کے نصل کی طرح ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ کھجور کا طلع باہر نکلتا ہے اور تلوار کا نصل اس کے اندر۔ گابھا کہ جس پر کھجور کے دانے لپٹے ہوتے ہیں۔ طلوع شمس سے تشبیہ ہے۔ شماریخ شمراخ کی جمع ہے بالکسر بمعنے عثکال یعنی عذق۔ اور کھجور کی ہر شاخ شمراخ ہے۔ یعنی وہ کہ جس پر کھجور کے دانے تر یا کچے پکے لپٹے ہوئے ہوں۔ قنو، عذق، کباسہ بالکسر ثمر میں اسی طرح ہیں جیسے عنقود گچھے انگور ہیں۔ **ھَضِیۡمٌ** ۝ یعنی اپنے جسم میں لطیف اور نرم جسم والا یعنی اس کھجور کا خوشہ اور شگوفہ نرم اور نازک ہوتا ہے کیونکہ اس کے اندر جو ثمر ہوتا ہے وہ نرم ہوتا ہے اس وجہ سے اسے ھضیم (نرم) کہا گیا۔

حل لغات: الھضم (بفتحتین) بمعنے رقیق اور کمزور ہونا۔ یعنی وہ گابھا نرم اور لطیف ہے۔ اسی سے ھضیم الکشح والحشی (نازک کمر اور نازک بھرتی والا) ہے۔ اسی سے ھضم الطعام ہے

marfat.com

بمعنے طعام پیٹ میں نرم ہو کر جسم میں حلول کر گیا ہے (کذا فی کشف الاسرار) یا لطیف اس لیے کہ تخیل مؤنث ہے جیسا کہ اس کے لیے ضمیر کی تانیث دلالت کرتی ہے۔ اور نرم گابھا مادہ کھجور کا اور نرم کھجور کا گابھا گاڑھا اور سخت ہوتا ہے۔

ف : ابن الشیخ نے فرمایا کہ برنی کھجور کا گابھا لون سے لطیف تر ہوتا ہے کیونکہ برنی عرب کی بہترین کھجور سمجھی جاتی ہے اور یہ معرب ہے اس لیے کہ یہ دراصل "بَرنیك" تھا یعنی اچھا پھل۔ اور لون وقل ہوتی ہے اور تمام کھجوروں سے ردی قسم ہے۔

ف : اہلِ عرب برنی اور عجوہ کے سوا باقی تمام کھجوروں کو لون کہتے ہیں اور جب تک وہ غلاف میں ہیں انہیں ہضیم سے موصوف کرتے ہیں کیونکہ ان کے بعض حصے بعض میں داخل اور ایک دوسرے سے چمٹے ہوتے ہیں اور جب غلاف سے باہر نکل آئیں گی ہضیم نہیں کہلائیں گی۔

ف : الکفری بضم الکاف والفاء وتشدید الراء کھجور کا غلاف۔ کیونکہ یہ کھجور کے ابتدائی گچھوں کو اپنے اندر چھپائے رکھتا ہے۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا: الھضم کھجور کا وہ گابھا جو نرم نرم ہوتا ہے، جیسے ونخل طلعها هضیم یعنی وہ گچھے جو ایک دوسرے میں داخل ہیں، گویا وہ چھپے ہوئے ہیں یا هضیم بمعنے لٹکنے والے اور ٹوٹنے والے۔ گویا وہ بوجھ کی وجہ سے لٹکے ہوئے اور ٹوٹے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ھضم بمعنے الکسر یعنی توڑنا، اور تدلی بمعنے لٹکنا اور اپنی جگہ سے نیچے کی طرف ہونا۔

المختار میں ہے کہ الھاضوم ایک جوارش کا نام ہے جو طعام کو ہضم کرتا ہے۔ یعنی توڑتا۔ طعام اس کی وجہ سے بہت جلد ہضم ہو جاتا ہے۔

وَتَنۡحِتُوۡنَ اور تم گھڑتے ہو گھر بنانے کے لیے مِنَ الۡجِبَالِ پہاڑوں سے بُيُوۡتًا مکانات۔

ف : منقول ہے کہ پہاڑوں میں ان لوگوں نے پتھروں سے دو ہزار یا دو ہزار ستر مکانات تیار کیے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں کاریگری کی صنعت سے موصوف فرمایا۔ کما قال:

فٰرِهِيۡنَ ۝ درانحالیکہ سنگ تراشی کے ماہر تھے، جیسا کہ امام راغب نے اس کا معنی کیا ہے حاذقین بمعنے ماہرین۔ یہ الفراھۃ سے مشتق ہے بمعنے نشاط۔ چونکہ سنگ تراش اپنی مہارت پر خوش ہوتا ہے اسی لیے اس صفت سے موصوف کیا گیا اور جس نے اسے فرھین پڑھا ہے اس نے اس کا معنی مرحین لکھا ہے یعنی سرکش اور متکبر۔ پہلا معنی ازفروہ (بالضم) اور دوسرا از فرہ (بالکسر) ہے۔

ف : آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قومِ ھود خیالی لذات کی خوگر تھی یعنی استعلاء و بقا اور تفرد و تجبر کے طالب تھے اور قومِ صالح حسی لذات میں منہمک تھی مثلاً کھانے پینے اور تعمیرات وغیرہ میں۔ اور یہ تمام امور دنیوی ہیں۔ اور غافلوں کا خاصہ ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر اہلِ عقبیٰ کی لذات ہیں وہ بیدار قلب لوگوں کا کام ہے اور یہ لذات

marfat.ocm

لذات علوم و معارف اور اس کے لوازمات، جیسے تواضع، وقار، تجرد اور صبر وغیرہ۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ اور حد سے بڑھنے والوں کے امور کی اطاعت نہ کرو۔ عبادت کا مقتضیٰ یہ تھا کہ ولا تطیعوا المسرفین ہونا چاہیے درمیان میں لفظ امر زائد لانا نہیں چاہیے اس لیے کہ اطاعت آمر (بصیغہ اسم فاعل) کی ہوتی ہے اور امتثال یعنی فرمانبرداری امر (مصدر) کی ہوتی ہے لیکن یہاں پہ امتثال کو امر سے تشبیہ دی اس لیے کہ طاعت و امر دونوں وجود اور مامور بہ کو چاہتی ہیں۔ اس تقریر پر مشبہ بہ یعنی طاعت بول کر امتثال مراد لیا گیا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ان کے امر کی فرمانبرداری نہ کرو الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ وہ جو زمین پہ فساد برپا کرتے ہیں یعنی یہاں پر کفر و ظلم کرتے ہیں۔ یہ المسرفین کی صفت موضحہ ہے۔ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ اور ایمان و عدل سے اصلاح نہیں کرتے۔ اس کا عطف یفسدون پر ہے۔ اس سے ظاہر کرنا ہے کہ ان کا افساد اصلاح سے یکسر خالی تھا۔

ف: لیکن معدودے چند لوگ تھے جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس کی تفصیل سورۂ نمل میں آئے گی (ان شاء اللہ)

قَالُوْٓا صالح علیہ السلام کے جواب میں قوم ثمود نے کہا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ بیشک تم بار بار جادو کئے گئے ہیں یہاں تک کہ اب تمہارے عقل و خیال میں خلل پیدا ہو گیا ہے اور تمہارا انداز فکر بگڑ گیا ہے۔ تفعیل کا باب محض تکثیر کے لیے ہے مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا اور تم نہیں مگر بشر مثل ہمارے۔ تم ہماری طرح کھاتے پیتے ہو، تم فرشتے تو نہیں ہو۔

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ بوجہ شکل بشری حضرت صالح علیہ السلام کی حقیقت کفار کے سامنے پوشیدہ رہی انہیں معلوم نہ ہو سکا کہ انسان اس ظاہری صورت کے علاوہ کچھ اور بھی تو ہوتا ہے ؎

چند صورت بینی اے صورت پرست

جان بے منیلست کز صورت ترست

درگزر از صورت و معنی نگر

زانکہ مقصود از صدف باشد گہر

ترجمہ: اے صورت پرست! کب تک صورت بینی میں پھنسے رہو گے وہ جان بے معنی ہے جو صرف صورت پر مبنی ہے صورت سے گزر کر معنی کو دیکھو کیونکہ صدف سے موتی مقصود ہوتا ہے (نہ کہ صرف صدف کی ظاہری شکل)

marfat.com

چونکہ قومِ ثمود نے صالح علیہ السلام کی ظاہری شکل سے غلطی کھائی اور اپنے جیسا سمجھ کر کہہ دیا کہ اے صالح (علیہ السلام) ! تم تو ہم جیسے بشر ہو پھر دعویٰ رسالت کیسا ! اور اگر اس دعویٰ کو ترک نہیں کرتے بلکہ اصرار کرتے ہو فَاْتِ بِاٰیَۃٍ تو لائیے دلیل، یعنی اپنا کوئی کارنامہ دکھائیے جو خرقِ عادت پر مشتمل ہو اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ اگر تم اپنے دین میں سچے ہو۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اس سخت پتھر سے ایسی ایسی اونٹنی نکال دے۔ صالح علیہ السلام نے دُعا مانگی تو ان کا مدّعا پُورا ہو گیا، جیسا کہ سورۂ اعراف و سُورۂ ہُود میں تفصیل گزری) قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ لو یہ ہے وہی اونٹنی جس کی تم نے فرمائش کی لَّهَا شِرْبٌ اس کے لیے پانی کی باری ہوگی وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ○ اور مقرر دن میں تمہارے لیے پانی کی باری ہوگی یعنی کنویں کا پانی ایک سالم دن اُونٹنی کے لیے چھوڑ دو اور ایک سالم دن تم پانی لیا کرو، لیکن جب اونٹنی کی باری ہو تو اُسے نہ روکنا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ لکم شرب معلوم میں مہایاۃ کی صورت پیدا ہو گئی اور یہ مفاعلہ کا باب از ھیئۃ ہے بمعنے وہ حالتِ ظاہرہ جو کسی شے کے لیے تیار کی گئی ہو۔ التہائی اسی سے ہے از باب تفاعل۔ ہر وہ کام جسے متفق ہو کر تیار کیا جائے۔ گویا وہ سب ایک ہیئت پر راضی ہو گئے اور شریعت میں ہر اس منافقت کو کہا جاتا ہے جسے لوگ باری باری عمل میں لائیں۔ مثلاً ایک مشترکہ دار میں دو شریک آپس میں طے کریں کہ تم دار کے فلاں حصے میں اور ہم فلاں حصے میں یا تم اُوپری حصے میں اور ہم نچلے حصے میں یا تم ایک ماہ یا سال اس دار میں ٹھہرو گے اور ہم ایک ماہ یا سال وغیرہ وغیرہ یا دو دار ہیں ایک میں تم ایک میں ہم۔ یا مشترک غلام ہو، اور آپس میں طے کرے کہ وہ ایک دن تمہاری خدمت کرے گا ایک دن ہماری۔ یا دو مشترک غلام ہیں ان کے متعلق طے کرلیں کہ یہ تمہاری خدمت کرے گا اور وہ ہماری، وغیرہ۔ یہ تمام صورتیں التہائی کی ہیں اور سب کی سب شرعاً جائز ہیں۔ اس میں کسی امام کا اختلاف نہیں بلکہ اجماع ہے کیونکہ ایسی صورتوں میں انسان کو عام ضرورت پڑتی ہے فلہٰذا استحساناً جائز ہیں۔ اس لیے کہ ظاہر ہے کہ بیک وقت تمام شرکا، تو مشترکہ اشیاء سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اسی لیے ایسی تقسیم بوجہ مجبوری جائز قرار دی گئی ورنہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ناجائز ہو کیونکہ مبادلۃ المنافع بجنسہا ہے اور ایسا مبادلہ شرعاً حرام ہے۔ لیکن کتاب و سنّت کے حکم سے قیاس کو ترک کر دیا گیا کتاب کی دلیل تو آیت مذکورہ ہے اور روایت ذیل کا حکم بھی یہی ہے۔

روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں ایک اونٹ تین آدمیوں میں تقسیم فرمایا تو راستہ طے کرنے میں تینوں باری باری اُونٹ پر سوار ہوتے۔ ایسی صورت کے جواز میں امت کا اجماع ہے۔

marfat.ocm

ف : فتح الرحمٰن میں ہے کہ مہایاۃ کے جواز و عدمِ جواز میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ باری سے رُکنے والے کو اپنی باری پر مجبور کیا جائے گا جب کہ مطالبہ کرنے والا ضد سے نہ کہہ رہا ہو۔ لیکن ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ جائز ہے جب سب راضی ہوں ان میں کسی کو مجبور نہ کیا جائے گا۔

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا۔ یعنی اسے نہ قتل کرو اور نہ مارو۔ اگر تم انکار کرو گے فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ تو تمہیں بڑے دن کا عذاب پکڑ لے گا اسے عظیم اس لیے کہا گیا تو اس میں عذابِ شدید کا نزول ہوگا۔ مثلاً جبریل علیہ السلام کی سخت آواز سے سب کو تباہ و برباد کر دینا فَعَقَرُوْهَا عقرت البعیر سے ہے بمعنے نحرته۔ یعنی انہوں نے اسے ذبح کیا۔ دراصل العقر بمعنے تلوار سے پنڈلی کاٹ دینا۔ (کذا فی کشف الاسرار)

یعنی کافروں نے اُونٹنی کا پیچھا کر کے اسے قتل کر دیا، وہ بدھ کا دن تھا۔ اونٹنی اس وقت مر گئی اور عقر کی نسبت تمام کافروں کی طرف ہے حالانکہ اُونٹنی کو صرف ایک نے مارا تھا کیونکہ وہ سب اُونٹنی کے مارنے پر راضی تھے۔ اسی لیے تمام کافر عذاب میں مبتلا کیے گئے۔

ف : حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اُونٹنی کے رہنے کی جگہ دیکھی وہ ۶۰ × ۶۰ گز میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے مارنے کے بعد ان کافروں پر عذاب نازل ہو گیا۔

فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ○ پس وہ اونٹنی کو مارنے کے بعد نادم ہو گئے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اب عذاب آئے گا اور توبہ بھی قبول نہ ہو گی یا ان کو ندامت اس وقت ہوئی جب اُنہوں نے عذاب کو نازل ہوتے دیکھا۔ اسی لیے اس وقت انہیں ندامت نے فائدہ نہ دیا اگرچہ ان کی یہ ندامت توبہ کی مانند تھی جیسے فرعون نے پانی میں ڈوبتے وقت توبہ کی کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔

حلِ لغات : الندم والندامة التحسر یعنی اس رائے پر ندامت ہوئی کہ جب انہوں نے صالح علیہ السلام کو چیلنج کے طور پر کہا فأت بها۔

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ تو انہیں اس عذاب نے گھیر لیا جس کے آنے کی خبر انھیں پہلے سنائی گئی تھی وہ تھا جبریل علیہ السلام کا چنگھاڑنا اور وہ ہفتہ کا دن تھا اس میں سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً اس عذاب نازل ہونے والے میں عبرت ہے جو دلالت کرتی ہے کہ ظہور آیات کے بعد کفر کرنا عذاب کے نزول کا موجب ہے۔

سبق : اس سے عقلمندوں بالخصوص قریش کو عبرت کرنی چاہئے۔

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ اور نہ تھے قوم ثمود یا قریش کے اکثر ایمان لانے والے

marfat.com

ف : ثمود کی قوم میں سے صرف چار ہزار اشخاص ایمان لائے۔

ف : حضرت صالح علیہ السلام پر بعد بلوغ وحی کا نزول ہوا اور ہود علیہ السلام کے بعد آپ ایک لاکھ افراد کی طرف نبی مبعوث ہوئے اور ان میں ایک سو بیس سال گزارے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ اور بے شک تیرا پروردگار غالب ہے اس پر جو اس نے قوم ثمود سے انتقام لینے کا ارادہ فرمایا جبکہ انہوں نے صالح علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جڑ کاٹ دی۔

سبق : اللہ تعالیٰ کے احکامات کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ وہ بھی ایسے ہی امم سابقہ کی طرح عذاب میں مبتلا ہو جائیں۔

الرَّحِيْمُ ۝ وہ بڑا مہربان ہے کہ استحقاق کے بغیر کسی پر عذاب نازل نہیں فرماتا۔

ف : چونکہ اونٹنی صالح علیہ السلام کی نبوت کی دلیل تھی اس لیے انہوں نے اسے قتل کر دیا، پھر نادم ہوئے مگر اس وقت ندامت سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔

سبق : قرآن مجید ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی نبوت کی علامت ہے سو جو اسے چھوڑ دے گا یعنی نہ اس پر عمل کرے گا اور نہ اس کی عظمت کو مانے گا تو وہ بھی ایک دن نادم ہو گا اور اس پر عذاب نازل ہو گا۔ اس کی عظمت ماننے کا یہ معنیٰ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔

سبق : جتنا ہو سکے قرآن پاک پر عمل کیا جائے۔ یہی عقول و فہوم کا تقاضا ہے صرف زبانی جمع خرچ اچھا نہیں۔ کیونکہ عمل ہی حقیقتِ حال کا شاہد ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

۱ حفظ لفظ اندر گواہ قولی است
حفظ عہد اندر گواہ فعلی است

۲ گر گواہ قول کژ گوید رد ست
ور گواہ فعل کژ پوید بدست

۳ قول و فعل بے تناقض بایدت
تا قبول اندر زمان پیش آیدت

---

۴ چوں ترازوے تو کژ بود و دغا
راست چوں جوے ترازوے جزا

۵ چونکہ پائے چپ بدی در غدر و کاست
نامہ چوں آید ترا در دست راست

marfat.ocm

۶ چوں جزا سایہ است اے قد تو خم
سایۂ تو کژ فتد در پیش ہم

---

۷ کافراں را بیم کرد ایزد زنار
کافراں گفتند نار اولے زعار

---

۸ لاجرم افشند در نار ابد
الامان یا رب از کردار بد

ترجمہ :(۱) لفظوں کی نگرانی صرف قول کی گواہی ہے اس کے عہد کی حفاظت فعلی گواہی ہے۔
(۲) اگر کوئی لفظی گواہی ٹیڑھی دے تو وہ مردود ہے ایسے ہی اگر فعل کی گواہی غلط ہے تو تمام معاملہ خراب ہوگا۔
(۳) قول و فعل میں کوئی تناقض نہیں ہونا چاہیے اس سے عدم قبولیت پیش آئے گی۔
(۴) جب تمہارا ترازو ٹیڑھا ہو تو اس سے سچائی طلب کرنا کیسا!
(۵) جب تم دھوکے اور فریب کا کام کرتے ہو تو پھر تمہارے ہاں سچائی کہاں سے آئے گی!
(۶) اے ٹیڑھے قد والے! تیرا سایہ تیری جزا ہے، تو ٹیڑھا تو تیرا سایہ بھی ٹیڑھا ہوگا۔
(۷) اللہ تعالیٰ نے کافروں کو آگ سے ڈرایا تو انہوں نے کہا کہ ہم کو عار کی بجائے نار بہتر ہے۔
(۸) اسی لیے وہ ہمیشہ آگ میں رہے اے اللہ! ہم بُرے عمل سے امان و پناہ مانگتے ہیں۔

سبق : اے بھائی! اہلِ عار سے نہ ہو اہلِ نار سے ہو جاؤ گے جس کے کان سننے والے اور دل یاد رکھنے والا ہے وہی آیاتِ الٰہی کی طرف متوجہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے گا اور ہر گھڑی یعنی رات دن اپنے اوقات کی نگہداشت کرے گا اور خلوت و جلوت میں ذکرِ الٰہی کی کثرت کرے گا۔

حکایت حضرت شیخ شبلی قدس سرہٗ نے سیاحت کے دوران ایک نوجوان کو کثرت سے ذکر کرتے دیکھا آپ نے اسے فرمایا صرف اللہ اللہ کی رٹ لگانے سے کام نہ بنے گا جب تک شرع مطہرہ کے حکم کی پابندی نہ کرو گے کیونکہ یہود و نصاریٰ اس ذکر میں تیرے ساتھ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولئن سألتھم من خلقھم لیقولن اللہ۔
(اور اگر ان سے پوچھو کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو وہ کہیں گے اللہ نے)

(باقی برصفحہ ۶۲۶)

marfat.com

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا
لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے ہم قوم لوط نے فرمایا کیا تم
تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ
ڈرتے نہیں بیشک میں تمہارے لیے اللہ کا امانت دار رسول ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور میں اس پر تم سے
عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ
کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے کیا مخلوق میں مردوں سے بدفعلی کرتے
الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ
ہو اور چھوڑتے ہو وہ جو تمہارے لیے تمہارے رب نے جوروئیں بنائیں بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے
عَادُونَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ إِنِّي
والے ہو بولے اے لوط اگر تم باز نہ آئے تو ضرور نکال دیئے جاؤ گے فرمایا میں تمہارے
لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ
کام سے بیزار ہوں اے میرے رب مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے کام سے بچا تو ہم نے اسے اور اس کے
أَجْمَعِينَ ﴿١٧٠﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿١٧٢﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ
سب گھر والوں کو نجات بخشی مگر ایک بڑھیا کہ پیچھے رہ گئی پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر ایک برساؤ
مَطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٧٣﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ
برسایا تو کیا ہی برا برساؤ تھا ڈرائے گیوں کا بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں بہت مسلمان نہ
مُؤْمِنِينَ ﴿١٧٤﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٧٥﴾
تھے اور بے شک تمہارا رب ہی عزت والا مہربان ہے

(صفحہ ۶۲۵ سے آگے) نوجوان یہ سن کر دس بار اللہ اللہ کہہ کر بیہوش ہوگیا اور وہیں ڈھیر ہوگیا۔ شیخ شبلی قدس سرہٗ تشریف لائے اور دیکھا کہ اس کا سینہ پھٹ چکا تھا اور اس کے سینے پر لکھا تھا "اللہ"۔ اس پر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا: اے شبلی! یہ اللہ تعالیٰ کے محبوبوں میں سے تھا اور وہ بہت تھوڑے ہیں

marfat.ocm

اللہ تعالیٰ نے عارفین کے قلوب کو پیدا کر کے انہیں اپنی معرفت سے سنوارا اور یقین سے مزین کیا انہیں طریق ذکر حقانی کے ذریعے روحانی نعمتوں میں داخل فرمایا جیسے غافلوں کو نسیان اور گناہوں پر اصرار کی وجہ سے جسمانی و روحانی عذاب میں مبتلا فرماتا ہے پہلا آثار رحمتِ الٰہی ہے اور دوسرا علاماتِ عزت سے۔ اس کی طرف وہی راہ پاتے ہیں جو اس کے قرب و وصال کے اہل ہیں۔ اس کی راہ سے وہی بھٹکتے ہیں جو اس کے قہر و عذاب کے مستعد ہیں۔ ہم اس کریم و رحیم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بڑے دن کے بڑے عذاب سے بچائے جس دن نہ اولاد نفع دے گی نہ مال سوائے اس کے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قلب سلیم لایا۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨ قومِ لُوط نے جھٹلایا یعنی اہلِ سدوم اور اس کے ملحقات الْمُرْسَلِيْنَ ۝ رسل کرام علیہم السلام کو یعنی لُوط و ابراہیم علیٰ نبینا و علیہما السلام اور وہ رسل علیہم السلام جو ان سے پہلے گزرے اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ جب انہیں ان کے شفیق نبی لُوط علیہ السلام نے فرمایا۔

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ یہاں اخوت سے لُوط کی شفقت مراد ہے اس لیے کہ لُوط علیہ السلام اس قوم کے نسب سے نہیں بلکہ اجنبی تھے کیونکہ انہوں نے جب اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی تو ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اُردن میں اتار کر سدوم والوں کی طرف رسول مقرر فرمایا۔

(تعارفِ لُوط علیہ السلام حسب ذیل ہے:)

تعارفِ لُوط علیہ السلام لوط بن ہاران اور ہاران تارخ ابی ابراہیم کا بھائی تھا۔

اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ کیا تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے نہیں ہو کہ شرک و معاصی کے مرتکب ہو رہے ہو اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ بے شک میں تمہارے لیے رسول ہُوں یعنی تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہُوں، اَمِیْنٌ ۝ امانت دار مشہور ہُوں اور ہر ایک کو میرے اُوپر پُورا اعتماد ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اس لیے معتمد کی ہر بات پر اعتماد ہونا چاہیے وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اور میں تم سے تبلیغ و تعلیم کی مزدوری کا سوال نہیں کرتا مِنْ اَجْرٍ انعام اور بدلہ دنیوی کیونکہ احکامِ الٰہیہ کے مبلغ کو کسی سے اجر اور مزدوری اور انعام لینا بُرا عمل ہے اِنْ اَجْرِیَ میرا اجر و ثواب نہیں اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ مگر پروردگارِ عالم پر بلکہ میری اس طلب کا تعلق بھی سوائے خدا کے اور کسی سے نہیں ہے

marfat.com

خلاف طریقت بود کاولیا
تمنا کنند از خدا جز خدا

ترجمہ : یہ طریقت کے خلاف ہے کہ اولیاٗ کرام اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے کسی شے کی آرزو کریں۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ استفہام انکاری ہے فاحش عمل پر اتیان کا اطلاق ایسے ہے جیسے حلال فعل پر اس کا اطلاق آیا ہے۔ کما قال :

فأتوا حرثکم ۔ (آؤ اپنی کھیتوں میں)

حلِ لغات : ذکران ـ ذکور ذکر کی جمع اور اُنثیٰ کی نقیض ہے ۔ لیکن یہاں پر عضو مخصوص مراد ہے یعنی دُبر ۔ (کذا فی المفردات) من العالمین ـ تأتون سے حال ہے ۔ اس سے حیوانات سے وطی کرنے والے مراد ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کیا تم عالمین میں حیوانات کے ذکور پر آتے اور ان سے جماع کرتے ہو اور یہ ایسا عمل ہے کہ اس میں تمہارے ساتھ اور کوئی شریک نہیں یعنی یہ ایک ایسا برا عمل ہے جس کا تمہیں علم بھی ہے اور تمہارے پاس اس کے جواز کا کوئی معقول عذر نہیں۔

ف : نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ الذکران سے حال ہو اور اس سے صرف انسان مراد ہوں۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تم اولادِ آدم کے ذکور سے وطی کرتے ہو حالانکہ تمہارے ہاں عورتوں کی بہتات ہے گویا وہ عورتیں تم کو معدوم سمجھتی ہیں۔

ف : مروی ہے کہ یہ بُرا عمل انہیں ابلیس نے سکھایا۔

وَتَذَرُوْنَ اور تم چھوڑتے ہو۔

حلِ لغات : تذرون ـ فلان یذر الشیٔ سے ہے ۔ یعنی فلاں فلاں شے کو نامعتبر سمجھ کر چھوڑتا ہے ۔ اس کی ماضی مستعمل نہیں۔

مَا خَلَقَ لَكُمْ اسے جو تمہارے نفع کے لیے پیدا فرمائی ہے مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ تمہاری عورتوں میں سے۔ من بیانیہ ہے اگر ازواج سے عورتوں کی جنس مراد ہو ، اور اگر عضو مخصوص مراد ہو جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے یعنی رحم ، تو یہ من تبعیضیہ ہے اس میں تعریض ہے کہ وہ ایسے پاگل تھے کہ یہ لواطت اپنی عورتوں سے بھی کرتے تھے ۔ یہی پچھلا معنی دلیل بن رہا ہے کہ اپنی عورتوں اور لونڈیوں سے بھی لواطت حرام ہے ۔

marfat.ocm

مذمتِ لواطت حدیث شریف میں ہے،

من أتی امرأة فی دبرها فھو بریٔ مما انزل علی محمد و لا ینظر اللہ الیہ۔

(جو شخص اپنی عورت سے بیزار ہے تو وہ اس سے بیزار ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمایا، (قیامت میں) اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ عنایت نہیں فرمائے گا)

مسئلہ: بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو اپنی عورت کے ساتھ لواطت کو کفر کہا ہے۔

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝ بلکہ تم ہو جمیع معاصی میں حد سے بڑھنے والے، اور منجملہ ان کے یہ بھی ہے۔

مسئلہ: لوطی کی سزا میں اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس پر حد نہیں (سخت تعزیر ہے)۔

صاحبین رضی اللہ عنہما اس کے برعکس حد کی سزا کا حکم فرماتے ہیں اس کی تفصیل سورۂ ہود میں گزری ہے۔
امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا، فاعل و مفعول دونوں رجم کے حقدار ہیں وہ شادی شدہ ہوں یا نہ۔ اور امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی سزا زنا کے مطابق ہے۔

قَالُوْا جنہیں لوط علیہ السلام نے لواطت سے روکا انہوں نے کہا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ اے لوط (علیہ السلام) اگر تم ہماری قباحت بیان کرنے اور ہمیں لواطت سے روکنے سے باز نہ آؤ گے لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ۝ تو تم شہر بدر ہونے والوں سے ہو گے اور نہایت ذلت و خواری کے ساتھ ہم تمہیں اپنے شہر سے نکال دیں گے قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ فرمایا بے شک میں تمہارے عمل یعنی لواطت سے مِّنَ الْقَالِيْنَ ۝ بیزاروں سے ہوں۔ یعنی ان حضرات سے ہوں جو ایسے فعل کے مرتکبین کے ساتھ سخت بغض و عداوت رکھتے ہیں گویا وہ اس سے غیظ و غضب کی وجہ سے اپنے دل اور جگر کو جلا لیتے ہیں۔
بہر حال میں تمہاری دھمکیوں اور ہراساں کرنے سے مرعوب ہو کر ایسے بُرے فعل سے منع کرنے سے باز نہیں آؤں گا۔

حلِ لغات: یہ قلی کا فاعل ہے بمعنے البغض الشدید محذوف سے متعلق ہے یہ دراصل لقال من القالین و مبغض من المبغضین ہے یعنی اس کا محذوف قال ہے اور وہ انّ کی خبر ہے اور من القالین اس کی صفت ہے اور لعملکم خبر محذوف کے متعلق ہے اور اگر ہم من القالین کو ان کی خبر اور قالین کو لعملکم کے متعلق بنائیں تو موصول کی صلہ پر تقدیم لازم آئے گی۔

marfat.com

ف : غالباً اس سے لُوط علیہ السلام نے ان کے ساتھ سکونت رکھنے سے کراہت کا اظہار فرمایا اور واضح فرمایا کہ خدا کرے مجھے تم سے چھٹکارا مل جائے۔ اسی لیے اب ان سے گفتگو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے :

رَبِّ اے میرے پروردگار! نَجِّنِیْ مجھے نجات دے وَاَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ۝ اور میرے کنبہ کو اس سے جو وہ عمل کرتے ہیں یعنی ان کے خبیث عمل کی شامت اور عذاب سے فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ۝ تو ہم نے اسے اور اس کے سارے کنبے کو نجات بخشی یعنی ان کے رشتہ داروں کے علاوہ ان لوگوں کو بھی نجات دی جنہوں نے دُنیا میں لُوط علیہ السلام کی اتباع کی کہ پہلے انہیں اس بستی سے باہر نکالا پھر ان بستی والوں پر عذاب نازل کیا اِلَّا عَجُوْزًا مگر ایک بڑھیا جو لُوط علیہ السلام کی اہلیہ تھی اس کا نام والھہ تھا جسے اھلہ سے مستثنیٰ کیا گیا۔

ازالہ وہم نبی علیہ السّلام کی اہلیہ کا کافر ہونا حرج کی بات نہیں کیونکہ اس وقت کافرہ عورتوں سے نکاح جائز تھا اور وہ اس وقت لُوط علیہ السلام کے کنبہ میں شامل تھی اسی لیے اسے مستثنیٰ کیا گیا۔

حلِ لغات : امام راغب نے فرمایا کہ عجوز (عجز) کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئی کہ وہ بہت سے امور میں عاجز ہوا کرتی ہے۔

فِی الْغٰبِرِیْنَ ۝ درانحالیکہ وہ ان لوگوں میں پیچھے رہنے والوں میں سے تھی جن پر عذاب نازل ہونا تھا کیونکہ وُہ ان غلط کار لوگوں کی طرف مائل بلکہ ان کے ایسے قبیح افعال پر خوش تھی اسے لوط علیہ السلام کے ساتھ جانا پڑا۔ لیکن راستہ میں اس کے سر پر پتھر پڑا تو وہیں ڈھیر ہوگئی۔

اعجوبہ مروی ہے کہ لُوط علیہ السّلام کی اسی اہلیہ مذکورہ نے جب عذاب کا دھماکہ سُنا اور پیچھے مُڑ کر دیکھا تو وہ پتھر کی شکل میں مسخ ہوگئی۔ اب وہ پتھر ہر ماہ کے اول میں حیض کرتا ہے۔ (کذا فی کتاب التعریف للامام السہیلی)

حلِ لغات : المفردات میں ہے کہ الغابر بمعنے الماکث یعنی وُہ شخص جو کسی کے ساتھ ہو اور وہ چل دے اور یہ پیچھے رہ جائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اِلَّا عجوزاً فی الغابرین۔

یعنی ان پیچھے رہنے والوں میں سے جن میں اس نے زندگی گزاری۔ بعض نے کہا ان کے ساتھ جو لوط علیہ السلام کے جانے کے بعد پیچھے رہ گئے تھے بعض نے کہا وہ جو عذاب کے لیے بچ رہے اور لوط علیہ السلام کے ساتھ نہ گئے۔

marfat.ocm

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ○ پھر ہم نے دوسروں کو شدت سے تباہ کر ڈالا کہ ان کے شہروں کو الٹ دیا۔
حلِ لغات: التدمیر بمعنے کسی کو ہلاکت میں ڈالنا۔ الدار بمعنے عجیب طریقے سے تباہ کرنا، جو نہایت ہی ہولناک ہو۔
وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا اور ہم نے ایسی بارش برسادی جو کسی کے وہم و گمان میں نہ تھی یعنی پتھر برسادے فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ○ تو بہت بُری تھی بارش ان کی جنہیں ڈرایا گیا تھا اور وہ ایمان کی دولت سے محروم رہے۔
ف: اس سے کوئی مخصوص قوم مراد نہیں کیونکہ افعال مدح وذم کا قانون ہے کہ ان کا فاعل معرف بلام الجنس ہو یا معرف بلام الجنس کی طرف مضاف ہو یا مضمر ممیز بہ نکرہ ہو اور اس کا مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ مطرھم ہے۔
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً جو قوم لوط (علیہ السلام) کے ساتھ کیا گیا البتہ عبرت ہے آنے والی نسلوں کے لیے۔ پس انہیں چاہیے کہ وہ ایسے قبیح فعل سے اجتناب کریں تاکہ کہیں ان پر بھی قوم لوط کی طرح عذاب نازل نہ ہو جائے وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ اور ان کے اکثر مومن نہ ہوئے۔
مروی ہے کہ لوط علیہ السلام پر صرف اس کی دو لڑکیاں اور دو داماد ایمان لائے۔
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ اور بے شک تیرا پروردگار البتہ دشمنوں پر قہر کرنے پر غالب ہے الرَّحِيْمُ ○ اپنے اولیاء کو مدد دینے میں مہربان ہے یا یہ معنیٰ ہے کہ وہ تنبیہ وارشاد سے پہلے کسی پر عذاب نہیں بھیجتا اور عذاب کے مستحق کو عذاب دینا بھی اس کی کمال رحمت ہے اور اہلِ ثواب کو ثواب دینا بھی۔ کیونکہ تم نے دیکھا ہو گا کہ کسی کو آکلہ کا مرض ہو تو بھلائی اسی میں ہے کہ وہ عضو کاٹ دیا جائے ورنہ مریض کا تمام جسم تباہ ہو جائے گا۔ اس معنی پر فسادی تمام جہان کے لیے اسی مرض آکلہ کی طرح ہے کہ جس طرح آکلہ کے مریض کا متاثرہ عضو کاٹنے میں بھلا ہے ایسے ہی اہلِ عذاب کو عذاب دینے سے تمام اہلِ ثواب کی بھلائی ہو گی کیونکہ اہلِ فساد کے دفع کرنے سے اہلِ صلاح کو راحت وفرحت نصیب ہوتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

چونکہ دندان تو کرمش در فتاد
نیست دندان برکنش ای اوستاد
باقیٔ تن تا نگردد زار ازو
گرچہ بود آں تو شو بیزار ازو

(باقی برصفحہ ۶۳۲)

marfat.com

كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝١٧٦
بن والوں نے رسولوں کو جھٹلایا

إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ۝١٧٧ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ۝١٧٨ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ۝١٧٩
جب ان سے شعیب نے فرمایا کیا ڈرتے نہیں بیشک میں تمہارے لیے اللہ کا امانتدار رسول ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا

وَمَا أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٨٠ أَوْفُوا الْكَيْلَ
حکم مانو اور میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہاں کا رب ہے ناپ پورا کرو

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝١٨١ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝١٨٢ وَلَا تَبْخَسُوا
اور گھٹانے والوں میں نہ ہو اور سیدھی ترازو سے تولو اور لوگوں کی چیزیں

النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝١٨٣ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ
کم کر کے نہ دو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو اور اس سے ڈرو جس نے تم کو پیدا

وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِيْنَ ۝١٨٤ قَالُوْا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝١٨٥ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ
کیا اور اگلی مخلوق کو بولے تم پر جادو ہوا ہے تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی

مِثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝١٨٦ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ
اور بے شک ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادو اگر

إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝١٨٧ قَالَ رَبِّيْ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١٨٨ فَكَذَّبُوْهُ
تم سچے ہو فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے کوتک ہیں تو انہوں نے

فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۚ إِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝١٨٩ إِنَّ فِيْ
اسے جھٹلایا تو انہیں شامیانے والے دن کے عذاب نے آلیا بیشک وہ بڑے دن کا عذاب تھا بے شک اس

ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۚ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٩٠ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝١٩١
میں ضرور نشانی ہے اور ان میں بہت مسلمان نہ تھے اور بے شک تمہارا رب ہی عزت والا مہربان ہے

(صفحہ ۶۳۱ سے آگے)

ترجمہ: جب تیرے دانت میں کیڑا پڑ جائے تو دانت کو اکھیڑ دے ورنہ باقی جسم

marfat.ocm

درد سے کراہے گا۔ اگر ایسا نہیں کروگے تو سارے جسم کو پریشان رکھو گے اور اس سے بیزار رہو گے۔

نکتہ ؛ اگر قہر وغلبہ بر اعداء کا کوئی فائدہ نہ ہوتا تو جرائم کی سزائیں ہرگز مقرر نہ کی جاتیں اسی لیے عرب کا مقولہ مشہور ہے:

اقامة الحدود خیر من خصب الزمان۔

(حدود قایم کرنا خوشحالی زمانہ سے بہتر ہے)

شہری زندگی کے فوائد حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا جو ایسی جگہ سکونت پذیر ہو جہاں نہ سلطان قاہر ہے اور نہ قاضی عادل، نہ ہی طبیب عادل، نہ ہی بازار قائم، نہ ہی نہر جاری، تو اس نے اپنے آپ کو، اپنے اہل وعیال، مال اور آل واولاد کو ضائع کیا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ شہوات سے احتراز کرے اور غلط عادات کو چھوڑے اور اپنے نفس کے ساتھ سختی و نرمی سے ہر حالت میں جہاد کرے۔

(تفسیر آیات صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ كَذَّبَ أَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ○ بن والوں نے رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کی یعنی شعیب علیہ السلام اور ان سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی۔ الایکہ وہ بن جہاں نرم پتوں والے درخت پیدا ہوتے ہیں جیسے بیری اور پیلو وغیرہ۔ یہ بن مدین کے قریب واقع تھا جہاں ایک قوم قیام پذیر تھی ان کی طرف شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے جبکہ پہلے آپ کو مدین میں بھیجا گیا تھا چونکہ وہ مدین والوں کے رشتہ دار تھے اسی لیے فرمایا:

و الی مدین اخاھم شعیبا۔ (اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا)

اور بن والے آپ کے رشتہ دار نہ تھے اسی لیے ان کے لیے فرمایا: إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ جبکہ انھیں شعیب علیہ السلام نے فرمایا۔ یہاں اخوھم شعیب نہیں فرمایا۔

شعیب علیہ السلام کا نسب نامہ شعیب بن تویب بن مدین بن ابراہیم (علیہ السلام) یا ابن میکیل بن یشجر بن مدین ابن ابراہیم (علیہ السلام) اور شعیب علیہ السلام کی والدہ لوط علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں۔

أَلَا تَتَّقُوْنَ ○ کیا تم پروردگار کے عذاب سے ڈرتے نہیں کہ اس کے ساتھ شرک کرتے ہو۔

marfat.com

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ○ بے شک میں تمہارے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، تمہارے معاملات میں بھی امین ہوں اور اللہ تعالیٰ کی پیغام رسانی میں بھی۔ میں صرف تمہاری اصلاح چاہتا ہوں فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ○ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جس کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں اس میں میری اطاعت کرو کیونکہ میرا حکم اللہ کا حکم ہے اور میری اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اور میں تم سے اس کے متعلق نہیں مانگتا مِنْ اَجْرٍ کوئی مزدوری اور بدلہ یعنی اللہ تعالیٰ کی پیغام رسانی میں تم سے میرا عوض اور بدلے کا کوئی سوال نہیں اور نہ ہی تعلیم دین میں تم سے انعام چاہتا ہوں۔

سوال : تم نے تعلیم دین کہاں سے نکال لیا؟

جواب : لفظِ رسول سے یہ معنی خود بخود ظاہر ہوا۔

اِنْ اَجْرِیَ میری مزدوری اور انعام نہیں اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ مگر پروردگارِ عالم کے ہاں، کیونکہ تربیت کے فیض اور تعلیم دین کا تمام ثواب اسی کے ہاں ہے خصوصاً وہ حضرات جو اس کی طرف سے اس کام پر مامور ہیں اَوْفُوا الْکَیْلَ پیمانہ کو مکمل کرو، وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ○ اور لوگوں کے حقوق کو کم تول کر نقصان کرنے والے نہ بنو۔

حلِ لغات : یہ خسرتہ واخسرتہ سے ہے بمعنے نقصتہ یعنی میں نے اسے کم کیا۔

وَزِنُوْا اور موزنات کا صحیح وزن کرو۔

حلِ لغات : یہ وزن یزن وزنا وزنۃ کا امر ہے۔ الوزن بمعنے شے کی مقدار کی پہچان۔

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ○ برابر اور صحیح ترازو کے ساتھ۔

حلِ لغات : القاموس میں ہے القسطاس بالضم وبالکسر (ترازو) یا بمعنے اقوم الموازین یعنے وہ میزان جو قسطاس کی طرح ہے یا معرب اور رومی لفظ ہے۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ۔ ان کے حقوق میں کمی نہ کرو۔

حلِ لغات : بخس حقہ سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کا حق کم کردے۔ یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ اعم الالفاظ سے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ان الفاظ سے قافلہ اور وزان اور نخاس اور محصی اور صیرفی کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ یعنی لوگوں کے حقوق میں کسی قسم کی کمی نہ کرو، مثلاً گنتی کی کمی، کھیتی کے معاملہ کا نقص، ایسے کھوٹا سکہ وغیرہ دینا، غصب، سرقہ، مالک کی اجازت کے بغیر تصرف وغیرہ۔

وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ○ قتل و غارت اور ڈاکہ زنی کرکے زمین میں فسادی ہو کر

marfat.ocm

نہ پھیلو۔

حلِ لغات ؛ العثی سخت قسم کا فساد جو کسی طریق سے محسوس نہ ہونے دیا جائے۔ المفسدین حال مقیدہ ہے یعنی حد سے نہ بڑھو درانحالیکہ تم فساد کرنے والے ہو۔

سوال ؛ عثی میں فساد کا مادہ تو موجود ہے پھر اسے فساد سے مقید کرنے کا کیا معنی ؟

جواب ؛ کبھی فساد تو ہوتا ہے لیکن اسے فساد نہیں کہا جاتا۔ جیسے وہ ظالم جو اپنے ظلم میں حد سے بڑھ رہا ہو۔ اس کا مقابلہ کرنا بظاہر تو فساد ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو فساد نہیں ایسے ہی کبھی اس فساد سے اصلاح مطلوب ہوتی ہے۔ جیسے خضر علیہ السلام کا غلام کو قتل کرنا اور کشتی میں سوراخ کرنا۔

وَاتَّقُوا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ○ جس نے تمہیں اور تم سے پہلی مخلوق کو پیدا فرمایا۔

حلِ لغات ؛ الجبلۃ کا مادہ جبل ہے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں ، جبل یعنی خلق۔ لیکن یہ لفظ خلق سے متعلق نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے ساتھ مضاف نہ بلایا جائے۔ مثلاً کہا جائے گا :

خلق ذی الجبلۃ الاوّلین۔ یعنی وہ مخلوق جو ان سے پہلے گزری۔

قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ○ انہوں نے کہا تم بار بار جادو کیے ہوئے ہیں یہاں تک کہ آپ حدِ عقل سے خارج ہیں وَمَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا اور تو نہیں مگر بشر ہمارے جیسا۔ یعنی صفاتِ بشریہ میں تم ہم جیسے ہو پھر تمہیں ہم پر فوقیت کیسی اور تمہارا دعوئ رسالت کیسا۔ دو جملوں میں واؤ عاطفہ دلالت کرتی ہے کہ دونوں یعنی تسحیر اور بشریت رسالت کے منافی ہیں اس طرح سے تکذیب میں مبالغہ ہوگا بخلاف قصۂ ثمود کے کہ اس میں واؤ نہیں کیونکہ وہاں صرف ایک فعل (تسحیر) کا اثبات مقصود ہے وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ○ ہم تمہیں دعوئ نبوت میں جھوٹا سمجھتے ہیں فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا تو گرا دے ہم پر۔ یعنی تم اپنے خدا کو کہو کہ وہ ہم پر گرا دے كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ آسمان کا ایک حصہ جس میں عذاب ہو۔

حلِ لغات ؛ کسفا۔ کسفۃ بالکسر کی جمع ہے بمعنے قطعۃ (ٹکڑا) اور السماء سے بادل یا سایہ دار شے مراد ہے۔ یہ لنا کا جواب ہے۔ ڈرسنا کر اس سے تقویٰ کا درس دیا گیا ہے۔

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ اگر تم سچے ہو اس دعویٰ میں کہ عذاب آئے گا۔ یہ انہوں نے استہزاء و تکذیب کے طور پر کہا ہے قَالَ شعیب علیہ السلام نے فرمایا رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ میرا رب خوب جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو کفر و معاصی اور ایسے اعمال جن کے سبب سے تم عذاب کے مستحق ہوئے پھر وہ اپنے وقت مقدر پر ضرور نازل ہوگا۔

marfat.com

مہلت دہ روزۂ ظالم ببیں

فتنہ ببیں دم بدمش در کمیں

اول حالش ہمہ عیش است وناز

آخر کارش ہمہ سوز و گداز

ترجمہ: ظالم کو دس روز کی مہلت دے کر دیکھو کہ اسے چپکے سے عذاب کیسے پکڑتا ہے، پہلے اس کا حال عیش وناز ہے اس کا انجام سوزوگداز ہے۔

نزولِ عذاب بر قومِ شعیب علیہ السلام منقول ہے کہ جب قومِ شعیب علیہ السلام انکار کر کے حد سے گزر گئی تو اللہ تعالیٰ نے سات دن رات سخت گرمی ان پر مسلط کردی یہاں تک کہ ان کے چشموں اور کنوؤں کا پانی بھی گرم ہوگیا۔ گرمی سے ان کا دم گھٹنے لگا۔ گھروں سے باہر نکلے تو گرمی اور بڑھ گئی۔ جنگلوں میں جاکر درختوں سے چمٹ گئے۔ اچانک ہوا میں ابر سیاہ اڑتا ہوا ان کے سروں پر آپہنچا اور بھینی بھینی ہوا آنے لگی۔ قومِ شعیب خوش ہوئی اور ایک دوسرے کو بلایا کہ آؤ اس بادل کے نیچے قرار پکڑیں۔ جونہی سب کے سب اس بادل کے نیچے پہنچے تو اچانک بادل سے آگ کا شعلہ نکلا جس نے سب کو جلا کر بھسم کر ڈالا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَكَذَّبُوْهُ** سو انہوں نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب پر اصرار کیا باوجودیکہ ان کے سامنے حجت واضح ہوگئی اور تمام شبہات دور ہو گئے۔ **فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ** تو انہیں چھتری کے عذاب نے پکڑ لیا جیسا کہ انہوں نے طلب کیا تھا۔

ف: اگر آسمان سے سحاب مراد ہو تو ظاہر ہے اگر آسمان سے ظُلّة (چھتری) مراد ہے تو چونکہ عذاب اسی جہت سے ہوا اسی لیے اسے اس سے تعبیر کیا گیا اور بادل بھی چھتری کی طرح سایہ کرتا ہے اسی لیے اسے ظلّة سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ ظُلّة لغت میں سائبان کو کہا جاتا ہے اور چونکہ وہ سیاہ بادل سائبان کی طرح تھا اسی لیے اسے ظلّة کا عذاب کہا گیا ہے۔ اور عذاب کو یوم کی طرف اضافہ کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کے عذاب کے ایام اس دن سے شروع ہوئے اور راتیں ان میں ضمناً مذکور ہوئیں اسی دن سے حرارت شدیدہ تھی جس سے انھیں یقین ہوگیا کہ اب وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اِنَّهٗ بے شک وہ سائبان کے عذاب کا دن **كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ** ۝ وہ تھا بڑے دن کا بڑا عذاب۔

marfat.ocm

ف : اس کی عظمت اسی لیے تھی کہ اس دن ان پر بہت بڑا عذاب آیا۔

ف : مروی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام دو اُمتوں کی طرف مبعوث ہُوئے، پہلے اصحابِ مدین کی طرف، پھر اصحابِ ایکہ کی طرف۔ اصحابِ مدین صیحہ و رجفہ میں مارے گئے؛ اور اصحابِ ایکہ ایک سائبان کے دن کے عذاب سے۔

ف : حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو بیان کرے کہ عذاب یوم الظلہ کیا تھا تو وہ گویا اس کی تکذیب کرتا ہے۔ ان کی مراد یہ ہے کہ اس وقت وہ تمام تباہ و برباد ہو گئے پھر اس کی خبر کون دیتا ہے۔ (کذا فی کشف الاسرار) (یعنی انسانی خبر کا اعتبار نہیں جبکہ اس وقت کوئی انسان نہیں بچا تھا، ہاں منجانب اللہ جو خبر مل رہی ہے اس کی تصدیق کرنی چاہیے)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بے شک قومِ شعیب کے قصے میں جو مذکور ہُوا اس میں لَاٰیَةً البتہ عقلاً کے لیے عبرت ہے وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ اور نہ تھے اصحابِ ایکہ کے اکثر ایمان لانے والے، بلکہ سارے کے سارے ایمان نہ لائے کیونکہ اصحابِ ایکہ میں کسی ایک کا بھی ایمان لانا منقول نہیں بخلاف اصحابِ مدین کے کہ وہ سب کے سب ایمان لے آئے وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ اور بے شک تیرا پروردگار ہر شے پر قادر و غالب ہے۔ اس کے غلبہ و قدرت کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ انبیاء و اولیاء کو ان کے دشمنوں پر غالب کرتا ہے الرَّحِیْمُ ۝ کفار کو مہلت دیتا ہے اس لیے کہ وہ مہربان ہے۔

ف : یہ ان سات قصوں کا آخری قصہ ہے۔ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کو قریش ستاتے ہیں تو یہی طریقہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی قوموں کا رہا کہ وہ انبیاء کو ستاتی تھیں۔ اس میں ان قریش کو تہدید ہے جو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ستاتا اور ان کی تکذیب کرتا ہے اس کا انجام یُوں ہی ہو گا کہ عذاب میں مبتلا ہوں گے جیسے ان قصوں میں پڑھا کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو ایسے عذابوں میں مبتلا ہوئے۔

سوال : اگر کوئی کہے کہ عاد و ثمود اور قوم لوط وغیرہم پر کفر و عناد و تکذیب کی وجہ سے عذاب نازل نہیں ہُوا بلکہ ان کے دور میں ستاروں کی گردش کچھ ایسے ہی تھی جب یہ احتمال بھی ہے تو قصص قطعی نہیں رہے نیز یہ بھی ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ عذاب اس لیے نازل فرماتا کہ مکلفین کی تکلیف و مشقت و محنت ان کے مراتب و کمالات کے اضافہ کا سبب بنے اور کبھی ان سے آزمائش بھی مطلوب ہوتی ہے جیسے اہلِ ایمان کو بارہا ایسے آزمایا گیا اس سے واضح نہ ہُوا کہ مذکورہ بالا اقوام کا عذاب ان کے کفر و تکذیب کی وجہ سے تھا۔

ف : ہمیشہ دستور رہا کہ جس قوم نے کسی نبی علیہ السلام کی تکذیب کی تو وہ لازماً عذاب میں مبتلا ہوئے ایسے

marfat.com

ستاروں کی گردش پر محمول کرنا حماقت ہے کیونکہ ستاروں کی گردش انہی واقعات کی پابند نہ تھی اور نہ ہی آزمائش و ابتلاء کا پروگرام ان واقعات کے ساتھ کوئی مناسبت رکھتا ہے۔

ف : عذابِ ماضی تو مذکور ہوا لیکن اس میں عذابِ مستقبل کا اشارہ بھی ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ

زمانہ حال کا عذاب یہ ہے کہ انسان دل کو غیر اللہ سے متعلق کرلے اور اس کی توجہ ہر وقت اسی کی طرف ہو جیسے ان کا دل کو خالی رکھنا اور عزم علی العصیان سے دُور کرنا ضروری ہے ایسے ہی اسے تصدیق و ایمان کے زیور سے آراستہ کرنا ضروری ہے۔ ایسے ہی لازم ہے کہ دل کو علائق دنیویہ سے دُور رکھا جائے۔ اور شئون رب الخلائق کے مشاہدہ میں مستغرق کیا جائے کیونکہ یہی امور عذابِ فراق سے چھٹکارا بخشتے ہیں اور قہرِ خلائق سے نجات دیتے ہیں لیکن یہ عمل بو شریعت سے حاصل ہوتا ہے کہ اس کے احکام کی پابندی کی جائے اور اس کے ارشادات کو تہِ دل سے مانا جائے اور طریقت کو اپنانے سے بھی نجات مل جاتی ہے جبکہ اس کے جملہ آداب ملحوظ ہوں جو شخص اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد ان کے متبعین اور ائمہ مجتہدین کے ارشادات کا پابند بناتا ہے اور زہد و ورع اور دائمی شب خیزی اور مامورات شرعیہ کی پابندی اور منہیات کا ترک کرتا ہے یہاں تک کہ مصائب اور تکالیف راحت بن جائیں اور تنگیِ معاش فرحت محسوس ہو اور دنیا کی پریشانیاں اور اس کی تکلیفیں اور شہوات تبدیل ہو کر اُخروی امور کے لیے سرور بن جائیں تو پھر یقین کرلو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محب بھی ہے اور محبوب بھی۔ اور اب اس کے دل پر رحمت کے دھارے چلیں گے اور اس کی زندگی کا مشغلہ احکامِ الٰہی کی پابندی ہوگا ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کا مبغوض ہے جس پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور اسم عزیز کے قہر و غلبہ کے ماتحت ہمیشہ سزائیں پائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اہلِ رحمت سے بنائے اور ہم سب کو اپنے عذاب سے بچائے اور ہم سے ہر بری علت و ذلت دُور فرمائے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا : ؎

محیط از چہرۂ سیلاب گرد راہ می شود
چہ اندیشد کسے با عفو حق از گرد ذلتہا

ترجمہ : وہی چہرے سے گردِ راہ دھوئے گا عفو حق
جسے نصیب ہو وہ ذلتوں کی گرد سے کیا فکر کرے گا وہی
معاف کرنے والا بخشنے والا ہے اسی سے وافر اجر کا
فیض ہے۔

marfat.ocm

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾ عَلٰى قَلْبِكَ
اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے اسے روح الامین لے کر اترا تمہارے دل پر

لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿١٩٥﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٩٦﴾
کہ تم ڈر سناؤ روشن عربی زبان میں اور بیشک اس کا چرچا اگلی کتابوں میں ہے

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٩٧﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى
اور کیا یہ ان کے لیے نشانی نہ تھی کہ اس نبی کو جانتے ہیں بنی اسرائیل کے عالم اور اگر ہم اسے کسی غیر عربی شخص

بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿١٩٨﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٩﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ
پر اتارتے کہ وہ انہیں پڑھ کر سناتا جب بھی اس پر ایمان نہ لاتے ہم نے یونہی جھٹلانا پیرا دیا ہے

فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٠٠﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٢٠١﴾
مجرموں کے دلوں میں وہ اس پر ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ دیکھیں دردناک عذاب

فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٠٢﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾ اَفَبِعَذَابِنَا
تو وہ اچانک ان پر آجائے گا اور انہیں خبر نہ ہوگی تو کہیں گے کیا ہمیں کچھ مہلت ملے گی تو کیا ہمارے

يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٢٠٤﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾
عذاب کی جلدی کرتے ہیں بھلا دیکھو تو اگر کچھ برس ہم انہیں برتنے دیں پھر آئے ان پر جس کا وہ وعدہ دیے جاتے ہیں

مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿٢٠٧﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٨﴾
تو کیا کام آئے گا ان کے وہ جو برتتے تھے اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہ کی جسے ڈر سنانے والے نہ ہوں

ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٠٩﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا
نصیحت کے لیے اور ہم ظلم نہیں کرتے اور اس قرآن کو لے کر شیطان نہ اترے اور وہ اس قابل نہیں اور نہ وہ ایسا کر سکتے

يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٢١١﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿٢١٢﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ
ہیں وہ تو سننے کی جگہ سے دور کر دیے گئے ہیں تو تو اللہ کے سوا دوسرا خدا نہ پوج کہ تجھ پر

مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿٢١٣﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿٢١٤﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ
عذاب ہوگا اور اے محبوب اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ اور اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ

اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢١٥﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢١٦﴾
اپنے پیرو مسلمانوں کے لیے تو اگر وہ تمہارا حکم نہ مانیں تو فرما دو میں تمہارے کاموں سے بے علاقہ ہوں

marfat.com

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي

اور اس پر بھروسا کر جو عزت والا مہر والا ہے جو تمہیں دیکھتا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو اور نمازیوں میں تمہارے دورے

السّٰجِدِينَ ﴿۲۱۹﴾ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِينُ ﴿۲۲۱﴾

کو بے شک وہی سنتا جانتا ہے کیا میں تمہیں بتا دوں کہ کس پر اترتے ہیں شیطان

تَنَزَّلُ عَلَى كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كٰذِبُونَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ

اترتے ہیں ہر بڑے بہتان والے گناہگار پر شیطان اپنی سنی ہوئی ان پر ڈالتے ہیں اور ان میں اکثر جھوٹے ہیں اور شاعروں کی پیروی

الْغَاوُونَ ﴿۲۲۴﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿۲۲۵﴾ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا

گمراہ کرتے ہیں کیا تم نے نہ دیکھا کہ وہ ہر نالے میں سرگرداں پھرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے

يَفْعَلُونَ ﴿۲۲۶﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَ

مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور بکثرت اللہ کی یاد کی اور

انْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ

بدلہ لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر

مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿۲۲۷﴾

پلٹا کھائیں گے

ع ۱۵

تفسیر عالمانہ

وَاِنَّهٗ یہ ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اگرچہ اس سے پہلے اس کا ذکر نہیں لیکن چونکہ اس کا تصور اذہان میں سمایا ہوا ہے اسی لیے گویا مذکور ہے لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ○ تفعیل کا باب بتاتا ہے کہ یہ قرآن مجید آیاتِ مختلف ہو کر تئیس سال میں نازل ہوا۔ تنزیل مصدر بمعنے مفعول ہے۔ مصدر کے ساتھ لانے میں مبالغہ مطلوب ہے اور رب العالمین کی صفت میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید کے نزول سے اپنے بندوں کی تربیت اور ان سے شفقت و رافت مطلوب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ قرآن مجید کے جتنے قصص (سبعہ) مذکور ہوئے تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں ورنہ تم اسے بیان نہ کر سکتے اور نہ ہی اس طرح سے تمہاری رسالت کی صداقت ظاہر ہوتی کیونکہ یہ تمام بطریقِ وحی تو معلوم ہو سکتے ہیں اپنی طرف سے ایسے کوئی نہیں

marfat.ocm

معلوم کرسکتا۔ نَزَّلَ بِهِ باء تعدیہ کی ہے یعنی اس نے نازل کیا، یا ملابست کی ہے یعنی قرآن کے ساتھ آیا الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ○ جبریل علیہ السلام کیونکہ وحی کے امین اور رسل کرام علیہم السلام کے ہاں پہنچانے والے ہیں اور روح اس لیے ہیں کہ وہ قلوب مکلفین کی حیات کے سبب ہیں کہ نورِ معرفت و طاعت سے قلوب کو حیات نصیب ہوتی ہے تو وحی سے، اور وحی میں معرفت کی حیات اور جہالت کی موت ہے تو یہ سب کچھ جبریل علیہ السلام کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ یہ فرمایا:

یلقی الروح من امرہ علیٰ من یشاء من عبادہ۔

(اور روح وہی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بندوں پر ڈالتا ہے جو وہی چاہتا ہے)

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ جبریل علیہ السلام کو رُوح اس لیے کہا گیا کہ ان کا جسم رُوح کی طرح لطیف ہے ایسے ہی روحانی ملائکہ رُوح سے پیدا کئے گئے اور رُوح ایک ہوا ہے۔

ف: فقیر (صاحبِ روح البیان) کہتا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ ملائکہ اجسام لطیف ہیں اور ان کی اس لطافت کی وجہ سے ان پر روحانی احکام غالب ہوتے ہیں۔ اسی معنی پر ان کا نام ارواح ہے اور جبریل علیہ السلام کے ساتھ خصوصیت اس لیے ہے کہ وہ تمام ملائکہ پر ایسے ہیں جیسے کسی امت کا رسول ہو۔

ف: قرآن کلامِ الٰہی ہے اور اس کی صفت ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے اسے الفاظ عربیہ کا جامہ پہنا کر پہلے جبریل علیہ السلام پر نازل کیا اس کے بعد انہیں امین بنایا تاکہ وہ اس کے حقائق میں کسی قسم کا تصرف نہ کرسکیں پھر اسے اس کے ذریعہ حضور سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر نازل فرمایا۔ جیسا کہ فرمایا:

عَلٰی قَلْبِكَ جبریل علیہ السلام نے آپ کے ہاں حبیب علیہ السلام پڑھا یہاں تک کہ آپ نے اسے یاد کرلیا اور نزول کے لیے قلب کی تخصیص اس لیے کہ وحی کی حفاظت و تثبیت اور الہام کا محل و معدن قلب ہے اور انسان کے وجود میں سوائے قلب کے اور کوئی شے خطاب و فیضِ الٰہی کے قابل نہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی اس مرتبہ عالیہ اور کرامت قدسیہ کے اہل ہیں کیونکہ باقی انبیاء علیہم السلام کی کتابیں الواح و صحیفوں میں یکبارگی نازل ہوئیں اور وہ ان کی صورتوں اور ظاہری شکلوں کے آگے، نہ کہ قلوب پر۔ (کذافی التاویلات النجمیہ)

تفسیر صوفیانہ

کشف الاسرار میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی ہے تو سب سے پہلے آپ کے قلب پر، کیونکہ آپ کے دل کو وحی کی پیاس تھی اور آپ ہر وقت باری تعالیٰ کی ذات میں مستغرق رہتے۔ دل پر نزول کے بعد پھر فہم و سمع پر نازل ہوتا ہے اسے نزول من العلو الی السفل کہا جاتا ہے اور یہ خواص کا مرتبہ ہے اور عوام کا یہ حال ہے کہ وہ پہلے وحی کو سنتے ہیں اسی لیے وحی پہلے ان کی سمع پر پھر فہم پر پھر قلب پر نازل ہوتی ہے یہ اسفل سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے یہی مریدین اور اہلِ سلوک کا مرتبہ ہے

marfat.com

(اس سے سمجھ لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر خواص اور عوام کے درمیان کتنا فرق ہے)

ف : جبریل علیہ السلام وحی لاتے وقت کبھی بصورتِ ملک ہوتے اور کبھی بصورتِ بشر۔ اگر آیات احکام شرعیہ ذکرِ حلال وحرام سے متعلق ہوتیں تو بشری شکل میں ہوتے۔ چنانچہ فرمایا:

وھوالذی انزل علیك الكتاب۔

اس میں قلب کے درمیان میں ذکر نہ ہوتا اور جب حدیثِ عشق ومحبت ہوتی اور عارفانہ اسرار ورموز کا بیان ہوتا تو بصورتِ ملک حاضر ہوتے یعنی روحانی اور لطیف شکل میں حاضری دیتے تاکہ صرف آپ کے قلبِ اطہر پر ہی آیات کا نزول ہو ان سے اغیار مطلع نہ ہوں۔ جیساکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

نزل به الروح الامین علیٰ قلبك۔

جب جبریل علیہ السلام چلے جاتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے، جبریل علیہ السلام مجھ سے جدا ہوگئے اور میں نے ان کا بیان کردہ مضمون یاد کرلیا۔

ف : الفتاویٰ الزینیہ میں ہے کہ سید (مفتیِ زمان) سے پوچھا گیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی بار نازل ہوئے؟ انہوں نے فرمایا کہ چوبیس ہزار بار۔

مشکاۃ الانوار میں ستائیس ہزار بار لکھا ہے۔ اور دیگر جملہ انبیاء علیہم السلام پر صرف تین ہزار بار۔

تفسیر عالمانہ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۝ تاکہ آپ ہوں ڈرانے والوں میں سے، یعنی انہیں امر ونہی کے ذریعہ عذابِ الٰہی سے ڈرائیں۔ اس میں نزل اور تنزیل کی حکمت ومصلحت کا بیان ہے یہ اس قبیل سے ہے کہ اس کی ایک طرف مذکور ہو تو دوسری طرف محذوف۔ کیونکہ مذکور محذوف پر دلالت کرتی ہے یہ اس لیے کہ نزولِ قرآن صرف انذار کے لیے نہیں بلکہ تبشیر کے لیے بھی ہے۔

نکتہ : فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ اصل انذار ہے اور اس کی تقدیم بھی اسی لیے ہے کہ یہ بمنزلہ تخلیہ (شے کو صاف وستھرا کرنا) کے ہے اسی لیے قرآن مجید کے اکثر مقامات پر صرف اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝ یہ بھی نزل کے متعلق ہے۔ اسے مؤخر اس لیے کیا گیا کہ انذار اس سے زیادہ مہتم بالشان ہے۔

حل لغات : اللسان بمعنے لغت یعنی بولی۔ کیونکہ زبان بولنے کا آلہ ہے فعل کو آلہ سے موسوم کرنا جائز ہے۔ یعنی قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے تاکہ اظہارِ معنیٰ میں خفا نہ ہو اور مقصد پر دلالت کرنے میں واضح ہو تاکہ کفار کو قیامت میں کسی قسم کا عذر نہ ہو، یہ نہ کہہ سکیں کہ نازل کردہ کلام کو ہم سمجھتے نہیں تھے۔

marfat.ocm

جاہل صوفیوں کا رد
اس سے معلوم ہُوا کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہُوا اس میں باطنیہ (جاہل صوفیہ) کا رد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن قلبِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی لغت و زبان پر وارد ہوا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی عربی بولی میں ظاہر فرمایا۔ یہ ان کا خیال فاسد ہے اور نص و اجماع کے مخالف و منافی ہے۔ اگر ان کی بات تسلیم کر لی جائے تو قرآن اور حدیثِ قدسی کا کوئی فرق نہیں رہے گا۔

لغتِ عربیہ کے فضائل
آیت سے ثابت ہوا کہ عربی زبان باقی تمام زبانوں سے افضل ہے کیونکہ قرآن اسی زبان میں نازل ہوا۔ اگر کوئی اور زبان زیادہ فضیلت رکھتی تو قرآن اُسی میں نازل ہوتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے مبین سے تعبیر فرمایا ہے۔

جنت کی بولی
یہی وجہ ہے کہ جنت میں عربی بولی جائے گی، اور دوزخیوں کی بولی عجمی ہوگی۔
حضرت سفیان نے فرمایا کہ ہمیں معلوم ہُوا ہے کہ بہشت میں داخلے سے پہلے سریانی بولی بولی جائے گی اس کے بعد عربی۔

سوال: یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ قرآن عربی زبان میں ہے حالانکہ اس میں بہت سے الفاظ غیر عربی ہیں مثلاً سجّیل فارسی لفظ ہے بمعنے پتھر اور مٹی۔ صُرھُنّ رومی لفظ ہے بمعنے اقطعھن (انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرو) اور فی جیدھا ارمینیہ بولی ہے۔ اور ولات حین مناص میں لات بمعنے لیس سریانی لفظ ہے۔ اور کفلین بمعنے ضعفین حبشی زبان ہے۔

جواب: چونکہ یہ الفاظ اہلِ عرب میں معروف تھے اور آپس میں استعمال کرتے تھے۔ اس لیے یہ الفاظ گویا عربی ہی ہیں۔

عربی پڑھنا سیکھنا ثواب ہے
حضرت فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ عربیت کو دوسری تمام زبانوں پر فضیلت حاصل ہے اس لیے اس کا پڑھنا اور پڑھانا اجر و ثواب ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے۔

فاروق اعظم کا ارشاد
سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے صرف فارسی سیکھی وُہ خسارہ میں رہا اور خسارہ کی وجہ سے اس سے مروّت بھی جاتی رہے گی، یعنی جس نے صرف فارسی سیکھنے پر ہی اکتفا کیا اور عربی نہ سیکھی تو وہ عجمی ہی رہے گا اور عربوں کے ساتھ گفتگو نہ کر سکے گا تو ان کی نظروں سے گر جائے گا۔ یوں اس سے مروت چلی جائے گی (صرف فارسی مراد نہیں بلکہ ہر زبان مثلاً انگریزی، اردو، سرائیکی، سندھی، پنجابی، براہوی، بلوچی وغیرہ بحیثیت دین کے امور ترک کرنے کے)

مسئلہ: جو غیر عربی سیکھے یا بولے جائز ہے اس پر کوئی گناہ نہیں۔

marfat.com

اعجوبہ: مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسی میں گفتگو فرمائی۔

ف: میں (صاحبِ روح البیان) کہتا ہوں کہ فارسی لسانِ عجم کا ایک شعبہ اور عربی زبان کے بالمقابل ہے لیکن اسے باقی تمام لغات پر فضیلت حاصل ہے (اس لیے اسلام میں عربی کے بعد فارسی زبان زیادہ رائج ہے لیکن آج کل کا مہذب مسلمان انگریزی کو ترجیح دیتا ہے اسے کیا کہا جائے!)

حدیث شریف میں ہے کہ:

لسان اهل الجنة العربية والفارسية الدرية۔

(اہلِ جنت کی زبان عربی اور بولی فارسی ہوگی)

ف: الدریة بتشدید الراء کذا فی الکرمانی وغیرہ۔

اور ایسے ہی صاحب الکافی والقہستانی وابن الکمال وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے ذکر فرما کر اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

فضیلت لغتِ عربی

سوال: اگر کوئی کہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ:

احب العرب لثلاث لأنی عربی والقرآن عربی ولسان اهل الجنة فی الجنة عربی۔

(عربی سے محبت کرو تین وجوہ سے: میں عربی، قرآن عربی اور اہلِ جنت کی جنت میں زبان عربی)

اس میں تو بہشت کی بولی صرف عربی کو کہا گیا ہے۔

جواب: یہ تخصیص حصری نہیں کہ اس سے دوسری کوئی بولی مراد نہ ہو۔ یہ درست ہے کہ اہل جنت کی بولی عربی ہوگی اور فارسی بھی، جیسے دوزخیوں کی بولی فارسی بھی ہوگی۔ فارسی کو دنیا میں بہت سے عارفین نے استعمال فرمایا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

فارسی گو گرچہ تازی خوشتر ست
عشق را خود صد زبان دیگر ست

ترجمہ: فارسی میں بول اگرچہ عربی زبان خوشتر ہے لیکن عشق کی سو زبانیں اور بھی ہیں۔

ف: اس میں عربی زبان کو سیکھنے کے بعد فارسی زبان کی تحصیل کی ترغیب ہے۔ یہاں پر مزید تفصیل ہے جسے ہم نے "تمام الفیض" کتاب میں لکھ دیا ہے۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۝ زبر، زبور کی جمع ہے بمعنی کتاب ۔ جیسے رسل رسول کی جمع ہے اب معنی یہ ہوا کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں مذکور ہے ۔ یعنی ہم نے ان کتابوں میں قرآن مجید کے نزول کا ذکر کیا تھا کہ یہ قرآن نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوگا أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝

ترکیب : ہمزہ انکار نفی کے لیے ہے واؤ کا عطف فعل مقدر پر ہے لہم، آیۃ سے حال ہے اور لہم کی ضمیر مشرکین عرب کی طرف راجع ہے اور آیۃ فعل ناقص یعنی لم یکن کی خبر ہے اپنے اسم یعنی ان یعلمہ الخ پر مقدم ہے اس لیے کہ اس کی تقدیم کی اور اسم کی تاخیر کی ضرورت ہے ۔

اب معنی یہ ہوا کہ یہ لوگ غافل ہیں کیا ان کے ہاں کوئی ایسی دلیل نہیں جو بتائے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور وہ پہلی کتب میں بھی مذکور ہے اسے بنی اسرائیل کے علماء، جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ، بھی جانتے ہیں کہ ان کی کتب میں قرآن مجید کے اوصاف مذکور ہیں اور ان میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوگا اور یہ علماء کرام قرآن مجید کے نزول اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کو خوب جانتے ہیں اور اہل علم کی شہادت عوام کے لیے تسکین و اطمینان قلبی کا موجب ہے ۔

ف : مروی ہے کہ اہل مکہ نے مدینہ کے یہود سے معلومات حاصل کیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت حق ہے یا نہیں ۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ان کی نعت اور صفات پڑھ چکے ہیں اب ان کے ظہور کا وقت ہے (فلہذا اگر تشریف لا چکے ہیں تو مان لو)

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ اور اگر اس کی نظم عجیب و معجز و غریب کے ساتھ ہم اسے نازل کرتے عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ۝ یعنی ان عجمیوں پر جو عربی میں گفتگو نہیں کر سکتے ۔

ف : اعجمین، اعجمی کی جمع ہے (بالتخفیف) ۔ یعنی اعجمی کی یاء مشدد نہیں اسی لیے اس کی جمع سالم لائی گئی ورنہ اگر اعجم کی جمع ہو تو اسے جمع سالم پر نہیں لائی جائے گی اس لیے کہ اعجم کی جمع عجماء آتی ہے اور ایسے افعل و فعلاء کی جمع سالم مذکر نہیں لائی جاتی ۔

فَقَرَأَهُ عَلَيْهِم تو وہ ان کے ہاں صحیح قراءت پڑھے خرقاً للعادۃ کے طور ۔ یعنی وہ سمجھتے ہوں کہ یہ عجمی ہو کر صحیح عربی پڑھ رہا ہے باوجودیکہ وہ عربی نہ جانتا تھا لیکن صحیح پڑھتا ہے تو یہ اس کا معجزہ ہے ۔ اور معجزہ نبی علیہ السلام کا ہوتا ہے فلہذا ماننا چاہیے لیکن ان کی اس وقت بھی یہ کیفیت ہوگی کہ مَّا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ۝ وہ ایمان لانے والے نہیں باوجودیکہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ پڑھنے والا بھی معجزہ کے طور پڑھ رہا ہے اور جسے پڑھا جا رہا ہے بھی ایک معجزہ ہے لیکن ان میں اتنا شدید عناد اور ضد اور ہٹ دھرمی ہے کہ وہ اسے ماننے کو تیار نہیں ۔

marfat.com

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور اعلیٰ حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ قدرتوں والا ہے کہ اگر یہ قرآن عربی ایسے عجمی پر نازل فرماتا جسے عربی زبان نہیں آتی تھی تو وہ بعد نزول قرآن بقدرت الٰہی قرآن کو اور اس کے احکام و حکم کو سمجھنے لگ جائے تو ہو سکتا ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کو تمام اسماء اور عربی بولی سکھا دی، جیسے اس شخص پر فضلِ الٰہی ہوا جو کہہ رہا تھا :

امسیت کردیا و اصبحت عربیاً۔

(شام کو کُردی تھا تو صبح کو عربی ہو گیا)

لیکن چونکہ منکرین ماننے والے نہ تھے باوجودیکہ ان کے سامنے قرآن معجزہ در معجزہ تھا کَذٰلِكَ ایسے طریق عجیب کی طرح اس کا اشارہ مصدر کی طرف ہے سَلَكْنٰهُ ہم نے داخل کیا قرآن کو فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ مجرمین یعنی مشرکین عرب کے قلوب میں ۔ تو انہوں نے قرآن کے معانی اور اس کے اعجاز کو مکمل طور پر جان لیا ۔ چنانچہ فرمایا : لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ایمان نہ لائے ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے بوجہ عناد کے حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ یہاں تک کہ عذاب دردناک کو دیکھتے جو انہیں ایمان لانے پر مجبور کرتا لیکن اس وقت ان کا ماننا ان کے لیے مفید نہ ہوا ، فَيَاْتِيَهُمْ سو ان کے ہاں عذاب آ جائے گا بَغْتَةً اچانک ۔ یعنی دنیا و آخرت کا عذاب اچانک آئے گا۔ اس کا عطف یروا پر ہے وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اور وہ اس اچانک عذاب کے آنے کو جانتے سمجھتے نہ تھے یعنی انھیں اس کا اچانک آنا معلوم نہ تھا فَيَقُوْلُوْا تو حسرت سے کہیں گے کہ افسوس ہم ایمان نہ لا سکے، کاش ! ہمیں مہلت مل جاتی تاکہ ہم سے جو بات چُوک گئی اس کی تلافی کر لیتے ۔ اس کا عطف یاتیھم پر ہے هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۝

حلِ لغات : الانظار بمعنے تاخیر و امہال ۔ یعنی کیا ہمیں مہلت مل جائے گی تاکہ ایمان لائیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عذابِ الٰہی سے ڈرایا تو کہنے لگے کہ ہمیں کب تک اس عذاب سے ڈراتے رہو گے اور وہ عذاب آئے گا کب ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ کیا وہ ہمارے عذاب کو بعجلت مانگ رہے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا دو، کبھی کہتے کہ جس عذاب سے ڈراتے ہو اسے لاؤ اور یہ عذاب کب آئے گا ۔ لیکن جب عذاب آ گیا تو ان کا حال یہ ہے کہ وہ مہلت مانگتے ہیں ۔ فا کا فعل مقدر پر عطف ہے ۔ یعنی ان کا یہ حال ہے کہ ادھر تو عذاب مانگتے ہیں، جب آ گیا تو مہلت چاہتے ہیں ۔ ان کے دونوں طریقوں میں منافات ہے جیسا کہ مخفی نہیں ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ان کا عذاب بعجلت مانگنا عذاب بھیجنے کا سبب ہے اگر وہ عذاب کے مستحق نہ ہوتے تو وہ بعجلت عذاب کا مطالبہ نہ کرتے ۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ اَفَرَءَيْتَ هل نحن منظرون سے متعلق ہے ان کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ اس میں انہیں زجر و توبیخ کی گئی ہے جیسے کہ وہ اس کے مستحق تھے اسی استحقاق پر انھیں ڈانٹ پلائی گئی۔

ف : چونکہ رؤیت اخبار بالشئ کے متعلق اقوٰی و اظہر اسباب سے ہے۔ اسی لیے اس کا عام استعمال اخبار کے معنی میں آتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہے کہ مجھے خبر دے اے وہ مخاطب جو اس خطاب کی اہلیت رکھتا ہے اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ اگر ہم مشرکین کو تمتع و نفع اٹھانے والا بنا دیں سِنِيْنَ ○ کئی سال یعنی دنیا میں ایک عرصہ تک انھیں اچھے عیش دیں اور مہلت دے کر انھیں عذاب میں مبتلا نہ کریں۔

ف : کلبی نے کہا اس سے ان کی تمام عمر مراد ہے۔ عطاؒ نے کہا اس سے دنیا کی ابتداء تا انتہا مراد ہے۔

ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ○ پھر ان کے ہاں وہ آئے جس سے وہ ڈرائے جاتے تھے یعنی عذاب۔ الایعاد بمعنے تخویف یعنی ڈرانا۔ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ○ تو انہیں اس عذاب سے نہ بچائے گا وہ جو نفع پاتے تھے۔ یعنی ان کی طویل عمر تک دنیوی عیش و عشرت انھیں عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکے گا نہ ہی اس میں تخفیف ہو سکے گی۔

ف : اغنیٰ کا مفعول محذوف ہے اس کا فاعل ماکانوا یمتعون ہے۔ یا دراصل ای شئ اغنیٰ عنهم کونهم ممتعین ذٰلك التمتیع علی المؤبد تھا۔ یعنی کون سی شے ہے جو انہیں طویل مدت عیش و عشرت میں زندگی بسر کرنے کے باوجود عذابِ الٰہی سے بچائے۔

ف : ماکانوا یمتعون میں ما مصدریہ یا متاع سے دنیوی عیش و عشرت مراد ہو اس وقت ما موصولہ ہوگا اس کا عائد محذوف ہے اور اغنیٰ کا مفعول مقدم ہے اور استفہام نفی کا ہے اور ماکانوا اس کا فاعل ہے۔ یہی پہلے معنیٰ سے اولیٰ ہے کیونکہ استخبار (طلب خبر) کے موافق ہے۔ اور بلیغ ترین وجہ سے انتفاء اغناء پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس طرح سے ہر مخاطب خبر دے سکتا ہے کہ ان کو طویل مدت تک دنیوی منافع حاصل کرنا عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکا اور کوئی شے بھی فائدہ مند نہ ہوئی ان کے سوا کوئی اس طرح کی خبر دینے پہ قدرت نہیں رکھتا۔

حکایت میمون بن مہران حضرت حسن بصری (رحمہ اللہ تعالیٰ) کو طواف کرتے وقت ملے عرض کی مجھے نصیحت فرمائیے آپ نے یہی آیت پڑھی۔ اس نے کہا آپ نے خوب فرمایا بہترین نصیحت ہے۔

marfat.com

حکایت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تخت پر بیٹھتے وقت روزانہ یہی آیت پڑھتے تھے ؎

۱ جہاں بے وفائیست مردم فریب
که از ال دل رباید قد او شکیب

۲ نکو تا بجاہش نگردی اسیر
نکو دلی پے مالش اندر زحیر

۳ که آندم که مردک اندر آید ز راه
نه مالت کند دستگیری نه جاه

ترجمہ :(۱) جہان بے وفا اور فریب دینے والا ہے دل سے صبر وغیرہ چھین لیتا ہے۔

(۲) خبردار اس کے ظاہری مرتبہ سے قیدی نہ ہو جانا اس کے مال کی وجہ سے دل کو خیر و بھلائی سے نہ پھیر لینا۔

(۳) جب تیرے سر پر موت آئے گی نہ تیرا مال تیری مدد کرے گا نہ مرتبہ۔

سبق حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ بدترین غفلت میں مبتلا ہے جو اپنی حیاتِ فانی کے دھوکا میں ہے اور زندگی کے عیش و عشرت کی لذت میں پھنسا ہے۔

حکایت ہارون الرشید نے کسی کو قید کر دیا ایک دن قیدی نے پیغام بھجوایا تیرے لذت کے ایام اور میرے دکھ کے دن گزرتے جا رہے ہیں ابھی قیامت آئے گی اور پل صراط سے گزرنا ہے وہاں حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ سن کر ہارون الرشید بے ہوش ہو کر گر پڑا، جب ہوش آیا تو فرمایا: اس قیدی کو چھوڑ دو۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اور ہم تباہ شدہ شہروں میں سے کوئی شہر تباہ نہیں کیا **اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ** ○ مگر اس کے لیے ڈرانے والے بھیجے جنھوں نے انھیں خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا۔

ف : منذرون جمع کے صیغے سے اس علاقہ کے نبی علیہ السلام اور ان کے معاونین مراد ہیں (کما فی کشف الاسرار)

ذِكْرٰى نصیحت و پند اور اتمامِ حجت کے لیے یہ محلاً منصوب علی العلۃ ہے **وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ** ○ اور ہم ظالم نہیں کہ ہم غیر ظالمین کو تباہ کر ڈالیں۔

ف : قبل از انذار تباہ نہ کرنے سے ظلم کی نفی کی گئی ہے حالانکہ یہ ظلم نہیں، جیسا کہ اہلسنت کا مذہب ہے صرف تنزیہ و تقدیس پر کہ اس ذات سے ظلم کا تصور بھی محال ہے۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وما اھلکنا من قریۃ میں قریہ سے اہلِ قریہ مراد ہیں اس سے جسدِ انسانی اور اس کے اہل سے نفس وقلب وروح۔ اور اھلاک ان کا مامورات کے ترک و اتیان المنہیات سے استعداد فطری کو ضائع کرنا مراد ہے۔ الا لھا منذرون ہم کسی بستی کو تباہ نہیں کرتے مگر ان کے الہاماتِ ربانیہ کے ساتھ ڈرانے والے ذکریٰ اپنے پروردگار کو یاد کرنے کے لیے۔ کما قال تعالیٰ:

ونفس وما سوٰاھا فالھمھا فجورھا وتقواھا

(قسم ہے نفس اور اس ذات کی جس نے انہیں برابر بنایا اور اسے فجور و تقویٰ الہام کیا)

وما کنا ظٰلمین اور ہم ظلم کرنے والے نہیں کہ عذاب کو غیر محل میں نہیں رکھتے یا رحمت کو غیر محل میں نازل فرمائیں۔

تفسیر عالمانہ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝ تنزل بمعنٰے شے کا جستہ جستہ نازل ہونا، اور باء تعدیہ کی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قرآن مجید کو شیاطین نازل نہیں کرتے یا باء ملابست کی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ قرآن کو شیاطین لے کر نہیں آتے۔

شانِ نزول مقاتل نے کہا کہ مشرکینِ قریش نے کہا کہ رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاہن ہیں اور ان کے ہاں جن آتا ہے اور جس قرآن کے متعلق وہ مدعی ہیں کہ وہ کلامِ خدا ہے یہ اسی جن کا بنایا ہوا کلام ہے جو انہیں آکر سناتا ہے جیسے کاہن کو جن آکر بتاتے تھے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہر کاہن کے ساتھ ایک جن ہوتا تھا جسے وہ آسمان کی خبریں اور دوزخ کی باتیں بتاتا سکھاتا تھا مشرکین نے سمجھا کہ شاید قرآن مجید بھی اسی قسم سے ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس غلط اور جھوٹے تصور کا رد فرمایا کہ وما تنزلت بہ الشیاطین اور اسے شیاطین نہیں بلکہ رُوح الامین لے کر آیا ہے۔

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ اور ان کے لیے کوئی جواز نہیں کہ وہ آسمان سے قرآن لائیں وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ اور نہ وہ اس قسم کی کوئی طاقت و قدرت رکھتے ہیں اِنَّهُمْ بیشک رسولِ اکرم حبیبِ محتشم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پاک کے بعد عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝ وہ ملائکہ کے کلام کو سننے سے روکے گئے ہیں جبکہ اس سے قبل انہیں کچھ نہ کچھ ممکن تھا کیونکہ اب انہیں چنگاریوں سے رجم کیا جاتا ہے اور انہیں آسمان پر چڑھنے نہیں دیا جاتا۔

ف: بعض اہلِ تفاسیر نے فرمایا کہ انہیں ملائکہ کا کلام سننے سے اس لیے روکا گیا کہ ان میں صفات ذات کی مشارکت بہ ملائکہ نہیں ہے یعنی یہ ملائکہ کی طرح انوارِ حق کے فیضان قبول کرنے اور صور علوم ربانیہ و معارف نورانیہ کو دلوں پر منقش کرنے کی استعداد نہیں رکھتے اور یہ صفات ہوں بھی کیوں جبکہ ان کے نفوس خبیثہ ظلمانیہ شریرہ بالذات ہیں انہیں فیضانِ حق کے قبول کرنے کا کیا معنیٰ، بلکہ ان میں تو ان امور کو قبول کرنے کی استعداد رکھی گئی ہے جن میں بروبھلائی کا نشان تک نہ ہو بلکہ وہ سراسر شر ہی شر ہیں والقراٰن مشتمل علیٰ حقایق و مغیبات (اور قرآن حقائق و

marfat.com

مغیبات پر مشتمل ہے) اور یہ امور ملائکہ کرام سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ شیاطین کو قرآن پاک نازل کرنے کی استعداد نہیں اور نہ اسے اٹھانے کی قوت ہے اور نہ سمجھنے کی' اس لیے کہ وہ آگ سے پیدا کئے گئے اور قرآن نور قدیم ہے اس معنیٰ پر آگ کو نور قدیم کو اٹھانے کا کیا معنیٰ'۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ دوزخ اہل ایمان کے ورود پر فریادی ہو گی۔

جز یا مومن فقد اطفأ نورك لھبی۔

(اے مومن! جلدی سے گزر جا اس لیے کہ تیرا نور میری آگ بجھا رہا ہے)

جب ان کو قرآن کو اٹھانے اور سننے کی استعداد نہیں تو پھر وہ اسے نازل کیسے کر سکتے ہیں اگرچہ وہ اسے سُن بھی لیں لیکن ان میں ایسا ادراک فہم نہیں جو وہ دعوتِ اسلام کو قبول کر لیں اسی لیے وہ عذاب کے مستحق ٹھہرے

ف: بعض اکابر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے محروم لوگوں کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کے کانوں اور آنکھوں اور قلوب پر غفلت کا پردہ ہے کہ وہ قرآن کو نہیں سُن سکتے ورنہ حقیقۃً سمع قلبی عقلی غیبی روحی جسے نصیب ہے وہ اکوان میں ہر صوت و ہر حرکت سے ہر لمحہ خطاب حق سبحانہٗ و تعالیٰ سُنتا ہے پھر اس کا دل و دماغ اور روح اس کی طرف مشتاق رہتا ہے۔ خوش بخت ہیں وہ لوگ جو قرآن فہمی اللہ تعالیٰ سے پاتے ہیں اور شریعۃً و حقیقۃً عمل امانت حق تعالیٰ کی استعداد رکھتے ہیں وہی توفیق بخشتا ہے اور وہی توفیق سے محروم رکھنے والا ہے۔ اے سننے والو! سمجھو۔ اے ادراک رکھنے والو! اس پہ مضبوط رہو، اس لیے کہ علم صدور و قلوب میں ہے نہ کہ حواس کے کناروں اور تخمین و قیاس سے۔

تفسیر عالمانہ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ جب تم نے اے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! کفار کا حال معلوم کر لیا تو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہ کیجئے، فَتَكُوْنَ اگر تم (بفرضِ محال) غیر اللہ کی پرستش کرو گے تو ہو جاؤ گے مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ○ معذب قوم سے۔

سوال: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں تو پھر ان کو غیر اللہ کی پرستش سے منع کرنے کا کیا معنیٰ؟

جواب (۱): آپ کی عزیمت پر مزید پختگی اور اخلاص میں مزید استحکام۔

(۲) مکلفین پر لطف و کرم کرتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ جب ایسی ذات کو غیر اللہ کی پرستش سے روکا جا رہا ہے کہ ان سے ایسے قبیح فعل کا صدور محال ہے تو پھر تم کون لگتے ہو کہ تم کو نہ روکا جائے اور پھر اگر ایسی ذات بفرضِ محال ایسا فعل سرزد ہو تو بھی ہم عذاب دینے سے نہیں ٹلتے تو پھر تم خود سوچو کہ تمہارا کیا حال ہو گا۔

marfat.ocm

وحیِ نبی علیہ السلام کا حال مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے کسی نبی یعنی ارمیا علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ وہ اپنی قوم کو کہہ دیں کہ وہ گناہوں سے باز آجائیں ورنہ میں انہیں عذاب میں مبتلا کر دوں گا۔ نبی علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ! وہ تو تیرے پیغمبروں ابراہیم، اسحٰق، یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں کیا ان پر بھی عذاب بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں نے انبیاء علیہم السلام کو اسی لیے مکرم بنایا کہ انہوں نے میری اطاعت کی۔ اگر وہ بھی میری نافرمانی کرتے تو میں انہیں بھی عذاب میں مبتلا کر دیتا خواہ میرے خلیل بھی ہوں۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ دنیا و آخرت میں غیر اللہ کی پرستش اور توجہ قلب سے غیر اللہ کی طلب عذابِ الٰہی کو دعوت دینا ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے بعید ہونے کا سبب ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے غیر کا طالب ہے اسے سخت ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اس لیے کہ جو کسی کا طالب ہوتا ہے وہ اپنے مطلوب کے قریب اور ماسوا سے بعید کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طالبِ دنیا دنیا کے قریب اور آخرت سے دُور ہوتا ہے اور آخرت کا طالب آخرت کے قریب اور اللہ تعالیٰ سے بعید ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابوسعید الخراز نے فرمایا:

حسنات الابرار سیاٰت المقربین فالابرار اھل الجنۃ و حسناتھم طلب الجنۃ والمقربون اھل اللہ وحسناتھم طلب اللہ وحدہٗ لاشریک لہ۔

(ابرار کی حسنات مقربین کی سیئات ہیں اس معنی پر ابرار اہلِ جنہ۔ اور ان کی حسنات طلب الجنۃ ہیں اور مقربین اہل اللہ ہیں اور ان کی حسنات طلب اللہ وحدہٗ لاشریک ہیں)

تفسیرِ عالمانہ وَاَنۡذِرۡ اور اس عذاب سے ڈرائیے جو شرک و کفر کی وجہ سے ہوگا عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ۝ اپنے زیادہ قریبی رشتہ داروں کو۔

حلِ لغات عشیرۃ انسان کے وہ رشتہ دار جن سے وہ کسی شمار میں آسکے یعنی ان کی وجہ سے وہ بمنزلہ کامل عدد کے ہو جائے وہ اس لیے کہ عشرہ کامل عدد ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ عشیرہ سے انسان کا وہ قبیلہ مراد ہے جو انسان کے قریبی رشتہ دار ہوں اور وہ ان کی وجہ سے کثیر التعداد سمجھا جائے۔ اور العشیرہ وہ لوگ جو کسی معاشرہ کے شریک ہوں وہ قریبی رشتہ دار ہوں یا بعیدی۔ (کذا فی المفردات) یہاں پر بنوہاشم و بنو عبدالمطلب مراد ہیں۔

ف: ان کے ڈرانے کا حکم اس لیے ہے کہ معاشرہ میں انسان کے لیے یہی لوگ مہتم بالشان متصور ہوتے ہیں تو پھر انذار میں بھی ان سے ابتداء بہتر ہے۔ جیسے احسان و مروّت اور صلہ رحمی میں یہی سب سے اولیٰ و اوّل

marfat.com

ہوتے ہیں۔

ف : اس آیت کی نظیر آیت یا ایھا الذین اٰمنوا قاتلوا الذین یلونکم ہے۔ یعنی اے ایمان والو! ان سے جنگ کرو جو تمہارے قریب ہیں حالانکہ اہلِ اسلام کو جنگ کرنے کا حکم تو تمام کافروں کے لیے تھا لیکن ان میں سب سے پہلے ان کے قریبی رشتہ داروں کو اولیت دی گئی۔ ایسے ہی انذار کو سمجھیے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انذار کا حکم تو سب کے لیے ہے۔ لیکن سب سے پہلے رشتہ داروں کو انذار فرمائیں۔ تبلیغی جماعت دیوبندی کے سربراہوں کو آنکھ کھولنی چاہیے کہ وہ جن کو پھانس کر چلے کرا رہے ہیں اور تبلیغ کے پھیرے لگوا رہے ہیں ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ میاں تبلیغ پر ہیں تو بیوی سینما کی زینت۔ بیٹا تبلیغ پر ہے تو بوڑھے ماں باپ گھر میں پیاس کے مارے ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ بہرحال تبلیغِ دین کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ اُن کی تبلیغ دینی تو ہے نہیں بلکہ اندرونِ خانہ عزائم کچھ اور ہیں۔ پھر وہ اصولِ تبلیغ کو کیا جانیں۔ افسوس تو عوام الناس پر ہے جو ان کی چکنی چپڑی باتوں کے جال میں پھنستے چلے جا رہے ہیں۔ عوام سے التجا ہے کہ وہ تبلیغی جماعت (دیوبندی) کے چکر میں نہ آئیں)[1]

نکتہ : جب قریبی لوگوں کو انذار ضروری ہے تو پھر بعیدی اور رشتہ داروں کے علاوہ اور لوگ بطریقِ اولیٰ انذار کے مستحق ہیں۔

روایت مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر اپنی قوم کے ہر قبیلہ کا علٰحدہ علٰحدہ نام پکارا تمام لوگ اکٹھے ہو گئے آپ نے انہیں فرمایا کہ اگر میں تمہیں کہوں کہ اس پہاڑ کی اوٹ میں بہت بڑی جماعت ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا، ہاں۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں آنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں۔

روایت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: اے بنی ہاشم، اے بنی عبد مناف!! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ میں تمہارے کام نہ آؤں گا۔

پھر فرمایا: اے عائشہ بنت ابی بکر، اے حفصہ بنت عمر، اے فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اے صفیہ عمۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ میں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔

خبر میں ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رو کر عرض کیا کہ "آپ

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

قیامت میں ہمارے کام نہیں آئیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

اس کے بعد فرمایا:

"اے عائشہ! تین مقامات ایسے ہیں جہاں میں تمہارے کام نہیں آؤں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

(۱) ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ۔

(ہم قیامت میں انصاف کا ترازو رکھیں گے)

(۲) جب اللہ تعالیٰ نور روشن فرمائے گا جسے چاہے گا اس وقت نور عطا فرمائے گا جسے چاہے گا ظلمات میں اوندھا کر دے گا۔

(۳) پلصراط، جسے چاہے گا صحیح وسالم اس پل سے گزار دے گا جسے چاہے گا اوندھا لٹکا دے گا۔

سبق اس سے اہلِ ایمان کو نصیحت ہے کہ شرافتِ انساب سے کوئی دھوکا نہ کھائے کیونکہ ایمان کے بغیر نسب کوئی فائدہ نہ دے گا۔ کنعان بن نوح علیہ السلام کو دیکھئے یا آزر ابراہیم علیہ السلام کے اب یعنی چچا کو دیکھیے۔ عبرت کے لیے یہ دو مثالیں کافی ہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

چوں کنعان را طبیعت بے ہنر بود

پیمبر زادگی قدرش نیفزود

ہنر بنمائے اگر داری نہ گوہر

گل از خارست و ابراہیم از آزر

ترجمہ: جیسے کنعان کہ اس کی طبیعت بے ہنر تھی پیغمبر کی اولاد ہونا اس کی قدر بڑھا نہ سکا۔ ہنر دکھا اگر تیرے پاس ہے گوہر کی ضرورت نہیں ورنہ گل کانٹوں سے اور ابراہیم آزر سے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ فلا انساب بینہم یومئذ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

کل حسب ونسب ینقطع الا حسبی ونسبی۔

(ہر حسب ونسب منقطع ہو جائے گا سوائے میرے حسب ونسب کے)

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو ایمان وتقویٰ لازم ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آلی کل مومن تقی۔

(ہر متقی مومن میری آل ہے)

marfat.com

نیز اس میں اشارہ ہے کہ اگر کسی کے دل کا دِیا ایمان سے روشن ہے تو ضروری نہیں کہ اس کے قریبی رشتہ دار کے دل کا دیا بھی روشن ہو جب تک کہ وہ روشن دل والے دئیے سے نور حاصل نہ کرے۔ اس لیے نبی علیہ السلام کی اتباع اور ولی کی اقتدا ضروری ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا:

اے فاطمہ بنتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنے آپ کو آگ سے بچائیں تجھے کوئی فائدہ نہ دوں گا۔

وہ بھی اسی معنیٰ کی طرف اشارہ کرتا ہے یہ ایسے ہے جیسے کوئی پیٹ میں نہ جائے گا جب تک وہ خود نہ کھائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرابت اور رشتہ داری مفید نہیں اور نہ ہی ان کی ان کے متعلق شفاعت ہوگی (اگر وہ کافر و مشرک ہوں) کیونکہ اصل میں ایمان ضروری ہے اور اعمال بمنزلہ شاخوں کے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے وانذر عشیرتك الاقربین کے بعد فرمایا:

تفسیر عالمانہ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ان کے لیے نرمی کیجئے اور انہیں اپنی صحبت میں لائیے اور ان کی غلطیوں سے درگزر فرمائیے ان کے بُرے احوال سے چشم پوشی فرما کر ان کے ساتھ اچھے اخلاق کا برتاؤ کیجئے۔ اگر وہ محروم رکھیں تو انہیں عطیات سے نوازیں اگر وہ تم پر ظلم کریں تجاوز کریں اگر وہ تمہارے حقوق میں کوتاہی کریں تو انہیں معاف کر دیجئے بلکہ ان کے لیے بخشش مانگیے۔ اور رشتہ داروں کے ساتھ عاجزی و تواضع اور انکساری سے پیش آئیے یعنی مہربان بن جائیے اور زیادہ سے زیادہ ان کی عزت و تکریم کیجئے۔

حلِ لغات: الخفض رفع کی نقیض اور اونٹ کی نرم سیر کو بھی کہتے ہیں اس میں نرمیٔ قلب اور انقیاد کی ترغیب ہے۔ (المفردات) و جناح العسکر بمعنے لشکر کی دو جانبیں۔ یہ خفض الطائر جناحہ سے مستعار ہے یعنی پرندے نے پر نرم کیے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب اوپر سے نیچے کا ارادہ کیا جائے۔ اقارب و اجانب (اپنے پرائے) کے ملتے وقت نرمی اور تواضع و انکساری کو پروں کے نرم کرنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ف: منافق و فاسق کے ساتھ نرمی اور تواضع کی ضرورت نہیں ہاں بعض اوقات و احوال میں جائز ہے کیونکہ نرم و سختی کا بھی وقت ہوتا ہے جیسا کہ قرآن دلالت کرتا ہے اسی لیے لازم ہے کہ دونوں کے اوقات کی رعایت کی جائے مِن تبیینہ ہے کیونکہ مطلق اتباع اور ہے دین اور اسلام کی اتباع اور یا من تبعیضیہ ہے۔ اس وقت مؤمن سے وہ لوگ مراد ہیں جو ایمان کی طرف متوجہ ہوں اور صرف زبان سے تصدیق کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ واخفض جناحك لمن اتبعك الخ میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ ہر تابعدار مومن ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر مومن تابعدار ہو تاکہ مومن ایمان لا کر دھوکا نہ کھائے اس لئے مومن حقیقت سے ناآشنا رہتا ہے جب تک اتباع نہ کرے۔

marfat.ocm

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ بزرگوں کی صحبت اختیار کرے اور ان کے اعمال و کردار کی اتباع کرے ان کے اخلاق و احوال کی تحصیل میں سعی کرے کیا دیکھتے نہیں ہو کہ نیک لوگوں کی صحبت میں حیوانات تک بہشت کے مستحق بن گئے۔ اصحابِ کہف کے کُتّے کا حال دیکھئے۔ شاعر کا بھلا ہو کیا خُوب فرمایا ؎

سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پے نیکاں گرفت مردم شد

ترجمہ: اصحابِ کہف کے کتے کو دیکھئے کہ چند روز نیک لوگوں کے قدموں پر گرا تو آدمی ہو گیا۔

ف: اصحابِ کہف کا کُتّا مینڈھے کی شکل میں بہشت میں جائے گا۔[1]

تفسیر عالمانہ فَإِنْ عَصَوْكَ۔

شانِ نزول: کشف الاسرار میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں نے جب آپ سے عداوت و مخالفت اور زبان درازی کی تو نازل ہُوئی فان عصوك پس اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں یعنی تمہاری برادری کے لوگ اگر تمہاری طاعت سے نکل جائیں اور مخالفت کر کے تمہاری اتباع نہ کریں فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۝ تو فرمائیے میں بیزار ہُوں اس سے جو عمل تم کرتے ہو یعنی تمہاری بُت پرستی جیسے بدعمل سے میں بیزار ہُوں۔ تاہم ان سے علیحدگی اختیار نہ کیجئے بلکہ آپ انہیں وعظ و نصیحت کے طور اچھی اچھی باتیں سُنائیں پھر امید کریں کہ شاید وہ تمہاری طاعت کی طرف آ جائیں اور تمہاری دعوت قبول کریں۔

ف: فقیر (صاحبِ رُوح البیان) کہتا ہے کہ میں نے اپنے شیخ و مرشد قدس سرہٗ کو یہ فرماتے ہُوئے سُنا کہ میرا اور میرے خلفاء کا ہر طرح کا تعلق ختم ہے سوائے وصیت کے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔

وصیت بالحق تو ہو چکی اب مجھے صبر سے کام لینا ہے کہ ان سب کے حق میں صبر کروں۔

وَتَوَكَّلْ اور تم اپنے جملہ حالات میں بھروسا کرو عَلَى الْعَزِيزِ اس غالب ذات پر جو کسی کے ذلیل کرنے سے کمزور ہوتی ہے اور نہ کسی کی دشمنی سے اسے کمی ہوتی ہے بلکہ وہ اپنے دشمنوں پر قہر و جبر پر قدرت رکھتا ہے الرَّحِيمِ ۝ رحیم ہے ان لوگوں پر جو اس پر بھروسا کرتے ہیں اور جو اپنے جملہ امور اسی کے سپرد کرتے ہیں ان کی فتح و نصرت فرماتا ہے کیونکہ اپنے اولیاء کی ہمیشہ مدد فرماتا رہتا ہے۔ وہ خود کسی پر بھروسا نہیں کرتا صرف وہی دشمنوں کے سر کچلنے والا ہے اور کسی کو اس جیسی قدرت نہیں اسی لیے جملہ امور میں صرف اسی پر

---

[1] روح البیان ج ۶ ص ۳۱۲

marfat.com

بھروسا کیجئے اور غیروں کا سہارا ترک کیجئے اور جملہ عالم سے رُوگردانی فرمائیے سوائے اس کے خاص محبوبوں کے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو انھیں کے ساتھیوں سے بنائے (آمین)۔

اَلَّذِیْ یَرٰىكَ وہ ذات جو تجھے دیکھتی ہے کیونکہ اس کا دیکھنا اس کی رحمت کے لیے بمنزلہ سبب کے ہے یعنی اس پر توکل کیجئے جو تمہیں دیکھتا ہے حِیْنَ تَقُوْمُ ۝ جب تم آدھی رات کے وقت تہجد[1] کے لیے اُٹھتے ہو

سوال: تم نے تقوم کے عموم سے خاص نمازِ تہجد کا معنیٰ کہاں سے نکال لیا؟

جواب: قاعدہ ہے عرف شرع میں قیام کا اطلاق اس نماز پر ہوتا ہے جو رات کو اٹھ کر ادا کی جائے اور وہ تہجد ہے۔

تہجد کے فضائل مندرجہ ذیل ہیں:

فضائلِ تہجد

(۱) حدیث شریف میں ہے:

افضل الصلاۃ بعد الفریضۃ صلاۃ اللیل۔

(فرائض کے بعد افضل نماز تہجد ہے)

(۲) بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تہجد قضا نہیں فرماتے تھے۔ بیماری

---

[1] تہجد بہترین عبادت ہے۔ کسی شاعر نے اشعار میں اس کے فضائل بیان کئے ہیں:

پائے ساقی پہ گرا دیتی ہے — رُوح کو نشہ پلا دیتی ہے
تن کے آنگن میں تڑپنے والی — جان کو جامِ شفا دیتی ہے
خاک پر جھکتے ہوئے ماتھے کو — طلعتِ عرشِ عُلا دیتی ہے
شکرِ مستوں کو بہ ہنگامِ سجود — جھوم کر حُسنِ رضا دیتی ہے
سانولی رات کے آواروں کو — کُوئے جاناں کا پتا دیتی ہے
چند اُکھڑی ہوئی سانسوں کے عوض — عمرِ یاراں کو بقا دیتی ہے
دل کی دُنیا کو حسیں رحمت کی — پاک مہندی میں رچا دیتی ہے
دے کے البیلی دُعاؤں کا نور — ہاتھ کو چاند بنا دیتی ہے
گدگداتی ہے مشیّت کو بھی — شاہِ خُوباں کو ہنسا دیتی ہے

ریشمیں نیند کے متوالوں کی
آنکھ یزداں سے لڑا دیتی ہے

اویسی غفرلہٗ

اور دیگر عارضہ کے وقت بیٹھ کر ادا فرماتے تھے۔

(۳) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کی تکلیف وغیرہ سے اگر رات کو تہجد نہ پڑھ سکتے تو دن کو بارہ رکعت قضا کے طور پڑھا کرتے (تاکہ امت کو قضاء تہجد کا طریقہ معلوم ہو جائے) رواہ مسلم۔

ف: فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ تہجد کا دن کو قضا کرنا اس کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے کہ یہ دیگر تمام نوافل سے افضل ہے کیونکہ نوافل کی قضا نہیں۔

● **وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ** اور تمہارا سجدہ گزار لوگوں میں چلنا پھرنا یعنی تمہارا پروردگار تمہیں اس وقت دیکھتا ہے جب تم تہجد گزار لوگوں کے تفحصِ احوال کے لیے چلتے پھرتے ہو تاکہ معلوم کر سکو کہ کون تہجد پڑھتا ہے اور کون نہیں۔

تہجد کا حکم منسوخ یہ اس وقت ہے جب آپ پر تہجد فرض تھی ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، پھر بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ یہی اصح ہے (لیکن اس کا استحباب باقی ہے)

تہجد کی فرضیت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پر تہجد فرض ہے اسی لیے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) رات کے وقت اُٹھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گھروں میں پہنچ جاتے تاکہ معلوم کر سکیں کہ کس نے تہجد پڑھی اور کس نے نہیں۔ پھر یہ حکم شبِ معراج پانچ نمازوں سے منسوخ ہوا۔

نکتہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تشریف لے جا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات سے آگاہی حاصل کرنا دلالت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے لیے عبادت کے متعلق کتنا ذوق رکھتے تھے۔

لطیفہ مروی ہے کہ تہجد کی ادائیگی میں صحابہ کرام کے ذکرِ الٰہی اور تلاوتِ کلامِ الٰہی کی آواز سے ایسے معلوم ہوتا کہ گویا ان کے گھروں میں بھڑ شور کر رہے ہیں۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری گفتگو اور اپنے تمام بندوں کی دُعاؤں کو اور مناجاۃ الاسرار کو سُنتا ہے **الْعَلِيْمُ**○ اور تمہاری نیات اور مصالح ضمائر کے اسرار کو جانتا ہے۔

● بعض مفسرین نے کہا اس سے وُہ پھرنا مراد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں میں امامت کے وقت بحالتِ سجود و رکوع و قعود متحرک ہوتے تھے۔ اس تقریر پر الساجدین بمعنیٰ المصلین مع الجماعۃ ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وُہ ذات تمہیں دیکھتی ہے جب اکیلے نماز پڑھ رہے ہوتے اور اس وقت جب تم نمازیوں کی امامت کرا رہے ہوتے ہو۔

marfat.com

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الذی یرٰلک حین تقوم وہ ذات تمہارے اس قصد اور نیت اور عزیمت کو دیکھتی ہے جب تم اپنے جملہ امور کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہو شہود الخلق کا مسئلہ اس آیت سے ثابت کیا گیا ہے کہ جب انسان تصور کرے گا کہ وہ کریم مجھے ہر وقت دیکھتا ہے تو پھر میں گناہ کیوں کروں اور وہ خیال کرے گا کہ میں ہر معاملہ میں اس ذات کے سامنے ہوں تو پھر عبادت بھی آسان ہو جائے گی کیونکہ محبوب کے سامنے بہت بڑے مشقت بھرے امور بھی آسان ہو جاتے ہیں بلکہ اس وقت پہاڑ سر پر رکھ دیے جائیں تب بھی محسوس نہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نگاہِ حق میں اور کب سے بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

کنت بمرأی منا حین تقلبك فی عالم الارواح فی الساجدین بان خلقنا روح کل ساجد من روحك انہ ھو السمیع فی الازل مقالتك انا سید ولد آدم ولا فخر لان ارواحھم خلقت من روحك العلیم باستحقاقك لھذہ الکرامۃ انتھی۔

(روح البیان ج ٦ ص ٣١٣)

(عالم ارواح میں تم ساجدین میرے سامنے ہو کیونکہ ہم نے ہر روح کو تمہاری روح سے پیدا کیا وہ اللہ تیری بات ازل میں سن رہا تھا جب تم کہو گے کہ جملہ اولادِ آدم کا سردار ہوں اور اس پر میں فخر نہیں کرتا، وہ اس لیے کہ جملہ ارواح تیری روح سے پیدا کی گئی ہیں۔ اللہ تعالٰی جانتا ہے کہ تم ہی اس بزرگی و شرافت کے مستحق ہو)

انبیاء زادہ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ میں تمہیں دیکھ رہا تھا کہ تم ایک نبی علیہ السلام سے منتقل ہو کر دوسرے نبی علیہ السلام کی پشت میں تشریف لے جاتے۔ یعنی ساجدین سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں کہ آدم علیہ السلام سے لے کر ابراہیم علیہ السلام پھر ان سے منتقل ہوتے یہاں تک کہ انہیں اُمّی نے جنا۔

سوال: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب میں تمام حضرات تو نبی نہ تھے پھر یہ تفسیر کیسے صحیح ہوگی!

جواب: علی الاطلاق انبیاء کا ہونا مراد ہے نہ یہ کہ جملہ نسب کے لوگ۔

رافضیوں کا استدلال اس آیت سے رافضہ نے استدلال کیا ہے کہ نبی علیہ السلام کے جملہ آباء مومن تھے اس لیے کہ ساجد ہوتا ہی مومن ہے گویا ساجدین بول کر مؤمنین مراد لیا گیا ہے۔ ف: یہ استدلال سرسری ہے یعنی تحقیقی نہیں۔

marfat.ocm

حدیث شریف سے استدلال حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات۔

(میں اصلابِ طاہرین سے منتقل ہو کر ارحام طاہرات سے تشریف لایا ہوں)

ف: اس حدیث سے بھی استدلال درست نہیں کیونکہ طہارت ایمان پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ میں نکاح صحیح کے ذریعے دُنیا میں آیا ہُوں اگرچہ وہ نکاح جاہلیت کے تھے۔ (یعنی زنا سے نہیں بلکہ نکاح سے، حلال اولاد کی حیثیت سے)[1]

ف: (اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ علمی کے کمال کا اظہار ہے کہ تا آدم اپنے نسب کی صفائی بیان فرما دی اور تم اپنی بھی صفائی نہیں دے سکتے کہ حلالی ہو یا حرامی پھر بھی مقابلے پہ ہو کہ نبوت ہے کیا، بس وہ بڑے بھائی ہیں)[2]

مزید تائید (روافض کے جواب میں ہمارے قول کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حتی اخرجنی من بین ابوی لم یلتقیا علی سفاح قط۔

(یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر زمانے میں ان والدین سے ظاہر فرمایا جن سے زنا کا ارتکاب نہ ہوا)

ف: اس کے متعلق مختصراً ہم نے پہلے بھی گفتگو کی ہے۔ سورۂ ابراہیم کے آخر میں یہ بحث پڑھ لیں۔

انتباہ: مسلمان پر فرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف کے متعلق معمولی سی تنقیص بھی نہ کرے۔ بلکہ جس بات سے عوام کے بہکنے کا خیال ہو اس سے بھی احتراز کرے۔

سوال: تو پھر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کے متعلق کیسا عقیدہ ہو۔

جواب: یہ مسئلہ اعتقادیات[3] سے نہیں (بلکہ حسنِ عقیدت سے متعلق ہے۔ عقیدہ اور عقیدت میں فرق ہے)

---

[1] و [2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[3] اس سے وہابیہ کا اہلسنت پر اعتراض اُٹھ گیا کہ سُنّی لوگ حضور علیہ السلام کے آباء کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو روافض کا ہے۔ وہابیہ کہتے ہیں کہ سُنّی رافضی بھائی بھائی۔ لیکن وہابی کو اگر عقل ہے تو سمجھ گیا ہوگا کہ یہ عقیدہ رافضیوں کا ہے سُنّیوں کا نہیں۔

عقیدہ و عقیدت میں فرق عقیدہ نص قطعی سے ثابت ہوتا ہے اس کا منکر کافر ہوتا ہے۔ اور عقیدت روایات ضعیفہ بلکہ آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ نبویہ کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

اس سے قلب یعنی عقیدہ کا کوئی تعلق ہے البتہ زبان سے عقیدت کا اظہار احسن طریقے سے ہو۔ جیسے ہم پہلے بیان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٥٩) معمولی اشارات سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ اس فرق کو نہ سمجھتے ہوئے جاہل وہابی، دیوبندی بلکہ ان کے پڑھے لکھے عالم دین کہلوانے والے اہلسنت کے ہر چھوٹے بڑے مسئلے پر کہہ اُٹھتے ہیں کس آیت میں ہے یا کس حدیث میں ہے۔ تجربہ کر لو یہ ان میں عام مرض ہے۔ تو یہ مسئلہ ایمانِ آباء نبی علیہ السلام بھی منجملہ انہی عقاید یعنی عقیدتوں سے ہے۔ فلہٰذا اب ہمارا اور روافض کا اتحاد صرف نفسِ مسئلہ میں ہے اور نفس مسئلہ کے اتحاد سے بھائی بھائی نہیں بن جاتا۔ اس موضوع پر فقیر نے علیحدہ کتاب لکھی ہے اور اسی تفسیر میں پہلے بھی لکھا ہے اور اب بھی لکھتا ہے۔

مسئلہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اُمّہات حضرت عبداللہ تا حضرت آدم علیہ السلام۔ اور از حضرت حوّا تا حضرت آمنہ رضی اللہ عنہن سب ہی موحد مومن تھے۔ آپ کے سلسلۂ نسب میں کوئی مشرک یا کافر نہیں۔

دلائل از قرآن و حدیث (۱) ولعبدٌ مومن خیر من مشرك۔ (القرآن)
(بیشک مومن غلام بہتر ہے مشرک سے)

یہ مسئلہ قطعی ہے کہ مسلمان چاہے حسب و نسب میں کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو وہ مشرک اعلیٰ قوم و اولیٰ نسب سے بدرجہا بہتر ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

بعثت من خیر قرون بنی آدم قرناً فقرناً حتی کنت من القرن الذی کنت منہ۔

(رواہ البخاری عن ابو ہریرۃ)

(ہر قرن و طبقہ میں تمام قرون کے آدم سے بہتر بھیجا گیا ہوں یہاں تک کہ اس قرن میں ہوا جس سے پیدا ہوا)

اب اس حدیث کو آیۃ مذکورہ سے ملا دیا جائے تو دعویٰ بالکل واضح ہو جائے گا کیونکہ آیت میں فرمایا گیا ہے کہ "مشرک سے مومن غلام بہتر ہے"۔ اور حضور علیہ السلام کے ارشاد سے پتا چلا ہے کہ "میں خیر قرون سے ہوں"۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ میں (حضور علیہ السلام) ایمان والوں کی پشت سے ہوں۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لم یزل علیٰ وجہ الدھر (الارض) سبعۃ مسلمین فصاعدا فلولا ذٰلک ھلکت الارض و من علیہا۔ (اخرجہ عبدالرزاق و ابنِ منذر بسند صحیح علیٰ شرط الشیخین)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

marfat.ocm

کر چکے ہیں (حاشیہ بھی ملاحظہ ہو)۔ حضرت حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٦٠)

(رُوئے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات مسلمان رہے ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو زمین و اہلِ زمین سب ہلاک ہو جاتے)

اب ان دونوں حدیثوں کو صغریٰ کبریٰ کے طریق پر ملایا جائے تو نتیجہ (مطلوب) برآمد ہو گا اس لیے کہ اول حدیث میں صاف طور پر فرمایا گیا کہ " میں خیر قرون سے ہوں "۔

دُوسری حدیث نے بتایا کہ رُوئے زمین پر ہمیشہ کم از کم سات مسلمان رہے ہیں۔ اور بمقتضائے آیہ مذکورہ مومن خیر من مشرک سے یہ نتیجہ نکلا کہ حضور علیہ السلام کا نور ہمیشہ خیر سے خیر کی طرف منتقل ہوتا رہا اور چونکہ خیر مومن ہے مشرک و کافر نہیں اس لیے حضور علیہ السلام کا سلسلۂ نسب مومنین سے ہے مشرکین سے نہیں۔

کبریٰ واضح ہے صغریٰ پر دلیل، جس کی طرف امام جلیل جلال الدین سیوطی نے اشارہ فرمایا کہ والمعنیٰ ان الکافر لا یستاھل شرعاً ان یطلق انہ من خیر القرون۔ یعنی شرعاً کافر ہرگز اس کا اہل نہیں ہو سکتا کہ وہ خیر قرون سے ہو۔ خیر قرون مومن ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصول سب مومن ہی قرار پائے۔

(۲) انما المشرکون نجسٌ۔ (القرآن)

(کافر تو ناپاک ہی ہیں)

حدیث شریف: حضور نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے:

لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات۔ (رواہ ابو نعیم فی دلائل النبوۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

(میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے پیٹوں کی طرف منتقل ہوتا رہا)

اب مندرجہ بالا آیت و حدیث کو آپس میں ملایا جائے تو مطلب بالکل واضح ہو جائے گا کیونکہ قرآن عظیم الشان نے بلا شبہ مشرکین کے نجس ہونے کا فیصلہ فرمایا اور حدیث پاک میں حضور علیہ السلام نے اپنے آباء و امہات کو طیب و طاہر فرمایا۔ مشرکین نجس ہیں کبھی طاہر نہیں ہو سکتے اور حضور کے اصول طاہر ہیں کبھی نجس نہیں ہو سکتے تو لازمی نتیجہ نکلا کہ

(باقی برصفحہ ٦٦٢)

marfat.com

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۶۱)
حضور علیہ السلام کے آباؤ اجداد، امہات وجدات مومن موحد تھے۔ کبھی مشرک و کافر نہیں ہو سکتے۔
(۳) وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین لا یعلمون۔ (القرآن)
(عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین ہی کے لیے ہے مگر منافقین کو علم نہیں)
اس آیت کریمہ میں عزت و اکرام کا حصر اللہ جل وعلا نے مومنین میں فرمایا۔ اور کافر چاہے کیسا ہی اونچی قوم کا کیوں نہ ہو ذلیل و لئیم ٹھہرا۔ نبی کا کسی ذلیل و لئیم کی پشت اور نسب سے ہونا کوئی مدح نہیں۔ حالانکہ اس آیت کریمہ کو اللہ تعالیٰ نے حضور کے مقامِ مدح میں نازل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے آباؤ اجدا د اشراف تھے اور اشرف کافر و مشرک نہیں ہو سکتا بلکہ مومن و موحد ہی اشرف و اکرم ہو سکتا ہے۔
عقلی دلیل: کسی ذلیل و رذیل شخص پر نسب میں فخر کرنا عقلاً و عرفاً باطل ہے۔
تائید: لیکن نبی کریم علیہ السلام نے اپنے فضائل کریمہ کے بیان میں رجز اور مدح کے متعدد دفعہ اپنے آبائے کرام و امہات طیبات کا ذکر فرمایا۔ جنگِ حنین میں جب کچھ دیر کے لیے کفار نے غلبہ پا لیا اور چند لوگ پناہ رسالت میں باقی رہے اللہ کے پیارے رسول پر جلالیت طاری ہو گئی۔ فرمایا:
انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب۔ (رواہ احمد والبخاری۔ مسلم و نسائی عن براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
(میں نبی ہوں کچھ جھوٹ نہیں، میں بیٹا ہوں عبد المطلب کا)
حضور علیہ السلام نے یہ رجز پڑھتے ہوئے سواری سے نزول فرمایا۔ ایک مٹھی خاک دستِ مبارک میں لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا:
شاھت الوجوہ۔ (بگڑ گئے چہرے)
وہ خاک سب کفار کی آنکھوں میں پہنچی اور سب کے منہ پھر گئے۔
بعض روایات میں رجز کا آخر ہے:
انا ابن العواتك من بنی سلیم۔
یعنی میں بنی سلیم سے ان چند خواتین کا بیٹا ہوں جن کا نام عاتکہ تھا۔
بعض علماء کے نزدیک حضور علیہ السلام کے جدات میں نو بیبیوں کا نام عاتکہ تھا، بعض کے نزدیک (باقی بر صفحہ ۶۶۳)

marfat.ocm

ملتی ہے اور اقوالِ سلف صالحین رحمہ اللہ تعالیٰ میں بھی صراحت ہے صرف چار پشتیں از مرہ تا عبد المطلب رضی اللہ عنہما

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۶۲)

بارہ کا۔

بعض روایات میں حضور علیہ السلام نے اپنا نسب نامہ اپنے فضائل کریمہ میں اکیس پشتوں تک بیان فرمایا کہ میں سب سے نسب میں افضل باپ میں افضل ہوں اور کسی مشرک یا کافر باپ دادا پر فخر کرنا نہ تو عقلاً جائز ہے اور نہ ہی عرفاً۔

تو یہ حضور علیہ السلام کے لیے کیونکر ممکن ہے کہ معاذ اللہ آپ مشرک یا کافر باپ دادا کے نسب پر فخر فرمائیں تو بحکم نصوص ثابت ہوا کہ حضور کے آباؤ امہات مسلمین و مسلمات تھے۔ (وہو المطلوب)

(۴) انہ لیس من اھلک انہ عملٌ غیر صالح۔ (القرآن)

(اے نوح! یہ کنعان تیرے اہل سے نہیں یہ تو عمل غیر صالح ہے (تیرا نافرمان ہے))

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مومن و کافر کا نسب قطع فرمایا۔ اور حدیث میں ہے،

نحن بنو نضر بن کنانہ لا منتفی من ابینا۔ (رواہ احمد و ابن ماجہ و الطبرانی)

(ہم نضر بن کنانہ کے بیٹے ہیں ہم اپنے باپ سے اپنا نسب جدا نہیں کرتے)

اگر معاذ اللہ حضور علیہ السلام کے سلسلۂ نسب میں کوئی کافر تھا یا مشرک تو باقی رکھنے یا ان پر فخر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ امہات سب موحد مومن تھے لہذا ان پر فخر کرنا ان کا نسب باقی رکھنا اپنی جگہ بالکل درست اور بجا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں۔

(۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا کر دعا کی تھی؛

ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک۔ (القرآن)

(اے اللہ! ہماری اولاد میں ایک مسلمان جماعت رکھنا)

پھر فرمایا:

وابعث فیھم رسولا منھم۔

(اور اسی مسلمان جماعت میں آخری نبی بھیجنا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا حضور علیہ السلام سے پوری ہوئی۔

(باقی بر صفحہ ۶۶۴)

marfat.com

جن کے متعلق مجھے تصریح نہیں ملتی۔ ہاں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے لیے بھی قوی گمان یہ ہے کہ وہ بھی مؤمن تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٦٣)

اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام مسلم جماعت سے پیدا ہوئے اور یہی ہمارا مقصود ہے۔

(٦) لقد جاءکم رسول من انفسکم۔ (القرآن)

(بے شک آئے تمہارے پاس عظیم رسول جو تم میں سے ہیں)

ایک قرأت میں ف کی فتحہ کے ساتھ۔ ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ تمہارے پاس بہ عظمت والے رسول نفیس ترین جماعت میں سے تشریف لائے۔ اور کافر چونکہ نفیس نہیں بلکہ خسیس ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے اجداد ماجدین و جدات طاہرات اعلیٰ قسم کے مومن موحد تھے۔ وہ کفر و شرک کے تمام انواع سے پاک و مبرا تھے۔

(٧) وتوکل علی العزیز الرحیم الذی یراك حین تقوم وتقلبك فی الساجدین۔ (القرآن)

(بھروسا کر غالب مہربان پر جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہوا اور تیرا کروٹیں بدلنا سجدہ کرنے والوں میں)

امام رازی فرماتے ہیں آیت شریف کا معنی یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا نور پاک ساجدوں سے ساجدین کی طرف منتقل ہوتا رہا، تو یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ سب آباد کرام مسلمین تھے۔ امام سیوطی و ابن حجر و علامہ زرقانی نے اس تقریر کی تائید و توثیق فرمائی۔

(٨) ولسوف یعطیك ربك فترضٰی۔ (القرآن)

(البتہ عنقریب تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا)

نبی کریم علیہ السلام کی وجاہت اجابت کا تو یہ عالم ہے کہ ان کے حق میں رب فرماتا ہے:

سنرضیك فی امتك ولا نسوئك به۔ (رواہ مسلم)

(قریب ہے کہ ہم تجھے تیری اُمت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور تیرا دل بُرا نہ کریں گے)

امت کے معاملے میں تو حضور علیہ السلام کی شفاعت رد نہ فرمائے تو کیا والدین کے بارے میں حضور علیہ السلام کو یہ گوارہ ہو گا کہ وہ معاذ اللہ جہنم میں رہیں۔

حدیث شریف: صحیح حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کے بارے میں فرمایا:

وجدته فی غمرات من النار فاخرجته الی ضحضاح۔ (رواہ البخاری ومسلم عن العباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

(میں نے ابوطالب کو سراپا آگ میں ڈوبا پایا تو کھینچ کر ٹخنوں تک آگ سے نکال دیا)

(باقی بر صفحہ ٦٦٥)

marfat.ocm

اگرچہ ان کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی کیونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک آٹھ سال تھی جب حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۶۴)

حدیث شریف: دوسری روایت ہے کہ صحابہ نے پوچھا،

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابو طالب نے آپ کی بہت خدمت کی، کیا آپ سے ان کو کوئی فائدہ ہوا؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں۔

ولولا انا لکان فی الدرك الاسفل من النار۔

(اگر میں نہ ہوتا تو ابو طالب جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہوتا)

دوسری حدیث میں ہے:

اھون اھل النار عذابا ابو طالب۔

(دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب پر ہے)

ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قربِ والدین کریمین کو حاصل ہے ابو طالب کو اس سے کوئی نسبت نہیں پھر والدین کریمین کا عذر بھی معقول کہ نہ تو انہیں دعوتِ اسلام پہنچی اور نہ ہی انہوں نے زمانۂ نبوت پایا وہ دینِ فطرت پر تھے ان کے لیے عقیدۂ توحید ہی کافی ہے۔ کسی ضعیف حدیث یا تاریخ سے ان کی طرف شرک کی نسبت ثابت نہیں۔ اور اللہ عزّ وجل فرماتا ہے:

ماکنا معذبین حتی نبعث رسولا۔

(ہم کسی قوم کو بغیر ان میں رسول بھیجے ہوئے عذاب نہیں دیتے)

معلوم ہوا کہ جب والدین کریمین کو دعوت ہی نہیں پہنچی تو عذاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ وہ حضرات دینِ ابراہیمی پر تھے۔ حضور علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے جو اشعار بوقتِ رحلت ارشاد فرماتے ان سے ان کے ایمان کی دلیل ملتی ہے جب والدہ ماجدہ نے اپنے فرزند جلیل سید المرسلین کے چہرۂ انور پر حسرت بھری نظر کی اور ان کی یتیمی کا خیال آیا، تو فرمایا: ؎

بارك اللہ فیك من غلام	یا ابن الذی من حومۃ الحمام
کالعون الملك المنعام	فودی غداۃ الضرب بالسھام
بمائۃ من الابل السوام	وان صح ما ابصرت فی المنام
فانت مبعوث الی الانام	تبعث فی الحل والحرام

(باقی بر صفحہ)

marfat.com

عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا وصال ہُوا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۶۶۵)

تبعث فی التحقیق والاسلام دین ابیک البر ابراهام

فاللہ انہاک عن الاصنام ان لا توالیها مع الاقوام

(اے ستھرے لڑکے! اللہ تجھ میں برکت رکھے۔ اے بیٹے ان کے جنہوں نے موت کے گھر سے نجات پائی۔ بڑے انعام والے بادشاہ۔ اللہ عزّ وجل کی مدد سے جس صبح کو قرعہ ڈالا گیا سو بلند اونٹ ان کے فدیہ میں قربان کیے گئے۔ اگر وہ ٹھیک ٹھہرا جو میں نے خواب میں دیکھا ہے تو تو سارے جہان کی طرف پیغمبر بنایا جائے گا جو تیرے نکوکار باپ ابراہیم کا دین ہے میں اللہ کی قسم دے کر تجھے بتوں سے منع کرتی ہوں کہ قوموں کے ساتھ ان کی دوستی نہ کرنا)

حضرت آمنہ خاتون کی اس مبارک وصیت میں جو فراقِ دنیا کے وقت اپنے ابن کریم علیہ السلام کو کی، توحید و ردِ شرک آفتاب سے زیادہ روشن ہے، اور اس کے ساتھ ملتِ ابراہیمی کا بھی پورا اقرار و ایمان ہے اور وہ بھی بیانِ بعثتِ عامہ کے ساتھ۔ (الحمد للہ علیٰ ذالک)

(۹) اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ (القراٰن)

(خدا خوب جانتا ہے جہاں رکھے اپنی پیغمبری کو)

رب العزت سب سے زیادہ معزز و محترم جگہ وضع رسالت کے لیے انتخاب فرماتا ہے۔ لہٰذا کبھی کم قوموں رذیلوں میں رسالت نہیں رکھی پھر کفر و شرک سے زیادہ رذیل کون سی چیز ہو سکتی ہے وہ کیونکر اس قابل ہو کہ اللہ عزّ وجل نورِ رسالت اس میں ودیعت رکھے کفار محلِ غضب ولعنت ہیں اور نورِ رسالت کے وضع کو محل رضا رحمت درکار ہے تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا نور اصلاب طیبہ سے ارحام طاہرہ کی طرف گردش کرتا ہوا حضرت عبد اللہ اور آمنہ خاتون کے درمیان ظاہر ہوا۔ وہ سب کے سب کفر و شرک اور الحاد و بے دینی کی آلودگیوں سے پاک و منزّہ تھے۔

(۱۰) ان الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین فی نار جهنم خالدین فیها اولٰئك هم شرّ البریة ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات اولٰئك هم خیر البریة۔

(بے شک سب کافر کتابی اور مشرک جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے وہ سارے جہان سے بدتر ہیں، بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ سارے جہان سے بہتر ہیں)

حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

(باقی بر صفحہ)

عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا ایمان مشہور تر یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ملّتِ ابراہیمی پر تھے، انہوں نے بُت پرستی نہیں کی جیساکہ سورۃ براۃ میں گزرا ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۶۶۶)

انا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرة بن کعب بن لوی بن غالب بن فهر بن مالك بن نضر بن کنانة بن خزیمه بن مدركة بن الیاس بن نزار بن معد بن عدنان ما فترق الناس فرقتین الا جعلنی الله فی خیرهما فاخرجت من بین ابوی فلم یصبنی شئ من عهد الجاهلیة وخرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح من لدن آدم حتی انتهیت الی ابی وامی فانا خیرکم نسباً وخیرکم اباً۔

(میں ہوں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن نزار بن معد بن عدنان ۔ لوگ دو گروہ نہ ہُوئے مگر یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر گروہ میں کیا تو میں اپنے ماں باپ سے اس طرح پیدا ہُوا کہ زمانہ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی اور میں خالص نکاح سے پیدا ہُوا آدم سے لے کر اپنے ابوین تک تو میرا نفس کریم سب سے افضل اور میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر)

آیتِ مندرجہ بالا میں ربّ العزّت نے کفار اور مشرکین کو شر البریہ فرمایا اور حضور نے فرمایا:

انا خیرکم اباً ونفساً۔

(میں تم میں سے ذات اور باپ کے اعتبار سے اچھا ہوں)

جس سے آفتاب نیم روز سے مطلوب زیادہ روشن ہوا کہ سلسلۂ نبوی میں کوئی کافر مشرک داخل نہیں ورنہ حضور علیہ السلام کا خیر اَب ہونا کس طرح ثابت ہو سکتا ہے!

اقوال علماء

(۱) حضرت علامہ جلال الدین سیوطی و دیگر محدثین فرماتے ہیں:

(باقی بر صفحہ ۶۶۸)

marfat.com

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ یہ خطاب مکہ کے کفار کو ہے۔
شانِ نزول: کفار کہتے تھے کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ کے ہاں شیطان حاضر ہو کر باتیں بتاتے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٦٧)

ان آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر الانبیاء و امھاتہ الیٰ آدم و حوّا لیس فیھم کافر لانہ یقال فی حقہ انہ مختار ولا کریم ولا طاھر بل نجس و قد صرحت الاحادیث بانھم مختارون و ان الآباء کرام والامھات طاھرات و ایضاً قال تعالیٰ وتقلبک فی الساجدین علیٰ احد التفاسیر فیہ ان المراد تنقل نورہ من ساجد الیٰ ساجد۔ الخ

یعنی نبی کریم کے سلسلۂ نسب میں جتنے انبیاءؑ ہیں وہ تو انبیاء ہی ہیں۔ ان کے سوا حضور علیہ السلام کے جس قدر آباؤ و امہات آدم و حوّا تک ہیں ان میں کوئی کافر نہ تھا کہ کافر کو پسندیدہ یا کریم یا پاک نہیں کہا جا سکتا اور حضور علیہ السلام کے آباؤ و امہات کی نسبت حدیثوں میں تصریح کی گئی ہے کہ وہ سب پسندیدہ بارگاہِ الٰہی ہیں۔ آبا سب کرام ہیں مائیں سب پاکیزہ ہیں اور آیۃ کریمہ وتقلبک فی الساجدین کی بھی ایک تفسیر یہی ہے کہ نبی علیہ السلام کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا آیا۔

اب اس سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ حضور علیہ السلام کے والدین ماجدین اہلِ جنت ہیں کیونکہ ساجد مشرک و کافر نہیں ہوتے مومن و موحد ہی ہوتے ہیں۔

سوال: قرآنِ کریم نے آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا باپ بتایا حالانکہ وہ بت تراش تھے اور مشرک بھی۔ تو حضور علیہ السلام کے سلسلۂ نسب میں مشرک آگیا۔

جواب: مفسرین و اہلِ تاریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا باپ نہیں تھا۔ ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث موجود ہے کہ:

عم الرجل صنو ابیہ۔

(آدمی کا چچا اس کے باپ کی بجائے ہوتا ہے)

نیز قرآن کریم میں صریح آیت موجود ہے جس میں چچا کو باپ کہا گیا ہے۔

سوال: روایات سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام کے والدین کو زندہ کیا گیا اور وہ حضور علیہ السلام پر ایمان لائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے والدین کفر کی حالت میں مرے۔ (باقی بر صفحہ ٦٦٩)

marfat.ocm

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۶۸)

جواب: اوّلاً تو اس حدیث سے حضور علیہ السلام کے والدین کا ایمان ثابت ہے۔ جو لوگ اب بھی ایمان کے قائل نہیں جواب تو ان کو دینا ہے۔ یہ حدیث ہمارے مقصد کے خلاف نہیں۔ نیز حضور علیہ السلام کے والدین کا دوبارہ زندہ کیا جانا اور ایمان لانا معاذ اللہ اس لیے نہیں تھا کہ وُہ کافر تھے۔ اُن کا کفر تو کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں۔ بلکہ ان کو اس لیے زندہ کیا گیا کہ وہ حضور علیہ السلام پر ایمان لاکر حضور اکرم کے شرفِ صحابیت سے مشرف ہوکر خیر الامۃ میں داخل ہو جائیں۔ ان کا زندہ کرنا اور حضور علیہ السلام پر ایمان لانا مزید انعام و اکرام کے لیے تھا ورنہ وُہ تو پہلے ہی ملتِ ابراہیمی پر تھے جس طرح گذشتہ قصیدہ میں ثابت ہو چکا ہے۔

ثانیاً ایمان سے تجدید مراد ہے اس لیے کہ ان کا اہلِ توحید سے ہونا ہی ان کی نجات کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کہ وُہ تو احکام کے مکلف ہی نہیں تھے۔ جس طرح کہ پہلے گزر چکا ہے۔

سوال: حضور علیہ السلام نے ایک صحابی سے فرمایا:

ابی و اباك هما فی النار۔

(میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہیں)

جواب: (۱) باپ سے مراد ابو طالب آپ کا چچا ہی ہے۔ ورنہ اس حدیث کے مقابلے میں جو آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبوی ہیں ان کا کیا جواب ہوگا۔

(۲) حضور علیہ السلام کو استغفار سے بھی رب العزت نے اسی لیے منع فرمایا کہ آپ کے والدین گنہ گار تھے ہی نہیں۔ استغفار تو گنہ گاروں کے لیے ہوتا ہے، اور گنہ گار وُہ مجرم ہے جس کو نبی یا رسول دعوتِ توحید و احکام دے اور وہ شخص اعراض کرے۔ حضور علیہ السلام کے والدین کے لیے یہ دونوں امر ثابت نہیں۔

سوال: فقہ اکبر میں ہے کہ ماتا علی الکفر۔ یعنی ان کی موت کفر پر ہوئی۔ (معاذ اللہ)

جواب: اوّل تو یہ مسئلہ اجتہادی نہیں کہ ہم اس میں کسی امام کی پیروی یا تقلید کریں۔

دوم فقہ اکبر کی عبارت ماوّل ہے۔ یعنی ماتا علیٰ عہد الکفر۔ (حضور علیہ السلام کے والدین کا انتقال عہدِ کفر میں ہوا) اور یہ مسلّم ہے اس سے انکار نہیں۔

سوم یہ عبارت ماماتا علی الکفر بھی جیسا کہ اصل کتاب میں ہے۔

چہارم یہ عبارت بعض نسخوں میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ تو ہمیں اس عبارت کا جواب دینے کی ضرورت

(باقی بر صفحہ ۶۷۰)

marfat.com

ربط : پہلے یہ بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں شیاطین کا قرآن لانا ممتنع ہے، اب بتایا کہ ان کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہی نہیں۔

انتباہ : یہ مسئلہ اس قدر نازک ہے کہ اگر احتیاط ہاتھ سے نکل جائے تو ایمان سے محروم ہونے کا خطرہ ہے۔ کیا حضور علیہ السلام کے والدین ماجدین کے کفر کے متعلق بات کرنا کوئی آسان کام ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :

والذین یؤذون رسول اللہ لہم عذابٌ الیم۔

(جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے)

آخری گزارش

عقلمند کو چاہیے کہ ایسی پُرخطر جگہ احتیاط سے کام لے۔

○ حُجۃ الاسلام امام غزالی نور اللہ مرقدہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں "کسی مسلمان کی طرف گناہِ کبیرہ کی نسبت جائز نہیں جب تک یہ یقین سے ثابت نہ ہو"۔ کفر کی نسبت کا معاملہ تو بہت ہی دشوار ہے۔

○ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے سبق لیا جائے۔ فرماتے ہیں : "اگر کسی میں ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور ایک ایمان کا، تو اس کے لیے بھی کفر کی نسبت کرنا جائز نہیں"۔

خود ساختہ مقلدین کے پاس اس امام کے اس ارشاد کا کیا جواب ہے :

ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

(اگر تمہارے پاس کوئی برہان ہے اور تم سچے ہو تو وہ برہان لاؤ)

کیا تمہارا ایمان گوارہ کرتا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ غلاموں کے ساتھ سگانِ درگاہ جنّاتِ نعیم میں داخل ہوں اور جن کے نعلین کے تصدق جنت بنی ان کے ماں باپ دوسری جگہ معاذ اللہ غضب و عذاب میں مبتلا ہوں؟ کیا آمنہ خاتون حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے بھی کم ہیں۔ کیا یہ آپ کو پسند ہوگا کہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام اپنی والداؤں کو جنت میں دیکھیں اور محبوب کی والدہ وہاں نظر نہ آئیں۔

زندہ معجزہ اور اہلسنت کی تائید

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلے میں کی جانے والی کھدائی کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(باقی بر صفحہ ۶۷۱)

marfat.ocm

حاضر ہو کر کچھ باتیں سکھانا بھی محال ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے مشرکو! کیا میں تمہیں خبر دوں عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ ۝ شیاطین کس پر نازل ہوتے ہیں۔

ف : تنزل دراصل تتنزل تھا، ایک تا حذف کر دی گئی ہے من استفہام کو متضمن ہے۔

سوال : اگر من استفہام کو متضمن ہے تو استفہام کا قاعدہ ہے کہ وہ ابتدائے کلام میں آتا ہے مثلاً، اعلیٰ زید مررت ہو گا علیٰ ازید مررت نہیں ہو گا، اور یہاں مَن ابتدائے کلام میں نہیں۔

جواب : اس کا مطلب یہ نہیں کہ من اسم ہے اور اس میں حرف کا معنیٰ ہے بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ دراصل اَمَنْ تھا حرف استفہام یعنی ہمزہ حذف کر کے مَن اسم کو اس کے قائم مقام کیا گیا ہے جیسے ھَل دراصل اَھَل تھا بمعنے اَقَدْ ، اسی قاعدہ پر جب حرفِ جر مَنْ پر داخل ہو گا تو حرفِ جر سے پہلے ہمزہ استفہام مقدر ماننا ہو گا گویا اصل میں یہ عبارت اعلیٰ من تنزل الخ تھی۔

تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاكٍ افاک کثیرالافك والکذب بہت بڑا بہتانی اور جھوٹا۔

حلِ لغات : امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا افک ہر وہ بات جس کو اپنے مقام سے پھیر کر دوسری طرف لایا جائے۔ جس کے لیے حق یہ تھا کہ اس طرف سے نہ لائی جاتی۔

اَثِیْمٍ ۝ کثیرالاثم ہر وہ اسم جو ثواب کی راہ سے ہٹا ہوا ہو یعنی شیاطین ان لوگوں پر اترتے ہیں جو پرلے درجے کے بہتانی اور جھوٹے اور گناہوں میں بکثرت مبتلا ہونے والے ہیں جیسے کاہن اور جھوٹے نبی جیسے مسلمۃ الکذاب وطلیحۃ۔ کیونکہ یہ لوگ شیاطین کے عملی ہم جنس ہیں اور کذب وافتراء میں ان کو آپس میں مناسبت بھی ہے اور اضلال میں برابر کی شرکت بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے قبائح سے بالکل منزہ د

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٧٠)

کے والد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا جسدِ مبارک جس کو دفن کیے چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے بالکل یح وسالم حالت میں برآمد ہوا، علاوہ ازیں صحابیِ رسول حضرت مالک بن سنانؓ کے علاوہ دیگر چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجساد مبارک بھی اصل حالت میں پائے گئے جنہیں جنت البقیع میں نہایت عزت واحترام کے ساتھ دفنا دیا گیا ان لوگوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ صحابہ کے جسم نہایت تر وتازہ اور اصلی حالت میں تھے۔ (روزنامہ ٢٠ر جنوری)

نوٹ : فقیر نے اس خبر کو تفصیل کے ساتھ صدائے نوی شرح مثنوی میں لکھ دیا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

مقدس ہیں۔ اسی لیے شیاطین کا ان کے ہاں حاضر ہونا محال ہی نہیں بلکہ ممتنع ہے یُلْقُوْنَ السَّمْعَ جملہ محلاً مجرور ہے اور کل افاک اثیم کی صفت ہے اس لیے کہ کل افاك اثیم جمع کے معنی میں ہے یعنی افاک و اثیم شیاطین کی طرف کان لگاتے ہیں تو ان سے اوہام اور علامات پاتے ہیں کیونکہ ان کی علمی کمی ہے اسی لیے اپنی طرف سے چند باتیں گھڑ کر سناتے ہیں جن کے اکثر کو واقع کے ساتھ مطابقت نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ کہ یہ لوگ شیاطین کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں پھر کچھ باتیں اپنی طرف سے گھڑ لیتے ہیں۔

وَاَكْثَرُهُمْ اور ان بہتانیوں کے اکثر كٰذِبُوْنَ ۝ ان باتوں میں جھوٹے ہیں جو اپنی طرف سے گھڑتے ہیں۔ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نہیں کیونکہ وہ صادق فی جمیع ما اخبر من المغیبات[1] ہیں یعنی غیب کی باتوں کی خبر دینے میں سچے ہیں۔

ف : (اس سے وہابیہ کا بھی رد ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کیا جانیں[2] اور ان کے علم غیب کو ماننا شرک ہے۔ ان بھلے مانسوں کو کون سمجھائے کہ جو غیب کی باتیں جانتا نہیں وہ غیب کی خبر کیسے دے سکتا ہے)[3]

سوال : اکثر کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ ان کے بعض کاہن وغیرہ جھوٹے نہ تھے۔

جواب : (۱) کبھی اکثر بمعنے کل آتا ہے یعنی ان کے سارے کے سارے جھوٹے ہیں۔ بلکہ بعض کا لفظ بھی کبھی کل کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم۔

(اور تاکہ تمہارے لیے وہ بعض یعنی کل اشیاء حرام کی گئی تھیں)

اب حلال کی گئیں۔ بلکہ بکثرت قلت کا اطلاق عدم پر بکثرت آیا ہے۔

(۲) بعض مشایخ نے فرمایا کہ یہ اکثریت باعتبار اقوال کے ہے نہ کہ بہ اعتبار ذوات۔ یعنی ان کی اکثر باتیں جھوٹی تھیں وغیرہ۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ ان کے بعض سچے تھے بلکہ یہ لازم آتا ہے کہ ان کی بعض باتیں سچی تھیں جیسا کہ معلوم ہوا۔ اور افاک کا معنیٰ بھی یہی ہے کہ اس سے اکثر باتیں من گھڑت صادر ہوتی ہیں۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ ہر وقت من گھڑت باتیں کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے سچ کا صدور ناممکن ہو گیا ہے بلکہ وہ اکثر تو جھوٹ بولتا ہے اور کبھی کبھار سچ بھی بول لیتا ہے۔

(جیسے عربی مقولہ ہے :

الکذوب قد یصدق یعنی کاذب کبھی سچ بول لیتا ہے)[4]

---

[1] روح البیان ج ۶ ص ۳۱۴

[2] اضافہ از مترجم غفرلہٗ

[3] اضافہ از مترجم غفرلہٗ

[4] اضافہ از مترجم غفرلہٗ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی وتصدیق کے صدقے کشف الاسرار میں ہے کہ اکثر ھم میں سطیح وشق وسواد بن قارب کو مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ پاک سے سرشار رہتے، آپ کی تصدیق کرتے اور آپ کی نبوت کی گواہی دیتے اور لوگوں کو آپ کے دین کی دعوت دیتے رہتے تھے[۱]

دو اعجوبے[۲] حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ:

(۱) شق کو شق اس لیے کہا جاتا تھا کہ اس کے جسم کا ایک ایک حصہ کم تھا، مثلاً ہاتھ ایک، پاؤں ایک، آنکھ ایک۔

(۲) سطیح کے ڈھانچے میں نہ ہڈیاں تھیں نہ رگیں اور نہ پٹھے (صرف گوشت پوست تھا) وہ چٹائی کی طرح لپیٹ لیا جاتا۔

یہ دونوں (شق وسطیح) کاہن تھے، زمانہ بعثت کو نہیں پایا بلکہ یہ کسریٰ یعنی ساسان کے زمانے میں تھے[۲]

وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ۝ اور شعراء کی اتباع گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ یعنی نہ قرآن شعر ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہیں کیونکہ شاعر تو وہ ہے جن کی اتباع گمراہ اور بیوقوف ہی کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعدار ایسے نہیں بلکہ وہ دانائے روزگار ہیں، ان کی باتیں عوام کے نزدیک وقیع اور ان کی دانائی خلقِ خدا میں مسلّم ہے۔

شرارتی شعراء کفار کے چند شعراء تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی ہجو اور اسلام کی بدگوئی کرتے۔ ان کی اتباع میں بیوقوف اور پاگل قسم کے لوگ ہوتے، تاکہ وہی ہجو یاد کریں۔ پھر وہ اپنے علاقوں میں جا کر مجالس قائم کر کے ہجو کر کے ہنستے ہنساتے۔ (جیسے آج کل وہابیہ اور روافض کے شعراء کا حال ہے کہ وہابیہ نبی علیہ السلام کے علم غیب واختیار ونور وغیرہ کی نفی میں اشعار پڑھتے ہیں اور اولیاء ومزارات کی تنقیص وتحقیر میں ابیات سناتے ہیں۔ اور روافض صحابہ کرام کی ہجو بکتے اور مجالس قائم کر کے اشعار میں گالیاں دیتے ہیں)[۳]

حکایت واضحوکہ خلیفۂ وقت کے ہاں شعراء کی جماعت حاضر ہوئی ان کے پیچھے ایک طفیلی (جسے آج ہم مفت خورہ بکتے ہیں) چلا گیا۔ شعراء نے خلیفہ کو قصائد سنا کر انعامات حاصل کئے

---

[۱] و [۲] ایسے واقعات فقیر کی کتاب "آدم تا ایندم" میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہ

[۳] اضافہ از اویسی غفرلہ

marfat.com

اور طفیلی اداس بیٹھا تھا۔ بادشاہ نے کہا: تم بھی کچھ کہو تاکہ تمہیں بھی انعام ملے۔ طفیلی نے کہا: میں شاعر نہیں بلکہ ایک گمراہ آدمی ہوں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والشعراء یتبعھم الغاؤن۔

اس پر بادشاہ بہت ہنسا اور طفیلی کو بھی انعام سے نوازا۔ (کذا فی الروضہ لابن الخطیب)

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ کافروں کے شعراء وہ ہیں جو ان کے طریقے پر چلتے ہیں وہ گمراہ ہیں اور راہِ حق سے کوسوں دور ہیں۔ اس سے اہلِ حق شعراء مراد نہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اس میں اشارہ ہے کہ شعراء جب اپنے حسب مقامات وبموافق مطامح نظر و منشاء قصدونیات کے مطابق اقدام تفکر و مفاوز تذکر پہ طلب معانی و نظم و ترتیب عروض وقوافی و تدبیر تجنیس و اسالیب میں چلتے ہیں تو شیاطین اغواء و اضلال کے لیے ان کے پیچھے پڑجاتے ہیں اور انہیں اباطیل و اکاذیب میں واقع کرنے کے درپے ہوجاتے ہیں۔

شعر کی لغوی تحقیق المفردات میں ہے: شعرت بمعنی اصبت الشعر۔ اسی سے استعارہ کیا گیا ہے شعرت کذا۔ یعنی میں نے اسے وقت میں بالوں کی طرح پایا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شاعر کو بھی اسی لیے شاعر کہا جاتا ہے کہ وہ اچھی ذہانت اور دقیق معرفت کا حامل ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دراصل شعر بمعنے علم الدقیق کو کہا جاتا ہے۔ اسی سے لیت شعری کا مقولہ مشہور ہے۔

عرف میں شعر کی تعریف عرف میں شعر ہر مقفیٰ اور مسجع اور موزوں کلام کو کہتے ہیں۔ اور شاعر اس کو کہا جاتا ہے جو فنِ شعر کا ماہر ہو۔ کما قال تعالیٰ:

بل افتراہ بل ھو شاعر۔ ترجمہ: بلکہ اسے گھڑا ہے بلکہ وہ شاعر (جھوٹا) ہے۔ معاذاللہ۔

بل افتراہ بل ھو شاعر کی تفسیر اس آیت میں بھی کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اسی معنی پر کہا کہ آپ کا قرآن شعر ہے کہ اس میں مقفیٰ و مسجع و موزوں کلام ہے۔ مثلاً:

وجفان کالجواب وقدور راسیات۔ ترجمہ: اور بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگر دار دیگیں۔

یہ[1] مطلب صحیح نہیں کیونکہ کفارِ عرب کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر بمعنے معروف اور شعر معروف کی تہمت

---

[1] یہی مطلب وہابیہ دیوبندیہ لیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ کلی حاصل نہیں۔ (باقی بر صفحہ ۳۳۱)

marfat.ocm

نہیں لگائی اس لیے کہ عجمی جاہل بھی سمجھتے ہیں کہ قرآنی آیات اور جملے شعر معروف کی صنعت پر نہیں چہ جائیکہ اہلِ عرب، اور وہ بھی فصحاو بلغا اس سے یہی مراد لیں۔ بلکہ اس سے ان کی مراد شعر سے کذب ہے۔ (یہی معنیٰ ہم اہلسنت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وما علمناہ الشعر میں شعر سے مراد کذب ہے۔ اب معنی و مطلب واضح ہے۔ دلائل فقیر اویسی کی کتاب احسن التقریر میں ہیں) [1] آیت مذکورہ میں شاعر بمعنے کاذب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک قوم (منطق) ادلہ کاذبہ کو شعر سے تعبیر کرتی ہے۔ (چنانچہ منطقیوں نے شعر کی یوں تعریف کی ہے:

الشعر ھو قیاس مؤلف من مقدمات تنبسط منھا النفس او تنقبض۔ یعنی شعر وہ قیاس ہے جو ایسے مقدمات سے مرکب ہو جس سے جی خوش ہو جائے یا مغموم و منقبض ہو جائے خواہ اس سے غلط اور جھوٹے جملے ملانے پڑیں۔ اس کی مثال الخمر یاقوتیۃ سیالۃ اور العسل مرۃ مھوعۃ ہے) [2]
اسی لیے اللہ تعالیٰ نے شعرا کے وصف میں فرمایا:

والشعراء یتبعھم الغاؤن۔ ترجمہ: شاعر وہ ہیں جن کی گمراہ لوگ اتباع کرتے ہیں۔

ف: امام مرزوق شارح حماسہ نے فرمایا کہ درجۂ اول پر بلغا ہیں دوسرے نمبر پر شعراء۔ وہ اس لیے کہ عرب میں منظوم کی بجائے نثری کلام کو ترجیح ہے اس لیے ملوک عرب اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد خطابت پر نازاں تھے اور اپنی بادشاہی کی مضبوطی کے لیے اسے قوی ترین اسباب سے شمار کرتے لیکن شعر گوئی کو ردی اور بیکار سمجھتے کیونکہ شعر گوئی میں کسب کو دخل ہوتا ہے اور یہ ایک تجارتی عمل متصور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طمع کے وقت لئیم اپنے داتا کو کریم سے یاد کرتا ہے اور کریم اگر صلہ و انعام کی داد و دہش سے پیچھے ہٹے تو اسے لئیم کہا جاتا۔ دوسری دلیل برائے ترجیح نثر بر نظم اعجاز بھی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں فصاحت کا زور تھا۔ (اسی لیے فأتوا بسورۃ من مثلہ کا چیلنج کیا گیا)

تفسیر عالمانہ اَلَمۡ تَرَ اے وہ شخص جس کی شان رؤیت ہے کیا تو نے نہیں دیکھا یعنی بیشک تو نے دیکھا اور معلوم کیا ہے اَنَّهُمۡ بے شک وہ شعراء فِیۡ كُلِّ وَادٍ ہر وادی میں۔ یعنی مدح و ذم اور ہجو و کذب اور فحش و شتم اور لعن و افتراء اور دعاوی و تکبر اور مفاخر و تحاسد اور ریاء کاری اور عجب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دلیل میں وما علمناہ الشعر الخ پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور شعر (معروف) نہیں جانتے تھے اور اس شعر (معروف) کی اللہ تعالیٰ نے آپ سے نفی کی ہے حالانکہ یہاں بلکہ جملہ قرآن میں شعر سے شعر معروف مراد نہیں بلکہ شعر سے کذب مراد ہے جیسا کہ روح البیان میں لکھا گیا ہے۔

[1] و [2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.com

اور اظہار فضل و دنائت وخست اور طمع ولالچ اور ذلت وخواری و دیگر قسم قسم کے اخلاقِ رذیلہ وطعن علی الانساب و الاعراض (عزتوں اور نسبوں پر حملہ کرنا) و دیگر ایسی آفات وبلیات کے چکر میں ہیں، جیسا کہ فنِ شعر گوئی میں عموماً ہوتا ہے یَهِیمُوْنَ ۝

حلِ لغات : هام يهيم على وجهه هيمانا (بفتحتين) از باب باع يبيع بمعنى ذهب في العشق وغيره یعنی وہ عشق وغیرہ میں ڈوب گیا (كذا في المختار) یعنی وہ اپنے چہروں پر گرتے پھرتے ہیں اور کوئی صحیح راہ نہیں پاتے بلکہ وہ فضول باتوں کی وادی میں بھٹکتے اور وہم وخیال اور گمراہی میں گم رہتے ہیں۔

امام راغب نے فرمایا کہ وادی دراصل اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس میں پانی بہتا ہو اور دو پہاڑوں کے درمیان کے کھلے راستہ کو بھی وادی سے تعبیر کرتے ہیں۔ استعارۃً طریقہ مثلاً مذہب واسلوب پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے :

فلان في واد غير واديك ۔

(فلاں تیرے طریقے (مذہب) کے غیر پر ہے)

اور اب المر ترانهم في كل واد يهيمون کا معنی یہ ہُوا کہ وہ کلام کے اسالیب مدح، ہجو، غزل، جدل میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ کلام کے ہر طریقے میں غلو کرتے ہیں۔

ف : وسیط میں ہے کہ وادی فنونِ کلام کی کہاوت اور اس میں سرگرداں پھرنے کی کہاوت ہے کیونکہ وہ اپنی باتوں میں ہر قسم کی لغویات اور باطل گفتگو اور مدح وذم میں غلو کرتے ہیں۔

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اور وہ اپنے اشعار میں ڈینگیں مارتے اور غلط دعاوی کرتے اور ایسی باتیں کہتے ہیں مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وہ جو نہیں کرتے یعنی ناکردہ فسق کا اقرار کر لیتے ہیں اور بلاوجہ ایسے پیغامات دیتے ہیں جن سے انہیں کسی قسم کا تعلق نہیں ہوتا۔ سخاوت کی ڈینگیں مارتے ہیں لیکن اس سے کوسوں دُور ہوتے ہیں اور بخل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن ہوتے ہیں پرلے درجے کے بخیل، اور کسی سے انہیں معمولی پرخاش ہو تو اس پر مذمت کا انبار لگا دیتے ہیں اور سوائے فواحش ومعاصی کے ان کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ اور یہ تمام کی تمام غوایۃ وضلالۃ ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان جملہ امور سے منزہ اور پاک ہیں۔ اور آپ تو بفضلہٖ تعالیٰ جملہ محاسن جمیلہ واوصافِ حمیدہ ومکارمِ اخلاق سے موصوف بلکہ سرچشمہ ہیں اور منہاج قویم بہتر راستہ پر قایم اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ شعراءِ صالحین مؤمنین کا استثناء ہے۔ یعنی مگر وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے وَذَكَرُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ کی یاد کی كَثِيْرًا بکثرت، اس لیے کہ ان کے اشعار مبنی بر توحید وثناء علی اللہ ہیں اور طاعت کی ترغیب پر مشتمل ہیں

marfat.ocm

اور ان میں حکمت و موعظت اور زہد فی الدنیا و ترغیب فی الآخرت کا ذکر ہے۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ شعر گوئی انہیں ذکرِ الٰہی سے باز نہیں رکھتی اور نہ ہی انہوں نے شعر گوئی اپنی عادت و مشغلہ بنا رکھا ہے۔

نسخہ روحانی ذکر کی کثرت سے گنتی مراد نہیں بلکہ وُہ ذکر جس میں حضورِ قلبی ہو وہ ذکر کثیر ہے (جیسا کہ ابُو یزید قدس سرہٗ نے فرمایا)

وَّانْتَصَرُوْا اور مشرکین سے بدلہ لیا۔

حلِ لغات: تاج المصادر میں ہے الانتصاد بمعنے انصاف لینا (بدلہ لینا)۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہُوا کہ ان کی مشرکین نے ہجو کی جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت اور کعب بن مالک اور عبد اللہ بن رواحہ وغیرہم رضی اللہ عنہم حضرات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار و مشرکین کی ہجو کا جواب دیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد کردہ اعتراضات کے جوابات لکھتے اور پڑھتے تھے۔

حضرت حسان حضوری نعت خوان رضی اللہ عنہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو مسجد میں منبر بچھا دیتے جس پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کا جواب دیتے حضرت کمالِ اصفہانی نے فرمایا ؎

ہجا گفتن ارچہ پسندیدہ نیست

مبادا کسے کالت آں ندارد

چو آں شاعرے کو ہجا گو نباشد

چو شیرے کہ چنگال و دنداں ندارد

ترجمہ: ہجو اگرچہ اچھی نہیں ہوتی۔ خدا کرے وہ شاعر نہ ہو جو ہجو کی طاقت نہیں رکھتا۔ ایسا شاعر جو ہجو نہیں جانتا اس کی مثال اس شیر کی ہے جو پنجہ اور دانت نہیں رکھتا۔

شعر گوئی کے فضائل

حدیث شریف ۱ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا:

"اے کعب! کافروں کی ہجو کرو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے شعر گوئی ان پر تیر سے بھی زیادہ سخت ہے۔"

marfat.com

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف ۲ " کافروں سے اموال و نفوس اور زبانوں سے جہاد کرو۔"

یعنی انہیں ایسی باتیں سناؤ جو ان کو سخت لگیں اور جن سے وہ چڑتے ہوں۔ جیسے ہجو اور سخت کلامی وغیرہ۔[۱]

نکتہ : استثنائے عمومی لایا گیا ہے تاکہ مخصوص لوگوں اور خاص شاعروں کے لیے مدح مقصود نہ ہو بلکہ ہر وہ شاعر اس مدح کا مستحق ہو جو شعرائے رسول کی پیروی اور اقتدا کرتا ہو، خواہ وہ شاعر ہو یا خطیب یا کوئی اور۔[۲]

(کذا قال الامام السہیلی)

ف : الکواشی (تفسیر) میں ہے کہ شعر ایک کلام کا نام ہے۔ کلام اچھا تو شعر اچھا۔ کلام قبیح تو شعر بھی قبیح۔

مسئلہ : وہ شعر جس میں توحیدِ الٰہی اور مکارم الاخلاق جیسے جہاد و عبادت و حفظ از زنا، بری نگاہ سے بچاؤ، صلہ رحمی وغیرہ، مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مناقبِ اولیاء کرام ہوں، درست ہے۔[۳]

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اشعار میں اربابِ قلوب کے لیے نورِ ایمان کے ساتھ اقدامِ فکر میں سلوک اور قوت عمل صالح اور تائید الذکر الکثیر ہے تاکہ وہ قرب کے اعلیٰ درجات کو پہنچیں پھر دقائق معانی کے ساتھ، ان کی ملائکہ تائید کرتے ہیں بلکہ حقایق کو حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ انھیں توفیق بخشتا اور الفاظ دقایق کے ساتھ ان کو الہام فرماتا ہے۔ پھر وہ الہام کے ذریعہ مواعظِ حسنہ اور حکمتِ بالغہ اور ذمِ دُنیا اور اس کے ترک و تزہین الآخرۃ اور اس کی طلب و تشویق العبادۃ اور اللہ تعالیٰ کی محبت

---

[۱] جیسے اعلحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے وہابیوں دیوبندیوں نجدیوں کے متعلق فرمایا :

دشمنِ احمد پہ شدت کیجئے

ملحدوں کی کیا مروّت کیجئے

اور فرمایا :

غیظ سے جل جائیں بے دینوں کے دل

یا رسول اللہ کی کثرت کیجئے

[۲] الحمد للہ اس تفسیر پر ہم اہلسنت خوش نصیب ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص و تحقیر کرنے والوں کو دنداں شکن جواب دیتے ہیں شعر گوئی سے بھی، تحریر سے بھی، تقریر سے بھی۔

[۳] الحمد للہ ہم اہلسنت کو یہ تمام امور شعر گوئی کے لحاظ سے نصیب ہیں۔ ہمارے دور کے خوارج کو باقی اشعار سے تو انکار نہیں البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔

marfat.ocm

پیدا کرنے و شرح المعارف و بیان الوصل اور سیر الی اللہ پر برانگیختہ کرنے و ذکر و ثنائے الٰہی و مدح النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم و مناقب صحابہ رضی اللہ عنہم و بدلہ لینے کی نیت پر ہجو کفار کی وادی میں پھرتے رہتے ہیں۔

نعت خوانی کی فضیلت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

اهجِ المشركين فان جبريل معك ۔

(کافروں کی ہجو کرو بے شک جبریل تمہارے ساتھ ہیں)

مسئلہ: جمہور کے نزدیک شعر گوئی مباح ہے بشرطیکہ اس میں کذب و قبح نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اگر شعر گوئی کا مشغلہ اتنا غالب آجائے کہ اسے ذکرِ الٰہی و تلاوتِ قرآن کا وقت بھی نہ ملے تو یہ مذموم فعل ہے اسی لیے بجا کہا جس نے کہا:

در قیامت نرسد شعر بغیر یاد کسے
کہ سراسر سخنش حکمت یونان گردد

ترجمہ: قیام میں اس کا شعر اسے کوئی فائدہ نہ دے گا جس کا سخن سراسر حکمتِ یونان پر مبنی ہو۔

ف: اگر مذکورہ بالا شرائط شعر میں پائی جائیں تو شعر گوئی مذموم ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان من الشعر لحکمۃ ۔

(بعض اشعار میں حکمت ہوتی ہے)

یعنی وہ کلام ایسا نافع ہوتا ہے کہ جہل و حماقت و سفاہت سے بچاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شعر گوئی: سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم تمام خلفاءؓ سے زیادہ شعر گو تھے۔

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہ کی بلاغت: اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے بڑی فصیحہ و بلیغہ تھیں۔

حضرت کاشفی مرحوم کی تقریر جناب کاشفی مرحوم فرماتے ہیں کہ: حقائق پناہ لیتے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دیوان کے دیباچہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دو حکیم جل ذکر نے آیت والشعراء یتبعھم الغاوون لی ان شعراء ۔(جو بحر شعر کے تیراک ہوتے ہیں) جمع کر کے ذکر فرمایا اور دام استغراق کا کمند ان کی گردن میں ڈالکر کبھی تو انہیں گمراہی کی حد میں گراتا ہے کبھی تشنہ لب کر کے وادی حیرت و ضلالت میں حیران کرتا ہے ان کے بہت سے خوش قسمت اصلاح عمل و صدق ایمان کی وجہ الا الذین آمنوا الخ کی کشتی میں بیٹھ کر (وذکروا اللہ) کی برکت سے کنارے لگتے ہیں اور نجات پاتے۔

کسی شاعر نے کہا :

هست [illegible] استثنائے

ترجمہ : (اگرچہ قرآن میں شاعروں کو اللہ تعالٰی نے گمراہ کہا ہے

لیکن الا الذین آمنوا الخ میں ہمیں مستثنٰی فرمایا ہے)

حضور علیہ السلام کی شاعری چونکہ شعر گوئی انبیاء علیہم السلام کے شایانِ شان نہیں اس لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے شعر بنائے نہیں پڑھے ضرور ہیں اور بے قصد شعر بھی بن گئے ، اور یہ دونوں آپ کے باکمال ہونے کی بشری دلیل ہے کیونکہ آپ کو اللہ تعالٰے نے علمِ جامع عطا فرمایا ۔ آپ ہر فصیح و بلیغ و شاعر بلکہ اشعر کو اس کی لیاقت پر جواب سے نوازتے اور ہر قبیلہ کی لغت و عبارت اور لہجہ کے مطابق جواب بخشتے اور کاتبین کو کتابت بتاتے اور ہر صاحبِ صنعت کو ہر قسم کی صنعت سمجھاتے اس لیے کہ اللہ تعالٰی نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا ۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اور عنقریب ظالم لوگ جان لیں گے کہ جس شعر گوئی سے انہیں روکا گیا تھا اس سے نہ رُکے ۔ یہ عام ہے ہر ظالم کو ۔ سین استقبالیہ تاکید کے لیے ہے أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ۝

ترکیب : ای منقلب ۔ ینقلبون کی وجہ سے منصوب علی المصدریہ ہے سیعلم کا مفعول وغیرہ ہے اس لیے کہ ایّ اور اس جیسے اور اسماء استفہامیہ کا ماقبل عمل نہیں کرتا اور یہ اپنے عامل پر مقدم اس لئے ہے کہ ایّ استفہام کے معنی کو متضمن ہے اور استفہام کے لیے تقدیم چاہیے اور یہ جملہ سیعلم کے متعلق اور دو مفعولوں کے قائم مقام ہے ۔ المنقلب بمعنے الانقلاب ہے بمعنے الرجوع ۔

اب معنی یہ ہوگا کہ کون سی کروٹ بدلیں گے اور مرنے کے بعد کہاں لوٹیں گے یعنی بُری سزا کی طرف ان کا رجوع ہوگا اور یہ بہت بُرا لوٹنا ہے کیونکہ اس کا انجام جہنم ہے ۔ کاشفی نے کہا کہ ظالموں کو معلوم

marfat.ocm

ہو گا کہ وہ کون سے مکان میں واپس ہوں گے۔ وہ یہ کہ ان کی واپسی جہنم میں ہو گی۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصیت نامہ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی زندگی سے مایوس ہوئے تو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بلا کر لکھوایا:

وھو ھذا ما عھد ابن ابی قحافہ الی المؤمنین فی الحال التی یؤمن فیھا الکافر۔

یہ وہ عہد نامہ ہے جو ابن ابی قحافہ نے اہل ایمان کی طرف ایسے وقت میں لکھا جب کافر ایمان لاتا ہے (یعنی موت کے وقت)

اس کے بعد آپ پر غشی طاری ہو گئی افاقہ ہوا تو لکھوایا:

انی استخلف علیکم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فانہ عدل فذالك ظنی فیہ وان لم یعدل سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

میں تم پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناتا ہوں کیونکہ وہ عادل ہیں اور یہ میرا گمان ہے اگر وہ عدل نہ کریں گے تو انہیں معلوم ہے کہ ظالمین کون سی کروٹ لوٹیں گے۔

ف: الظلم بمعنی انحراف عن العدالۃ اور عدول عن الحق یعنی اس حق سے روگردانی جو دائرہ میں بمنزلہ نقطہ کے ہے۔

ظالم کی اقسام ظالم تین قسم ہیں:

(۱) ظالم الاعظم۔ وہ جو اللہ تعالیٰ کی شریعت سے خارج ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول: ان الشرك لظلم عظیم (شرک بہت بڑا ظلم ہے) سے یہی مراد ہے۔

(۲) ظالم الاوسط۔ وہ جو احکام سلطانی کو اپنے اوپر لازم نہ جانے۔

(۳) ظالم الاصغر۔ وہ جو کاروبار سے بیکار رہ کر لوگوں کے منافع کھا جائے اور انہیں منافع سے محروم رکھے۔

عدالت کی فضیلت عدالت کی ایک فضیلت یہ ہے کہ ظلم اس کی نقیض ہے اور ظلم کی توبہ نامکمل ہے جب تک عدالت قائم نہ ہو گی۔ مثلاً چند چور آپس میں چوری کے مال کی شرط لگائیں پھر اس پر اگر کوئی پورا نہ اترے تو ان کا کام بھی بگڑ جائے گا۔ جب ایک غلط کام عدالت کے بغیر نہیں چل سکتا تو پھر امورِ سلطنت کیسے عدالت کے بغیر چل سکتے ہیں۔

marfat.com

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ وعدہ وعید کو ہر وقت مدِ نظر رکھے اور جور و ستم سے باز آجائے اگرچہ عادل ہو تب بھی اس کا خیال ضروری ہے۔

ہم پناہ مانگتے ہیں ترقی کے بعد تنزل سے۔ اللہ تعالیٰ ہر سالک کا معین اور راستوں کی ہلاکت سے نجات دینے والا ہے۔

تاریخ اختتام سورۂ شعرا از صاحبِ روح البیان

(صاحبِ روح البیان قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:)

سورہ شعراء کا اختتام بروز خمیس ۹ ر ذیقعدہ ۱۱۰۸ھ میں ہوا۔

فقیر اویسی اس کے ترجمہ سے ۲۸ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

شب بدھ بعد نمازِ عشاءٗ

فارغ ہوا۔

فللہ الحمد علیٰ ذٰلک

انتباہ کل شب منگل قبل عشاء ۲ صفر ۱۴۰۳ھ کو سورۂ فرقان کی تفسیر کے ترجمہ سے فراغت پائی۔ اس سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ اتنی بڑی سورۃ شعراء کی تفسیر ایک شب میں کیسے مکمل ہو گئی۔ اس کا ازالہ ضروری سمجھتے ہوئے فقیر اویسی غفرلہٗ عرض گذاشت ہے کہ فقیر تفسیر کے ترجمہ میں ترتیب ملحوظ نہیں رکھتا تھا بلکہ سفر و حضر میں جہاں سے جیسے ہی موقع ملتا لکھ لیتا۔ آج سے چند برس پہلے فقیر نے ان دونوں سورتوں کا ترجمہ کر لیا تھا۔ نظرِ ثانی کے وقت ان کے باقی ماندہ مضامین کو لکھا تو حسنِ اتفاق سے سورۂ فرقان کا بقایا بھی ایک شب و روز میں ختم ہوا اور سورہ شعراء کی تفسیر بھی شب و روز میں ختم ہوئی۔ ہذا آخر مارقمہ قلم الفقیر محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ۔ وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

۲۸ ر صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

---

marfat.ocm

سُورَةُ النَّمل

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اٰيَاتُهَا ٩٣ رُكُوْعَاتُهَا ٧

سورہ نمل مکی ہے اس میں ترانوے اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا آیات اور سات رکوع ہیں

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴿١﴾ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢﴾

یہ آیتیں ہیں قرآن اور روشن کتاب کی ہدایت اور خوش خبری ایمان والوں کو

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿٣﴾

وہ جو نماز برپا رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٤﴾ اُولٰٓئِكَ

وہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے کوتک ان کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے ہیں تو وہ بھٹک

الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿٥﴾ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى

رہے ہیں یہ وہ ہیں جن کے لیے بُرا عذاب ہے اور یہی آخرت میں سب سے بڑھ کر نقصان میں اور بیشک تم قرآن

الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿٦﴾ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا

سکھائے جاتے ہو حکمت والے علم والے کی طرف سے جب کہ موسیٰ نے اپنی گھر والی سے کہا مجھے ایک آگ نظر پڑی ہے

سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿٧﴾ فَلَمَّا جَآءَهَا

عنقریب میں تمہارے پاس اس کی کوئی خبر لاتا ہوں یا اس میں سے کوئی چمکتی چنگاری لاؤں گا کہ تم تاپو پھر جب آگ کے پاس

نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨﴾

آیا ندا کی گئی کہ برکت دیا گیا وہ جو اس آگ کی جلوہ گاہ میں ہے یعنی موسیٰ اور جو اس کے آس پاس ہیں یعنی فرشتے اور پاکی ہے اللہ

يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٩﴾ وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا

کو جو رب ہے سارے جہان کا اے موسیٰ بات یہ ہے کہ میں ہی ہوں اللہ عزت والا حکمت والا اور اپنا عصا ڈال دے پھر موسیٰ نے اسے

marfat.com

وَ جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۰

دیکھا لہراتا ہوا گویا سانپ ہے پیٹھ پھیر کر چلا اور مڑ کر نہ دیکھا ہم نے فرمایا اے موسیٰ ڈر نہیں بے شک میرے حضور رسولوں کو خوف نہیں

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْۗءٍ فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱ وَاَدْخِلْ يَدَكَ

ہوتا ہاں جو کوئی زیادتی کرے پھر برائی کے بعد بھلائی سے بدلے تو بیشک میں بخشنے والا مہربان ہوں اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان

فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۣ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۭ اِنَّهُمْ

میں ڈال نکلے گا سفید چمکتا بے عیب نو نشانیوں میں فرعون اور اس کی قوم کی طرف بیشک

كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۱۲ فَلَمَّا جَاۗءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۳ وَجَحَدُوْا

وہ بے حکم لوگ ہیں پھر جب ہماری نشانیاں آنکھیں کھولتی ان کے پاس آئیں بولے یہ تو صریح جادو ہے اور ان

بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۱۴

کے منکر ہوئے اور ان کے دلوں میں انکا یقین تھا ظلم اور تکبر سے تو دیکھو کیسا انجام ہوا فسادیوں کا

تفسیر عالمانہ سورۃ النمل مکیہ ہے اس کی ترانوے یا چورانوے آیات ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع وہ مہربان اور رحیم ہے۔ طٰسٓ یہ دراصل ھذہ طٰسٓ تھا یعنی یہ وہ سورت ہے جس کا نام طٰسٓ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ طاء میں عشّاق کے قلوب کی پاکیزگی کی طرف اور سین میں اس سر (راز و رموز) کی طرف اشارہ ہے جو اس کے اور اس کے بندوں کے درمیان ہے کہ جہاں نہ کوئی فرشتہ دم مار سکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔ (اس سے مرسل و انبیاء کی نفی بظاہر مبالغہ ہے ورنہ وہ مقام تو انہی خواص کا ہی تو ہے)۔

۲۔ ان دونوں لفظوں میں قسم مطلوب ہے یعنی قسم ہے طالبین یعنی عُشّاق کے قلوب کی اور قسم ہے ان کے قلوب کی سلامتی کی کہ وہ ماسوائے حق تعالیٰ کے بے نیاز ہیں۔

۳۔ کشف الاسرار میں ہے کہ طاء میں طہارۃ قدس کی طرف اور سین میں اس کی عزت کی سنا یعنی چمک کی طرف اشارہ ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے اپنے قدس کی طہارۃ اور عزت کی چمک کی قسم کہ میں کسی آرزومند کی آرزو کو نہیں ٹھکراتا۔

۴۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ طاء میں طول لینے اس کے فضل کی طرف اور سین اس کے سنا یعنی اس کی بلندی کی طرف اشارہ ہے۔

marfat.ocm

ف: طٰسٓمٓ میں اس قسم کی کافی بحث بیان کی گئی ہے وہاں دیکھ لیجئے۔

ہمدانی قدس سرہٗ کا مقالہ حضرت عین القضاۃ الہمدانی قدس سرہٗ کے مقالات میں ہے کہ اگر قرآن مجید میں حروف مقطعات نہ ہوتے تو میں ہرگز ایمان نہ لاتا۔

کفر کا فتویٰ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ موصوف کے اس کلمہ پر ان کے ہم عصر کثیر علماء نے آپ پر کفر کا فتویٰ صادر فرمایا یہ ان علماء کرام کی عجلت کا نتیجہ تھا ورنہ اہل علم پر اس مقولہ کا سمجھنا آسان ہے وہ یہ کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ ان حروف کے باطنی معانی پر آگاہی سے ہمیں ایمان کا موقعہ نصیب ہوا ہے جیسا کہ ارباب حقائق کا طریقہ ہے کہ وہ ایسے دقیق امور سے معرفت الٰہی پاتے ہیں جس سے ان کے ایمان عیانی کے انوار میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں۔

تِلْكَ یہ عظیم الشان سورۃ یا وہ آیات جو اس سورۃ میں ہیں "اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ" قرآن کی آیات یعنی وہ قرآن جو اعلیٰ شان والا معروف و مشہور ہے یعنی ان کی بعض آیات جو مخصوص نام سے موسوم ہیں لیکن قرآن مجید سے جملہ قرآن مراد ہے جو اس سورۃ کے نزول کے وقت نازل ہو چکا تھا کیونکہ جب بھی یہی لفظ بولا جاتا ہے تو فوراً فہم میں یہی نازل کردہ کلام الٰہی آجاتا ہے۔ وَكِتَابٍ اور عظیم الشان کتاب مُّبِيْنٍ ○ حکمتوں اور حکموں اور آخرت کے امور کو ظاہر کرنے والی ہیں۔ منجملہ اس کے ثواب و عذاب ہے یا یہ کہ اس کا اعجاز اور اس کی صحت ظاہر ہے۔

حل لغات یہ ابان سے ہے بمعنے بان یعنی ظہر اس کا عطف کتاب پر عطف الصفۃ علی الصفۃ کے قبیل سے ہے جیسے غافر الذنب و قابل التوب "گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا"۔ یعنی یہ اس کلام کی آیات ہیں جو قرآنیہ و کتابیہ کا جامع ہے یعنی بایں معنی کہ اسے پڑھا اور لکھا جاتا ہے قرآنیہ کی صفت کی تقدیم اس لیے ہے کہ پڑھنا پہلے ہے اور لکھنا بعد میں۔

سوال: سورۃ حجر میں قرآنیہ کیوں مؤخر ہے؟

جواب: اس میں یہ اشارہ مطلوب ہے کہ یہ تمام کتاب کتب الٰہیہ سے ممتاز ہے بلکہ ان تمام کی جامع ہے گویا کہ ان تمام کتب کی یہی ایک ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ قرآن و کتاب ہر دونوں اس کلام الٰہی کے علم ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اور دونوں وصف بھی ہیں بایں معنی کہ اسے پڑھا لکھا جاتا ہے۔

ف: جب ان پر الف لام تعریف داخل ہو تو وہ علمیت پر دلالت کرتا ہے کہ اگر نکرہ ہوں تو ان کی وصفیت مراد ہوگی۔

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ وہ آیات اہل ایمان کی ہدایت دینے والی اور خوشخبری سنانے والی ہیں۔

مصدر فاعل کے قائم مقام ہے مبالغہ کے لیے گویا کہ وہ سراسر ہدایت و بشارت ہے۔

سوال: اہل علم تو ہدایت یافتہ ہیں پھر ان کو ہدایت دینے کے کیا معنی؟

marfat.com

جواب : ان کی ہدایت میں اضافہ فرماتی ہیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا "فزادھم ایمانا" ان کے ایمان کو بڑھایا۔ تبشیر کا مطلب ظاہر ہے کہ آیات اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کی ان کو خوشخبری سناتی ہیں۔

سوال : ایمان والوں کی تخصیص کیوں حالانکہ یہ سب کے لیے ہدایت ہے؟

جواب : چونکہ یہی لوگ ان آیات سے نفع پاتے ہیں اسی لیے ان کی تخصیص کی گئی۔

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ ۔ یہ مومنین کی صفت مادحہ ہے۔

سوال : اہل ایمان کی یہ دو صفتیں کیوں مذکور ہوئیں؟

جواب : ایمان کی یہی دو صفتیں قرین اور عبادات بدنیہ و مالیہ کے دو اہم شعبے بلکہ باقی جملہ عبادات ان کے توابع ہیں اسی لیے ان کی تخصیص کی گئی۔

اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ نماز کو اس کے شرائط و ارکان کے ساتھ اوقات میں ادا کرتے ہیں اور صدقہ مفروضہ مستحقین کو دیتے ہیں۔

وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ۔ یہ صلہ کا تتمہ ہے اور واو حالیہ ہے یعنی ان کا حال یہ ہے کہ وہ تصدیق کرتے ہیں کہ قیامت یقیناً آئے گی اور ان کا اس پر علم یقینی ہے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ بیشک دوسری دار میں ضرور جائیں گے اور ضمیر کا تکرار اشارہ کرتا ہے کہ آخرت کے آنے کا صرف انہیں یقین ہے یا یہ جملہ معترضہ ہے گویا کہا گیا ہے کہ یہ لوگ ایمان لاتے اور نیک عمل کرتے ہیں اور صرف ان کو یقین کامل ہے کہ آخرت آئے گی نہ ان کے ماسوا کو اس لیے کہ مشقات اور تکالیف کی برداشت انجام کے خوف سے ہوتا ہے اور ڈرتے رہتے ہیں کہ نامعلوم ان کا حساب کس طرح ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ بیشک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے یعنی مرنے کے بعد اٹھنے کی تصدیق نہیں کرتے ۔ **زَیَّنَّا لَھُمْ** ہم نے ان کے کردار سنگارے یعنی ان کے قبیح اعمال جو سراسر شہوت ہیں انہیں اچھے لگے اور بغض کو ان سے پیار ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا شہوات نے جہنم کو گھیرے میں لیا ہوا ہے یعنی جہنم کو ایسے امور نے گھیرا ہوا ہے جو نفس کی لذت اور محبت پر مشتمل ہیں۔

معتزلہ و قدریہ کا رد ہر مشیت اور تزیین و اضلال اور اس جیسی آیات اللہ تعالیٰ کی طرف حقیقتاً دوسرا کی طرف بالتبع مجازاً منسوب ہیں ایسی آیات معتزلہ اور قدریہ کا رد ہیں کہ وہ ایسے افعال کی طرف اللہ تعالیٰ کو کرنا حرام سمجھتے ہیں۔

فَھُمْ یَعْمَھُوْنَ ۝ تو وہ ایسے برے امور میں ہمیشہ متحیر و منہمک رہتے ہیں انہیں ان کے قبائح معتز کا تصور اور خیال ہے

نہیں گذرتا۔ فاء مسبب کی ترتیب علی السبب کے لیے ہے۔ خلاصہ یہ کہ لوگ ہمیشہ سرگرداں پھرتے رہتے ہیں العمہ بمعنی کسی معاملہ میں متحیر کے ساتھ متردد ہونا۔ "اُولٰٓئِكَ" وہ لوگ جو کفر و عمہ سے موصوف ہیں۔ "الَّذِیْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ" یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے دنیا میں برا عذاب ہوگا جیسے بدر میں قتل اور قید۔

حل لغات: السوء بمعنی ہر وہ فعل جو انسان کو برا لگے اور مغموم کرے۔

وَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝ اور وہ آخرت میں بہت بڑے خسارے والے ہیں وہ تمام لوگوں سے بہت گھاٹے میں ہیں۔ اس وجہ سے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدنے سے وہ بہشت اور ان کی نعمتوں اور دوزخ کی نجات سے محروم ہو گئے۔

ف: اہل دنیا جنت کے خسارہ میں ہیں اور طالب جنت مولیٰ کے دیدار سے محروم ہیں جس نے کونین کی طرف توجہ نہیں کی وہ مولیٰ کے دیدار سے مشرف ہوگا۔

حکایت: سیدنا ابو یزید بسطامی قدس سرہٗ نے جنگل میں ایک کھوپڑی پائی جس پر لکھا تھا خسر الدنیا و الاخرۃ یہ دنیا اور آخرت میں گھاٹے میں رہا۔ حضرت بایزید۔ دیکھ کر رو پڑے اور کھوپڑی کو چومنے لگے اور فرمایا یہ کھوپڑی کسی صوفی کی ہے اسی لیے اس کا خسارہ صرف اسی کو ہے جس نے مولیٰ کو پالیا اس نے سب کچھ پالیا اور جو کل کو مولیٰ کے سوا پالیتا ہے سمجھو کہ اس نے کچھ فائدہ نہ پایا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا:

اوقات خوش آن بود کہ بادوست بسر رفت
باقی ہمہ بی حاصل و بے خبری بود

ترجمہ: اس کے جملہ اوقات خوش ہیں جو زندگی اپنے محبوب کے ساتھ بسر کی اس کے سوا باقی تمام بے حاصل اور بے خبری ہے۔

حکایت: بعض عارفین کو چالیس حوریں آسمان پر جلدی سے اڑتی ہوئی نظر آئیں جن کا لباس سونے اور چاندی کا اور موتیوں سے بھرپور تھا۔ فرمایا میں نے ان کی طرف نظر اٹھائی تو مجھے چالیس دن تک سزا میں رکھا گیا۔ اس کے بعد پھر بھی اور حوریں دکھائی گئیں جو حسن و جمال میں ان سے بھی بڑھ کر تھیں مجھے حکم ہوا کہ میں نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھوں میں سنتے ہی سجدہ میں گر گیا اور آنکھیں بند کر کے کہا کہ میں تیرے سے پناہ مانگتا ہوں مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں میں یونہی گڑگڑاتا رہا یہاں تک کہ حوریں میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئیں۔

ف: عارفین کا یہی حال ہے کہ وہ ماسوا اللہ کی طرف التفات نہیں کرتے بلکہ وہ عالم ملک و ملکوت سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ لیکن جہال کو ماسوی اللہ سے محبت ہوتی ہے اسی لیے ان کے دل کی آنکھیں اندھی اور کان بہرے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ عالم معنیٰ میں بہرے گونگے ہوتے ہیں۔ اسی طرف اشارہ فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

marfat.com

نے "حبك الشئ يعمى ويصم" تجھے کسی کی محبت اس کے عیوب دیکھنے سننے سے اندھا و بہرہ کر دیتی ہے بخلاف ظاہری اندھے کے کہ اس کی سمع بحال رہتی ہے کہ وہ دعوت کو سنتا اور قبول کرتا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ ان اعمال قبیحہ سے اجتناب کرے جو اسے دل کی سیاہی اور ہلاکت کی طرف لے جانے والے ہیں اور ان اخلاق رذیلہ سے دور رہے جو دل کو اندھا کرنے والے ہیں بلکہ عمل بالقرآن کے لیے جدوجہد کرے جو واصل باللہ بناتا ہے اور ہر گھاٹے سے محفوظ فرماتا ہے۔ لہٰذا ہر عاقل کو چاہیئے کہ وہ ایسے ہی عمل صالح اور نماز پڑھنے میں کوشاں رہے۔

نکتہ: قیام نماز اس لیے ہے کہ اس حالت میں بندہ اپنے مولا سے مناجات کرتا ہے بخلاف اس کی دوسری ہیئت کے ان میں یہ کیفیت نہیں ہوتی اور قیام قیومیت سے مشابہت رکھتا ہے اور بڑوں کے ساتھ گفتگو کرنے کے آداب سے ایک یہ بھی ہے کہ بحالت قیام عرض و معروض کیا جائے مثلاً بادشاہوں کے ساتھ جب کوئی رعایا بات کرتا ہے تو سامنے کھڑے ہو کر بیٹھ کر بات کرنا بے ادبی سمجھا جاتا ہے۔ شرع نے عرف کا تبع کرتے ہوئے نماز میں قیام کا حکم فرمایا۔

ف: عارفین کے آداب سے ہے کہ ہر نماز میں خواہ فرض ہو یا نفل معین کر کے کسی خاص سورۃ کی تلاوت کرے نہ ہی کسی خاص آیت کا تعین کرے کیونکہ اسے کیا معلوم کہ اس کا مولیٰ کس طریقہ سے اسے مناجات کا موقع بخشتا ہے۔ پس عارف کو وہی کافی ہے جو وہ اپنے مولا سے ہمکلامی کرتا ہے یا اپنے دل میں اس کا تصور لاتا ہے اس لیے کہ حضور قلب کے بغیر جو نماز ادا کی جائے وہ مردے کی طرح بلا روح ہے اور جس میں روح نہ ہو تو وہ اپنے مولا کے حضور قیامت میں حاضر نہ ہو سکے گا۔ اعمال صالحہ میں (مذکورہ) زکوٰۃ و صدقہ بھی ہے افضل وہ ہے جو بحالت صحت و تندرستی کی حالت میں ہے۔

ف: مرتے وقت اگر صدقہ و زکوٰۃ دینا چاہے تو نیت کرے گا کہ میں امانت والے کی امانت دے رہا ہوں اس طرح سے وہ قیامت میں ان امانت دار کے ساتھ اٹھے گا جو مرتے وقت دیتے ہیں کیونکہ اس میں کسی قسم کی فضیلت نہیں۔ یہ حیلہ ہے اپنی صدقہ کی فضیلت حاصل کرنے کا کہ خرچ بھی ہو اور نفع کم ہو تو گھاٹے کا سودا ہوتا ہے اب ایسے حیلہ سے اس صدقہ کی مثال اس دانے کی ہوگی جو زمین میں ڈالا جائے تو چند دنوں کے بعد وہ ایک کے بجائے سینکڑوں دانے بنا ڈالتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ اور اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے شک تم حاصل کرتے ہو قرآن کو۔

حل لغات: تلقی الکلام من فلان ولقنہ سے ہے بمعنی فلاں نے فلاں کلام پایا ایسے وقت بولتے ہیں

marfat.ocm

جب کوئی اس کے منہ کی بات بلا واسطہ حاصل کرے اور اس سے براہ راست سمجھے (تاج المصادر) میں ہے کہ التلقیۃ چیزی پیش کسی نہ آوردن کسی کے آگے کوئی شے لانا۔ تلقی و تلقن و تلقف کا فرق سورۃ نور میں بیان ہو چکا ہے۔

مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ۝ بواسطہ جبریل علیہ السلام حکیم علیم سے نہ کہ اپنی طرف سے اور نہ ہی کسی اور سے جیسے کافروں کی بدگمانی ہے۔

حل لغات: لدن بمعنی عند لیکن لدن عند سے زیادہ بلیغ اور زیادہ خاص ہے اور حکیم علیم کی تنوین تفخیم و تعظیم کے لیے ہے یعنی بہت بڑی حکمت والا اور بہت بڑا علم والا ان کی تفخیم قرآن پاک کی عظمت کی طرف اشارہ ہے اور بتاتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی قرآن پاک کو پورے طور سمجھتے اور مکمل طور پر اس کے علم کا احاطہ رکھتے ہیں اور آپ کو ہی اس کے جملہ جلائل و دقائق کا علم ہے کیونکہ جو ذات ایسے حکیم و علیم سے علم و حکمت براہ راست حاصل کر سکتی ہے پھر اس کے علم و حکمت کا کیا کہنا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہر رسول علیہ السلام کے ہر کمال کی حد سے آگے نکل گئے ہیں اس لیے کہ وہ کتاب جبریل علیہ السلام کے ہاتھوں سے لیتے اور پیغامات جبریل علیہ السلام کے لفظوں سے حاصل کرتے لیکن آپ ہیں کہ آپ قرآن مجید اگرچہ جبریل علیہ السلام کے نازل کرنے سے حاصل کرتے ہیں لیکن قرآن کے حقائق حکیم و علیم سے پاتے ہیں کہ وہ آپ کے قلب مبارک پر براہ راست تجلی ڈالتا ہے جس سے آپ کا قلب مبارک قرآنی حکمتوں سے لبریز ہو جاتا ہے اور یہ خاص صفت ہے جو اللہ کے ساتھ قائم ہے۔ اس معنی پر آپ کا علم حقائق القرآن پر مشتمل ہے اور اللہ نے آپ کو بلا واسطہ فیض قرآن کے قبول کرنے کی استعداد بخشی ہے اسے علم لدنی کہا جاتا ہے اور وہ اللہ بہت بڑا علم والا ہے جسے رسالت کا اہل جانتا ہے تو اسے ہی رسالت سے نوازتا ہے۔

نکتہ: حکیم و علیم دونوں اسموں کو یکجا لانے میں اشارہ ہے کہ قرآن کے علوم عقائد و شمائل پر مشتمل ہیں یا پھر ان میں قصص و اخبار غیبیہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ (ربط) اب ان علوم کے بعض کا ذکر فرمایا کہ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد دلائیے اپنی قوم کو وہ وقت جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ اور دیگر اپنے ان ساتھیوں کو فرمایا جو وادی طور میں ان کے ساتھ تھے۔ اھل انسان کے مخصوص گھر والے (اس میں شیعہ کا رد ہے جو اہلبیت کا اطلاق صرف اولاد فاطمہ و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کرتے ہیں حالانکہ اس کا اصل اطلاق ازواج پر ہے اور مجازاً ان مذکورہ بالا حضرات پر۔

واقعہ روانگی موسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ شعیب علیہما السلام کے ہاں دس سال

marfat.com

گذار کر شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی یعنی اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر مصر روانہ ہوئے۔ اس ارادہ پر کہ اپنی والدہ اور اپنی دونوں سے ملاقات کریں۔

ف: آپ کی ایک ہمشیرہ قارون کی منکوحہ تھیں اور دوسری یوشع بن نون کی۔ راستہ طے کرتے ہوئے راہ بھول گئے رات اندھیری اور سخت سردی تھی آپ کی اہلیہ کو وضع حمل ہونے لگا موسیٰ علیہ السلام نے دیا سلائی جلائی اس روشنی سے آپ کو طور (پہاڑ) کی جانب آگ محسوس ہوئی۔ اسی لیے اپنے اہل و عیال کو فرمایا ٹھہرو "اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا" بے شک میں نے آگ محسوس کی ہے یعنی مجھے آگ نظر آئی ہے۔

حل لغات: الایناس بمعنی دیکھنا (تاج المصادر) یہ باب ظہور الشئی پر دلالت کرتا ہے اور ہر وہ شے جو طریقہ توحش کے منافی ہو۔

ف: مقاتل نے فرمایا کہ نار بھی دراصل نور تھا اور وہ رب العزۃ کا نور تھا۔ یہ جمعہ کی رات تھی ارض مقدسہ میں پہاڑ کے دائیں جانب یہ واقع ہوا۔

ف: تجلیٔ نور کا نار کی صورت میں ظاہر ہونے کا راز ہم سورۃ طٰہٰ میں بیان کر آئے ہیں۔

"سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ" عنقریب میں تمہارے ہاں خبر لاؤں گا۔ یعنی راستہ کی تحقیق کر کے لاؤں گا کہ وہ کہاں ہے سین بُعد مسافت پر دلالت کرتا ہے یا خبر لانے کی یا وعدہ پورا کروں گا۔ اگرچہ دیر باید اس معنی پر یہ سین تاکید یہ ہو گا یعنی بہت جلدی میں آپ کو آگ سے خبر لاؤں گا یا جو بھی وہاں موجود ہو گا اس سے پوچھ کر حال چال کی خبر لاؤں گا۔

"اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ" یا لاؤں گا میں تمہارے ہاں آگ سے چنگاری۔

ف: قبس بڑی سی آگ سے چھوٹی سی چنگاری کو کہا جاتا ہے بہر حال وہاں اور کچھ بھی نہ ہو گا تو کم از کم کوئی راہ بتانے والا تو ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے دو محرومیوں کا باعث نہیں بنتا۔

حل لغات: اقتبست منہ نارا وعلما بمعنی استفدتہ منہ یعنی میں نے اس سے استفادہ کیا۔ المفردات میں ہے الشہاب بمعنے وہ نورانی شعلہ جو جلنے والی آگ سے چمک اٹھے اور قبس وہ روشنی جو اس شعلہ سے حاصل ہو اور اقتباس بمعنے اس شعلہ کے طلب اب اس کا استعارہ علم و ہدایت کے لیے ہے۔

سوال: سورۃ طٰہٰ میں فرمایا "لعلی آتیکم" امید ہے لاؤں گا تمہارے ہاں۔ اور یہاں فرمایا سآتیکم جملہ خبر یہ یقینی طور اور ان دونوں میں تضاد اور کلام الٰہی تضاد و اختلاف سے پاک ہے؟

جواب: کوئی تضاد نہیں کیونکہ عرفاً جس بندے کو کسی کام پر امید غالب ہو جاتی ہے تو اس طرح کہتا ہے "سا فعل کذا" اگرچہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے خلاف بھی ممکن ہے یہاں بھی اسی عرف کے مطابق کہا گیا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ امید ہے کہ تم اس گرمی سے ٹھنڈک حاصل کرو گے۔ الصلاء بمعنے بڑی آگ اور الاصطلاء بمعنے آگ سے

marfat.ocm

گرم ہوتا۔

فائدہ طبیہ: آگ سینکنا دل کو سخت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگ سینکنا مروی نہیں۔

فَلَمَّا جَآءَهَا "پس موسیٰ علیہ السلام آگ کے قریب گئے" تو وہاں نور ہی نور تھا جو درخت سے نکل رہا تھا اور اس میں جلانے کا نام تک نہ تھا حالانکہ آگ کا کام جلانا ہے لیکن وہ آگ ایسی نہ تھی۔ اور جس درخت سے روشنی نکل رہی تھی وہ کیکر کا درخت تھا۔ "نُوْدِیَ" "ندا دیئے گئے" یعنی موسیٰ علیہ السلام کو ندا سنائی دی اور وہ کلام طور کی جانب سے سنائی دیتا تھا۔

تفسیر صوفیانہ

عرائس البیان میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ابتدائی دور میں مقام عشق و محبت میں تھے اور آپ کے مکاشفات کے اکثر احوال میں التباس رہتا تھا اسی لیے اللہ نے ان کے لیے ایسے مکاشفات پر درخت اور آگ بمنزلہ آئینۂ فعلیہ کے مقرر کیا پھر اپنی ذات کے جلال و جمال کے تجلیات موسیٰ علیہ السلام کو نوازا اور انہیں رسوم انسانیت میں لایا گیا تاکہ وہ گھبراہٹ میں نہ آئیں۔ پھر جب آگ اور درخت کے قریب ہوئے تو پھر اللہ نے انہیں پکارا جب کہ انہیں پہلے جلال کے مشاہدہ سے نواز چکے تھے اگر ایسے نہ ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام اللہ کی عظمت و عزت کے سطوات سے فنا پا جاتے۔

"اَنْ" مفسرہ ہے اس لیے کہ النداء میں قول کا معنیٰ ہے یعنی بُوْرِكَ یا یہاں باء محذوف ہے دراصل "بان بورك" تھا اس وقت ان مصدریہ ہوگا۔ باء حذف کر کے ان کو اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے جیسا کہ قاعدہ ہے بُوْرِكَ بَارَكَ کا صیغۂ مجہول ہے اور یہ جملہ خبریہ ہے دعائیہ نہیں یعنی بابرکت بنایا گیا۔

مَنْ فِی النَّارِ بورك کا نائب فاعل ہے یعنی برکت والا ہے وہ جو آگ کی جگہ میں ہے اس سے مراد وہ مبارک جگہ ہے جو "نودی من شاطئ الوادی الایمن فی البقعة المبارکة" میں مذکور ہے

مَنْ حَوْلَهَا "اور وہ جو ان کے اردگرد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس میں مبارک عام ہے ہر اس کے لیے جو اس جگہ میں ہیں۔ اردگرد کے مقامات یعنی شام کے علاقے کیونکہ یہ انبیاء علیہما السلام کے مبعوث ہونے کا مرکز ہے اور یہ برکت ان کی زندگی اور موت ہر لحاظ سے ہے بالخصوص وہ جگہ جہاں موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلام ہوئے۔

ف: موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ابتدائی کلام میں بشارت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے ایک بہت بڑا کام مقرر ہونا ہے۔ کہ جس کے برکات زمین کے اقطار میں پھیلیں گے اور وہ بڑا کام یہی کلام بر ذات اقدس اور نبوت کا حامل ہونا اور اظہار معجزات وغیرہ اور ظاہر ہے کہ جس جگہ مشاہدہ حق اور کلام الٰہی نصیب ہو تو وہ جگہ یقیناً مبارک ہوگی۔ کسی قائل نے فرمایا۔؎

اذا نزلت سلمی بواد فماؤہ
زلال و سلسال و حجبانہ ورد

marfat.com

ترجمہ: جب سلمیٰ کسی وادی میں اترتی ہے تو اس کا پانی صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔

ف: اللہ والوں کے جہاں قدم جمتے ہیں وہ جنگل ہوں یا پہاڑ تو وہ سرسبز و شاداب ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کے حالات میں اللہ کے فضل و کرم سے برکات و فیوضات ہوتے ہیں۔

ف: بعض مفسرین نے بورک کو دعا پر محمول کیا ہے جیسا کہ کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ خدا کرے برکت دی جائے

ف: بعض مفسرین نے فرمایا "من فی النار" سے ملائکہ مراد ہیں۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اللہ نے برکت دی اس جگہ سے جو نور ظاہر ہوا اور ان ملائکہ کو جو اسی نور میں تھے۔

صوفیانہ تقریر بعض عارفین نے فرمایا "من فی النار" سے خود ذات باری تعالیٰ ہے یعنی وہ ذات حق جس نے موسیٰ علیہ السلام کو برکت مشاہدہ سے فیض یاب فرمایا۔ کیونکہ اللہ مالک ہے چاہے تو وصف نور میں تجلی فرمائے یا نار میں یا شجر میں یا طور میں یا کسی اور شے میں جو اس کے عاشق کے حال کے لائق ہو باوجودیکہ اس کی ذات و صفات جنت وغیرہ سے منزہ ہے۔

حدیث شریف ان اللہ یری ھیئۃ ذاتہ کیف یشاء۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو جس ہیئت میں چاہے دکھائے۔

"وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ" اور اللہ پروردگار کے لیے پاکی اس تمام کلام سے جس کے ساتھ نداء دے دی گئی تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کسی شے کے مشابہ ہے اور تعجب دلانے کے لیے فرمایا گیا ہے کہ وہ بہت بڑی عزت و عظمت والا ہے خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر تشبہ سے پاک و منزہ ہے۔

ف: منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ندا سنی تو کہا کہ پکارنے والا کون ہے اس کے بعد دوسری ندا آئی کہ

"يٰمُوۡسٰٓى اِنَّهٗۤ" اے موسیٰ علیہ السلام بے شک شان یہ ہے کہ "اَنَا اللّٰهُ" یہ شان کے لیے جملہ مفسرہ ہے یعنی میں اللہ تعالیٰ۔ "الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۙ" عزیز حکیم ہوں قوی ہوں، اپنی قدرتوں کا مالک ہوں کہ جو امور وہم و خیال سے بالاتر ہوتے ہیں میں انہیں کر دکھاتا ہوں اور بڑی حکمت اور نہایت تدبیر سے وہ کام سرانجام دیتا ہوں۔

سوال: الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ "انہ انا اللہ" کا کلمہ موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے سنا اور یہ تو حدوث پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جو آواز کسی جہت سے سنی جائے وہ حادث ہوتی ہے۔

جواب: ہم اللہ کے کلام کو جہت و مکان سے منزہ سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی اس کی ذات کو ایسے ہی اس کے کلام کو اصوات و حروف سے بھی منزہ سمجھتے ہیں۔ ہاں موسیٰ علیہ السلام کو کلام الٰہی کا سماع درخت سے نصیب ہوا اس معنی پر یہ جہت بجائے سماع موسیٰ علیہ السلام ہے نہ کہ کلام الٰہی کے لیے۔

marfat.ocm

سوال: موسیٰ علیہ السلام نے کلام الٰہی کو صورت و حرف و جہت کے بغیر کیسے سنا ہو گا۔

جواب: اگر یہ سوال ہے کیفیت کلام تو سرے سے یہ سوال ہی غلط ہے کیونکہ ذات و صفات الٰہی میں کیفیت کا سوال محال ہے مثلاً یوں کہا جاتا کہ اس کی ذات جسم و جوہر و عرض کے بغیر کیسے ہے یا کہا جائے کہ کسب و ضرورت کے بغیر اس کا علم کیسے ہے ایسے ہی بلا صلابۃ اس کی قدرت کیسی ہے ایسے ہی بغیر شہوۃ و امنیۃ کے اس کا ارادہ کیسا ہے ایسے صوت و حرف کے بغیر اس کا کلام کیسا ہے۔ اور اگر سماع موسیٰ علیہ السلام کی کیفیت کے متعلق سوال ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام میں علم ضروری پیدا فرمایا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم گیا کہ یہ جو میں نے سُنا ہے یہ کلام الٰہی ہے اور وہ ازلی ہے قدیم ہے اور وہ کلام حرف و صورت کے بغیر ہے اور جہت سے بھی نہیں ویسے انہوں نے یکم جہات ستہ سے سنا اور آپ کا تمام جسم بمنزلہ کان کے ہو گیا۔ اور انشاء اللہ آخرت میں بھی ایسے ہی ہو گا۔ اور دنیا میں کامل واصل آخرت کے حکم میں ہے۔

(لہ۔ یہی قاعدہ وہابیہ اور ہمارے درمیان اختلافی ہے کہ ہم اللہ والوں کے عادات و اطوار آخرت کے حکم کی طرح مانتے ہیں اور وہ اپنی مثل دنیوی حکم میں سمجھتے ہیں)

وَاَلْقِ عَصَاكَ عطف بورك پر ہے اب معنی یہ ہوا کہ ان بورك من فی النار وان الق عصاك۔ یہ کہ مبارک ہے وہ جو آگ میں ہے اور یہ کہ ڈال دے اپنا عصا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو اللہ کا کلام سُن لیتا ہے اور اس کے انوار کا مشاہدہ کر لیتا ہے تو اپنی ہمت کے ساتھ سے سوائے اللہ تعالیٰ کے توکل کے باقی تمام سہاروں کے ڈنڈے پھینک دیتا ہے پھر وہ صرف اور صرف اللہ کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھتا ہے اور بس ؎

تکیہ بر غیر خدا کفر یست از کفر طریق

جز بفضل حق مکن تکیہ درین رہ ای رفیق

ترجمہ: طریقت کے قانون پر غیر خدا پر تکیہ کرنا کفر ہے۔ اس راہ میں اے دوست سوائے اللہ کے کسی اور کا سہارا نہ لے۔

فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ فاء فصیحۃ جملۃ محذوفۃ کی وضاحت کرتی ہے گویا کہا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام عصا زمین پر مارتا تو دوڑتا ہوا سانپ بن جاتا۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھا تو بہت شدید حرکت کرتا اور ہر طرف دوڑتا تھا۔ **كَاَنَّهَا جَآنٌّ** گویا وہ اژدھا تھا۔

لہ۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔

marfat.com

ف: جانّ وہ سانپ جو ہلکا ہو لیکن تیز رفتار۔

سوال: اتنے بڑے اژدہا کو جانّ سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے؟

جواب: سرعة حرکة اور التواء میں مشابہت ہے اور جانّ سانپوں کی قسم ہے جو عموماً جنگلوں میں رہتا ہے اور ایذا نہیں دیتا۔ (کمافی القاموس)۔

ف: ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ ثعبان فرعون کے پاس اور جانّ طور کے نزدیک رہتے تھے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی غیر اللہ پر سہارا کرتا ہے اس کے پاس معنوی ثعبان ہوتا ہے جیسا کہ مثنوی شریف میں ہے۔

ہر خیالے کو کند در دل وطن

روز محشر صورتے خواہد شدن

ترجمہ: ہر وہ خیال جو دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے وہ قیامت میں کسی ایک صورت میں ظاہر ہو گا۔

تفسیر عالمانہ وَلّٰی بمعنی لوٹا۔ پیچھے ہٹا حضرت موسیٰ علیہ السلام مُدْبِرًا درانحالیکہ پیٹھ پھیرنے والے تھے خوف سے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے "ادبر عنہا وجعلہا تلی ظہرۃ" اس سے منہ پھیرے رہنے سے دوسرے کو پیٹھ دی۔

وَلَمْ یُعَقِّبْ اور مڑ کے نہ دیکھا یعنی عقب المقاتل جنگی نے پیٹھ پھیری یہ اس وقت بولتے ہیں جب بھاگنے کے بعد دوبارہ پھرے۔

ف: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ خوف طاری ہوا تھا اس خیال سے کہ شاید اس سے ان کی ہلاکت کا ارادہ کیا گیا ہے یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ قف دلالت کرتا ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام کو کہا گیا کہ خوف نہ کیجیے میرے سوا اور کسی پر بھروسہ نہ کیجیے۔ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ بے شک میرے ہاں خوف نہیں کرتے۔ الْمُرْسَلُوْنَ پیغمبران علاوہ علیہم السلام یہ جملہ دلالت کرتا ہے کہ نفی الخوف مطلقاً ہے نہ یہ کہ جمیع الاوقات ان کو خوف نہیں ہوتا بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بوقت خطاب کسی سے خوفزدہ نہیں ہوتے کیونکہ اس وقت شؤون الٰہی میں مستغرق ہوتے ہیں اور ماسوا اللہ کا ان کو التفات نہیں ہوتا اس لیے اس وقت کسی سے خوفزدہ ہونے کا خطرہ تک نہیں گذرتا ورنہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے تمام لوگوں سے زیادہ خوف رکھنے والے ہوتے ہیں یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کو سوء خاتمہ ہی کا خوف نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور ماسوی اللہ سے روگردانی ہے ایسے کو اللہ ماسوی اللہ سے مامون و محفوظ فرماتا ہے اور اسے فرماتا ہے لاتخف خوف نہ کیجیے (فانک) اسی لیے کہ تو میرے ہاں ہے اور وہ نورانی قلوب جن پر الہام ربانی ہوتا ہے اور ان کے ہاں ہدایا و تحائف بھیجے جاتے ہیں وہ کسی سے نہیں ڈرتا اور عرائس البیان

میں ہے لا تخف اژدہا سے نہ ڈریئے اس لیے کہ تم میری عظمت کی تجلی کو دیکھ رہے ہو اور مقام التباس میں مجھ سے میرے جلال و عظمت کے مشاہدہ میں انبیاء السلام نہیں ڈرتے اس لیے کہ وہ میری ربوبیت کے اسرار کو جانتے ہیں ۔

تفسیر عالمانہ (ربط) جب اللہ نے جانا کہ موسیٰ علیہ السلام اس شخص کے بارے میں پوچھنا چاہیئے یعنی جس نے قبطی کو قتل فرمایا اس لیے تعریضاً فرماتے ۔

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ مگر جس نے ظلم کیا یہ استثنا منقطع ہے ہاں وہ انبیاء علیہم السلام جن سے کوئی لغزش ہوئی جیسے آدم و یونس و داؤد و موسیٰ علیہم السلام ۔

ازالہ وہم ظلم کا اطلاق ان کے اپنے اعتراف کی مناسبت سے ہے چنانچہ آدم علیہ السلام نے کہا "ربنا ظلمنا انفسنا" اور یونس علیہ السلام نے کہا رب انی ظلمت نفسی، ثم بدل حسنا بعد سوء پھر جس برائی کے بعد نیکی کی یعنی بدی کے بعد نیکی کرتا ہے لغزش کے بعد توبہ کی،

فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ اس لیے کہ میں غفور رحیم ہوں ۔ یعنی توبہ کرنے والوں کی مغفرت فرماتا ہے اور ان پر شفیق و کریم ہے ۔

عصمت انبیاء علیہم السلام کی تحقیق اہل علم نے اختلاف کیا ہے کہ کیا انبیاء علیہم السلام سے گناہ کا صدور ہوتا ہے یا نہیں ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مختار مذہب اہلسنت کے نزدیک یہ ہے کہ ان سے بحالت نبوت گناہ کا صدور نہیں ہوتا نہ صغیرہ کا نہ کبیرہ کا اور ان کا ترک اولیٰ ایسے ہی ہے جیسے ہمارے لیے گناہ صغیرہ ہے کیونکہ قاعدہ ہے حسنات الابرار سیأت المقربین ۔ ابرار کی حسنات مقربین کی بات ہوتی ہے

فتوحات مکیہ کی تقریر فتوحات مکیہ میں ہے کہ خواص کے معاصی عوام کے معاصی کی طرح نہیں ہوتے کیونکہ عوام سے گناہ کا صدور شہوت طبعیہ سے ہوتا ہے ۔ بخلاف خواص کے کہ ان میں شہوات یہ کا تقاضا نہیں ہوتا اور خواص کے معاصی حظر پر محمول کی جاتی ہیں اور ان میں تاویل ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ب اللہ کسی خاص بندے سے کوئی لغزش ظاہر کرنا چاہتا ہے تو اس کے سامنے وہ گناہ بتاویل نیکی ظاہر فرماتا ہے جس سے اسے خطا حق محسوس ہوتی اس لیے کہ عارف باللہ کو معرفت حق عصیاں سے مانع ہو جاتی ہے لیکن تاویل مانع نہیں ہوتی و وجہ ہے کہ عارف باللہ کبھی بھی حرمات الٰہی کی ہتک نہیں کرتا پھر جب وہ تاویل کے مطابق عمل کر لیتا ہے اس کے بد اس فعل کی حقیقت سامنے ظاہر ہوتی ہے تو پھر اسے غلطی محسوس فرما کر توبہ کرتا ہے جیسے آدم علیہ السلام سے رش ہوئی تو تاویل سے ۔ عارف باللہ اپنی ایسی لغزش کو عصیاں سے تعبیر کرتا ہے کیونکہ اس کو شریعت کی اصطلاح عصیاں کہا جاتا ہے اور وہ شرعی اصطلاح میں استعمال کرتے ہیں جسے عوام نہیں سمجھتے ورنہ وہ اس تاویل سے قبل عصیاں پاک ہیں ایسے ہی تاویل کے بعد بھی ۔

marfat.com

ایک عجیب استدلال

مجتہد جب اجتہاد کرتا ہے تو اس وقت اس کا اعتقاد عصیاں کی طرف نہیں ہوتا بلکہ اس کا ارادہ حق اظہار ہوتا ہے مجتہد کا یہ اجتہاد اگرچہ خطا پر ہو تب بھی اسے گناہ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ وہ اپنے اجتہاد میں مشروع امر کا مرتکب ہو رہا ہے پھر جب اسے اپنے اجتہاد کی خطا محسوس ہوگی تو یہ سمجھے گا کہ یہ خطا ہے۔ اس پر وہ اظہار توبہ کرے گا اس معنی پر اُسے گنہگار نہیں کہا جائے گا۔ اس سے واضح ہوا کہ بندہ غلطی کرتا ہے تو تاویل و تزئین سے یا نسیان سے اور ایسی غلطی کو شرعی غلطی نہیں کہا جاسکتا۔ جب ایسی غلطی کو غلطی نہیں کہا جاسکتا تو پھر ان کو گنہگار کہنا کیسا۔ ہاں اسے اصطلاحی خطا سے تعبیر کیا جائے تو حرج نہیں اور وہ بھی ان خواص کے لیے وہ جیسے چاہیں کہیں۔

بایزید بسطامی قدس سرہٗ کی تقریر

سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ سے یہ سوال ہوا کہ کیا عارف باللہ اور اہلِ کشف سے بھی عصیاں کا صدور ہو سکتا ہے آپ نے فرمایا ہاں اور وہ ان کی شان اعلیٰ کے منافی نہیں اس لیے کہ جسے ہم عصیاں کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے جو ان کے لیے مقدر ہوئی تھی جس کا ظاہر ہونا ضروری تھا۔ اور یہ بھی عارف کے ادب بدرگاہ الٰہی کی دلیل ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جب یہ تقدیر ربانی ہے تو پھر سرتابی کیوں اس لیے ان کے آگے تاویل حجاب بن جاتی ہے اس حجاب میں تقدیر ربانی کا اجراء ہو جاتا ہے اس طریق سے ان کی کون خطا۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

تفسیر عالمانہ

وَ اَدْخِلْ يَدَكَ فِیْ جَيْبِكَ

اور اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالیئے۔

سوال: فی جیبک کی بجائے فی کمک کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: اس وقت موسیٰ علیہ السلام اون کا پیرہن پہنے ہوئے تھے اور ایسے پیرہن کی نہ آستین ہوتی ہے نہ بٹن۔ آپ کے پیرہن سے ہاتھ کھلے ہوئے تھے اسی لیے اللہ نے فرمایا پیرہن میں ہاتھ ڈالیئے۔

ف: مدرعة وہ چھوٹا سا جبہ ہوتا ہے جو قمیص کے بجائے پہنا جاتا ہے۔

تَخْرُجْ وہ نکلے گا۔ بَيْضَآءَ سفید نورانی اس کی سورج جیسی روشنی ہوگی یعنی اگر تم اپنے پیرہن میں ہاتھ ڈالوگے تو پھر تمہارا ہاتھ روشن ہو کر ظاہر ہوگا مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ بغیر کسی بیماری کے یعنی وہ برص جیسی بیماری کی طرح نہ ہوگا۔ فِیْ تِسْعِ اٰيٰتٍ نو نشانیوں میں، یہ خبر ہے اس کا مبتداء محذوف ہے دراصل عبارت 'ھذہ داخلتان فی تسع ایات یعنی یہ معجزے بھی ان نو معجزوں میں داخل ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزے

موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزے یہ تھے۔ ۱۔ عصا۔ ۲۔ ید بیضاء ۳۔ جنگلوں میں سرسبزی و شادابی ۴۔ کافروں کے لیے قحط۔

marfat.ocm

۵- طوفان ۶- ٹڈی ۷- جوئیں ۸- مینڈک ۹- خون -

اِلٰى فِرْعَوْنَ فرعون کی طرف کا۔ درآنحالیکہ تم فرعون کی طرف مبعوث ہو۔ وَقَوْمِهٖ اور اس کی قوم کی طرف یعنی قبطی قوم۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ۝ بے شک وہ فاسق قوم ہے یہ بعثت کی تعلیل ہے یعنی فرعون اور اس کی قوم کفران و عدوان میں حد سے متجاوز کرنے والے ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا پس جس وقت ان کے ہاں ہماری آیات آئیں یعنی وہ نو معجزات جو موسیٰ علیہ السلام لائے اور آپ کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے۔ مُبْصِرَةً درآنحالیکہ واضح اور روشن ہیں۔ اسم فاعل کا اسم مفعول پر اطلاق کیا گیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ اتنا روشن اور واضح تھیں کہ دیکھنے والے کو ایسے محسوس ہوتی تھیں کہ گویا یہی خود واضح اور روشن ہیں۔ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝ کہا کہ یہ جادو گر ظاہر ہے اس کا جادو ہونا یعنی تمام لوگ جانتے ہیں کہ یہ جادو ہے۔ وَجَحَدُوْا بِهَا کذبوا بھا زبانوں سے ان کی تکذیب کی اور ان کے معجزات ہونے کا انکار کیا۔

حل لغات: الجحود جانتے اور یقین کر کے سرکشی سے انکار کرنا یہاں پر صرف تکذیب مراد ہے تاکہ استدراک لازم نہ آئے۔ چنانچہ فرمایا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ واو حالیہ ہے اور استیقان بمعنے بے گمان ہونا یعنی درآنحالیکہ ان کے قلوب کو یقین ہو گیا تھا کہ واقعی یہ اللہ کی نشانیاں ہیں اور یہ جادو نہیں ہو سکتیں۔

ف: جناب ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر مصیبت میں پھنسنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتے تو مشکل حل ہو جاتی تو ان کو یقین ہو گیا کہ یقیناً یہ اللہ کی جانب سے ہیں۔

ظُلْمًا ظلم نفسانی سے جحود (انکار) کی علت ہے۔ وَّعُلُوًّا انکار اور شیطانی تکبر سے فَانْظُرْ كَيْفَ پس اے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھئے کیسے ہے عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ۝ مفسدین کا انجام، مثلاً ان کا دنیا میں دریا میں ڈوب کر مرنا اور آخرت میں دوزخ میں جانا۔ یعنی دنیا میں ان کا انجام برباد ہوا کہ وہ دریا میں ڈوب کر مرے۔ اور آخرت میں دوزخ میں جلیں گے۔

ہم حالتِ مفسدان خوش است

سر انجام اہل فساد آتش است

ترجمہ: مفسدوں کی حالت برباد ہے اہل فساد کا انجام دوزخ ہے۔

ف: اس میں کفار قریش کی تمثیل ہے کہ تم مفسد اور سرکش ہو تو جو ذات فرعون کو تباہ کرنے پر قادر ہے وہی ذات تمہیں بھی تباہ کرنے کی قدرت رکھتی ہے کیونکہ وہ اپنی اس صفت سے دائمی طور موصوف ہے کیونکہ کہ دشمنوں پر اس کا جلال دائمی ہے جیسے اس کا جمال اپنے محبوبوں کے لیے دائمی اور ہر زمانہ میں ہے اور ایسے ہی تا قیامت اپنی جملہ

marfat.com

ذات سے موصوف ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ دوسروں سے نصیحت حاصل کرے اور وہ اسباب بالکل ترک کردے جو تباہی اور ہلاکت کی ڈالنے والے ہیں جیسے ظلم اور سرکشی جو کہ نفس امارہ کے عادات ہیں اور چاہیئے کہ اپنے جملہ احوال کو سنوارے جیسے عدل و تواضع وغیرہ کیونکہ یہ قلوب کے صفات عالیہ سے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے وہ استعداد ضائع کردیں جو انہیں بلاواسطہ فیض الٰہی سے نصیب کرنے والی ہیں ان کا انجام یہ ہے کہ وہ جانوروں اور درندوں کے مرتبہ کو پہنچ جاتے ہیں اور شیطان کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ اور جہنم کے گڑھے میں داخل ہوں گے اس سے معلوم ہوا کہ بلند مراتب پر پہنچنا مشکل ہے لیکن برے انجام کے گڑھے میں گرنا آسان ہے کیونکہ نفس اور اس کی طبیعت اس پتھر کی مانند ہے جسے اوپر سے نیچے پھینکا جائے وہ اس طرح نیچے کو بہت جلد گرے گا اگر کوئی بندۂ خدا مجاہدات و ریاضیات سے اسے نرم کرے تو ان مراتب عُلیا کا پہنچنا آسان ہے اور کم درجات میں گرنے سے بچاؤ ہو جاتا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بال بکشاؤ صفیر از شجر طوبیٰ زن

حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفس

ترجمہ: بال کھول اور شجرۂ طوبیٰ سے آواز دے۔ بڑا افسوس ہوگا کہ تیرے جیسا پرندہ پنجرے میں پھنسا رہے۔

انتباہ کیا قبیح ترین ہے وہ شخص جو اپنے آپ کو ظاہری طور سنگارتا ہے اس کی مثال اس سرسبز و شاداب باغ کی ہے جس کا نگران الو ہو یا بکریوں کے اس ریوڑ کی ہے جس کا چرواہا بھیڑیا ہے اور اس کے مال و اسباب اور ظاہری ٹھاٹھ باٹھ کی مثال اس بیل کی ہے جس کو زیورات سے سنگار دیا جائے۔ یہ فضیلت وہ انسان ہے جو اپنی عالی ہمتی اور اتباع بالحق اور ادب وعقل سے ارتکاب منہیات سے بچ کر برے انجام سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ارشاد کے قابل اور اپنی کتاب کا عامل اور اپنے عذاب سے محفوظ ہونے والوں اور جن کے مراتب پر رشک ہوگا سے بنائے۔ (آمین)

marfat.ocm

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ۖ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ
اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو بڑا علم عطا فرمایا اور دونوں نے کہا سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان
الْمُؤْمِنِينَ (۱۵) وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ ۖ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ
والے بندوں پر فضیلت بخشی اور سلیمان داؤد کا جانشین ہوا اور کہا اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی
وَأُوتِينَا مِن كُلِّ شَيْءٍ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ (۱۶) وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ
اور ہر چیز میں سے ہم کو عطا ہوا بے شک یہی ظاہر فضل ہے اور جمع کئے گئے سلیمان کے لیے
مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ (۱۷) حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ
اس کے لشکر جنوں اور آدمیوں اور پرندوں سے تو وہ روکے جاتے تھے یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے نالے پر آئے
قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا
ایک چیونٹی بولی اے چیونٹیو اپنے گھروں میں چلی جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کے لشکر بے خبری
يَشْعُرُونَ (۱۸) فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ
میں تو اس کی بات سے مسکرا کر ہنسا اور عرض کی اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں شکر کروں
الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ
تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے اور یہ کہ میں وہ بھلا کام کروں جو تجھے پسند آئے اور مجھے اپنی
فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ (۱۹) وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ
رحمت سے اپنے ان بندوں میں شامل کر جو تیرے قرب خاص کے سزاوار ہیں اور پرندوں کا جائزہ لیا تو بولا مجھے کیا ہوا کہ میں ہُدہُد کو نہیں
مِنَ الْغَائِبِينَ (۲۰) لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ
دیکھتا یا وہ واقعی حاضر نہیں ضرور میں اسے سخت عذاب کروں گا یا ذبح کردوں گا یا کوئی روشن سند میرے پاس
مُّبِينٍ (۲۱) فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ
لائے تو ہُدہُد کچھ زیادہ دیر نہ ٹھہرا اور آکر عرض کی کہ میں وہ بات دیکھ آیا ہوں جو حضور نے نہ دیکھی اور میں شہر سبا سے حضور
يَقِينٍ (۲۲) إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ (۲۳)
کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں میں نے ایک عورت دیکھی کہ ان پر بادشاہی کررہی ہے اور اسے ہر چیز میں سے ملا ہے اور

marfat.com

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

اس کا بڑا تخت ہے میں نے اسے اور اس کی قوم کو پایا کہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہ

فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ

میں سنوار کر ان کو سیدھی راہ سے روک دیا تو وہ راہ نہیں پاتے کیوں نہیں سجدہ کرتے اللہ کو جو نکالتا ہے آسمانوں اور

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ

زمین کی چھپی چیزیں اور جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو۔ اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی سچا

الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ

معبود نہیں وہ بڑے عرش کا مالک ہے سلیمان نے فرمایا اب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹوں میں ہے میرا یہ فرمان لے جا کر

بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا

ان پر ڈال پھر ان سے الگ ہٹ کر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں وہ عورت بولی اے سردار و

اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾

بیشک میری طرف ایک عزت والا خط ڈالا گیا بے شک وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور بیشک وہ اللہ کے نام سے ہے جو نہایت

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

مہربان رحم والا یہ کہ مجھ پر بلندی نہ چاہو اور گردن رکھتے میرے حضور حاضر ہو

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بخدا بے شک ہم نے عطا فرمایا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ داؤد و سلیمان علی نبینا وعلیہم السلام، دونوں کو۔

ف: مشکاۃ الانوار میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی نے عرض کی حضور آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے والد گرامی کا نام داؤد اور آپ کا نام سلیمان کیوں رکھا گیا آپ نے فرمایا تو ہی بتا دے عرض کی اس لیے کہ آپ کے والد گرامی نے اپنے قلب کو التفات عن الغیر سے پاک کر کے اللہ سے محبت کی اور آپ چونکہ سلیم (بہ تصغیر) ہیں اس لیے آپ کو آپ کے والد گرامی کے ساتھ لاحق کیا گیا۔ گویا "داؤد" داویٰ قلبہ الخ کا مخفف اور سلیمان (سلیم آن الخ کا مرکب ہے)

عِلْمًا ج علم کا ایک حصہ یعنی شرائع و احکام اور دیگر وہ علوم جو ان کے لائق اور ان کے لیے خاص تھے جیسے زرہ

marfat.ocm

بنانا و پہاڑوں کی تسبیح اور پرندوں اور جانوروں کی بولی۔

سات علوم سات اشخاص کو ۱۔ آدم علیہ السلام کو اسماء کے علوم عطا فرمائے جو ان کو سجدۂ تحیۃ کا سبب بنے۔ ۲۔ خضر علیہ السلام کو علم الفراستہ عطا فرمایا جس کی وجہ سے موسیٰ و یوشع جیسے پیغمبر ان کے شاگرد بنے۔ ۳۔ یوسف علیہ السلام کو تو علم تعبیر بخشا جس کی وجہ سے آپ نے جو اہل مملکت کو پایا۔ ۴۔ داؤد علیہ السلام کو زرہ بننے کا علم سکھایا جس کی وجہ سے آپ کو ریاست و درجات بلند عطا ہوئے۔ ۵۔ سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولی سکھائی جس کی وجہ سے آپ نے بلقیس کا تخت حاصل کیا۔ ۶۔ عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب و حکمت و تورات و انجیل کا علم عطا فرمایا جس کی وجہ سے تہمت کی شر سے بچ گئے۔ ۷۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شرع و توحید کا علم عطا فرمایا جس کی وجہ سے آپ کو شفاعت کل کا اختیار نصیب ہوا۔

علم کیمیا حضرت الماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں علمًا سے مراد علم الکیمیا ہے اس لیے کہ یہ علم علوم انبیاء و مرسلین اور اولیاء عارفین سے ہے حضرت مولانا روم قدس سرہٗ الاعلیٰ نے فرمایا ؎

از کرامات بلند اولیاء
اوّلا شعر است و آخر کیمیا

ترجمہ: اولیاء کی بلند کرامات سے پہلی کرامت شعر گوئی اور آخری کیمیا ہے۔

کیمیا کا صوفیانہ معنی الکیمیا اصل میں یہ ہے کہ جو مل جائے اس پر قناعت کرنا جو نہ مل سکے اس پر پریشان نہ ہونا ؎

کیمیائے ترا کنم تعلیم
کہ در اکسیر در صناعت نیست
رو قناعت گزیں کہ در عالم
کیمیائے بہ از قناعت نیست

ترجمہ: میں تجھے بتاؤں کہ وہ اکسیر اور دوسری کسی صنعت میں نہیں یا قناعت کو قبول کیجیے دنیا میں قناعت سے بہتر اور کوئی کیمیا نہیں۔

داؤد علیہ السلام کا تعارف کشف الاسرار میں ہے کہ داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی ہیں یہود ا ابن یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ آپ موسیٰ علیہ السلام سے ایک سو اناسی سال کے بعد اس دنیا میں تشریف لائے اور آپکی شاہی طالوت کے بعد ہے۔ آپ کی سلطنت میں تمام بنی اسرائیل متفق ہو گئے تھے اس لیے آپ کی سلطنت میں آرام و عیش تھا۔ اللہ نے فرمایا وشددنا ملکہ اور ہم نے

marfat.com

داؤد علیہ السلام کی شاہی کو مضبوط کیا۔

ف : مروی ہے کہ ہر شب کو بنی اسرائیل کے تیس ہزار سردار آپ کی پہرہ داری پر مقرر تھے آپ کو علم و ملک دونوں عطا ہوئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واتینا داؤد و سلیمان علمًا" اور ہم نے داؤد و سلیمان علیہما السلام کو علم عطا فرمایا۔

اعجوبہ داؤد و سلیمان علیہما السلام کے احکام کا اجراء اور اعمال صالحہ کی تلقین توراۃ سے تھی اسی لیے آپ کی کتاب زبور صرف مواعظ پر مشتمل تھی اس میں احکام اور اوامر و نواہی نہیں تھے۔

فائدۂ صوفیانہ حضرت عطا قدس سرہٗ فرمایا کہ علم سے علم بالرب و علم بالنفس مراد ہے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں (داؤد و سلیمان علیہما السلام) کے لیے علم بالرب اور علم بالنفس ثابت فرمایا اور علم بالنفس درحقیقت علم باللہ ہے چنانچہ سیدنا امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہا سے فرمان ہے۔

من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کو پہچانا تو یقیناً اس نے اپنے رب کو پہچان لیا ؎

بر وجود خدائے عز و جل
ہست نفس تو حجت قاطع

چون بدانی تو نفس را دانی
کوست مصنوع وایزدش صانع

ترجمہ : خدا عز و جل کے وجود پر تیرا نفس ہی حجت قاطع ہے جب تو نفس کو معلوم کر لے گا تو تجھے حق کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اس لیے کہ وہ مصنوع ہے اور اس صانع اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔

ف : علم دو قسم کا ہے، ۱۔ علم البیان، یہ وہ علم ہے جو وسائط شرعیہ سے حاصل ہو۔ (۲) علم العیان، یہ علم وہ ہے جو کشوفات غیبیہ سے مستفاد ہو۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: سائل العلماء وخالط الحکما وجالس الکبراء۔

ترجمہ: علماء سے سوالات کر اور حکماء کے پاس آمد و رفت رکھ اور مشائخ (بزرگان دین) کی صحبت اختیار کر۔

شرح الحدیث علماء سے صرف علم البیان کا سوال کر کیونکہ مسائل شرعیہ کا حل ان سے ہی ہوتا ہے اور حکماء کے پاس آنا جانا علم العیان کی وجہ سے ہوتا ہے اور مشائخ کی صحبت

marfat.ocm

میں بیان بھی ہوتا ہے اور احکام شرعیہ بھی اور علم المکاشفہ والاسرار بھی اور ان کی صحبت کا حکم اس لیے ہے کہ ان کی صحبت کے دارین دنیا اور آخرت کے بے شمار منافع حاصل ہوتے ہیں۔

تو خود بہتری جوی و فرصت شمار
کہ با چون خودی گم کنی روزگار

ترجمہ: تو خود بہتر ہے اسے تلاش کر اور فرصت کو غنیمت سمجھ ورنہ اپنی طرح روزگار کو ضائع کر دے۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا اور ان ہر دونوں نے ہر ایک نے اس علم کا شکریہ ادا کیا جو انہیں نصیب ہوا کہا کہ جملہ تعریفیں اللہ کے لیے جس نے ہمیں فضیلت بخشی یعنی علم عطا فرمایا۔ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ۝ بہت سے اپنے ایماندار بندوں پر۔

سوال عرب کے دستور کے مطابق یہاں عبارت کل منہما فضلنی ہوتی اسلوب عرب کے خلاف جمع متکلم کے صیغہ کے ساتھ کیوں لایا گیا ہے۔

جواب: اختصار و ایجاز کو مدنظر رکھ کر اس سے حرف واو عاطفہ کو بجائے فاء کے لانے کا حسن اسلوب بھی معلوم ہو گیا اس لیے کہ واؤ عطف اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ علم ہر دونوں (باپ بیٹے) کو ملنے پر حمد کر رہے ہیں صرف علم کے ملنے پر حمد نہیں کی گئی فاء عاطفہ ہوتی تو یہی دوسرا معنی بن جاتا اور اس میں اتنی لطافت نہیں جو پہلے معنی یعنی واؤ عاطفہ لانے میں ہے۔

ف: بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واؤ عاطفہ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ عطائے الٰہی کے مقابلہ میں ان کا حمد و شکر کرنا ایک معمولی شکرانہ ہے کیونکہ اس کی صرف ایک نعمت کا شکرانہ ہمارے لاکھوں بار حمد و شکر کرنے سے ادا نہیں ہو سکتا۔ گویا انہوں نے اپنے فعل کا شکریہ ادا کیا اور کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ الخ

ف: الکثیر سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان کی طرح علوم سے نہ نوازے گئے نہ وہ جنہیں سرے سے دولت علم نصیب بھی نہ ہوئی۔ کثیر کو مؤمنین سے مقید کیا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر مومنین جب ایمان سے محروم ہیں تو پھر ان کو علم سے بطریق اولیٰ محرومی ہوئی۔ کیونکہ ایمان سے خالی انسان نرا جاہل ہے اگرچہ وہ خود اپنے آپ کو اہل علم سمجھے یا لوگ اسے علامہ یا کوئی اور دیگر اوصاف دیں۔ کیا تم ابوجہل سے نہیں سمجھے کہ وہ باوجودیکہ اپنی پارٹی میں بہت بڑا دانشور سمجھا جاتا تھا بلکہ اس کی ان کے نزدیک ابوالحکم (حکمتوں کا سرچشمہ) تھا۔ اسی لیے حکماء نے فرمایا کہ بدمذہب کو عالم یا کوئی بڑا عہدہ دے کر بلانا وغیرہ مکروہ ہے۔

ف: کثیر کے لفظ میں اشارہ ہے کہ بعض دیگر حضرات ان پر علمی فضیلت رکھتے ہیں۔

marfat.com

فضیلت علم وعلماء آیت میں علم وعلماء کی فضیلت اور بزرگی پر واضح ترین دلیل ہے کہ سلیمان و داؤد علیہما السلام نے اسی علم پر شکریہ ورنہ علم کے علاوہ ان کے ہاں ملک ومال کی کمی نہ تھی اور نہ ہی مال و دولت میں ان کا ثانی تھا۔ اور اس میں علماء کرام کو بھی تحریص دلائی گئی ہے کہ وہ اپنی اس علمی دولت پر خدا تعالیٰ کا شکر کریں کہ ایسی بڑی دولت انہیں اللہ نے عطا فرمائی پھر اس دولت کے حصول کے بعد متواضع و متخاشع رہیں یہ ضروری نہیں کہ اس دولت میں ان کے برابر کوئی نہیں بلکہ ان سے بہت بڑے اہل علم موجود ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وفوق کل ذی علم علیم" ہر اہل علم پر اور زیادہ علم والا ہوتا ہے۔

مقولہ عمر رضی اللہ عنہ حضرت فاروق اعظم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا کل الناس افقہ من عمر" تمام لوگ عمر سے فقیہ تر ہیں۔

(یہ ان کی تواضع ہے لیکن شیعہ لوگ ان کی تواضع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تاثر دیتے ہیں کہ معاذاللہ آپ جاہل اور غیر فقیہ تھے تفصیل فقیر اویسی غفرلہ کی تصنیف "رد الکذاب" میں ہے) [۱]

تفسیر صوفیانہ آیت میں داؤد سے روح اور سلیمان سے قلب اور ان کے اہل علم سے الہام ربانی اور وہ علم الاسماء مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عطا فرمایا اور ان کا حمد کرنا ان اعضاء وجوارح کی وجہ سے ہے جو انہیں عبودیت کی ادائیگی میں کام کرتے تھے۔ اس لیے کہ اعضا کا کام ہے عبودیت و عمل اور روح و قلب کا کام ہے علم و معرفت جو کہ عمل کا اصل و بنیاد ہیں۔

حدیث شریف حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ افضل الاعمال کیا ہیں تو آپ نے فرمایا العلم باللہ والفقہ فی دینہ معرفت الٰہی اور دین کی فقہ سمجھ اور اسے بار بار دہرایا پھر اس نے عرض کی یا رسول اللہ میں آپ سے عمل کا سوال کرتا ہوں اور مجھے علم کی خبر دیتے ہیں آپ نے فرمایا:

العلم ینفعک معہ قلیل العمل وان الجہل لا ینفعک معہ کثیر العمل۔

ترجمہ: عمل اگرچہ قلیل ہو لیکن علم کے ساتھ ہو تو وہ فائدہ دے گا اور جہل سے عمل کتنا ہی کثیر کیوں نہ ہو تب بھی کوئی فائدہ نہیں۔

ف: علم کے بغیر عمل ایسے ہے جیسے گدھا چکی کے اردگرد پھر رہا ہو۔ اس طرح سے وہ سفر طے نہیں کر سکے گا۔

نسخہ نمبر(۱) روحانی: فتح الموصلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مریض کو جب طعام اور پانی اور دوا نہ ملے تو مر جائے گا۔

---

[۱] اضافہ از اویسی غفرلہ۔

نسخہ روحانی نمبر(۲) : ظاہری غذا پیٹ بھر کر کھائی جائے تو پھر قلب میں باطنی غذا داخل نہ ہو سکے گی۔

حکایت حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک شخص دس سیر غذا کھا کر ساری رات عبادت میں گذار دیتا تھا کسی ولی اللہ نے سنا تو فرمایا کہ یہ شخص اگر آدمی روٹی کھا کر ساری رات سوتا رہتا تو اس پیٹ بھر کر عبادت گزاری سے افضل ہوتا۔ ~

اندرون از طعام خالی دار

تا درو نور و معرفت بینی

تہی از حکمتی بعلت آن

کہ پُری از طعام تا بینی

ترجمہ : پیٹ کو طعام سے خالی رکھ تاکہ اس میں نور و معرفت پاؤ، حکمت سے تم اس لیے خالی ہو کر تم طعام سے ناک تک پُر ہو۔

نسخہ روحانی نمبر(۳) : عجب و کبر نور و صفائی کو روکتے ہیں ~

تُراکی بود چون چراغ التہاب

کہ از خود پری ہمچو قندیل از آب

ترجمہ : تیرے چراغ میں روشنی کہاں سے آئے جبکہ تیرا چراغ پانی سے پُر ہے۔

نسخہ روحانی نمبر(۴) : جب انسان کا ظاہر شریعت سے اور باطن طریقت سے آراستہ ہو تو وہ اس فیض الٰہی کی استعداد پالے گا جو انبیاء و اولیاء کو نصیب ہوا اسی وجہ سے وہ لوگ دوسرے اہل ایمان پر فضیلت پا گئے ہیں اور یہی فضیلت ہی ان کے حمد و شکر بجالانے کا سبب ہے اسی لیے تو انسان کو موہبہ و عطیہ الٰہی کے مطابق شکر و حمد الٰہی کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ ان کا انعامات و عطیات پر حمد و شکر ادا کرتے ہیں جو اس نے ہمیں نصیب فرمائے اور علم و قطرات فیض کا سوال کرتے ہیں اور طریق تحقیق اور ثبات علی العمل بعلمہ النافع کی التجا ہے کیونکہ شہوات نفسانی کو علم نافع توڑتا ہے اور خواہشات کو بھی ختم کرتا ہے وہی فضل کرنے والا بہت بڑا ہے اور عطا فرمانے والا فیاض اور رحیم ہے۔

تفسیر عالمانہ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ یعنی داؤد علیہ السلام کے وصال کے بعد علم و نبوت اور ملک صرف سلیمان علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا ان کے دوسرے بھائیوں کو یہ وراثت نہیں ملی تھی اور اسے لفظ وراثت سے تعبیر کرنا مجازاً ہے۔

اس سے مسئلہ فدک کے لیے شیعہ کا اعتراض رفع ہو گیا۔ ~

~ - اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔

marfat.com

اس لیے کہ یہاں مالی وراثت مراد نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کمالات نفسانیہ کے وارث ہوتے ہیں مال و اسباب دنیویہ کی ان کی نظروں میں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تم میرے بھائی اور وارث ہو حضرت علی نے عرض کی کہ میں آپ کی کون سی وراثت کا وارث ہوں آپ نے فرمایا مجھ سے پہلے انبیاء علیہ السلام کتاب و سنت کے وارث ہوئے تم میرے وارث ہو۔

(ف اس سے شیعہ یہ نہ سمجھیں کہ خلافت بلافصل ثابت ہوگئی اس لیے کہ علمی وراثت آپ کے ہر صحابی کو نصیب ہوئی کیونکہ آپ کے کمالات محدود نہ تھے کہ حضرت علی ہی پالیتے تو باقی محروم ہو جاتے۔)

حکایت عجیبہ کسی قطب وقت نے عرض کی یا اللہ میرے بیٹے کو بھی میرے مقام ولایت کا وارث بنا دے۔ اللہ نے فرمایا پیارے یہ مرتبہ یعنی مقام خلافت وراثت نسبی پر نہیں کیونکہ وراثت یا علمی ہوتی ہے یا مالی۔ علمی وراثت صرف اس مرید صادق کو نصیب ہوتی ہے جو مخلص ہو وہی اپنے شیخ کے علوم حقائق کا وارث ہوتا ہے۔ جبکہ اس میں ان کی استعداد ہو تو پھر وہی مقامات انہیں نصیب ہوتے ہیں اسی لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "العلماء ورثة الانبیاء" علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے سلیمان قلب داؤد روح کا وارث ہے اس لیے کہ ہر وارد و الہام و اشارہ، وحی و فیض ربانی حضرت الہیہ سے صادر ہوتے ہیں تو ان کا روح پھر اپنے کمال لطافت سے آگے بڑھ کر قلب پر وارد ہوتا ہے کیونکہ قلب اس کی صفات سے موصوف ہے اسی لیے اسے قبول کر لیتا ہے چونکہ قلب میں کثافت و صلابت بھی ہے اسی وجہ سے وہ ان کمالات کو اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے۔ قلب روح پر فضیلت رکھتی ہے اسی لیے مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام سے قضاء و افتاء میں فوقیت رکھتے تھے حدیث شریف بھی اس کی تائید کرتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا یا وابصة استفت قلبك اے وابصہ اپنے دل سے فتویٰ پوچھو ورنہ استفت ر وحک فرماتے۔

داؤد علیہ السلام کی اولاد کی تفصیل جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس صاحبزادے تھے ہر ایک نے شاہی کی وراثت کا مطالبہ کیا اللہ نے آسمان سے ایک مکتوب مہر شدہ داؤد علیہ السلام کو بھجوایا اس میں چند مسائل تھے اور لکھا تھا کہ تمہاری اولاد میں سے جو بھی صحیح جواب دے وہی تمہارے ملک کا وارث ہے۔ داؤد علیہ السلام نے تمام صاحبزادوں اور اپنی شاہی کے تمام علماء و مشائخ کو بلایا اور وہ مسائل اپنے صاحبزادوں کے آگے رکھ دیئے وہ سوالات یہ تھے

ف اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔

۱۔ سب سے نزدیک تر کون سی شے ہے اور سب سے دور تر کون سی شے اور سب سے وحشت ناک تر کون سی شے ہے اور کس شے سے اسے انس زیادہ ہے؟

۲۔ وہ کون سے دو ہیں جو قایم ہیں اور دیگر دو مختلف اور دیگر دو دشمن ہیں؟

۳۔ وہ کونسا کام ہے جس کے آخر میں اس کی تعریف کی گئی ہے؟

۴۔ وہ کون سا کام ہے جس کا انجام مذموم ہے؟

حضرت داؤد علیہ السلام کے تمام صاحبزادوں نے معذرت کی حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اگر اجازت ہو تو ان کا جواب میں عرض کروں داؤد علیہ السلام نے اجازت بخشی تو سلیمان علیہ السلام نے کہا پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ انسان کو قریب تر موت ہے اور سب سے بعید تر اس کا وہ ترکہ ہے جو وہ مرنے کے بعد چھوڑتا ہے اور اس کے لیے زیادہ وحشت والا وہ جسم ہے جو روح سے خالی ہو جائے جس سے اسے بہت زیادہ انس ہے وہ روح ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ جو دو قایم ہیں وہ آسمان اور زمین ہیں اور دو مختلف سے مراد دن اور رات ہے اور ایک دوسرے کے دشمن موت و حیات ہیں۔

تیسرے کا جواب یہ ہے کہ وہ کام جس کا انجام محمود ہے وہ ہے حوصلہ بوقت غصہ۔

چوتھے کا جواب یہ ہے کہ وہ کام جس کا انجام مذموم ہے وہ ہے تیزی جو بوقت غصہ آئے۔

جب اکابر علماء و مشائخ نے کتاب منزل کے موافق جواب پایا تو فرمایا ان تمام صاحبزادوں پر حضرت سلیمان علیہ السلام کو فضیلت حاصل ہے فلہٰذا شاہی ان کے سپرد کی جائے اس کے دوسرے دن حضرت داؤد علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو سلیمان علیہ السلام آپ کے جانشین ہوئے۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَ نعمت الٰہی کی تشہیر اور ان لوگوں کو اپنی طرف بلانے اور اپنی تصدیق کے لیے ان معجزات باہرہ کا ذکر فرمایا جو انہیں اللہ کی طرف سے عطا ہوئے یہ ذکر نہ تو بطور فخر تھا نہ از راہ تکبر۔

ف: جناب بقلی نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام نے عطا کردہ معجزات کا ذکر اس لیے فرمایا کہ قانون ہے کہ متمکن جو درجہ تمکین کو پہنچ جائے جائز ہوتا ہے کہ وہ اپنے لیے عطایائے الٰہی کی خبر دے تاکہ اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ اور منکرین پر حجت قایم ہو۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا واما بنعمة ربك فحدث اور اپنے اوپر نعمت حق کو بیان کیجئے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ اے لوگو مجھے پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں۔

سوال: سلیمان علیہ السلام کو ہی یہ نعمت ملی تھی تو پھر آپ نے جمع کے صیغہ کو استعمال فرمایا اس سے تو تکبر کی بو آتی ہے؟

جواب (۱): سیاست کے طور ایسے مواقع پر جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے اس سے تکبر و تفخر کا کوئی تعلق

نہیں ہوتا یہی اوتینا کے متعلق سوال و جواب ہوگا۔

جواب (۲) : سلیمان علیہ السلام نے جمع کا صیغہ بول کر اپنے والد گرامی کو بھی مراد لیا ہے اس سے یہ ثابت ہوگا کہ پرندوں کی بولی ہر دونوں جانتے تھے یہ معجزہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہ تھا جیسا کہ عام مشہور ہو گیا ہے۔

حل لغات

منطق نطق عرف میں ہر وہ مافی الضمیر جو زبان پر لایا جائے مفرد ہو یا مرکب اور کبھی اس کلام پر بولا جاتا ہے جو منہ سے نکلے خواہ مفرد ہو یا مرکب مفید ہو یا غیر مفید جیسے کہا جاتا ہے نطقت الحمامة یہ اس وقت بولتے ہیں جب کبوتر اپنی بولی بولے۔ امام راغب اصفہانی نے فرمایا کہ نطق عرف میں وہ کلمات ہیں جو انسان منہ سے بولے اور جنہیں دل محفوظ کر سکے یہی وجہ ہے کہ یہ عرف انسان کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ غیر انسان پر بالتبع مستعمل ہوتا ہے اسی لیے کہا جاتا ہے ناطق و صامت ناطق وہ کلام جس میں آواز ہو اور صامت وہ جس میں آواز نہ ہو اسی لیے حیوانات کو ناطق نہیں کہا جاتا سوائے مقید کے یا بطریق تشبیہ کے۔

سوال : حیوانات کے لیے یہاں منطق کیوں کہا گیا؟

جواب : سلیمان علیہ السلام کی وجہ سے کہ وہ ان کی بولیاں سمجھتے تھے جو بھی کسی کی بولی سمجھے تو اس کی وجہ سے بالاضافہ بولنے والے حیوان کو ناطق کہہ سکتے ہیں اگرچہ وہ فی نفسہ صامت ہو اور ناطق نہ سمجھنے کی وجہ سے صامت ہے اگرچہ وہ فی نفسہ ناطق ہو۔

الطیر طائر کی جمع ہے جیسے راکب کی جمع رکب آتا ہے اور وہ حیوان جو پر رکھتا ہو اور اڑتا ہو۔

ف : سلیمان علیہ السلام پرندوں کے علاوہ دوسرے جانوروں کی بولیاں بھی جانتے تھے جیسا کہ آپ نے چیونٹی کی بات سُن کر تبسم فرمایا اس کا مفصل مضمون آگے آتا ہے۔ اور دوسرے جانوروں کی بولی جاننے کو واوتینا من کل شیءٍ (اور ہم کو ہر شے عطا کی گئیں ہیں) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

نکتہ : الطیر کی تخصیص اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ پرندوں کو دوسرے جانوروں پر فضیلت ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ہم پرندوں کی بولی سکھائے گئے ہیں جب وہ بولتے ہیں ہم ان کی مراد کو سمجھ جاتے ہیں۔ اور پرندوں کی ہر جماعت کی الگ الگ بولی ہے جسے صرف ہم سمجھتے ہیں دوسرے لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

ف : حضرت سلیمان علیہ السلام نہ صرف ان کی بولی سمجھتے تھے بلکہ ان کی مراد و مقصد بھی معلوم کر لیتے تھے۔

صاحب انسان العیون فرماتے ہیں اس سے مراد وہ پرندے ہیں جو اپنی بولی صاف لفظوں میں نہیں بتا سکتے ورنہ بہت سے پرندے ایسے بھی ہیں جو ان کی بولی سے مطلب صاف معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض کووں

marfat.ocm

سے سنا جاتا ہے وہ کہتے ہیں (اللہ حق)۔

عجیب کوا ایک شیخ کامل فرماتے ہیں کہ میں نے ایک کوّے کو سورۃ سجدہ تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ آیت سجدہ پر میں نے اس کوّے کو سجدہ کرتے بھی دیکھا۔ اور سجدے میں کہتا تھا:

سجدلك سوادی و امن بك فؤادی۔

ترجمہ: تیرے لیے میرے جسم نے سجدہ کیا اور تجھ پر میرا دل ایمان لایا۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کبھی الدرہ بھی صاف گفتگو کرتی ہے چنانچہ شیخ بکری ایک دوست کے گھر گئے فرماتے ہیں کہ مجھے الدرہ نظر نہیں آتا تھا لیکن اس سے صاف لفظوں میں سنا وہ کہہ رہا تھا مرحبا بالشیخ البکری اے شیخ بکری قدس سرہٗ خوش آمدید اور وہ اس کلمہ کو بار بار دہرا رہا میں اس کی فصاحت پر متعجب ہوا۔

ابوزریق پرندے کا قصہ ایک شخص بغداد سے باہر کہیں جا رہا تھا اس کے پاس چار سو درہم تھے۔ راستہ میں ابوزریق کو بکتے دیکھ کر ان دراہم سے وہ تمام خرید لیے واپس لوٹ کر ان کو پنجروں میں بند کر کے دوکان میں رکھ دیئے رات کو ٹھنڈی ہوا سے وہ تمام مرگئے ان میں صرف ایک کمزور بچ رہا۔ میں اپنی اس غلطی پر خوب رو رو کر اللہ کو عرض کرتا تھا یا غیاث المستغیثین اغثنی اے فریادیوں کے فریادرس میری مدد فرمایئے۔ ابوزریق کا چھوٹا بچہ میرے ساتھ ۔ یاغیاث المستغیثین اغثنی پڑھتا رہا۔ لوگ اس کی آواز سن کر جمع ہو گئے اور اس کے ایسے فصیح الفاظ سن کر تعجب کرتے تھے اور پھر تو وہ ایک تماشہ بن گیا۔ ایک دفعہ خلیفہ وقت کی لونڈی وہاں سے گذری اس کا یہ تماشہ دیکھ کر اس نے ایک ہزار درہم دے کر خرید لیا (کذا فی حیوۃ الحیوان)۔

ف: علامہ امام دمیری نے فرمایا ابوزریق قیق کو کہتے ہیں۔ یہ ایک پرندہ ہے جو کبوتر جتنا ہوتا ہے اسے شامی لوگ زریق کہتے ہیں اور وہ انسان سے بہت زیادہ مانوس ہوتا ہے اور تعلیم کو قبول کرتا ہے اور جو کچھ کہا جائے وہ سمجھ جاتا ہے۔

حکایت بلبل سیدنا سلیمان علیہ السلام بلبل کے قریب سے گذرے جو درخت پر بیٹھ کر چہچہاتی ہوئی ذکر کرتی اور دم بھی ہلاتی تھی آپ نے اپنے صحابیوں سے فرمایا کہ یہ کیا کہہ رہی ہے عرض کی اللہ اعلم نبیہ ئے اللہ تعالیٰ اور اس کا نبی جانے فرمایا کہتی ہے اذا اکلت نصف تمرۃ فعلی الدنیا العفاء یعنی میں جب کھجور کا آدھا حصہ کھاؤں تو دنیا کے سر پر مٹی۔ شاید بلبل اس وقت کچھ کھا کر فارغ ہوئی تھی پھر یہی کلمہ پڑھا۔

فاختہ کی بولی اس کے بعد فاختہ کی آواز سنی گئی آپ نے فرمایا یہ کہہ رہی ہے لیت ذالخلق لم یخلقوا کاش مخلوق پیدا نہ ہوتی۔ شاید وہ اس وقت کسی مصیبت میں گرفتار تھی۔

روح البیان ص ۳۲۹، ج ۶۔ معلوم ہوا کہ یہی عقیدہ قدریہ دین حق والوں کا ہے الحمد للہ یہی عقیدہ اہلسنت کو نصیب ہے۔ اور احادیث پڑھنے والے جانتے ہیں ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کرام کا بھی یہی طریقہ تھا۔

marfat.com

اس کے بعد مور بولا اور کہہ رہا تھا کما تدین تدان"۔

طاؤس (مور) کی گفتگو اس کے معنی یہ ہوئے جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

ہُدہُد کی بولی: اس کے بعد ہدہد بولا اور کہہ رہا تھا استغفر اللہ یا مذنبون۔ اے مجرمو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو۔

چڑیا کی بولی چڑیا بھی مذکورہ بالا نصیحت کرتی ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چڑیا کو قتل کرنے سے روکا ہے۔ لیکن اس سے ایک خاص چڑیا مراد ہے جو عام طور پر باقی چڑیوں سے بڑا اور چھوٹی چڑیوں کا شکار کرتا ہے اس کا طریقہ شکار یہ ہے کہ ہر پرندے کی بولی بولتا ہے تو وہ پرندہ اس کے قریب ہو جاتا ہے جب اسے اپنے قریب پاتا ہے تو اسے جھپٹ لگا کر کھا لیتا ہے۔

ہُدہُد کی دوسری بولی: ایک روایت میں یہ ہے کہ ہُدہُد کہتا ہے من لا یرحم لا یرحم۔ جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ ان دو مختلف قولوں میں تطبیق یوں دی جا سکتی ہے کہ وہ کبھی پہلی بولی بولتا کبھی دوسری۔

طیطوی اور طوطے کی بولی طیطوی کہتا رہتا ہے کل حی میت وکل جدید بال ہر زندہ نے مرنا ہے اور ہر نئے نے پرانا ہونا ہے۔ کشف الاسرار میں یہ کلمات طوطے کی طرف منسوب کیے ہیں۔

چمگادڑ کی بولی چمگادڑ بولتا ہے قدموا خیرا تجدوہ نیکی کرو اس کا پھل پاؤ گے اور الکشف میں ہے کہ چمگادڑ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین اور سورۃ کے آخر میں ولا الضالین کو ایسے کھینچ کر پڑھتا ہے جیسے ہمارے قاری پڑھتے ہیں۔

ف: خطاف (بضم الخاء المعجمۃ) بروزن رُمّان اس کی جمع خطاطیف ہے اسے زوار الہند کہا جاتا ہے یہ ان پرندوں میں سے ہے جو انسانوں کی طرف بہت کھنچ کر آتے ہیں۔ اور بہت طویل سفر کرتے ہیں اسی وجہ سے اسے انسانوں سے بہت انس ہے اسے عموماً لوگ عصفور الجنۃ یعنی بہشت کی چڑیا کہتے ہیں کیونکہ یہ لوگوں کے ہاں رکھی ہوئی چیز کی لالچ نہیں کرتا اسی لیے لوگ اس سے اُنس کرتے ہیں یہ مچھر اور مکھیوں پر گذارا کرتا ہے۔

قمری کی آواز: قمری کہتی ہے سبحان ربی الاعلی پاکی ہے بلند مرتبہ خدا تعالیٰ کے لیے۔

رخمہ یا کبوتر کی بولی کبوتر کے متعلق حضرت سلیمان علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ وہ کہتا ہے سبحان ربی الاعلی ملء سمائہ وارضہ اللہ تعالیٰ کی پاکی زمین و آسمان کے برابر ہے۔

ف: رخمہ ایک گونگا بہرہ پرندہ ہے جو نہ سنتا ہے نہ بولتا ہے۔

نکتہ: اسی لیے حکماء کہتے ہیں کہ رخمہ طویل العمر اسی لیے ہے کہ وہ بولتا نہیں۔ کم بولنے سے سلامتی عمر اور برکت نصیب ہوتی ہے۔

چیل کی بولی: چیل کہتی ہے کل شیئ لک الا اللہ۔ اللہ کے سوا سب کو فنا ہے۔

marfat.ocm

ف: الحدأۃ کو فارسی میں زغن اور غلیوراج اردو میں۔

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

بہر این مردار چندت کاہ زاری گاہ زو
چون غلیواجی کہ شش مہ مادہ و شش مہ نر ست

ترجمہ: (اس مردار (دنیا) پر کب تک فریفتہ رہے گا کہ کبھی کیسے اور کبھی کیسے جیسے چیل کہ چھ ماہ مادہ رہتی ہے اور چھ ماہ نر۔)

قطاہ کی بولی: قطاہ کہتا ہے من سکت سلم جو خاموش رہا سلامتی میں رہا۔

ف: قطاہ بمارا جیتا ہے چونکہ وہ اس کی بولی بولتا ہے اس کو اسی وجہ سے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس لیے وہ جب بولتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ کہہ رہا ہے قطا، قطا)۔

ف: ابن ظفر نے فرمایا کہ یہ پرندہ اپنے بچے گھونسلے میں چھوڑ کر دس یا اس سے زائد دنوں تک پانی کی تلاش میں رہتا ہے اور پانی صبح سے طلوع شمس کے درمیان لیتا ہے اس کے بعد اپنے گھونسلے میں لوٹتا ہے تو بھولتا نہیں اس لیے اس پر عرب کی مثال مشہور ہے۔ "اھدی من قطاۃ" قطاہ پرندے سے زیادہ راہ جانتا ہے۔

طوطے کی بولی: ببغا کہتا ہے ویل لمن کانت الدنیا خرابی ہو اسے جس کی مراد صرف دنیا ہی ہے: ببغا سے مراد طوطی ہے۔

ف: حیوۃ الحیوان میں ہے ببغا وہ سبز پرندہ۔ یعنی طوطا۔

باز کی بولی: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ باز کہتا ہے "سبحان ربی العظیم وبحمدہٖ" عظیم الشان پروردگار کی پاکی اس کی حمد کے ساتھ۔

ف: حیوۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ بازی ہمیشہ مؤنث ہی ہے اس کا نر گدھ کے ایک قسم اور شاہین سے ہوتا ہے اسی لیے یہ مختلف شکلوں میں ہوتا ہے یہ تمام جانوروں سے متکبر ہے اور اس میں نرمی بہت کم ہے۔

ہزار داستان کی بولی: ہزار داستان کہتا ہے اذکروا اللہ یا غافلون اے غافلو خدا تعالیٰ کو یاد کرو۔ ؎

دلا برخیز و طاعت کن کہ طاعت بہ زہر کار ست
سعادت آن کسی دارد کہ وقت صبح بیدار ست

ترجمہ: اے دل اٹھ عبادت کر اس لیے کہ عبادت سے بہتر اور کوئی کام نہیں وہی سعادت مند ہے جو صبح بہت جلد اٹھتا ہے۔

مرغ کی بولی: مرغ کہتا ہے قم یا ایہا الغافل اے غافل اٹھ کھڑا ہو۔ ؎

خروسان در سحر گویند قم یا ایہا الغافل
تو از مستی نمی دانی کسی داند کہ ہشیار ست

marfat.com

ترجمہ: اے غافل اٹھ کھڑا ہو صبح ہو گئی ہے تو مستی سے نہیں جاگتا اسے خبر ہے جو ہشیار ہے۔

سلیمان علیہ السلام کا مرغ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک سفید مرغ تھا۔ حدیث شریف میں ہے کہ وہ سفید مرغ میرے دوستوں کا دوست اور میرے دشمنوں کا دشمن ہے (کذا فی الوسیط) یہی مرغا فرشتے کو دیکھ کر آواز دیتا ہے اور گدھا شیطان کو دیکھ کر ڈھینچوں ڈھینچوں کرتا ہے۔

گدھے کی بولی: گدھے کی اپنی بولی میں کہتی ہے یا ابن آدم عش ماشئت اٰخرک الموت۔ اے آدم زادے جتنا چاہو زندگی بسر کرو آخر تم نے مرنا ہے۔

ف: اس وجہ مناسبت سے گدھ کو طویل عمر نصیب ہوئی ہے یہاں تک کہ یہ ایک ہزار سال تک رہ سکتی ہے اور اڑنے میں بہت تیز اور اس کے پر بھی بہت بڑے مضبوط ہیں۔ یہاں تک کہ وہ دن میں مشرق و مغرب کی درمیانی مسافت طے کر لیتی ہے اور عام پرندوں میں سے سب سے بڑا پرندہ ہے۔ اسے تمام پرندوں میں سے عجوبہ کہا گیا ہے۔ (کذا فی حیوٰۃ الحیوان)۔

عقاب کی بولی: عقاب کہتا ہے فی البعد عن الناس النس۔ لوگوں سے دور رہنا اچھا ہے۔

مینڈک کی بولی مینڈک کہتا ہے سبحان ربی القدوس پاکی ہے پروردگار اقدس کو۔ یا کہتا ہے سبحان المعبود فی لجج البحار۔ معبود کی پاکی دریا کی گہرائیوں میں۔

حکایت داؤد علیہ السلام سیدنا داؤد علیہ السلام کو گمان تھا کہ ان جیسی اللہ تعالیٰ کی مدح و ثنا اور کوئی نہیں کرتا ہو گا اور نہ ہی ان سے بڑھ کر اور کوئی حمد گو ہو سکتا ہے اللہ نے فرشتہ بھیجا جب کہ آپ حجرے میں محو ذکرِ خدا تھے اور آپ کے قریب ایک پانی کا گڑھا تھا۔ فرشتے نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے داؤد اس گڑھے والے مینڈک سے سنیئے وہ کیا کہہ رہا ہے آپ نے خاموشی سے اس کی طرف کان لگائے تو وہ کہہ رہا تھا:
سبحانک وبحمدک منتھی علمک یا اللہ تیری پاکی اور تیری حمد تیرے منتہائے علم کے مطابق۔
فرشتے نے پوچھا اے داؤد علیہ السلام اب آپ کا کیا خیال ہے آپ نے فرمایا بخدا اس جیسی میں نے کبھی حمد نہیں کہی۔

مینڈک نہ مارو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مینڈک کو نہ مارو اس لیے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو یہ منہ میں پانی لے کر آگ بجھاتا تھا۔ اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

پانچ جانوروں کو نہ مارو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچ جانوروں کے قتل سے روکا ہے: ۱۔ چیونٹی ۲۔ شہد کی مکھی ۳۔ مینڈک ۴۔ خاص چڑیا ۵۔ ہُد ہُد۔

marfat.ocm

ورشان کی بولی ورشان کہتا ہے لدوا للموت وابنوا للخراب موت کے لیے تیار رہو اور ویرانی کے لیے مکان بناؤ۔ یعنی فنا ہی فنا ہے۔

ف: یہ لام عاقبت کا ہے۔

اعجوبہ: الورشان فاختہ وحمامہ کے درمیان کا ایک پرندہ ہے جسے اولاد سے بہت پیار ہوتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے بچوں کو کوئی اٹھالے تو اپنے آپ کو مار دیتا ہے۔

تیتر کی بولی: تیتر کہتا ہے الرحمٰن علی العرش استوٰی رحمٰن اللہ اپنی شان کے لائق مستوی ہے۔

محمد وآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھنے والوں پر لعنت فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے اللھم العن مبغضی محمد وآل محمد۔ محمد اور آپ کی آل سے بغض رکھنے والوں پر خدا کی لعنت۔ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم)

گدھا کی بولی: گدھا بولتا ہے اللھم العن العشار۔ (اے اللہ عشار پر لعنت بھیج)

ف: بعض نے یہ کلمات کوے کی طرف منسوب کیے ہیں۔

گھوڑے کی بولی گھوڑا کہتا ہے جب جنگ کی دو صفیں آمنے سامنے ہوتی ہیں سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح۔ پاکی والا تقدیس والا وہ ملائکہ اور روح کا پروردگار ہے۔

زرزور کی بولی: زرزور کہتا ہے اللھم انی اسئلک قوت یوم بیوم یا رازق۔ اے روزی رساں میں صرف تجھ سے روزی مانگتا ہوں۔

ف: زرزور ایک (بالضم) باریک آواز والا پرندہ ہے۔ یہ ایک چڑیا کی قسم ہے اس کی اپنی آواز پر اس کا نام زرزور ہے۔ زرزور یعنی (مخصوص آواز)۔ حضرت مولانا روم قدس سرہ نے اپنے اشعار میں فرمایا:

شیخ مرغانست لک لک لکش دانی کہ چیست
الحمد لک والامر لک والملک لک یا مستعان

ترجمہ: تمہیں معلوم ہے کہ تمام پرندوں کا مرشد کون ہے وہ ہے جو تین بار لک بولتا ہے مثلاً کہتا ہے الحمد لک، حمد تیرے لیے۔ امر تیرے لیے۔ ملک تیرے لیے اے مستعان۔

بوم کا وعظ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ تمام پرندوں سے بنی آدم سے بڑھ کر ناصح اور مشفق الو سے اور کوئی جانور نہیں جب وہ ان کو آپس میں جھگڑتا دیکھتا ہے تو کہتا ہے: این الذین یتنعمون فی الدنیا ویسعون فیھا ویل لبنی آدم کیف ینامون وامامھم الشدائد۔ کہاں ہیں وہ جو دنیا فانی سے مستمتع رہے اور اس کے جمع کرنے کی کوشش میں رہے۔ بنو آدم کے لیے افسوس ہے کہ وہ سوتے کیوں ہیں جب جانتے

marfat.com

ہیں کہ آگے شدید تکالیف ہیں ۔ آخر میں کہتا ہے؛ تزودوا یا غافلون وتاھبوا لسفرکم ۔ اے غافلو زاد راہ تیار کرلو۔ اور سفر کی خوب تیاری کرو ۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا۔ ؎

درع الکاسل تغنم فقد جری مثل

کہ زاد راہرواں چستیت و چالاکی

ترجمہ : سستی چھوڑ غنیمت سمجھ وقت کو اس لیے کہ یہ مثل مشہور ہے کہ سفر کا زاد راہ چستی و چالاکی ہے ۔

پرندے کی سلیمان علیہ السلام کی کچہری میں حاضری

ایک پرندہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ عرض کی آپ نے اپنے ہم نشینوں سے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے سب نے عرض کی آپ خوب جانتے ہیں آپ نے فرمایا یہ کہتا ہے کہ اے بنی اسرائیل پر مسلّط بادشاہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کرامت بخشی ہے اور دشمنوں پر آپ کو غلبہ بخشا ہے میں اب اپنے بچوں کے ہاں جا رہا ہوں عنقریب واپس آؤں گا ۔ سلیمان علیہ السلام سے انتظار کیا چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد پھر حاضر ہوگیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلام عرض کر کے کہا اجازت ہو تو میں اپنے بچوں کے لیے دانہ لاؤں بلکہ ان کو کھلا پلا کر حاضری دوں پھر جو حکم ہوگا بجالاؤں گا ۔ آپ نے اسے کلی اجازت بخش کر حاضرین کو اس کا سارا ماجرا سُنا دیا ۔ (کذا قال القائل)

انبیاءُ علیہم السلام اور اولیاءِ کرام کا کمال

عرائس البیان میں ہے کہ پرندوں اور وحشیوں کی آوازیں اور تمام الوان کے حرکات اللہ تعالیٰ کے خطابات ہیں جو اس نے اپنے پیارے محبوبوں ، انبیاء مرسلین و اولیاء عارفین سے خطاب فرمایا ۔ یہی حضرات ان کی بولیوں کو سمجھتے ہیں اس لیے کہ یہ ان کے احوال و مقامات ہیں ۔ انبیاء و مرسلین علیہ السلام تو ان کی بعینہٖ بولیاں اور معانی کو سمجھتے ہیں ۔ اور اولیاء کرام ان کی بولیوں سے ان کے مفہوم کو سمجھ جاتے ہیں یہ بھی سمجھنا الہام ربانی کے اعتبار سے ہوتا ہے جو ان کے قلوب میں وارد ہوتا ہے یہ نہیں کہ وہ بعینہٖ ان کی بولیوں کو جانتے ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ طیور ارواح ناطقہ اشباح میں حق کی بولی بولتے ہیں ۔ لغت انوار کے ساتھ رموز و اسرار ظاہر کرتے ہیں لیکن انہیں صرف وہی سنتا ہے جسے فراستہ صادقہ نصیب ہو ۔ جس کی عقل و قلب شہادت دین پر ہے اور لطیف ترین اشارہ یہ ہے کہ ہم صفات کے پرندوں کی بولی جانتے ہیں جو کہ وہ ذات کے علوم سے بولتے ہیں اور اس کے افعال کے پرندوں کا کلام سمجھتے ہیں جو حکم ازلیات باطنی اسرار کی خبر دیتے ہیں ۔

ف : ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ اپنے جمیع احوال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق و صفائی کرے

marfat.ocm

تو اس کی بات کو ہر شے سمجھتی ہے اور وہ بھی ہر شے کی بات کو سمجھتا ہے جیسے طبل بجنے پہ ہر ایک کو کوچ اور نزول کا علم ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو (مخصوص) سماع اصوات وشہود احوال مرئیات کے فنون کا علم عطا فرماتا ہے۔ اگرچہ کتنا ہی مختلف ہیں۔

جیسا کہ کہا گیا ہے: ؎

اذا المرء کان لہ فکرۃ
ففی کل شیئ لہ عبرۃ

ترجمہ: ہر مرد کو فکر کرنی چاہیئے اس لیے کہ ہر شے میں عبرت وموعظۃ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اور ہم ہر شئے دیئے گئے ہیں۔ یہاں پر کل شئے سے کثرت مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے فلان یقصدہ کل شی ویعلم کل شی۔ اس سے کل قصد سے اور کل علم سے کثرت و وفرت مراد ہے۔

[1] اس سے وہابیہ دیوبندیہ کے سوال کا رد ہو گیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے تبیاناً کل شیئ میں علم کلی مراد ہے تو پھر سلیمان وداؤد علیہما السلام کے لیے بھی کائنات کی ہر شے مانو۔

ف: کاشفی مرحوم نے اس آیت کے جملہ کا ترجمہ لکھا کہ ہم کو ہر وہ چیزیں عطا ہوئی ہیں جن کی ہمیں ضرورت تھی یہ وہابیہ کے لیے دوسرا جواب [2] ہے۔

اور کشف الاسرار میں ہے کل شیئ سے ملک ونبوت وکتاب ریاح (ہوائیں) جن وشیاطین کی تسخیر، جانوروں اور پرندوں کی بولی، محرابیں، تماثیلیں، لگن، دیگیں کالے تیل کا چشمہ اور عین الصفر اور دیگر کئی قسم کی نعمتیں۔

اِنَّ ھٰذَا بے شک یہ مذکور یعنی اعطائے الٰہی وتعلیم، لَھُوَ الْفَضْلُ البتہ وہ فضل اور احسان والا ہے الْمُبِیْنُ کھلم کھلا یعنی ایسا واضح اور روشن جو کسی سے پوشیدہ نہیں۔

ف: الوسیط میں ہے کہ یہاں پر زیادتی سے ظاہر وہ نعمتیں مراد ہیں جو اور لوگوں سے ان کو زائد نصیب ہوئیں۔ یہ ایسے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا انا سید ولد آدم ولا فخر میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور یہ کوئی فخر سے نہیں کہہ رہا۔ یعنی یہ میں بطریق شکر وحمد کے کہہ رہا ہوں فخر سے یا تکبر سے نہیں کہتا۔ سلیمان علیہ السلام نے بھی فخر سے نہیں بلکہ شکراً کہا۔

الجویہ: حضرت سلیمان علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام کی نعمتوں کے علاوہ زائد یہ انعامات عطا ہوئے:

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔ [2] ایضاً

marfat.com

۱۔ تسخیر الجن ۲۔ تسخیر الریح ۳۔ پرندوں کی بولیوں کا سمجھنا ۴۔ آپ کے زمانے میں ایسی عجیب مصنوعات ایجاد ہوئیں جن سے خلق خدا نے بہت فائدہ اٹھایا اور سلیمان علیہ السلام نے ساڑھے سات سو سال تک شاہی کی۔

چیونٹی کی دانائی جب حضرت سلیمان علیہ السلام تخت نشین ہوئے تو تمام حیوانات نے مبارکباد دی اور خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے سوائے چیونٹی کے۔ یہ آپ کو مبارک باد دینے کی بجائے تعزیت کر رہی تھی۔ سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کو جھڑکا اس نے کہا میں آپ کو کیسے مبارک باد دوں جب کہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس سے دنیا سمیٹ لیتا ہے اور آخرت کی طرف اسے لگا دیتا ہے لیکن سلیمان علیہ السلام رات دن دنیا میں مستغرق ہیں تو پھر بہ مبارک باد کی بجائے تعزیت کے زیادہ حق دار ہیں۔ (ذکرہ السیوطی فی قتادہ)

ف: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ وہ کون سا بادشاہ ہے جس کے لیے گردنیں جھکیں اور جسم و جان قربان ہوں۔ آپ نے فرمایا ایسا بادشاہ تو زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ ہوتا ہے جب وہ نیکی کرتا ہے تو اجر پاتا ہے اور رعایا کو اس کا شکر لازم اور جب وہ برائی کرے تو اس کو گناہ اور رعایا پر صبر ضروری ہوتا ہے۔

ف: بزرجمہر نے ایک دانا سے پوچھا کہ ملک کس عمل سے اچھا رہ سکتا ہے اس نے جواب دیا رعایا سے نرمی کرنے سے اور ان سے نرمی کر کے حق طلب کرنا اور ان سے عدل و انصاف کے ساتھ پیار کرنا اور ان کے لیے سفری آسانیاں پیدا کرنا تاکہ امن و سلامتی کے ساتھ سفر کر سکیں۔ علاوہ ازیں مظلوم کے لیے انصاف کرنا ؎

رعیت نشاید بہ بیداد کشت
کہ مر سلطنت را پناہ ہند و پشت
مراعات دہقان کن از بہر خویش
کہ مزدور خوش دل کند کار بیش

ترجمہ: رعیت کو ظلم سے ذبح نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ رعایا سلطنت کے لیے پناہ و پشت ہیں۔ جاٹ (عام آدمی) کی رعایت اپنے لیے کیجیے اس لیے کہ خوش دل مزدور بہت کام آتا ہے۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ اور سلیمان علیہ السلام کے لیے لشکر جمع کیا گیا۔

حل لغات: الحشر بمعنے اخراج الجماعۃ الخ جماعت کو اپنی قرارگاہ سے نکال کر جنگ وغیرہ کے لیے باہر لے جانا اور یہ جماعت کے اخراج کے سوا فرد واحد کے لیے مستعمل نہیں ہوتا۔ (کذا فی المفردات)

الحشر کا حقیقی معنی ہے جمع کرنا (کذا فی التاج)۔ الجنود جند کی جمع ہے۔ لشکر کو جُند کہا جاتا ہے۔ دراصل اس سخت زمین کو کہتے ہیں جس میں پتھر وغیرہ ہوں۔ پھر ہر مجتمع کو جُند کہتے ہیں۔ جیسے حدیث شریف میں ہے: الارواح جنود مجندۃ ارواح ایک لشکر ہے لشکر ایک مجتمع کے طور پر رہتا ہے۔ اسی مناسبت سے لشکر کو جُند کہا

جاتا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ الجند کی جمع نہیں ہاں جنود جمع واقع ہوئی ہے تو لشکر کی مختلف اجناس کی وجہ سے **مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ** جنّ وانس اور پرندوں سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مخلوق کی ہر علیحدہ جنس کو جند کہا جاتا ہے اللہ فرماتا ہے وما یعلم جنود ربک الا ھو اللہ تعالیٰ کے جنود کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ پس بعوض (مزدو کا مچھر) لشکر ہے اور ابابیل (اصحاب فیل کے) پرندے لشکر ہے ہر ہر (عسکر فوج) لشکر ہے۔ عنکبوت (مکڑی) لشکر ہے۔ حمامۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ سلیمان علیہ السلام کے لیے شام کی طرف سیر و سفر میں لشکر جمع کیے گئے۔

ف: فتح الرحمٰن میں ہے اصطخر سے یمن تک۔ اصطخر (بکسر الھمزۃ وفتح الطاء) فارس کے شہروں کا ایک شہر ہے اور یہی شہر سلیمان علیہ السلام کا دار الخلافہ تھا۔ وہیں پر جنّ وانس اور پرندوں کے چیدہ چیدہ جمع ہوتے آپ جب سفر کرتے تو ان لوگوں سے مشورہ کرکے روانہ ہوتے۔ (جن کا ذکر پہلے ان کی تیز رفتاری کی وجہ سے ہے) کیونکہ تیز رفتاری اور قوت وطاقت میں دیگر اجناس سے یہ گروہ بظاہر زائد ہے۔

فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝ پھر جماعتیں بنائی جاتیں۔

حل لغات

الوزع بمعنی الکف والمنع یعنی تفرق وانتشار سے روکنا اور الوزّاع بمعنے تفرق وانتشار سے روکنے والا اور وہ شخص جو تظالم وفساد رعایا اور عام ظلم وفساد سے روکے۔ اس کی جمع وزعۃ آتی ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ آپ کے لشکر کے اگلے پچھلے سارے ایک جگہ روکے جاتے تھے تاکہ تمام لشکر ایک جگہ جمع ہو جائیں اور مجتمع ہو کر چلیں اور انتشار سے بچیں جیسے کثیر لشکر عموماً انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔

ف: سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں ہر جنس کو علیحدہ علیحدہ ایک روکنے والا تھا جو انہیں منتشر ہونے سے روکتا تھا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ لشکر سلیمانی اگرچہ بکثرت تھا لیکن مجال ہے کہ وہ منتشر و متفرق ہوں۔ ایسے نظم وضبط سے چلتے تھے اور رہتے تھے کہ گویا تسبیح کا دانہ ہیں ان میں سے ایک بھی اپنے مرتبے سے آگے پیچھے نہ ہوتا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ ترتیب صفوف کی ہو جیسا کہ المختار (کتاب لغت) میں ہے کہ الوزاع ہر وہ شخص جو صف کے آگے ہو اور اس کی اصلاح کرے، آگے اور پیچھے والوں کی نگہداشت رکھے۔

سوال: آگے والوں کو روکنے کی تخصیص کیوں حالانکہ لشکر والے پچھلے حصے سے بھی غلطی کر لیتے ہیں مثلاً پیچھے ہٹ جائیں یا رہ جائیں۔

جواب: تیزی میں جتنا پہلے حصے والے سبقت کر سکتے ہیں وہ پچھلوں کو حاصل نہیں۔ ہوا کی سیر میں بالخصوص اس کا لحاظ ضروری ہوتا ہے۔

marfat.com

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ فھم یوزعون وہ انہیں خروج اطاعت سے روکتے تھے اور اسی سے ہے ومن یزغ منھم عن امرنا نذقہ من عذاب السعیر۔ اور جوان سے ہمارے حکم سے روگردانی کرے گا۔ ہم اسے دوزخ کا عذاب چکھائیں گے۔

لشکر سلیمانی کی تعداد حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر تین سو میل لمبا اور تین سو میل چوڑا تھا۔ پچھتر میل پر انسان پچھتر میل پر جنات اور پچھتر میل پر پرندے اور پچھتر میل پر وحشی جانور پھیلے ہوتے تھے اور آپ کے ایک ہزار شیشے کے بنگلے تھے جو لکڑیوں پر تیار کیے گئے تھے اس میں آپ کی تین سو منکوحات اور سات سو کنیزیں رہائش پذیر تھیں آپ کے لیے جنات نے تین میل لمبا اور تین میل چوڑا سونے اور ریشم کا قالین (فرشی) تیار کیا۔ اس کے درمیان میں آپ کا سونے کا منبر بچھایا جاتا اس پر آپ رونق افروز ہوتے اس کے اردگرد سات لاکھ سونے اور چاندی کی کرسیاں بچھائی جاتیں سونے کی کرسیوں پر آپ کے نائبین اور چاندی کی کرسیوں پر علماء بیٹھتے۔ ان کے اردگرد انسان اور ان کے اردگرد جنات و شیاطین بیٹھتے اور اس نوری جماعت پر پرندے پر بچھاتے کہ ذرہ بھر بھی سورج کی کرن ان پر نہیں پڑتی تھی۔ اس پورے لشکر کو ہوا اٹھا کر چلتی جو ایک ماہ کے برابر سفر کرتی رہتی تھی۔

ہوا پر شاہی اور ہر آواز کا سننا حضرت سلیمان علیہ السلام کا تیز ہوا کو حکم تھا کہ وہ آپ کے تخت کو اٹھائے اور نرم ہوا کو حکم تھا کہ وہ اسے چلائے اللہ نے فرمایا اے سلیمان علیہ السلام آپ زمین و آسمان کے درمیان چلتے وقت زمین کی آوازیں سن سکتے ہیں اس کا حکم ہم نے ہوا کو فرما دیا ہے [1]

---

[1] اس سے ہمارا استدلال ہے کہ محبوبان خدا بعد اللہ کی دی ہوئی قوت سے سن سکتے ہیں۔ اس کے تفصیلی دلائل تو فقیر نے اپنی کتاب التحقیق السعید فی السماع عن البعید میں لکھی ہے۔ یہاں صرف ایک حوالہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین چیزوں کو قوت سماعت دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ جنت سنتی ہے اور دوزخ سنتی ہے اور وہ فرشتہ جو کہ میرے پاس مقرر ہو چکا ہے وہ سنتا ہے۔ جب میری امت کا کوئی بندہ جہاں کہیں ہو۔ جب بندہ کہتا ہے (اللھم انی اسئلک الجنۃ) اے اللہ مجھے جنت عطا فرما تو جنت اس کی آواز سن لیتی ہے اور کہتی ہے یا اللہ اس کو مجھ میں داخل فرمائے اور جب میری امت کا کوئی بندہ یہ دعا کرتا ہے (اللھم اجرنی من النار) یا اللہ مجھے دوزخ سے بچا تو دوزخ سن لیتی ہے) اور کہتی ہے یا اللہ اس کو مجھ سے بچا۔ اور جب میری امت کا کوئی بندہ میرے اوپر سلام بھیجتا ہے وہ فرشتہ مذکور سنکر عرض کرتا ہے یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہ فلاں ہے کہ سلام عرض خدمت کر رہا ہے۔ اس کو سلام کا جواب دیا جاتا ہے۔ اضافہ اویسی

marfat.ocm

کھیتی باڑی والے کسان کی آرزو منقول ہے کہ ایک وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت آسمان کے نیچے اڑ رہا تھا کہ تخت ایک کسان کے اوپر سے گذرا وہ کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی اولاد کو کتنا بڑا ملک عطا فرمایا ہے (کاش یہی ملک مجھے بھی عطا فرماتا) یہ آواز حضرت سلیمان علیہ السلام نے سن لی تھی۔ اسی وقت آپ نے تخت کو نیچے اتارنے کا حکم دیا آپ نیچے اترتے ہی اسی کسان کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں تاکہ تم آئندہ ایسی آرزو نہ کیا کرو جو تمہارے بس یا تمہارے لائق نہ ہو۔ پھر فرمایا تمہارا ایک بار سبحان اللہ کہنا داؤد علیہ السلام کی آل کی نعمتوں سے بہتر ہے۔

مدینہ منورہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی حاضری صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۳۳ ج ۶ مطبوعہ استمبول جدید میں لکھتے ہیں سلیمان علیہ السلام مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فقال ھذہ دار ھجرۃ نبی آخر الزمان طوبی لمن آمن بہ وطوبی لمن اتبعہ وطوبی لمن اقتدی بہ۔ سلیمان علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مدینہ پاک سے گذرے تو فرمایا یہی نبی آخر الزمان علیہ السلام کی ہجرت گاہ ہے اُسے مبارک ہو جو آپ پر ایمان لائے۔ اور اسے جو آپ کی فرمانبرداری کرے یا اسے جو آپ کی اقتداء کرے۔

حَتّٰٓی اِذَآ یہاں تک کہ گذرے **اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ** چیونٹیوں کی وادی کے اوپر سے۔

ف: بعض نے کہا کہ اتی کا صلہ علی ہے کہ یہاں اتیان بمعنی قطع مسافت ہے جیسے کہا جاتا ہے اتی علی الشئ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے کو پورا کر لے اور منزل مقصود کو مکمل کر لے ان قائلین کا یہ خیال اس لیے ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر سے اس وقت خطرہ ہوتا تھا جب وہ کہیں جاکر اترتے ورنہ ہوا کے اڑتے ہوئے کسی کو ان سے خطرہ نہ ہوتا تھا۔ (کذا فی الارشاد) اس سے مزید آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔

حل لغات وادی ہر وہ جگہ جہاں سے پانی بہ نکلے النملۃ نمل کا واحد ہے بمعنے چیونٹی یہ تنمل سے مشتق ہے بمعنے حرکت کرنا چونکہ یہ بکثرت حرکت کرتی رہتی ہے۔ باوجودیکہ اس کے ہاتھ پاؤں قلیل ہیں۔ اس لیے اسی نام سے موسوم ہے اور وادالنمل اس لیے موسوم ہے ان کی کثرت کی وجہ سے یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے بلاد الثلج برفانی شہر ہے یہاں پر شام کے علاقہ کی ایک وادی ہے یا طائف میں یہ وادی واقع ہے کیونکہ وہاں چیونٹیاں بکثرت ہیں اور مشہور یہ ہے کہ یہاں چھوٹی چیونٹیاں مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہاں کی چیونٹیاں بھیڑیے اور عربی اونٹوں جتنا موٹی تھیں بعض نے کہا وہاں کی وادی میں جن رہتے تھے جن پر چیونٹیاں سواری کرتی تھیں۔

تفسیر عالمانہ **قَالَتْ نَمْلَةٌ يٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ج** چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو گھس جاؤ اپنے بلوں میں یہ اذا کا جواب ہے گویا جب چیونٹی نے انہیں دیکھا کہ سلیمان علیہ السلام

marfat.com

لشکر سمیت ان کی وادی کی طرف متوجہ ہیں تو چیونٹی بھاگی اور وہ تمام موجودہ چیونٹیاں بھی متنبہ ہو گئیں۔ اس کے پیچھے تمام چیونٹیاں دوڑیں۔

سوال : یہ خطابات تو عقلاء کے ہوتے ہیں اور چیونٹی تو غیر ذوالعقول میں سے تھی؟

جواب : یہ عموماً ہوتا ہے غیر ذوی العقول کو ذوی العقول قرار دے کر ان پر ذوی العقول کے احکام جاری کرتے ہیں۔

جواب۲ : اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں عقل پیدا کر دی اور وہ قادر ہے کہ غیر ذوی العقول کو عقل بخشے اور پھر ان پر ذوی العقول کے طریقہ پر اعمال و افعال صادر ہوتے ہیں۔

یہ چیونٹی لنگڑی تھی اس کے دو پر تھے جو مرغ یا شتر مرغ کے پروں کے برابر تھے۔ یا بھیڑیئے کے قد کے برابر **اعجوبہ** اور وہ چیونٹیوں کی ملکہ یعنی سردار تھی۔ اس کا نام منذرہ یا طانیہ یا جرمی تھا۔ اس کا یہ نام توراۃ یا انجیل یا کسی صحیفہ میں لکھا ملتا ہے اور اس کا یہ نام اللہ نے رکھا یا سلیمان علیہ السلام سے پہلے انبیاء علیہم السلام اسے اس نام سے موسوم کرتے چلے آئے۔ اس کا نام اس کے بولنے کی وجہ سے مشہور ہوا ورنہ چیونٹی کے علمیہ اسماء کیسے اور نہ ہی چیونٹیاں اپنی ایک دوسری کو خاص نام سے موسوم کرتی ہیں اور نہ ہی انسانوں کو ان کی شکلوں سے پہچان ہوتی ہے کہ یہ فلاں ہے اور وہ فلاں اور نہ ہی ابنائے آدم کے ماتحت ہیں کہ وہ انہیں اپنے گھوڑوں اور کتوں وغیرہ کی طرح نام سے یاد کریں (کذا فی التعریف والاعلام للسہیلی رحمۃ اللہ علیہ)

ف : نملہ مؤنث حقیقی ہے اس لیے کہ اس کے فعل میں تاء تانیث ہے اگر فعل میں تاء ہوتی تو نملہ کو مذکر سمجھا جاتا۔ کیونکہ لفظ نملہ کا اطلاق مؤنث و مذکر ہر دونوں کے لیے برابر طور مستعمل ہوتا ہے جب ان میں امتیاز معارب ہوتا ہے تو کسی خارجی امر سے فرق کیا جاتا ہے مثلاً کہا جائے گا۔

نملۃ انثی و نملۃ ذکر ایسے ہی حمامۃ و یمامۃ و دیگر مؤنث لفظیہ کا حالی ہے۔

حاشیہ اعجوبہ : عربی میں ہر انڈے کو بیض لکھیں گے سوائے چیونٹی کے کہ اس کے انڈے کو بیظ (ظاء) کے ساتھ لکھتے ہیں۔ (کنز مدفون)

ف : اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں ولا الضآلین یعنی ضاء کو ظاء کے مخرج میں نہ پڑھنا چاہیے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی اور عمداً پڑھنے سے کفر لازم آتا ہے کیونکہ بسا اوقات معنی میں تغیر فاحش ہو جاتا ہے۔ تفصیل فقیر کے رسالہ میں موجود ہے۔ رسالے کا نام یہ ہے: "رفع الفساد فی الظاء والضاد"۔

marfat.ocm

حکایت امام (فخرالدینؒ) نے کہا کہ حضرت قتادہ کوفہ میں تشریف لائے آپ نے اعلان کیا کہ مجھ سے جو چاہو پوچھو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ابھی بچے تھے آپ نے لوگوں سے فرمایا ان سے سوال کرو کہ سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی نر تھی یا مادہ۔ حضرت قتادہ سے سوال کیا گیا تو جواب دے سکے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے فرمایا وہ مادہ تھی اس لیے کہ اس کا فعل قالت (مؤنث) ہے اگر نر ہوتی تو قال نملۃ کہا جاتا۔

ف: نملۃ حمامۃ و شاۃ کریہ مذکر و مؤنث ہر دونوں کی طرح مستعمل ہوتے ہیں۔ امتیاز کے لیے خارجی قرینہ کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے حمامۃ ذکر و حمامۃ انثی اور فائدہ ہوا ورقی ہر دونوں (مؤنث و مذکر) رائج ہوتے ہیں ورنہ قامت طلحۃ و حمزۃ نہیں کہا جاتا۔

لَا يَحْطِمَنَّكُمْ تمہیں نہ روندیں۔

حل لغات: حطم بمعنی توڑنا۔ کعبہ کے حلیم کو بھی اسی لیے حلیم کہا جاتا ہے اس کا ایک حصہ اس سے علیحدہ کیا گیا ہے [1]

سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ یہ جملہ مستانفہ ہے یا امر (لا یحطمنکم) سے بدل ہے لیکن یہ امر وہ ہے جسے جواب کی ضرورت نہیں۔ قاعدہ ہے کہ امر میں نون تاکید (ثقیلہ و خفیفہ) بوقت کلام کے وقت میں داخل نہیں ہوتا دریں جواب کے مطالبہ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

ف: یہاں امر سے معنوی امر مراد ہے ورنہ لا یحطمنکم تو صیغہ نہی کا ہے۔ یاد رہے کہ چیونٹی نے حطم سے روکا ہے اس سے مراد ٹھہرنا اور پیچھے ہٹنا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ لشکر تمہارے بلوں کو روند نہ دے اس لیے ان کے پہنچنے سے پہلے ہی بلوں میں گھس جاؤ۔

سوال: چیونٹی کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ لشکر سلیمانی ہے اور اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ہیں؟

جواب: سب کو معلوم ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی فرمانبرداری کا حکم جیسے انسانوں کو تھا ایسے ہی

---

[1] حلیم ایک قوس نما سنگِ مرمر کی دیوار ہے۔ بلندی ڈیڑھ گز ہے۔ یہ دیوار کعبہ کے ساتھ واقع ہے۔ دیوارِ کعبہ اور حلیم کے درمیان ایک راستہ ہے۔ یہ بھی نوافل اور اجابتِ دعا کا مقام ہے۔ اس کا اندرونی حصہ ۴ فٹ ہے۔ اس کا طول دیوار کعبہ اندرونی حصہ ۴ فٹ پانچ انچ ہے۔

مسئلہ: اس کے باہر سے طواف کرنا افضل ہے۔ اگرچہ اندر سے گزر کر طواف کرنا بھی جائز ہے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہاں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور بی بی ہاجرہ کے مزارات ہیں جو لوگ مزارات کی حاضری کو شرک کہتے ہیں وہ طواف جیسی عبادت میں ان مزارات کے گرد گھومنے پر کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ (تفصیل فقیر کے سفرنامہ "مدینہ کے راہی" میں پڑھیے)۔

marfat.com

جملہ حیوانات اور پرندوں کو بھی تھا اور یہ چیونٹی بھی منجملہ انہی میں سے تھی اور قاعدہ ہے کہ جو کسی کی اطاعت پر مامور ہوتا ہے اور اسے جانتا بھی ہے۔

چیونٹی کے فہم و ذکا کا بیان چیونٹی دوسرے جانوروں سے زائد فہم رکھتی ہے۔ مثلاً اسے معلوم ہے کہ سردیوں کے لیے اناج جمع کرکے رکھتا ہے کہ وہ دانوں کو دو ٹوٹے کر دیتی ہے کیونکہ اسے دو ٹکڑے نہ کیا جائے تو وہ اگ آتا ہے یہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا ایسے وہ کزبرہ کے دانہ کے چار ٹکڑے کر دیتی ہے کیونکہ اسے چار حصے نہ کیا جائے تو وہ پھر دوبارہ اگ آتا ہے۔ یہ بھی چیونٹی کے فہم کی اعلیٰ دلیل ہے۔ اس کے باوجود اگر دانے پر پانی کی تری پڑ جائے تو اسے باہر لے جاکر دھوپ میں سکھاتی (خشک کرتی ہے) ہے تاکہ یہ دانہ دوبارہ اُگنے کے لائق نہ رہے کیونکہ خشک دانہ پر پانی پڑ جائے تو وہ اُگنے کے لائق بن جاتا ہے۔

چیونٹی کے انڈے حیوۃ الحیوان میں ہے کہ چیونٹی دوسرے جانوروں نر، مادہ کی طرح جفتی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس میں نر مادہ کی کیفیت ہوتی ہے۔ ان کے توالد و تناسل کا قصہ یوں ہوتا ہے کہ ہر چیونٹی سے معمولی سی کوئی شئے زمین پر گرتی ہے تو وہ شئے پھر بڑھنے لگتی ہے یہاں تک کہ وہ انڈے کی شکل اختیار کر لیتی ہے پھر اسی سے ہی چیونٹی کے بچگان پیدا ہوتے ہیں۔

ف: ہر انڈہ کو عربی میں بیض (بالضاد) کہا جائے گا سوائے چیونٹی کے کہ اس کے انڈے مذکور کو بیظ بالظاء سے تعبیر کیا جائے گا۔

وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ یہ لا یحطمنکم سے حال ہے یعنی ان کا یہ حال بمعنی روندنا ان سے لاشعوری سے ہو سکتا ہے کیونکہ جب وہ معلوم کر لیں گے تو اسے ہرگز نہیں کریں گے اس لیے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور آپ کے لشکر کے عدل و فضل کا تقاضا یہ ہے کہ نہ وہ چیونٹی کو روند سکتے ہیں نہ اس سے بڑے جانوروں کو روندتے ہیں نہ اس سے چھوٹے کو۔

چیونٹی کا پاک عقیدہ گویا چیونٹی کا عقیدہ تھا کہ انبیاء السلام ظلم و ایذاء سے معصوم ہوتے ہیں سوائے اس کے کہ یہ عمل ان سے سہواً ہو۔ چیونٹی کے اس عقیدہ کی نظر لشکر حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل ہے کہ اس کے لیے بھی اللہ نے فرمایا: فتصیبکم منهم معرة بغير علم تو تمہیں ان کی لاعلمی سے تمہیں ضرر پہنچے کیونکہ ان کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ کسی اہل ایمان کو ضرر پہنچائیں۔

لشکرِ سلیمانی اور لشکرِ محمدی کا فرق لشکرِ سلیمانی کے لیے اس فعل کا استثناء چیونٹی نے کیا ہے لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر کا استثنا خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس سے فرق خود ہی معلوم کیجیے کہ لشکرِ محمدی کو لشکرِ سلیمانی پر کتنی فضیلت حاصل ہے۔ ایسے ہی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

marfat.ocm

کو جملہ انبیاء علیہ السلام پر فضیلت ہے۔

سلیمان علیہ السلام کا دور سے سُننا مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کا یہ مقولہ تین میل سے سن لیا تھا جسے ہوا نے آپ تک یہ آواز پہنچائی۔

ف: ہوا ہر آواز کو ہر ایک کان میں پہنچاتی ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تخصیص یوں ہوئی کہ آپ کو ہر آواز مطلب کے مطابق پہنچنے کے بعد سمجھ آجاتی تھی اور بہت بڑی دوری کے لیے حائل نہ تھی بخلاف ہمارے کہ آواز ہم کو تو پہنچ رہی ہے لیکن ....

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا پس سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی بات سے ہنسنے لگے۔ اس سے سلیمان علیہ السلام کے ہنسنے کا مبالغہ کا بیان ہے کہ ان کے ہنسنے کا انتہائی مرتبہ یہی تھا دوسرے عوام جیسا ہنسنا نہ تھا کہ ان کے ہنسنے کا انتہا قہقہ ہوتا ہے اور انبیاء علیہ السلام سے قہقہ نہیں ہوتا یہ ان کی شان کے خلاف ہے اور انبیاء علیہ السلام کی ہنسی کا انتہا یہی تبسم ہے اور ضاحکا حال مقدرہ یا مؤکدہ ہے اب معنی یہ ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کے ڈرنے ڈرانے سے تعجب کرتے ہوئے ہنسے۔

حل لغات التبسم بمعنے وہ ہنسنا جس سے آواز صادر نہ ہو اب آیت کے معنی یہ ہوا کہ وہ ہنسے۔ درآنحالیکہ وہ ضاحک تھے لیکن یہاں ضحک سے ہنسنے میں شروع ہونا مراد ہے جیسا کہ اوپر گذرا ہے اور سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی کی ہوشیاری پر ہنسی آئی کہ وہ کیسے اپنی برادری کو ڈراتے ہوئے رہبری کر رہی ہے اور انہیں ان کی مصلحتوں سے آگاہ فرما رہی ہے۔

مسئلہ: یاد رہے کہ انبیاء علیہ السلام کا ہنسنا تبسم تک محدود ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی نئی چیز دیکھتا ہے یا اعجوبہ سنتا ہے تو متعجب ہو کر ہنستا ہے۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام کا ظاہراً تو چیونٹی کی کیفیت عجیبہ سے ہنسنا تھا لیکن درحقیقت اپنی حاصل کردہ نعمت پر خوشی کر رہے تھے کہ اس کریم نے مجھے چیونٹی کی بات سمجھنے اور دور سے سننے کی توفیق بخشی اور اظہار فرحت مطلوب تھا کہ اس مالک نے مجھے بہترین لشکر عطا فرمایا ہے کہ جس کے تقویٰ و شفقت کا اعتراف چیونٹیوں تک ہے۔

نکتہ: ہم نے یہ تقریر اسلام کے اس قاعدہ سے سمجھا ہے کہ ہر نبی علیہ السلام دنیوی امور کے لیے نہیں ہوتے بلکہ انہیں دینی امور سے فرحت اور خوشی ہوتی ہے۔

سلیمان علیہ السلام کے راکٹ کا بریک مروی ہے کہ چیونٹی نے صرف لشکر کی صرف آواز سنی اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ لشکر آسمان پر ہے یا زمین پر اس لیے اس نے عمومی حیثیت سے کہہ دیا شاید لشکر زمین پر ہے اے چیونٹیو بلوں میں گھس جاؤ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام

marfat.com

نے ہوا کو حکم فرمایا کہ تخت کو روک لے یہاں تک کہ چیونٹیاں بلوں میں داخل ہو جائیں چنانچہ آپ کا راکٹ وہیں تین میل دور رُک گیا پھر جب تک تمام چیونٹیاں بلوں میں داخل نہ ہو گئیں راکٹ روانہ نہ ہوا۔

لشکر زمین پر چل رہا تھا الوسیط میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر سے بعض سواریوں پر تھے اور بعض پیدل چل رہے تھے اسی لیے چیونٹی کو اپنے لشکر کے روندے جانے کا خطرہ ہوا اس تقریر پر یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب سلیمان علیہ السلام کو ہوا کی تسخیر کا معجزہ عطا نہیں ہوا تھا کیونکہ لشکر اگر آسمان پر ہوتا تو چیونٹی خوف نہ کھاتی۔

مکالمہ سلیمان علیہ السلام بہ نمل مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ چیونٹی کو میرے ہاں لاؤ چنانچہ چیونٹی حاضر کی گئی تو ذیل کا مکالمہ (گفتگو) ہوئی۔

سلیمان علیہ السلام: اے چیونٹی کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ میرا لشکر کسی پر ظلم و ستم نہیں کرتا۔

چیونٹی: بے شک میرا عقیدہ یہی ہے کہ آپ کا لشکر ظلم و ستم نہیں کرتا لیکن چونکہ میں ان سب کی سردار ہوں اسی لیے میرا فرض منصبی تھا کہ میں انہیں ہر نشیب و فراز سے آگاہ کروں۔

سلیمان علیہ السلام: کیا تمہیں معلوم نہ تھا کہ لشکر تو آسمان پر تھا تو پھر ان سے روندنے کا خطرہ کیسا۔

چیونٹی: معلوم تھا لیکن میں نے سمجھا کہ میرا لشکر آپ کے لشکر کی شوکت کو دیکھ کر دنیوی مشاغل میں مشغول ہو جائیں گے اس طرح ذکر الٰہی سے محروم ہو جائیں گے۔ ان کے روندے جانے سے ظاہری معنی مراد نہ تھا بلکہ باطنی معنی مراد ہے کہ ذکر الٰہی سے محرومی باطنی طور تباہی و بربادی ہی بربادی ہے۔

سلیمان علیہ السلام: اے چیونٹی تیری اس تقریر سے تیری قدر و قیمت میرے دل میں بڑھ گئی ہے فلہذا میرا جی چاہتا ہے تو مجھے کوئی پند و نصیحت سنا دے۔

چیونٹی: آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے والد گرامی کا نام داؤد علیہ السلام کیوں رکھا گیا۔

سلیمان علیہ السلام: نہیں۔

چیونٹی: آپ کے والد کا اسم گرامی داؤد علیہ السلام اس لیے تھا کہ انہوں نے زخمی دل کا دوا (علاج) کیا۔ گویا ان کا نام داوی جراحۃ قلبہ کا مخفف ہے۔ پھر چیونٹی نے سوال کیا کہ اے سلیمان علیہ السلام کیا آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کا نام سلیمان علیہ السلام کیوں ہے۔

سلیمان علیہ السلام: نہیں۔

چیونٹی: اس لیے کہ آپ سلیم الصدر و القلب ہیں۔ گویا سلیمان علیہ السلام انہی الفاظ کا مخفف ہے۔

چیونٹی کے لشکر اور اس کی سلطنت کا حدود اربعہ: کشف الاسرار میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے

چیونٹی سے پوچھا کہ تمہاری سلطنت کا حدود اربعہ اور تمہارے لشکر کی تعداد کتنی ہے؟ چیونٹی نے عرض کی کہ لشکر کی نگرانی کے لیے میں چار ہزار کوتوال رکھتی ہوں اور ان میں سے ہر ایک کے ماتحت چہل ہزار نقیب ہیں پھر ہر ایک نقیب کے تحت چہل ہزار چیونٹیاں رہتی ہیں۔

چیونٹیاں زیرِ زمین کیوں حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی سے فرمایا تو اپنے لشکر سے باہر کیوں نہیں جاتی چیونٹی نے عرض کی اے پیارے نبی علیہ السلام مجھے روئے زمین کا اختیار دیا گیا لیکن میں نے ٹھکرا دیا صرف اس لیے کہ مجھے اپنے لشکر رعیت کو چھوڑ کر کہیں جانا گوارہ نہیں بلکہ عرض کی کہ اے پروردگار عالم ہمیں زیرِ زمین رکھنا تا کہ تیرے سوا ہمیں کوئی نہ جانے اور ہم بھی تیرے سوا کسی کو نہ جانیں۔

سلیمان علیہ السلام کا چیونٹی سے نصیحت پذیر ہونا سیدنا سلیمان علیہ السلام سے چیونٹی نے کہا کہ آپ بھی تو مجھے بتادیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑی کون سی نعمت عطا فرمائی ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے ہوا کو میرے تابع کر دیا ہے۔ میں صبح کو مشرق میں ہوتا ہوں اور شام کو مغرب میں۔ چیونٹی نے کہا یہ تو کوئی بڑا کمال نہیں بلکہ اس میں تو اشارہ ہے کہ آپ کی شاہی اس کی مثال یہی ہے کہ گویا وہ ہوا پر سہارا کر رہا ہے

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نہ بر باد رفتی سحرگاہ و شام
سریر سلیمان علیہ السلام
باآخر ندیدی کہ بر باد رفت
خنک آنکہ با دانش و داد رفت

ترجمہ: کیا سلیمان علیہ السلام کا تخت صبح و شام ہوا پر نہیں چلتا تھا لیکن انجام کیا ہوا یہی کہ وہ مٹ کر رہ گیا فلہذا خوش قسمت ہے وہ انسان جو دانائی اور انصاف سے زندگی گذار گیا۔

یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ کہا اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے تاکہ میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کروں۔

حل لغات اوزع کا ہمزہ تعدیہ ہے الوزع بمعنے تفرق و انتشار سے روکنا جیسا کہ پہلے گذرا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے پروردگار مجھے توفیق دے کہ میں جمع کروں تیری نعمت کو اور اسے ایسا مضبوط کرلوں کہ وہ مجھ سے دور نہ ہو۔ یہاں تک کہ میں تیرے شکر کو نہ بھولوں۔ خلاصہ یہ کہ سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی کہ مجھے اپنے لشکر شکر کو جمع کرنے والا بنادے۔

marfat.com

ف : شکر کو جماعت نافر سے تشبیہ دینا استعارہ مکنیہ ہے اور اثبات الوزع والربط تخیل اور اس تشبیہ کا قرینہ ہے۔

حدیث شریف شکر ایک وحشی جانور ہے اسے شکر سے قید کرو۔ شکر کیا جائے تو نعمت قرار پکڑتی ہے ناکرو تو بھاگ جاتی ہے۔

ملفوظ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ سیدنا امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ جب تمہارے ہاں نعمت کے اطراف ہا تھ لگ جائیں تو قلت شکر سے انہیں دور نہ بھگاؤ۔ یعنی جو شخص نعمت حاصلہ کا شکر ادا نہیں کرتا وہ نعمت غیر حاصلہ کو خاک پائے گا۔

چون بیابی تو نعمتی ورچند
خرد باشد چو نقطۂ موہوم
شکر آن یافتہ فرو مگذار
کہ زنا یافتہ شوی محروم

ترجمہ : جب تمہیں نعمت نصیب ہو اگر چہ تھوڑی سہی تو تجھے وہ ایک نقطۂ موہوم کی طرح معمولی محسوس ہوگی لیکن تیرے لیے لازم ہے کہ اس حاصل کردہ نعمت کو شکر کے بغیر نہ چھوڑ ورنہ غیر حاصل شدہ نعمت سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔

اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وہ جو کہ تو نے مجھے نعمت عطا فرمائی۔ علم و نبوت اور ملک و عدل اور پرندوں وغیرہ کی بولیوں کا سمجھنا وغیرہ وغیرہ۔ **وَعَلٰی وَالِدَیَّ** اور میرے والدین پر میرے باپ داؤد بن ایشاء کو نبوت۔ پہاڑوں اور پرندوں کا ان کے ساتھ تسبیح پڑھنا اور زرہ بننا اور لوہے کا موم ہو جانا وغیرہ وغیرہ اور میری والدہ پر یوں کہ :

یہ دراصل اوریا کی بیوی تھی اسی بی بی سے حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش ہوئی تھی۔ یہ بی بی مسلمان پاکیزہ صفت اور طیبہ و طاہرہ تھی یہی وہ بی بی ہے جس نے نصیحت فرمائی کہ اے بیٹے رات کو کم سویا کرو کیونکہ رات کو زیادہ نیند کرنا انسان کو قیامت میں زیادہ تنگ دست بنا دے گی۔ (کذافی کشف الاسرار)

نکتہ ماں باپ کا ذکر درمیان میں اس لیے لائے ہیں کہ ماں باپ پر عطا کردہ نعمتیں گویا اولاد کی نعمتوں سے نوازا گیا ہے۔ اسی لیے اولاد پر شکر کا اظہار ضروری ہے کیونکہ اعلیٰ اور شریف باپ کی طرف منسوب ہونا بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے تو بیٹے کو اس نعمت کا بھی شکر کرنا چاہیئے۔

تفسیر صوفیانہ سلیمان قلب نے کہا کہ اے پروردگار تو نے میرے باپ روح کو اپنے فیض سے فیض یاب فرمایا۔ اور میری ماں جسم کو ارکان شریعت میں استعمال فرمانے کی نعمت سے نوازا اور انہی دونوں امروں سے نعمت مکمل ہوتی ہے اے اللہ ہمیں نعمت والوں اور شکر گزاروں سے بنا۔ آمین

marfat.ocm

تفسیرِ عالمانہ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ اور مجھے ان اعمال کی توفیق بخش جن سے تو راضی ہو۔ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے اعمال کی توفیق عطا فرما جنہیں تو قبول کرے۔ وَاَدْخِلْنِیْ اور مجھے بہشت میں داخل فرما۔ بِرَحْمَتِكَ اپنی رحمت سے۔ اسی لیے کہ تیری رحمت و فضل کے سوا کوئی بھی بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اعمال کا کوئی بھروسہ نہیں۔ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ اپنے نیک بندوں کے ساتھ یعنی مجھے انہی کے ساتھ کر دے یہاں عباد صالحون سے انبیاء اور ان کے وہ تابعدار جو نیکیوں میں ان کی اقتدا کرتے ہیں۔

ف: اللہ تعالیٰ کی اصلاح دو قسم ہے: ۱۔ پیدائشی نیک ۲۔ ازالۂ فساد کے بعد پہلا دوسرے سے زیادہ برگزیدہ اور ایسے انسان نادر الوجود ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگوں کے اوائل احوال متکدرہ اور برائیوں سے مخلوط اور حجب کثیرہ میں محجوب ہوتے ہیں۔

ف: ابن الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الصلاح الکامل سے نیکی مراد ہے جس میں کسی قسم کے عصیاں کی ملاوٹ نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی برائی کا ارادہ کرے۔ یہ وہ بلند مرتبہ ہے جس کا طلب گار ہر نبی و ولی ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ کبر الحقائق میں ہے کہ وادیٔ نمل سے نفس حریص کی خواہشات برائے دنیا اور نمل منذرہ سے نفس لوامہ اور سلیمان سے قلب اور مساکن سے حواس خمسہ مراد ہیں۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ سلیمان علیہ السلام کے مرتبۂ عالی کے حصول کے بعد ان کے مشرب کا کاربند ہو کر ہمت بلند رکھے۔ جیسا کہ ان کا آسمانوں پر اڑنے کی ہمت دلالت کرتی ہے کیونکہ وہ زمین کی گہرائیوں سے ہٹ کر آسمان کی بلندی پر اڑتے اور وہ بھی بہت بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے کوئی معمولی بات نہیں۔ ہاں آپ کا چیونٹی سے گفتگو کرنا اور اس کی باتوں کو اپنے لیے لائحہ عمل کہنا تواضعاً تھا ورنہ کہاں نبوت کا اعلیٰ مرتبہ اور کہاں چیونٹی۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نظر کردن بدرویشاں منافیٔ بزرگی نیست
سلیمان باچنین حشمت نظر ہا بود بامورش

ترجمہ: فقیروں مسکینوں پر نظر کرنا بزرگی امیری کے خلاف نہیں سلیمان علیہ السلام باوجود اونچے مرتبہ کے چیونٹی پر نظر کرم فرمائی۔

اور جسے عشق کے پرندوں سے کچھ حاصل نہیں وہ پرندوں کی بولی خاک سمجھے گا۔ اور جو سلیمانِ وقت کو نہیں پا سکا وہ صوت کا معنی خاک سمجھے گا ؎

چون ندیدی دمے سلیمان را
تو چہ دانی زبان مرغان را

marfat.com

ترجمہ: جب تو نے دم سلیمان کو نہیں دیکھا تو تجھے پرندوں کی بولی کی کیا خبر۔

فائدہ صوفیانہ سلیمان سے وہ مرشد کامل مراد ہے کہ جس کے ہاتھ میں حقیقت کی انگشتری ہو اور اسی کے ذریعے ہی اقالیم قلوب کی حفاظت ہوتی ہے اور وہی اسرار غیب پر مطلع ہوتا ہے۔ ایسے مرشد کامل کے ساتھ ہر شے بات کرتی ہے۔ کوئی خود بخود کوئی بالاجبار والاکراہ اور بالاجبار والاکراہ اس کی تابعداری ہے وہ شیاطین ہیں یا ان جیسے دیگر اور (جو اولیاء کرام کے تصرفات کے قائل نہیں وہ سوچیں کیا وہ اس ارشاد گرامی کے مصداق نہیں اگر نہیں تو تصرفات اولیاء کا اقرار کریں ورنہ ......) اسی لیے لازم ہے کہ امام وقت کی معرفت حاصل کی جائے۔ (جیسے مرشد کامل)

حدیث شریف: جو امام وقت کو نہیں پہچانتا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

ف: حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنت کی دعا مانگ کر شکر پر ثابت قدمی، اصلاح و بھلائی اور خاتمہ بالخیر کی دعا مانگی ہے جیسے آپ کے آباء کرام علیہم السلام کا طریقہ تھا کہ وہ بھی اسی طرح کی دعائیں مانگتے چلے آئے اور یہ ان کی عظمت ہے اور سوء خاتمہ سے کوئی محفوظ نہیں۔ (سوائے انبیاء علیہم السلام کے)

سبق اس میں امت کو سبق دیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ شریعت کی اچھی حالت اور طریقت کے پسندیدہ مرتبہ اور معرفت کے برگزیدہ مقام اور حقیقت کے بلند درجہ پہ زندگی بسر کریں۔ کیونکہ جو شخص معرفت اور معاملہ عبودیت کو شریعت کے ساتھ نہیں ملاتا وہ تباہ و برباد ہوگا[1] بلکہ دنیا و آخرت میں فاسقین و ہالکین کے ساتھ ہوگا اسے ذرہ برابر بھی امور باطنہ و ظاہرہ میں صالحین کا ساتھ نصیب نہ ہوگا۔ ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اعمال حسنہ و احوال پسندیدہ کی توفیق بخشے اور زہد و تقویٰ کے علاوہ ہر اچھے اور نیک امر سے سنوارے وہی اجابت کے لائق اور ہر شے پر قادر ہے۔

تفسیر عالمانہ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ اور خبر لی اڑتے جانوروں کی۔

حل لغات التفقد القاموس میں ہے کہ التفقد بمعنے طلب الشئ من غيبة کوئی شے غائب ہونے پر اس کی تلاش کرنا اور کشف الاسرار میں ہے بمعنے طلب المفقود یعنی گم شدہ شے کی تلاش اور گم شدہ شے پر تفقد کا اطلاق اس لیے ہوتا ہے کہ اس کے طالب کو اس کے حال کا کچھ ادراک ہوتا ہے اور کچھ اس سے بے خبر ہوتا ہے۔ المفردات میں ہے التفقد بمعنے التعہد۔ فرق اتنا ہے کہ تفقد فقدان الشئ کے تصرف کو کہتے ہیں اور تعہد عہد متقدم کے تصرف کو کہا جاتا ہے۔ الطیر (پرندوں) کا جامع اسم ہے۔ (کذا فی الوسیط)

---

[1] اس صوفی جاہل کو کون سمجھائے جو شریعت کو کچھ نہیں سمجھتا ۱۲

marfat.ocm

اب معنی یہ ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا حال معلوم کیا تو ان میں ہُدہُد کو گم پایا اور وہی تمام پرندوں کا سردار تھا اس کا نام یعفور تھا۔

فَقَالَ مَالِیَ تو فرمایا مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میرا حال یہ ہے کہ **لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ** میں ہُدہُد کو نہیں دیکھ رہا۔ کسی پردے کی آڑ میں ہے یا کوئی اور سبب ہے جب واضح ہو گیا کہ وہ غیر موجود ہے تو سابق گفتگو سے ہٹ کر فرمایا:

اَمْ کَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ کیا وہ غائبین ہے بلکہ بات یہ ہے کہ کیا وہ غائب ہے اس تقدیر پر ام منقطعہ جس کا لفظ بل اور ہمزہ محذوف ہے اب معنی یہ ہوا کہ میں ہُدہُد کو پرندوں کی ٹولی میں نہیں دیکھ رہا۔ یا یہ ہے کہ میری آنکھ سے اوجھل ہے یا ہماری جماعت سے غائب ہو گیا ہے۔

ف : الوسیط میں ہے کہ مالی لا اری الهدهد کا معنی ہے ماللهدهد لم اره ہدہد کو کیا ہے کہ میں اسے نہیں دیکھ رہا اس لیے کہ اہل عرب کہتے ہیں مالی اراك کئیبا اور اس کا معنی کرتے ہیں تجھے کیا ہے کہ میں تجھے غمگین دیکھتا ہوں لیکن یہ قلب اس عبارت سے ہے جس کا معنی وضاحت کرتا ہے اگر اس کا معنی وضاحت نہ کر سکے وہ کلام مہمل ہو جاتا ہے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ بادشاہوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی مملکت میں ہوشیاری

اصول شاہانہ رکھیں اور قیام امور کا سلیقہ درست کریں اور رعایا کے جملہ امور پر کڑی نگرانی ہو اور بحیت کے معمولی سے معمولی فرد کے حالات سے بھی بے خبری نہ ہو۔ بادشاہ وقت پر جیسے بڑوں کی خبر گیری ضروری ہے اس سے کہیں بڑھ کر چھوٹوں کے حالات آگاہی ہو یہاں تک کہ ہر چھوٹا بڑا اس کی معلومات سے اوجھل نہ ہو جیسے سیدنا سلیمان علیہ السلام کا طریقہ کریمہ تھا کہ آپ پرندوں تک کے چھوٹے سے چھوٹے پرندوں کے حال سے بے خبر نہیں رہتے تھے اور پلک بھر بھی کوئی شے آپ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی ان کی شفقت کی کیفیت بھی قابل ستائش ہے باوجود یکہ یہ کوتاہی ہُدہُد سے سرزد ہوئی لیکن سلیمان علیہ السلام نے شفقت کے طور پر اپنی طرف منسوب فرمایا کما قال مالی اری الهدهد ورنہ فرماتے ماللهدهد لم اره رعایا کی تادیب بھی ضروری ہے۔ چنانچہ تادیبا فرمایا: ام کان من الغائبین۔ یعنی یہ بھی منجملہ ان سے ہو گیا ہے جو میری اجازت کے بغیر غائب ہو جاتے ہیں۔

ف : حیوۃ الحیوان میں ہے کہ ہُدہُد میں بدبو ہوتی ہے اس لیے یہ اپنا گھونسلہ گندگی کے ڈھیر میں بناتا ہے۔

جنون کا علاج : اس کے گوشت کی دھونی سونگھنے سے جنون چلا جاتا ہے۔

بندش کا علاج : عورت کے جماع سے قادر نہ ہونے والے کو ہدہد کا گوشت سونگھایا جائے تو اس کی بندش دفع ہو جائے گی۔

جادو کا علاج : اگر کسی پر جادو ہو تو ہدہد کے گوشت کو سونگھنے سے جادو رفع ہو جائے گا۔

marfat.com

مسئلہ: فتاویٰ زینیہ میں ہے کہ ہدہد کا گوشت حلال ہے۔

ربط: حضرت سلیمان علیہ السلام نے رعایا کی تادیب وغیرہ کے بعد اب قانون کی خلاف ورزی پر تہدید سنائی۔

اور فرمایا لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا البتہ ضرور سخت سزا دوں گا۔

حل لغات العذاب بمعنے الایجاع الشدید کسی کو سخت درد پہنچانا اور کہا جاتا ہے۔ عذبہ تعذیبًا یہ اس وقت ہے جب کسی کو کوئی عذاب کی صورت میں زیادہ دیر قید رکھے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ہدہد کو سخت عذاب کروں گا۔ یہ کہ اس کے بال نوچ کر اسے دھوپ میں ڈال دوں گا یا چیونٹیوں کو حکم دوں گا وہ اسے کھا جائیں گی یا اسے اس کے دشمنوں کے ساتھ پنجرے میں مقید کر دوں گا کیونکہ مشہور یہی ہے کہ کسی کو سخت سزا دینی ہو تو اسے اس کے مخالف کے ساتھ مقید کر دیا اسے اپنے پیاروں سے علیحدہ کر دو۔

ف: الف بمعنے جفت (زوجہ) یا اسے کسی غلط کار کی خدمت کرنے پر لگا دوں گا۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ہدہد کو اپنے سے دور کر دوں گا اور اپنے سے ایسا علیحدہ کر دوں گا کہ پھر کبھی منہ نہ لگاؤں گا یا اس کا کسی بڑھیا سے نکاح کر دوں گا۔ (انسان العیون)

یا اسے اس کے ہم جولیوں کی خدمت پر لگا دوں گا یا اسے اپنی خدمت سے محروم کر دوں گا۔

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اتنی بہت بڑی سزا ایسی شے کے لیے جو غیر مکلف ہے؟

جواب (۱): یہ تادیبی کارروائی ہے جو سنائی کسی کے لیے جاتی ہے اور عمل درآمد کسی اور کے لیے ہوتا ہے

جواب (۲): جانوروں اور بچوں پر بھی تادیبی کارروائی کی جاتی ہے اور وہ بھی غیر مکلف ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ غیر مکلف پر تادیبی کارروائی نہ ہو بالخصوص وہ غیر مکلف جیسے کسی کی اطاعت لازم ہو اور وہ کوتاہی کرے تو پھر وہ ایسی سزاؤں کا مستحق ہوتا ہے۔

معجزۂ سلیمانی حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ہُدہُد کے علاوہ ہر پرندہ بلکہ تمام جن وانسان اور شیاطین اور جملہ حیوانات سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان تھے اور ان کے مناسب احوال پر وہ مکلف بھی تھے اور اس کا انہیں فہم وادراک بھی تھا اور ان کے احوال اس وقت ایسے تھے جیسے تکلیف میں انسان کے حالات ہوتے ہیں یعنی وہ اوامر ونواہی کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا (کذا فی التاویلات النجمیہ)

اَوْ لَاَذْبَحَنَّهٗٓ یا اسے ذبح کر ڈالوں گا کہ آئندہ اس کی نسل بھی ختم ہو جائے یا اس کے ابنائے جنس اس سے عبرت پکڑیں۔

اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ میں اس سخت عذاب میں ذبح کر ڈالوں۔

marfat.ocm

حل لغات: الذبح بمعنے انسان وغیرہ کا حلق چیرنا۔
اَوْلَيَاْتِيَنِّيْ یہ دراصل تین نونات سے تھا یائے متکلم سے پہلے والے نون کو حذف کر لیا گیا **بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ** یالائے دلیل ظاہر یعنی ایسی حجت کہ جس سے اس کا عذر ظاہر ہو۔ یعنی کوئی ایسی دلیل لائے کہ جس سے اس کی گمشدگی کا قابل قبول عذر ہو پھر یہ میری سزا سے بچ جائے گا۔

ملک چلانے کا گر شاہی سیاست کے بغیر نہیں چل سکتی اور نہ ہی عدل و انصاف کے بغیر چلنا اس کا ممکن ہو سکتا ہے اسی لیے ضروری ہے کہ مجرمین کے جرائم سے زائد سزا نہ ہو اور نہ ہی واضح عذر کے باوجود کسی کو سزا دی جائے عذر کا قبول کرنا بھی بحث و تحیص کے بعد ہو۔

ف: قسم اٹھانا پہلے دو میں سے ایک کے ہونے پر اور لفظ **او** پہلے دو میں تخییر کے لیے اور تیسرے میں تردید کے لیے ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی مکہ میں آمد و رفت مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو مکہ معظمہ کی طرف حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور حرم شریف میں جی بھر کر اقامت پذیر رہے اور اپنی اقامت گاہ پر روزانہ پانچ ہزار اونٹنیاں اور پانچ ہزار گائیں اور بیس ہزار بکریاں خیرات کرتے۔ پھر یمن کی طرف روانگی فرمائی صبح کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے سہیل تک جانے کا پروگرام تھا۔ دوپہر کے وقت تک صنعاء یمن پہنچ گئے۔ مکہ سے صنعاء یمن تک ایک ماہ کا سفر تھا۔ صنعاء یمن کی زمین اچھی لگی کیونکہ یہاں دیکھا کہ یہ سرسبز علاقہ تھا لیکن اترتے ہی پانی نہ پایا چونکہ پانی کی تلاش پر ہدہد مامور تھا اس لیے کہ وہ زمین کے اندر سے پانی کو دیکھ لیتا تھا جیسے ہم کسی شے کو شیشے کے اندر سے دیکھ لیتے ہیں اور وہ پانی کی ناپ جان لیتا تھا کہ یہاں نیچے پانی کتنا ہے۔ پانی کی جگہ پر چونچ رکھتا تھا تو شیاطین آکر اس زمین کے ٹکڑے کو ایسے دور پھینک دیتے تھے جیسے جانور کا چمڑا ادھیڑا جاتا ہے اس طرح سے پانی آسانی سے میسر آجاتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلایا تو وہ غیر موجود تھا۔

ہدہد سلیمانی کو بلقیس کے ہدہد کی دعوت تقدیر ربانی جب آتی ہے تو اسے کوئی شے نہیں روک سکتی۔ بہت سے بندگان خدا دوسروں کے لیے تو گڑھا کھودتے ہیں لیکن خود اس میں گر کر مر جاتے ہیں۔ ہدہد پر تقدیر واقع ہوئی۔ ہوا یوں کہ ہدہد جب دیکھتا کہ سلیمان علیہ السلام اقامت گاہ میں آرام فرما ہیں تو وہ اونچا اڑ کر زمین پر نگاہ ڈالتا یعنی آزادی سے سیر و سیاحت میں مصروف ہو جاتا۔ یہاں یمن میں اونچائی سے دیکھا تو اسے ایک اور ہدہد نظر آیا جس کا نام عنفیر تھا جو ایک جگہ پر وہ ٹھہرا ہوا تھا تو اسے دیکھ کر وہ نیچے اترا یا دونوں گلے ملے۔ سلیمانی ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اوصاف کریمہ بتائے اور اس کی شاہی کے حالات بتائے اور بلقیس کے ہدہد نے اپنی ملکہ کی باتیں سنائیں اور کہا کہ اس کے ماتحت ایک لاکھ لیڈر ہے اور ہر لیڈر کے ماتحت ایک ایک لاکھ افراد رہتے ہیں۔ سلیمانی ہدہد کو بلقیس کی شاہی کے دیکھنے کا شوق ہوا تو چلا گیا اور بلقیس کی شاہی کی سیر

marfat.com

کرتے عصر ہو گئی۔

اس کو اللہ نے فرمایا **فَمَكَثَ** ۔ تو ٹھہرا۔

حل لغات: المکث بمعنے انتظار کے بعد کسی جگہ ٹھہرنا یعنی ہدہد ٹھہرا۔

غَيْرَ بَعِيدٍ تھوڑی سی دیر۔ اس میں اشارہ ہے کہ اس کی غیر موجودگی اگرچہ عذاب شدید یعنے سلیمان علیہ السلام کی حاضری سے محرومی و دیگر منافع کا نقصان لیکن درحقیقت وہ سعادت ہی تھی کہ واپسی کے لیے تیز رفتاری اور جبر نقصان کی تدبیر کی۔

ہدہد کی واپسی اور اس سے باز پُرس حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہدہد کی غیر موجودگی پر احساس ہوا کہ چونکہ دھوپ سے بچنے کے لیے پرندوں کو مقرر کیا ہوا تھا اور جب ہدہد اپنی جگہ چھوڑ گیا تو دھوپ محسوس ہوئی تو پوچھا کہ ہدہد کہاں ہے نہ پانے پر گدھ کو بلایا اور فرمایا دیکھ کہاں گیا۔ گدھ نے اڑ کر دیکھا تو اسے نظر نہ آیا اس کے بعد عقاب کو حکم ملا۔ عقاب نے اڑ کر دیکھا تو واپس آرہا تھا آگے جا کر ملا ہدہد ڈر گیا۔ عقاب کو کہا تمہیں اس رب کی قسم جس نے تجھے قدرت و قوت بخشی مجھے کچھ نہ کہنا بلکہ بتائیے سلیمان علیہ السلام میرے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ عقاب نے کہا کہ وہ قسم اٹھا چکے ہیں کہ ہدہد واپس آیا تو اسے ضرور سزا دوں گا۔ ہدہد نے کہا قسم مطلق ہے یا اس سے استثناء بھی فرمایا تھا۔ عقاب نے کہا ہاں ساتھ ہی فرمایا تھا کہ اگر کوئی معقول عذر لایا تو معاف کر دوں گا۔ ہدہد نے کہا اب خیر ہے چنانچہ ہدہد جونہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں پہنچا تو پر پھیلائے اور گردن نیچی کر کے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دی تو سلیمان علیہ السلام نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنی طرف کھینچا تو ہدہد نے کہا اے پیارے نبی آپ اپنی حاضری بارگاہ حق کی یاد کیجئے یہ سن کر سلیمان علیہ السلام تھرا گئے۔ مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے فرمایا اگر تو چاہے تو تیرے پر و بال اڑا کر تجھے دھوپ میں پھینک دوں ہدہد نے کہا آپ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے کیونکہ یہ تو شکاری کرتے ہیں اور آپ تو پیغمبر ہیں۔ پھر سلیمان علیہ السلام نے کہا میرا جی چاہتا ہے کہ میں تیرے گلے پر چھری چلا دوں۔ ہدہد نے کہا یہ بھی آپ نہیں کر سکتے کیونکہ یہ قصابوں کا کام ہے اور آپ تو نبی ہیں۔ پھر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میں چاہتا ہوں تجھے ناجنسوں کے ساتھ قید کر دوں عرض کی کہ آپ یہ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ یہ کام خسیس لوگوں کا ہے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے شان پیغمبری سے نوازا ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تو پھر کیا کروں عرض کی معاف فرما دیں کیونکہ معاف کرنا انبیاء علیہ السلام کی شان ہے۔ اس پر آپ نے اسے معاف فرما دیا پھر حالات پوچھے؛

تو ہدہد نے کہا **فَقَالَ اَحَطْتُ** الاحاطة العلم بالشی من جمیع جہاتہ شے کو اس کی جمیع جہات سے جاننے کو احاطہ کہا جاتا ہے [1]۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

marfat.ocm

بِمَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ میں نے اس کا گھیرا کیا ہے جس کا تم نے گھیرا نہیں کیا یعنی علم و معرفت اور اس کی جمیع جہات سے حفظ نہیں کیا کیونکہ اسے سلیمان علیہ السلام نے مشاہدہ نہیں فرمایا تھا اور نہ ہی کسی جن و انس نے آپ کو اس کی خبر دی تھی اس میں اشارہ ہے کہ اللہ کا کرم وسیع ہے کہ وہ ایک پرندے کو کسی شے کا علم دے دے جس سے اس وقت تک نبی مرسل کو معلوم نہ ہوا ہو اور یہ نبوت کے شان کے خلاف بھی نہیں کیونکہ نبی و رسول کو نبوت کے سوا کسی اور غیر نافع باتوں کا جاننا ان کے لیے ضروری نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسے غیر نافع علوم سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پناہ مانگتے تھے۔ کما قال علیہ السلام اعوذبک من علم لاینفع میں پناہ مانگتا ہوں غیر نافع علم سے۔

خلاصہ یہ کہ ظاہری طور ہدہد کا احاطہ سلیمان علیہ السلام کے شان اعلیٰ سے بڑھ جانے کا توہم غلط ہے کیونکہ ہدہد کا امور حسیہ کا احاطہ اور سلیمان علیہ السلام کا عدم احاطہ یا اس سے بے خبر رہنا آپ کی شان کی کمی کی وجہ سے نہیں۔ اس لیے کہ امور محسوسہ کے ادراک و عدم ادراک میں عقلا و غیر عقلا برابر ہیں۔ اس میں فوقیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

سوال الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ ایسا خطاب یعنی ادنیٰ اعلیٰ کو کہے کہ میں نے احاطہ کیا ہے لیکن تو نے احاطہ نہیں کیا تو سوء ادب ہے کہ جو ادنیٰ ہر وقت اعلیٰ کے ساتھ رہتا ہے۔ اسے تو ایسا کہنا ہی بہت بڑی گستاخی ہے۔؟

جواب : چونکہ اصل مقصد کو بعد میں بیان کیا گیا ہے جب ایسے فوائد کا ذکر فوراً بیان کر دیا جائے ایسے خطابات اکابر برداشت کر لیتے ہیں۔

ربط : ہدہد نے حقیقت واضح کرتے ہوئے کہہ دیا کہ میں اگرچہ گم رہا لیکن وہاں بھی آپ کی خدمت کے لیے گیا تھا۔ چنانچہ سن لیجیے اگر غلط ہو تو پھر سزا دیں۔

وَجِئۡتُكَ مِنۡ سَبَاٍۭ اور میں آپ کے ہاں حاضر ہوا ہوں سبا کے شہر سے جسے مآرب بھی کہتے ہیں۔

بِنَبَاٍ يَّقِيۡنٍ یقینی خبر اور ہے بھی بہت بڑی عظیم القدر اور اس میں بالکل شک نہیں اس میں اشارہ ہے کہ مخبر پر لازم ہے کہ وہ خبر سنائے جس میں سو لہ آنے یقین ہو بالخصوص بادشاہوں کی بارگاہ میں۔

ف : سبا منصرف ہے اور یمن کے ایک قبیلے کا نام ہے اور اپنے جد اکبر کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئے۔

نسب نامہ سبا اور اس کا تعارف سبا بن یشعب بن یعرب بن قحطان۔ بعض نے کہا اس کا نام عبد الشمس اور سبا اس کا لقب تھا اس لیے یہی سب سے پہلا تھا اس کے بعد

ف (حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس سے رد ہو گیا دیوبندی وہابی فرقہ کا جب کہ وہ اسی آیت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم کی نفی کرتا ہے۔

marfat.com

مآرب کے شہر کا نام پڑ گیا۔ صنعاء اور اس کے درمیان تین دنوں کا فاصلہ ہے بعض نے کہا سبا یہی وہ بادشاہ ہے جس نے سب سے پہلے شاہی تاج سر پر رکھا۔ اس کے دس لڑکے تھے چھ یمن میں رہتے تھے اور چار شام میں۔ جو شام میں رہتے تھے ان کے نام یہ ہیں: ۱۔ لخم ۲۔ جذام ۳۔ عاملہ ۴۔ غسان۔

اور وہ جو چھ یمن میں رہتے تھے ان کے نام یہ ہیں: ۱۔ کندہ ۲۔ اشعر ۳۔ ازد ۴۔ مذحج ۵۔ انمار ۶۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کی گئی یا رسول اللہ انمار کون تھا آپ نے فرمایا خشعم و بجیلہ کا باپ تھا۔

ف: المفردات میں ہے کہ سبا مکان کا نام ہے جہاں سے متفرق قبیلے دوسرے علاقوں میں پھیلے جیسا کہ کہا جاتا ہے ذھبوا ایادی سبا یعنی اس جگہ کے لوگ دوسری جگہوں میں متفرق ہوئے۔

سوال: جب بلقیس اتنی بڑی ملکہ تھی تو پھر سلیمان علیہ السلام سے اس کے حالات مخفی کیوں رہے؟

جواب: جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام صنعاء میں نازل ہوئے اور وہ مآرب میں رہتی تھی جس کا درمیانی فاصلہ تین ایام کا تھا یا تین میل یا تین فرسخ یعنی نو میل کا فاصلہ پر تھی آج کے دور میں اگرچہ اتنا بڑا فاصلہ نہیں لیکن اس دور کے لحاظ سے بہت بڑا فاصلہ ہے پھر اس میں اللہ کی حکمت کا تقاضا یہی تھا جیسے یعقوب علیہ السلام کے متعلق ہے کہ یوسف علیہ السلام باوجودیکہ اول دنوں میں قریب کے فاصلہ پر تھے لیکن یعقوب علیہ السلام کی توجہ وہاں سے ہٹا لی گئی اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

ترجمہ: کبھی تو ہم عرش اعلیٰ پر بیٹھتے ہیں اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت بھی نہیں دیکھتے۔

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ بے شک میں نے ایک عورت کو دیکھا جو ان پر شاہی کر رہی ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے جو ہدہد خبر لایا ہے اس کا بیان ہے۔

ف: رایتُ کو وجدتُ اس لیے کہا گیا کہ ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کو یقین دلانا چاہتا ہے کہ وہ اس عرصہ میں ان کی خدمت کے لیے باہر رہا ہے۔ اگرچہ ان سے دور رہا تب بھی ان کے کام میں لگا رہا کہ ایک ایسی عورت کے حالات کے متعلق واقفیت حاصل کی جو گویا سلیمان علیہ السلام کے لیے ضرورت کی شے تھی جسے وہ حاصل کر کے آپ کے سامنے پیش کر رہا ہے۔

ف: ھم کا مرجع یا تو اس لیے ہے کہ وہ قبیلہ کا نام ہے یا اس لیے کہ اس کے اہل مراد ہیں جس پر ان کے شہر کا ذکر دلالت کرتا ہے۔

marfat.ocm

بلقیس کا تعارف اور اس کی شاہی سبا کے لوگوں پر شاہی کرنے والی عورت تھی۔ یہاں پر ان کے مالک ہونے ان کی گردن کی ملکیت مراد نہیں بلکہ شاہی مراد ہے۔ اور وہ یعرب بن قحطان کی اولاد سے تھی اس کا باپ یمن کا بادشاہ تھا۔ دراصل اس سے بلقیس بنت شرجیل بن مالک بن ریان مراد ہے۔ اور یہی یعرب بن قحطان کی اولاد تھی۔ ان کی شاہی چالیس پشتوں سے بطور وراثت چلی آرہی تھی۔ اسی بلقیس کے اور کوئی اولاد نہ تھی اور وہ باپ کی وراثت پر یمن کی ملکہ بنی اور تمام لوگ اس کے زیر فرمان رہتے تھے۔ وہ خود اور اس کی قوم آتش پرست تھی۔

بلقیس کی ماں جنّیہ تھی بلقیس کے باپ شاہان وقت نے نکاح کی پیش کش کی تو وہ کہتا میری کفو کا کوئی نہیں اسی لیے میں نے شادی نہیں کی۔ اسی لیے جنیہ عورت سے اس کا نکاح کیا گیا جس کا نام فارعہ تھا یا ریحانہ بنت السکن تھا اس سے یہی بلقیس پیدا ہوئی جس کا نام بلقہ یا بلقیس (بالکسر) رکھا گیا۔ (کذا فی القاموس)

فائدہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن والنس میں سے ایک دوسرے کا نطفہ ٹھہرنا ممکن ہے۔ اس لیے کہ اگرچہ جنات آگ سے پیدا کیے گئے ہیں لیکن وہ اپنے عنصر ناری پر باقی نہیں رہتے۔ جیسے انسان اپنے عنصر ترابی پر باقی نہیں تو اس معنی پر ان کا آپس میں نکاح ممکن ہے (مزید تحقیق آکام المرجان میں ہے)

بعد وفات بلقیس کی کہانی عجیب مروان الحمار نے حکم فرمایا کہ تدمر (بروزن تنصّر) شہر کو تباہ و برباد کردو۔ جب شہر پر ہلا بولا گیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجائی گئی تو اس میں ایک مکان پایا گیا جس میں ایک مُردہ عورت ملی جس کا جسم ادویہ (مصبر وغیرہ) سے صحیح رکھا گیا تھا۔ اس کی شکل و صورت سورج کو شرما رہی تھی۔ اس کے پاس ایک تختی پڑی تھی جس پر لکھا تھا:

انا بلقیس صاحبة سلیمان بن داوٗد علیهما السلام خرب الله ملك من یخرب بیتی۔

ترجمہ: میں بلقیس زوجۂ سلیمان بن داوٗد علیہما السلام ہوں اللہ تعالیٰ اس کے ملک کو تباہ و برباد کرے جو میرے اس گھر کو خراب کرے گا۔ (روح البیان ص ۳۳۹ ج ۶ مطبوعہ استنبول جدید)

وَاُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اور وہ دی گئی ہے ہر وہ اشیاء جن کی بادشاہوں کو ضرورت پڑتی ہے۔ (اس سے وہابیہ کا رد ہو گیا کہ اگر حضور علیہ السلام کے لیے کل شے سے کلی علم ثابت ہے تو پھر بلقیس کے لیے بھی کل شے ہے)[ف] جیسے گھوڑے، لشکر اور پھر بکثرت سیاست اور ہیبت و حشمت اور مال و نعمت۔

ف: اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔

marfat.com

نکتہ : اس کے حسن و جمال کا ذکر ادب کے خلاف تھا اس لیے کہ انبیاء علیہ السلام کے سامنے غیر عورت کا حسن و جمال سنانا سوء ادب ہے۔

حدیث شریف : بہترین حسن تین چیزیں ہیں ۱۔ حسین چہرہ ۲۔ اچھی آواز ۳۔ خوش خلقی۔

ف : حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو اللہ سے محبت کرتا ہے اسے ہر ملیح شے سے انس و محبت ہوتی ہے اس لیے کہ ہر اچھا حسن حسن ازل کے معدن سے ظاہر ہوا ہے اور جو اللہ سے محبت نہیں کرتا اور پھر بھی اچھی شے سے محبت کرتا ہے تو وہ مجاز کا عاشق ہے

وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ اور اس کا بہت بڑا تخت یہ عظمت بلقیس اپنے حال کی بہ نسبت ہے یا بہ نسبت دیگر بادشاہوں کے ہے۔

تحقیق عرش عرش دراصل چھت والی شے کو کہا جاتا ہے لیکن اکثر بڑے تخت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور بلقیس کا تخت ۸۰ × ۸۰ گز تھا اور اونچا بھی ۸۰ گز تھا۔ اس کا اگلا حصہ سونے کا تھا یاقوت احمر و زبرجد اخضر سے جڑا گیا تھا اور اس کا پچھلا حصہ چاندی کے مختلف جواہر سے تیار کیا گیا تھا اس کے چار پائے تھے۔ ۱۔ یاقوت احمر ۲۔ یاقوت اخضر ۳۔ زبرجد ۴۔ موتی۔ اور اس کے کناروں پر سونا ہی سونا تھا۔ اس کے سات دروازے تھے اور ہر دروازہ مقفل تھا اور ہر جگہ بہترین قالین بچھی ہوئی تھیں۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ میں نے اسے اور اس کی قوم کو سورج کا پجاری پایا ہے یعنی اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر سورج پرستی کرتے ہیں۔ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ شیطان نے ان کے کردار اچھے بنا کر دکھائے ہیں۔ یعنی سورج پرستی اور دیگر ان کے قبیح کردار مثلاً کفر و معاصی بھلے بنا کر دکھائے۔ فَصَدَّهُمْ تو شیطان نے ان کو اپنے گندے کرداروں کی وجہ سے منع کیا ہے۔ عَنِ السَّبِيلِ راہ حق و صواب سے۔ السبیل وہ راستہ جس پر عادتاً عام طور پر چلیں۔ فَهُمْ اسی سبب مذکور سے لَا يَهْتَدُونَ وہ راہ نہیں پاتے۔ أَلَّا يَسْجُدُوا یہ مد کا مفعول ہے یہاں لام محذوف ہے دراصل عبارت لان لا یسجدو اتھی یہ ان کی مذمت ہے کہ انہوں نے ذات حق تعالیٰ کا سجدہ ترک کیا اسی لیے ان آیات کے اتمام پر سجدہ واجب ہے۔ لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ یہ کر سجدہ کریں اللہ تعالیٰ کے لیے وہ جو آسمانوں اور زمینوں سے چھپی چیزیں نکالتا ہے یہاں پر الخباء سے مخفی ذخائر مراد ہیں یعنی وہ چیزیں جو چھپی ہوئی ہیں کسی کے ظاہر کرنے سے ظاہر نہیں ہوتیں سوائے اللہ تعالیٰ کے جیسے تلج، مطر، نبات پانی وغیرہ۔ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ اور وہ جو تم دلوں میں چھپائے ہو انہیں وہی جانتا ہے وَمَا تُعْلِنُونَ اور انہیں جو تم زبانوں پر لاتے ہو اور اعضاء سے ظاہر کرتے ہو۔

نکتہ : وما تعلنون کے ذکر سے اس کے دائرۂ علم کی وسعت کا اظہار مطلوب ہے اور متنبہ کرنا ہے کہ اس کا علم ہر

marfat.ocm

طرح برابر ہے۔ ۱؎

بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پنہاں و پیدا بنزدش یکیست

ترجمہ: اس کے علم کے سامنے کوئی شے مخفی نہیں اس لیے کہ ظاہر و باطن اس کے لیے برابر ہے۔
اَللّٰہُ مبتدا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ مبتدا کی خبر ہے رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وہی بہت بڑے عرش کا رب ہے۔ یہ مبتدا کی دوسری خبر ہے اور عرش عظیم کو عظیم اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ جمیع مخلوق سے بڑا ہے اس سے ثابت ہوا کہ بلقیس کے تخت کی عظمت بہ نسبت دوسرے بادشاہوں کے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے عرش کی عظمت اللہ اللہ کہ اس کے آگے تمام زمین و آسمان یعنی چودہ طبق یک ذرہ و بے مقدار ہیں ۱؎
بہرحال ان دونوں عرشوں کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لیکن اس پر بھی عظیم کا اطلاق آیا ہے فلہذا شرک کیسا ۲؎

؎ چہ نسبت سہارا با آفتاب درخشاں۔

عرش الٰہی کی تحقیق المفردات میں ہے کہ عرش الٰہی ان امور سے ہے جن کی حقیقت کوئی فرد بشر نہیں جانتا سوائے اللہ کے عوام صرف اس کے نام سے واقف ہوتے ہیں اور بس یہی تصور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہوتا ہے جبکہ آپ کو بھی فرد بشر مانا جاتا ہے جبکہ ہم سب مانتے ہیں کہ:

۱؎: اور ہمارے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان اللہ، اللہ ؎

عرش است کمین پایہ زایون محمد صلی اللہ علیہ وسلم
جبریل امین خادم دربان محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

زہے عزت و اعتلائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کہ عرش حق ہے زیر پائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

۲؎: اسی لیے ہم اہلسنّت کہتے ہیں کہ وہ صفات جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں سوائے چند مخصوص صفات کے تمام کا اطلاق رسول اللہ و دیگر انبیاء علیہ السلام اور اولیاء کرام و دیگر عوام پر جائز ہے کیونکہ فرق معنوی سے شرک کا شائبہ نہیں رہتا ــــــــــــــــــــ ولکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون۔ اویسی غفرلہٗ۔

marfat.com

ع : عرش حق ہے مسند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ۔ سو جیسے یہی حکم عوام کے لیے ہے تو ایسے ہی دیگر امور عامہ کو سمجھیے کہ جس طرح اس عام حکم سے حضور علیہ السلام مُستثنیٰ ہیں ایسے ہی دیگر امور عامہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ کو ماننا ہوگا۔

ف : اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ حکایت از ہدہد احطتُ کے حکم میں الذی یخرج الخباء داخل نہ ہوگا کیونکہ یہ وہ علوم و معارف ہیں جسے ہدہد کو سلیمان علیہ السلام کے صدقے نصیب ہوئے اس کے ذکر میں اس لیے بیان ہوئے تاکہ معلوم ہو کہ ہدہد اس عقیدہ کا مالک تھا اور وہ اپنے عقیدہ و دین میں متصلب تھا اور یہ سب کچھ اسی لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہدہد کا عذر معقول تہ دل سے قبول فرمائیں اور بلقیس کے مقابلہ کے لیے مکمل طور تیاری کر کے اسے قابو میں لاسکیں۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تمہیں ہدہد کے قتل کرنے سے روکتا ہوں اس لیے کہ وہ سلیمان علیہ السلام کے لیے پانی کی رہبری کرتا اور بتاتا تھا کہ پانی قریب ہے یا بعید۔ اور محبوب رکھتا تھا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور کہتا تھا اے سلیمان علیہ السلام میں آپ کے ہاں یقینی خبر لایا ہوں وغیرہ وغیرہ"

ابو قلابہ کی ماں کا خواب اور عجیب تعبیر حضرت ابو قلابہ حافظ امام عالم عبد الملک بن محمد رقاش رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ حاملہ تھیں خواب دیکھا کہ انہوں نے ہدہد جنا ہے تعبیر پوچھی گئی تو کہا گیا کہ تو اگر سچی ہے تو بچہ جنے گی جو بڑا نیک نمازی ہوگا۔ امام مذکور اس بی بی سے پیدا ہوئے جب جوان ہوئے تو نماز بکثرت پڑھتے تھے یہاں تک کہ دن میں چار سو رکعت پڑھا کرتے اور ساٹھ ہزار حدیث کے حافظ تھے۔ آپ نے ۲۷۶ھ ہجری میں وصال فرمایا۔

مسئلہ : رب العرش العظیم پر سجدہ تلاوت کیا جائے اور بقول امام اعظم رضی اللہ عنہ، آٹھواں اور بقول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نواں سجدہ ہے۔

ف : فتوحات میں اس سجدے کو سجدہ تخفیف لکھا ہے اور سجدہ کی جگہ میں بھی اختلاف ہے بعض کے نزدیک وما تعلنون کے بعد اور بعض کے نزدیک رب العرش العظیم کے بعد لکھا ہے۔

سرت بسجدہ در آرار ہوای حق داری
کہ سجدہ شد سبب قرب حضرت باری

ترجمہ : سر سجدہ میں لا اگر حق پرستی کی خواہش رکھتے ہو تو اس لیے کہ سجدہ قرب حق تعالیٰ کے قرب کا سبب ہے۔

قَالَ یہ جملہ مستانفہ ہے اور سوال کا جواب ہے گویا کہا گیا ہے کہ ہدہد کے عذر پیش کرنے پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا فرمایا۔ تو اس کے جواب میں مجھ فرمایا کہ سَنَنْظُرُ ہم غور فرمائیں گے۔ اس امر میں جس کی تو خبر دے رہا ہے۔

marfat.ocm

النظر بمعنے التامل ہے اور سین تاکید کا ہے۔ یعنی تجربہ کریں گے تیری سنائی ہوئی خبر کا۔ اور حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ ہم تیری سنائی ہوئی خبر پر ابھی غور و فکر کرتے ہیں کہ أَصَدَقْتَ جو بات تُونے کہی ہے اس میں تو سچا ہے۔ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ یا جھوٹے لوگوں سے ہے۔

قاعدہ اصولیہ اس سے معلوم ہوا کہ خبر احد یعنی وہ خبر جسے ایک یا دو یا اس سے زائد خبر دیں جو درجۂ شہرت و تواتر کو نہ پہنچے تو وہ موجب علم نہیں بلکہ اس میں توقف ضروری ہے۔ البتہ اس پر عمل کرنا جائز ہوگا۔ نیز اس میں دلیل ہے کہ ایسی خبر کو ضائع نہ چھوڑا جائے بلکہ تحقیق کی جائے اگر اس میں صداقت کا پہلو نمایاں ہو تو اس پر عمل کیا جائے ورنہ چھوڑ دیا جائے۔

لطیفہ جب ہدہد نے بلقیس کے مال و دولت اور حسن و جمال کا ذکر کیا تو سلیمان علیہ السلام نے کچھ توجہ نہ دی لیکن جب اس نے اس کے دین کی بات چھیڑی کہ وہ سورج پرست ہے تو پھر متوجہ ہوئے اور اس کے دین (غلط دین) کی پرستاری پر اظہار ناراضگی فرماتے ہوئے کاغذ، قلم اور دوات منگوائی تاکہ اسے خط لکھ کر دین حق کی دعوت دیں۔

مکتوب گرامی سلیمان علیہ السلام برائے بلقیس اسی وقت یا بعد کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے درج ذیل گرامی نامہ لکھا کہ:

"من عبد اللہ سلیمان بن داؤد (علیہما السلام) الی ملکۃ بلقیس بسم اللہ الرحمٰن الرحیم السلام علی من اتبع الهدی اما بعد فلا تعلوا علی واتونی مسلمین۔

ترجمہ: یہ خط اللہ کے بندے سلیمان بن داؤد علیہما السلام سے ملکہ بلقیس کی طرف۔ شروع اللہ کے نام جو رحمٰن و رحیم ہے۔ سلام ہوں اس پر جو ہدایت کی تابعداری کرتا ہے بعد حمد کے اے بلقیس میرے سامنے تکبر نہ کر بلکہ میرے ہاں لشکر سمیت مسلمان ہو کر آجا۔

اس کو خوشبو سے معطر کر کے سربمہر کیا۔ آپ کی انگشتری پر اسم (اللہ) اعظم لکھا تھا۔ خط کو ہدہد کے حوالہ کیا اس نے خط کو چونچ میں رکھا یا دھاگہ باندھ کر گلے میں ڈالا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو خط مبارک دے کر فرمایا اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا میرا یہی خط لے جا۔ یہ باء تعدیہ کی ہے۔

سوال: خط دے کر بھیجنے کی تخصیص کیوں (ہدہد کو) جب کہ آپ کی خدمت میں بہت بڑے زور آور اور طاقت ور جنات وغیرہ تھے انہیں بھیجا جاتا۔

جواب: چونکہ ہدہد فہم و فراست اور علم و حکمت میں دوسروں سے زائد تھا اور بلقیس کے طور و اطوار سے بھی زیادہ واقف تھا اسے بھیجا گیا تھا تاکہ اس کا عذر معقول مزید مضبوط ہو جائے۔

marfat.com

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ چونکہ ہدہد نے سچ کہا اور اپنے مالک کی خیرخواہی

فائدہ صوفیانہ کا حق ادا کیا۔ اور جانب حق کی رعایت کی اسی لیے مستحق ہوگیا کہ وہ خدا کے پیغمبر کا سفیر مقرر ہو۔ ورنہ وہ اپنی شکل و صورت ظاہری و باطنی کے لحاظ سے اس کا اہل نہ تھا کہ وہ اتنا بہت بڑا عہدہ سنبھالے۔

فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ تو اسے بلقیس اور اس کی قوم کو پہنچا دے۔ قوم کا نام اس لیے لایا گیا کہ سورج پرستی میں وہ بھی بلقیس کے ہم مذہب تھے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ جمع کی ضمیر اس لیے ہے کہ دعوت اسلام میں سب شامل ہوں۔

سوال : القہ کی ہا ساکن کیوں؟

جواب : لغت صحیحہ میں تخفیفاً پڑھنا جائز ہے۔ نیز وقف کی نیت پر بھی اسے ساکن پڑھا جانا صحیح ہے یعنی اگرچہ یہ ضمیر مذکر غائب کی کتاب کی طرف راجع ہے اور القِ مفعول بہ ہے اگرچہ ضمائر ساکن نہیں ہوتیں لیکن یہاں جائز ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ خط ڈال کر پھر ان سے علیحدہ ہو جا یعنی ان کے قریب ہونے سے ہٹ جا اور کسی دور علیحدہ جگہ پر چھپ کر بیٹھ جانا اور کان لگا کر ان کا جواب سننا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ **فَانْظُرْ** پھر غور و فکر کر کے دیکھنا اور سمجھنا **مَاذَا يَرْجِعُونَ** کیا ایک دوسرے کو کہتے ہیں اور کیا نتیجہ نکالتے ہیں۔

ابن الشیخ نے فرمایا کہ ماذا اسم واحد استفہامیہ اور منصوب ہے۔ یرجعون کا مفعول ہے یا مبتدا اور

ترکیب ذا بمعنے الذی اور یرجعون اس کا صلہ ہے اور اس کا عائد محذوف ہے دراصل عبارت ای شئ الذی یرجعونہ تھی یعنی وہ کون سی شے لوٹاتے ہیں۔

مروی ہے کہ ہدہد خط لے کر بلقیس کے ہاں پہنچا وہ آرام

مکتوب سلیمانی پہنچنے پر ایوان بلقیس میں کھلبلی مچ گئی فرما رہی تھی اس کا طریقہ تھا کہ جب آرام کرتی تھی تو دروازے بند کر کے شاہی چابیاں سرہانے کے نیچے رکھ دیتی تھی ہدہد شاہی محل کے روشن دان سے داخل ہو کر خط کو بلقیس کے سینہ پر ڈال دیا کیونکہ وہ چت لیٹی تھی یعنی خط ڈال کر ہدہد محل کے کونے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جاگی تو گھبرائی چونکہ خود پڑھی لکھی تھی۔ عربی النسل حمیری تبع کی نسل سے تھی۔ جس وقت سلیمانی مہر دیکھی تو کانپ گئی۔ لیکن خط کے سامنے سر کو جھکا دیا کیونکہ جب مہر کو دیکھا کہ یہ کسی عظیم بادشاہ کی ہے اور مہر کا نقشہ کچھ ایسا تھا کہ اس میں ملک سلیمانی کا حدود اربعہ منقش تھا اور ساتھ ہی اس میں اشارہ تھا کہ اس عظیم کی اطاعت میں جملہ پرند وغیرہ ہیں۔

اسی لیے کہا **قَالَتْ** اپنی مجلس شوریٰ کے اراکین سے کہا اور وہ تین سو تیرہ یا بارہ ہزار تھے **يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ**

marfat.ocm

اے ممبران!

ف: الملأ قوم کے ان لیڈروں کو کہا جاتا ہے جن کی ہیبت سے عوام ان سے آنکھ نہ ملا سکیں اور ان کے دلوں پر ان کا رعب ہو۔ اس کی جمع املاء ہے جیسے نبأ کی جمع انبأ ہے۔

إِنِّيٓ أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَٰبٌ كَرِيمٌ ۝ بے شک میرے ہاں ایک مکرم و معظم خط پہنچایا گیا ہے۔ اسے مکرم و معظم اس لیے کہا کہ اس پر ایک عجیب طرح کی مُہر ثبت تھی کہ اس جیسی مہر دیکھی نہ سنی گئی تھی۔ جیسا کہ اسئلۃ المقحمہ ہے کہ یہ سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا جو آپ کی مُہر سے ظاہر ہوا۔ اس لیے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط پر وہی مُہر لگائی جس پر آپ کے ملک کا تمام نقشہ منقش تھا۔ اس سے بلقیس مرعوب ہوئی۔ یوں سلیمان علیہ السلام کے معجزے کا ظہور ہوا۔

ف: یہاں سے ثابت ہوا کہ کریم بھی مختوم ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

کرم الکتاب ختمہ۔

(وہ تحریر مکرم ہے جس پر مُہر ہو)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس روایت کو آیت انی القی الیّ کتٰب کریم سے مؤید فرمایا ہے (کما فی المقاصد الحسنہ للسخاوی)

مُہر کی وجہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ عجمیوں کی عادت ہے کہ وہ اس خط کو قبول نہیں کرتے جس پر مُہر نہ ہو۔ فلھذا آپ عجمیوں کی طرف خط لکھتے ہیں تو اس پر مہر لگائیے۔ اس لیے آپ نے اپنی ایک مُہر بنوائی جس پر منقوش تھا: محمد رسول اللہ۔ جسے آپ نے انگشتری میں کندہ کرا کر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی مبارک میں پہنے رکھا، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ف: ہر وہ خط جس پر مُہر نہ ہو وہ مغلوب ہے۔ تفسیر جلالین میں اس کا ترجمہ لکھا ہے: حسن ما فیہ۔

ابن الشیخ نے سورۃ شعراء کے اوائل میں لکھا کہ کتاب کریم بمعنے لفظاً و معناً پسندیدہ یا کریم بمعنے شریف یعنے شرافت والا خط۔ کیونکہ اس کی ابتداء بسم اللہ شریف سے تھی جیسا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس خط کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کا نام ہو وہ تمام خطوط سے زیادہ بزرگی والا ہوتا ہے ؎

اے نام تو بہترین سر آغاز

بے نام تو نامہ چوں کنم باز

آرائش نامہاست نامت

آسائش سینہا کلامت

ترجمہ: تیرا نام بہترین آغاز ہے تیرے نام کے بغیر خط کو کیسے کھولوں۔ تیرا نام تمام ناموں کا سنگار ہے اور تیرا کلام سینوں کی آسودگی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ چونکہ خط سلیمانی بلقیس کی ہدایت کا سبب اور اس کے ایمان لانے کا موجب تھا اسی لیے اس کا نام کریم رکھا اسی لیے اس خط کی کرامت و برکت سے اسے دولتِ ایمان نصیب ہوئی۔

با ادب بانصیب بعض مشائخ نے فرمایا چونکہ بلقیس نے سلیمانی مکتوب گرامی کا ادب کرتے ہوئے اسے کریم کے نام سے یاد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ادب نبوت کی برکت سے اسے دولتِ ایمان سے نوازا۔ جیسے جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کا ادب کیا اور کہا: اما ان تلقی الخ۔ اسی لیے ایمان سے نوازے گئے۔[1]

بے ادب بے نصیب چونکہ کسریٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوبِ گرامی پھاڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس کا انجام بھی برباد کیا کہ وہ کفر و عناد پہ مرا۔[2]

تفسیر عالمانہ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ یہ سوال کا جواب ہے گویا بلقیس سے پوچھا گیا کہ یہ خط کیسا ہے، کس نے لکھا ہے، اس میں کیا لکھا ہے۔ اس کے جواب میں کہا کہ بے شک یہ خط سلیمان علیہ السلام سے آیا ہے وَاِنَّهٗ اور اس کا مضمون یہ ہے یا اس میں یہ لکھا ہے کہ بے شک شان یہ ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع وہ بڑے رحم والا رحیم ہے۔

صوفیانہ تحقیق باء میں اس کے بقا کی طرف اور سین میں اس کی روشنی کی طرف اور میم میں اس کے ملک کی طرف اور الف میں اس کی احدیت کی طرف اور دونوں لام جمال و جلال کی طرف اور ہاء اس کی ہویت کی طرف اور رحمان دارین میں عوام پر رحمت کی طرف اور رحیم آخرت میں خواص پر رحمت کی طرف اشارہ ہے۔

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا در اصل بسم اللہ شریف میں برکات کا بیان ہے اور چونکہ دنیا سے حیوانات کو بیزاری حاصل ہے اسی لیے ان کو توفیق ملی کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لائے۔

نکتہ: بسم اللہ میں الف کے محذوف ہونے کے بعد باء پر اس لیے اکتفا کیا گیا کہ وجود کونی میں ہر شے کو رحمتِ عامہ و خاصہ کی محتاجی ہے اور بس۔

مسئلہ: یہ بسم اللہ شریف بسم اللہ مجرها و مرسها کی طرح آیت کاملہ نہیں بخلاف اس بسملہ کے جو اوائل سورۃ میں ہے کہ وہ آیت کاملہ ہے کہ وہ ایک سو چودہ بار ہر سورۃ کے ساتھ نازل ہوئی۔ (لیکن سورۃ مخصوصہ کا جزو نہیں)

---

[1] مزید تفصیل فقیر کی کتاب "با ادب بانصیب" میں پڑھیے۔ [2] تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب "بے ادب بے نصیب" پڑھئے۔ اویسی غفرلہٗ

لطیفہ بسم اللہ شریف کا ہر حرف شرابِ رحیق کا ایک مستقل اور بہت بڑا ظرف ہے اور اس کا ہر کلمہ درۂ تحقیق کا ایک مستقل صدف ہے اور اس کا ہر نقطہ آسمانِ ہدایت کا ایک مستقل ستارہ ہے اور گمراہ کے لیے ہر ستارہ ایک جلانے والا رجم ہے۔

حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے بسم اللہ شریف کے بارے میں لکھا ہے: ؎

نوزدہ حرفست کہ ہژدہ ہزار

عالم ازو یافتہ فیض عمیم

ترجمہ: بسم اللہ کے انیس حروف سے اٹھارہ ہزار عالم فیض عمیم پا رہا ہے۔

اَنْ مفسرہ ہے لَا تَعْلُوْا عَلَیَّ مجھ پر بڑائی نہ کرو جیسے متکبر بادشاہوں کو تکبر ہوتا ہے وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ۝ اور میرے پاس آؤ درانحالیکہ تم ایمان لانے والے ہو اس لیے کہ ایمان اسلام و انقیاد کو مستلزم نہیں۔ بخلاف اسلام و انقیاد کے انہیں ایمان لازم ہے۔

لطیفہ یہی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے مکتوباتِ گرامی میں طوالت نہیں کرتے۔ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب گرامی صرف اتنا ہی تھا جتنا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے۔

سوال: سلیمان علیہ السلام نے اسلام کی دعوت پہلے کیوں پیش فرما دی حالانکہ آپ پر لازم تھا کہ پہلے وہ اپنی رسالت کی حجت قائم فرماتے۔ اس طرح سے تو ایمان تقلیدی ہوگا! اور ایمان تقلیدی قابلِ قبول نہیں ہوتا۔

جواب: (۱) چونکہ آپ کے مکتوب گرامی میں آپ کا معجزہ واضح تھا جیسا کہ پہلے مذکور ہوا تو یہی دعوائے رسالت کے لیے کافی ہے اسی لیے انہیں رسالت کے دعویٰ اور اس کی حجت قائم کرنے کی ضرورت نہ تھی اس معنی پر یہ ایمان تقلیدی نہ ہوگا۔

(۲) فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ ایمان کے بارے میں علم ضروری ہے کہ کسی طریق سے کسی رسول علیہ السلام کی رسالت کا یقین ہو جائے۔ وہ بلقیس کو حاصل ہو گیا ورنہ صرف خط کے پہنچنے سے اسے یہ وہم بھی ہو سکتا تھا کہ یہ جنات کا تصرف ہو۔ جنات اس قسم کے خوارق ظاہر کرتے رہتے تھے جیسے اس نے اپنے عظیم تخت کی ساخت سے سمجھا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں اس کی ماں بھی جنیہ تھی اسی لیے اسے خرق (معجزہ) سے سلیمان علیہ السلام کی رسالت پر یقین ہو گیا۔

marfat.com

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ

بولی اے سردارو! میرے اس معاملہ میں مجھے رائے دو۔ میں کسی معاملہ

قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝۳۲ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّ

میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس حاضر نہ ہو وہ بولے ہم زور والے اور بڑی سخت لڑائی والے ہیں اور

الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۝۳۳ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا

اختیار تیرا ہے تو نظر کر کہ کیا حکم دیتی ہے۔ بولی بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے تباہ

وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝۳۴ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ

کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل اور ایسا ہی کرتے ہیں اور میں ان کی طرف ایک تحفہ بھیجنے والی ہوں

فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۳۵ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ

پھر دیکھوں گی کہ ایلچی کیا جواب لے پلٹے پھر جب وہ سلیمٰن کے پاس آیا فرمایا کیا مال سے میری مدد کرتے ہو تو جو

اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ۝۳۶ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ

مجھے اللہ نے دیا وہ بہتر ہے اس سے جو تمہیں دیا بلکہ تم ہی اپنے تحفہ پر خوش ہوتے ہو پلٹ جا ان کی طرف

فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝۳۷

تو ضرور ہم ان پر وہ لشکر لائیں گے جن کی انہیں طاقت نہ ہوگی اور ضرور ہم ان کو اس شہر سے ذلیل کر کے نکال دیں گے یوں

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝۳۸ قَالَ

کہ وہ پست ہونگے سلیمٰن نے فرمایا اے درباریو تم میں کون ہے کہ وہ اس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ میرے حضور مطیع ہو کر حاضر ہوں

عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ

ایک بڑا خبیث جن بولا کہ میں وہ تخت حضور میں حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ حضور اجلاس برخاست کریں اور میں بیشک اس پر قوت

اَمِيْنٌ ۝۳۹ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ

والا امانت دار ہوں اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کر دوں گا ایک پل مارنے سے پہلے

طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۪ لِيَبْلُوَنِيْٓ

پھر جب سلیمٰن نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا

ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝۴۰

ناشکری اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پروا ہے سب خوبیوں

marfat.ocm

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾

سلیمان نے حکم دیا عورت کا تخت اس کے سامنے وضع بدل کر بیگانہ کر دو کہ ہم دیکھیں کہ وہ راہ پاتی ہے یا ان میں ہوتی ہے جو ناواقف

فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ

ہیں پھر جب وہ آئی اس سے کہا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے بولی گویا یہ وہی ہے اور ہم کو اس واقعہ سے پہلے خبر مل چکی اور

قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ

ہم فرمانبردار ہوئے اور اسے روکا اس چیز نے جسے وہ اللہ کے سوا پوجتی تھی بے شک وہ

مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۴۳﴾ قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ

کافر لوگوں میں سے تھی اس سے کہا گیا صحن میں آ پھر جب اس نے اسے دیکھا اسے گہرا پانی

كَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ ؕ۬ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ

سمجھی اور اپنی ساقیں کھولیں سلیمان نے فرمایا یہ تو ایک چکنا صحن ہے شیشوں جڑا عورت نے عرض کی

ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۴﴾

اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اب سلیمان کے ساتھ اللہ کے حضور گردن رکھتی ہوں جو رب سارے جہان کا

تفسیر عالمانہ

قَالَتْ یہ قول مکرر اس لیے ہوا کہ جماعت کو تنبیہ ہو جائے کہ بلقیس کو کوئی اہم اور سخت مہم درپیش ہے یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ اے میرے مشیرو! مجھے سوچ کر اس کا جواب دو جو میں تم سے پوچھوں پھر نہایت غور و فکر کے بعد اس کا حل بتاؤ۔

نکتہ: ان کے جواب کو فتوٰی سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ جیسے فتوٰی کا مشکل امور کے جواب پر استعمال ہوتا ہے ایسے ہی میرے سوال کو سمجھو۔ یعنی میری مشکل حل کرنے میں بہت غور و خوض کی ضرورت ہے۔ جب تمہیں صحیح سوچ ذہن میں آئے تو بتاؤ۔

نکتہ: بعض نے کہا کہ فتوٰی کا اشتقاق فتی سے ہے بمعنے نوجوان طاقت ور۔ اور چونکہ مفتی یعنی جو فتوٰی کا جواب دیتا ہے وہ اپنے فیصلہ سے سائل کے سوال کو دلائل سے پختہ اور مضبوط کرتا ہے اسی لیے اسکے فعل کو فتوٰی کہا جاتا ہے۔

مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا میں کسی معاملہ کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی اور نہ ہی کسی حکم کو نافذ کرتی ہوں حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝ یہاں تک کہ تم میرے سامنے ہوتے ہو۔ یعنی جب بھی میں فیصلہ کرتی ہوں تو تمہارے مشورہ سے ہی کرتی ہوں اور تمہاری موجودگی میں ہی۔ یہ ان کے دل موہ لینے کے لیے ہے تاکہ وہ اس کی مخالفت نہ کر سکیں۔

سبق: اس میں اشارہ ہے کہ ہر شخص اپنی من مانی نہ کرے بلکہ اپنے رفقائے کار سے مشورہ لے اور جائز مشوروں کو قبول کرے بالخصوص وہ لوگ جو امورِ سلطنت سے متعلق ہوں یا خود بادشاہ ہوں ان کو یہ طریقہ اختیار کرنا بطریقِ اولیٰ ضروری ہے اور مشیر بھی ایسے ہوں جو صاحب الرائے اور صاحبِ بصیرت ہوں۔ اچھے

marfat.com

مشیروں کے بغیر کوئی بھی فیصلہ نہ کیا جائے ۔

مشورت رہبر صواب آمد

در ہمہ کار مشورت باید

کار آنکس کہ مشورت نکند

غایتش غالباً خطا آید

ترجمہ: مشورہ تیرا اچھا رہبر ثابت ہوگا اس لیے تجھے ہر کام میں مشورہ ضروری ہے وہ شخص جو مشورہ نہیں کرتا اس کا نتیجہ اکثر غلط نکلتا ہے۔

قَالُوْا سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کسی نے پوچھا کہ بلقیس کو مشیروں نے کیا مشورہ دیا، جواب میں فرمایا کہ انہوں نے کہا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ ہم بڑے طاقتور ہیں ساز و سامان کی کوئی کمی نہیں ہتھیار تو لیے بھی ہمارے ہاں بہت ہیں وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ اور جنگجو تو ہم ہیں ہی، اور ہماری شجاعت اور بہادری چار دانگ عالم میں مشہور ہے۔ اس سے اپنی ملکہ کو تسلی دلائی کہ جنگ سے نہ گھبرانا اگر تیرا حکم ہو تو ہم سربکف ہیں وَالْاَمْرُ اِلَیْكِ فَانْظُرِیْ اور معاملہ تیرے سپرد ہے تُو خود ہی فیصلہ کر جیسے جی چاہے مَاذَا تَاْمُرِیْنَ ○ جو حکم کرے گی ہم ہر طرح حاضر ہیں۔ صلح یا جنگ کا حکم دینا تیرا کام اور اس پر عمل کرنا ہمارا کام۔ (کذا قال الکاشفی رحمہ اللہ)

اگر جنگ خواہی بزاد آوریم

دلِ دشمناں را بدرد آوریم

دگر صلح جوئی ترا بندہ ایم

بتسلیم حکمت سر افگندہ ایم

ترجمہ: اگر جنگ چاہتی ہے تو ہم حاضر ہیں، دشمنوں کا دل چکنا چور کر دیں گے اور اگر صلح کرے گی تو بھی ہم خادم ہیں تیرے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم ہے۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ مشیر کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ اپنی رائے صواب کا اظہار کر دے اس پر ضروری نہیں کہ مستشار کو مجبور کرے کیونکہ ممکن ہے مستشار مشیر سے معاملہ شناسی میں زیادہ ہو ۔

خلاف رائے سلطاں رائے جستن

بخون خویش باشد دست شستن

ترجمہ: اپنے بادشاہ کی رائے کے خلاف رائے زنی کرنا اپنے خون سے ہاتھ رنگنا ہے۔

ربط: جب بلقیس نے محسوس کیا کہ مشیر لڑائی اور جنگ پر تلے ہوئے ہیں اور ان کی یہ رائے مبنی بر خطا ہے تو خود اپنے قوائے ذاتیہ کی رائے قوی کو ظاہر کرنے پر مجبور ہو کر سلیمان علیہ السلام کے فضائل و مناقب بیان

marfat.com

کر دیے تاکہ سلیمانی کمالات وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ اسی لیے کہا کہ میرا خیال تو یہ ہے کہ صلح کی جائے کیونکہ جنگ میں دونوں پہلو ہوتے ہیں: فتح یا شکست۔ ہماری فتح ممکن ہے تو شکست کا بھی احتمال ہے اگر وہ فتحیاب ہوئے تو پھر بادشاہوں کا کام ہے کہ وہ دوسرے بادشاہ کی آبادی کو برباد کر دیں یا چھوڑ دیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے قول کی حکایت بیان فرمائی کہ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً بلقیس نے کہا کہ جب بادشاہ کسی بستی یا شہر یعنی کسی علاقے میں داخل ہوتے ہیں اور جنگ و جدال کا پروگرام بناتے ہیں اَفْسَدُوْهَا تو اسے خراب اور ویران کر ڈالتے ہیں وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً اور اس کے معززین کو ذلیل و خوار کرتے ہیں اعزّہ، عزیز کی جمع ہے یعنے غالب و قاہر اور بہت شریف۔ یہ عزّۃ سے ہے انسان کی وہ حالت جو اسے مغلوب ہونے سے روکے۔ اذلّۃ، ذلیل کی جمع ہے یعنی خوار و بے مقدار۔ یعنی قتل اور قید اور جلاوطن کر کے اور دیگر اور ذلتوں اور خواریوں سے۔ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝ اور ایسے ہی گزارتے ہیں۔ اور یہ ماقبل کی تاکید و تقریر ہے۔ یعنی ایسے زبردست بادشاہوں کی ایسی عادت عام ہوتی ہے۔ اس معنی پر یہ بلقیس کا بقایا کلام ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلقیس کے نظریہ کی تصدیق کے لیے فرمایا ہو جیسے وہ کہہ رہی ہے واقعی ایسے ہی ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ عاقل وہ ہے کہ اسے جیسے ہی مخالف کا دفعیہ آسانی سے میسر آتا ہے وہ اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں نہیں پھینکتا اپنے اختیار و ارادہ سے جنگ اور لڑائی نہیں کرتا جب تک اسے مجبور نہ کیا جائے۔

ف: سردار وہ ہے جو صلح و صفائی کا مادہ رکھتا ہو اور اس میں غیرت کی بھی کمی نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ دیگر بھی ہے وہ یہ کہ جب صفاتِ ربانیہ کے ملوک شخص انسانی کے علاقہ میں اپنی تجلی کے ساتھ داخل ہوتے ہیں تو اسے طبیعۃ انسانیہ حیوانیہ کے افساد سے تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں وجعلوا اعزۃ اھلھا میں اھل سے نفسِ امارہ اور اس کے صفات مراد ہیں اذلۃ انہیں تجلی حق کے سطوات سے ذلیل کر دیتے ہیں وکذلک یفعلون اور وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کے ساتھ کرتے ہیں کیونکہ وہ انہی صفات کے لیے آئینے کی حیثیت سے پیدا ہوئے ہیں تاکہ وہ کنز مخفی کو ظاہر کریں۔ اس معنی پر وکذلک یفعلون الخ عارف باللہ کی صفت ہوگی (کذا قال ابو یزید البسطامی قدس سرہٗ)۔

سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی تقریر صوفیانہ سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ نے فرمایا کہ اس میں اہل ایمان کے قلوب کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب معرفت قلوب میں داخل ہوتی ہے تو پھر اس سے تمام آرزوئیں اور مرادیں ختم ہو جاتی ہیں پھر وہ دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نہیں رہتے۔

marfat.com

حضرت ابن عطاؒ کی صوفیانہ تقریر حضرت ابنِ عطاؒ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب غلبۂ حق کا ظہور ہوتا ہے اور قلب میں اس کی عظمت جاگزیں ہوتی ہے تو غفلتیں مٹ کر رہ جاتی ہیں اور اس پر ہیبت و اجلال چھا جاتا ہے پھر اس میں سوائے حق کے کسی کی عظمت نہیں رہتی اسی لئے وہ اپنے اعضاء کو سوائے طاعتِ الٰہی کے کسی کام میں نہیں لگاتا اور نہ ہی زبان کو ذکرِ الٰہی کے بغیر کھولتا ہے اور دل کو صرف اسی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

ف : بزرگ فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے اسم ملک کے بالمقابل اپنے قلب کو لاتا ہے تو پھر وہ سوائے اس کے قبضے کے اور کسی کا تصور ہی نہیں لاتا اس کے ملک میں سلامتی و عافیت ہی ہوتی ہے اور وہ اپنے مالک کے حقوق میں لگ جاتا ہے۔

الفتوحات المکیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر غلطی معاف فرما دیتا ہے سوائے تین کے :

(۱) اس کے حرم کی ہتک

(۲) اس کے راز کا افشاء

(۳) اس کے ملک میں دست اندازی

دعا : طریقِ طلب میں ہم اللہ تعالیٰ سے ادب کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ اور میں اس کے اور اس کی قوم کے ہاں بھیجتی ہوں بِهَدِیَّةٍ بہت بڑا ہدیہ و تحفہ۔ ہر وہ شے جو محبت و پیار سے کسی کو بھیجی جائے اسے عربی میں ھدیہ کہتے ہیں۔

المفردات میں لکھا ہے کہ ہر وہ شے جو ہم ایک دوسرے کو محبت اور پیار سے بھیجتے ہیں وہی ہدیہ ہے۔

فَنٰظِرَةٌ پھر دیکھتی ہوں۔ کشف الاسرار میں ہے کہ ناظرة یہاں پر بمعنے المنتظرة ہے۔ کاشفی مرحوم نے لکھا ہے : دیکھتی ہوں کہ وہاں سے بِمَ دراصل بما تھا (الف گر گیا ہے) ما استفہامیہ ہے کون سا جواب لے کر یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ○ قاصد جو وہاں گئے ہوئے ہیں کون سا جواب لے کر لوٹتے ہیں۔ اس کے بعد جو مناسب ہوگا کارروائی کریں گے۔

ہدایائے ملقیس مروی ہے کہ ملقیس نے پانچ سو غلاموں کو لونڈیوں کا لباس پہنایا اور انہیں زیورات سے آراستہ کیا (جیسے کنگن اور بالیاں وغیرہ) اور ان کے ہاتھ مہندی سے رنگے اور ایسے گھوڑوں پر سوار کیا جو ریشم کے کپڑوں سے آراستہ کیے گئے اور سونے کی لگاموں اور جواہرات سے مرصع زینوں سے پیراستہ کئے گئے اور پانچسو لونڈیاں بھیجیں جن کے ہاتھ میں تیر تھے اور ان کا لباس مردانہ تھا اور ہدیہ کے طور ایک ہزار سونے اور چاندی کی اینٹیں بھیجیں۔

حضرت مولانا روم قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

marfat.ocm

ہدیۂ بلقیس چہل اشتر بدست
بار آنہا جملہ خشت زر بدست

ترجمہ: بلقیس نے چالیس اونٹ بھیجے جن پر سونے کی اینٹیں تھیں۔

اور ان لڑکیوں (جنہیں مردانہ لباس پہنایا تھا) کے سروں پر قیمتی جواہر و موتیوں کے جڑاؤ سے بہترین تاج رکھے اور بیش قیمت عطر و مشک اور عنبر اور قیمتی موتیوں سے بھرے ہوئے متعدد ڈبے اور کئی قسم کے اعلیٰ ترین تحفے بھیجے۔ مثلاً چند کوڑیاں سوراخ کر کے ایک بڑے ڈبے میں ڈال دیں۔ اور ایک خط بھی لکھا جس میں ان تحائف و ہدایا کی تفصیل تھی اور سب سے اعلیٰ اور بڑے افسر منذر بن عمرو کو سربراہ بنایا اور اس کے ماتحت دیگر کئی سمجھدار اور عقیل و فہیم نمائندے روانہ کئے۔

نبی کے لیے غیب دانی من جانب الٰہی کا عقیدہ ہی نبوت کو ماننے کی دلیل ہے

اس تمام کارروائی سے اس کا مطلب یہ تھا جیسے اس نے خود کہا:

ان کان نبیا میز بین الغلمان والجواری واخبر بما فی الحقۃ قبل فتحھا و ثقب الدرۃ ثقبا مستویا و سلك فی الخرزۃ خیطا۔

اگر وُہ نبی ہیں تو انہیں غلاموں اور کنیزوں کا امتیاز ہو جائے گا اور ڈبے کھولنے سے پہلے بتا دیں گے کہ ان میں کیا ہے اور کوڑیوں کو سوراخ کئے گئے ہیں وہ انھیں اٹھا کر تاگہ ڈالنے کا حکم دیں گے۔

پھر منذر بن عمرو (سربراہ) سے کہا کہ اگر تجھے پہلی ملاقات میں وہ غصّہ آلود نگاہوں سے ملیں تو سمجھنا بادشاہ ہے پھر گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ خندہ پیشانی سے بولیں تو سمجھنا کہ وُہ نبی ہیں۔

سلیمان علیہ السلام کی جوابی کارروائی

ہُدہُد تمام کارروائی سُن کر سلیمان علیہ السلام کے ہاں پہنچ گیا اور تمام ماجرا عرض کر دیا۔ آپ نے حکم فرمایا کہ ایک میدان میں اٹھارہ میل کا ایک احاطہ تیار کرو جس کا فرش سونے چاندی کا ہو۔ اور اس میدان کے اردگرد دیوار کھینچو جس پر صرف سونا چاندی ہو اور حسین ترین دریائی اور جنگلی جانور لائے جائیں۔ کشف الاسرار میں ہے کہ دریائی جانور منقش پلنگ مختلف رنگ کے لائے گئے اور میدان کے دائیں بائیں باندھنے کا حکم دیا گیا۔ جنات نے آناً فاناً یہ کام سرانجام دیا۔ اس میدان کے درمیان میں آپ نے اپنا تخت بچھایا۔ آپ کے اردگرد کرسیاں بچھائی گئیں۔ چار ہزار کرسیاں آپ کے دائیں اور چار ہزار بائیں بچھائی گئیں۔ پھر کئی میلوں تک جنات صف بستہ کھڑے ہوئے۔ ایسے ہی انسانوں، جانوروں، درندوں اور وحشیوں وغیرہ کی صفیں کھڑی کی گئیں اور پرندے اوپر سے سایہ کئے ہوئے تھے اور یہ ایسی مجلس قائم ہوئی

کہ آسمان نے ہزاروں سال میں نہ دیکھی ہوگی۔

بلقیس کے نمائندے مبہوت ہوگئے جب بلقیس کے نمائندے اس میدان میں پہنچے تو مبہوت ہوگئے کہ یہاں تو سونے اور چاندی پر سلیمان (علیہ السلام) کے جانور پیشاب کر رہے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے؛

۱ چوں بصحرائے سلیمانی رسید
فرش آنرا جملہ زر پختہ دید

۲ بارہا گفتند زر را وا بریم
سوئے مخزن ما چہ کار اندریم

۳ عرصۂ کش خاک زر دہ دہیست
زر بہدیہ بردن آنجا ابلہیست

ترجمہ: (۱) جب بلقیس کا نمائندہ صحرائے سلیمانی میں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں سونے کا فرش بچھا ہوا ہے۔

(۲) بارہا انہیں خیال گزرا کہ وہ اس معمولی پونجی کو واپس لے جائیں کیونکہ اتنے بڑے خزانے کے سامنے ان کی پونجی کس کام کی!

(۳) جن کا میدان ہی سونے سے پُر ہے ان کے ہاں سونا ہدیہ لے جانا حماقت ہے۔

حکایت ان کا حال اس اعرابی کا تھا جو خلیفۂ بغداد کے ہاں پانی کا گھڑا ہدیہ کے طور پر لے گیا پھر جب خلیفہ کے باغ کے سامنے دجلہ بہتا ہوا دیکھا تو شرمسار ہو کر گھڑے کو توڑ ڈالا۔

نمائندگانِ بلقیس بلقیس کے نمائندگان کا باقی حال مولانا روم قدس سرہٗ نے بیان فرمایا؛ ؎

(۱) باز گفتند از کساد وار روا
چیست بر ما بندۂ فرمانیم ما

(۲) گر زر و گر خاک ما را بردنیست
امر فرمانده بجا آوردنیست

(۳) گر بفرمایند کہ کین واپس برید
ہم بفرمان تحفہ را باز آورید

ترجمہ: (۱) پھر کہا کہ ہمیں اس تھوڑی سی پونجی سے شرمساری کا ہے کی، ہمیں تو اپنی ملکہ کا حکم پورا کرنا ہے۔

(۲) سونا ہو یا مٹی ہمیں اس سے کیا غرض! ہمیں تو اپنی مالکہ کی فرمانبرداری ضروری ہے۔

(۳) اگر سلیمان علیہ السلام فرمائیں گے کہ اسے واپس لے جاؤ تو پھر انہی کے فرمان سے ہی واپس لے جاؤ۔

جب نمائندگان نے جنات و شیاطین کی ڈراؤنی شکلوں اور ان کی کثرت کو دیکھا تو گھرا گئے۔ جنات و شیاطین نے کہا بلا خوف و خطر چلے چلو۔ جب سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرتپاک خیر مقدم کیا اور کہا کہ کیا لائے ہو؟ منذر نے آگے بڑھ کر بلقیس کا پیام سنایا اور ساتھ ہی اس کا مکتوب بھی سلیمان علیہ السلام کو پیش کر دیا۔ جب خط پڑھا تو فرمایا: موتیوں کا ڈبّہ لاؤ۔ ڈبہ پیش کیا گیا تو فرمایا: اس میں بیش بہا اور قیمتی موتی ہیں جن کا سوراخ نہیں نکالا گیا اور کوڑیاں ہیں جن کے سوراخ ٹیڑھے نکالے گئے ہیں۔

ف: ممکن ہے آپ کو اس کا علم جبریل علیہ السلام کے خبر دینے سے ہوا ہو یا ہدہد کے ذریعہ۔ جیسا کہ قصے کا سیاق بتاتا ہے۔

ہدایا کی تفتیش اور دیمک اور کیڑے کی خدمات کا بیان

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات اور انسانوں کو بلا کر پوچھا کہ موتیوں اور کوڑیوں کے ساتھ کیا کیا جائے۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ پھر شیاطین کو بلایا، وہ بھی اس سے بے خبر تھے۔ صرف یہ بتایا کہ دیمک کو بلاؤ وہ کچھ خبر رکھتی ہے۔ آپ نے دیمک سے پوچھا تو اس نے بال منہ میں لیا اور موتی میں سوراخ کر کے دوسری طرف نکل گئی۔ آپ نے اس سے کہا تو منہ مانگا انعام مانگ۔ عرض کی کہ میرا رزق درختوں میں مقرر فرما دیجئے۔ اسی روز سے اس کا رزق درختوں میں مقرر ہو گیا۔ اس کے بعد کوڑیوں کے سوراخ کے متعلق پوچھا تو عرض کی مجھے اس کے متعلق معلوم نہیں۔ سفید کیڑے نے اُٹھ کر عرض کی: یہ ڈیوٹی میرے ذمّہ لگا دیجئے آپ کی اجازت سے سفید کیڑے نے تاگہ منہ میں لیا اور کوڑی میں داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل آیا۔ آپ نے اس سے بھی فرمایا تم کیا چاہتے ہو؟ عرض کی: یا نبی اللہ! میرا رزق پھلوں میں مقرر فرمائیے۔ اس روز سے اس کا رزق پھلوں میں مقرر ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے تاگے کے دونوں سروں کو پکڑ کر مُہر لگا کر نمائندگان کو واپس کر دیا۔

غلاموں اور کنیزوں کے امتیاز کا قصہ

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے پانی طلب کیا اور غلاموں اور کنیزوں کو حکم فرمایا کہ گرد و غبار سے اپنے چہرے پانی سے صاف کر لو۔ اس طرح سے آپ اپنی پرکھ بتانا چاہتے تھے کہ ان میں غلام کون ہیں اور کنیزیں کون۔ چنانچہ کنیزوں نے برتن سے پانی لے کر ہاتھ پر رکھا پھر منہ دھویا اور غلاموں نے برتن سے ہی پانی لے کر منہ دھویا۔ (اس سے واضح ہو گیا کہ کنیزیں کون ہیں اور غلام کون) پھر ہدیہ واپس کر دیا۔ یہ بھی اس لیے کہ بلقیس نے کہا تھا کہ اگر ہدیہ لے لیں گے تو بادشاہ ہیں پھر ہمیں کوئی خطرہ نہیں بادشاہ سے ہم نمٹ لیں گے۔ اگر ہدیہ واپس کر دیں تو پھر نبی ہیں (علیہ السلام)۔ اسی لیے فرمایا:

marfat.com

فَلَمَّا جَآءَ پس جب وہ نمائندہ جو بلقیس کی طرف سے آیا تھا سُلَیْمٰنَ سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ہدایا لایا قَالَ سلیمان علیہ السلام مخاطب ہوئے قاصد سے یا جس کی طرف بھیجا گیا تھا کیونکہ عرف میں غائب کو حاضر تصور کر کے خطاب کیا جاتا ہے۔ ڈبے کے کھولنے و دیگر ہدایا کی تفتیش کا معاملہ ختم ہوا تو فرمایا۔ یہ گفتگو ان کے آتے ہی نہیں ہوئی جیسا کہ عبارت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ اَتُمِدُّوْنَنِ (کیا تم میری مدد کرتے ہو)

ترکیب : دراصل اتمدوننی تھا۔ یاء کو حذف کر دیا گیا ہے بوجہ یا پر اکتفا کرنے کے کیونکہ کسرہ یاء کے محذوف ہونے پر دلالت کرتی ہے اور ہمزہ استفہام انکاری ہے۔

حلِ لغات : الامداد بمعنے مدد کرنا۔ دوسرے مفعول کی طرف با کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ کیا تم میری مدد کرتے ہو بِمَالٍ معمولی سے مال کے ساتھ۔ مال کو اس لیے مال کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف ہمیشہ میلان طبعی ہوتا ہے۔ اسی لیے اسے عرض بھی کہا جاتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے مال کنجری کی مانند ہے کبھی عطار کے گھر ہے تو کبھی تیلی کے گھر میں۔ (کذا فی المفردات)

ربط : ہدیہ قبول نہ کرنے کی علت بتائی کہ فَمَآ موصولہ ہے اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ پس وہ جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے یعنی یہ جو تم دیکھ رہے ہو کہ میرا ٹھاٹھ شاہی کتنا ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ نے نبوت سے بھی نوازا ہے اور شاہی ایسی کہ اس کی مثال ناپید ہے خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ اس سے بہتر ہے جو تم مجھے ہدیہ کے طور پر مال و متاعِ دنیا پیش کر رہے ہو۔ اسی لیے مجھے تمہارے ہدیہ و تحفہ کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ مجھے اس کا کوئی خیال ہے ؎

آنکہ پرواز کند جانب علوی چو ہمائے

دنی اندر نظر ہمت او مردار است

ترجمہ: جو بھی بلندیوں کی طرف ہما کی طرح پرواز کرتا ہے کم ہمت ہے اور مردار اور خسیس ہے۔

(کیونکہ کہاں ہما اور کہاں یہ)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ من سلیماں می نخواہم ملکتان

بلکہ من برہانم از ہر ہلکتان

۲ از شما کے کدیۂ زر می کنیم

ما شما را کیمیا گر می کنیم

۳ ترک ایں گیرید گر ملک سباست

کہ برون از آب و گل بس ملکہاست

۴ تختہ بنداست آنکہ تختش خواندہ

marfat.ocm

۷۵۳ صدر پنداری و بر درماندهٔ

ترجمہ: (۱) میں سلیمان ملک دُنیا نہیں چاہتا بلکہ میں تو ہر دنیا دار کے لیے برہان ہُوں۔

(۲) ہم تم سے زر لے کر کیا کریں گے بلکہ ہم تو تمہیں بھی کیمیا گر بنائیں گے۔

(۳) یہ خیال ترک دو کہ ملک صرف سبا کا ہے بلکہ اس آب و گِل کے ملک کے علاوہ اور بھی بہت ملک ہیں۔

(۴) وہ تختۂ قید ہے جسے تم تخت سمجھتے ہو۔ جسے تم صدر مانتے ہو وہ تو ایک لاشئے ہے۔

ملفوظ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا اللہ تعالیٰ اور انبیاءؑ اولیاءؒ کے نزدیک کچھ قدر و قیمت نہیں رکھتی۔ یہ حضرات نہ دنیا کے ہونے سے خوش ہوتے ہیں اور نہ ہونے سے مغموم ہوتے ہیں۔

سبق: علماء اور عقلمندوں پر لازم ہے کہ وہ دُنیا کے اسباب سے خوش نہ ہوں ؎

مالِ دنیا دام مرغانِ ضعیف
ملک عقبیٰ دام مرغانِ شریف

ترجمہ: مالِ دنیا کمزوروں کی پھانسی ہے ملک عقبیٰ شریفوں کی پھانسی ہے۔

بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ۝ بلکہ تم ہی ہدایا سے خوش ہوتے ہو۔ مضاف الیہ وہ ہے جس کی طرف ہدیہ بھیجا جاتے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ بلکہ تم وہ ہو کہ جب تمہارے ہاں ہدایا و تحائف وغیرہ بھیجے جاتے ہیں تو تم خوش ہوتے ہو اس لیے کہ تم دنیا دار ہو اور تمہیں دنیا سے پیار ہے کیونکہ دنیا کے ظاہر کو دیکھتے ہو۔ یہی قصہ کے سیاق و سباق کے مناسب ہے۔

ف: اللہ ارشاد میں ہے انکار از امداد سے اعراض کر کے زجر و توبیخ شروع فرما دی کہ تمہیں لوگ ہدایا و تحائف سے خوش ہوتے ہو بلکہ اسے اپنے لیے فخر اور شکریہ کے طور دینے والے کو ممنون بناتے ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ باتیں ہیں ان کی کارروائی سے معلوم ہُوئیں کہ موتیوں کا ڈبہ کھلوایا۔ پھر لونڈیوں اور غلاموں کے متعلق پرکھ ظاہر کر دی جو کہ انہوں نے بطور ہدایا و تحائف پیش کیے جو ان کا ایک فخریہ انداز تھا۔

ف: (صاحب روح البیان لکھتے ہیں کہ) فقیر کہتا ہے کہ جب انہوں نے سلیمان علیہ السلام کی شاہی کا ٹھاٹھ باٹھ دیکھا تو اپنی لائی ہوئی چیزوں کو نہایت حقیر و زبوں سمجھ کر سونے چاندی کی اینٹیں پھینک دینے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن چونکہ وہ اس وقت امین بن کر آئے تھے اس لیے رُک گئے پھر ان کا منت و احسان جتلانے کا معنیٰ کیسا یا وُہ اپنی لائی ہوئی اشیاء پر کیسے فاخر و نازاں ہو سکتے تھے۔ ہاں کہا جا سکتا ہے کہ ان کا غلمان و کنیزیں اور ڈبے کا پیش کرنا امتحان و آزمائش کے طور تھا جیسا کہ مضمون کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے۔

marfat.com

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ہدیہ و تحفہ دلوں میں الفت پیدا کرنے کا موجب ہے لیکن دین کے عشاق کا طریقہ ہے کہ جب دیکھتے ہیں کہ ان ہدایا و تحائف میں دُنیوی فوائد تو بکثرت ہیں لیکن دینی نقصان ہے تو پھر وہ ہدایا و تحائف کو قبول کرنے کی بجائے انہیں ٹھکرا دیتے ہیں پھر دنیوی منافع اگرچہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو وُہ اسے کچھ نہیں سمجھتے کیونکہ وُہ فانی ہے اور امورِ دینیہ اگرچہ کتنے ہی قلیل ہوں وُہ انہیں ترجیح دیتے ہیں اور اسے کثیر سمجھتے ہیں کیونکہ وہ باقی ہیں۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا کہ جب آپ کے ہاں بلقیس کا قاصد آیا تو اس کے بیش بہا تحائف و ہدایا کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور فرمایا وہ نعمتیں اور کمالات و قربات و درجات اخرویہ جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائے ہیں وہ تم کو عطا کردہ نعمتوں سے بہتر ہیں اور تم جیسے دُنیا دار دنیوی ہدایا فانیہ سے خوش ہوتے ہیں کیونکہ تمہارے نفوس خسیس ہیں اور تم اُخروی سعاداتِ باقیہ سے بے خبر ہو۔

تفسیر عالمانہ اِرْجِعْ اے قاصد! لوٹ جائیے۔

سوال: پہلے ضمائر خمسہ تو جمع تھے اب واحد کی ضمیر کیوں؟

جواب: یہ ضمیر صرف نمائندگان کے سربراہ اور اس کی مخصوص امداد وغیرہ کی طرف لوٹتی ہے (اور یہ قاعدہ عام ہے)

اِلَیْهِمْ بلقیس اور اس کی قوم کی طرف ان کے ہدایا و تحائف لے کر واپس جائیے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ دین کے عشاق دنیوی لالچوں میں نہیں پھنستے۔ ان کا ارادہ صرف اور صرف یہی ہے کہ تم اسلام قبول کرلو اور ایمان دار ہو جاؤ فَلَنَاْتِیَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ ورنہ ہم ان کے ہاں جنّات و انسانوں کا ایسا لشکر لائیں گے اور تائیدِ الٰہی بھی ہمارے شاملِ حال ہوگی لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا ان کا مقابلہ کرنا مشکل ہو جائے گا اور نہ ہی ان کے ہاں ان کے مقابلہ کی کوئی طاقت و قدرت ہے۔

حلِ لغات: المختار میں ہے کہ قَبَلٌ (بفتحتین)، قُبُلٌ (بضمتین) قبل بکسر الاول وفتح الثانی بمعنے مقابلہ اور آگے کی شے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

او یاتیھم العذاب قبلا۔ (یا ان کے ہاں عذاب سامنے آجائے)

اہلِ عرب کہتے ہیں:

ولی قبل فلان حق۔ (اور میرے لیے فلاں کے ہاں حق ہے)

اور کہتے ہیں:

ومالی بہ قبل یعنی مجھے ان کے مقابلہ کی کوئی طاقت نہیں۔

marfat.ocm

اور المفردات میں یوں سمجھا جاتا ہے کہ یہ اصل میں بمعنے عند ہے۔ پھر قوت وطاقت علی المقابلہ کے لیے استعارہ کیا گیا ہے بمعنے مجازاۃ۔ مثلاً کہا جاتا ہے؛

لا قبل لی بکذا یعنی مجھے قدرت نہیں کہ میں اس کا مقابلہ کر سکوں۔

اور لا قبل لھم بھا کا معنی ہے کہ ہمارے لشکر کے دفاع کی انہیں کوئی طاقت نہیں وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ اس کا عطف جواب قسم پر ہے مِّنْهَآ اور ہم انہیں سبا کے علاقے سے نکال دیں گے اَذِلَّةً درانحالیکہ وہ ذلیل وخوار اور بے عزت ہوں گے جبکہ اب وہ عزت اور شان وشوکت کے مالک ہیں۔

سوال: اذلۃ تو جمع قلت ہے جو دس عدد سے زائد پر نہیں بولی جاتی حالانکہ وہ ان گنت تھے۔

جواب: اس سے ان کی ذلت وخواری پر مزید حقارت کا اظہار مطلوب ہے اگرچہ وہ کتنے ہی ہیں لیکن سلیمان علیہ السلام کی نظروں میں وہ مٹھی بھر ہیں۔

ذلۃ بمعنے عزت وملک کا چھن جانا وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ اور قیدی ہو کر مزید ذلت وخواری کا شکار ہوں گے یہ دوسرا حال ہے اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ انھیں ہم اپنے علاقہ سے شہر بدر کر دیں گے۔

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں صغر صغرا (بالکسر) کبر کی نقیض اور صغار (بالفتح) ذلۃ کے معنی میں آتا ہے اور صاغر وہ شخص جو خسیس مرتبہ پر خوش ہو۔

ف: ہر طرح کی ذلت وخواری مبنی علی الانکار والاصرار ہے ایسے ہی ہر طرح کی عزت وشرافت مبنی علی التصدیق والاقرار ہے۔ چونکہ مخالف کو نقصان پہنچانے سے پہلے اطلاع ضروری ہے اسی لیے سلیمان علیہ السلام کو قاصد کو لوٹنے کا حکم فرما کر اس کو اطلاع پہنچانے پر مامور فرمایا۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱	باز گردید اے رسولان خجل	زر شما را دل بمن آرید دل
۲	کہ نظرگاہ خداوندست آں	کز نظر انداز خورشیدست کاں
۳	کو نظرگاہ شعاع آفتاب	کو نظرگاہ خداوند لباب

۴	اے رسولان میفرستمتان رسول	ردمن بہتر شما را از قبول
۵	پیش بلقیس آنچہ دیدید از عجب	باز گوئید از بیابان ذہب
۶	تا بداندکہ بزر طامع نہ ایم	ما زر از زر آفرین آوردہ ایم

۷	ہین بیا بلقیس ورنہ بد شود	لشکرت خصمت شود مرتد شود

marfat.com

۸ پردہ دارت پردہ ات را برکند جان تو با تو بجان خصمی کند

---

۹ ملک برہم زن تو ادہم وار زود تا بیابی ہمچو او ملک خلود

۱۰ ہین بیا کہ من رسولم دعوتی چون اجل شہوت کشم من شہوتی

۱۱ در بود شہوت امیر شہوتم نے اسیر شہوت و روئے بتم

۱۲ بت شکن بودست اصل اصل ما چون خلیل حق و جملہ انبیا

---

۱۳ خیز بلقیسا بیا و ملک بین برلب دریائے یزداں در بچین

۱۴ خواہرانت ساکن چرخ سنی تو بمرداری چہ سلطانی کنی

۱۵ خواہرانت راز بخششہائے داد ہیچ می دانی کہ آں سلطان چہ داد

۱۶ تو ز شادی چون گرفتے طبل زن کہ منم شاہ و رئیس گولخن

---

۱۷ آں سگ در کوگدائے کور دید حملہ می آورد و دلقش می درید

۱۸ کور گفتش آخر آں یاران تو برکہ اند ایں دم شکاری صید جو

۱۹ قوم تو در کوہ می گیرند کور درمیان کوے می گیری تو گور

۲۰ ترک ایں تزویر گو شیخ نفور آب شوری جمع کردہ چند کور

۲۱ کایں مریدان من و من آب شور می خورند از من ہمی گردند کور

۲۲ آب خود شیرین کن از بحر لدن آب بد را دام ایں کوران مکن

۲۳ خیز شیران خدا بین کور گیر تو چو سگ چونی بزرقی کور گیر

ترجمہ :(۱) اے قاصدو! رسوا ہو کر لوٹ جاؤ۔ اپنے زر کا دل ہماری طرف متوجہ کرو۔

(۲) اس لیے کہ نظر صرف اس کے مالک پر لازم ہے اس لیے کہ نظر انداز سورج ہی ہے اور بس۔

(۳) کہاں سورج کی کرنوں کو دیکھنا اور کہاں خود سورج پر نظر رکھنا (زمین و آسمان کا فرق ہے)

(۴) اے قاصدو! تم میرے قاصد بن کر واپس جاؤ مجھے تمہارے تحائف قبول کرنے کے بجائے رد کرنا بہتر ہے۔

marfat.ocm

(۵) بلقیس کو اگر عجب کرتا دیکھو تو پھر میرے سونے چاندی کے ڈھیروں کا بھی اسے بتانا۔

(۶) تاکہ اسے معلوم ہو کہ ہم زر کے لالچی نہیں ہم نے زر آفرین سے بہت زر پایا ہے۔

(۷) خبردار اے بلقیس! مطیع ہو کر آجا ورنہ انجام برا ہوگا تیرا لشکر اُلٹا تیرا دشمن اور باغی ہو جائے گا۔

(۸) تیرا اپنا پردار ہی تیری پردہ دری کرے گا بلکہ تیری اپنی جان بھی تیری دشمن بن جائے گی۔

(۹) (ابراہیم بن) ادھم کی طرح ملک کو جلد تر چھوڑ دے تاکہ ان کی طرح تمہیں دائمی شاہی نصیب ہو۔

(۱۰) ابھی آجا کہ میں رسولِ برحق ہوں اور دعوتِ حق دیتا ہوں موت کی طرح شہوت کش ہوں، میں بڑا طاقتور ہوں۔

(۱۱) اگر کسی کو کوئی طاقت حاصل ہے تو میں تمام طاقتوں کا امیر ہوں، نہ شہوت کا اسیر ہوں اور نہ ہی بتوں کے چہرے کا۔

(۱۲) بُت شکنی ہمارا کام ہے خلیل علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح۔

(۱۳) اے بلقیس! اُٹھ کھڑی ہو۔ آجا میری شاہی دیکھ۔ اللہ تعالیٰ کے دریا سے موتی چُن لے۔

(۱۴) تجھ جیسی تو آسمان نشین ہیں تو مردار ہے خاک کی بادشاہی کر رہی ہے۔

(۱۵) تیری جیسوں کو جو بخششیں نصیب ہوئی ہیں کیا تجھے معلوم ہے کہ انھیں کیا نصیب ہوا۔

(۱۶) جب تُو خوشی سے ہمارے ہاں آنے کا طبل بجائے گی تو آرام پائے گی اس لیے کہ میں شاہ ہوں، رئیس ہوں، بہادر ہوں۔

(۱۷) ایک کتے نے اندھے گداگر کو دیکھا تو اس پر حملہ کر کے اس کی گدڑی پھاڑ ڈالی۔

(۱۸) اندھے نے کہا تیرے دوسرے ساتھی کہاں ہیں وہ بھی شکار کی تلاش میں ہیں۔

(۱۹) تیری قوم تو پہاڑوں میں اندھوں سے گدڑی چھینتی ہے اور تُو گلی کا شیر بنا ہوا ہے۔

(۲۰) اس مکر کو ترک کر اے شیخ آب شور پر چند اندھوں کو اکٹھا کئے ہوئے ہے۔

(۲۱) تو کہتا ہے کہ یہ اندھے میرے مرید ہیں اور میں آب (شور) ہوں اور یہ اندھے میرے پانی سے سیراب ہو رہے ہیں۔

(۲۲) بحر لدن سے پہلے اپنے شور آب کو میٹھا کر اور گندے پانی سے ان اندھوں اور مریدوں کو شکار نہ کر۔

(۲۳) اُٹھ اور خدا کے شیروں کو دیکھ اور کتے کی طرح مکر و فریب سے اندھے کو پکڑ رہا ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ قیل و قال کو چھوڑ کر مالک متعال کی طرف گڑگڑائے کہ وہ اسے مقامات عالیہ اور بلند درجات تک پہنچا دے کیونکہ وہ کریم اور بہترین آقا ہے۔

نمائندگانِ بلقیس کی واپسی جب نمائندے بلقیس کے ہاں پہنچے اور جا کر سلیمان علیہ السلام کے حالات

marfat.com

سنائے تو کہا میں تو پہلے سمجھ گئی تھی کہ وہ بادشاہ نہیں بلکہ نبی ہیں اور ہم سے ان کا مقابلہ نہیں ہو سکے گا۔ یہ کہہ کر سلیمان علیہ السلام کی طرف ایک قاصد بھیج دیا اور عرض کی کہ اپنے سرداروں کو لے کر حاضر ہو رہی ہوں جو آپ کا حکم ہوگا اسے ہم بجا لائیں گے اور آپ کا دین قبول کریں گے۔

تختِ بلقیس بلقیس نے تخت کو ایک مکان میں چھپایا۔ حفاظت کے لیے چند نگہبان مقرر فرمائے۔ تالہ لگا کر چابی جیب میں ڈالی اور سلیمان علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئی۔ بلقیس کے تحت بارہ ہزار بہت بڑے بادشاہ تھے انہیں قیل (بفتح القاف) کہا جاتا تھا اور ہر بادشاہ کے تحت کئی ہزار رعایا تھی۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام بھی بارعب تھے۔ آپ سے بات میں کوئی بھی پہل نہیں کرتا تھا، جب تک آپ خود اس سے نہیں پوچھتے تھے۔ ایک دن تخت پر رونق افروز تھے کئی میلوں تک ایک بہت بڑا لشکر دیکھا، پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کی گئی بلقیس اپنے بادشاہوں اور لشکر سمیت آرہی ہے اس وقت آپ اپنے مشیروں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، یا یہ اس وقت فرمایا جب معلوم کیا کہ اس نے ہمارے ہاں آنے تک کتنے میلوں کا فاصلہ ہے قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا فرمایا اے میرے مشیرو! اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا تم میں کون ہے جو اس کا تخت لے آئے قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ اس سے پہلے کہ میرے ہاں آئیں مُسْلِمِيْنَ ۝ مسلمان ہو کر۔ اس لیے کہ آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہو کر آرہی ہے لیکن وہ عجائبات دیکھنا چاہتی ہے جو سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں اور وہ عجائب اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام نے حکم فرمایا کہ بلقیس کا وہ تخت لاؤ جس کی حفاظت کے لیے وہ بہت بڑی وصیتیں کر کے آئی ہے اور وہ ابھی میرے ہاں نہ پہنچ پائے کہ تخت یہاں آجائے۔

مثنوی شریف میں ہے:

۱ چونکہ بلقیس از دل و جان عزم کرد
بر زمان رفتہ ہم افسوس خورد

۲ ترک مال و ملک کرد او آں چناں
کہ بترک نام و ننگ آں عاشقاں

۳ ہیچ مال و ہیچ مخزن ہیچ رخت
میدریغش نامہ الا جز کہ تخت

۴ پس سلیمان از دلش آگاہ شد
کز دل او تا دل او راہ شد

marfat.ocm

۵ دید از دورش کہ آں تسلیم کیش
تلخش آمد فرقت آں تخت خویش

۶ از بزرگی تخت کز حد می فزود
نقل کردن تخت را امکاں نبود

۷ خردہ کاری بود و تفریقش خطر
ہمچو اوصال بدن با یکدیگر

۸ پس سلیمان گفت گرچہ فی الاخیر
سرد خواہد شد بر و تاج و سریر

۹ لیک خود با ایں ہمہ بر نقد حال
چست باید تخت او را انتقال

۱۰ تا نگردد خستہ ہنگام لقا
کودکانہ حاجتش گردد روا

ترجمہ: (۱) جب بلقیس نے تہِ دل سے حاضری کا ارادہ کیا اور وہ زمانہ گزشتہ پر افسوس کرتی تھی۔

(۲) ملک و مال کو ترک کر دیا جیسے عشاقانِ خدا کا طریقہ ہے۔

(۳) کوئی مال کوئی خزانہ کوئی اسباب یاد نہ رہا صرف تخت یاد رہا کہ وہی اس کی پونجی تھی۔

(۴) سلیمان علیہ السلام بھی اس کے دل کے راز سے آگاہ ہو گئے کیونکہ اس کے دل تک انہیں راہ ملی۔

(۵) دُور سے دیکھا کہ اس تسلیم کے طریقہ والی کو ہر شے بھول گئی ہے لیکن تخت کی جُدائی سے پریشان ہے۔

(۶) تخت کی پہنائی ایسی تھی کہ اسے اتنی دُور لے جانا نہایت مشکل بلکہ ناممکن تھا۔

(۷) سلیمان علیہ السلام کے لیے اگرچہ یہ بھی ناموزونیت تھی لیکن بلقیس کے لیے اس کی جُدائی موجبِ پریشانی تھی ایسے کہ جسم سے جوڑ کاٹ لئے جائیں۔

(۸) پھر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگرچہ آخر میں تخت و تاج کے خیالات بھی بلقیس کے لیے سرد پڑ جائیں گے۔

(۹) لیکن اب اسے خواہش ہے تو فوراً ہی اس کا تخت وہاں سے اٹھایا جائے۔

marfat.com

(۱۰) تاکہ ملاقات کے وقت اسے پریشانی میں نہ دیکھوں بچّوں کی خواہش کے مطابق اس کا تخت اٹھا کر اس کی خواہش پوری کر دی جائے۔

منکرینِ کرامت اور سلیمان علیہ السلام تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی امت میں بعض اہلِ کرامت ہیں۔ اسی لیے چاہا کہ ان کی کرامت کا ظہور ہو تاکہ منکرین کو معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی امتوں میں صاحبانِ کرامات ہوا کرتے ہیں اسی لیے اہلِ ایمان کراماتِ اولیاء کا انکار نہیں کرتا (اور بے ایمان انکار کرے تو وہ معذور ہے)

انکارِ معتزلہ از کراماتِ اولیاء معتزلہ نے اولیاء کی کرامات کا انکار کیا اور ان کے انکار کا ادنیٰ نقصان یہ ہے کہ وہ درجۂ کرامت سے محروم ہے جیسے بدعتی اہلِ ہوا کے لیے کرامات کا حال ہے (جیسا کہ ہم نے وہابیوں، دیوبندیوں اور مرزائیوں کو آزمایا ہے)

ازالۂ وہم کسی جاہل کو یہ گمان نہ ہو کہ خود سلیمان علیہ السلام تخت لانے کی قدرت نہ رکھتے تھے اور نہ ہی ان کو ایسی کرامت حاصل تھی ورنہ وہ خود تخت لاتے کسی دوسرے کو نہ کہتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت مقصد یہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی اُمت میں اہلِ کرامات ہوتے ہیں کیونکہ کرامات منجملہ معجزات انبیاء سے ہوتی ہیں اس لیے کہ وہ بھی ان کی نبوت کی تصدیق اور ان کے دین کی حقانیت پر دال ہیں۔

حضرت شیخ داؤد قیصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خوارق عادات اقطاب وخلفاء سے بہت کم صادر ہوتے ہیں البتہ ان کے وزراء وخلفاء سے زیادہ۔ اس لیے کہ وہ خود قیام عبودیت تامہ اور فقر کلی میں مشغول ہوتے ہیں اور وہ خود اپنے لیے تصرف نہیں کرتے۔ ان کی سب سے بڑی کرامات یہی ہیں کہ وہ جہلاء کی صحبت میں مبتلا نہ ہوں بلکہ انہیں علماء وصلحاء کی صحبتوں سے نوازا جاتا ہے اور ان سے ان کا بوجھ ہلکا کیا جاتا ہے اور ان کے احکام واقوال نافذ کرتے ہیں جیسے آصف وسلیمان علیہ السلام کا حال ہے۔

ف: بعض عارفین فرماتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ کامل زمان اپنے ہم زمان لوگوں سے ہر حیثیت سے اور ہر مرتبہ میں اعلیٰ ہو جیسے حضور علیہ السلام نے تابیر نخل میں فرمایا:

انتم اعلم باموردنیاکم۔

(تم ہی اپنے دنیوی امور کو خوب جانتے ہو)

اور یہ کامل کے لیے کوئی نقص بھی نہیں کیونکہ ہر طرح کا کمال حضرت الوہیتہ وربوبیت کے ساتھ مخصوص ہے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا تمام عاجز بندے اور کسی نہ کسی معاملہ میں ناقص۔ ہاں کسی کو کسی خاص کمال کی خصوصیت ہو تو وہ الگ بات ہے جیسے موسیٰ وخضر علیہما السلام کہ موسیٰ علیہ السلام اگرچہ کلیم زمانہ تھے لیکن خضر علیہ السلام ان سے علم لدنی

marfat.ocm

میں اکمل تھے کہ ایسے ہی سلیمان علیہ السلام اگرچہ باکمال تھے لیکن عرش اُٹھانے کی خصوصیت آصف کو نصیب تھی، ہماری اس تقریر کی دلیل ہے:

ففھمناھا سلیمان (وہ ماجرا ہم نے سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا)

باوجودیکہ اس وقت خلیفۂ حق حضرت داؤد علیہ السلام تھے لیکن اس وقت معاملہ فہمی کی قوت سلیمان علیہ السلام کو زائد نصیب ہوئی۔

قصہ حیض میں جماع کرنے والے کا حضرت سلیمان علیہ السلام و داؤد علیہ السلام کے سامنے ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ میرا شوہر میرے بطن سے پیدا شدہ لڑکے کو اپنا بچہ نہیں مانتا فیصلہ فرمائیے۔ مرد سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ لڑکے کی شکل و صورت مجھ سے نہیں ملتی اس لیے کہ میں سفید رنگ ہوں اور یہ سیاہ فام۔ فلہذا میری عورت نے کسی سے زنا کرایا ہوگا۔ عورت زنا سے انکار کرتی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس مرد سے پوچھا، کیا تو نے اپنی بیوی کے ساتھ بحالتِ حیض جماع کیا تھا؟ اس نے اقرار کیا تو فرمایا، یہ لڑکا تیرا ہے اور اس کی سیاہ روئی تیرے لیے سزا ہے (آئندہ ایسا نہ کرنا) یہ خصوصیت سلیمان علیہ السلام کو نصیب ہوئی۔

قَالَ عِفْرِيْتٌ ایک خبیث و سرکش **مِّنَ الْجِنِّ** جن نے کہا۔ یہ مِنْ بیانیہ ہے یعنی سرکش و خبیث جن، اس لیے کہ عفریت ہر اس انسان کو کہا جاتا ہے جو خبیث اور اپنے ہم زمان لوگوں کو ناخوش کرتا اور نہایت قبیح اور گرد آلود ہو۔ اور المفردات میں ہے کہ عفریت سرکش خبیث جن، لیکن لفظ شیطان کی طرح استعارۃً انسان کے لیے بولا جاتا ہے۔

حلِ لغات : العفر (بفتحتین و بسکون الوسط) سے ماخوذ ہے یعنی ہر وہ شخص جو مٹی میں مٹی ہوا پھرے گویا وہ مٹی کا ندھے پر ڈالے اور مٹی میں ہی لیٹ کر جسم کو مٹی آلود کرلے۔ یہ دراصل عفر تھا پھر تاءً مبالغۃً زاید لائی گئی ہے۔

عفریت کا اصلی نام کیا تھا عفریت کا اصلی نام ذکوان تھا اور فتح الرحمٰن میں اس کا نام کوذی یا اصطر لکھا ہے یہ تمام جنات کا سردار تھا چونکہ یہ پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ سرکشی کر چکا تھا (بعد کو تابع ہوا) اصطر فارس اسی کے نام سے مشہور ہے اور یہ بہت بڑا قدآور تھا دور سے معلوم ہوتا کہ گویا ایک بہت بڑا پہاڑ ہے تاحدِ نگاہ قدم رکھتا تھا۔

اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ میں ہی آپ کی خدمت میں وہ تخت لاؤں گا **قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ** اس سے پہلے کہ آپ اپنی کچہری برخاست کریں۔

marfat.com

حضرت سلیمان علیہ السلام کی عدالت کا وقت صرف بارہ بجے تک تھا۔
سلیمانی عدالت کا ٹائم ٹیبل
(یعنی آپ خود اس وقت تک تشریف فرما رہتے تھے)

ف : آتی تو صیغہ مضارع ہے یا صیغۂ اسم فاعل ہے اور یہی زیادہ موزوں ہے کہ وہ عرش کے لانے کا دعویٰ کر رہا تھا تنہا خود لائے گا۔ سے کسی دوسرے معاون کی ضرورت نہ ہوگی اور جملہ اسمیہ پر عطف ڈالنے کے موافق ہے یعنی وہ سلیمان علیہ السلام سے عرض کر رہا تھا کہ میں ابھی ابھی اکیلا ہی وہ تخت لانے والا ہوں۔

وَاِنِّیْ عَلَیْہِ اور بے شک میں اس کے لانے پر لَقَوِیٌّ قوت رکھتا ہوں اس کا بوجھ اٹھانا میرے لیے مشکل نہیں اَمِیْنٌ ○ امانت دار ہوں اس میں جتنے جواہر اور نفیس چیزیں ہیں چُراؤں گا نہیں، اور نہ ہی تبدیل کروں گا۔ قَالَ جب سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تو اس سے بھی زیادہ جلدی چاہیے۔ تو کہا الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ وہ جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا اس سے آصف بن برخیا مراد ہے۔

آصف (رضی اللہ عنہ) بن برخیا حضرت سلیمان علیہ السلام کا خالہ زاد اور آپ کا وزیر
آصف کا تعارف
اور کاتب تھا بلکہ بچپن میں سلیمان علیہ السلام کی تربیت بھی اس کے سپرد تھی۔ بہت سچا اور تعلیم یافتہ تھا۔ سابقہ کتبِ الٰہیہ لکھا کرتا تھا اور وہ اسم اعظم جانتا تھا جس کے ذریعہ وہ جو دعا مانگتا قبول ہو جاتی اسے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی مدد و نصرت کے لیے ہی پیدا کیا تھا تاکہ وہ ان کے ساتھ مل کر کتاب (احکام) کا نفاذ کریں۔

ف : الکتاب جنس ہے یعنی ان کتابوں میں سے جو موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام وغیرہما پر نازل ہونے والی کتابوں میں سے کوئی ایک کتاب مراد ہے یا اس سے لوحِ محفوظ اور اس کے اسرار مکتومہ مراد ہیں۔
معتزلہ نے کہا اس سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں۔ وہ چونکہ کراماتِ اولیاء کے منکر ہیں اسی لیے وہ آصف کی بجائے جبریل علیہ السلام مراد لیتے ہیں۔

اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ۔

حلِ لغات : الارتداد بمعنے الرجوع (لوٹنا)۔ الطرف کسی شے کے دیکھنے کے لیے پلکوں کا ہلانا اور کھولنا۔ یہاں ارتداد سے انضمام (ملانا) مراد ہے۔

نکتہ : رد کی بجائے ارتداد کا لفظ لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہاں پر طبعی آنکھ جھپکنا مراد ہے اور طرف بمعنے نظر عام آتا ہے جبکہ پلک جھپکانے کو دیکھنا لازم ہے اور یہی تیز رفتاری کی آخری قوت ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی شے انسان کے لیے تیز رفتار نہیں اور تیز رفتاری میں اسی کی مثال دی جاتی ہے کیونکہ آنکھ جھپکنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔

marfat.ocm

آصف کا وظیفہ جناب کاشفی مرحوم نے لکھا کہ جونہی سلیمان علیہ السلام نے آصف رضی اللہ عنہ کو اجازت بخشی تو آصف نے سر سجدہ میں رکھ کر کہا، یا حیُّ یا قیّوم۔ جسے عبرانی زبان میں آھیا شراھیا کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ آصف نے کہا، یاذالجلال والاکرام۔ بہرحال آصف نے دُعا مانگی تو آنکھ جھپکنے سے پہلے بلقیس کا تخت سلیمان علیہ السلام کے سامنے آ گیا۔

دلیل عجیب یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں کہ آصف کی قبولیت دعا پر تختِ بلقیس وہاں سے مٹا دیا اور یہاں بعینہٖ اسی طرح کا تخت پیدا کر دیا تاکہ ولی کی کرامت اور نبی کا معجزہ ظاہر ہو۔

مسئلہ: فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ یہ مسئلہ ایجاد و اعدام کے قبیل سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان:

الدنیا ساعة وقل من یفھمھا۔

(دنیا ایک پلک بھر ہے بہت سے لوگ اسے نہیں سمجھتے)

کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس کے طور اطوار کو عقل نہیں سمجھتی۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ پس ترا ہر لحظہ موت و رجعتیست
مصطفیٰ فرمود دنیا ساعتیست

۲ ہر نفس نو می شود دنیا و ما
بے خبر از نو شدن اندر بقا

۳ عمر ہمچوں جوی نو نو مے رسد
مستمری می نماید در جسد

۴ آں ز تیزی مستمر شکل آمدست
چوں شرر کش تیز جنبانی بدست

۵ شاخ آتش را بجنبانی بساز
در نظر آتش نماید بس دراز

۶ ایں درازی مدت از تیزیِ صنع
می نماید سرعت انگیزی صنع

ترجمہ: (۱) تجھے ہر آن موت اور رجعت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دُنیا ایک

ساعت ہے۔

(۲) ہر سانس جدید پر دنیا ختم ہو جاتی ہے اور ہم بقا میں اس تجدید کو نہیں جانتے۔

(۳) زندگی جو جدید کی طرح ختم ہو رہی ہے لیکن جسم میں ہمیشگی نظر آتی ہے۔

(۴) وہ زندگی گزارنے کی تیزی دائمی سے ایک شکل نظر آتی ہے جیسے انگارہ کہ تیزی سے ہاتھ پر ہو۔

(۵) آگ کو تیز حرکت دو تو وہ بہت لمبی معلوم ہوتی ہے۔

(۶) اس کی یہ درازی تمہاری حرکت کی وجہ سے ہے جو کہ تیز تیز چلانے سے دراز معلوم ہو رہی ہے۔

فَلَمَّا رَاٰہُ پس جب تخت سلیمان علیہ السلام کے ہاں پہنچ گیا اور آپ نے دیکھا مُسْتَقِرًّا عِنْدَہٗ اپنے ہاں ٹھہرا ہوا۔ یعنی تخت آپ کے سامنے موجود تھا جو صرف آنکھ جھپکنے میں آ گیا اور اسے منتقل کرنے میں کسی قسم کا خلل بھی نہیں آیا قَالَ سلیمان علیہ السلام نے حصول نعمت پر شکر کے طور پر کہا ھٰذَا میری مراد کا حصول کہ تھوڑی سی مدت میں تخت پہنچ گیا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ یہ میرے پروردگار کے فضل سے ہے جو اس نے مجھے عطا فرمایا باوجودیکہ میں اس کا مستحق بھی نہیں لِیَبْلُوَنِیْ تاکہ وہ مجھے آزمائے۔

حل لغات : المفردات میں ہے کہ یہ بلی الثوب (کپڑا پرانا ہوا) سے ہے۔ بلوتہ میں نے اسے آزمایا۔ گویا میں نے اسے بار بار آزما کر پرانا کیا۔ اور جب کہا جائے :

ابتلا فلان بکذا وبلاہ۔

تو وہ دو معنوں کو متضمن ہوتا ہے :

(۱) اس کے حال کو معلوم کرنا اور اس کے معاملات غیر معلومہ سے واقف ہونا۔

(۲) اس کے کھرے کھوٹے ہونے کا ظاہر ہونا۔

کبھی دونوں معانی مراد ہوتے ہیں کبھی ایک، مگر جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو۔ مثلاً کہا جاتے بلاہ و ابتلاہ۔ تو اس وقت صرف کھرے کھوٹے ہونے کا ظہور مراد ہوگا اس کے حال سے واقف ہونا مراد نہ ہوگا اور نہ ہی اس کے غیر معلومہ معاملہ کا حال معلوم کرنا مراد ہوگا کیونکہ وہ تو علام الغیوب ہے اس کے لیے یہ دوسرا معنیٰ اس کی شان کے خلاف ہے۔

ءَاَشْكُرُ کیا میں اس کا شکر کرتا ہوں کہ یہ سمجھوں کہ اسی کا فضل ہے اور بس، اس میں میری تدبیر یا طاقت و قوت کو کوئی دخل نہیں اَمْ اَكْفُرُ یا ناشکری کرتا ہوں کہ یہ سمجھوں کہ اس میں میرا کوئی دخل ہے اور پھر اس کے شکر کی ادائیگی میں کوتاہی کروں۔

marfat.ocm

فائدہ علیہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جن کو اگرچہ لطافتِ جسمانیہ حاصل ہے لیکن وہ قوائے ملکوتیہ تک محدود ہے لیکن انسان اگرچہ کثیف جسمانیت والا ہے لیکن جب اسے کتابِ الٰہی نصیب ہو تو اسے قوتِ ربانیہ نصیب ہوتی ہے کہ اس نے کتاب پر عمل کرنے سے یہ قوت حاصل کی ہے۔ وہ جن تھوڑے سے وقت میں اتنا بڑا تخت لا سکتا ہے تو انسان کو اس سے بڑھ کر قوت حاصل ہے۔

ربط: چونکہ کرامتِ ولی حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزہ کی مؤید تھی اسی لیے فرمایا: ھذا من فضل ربی لیبلونی ءاشکر ام اکفر۔

ف: حضرت قتادہ نے فرمایا کہ جب سلیمان علیہ السلام نے سر اٹھا کر دیکھا تو تخت سامنے تھا دیکھ کر کہا: الحمد للہ الذی جعل فی اھلی من یدعوہ فیستجب لہ (شکر ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ بنائے جو اس سے دعا مانگتے ہیں وہ ان کی دعا قبول کر لیتا ہے) ؎

گفت حمد اللہ بریں صد چنیں
کہ بدی و دستم ز رب العالمیں

ترجمہ: کہا اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ اس کو ہزاروں حمد کہ یہ قوت و طاقت ہمیں رب العالمین سے ملی۔

وَمَنْ اور جو بھی **شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ** شکر کرتا ہے تو وہ اپنے فائدے کے لیے ہی کرتا ہے کیونکہ نعمتِ موجودہ کے لیے شکر قید اور نعمتِ غیر موجودہ کے لیے شکار ہے **وَمَنْ كَفَرَ** اور وہ دی ہوئی نعمتوں کا شکر نہیں کرتا اور نہ ہی اس عطیہ کے حقوق ادا کرتا ہے تو اس کا اپنا نقصان ہے، **فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ** اس لیے کہ میرا پروردگار شکر سے مستغنی ہے **كَرِيمٌ** ○ کوئی شکر نہ بھی کرے تب بھی وہ نعمت بند نہیں کرتا اور نہ ہی اسے بعجلت سزا دیتا ہے۔

ف: المفردات میں ہے کہ نعمت و محنت دونوں آزمائشیں ہیں اس لیے کہ محنت صبر طلب کرتی ہے اور نعمت شکر کی مقتضی ہے۔ صبر کی ادائیگی آسان ہے بہ نسبت شکر گزاری کے۔ اس معنی پر محنت سے نعمت کی زیادہ آزمائش ہے۔

ملفوظ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مصائب میں مبتلا ہوئے تو صبر کیا اور نعمتوں میں مبتلا ہوئے تو صبر نہ کر سکے۔ اور فرمایا کہ جسے دنیا کی فراوانی نصیب ہو اور وہ اپنے لیے آزمائش

marfat.com

نہیں سمجھتا تو اسے عقل نے دھوکا دیا ہے۔

ملفوظ حضرت واسطی قدس سرہٗ حضرت واسطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شکر فضل الٰہی کا کب مقابلہ کر سکتا ہے کہاں شاکرین کا شکر اور کہاں اس کا فضل! کیونکہ اس کا فضل قدیم ہے اور شاکرین کا شکر حادث۔ تو یوں سمجھیے کہ جو شکر کرتا ہے تو وہ اپنے لیے ہی کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کے شکر سے مستغنی ہے۔

ملفوظ حضرت شبلی قدس سرہٗ حضرت شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نعمتِ الٰہی کے مقابلہ میں شکر ایک بجھی ہوئی چنگاری ہے۔

اثبات کرامت اولیاءؒ اسئلۃ المفحمہ میں ہے کہ آیت میں کرامت کا اثبات دو وجہوں سے ہے: (۱) جب جن (عفریت) نے تخت لانے کا یوں دعویٰ کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی نشست گاہ سے اُٹھنے بھی نہیں پائیں گے کہ میں تخت لا دوں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تو اس سے بھی زیادہ جلدی چاہیے۔ جب یہ کام ایک جن (عفریت) کے لیے ممکن ہے تو پھر اولیاءؒ کے لیے غیر ممکن کیوں۔

(۲) جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ تھے حضرت آصف سلیمان علیہ السلام کے وزیر۔ اور وہ نبی نہ تھے۔ اور وہ آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت لے آئے جیسا کہ قرآن نے شہادت دی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خرقاً للعادۃ اولیاء اللہ کے لیے جائز ہے؛ خلافاً للقدریۃ: یعنی قدریہ نے اولیاء کرام کی کرامت کا انکار کیا ہے۔

کرامت واستدراج اور معجزہ کی تعریف ایسے مومن متقی سے خرق للعادت کا صدور ہو جو مدعیِ نبوت نہیں ہے تو وہ کرامت ہے۔ اگر مدعیِ نبوت سے صادر ہو تو وہ معجزہ ہے اگر غیر مومن اور فاسق سے صادر ہو تو وہ استدراج ہے۔ بعض نے کہا کہ کرامت معجزہ کا نتیجہ اور اس کی مؤید ہے۔ لیکن حقیقی کرامت انسان کے علم و عمل و حسنِ خلق سے ہی ہوتی ہے جس میں علم صحیح اور عمل صالح نہ ہوں اور اس سے کرامت کا صدور ہو وہ کرامت نہیں استدراج ہے۔ بہرحال اس بندۂ خدا سے طی الارض ممکن ہے جو اپنے جسم کو مجاہدات اور قسم قسم کی عبادات میں مشغول رکھے اور کئی کئی راتیں بیدار رہ کر مناجات میں گزار دے تو پانی پر تیرنا بھی اس بندۂ خدا کے لیے ممکن ہے، جو بھوکوں کو طعام کھلائے اور ننگوں کو کپڑے پہنائے اگر اس کے پاس دنیا و دولت ہے تو اپنی دولت سے، ورنہ دوسروں سے کہہ کر یا اَن پڑھ کو علم پڑھائے اور گمراہ کو راہِ راست دکھائے کیونکہ یہ دونوں صفتیں حیاتِ حسیہ وعلیہ کی حیات کا سبب ہیں اور ان کو پانی سے مناسبت ہے جو اسے مضبوط کرتا ہے تو پانی اس کے حکم پر چلے گا اور وہ پانی پر تیرتا چلا جائے گا چاہے تو اس پر تیرے چاہے زُہد اختیار کرے اور بوقتِ ضرورت کام میں لائے۔ اور عارف کے لیے زیادہ

marfat.ocm

مناسب بھی یہی ہے کہ وہ کرامات حسیہ ملکیہ کے اظہار سے کنارہ کشی کرے کیونکہ یہ اظہار کرامات آفات و بلیات ہے عارف کے لیے جائز ہے کہ اپنے لباس و خوراک وغیرہ کے لیے جن و ملک سے خدمت کرائے۔

ردِ وہابیہ دیوبندیہ (اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ جب چاہیں کرامت کا اظہار کریں وہ اس امر میں مختار ہیں مگر اس فعل کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اسے ان کا غیر اختیاری کہا جاتا ہے چنانچہ اسی مسلک کو صاحب روح البیان نے بیان فرمایا۔ اس سے پتا چلا کہ یہی عقیدہ صدیوں پہلے تھا وہابیہ نے اپنے نوایجاد مذہب میں توحید کی آڑ میں کہہ دیا کہ "نبی و ولی کچھ اختیار نہیں رکھتے نہ کسباً نہ تخلیقاً۔ روح البیان ج ۱ ص ۵۰۳ پر یوں مرقوم ہے کہ:) [1]

قال فی کشف الاسرار قد تحصل الکرامۃ باختیار الولی و دعائہ و قد تکون بغیر اختیارہ۔	کشف الاسرار میں ہے کہ کرامت کبھی ولی اللہ کے اختیار سے صادر ہوتی ہے اور کبھی اس کے اختیار کے بغیر۔

ف: پچھلے جملے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کرامت ان سے صادر ہو جاتی ہے جس کا ان کو اس کے صادر کرنے کا ارادہ نہ تھا۔

حدیث شریف میں ہے:

کم من اشعث اغبر ذی طمرین لا یؤبہ لہ لو اقسم علی اللہ لا برہ۔

(بہت سے غبار آلود اور پھٹے پرانے کپڑوں والے جن کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا لیکن وہ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں قسم میں سچا کر دکھلائے)

زمین کی خوش بختی آثار میں وارد ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وصال ہوا تو زمین رو پڑی اور عرض کی:

بقیت لا یمشی علیّ نبی الیٰ یوم القیامۃ۔

(اب قیامت تک میرے اوپر کوئی نبی نہیں چلے گا) [2]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں ایسے لوگ پیدا کروں گا جن کے قلوب انبیاء علیہم السلام جیسے ہوں گے اور ان سے کرامات کا صدور ہوگا۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ'

[2] کیونکہ آپ آخر الانبیاء تھے اور وہ بھی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اویسی غفرلہ'

marfat.com

مسئلہ : کراماتِ اولیا معجزاتِ اولیا سے ملحق ہیں کیونکہ اگر نبی سچا نہ ہوتا تو اس کے امتی سے کرامت صادر نہ ہوتی۔

وہابی دیوبندی کی نشانی اولیاء کی کرامات کا منکر صرف محروم القسمۃ ہی ہو سکتا ہے ورنہ خوش قسمت لوگ کبھی کسی کرامت کا انکار نہیں کرتے۔ ایسے خوش قسمت لوگوں کی علامت یہ ہے کہ وہ مطلقاً ہر کرامت کا اقرار کر لیتے ہیں خواہ ان کے اپنے زمانے کے اولیا ہوں یا ان سے پہلے بخلاف بد قسمت محروموں کے۔ یعنی منکرین اولیا کے کہ وہ اپنے ہم عصر اولیا کی کرامات کے قائل تو ہوتے ہیں لیکن اپنے سے پہلے اولیاء کی کرامات کا انکار کر جاتے ہیں جیسے معروف کرخی و سہل و جنید [اور ان جیسے دیگر اولیا جیسے غوث صمدانی قطب یزدانی سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہم کی کرامات کا انکار کر جاتے ہیں۔ مثلاً کہا جائے کہ محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ نے مُردے زندہ کئے، بے اولادوں کو اولاد دلائی اور بڑھیا کا بیڑا ترایا اور بارہ سال کے بعد مُردہ بارات صحیح وسالم باہر آئی تو منکرین کراماتِ اولیا سیخ پا ہو جاتے ہیں آزما کر دیکھئے۔ ایسے لوگوں کو صاحبِ روح البیان نے محروم القسمۃ کہا ہے اور ہمارے زمانے میں ان کا نام وہابی دیوبندی ہے۔ اور پھر اس کے بعد ایک عجیب مثال قائم فرماتے ہیں کہ] ان منکرین کی مثال ان یہودیوں کی سی ہے کہ وہ اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کو تو مانتے ہیں لیکن انہیں حضور علیہ السلام کی نبوت کا انکار ہے اور یہ بُری عادت یہودیا نہ ہے اللہ تعالیٰ سے ہم توفیق اور اپنے انجام پر حُسنِ خاتمہ مانگتے ہیں اپنے لیے بھی اور جملہ اہلِ اسلام کے لیے بھی۔ اور گڑگڑا کر عرض کرتے ہیں کہ قیامت میں ہمیں اہلِ کرامات کے ساتھ اٹھائے (آمین)

قَالَ سلیمان علیہ السلام نے کہا۔ قال کا تکرار اس لیے ہے کہ پہلے اور آنے والے مضمون میں فرق ہے اس لیے کہ پہلے مضمون میں شکر کا بیان ہے دوسرے میں خدام پر امر ہے وہ یہ کہ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا تنکیر بمعنے شے کی ہیئت کو ایسا بدلنا کہ اسے پہچانا نہ جا سکے۔ اور تعریف وہ شے کہ اسے مکمل طور پر پہچانا جائے۔ تاج المصادر میں ہے بمعنے ناشناسا کرنا۔ اب معنی یہ ہوا کہ اس تخت کی ہیئت کو ایسے تبدیل کر دو کہ پہچانا نہ جائے۔ سلیمان علیہ السلام کا یہ حکم سُن کر شیاطین نے بلقیس کے تخت کو الٹا دیا اور اس کے اوپر عجیب وغریب قبّے بنا دئے، جہاں سبز موتی تھے وہاں سرخ اور جہاں سُرخ تھے وہاں سبز موتی لگا دئے۔ نَنْظُرْ اس کا مجزوم ہونا امر کے جواب کی وجہ سے ہے تاکہ ہم دیکھیں کہ بعد از سوال اَتَهْتَدِیْٓ کیا وہ اس کے پہچاننے میں راہ پاتی ہے تو پھر اس سے اس کی عقل کی وسعت ظاہر ہو جائے گی اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝ یا وہ ان سے ہے کہ انہیں اس کے پہچاننے کی راہ نہیں ملتی تو پھر اس کی عقل کی کمزوری واضح ہو جائے گی۔

marfat.ocm

ربط : شیاطین کو گمان ہوا کہ بلقیس سلیمان علیہ السلام کو جنات کے پوشیدہ اسرار سے آگاہ کرے گی کیونکہ وہ جنیہ کی لڑکی تھی اور پھر اگر سلیمان علیہ السلام سے اس کا نکاح ہوگیا اور کوئی لڑکا پیدا ہوگیا تو وہ ہم پر ہمیشہ کے لیے مسلط رہے گا کیونکہ اس میں جن و انس دونوں طاقتیں ہوں گی۔ اس طرح سے ہم تا قیامت ان کے پنجے سے نہ چھوٹ سکیں گے اور ہماری زندگی ہمیشہ کے لیے ذلت و خواری کا شکار ہو جائے گی اسی لیے سلیمان علیہ السلام سے کہہ دیا کہ وہ تو عقل سے بے بہرہ ہے دوسرے یہ کہ اس کے پاؤں گدھے کے کھروں جیسے ہیں، تیسرے اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں۔ اور یہ تمام امور نہایت ہی قبیح ہیں۔ سلیمان علیہ السلام نے اس کی عقل کی پہچان کے متعلق تو پہلے فرمادیا اور اس کی پنڈلیوں وغیرہ کا افشا آگے چل کر کریں گے۔

فَلَمَّا جَاءَتْ پس جب وہ (بلقیس) سلیمان علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئی تو تخت وہاں پڑا دیکھا قِيلَ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے براہ راست کہا گیا یا بالواسطہ، بہر حال یہ بطور امتحان کے تھا تاکہ اس کی عقل کے متعلق معلوم ہو جائے أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ کیا تیرا تخت ایسا ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ کیا یہی تیرا تخت ہے تاکہ اس سے ان کا بتانا امتحان کے خلاف نہ ہو جائے جبکہ اس وقت اس سے امتحان مطلوب ہے قَالَتْ کہا۔ اس وقت بلقیس نے اپنا تخت نہ ہونے کا نہیں کہا اور نہ ہی کہا کہ وہی ہے بلکہ جس طرح انہوں نے بلقیس پر ایک شکل تبدیل کر کے شبہ میں ڈال دیا اس نے بھی جواب اسی طرح کا دیا حالانکہ حقیقت حال اس پر منکشف ہو گئی تھی كَأَنَّهُ هُوَ گویا یہ وہی ہے، اس طرح ظاہر کیا کہ اس کی صفات میں تغیر ضرور ہے لیکن ذاتی طور پر تو یہ میرا تخت ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح سے اس کی عقل کی فراوانی کا امتحان ہو گیا اور وہ خود بھی سمجھ گئی تھی کہ اس طرح سے سلیمان علیہ السلام اس کا امتحان لینا چاہتے ہیں اور ساتھ دکھانا چاہتے ہیں کہ وہ (سلیمان علیہ السلام) صاحب معجزہ نبی ہیں کہ اس (بلقیس) کے پہنچنے سے پہلے ہی انھوں (سلیمان) نے اس کا تخت اٹھوا لیا وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا اور اس سے پہلے ہی معلوم کر چکے تھے یعنی آیات دالّہ سے پہلے۔ وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ۝ درانحالیکہ ہم اس وقت مسلمان تھے وَصَدَّهَا مَا كَانَت تَّعْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ (اور اسے غیر اللہ کی پرستش نے روکے رکھا)

ربط : یہ بیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ اظہار اسلام سے تاحال اسے سورج پرستی نے روک رکھا تھا غیر اللہ کی عبادت میں مشغول رہی۔

إِنَّهَا كَانَتْ مِن قَوْمٍ كَافِرِينَ ۝ بیشک تھی وہ کافر لوگوں سے۔ یہ اس کی عبادت غیر اللہ کی علت ہے کہ وہ کافروں میں رہتی تھی یہاں تک کہ سلیمان علیہ السلام کے قبضہ میں آگئی اب وہ دائرہ ایمان

marfat.com

میں ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

چوں سلیماں سوئے مرغانِ سبا
یک صفیری کرد بست آں جملہ را
جز مگر مرغے کہ بد بیجان و پر
یا چو ماہی گنگ بد از اصل و کر

ترجمہ : سلیمان علیہ السلام نے سبا کے مرغوں (پرندوں) کو ایک آواز دی تو پھر تمام کو اپنی قید میں کر لیا سوائے اس مرغ (پرندے) کے جو بے جان و پر تھا یا وہ مچھلی جو گونگی اور بہری تھی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں دلیل ہے کہ کسی کام میں مشغول ہونا اسے اس کی ضد سے مانع رکھتا ہے۔ جیسے بلقیس کو سورج پرستی نے عبادتِ الٰہی سے محروم رکھا۔ اس لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ کسی دنیوی کام میں مستغرق نہ ہو بلکہ وہ صرف اور صرف عبادتِ الٰہی اور محبت ایزدی کو اپنائے اس لیے کہ جب اس پر ما سوی اللہ کی حُب غالب ہوگی اور اسے اس سے کوئی شے روکنے والی بھی نہ ہوگی نہ عقل سے نہ دین سے تو وہی محبت اسے ما سوی اللہ سے اندھا اور بہرہ بنا دے گی۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

حدیث شریف حُبُّكَ الشَّیْءَ یعمی ویصم۔

(تجھے کسی شے کی محبت اندھا و بہرہ بنا دے گی)

عجیب محل کی تیاری مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے پہنچنے سے پہلے حکم فرمایا کہ ایسا محل تیار کیا جائے جس کا صحن سفید شیشوں کا ہو اور اس کے نیچے پانی جاری کیا جائے اور اس میں مچھلیاں وغیرہ ڈال دی جائیں اور سلیمان علیہ السلام کا تخت اس کے درمیان میں رکھا جائے۔ یہ سب کچھ کر کے سلیمان علیہ السلام تخت پر بیٹھ گئے اور آپ کے ارد گرد پرندے اور جن و انس کھڑے ہو گئے۔

تفسیر عالمانہ جب بلقیس محل کے قریب پہنچی قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ تو اسے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جا

حلِ لغات : الصرح بمعنے محل اور وہ عمارت جو اونچی ہو۔ اسے اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ وہ ہر قسم کی ملاوٹ سے خالص ہوتا ہے۔ اور صرح (بفتحتین) بمعنے خالص عن کل شئ۔

marfat.ocm

فَلَمَّا رَاَتْهُ پس جبکہ بلقیس نے اسے دیکھا کہ اس میں سورج چمک رہا ہے اور پانی خالص ہے اور اس میں مچھلیاں تیر رہی ہیں حَسِبَتْهُ لُجَّةً لُجّة بمعنے دریا کی گہرائی، جس کا پانی موجیں مار رہا ہو۔ (کذا فی المفردات)

کشف الاسرار میں لجۃ بمعنے پانی کی گہرائی اور وہ تھوڑا سا پانی مراد ہے جو زیادہ سے زیادہ گٹوں یا پنڈلیوں تک ہو یا جس میں انسان ڈوب نہ سکے۔ (کذا فی القاموس)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ بلقیس نے خیال کیا کہ سلیمان علیہ السلام کے آگے گہرا پانی ہے اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پانی شیشے کے نیچے بہ رہا ہے۔ ارادہ کیا کہ وہ اس میں داخل ہو وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا اور اپنی دونوں پنڈلیوں کو کھولا۔ ساقین ساق کا تثنیہ ہے اور دو گٹوں کے درمیان والی جگہ کو ساق کہا جاتا ہے دو گٹوں سے ایک گٹہ گھٹنوں کا دوسرا قدم کا گھٹنا مراد ہے یعنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا تاکہ پانی میں بھیگ نہ جائے۔ جب پنڈلی کھولی تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ پنڈلی اس قدر حسین تھی کہ ایسی پنڈلی کسی نے کبھی دیکھی نہ سُنی اور اس پر بالوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ قَالَ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا پنڈلی سے کپڑا اٹھانے کی ضرورت نہیں اِنَّهٗ اس لیے کہ بیشک وہ جسے پانی گمان کر رہی ہے صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ محل ہے چکنا، سیدھا، ہموار، صاف ستھرا شیشے اور تلوار کی طرح۔ اسی سے امرد (بے ریش) ہے کہ اس کی داڑھی کے بال نہیں ہوتے، چہرہ صاف ستھرا ہوتا ہے اور نہایت ہی نرم و نازک ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے: شجرۃ مرداء (وہ درخت جس کے پتے نہ ہوں) مِّنْ قَوَارِيْرَ شیشوں سے۔

حلِ لغات: القاموس میں ہے القواریر، قارورۃ کی جمع ہے۔ وہ شے جس میں پانی وغیرہ قرار پکڑے یا مطلق شیشہ۔

یعنی یہ خالص شیشوں سے تیار کیا گیا ہے اس میں پانی نہیں ہے قَالَتْ جب بلقیس نے یہ حال دیکھا کہ سلیمان علیہ السلام صاحبِ معجزہ ہیں کہا رَبِّ اے میرے پروردگار! اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ بے شک میں نے سورج پرستی کر کے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اب میں اسلام لائی ہوں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے، وہ پروردگارِ عالم ہے۔

نکتہ: بلقیس نے رب العالمین کی صفت کا اضافہ کر کے ظاہر کیا ہے کہ مجھے اس کی الوہیت کی مکمل معرفت نصیب ہو گئی ہے اور اب میں سمجھ گئی کہ صرف وہی عبادت کا مستحق ہے کیونکہ وہ جملہ عالم کا پروردگار ہے منجملہ ان کے یہی سورج بھی ہے جس کی میں پرستش کرتی رہی۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس نے کہا کہ اب میں توحیدِ خالص کی اقراری ہوں اور سلیمان علیہ السلام کی فرمانبردار

marfat.com

ہوں اور ان کی اقتدا میں عبادتِ الٰہی بجالاؤں گی۔

ف : قیصری نے کہا کہ (بلقیس نے کہا)، میں سلیمان علیہ السلام جیسا اسلام قبول کر چکی ہوں۔

یہ لفظ مع اس مع کی طرح ہے جو آیت :

یوم لا یخزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ۔

(اس دن اللہ تعالیٰ اپنے رسول علیہ السلام کے ساتھ اہلِ ایمان کو رُسوا نہ کرے گا)

میں ہے۔ یہ اس لیے کہ اہلِ ایمان عوام کا ایمان رسل کرام علیہم السلام کے ایمان کے مقارن نہیں ہوتا۔ ایسے ہی بلقیس کا ایمان سلیمان علیہ السلام کے ایمان کے مقارن نہ تھا۔ مطلب یہ کہ بلقیس نے کہا، میں اللہ اور آخرت پر اسی طرح ایمان لاتی ہوں جیسے سلیمان علیہ السلام ایمان لائے ہیں۔ جیسے وہ اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں میں بھی اسی طرح سرِ تسلیم خم کرتی ہوں۔

ف : یہ مع بمعنے بعد ہے، جیسے ان مع العسر یسراً میں مع بمعنے بعد ہے۔

نکاحِ بلقیس بلقیس کے نکاح کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کا نکاح یمن کے امراء کے ایک صاحبزادے سے کردیا یعنی ذو تبع کے ساتھ جو ہمدان کا بادشاہ تھا۔ اور تبع یمن کی لغت میں اس بادشاہ کو کہا جاتا ہے جس کی تابعداری کی جائے۔ وہ اس لیے کہ بلقیس کو جب سلیمان علیہ السلام نے اپنے ساتھ نکاح کے لیے کہا تو اس نے انکار کردیا اور کہا مجھ جیسی مردوں سے نکاح نہیں کرسکتی۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ نکاح بھی ہمارے دین کا ایک حکم ہے۔ کہا تو پھر میرا نکاح ذو تبع سے کر دیجئے۔ اس پر آپ نے اس کا نکاح ذو تبع سے کر کے واپس یمن بھیج دیا اور یمن کی شاہی اس ذو تبع کے سپرد فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے زوبعہ امیرِ جناتِ یمن کو بلا کر فرمایا کہ تمہارے ذمہ ذو تبع کی خدمت ضروری ہے وہ جو چاہے تم سے خدمت لے تم ان کی خدمات سرانجام دو۔ اسی لیے ذو تبع نے یمن میں بہترین صنعتیں تیار کرائیں اور مضبوط قلعے تیار کرائے جیسے صرواح و مرواح و ہندۃ و ہنیدۃ وفلتوم۔ یہ وہ قلعے ہیں جنھیں یمن میں جنات نے تیار کیا تھا لیکن آج وہ ویران و برباد ہو کر ناپید ہو چکے ہیں اور ذو تبع و بلقیس کی شاہی سلیمان علیہ السلام کے وصال کے بعد ختم ہو گئی۔ اس لیے کہ جب سلیمان علیہ السلام کا وصال ہُوا تو زوبعہ جنات کے بادشاہ نے اعلان کیا کہ سلیمان علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اب جہاں چاہو چلے جاؤ۔ اس اعلان کے بعد جنات ذو تبع کے حکم سے علیحدہ ہو کر منتشر ہو گئے۔

بلقیس کا نکاح سلیمان علیہ السلام کے ساتھ بعض علماء فرماتے ہیں کہ بلقیس کو سلیمان علیہ السلام خود اپنے نکاح میں لائے تھے۔ صاحبِ تاویلات نجمیہ اس پر دلیل قائم فرماتے ہیں کہ شیاطین نے بلقیس کے متعلق شُبہ ڈالا تھا کہ وہ جنّیہ ہے اور اس کی پنڈلی پر بال ہیں

marfat.ocm

اسی لیے آپ نے اس کی پنڈلی کھلوانے کا سبب بنایا اور اس کی پنڈلی کو دیکھا اگر نکاح کا ارادہ نہ ہوتا تو آپ کبھی اس کی پنڈلی کو نہ دیکھتے کیونکہ شرعاً عورت کے اجزاء کا دیکھنا ناجائز ہے اور نبی ہر ناجائز فعل کے ارتکاب سے معصوم ہوتا ہے۔

بال صفا دوائی کی ایجاد

فتح الرحمٰن میں ہے کہ بلقیس کی پنڈلی پر واقعی بال تھے سلیمان علیہ السلام نے ان کے مونڈنے کا مشورہ انسانوں سے لیا تو انہوں نے کہا کہ اُسترے سے مونڈ لیے جائیں۔ آپ نے فرمایا، استرے سے خراش کا خطرہ ہے کوئی اور تجویز چاہیے۔ اس پر جنات کو بلایا گیا جنات نے نورہ (بال صفا دوائی) تیار کی اور کہا کہ حمام میں داخل ہو کر اسے پنڈلی پر لگائیں بال جھڑ جائیں گے۔ اس روز سے نورہ اور حمام ایجاد ہوئے۔

ف: بعض نے کہا: حمام خود حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کے اردگرد تیار کرائے تھے جو باب اسباط کے باہر واقع تھے۔ روئے زمین پر سب سے پہلے آپ نے ہی حمام بنوائے۔

نکاحِ سلیمان بہ بلقیس اور محبت کی کہانی

روضۃ الاخبار میں ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے نکاح کیا تو جنات نے کہا کہ ہم آپ کو ایسا مکان تیار کر دیتے ہیں جو چاروں موسموں کے موافق ہو۔ ایسا مکان تیار کیا گیا اور اس میں حمام بھی تیار ہوا۔ سلیمان علیہ السلام کے نکاح کے بعد اس سے محبت شدید پیدا ہوگئی لیکن اسے اپنے ملک یمن (سبا) میں قیام رکھنے کا حکم فرمایا لیکن جنات سے تین قلعے تیار کرائے:

۱۔ سلجین

۲۔ غمدان

۳۔ بینون

وہ اتنے اُونچے تھے کہ مضبوطی اور حُسن و جمال میں دنیا بھر میں ان کی مثال نہ تھی لیکن آج بالکل ویران ہیں اور ان کے نشانات بھی نہیں ملتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ ہُود میں ان کے متعلق فرمایا: حصید (یعنی ریزہ ریزہ ہو کر ملیامیٹ ہو گئے) حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کے پاس مہینہ میں ایک دفعہ تشریف لے جاتے اور تین دن اس کے ہاں ٹھہرتے۔ بلقیس سے آپ کا ایک بیٹا داؤد بن سلیمان بن داؤد پیدا ہوا لیکن سلیمان علیہ السلام کی زندگی میں ہی اللہ کو پیارا ہو گیا۔

سلیمانی شاہی کی مدت

سیدنا سلیمان علیہ السلام تیرہ سال کی عمر میں مسند نشین ہُوئے اور ترپن سال کی عمر میں فوت ہُوئے۔ اس معنی پر آپ نے چالیس سال سلطنت سنبھالی۔ بعد وفات موسیٰ علیہ السلام ۵۷۵ھ کے اواخر میں وفات پائی۔ آپ کی وفات اور ہجرت شریفہ اسلامیہ کے

marfat.com

درمیان ۷۰۳ سال گزرے۔ آپ کی قبر مبارک بیت المقدس میں جیسمانیہ کے نزدیک ہے اور آپ کے والدگرامی کا مزار بھی یہیں ہے۔ بلقیس بھی سلیمان علیہ السلام کے وصال کے صرف ایک ماہ بعد فوت ہوگئی۔

جب تدمر کی دیوار توڑی گئی تو اس پر بہتر (۷۲) حلہ جات پائے گئے جو صبر اور مصطکی (دواؤں) سے اعجوبہ باقی رکھے گئے تھے، پھر ان کے حسن و جمال کا کیا کہنا۔ اور پھر لطف یہ کہ وہ ہلانے سے ہلتے تھے۔ بلقیس کی قبر کے سرہانے لکھا تھا:

"انا بلقیس صاحبة سلیمان بن داؤد خرب اللہ من یخرب بیتی۔"

(میں سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی زوجہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کے ملک کو برباد کرے جو میرے گھر کو اجاڑے)

یہ واقعہ مروان الحمار کے دور میں ہوا ہے

۱ ہمہ تخت و ملکے پذیرد زوال
بجز ملک فرماندہ لایزال

۲ جہان اے پسر ملک جاوید نیست
ز دنیا وفاداری امید نیست

۳ مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم
کہ پیش از تو بودست و بعد از تو ہم

۴ نہ لایق بود عشق با دلبرے
کہ ہر بامدادش بود شوہرے

۵ دریغا کہ بے ما بسے روزگار
بروید گل و بشگفد نوبہار

۶ مکن عمر ضایع بافسوس حیف
کہ فرصت عزیزست والوقت سیف

۷ عروسے بود نوبت ماتمت
گرت نیک روزے بود خاتمت

ترجمہ: (۱) ہمہ ملک و تخت زوال پذیر ہیں سوائے لایزال حاکم (اللہ تعالیٰ) کے۔

(۲) اے بیٹے! ملک دائمی نہیں، دنیا سے وفاداری کی امید نہیں۔

(باقی برصفحہ)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صٰلِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقٰنِ يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٥﴾

اور بیشک ہم نے ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو بھیجا کہ اللہ کو پوجو تو جبھی وہ دو گروہ ہو گئے جھگڑا کرتے۔ صالح نے

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللّٰهَ

فرمایا اے میری قوم کیوں برائی کی جلدی کرتے ہو بھلائی سے پہلے اللہ سے بخشش کیوں نہیں مانگتے شاید تم پر

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

رحم ہو ۔ بولے ہم نے برا شگون لیا تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے فرمایا تمہاری بدشگونی اللہ کے پاس

بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿٤٧﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُونَ فِي

ہے بلکہ تم لوگ فتنے میں پڑے ہو اور شہر میں نو شخص تھے کہ زمین میں فساد کرتے اور

الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿٤٨﴾ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ

سنوار نہ چاہتے آپس میں اللہ کی قسمیں کھا کر بولے ہم ضرور رات کو چھاپا ماریں گے صالح اور اس کے گھر

لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصٰدِقُونَ ﴿٤٩﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا

والوں پر پھر اس کے وارث سے کہیں گے اس گھر والوں کے قتل کے وقت ہم حاضر نہ تھے اور بیشک ہم سچے ہیں اور انہوں نے

مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٠﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عٰقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ

اپنا سا مکر کیا اور ہم نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی اور وہ غافل رہے تو دیکھو کیسا انجام ہوا ان کے مکر کا ہم نے ہلاک کر دیا انہیں اور ان کی

وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥١﴾ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوا ۗ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً

ساری قوم کو تو یہ ہیں ان کے گھر ڈھے پڑے بدلہ ان کے ظلم کا بے شک اس میں نشانی

لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ ﴿٥٢﴾ وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٣﴾ وَلُوطًا إِذْ قَالَ

ہے جاننے والوں کے لیے اور ہم نے ان کو بچا لیا جو ایمان لائے اور ڈرتے تھے اور لوط کو جب اس نے

لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿٥٤﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ

اپنی قوم سے کہا کیا بے حیائی پر آتے ہو اور تم سوجھ رہے ہو کیا تم مردوں کے پاس شہوت سے

شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَآءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿٥٥﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ

جاتے ہو عورتیں چھوڑ کر بلکہ تم جاہل لوگ ہو تو اس کی قوم کا کچھ

قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا اٰلَ لُوطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ﴿٥٦﴾

جواب نہ تھا مگر یہ کہ بولے لوط کے گھرانے کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ تو ستھرا پن چاہتے

marfat.com

فَأَنْجَيْنَٰهُ وَأَهْلَهُۥٓ إِلَّا ٱمْرَأَتَهُۥ قَدَّرْنَٰهَا مِنَ ٱلْغَٰبِرِينَ ۝٥٧ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا

پس تو ہم نے اُسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دی مگر اس کی عورت کو ہم نے ٹھہرا دیا تھا کہ وہ رہ جانے والوں میں ہے اور

فَسَآءَ مَطَرُ ٱلْمُنذَرِينَ ۝٥٨ قُلِ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَٰمٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ ٱلَّذِينَ

ہم نے ان پر ایک برساؤ برسایا تو کیا ہی بُرا برساؤ تھا ڈرائے ہوؤں کا تم کہو سب خوبیاں اللہ کو اور سلام اس کے چنے ہوئے بندوں پر

ٱصْطَفَىٰٓ ءَآللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ ۝٥٩

کیا اللہ بہتر یا ان کے ساختہ شریک

(بقیہ صفحہ)

(۳) ملک و جاہ و حشم پر بھروسا مت کر اس لیے کہ تجھ سے پہلے بھی بہت ہوئے اور بعد کو بھی بہت آئیں گے۔

(۴) اس محبوب سے محبت اچھی نہیں جس کا ہر صبح نیا شوہر ہو۔

(۵) افسوس ہے کہ ہمارے بغیر زمانے میں بہت سے پھول اُگیں گے اور نئی بہاریں آئیں گی۔

(۶) عمر ضائع نہ کیجئے افسوس و حیف ہے کہ فرصت عزیز ہے اور وقت تلوار ہے۔

(۷) مرتے وقت تیرا خاتمہ اچھا ہو گیا تو تجھے ایسی موت پر مبارک ہو۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ ثَمُودَ اور ہم نے ثمود کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ یہ عرب کا ایک قبیلہ تھا جو بُت پرستی میں مبتلا تھا أَخَاهُمْ ان کے اس نسب سے صدق و امانت میں معروف تھا صَٰلِحًا صالح علیہ السلام کو ان کا ترجمہ و تعارف پہلے بیان ہو چکا ہے أَنِ یہ مصدریہ ہے یہ در اصل بِأَنْ تھا۔ یہ کہ اعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ اللہ کی عبادت کرو اس کا کوئی شریک نہیں فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ پس اس پر ان کے دو گروہ ہو گئے يَخْتَصِمُونَ ۝ آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے اختصام بمعنی ایک دوسرے سے دست بگریبان ہونا یعنی ایک گروہ بدستور کافر رہا یعنی صالح علیہ السلام کے اعلانِ نبوت پر ثمود کے دو گروہ ہو گئے ایک مسلمان ہو گیا دوسرا کافر۔

marfat.ocm

ف : کاشفی مرحوم نے لکھا کہ ان کے جھگڑے کی تفصیل سورۂ اعراف میں بیان ہو چکی ہے۔ مثلاً :
قال الملأُ الذی استکبروا من قومہ للذین استضعفوا۔ (قوم کے لیڈروں نے کمزوروں سے کہا الخ)

قَالَ صالح علیہ السلام نے کافروں سے فرمایا **یٰقَوْمِ** اے میری قوم ! **لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَۃِ** کیوں سزا کی جلدی کرتے ہو۔ مثلاً وہ کہتے تھے :
ائتنا بما تعدنا (لاتے وہ جس سے تم ڈراتے ہو)

حلِ لغات : الاستعجال بمعنے وقت سے پہلے کسی شے کا مطالبہ کرنا۔ لِمَ دراصل لِمَا (استفہام) ہے۔
قَبْلَ الْحَسَنَۃِ توبہ سے پہلے۔ تم توبہ کو نزولِ عذاب سے موخر کر رہے ہو۔ وہ اپنی جہالت وغوایت کی وجہ سے کہتے تھے کہ جب عذاب آئے گا تو ہم توبہ کر لیں گے ورنہ جس حال میں ہیں یہی اچھا ہے۔
ف : کشف الاسرار میں ہے کہ قبل میں تقدم زمانی مراد نہیں بلکہ تقدم رتبی و آزمائشی مراد ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی کہے :
صحۃ البدن قبل کثرۃ المال۔
(کثرتِ مال سے قبل صحۃ البدن ضروری ہے)
لَوْلَا یہ حرف تخصیص بمعنے ھلّا ہے **تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰہَ** تم نزولِ عذاب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے بخشش کیوں نہیں مانگتے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کیوں نہیں کرتے **لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ** ○ امید کرو کہ تم پر رحم کیا جائے اور تمہاری توبہ قبول ہو جائے تو عذاب سے بچ جاؤ گے کیونکہ نزولِ عذاب کے وقت قبولِ توبہ کا امکان نہیں رہتا ؎

تو پیش از عقوبت در عفو کوب
کہ سودے ندارد فغان زیر چوب

ترجمہ : سزا سے پہلے ہی معافی کا دروازہ کھٹکھٹا اس لیے کہ جب ڈنڈا سر پہ برسا تو اس وقت فریاد کام نہ آئے گی۔

قَالُوا اطَّیَّرْنَا انہوں نے کہا ہم نے بُری فال لی ہے۔ یہ دراصل تطیّرنا تھا تطیّر بمعنے بد فال لینا۔

طریقۂ فال ان کے فال لینے کا ایک طریقہ تھا کہ اگر سفر کو جاتے وقت کسی پرندے کو دائیں جانب اڑتا دیکھتے تو سمجھتے اس سے ان کا فائدہ ہے اگر وہ بائیں طرف گزر جائے تو سمجھتے کہ اس سے نقصان ہو گا۔ یُوں انہوں نے تقدیر ربانی کی بجائے نفع و نقصان کی نسبت پرندے کی طرف کر رکھی تھی۔ جو فعل کسی شے کے سبب

marfat.com

سے ہوتا یا کسی بندے سے ہوتا تو وہ اس سے نیک و بد فالی پکڑتے۔

ف : فتح الرحمٰن اور الکواشی میں ہے کہ سانح وہ پرندہ جو دائیں جانب اُڑے تو اسے تیر مار کر گرایا جا سکتا ہے اسی سہولت کی بنا پر اس سے نیک فالی لیتے تھے۔ اور البارح وہ پرندہ جو بائیں جانب اڑتا چونکہ اسے تیر مار کر گرانا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے اس سے بدفال پکڑتے اس کے بعد ہر بدفالی کو تطیّر کہنے لگے۔

القاموس میں البارح وہ پرندہ جو کسی کی دائیں جانب سے بائیں جانب کو جائے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

برح الظبی بروحاً یعنی ہرنی پیٹھ پھیر کر تیری بائیں جانب سے نکل گئی۔

اور سنح سنوحا، برح کی نقیض ہے اور کہا جاتا ہے:

لی بالسنح بعد البارح۔ یعنی مجھے منحوس کے بعد مبارک ملا۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ یہ عرب کے اعتقادات تھے جو بعض وحوش و طیور میں ایسی فالیں پاتے تھے مثلاً جب کوئی پرندہ ایک جانب سے بولے اور دوسری جانب کو چھوڑ دے تو کہتے ہم بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی باتوں سے روکا ہے، فرمایا:

حدیث شریف اقروا الطیر علی مکناتہا۔

(پرندوں کو اپنے گھونسلوں میں رہنے دو)

کیونکہ یہ صرف اوہام ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

ف : المکنات بمعنے ضبہ کا انڈا۔ اس کا واحد مکنۃ ہے۔

قول ابنِ عباس حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک پرندہ بولا۔ کسی نے کہا خیر ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

لاخیر ولا شر (اس میں نہ خیر ہے نہ شر)

لا تنطقن بما کرھت فربما

نطق اللسان بحادث فیکون

ترجمہ : مکروہ کلمہ منہ سے نہ نکالو اس لیے کہ کبھی زبان سے ایسا کلمہ نکل جاتا ہے جو ہو کر رہتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان اللہ یحب الفال ویکرہ الطیرۃ۔

marfat.ocm

(بے شک اللہ تعالیٰ فال کو پسند فرماتا اور بدفالی کو ناپسند فرماتا ہے)

شرح الحدیث ابن الملک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اہلِ جاہلیت کی عادت تھی کہ جب کوئی کسی کے ہاں کسی کام کے لیے جانا چاہتا اور بوقتِ روانگی اس کی بائیں جانب پرندہ یا کوئی شے گزرتی تو وہ اسے نحوست سمجھ کر لوٹ آتا اسے وہ طیرہ سے تعبیر کرتے۔

بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے تمہیں اور تیرے دین کے ساتھیوں کو منحوس سمجھا ہے کیونکہ تمہاری وجہ سے ہم پر مسلسل مصائب آ رہے ہیں وہ اس لیے کہ جب سے تم نے دعوت و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا ہے ہم اس روز سے مصائب و شدائد میں مبتلا ہیں۔

ف: جب وہ قحط کے شکار ہوتے تو کہتے اے صالح (علیہ السلام)! یہ تیری اور تیرے ساتھیوں کی نحوست ہے (معاذ اللہ) ایسے ہی قومِ موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اور اہل انطاکیہ نے اپنے رسل کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام کو کہا تھا۔

قَالَ طٰٓئِرُكُمْ صالح علیہ السلام نے فرمایا جس سبب سے تمہارے ہاں شر آیا ہے **عِنْدَ اللّٰهِ** وہ اللہ تعالیٰ سے ہے یعنی اس کی تقدیر سے ہے یا تمہارے ان اعمال کی شامت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھے ہوئے ہیں۔

نکتہ: تقدیر کو طائر سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح پرندہ تیز اڑتا ہے ویسے ہی تقدیر تیزی سے گھرتی ہے اسی لئے مشہور ہے کہ:

لا شئ اسرع من قضاء محتوم۔

(تقدیر مبرم سے کوئی شے تیز تر نہیں) کما فی فتح الرحمٰن۔

یعنی یہ خیر و شر منجانب اللہ ہیں ان کا سبب تو تمہارے گناہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھے ہوئے ہیں اور اس کا حکم ازلی ابدی ہے میری وجہ سے تبدیل نہیں ہوگا ؎

قلم بہ نیک و بد خلق در ازل رفتست
بگفت و گوئے خلائق گر نخواہد شد

ترجمہ: مخلوق کی نیک و بُری تقدیر ازل سے لکھی جا چکی ہے اب مخلوق کی باتوں سے تبدیل نہ ہوگی۔

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝ بلکہ تم خیر و شر کے نزول سے آزمائش کیے جا رہے ہو تاکہ کبھی دولت دے تو کبھی غربت اور کبھی سہولت دے تو کبھی مشقت۔ یا تفتنون بمعنے تعذبون ہے یعنی عذاب دئے جاؤ گے اور اعراض ان کی بدفالی کے قول سے ہے کہ واقعی یہ جو تم مصائب میں گھر گئے ہو یہ بدفالی سے نہیں بلکہ تمہارے

marfat.com

اعمال کی شامت ہے۔ اس کی مثال وُہ ہے جو اہلِ عرب کہتے ہیں؛

فتنت الذھب بالنار۔

(میں نے سونے کو آگ سے پرکھا) (تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ سونا کھرا ہے یا کھوٹا)

ازالۂ وہم اللہ تعالیٰ کا امتحان لینا بایں معنیٰ ہے کہ ظاہر ہو جائے ان میں کون کھرا ہے اور کون کھوٹا۔ بفضلہٖ تعالیٰ انبیاء و اولیاء و صلحاء کا کھراپن واضح ہے۔ مثلاً ایوب علیہ السلام کو آزمایا گیا تو خلقِ خدا کے سامنے ان کے درجات اور قربِ الٰہی کے حالات واضح ہو گئے اور کفار و منافقین اور فاسقین کا کھوٹا ہونا بھی واضح ہے۔

حکایت ایک عورت کی بیماری نے طول پکڑا۔ صبر نہ کر سکی۔ بالآخر کافر ہو گئی۔ اسی لیے کہا جاتا ہے؛

عند الامتحان یکرم الرجل او یھان۔

(امتحان سے یا تو انسان کی عزت افزائی ہوتی ہے یا ذلت و خواری) ؎

خوش بود گر محک تجربہ آید بمیان

تا سیہ روئے شود ہر کہ درو غش باشد

ترجمہ: اچھا ہے اگر کسوٹی پر پرکھا جائے تاکہ جھوٹے کا منہ کالا ہو۔

ف: ہر آزمائش بصورت مرغوب ہو یا مکروہ رحمتِ الٰہی ہے اس لیے کہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو قریب لانا چاہتا ہے اگر بندہ اسے نہ چاہے تو اس سے ناراض ہو جاتا ہے پھر اس کی نہ دنیا میں خیر ہے نہ آخرت میں۔ جیسا کہ یہ طریقہ امم سابقہ سے تا قیامت چلتا جائے گا۔

اولیاء اللہ کی نشانی اللہ والوں کے لیے نعمت و مشقت دونوں برابر ہیں کیونکہ وُہ سمجھتے ہیں یہ دونوں اللہ تعالیٰ سے آتی ہیں اسی لیے ان کا ہر لمحہ خوشی سے گزرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں بدفالی نہیں کرتے۔ وُہ ہر وقت حمدِ الٰہی میں لگے رہتے ہیں اور وہ کسی بھی دُکھ تکلیف پر جزع فزع نہیں کرتے۔

گناہ کی مصیبت گناہ کی مصیبت تمام مصائب کا سر ہے۔ ایسے ہی باطنی مصیبت ظاہری مصیبت سے سخت تر ہے۔ حضرت فارض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛ ع

وکل بلا ایوب بعض بلیتی

ترجمہ: ایوب علیہ السلام کی تمام مصیبت میری مصیبت کا ایک حصہ ہے۔

حلِ اشکال (چونکہ بظاہر یہ مصرع نبی علیہ السلام کی بے ادبی پر دلالت کرتا ہے اسی لیے اس کی توضیح فرمائی کہ) اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ میرا مرض روحانی ہے اور ایوب علیہ السلام جسمانی مریض تھے پھر انہیں تو نبوت کی برکت بھی حاصل تھی اور میں بیچارہ کون۔ اس لیے میرا مرض ان کی بیماری سے

marfat.ocm

شدید تر ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق و عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ اور تھے شہر میں نو شخص۔ المدینۃ سے یہاں پر الحجر (بکسر الحاء المھملۃ) مراد ہے۔ یہی ثمود کے علاقے تھے۔ اور وہ حجاز و شام کے درمیان واقع ہے۔ اور رھط سے اشخاص مراد ہیں اسی لیے یہ تسعۃ کی تمیز واقع ہے لفظاً بلکہ معنیً، کیونکہ تین سے نو عدد تک کی تمیز جمع اور مجرور ہوتی ہے۔ اور رھط لفظاً مفرد ہے لیکن معنیً جمع۔

رھط و نفر کا فرق رھط تین یا سات سے دس تک، لیکن ان میں عورت نہ ہو۔ اور نفر تین سے نو تک (مطلقاً)۔

نو اشخاص کے اسماء: بقول وہب رضی اللہ عنہ اُن نو اشخاص کے اسماء یہ ہیں:

(۱) ہذیل بن عبد الرب

(۲) غنم بن غنم

(۳) یاب بن مہرج

(۴) مصدع بن مہرج

(۵) عمیر بن کردیہ

(۶) عاصم بن مخزمہ

(۷) سبیط بن صدقہ

(۸) سمعان بن صفی

(۹) قدار بن سالف

اور کشف الاسرار میں ہے کہ ان کے نام یہ ہیں:

(۱) قدار بن سالف

(۲) مصدع بن دہر

(۳) اسلم

(۴) رھمی

(۵) رھیم

(۶) دعمی

marfat.com

(۷) دعیم

(۸) قبال

(۹) صداف

یہی وہ نو بدبخت ہیں جنہوں نے اونٹنی کو مارنے کی کوشش کی اور جو قوم صالح میں بڑے سرکش انسان تھے حالانکہ ان کے اسلاف قوم کے برگزیدہ لوگ تھے۔

ربط : اب ان نواشخاص کے اوصاف بتاتے ہیں کہ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وہ حجر کے علاقے میں جرائم کے ارتکاب سے فساد پھیلاتے تھے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ المدینة کی بجائے الارض فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ ان کا فساد صرف اسی شہر تک محدود نہ تھا بلکہ تمام علاقہ ان کے شر و فساد کی لپیٹ میں تھا اس سے معلوم ہوا کہ یہاں الارض سے مطلقاً زمین مراد نہیں بلکہ ایک مخصوص علاقہ مراد ہے۔

وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ اور وہ کسی قسم کی اصلاح کے روادار نہ تھے حرف عطف سے اشارہ کر دیا کہ ان کا فساد ہی فساد تھا اصلاح کا نام و نشان اس میں نہیں تھا قَالُوْا یہ جملہ مستانفہ ہے ان کے فساد کے بعض کارناموں کا بیان ہے یہ اس وقت انہوں نے کہا جب صالح علیہ السلام نے انہیں عذاب الٰہی سنایا کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کو قتل کیا تو تم پر تین دنوں کے اندر عذاب آجائے گا اور تمہاری شکلیں بھی بدل جائیں گی اس پر ان کی مجلس شوریٰ کے بعض ممبروں نے کہا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ اللہ کی قسمیں کھاؤ۔ اہل عرب کہتے ہیں: اقسم ای حلف۔ یعنی قسم کھائی۔ یہ دراصل القسامہ سے ہے۔ القسامہ وہ قسمیں ہیں جو متہمین پر خون کی دیت میں تقسیم کی جاتی ہیں پھر ہر قسم کو قسم کو کہا جانے لگا۔ یہ امر ہے اور قالوا کا مقولہ ہے یا ماضی کا صیغہ ہے واؤ سے حال ہے بشرطا حذف قد اب معنی یہ ہوا کہ درانحالیکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ہم صالح علیہ السلام اور اس کے گھر والوں کے ہاں رات کے وقت اچانک دھاوا بول کر اسے اور اس کے گھر والوں کو قتل کر دیں گے۔ التبییت میں ہے کہ التبییت بمعنے رات کو اچانک دشمن پر دھاوا بولنا ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ پھر صالح علیہ السلام کے متولیوں کو کہیں گے اگر وہ ہم سے صالح علیہ السلام کے قتل کے بارے میں پوچھیں گے تو پھر ہم کہیں گے مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ ہم تو ان کی اور ان کے اہل کی ہلاکت میں موجود بھی نہ تھے پھر ہم سے سوال کیوں۔ اس معنی پر مہلک مصدر ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ ان کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اس وقت یہ ظرف زمان ہوگا۔ یا معنیٰ یہ ہے ان کی ہلاکت کی جگہ پر موجود نہ تھے اس معنی پر یہ ظرف مکان ہوگا وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ اور یقیناً ہم سچے ہیں۔ مقولہ کا آخری حصہ ہے یعنی ہم کہیں گے کہ ہم اپنے دعویٰ میں سچے ہیں یہ ایسے ہے جیسے یعقوب علیہ السلام

marfat.ocm

بیٹوں نے کہا،

وما انت بمؤمن لنا ولو کنا صادقین۔

(اور تم نہیں مانو گے اگرچہ ہم سچے ہیں)

وَمَكَرُوْا مَكْرًا اور انہوں نے اسی طریقہ سے مکر کیا۔ المکر کسی کو حیلہ سے مقصد سے پھیرنا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا اور ہم نے ان کے اسی طریق سے ہی انہیں تباہ کر ڈالا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ اور انھیں خبر تک نہ ہوئی ○

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت

دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

ترجمہ: جو بُرائی کا بیج ڈال کر نیکی کی امید رکھتا ہے اس نے بیہودگی اور باطل خیالی کی۔

فَانْظُرْ پس اے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غور و فکر فرمائیے اس میں کہ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ان کے مکر کا انجام کیا ہوا یعنی ان کا انجام کس حال پر واقع ہوا۔ وہ یوں ہوا کہ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ بے شک ہم نے انہیں تباہ کر ڈالا۔

حلِ لغات: التدمیر بمعنے جڑ اکھاڑ کر کسی کو تباہ کر ڈالنا۔

وَقَوْمَهُمْ اور ان کی وہ قوم جو ان کے ساتھ رات کے وقت صالح علیہ السلام پر حملہ آور ہوئی اَجْمَعِيْنَ ○ سب کو یہاں تک ان کا ایک فرد بھی ہمارے عذاب سے نہ بچ سکا۔

ثمود کی تباہی کا واقعہ جب صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو کافروں نے قتل کر ڈالا تو آپ نے انہیں فرمایا اب صرف تین دن تک تم زندہ رہ سکو گے اس کے بعد عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے اور صالح علیہ السلام کی مسجد حجر (شہر) کے ایک کونے میں تھی جس میں آپ نماز وغیرہ ادا کرتے۔ کافروں نے کہا رات کو چل کر صالح علیہ السلام کو قتل کر دیں اس کے بعد اس کی ماننے والی برادری کو، معلوم ہو کہ تین ایام کے اندر اندر ہم تباہ ہوتے یا وہ۔ چنانچہ یہ طے کر کے رات کے وقت وہ لوگ صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کے لیے آرہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بھاری پتھر گھڑا کیا یہ لوگ غار میں چھپے تو وہ پتھر غار کے منہ پر آگرا وہ غار میں بند ہو گئے اس طرح وہ یہاں تباہ ہوئے۔ قوم پریشان رہی کہ وہ کہاں گئے۔ ان تین ایام کے اندر ان کو بھی چنگھاڑ نے تباہ و برباد کر دیا۔

ف: فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ان کی تباہی و بربادی کی خبر کی تطبیق یوں ہوگی کہ ان کا ارادہ ہوا کہ وہ صالح علیہ السلام کو تباہ و برباد کریں اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا ان کو تباہ و برباد کرنے کا۔ ان کی قوم کو چنگھاڑ نے تباہ و برباد کر دیا کیونکہ وہ فساد برپا کرتے وقت سخت آوازے کستے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی

marfat.com

جنس کی سزا میں مبتلا فرمایا۔

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ پس یہ ان کے گھر ہیں خَاوِيَةً گرے پڑے ہیں اور اپنے مکینوں سے خالی ہیں۔

حلِ لغات: یہ خوی البطن سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب پیٹ خالی ہو جائے۔ یا خوی النجم سے ہے بمعنے ستارہ گرا۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ آج کل حجر (علاقہ) کے محلات دیکھو تو خالی اور خراب ہوئے پڑے ہیں بِمَا ظَلَمُوا بسبب ان کے ظلم مذکورہ و دیگر گندے کرتوتوں کے جیسے شرک وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت سہل (تستری) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت میں بیوت سے قلوب مراد ہیں کہ یہ بعض ذکرِ الٰہی سے معمور ہوتے ہیں اور بعض غفلت کی وجہ سے تباہ و برباد۔ جس دل میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر القاء فرمایا وہ ظلم سے بچ گیا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ فِي ذٰلِكَ بیشک بیان مذکور مثلاً ان کے ظلم کی وجہ سے ان کی عجیب وغریب تباہی لَاٰيَةً البتہ عبرت عظیم ہے لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ ایسے لوگوں کے لیے جو علم سے موصوف ہیں اور اس سے نصیحت پاتے ہیں یعنی اے محبوب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ایس تیری قوم سے بھی یہی کر سکتا ہوں لیکن ان کے لیے ایک وقت مقرر ہے جب وہ وقت آگیا تو پھر ان کی خیر نہیں۔ (کذا فی کشف الاسرار) وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور ہم نے ایمان والوں کو نجات دی۔ یعنی صالح علیہ السلام اور ان کے دیگر اہلِ ایمان ساتھیوں کو وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ اور وہ کفر و معاصی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بچتے تھے اسی لیے وہ دائمی نجات کے لیے مخصوص ہوئے اور کل چار ہزار افراد تھے انہیں صالح علیہ السلام حضرموت کی طرف لے گئے۔

ف: یمن میں ایک شہر کا نام حضرموت ہے۔ اس نام سے اس لیے موصوف ہے کہ صالح علیہ السلام اس میں داخل ہوتے ہی فوت ہو گئے۔ اس مناسبت سے اس کا نام حضرموت پڑ گیا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ ظلم کے علاقہ سے عدل کے علاقہ کی طرف ہجرت کرنا واجب ہے بالخصوص ان ظالموں سے دامن بچا کر چلا جانا ضروری ہے جو بلا وجہ مار دھاڑ کرتے رہتے ہیں۔ اسی لیے کہ جہاں ظلم ہوتا ہے وہ علاقہ تاریکی کی لپیٹ میں آجاتا ہے وہاں عبادت کو کبھی نور نصیب نہ ہوگا جہاں ظلم ہوتا ہو وہاں سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلا جانا ضروری ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔

تفسیر صوفیانہ قالب انسانی یعنی عناصر اربعہ اور حواسِ خمسہ کل نو ہوئے۔ جب یہ ظالم مفسد فساد ڈالنے لگیں اور صالح قلب پر غلبہ کا ارادہ رکھیں کیونکہ قلب اور ان نو اشخاص (اعضائے انسانی) کو آپس میں ضد ہے کیونکہ قلب انہیں عبودیت اور ترکِ شہوات کی دعوت دیتا ہے اور یہ اسے نظارۂ دنیا اور عقبیٰ

marfat.ocm

سے اعراض اور خدمت مولیٰ سے بالکل فارغ بیٹھنے کی دعوت دیتے ہیں جب کسی کا قلب الہام ربانی سے مؤید ہو تو وہ کبھی حظوظ ظاہرہ و باطنہ کی طرف مائل نہ ہو گا بلکہ وُہ دل تمام اعضاء پر غالب رہے گا اس کے بعد اسے نجات حاصل ہوئی اور وہ جو اس کے نواشخاص بالمقابل تھے وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے اور ان کی جملہ آفات و بلیات بھی ملیامیٹ ہو جائیں گی اس کے بعد دل اور وہ اعضاء جو ان حواس خمسہ کے رہنے کی جگہ سے خالی ہو جائیں گے۔ پھر اس میں نہ وہ خواص نہ وہ آفات۔ فنا کے بعد پھر کبھی زندہ نہ ہو سکیں گے۔ خوب کہا جس نے کہا:

الفانی لا یرد الی اوصافہ۔

(فانی اپنے بقا والے اوصاف کی طرف نہیں لوٹ سکے گا)

یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ کو ظہورِ طبیعت کا خوف نہیں ہوتا اس لیے کہ طبیعت نفس اور شیطان دونوں دشمن ہیں اور دشمن کا کام بھی یہی ہے کہ وہ دھوکا اور مکر و فریب کرے لیکن ان کی عداوت محبت سے تبدیل ہو جائے تو پھر کاہے کا بغض اور کا ہے کی عداوت۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں نفس و شیطان کے مکر و فریب سے بچائے اور ہر دشمن کی جملہ حوادث و تکالیف مطلقاً سے نجات بخشے۔

تفسیر عالمانہ وَلُوطًا اور ہم نے لُوط بن ہاران علیہ السلام کو بھیجا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا یہ ارسال کی ظرف ہے اس سے وہ امرِ ممتد مراد ہے جو ارسال اور اس کے درمیان افعال و اقوال گزرے۔ بعض نے کہا کہ لوطاً کا منصوب ہونا اذکر فعل محذوف کے مفعول ہونے کی وجہ سے ہے اور اذ اسی سے بدل ہے۔ یعنی اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یاد کیجئے جب قوم لوط علیہ السلام کو علی وجہ الانکار فرمایا اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ کیا تم فاحش فعل کرتے ہو؟

حلِ لغات: فاحشہ تمام قبائح و شنائع اقوال و افعال کا سرتاج۔ یہاں پر لواطت مراد ہے یعنی دُبر میں وطی کرنا۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے خدا کے بندو! کیا انتہائی قبیح کام کرتے ہو وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ حالانکہ تم بڑے باسمجھ ہو۔ یہ بصر القلب سے ہے بمعنے علم یعنی وہ قوتِ مدرکہ جو قلب کو حاصل ہے جسے بصیرت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی اس پر بصر کا بھی اطلاق ہوتا ہے لیکن عام اعضاء کے لیے بصیرت کا اطلاق نہیں ہوتا۔

(**لطیفہ**: اندھے کو بصیر کہا جاتا ہے یہ ؏

برعکس زنگی نام نہند کافور

کے قبیل سے ہے یا بصیرت اہلِ قوت کو کہا جاتا ہے)

marfat.com

ایسی قوت قلب کو حاصل ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تم یقیناً جانتے ہو کہ لواطت بہت بُرا فعل ہے اور جان بُوجھ کر قبیح فعل کا ارتکاب انتہائی برا ہے۔ اسی لیے ایک عربی مقولہ مشہور ہے:

فساد کبیر جاهل متنسك و عالم متهتك۔

(یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے کہ جاہل عابد ہو اور عالم بے عمل)

یا یہ نظر العین سے ہے یعنی اس قبیح فعل کو دیکھ کر کرتے ہو کہ ایک دوسرے کے سامنے ایسے قبیح فعل کا ارتکاب کرتے ہو اور یہ قبیح ترین عمل ہے اَئِنَّكُمْ کیا تم لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ البتہ آتے ہو مردوں کے پاس، یہ ان کے فحش کے ارتکاب کا بیان ہے شَهْوَةً بطور شہوت کے۔ یہ اس فعل کی مزید قباحت کے ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ جماع اولاد بڑھانے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ آتشِ شہوت بڑھانے کے لیے۔ شہوۃ کا اصل معنیٰ یہ ہے کہ نفس کا اپنی خواہش کی طرف مائل ہونا مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ عورتوں کے سوا، یعنی تمہارا یہ حال ہے کہ تم اس فعل میں عورتوں سے تجاوز کرتے ہو حالانکہ شہوت کا محل تو یہی ہیں بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ○ بلکہ تم جاہل لوگ ہو کہ اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کر رہے ہو اس لیے کہ جو اپنے پڑھے کے مطابق عمل نہ کرے بلکہ جاہلانہ عمل کرے تو اس میں اور جاہل میں کوئی فرق نہیں۔ اور تجهلون، قوم کی صفت ہے اور چونکہ قوم بمنزلہ مخاطب کے ہے اسی لیے اس کی صفت بھی صیغہ مخاطب کے ساتھ لائی گئی ہے۔

تم الجزء التاسع عشر بمن الله وكرمه (اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انیسواں پارہ ختم ہو گیا)

انتباہ (صاحبِ روح البیان علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ کے ہاں یہاں انیسواں پارہ ختم ہو گیا لیکن ہمارے یہاں پاک و ہند میں ابھی انیسواں پارہ ختم نہیں ہوا بلکہ ابھی کچھ آیات باقی ہیں جو یہ ہیں:)

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ تو نہ تھا ان کی قوم کا جواب۔ الجواب کا منصوب ہونا کان کی خبر ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس کا اسم اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا ہے، مگر ان کا ایک دوسرے کو کہنا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ لوط اور اس کے تابعداروں کو نکالو مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اپنے شہر سے۔ اس سے سدوم مراد ہے اِنَّهُمْ اُنَاسٌ انس کی جمع ہے اور الناس اسی کا مخفف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ یہ ایسے لوگ ہیں يَّتَطَهَّرُوْنَ ○ ہمارے افعال سے بچ بچاؤ کرتے ہیں یا پلیدیوں سے، یا ہمارے افعال کو پلیدیوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہوں نے بطریق استہزاء کہا تھا یہ ان کا وہ جواب ہے جو لوط علیہ السلام نے آخری مواعظ و نصائح فرمائے اس کے بعد پھر کوئی وعظ و نصیحت نہ فرمائی۔ اور یہ جواب بھی ان کا آخری تھا کہ اس کے بعد انہوں نے اور کوئی جواب نہ دیا۔

فَاَنْجَيْنٰهُ پس ہم نے لوط علیہ السلام کو نجات دی وَاَهْلَهٗٓ اور اس کے گھر والوں کو۔

marfat.ocm

یعنی اس کے اپنے رشتہ دار اور دوسرے لوگ اس کو ماننے والے تھے بایں طور کہ ہم نے حکم دیا کہ اس شہر سے ہجرت کر جاؤ۔ اِلَّا امْرَاَتَهٗ مگر اس کی عورت جو کافرہ تھی جس کا نام پواہلہ تھا اسے نجات نصیب نہ ہوئی قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ ہم نے اسے پیچھے رہنے والوں میں مقدر کر دیا کہ وہ بھی ان کی طرح عذاب میں مبتلا ہو۔ اسی لیے وہ اس شہر سے لوط علیہ السلام کے ساتھ نہ گئی یا ہجرت کر کے چلی لیکن راستہ میں پتھر سے مسخ ہو گئی جیسا کہ گزرا ہے۔

حلِ لغات: غبر غبورا بمعنے بقی۔ اس کا مفصل بیان سورۂ شعراء کے اواخر میں ہے۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ ہم نے ان کے شہروں کو الٹنے کے بعد ان کو اوپر سے نیچے کر کے بارش برسائی یا ان کے اکے دکے اور جو سفروں میں تھے ان پر غیر معہود بارش ہوئی یعنی ان پر پتھر برسائے گئے فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ پس بری تھی وہ بارش جس سے ان کو ڈرایا گیا جیسا کہ مخفی نہیں ہے اس کا مخصوص بالذم الحجارة ہے۔

مسئلہ: ابنِ عطیہ نے کہا کہ بعض فقہاء کرام نے اس آیت سے لوطی کو سنگسار کرنے کا استنباط کیا ہے یعنی لواطت کو انہوں نے زنا کا حکم دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود انہیں اس فعلِ بد کی یہی سزا دی۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں فاعل و مفعول دونوں کو سنگسار کیا جائے وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔

امام احمد و امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لواطت کا حکم زنا جیسا ہے۔ اگر شادی شدہ ہوں تو سنگسار کرو ورنہ کوڑے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعزیر کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ لوطی پر حد نہیں۔

صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے خلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ لوطی کا حکم زنا سے ملحق ہے۔

نکتہ حنفیہ: شرح الاکمل میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں اس فعل کے استعظام کی طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ وہ کتنا ہی قبیح سہی لیکن قتل و زنا جیسا نہیں اسے سختی سے دبایا جائے اور اس کا علاج تعزیر کافی ہے جیسے یمین غموس کا قصہ ہے کہ اس میں کفارہ نہیں کیونکہ یہ عظیم گناہ ہے اس لیے صرف کفارہ سے اس کی کمی پوری نہیں ہو سکے گی۔

نکتہ از صاحبِ روح البیان فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے وہ لوگ رجم (سنگسار ہونے) سے اس لیے معذب ہوئے کہ ان کا فعل بہت برا تھا کیونکہ لواطت منہیات میں فاحش ترین فعل ہے۔ ان کے شہر کو اس لیے الٹا کیا گیا کیونکہ وہ لواطت کے وقت لڑکوں کو الٹا کرتے تھے۔ اس مناسبت سے انہیں مناسب سزا ملی ؎

نہ ہرگز شنیدیم در عمر خویش
که بد مرد را نیک آمد به پیش

marfat.com

ترجمہ: ہم نے زندگی بھر یہ نہیں سُنا کہ بُرے مرد کو بھلائی حاصل ہُوئی۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ بُرائی سیدھے راستے سے بھٹکا دیتی ہے۔ اس کی ظاہری علامت ایک تو یہ ہے کہ انسان موافق طبع منہیات شرع کا ارتکاب کرنے لگ جاتا ہے۔ طبع سے یہاں نفس امارہ مراد ہے اور باطنی علامات سے دوسری علامت یہ ہے کہ ایسے شخص کو حُبِ دنیا و شہوات اور ان سے لذات پانے کا مرض ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے، تم ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتے ہو جب تک تم سے دو نشے ظاہر نہ ہوں:

(۱) نشۂ جہل

(۲) نشۂ حُبِ دنیا

رُوحانی نسخے بعض اکابر اولیاء نے فرمایا کہ صدق اور وصول الیٰ مقامات الانبیاء کی تین علامتیں ہیں:

(۱) مال و دولت کی محبت دل سے ایسے نکل جائے کہ سونا چاندی مٹی کے برابر محسوس ہو۔[۱]

(۲) تصورِ خلقِ خدا کو دل سے ایسے نکالا جائے کہ نہ کسی کی مدح سے خوشی ہو اور نہ کسی کی مذمت سے ملال۔[۲] گویا یُوں سمجھے کہ وہ مردہ ہیں اور میں اکیلا زندگی بسر کر رہا ہُوں۔

(۳) سیاستِ نفس اپنے قابو میں ہو، یہاں تک کہ بھوک اور ترکِ شہوات پر اتنی خوشی ہو جتنی دنیا داروں کو پیٹ بھر کر کھانے اور شہوات کی تکمیل سے ہوتی ہے۔

لطیفہ حسین و جمیل عورت شہوات کے قبیل سے نہیں بلکہ تصفیہ کے اسباب اور اس کی موافقت دنیا کی بہترین سعادات سے ہے۔

ملفوظ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انسان کے لیے پانچ امور سعادت کے

---

[۱] جیسے سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال تھا کہ ایک دفعہ آپ کے ایک کارندے نے کہا کہ آپ کا مال سے لدا ہوا جہاز غرق ہوگیا ہے آپ نے فرمایا: الحمدُ للہ۔ کارندے نے پھر تھوڑی دیر کے بعد حاضر ہو کر عرض کی کہ وہ جہاز ڈوبنے سے بچ گیا۔ آپ نے فرمایا، الحمدُ للہ۔

[۲] اعلحضرت قدس سرّہٗ فرماتے ہیں: ؎

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن — نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ذمے
منم و کنج خمولی کہ نگنجد درو سے — جز من و چند کتابے و دوات قلمے

(حدائق بخشش ص ۱۲۸ مطبوعہ کراچی، باہتمام ظفر علی نعمانی)

اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

اسباب ہیں :

(۱) زوجہ موافق

(۲) اولاد نیک

(۳) بھائی پرہیزگار

(۴) ہمسائیگان نیک بخت

(۵) اس کا رزق اس کے اپنے شہر میں ہو۔

بے ریش لڑکے فتنے ہیں بے ریش لڑکا دنیا کے عظیم فتنوں سے ہے کیونکہ نہ تو اس سے عورت کی طرح نکاح ہو سکتا ہے (اور نہ ہی اس کی وطی سے کوئی فائدہ بلکہ ہزاروں بیماریوں اور ذلتوں اور خواریوں کے سوا کچھ حاصل نہیں)

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ بے ریش لڑکے کو دیکھنے سے بھی بچے اور پھر لواطت تو بہت بُرا فعل ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے روکے ہوئے فعل کا مرتکب دیکھتا ہے تو اسے غیرت آتی ہے اس پر وہ اس بندے کی سرزنش کرتا ہے یا اسے سزا دیتا ہے۔ ہم اس کی پکڑ سے پناہ مانگتے ہیں اور اس کے غصے اور رنج سے بچنے کی التجا کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ فرمائیے اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! جملہ تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ان جملہ نعمتوں پر جو اللہ نے ہمیں عطا فرمائیں منجملہ ان کے ایک یہ کہ انبیاء و مرسلین اور ان کے سچے جانشینوں اولیاء کرام کے اعداء کو تباہ و برباد کیا۔ وہ اس لیے کہ لوط علیہ السلام کے ساتھیوں کو جو نعمت عطا ہوئی وہ گویا ان کو عطا ہوئی وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اور سلامتی و نجات اللہ تعالیٰ نے ان پاکباز بندوں پر جنہیں اس نے برگزیدہ فرمایا اور ان کی تخلیق ازل سے ہی نہایت اعلیٰ فرمائی اور انھیں ہدایت بخشی اور انہیں ہمیشہ کے لیے نبوت و رسالت و ولایت کے لیے چنا ان سے انبیاء و رسل علیٰ نبینا و علیہم السلام اور ان کے خواص مقرب بندے مراد ہیں جو آفات اور عقوبات سے مطلقاً محفوظ رہے۔

فائدہ عالمانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ والوں کے اعداء ضرور تباہ و برباد ہوتے ہیں اگرچہ دیر کے بعد سہی۔ اور آگاہ کرنا ہے کہ انبیاء خود اور ان کے اصحاب کو سلامت و نجات نصیب ہوتی ہے اور یہی طریقہ ان کے وارثین کاملین اولیاءؒ کے لیے جاری ہے ان کے اعداء تباہ و برباد ہوتے رہیں گے اور یہ ہر زمانہ میں ہوا اور ہوگا۔ اس مقام پر یہی بات واضح اور سابقہ آیات کے مضامین کے عین مطابق ہے۔

فائدہ صوفیانہ بزرگ فرماتے ہیں کہ اہلِ اسلام وہ ہیں جو تعلقات کی آلائش سے پاک اور ان کا سِر فکر

marfat.com

خلائق سے خالی ہے آج وہ بالواسطہ سلام کی صدائیں سُنتے ہیں کل وہ بلا واسطہ سُنیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا :

سلامٌ قولاً من رب رحیم (یہ سلام رب رحیم سے ہے) ؎

ہر بندہ کہ اوگشت مشرف بسلامت

البتہ شود خاص بتشریف سلامت

لطفے کن و بنواز دلم را بسلامت

زیرا کہ سلامت ہمہ لطفست کرامت

ترجمہ : جو بندۂ خدا سلامتی سے مشرف ہُوا وہ تشریفِ خداوندی سے مخصوص ہوگیا، لطف فرما اور میرے دل کو سلامتی سے نواز اس لیے کہ سلامتی تمام کی تمام لطف و کرامت ہے۔

آٰللّٰہُ دو الفوں کی مقدار کھینچیں۔ دراصل ءَاَللّٰہُ تھا۔ پہلا ہمزہ استفہامیہ ہے دوسرا وصلی تخفیف کے طور، پہلے پر مدلائی گئی۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کیا خدائے برحق خَیْرٌ بہتر ہے اپنے بندوں کو زیادہ نفع پہنچاتا ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ خدا کو لائق ہے بہتری۔

اَمَّا دراصل امّ الذی تھا۔ ام متصلہ اور ما موصولہ ہے۔ یُشْرِکُوْنَ ۝ یا وہ جن کو وہ شریک بناتے ہیں یعنی بت اپنے پرستاروں کو زیادہ نفع پہنچاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بت خاک نفع پہنچاتے ہیں نفع تو اللہ تعالیٰ ہی پہنچاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ہی بہتر عبادت کے لائق ہے۔

مسئلہ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت ختم کرتے تو پڑھتے :

بل اللہ خیر و ابقی۔

(بلکہ اللہ ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے)

سوال : لفظ خیر کا اطلاق ان دو چیزوں پر ہوتا ہے جن میں ایک بہ نسبت دوسری کے اچھی ہو۔ اور یہاں اللہ تعالیٰ پر خیر کے اطلاق سے بتوں کے لیے خیریت ثابت ہوئی ہے حالاں کہ وہ کسی بھی بھلائی کے لائق نہیں۔

جواب : یہاں مشرکین پر الزام، ان پر تہدید و تشدید اور ان پر تہکم مراد ہے یا اس لیے کہ وہ لوگ اپنے بتوں کے لیے بھلائی کا عقیدہ رکھتے تھے۔

ف : یہ استفہام اور دوسرے وہ استفہامات جو بیسویں پارہ کے پہلے رکوع میں آنے والے ہیں سب کے سب تقریر و توبیخ کے استرشاد کے لیے نہیں۔

marfat.ocm

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ
یا وہ جس نے آسمان و زمین بنائے اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس
حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ
سے باغ اگائے رونق والے تمہاری طاقت نہ تھی کہ ان کے پیڑ اگاتے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے
بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿٦٠﴾ أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ
بلکہ وہ لوگ راہ سے کتراتے ہیں یا وہ جس نے زمین بسنے کو بنائی اور اس کے بیچ میں نہریں نکالیں
أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَإِلٰهٌ مَّعَ
اور اس کے لیے لنگر بنائے اور دونوں سمندروں میں آڑ رکھی کیا اللہ کے ساتھ اور
اللّٰهِ ؕ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ
خدا ہے بلکہ ان میں اکثر جاہل ہیں یا وہ جو لاچار کی سنتا ہے جب اسے پکارے اور دور کر
السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ ۗ ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾ أَمَّنْ
دیتا ہے برائی اور تمہیں زمین کا وارث کرتا ہے کیا اللہ کے ساتھ اور خدا ہے بہت ہی کم دھیان کرتے
يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ
ہو یا وہ جو تمہیں راہ دکھاتا ہے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی اور وہ کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے خوشخبری سناتی
رَحْمَتِهٖ ۗ ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٣﴾ أَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ
کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے برتر ہے اللہ ان کے شرک سے یا وہ جو خلق کی ابتدا فرماتا ہے پھر اسے
ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ ۗ ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ
دوبارہ بنائے گا اور وہ جو تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی دیتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے تم فرماؤ
هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦٤﴾ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں
الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ أَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْأٰخِرَةِ ۚ
مگر اللہ اور انہیں خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے کیا ان کے علم کا سلسلہ آخرت کے جاننے
بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۚ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿٦٦﴾
تک پہنچ گیا کوئی نہیں وہ اس کی طرف سے شک میں ہیں بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں

marfat.com

ربط : آنے والے بیان میں تثبیت سے تصریح کی طرف انتقال ہے اور مزید تشدید ہے۔

الحمد للہ فقیر قادری نے پارہ نمبر ۱۹ کے ترجمہ سے ۲۳ ربیع الآخر ۱۴۰۳ھ بروز ایمان افروز پیر مبارک پونے دس بجے دار العلوم جامعہ اویسیہ رضویہ بہاول پور کے صحن میں فراغت پائی فللہ الحمد علیٰ ذٰلک والصلوٰۃ والسلام علیٰ

حبیبہ الکریم وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ واحبابہٖ

اجمعین۔

فقط

محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

۷ر فروری ۱۹۸۳ء بہاولپور، پاکستان

تفسیر عالمانہ ، اَمّن موصولہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ اور ام مقدرہ بل وہمزہ ہے۔ ایسے ہی باقی نظائر کو سمجھئے۔ کیا وہ جس نے **خلق السمٰوٰت والارض** آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ اور یہی کائنات کے اصول اور منافع کے مبادی ہیں۔ یہی وہ خالق بہتر ہے یا وہ جس کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ یعنی سب پر وہی اجسام علویہ وسفلیہ کا خالق اپنے بندوں کے لیے بہتر ہے یا وہ **وانزل لکم** اور اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تمہارے منافع کے لیے **من السماء** آسمان سے **پانی** اس سے بارش مراد ہے۔ غیبۃ سے تکلم کی طرف عدول فرمانے میں تاکید ہے کہ یہ امور صرف اور صرف اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ چنانچہ فرمایا **فانبتنا بہٖ** تو ہم نے پانی کے ذریعے سے اگائے۔ **حدائق** باغات گھنے جن کے ارد گرد بڑی لمبی لمبی دیواریں ہوں۔ **الاحداق** سے بمعنی الاحاطہ المفردات میں ہے کہ یہ الحدیقۃ کی جمع ہے۔ زمین کا وہ ٹکڑا جس میں پانی ہو۔ حدقۃ العین سے تشبیہ **فی الھیئۃ وحصول الماء** دے کر کہا جاتا ہے۔ **احدقوا** بمعنی **احاطوا بہ**۔ آنکھ کے حدقہ کو پھیرنے سے تشبیہ دے کر ذات بہجۃ۔ لرلبھجہ بمعنی اچھے رنگ والی شے اور وہ جس میں سرور وفرحت ظاہر ہو۔ یعنی حسن اور رونق والے کہ جنہیں دیکھ کر جی خوش ہو جائے اور وہ ہر جگہ جہاں ثمر دار درخت ہوں اور اس کے ارد گرد دیوار ہو وہ حدیقہ اور جس کا منظر دلوں کو فرحت بخشے وہ ذات بہجۃ ہے۔ **ماکان لکم** اور تمہیں ممکن ہی نہیں کہ **ان تنبتوا شجرھا** ان باغات کے درخت اگا سکو۔ چہ جائیکہ ان کے ثمرات **أ الٰہ** کیا کوئی ہے معبود **مع اللہ** اللہ کے ساتھ جس کی صفات

marfat.ocm

ابھی بیان کی گئی ہیں۔ جو سوائے اس کے اور کسی کو لائق نہیں اور نہ ہی کوئی اس جیسی کسی کو قدرت حاصل ہے۔ پھر اس کے ساتھ وہ کس طرح شریک ہو سکتا ہے۔ **بَلْ هُمْ** بلکہ وہ مشرکین **قوم یعدلون** ایسے لوگ ہیں جن کا کام ہی حق سے ہٹ جانا ہے۔ ——— اس سے مراد توحید سے ہٹ کر بطلان یعنی اشراک سے وابستہ ہونا مراد ہے۔ یا اس کا معنیٰ ہے **یجعلون عدیلاً** یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کے برابر شریک بناتے اور اس کا ہم مثل ثابت کرتے ہیں۔ المفردات میں ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ لوگ ظالم ہیں۔ **عدل عن الحق** یعنی جار عدولاً سے ہے یعنی انھوں نے ظلم بایں معنیٰ کیا کہ کفر کو ایمان کی جگہ اور شرک کو توحید کی جگہ پر رکھا۔ یہ بطریق خطاب کے جنکیت سے اضراب و انتقال کر کے ان کے بُرے حالات بتلائے۔ اب پھر جنکیت کی طرف اضراب و انتقال کر کے الزام دیگر کو داخل کر کے فرمایا۔ ام منقطعہ ہے **مَن** موصولہ ہے جیسے پہلے گزرا ہے۔ **جعل الاَرض قراراً** بنایا ہے زمین کو قرار۔ یہ قرفی مکانہ یقر قراراً سے ہے بمعنی ثبت ثبوتا جامداً۔ اس کا اصل **القر** ہے بمعنی برد اس لیے کہ برد سکون چاہتی ہے اور حرد گرمی حرکت کی مقتضی ہے۔ یہاں قرار بمعنی المستقر یعنی قرار گاہ ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ جس نے اس زمین کو ایسا بنایا کہ اس پر انسان اور دیگر جانور قرار پکڑتے ہیں کہ پانی سے اسے اونچا اور برابر رکھا ہے تاکہ اس سے منافع پا سکیں۔ اب بتائیں یہی ذات بہتر یا وہ بت جن کی یہ پرستش کرتے ہیں۔

فائدہ: ان آیات میں بعض جگہ ماضی اور بعض جگہ مضارع آیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کے بعض افعال ایسے ہیں جو پیدا ہوں گے اور یہ ہر دونوں اللہ تعالیٰ کے اختیار و قدرت میں ہیں۔ **وجعل خِلٰلها**۔ اور ان کے درمیان میں بنائی ہیں۔

حل لغات: خلال خلل کی جمع ہے بمعنی وہ سوراخ جو دو چیزوں کے درمیان ہو جیسے **خلل الدار** (دار کا سوراخ) اور **خلل السحاب**۔ بادل میں سوراخ وغیرہ وغیرہ۔ یہی اوساط کا معنیٰ ہے۔ **انهاراً** نہریں جاری جن سے یہ لوگ منافع پاتے ہیں۔ یہ **جعل** کا مفعول اوّل اور مفعول ثانی اس لیے مقدم ہے کہ وہ ظرف

---

[1] یہی تفسیر دوسرے مفسرین نے بھی کی اور یہی مفہوم اہل سنت وہابیہ کے اعتراض میں پیش کرتے ہیں۔ جب کہ وہ بتوں کی آیات انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرتے ہیں کہ بت پرستوں کا بھی یہی طریقہ تھا کہ وہ اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بھی مانتے اور وسیلہ بھی ہم کہتے ہیں۔ کہ وہ شریک مانتے اللہ تعالیٰ کے برابر کا معبود مان کر اور ہم انھیں خدا کے بندے اور محبوب مان کر اور محبوب بندوں کا وسیلہ خود اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك** الخ مزید تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں ملاحظہ ہو۔

marfat.com

ہے۔ یہی تقریر آنے والے دو فعلوں کے مفاعیل کے لیے ہوگی۔ **وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ** ۔ اور بناتے ہیں اس کے لیے لنگر

حل لغات: رواسی رسا الشئ یرسو سے ہے بمعنی ثبت۔ کشف الاسرار میں ہے کہ رواسی جمع الجمع ہے اہل عرب کہتے ہیں جبل راس وجبال راسیۃ۔ پھر اسکی جمع رواسی آتی ہے بمعنی ثوابت یعنی بنلتے ہیں زمین پر ایسے مضبوط ثابت رہنے والے اور ان کے اندر معادن (کانیں) اور ان کے ڈھلانوں میں چشمے ہوتے ہیں جو وہ سب ان کے منافع ہیں۔ جن سے ان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: بعض عارفین نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ نے عابدین کے نفوس کو طاعت کا اور عارفین کے قلوب کو معرفت کا اور واجدین کے ارواح کو محبت کا اور موحدین کے اسرار کو مشاہدہ کا قرار گاہ بنایا اور ان کے اسرار میں وصل وصال کی نہریں اور قربت کے چشمے بہائے جن سے ان کے اشتیاق اور پیاس اور ان کی جلن کا ہیجان بجھتا ہے۔ اور ان کے اندر خوف و رجا اور رغبت و ہیبت کے پہاڑ کھڑے کر دیئے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زمین کو ابدال و اولیاء و اوتاد سے مضبوط فرمایا کہ ان کے فیوض سے زمین سے رزق پہنچتا ہے اور ان کی برکتوں سے بلائیں رد ہوتی ہیں جیسے پہاڑوں کی تخصیص اسلامی ممالک کے لیے نہیں۔ ایسے ہی باطنی پہاڑ یعنی اولیاء اللہ بھی اسلامی ممالک کے ساتھ مخصوص نہیں۔ وہ اسلامی ملکوں میں بھی ہوتے ہیں اور کافروں کے علاقوں میں بھی (لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا کہ وہ کافروں سے ہوتے ہیں معاذ اللہ) بلکہ کافروں کے ملکوں کے باشی ہوتے ہیں) اس لیے کہ وجود کو تو بقاء کا سبب چاہیئے (وہ کافروں کے ملک میں ہو یا مسلمانوں کے ملک میں) باقی ہے اس کے لیے جو اولیاء و اعداء ہر دونوں پر مہربان اور فیض رسان ہے۔

وجعل بين البحرين حاجزا ۔ اور بنائی درمیان دو دریاؤں کے آڑ" بحرین میٹھا اور کڑوا پانی یا وہ دو خلیجیں مراد ہیں جو فارس و روم کے درمیان واقع ہیں حاجز وہ جو ان دونوں کو آپس میں ملنے سے روکتی ہے جیسے سورۂ فرقان میں گزرا۔ المفردات میں ہے الحجز بمعنی دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ اور حجاز کو اسی لیے حجاز کہا گیا ہے کہ وہ شام اور بادیہ کے درمیان حاجز ہے **أ الله مع الله** ۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے یعنی کوئی ہے اس جیسا واجب الوجود اور کوئی ہے اس جیسا ایسی عجیب و غریب مصنوعات بنانے والا یعنی اس جیسا کوئی نہیں ہے۔ **بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ** ۔ بلکہ ان کے اکثر نہیں جانتے اسی لیے یہ اپنے شرک کے بطلان کو نہیں سمجھ رہے باوجودیکہ اس کا بطلان اظہر من الشمس ہے۔ **امن يجيب المضطر اذا دعاه** ضمیر منصوب مبتداء کی طرف راجع ہے یعنی من موصولہ کی طرف اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیا ہے کوئی جو پریشان کی تنگی وقت کے وقت مشکلکشائی کرے۔ جب وہ پریشان حال اسے پکارے **و يكشف السوء** اور ہٹا دیتے تکالیف کو یعنی انسان سے دور کر دے وہ امور جو تکلیف میں ڈالتے اور

marfat.ocm

اسے رسوا کرتے ہیں۔ وہی بہتر ہے یا وہ تمہارے بت جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رہے ہو۔

حل لغات: الاضطرار باب افتعال از باب ضرورۃ یہ وہ حالت ہے جو انسانوں کو پریشان حالی کے لیے مجبور کر دیتی ہے اور مضطر وہ جو اس حالت میں ہو اور وہ مجبور ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں گڑگڑائے جیسے مرض فقر قرض غرق حبس۔ جور۔ ظلم و دیگر حوادث زمانہ پھر اللہ تعالیٰ انہیں دفع فرماتا ہے شفا و غنا و انجاء و اطلاق تخلیص وغیرہ سے۔

حکایت: حضرت داؤد رہمانی رحمۃ اللہ علیہ کسی بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ عرض کی دعا فرمایئے تاکہ صحت یاب ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت تم مضطر ہو اور مضطر کی دعا جلد قبول ہوتی ہے اس لیے کہ تندرست کی بہ نسبت پریشان حال زیادہ عجز و انکسار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو عجز و انکسار کو پسند کرتا ہے۔

۱۔ این نیاز مریمی بودست و درد ؛ کان چنان طفلی سخن آغاز کرد
۲۔ ہر کجا دردی دوا آنجا بود ؛ ہر کجا فقری نوا آنجا رود
۳۔ ہر کجا مشکل جواب آنجا رود ؛ ہر کجا پستیست آب آنجا رود
۴۔ پیش حق یک نالہ از روی نیاز ؛ بہ کہ عمری در سجود و در نماز
۵۔ زور را بگذار زاری را بگیر ؛ رحم سوی زاری آید ای فقیر

ترجمہ: (۱) یہ بی بی مریم کی نیاز اور درد کا نتیجہ ہے کہ ان کے صاحبزادہ نے بچپن میں بولنا شروع کیا۔
(۲) جہاں درد ہو وہاں دوا بھی ہے جہاں فقر ہو وہاں دولت بھی ہوتی ہے۔
(۳) اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و نیاز ظاہر کرنا زندگی بھر کے سجدوں سے بہتر ہے۔
(۴) جہاں مشکل ہو وہاں اس کا حل بھی ہوتا ہے جہاں پستی ہو پانی وہاں آتا ہے۔
(۵) زور کو چھوڑ کر زاری دکھا اس لیے رحم زاری کی طرف آتا ہے۔

نکتہ: اجابت اور کشف السوء کو علیحدہ علیحدہ فاصلہ سے ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ اجابت قول سے متعلق ہے اور کشف السوء عمل سے اور اجابت کلام سے ہے۔ کشف السوء انعام کا نام ہے۔

فائدہ: مجبور کی دعا رد نہیں ہوتی اور نہ ہی مظلوم کی۔ لیکن ہر ایک کی تقدیر لکھی ہوئی ہے۔

ازالۂ وہم: بعض مفسرین نے فرمایا کہ المضطر کی الف لام جنس کی ہے استغراق کی نہیں اس سے ان لوگوں کا اعتراض رفع ہو گیا جو کہتے ہیں کہ بہت سے مجبور لوگ دعائیں کرتے ہیں لیکن ان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ تو اوپر اس کا جواب مذکور ہوا کہ یہاں المضطر سے کل مراد نہیں بلکہ جنس مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے

marfat.com

کہ کسی ایک کی بھی دُعا قبول ہو گئی تو پھر اجابت کا تقاضا پورا ہو گیا اور وہ کریم ہے کہ کسی کی اجابت بالقول فرماتا ہے اور کسی کی بالفعل جیسے اُس کی حکمت و مصلحت ہوتی ہے اُس طرح کرتا ہے۔

حدیث شریف ۔ نفائس المجالس میں ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزیں پسند ہیں۔

۱۔ خوشبو۔ ۲۔ نمازوں میں آنکھوں کی ٹھنڈک ۳۔ عورتیں

جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سُنا تو اُنہوں نے عرض کی یارسول اللہ مجھے بھی دنیا کی تین چیزیں محبوب ہیں:۔

۱۔ آپ کے چہرہ پر ہر وقت نگاہ ہو۔

۲۔ اپنا تمام مال آپ پر نثار کردوں۔

۳۔ ہر وقت آپ کے سامنے بیٹھا رہوں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ مجھے بھی دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں:۔

۱۔ اولیاء اللہ کا دیدار۔

۲۔ قہر علی اعداء اللہ الاشرار۔

۳۔ حدود اللہ کی نگرانی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی مجھے بھی دنیا کی تین چیزیں مرغوب ہیں:

۱۔ افشاء السلام (ترویج السلام علیکم)

۲۔ اطعام الطعام۔ طعام کھلانا۔

۳۔ رات کی نماز جب لوگ سوجائیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی مجھے بھی دنیا کی تین چیزیں مرغوب ہیں:

۱۔ تلوار کی ضرب۔

۲۔ گرمی کے روزے۔

۳۔ مہمان نوازی۔

اسی اثناء میں حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی یاسیدی مجھے بھی تمہاری دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں:

۱۔ گمراہوں کو راہ دکھانا۔

marfat.ocm

۲. مساکین کی مدد کرنا۔

۳. رب العالمین کے کلام سے موانست (مانوس ہونا۔)

یہ کہہ کر حضرت جبرائیل علیہ السلام چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کے بعد فرماتا ہے کہ مجھے بھی تمہاری دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں:

۱. گنہگاروں کے آنسو۔

۲. نہ توبہ کرنے والے گنہ گاروں کی سزا۔

۳. مضطرب کی دعا کی اجابت۔

عارف کی علامت

بعض مشائخ نے فرمایا کہ عارفین ہمیشہ مضطر رہتے ہیں۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ عوام کا اضطرار اسباب کا محتاج ہوتا ہے۔ جب اسباب زائل ہوجاتے ہیں تو ان کا اضطرار بھی ختم ہوجاتا ہے۔ اور یہ بھی غلبہ جنس پر ہے بوجہ شہود کے اس لیے خواص کا مشاہدہ یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اس معنیٰ پر وہ گویا ہر وقت ہی مضطر ہیں کیونکہ اضطرار کی شرط موجود ہے نہ وہ زائل ہوتی ہے اور نہ ہی ان کا اضطرار ختم ہوتا ہے۔ ہاں ویسے ان کی ہر دعا مستجاب ہوتی ہے۔

قبول دُعا کے شرائط

دُعا میں خلوص نیت ہو۔ شکوک وشبہات سے اعتقاد کا پاک ہونا اور توسل الی اللہ توبہ خالص سے اعضاء کا پاک وصاف ہونا تاکہ دعا مستجاب ہو مثلاً

مسواک کرنا۔

خوشبو لگانا۔

وضو کرنا۔

استقبال قبلہ تقدیم ذکر والثناء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام۔

ہر دعا کے لیے ہاتھ اُٹھانا۔

عجز ونیاز اور آہ وزاری کرنا۔

ہاتھ کاندھوں کے برابر کھڑے کیے جائیں۔

marfat.com

بایزید بسطامی کا خواب: حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے دعا کے وقت ایک ہاتھ اُٹھایا۔ دوسرا سردی کی وجہ سے چھپائے رکھا اور خواب میں دیکھا کہ ایک ہاتھ نور سے پُر ہے اور دوسرا خالی ہے۔ میں نے عرض کیا الٰہی یہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نے مجھ سے دعا مانگتے وقت ایک ہاتھ پھیلایا تو اسے میں نے نور سے بھر دیا۔ دوسرا تو نے چھپائے رکھا تو اسے میں نے بھی محروم رکھا۔

مسئلہ: سردی یا کوئی اور عذر ہو تو مسبحہ (شہادت کی اُنگلی) کا اشارہ بھی ہاتھ پھیلانے کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔ (کذافی القنیہ)

و یجعلکم خلفاء الارض اور تمھیں زمین کا جانشین بنایا بایں معنی کہ تمھیں گزشتہ لوگوں کا وارث بنایا کہ اس زمین پر ٹھہرو اور اس پر تصرف کرو ایسے ہی قرناً بعد قرن ہوتا چلا آیا اور تا قیامت ہوتا رہے گا۔ **ءَالٰہ** کیا کوئی دوسرا معبود ہے۔ **مع اللہ**۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تمام لوگوں کو اس طرح کی نعمتوں سے نوازے **قلیلا ما تذکرون**۔ بہت تھوڑی دیر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرتے ہو یا زائدہ ہے۔ قلت کے معنیٰ کی تاکید کرتا ہے۔ اس قلت سے عدم مراد ہے یا حقارت اور لاپرواہی مراد ہے اس میں اشارہ ہے کہ مضمون تو ایسا واضح ہے کہ ہر ذکی و غبی سمجھ سکتا ہے لیکن توجہ و تذکر کی ضرورت ہے اور وہ ان میں مفقود ہے۔ **ام** یا وہ **من هو یهدیکم**۔ مقاصد کی طرف تمھاری رہبری کرتا ہے۔ **فی ظلمات البر و البحر**۔ جنگلوں اور دریاؤں اور راتوں کی اندھیروں اور زمین کے نشانات سے یہ اضافہ ملابست کی ہے یا رہبری کرتا ہے ملے جلے راستوں سے۔

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں **طریقة ظلماء یا عمیاء**، وہ راستے جن کے کوئی علامات و نشانات نہ ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا یہ بت۔ **ومن** موصولہ ہے جیسا کہ گزرا۔ **یرسل الریاح** اور وہ ذات جو ہواؤں کو چھوڑتی ہے۔ در آنحالیکہ وہ **بشرا** خوشی دینے والی ہوتی ہیں **بین یدی رحمته**۔ اس کی رحمت سے یعنی بارش **أ اله مع الله** اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود جو ایسی قدرتیں رکھتا ہو۔ **تعالی اللہ عما یشرکون** بلند ہے اس سے کہ اس کے ساتھ شریک کریں۔ وہ خالق قادر ہے۔ ایسا بلند مقام رکھتا ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو کیونکہ اس کے آگے تمام عاجز ہیں اور اس کے پیدا کردہ ہیں **ام من یبدؤا الخلق** کیا وہ جو مخلوق پہلی بار پیدا کرتا ہے۔ **ثم یعیده** پھر مرنے کے بعد قیامت میں لوٹا سکے گا۔ موت دینے کے بعد زندہ کرے گا۔ **ام** اور **من** کا اعراب بیان ہو چکا۔

فائدہ: الکواشی میں ہے کہ کفار نے اپنی ابتدائی تخلیق کے بارے میں باوجودیکہ انھیں قیامت میں زندہ اُٹھانے سے انکار تھا حالانکہ اس سے قبل ان کو براہین قاطعہ سنائے گئے کہ وہی پانی سے انگمد

marfat.ocm

اُگاتا ہے۔ پھر انہیں خشک کر دیتا ہے پھر انہیں سرسبز بنادیتا ہے اور عقل کو بھی یقین ہے کہ مرنے کے بعد اُٹھنا حق ہے اور انہیں یہ بھی یقین ہے کہ وہ نہیں تھے تو انہیں پیدا فرمایا تو پھر اس کا لوٹانا تو اس سے آسان تر ہے۔ و من یرزقکم من السماء والارض اور کون تمہیں آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے۔ اسباب سماویہ وارضیہ سے أاله مع الله. کیا کوئی معبود ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو اس طرح کر سکے۔ قل ھاتوا

حل لغات: الحریری نے فرمایا کہ اہل عرب واحد مذکر کے لیے کہتے ہیں۔ ھات بکسر التاء اور جمع کے لیے ھاتوا اور مونث کے لیے ھاتی اور جمع مونث کے لیے ھاتین اور مونث و مذکر تثنیہ کے لیے ھاتیا نہ کہ ھاتا۔ ان دونوں صیغوں میں امر کے باب مذکر و مونث تثنیہ کا کوئی فرق نہیں جیسے ضمیر تثنیہ غلامهما وضربهما میں کوئی فرق نہیں۔ نیز ان ہند میں علامت تثنیہ (مونث) کی بھی ضرورت نہیں۔ ھات دراصل آت تھا آتی سے ہے بمعنی اعطی ہمزہ ہا سے تبدیل کیا گیا جیسا ارقت الماء و ایاك میں ہمزہ ہا سے تبدیل کیا گیا ہے۔ انہیں ھراقت وھیاك پڑھا جاتا ہے اور ملح العرب میں ہے کہ ایک شخص نے کسی اعرابی سے کہا ھات۔ اس نے اس کے جواب میں کہا واللہ ماا ھاتیك ای ما اعطیك۔ بخدا میں تجھے نہیں دوں گا۔ برھانکم لاؤ اپنی دلیل عقلی یا نقلی جو دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے اور برہان مؤکد ترین دلیل کو کہا جاتا ہے کہ جس میں صدق ہی صدق ہو ان کنتم صٰدقین۔ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو۔

ربط: اب بتانا چاہتے ہیں کہ غیب کا (بالذات) جاننا اللہ تعالیٰ سے خاص ہے وہ اس صفت میں اسی طرح منفرد ہے جیسے مذکورہ بالا صفات میں تنہا ہے ——— چنانچہ فرمایا قل لا یعلم من فی السمٰوٰت۔ فرمایئے نہیں جانتے وہ جو آسمانوں میں ہیں ان سے ملائکہ مراد ہے والارض اور جو زمین میں ہیں۔ انسان و جن۔ الغیب۔ غیب سے مراد وہ ہے جو عام بندوں سے غائب ہو جیسے قیامت وغیرہ۔ اس کی تحقیق آتی ہے إلاَّ الله۔ اللہ تعالیٰ کے سوا یعنی لیکن اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ ایسے غیب کو جانتا ہے۔

ترکیب

استثناء منقطع ہے اور مستثنیٰ مرفوع ہے۔ من سے بدل ہے یہ لغت بنو تمیم کے مطابق ہے اور حجازی اسے منصوب پڑھتے ہیں۔ وما یشعرون اور کوئی بشر اسے نہیں جانتا۔ ایان یبعثون کہ کب قبروں سے اُٹھائے جائیں گے۔ ایان ای اور آن سے مرکب ہے ای استفہام اور آن اسم ظرف

marfat.com

زماں ہے جب دونوں مرکب ہو کر ایک جان ہوئے تو بعلبک کی طرح مبنی علی الفتح ہو گیا۔

علم غیب کی انوکھی تحقیق

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ غیب کی کئی قسمیں ہیں :

۱۔ اہل ارض کا زمین میں غیب۔

۲۔ اہل ارض کا آسمان میں غیب۔

ایسے علوم کو انسان حاصل کر سکتا ہے۔ پھر یہ ہر دونوں کی دو قسم ہیں،

۱۔ ارض ظاہری اور آسمانِ ظاہری میں ہر انسان سے غائب ہونا جیسے کوئی شخص کسی سے زمین پر پوشیدہ ہو کر چلا جائے یا کوئی اور امر ان پر ایک کو حاصل کرنا ممکن ہے مثلاً وہ گم شدہ انسان کہیں مل جائے یا کوئی امر جو غیر معلوم تھا وہ کسی طرح معلوم ہو جائے ایسے ہی آسمانی امر ہو تو وہ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے مثلاً علم النجوم الہیئۃ کہ انھیں پڑھنے سے معلوم کیا جا سکتا ہے اگرچہ بظاہر غائب ہیں۔

۲۔ ایسے ہی ارض معنوی کا غیب اس سے نفس مراد ہے کہ اس میں کئی اوصاف و اخلاق پوشیدہ ہیں جن کی کیفیت وکمیّت انسان سے مخفی ہے لیکن ان پر مجاہدہ اور ریاضت اور ذکر و فکر سے واقفیت حاصل کی جا سکتی ہے اور ایسے ہی معنوی کا غیب اس سے قلب مراد ہے کہ اس میں کئی علوم و حکمتیں اور معانی مخفی ہیں جو انسان سے اوجھل ہیں انھیں مقاماتِ نفس کی سیر اور مقاماتِ قلب کے سلوک سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اہل ارض کے لئے زمین و آسمان کا غیب۔ اس کی طرف پہنچنا انسان کے لیے ناممکن ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہ ہو جیسا کہ فرمایا:
سنریہم ایاتنا فی الآفاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق۔ ہم انھیں اپنی آیات آفاق اور اُن کے نفوس میں دکھاتے ہیں تاکہ ظاہر ہو کہ بیشک وہ حق ہے۔

۴۔ اہل آسمان کا آسمان و زمین میں غیب اسے تعلیم حق کے بغیر حاصل کرنا ناممکن ہے جیسے اسماء جس کی تعلیم سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو دی گئی۔ کما قال اللہ تعالیٰ و علم آدم الاسماء کلھا۔ اسی تعلیم کے زور پر آدم علیہ السلام نے ملائکہ کو فرمایا انبئونی باسماء ھؤلاء ان کنتم صٰدقین قالوا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا۔ مجھے خبر دو ان اسماء کی اگر تم سچے ہو تو ملائکہ نے کہا اے اللہ تیری پاکی ہمیں تو کوئی علم نہیں سوائے اس کے کہ جو تو نے ہمیں سکھایا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ آدم علیہ السلام کو ایسی بزرگی بخشی جو ملائکہ کو بھی نصیب نہ تھی یعنی اطلاعہ علی مغیبات لم یطلع علیھا الملائکۃ۔
(روح البیان ص۹۶ ج۲) یعنی ایسے مغیبات پر آگاہی جن سے ملائکہ آگاہ نہ تھے۔ یہی وہ علم غیب ہے جو اللہ تعالیٰ

marfat.ocm

کی تعلیم سے نصیب ہوتا ہے (لکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون) کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کل اسماء کی تعلیم سے نوازا۔

۵۔ وہ غیب جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس پر آگاہی نہ آسمانوں والوں کو ہو سکتی ہے نہ زمین والوں کو ہاں جن رسولوں (علیہم السلام) کو وہ خود اس علم کے لیے منتخب فرمائے جیسا کہ خود فرمایا فلا یظھر علی غیبہ احدًا الا من ارتضٰی من رسول (اپنا غیب کسی کو ظاہر نہیں فرماتا سوائے اپنے ان رسولوں کے جن کو وہ خود منتخب فرمائے۔

استدلال سُنّی برائے تردید معتزلی

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وبھذا استدل علی فضیلۃ الرسل علی الملائکۃ لان اللہ استخصھم باظھارھم علی غیبہ الملائکۃ ولھذا اسجدھم لادم لانہ کان مخصوصًا باظھار اللہ ایاہ علی غیبہ ولذلک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ خلق ادم فتجلی فیہ۔ اس سے اپنے خاص علم غیب کے اظہار کے لیے رسل علیہم السلام کو مخصوص فرمایا ہے نہ کہ ملائکہ کو اسی لیے انہیں حکم ہوا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں کیونکہ اسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص غیب کے اظہار کے لیے منتخب فرمایا اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر اسے اپنے مخصوص جلوہ سے نوازا۔

ے یہی ہمارا موقف ہے کہ غیب کا جاننا خاصۂ خداوندی سہی لیکن وہ کریم اپنے پسندیدہ انبیاء علیہم السلام کو اس سے نوازتا ہے۔ اصل عبارت روح البیان کی یوں ہے۔ وغیب وھو مخصوص بالحضرۃ ولا سبیل لاھل السمٰوٰت والارض الی علمہ الا لمن ارتضٰی لہ کما قال اللہ تعالیٰ فلا یظھر علی غیبہ الخ ص ۳۶۲ ج ۶

عہ روح البیان ص ۳۶۲ ج ۶

لہ جیسا کہ ہمارے اسلاف نے معتزلہ کے رد میں اسی آیت سے استدلال فرمایا کہ ملائکہ کرام سے انبیاء علیہم السلام اسی سبب سے افضل ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا خاص علم غیب عطا ہوا۔ اسی طرح ہم اپنے زمانہ کے معتزلیوں کو کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیب خاص سہی لیکن وہ کریم اپنے انبیاء و اولیاء کو عطا فرماتا ہے۔ یہی مسلک حق اور مذہب اہلسنت کا ہے۔ اور معتزلہ کی پیروی میں نبوت و ولایت کے لیے علم غیب کی عطا کا انکار کر کے اپنی معتزلیت پر مہر ثبت کر رہے ہیں۔

انتباہ: فقیر اویسی غفرلہ نے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ ابلیس تا دیوبند۔ اس میں ثابت کیا ہے کہ ہمارے دور کے وہابی۔ دیوبندی معتزلہ کی شاخ ہیں۔ دلائل میں ایک دلیل یہ بھی عرض کی ہے کہ معتزلہ تفضیل الرسل

marfat.com

۶- ایک وہ علم غیب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص فرمایا ہے وہ ہے علم قیام قیامت ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا جیسا کہ فرمایا وما یشعرون ایان یبعثون ۔ اور وہ جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے[۱]

حاشیہ بقیہ ، علی الملائکہ کے قائل نہیں اور یہ زبان سے قائل ہیں لیکن جن دلائل کو اہل سنت نے معتزلہ کا رد کر کے تفضیل ثابت کی تھی یہ سرے سے انہی دلائل کا نہ صرف انکار بلکہ ماننے والے کو مشرک کہتے ہیں ۔ قاعدہ یہ ہے کہ دلیل کمزور کرنے پر دعویٰ کمزور پڑے گا ۔ جب اہل سنت قدیم کا دعویٰ کمزور پڑ گیا تو لامحالہ معتزلہ کے موقف کی تصدیق ہو جائے گی ۔ (اویسی غفرلہ)

[۱] اس مضمون سے مخالفین کہہ سکتے ہیں کہ رُوح البیان میں بھی علم ساعۃ کی نفی از رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ثابت ہے اس کا جواب مختصراً عرض کیے دیتا ہوں ۔

یاد رہے کہ سابقہ دور میں اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف رہا یہی وجہ علم ساعۃ کو کافر تو بڑی بات ہے فاسق بھی نہیں کہا جا سکتا اور جن علماء کرام نے اختلاف کیا وہ ہمارے دور کے بے ادب و گستاخ نہ تھے بلکہ وہ دوسرے مسائل کی طرح اجتہاد جواز قبیلہ مبنی بر خطا تھا اور بس ۔ اور ہمارے دَور کے بے ادب لوگوں کا اختلاف مبنی بر اجتہاد نہیں بلکہ مبنی بر تنقیص رسالت ہے ۔ کیونکہ ان مجتہدین کو اگر اپنے اجتہاد کے برعکس تحقیق ہو جاتی تو ضرور مان جاتے بخلاف ہمارے دور کے بے ادب لوگوں کے کہ ان کو ہزاروں دلائل اور پھر تصریحات دکھائی جائیں نہیں مانیں گے ۔ اس لیے کہ یہ ضد کا شکار ہیں اور لا علاج بیماری ہے ۔ منصف مزاج کے لیے چند دلائل حاضر ہیں ۔ تفصیل دیکھنی ہے تو فقیر کی کتاب "طلوع الشمس فی علوم الخمس" کا مطالعہ کیجئے ۔ (اس مختصر کو بھی اگر رسالہ کی صورت میں شائع کیا جائے تو بھی مناسب ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔ علم ساعۃ چونکہ علم غیب سے متعلق ہے ۔ اسی لیے فقیر اویسی غفرلہٗ نے مقدمہ لکھ کر اثبات علم غیب مطلق پھر علم ساعۃ کے لیے لکھے گا ۔ انشاء اللہ ۔

مقدمہ

نبوّت سے علم غیب کا ثبوت

کئی مقام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ کہہ کر خطاب فرمایا ہے جس کے معنی یہ ہیں ۔ اے غیب کی خبر دینے والے ۔ اگر اس خبر سے صرف دین کی خبر مراد ہو تو ہر مولوی معاذ اللہ نبی ہوا اور اگر دنیا کے واقعات مراد

marfat.ocm

ہوں تو ہر اخبار ریڈیو خبر دینے والا نبی ہو جائے۔ معاذ اللہ! اس سے لازماً ثابت ہوا کہ نبی کا معنیٰ غیب کی خبریں دینے والا ہے جیسا کہ صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں۔

النبوة ماخوذة من النبأ بمعنى الخبر اى اطلعه الله على الغيب

یعنی نبوت اطلاع علی الغیب کا عین ہے یا لازم نبی بروزن شریف صیغہ صفت مشبہ کا ہے جس کا معنی ہے ہمیشہ غیب کی خبر دینے والا۔ خلاصہ یہ کہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کی رضا اور عدم رضا کا مخبر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ رضا و عدم رضا فی الامور اعلیٰ درجہ کا غیب ہے۔ کیونکہ پیغمبر اس لیے تشریف لائے کہ لوگوں کو بتلا دیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اس میں نہیں۔ یہ دونوں باتیں غیب ہیں۔ جس چیز کا علم اوروں کو نہ ہو وہ نبی کو ہوتا ہے اور نبی وہ ہے جو غیب کی خبر دے۔ تو ثابت ہوا کہ علم غیب نبی کے لیے لازم ہے۔ ورنہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ نبی کو علم نہ ہو تو تسلیم کرنا پڑے کہ نبی لوگوں کو جبھی خبر دے سکتے ہیں کہ انہیں علم غیب ہو۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (پ ۳۰ سورہ تکویر)

اور وہ نبی غیب بتلانے میں بخیل نہیں۔

حوالہ جات تفاسیر

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں:

۱۔ حضرت محی السنۃ علامہ بغوی رحمہ اللہ تفسیر معالم التنزیل میں اسی آیت شریفہ کے تحت فرماتے ہیں:

على الغيب وخبر السماء وما اطلع عليه من الاخبار والقصص بضنين

• اى ببخيل يقول انه ياتيه علم الغيب فلا يبخل به عليكم ويخبركم ولا يكتمه كما يكتم الكاهن۔ (معالم التنزیل ص ۲۱۶ مطبوعہ مصر)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیب پر اور آسمانی خبروں پر اور ان خبروں و قصوں پر بخیل نہیں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علم غیب آتا ہے۔ پس وہ تم پر بخل نہیں فرماتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں اور تم کو خبر دیتے ہیں۔ جیسے کہ کاہن چھپاتے ہیں ویسے یہ نہیں چھپاتے۔"

فائدہ: صاحب معالم التنزیل کے کلام سے واضح ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب ہے۔ جبھی تو وہ لوگوں کو مطلع فرماتے ہیں۔

۲۔ علامہ علاء الدین صاحب تفسیر خازن اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

marfat.com

يقول انه عليه السلام ياتيه عِلمُ الغيب فلا يبخل به عليكم بل يعلمكم ۔ (الخازن جزء السابع صـ۲۲۵)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علمِ غیب آتا ہے تو تم پر اس میں بخل نہیں فرماتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں۔"

فائدہ ۔ ثابت ہو گیا کہ علم غیب پر مطلع ہونا یہ اصل نبوت کی دلیل ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ جس کو مقامِ نبوت پر پسند فرما لیتا ہے انہیں علم غیب عطا فرما دیتا ہے۔

۲۔ یہی علامہ خازن دوسرے مقام پر آیت وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ کے ماتحت فرماتے ہیں:

يعني ان يطلعهم عليه وهم من الانبياء والرسل وليكون ما يطلعهم عليه من علم غيبه دليلاً على نبوّتهم كما قال الله تعالىٰ فلا يظهر على غيبه احدًا الا من ارتضى من رسول۔

(خازن صـ۲۷ ج۱ مطبوعہ مصر)

اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے علم پر اطلاع دیتا ہے اور وہ انبیاء و رسل ہیں۔ تاکہ ان کا علم غیب پر مطلع ہونا اُن کی نبوت کی دلیل ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہیں ظاہر کرتا اپنے خاص غیب پر کسی کو مگر اُس رسول سے کہ جس سے راضی ہو جائے۔

۴۔ یہی علامہ موصوف تفسیر خازن میں تیسرے مقام پر آیت عالم الغیب فلا یظھر کے ماتحت فرماتے ہیں:

الا من يصطفيه لرسالته ونبوّته فيظهر على ما يشاء من الغيب حتى يستدل على نبوته بما يخبر به من المغيبات فيكون ذلك معجزة له۔

(الخازن صـ۱۶۳ ج۷ مصر)

"مگر جس کو اپنی نبوت اور رسالت پر چن لے۔ پس ظاہر فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے غیب تاکہ اُن کی نبوت پر دلیل پکڑی جائے۔ اُن غیب چیزوں سے جس کی وہ خبر دیتے ہیں۔ پس یہ اُن کا معجزہ ہے۔"

فائدہ: ان دلائل سے ثابت ہو گیا کہ نبوت کا امورِ غیبیہ کی خبر دینا یہ اُن کا معجزہ اور نبوت کی دلیل ہے۔

فیصلہ کن حوالہ: ذیل میں فقیر ایک ایسی کتاب کا حوالہ لکھتا ہے جو مخالفین کو مسلّم ہے وہ ہے شرح عقائد نسفی۔ یہ وہ کتاب ہے جو حنفیہ کے عقائد میں درسِ نظامی کے نصاب میں داخل ہے۔ علامہ تفتازانی قدس سرہ فرماتے ہیں:۔

marfat.ocm

وبالجملة العلم بالغيب امر تفرد به الله تعالى لا سبيل اليه لعباد الا علام او الهام بطريق المعجزة او الكرامة او ارشاد الى الاستدلال بالامارات فيما يمكن فيه ذالك ولهذا ذكر الفتوٰی ان قول القائل عند رؤية هالة القمر يكون مطر امدعيا علم الغيب لا بعلامة كفر (شرح عقائد نسفی)

ترجمہ

حاصل کلام یہ ہے کہ علم غیب ایک ایسا امر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس سے متفرد ہے۔ بندوں کو اس کے حصول کا کوئی طریقہ نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ بطریق وحی یا الہام بتلائے یا بطریق معجزہ یا کرامت کے ہو۔ اسی لیے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے کہ چاند کے ہالہ کو دیکھ کر کوئی غیب کا مدعی بن کر کہے کہ پانی برسے گا۔ یہ کفر ہے۔

(ف) اس عبارت سے ثابت ہوا کہ بندوں کا علم بالغیب کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور وحی والہام کے ذریعہ سے بطور معجزہ اور کرامت کے ہوتا ہے۔ کیونکہ علم غیب ہی نبوت کی دلیل اور معجزہ ہے۔

ازالہ وہم آپ پر یا کسی اور نبی یا ولی پر علم الغیب کا اطلاق حرام ہے یہ اُن کی تغلیط عام اور دفع وقتی ہے ورنہ اسلاف نے اس کا اطلاق مانا ہے جیسا کہ اُوپر کی عبارت میں گزرا اور پھر قرآن مجید میں اسکا لطیف اشارہ موجود ہے چنانچہ ملاحظہ ہو۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا إِلَيْكَ ٥ (پ ۱۲ ع ۳ سورۃ الهود)

"اور یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے رہتے ہیں۔

فائدہ: اس آیت شریف میں اَنْبَاءُ جمع کا صیغہ ہے اور مضاف ہے لفظ غیب کی طرف اور صیغہ جمع مضاف مقتضی ہے استغراق کا۔ جو علم نحو و معانی واصول میں ثابت ہے۔

لهذا آیت شریف نص ہوگی اس معنی پر کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مغیبات پر اطلاع فرمادی۔ بعض بذریعہ وحی جلی اور بعض بذریعہ وحی خفی اور نُوْحِيْهَا کی ضمیر اَنْبَاءِ الْغَيْبِ کی طرف راجع ہوگی۔ اسی لیے یہی قریبی مرجع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ اور لیکون حضور صلی اللہ علیہ وسلم للعالمین نذیرا سارے عالمین کے نبی ہیں اور نبوت بھی دائمی ہوتی ہے۔ بالفرض اگر کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ وقت کے لیے معاذ اللہ اُس خبر سے بے علم سمجھا۔ تو اس اعتقاد کی بناء پر وہ اتنی دیر

marfat.com

تک منکر نبوت رہے گا۔

یہی وجہ ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب شریف پر ایمان ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ اس کی تصریح آتی ہے لیکن اس کا اطلاق علم الغیب علی النبی کا مسئلہ واضح ہوا وہ اس طرح کہ نُوْحِیْ از اِیْحَاءٌ بمعنی الاعلام بالخفاء (العینی شرح بخاری) اب معنیٰ ہوا کہ ہم غیب کا علم عطا فرماتے ہیں نبی کو۔

حضرت حافظ الحدیث شیخ احمد مالکی وخازن وجمل وصاوی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمیع علم غیب پر ایمان رکھنا واجب ہے ان کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

وَالَّذِیْ یَجِبُ بِهِ الْاِیْمَانُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَنْتَقِلْ مِنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ فَهُوَ یَعْلَمُهَا کَمَا هِیَ عَیْنُ یَقِیْنٍ کَمَا وَرَدَ رُفِعَتْ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهَا وَاِلٰی مَا هُوَ کَائِنٌ فِیْهَا کَمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ هٰذِهٖ وَوَرَدَ اَنَّهٗ اِطَّلَعَ عَلَی الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَغَیْرُ ذَالِكَ مِمَّا تَوَارَدَتْ بِهِ الْاَخْبَارُ لٰکِنْ اُمِرَ بِکِتْمَانِ الْبَعْضِ (خازن۔ جمل صاوی وغیرہا)

ترجمہ

"جن باتوں کے ساتھ مسلمان کے لیے ایمان لانا لازم ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے اتنے تک انتقال نہیں فرمایا۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت کے تمام مغیبات پر مطلع نہیں فرمایا۔ وہ انھیں اس طرح جانتے ہیں جس طرح یقینی اور آنکھوں دیکھی بات ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ میرے لیے دنیا بلند فرمائی گئی ہے۔ میں اس کی طرف ایسے دیکھ رہا ہوں جس طرح میں ہاتھ کی ہتھیلی کی طرف دیکھ رہا ہوں اور یہ بھی حدیث میں وارد ہے کہ بہشت و دوزخ اور ومافیہا پر مطلع ہوں۔ اور ان باتوں کے متعلق احادیث تواتر کے درجہ تک پہنچ چکی ہیں۔ اور بعض چیزوں کو پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

فائدہ: ثابت ہوا کہ اس بات پر ایمان رکھنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع علوم غیبیہ پر مطلع فرمادیا ہے۔ قیامت تک کی کوئی شے آپ سے مخفی نہیں ہے۔

باب دوم

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جن آیات و احادیث میں علم غیب کی نفی ہے وہ سب آپ کی مکی زندگی کے متعلق ہیں اور اصول تفسیر و حدیث کا قاعدہ ہے کہ مدنی زندگی کی آیات مبارکہ و احادیث مقدسہ مکی زندگی کے

marfat.ocm

مضامین کی ناسخ ہیں یا اُن کے اجمال کی تفصیل ہیں ان قواعد کی تفصیل فقیر کی کتاب " احسن البیان " میں مطالعہ کیجئے۔ اور روح المعانی میں لکھا ہے کہ ساعۃ دنیا کی آخری یا آخرت کی پہلی گھڑی کا نام ہے۔ ہم نے اپنے رسالہ "طلوع الشمس فی علوم الخمس" میں انہیں مفصل طور پر لکھا ہے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر (۱)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَ اَوَّلُ مَنْ یَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَ اَوَّلُ شَافِعٍ وَّ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ ○ (رواہ مسلم المشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ص۵۱۱)

ترجمہ

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔ اور سب سے پہلے قبر سے میں اُٹھوں گا اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا۔ اور میری شفاعت قبول ہو گی۔"

حدیث نمبر (۲)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا فَخْرَ وَ بِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَ مَا مِنْ نَّبِیٍّ یَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ وَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ۔ رواہ الترمذی ○

(المشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ص۵۱۱)

"حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں گا۔ اور یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہتا اور میرے ہاتھ میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا ہو گا اور اس کو فخر سے نہیں کہتا اور قیامت کے دن آدم اور ان کے سوا تمام دوسرے پیغمبر میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر شق ہو گی اور میں قبر سے سب سے پہلے اُٹھوں گا اور اس پر مجھ کو فخر نہیں۔"

حدیث نمبر (۳)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَکْثَرُ الْاَنْبِیَاءِ تَبَعًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ اَنَا اَوَّلُ یَسْتَفْتِحُ بَابَ الْجَنَّةِ فَیَقُوْلُ الْخَازِنُ مَنْ اَنْتَ فَاَقُوْلُ مُحَمَّدٌ فَیَقُوْلُ بِكَ اُمِرْتُ اَنْ لَّا اَفْتَحَ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ ○ (المشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ص۵۱۱)

marfat.com

ترجمہ

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزِ قیامت میرے متبع تمام انبیاء کے متبعین سے زیادہ ہوں گے اور پہلا وہ شخص میں ہوں گا جو جنت کا دروازہ کھلواؤں گا خازن پوچھے گا آپ کون ہیں تو میں کہوں گا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ عرض کرے گا مجھے آپ کے لیے ہی حکم دیا گیا ہے کہ آپ سے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔

فائدہ: ان روایات پر غور کیجئے کہ مزار سے اٹھنا یہ ساعت کی پہلی گھڑی ہے اس کے بعد سارے حالات کا ذکر ہمارے دلائل کی تائید ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر خود ساعت کے متعلق ارشاد فرمایا۔

حدیث نمبر (۴)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت انا والساعۃ کھاتین۔ رواہ البخاری فی صحیحہ (کذا فی المشکوٰۃ المصابیح) باب قرب القیامۃ۔

ترجمہ

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (انگشت اور بیچ کی انگلی کو ملا کر) فرمایا کہ میں اور قیامت دونوں اس طرح ملے ہوئے بھیجے گئے ہیں جس طرح یہ دونوں انگلیاں ملی ہوئی ہیں۔

فائدہ: باتفاق علمائے حدیث اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے اور قیامت کے درمیان کوئی جدید نبی پیدا نہ ہوگا۔ اور قیامت آپ کے ساتھ آنے سے یہی مراد ہو سکتی ہے۔ ورنہ حدیث کا خلاف واقعہ ہونا لازم آتا ہے۔

حدیث نمبر (۵)

عن زیاد بن زیاد مولیٰ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ وَ مَدَّ اِصْبَعَہُ السَّبَّابَۃَ وَالْوُسْطٰی۔

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام زیاد بن ابی زیاد سے مروی ہے۔ فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں بھیجا گیا ہوں میرے اور قیامت کے درمیان کا واسطہ ان دو انگلیوں کی طرح ہے۔ اور آپ نے انگوٹھے والی انگلی اور درمیان کی بڑی انگلی دونوں کو باہر نکالا

marfat.ocm

اور لمبا کیا"

(ف) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سبابہ اور وسطیٰ کو لمبا کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جیسے وسطیٰ کو لمبا کرنے کوئی چیز حاجز نہیں ۔ کیا آپ کے اس فرمان سے

حاجز نہیں ایسے ہی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہیں ۔ کیا آپ کے اس فرمان سے کسی مومن کو انکار ہو سکتا ہے کہ آپ نے سبابہ اور وسطیٰ کو اکٹھا اور لمبا کر کے فرمایا تاکہ یہ بھی ثابت ہو جائے جیسے کہ ان دونوں انگلیوں کا تعلق مرکزی ایک ہاتھ ہی ہے ایسے ہی میرا قیامت کے ساتھ تعلق ہے ۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی ذات اور قیامت کو ملا کر واحد ہی فرمایا ۔ اب آپ کے اور قیامت کے درمیان انفصال کرنے والا اور آپ کو قیامت سے بے خبر کہنے والا صادق ہو سکتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ آپ نے اتصال میں اشارہ فرمایا کہ میں آیا ہوں اب میرے سے متصل ہو کر قیامت آرہی ہے ۔ اسی لیے آپ نے اپنے سبابہ اور وسطیٰ کو لمبا کر کے اپنا اور قیامت کا تعلق ظاہر فرمایا ۔ اگر تم کہو کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے قیامت کے تعین کا امر ہمیں کیوں نہیں ارشاد فرمایا تو آپ کا ظاہر نہ فرمانا آپ کے عدم علم پر دلالت نہیں کرتا ۔

حدیث نمبر (۶)

مسلم شریف صفحہ ۲۹۰ ج ۱ میں ہے :

عن جابر بن عبد الله انه عُرِضَ عَلَیَّ کُلُّ شیءٍ تولجو نه ۔

"حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میرے سامنے ہر شے پیش کی گئی جس میں تم داخل ہو گے ۔"

فائدہ ، اب بتائیے کہ ہم قیامت یعنی ساعت اولیٰ (یوم آخرت) میں داخل ہوں گے یا نہ اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ہے ۔ بلکہ روایات میں تو یہاں تک ہے کہ ساعۃ نے خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ کی صورت میں اسے سواری کے طور پر استعمال فرمایا ۔ یہ ایک حدیث ہے جس کے چند جملہ یہ ہیں ۔

حدیث نمبر (۷)

واما الناقة التی رأیتها و رأیت ابعثها فهی الساعة علینا تقوم لا نبی بعدی ولا امة بعد امتی ۔ (ابن کثیر ص ۳۶۹ جلد ۹)

"وہ ناقہ جس کو تم نے خواب میں دیکھا اور یہ کہ میں اس کو چلا رہا ہوں وہ قیامت ہے جو ہم پر قائم ہو گی کیونکہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا اور نہ میری امت کے بعد کوئی امت ۔"

marfat.com

فائدہ: اس سے مزید اور کیا چاہیئے لیکن ضدی کو دفتر پڑھ کر سنا دو تو پھر بھی نہیں مانے گا اور

ع دانا را اشارہ کافیست

اور غبی سر بے سے سمجھتا ہی کچھ نہیں۔

حدیث نمبر (۸)

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بُعِثْتُ اَنَا وَ السَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ وَجَمَعَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ۔ (ابن ماجہ ص۳۰۲ ابو داؤد طیالسی ص۲۶۶)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں اور آپ نے اپنی انگلیوں کو جمع فرمایا۔ اِنَّھُمْ یَرَوْنَہٗ بَعِیْدًا وَّنَرَاہُ قَرِیْبًا کے ساتھ اس کی مطابقت ہو گی۔"

حدیث نمبر (۹)

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ سَیِّدُ الْاَیَّامِ وَ اَعْظَمُھَا عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ یَوْمِ الْاَضْحٰی وَیَوْمِ الْفِطْرِ فِیْہِ خَمْسُ خِلَالٍ خَلَقَ اللّٰہُ فِیْہِ اٰدَمَ وَ اَھْبَطَ اللّٰہُ فِیْہِ اٰدَمَ اِلَی الْاَرْضِ وَفِیْہِ تَوَفَّی اللّٰہُ اٰدَمَ وَفِیْہِ سَاعَۃٌ لَا یَسْاَلُ اللّٰہَ فِیْھَا الْعَبْدُ شَیْئًا اِلَّا اَعْطَاہُ مَالَمْ یَسْئَلْ حَرَامًا وَفِیْہِ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ مَا مِنْ مَلَکٍ مُقَرَّبٍ وَلَا سَمَاءٍ وَلَا اَرْضٍ وَلَا رِیَاحٍ وَلَا جِبَالٍ وَلَا بَحْرٍ اِلَّا وَھُنَّ یُشْفِقْنَ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ۔ (ابن ماجہ ص۷۷)

ترجمہ

"نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور اللہ کے نزدیک بہت بزرگی والا ہے۔ اور وہ اللہ کے نزدیک عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دنوں سے بھی زیادہ بزرگ ہے۔ اس میں پانچ بڑی چیزیں ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اسی میں زمین پر اتارا۔

۲۔ اور اسی میں اللہ تعالیٰ نے اُن کا وصال کیا۔

۳۔ اور اسی میں ایک ایسا وقت ہے جس میں بندہ اللہ سے کوئی بھی سوال کرے اللہ اس کو عطا کرتے ہیں جب تک کہ حرام کا سوال نہ کرے۔

۴۔ اور اسی میں قیامت قائم ہو گی۔

۵۔ کوئی مقرب فرشتہ اور آسمان اور زمین اور ہوائیں اور پہاڑ اور سمندر نہیں ڈرتے مگر وہ جمعہ کے دن سے

marfat.ocm

ڈرتے ہیں۔

فوائد الحدیث

(۱) حضور نبی کریم رؤف ورحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جمعہ کے فضائل بیان فرماتے ہوئے ابتداء سے قیامت تک کا تمام واقعہ بیان فرمادیا مثلاً،

۱۔ حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کی اطلاع دی۔ یہ زمانہ ماضی کے غیب کا علم ہے۔

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کا مقررہ پیدائشی دن ظاہر فرمایا۔

۳۔ حضرت آدم علیہ السلام کے نزول الی الارض کے مقرر دن کی خبر دی۔

۴۔ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت وصال کی خبر دی۔

۵۔ ایک ایسی گھڑی کی خبر دی جس میں اللہ تعالیٰ بندے کے سوال کو رد نہیں فرماتا۔ وہ ساعت کسی کو معلوم نہیں سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسا کہ بین الخطبتین ساعت کا تقرر ظاہر فرمایا حالانکہ خطبتین کا وقت بھی ہر جگہ کا مختلف ہے۔ لیکن جس ساعت کا آپ نے ذکر فرمایا وہ آپ کے خطبتین کے مابین ہوسکتی ہے۔ جس ساعت کا اندازہ کرنا دوسرے کے واسطے مشکل ہے لیکن آپ نے جب اس ساعت کو وقتِ اجابت فرمایا تو اس کی صفتِ اجابت بیان کرنے سے معلوم ہوا کہ اُس ساعت کی حقیقت کا بھی آپ کو علم ہے۔

۶۔ اس ساعت بلا محیط کے بیان کرنے سے آپ نے صاف ثبوت دے دیا کہ جیسے میں اس ساعت کو جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

۷۔ اسی جمعہ کے دن میں اُس قیامت کا قیام ہوگا۔

حدیث نمبر (۱۰)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرُ یَوْمٍ طَلَعَتْ فِیْهِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ فِیْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْهِ اُهْبِطَ وَفِیْهِ تِیْبَ عَلَیْهِ وَفِیْهِ مَاتَ وَفِیْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا وَهِیَ مُسِیْخَةٌ یَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِیْنَ تُصْبِحُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقًا مِنَ السَّاعَةِ اِلَّا الْجِنَّ وَالْاِنْسَ وَفِیْهَا سَاعَةٌ لَا یُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ یُصَلِّیْ یَسْاَلُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَاجَةً اِلَّا اَعْطَاهُ اِیَّاهَا (ابوداؤد ص۱۵۱ ج ۱)

marfat.com

ترجمہ

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام دنوں سے بہتر دن جمعہ کا ہے۔ اسی میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی میں اُتارے گئے اور اسی میں آپ کی توبہ منظور کی گئی اور اسی میں آپ کا وصال ہوا اور اسی میں قیامت قائم ہو گی اور اسی دن صبح سے ہر زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں مگر وہ سننے والا ہے قیامت کی آواز کو سوائے جن اور انسان کے اور اسی میں ایک گھڑی ہے جس بندے مسلمان کو نماز پڑھنے کی حالت میں اُسے ملے وہ اللہ سے جو بھی حاجت طلب کرے اُس کو اللہ تعالیٰ عنایت کرتے ہیں)۔"

(ف) اس حدیث پاک میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر عظیم الشان مرحلے کو معین وقت میں بیان فرماتے ہوئے قیامت کے دن کا تعین بھی فرما دیا۔ کیا عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یاد نہ تھا یا آپ نے اس کا مطلب نہ سمجھا جو تم نے سمجھا ہے یا نعوذ باللہ آپ نے جھوٹ بولا ہے سوائے اس کے کہ تم اُس آیت کو اس فرمان مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی تطبیق دو کہ اس حدیث پاک کے مطابق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یومِ قیامت کے تقرر کا علم ہے جیسا کہ آپ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے علمِ ذاتی کی غیر سے نفی فرمائی ہے۔ دوسرے کو عطا کرنے کی نفی نہیں فرمائی۔ جیسا کہ کوئی کارخانے کا مالک یہ دعویٰ کرے کہ یہ چیز میرے پاس ہے ہی کیونکہ میری خود ساختہ ہے اور کسی کے پاس نہیں تو اس کا یہ مطلب کہ اور کوئی دکاندار اُس چیز کو اُس سے لے بھی نہیں سکتا۔ حالانکہ جس کو وہ پسند کرے الجیفی بھی دے سکتا ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے علمِ قیامت کی تخصیص اپنی طرف فرمائی لیکن اپنی مرضی کے مطابق اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی کے قانون سے نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی عطا فرمایا۔ جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے پھر آپ نے اس حدیث میں روئے زمین کے تمام جانداروں کے حرکات اور خشیت کا پورا علم ارشاد فرمایا۔ اور جمعہ کے دن کی خصوصیت میں اُن کے قلوب کی خشیت کا علم کُلّی ظاہر فرماتے ہوئے اپنے حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت دے دیا۔ اگر حاضر و ناظر نہیں تو علم کیسے ہو سکتا ہے اور اگر علم نہ ہو تو تمام روئے زمین کے جانداروں کی خشیت اور جن و انسان کا اُس خشیت سے بھی غفلت کا اظہار فرمانا نعوذ باللہ آپ پر کذب لازم آتا ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ سوائے جنوں اور انسانوں کے تمام روئے زمین کی جاندار چیزیں قیامت کی خشیت سے خاموش ہوتی ہیں اور اُن پر ایک سناٹا ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ سوائے جن و انسان کے ہر ذی رُوح چیز کو قیامت تک کا علم ہے جس سے وہ خائفین ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل قبور کا حال بھی سوائے جن و انسان کے ہر ذی رُوح جانتے ہیں۔

marfat.ocm

فَيَضْرِبُهُ بِهَا ضَرْبَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ

(ابوداؤد شریف ص ۳۰۶)

تو فرشتہ اُس میت کو خوب مارتا ہے۔ اور اُس کی چیخ و پکار کا بھی علم آپ کو حاصل ہے جو آپ عالمین اور مخلوقین کے تمام حالات کو بیان فرما رہے ہیں۔ جب ہر ذی رُوح چیز سوائے جن و انس کے عالمِ برزخ کے حالات کو دیکھ رہے ہیں۔ اور اُن کے حالات کو آپ بیان فرما رہے ہیں۔ ایسے ہی اُن کو قیامت بھی نظر آ رہی ہے اور سوائے جنّ و انسان کے اس کو ہر ذی رُوح دیکھ کر خائف ہو رہا ہے۔ جن کے علم کا اظہار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ تو ثابت ہُوا کہ سوائے جنّ و انسان کے ہر ذی رُوح چیز کو قیامت کا علم ہے۔ اور اُن تمام کا علم مع قیامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل ہے۔ جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے علمِ قیامت کا اظہار اس حدیثِ پاک میں فرمایا ہے۔

حدیث نمبر (۱۱)

عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ (ابوداؤد ص ۱۵۰ ج ۱)

ترجمہ

"حضرت اَوس بن اَوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمام دنوں سے جمعہ کا دن افضل ہے۔ اسی میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی میں قبض کیے گئے اور اسی میں اسرافیل قرنا پھونکیں گے اور اسی میں قیامت ہو گی"

صحابہ کرام کا عقیدہ

حدیث نمبر (۱۲)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت کا بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَتَدْرُوْنَ اَيَّ يَوْمٍ ذٰلِكَ قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ (مستدرک ص ۵۶۷ ج ۲)

"کیا تم جانتے ہو کہ یہ دن کون سا ہے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔"

marfat.com

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ آپ کو علم قیامت ہے۔

اقوالِ بزرگانِ دین

۱۔ وَالَّذِیْ یَجِبُ الْاِیْمَانُ بِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَنْتَقِلْ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِیْعِ الْمُغَیَّبَاتِ (صاوی ص ۱۱۱ ج ۲)

ترجمہ

"اور جس کے ساتھ ایمان واجب ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے نہیں منتقل ہوئے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو جمیع مغیبات کا علم سکھایا۔"

۲۔ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا اَیْ مِنْ حَیْثُ ذَاتِهَا وَاَمَّا بِالْاِعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰی لِلْعَبْدِ فَلَا مَانِعَ مِنْهُ کَالْاَنْبِیَاءِ وَبَعْضِ الْاَوْلِیَاءِ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَقَالَ تَعَالٰی عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ اللّٰهِ۔ (صاوی ص ۳۶ ج ۲)

ترجمہ

یعنی باعتبار ذات کے کسی نفس کو کل کی خبر نہیں۔ لیکن اللہ کے جتانے سے بندے کو کوئی رکاوٹ بھی نہیں۔ جیسا کہ تمام انبیاء اور بعض اولیاء کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کے علم سے کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ مگر جو اللہ چاہے۔ اور فرمایا کہ اللہ غیب کو جاننے والا ہے سوائے اللہ کے کسی کو اس کے غیب کی اطلاع نہیں۔ سوائے اُس رسول کے کہ جس کو اللہ برگزیدہ کرے۔"

۳۔ اَلْحَقُّ اَنَّهٗ لَمْ یَخْرُجْ نَبِیُّنَا مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اَطْلَعَهُ اللّٰهُ عَلٰی تِلْكَ الْخَمْسِ وَلٰکِنَّهٗ اُمِرَ بِکَتْمِهَا (ایضاً)

ترجمہ

"سچی بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے نہیں منتقل ہوئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان خمسہ امور کے علم پر آپ کو مطلع فرمایا۔ اور لیکن اُن کے چھپانے کا بھی حکم فرمایا۔"

(ف) اس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا کیا گیا۔

۴۔ ذَهَبَ بَعْضُهُمْ اِلٰی اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُوْتِیَ عِلْمَ الْخَمْسِ اَیْضًا

marfat.ocm

وَعِلْمُ وَقْتِ السَّاعَةِ وَالرُّوحِ وَاِنَّهٗ اُمِرَ بِكَتْمِ (خصائص کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۹۵) ذٰلِكَ ۔

"بعض اس طرف گئے ہیں کہ نبی صلی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پانچ چیزوں کا بھی علم دیا گیا ہے ۔ قیامت کے وقت کا بھی اور روح کا بھی اور آپ کو اُن کے چھپانے کا حکم دیا گیا۔"

۵۔ فَقَالَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَعَنْ سَادَاتِنَا الْعُلَمَاءِ وَكَيْفَ يَخْفٰى مِنْ اُمَّتِهِ الشَّرِيْفَةِ لَا يُمْكِنُهُ التَّصَرُّفُ اِلَّا بِمَعْرِفَتِهٖ هٰذِهِ الْخَمْسَ ۔ (ابریز صفحہ ۱۶۷)

"فرمایا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور بڑے بڑے علماء سے کہ پانچوں اُمور کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے مخفی ہو سکتا ہے حالانکہ آپ کی اُمت شریفہ کے اہل تصرف سے کسی ایک کو تصرف کی قدرت نہیں ہوتی جب تک کہ ان پانچ اشیاء کا اُس کو علم نہ ہو۔"

۶۔ وَاُوْتِيَ عِلْمَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الرُّوْحَ وَالْخَمْسَ الَّتِيْ فِيْ اٰيَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (کشف الغمہ صفحہ ۳، ج ۲) ۔

اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کل شے کا علم دیا گیا۔ حتیٰ کہ روح کا اور اُن پانچ کا بھی جو اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۔

۷۔ علم حق در علم صوفی گم شود (تفہیمات الٰہیہ شاہ ولی اللہ صفحہ ۱۸ ج ۱)

"اللہ کا علم صوفی کے علم میں گم ہو جاتا ہے۔"

جوابات: آیت مذکورہ یعنی قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ مخالفین کے دلائل میں سے ایک قوی دلیل ہے حالانکہ اُن کے مذہب کے بھی خلاف ہے چنانچہ فقیر کے جواب سے اندازہ لگائیے۔

۱۔ آیت میں ہر قسم کا غیب منفی ہے حالانکہ مخالفین بعض غیب للنبی علیہ السلام کے قائل ہیں ۔ فما ہو جوابہم فہو جوابنا۔ جو ان کا جواب ہوگا وہی ہمارا جواب ہے۔

۲۔ آیت مکیہ ہے اور قاعدہ ہے کہ مکیہ آیات یا منسوخ ہوتی ہیں یا مجملہ یہ آیت منسوخ نہ سہی مجملہ ہے جس کے اثبات کے لیے آیات مدنیہ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

۳۔ مظہری تفسیر مخالفین کے نزدیک مستند ہے اس میں پارہ نمبر ۳ زیر آیت وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ الخ لکھا کہ آیت میں حصر اضافی ہے حقیقی نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عطا سے غیب جانتے ہیں۔

۴۔ اس آیت شریفہ میں یہ کہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب نہیں عطا فرمایا یا آپ کو باعلام خداوندی بھی علم غیب حاصل نہیں ہو سکتا۔

marfat.com

۵۔ اس آیت شریفہ میں ذاتی علم غیب مراد ہے کہ خدا کے سوا ذاتی علم غیب کوئی نہیں جانتا جو تعلیم خداوندی سے ہے اس کی نفی نہیں ہے۔ چنانچہ مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی مراد لی ہے۔

۱۔ علامہ علاؤالدینؒ اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

نَزَلَتْ فِی الْمُشْرِكِيْنَ حِيْنَ سَأَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ السَّاعَةِ۔

"یہ آیت نازل ہوئی اس وقت جب کہ مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وقت قیامت دریافت کیا۔"

فائدہ: قیامت ایک غیبی خبر ہے جس کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی تھی کہ تم پر قیامت آئے گی۔ تو مشرکین نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کا وقت دریافت کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ کو نازل فرما کر ان مشرکین کا رد فرمایا۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝ (پ۲۰ ع ۱ سورۃ النمل)

ترجمہ

"آپ فرما دیجئے ان کو کہ خود کوئی غیب نہیں جانتے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ اور انھیں خبر نہیں۔ کب اٹھائے جائیں گے۔ کیا ان کے علم کا سلسلہ آخرت تک پہنچ گیا ہے۔ بلکہ وہ اس کی طرف سے شک میں ہیں۔ بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔"

(ف) اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جن مشرکین نے وقتِ قیامت دریافت کیا تھا۔ ان کا رد فرمادیا گیا کیونکہ اگر وقت قیامت بتادیا جائے تو مقصدِ قیامت ہی نہ رہے۔

۲۔ صاحب تفسیر نیشاپوری اسی آیت کے ماتحت فرماتے ہیں:

لا اعلم الغيب تكون فيه دلالة على ان الغيب بالاستقلال لا يعلمه الا الله ۝ (التفسير نیشاپوری)

"آیت کے معنی یہ ہیں کہ علم غیب جو بذاتِ خود ہو وہ خدا کے ساتھ خاص ہے۔" اسے میں نہیں جانتا۔ نیز محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی بھی یہی رائے ہے۔

marfat.ocm

۳- امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ حدیثیہ میں اسی آیت قل لا یعلم کے متعلق فرماتے ہیں۔

وَمَا ذکرناہ فی الاٰیۃ صرح بہ النووی رحمہ اللہ تعالیٰ فی فتاواہ فقال معناھا لا یعلم ذالک استقلالاً و علم احاطۃ بکل المعلومات اللہ تعالیٰ۔

"یعنی ہم نے جو آیات کی تفسیر کی امام نووی ؒ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تصریح کی۔ فرماتے ہیں آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ غیب کا ایسا علم صرف خدا کو ہے جو بذاتِ خود ہو۔ اور جمیع معلومات الٰہیہ کو محیط ہو۔"

۴- علامہ خفاجی شرح شفا میں اسی آیت کے متعلق فرماتے ہیں:۔

ھذا لا ینافی الاٰیات الدالۃ علی انہ لا یعلم الغیب الا اللہ تعالیٰ فالمنفی علمہ من غیر واسطۃ واما اطاعہ علیہ باعلام اللہ تعالیٰ فام متحقق بقولہ فلا یظھر علیٰ غیبہ احدا۔

"جن آیات میں یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ مگر اللہ تعالیٰ۔ یہ نفی ہے بے واسطہ علم کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے جاننا ثابت ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

فلا یظھر علیٰ غیبہ احدًا ۝ الا من ارتضیٰ من رسول ۝

"اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا۔ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔"

(ف) مندرجہ بالا عبارات سے آفتاب کی طرح روشن ہے کہ اس آیت شریفہ میں علم بذاتہٖ من دابۃٍ کی نفی کی گئی ہے۔ اور جو تعلیم الٰہی سے ہو اس کی نفی نہیں۔

اگر آیت کے ظاہر پر اکتفا ہے تو پھر ایک اور آیت میں خود اللہ تعالیٰ کے علم کی بھی نفی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ (پ ۱۱ ع ۶ سورہ یونس)

"فرما دیجئے۔ کیا خبر دیتے ہو اللہ کو جو اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں نہیں جانتا پاک ہے وہ اور بلند ہے اُس چیز سے جو تم شرک کرتے ہو۔"

(ف) اس آیت شریفہ سے اگر مخالفین کے کہنے کے مطابق لَا يَعْلَمُ سے وہ معنیٰ لیے جاویں تو معاذاللہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھی علم غیب ہونا تسلیم نہیں کرتے ہوں گے۔ کیونکہ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کی نفی ہونا مراد لیتے ہیں وہ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا

فی الارض سے بھی۔

بہر کیف ثابت ہو گیا کہ قل لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا اللہ سے ذاتی علم غیب کسی غیر کو ہونے کی نفی کی جا رہی ہے۔ اور عطائی علم غیب کا ثبوت ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جو گمان کرتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات جانتے ہیں وہ اللہ پر بہت بڑا افترا کرتا ہے[1]۔

---

[1] اس روایت کو مخالفین خوب اچھی طرح اچھالتے ہیں اور اپنے دعویٰ کی بہت بڑی دلیل سمجھتے ہیں۔ یہ اُن کی غلط کارروائیوں میں ایک یہ بھی ہے جوابات تفصیلیہ تو فقیر نے کتاب علم غیب فی الحدیث میں لکھے ہیں۔ اجمالی جواب حاضر ہیں۔

(۱) فن اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ راوی کے عقیدہ اور طریقہ کے خلاف روایت کی تاویل واجب ہے۔ یہ جملہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اپنے عقیدے کے خلاف ہے چنانچہ فرماتی ہیں:

قَالَتْ بَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَجْرِیْ فِیْ لَیْلَۃٍ ضَاحِیَۃٍ اِذْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ هَلْ یَکُوْنُ لِاَحَدٍ مِنَ الْحَسَنَاتِ عَدَدَ نُجُوْمِ السَّمَآءِ قَالَ نَعَمْ عُمَرُ قُلْتُ وَاَیْنَ حَسَنَاتُ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَ اِنَّمَا جَمِیْعُ حَسَنَاتِ عُمَرَ کَحَسَنَۃٍ وَّاحِدَۃٍ مِنْ حَسَنَاتِ اَبِیْ بَکْرٍ۔ (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ

"حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک چاندنی رات میں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ کیا کسی کی اتنی نیکیاں بھی ہیں جتنے آسمان پر ستارے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نیکیاں اتنی ہیں۔ پھر میں نے پوچھا اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی نیکیوں کا کیا حال ہے۔ آپ نے فرمایا۔ حضرت عمر کی نیکیاں ساری عمر کی اور ابوبکر کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔"

عقیدہ عائشہ گر نہ ہوتا تو سوال کیوں کیا جاتا۔ اُم المومنین کا عقیدہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام ستاروں کی تعداد کا بھی علم ہے اور دنیا والوں کی نیکیوں کا بھی۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واضح فرما دیا کہ مجھے عمر رضی اللہ عنہ کی تمام نیکیوں کا بھی علم ہے کیونکہ آپ نے دونوں چیزوں کو ملاحظہ فرما کر جواب دیا کہ

marfat.ocm

ردِّ وہابیہ از صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ

منکرین علم غیب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ردّ میں صدیوں پہلے صاحبِ رُوح البیان صفحہ ۳۶۵ ج ۶ میں تحریر فرماتے ہیں:

واما ما قیل ان من قال ان نبی اللہ لایعلم الغیب فقد اخطأ فیما اصاب فھو بالنسبۃ الی الاستثناء الوارد فی قولہ تعالیٰ فلا یظھر علی غیبہ احدًا الا من ارتضیٰ من رسول فان بعض الغیب قد اظھرہ اللہ علی رسولہ کما سبق من التأویلات۔

ترجمہ

"بہرحال جس نے کہا کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے وہ اپنے بیان میں خطا کار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قول۔ فلا یظھر علی غیبہ" الخ میں استثناء وارد ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعض غیب ظاہر فرمائے ہیں جیسا کہ التاویلات النجمیہ کی تقریر ابھی گزری ہے۔"

حکایت: نجومی حجاج بن یوسف کے ہاں آیا اور حجاج نے چند سنگریزے گن کر پوچھا۔ نجومی نے حساب لگا کر بتایا تو جواب صحیح آیا۔ پھر اور چند سنگریزے اُٹھائے اُن کی گنتی نہ کی۔ اُن کے متعلق نجومی سے پوچھا تو وہ غیب نہ بتا سکا۔ اب تو نے شمار کے بغیر پوچھا تو یہ غیب سے ہوگیا اور غیب سوائے اللہ کے کوئی اور نہیں جانتا۔

حکایت: گلستان کتاب میں ہے کہ ایک نجومی گھر واپس لوٹا تو دیکھا کہ اُس کی عورت کے ساتھ کوئی اجنبی بیٹھا تھا اُسے گالی دے کر باہر نکالا۔ کسی صاحب کو معلوم ہوا تو فرمایا ؎

تو بر اوج فلک چہ دانی چیست
چو ندانی کہ در سرائے تو کیست

ترجمہ: "تو آسمانوں کی بلندیوں کو کیا جانے جبکہ تجھے معلوم نہیں کہ تیرے گھر میں کون ہے۔"

عمر رضی اللہ عنہ کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں۔ دو چیزوں کی برابری وکمی وبیشی وہی بتا سکتا ہے جسے دونوں چیزوں کا علم بھی ہو اور مقدار بھی معلوم ہو۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے لوگوں کے تمام ظاہری اور پوشیدہ اعمال کا بھی علم ہے اور آسمانوں کے بھی تمام ظاہر و پوشیدہ ستاروں کا بھی تفصیلی علم ہے جس میں وہ ہیں (حاشیہ ختم)

marfat.com

بل ادراك علمهم فی الاخرة ۔ ادراک دراصل تدارک تھا۔ تاء کو دال سے تبدیل کیا گیا ہے۔ بمعنی تلاحق وتدارک ۔ بلکہ پہنچا ہے ان کا علم آخرت میں۔ القاموس میں ہے کہ۔ اس کے علم سے جاہل ہیں اور نہ ہی اس کے معاملات کا انہیں علم ہے یہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یعنی ان کا علم لحوق آخرت کو پہنچا ہے بلکہ وہ اس سے بے خبر ہو چکے ہیں (کذا فی المفردات) اور بعض نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تدارک بمعنی تتابع یعنی ان کا علم آخرت کے درپے ہوا یہاں تک کہ ان کے علم کی انتہا ہو گئی کہ اس کے بعد وہ ہے ہی نہیں یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ **تتابع بنو فلاں** ۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب وہ لوگ ایک ایک ہو کر مرتے جائیں یہاں تک کہ ایک بھی انہیں باقی نہ رہے اس میں ان کے آخرت سے بے خبر ہونے کا بیان ہے باوجودیکہ اس کے اسباب واضح ہیں لیکن یہ ایسے غبی ہیں کہ اسے جانتے تک نہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کا علم آخرت کے بارے میں چلتا چلتا ختم ہو گیا۔ یہاں تک آنے والے حالات کے لیے ان کا علم مٹ چکا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے تو انہیں اس کا علم تھا لیکن پھر آہستہ آہستہ ان سے ختم ہو گیا بلکہ مجازاً یوں کہا گیا ہے کہ علم کے اسباب و مبادی یعنی دلائل عقلیہ ونقلیہ سے انتفاء علم کیا گیا ہے اسی لیے اسباب کے انتفاء پر ان کا علم بھی ساقط الاعتبار ہو گیا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے اور بُرے حال کو بیان فرمایا وہ یہ کہ **بل هم فی شك منها** بلکہ وہ اس کے متعلق شک میں ہے کہ اس کا وقوع ہو گا یا نہ یا اس شخص کی طرح متحیر ہیں جو حقیقت حال پر کوئی دلیل نہ رکھتا ہو اس کے بعد ان کا مزید بُرا حال بتایا کہ **بل هم منها عمون** ۔ بلکہ وہ اس کے بارے میں ایسے اندھے ہیں کہ کسی طریق سے ہی دلیل کا ادراک نہیں رکھتے کیونکہ ان کی بصارت کے بجائے بصیرت ختم ہے۔ **عمون** عم کی جمع یعنی دل کا اندھا المفردات میں ہے۔ عمی دل اور آنکھ کے اندھے کو کہتے ہیں فرق کرتے ہوئے پہلے کو اعمی ودوسرے کو عمی وعم کہا جاتا ہے آنکھ کے اندھے سے قلب کا اندھا زیادہ بُرا ہوتا ہے بلکہ قلب کے نابینا کے بالمقابل آنکھ کا نابینا کچھ نہیں۔ کیونکہ ہم نے بہت سے نابینا دیکھے ہیں جو بصیرت میں تیز واقع ہوئے بخلاف دل کے اندھوں کے کہ بظاہر بینا تو نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت ان جیسا اندھا دنیا و آخرت میں اور کوئی نہیں جیسے کفار و منافقین اور غافلین وغیرہ۔

دل کے اندھے کا علاج : جس دل کی بینائی نہ ہو وہ علاج بضد کرے یعنی وہ علم حاصل کرے جو آخرت پر یقین لائے اور ایسے اُمور کے معلومات حاصل کرے جو اس کے مؤید ہیں۔

ل یاد رہے کہ بعض سے بعض علوم الٰہی جو ہمارے لیے کلی ہیں اسی لفظ بعض نے بہت سے لوگ دھوکہ کھاتے اور دیتے ہیں۔ (اویسی غفرلہٗ)

جہل بڑی بلا: حضرت سہل بن عبداللہ التستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں سب سے بڑی نافرمانی جہل ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ جہل سے بھی بدتر اور کوئی شے ہے تو آپ نے فرمایا ہاں وہ ہے جہل الجہل۔ یعنی جہل دو قسم ہے۔

۱۔ جہل بسیط یعنی سلب العلم۔

۲۔ جہل مرکب وہ اس کے برعکس ہے۔ پہلا ضعیف ہے۔ دوسرا قوی۔ یہ سوائے فضل ربانی کی تائید کے نہیں ہٹتا۔

سقام الحرص لیس لہٗ شفاء
و داء الجہل لیس لہٗ طبیب

ترجمہ: "حرص کے امراض کی کوئی شفا نہیں اور نہ ہی جہل کی بیماری کا کوئی طبیب ہے۔"

بعض نے یوں کہا۔

و فی الجہل قبل الموت موت لاھلہٖ
و اجسامھم حین النشور نشور
و ان امرأ لم یحیی بالعلم میت
ولیس لہٗ حین النشور نشور

ترجمہ: اور جہل میں موت سے پہلے ہی جاہل کی موت ہے اور ایسے لوگوں کے لیے قبروں میں جانے سے پہلے ان کے اپنے اجسام قبریں ہیں۔

جس نے اپنے آپ کو علم سے زندہ نہ کیا تو وہ مردہ ہے اس کا مر اٹھنے پر اٹھنا ہی نہ ہوگا۔

اے کہ داری ہنر نداری مال
مکن از کردگار خود گلہٗ
نعمت جہل را مخورہ کہ ہست
روضۂ درمیان مزبلۂ

ترجمہ: اے فلاں تو اگر ہنرمند ہے لیکن تیرے پاس مال نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے شکایت نہ کر۔ نعمت جہل نہ مانگ اس لیے کہ یہ ایسے ہے جیسے گندگیوں کے درمیان ذیشان بنگلہ۔

اے اللہ ہمیں ان علماء سے بنا جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ (آمین)

marfat.com

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا

اور کافر بولے کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو

وَآبَاؤُنَا أَئِنَّا لَمُخْرَجُونَ ٦٧ لَقَدْ وُعِدْنَا هَٰذَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِن قَبْلُ

جائیں گے کیا ہم پھر نکالے جائیں گے بے شک اس کا وعدہ دیا گیا ہم کو اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا کو

إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ٦٨ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ

یہ تو نہیں مگر اگلوں کی کہانیاں تم فرماؤ زمین میں چل کر دیکھو کیسا ہوا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ٦٩ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُن فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ٧٠

انجام مجرموں کا اور تم ان پر غم نہ کھاؤ اور ان کے مکر سے دل تنگ نہ ہو

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ٧١ قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ رَدِفَ

اور کہتے ہیں کب آئے گا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو تم فرماؤ قریب ہے کہ تمہارے پیچھے آ لگی ہو

لَكُم بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ٧٢ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ

بعض وہ چیز جس کی تم جلدی مچا رہے ہو اور بیشک تیرا رب فضل والا ہے آدمیوں پر لیکن

أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ٧٣ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ٧٤

اکثر آدمی حق نہیں مانتے اور بیشک تمہارا رب جانتا ہے جو ان کے سینوں میں چھپی ہے اور جو وہ ظاہر کرتے

وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ٧٥ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ

ہیں اور جتنے غیب ہیں آسمانوں اور زمین کے سب ایک بتانے والی کتاب میں ہیں بے شک یہ قرآن ذکر فرماتا

يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ٧٦ وَإِنَّهُ لَهُدًى

ہے بنی اسرائیل سے اکثر وہ باتیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور بیشک وہ

ع

وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ٧٧ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ٧٨

ہدایت اور رحمت ہے مسلمانوں کے لیے بے شک تمہارا رب ان کے آپس میں فیصلہ فرماتا ہے اپنے حکم سے اور وہی ہے

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ٧٩ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ

عزت والا علم والا۔ تو تم اللہ پر بھروسا کرو بے شک تم روشن حق پر ہو بے شک تمہارے سنائے نہیں سنتے مردے اور نہ تمہارے

الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ٨٠ وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ إِن

سنائے بہرے پکار سنیں جب پھریں پیٹھ دے کر اور اندھوں کو گمراہی سے تم ہدایت کرنے والے نہیں تمہارے سنائے تو وہی

marfat.ocm

تَسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا
سنتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہ مسلمان ہیں اور جب بات ان پر آپڑے گی ہم زمین سے ان

لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾
کے لیے ایک چوپایہ نکالیں گے جو لوگوں سے کلام کرے گا اس لیے کہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہ لاتے تھے۔

تفسیر عالمانہ: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا۔ اور کافروں۔ یعنی مشرکین مکہ نے کہا ائذا کنّا ترابًا۔ کیا جب ہم ہو جائیں گے مٹی[1] واٰباء نا۔ اور ہمارے باپ دادا بھی مٹی ہو گئے۔ اس کا عطف کُنّا کی ضمیر پر ہے۔ تاکید کی ضرورت نہیں اس لیے کہ درمیان میں لفظ ترابا فاصل واقع ہے۔ ائنا المخرجون۔ کیا یقینًا ہم قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ ضمیر ائنا کفار اور ان کے آباؤ اجداد کے لیے ہے کیونکہ ترابا کا تعلق ان ہر دونوں سے ہے اور ائذا کا عامل وہی ہے جس پر المخرجون دلالت کرتا ہے یعنی نخرج نہ خود مخرجون کیونکہ مخرجون کے ماقبل ہمزہ استفہام اور ان اور لام تاکید عمل سے مانع ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو پھر اٹھائے جائیں گے یہ نہیں ہو سکتا اور ہمزہ کا تکرار انکار کی تاکید اور مبالغہ کے لیے ہے اور انکار کو بحالت تراب سے مقید کرنے میں ان کے اٹھائے جانے کی کیفیت کی تقویت کے لیے ہے کہ باوجودیکہ نہ اٹھنے کے منافی حالت میں ہوں گے لیکن قادر مطلق کی قدرت سے اٹھائے جائیں گے ورنہ وہ مرنے کے بعد زندہ اٹھنے کے مطلقًا قائل ہی نہ تھے خواہ وہ مٹی ہو جائیں یا نہ۔ لقد وعدنا ھذا۔ بیشک اسے اٹھائے جانے پر ہمیں وعدہ دیا گیا نحن۔

سوال یہاں نحن کی تقدیم کیوں حالانکہ سورہ مومنین میں تو اسے مؤخر کر دیا گیا ہے۔

جواب یہاں ان کی ذات مقصود ہے اور سورہ مومنین میں مبعوث مراد ہے اور یہ قاعدہ ہے جو موضوع مطلوب ہوتا ہے اسی کی تقدیم ہوتی ہے۔ واٰباء نا من قبل اور اس سے پہلے ہمارے آباء کو مرنے کے بعد اٹھنے کا وعدہ کیا گیا لیکن وہ نہ اٹھے اور نہ ہی قیامت تک اٹھیں گے۔ ان ھذا۔ نہیں یہ وعدہ۔ الا اساطیر الاولین۔ مگر بناوٹی باتیں کہ اپنی طرف سے گھڑ لی گئیں۔ اور پھر انہیں کہہ کہ لوگوں کو سنائی گئیں جیسے رستم اور اسفندیار کے قصے کہانیاں یعنی جیسے ان کی کہانیاں محض افسانے ہی افسانے تھے ایسے ہی یہ۔

---

[1] مر کر مٹی ہو جانا درحقیقت انہی کفار و مشرکین کا عقیدہ ہے جس کی ترجمانی میں اسمٰعیل دہلوی نے حضور علیہ السلام پر بہتان تراشی کر کے لکھا کہ میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں اور تمام مردوں اور اولیاء کرام کے لیے تو ان وہابیوں اور اکثر دیوبندیوں کا یہی عقیدہ ہے حالانکہ اسلام اس کا رد کرتا ہے ۱۲

marfat.com

حل لغات: اساطیر۔ وہ افسانہ جس کی کوئی حقیقت نہ ہو اساطیر و اسطیر بالکسر و اسطر (بالضم) جمع سطر ہے۔

قل سیروا۔ فرمائیے اے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) **سیروا**۔ اے منکرو مکذبو۔ یہ سیر سے ہے بمعنی چلنا۔ **فی الارض**۔ زمین پر جہاں تمھارے سے پہلے مکذبین رہتے تھے جیسے۔ حجر۔ احقاف المؤتفکات وغیرہ وغیرہ۔ **فانظروا**۔ تو فکر کرو اور دیکھ کر سوچو۔ **کیف کان عاقبۃ المجرمین** کیسے ہوا مجرمین کا انجام کہ تکذیب کے سبب سے وہ کیسے برباد ہوئے اور کس طرح کے عذاب میں مبتلا کئے گئے۔ اس میں تکذیب پر انھیں ڈرایا جا رہا ہے اور تہدید کی گئی ہے کہ تم پر بھی تکذیب کی وجہ سے اس طرح کا عذاب آسکتا ہے۔

حل لغات: جرم دراصل درخت سے ثمر کاٹنے کو کہا جاتا ہے اور الجرامۃ بھنے کئے ہوئے ثمر کا ردی حصہ اب استعارۃً مکروہ کام کرنے کو کہتے ہیں۔ **ولا تحزن علیہم**۔ اور آپ ان کی تکذیب اور برائیوں پر اصرار پر غم نہ کھائیے کیونکہ ان کی تخلیق بھی اسی لیے ہوئی ہے اور یہ نہی تحصیل الحزن سے نہیں اس لیے کہ حزن انسان کے اختیار میں نہیں۔ ہاں ان امور سے نہی ہے جو حزن کے موجبات و اسباب ہیں۔

حل لغات: حزن دراصل زمین کی خشونت کو کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی نفس کی خشونت کو بھی حزن کہتے ہیں۔ اس کی ضد فرح ہے۔ **ولا تکن فی ضیق** اور نہ ہو جاؤ تنگی میں یہ سعۃ (وسعت) کی ضد ہے۔ اس کا عموماً استعمال فقر اور غم وغیرہ میں ہوتا ہے۔ **مما یمکرون** ان کے مکر اور فریب سے یعنی ان کی وہ فریب کاریاں جو آپ کے ہلاک کرنے اور آپ کے دین سے لوگوں کو پھیرنے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ اس لیے کہ بڑے کو بڑا فریب خود تباہ کر دے گا اور اللہ تعالیٰ ہی آپ کا حافظ و ناصر اور آپ کے دین کا نگران ہے۔

غم مخور زاں روکہ غمخوارت منم
وز ہمہ بدہا نگہدارت منم
از تو گر اغیار برتابند رو
ایں جہاں و آں جہاں یارت منم

ترجمہ: غم مت کھا اس لیے کہ میں تیرا غم خوار ہوں تمام دشمنوں سے تیرا نگہبان میں ہوں۔ تجھ سے اگر اغیار منہ پھیر جائیں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس جہاں اور اُس جہاں میں تیرا یار و مددگار ہوں۔

ویقولون اور کافر کہتے ہیں۔ **متی** کب ہے۔ **ھٰذا الوعد** یہ جلد تر آنے والا عذاب موعود۔ **ان کنتم صادقین**۔ اگر تم اپنی خبروں میں سچے ہو۔

سوال:۔ خبر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور وہ واحد تھے فلہٰذا واحد کا صیغہ لانا تھا۔ جمع کا صیغہ کیوں۔

marfat.ocm

جواب۔ اس میں اہل ایمان کو شامل کیا گیا ہے کیونکہ مؤیدین بھی بمنزلہ اصل کے ہوتے ہیں قل عسٰی ان یکون لکم فرمایئے قریب ہے کہ وہ تمہارے پیچھے ہے بعض الذین تستعجلون عذاب کا بعض حصہ جس کی تم جلدی کر رہے ہو۔ چنانچہ کچھ عذاب کا حصہ ان پر بدر میں واقع ہوا اور باقی آخرت کے دن پائیں گے۔ بعض نے کہا موت میں بھی عذاب کا بعض حصہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے جو مر گیا تو اس کے لیے قیام قائم ہو گئی۔

فائدہ۔ وہ اس لیے کہ موت دنیا کے آخری اور آخرت کے ابتدائی لمحات کا نام ہے۔ پس جو شخص قیام قیامت سے پہلے مر گیا تو اس کی موت سے آخرت کے لمحات کی ابتداء ہو گئی یہ ایسے ہی جیسے دنیا کے لمحات ایک دوسرے کے متصل ہیں۔

قاعدہ: لعل۔ سوف۔ عسٰی ایسے حروف ہیں کہ بادشاہ جب بولے تو اس میں یقین مراد ہوتا ہے۔ اپنے وقار کے اظہار کے لیے اور اشارہ ہوتا ہے کہ ہمارے صرف اشارات دوسروں کی تصریحات کے ہم پلہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وعدہ وعید عموماً تو یونہی مستعمل ہوتے ہیں۔ وان ربك لذو فضل اور بیشک تمہارا پروردگار بہت بڑے فضل و انعام والا ہے۔ علی الناس۔ تمام لوگوں پر اس کے منجملہ انعامات کے ایک یہ بھی ہے کہ یہ لوگ باوجودیکہ کفر و معاصی کے مرتکب ہو کر جلد تر عذاب کے مستحق ہیں لیکن ان سے عذاب مؤخر کر دیا ہے ولکن اکثرھم لا یشکرون لیکن ان کے اکثر ناشکرے ہیں کہ نعمت کے حق کو نہیں پہچانتے بلکہ سابقہ کافروں کی طرح اپنی جہالت کی وجہ سے عذاب کے وقوع کی عجلت چاہتے ہیں۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ منکرین قیامت کا عذاب کی عجلت چاہنا ان کی جہالت کی دلیل ہے حالانکہ ان کو دلائل کے حقائق سے واضح کیا گیا ہے کہ ان پر ضرور اور لازماً عذاب واقع ہو گا اور پھر وعدہ کے مطابق بہت بڑے عذاب سے پہلے انہیں تھوڑے تھوڑے عذاب میں پے در پے مبتلا کیا جا رہا ہے مثلاً کبھی بلیات کا شکار تو کبھی مصائب کا وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ: وان ربك لذو فضل علی الناس۔ اور بیشک تیرا پروردگار لوگوں کے لیے بہت بڑے فضل والا ہے کہ انہیں بڑے عذاب کے بجائے چھوٹے چھوٹے عذاب میں مبتلا کرتا ہے تاکہ وہ خوف و خشیت سے اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہوں اور دنیا کو ترک کر دیں اور اس کی زینت کو نہ دیکھیں بلکہ آخرت اور اس کے درجات کی طرف راغب ہوں ولکن اکثرھم لا یشکرون۔ لیکن اُن کے اکثر نعمت و زحمت کو نہیں پہچانتے کیونکہ ایسے لوگ بہت کم ہیں کہ انہیں نعمت و فضل الٰہی کا علم ہوتا ہو اور یہ سمجھ سکیں کہ اس کی نعمت کیا ہے اور اس کا عذاب کیا۔ جس بندے کا یہ حال ہو تو پھر وہ اپنی سمجھ پر بہت سی چیزوں سے محبت کر کے اپنے لیے انہیں بہتر سمجھے گا حالانکہ بھلائی اس کے خلاف ہو گی۔ ایسے ہی بہت سی چیزوں کو برا مانے گا حالانکہ وہی اس کے لیے خیر ہوں گی ایسے ہی بہت سی نعمتوں کو نعمتِ الٰہی سمجھ کر شکر گزاری میں لگا رہے گا حالانکہ وہ اس کے لیے آزمائش ہوں گی جس پر اُس نے خواہ مخواہ شکر پر زندگی ضائع کی ایسے ہی بہت سے اُمور کو دکھ درد سمجھے گا حالانکہ وہ اس کے لیے راحت و آرام ہو گا۔ غرضیکہ

marfat.com

اپنی غلط خیالی کا شکار ہو کر ہزاروں مصائب و مشکلات میں مبتلا رہے گا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ: ان ربك ليعلم ما تكن صدورهم اور بیشک تیرا پروردگار جانتا ہے جو وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں۔ یہ اکن سے ہے بمعنی اخفی (چھپایا) الاکنان سے ہے بمعنی کسی شے کو حفاظت کی شے میں چھپانا الکن بمعنی پوشیدہ رکھنا کہا جاتا ہے۔ كننت الشئ و اكننت فی الكن و النفس یعنی کسی شے کو کن اور نفس میں چھپایا یعنی کن اور نفس کا اطلاق برابر طور ہوتا ہے۔ بعض نے ان میں فرق کیا ہے وہ یہ کہ کننت فی الکن اُس وقت بولتے ہیں جب شے مستور نہ ہو اور اکننت فی النفس۔ اس کے برعکس۔ بہرحال یہ باب ستر و جنون پر دلالت کرتا ہے۔ وما يعلنون اور وہ اقوال و افعال جو ظاہر کرتے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہی ہے جو وہ عذاب کی عجلت چاہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی بہت بڑے افعال اور تھے جنھیں وہ ظاہر نہیں کرتے تھے جن پر قیامت میں اللہ تعالیٰ انھیں سزا دے گا۔ الاعلان۔ بمعنی ظاہر کرنا۔

فائدہ: سیدنا جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ما تكن صدورهم سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور وما يعلنون سے اس کی خدمت مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ: وما من غائبة فی السماء ولا فی الارض الا فی كتاب مبين۔ اور نہیں کوئی پوشیدہ آسمان میں نہ زمین میں مگر لکھا ہوا ہے روشن کتاب میں اس سے لوح محفوظ مراد ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے۔

فائدہ: الغائبة ان صفات سے ہے جو شدت و غلبہ پر دلالت کرتی ہیں اور تاء مبالغہ کی ہے گویا یوں کہا گیا کہ کوئی شے کتنا ہی پوشیدہ کیوں نہ ہو اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اس کا علم اسے محیط ہے غیب و شہادت اس کے آگے برابر ہیں اسی لیے بحر الرائق میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ مغیبات کی موجود و معدوم جملہ اشیاء اس کے علم میں برابر ہیں۔ شے کے وجود و عدم سے اس کے علم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ معدوم سے موجود ہو جانے تو شے کی حالت کا متغیر ہوا نہ کہ علم الٰہی میں۔ واضح ہوا کہ تغیر معلوم میں ہوتا ہے نہ کہ علم میں۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ عصیان و نسیان ہر دونوں کو ترک کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کے ہر فعل و عمل پر مطلع ہے خواہ وہ کتنا ہی چھپائے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ بوستان میں لکھتے ہیں:

۱۔ یکے متفق بود بر منکرے | گزر کرد بروے نکو محضرے
۲۔ نشست از خجالت عرق کردہ روئے | کہ آیا خجل از شیخ کوئے
۳۔ شنید ایں سخن شیخ روشن رواں | بر و بشورید و گفت اے جواں

marfat.ocm

۴۔ نیاید ہمی شرمت از خویشتن !!! | کہ حق حاضر و شرم داری ز من
۵۔ چناں شرم دار از خداوند خویش | کہ شرمت ز بیگانگانست و خویش
۶۔ نیاسائی از جانب ہیچ کس | برو جانب حق نگہدار و بس
۷۔ بترس از گناہان خویش از نفس | کہ روز قیامت نترسی ز کس
۸۔ نریزد خدا آبروئے کسے !! | کہ ریزد گناہ آب چشمش بسے

ترجمہ

۱۔ ایک منکر کو ایک واقعہ اتفاقی ہوا اس پر نیک آدمی کا گزر ہوا۔
۲۔ کہ وہ شرمساری سے چہرہ پرپسینہ تھا کہ افسوس کہ میں اپنے ہمسایہ بزرگ سے شرمسار ہوا۔
۳۔ یہ بات شیخ نے سُنی تو اس پر ناراض ہو کر فرمایا۔
۴۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ حق تعالیٰ کی موجودگی سے مجھ سے شرم آ رہی ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ سے ایسے شرم کھا جیسے تجھے اپنوں اور بیگانوں سے۔
ی سے تجھے کوئی آسودگی بھی نصیب نہ ہوگی۔ تجھے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی نگہبانی ضروری ہے۔
۷۔ نفس سے اپنے گناہوں کے متعلق خطرہ کر۔ پھر قیامت میں تجھے کسی کا ڈر نہ ہوگا۔
۸۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی عزت خراب نہ کرے گا جس کے گناہوں کے خطرہ سے آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔

سبق۔ مومن پر لازم ہے کہ وہ سینہ کو صاف رکھے اس میں نہ کسی کے حق میں بغض ہو نہ ہی کینہ اور نہ ہی عداوت۔

حدیث شریف میں ہے جو اس دروازے سے سب سے پہلے داخل ہوگا وہ بہشتی ہوگا۔ دیکھا گیا کہ سب سے پہلے وہاں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ گزرے۔ صحابہ کرام اُٹھے اور انھیں مذکورہ بالا خوشخبری سنائی اور ساتھ ہی پوچھا کہ تم کونسا نیک عمل کرتے ہو اُنھوں نے کہا کہ میں تو ایک کمزور انسان ہوں۔ میں نے کیا نیک عمل کرنا ہے صرف اتنی اُمید رکھتا ہوں کہ میں کسی کے لیے دل میں کینہ اور بغض نہیں رکھتا اور نہ ہی لایعنی بات میرے دل میں رہتی ہے۔

ردّ وہابیہ یا دیوبندیہ

صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ مذکورہ بالا حدیث لکھ کر نتیجہ نکالتے ہیں کہ:
ففی هذا الخبر شیئان احدهما اخباره علیه السلام عن الغیب

marfat.com

ولکن بواسطۃ الوحی وتعلیم اللہ تعالیٰ فان الغیب بالذات مختص باللہ ۔ (روح البیان ص۳۶۸ ج۶)

"اسی حدیث شریف سے دو امر ثابت ہوئے ایک تو یہ کہ حضور علیہ السلام نے غیب کی خبر دی ہے لیکن بواسطہ وحی و تعلیم الٰہی کے اس لیے کہ غیب[1] ذاتی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔"

دوسرا یہ کہ سینہ کی صفائی بہشت کے داخلہ کے اسباب میں سے ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے میرے اصحاب کے بارے میں کوئی بُری بات نہ پہنچائے کیونکہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں جب تمہارے ہاں آؤں تو تمہارے متعلق میرا سینہ صاف ہو۔

شرح الحدیث: وہ اس لیے کہ جب کوئی کسی کی ہر بات تعریفی سنے تو اس کا سینہ اس کے حق میں صاف ہوتا ہے جب بھی غلط یا صحیح کوئی اس کے بارے میں برائی سنے تو اس سے دل پر کیٹر آجاتا ہے ؎

بدی در قفا عیب من کرد و خفت
بتر زو قرینے کہ آورد و گفت

ترجمہ: "وہ بُرائی ہے جو میرے پس پشت میرا عیب کہتا ہے لیکن اس سے وہ زیادہ بُرا ہے جو مجھے آکر سناتا ہے۔"

یکے تیر افگند و در رہ فتاد
وجودم نیازرد و رنجم نداد
تو برداشتی و آمدے سوئے من
ہمہ در سپلوزی بہ پہلوئے من

ترجمہ: کسی نے میری طرف تیر پھینکا لیکن راستہ میں رہ گیا میرا کچھ نہ بگاڑا لیکن تو نے اُٹھا کر میرے جسم میں چبھو دیا۔ (فلہٰذا اس سے تو زیادہ بُرا ہے)۔

سبق: عقلاء پر لازم ہے کہ چغلخور۔ نمام۔ غیبت گو اور عیب جو سے دُور رہیں۔ اس لیے کہ مؤمن کی عزت اس کے خون کی طرح ہے۔ تھوڑے سے سبب سے کسی پر بدگمانی نہیں چاہیئے اسی لیے وارد ہے۔ فتنہ سوئے ہوئے کی طرح ہے ملعون ہے جو اسے جگاتا ہے۔

---

[1] ناظرین غور فرمائیے کہ صاحب روح البیان بریلوی تھے یا فاضل بریلوی قدس سرہ کے طرفدار پھر کیوں نہ کہا جائے کہ فاضل بریلوی قدس سرہ نے جو کچھ کہا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اسلاف صالحین کے عقائد و مسائل کی ترجمانی فرمائی ہے۔

marfat.com

۱. ازاں ہم نشین تا توانی بگریز — کہ مر فتنہ خفتہ را گفت خیز
۲. کسے را کہ نام آمد درمیان — بہ نیکو ترین نام و نقش بخوان
۳. چوں ہموارہ گوئی کہ مردم خرند — مبر ظن کہ نامت چو مردم برند
۴. کسے پیش من در جہاں عاقلست — کہ مشغول خود در جہاں غافلست
۵. کسانے کہ پیغام دشمن برند — ز دشمن ہماناں کہ دشمن ترند
۶. کسے قول دشمن نیارد بدوست — مگر آنکہ دشمن یار اوست
۷. مریز آبروئے برادر بکوئے — کہ دھرت نریزد بشہر آبروئے
۸. بد گفتن خلق چوں دم زدی — اگر راست گوئی سخن ہم بدی

ترجمہ

۱. اس ہم نشین سے جہاں تک ہو سکے دور ہو جو سوئے ہوئے فتنہ کو کہتا ہے اُٹھ کھڑا ہو۔
۲. جس کا نام تیرے سامنے لیا جائے اُس کا اچھا نام لے کر اس کی تعریف کہہ۔
۳. جب ہمیشہ کہا کرو گے کہ لوگ تو گدھے ہیں پھر اس خیال میں نہ رہ کہ تیرا نام انسانوں جیسا لیا جائے گا۔
۴. میرے نزدیک وہ شخص دانا ہے جو اپنے میں مشغول لیکن دوسروں سے غافل ہے۔
۵. جو دشمن کا پیغام دوسروں کو سناتے ہیں یہی دشمن سے زیادہ دشمن ہیں۔
۶. وہ جو دشمن کا قول دوسرے کے ہاں نہیں لاتا۔ تو پھر دشمن بھی اس کا دوست ہوگا۔
۷. اے بھائی کسی کی بے عزتی نہ کر کہ شہر بشہر زمانہ تیری بے عزتی نہ کرے گا۔
۸. جب تم خلق خدا کی بُرائی میں دم مارے گا تو پھر سچی بات کہو گے تب بھی بُرے سمجھے جاؤ گے۔

تفسیر عالمانہ: ان هذا القرآن۔ بے شک یہ قرآن جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہُوا۔ یقص بیان کرتا ہے علی بنی اسرائیل اکثر الذی هم فیه۔ بنی اسرائیل کو اکثر اس کا جو اس میں اپنی جہالت سے۔ یختلفون۔ اختلاف کرتے ہیں جیسے مسیح علیہ السلام وعزیز علیہ السلام کے بارے میں اور معاد جسمانی وروحانی میں اور صفات جنت ونار میں ان کا اختلاف ہے ایسے ہی تشبیہ وتنزیہ میں ان کا اختلاف ہے ایسے ہی بہت سے اُمور میں مختلف ہونا یہاں تک کہ ان کا آپس میں ایک دوسرے کو لعنتی کہنا۔ اگر وہ انصاف سے کام لیتے اور اسلام قبول کر کے قرآن پر عمل کرتے تو بچ جاتے۔ و انه اور بے شک وہ قرآن۔ لهدی۔ البتہ ہدایت دینے والا۔ ورحمة اور رحمت ہے۔ للمؤمنین اہل ایمان کے لیے۔ وہ بنی اسرائیل سے ہوں یا کوئی اور اہل ایمان کا ذکر صرف ان کے انتفاع کی وجہ سے ہے۔ ان ربك یقضی بینهم بے شک تمہارا پروردگار ان اختلاف کرنے والوں کے درمیان قیامت میں فیصلہ فرمائے گا۔ بحکمه اپنے حکم کے ساتھ وہ حق فیصلہ فرماتا ہے یعنی انصاف و عدل سے ان کا فیصلہ ہوگا۔ محکوم بہ کو حکم کہنا مجاز ہے وھو

العزیز ۔ اور وہ غالب و قادر ہے اس کا کوئی فیصلہ رد نہیں ہو سکتا ۔ العلیم وہ جمیع اشیاء کو جانتا ہے ۔ منجملہ ان کے وہ یہی جو فیصلہ فرمائے گا ۔ جب وہ ذات ایسی عظیم الشان سے موصوف ہے ۔ فتوکل علی اللہ تو اللہ پر توکل کیجئے ان کی دشمنی کا تصور تک نہ لائیے ۔ التوکل بمعنی التبتل الی اللہ ۔ اللہ تعالیٰ کا ہو کر رہنا یعنی جملہ امور اسی کی طرف سپرد کیجئے اور غیروں کی پرواہ نہ کیجئے اس کا معنی سکون القلب الی اللہ اور جب مصائب کا سامنا ہو تو اس کی طرف مائل ہونا اب توکل کی علت بتلاتے ہیں وہ یہ کہ انك علی الحق المبین ۔ بیشک تم راہ راست پر ہو اور تمہارا کام بالکل صحیح ہے جو صاحب حق ہوتا ہے اسے حفاظتِ الٰہی پر پورا بھروسہ ہوتا ہے اور صرف اسی کی مدد کا طالب ہوتا ہے دوسری طرف توکل یہ ہے کہ انك لا تسمع الموتیٰ ۔ بیشک تم مردوں کو نہیں سناتے اور یہ گویا مردے ہی ہیں تو ان سے ہر طرح کی امید ختم ہونی چاہیئے نہ یہ مدد کرنے کے نہ دشمنی کرنے کے اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعتقاد پختہ ہو کہ بس وہی ہے حامی و ناصر اور اسی کا نام ہے توکل ۔

فائدہ : معقول پر اسماع کے اطلاق میں اشارہ ہے اُن کے عام سماع کی طرف اور انہیں موتیٰ کی طرف سے تشبیہہ اس لیے دی گئی کہ ان پر جتنا قرآنی آیات پڑھی جاتی ہیں ۔ یہ ان سے بالکل نفع نہیں پائیں گے اور ان سے وہ کفار مراد ہیں جن کی قسمت سے ایمان کا قبول کرنا ختم ہو چکا اور ان کو کبھی بھی دولتِ ایمان نصیب نہ ہو گی ۔

سوال ۔ انہیں مردوں سے تشبیہہ دینے سے ان کو اعمیٰ و ابکم (اندھا بہرہ) کہنا بے سود ہو گا ۔ پھر انہیں اعمیٰ و ابکم کیوں کہا جاتا ہے ۔

جواب : ۔ ان کے قلوب کو ہی موتیٰ سے تشبیہہ دی گئی ہے نہ کہ اُن کے نفوس کو اس لیے کہ انسان کے دل کو کفر و نفاق وحب دنیا سے موت آجاتی ہے فلہذا وہ قلب کے لحاظ سے مردہ ہوتے ہیں ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ مردہ دلوں کو تمہاری باتوں کی سمجھ نہیں ہو سکتی ۔

فائدہ وہابی کش

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارف باللہ (اولیاء اللہ) زندہ ہیں ۔ ان کے ماسوا مردے کیونکہ رُوح کی زندگی معرفتِ حقیقیہ سے ہوتی ہے ۔

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ حقیقی زندگی تین چیزوں سے ہوتی ہے ۔ جو دل ان چیزوں سے خالی ہے وہ مردہ ہے ۔

۱ ۔ زندگانی بیم با عمل ۔

۲ ۔ زندگانی ایمان با عمل ۔

۳ ۔ زندگانی دوستی با عمل ۔

marfat.ocm

(۱) زندگانی بیم علم سے دامن پاک اور چشم بیدار ہوتی ہے اور اسی کو راہِ راست نصیب ہوتا ہے۔
(۲) زندگانی اُمید باعمل کی سواری تیز زادِ راہ مکمل اور سفر قریب ہوتا ہے۔
(۳) زندگانی دوستی باعمل سے قدر و قیمت میں اضافہ اور دل شادمان ہوتا ہے اور بیم بے علم خارجیوں کو نصیب ہُوا اُمید بے علم فرقہ (مرجیئہ کو) اور دوستی بے علم فرقہ اباحیہ (جاہل صوفیہ) کو۔ جسے مذکورہ بالا ثلاثہ خصلت نصیب ہوئیں وہ پاکبازوں کی زندگانی پا گیا اور بدبختی سے نجات نصیب ہوگی۔

ولا تسمع الصم الدعاء۔ اور تم بہرے کو کسی قسم کی دعوت نہیں دے سکتے۔ الصم اصم کی جمع ہے وہ شخص جس سے سمع کی حاسّہ ختم کردی جائے یہ اس سے تشبیہ دی گئی ہے جو حق کی طرف توجہ نہ دے اور نہ ہی وہ اسے قبول کرے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے تم ان لوگوں کو راہِ راست پر نہیں لاسکتے جن کے دل حُبِّ شہوات میں پھنس گئے ہیں کیونکہ جو کسی شے کی محبت میں پھنستا ہے تو وہ دوسری باتوں سے اندھا اور بہرہ ہوجاتا ہے۔ پس یہ بھی حق کی راہ کے دیکھنے سے اندھا اور اس کے سننے سے بہرہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ: اذا ولوا۔ جب وہ پیٹھ پھیریں یعنی روگردانی کریں اور قرب سے دُور ہوجائیں مدبرین درانحالیکہ وہ حق سے منہ پھیرنے والے اور حق کو چھوڑنے والے ہوں۔ ادبر اعرض و ولی دبرہ۔ ان سب کا ایک ہی معنٰی ہے نفی کو اذا سے مقید کرنے میں تاکید اور تشبیہ کی تکمیل مراد ہے کہ انکار سماع ایسی حالت میں ناممکن ہے یعنی یہ بہرہ کچھ نہیں کرسکے گا۔ اگرچہ بولنے والا اس کے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو۔ پھر جب وہ بہت دُور اور ہو بھی بولنے والا اس کے پیچھے تو پھر نہ سننا یقینی ہے۔ اب انہیں اندھے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ وما انت بھدی العمی عن ضلٰلتھم اور تم اُن کے اندھے پن سے انہیں گمراہی سے ہدایت دینے والے نہیں۔ یہاں ہدایت سے وہ ہدایت مراد ہے جو موصل الی المطلوب ہو اس لیے کہ ایسی ہدایت کے لیے بصر کا ہونا ضروری ہے اور عن ہدایت کے متعلق ہے اس لیے کہ صرف کے معنٰی کو متضمن ہے اور عمی اعمی کی جمع ہے اور عمی بمعنی قوت بینائی کا نہ ہونا عدم ہدایت کی وجہ سے بصیرت کے اندھے کو بصارت کے اندھے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

المفردات میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے دل کے اندھے کے بالمقابل آنکھ کے اندھے کا کچھ اعتبار نہیں فرمایا چنانچہ فرمایا (العمی الابصار ولکن تعمی القلوب فی الصدور۔ اُن کی نہ صرف آنکھیں اندھی ہیں بلکہ ان کے قلوب بھی اندھے ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں ان تسمع تم ان کو ایسا نہیں سناتے ہو جو ان کو نافع ہو۔ الا من یؤمن بایٰتنا مگر وہ جو کہ ہماری آیات پر ایمان لائے یعنی وہ جو علم الٰہی ہے۔ اس کی قسمت میں

marfat.com

ایمان لکھا ہے چونکہ ہدایت کا طریقہ اسماع الآیات التنزیلیہ ہے اسی لیے اسماع کی نفی کی گئی ورنہ ل
تھدی کہا جاتا باوجودیکہ ہدایت کا ذکر پہلے ہوا ہے۔ **فهم مسلمون**۔ پس وہی ماننے والے ہیں یہ اُن
کے ایمان لانے کی تعلیل ہے۔ یعنی ایسے لوگ گردن جھکا سکتے ہیں اور یہی لوگ مخلص اور ہمارے مقدر کردہ ایمان
سے خاص ہیں۔

گوش باطن نہادہ بر قرآن ۔۔۔ دیدۂ دل کشادہ بہ عرفان
زندہ از نفحہای گلشن قدس ۔۔۔ معتکف در فضای عالم انس
بردہ اند از مضائق لا شیٔ ۔۔۔ بہ "قل اللہ ثم ذرھم" پی

ترجمہ:

۱۔ باطنی کان قرآن کے سننے کی طرف لگا ہوا ہے اور دیدۂ دل عرفان کے لیے کھلا ہوا ہے۔
۲۔ گلشن قدس کو ٹھنڈے جھونکوں کے دل زندہ اور عالم انس کی فضا میں اعتکاف بیٹھنے والے۔
۳۔ لاشی کی تنگیوں سے نکل کر قل اللہ ثم ذرھم کے مقام تک پہنچے ہیں۔

سبق۔ یہ عنایت ازلیہ پر موقوف ہے سعادۃ وشقاوۃ علم الٰہی میں ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز منبر شریف پہ رونق افروز ہوئے اور اپنی
دائیں ہتھیلی بند کر کے فرمایا:

"یہ کتاب ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے بہشتیوں کے اسماء اور ان کے انساب لکھ کر آخر تک بیان
فرما دیا ہے اب ان سے نہ بڑھ سکتے ہیں نہ کم"۔

اس کے بعد بائیں ہتھیلی بند کر کے فرمایا کہ:

"یہ کتاب ہے اس میں دوزخیوں اور اُن کے آباؤ اجداد کے اسماء ہیں۔ آخر تک سب مذکور ہیں۔
اب تک بڑھ سکتے ہیں اور نہ کم۔

اہل شقاوت وسعادت کا عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ لوگوں میں مشہور ہو جاتا ہے کہ یہ اہل شقاوۃ سے
ہے لیکن موت سے پہلے اونٹنی کے دودھ دوہنے کی دیر میں ایسا کام کرتا ہے جس کی وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ
اہل شقاوۃ سے نکال کر اہل سعادت میں داخل فرما لیتا ہے۔

فائدہ: حلبہ بضم الفاء وتخفیف الواو آخر میں قاف جوہری وغیرہ فرمایا کہ اونٹنی کے دودھ دوہنے کے دو وقتوں کے
درمیان کا وقفہ دراصل صورت یہ ہے کہ اونٹنی کے دودھ دوہتے وقت پہلے دودھ دوہ کر وقفہ کرتے ہیں اور
اونٹنی کے بچے کے لیے پستان چھوڑتے ہیں تاکہ اونٹنی دودھ تھنوں میں لائے اس وقفہ کے بعد دوبارہ
دوہنا شروع کرتے ہیں اسے فواق ناقہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

marfat.ocm

بقایا حدیث:۔ اہل شقاوہ وسعادت کے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ عوام میں وہ اہل سعادۃ مشہور ہوتا ہے لیکن مرنے سے پہلے اس سے کوئی بُرا عمل ہو جاتا ہے جسے اہل شقاوۃ میں داخل کر دیا جاتا ہے اس معنی پر سعید وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور شقی بھی اسی لیے دار و مدار خاتمہ پر ہے۔

ازلی بدبخت کا قصّہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا ایک زاہد دو سو سال عبادت میں بسر کرتا رہا۔ ایک دن اُس کے دل میں شوق جاگا کہ کاش ابلیس مجھے دکھائی دیتا میں اُسے کہتا کہ دو سو سال میں نے عبادت میں گزار دیئے تو میرا کچھ بگاڑ نہیں سکا۔ اس کے اس شوق پر اس کے حجرۂ عبادت سے ابلیس سامنے آ گیا اور کہا میں بھی تیرے دیدار کا مشتاق تھا آج مجھے موقعہ مل گیا کہ تیرے یاد کرنے پر میں حاضر ہو گیا ہوں لیکن تجھے میرے ملنے کا کیا فائدہ تو تو بڑا زاہد ہے۔ دو سو سال عبادت میں گزار دی لیکن ابھی تیرے دو سو سال زندگی کے باقی ہیں۔ یہ کہہ کر غائب ہو گیا لیکن اس کے دل میں گھس گیا اور وسوسہ ڈالا کہ دو سو سال خواہ مخواہ قید میں گزار دیئے۔ ابھی بھی دو سو سال باقی ہیں ایک سو سال عیش و عشرت میں گزاروں۔ ایک سو سال آخری پھر عبادت میں گزار دوں گا۔ اسی اثناء میں توبہ کر لوں گا۔ یہ کہہ کر اُٹھا اور شراب خانے میں چلا گیا۔ زہد و عبادت چھوڑ کر گناہ و لذت و عیش میں زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ ملک الموت اپنے وقت پر تشریف لائے اور رُوح لے کر چلتے بنے۔ وہ بدبخت اس بدبختی میں مرا اور دو سو سال کی عبادت اور زہد ضائع اور برباد گیا ہم بدبختی اور بُری قضا سے پناہ مانگتے ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا:

در عمل تکیہ مکن زانکہ دوران روزِ ازل
تو چہ دانی قلم صنع بنامت چہ نوشت

ترجمہ:۔ اعمال پر سہارا نہ کر اس لیے روزِ اول میں تمھیں کیا خبر کہ قضاء قدر نے تیرے لیے کیا لکھا۔

پھر فرمایا:

زاہد ایمن مشو از بازیٔ غیرت زنہار
کہ رہ از صومعہ تا دیر مغاں ایں ہمہ نیست

ترجمہ:۔ غیرتِ الٰہی کی بازی سے اے زاہد بے غم نہ ہو۔ عبادت خانے سے شراب خانے کی راہ میں فرق نہیں۔

پھر فرمایا:

حکم مستوری و مستی ہمہ برخا تمت است
کس ندانست کہ آخر بچہ حالت برود

ترجمہ:۔ مستوری و مستی کا حکم خاتمہ پر ہے کسی کو کیا علم کہ بالآخر وہ کس حالت میں مرے گا۔

marfat.com

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

گرت صورت حال بد یا نکوست !
نگاریدہ دست تقدیر اوست
بکوشش نروید گل از شاخ بید
نہ زنگی بگرمابہ گردد سفید

ترجمہ: "اگر تیری صورت حال اچھی ہے یا بری وہ تقدیر الٰہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔"
بید سے گلاب کا پھول کوشش سے نہیں اُگتا۔ نہ ہی زنگی حمام کے غسل سے سفید ہو سکتا ہے۔

اے اللہ ہمیں سعادت مندوں سے بنا۔ (آمین۔ ثم آمین)

تفسیر عالمانہ: واذا وقع القول۔ اور جب ان پر قول کے ہوگا۔ وقوع سے قرب و اقتراب مراد ہے جیسے قول الٰہی اتی امر اللہ میں اتیان بمعنی قریب مراد ہے۔ القول سے قیامت اور اس کے وہ اُمور ہائلہ (ہولناک) مراد ہیں جن کی کفار و مشرکین یہ عجلت چاہتے۔ اب معنی یہ ہوا کہ جب قیامت اور اُس کے وہ ہولناک اُمور قریب ہو جائیں گے۔

فائدہ: قرآن مجید میں وقع کا لفظ اکثر عذاب و شدائد میں آیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب قیامت کی وہ نشانیاں شروع ہوگئیں جن کا ذکر پہلے ہوا ہے۔

اخرجنا لھم دابۃ من الارض۔ اور ہم نے اُن کے لیے ظاہر کیا زمین کا ایک جانور جس کا نام جاسہ ہے کیونکہ وہ دجال کی خبر دینے والا ہے اور دجال ایک دیر میں بحر الشام کے جزیرہ میں مقید پڑا ہے اور جاسہ بھی اسی جزیرہ میں رہتا ہے جیسا کہ مشارق باب ثامن کی حدیث میں ہے **تکلمھم ان الناس لا یوقنون۔** وہ بولتا تھا کہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھیں گے یعنی کافروں کو فصیح عربی میں کہتا تھا یا عرب کو عربی میں اور عجم کو عجمی میں کہتا کہ وہ لوگ ان آیات پر ایمان نہیں لائیں گے جو قیامت کے آنے پر دلالت کرتی ہیں۔ یعنی جب قیامت قریب ہوگی تو اللہ تعالیٰ دابۃ الارض کو کھڑا کرے گا جیسے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پتھر سے باہر لا کر معجزہ دکھایا گیا۔

اعجوبہ: بعض نے کہا وہ جانور تمام مخلوق کی صورت پر پیدا کیا جائے گا چنانچہ اس کا چہرہ آدمیوں جیسا چمکدار ہوگا اور اس کا سر بادلوں کو چھوئے گا۔ جسے تمام اہل مشرق و مغرب دیکھیں گے۔
حدیث شریف میں ہے کہ اس کا قد ستر گز لمبا ہوگا۔ اس کے پکڑنے والے اسے پکڑ نہ سکیں گے اور نہ ہی کوئی بھاگنے والا اس سے بھاگ سکے گا۔

صفا پہاڑی سے دابۃ کا خروج: حدیث شریف میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کعبہ معظمہ کا طواف کر رہے ہوں گے اور آپ کے ساتھ دیگر

marfat.ocm

مسلمان بھی طواف میں ہوں گے کہ ان کے نیچے سے زمین متحرک ہو گی ایسے جیسے قندیل حرکت کرتا اسے مسعیٰ کی طرف سے صفا پہاڑی پھینکے گی۔ اس سے دابہ نکلنا شروع ہو گا تین دن تک نکلتا رہے گا۔ چند لوگ اسے دیکھنے میں مصروف ہو جائیں گے اور بعض خوفزدہ ہو کر نماز پڑھنے لگ جائیں گے وہ دابہ نمازی سے کہے گا جتنا لمبا ہونا چاہیئے تھا میں تمہیں ضرور روندوں گا اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے عصا اور سلیمان علیہ السلام کی انگشتری لے کر نکلے گا۔ مسلمان کو سجدہ کی جگہ یعنی پیشانی پر عصا مارے گا اسی سے نقطہ کا نشان پڑ جائے گا جس سے اس کا نور اس کے چہرے پر پھیل جائے گا پھر اس کے ماتھے پر لکھے گا **ھو مومن** (یہ مومن ہے) اور انگشتری سے کافر کے ناک پر مہر لگائے گا اس سے ایک سیاہ نکتہ کا داغ پڑ جائے گا جو پھیلتے ہوئے اس کا منہ سیاہ بنا ڈالے گا۔ پھر وہ اس کی پیشانی پر لکھے گا **ھو کافر** (یہ کافر ہے) پھر سب کو مخاطب ہو گا اے فلاں تو اہل جنت ہے اور اے فلاں تو اہل نار ہے۔ اس کے بعد دنیا میں سوائے سفید چہروں والوں کے کوئی نہ بچے گا اور لوگ اس وقت ایک دوسرے کو نام اور لقب سے نہیں بلکہ سفید چہروں والے اور بہشتی کہہ کر پکاریں گے اور سیاہ منہ والوں کو دوزخی کہہ کر پکاریں گے۔ پھر وہ دابۃ زمین کی گشت کرے گا جہاں سے گزرے گا کھیتی اور درخت خشک ہو جائیں گے یہاں تک کہ زمین پر کوئی سرسبز درخت اور سرسبز کھیتی نہیں رہے گی سوائے ایک بید درخت کے کہ وہ خشک نہ ہو سکے گا اس لیے اس پر ستر انبیاء علیہم السلام کی برکات ہوں گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ خروج دابۃ و طلوع شمس از مغرب ایک دوسرے کے قریب ہوں گے ان میں جو بھی پہلے آئیگا دوسرا اس کے قریب ہی آجائے گا۔

فائدہ: بعض ائمہ کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کی علامات میں سب سے پہلے طلوع شمس از مغرب اور اور زمین میں دابۃ الارض ظاہر ہو گا۔

فائدہ: حیٰوۃ الحیوان میں ہے کہ ظاہر احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ طلوع شمس از مغرب قیامت کے علامات میں سے آخری علامت ہے جیسا کہ وارد ہے کہ دجال صدی کے اول میں آئے گا اس پر عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے پھر زمین پر چالیس سال بسر فرمائیں گے اور طلوع شمس از مغرب کے بعد لوگ صرف ایک سو بیس سال رہیں گے پھر فنا ہی فنا۔

خلاصہ یہ کہ بنی الاصفر یعنی افرنگی جب نکلیں گے اور زمین کے کناروں پر پھیل جائیں گے جیسا کہ محدثین نے فرمایا ہے۔ یہ چھ سال تک ہو گا پھر مہدی ساتویں سال تشریف لائیں گے۔ اس کے بعد دجال ظاہر ہو گا۔ اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے پھر دابۃ الارض ظاہر ہو گا۔ پھر سورج از مغرب طلوع ہو گا۔

فائدہ: نیز یہ بھی ہے کہ جب دابہ نکلے گا تو نگران فرشتے زمین پر آنے سے رک جائیں گے اور قلمیں اٹھ جائیں گی اور اجسام اعمال پر گواہی دیں گے اور خروج کے قرب کمال کی دلیل ہو گی اور طلوع شمس بھی اسی دوران ہو گا۔ کیونکہ توبہ کا دروازہ طلوع

marfat.com

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿٨٣﴾
اور جس دن اٹھائیں گے ہم ہر گروہ میں سے ایک فوج جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتی ہے تو ان کے اگلے روکے جائیں گے کہ پچھلے ان
حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِىْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ
سے آملیں یہاں تک کہ جب سب حاضر ہولیں گے فرمائیگا کیا تم نے میری آیتیں جھٹلائیں حالانکہ تمہارا علم ان تک نہ پہنچتا تھا یا کیا کام کرتے
تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿٨٥﴾ اَلَمْ يَرَوْا
تھے اور بات پڑ چکی ان پر اُن کے ظلم کے سبب تو وہ اب کچھ نہیں بولتے کیا انہوں نے نہ
اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
دیکھا کہ ہم نے رات بنائی کہ اس میں آرام کریں اور دن کو بنایا سوجھانے والا بیشک اس میں ضرور نشانیاں ہیں ان
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٨٦﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ
لوگوں کے لیے کہ ایمان رکھتے ہیں اور جس دن پھونکا جائے گا صور تو گھبرائے جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں
وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَتَرَى
اور جتنے زمین میں ہیں مگر جسے خدا چاہے اور سب اس کے حضور حاضر ہوئے عاجزی کرتے اور تو دیکھے گا پہاڑوں
الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِىَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۭ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِىْٓ
کو خیال کرے گا کہ وہ جمے ہوئے ہیں اور وہ چلتے ہوں گے بادل کی چال یہ کام ہے اللہ کا جس نے حکمت سے بنائی
اَتْقَنَ كُلَّ شَىْءٍ ۭ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ
ہر چیز بے شک اسے خبر ہے تمہارے کاموں کی جو نیکی لائے اس کے لیے اس سے بہتر
خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿٨٩﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ
صلہ ہے اور ان کو اس دن کی گھبراہٹ سے امان ہے اور جو بدی لائے تو ان کے منہ اوندھائے
فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٠﴾ اِنَّمَآ
گئے آگ میں تمہیں کیا بدلہ ملے گا مگر اسی کا جو کرتے تھے مجھے تو یہی
اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِىْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَىْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ
حکم ہوا ہے کہ پوجوں اس شہر کے رب کو جس نے اسے حرمت والا کیا ہے اور سب کچھ اسی کا ہے اور

marfat.ocm

اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا

مجھے حکم ہوا ہے کہ فرمانبرداروں میں ہوں اور یہ کہ قرآن کی تلاوت کروں تو جس نے راہ پائی اس نے

يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَا اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ

اپنے بھلے کو راہ پائی اور جو بہکے تو فرما دو کہ میں تو یہی ڈر سنانے والا ہوں اور فرماؤ کہ سب

الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ

خوبیاں اللہ کے لیے ہیں عنقریب وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائیگا تو انہیں پہچان لوگے اور اے محبوب تمہارا رب غافل نہیں

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

اے لوگو تمہارے اعمال سے

(بقیہ مضمون سابق)

شمس کے بعد ہوگا۔ (و العلم عند اللہ)

تفسیر صوفیانہ: بعض عارفین نے فرمایا کہ صورۃ دابہ اور اس میں سے ظہور جمعیۃ کا راز یہ ہے کہ دابۃ سے صورۃ استعداد کونی شہادی حیوانی اور مثال طبع کلی حیوانی اور حامل جمعیۃ الحقائق الدنیویہ مراد ہے اور یہ بھی برزخ کی عنصری کا راز ہے جس سے اسرار حقائق متضادہ ظاہر ہوتے ہیں جیسے کفر و ایمان اور طاعۃ و عصیان اور انسانیۃ و حیوانیۃ اور یہ آیۃ جامع ہے کہ عقل والوں کے لیے معانی و اسرار ہیں (کذا فی کشف الکنوز)

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ آیاتِ الٰہی کی طرف رجوع کرے اور ان کے وعدہ و وعید سے نصیحت حاصل کرے اور ان کی تقدیر پر ایمان لائے اور قیامت اور موت کے لیے ہر وقت تیار رہے زندگی میں ہی خوب تیاری کر لی جائے نہ اس وقت کہ وقت ختم ہو جائے۔ بھلائی ہاتھ سے چلی جائے اور نظام دنیا درہم برہم ہو جائے اور وہ وقت بالکل قریب ہے

یارب از ابر ہدایت برسان بارانے

پیشتر ازانکہ چو گردی ز میان برخیزم

ترجمہ: اے اللہ ہدایت کی بارش برسا اس سے قبل کہ میرے کوچ کرنے کا وقت آجائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں خیر اور نیک اعمال کی توفیق بخشے اس سے پہلے کہ عمر ختم ہو جائے اور موت کی گھڑی سر پر آجائے۔

تفسیر عالمانہ: و یوم نحشر من کل امۃ فوجا اور اس دن ہم ہر امت سے ایک ایسے گروہ کو اٹھائیں گے یوم اذکر کی وجہ سے منصوب ہے الحشر بمعنی الجمع یہاں پر

marfat.com

قیامت کے دن انھیں عذاب کے لیے جمع کرنا مراد ہے۔ اگرچہ اُس وقت سب کو جمع کیا جائے گا لیکن چونکہ عذاب سے ڈرانا مطلوب ہے اسی لیے اُنھیں خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے **امۃ** وہ گروہ جس کی طرف رسول علیہ السلام مبعوث ہوں (کذافی القاموس)، **فوج** زمرہ کی طرح انسانوں کی ایک جماعت (کذافی الوسیط) الجماعۃ یعنی تیزی سے چلنے والا گروہ (کذافی المفردات) اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو فرمایئے کہ اُس وقت کہ ہم اُمم انبیاء علیہم السلام میں سے ایسے گروہ کو جمع فرمائیں گے ہر زمانے میں سے ایک گروہ کو جمع فرمائیں گے۔ **من** تبعیضیہ ہے کیونکہ ہر زمانے میں ہر اُمت دو قسم رہی نبی علیہ السلام کی تصدیق کرنے والی اور تکذیب کرنے والی۔ **فممن یکذب اٰیاتنا** اس میں سے جو ہماری آیات کی تکذیب کرتا تھا۔ یہ فوج کا بیان ہے اس لیے کہ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والے ضرور رہوئے ہیں اور آیات سے وہ آیات مراد ہیں جو ان کے نبی علیہ السلام پر کلام الٰہی اُترا وہ اُن کے لیے ایسے تھا جیسے ہمارے لیے قرآنی آیات **فھم یوزعون**، اس کی تشریح سورۂ نمل میں سلیمان علیہ السلام کے قصے میں ہو چکی ہے۔ **یوزعون** یعنی سب کے سب روکے جائیں گے تاکہ سب کے سب عذاب کی جگہ پر جمع ہو جائیں جو پیچھے رہ گئے ہیں۔ وہ بھی مل جائیں۔ اس میں ان کی کثرت اور دُور دور تک پھیلاؤ کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ **فوج** سے کفار کے رؤسا مراد ہیں یعنی لیڈروں کو عوام کے سامنے جہنم کی طرف کر کے لایا جائے گا مثلاً ابوجہل۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ولید بن مغیرہ اہل مکہ کے سامنے روانہ ہوں گے۔ پھر ہر لیڈر کے اپنے عوام پیچھے کر دیئے جائیں گے کذا قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بڑے بڑے لیڈروں کو روکا جائے گا تاکہ ان کے عوام پیچھے سے لگائے جائیں گے۔ پھر یہ ہر دونوں تابع و متبوع اکٹھے جہنم میں جائیں گے۔

فائدہ: شاعروں کا جھنڈا امراء القیس کے ہاتھ میں ہوگا وہ آگے آگے اور دوسرے شعراء اُس کے پیچھے ہوں گے (یعنی کفار شعراء اور وہ جو بک بک کرتے رہتے ہیں اہل ایمان اور مبنی بر نعت وحمد اور مناقب اولیاء اور نصیحت آمیز گو شعراء بہشتی ہیں (جیسا کہ سورۂ شعراء میں تفصیل گزری ہے)

حتی اذا جآؤ یہاں تک سوال و جواب اور مناقشہ وحساب کے موقف پر جب آجائیں گے۔ **قال** تو اللہ تعالیٰ اُن کو جھڑکتے ہوئے فرمائے گا **اکذبتم** کیا تم نے جھٹلایا تھا۔ **اٰیاتی** میری آیات کو **ولم تحیطوا بھا علما** اور حالیہ اور علماً منصوب علی التمیز ہے حالانکہ تم ان کو علم سے محیط نہیں ہوئے یعنی سرسری طور پر دیکھا تھا اگر حقیقت بین نگاہ سے دیکھتے تو تمھیں ان کی کنہ تک پہنچنا نصیب ہو جاتا بالضرور تصدیق کرتے۔ **اماما ذا کنتم تعملون**۔ کیا عمل کرو گے یعنی جب اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

marfat.ocm

آلہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے تو پھر کیا کام کرو گے یعنی ان کا کام سوائے جہل و تکذیب و کفر و معاصی کے اور کوئی کام نہ تھا گویا وہ انہی اُمور کے لیے پیدا کیے گئے حالانکہ اُن کی تخلیق تو علم و تصدیق و ایمان و طاعت کے لیے تھی صرف ان کو تکمیلاً اسی طرح کا خطاب ہوگا اس کا کوئی جواب نہ دے سکیں گے اسی لیے حکم ہوگا کہ انھیں اوندھا کر کے جہنم میں ڈالا جائے چنانچہ فرمایا **ووقع القول علیہم** اور ان پر عذاب نازل ہو جائے گا۔ **بما ظلموا** بسبب ان کے ظلم کرنے کے یعنی وہ ظلم جو اُنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ **فہم لا ینطقون** تو وہ بول نہ سکیں گے یعنی عذاب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کوئی عذر پیش نہ کر سکیں گے یا اُن کی زبانوں پر مہر لگا دی جائے گی اب کفار مکہ کو وعظ کے طور پر کہا یا ان پر حجت قائم کی گئی۔ **الم یروا**۔ رویت قلبی مراد ہے یعنی کیا انھیں معلوم نہ تھا **انا جعلنا اللیل**۔ بیشک ہم نے رات کو نہیں بنایا یعنی اس میں اندھیری نہیں تھی۔ **لیسکنوا فیہ** تاکہ وہ اس میں نیند و قرار سے سکون پکڑیں۔ **والنہار مبصرا**۔ اور دن کو تاکہ وہ اس کی روشنی میں دیکھیں اور معاش کے اُمور میں مختلف طریقوں پر چلیں۔

نکتہ: دن کو راہ دکھانے والا کہہ کر مبالغہ کیا گیا ہے گویا وہ حال جو لوگوں کے متعلق تھا وہ دن نے کر دکھلایا اور جو صفت لوگوں کی تھی وہ دن کو دی گئی وہ اس لیے کہ سورج کے نور میں اس طرح کی تاثیر ہے بخلاف رات کے کہ اس میں یہ مبالغہ نہیں کیا گیا کہ اس میں لوگوں کا فعل ان کو اپنی طرف ہے۔ **ان فی ذالک الآیات**" بیشک اس میں نشانیاں ہیں بہت بڑے یعنی دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں **لقوم یومنون** ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں کیونکہ یہ صحت بعثت اور صدق آیات پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کیوں نہ ہو اگر کوئی ان میں غور و فکر کرے کہ رات اور دن ایک دوسرے کے تعاقب میں ہیں اور نظام بھی صحیح ہے۔ پھر غور فرمائیے کہ یہ رات کی تاریکی موت پر اور دن کی روشنی حیات پر ایسے ہی نیند موت پر اور بیداری حیات پر دلالت کرتی ہیں اور ان سے واضح ہوگیا کہ قیامت ضرور آئے گی اور بیشک قبور سے اُٹھنا ہوگا اور سمجھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ اُمور اسی کا ایک نمونہ اور دلیل ہے جس سے اس کے تحقق کا یقین ہوتا ہے اور ایسے رات و دن کے تبدل کے علاوہ دوسرے جملہ دلائل دلالت کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

فائدہ: دانا لوگ کہتے ہیں کہ انسان کی زندگی حیات و وفات پر تقسیم کی گئی ہے۔ حیات بیداری کا نام ہے اور وفات نیند ہے۔ کامیاب وہ ہے جس نے اپنی وفات کو حیات میں شامل کیا یعنی نیند کو بھی بیداری سے بدل دیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ دن کی درازی رات کی درازی سے بہتر ہے۔ ہاں خوش قسمت وہ ہے جس نے رات کی گھڑیوں کو مناجات الٰہی میں گزار دیا۔

marfat.com

حکایت:- محمد بن نصر حارثی نے زندگی کے آخری لمحات میں کئی سال بیداری میں بسر کر دی ہوائے قیلولہ کے پھر قیلولہ بھی ترک کر دیا تھا۔

شیخ سعدی کی باتیں

درویشوں کا طریقہ ذکر و شکر اور خدمت و طاعت اور ایثار و قناعت اور توحید و توکل اور تسلیم و تحمل ہے جو ان صفات سے موصوف ہے وہ حقیقی درویش ہے اگرچہ امیرانہ زندگی بسر کرتا ہو اور ظاہری خرقہ بھی نہیں۔ بتونی اور بے نماز اور ہوا پرست اور ہوس باز ہو جو منہ میں آئے کہتا جائے راتیں شہوات میں بسر کرے اور دن نیند میں گزار دے وہ بے دین رند ہے اگرچہ گدڑی پوش ہو۔

اے درونت برہنہ از تقویٰ
وز بروں جامۂ ریا داری!
پردۂ ہفت رنگ در بگزار
تو کہ در خانہ بوریا داری!

ترجمہ: اے اندر تیرا تقویٰ سے خالی اور باہر سے ریا کے کپڑے پہنے ہوئے۔
سات رنگوں والا کپڑا چھوڑ جبکہ گھر پر بوریا رکھتا ہے۔

دو شاگردوں کا جھگڑا اور اُستاد کا فیصلہ

دو شاگردوں نے اختلاف کیا ایک کہتا تھا کہ نیند بہتر ہے کہ اس میں انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچا رہتا ہے اور دوسرا کہتا تھا کہ بیداری بہتر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا عرفان ہوتا ہے یہ فیصلہ استاد کے ہاں لے گئے۔ اُستاد نے فرمایا جو نیند کو جس نیت سے بہتر کہتا ہے اس کے لیے اسی طرح ہے نیند بہتر ہے اور جو بیداری کو جس ارادہ سے بہتر کہتا ہے اس کے لیے بیداری بہتر ہے لیکن جس نے نیند کو ترجیح دی اس کے لیے موت بہتر ہے اور جس نے بیداری کو ترجیح دی اس کے لیے حیات بہتر ہے کیونکہ موت کے بعد بندے کو نہ ترقی نصیب ہوتی ہے نہ ثواب میں اضافہ (کذا قال الامام القشیری)

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وصول الی اللہ کے لیے جدوجہد کرے تاکہ وہ اہل وصال سے ہو اور ہمیشہ کے عذاب سے نجات پائے کیونکہ آخر مرنا ہے اور موت کے بعد محشر کے میدان میں حاضر ہونا ہے۔ محشر کا نتیجہ یا بہشت یا دوزخ۔ دوزخ میں مؤمن کو گناہ کی سزا ہے تو دیتا ہے اور کافر کو بطور عذاب کے لیے اور یہ دائمی ہوگا۔ دنیا میں جیسے جرائم آخرت میں ویسی سزا قیامت میں مومن کو عذاب ہوگا چند مدت کے لیے

marfat.ocm

بدرہائی نصیب ہوگی اور بعض کو حدود کی سی سزا ہوگی اور حدود مختلف طریقہ سے ہوتی ہیں ہاں وہ سزا میری ہو جو کفر سے ہو کیونکہ کفار کے لیے کوئی رحمت و شفقت نہ ہوگی۔ اس لیے کہ دنیا تو اللہ تعالیٰ نے رحمت و شفقت فرمائی کہ ان کے لیے رسل کرام بھیجے کتابیں نازل فرمائیں لیکن انہوں نے اس کی رحمت کے بجائے غضب خریدا کہ ان کے رسل وکتب کو جھٹلایا اور ان کے ساتھ عناد رکھا اسی لیے انہیں دائمی عذاب ہوگا۔ ان کی معافی کا امکان بھی نہیں کیونکہ اس دنیا میں اندھا ہے اور وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ کے عرفان سے یہاں محروم تو وہاں بھی محروم۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہماری آنکھیں غفلتوں سے کھول دے۔ ہمیں مکاشفین مشاہدین اور معائنہ والوں سے بنا دے اور ہماری یہ حالت دائمی ہو وہی قاضی الحاجات اور مرادیں پوری کرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ: ویوم ینفخ فی الصور

حل لغات: النفخ بمعنی کسی شے میں پھونکنا و نفخ بفمہ۔ یعنی منہ سے ہوا نکالی۔ **الصور** وہ قرن جس میں اسرافیل موت وحشر کے لیے پھونک ماریں گے۔ آپ کے معاونین اس وقت قرن کو پکڑے ہوئے ہیں جو مخلوق کو قیامت میں اٹھانے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے فارغ ہوا تو صور کو بنا کر اسرافیل علیہ السلام کے حوالے کر دیا۔ اب وہ صور منہ میں لیے منتظر کھڑے عرش کو دیکھ رہے ہیں کہ کس وقت اس کے پھونکنے کے لیے حکم ربانی ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صور کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ قرن ہے میں نے عرض کی قرن کیا ہے آپ نے فرمایا وہ ایک بہت بڑی شے ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس میں ایک حصہ چودہ طبق کے برابر ہے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو پھونکنے کا حکم ہوگا جب وہ اسے پھونکیں گے تو اس وقت کوئی ایک بھی زندہ نہ رہے گا سوائے اس کے کہ جسے اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **و نفخ فیہ اُخریٰ الی قولہ تعالیٰ الا من شاء اللہ**۔ پھر دوبارہ اسے پھونکنے کا حکم ہوگا تو کوئی مردہ بھی باقی نہ رہے گا جو زندہ ہو کر نہ اٹھے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **و نفخ فیہ اخریٰ**۔ سورہ کہف میں اس کے متعلق کچھ تفصیل گزری ہے۔ اس آیت میں نفخ سے دوسرا نفخہ مراد ہے یعنی قیامت میں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو یاد دلایئے کہ قیامت میں اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے پھر کہیں گے تو تمام ارواح اپنے اجسام کی طرف لوٹ آئیں گی۔ **ففزع من فی السمٰوٰت ومن فی الارض** تو گھبرا جائیں گے وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ ماضی سے تعبیر کر کے اشارہ ہے کہ وہ اتنا یقینی ہے

marfat.com

کر گویا وہ واقع ہو چکا کیونکہ اللہ کا فعل یقینی الوقوع ہے خواہ وہ مستقبل میں ہو کیونکہ اس کا خبر دینا ہمارے لیے یقین کرنا ضروری ہے الفزع بمعنی انقباض وہ کیفیت ڈراؤنی شے کی وجہ سے انسان کو طاری ہو اسی لیے فزعت من اللہ نہیں کہا جاتا جیسے خفت من اللہ کہا جاتا ہے۔ الفزع سے یہاں ہر ایک کی گھبراہٹ مراد ہے وہ مومن ہو یا کافر یعنی قیامت کی بعث و نشور سے جو امور مشاہدہ میں آئیں گے تو وہ اتنے ہولناک کہ یہ منظر ہوں گے جن سے طبائع پر رعب اور ہیبت چھا جائے گی جن سے لوگ گھبرا جائیں گے الا من شاء اللہ مگر وہ جنھیں اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ نہیں گھبرائیں گے کیونکہ ان کے قلوب کو اطمینان ہوگا جیسے انبیاء و اولیاء اور شہداء کہ وہ نہ خوفزدہ ہوں گے اور نہ غمگین ہوں گے۔ ایسے ہی چار فرشتے میں حاملین عرش اور خازنین فرشتے اور حوریں وغیرہ ہم وغیرہ۔

اگر فزع سے صعقہ مراد ہو تو اس سے وہ مستثنیٰ ہوں گے جو پہلے صعقہ دیکھ چکے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام ذکرہ فی التفسیر کیونکہ وہ کوہ طور کے موقعہ بیہوش ہوئے اب دوبارہ اُن کے لیے صعقہ نہ ہوگا۔ و کل اتوہ اور تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے ہاں آئے گی۔ یعنی سوال و جواب اور حساب و کتاب کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے۔ داخرین ذلیل اور عاجز ہو کر۔

ادخرتہ فدخر۔ میں نے اسے ذلیل کیا تو وہ ذلیل ہو گیا وتری الجبال

حل لغات:

اور تم پہاڑوں کو دیکھو گے اس کا عطف نفخ پر ہے۔ یہ بھی تذکیر کے حکم میں ہے تحسبھا حالانکہ انھیں گمان کرتے ہو۔ جامدۃ اپنی جگہوں میں مضبوط کھڑے ہوئے۔ یہ جملہ الماء و کل سائل سے ہے یعنی پانی اور ہر بہنے والے شے کھڑی ہوگی۔ داب کی ضد ہے یعنی ہر شے کا جم جانا۔ وھی حالانکہ یہ پہاڑ اُس وقت۔ تمد چلتے ہوں گے۔ مرالسحاب۔ بادلوں کی طرح تیز چلنے والے یعنی آج تو ساکن نظر آتے ہیں لیکن اُس دن بادلوں کی طرح تیز چلنے والے کہ انہیں ہوا تیز چلائے گی۔ وہ اس لیے کہ ہر بڑی شے اور ہر کثیر آنکھوں میں کھڑی معلوم ہوتی ہے کیونکہ دیکھنے والے کی نگاہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتی حالانکہ وہ گھوم رہی ہوتی ہے لیکن قیامت میں یعنی نفخ ثانی پر اللہ تعالیٰ زمین کی ہیئت بدل دے گا اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹنے لگ جائے گا۔ بہت ہولناک منظر ہوگا جسے اہل محشر دیکھ کر گھبرائیں گے اور یہ کیفیت اگرچہ پہلے نفخہ سے شروع ہو جائے گی کہ زمین پھٹ جائے گی پہاڑ ٹوٹ جائیں گے لیکن نفخ ثانیہ پر یہ تمام منظر سامنے آجائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یوم نسیر الجبال و تری الارض بارزۃ و حشرناھم۔ اس دن کہ ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور زمین کو دیکھو گے صاف ستھری نظر آئے گی۔

marfat.ocm

ماضی کا عطف مستقبل پر ہے اس میں اشارہ ہے کہ سیر ورؤیۃ حشر کے بعد ہوں گے۔ گویا یوں کہا گیا کہ ان کو ہم جمع کریں گے پھر دیکھو گے۔

حکایت: حضرت جعفر خلدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت جنید مجلس سماع میں شامل ہوئے۔ آپ کے ساتھی بھی تھے دوسرے لوگ تو سماع سے خوب اچھلے کودے لیکن آپ اطمینان دسکون سے بیٹھے رہے۔ آپ کے ساتھیوں نے پوچھا کہ آپ دوسروں کی طرح سماع سے وجد میں کیوں نہیں آئے تو آپ نے پڑھا وتری الجبال تحسبہا جامدۃ وھی تمر مرالسحاب اور بعض نے کہا کہ اصحاب تمکین بظاہر ساکن نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ملکوت میں سیر کرنے والے ہیں۔

فائدہ: کسی محقق نے فرمایا کہ اولیاء مخلوق میں پہاڑوں کی طرح ہیں لیکن درحقیقت سیر س میں کہ ایک لحظہ میں ہزاروں عالم کو گھوم لیتے ہیں لیکن کسی کو خبر تک نہیں ہوتی۔

۱۔ تو مبین این پایہا را بر زمین — زانکہ بر دل میرود عاشق یقین
۲۔ از رہ و منزل زکوتاہ و دراز — دل چہ داند کوست مست دلنواز
۳۔ آں دراز و کوتہ او صاف تنست — رفتن ارواح دیگر رفتن است
۴۔ دست نی و پای نی سرتا قدم — آنچنانکہ تاخت جانہا از قدم

ترجمہ

۱۔ تم ان پاؤں کو نہ دیکھو کہ یہ زمین پر ہیں اس لیے کہ عاشق کی سیر دل سے ہوتی ہے۔
۲۔ راہ و منزل سے کوتاہ و دراز نظر آتے ہیں دل کو کیا خبر یہ تو مست دارہے۔
۳۔ دراز و کوتاہ جسم کی صفت ہے لیکن روح کی سیر کسی دوسرے طریق سے ہے۔
۴۔ نہ اُس کے ہاتھ نہ پاؤں بلکہ اس کا جسم نہیں لیکن اُس کی دوڑ نرالی ہے۔

فائدہ:۔ حضرت ابن عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایمان بھی دل میں مضبوط پہاڑ کی طرح ہے کہ اس کے انوار حجاب اعلیٰ کو پھاڑ ڈالتے ہیں۔

فائدہ: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نفس رُوح کے نکلنے کے وقت پڑا رہتا ہے لیکن رُوح پرواز کر کے عرش الٰہی کے نیچے پہنچ جاتی ہے۔

صنع اللہ۔ الصنع بمعنی کسی کام سنوار کے کرنا ہر صنع فعل ہے لیکن ہر فعل صنع نہیں۔ اور نہ ہی اس فعل کی نسبت حیوانات کی طرف ہوتی ہے (کذا فی المفردات) یہ مصدر ہے اور ماقبل کے مضمون کی تائید کرتا ہے۔ اب معنیٰ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کام اس سے مذکورہ اُمور مراد ہیں جیسے نفخ صور اور جو دیگر افعال اسی پر مرتب ہوئے الذی اتقن

marfat.com

کل شی۔ اس نے ہر شے کو مضبوط بنایا۔

حل لغات: المختار میں ہے اتقان الشئ بمعنی احکامہ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو مضبوط کر کے بنایا اور اسے اسی طرح سنگارا جیسے اسے سنگارنا چاہیئے۔

فائدہ:۔ الارشاد میں ہے کہ اس میں ان افعال کے عظم شان پر تنبیہہ کی گئی ہے اور تاکید ہے کہ اس کے نظام میں کسی قسم کا خلل نہیں بلکہ اس کا ہر معاملہ مضبوط ہے اور نہ ہی اس کے فساد اور خراب ہونے کا امکان ہے ہر شے جو اس کی تیار کردہ ہے بہتر ہے اور مضبوط ہے کیونکہ اعلیٰ کاریگر کی تیار کردہ ہیں فلہذا ان میں خلل و فساد کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ انہ خبیر بما تفعلون۔ اور وہ کام جو تم کرتے ہو انہیں وہ جانتا ہے کیونکہ وہ تمہارے ظواہر و بواطن جملہ امور سے باخبر ہے اسی لیے نفخ صور و دیگر افعال صرف تمہارے اعمال کی جزا کے لیے کئے ہوں گے چنانچہ فرمایا من جاء بالحسنۃ جو ایک نیکی لائے گا یعنی کلمۂ شہادت و اخلاص ایک بار کہے گا کیونکہ یہی مطلقاً نیکیاں ہیں اور بہترین نیکی ہیں فلہ خیر منہا تو ان سے بھی بہتر اجر و ثواب ملے گا اس سے جنت مراد ہے۔ خیر مطلق بھلائی مراد ہے کسی کی افضلیت کی طرف اشارہ نہیں کیونکہ بہشت لا الہ الا اللہ سے بہتر نہیں۔ اگر خیر میں افضلیت مراد ہے تو کلمۂ شہادت کے علاوہ کوئی اور نیکیاں مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہو گا کہ بندہ نیکی کرے گا تو اسے بہتر جزا ملے گی کہ خسیس سے اعلیٰ نعمت اور فانی سے باقی نصیب ہوگی اور ایک کے بجائے دس بلکہ سات سو ملیں گی۔ وھم اور وہ جو نیکی لائے۔ من فزع ایسی بڑی گھبراہٹ میں ہوں گے کہ جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ یہ محاسبہ کے بعد وقت ہو گا کہ لوگوں کی نیکیاں اور برائیاں ظاہر ہوں گی تو گھبرائیں گے اسی طرف اشارہ ہے لا یحزنہم الفزع الاکبر اور انہیں بہت بڑی گھبراہٹ پریشان نہ کرے گی۔

فائدہ:۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ گھبراہٹ اس وقت ہو گی جب بندے کو جہنم کی طرف لے جائیں گے۔

فائدہ:۔ حضرت ابن جریج نے فرمایا یہ گھبراہٹ اس وقت ہو گی جب موت کو ذبح کر کے اعلان کیا جائے گا کہ اے بہشتیو! ہمیشہ بہشت میں رہو اب موت نہیں آئے گی۔ ایسے ہی دوزخیوں کو اعلان ہو گا۔ یومئذ اس دن جبکہ نفخ صور ہو گا۔ امنون امن والے ہوں گے وہ ہولناک گھبراہٹ ان کا کچھ نہیں کر سکے گی اور نہ ہی انہیں کوئی نقصان پہنچے گا۔ ہاں وہ گھبراہٹ جو تمام زمین و آسمان والوں کو (باستثنائے مخصوص حضرات) ہو گی تو وہ طبعی طور پر ہوتی ہے کیونکہ جب ایسے ڈراؤنے اور ہولناک واقعات ہوں گے تو انسان فطرۃً گھبراتا ہے۔ لیکن انہیں ہو گا کچھ نہیں۔

marfat.ocm

ومن جاءَ بالسیئۃ اور وہ جو برائی لائے گا یعنی شرک جو تمام برائیوں کا سر ہے **فکبت وجوھھم فی النار**۔ تو اوندھے منہ جہنم میں پھینکا جائے گا۔ **الکب** بمعنی شے منہ کے بل گرانا اور وہ جہنم میں اوندھے منہ کے بل گرائے جائیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وجوہ سے ان کے نفوس مراد ہیں جیسے آیت **ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ** میں ہاتھوں سے نفوس مراد ہیں کیونکہ اہل عرب ہاتھ۔ پاؤں۔ گردن۔ چہرہ۔ سر بول کر تمام بدن مراد لیتے ہیں۔ **ھل تجزون** یہ التفات ہے یا یہاں قول محذوف ہے۔ یعنی انہیں کہا جائے گا کہ کیا تم جزا نہیں دیئے جا رہے۔ **الا ما کنتم تعملون**۔ مگر وہ جو تم عمل کرتے رہے یعنی یہ شرک وغیرہ کی سزا ہے۔

حدیث شریف نمبر (۱)

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں ایمان اور شرک دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ایمان کو فرمائے گا تم اپنوں کو بہشت میں لے جا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا **من جاء بالحسنۃ الی قولہ تعالیٰ "فی النار"**

حدیث شریف نمبر (۲)

حدیث شریف میں ہے کہ **لا الہ الا اللہ** بہشت کی چابی ہے لیکن چابی کے لیے دندانے ضروری ہیں تاکہ دروازہ کھولا جائے۔ اس کے دندانے زبان ذکر کرنے والی جھوٹ اور غیبت سے پاک ہو اور اعضاء جو عبادتِ الٰہی میں مشغول اور گناہوں سے پاک ہوں۔ اور پیٹ جو حرام اور شبہات سے پاک ہو

حکایت:۔ حضرت ابو عبداللہ جدلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا اے ابو عبداللہ میں تمہیں نیکی کی خبر نہ دوں جو بہشت کے داخلے کا موجب ہو اور برائی کی خبر نہ دوں جو دوزخ میں لے جائے میں نے عرض کی ضرور بتایئے۔ آپ نے فرمایا نیکی ہماری محبت اور برائی ہمارا بغض ہے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نیکی کی طلب کی آیت **ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ** الخ میں رہبری فرمائی ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اعضاء کو عبادتِ الٰہی و شرع کے احکام کا پابند کرے جیسے طریقت کے آداب ہیں لیکن اربابِ حقیقت کی تربیت سے یہ دنیا کی حسنہ ہے اور آخرت کی حسنہ یہ ہے کہ عالم حقیقیہ سے ہو اور پورے طور منتفع یہی لوگ ہیں انہیں گھبراہٹ نہ ہو گی اور انہیں دنیا میں حب کی فزع نصیب

marfat.com

ہوگی۔ فزع عقبیٰ میں ان کا محاسبہ ہوگا اور جو حب دنیا لائے گا تو اسے نار قطیعت میں اوندھا ڈالا جائے گا اور کہا جائے گا هل تجزون الا ما كنتم تعملون۔ یعنی یہ سزا تمہیں دنیا کی طلب کی وجہ سے ہے کیونکہ حب دنیا ہی جہنم میں اوندھے ڈالے جانے کا سبب ہے جو اس کے پیچھے پڑا وہ دوزخ میں گرے گا۔

اگر خواہی خلاص از نار فرقت
مدہ دل را بجز عشق و محبت

ترجمہ: اگر تم نارِ فرقت سے چھٹکارا چاہتے ہو تو سوائے عشق و محبت کے دل کسی کو نہ دو۔

تفسیر عالمانہ: انما امرت ان اعبد رب هذه البلدة التي حرمها۔ بیشک میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں اسی شہر والے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت بخشی ہے۔

حل لغات: العبادۃ بمعنی انتہائی عاجزی اور البلد تو وہ جگہ جس کے حدود اور مختلف کنارے ہو اور اس میں لوگ اقامت رکھتے ہوں اس میں باعتبار اکثر کے اسے بلدۃ کہا جاتا ہے یہاں پر بلدہ سے مکہ معظمہ مراد ہے۔ اپنی طرف مضاف کرنے میں اس کی شرافت کا اظہار مطلوب ہے اور تعظیم و تکریم ایسی اضافت سے ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے ناقۃ اللہ و بیت اللہ اور شہر اللہ (ایسے ہی کہہ سکتے ہو (محمد نور اللہ) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

نکتہ: مکہ معظمہ کو اپنی طرف منسوب کیا حالانکہ تمام بلاد (شہر) اسی کے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ مشرکین سمجھیں کہ واقعی اس شہر کی سکونت ہمارے لیے بڑی نعمت ہے تو پھر ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کے مالک کی عبادت کریں۔

ترکیب: رب موصوف الذی اس کی صفت ہے۔ التحریم بمعنی کسی شے کو حرام یعنی ممنوع قرار دینا اور حکم دینا کہ اس کی تعظیم و تکریم چاہیئے۔ یہ اس کی بار بار بزرگی کے اظہار کے قبیل سے ہے یعنی یہ وہ شہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ہتک کرنے سے روکتا ہے اور حکم فرماتا ہے کہ نہ ہی اس کا گھاس کاٹا جائے اور نہ کانٹے اور نہ کھیتی اور نہ ہی اس کے شکار کو بھگایا جائے۔ اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی بے دینی پھیلائی جائے۔

حدیث شریف: مکہ معظمہ وہ حرم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہی حرام فرمایا ہے لوگوں نے حرام نہیں کیا، یعنی اس کی تحریم حکم سماوی شرعی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ ہے۔ لوگوں کے اس میں اجتہاد شرعی کو کوئی دخل نہیں۔

ازالہ وہم: ابراہیم علیہ السلام کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ بیشک مکہ معظمہ کو ابراہیم علیہ السلام نے حرم بنایا ہے الخ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی حرمت کا اظہار ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ہے یا انہوں نے اس کے حرم ہونے کی دعا فرمائی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے دائمی حرم بنا دیا۔ اب

marfat.ocm

آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی قوم کو فرمایئے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں کہ عبادت کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کو خاص کروں اس میں کسی کو شریک نہ بناؤں، فلہٰذا تم بھی اسی کو پوجو۔ اسی میں تمہاری عزت و شرافت ہے غیروں کی پرستش چھوڑ دو اور نہ ہی کسی کو اس کا شریک بناؤ۔ دیکھو تمہیں اس نے اپنے شہر مکہ میں ٹھہرا کر عزت بخشی ہے اس سے بڑھ کر اور بڑی نعمت کیا ہو گی۔

فائدہ: بعض نے فرمایا کہ عبادت انبیاء و اولیاء کے لیے بمنزلہ لباس کے ہے۔ **ولہ** اور اسی پروردگار اور اسی شہر کے مالک کی ہے۔ **کل شیٔ** ہر شے از روئے تخلیق و ملک و تصرف کے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس میں تنبیہ ہے کہ صرف کعبہ کو اپنی طرف منسوب کرنا تفخیم شان کے لیے ہے ورنہ اس کی ربوبیت تو جملہ کائنات و موجودات کے لیے ہے۔ ع

صنعتش کہ ہمہ جہاں بیار است

اس کی کاریگری ہے کہ اس نے تمام جہان کو سنگارا ہے۔

وامرت ان اکون من المسلمین۔ اور مامور ہوں کہ میں ہوں مسلمین میں۔ یعنی توبہ کر کے ملتہ اسلام و توحید میں زندگی گزارنے والوں سے یا ہو جاؤں ان لوگوں سے جنہوں نے اپنے چہرے اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر لیے۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ حقیقی مسلمان وہ ہے جو اسلام کو شریعت میں استعمال کرے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ظاہر کو شریعت پر ڈھالا اور مسلمان کا کمال اسی میں ہے اسی لیے ان کو **ان اکون من المسلمین** فرمایا۔ اگر اس کے بجائے **ان اکون من المومنین** فرماتے تو پھر کس کی مجال تھی کہ اس کا ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کرتا۔ یہ ایسے ہے جیسے **انا اول المسلمین** اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا **صلو کما رأیتمونی اصلی**۔ ایسے نماز پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔ یعنی تمہاری ظاہری نماز کا یہی طریقہ ہو جیسے میرا ہے اگر فرماتے کہ اسی طرح نماز پڑھو جیسے میں پڑھتا ہوں تو پھر کس کی مجال تھی کہ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی نماز پڑھ سکے اس لیے کہ آپ جب نماز پڑھتے تو آپ کے سینہ مبارک سے رونے کی آواز آتی ہے جیسے ہانڈی اُبلتی ہے اور نماز میں آپ جیسے آگے دیکھتے تھے ایسے ہی پیچھے **وان اتلو القراٰن**۔ اور یہ کہ میں قرآن کی تلاوت کروں۔ **التلاوۃ** بمعنی پے در پے قرآن پڑھنا جیسے درا سۃً اور مقرر کردہ وظائف پڑھنا اور القرأۃ التلاوۃ سے اعم ہے مثلاً کہا جاتا ہے **تلاہ** بمعنی تبعہ متابعۃ۔ یعنی اس کے پیچھے چلا ہے درمیان میں کوئی نہیں آیا جو اس کی جنس سے ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں مامور ہوں کہ قرآن کی تلاوت پر مواظبت کروں تاکہ اس کی تلاوت سے رفتہ رفتہ حقائق منکشف ہوں۔ اب یہ تجربہ شاہد ہے کہ عالم دین جب اس کی تلاوت میں غور و

marfat.com

غوص کرے تو اسے قرآن مجید سے نئے انکشاف ہوتے ہیں اور ایسے عجیب و غریب معانی ذہن پر اترتے ہیں جو اسے اس سے پہلے پوشیدہ اور مخفی تھے یہی وجہ ہے علماء حکماء اس کی تلاوت سے سیر نہیں ہوتے یہی راز ہے کہ علماء و حکماء کا آخری ورد قرآن مجید ہے اور عارفین کو سب سے پہلے متعلق الآفاق منکشف ہوتے ہیں اُس کے بعد حقائق الانفس اس کے بعد حقائق القرآن۔

سبق :۔ سالک پر لازم ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت میں ناغہ نہ کرے اس کی تلاوت میں طالبعلموں کی طرح دلچسپی لے۔

جاہل صوفیوں کا رد

بعض جہال صوفیہ کہتے ہیں کہ ہمیں تلاوتِ قرآن مجید کی ضرورت نہیں اس لیے کہ ہم ایسے ورد میں مشغول ہیں جو اس سے اہم ہے۔ یہ ان کا جھوٹ ہے کیونکہ قرآن مجید تو دنیا میں ہر علم کا اصل اور مادہ ہے۔

مسئلہ :۔ پڑھنے والے کو چاہیئے کہ تلاوت قرآن مجید جہر سے کرے اور جس آیت کو پڑھے اُس پر انگلی رکھے اس کے بعد زبان پر لائے تاکہ زبان سے اور ہاتھ سے اور آنکھ سے حظ پائے۔ (اور ہر ایک شے کی علیحدہ علیحدہ عبادت نصیب ہو)۔

نکتہ : قرآن مجید کا سننا سیاح ملائکہ کا بہترین رزق ہے بلکہ ان کا بلند و بالا رزق یہی سماع القرآن ہے۔

مسئلہ :۔ جو شخص اسے پڑھ نہیں سکتا تو اسے چاہیئے کہ علم والوں کی مجلس میں بیٹھے کیونکہ ارواح کی بہترین غذا علم ہے۔ علم سے قرآن مراد ہے نہ کہ فلسفہ منطق یا دیگر فنون دنیویہ۔

مسئلہ :۔ کان کی طہارت باطنہ جو قول حسن کے سننے سے نصیب ہوتی ہے وہ یہی ذکر اللہ ہے لیکن ذکر اللہ کا اعلیٰ درجہ قرآن مجید کا سننا ہے کہ اس میں دونوں مقاصد موجود ہیں۔ ایک کلام اللہ کے الفاظ دوسرا اس میں تذکیر و موعظت اور وہ واقعات اور قصص جو اس میں مذکور ہیں اور ان کے حالات اور کفر کے بیانات اور ان کی عبرت ناک سزائیں۔

مسئلہ :۔ قاری جب پڑھتا ہے تو حروف جو اس کے منہ سے نکلتے ہیں وہ ذکر الٰہی میں داخل ہیں اس لیے کہ قرآن سے ہی پڑھ رہا ہے بخلاف اس کے کہ وہی اقوال اگر کافروں سے سن کر نقل کرے تو وہ ذکر الٰہی نہیں۔ اگرچہ مضمون بھی ایک ہے اور الفاظ بھی ایک (کذا فی الفتوحات)

marfat.ocm

نکتہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن مجید ہے۔ تلاوت کے وقت غور کرو تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی صفت بیان فرمائی ہے تو پھر تمہارے لیے لازم ہے کہ تم بھی وہی صفت اپناؤ اور اس پر مداومت کرو اور ہر وہ صفت جس کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے اس سے بچو اور پختہ ارادہ کر لو کہ اسے ہرگز عمل میں نہیں لائیں گے اس لیے کہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل فرمایا ہے وہ یہی ہے کہ یا اس پر عمل کرو اور جو نہ کرنے والے اعمال ہیں انہیں چھوڑ دو۔ جب تم قرآن مجید کو اسی نیت پر پڑھو کہ اس پر عمل کریں گے تو کامل انسان ہو۔

فمن اهتدى، پس جو اس کی اتباع میں ہدایت پاتا یعنی نیکی کرتا اور اسلام لاتا اور تلاوت کرتا ہے۔ **فانما يهتدى لنفسه** تو وہ اپنے لیے ہدایت پاتا ہے اس لیے کہ اس کے منافع اسی کی طرف عائد ہوں گے نہ کہ کسی دوسرے کو۔ **ومن ضل** اور وہ جو گمراہ ہے یعنی میری مخالفت کر کے گمراہ ہوتا ہے **فقل** تو اسے فرمایئے **انما انا من المنذرين**۔ بیشک میں ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ اس کے بعد آپ اپنے عہدہ سے سبکدوش ہوں یعنی اس کا مجھ پر کوئی مواخذہ نہیں۔

فائدہ:۔ مذکورہ بالا مضمون کا مطلب یہ ہے کہ آپ تلاوتِ قرآن اور ذکر الٰہی بہ تکرار دعوت کے طور پر کرو تو جو ہدایت پاتا ہے یعنی ایمان لاتا ہے اور شرک سے بچتا ہے تو اس کا اپنا فائدہ ہے وہ جو گمراہ ہوتا ہے یعنی کفر میں مبتلا ہوتا ہے اور قرآن سے اعراض کرتا ہے تو اس کا اپنا نقصان ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ نور ایمان کو معدن قلب انسانی میں ہدایت و ضلالت کی تربیت کرتا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے سورج کی روشنی سونے و چاندی اور لوہے کے معادن کی تربیت کرتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ **يضل به كثيرا ويهدى به كثيرا**۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ لوگ سونے و چاندی کے معادن کی طرح ہیں۔

تفسیر عالمانہ:۔ **وقل الحمد لله**۔ اور فرمایئے جملہ محامد اللہ تعالیٰ کو اس کی ان نعمتوں پر جو اس نے ہمیں عطا فرمائیں اور سب سے بڑی اس کی نعمت نبوت و قرآن ہے **سيريكم اياته فتعرفونها**۔ عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا تو پھر تم انہیں پہچانو گے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور مقاتل نے فرمایا کہ چند دنوں میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو مرنے سے پہلے گناہوں سے توبہ کر کے اس کی نشانیوں کے دیکھنے کا اہل ہوا اور بدقسمت ہے وہ جو وقت نکل جانے پر بھی نہ سدھر سکا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا۔

marfat.com

۱. کنوں باید اے خفتہ بیدار بود — چو مرگ اندر آرد ز خوابت چہ سود
۲. تو غافل در اندیشۂ سود و مال — کہ سرمایۂ عمر شد پائمال
۳. گرت چشم عقلست و تدبیر گور — کنوں کن، کہ چشمت نخور دست مور
۴. کنوں گوش کاب از کمر در گزشت — نہ وقتیکہ سیلاب از سر گزشت
۵. سکندر کہ بر عالمے حکم داشت — دراں دم کہ بگذشت عالم گزاشت
۶. میسر نہ بودش کز و عالمے — ستانند و مہلت دہندش دمے

ترجمہ

۱. اے سونے والو ابھی بیداری چاہیے۔ جب موت آئے گی تو پھر بیداری از خواب کا کیا فائدہ۔
۲. تو نفع اور مال اندوزی کے فکر میں غافل ہے یہاں تک کہ عمر کا سرمایہ ضائع ہو گیا۔
۳. اگر تجھے عقل کی چشم اور قبر کی تدبیر نصیب ہے۔ ابھی سے تیار ہو جا نہ اُس وقت جبکہ تیری آنکھیں چیونٹیاں کھائیں۔
۴. ابھی سے تیاری کر کہ ابھی پانی کمر تک پہنچا ہے نہ اُس وقت کہ سر سے اُوپر پانی آجائے۔
۵. وہ سکندر کہ تمام دنیا پر حکومت کرتا تھا۔ جب دنیا سے گیا تو سب کچھ چھوڑ کر چلا گیا۔
۶. اسے کچھ بھی حاصل نہ ہوا کہ اسے کچھ نصیب ہوتا یا اسے مہلت ملتی۔

وما ربك بغافل عما تعملون ۔ اور نہیں تمہارا پروردگار غافل اس سے جو تم عمل کرتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان جاری ہوا ہے تاکہ پیچھے بیان کردہ وعدہ وعید کی تاکید ہو جائے جیسا کہ اضافت رب الی النبی اور پہلے خطاب خاص پھر خطاب عام سے معلوم ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی علیہ السلام جو تم نیکیاں کرتے ہو اور اے کافر و تم برائیاں کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں کیونکہ غفلت سہو سے ہوتی ہے اور سہو قلت حفظ کی وجہ سے اور قلت حفظ کمزوری کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ ان تمام عجزوں اور کمزوریوں سے منزہ اور پاک ہے بہر حال وہ تمہارے کردار کی جزا و سزا ضرور دے گا اور اسے غفلت ہو تو کیوں جبکہ اس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال بھی اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے درخت پیدا کر کے اس کے ثمرات اس میں پیدا فرمائے تو پھر اس سے اہل سعادت و شقاوۃ کا حال کیسے مخفی ہو ہاں مہلت دینا مبنی بر حکمت ہے اسے غفلت پر محمول نہ کرو اور نہ ہی نسیان سمجھو کیونکہ غفلت تو اسے ہے جو کسی وجہ سے متنبہ نہیں ہوتا اور اس کی نافرمانی کرتا اور شرک میں مبتلا ہوتا اور بڑے بڑے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے اور امراض قلبیہ میں سے بڑا مرض نسیان ہے جو اللہ تعالیٰ کو بھلا دیتا ہے اور علاج بالضد اچھا ہے اور وہ ذکر الٰہی ہے۔

حکایت ۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اپنی سلطنت سے بہت خوش ہوا تو خواب میں دیکھا کہ کسی

marfat.ocm

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ٨٨ رُكُوْعَاتُهَا ٩
سورۃ قصص مکی ہے اور اس میں | اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا | اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں

طٰسٓمّٓ ﴿١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى
یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی | ہم تم پر پڑھیں | موسیٰ
وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٣﴾ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ
اور فرعون کی سچی خبر ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں | بے شک فرعون نے زمین میں غلبہ پایا تھا
وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ
اور اس کے لوگوں کو اپنا تابع بنایا ان میں ایک گروہ کو کمزور دیکھتا ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا
وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٤﴾ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى
اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا بے شک وہ فسادی تھا | اور ہم چاہتے تھے کہ ان کمزوروں
الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿٥﴾
پر احسان فرمائیں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ان کے ملک و مال کا انہیں کو وارث بنائیں
وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ
اور انہیں زمین میں قبضہ دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی دکھا دیں
مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴿٦﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ
جس کا انہیں ان کی طرف سے خطرہ ہے اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام فرمایا کہ اسے دودھ پلا | پھر جب تجھے اس سے
عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ
اندیشہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور نہ ڈر اور نہ غم کر | بے شک ہم اسے تیری طرف پھیر لائیں گے اور اسے
مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧﴾ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ
رسول بنائیں گے | تو اسے اٹھا لیا فرعون کے گھر والوں نے کہ وہ ان کا دشمن | اور ان پر غم ہو
اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِــِٕيْنَ ﴿٨﴾ وَقَالَتِ امْرَاَتُ
بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے | اور فرعون کی بی بی نے
فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ
کہا یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا
وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩﴾ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ
بنا لیں اور وہ بے خبر تھے | اور صبح کو موسیٰ کی ماں کا دل بے صبر ہو گیا ضرور قریب تھا کہ وہ اس کا حال

marfat.com

بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ
کھول دیتی اگر ہم نہ ڈھارس بندھاتے اس کے دل پر کہ اسے ہمارے وعدہ پر یقین رہے اور اس کی ماں نے اس کی
قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ
بہن سے کہا اس کے پیچھے چلی جا تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور ان کو خبر نہ تھی اور ہم نے پہلے ہی سب دائیاں
الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ
اس پر حرام کر دی تھیں تو بولی کیا میں تمہیں بتادوں ایسے گھر والے کہ تمہارے اس بچہ کو پال دیں اور وہ
وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ
اس کے خیر خواہ ہیں تو ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف پھیرا کہ ماں کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور غم نہ کھائے اور جان
اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾
لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

نے اسے ایک خط دیا جس پر لکھا تھا۔ فانی کو باقی پر ترجیح نہ دو اور نہ ہی اپنی شاہی سے دھوکہ کھاؤ جس شاہی میں گزار رہے ہو تو بہتر ہے لیکن ہے مٹنے والی تمہیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ اس کا حکم ہے وسارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم وجنۃ۔ اور اپنے رب کی مغفرت و جنت کی طرف چلا کرو۔ یہ خواب دیکھ کر گھبرایا ہوا اٹھا اور سمجھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے پند و نصیحت ہے۔ اس پر تائب ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھر اعمال کی طرف متوجہ ہوئے اور گزشتہ زندگی کی غلطیوں کی معافی چاہی اور جو کچھ برے کام سرزد ہوئے اس کی تلافی چاہی اور سستی و غفلت پر ندامت کا اظہار کیا۔

براحتے نرسد آنکہ زحمت نکشید

"وہ راحت ہرگز نہ پائے گا جب تک دکھ نہ اٹھائے گا"

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں دین کے جدوجہد کرنے والوں سے بنائے یہاں تک کہ یقین کی دولت نصیب ہو اور ان کوشش کرنے والوں سے بنائے جو رسول حق کے راستہ کے متلاشی ہیں اور اس کی خاص توفیق کی دعا ہے۔

صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سورہ نمل کی تفسیر منگل کے روز ۴ محرم الحرام ۱۱۱۹ھ میں ختم ہوئی

فقیر اویسی غفرلہ نے اس کے ترجمہ سے بروز ایمان افروز سوموار مبارک ۲۹ ربیع الآخر ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹ فروری ۱۹۸۳ء میں فراغت پائی۔

فللہ الحمد علی ذالک وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم الرؤف الامین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ و اہل بیتہ وعترتہ واولیاء امتہ اجمعین

انا الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

مورخہ ۱۹۸۳/۲ و ۱۴۰۳/۴/۲۹

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ سورہ قصص مکیہ ہے تمام تفاسیر معتبرہ مطولہ ومختصرہ میں اس کی اٹھاسی آیات لکھی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طٰسٓمٓ، اس میں قسم کی طرف اشارہ ہے **طاء** سے اللہ تعالیٰ کی طویل بقاء اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طہارت قلبی کی قسم مراد ہے کہ اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے لو نہیں لگائی۔ اور اپنے محبوب اولیاء کے اسرار کی طہارت کی قسم کہ انھوں نے سوائے اسی کے اور کسی کو نہیں دیکھا۔ **سین** سے اس کے اس سر (راز) کی قسم مراد ہے جو کہ اس کے اور اس کے محبوبوں کے درمیان ہے اور **میم** سے اس کی وہ منت واحسان جو اس نے اپنی مخلوق کی حاجات کی کفایت کی ضمانت اپنے ذمہ کرم لی۔ (التاویلات النجمیہ)

تفسیر صوفیانہ: **طاء** میں طہارت نفوس عابدان از عبادت اغیار اور طہارت قلوب عارفان از تعظیم غیر جبار اور طہارت ارواح محبان از محبت ماسویٰ اور طہارت اسرار موحدان از شہود غیر خدا مراد ہے۔

فائدہ: حضرت سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **سین** رموز الٰہی سے ایک ہے جو اس نے عاصیوں کے لیے نجات کا اور مطیعون کے لیے درجات کا اور محبوں کے لیے دوام مناجات ومراعات کا راز مخفی رکھا ہے۔

فائدہ: امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان حروف کو قرآن مجید کی محافظت کا سبب بنایا ہے کہ ان کی وجہ سے قرآن مجید میں نہ زیادتی ہو سکتی ہے نہ نقصان اس کا اشارہ **"وانا لہ لحافظون"** میں ہے۔ (کذا فی تفسیر الکاشفی)

ان کے علاوہ اور بھی بکثرت اشارات سورۂ شعراء کے اول میں بیان ہوئے وہاں دیکھئے اور ان سے زائد اور کہیں نہیں ملیں گے اور اس کے مطالعہ کو غنیمت جانئے۔

تلك یہی سورۃ آیات الکتاب المبین۔ کتاب مبین کے آیات ہیں یعنی قرآن مجید کے مخصوص آیات جن کا اعجاز ظاہر ہے **نتلو علیك** تلاوت بمعنی پڑھنے میں پہلے حرف کے بعد دوسرے کو لانا یعنی ہم بواسطہ جبریل علیہ السلام مسلسل قرأت کرتے ہیں اور جبریل علیہ السلام کا واسطہ اس لیے کہ پڑھتے وہی تھے **من نباء موسیٰ وفرعون** یہ نتلو کا مفعول ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی بعض خبریں جن کا شان یہ ہے کہ **بالحق** حق ہے یہ۔ **نتلوا** کے فاعل سے حال ہے بمعنی محققین "متلبسین بالحق" یعنی درآنحالیکہ تم حق وصدق سے متلبس ہو کہ اس میں کسی قسم کا جھوٹ نہیں ہے۔ **لقوم یؤمنون** ایسی قوم کے لیے جو ایمان دار ہے۔ یہ **نتلوا** کے متعلق ہے اور اہل ایمان کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہی اس سے نفع پاتے ہیں۔ اگرچہ اس سے انتفاع ہر ایک پاتا ہے اور یہ ہر ایک کے لیے بیان ہے۔ اگلا جملہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا حال کیسا تھا اس کے جواب میں فرمایا کہ **ان فرعون علا فی الارض** یہ جملہ متانفہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی بعض خبر کو بیان کرتا ہے اور حرف تحقیق یعنی لفظ ان سے شروع کرنے میں مابعد کے مضمون کو موکد

marfat.com

کرنا مطلوب ہے اور العلو بمعنی الارتفاع ہے یعنی بلند ہونا اور سرکشی کرنا۔ اب معنی یہ ہُوا کہ فرعون نے ملک مصر میں سرکشی کی اور ظلم و عدوان کی حد میں تجاوز کیا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ فرعون اپنے مرتبہ و عہدہ سے آگے بڑھا اور حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس نے ایسا دعویٰ کیا جس کے وہ لائق نہیں تھا و جعل اھلھا اور بنایا اس کے اہل کو یعنی قبطیون اور سبطیون کو بنایا۔ شیعا گروہ مختلف۔

فائدہ: شیعًا شیعۃ کی جمع ہے اور شیعہ اس گروہ کو کہا جاتا ہے جس سے انسان کو تقویت پہنچے اور وہ اس کی اعانت کے لیے علاقوں میں پھیل جائیں اس لیے شیاع بمعنی انتشار اور تقویت آتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ شاع الحدیث بمعنی کثر و قوی اور کہا جاتا ہے شاع القوم بمعنی انتشروا و کثروا۔ اب معنی یہ ہُوا کہ وہ لوگ فرعون کے لیے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے اور ہر بُرائی و بھلائی میں اسی کا اتباع کرتے اور مختلف مختلف گروہ ہو کر اس کے مختلف اُمور میں لگے ہوئے تھے مثلاً کوئی کھیتی باڑی کوئی تعمیرات میں کوئی کنوئیں کھودنے میں وغیرہ وغیرہ غرضیکہ بڑے بڑے اُمور شاقہ فرعون کی خاطر سرانجام دیتے اور جو اس کا کام نہ کرتا اسے جزیہ ادا کرنا لازم ہوتا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ قبطی اس کے مکرم ترین گروہ میں سے تھے یستضعف الاستضعاف بمعنی کسی کو ضعیف اور ناکارہ سمجھنا یعنی فرعون نے انھیں ذلیل کیا اور مغلوب بنایا۔ طائفۃ منھم ان میں سے ایک گروہ کو اور یہ جعل کے فاعل سے حال ہے اور طائفۃ سے بنی اسرائیل مراد ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ فرعون کی ایذاؤں و تکلیفوں کو دفع کرنے سے ضعیف اور عاجز تھے۔ یذبح ابناءھم و یستحی نساءھم یہ جملہ مذکورہ سے بدل ہے الذبح بمعنی حیوان کا گلا چیرنا اور باب تفعیل تکثیر کے لیے ہے۔ استحیاء بمعنی استبقاء ہے یعنی وہ بنی اسرائیل کو مسلسل یکے بعد دیگرے قتل کرتا تھا یہاں تک کہ اس نے بنی اسرائیل کے نوّے ہزار بچے[1] قتل کرائے اور لڑکیوں کو قتل نہیں کراتا تھا تاکہ وہ اس کی خدمتگاری کے لیے زندہ رہیں۔

قتل اَبناء کی وجہ

منقول ہے کہ فرعون کو کسی کاہن نے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیرا ملک چھین لے گا در اصل یہ اُس کی حماقت تھی اس لیے کہ اگر کاہن کا قول سچا تھا تو وہ ہو کر رہتا اگر جھوٹا تھا تو اس کا کچھ نہ بگڑتا۔

ابنِ صیّاد کا واقعہ

[1] بمعنی پھیل گئے اور بہت ہوگئے

marfat.ocm

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے چند لڑکوں کے ساتھ ہمارا گزر ہوا ان میں ابن صیاد بھی تھا اور اُس وقت وہ قریب البلوغ معلوم ہوتا تھا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اُس نے کہا نہیں بلکہ آپ گواہی دیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں

میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اجازت ہو تو میں اسے قتل کردوں اس لیے کہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہی دجال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر واقعی یہ ابن صیاد وہی دجال ہے تو پھر تو اُس پر مسلط نہیں ہو سکتا اور تجھے اس کے قتل کرنے کی قدرت نہیں۔ اس لیے کہ اُسے عیسیٰ علیہ السلام تشریف لاکر قتل کریں گے۔ اگر یہ وہی دجال نہیں تو تجھے اس کے قتل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ **انه كان من المفسدين**۔ بیشک تھا وہ فساد ڈالنے والوں میں سے یعنی فساد ڈالنے میں وہ بڑا راسخ تھا اسی لیے اس نے بہت سے بے گناہ مخلوق کو قتل کرنے کی جرأت کی۔ **ونريد ان نمن على الذين استضعفوا فى الارض** اور ہم نے ارادہ کیا کہ زمین کے رہنے والے کمزور لوگوں پر منت لگائیں یعنی انہیں اس کی ایذاء سے نجات دے کر ان لوگوں پر احسان کریں یہ مضارع ماضی کی حال حکایت اور اس کا **ان فرعون علا** پر عطف ہے۔ کیونکہ ان دونوں کو آپس میں مناسبت ہے اور وجہ مناسبت یہی ہے کہ یہ ہر دونوں موسیٰ علیہ السلام و فرعون کی خبر کی تفسیر واقع ہوئے ہیں۔

فائدہ: نمن منٌّ سے مشتق ہے بمعنی کسی کو کوئی شے عطا کرنا اور اللہ تعالیٰ **المنّان** اسی معنی پر ہے کہ وہ بلا عوض اور بلا طلب ابتداءً ہر ایک کو عطا فرماتا ہے **ونجعلهم ائمة** یہ امام کی جمع ہے جس کی اقتداء کی جائے اسے امام کہتے ہیں یعنی ہم انہیں دینی اُمور میں مقتدا بنائیں۔ اگرچہ اس وقت وہ دوسروں کے تابع اور اُن کے زیرِ حکم تھے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ یہاں پر **ائمة** بمعنی انبیاء ہے اس لیے کہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان بنی اسرائیل کا ایک ہزار انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں **ونجعلهم الوارثين** اور ہم انہیں فرعون اور اس کی قوم کا وارث بنائیں۔

سوال: وراثت کو امامت سے کیوں مؤخر کیا گیا ہے حالانکہ انہیں وراثت امامت سے پہلے حاصل ہوئی۔

جواب: چونکہ وراثت امامت سے درجہ میں بہت کم ہے اسی لیے پہلے اعلیٰ کا ذکر ہوا بعد ازاں ادنیٰ کا۔ **ونمكن لهم فى الارض** کسی شے کے لیے ایسا مکان مقرر کرنا جس میں اسے ہر طرح کی قدرت حاصل ہو پھر اسے مطلقاً تسلیط کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے مصر و شام کے علاقوں پر انہیں مسلط کیا تاکہ وہ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ **ونرى فرعون وهامان** اور ہم دکھائیں فرعون و ہامان کو اس سے **هامان** فرعون کا وزیر مراد

marfat.com

ہے۔ وجنودھما اوران دونوں کا لشکر منھم ان کمزوروں میں سے ما کانوا یحذرون وہ ڈر کھاتے اور کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح فرعون کے ہاتھ سے ملک نکل جائے اور وہ انہی کے نومولود لڑکے سے تباہ و برباد ہو۔

الحذر خطرے بھری شے سے ڈرنا (کذا فی المفردات)

فائدہ: حضرت کاشفی نے فرمایا یہ اُس وقت کی بات ہے جب اُنہوں نے فرعون کی دریا میں غرق ہونے کی علامت دیکھی تو بنی اسرائیل بغلیں بجاتے ہوئے دریا کے کنارے فرعون کے غرق ہونے کی کیفیت دیکھنے آتے جب اُنہیں فرعون اور اُس کے لشکر کے غرق ہو جانے کا یقین ہو گیا تو کہا کہ ظلم و تعدی کا یہی انجام ہے اور بیچارگان اور مظلوموں کی آہ کام کر گئی اور ظالم مقہور و مغلوب ہوا اور مظلوم غالب اور سرفراز ہوئے اور یوم المظلوم علی الظالم اشد من یوم الظالم یعنی ظالم سے مظلوم پر ظلم کرنے کی جزا کا دن ظالم کا مظلوم پر ظلم کرنے کے ایام سے زیادہ سخت ہوتا ہے) کا راز ظاہر ہوا۔ ؎

اے ستمگار بر اندیش ازاں روز سیاہ
کہ ترا شومیٔ ظلم افگند از چاہ بچاہ
آنکہ اکنوں بحقارت نگری جانب وے
بشماتت کند آنروز بسوئے تو نگاہ

ترجمہ: اے ظالم اس سیاہ دن کا فکر کر۔ جبکہ تجھے ظلم کی نحوست اندھے کنوئیں میں لے جائے گی جسے تو آج حقارت سے دیکھتا ہے۔ اس دن وہ گالی دیتا ہوا تجھے دیکھے گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) خبر یافت گردن کشی در عراق — کہ می گفت مسکینے زیر طاق
(۲) تو ہم بر درے ہستی اُمیدوار — پس اُمید بر درنشینان بر آر
(۳) نخواہی کہ باشد دلت دردمند — دل دردمندان بر آور زبند
(۴) پریشانیٔ خاطر داد خواہ — بر اندازد از مملکت پادشاہ
(۵) تحمل کن اے ناتواں از قوی — کہ روزے توانا ترازوے شوی
(۶) لب خشک مظلوم را گو بخند — کہ دندان ظالم بخواہند کند

ترجمہ: ایک ظالم نے عراق میں کسی مسکین سے سنا طاق کے نیچے کہہ رہا تھا
(۲) تو بھی کسی کے دروازہ کا اُمیدوار ہے اسی لیے در پہ آنے والوں کی اُمیدیں پوری کر۔
(۳) اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا دل دردمند نہ ہو تو دردمندوں کے دل قید سے یعنی دُکھ سے باہر لا۔

marfat.ocm

(۴) انصاف چاہنے والے کے دل کی پریشانی بادشاہ کو بادشاہی سے دور پھینکتی ہے۔

(۵) قوی سے اے ضعیف مت گھبرا بلکہ حوصلہ کر کیونکہ ایک دن ایسا ہوگا کہ تو اس سے بھی زیادہ طاقتور ہوگا۔

(۶) مظلوم کے خشک لبوں کو کہو کہ ہنسو کہ انشاء اللہ عنقریب ظالم کے دانت اکھڑ جائیں گے یعنی وہ تباہ و برباد ہوگا۔

لطیفہ: ظلم کا انجام یہ ہے کہ وہ ظالم سے بدلہ بھی لیتا ہے اور اس سے نعمتیں بھی چھین لیتا ہے۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ دو دعائیں ہیں جن میں سے ایک کی اُمید قبولیت رکھتا ہوں اور دوسری سے سخت خوف۔

(۱) وہ دُعا جو مظلوم کی اعانت کے بعد نصیب ہو۔

(۲) وہ دُعا جو کمزور پر ظلم کروں اور میرے لیے بددُعا کرے ؎

۱. نخفتہ است مظلوم از آہش بترس
زدود دل صبح گاہش بترس

۲. نترسی کہ پاک اندرونے شبے
بر آرد ز سوز جگر یار بے

حدیث شریف: نیکیوں میں سے صلہ رحمی کا ثواب جلد تر حاصل ہوتا ہے اور برائیوں میں سے بغاوت کی سزا زود تر پہنچتی ہے۔

فائدہ: صفات نفس کا صفات رُوح پر غلبہ پانا بھی بغاوت میں شامل ہے جس نے نفس کی اعانت کی تو وہ مقہور و مغلوب ہوگا اگرچہ ایک مدت کے بعد سہی اسی طرح جو رُوح کی اعانت کرتا ہے تو وہ اہل تمکین اور دین کے آئمہ میں سے ہو کر رہے گا۔

واوحینا الی ام موسٰی اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا نام یارخا اور بعض کے نزدیک ایارخت (کذا فی التعریف للسہیلی) اور بعض کے نزدیک ان کا نام یوحانذ (بالنون) و یوحایذ (بالیاء) (کذا فی عین المعانی) یہ بی بی حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے لاوی کی اولاد سے تھیں۔

لفظ وحی کی تحقیق: دراصل وحی اشارۂ سریعہ کو کہا جاتا ہے اور وہ کلمات جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نبی علیہ السلام کو القاء کئے جائیں وہ وحی ہے (کذا قال الامام الراغب) اس کی

marfat.com

کئی صورتیں ہیں :۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول کو دیکھ کر اس کا کلام سن کر پیغامِ الٰہی سنا جائے جیسے جبرائیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک معین صورت میں حاضر ہوتے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا کلام براہِ راست سننا لیکن ذاتِ حق کو دیکھا نہ جاسکے جیسے موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلام بلا واسطہ سنا کرتے تھے۔

(۳) کلامِ الٰہی خیال میں ڈالا جائے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روح القدس نفث فی روحی کبھی لفظ وحی بمعنی الہام مستعمل ہوتا ہے جیسے واوحینا الی اُم موسیٰ اور کبھی تسخیر کے معنی میں آتا ہے کما قال تعالیٰ : واوحیٰ ربک الی النحل اور وحی کبھی اچھے خواب کے ذریعے بھی حاصل ہوتی ہے جسے الہام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے : انقطع الوحی و بقیت المبشرات رؤیا المؤمن وحی منقطع ہوگئی لیکن بشارات بمعنی اہل ایمان کے خواب باقی نہیں۔ آیت ہذا میں وحی بمعنی الہام ہے (کذا ذکرہ الراغب) اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے ام موسیٰ کے دل میں ڈالا اور انھیں بتایا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں وحی سے اچھا خواب یا ہدایت مراد ہے۔ نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بی بی صاحبہ کے ہاں کوئی اللہ تعالیٰ کا فرشتہ تشریف لایا ہو جیسے بی بی مریم کے ہاں جبریل علیہ السلام تشریف لائے تھے۔

مسئلہ : وحی نزول ملائکہ غیر نبی کے لیے ہوتا ہے چنانچہ بی بی مریم کے لیے فرشتے کی حاضری پر فرمایا و اذ قالت الملائکۃ یامریم (الآیۃ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا عجوبہ

مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام والدہ ماجدہ کے بطنِ اطہر میں تشریف لائے تو بی بی صاحبہ سے حمل کے آثار محسوس نہیں ہوئے مثلاً نہ پیٹ پھولا اور نہ ہی رنگ بدلا اور نہ ہی دودھ ظاہر ہوا۔ یہ ایک راز تھا جسے اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا اور وجہ وہی تھی کہ فرعون کو بنی اسرائیل کے بچوں کے مروانے کا خبط تھا اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے وہ تباہ و برباد ہو اور اس کے بعد بنی اسرائیل اس کی شاہی و سلطنت پر قابض ہوں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت مذکورہ بالا معجزات کے علاوہ یہ بھی تھا کہ جب وقت آپ پیدا ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ کے ساتھ نہ کوئی نگران تھا اور نہ ہی دایہ اور نہ ہی ان عورتوں کو معلوم ہوسکا جو بنی اسرائیل کے بچوں کی پیدائش کی خبر گیری پر مامور تھیں۔ غرضیکہ تمام لوگ اسی راز سے بے خبر تھے سوائے آپ کی اپنی بہن مریم نامی کے۔

marfat.ocm

ان یہ مفسرہ ہے بمعنی ای **ارضعیہ** یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلائیں اور ان کی پرورش کرتی رہیے اور جتنا ہو سکے ان کا راز پوشیدہ رکھیئے۔ کشف الاسرار میں ہے کہ جب تک اس پر مطالبۂ فرعون کا خوف نہ ہو **فاذا خفت علیہ** جب تم اس پر خوف محسوس کرو مثلاً جب ہمسائیگان کے رونے کو محسوس کرو۔ یعنی جب تم سمجھو کہ لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کی ولادت معلوم کر لی اور وہ اس کی خبر فرعون تک پہنچانے کا ارادہ کرتے ہیں۔ **فالقیہ فا الیم** تو اسے دریا میں ڈال دینا اس سے دریائے نیل مراد ہے۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کا خوف کرو اور اس کی تربیت اور پرورش نہ کر سکو تو پھر انھیں ہمارے ہاں سپرد کر دینا ہم خود ہی ان کی حفاظت اور تربیت کریں گے **ولا تخافی** پھر ان کے کے لیے تنگی اور شدت کا خوف نہ کرنا **ولا تحزنی** اور نہ ہی ان کی جدائی سے غم کرنا **انا رادوہ الیک** بیشک ہم انھیں عنقریب لطیف طریقہ سے تمہارے ہاں واپس کر دیں گے اور لطیف طریقہ کا معنیٰ یہ ہے کہ تم ان کی جدائی تک ان کے متعلق مطمئن رہو گے۔ **وجاعلوہ من المرسلین** اور اسے ہم مرسلین سے بنانے والے ہیں یعنی ہم اسے نبوت سے مشرف فرمائیں گے۔ چنانچہ والدہ نے موسیٰ علیہ السلام کو کم و بیش تین ماہ دودھ پلایا اور اس کے بعد فرعون کا اعلان ہوا کہ بنی اسرائیل کے بچوں کو چن چن کر قتل کر ڈالو۔ چنانچہ فرعون کے ملازمین نے بچوں کو تلاش کرنا شروع کیا تو بی بی صاحبہ نے موسیٰ علیہ السلام کو جو کالے تیل کی روغن کردہ لکڑی کے صندوق میں چھپا کر اسے کو بند کر کے رات کے وقت دریائے نیل میں ڈال دیا۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ ایک درکھان حضرت عمران کا واقف کار تھا آپ نے حکم فرمایا کہ پانچ انگل کے برابر کا صندوق بنا دے اور وہ درکھان فرعون کا چچازاد بھائی تھا: اُس نے صندوق تیار کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا معجزہ

اس کے بعد اسے خیال گزرا کہ اگر اس بچے کا علم فرعون کو ہوا اور اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ صندوق میں نے بنایا ہے تو مجھے سخت نقصان پہنچے گا اس لیے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرعون کو اطلاع دے۔ لیکن اس کی زبان بولنے سے بند ہو گئی یہانتک کہ گھر واپس لوٹا

پھر ارادہ ہوا کہ فرعون کو مطلع کرے۔ اس سے اس کی آنکھیں اندھی ہو گئیں اس سے سمجھا کہ یہ بچہ وہی ہے جس کے متعلق جادوگروں نے خبر دی ہے اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھے بغیر ایمان لے آیا جس مومن کا ذکر قصہ فرعون و موسیٰ علیہ السلام میں قرآن مجید میں ہوا وہ یہی شخص ہے۔ والدہ موسیٰ علیہ السلام نے صندوق کو کالے تیل کا روغن لگا کر موسیٰ علیہ السلام کو سلا کر صندوق کو مضبوط کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا۔

marfat.com

فائدہ: اگرچہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈالے بغیر بھی ان کی حفاظت فرما سکتا تھا لیکن شانِ موسوی کا اظہار مطلوب تھا کہ دشمن کے ذریعے ان کی تربیت اور پرورش کرائی تاکہ معلوم ہو کہ اللہ کی قضا و قدر غالب ہے اور فرعون اپنے دعویٰ میں کاذب ہے۔

جہد فرعون چو بے توفیق بود
ہر چہ او می دوخت آں تفتیق بود

ترجمہ: فرعون کی جد و جہد بے توفیق تھی جو کچھ وہ تجویز کرتا تھا بیکار تھی۔

عجوبۂ قدرت

فرعون کی اُس وقت صرف ایک لڑکی تھی اور وہی اسے تمام رعایا سے مکرم ترین تھی اور اسے برص کی بیماری تھی جس کے علاج سے تمام اطبار عاجز آ گئے۔ اسے کاہنوں نے کہا تھا کہ فلاں روز دریائے نیل میں ایک بچہ ملے گا اسی کے لعابِ دہن سے تیری بچی کو شفا ہو گی اُسی وقت مقرر پر فرعون اور اُس کی اہلیہ اور جملہ اعیان دولت دریا کے کنارے پر منتظر تھے کہ اچانک ایک صندوق نمودار ہُوا۔ فرعون نے اُس کے پکڑنے کا حکم فرمایا کما قال **فالتقطہٗ اٰل فرعون** فار فصیحیہ ہے اس کا عطف جملہ محذوفہ ہے **التقاط** بمعنی کسی شے کو طلب حاصل کرنا یعنی وہ جس کا کوئی محافظ نہ ہو پھر اس کے مالک کے لیے اعلان کرایا جائے اور **لقیط** وہ بچہ جس کا نسب معلوم نہ ہو اور عام راستوں اور بے حفاظت مقاموں میں پڑا مل جائے جسے فقر و فاقہ یا زنا کی وجہ سے عام راستوں پر گرا دیا جائے۔

مسئلہ: ایسے بچے کو اُٹھا لینا واجب ہے تاکہ ضائع نہ ہو جائے خواہ پانی سے ملے یا درندے کے آگے پڑا ہو مزید تفصیل کتب فقہ میں ہے اور آل الرجل انسان کے وہ مخصوص لوگ جن کے ہاں اس کے اُمور پہنچا وہ رشتہ دار ہوں یا صحبت کے ساتھی یا دینی دوست۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ بی بی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریائے نیل میں ڈالا تو اسے فرعون والوں نے اُٹھایا یعنی فرعون والوں نے اپنی ضرورت اور اسے ضائع ہونے سے بچانے کے ارادہ پر اُٹھایا **لیکون لھم عدوا وحزنا**۔ یہ لام علۃ و ارادہ کی نہیں بلکہ غایۃ و صیرورۃ کی ہے یعنی اُنھوں نے اس لیے نہیں اُٹھایا تھا کہ وہی موسیٰ علیہ السلام ان کے دشمن یا حزن کا سبب ہوں گے لیکن انجام بکار یہ ہُوا کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے دشمن اور غم و حزن کا سبب ثابت ہوئے۔ اسی معنیٰ پر وہ علت کی جگہ پر واقعہ ہوئی اور چونکہ اُنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اُٹھایا تو یہی اُٹھانا علت کے مشابہ ہو گیا کیونکہ دشمنی اور حزن کی غرض اسی سے مرتب ہوئی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون کے گھر والوں کی محبت اور بیٹا بنانا

marfat.ocm

بنی اسرائیل کی ایک فرد تھی۔ بعض نے کہا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی پھوپھی تھی (حکاہ الشبلی) اور اپنے ہم زمان عورتوں سے بہتر عورت تھی یعنی آسیہ نے فرعون سے اُس وقت کہا جب موسیٰ علیہ السلام کو صندوق سے نکالا گیا۔ قرۃ عین لی ولك یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا۔ یہ اس لیے کہا کہ جونہی اُنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو صندوق سے نکالا تو دیکھتے ہی ان دونوں یعنی فرعون اور آسیہ کا ان کے ساتھ پیار ہو گیا۔

فائدہ، کاشفی نے کہا کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا اس لیے کہ اسی سے ہماری لڑکی نے شفا پائی ہے۔ لفظ قرۃ کا کئی بار معنی گزرا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جیسے آسیہ نے اپنے لیے قرۃ عین لی کہا اگر وہ فرعون کے لیے بھی کہتی تو جیسے اُسے دولت ایمان نصیب ہوئی ایسے ہی فرعون کو بھی نصیب ہوتی۔

لا تقتلوہ اسے قتل مت کرو جمع کا صیغہ تعظیم کے لیے استعمال کیا تاکہ فرعون بی بی صاحبہ کے ارادہ کی موافقت کرے۔ عسٰی ان ینفعنا شاید کہ وہ ہمیں نفع پہنچائے اس لیے کہ یمن و برکت کی علامات اُن کے چہرے سے ٹپک رہی ہیں۔ وہ اس لیے کہ بی بی نے دیکھا کہ اُن کے لعاب دہن سے اُس کی بچی برص کی لا علاج بیماری سے شفا پا گئی ہے اور اُن کے انگوٹھے سے دودھ بہہ رہا ہے جسے وہ چوس رہے تھے اور اُن کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور چمک رہا ہے جسے بی بی کے سوا کسی نے نہ دیکھا۔

انبیاء اور اولیاء کی عظمت

بعض مشائخ نے فرمایا کہ انبیاء اور اولیاء کے چہروں سے ذات و صفات کے انوار چمکتے رہتے ہیں جن سے مومن و کافر نفع پاتے ہیں اس لیے اُن کے ساتھ لذت حالیہ اور نقد ہوتی ہے لیکن اُن کے حقائق سے بے خبر ہوتے ہیں۔

سبق، عاشق انبیاء اور اولیاء پر لازم ہے کہ وہ محبوبانِ خدا کے چہروں کے انوار کو یقین و ایمان سے دیکھے جیسے بی بی آسیہ نے دیکھا انہی حضرات کے لیے وارد ہے کہ من راٰھم ذکر اللّٰہ جو انھیں دیکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ یاد آ جاتا ہے۔ او نتخذہ ولدا یا ہم اسے منہ بولا بیٹا بنا لیں کیونکہ وہ اس کا اہل ہے اور ان کی اولاد نرینہ بھی نہیں تھی۔ وھم لا یشعرون یہ آل فرعون سے حال ہے اصل عبارت یوں تھی فالتقطہ اٰل فرعون لیکون لھم عدوا وحزنا الخ پھر فرعون کی اہلیہ نے کہا جو کچھ کہا وھم لا یشعرون در آنحالیکہ وہ نہیں سمجھتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کو لقطہ کے طور لے جا کر اور اُن سے نفع کی اُمید رکھنے اور انھیں منہ بولا بیٹا بنانے میں عظیم خطاء کے مرتکب ہو گئے۔

marfat.ocm

فائدہ: وان فرعون الخ جملہ معترضہ ہے جو دو معطوفوں کے درمیان میں اُن کی خطاء کی تاکید کے لیے واقع ہوا ہے۔

عجوبہ برائے وہابیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر فرعون بدبخت بھی بی بی آسیہ کی طرح عسی ان ینفعنا کہتا تو اللہ تعالیٰ اسے بھی نفع سے نوازتا لیکن ازلی بدبخت نے اپنی بدبختی سے ایسا کہنے سے انکار کر دیا۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے نفع باذنہ تعالیٰ کا عقیدہ اہل ایمان کا ہے اور اس سے انکار فرعون جیسے بدبختوں کا طریقہ کار ہے۔ "فافہم ولا تکن من الوہابیین"۔

فائدہ: مروی ہے کہ فرعون کے حاشیہ برداروں نے فرعون سے کہا یہی بچہ وہی معلوم ہوتا ہے جس کی تمہیں کاہنوں نے خبر دی ہے تیرے قتل کے خوف سے اسے دریا میں ڈالا گیا ہے یہ سن کر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا لیکن بی بی آسیہ نے فرمایا یہ غلط ہے اس لیے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو بچوں کو بہت زیادہ پیار ہے وہ اپنے بچوں کو چھپا تو سکتی ہیں لیکن دریا میں ڈالنا نہیں جانتیں علاوہ ان کے مامتا کب گوارہ کرتی ہے کہ وہ جیتے جاگتے بچے کو دریا میں ڈال دے اور پھر یہ بچہ بڑا ہے جو تیرے کاہنوں کی خبر دینے سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے اگر اس سے تجھے کوئی خطرہ ہے تو مجھے عطا کر دے میں خود اس کی تربیت کروں گی یہ اس لیے کہا کہ بچے میں نجات کے دلائل موجود ہیں۔ فرعون بی بی آسیہ کی اپیل پر موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے باز آ گیا۔

لفظ موسیٰ کی وجہ تسمیہ

حضرت آسیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام موسیٰ رکھا وہ اس لیے کہ آپ کا صندوق پانی اور درخت کے درمیان میں پایا گیا اور ان کی لغت میں مو پانی کو کہا جاتا ہے اور شا شجر کو کثرت استعمال سے موشی کے بجائے موسیٰ پڑھا جانے لگا اور الف بصورت یاء لکھنا تفخیماً ہے۔

صوفیانہ جامع تقریر

بحر الحقائق میں ہے کہ چونکہ قرآن ہادی اور رشد و ہدایت کا مرکز تصفیہ قلب اور توجہ الی اللہ و تزکیۂ نفس اور نفس کو شہوات سے روکنا اس کا اصل موضوع ہے فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ احوال قلب و نفس کے مناسب ہے

marfat.com

اس لیے کہ موسیٰ (قلب) عصائے (ذکر) سے فرعون (نفس) اور اس کے لشکر کی کثرت کے باوجود غالب ہوا اسی لیے ان کا قصہ قرآن مجید میں بار بار ہوا۔ علاوہ ازیں اس سے تفخیم شان بھی مطلوب ہے اور علم بیان کے قواعد کے مطابق بلاغت کا اظہار بھی اور جہاں تکرار ہوتا ہے وہاں چند زائد مضامین بھی شامل کیے جاتے ہیں۔ تاکہ خالص تکرار کا الزام نہ ہو۔

شانِ محمدی در شانِ موسوی

دراصل موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا تکرار اور ان کا بار بار ذکر ان کی عظمت شان پر دلالت کرتا ہے اور واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ نہایت عظیم المرتبت بزرگ تھے لیکن یہ عظمت اور قدر و منزلت اسی لیے نصیب ہوئی کہ وہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر تھے اگر ان کو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نصیب نہ ہوتی تو اتنا عظیم الشان مرتبہ حاصل نہ کرتے چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے لو کان موسیٰ حیا لما وسعہ الا اتباعی اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ اور ہمارے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور قدر و منزلت اور شان و شوکت موسیٰ سے پہلے تھی چنانچہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کنت نبیا و اٰدم بین الماء والطین[1]۔ میں نبی تھا در آنحالیکہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان میں تھے۔ باوجود ایں ہمہ انکسار اور تواضع کے طور پر فرماتے ہے انما انا بشر مثلکم اور موسیٰ علیہ السلام نے ایک بلند مرتبہ ملنے کے بعد اپنے مقام سے آگے بڑھنے کی کوشش کی کما قال ارنی انظر الیک انہیں جواب ملا: لن ترانی لیکن ہمارے نبی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضع کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان کو اور اونچا کیا اور فرمایا الم تر الی ربک لولاک لما خلقت الافلاک[2]۔ کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھا اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا بھی نہ کرتا۔

لطیفہ: عام عادت بھی ہے کہ جب کوئی تواضع و انکسار سے نہایت ہی کم مرتبہ کو اختیار کرے مثلاً جوتے اتارنے کی جگہ پر بیٹھے تو اسے اٹھا کر نہایت بلند و بالا مقام پر بٹھلاتے ہیں۔

---

[1] اس حدیث کو بعض ناعاقبت اندیش موضوع کہہ دیتے ہیں اس کی توثیق میں فقیر اویسی غفرلہٗ نے ایک رسالہ لکھا بنام الحبل المتین فی توثیق کنت نبیا و اٰدم بین الماء والطین۔ (اویسی غفرلہٗ)

[2] اس مقدس روایت سے بھی یار لوگوں کو انکار ہے اس پر تبصرہ و تنقید فقیر اویسی غفرلہٗ نے تفسیر اویسی میں لکھی ہے۔

marfat.com

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ مکمل تواضع کرے تاکہ اس تواضع سے رب تعالیٰ کے دیدار سے سرشار ہو۔

فروتن بود ہوش مند گزیں نہد شاخ بر میوہ سر بر زمین

(ترجمہ) دانا کو عاجزی مرغوب ہے اس لیے میوہ سے بھری ہوئی شاخ ہی کو زمین پر رکھتی ہے۔

تفسیر عالمانہ: **واصبح موسیٰ فؤاد ام موسیٰ**۔ اصبح بمعنی صار اور الفؤاد بمعنی القلب ہے لیکن اسے فؤاد اس وقت کہا جائے گا جب اسے تفؤد یعنی تحرق و توقد مطلوب ہو۔ (کذا فی المفردات) اس سے معلوم ہوا کہ فواد قلب کے لیے ایسے ہے جیسے قلب سینہ کے لیے یعنی فواد قلب کے وسط میں واقع ہے یعنی قلب کا وہ اندرونی حصہ جو عشق الٰہی وغیرہ سے جل کر راکھ ہو جائے بعض مشائخ نے فرمایا کہ سینہ نور الاسلام کا اور قلب نور الایقان کا اور فواد نور البرہان کا اور نفس معدن القہر والامتحان کا اور روح معدن الکشف والعیان کا اور سر لطائف البیان کا معدن ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل ہو گیا۔ **فارغا**۔ الفراغ شغل کی نقیض ہے بمعنی خالی از عقل اور خالی از فہم اس لیے کہ اسے خوف اور حیرت چھا گئی جب سنا کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاتھ لگ گئے ہیں اور یہ معنیٰ ہم نے اس لیے کیا کہ لفظ رابط جو آگے آ رہا ہے اس پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ غزوہ بدر میں صحابہ کرام کے لیے ربط قلب بھی اسی معنی پر کہا گیا ہے کما قال۔ **ویربط علیٰ قلوبکم** اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر فرمایا **ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المومنین** الخ یہاں بھی ایسے ہوا کہ صحابہ کرام حیرت کی وجہ سے ان کے قلوب خالی الفہم والعقل ہونے لگے تھے **ان کادت**۔ ان تحقیقیہ ہے یعنی بیشک قصہ یہ ہے کہ ضعف بشریت اور فرط اضطراب سے قریب تھی کہ **لتبدی بہ** موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہہ بیٹھتیں کہ یہ میرا بیٹا ہے اس طرح ان کا راز فاش ہو جاتا ...... اور اعتراف کرتیں کہ انہیں خود ہی صندوق میں چھپا کر دریائے نیل میں ڈالا تھا۔ **لتبدی بہ**۔ **بدأ الشئ بدور و بدوا** سے ہے بمعنی ظہر ظھورا بینا۔ یعنی کسی شے کا مکمل کر ظاہر ہونا اور کہا جاتا ہے **ابداہ** بمعنی **اظہرہ اظہارا بینا** یعنی اس شے کو کھول کر بیان کیا۔ کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ **بہ** کی باء زائدہ ہے یعنی دراصل **تبدیہ** تھا اور اس کا مفعول محذوف ہے یعنی دراصل عبارت **تبدی القول بہ** تھا یعنی بات کو موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ظاہر کر دیتی۔

فائدہ: عرائس البیان میں ہے کہ بی بی سارہ کو جو انوار حق اسماعیل علیہ السلام کے چہرۂ انور سے نظر آتے وہی انوار آپ کی والدہ ماجدہ کو بھی نظر آئے اسی لیے ان کے قلب میں صبر نہ رہا اور قریب تھا

marfat.com

کہ وہ اس راز کو ظاہر فرماتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شوقِ دیدار درحقیقت دیدار الٰہی کا شوق تھا لولا ان ربطنا علیٰ قلبھا اگر ہم ان کے قلب کو مضبوط نہ کرتے یعنی اگر دوبارہ یاد نہ دلاتے کہ فرعون کے ہاتھ میں چلے جانے سے کیوں گھبراتی ہو جبکہ ہم نے وعدہ کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام واپس تیرے ہاں آئیں گے اور پھر وہ بڑے ہو کر رسول اور پیغمبر بنیں گے لتکون من المؤمنین اور ہم مذکورہ لطف و کرم کیا تاکہ وہ بی بی وعدہ الٰہی پر یقین کرنے والوں سے ہو۔ وعدہ الٰہی سے۔ انا رادوہ الیك الخ مراد ہے اور مؤمنات کے بجائے مومنین کہنا تغلیباً ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ایمان بھی عطیۂ الٰہی ہے اس لیے کہ انہیں وحی (الہام) کے ذریعے اوّلاً اور ربط قلب باللہ کر ثانیاً نوازنا عطیۂ ایزدی نہیں تو اور کیا ہے۔ وقالت اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا لاختہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو لا بنتھا نہ کہا تاکہ اسے محسوس ہو کہ اخوۃ کا تقاضا یہی ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جان کی بازی لگائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی بہن کا نام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام مریم بن عمران تھا۔ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام تھا اور ان کے والد کا نام بھی عمران تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی بہن کے شوہر کا نام غالب نبی یوشا تھا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ صحیح تر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی بہن کا نام کلثوم تھا اس کا نام مریم بتانا غلط ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی بہن اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی والدہ کا نکاح ہمارے نبی پاک علیہ السّلام کیساتھ

حضرت الزبیر بن بکار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے جبکہ وہ بیمار تھیں اور آپ نے فرمایا اے خدیجہ تمھیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت میں میرا نکاح مریم بنت عمران سے اور اُم کلثوم اخت موسیٰ علیہ السلام اور آسیہ زوجہ فرعون سے کر دیا ہے اور تم بھی ان کے ساتھ ہو گی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کیا اس کی خبر آپ کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں مجھے اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا بالرفاء والبنین یعنی مبارک باد۔

فائدہ: کلثوم وہی بی بی ہے جس نے اپنے چچازاد قارون کو علم کیمیا سکھایا یہ الفاظ بھی مذکورہ حدیث شریف کے ہیں اور اُس وقت حضرت خدیجہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشتی انگور بھی کھلایا۔

marfat.ocm

تحقیق الرفاء والبنین

الرفاء والبنین سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہی تھا کہ آپ نے دولہن لے لی ور آنحالیکہ آپ الالتئام والاتفاق سے متلبس ہیں یہ زمانہ جہالت میں ایک دعا تھی جونہی دولہن کے حصول کے بعد دولہا کو کہی جاتی اس سے موافقت و ملاءمۃ مراد ہے یہ دراصل رفأت الثوب سے ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی ایک کپڑے کو دوسرے کپڑے سے ملاتے۔

مسئلہ: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ کلمات زمانۂ جاہلیت کے ورود نہی سے پہلے کہے تھے۔

(کذا فی انسان العیون)

فائدہ: نیز انسان العیون میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں عورتوں کو محفوظ رکھا کہ کوئی بھی ان کے ساتھ جماع نہ کر سکا چنانچہ آسیہ کے لیے مشہور یہی ہے کہ جب آسیہ کو کہا گیا کہ تیرا نکاح فرعون کے ساتھ ہونا ہے تو اُس نے کراہت کا اظہار کیا اور والد کو صاف جواب دیا لیکن مجبوراً نکاح ہو گیا اور فرعون نے اس نکاح میں بہت زیادہ مال خرچ کیا لیکن جب پہلی شب فرعون کے ہاں بھجوائی گئیں فرعون نے جماع کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے قادر نہ ہونے دیا۔ اسی طرح اس کے ساتھ بارہا ایسے ہوا بالآخر اس بات پر راضی ہوا کہ حضرت آسیہ کو صرف گاہے گاہے دیکھ لیا کرے گا اور حضرت مریم کے لیے بھی منقول ہے کہ ان کا چچازاد یوسف نجار سے نکاح ہوا لیکن وہ بی بی سے مجامعت نہ کر سکا اور بی بی نے یہ نکاح بھی اسی مجبوری سے کیا کہ بی بی صاحبہ نے مصر جانا تھا تو اکیلے جانے کے بجائے یوسف نجار سے نکاح کر کے صاحبزادے کو مصر لے گئیں اور وہاں بارہ سال بسر کر کے واپس شام کے ملک میں گئیں اور وہیں پر ناصرہ میں قیام کیا اور بی بی کلثوم اخت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کوئی ذکر نہیں ہوا۔

فائدہ: اس سے مسئلہ واضح ہو گیا کہ بی بی زلیخا کا نکاح واقعی حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوا یہ علیحدہ بات ہے کہ مخالفین یہاں بھی یہی کہہ کر ٹھکرا دیں کہ ہم روح البیان کی روایت کو نہیں مانتے[1]۔

قصیہ یہ قص اثرہ قصا وقصصا کا امر بمعنی تتبعہ ہے یعنی اس کے پیچھے لگ کر اس کی خبر گیری کر۔ چنانچہ والدہ کے کہنے پر کلثوم فرعون کے گھر آئی۔ **فبصرت بہ** تو اپنے بھائی کو دیکھا۔ **عن جنب** دُور سے یہ جنبتہ و اجنبتہ سے ہے بمعنی ذہبت عن ناحیۃ وجنبہ اسی سے الجنب ہے اور وہ اس سے اس لیے موسوم ہے کہ جنب میں بندہ نماز اور قرآن مجید کے ہاتھ لگانے

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ (تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی تصنیف "نکاح زلیخا")

marfat.com

سے دُور ہوتا ہے اسی سے ہے الجاد الجنب بمعنی بعید ہی ہمسایہ اور الجاد الجنب اس قریب کو بھی کہا جاتا ہے جو کسی کی کروٹ کے قریب ہو۔ وھم لا یشعرون اور وہ اسے نہیں سمجھتے تھے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھنے اور اُن کے حالات معلوم کرنے آئی ہے یا انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن ہے۔ وحرمنا علیہ المراضع۔ یہاں تحریم بمعنی منع ہے اس لیے کہ چھوٹے بچوں اور غیر مکلف پر تحریم کا اطلاق نہیں ہوتا اور تحریم بمعنی منع قرآن مجید میں آیا ہے کما قال۔ وحرم اللہ علیہ الجنہ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے دودھ پلانے والی عورتوں کے دودھ سے موسیٰ علیہ السلام کو روک دیا اور فرمادیا کہ آپ نے صرف ماں کا دودھ پینا ہے اس کی صورت یہ ہوئی کہ یعنی ہم نے ان کے دل میں تمام عورتوں کے پستانوں سے کراہت ونفرت پیدا کردی۔ من قبل یعنی اس کی بہن کے تفحص حال سے یا انہیں والدہ کے ہاں واپس لوٹانے سے پہلے کذا فی الجلالین یا ماں کے ہاں آنے سے پہلے کذا قال ابواللیث یا اس سے قضا سابق مراد ہے اس لیے کہ ہم نے تقدیر میں لکھ دیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ماں کے ہاں واپس لوٹایا جائے گا (کذا فی کشف الاسرار) المراضع مرضع کی جمع ہے یعنی وہ عورت جس کا یہ حال ہے کہ وہ دودھ پلائے اگرچہ اس صفت سے موصوف ہونے کے باوجود کسی کو دودھ بھی نہ پلا سکے اور المرضعہ وہ عورت جو واقعی بچے کو دودھ پلائے اور مرضع میں تاء نہیں لائی جاتی جبکہ اس سے صفت ثابتہ مراد ہو۔

حدیث شریف نمبر (۱)

بچّے کو کسی عورت کا دودھ بہتر نہیں جب تک کہ اسے صالحہ کریمۃ الاصل عورت دودھ نہ پلائے اس لیے کہ پاگل عورت کا دودھ سرایت کر جاتا ہے یا کم از کم ایک دن اس کا اثر ضرور ظاہر ہو گا۔

حدیث شریف نمبر (۲)

دودھ طبائع کو بدل دیتا ہے۔

حکایت: حضرت الشیخ ابو محمد الجوینی رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر میں تشریف لائے اور دیکھا کہ آپ کے صاحبزادے امام ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی اجنبی عورت دودھ پلا رہی ہے تو آپ نے جھٹکا دے کر اپنے صاحبزادے کو اٹھا کر اوندھا کر دیا اور منہ میں اُنگلی دبائی یہاں تک کہ صاحبزادے کے پیٹ سے دودھ خارج ہُوا اور فرمایا کہ بچے کا مرنا مجھے منظور ہے اس سے کہ اسے کوئی اجنبی عورت دودھ پلائے۔ اس لیے کہ اجنبی عورت کا دودھ بچوں کی طبیعت پر اثر ڈالتا ہے چنانچہ حضرت امام

marfat.ocm

ابو المعالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب جوان ہوئے تو مناظرہ کے درمیان میں آپ کو کبھی گھبراہٹ ہو جاتی فرماتے یہ اس دودھ کا اثر ہے۔ جو میں نے بچپن میں اجنبی عورت کا پی لیا تھا۔

فائدہ: اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ انسان میں دودھ کے اثر سے ہی بھلائی اور برائی کا اثر پیدا ہوتا ہے (کذا فی المقاصد الحسنہ) اس پر ہمارے دور کے نئی تہذیب کے دلدادگان کو غور فرمانا چاہیے کہ اپنی اولاد کو ڈبے یا جانوروں کے دودھ پلا کر اپنے بچوں کو کس گندے گڑھے میں ڈال رہے ہیں۔[1]

فقالت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کے پستان کو قبول نہیں کرتے اور دیکھا کہ بڑی جدوجہد ہیں کہ کسی طرح وہ کسی دوسری عورت کا دودھ پی لیں تو کہا **ھل ادلکم** کیا میں تمہاری رہبری کروں **علیٰ اھل بیتہ** ایسے گھرانے کی **یکفلونہ**۔ الکفالۃ بمعنی ضمانت وعیالۃ کہا جاتا ہے **کفل بہ کفالۃ فھو کفیل بہ** اس وقت بولتے ہیں کوئی کسی کو عیال داری میں شامل کر لے یعنی وہ گھرانہ موسیٰ علیہ السلام کی تربیت کرے اور تمہارے لیے انہیں دودھ پلائے اور اُن کی تربیت کرے **وھم لہ ناصحون** اُن کے معاملہ میں خلوص کریں گے اور ان کے دودھ پلانے اور ان کی پرورش میں کوتاہی نہیں کریں گے۔

حل لغات

النصح ضد الغش بمعنی فساد کے شوائب سے عمل کو صاف رکھنا۔ المفردات میں ہے کہ قول و فعل میں ایسی جدوجہد کرنا جس میں دوسرے کی بہتری ہو۔

فائدہ: مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو فرعون والوں نے کہا کہ کون ان کی پرورش کرے گا اُس نے کہا میری والدہ اُنھوں نے کہا کیا تیری ماں کے پستانوں میں دودھ ہے اُس نے کہا ہاں ہارون علیہ السلام کی وجہ سے ان کا دودھ ہے اس لیے کہ ہارون علیہ السلام اس پہلے سال پیدا ہوئے جس سال میں فرعون بچوں کو قتل نہیں کراتا تھا۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا کہ وہ ایک ایسی عورت ہے جس کا بچہ قتل کیا جا چکا ہے اور عورتوں کی عادت ہے کہ بچہ مرجائے تو انھیں خواہش ہوتی ہے کہ کوئی بچہ مل جائے جسے وہ دودھ پلائے۔

فائدہ: صاحب روح البیان نے فرمایا کہ میرے نزدیک پہلا قول صواب کے قریب تر ہے ہاں اگر قتل کو

---

[1] اضافہ از فقیر اُویسی غفرلہٗ

marfat.com

دریائے نیل میں ڈالنے کے معنی میں لیا جائے تو پھر اخت موسیٰ علیہ السلام کا جھوٹ ثابت نہیں ہوتا ورنہ انہیں جھوٹ کی طرف منسوب کرنا پڑتا ہے اور وہ ان کے لیے لائق نہیں۔

فائدہ: مروی ہے کہ جب ہامان نے سُنا تو کہا کہ اس لڑکی کو گرفتار کرلو یہاں تک کہ ان لوگوں کا نام ونشان بتائے اور یہ ظاہر کرے کہ وہ گھرانہ کس کا خیر خواہ ہے اخت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ وہ گھرانہ فرعون کا خیر خواہ ہے۔ ضمیر مبہم سے ہامان کو شک گزرا کہ کہیں وہ گھرانہ فرعون کا دشمن نہ ہو۔ جب اخت موسیٰ علیہ السلام نے وضاحت کی کہ لہٗ کی ضمیر کا مرجع فرعون ہے تو اس کی جان رہائی ہوئی اور واقعی وہ گھرانہ فرعون کا بھی خیر خواہ تھا اور اخت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد بھی یہی تھا کہ کسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پنجہ سے نکال کر لے جائے۔ ہامان نے کہا لڑکی نے سچ کہا ہے اَب فرعون نے کہا اس بی بی کو لاؤ جو اس بچہ کو دودھ پلائے اخت موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کو لائیں۔ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاتھ میں تھے اور رو رہے تھے اور فرعون انھیں بہلا رہا تھا یا موسیٰ علیہ السلام اُس وقت آسیہ کے ہاتھ میں تھے اُس نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے سپرد کیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو فوراً اُن کے پستانوں کو چمٹ گئے[1]۔

بوئے خوش تو ہر کہ ز باد صبا شنید
از یار آشنا سخن آشنا شنید

ترجمہ: تیری اچھی خوشبو جس نے بھی بادِ صبا سے سونگھی۔ یار سے سخن یار کے محسوس کیے۔

فرعون نے یہ حال دیکھ کر پوچھا تو کون ہے کہ بچے نے صرف تیرے دودھ کو قبول کیا ہے بی بی صاحبہ نے کہا کہ میں پاک خوشبو اور پاک دودھ والی ہوں یہی وجہ ہے کہ میرے دُودھ کو ہر چھوٹا قبول کرتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے سپرد کرکے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا اور کہا ہفتہ میں صرف دو دفعہ ہمیں بچہ کی زیارت کرا جایا کریں۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اپنے صاحبزادہ کو خوش خوش گھر لے آئی اور فرعون روزانہ بی بی کو ایک دینار وظیفہ بھجواتا تھا اور بی بی صاحبہ بھی مال حربی سمجھ کر لے لیتی تھیں اور یہ مزدوری نہیں تھی بلکہ ہدیہ نذرانہ تھا (کذا فی فتح الرحمٰن)

صاحب رُوح البیان نے فرمایا کہ بی بی صاحبہ کو موسیٰ علیہ السلام کا دودھ پلانا غیر ضروری ہو گیا تھا اس لیے کہ اَب وہ حکماً فرعون کے بیٹے ہو گئے اور حکمی بیٹے کی تربیت باپ کے ذمہ ہوتی ہے۔ اس معنی پر بی بی صاحبہ کو اُجرت لینا بھی جائز ہو گیا۔

---

[1] یہ بھی ہمارے دلائل میں شامل ہے کہ انبیاء علیہم السلام ازلی عالم ہوتے ہیں کیونکہ:

ع یہ اُمّی لقب ہیں پڑھائے نہیں جاتے ۔ اُویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

سوال

والدۂ موسیٰ علیہ السلام کو اُجرت لینا کیسے جائز ہو گیا حالانکہ فرعون تو مجبور محض ہو گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ نہیں قبول کرتے تھے اس معنی پر تو گویا بی بی نے جبراً مزدوری لی۔

جواب نمبر (۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل اُنہوں نے یہ مزدوری کے طور پر وظیفہ نہیں دیا تھا بلکہ بطور ہدیہ و نذرانہ دیا تھا اور بی بی صاحبہ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ جب تک یہ وظیفہ مقرر نہیں کرو گے میں دودھ نہیں پلاتی۔

جواب نمبر (۲)

نیز ممکن ہے کہ ان کی شریعت میں دودھ پلانے پر ماں کو مزدوری لینا جائز ہو اور ظاہر ہے کہ ہر شریعت کے فروعی احکام مختلف ہوتے ہیں۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام والدہ سے اتنی دیر جدا ہوئے جتنی دیر چھوٹا بچہ ماں کے بغیر گزار سکتا ہے اور وہ قول نہایت غیر معتبر ہے جس میں لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام آٹھ شب و روز ماں کے دودھ کے بغیر رہے **فرددناہ الی امہ** پس ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی اپنی والدہ کے ہاں واپس لوٹایا **کی تقر عینہا** تا کہ اپنے صاحبزادے کی واپسی سے آنکھیں ٹھنڈی کریں **ولا تحزن** اور اس کی جدائی سے غم نہ کھائے **ولتعلم ان وعد اللہ** تا کہ یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام وعدے مثلاً فرمایا تھا کہ تیرا بچہ واپس ہو گا اور اسے بعد کو رسول بنایا جائے گا۔

حق ۔ حق ہے کہ اس میں شک کو گنجائش ہی نہیں کیونکہ وہ ان کے بعض کا مشاہدہ کر چکی تھیں اور باقی کو ان پر قیاس کرے۔ **ولکن اکثرھم** لیکن ان کے اکثر یعنی فرعون والے **لا یعلمون** نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کے ہاں دودھ پینے کی مدت تک رہے بعد ازاں آپ کی والدہ نے انھیں فرعون اور آسیہ کے ہاں پہنچا دیا اور جوانی تک فرعون اور آسیہ کے ہاں پرورش پائی اور ان دونوں نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی کسر نہ چھوڑی اور انھیں بیٹے کی طرح پالا۔

انگارے کھالیے: بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے سامنے کھیل رہے تھے آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی وہی اُٹھا کر فرعون کے سر پر دے ماری۔ فرعون غضبناک ہو کر آپ

marfat.com

کے شہید کرنے کی ٹھانی۔ آسیہ نے فرمایا بادشاہ سلامت! ابھی یہ بچہ ہے اور بچوں کو یہ امتیاز کہاں کہ بادشاہوں کے آداب کیا ہوتے ہیں نہ انھیں معلوم ہوتا ہے کہ مارنا کیا ہوتا ہے وہ دوسروں کے متعلق کیا خبر رکھیں انھیں بے خیر وشر کا پتہ نہیں ہوتا اگر آزمانا ہو تو تھال میں انگارے اور سونا رکھ دیجئے پھر دیکھئے کہ یہ کسے اٹھاتا ہے چنانچہ فرعون نے تھال انگاروں اور سونے کا ملا کر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام سونے کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا۔ تو فرشتے نے آپ کا ہاتھ انگاروں میں لگا دیا۔ آپ نے انگارے اٹھا کر منہ میں ڈال لیے جب ملبن منہ کو لگی تو آسیہ نے فرعون سے کہا میں نہیں کہا تھا کہ بچے بے سمجھ ہوتے ہیں۔ فرعون یہ حال دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے سے باز آیا۔

فائدہ: وہ جو موسیٰ علیہ السلام کا لکنت کا اثر مشہور ہے وہ انھی انگاروں کی تاثیر سے تھا اس کے بعد اس کا اثر زائل ہوگیا۔ جب آپ نے دُعا مانگی **واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی** سورہ طٰہٰ میں اس کی تفصیل گزری ہے۔

حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

ہمچو موسیٰ ایں زماں در آتش ماندہ ایم
طفل فرعونیم ما کام و دہان پر اخگر است

ترجمہ: ہم اپنے زمانہ میں موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہیں ہمارا حال انھی کی طرح ہے کہ ہمارا منہ انگاروں سے پُر ہے۔

فائدہ: اس میں شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہم زمانہ لوگوں کی شکایت کی ہے اور ہر زمانہ میں ہر وہ ولی جو موسیٰ علیہ السلام کے طبع پر ہو تو اس کا امتحان لیا جاتا ہے اس لیے اس کا ہم زمانہ فرعون اس کے پیچھے لگا دیا جاتا ہے تاکہ اس کی آزمائش ہو سکے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ راحت کے لیے محنت ومشقت مقدمۃ الجیش کی حیثیت رکھتی ہے۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

ؔ یہ ہوتی ہے انبیاء علیہم السلام کی دُعا اور اس کی استجابت لیکن وہابیہ نے وہی دیکھا اور سنا سنایا جن میں سے عوام کو شکوک وشبہات پیدا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کی دعائیں رد ہو جاتی ہیں۔ (معاذ اللہ)

ؔ یہ بھی ہمارے استدلال میں شامل ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ازلی عالم ہوتے ہیں۔

ؔ یہ اُمی لقب ہیں کہ پڑھائے نہیں جاتے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰىٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ
اور جب اپنی جوانی کو پہنچا اور پورے زور پر آیا ہم نے اسے
عِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝۱۴ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلٰى
حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو اور اس شہر میں داخل ہوا جس وقت
حِينِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۡ هٰذَا مِنْ شِيعَتِهٖ
شہر والے دوپہر کے خواب میں بے خبر تھے تو اس میں دو مرد لڑتے پائے ایک موسیٰ کے گروہ سے تھا۔
وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهٖ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهٖ
اور دوسرا اس کے دشمنوں سے تو وہ جو اس کے گروہ سے تھا اس نے موسیٰ سے مدد مانگی اس پر جو اس کے دشمنوں سے
فَوَكَزَهٗ مُوسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۡ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ إِنَّهٗ عَدُوٌّ
تھا تو موسیٰ نے اس کے گھونسا مارا تو اس کا کام تمام کر دیا کہا یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا بے شک وہ دشمن ہے کھلا
مُّضِلٌّ مُّبِينٌ ۝۱۵ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهٗ ؕ إِنَّهٗ هُوَ
گمراہ کرنے والا عرض کی اے میرے رب میں نے اپنی جان پر زیادتی کی تو مجھے بخش دے تو رب نے اسے بخش دیا بیشک
الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝۱۶ قَالَ رَبِّ بِمَآ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ۝۱۷
وہی بخشنے والا مہربان ہے عرض کی اے میرے رب جیسا تو نے مجھ پر احسان کیا تو اب ہرگز میں مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا
فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْأَمْسِ
تو صبح کی اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے جبھی دیکھا کہ وہ جس نے کل ان سے مدد چاہی تھی
يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوسٰىٓ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ۝۱۸ فَلَمَّآ أَنْ أَرَادَ أَنْ يَّبْطِشَ
فریاد کر رہا ہے موسیٰ نے اس سے فرمایا بیشک تو کھلا گمراہ ہے تو جب موسیٰ نے چاہا کہ اس پر گرفت
بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوسٰىٓ أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا
کرے جو ان دونوں کا دشمن ہے وہ بولا اے موسیٰ کیا تم مجھے ویسا ہی قتل کرنا چاہتے ہو جیسا تم نے کل ایک شخص کو قتل
بِالْأَمْسِ ۖ إِنْ تُرِيدُ إِلَّآ أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ
کر دیا تم تو یہی چاہتے ہو کہ زمین میں سخت گیر بنو اور اصلاح کرنا نہیں چاہتے

marfat.com

مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿١٩﴾ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰمُوْسٰٓى
اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا آیا کہا اے موسیٰ بے شک
اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢٠﴾ فَخَرَجَ
دربار والے آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں تو نکل جایئے میں آپ کا خیر خواہ ہوں تو اس شہر
مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢١﴾
سے نکلا ڈرتا ہوا اس انتظار میں کہ اب کیا ہوتا ہے عرض کی اے میرے رب مجھے ستمگاروں سے بچالے

(بقیہ سابق :)

ہر محنتی مقدمہ راحتے بود
شد ہم زبان چوں زبان کلیم مبوحت

ترجمہ: ہر محنت و مشقت و راحت کا مقدمہ ہوتی ہے جب موسیٰ علیہ السلام کی زبان جل گئی تب حق تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے۔

سبق : ہر دکھ اور درد پر صبر ضروری ہے اس لیے کھٹا میوہ ہی میٹھا میوہ بنتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ماں کو گم پایا تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اس کی برکت سے ماں کو پالیا ایسے ہی سالک کا حال ہے کہ اس کا دل اس سے گم ہو جاتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اسے تلاش کرے اور اس کے پیچھے لگے رہے۔ ایک دن اسے پائیگا اس لیے کہ وہ باقی فانی نہیں وہی زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے جو اسے پہچانتا اور اس کے فراق میں صبر و سکون کرتا ہے تو اسے اپنے ذلیل نفس کو اس پر قربان آسان ہو جاتا ہے۔ پھر منزل مقصود تک پہنچانا ہی پہنچاتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے قبول فیض کی استعداد کی دعا کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ : ولما بلغ اور جب موسیٰ علیہ السلام پہنچے **اشده** اپنی قوت کو یہ اٹھارہ سال سے تیس سال تک کو کہا جاتا ہے۔ صیغہ واحد ہے بروزن جمع جیسا کہ سورۂ یوسف میں گزرا۔

marfat.ocm

واستوی الاستوار بمعنی شی کا فی ذاتہ معتدل ہونا یعنی جب ان کی عقل معتدل اور مکمل ہوئی یعنی چالیس سال کے ہوئے چنانچہ فرمایا و بلغ اربعین سنۃ یہ جملہ حتی بلغ اشدہ کے بعد ہے۔

سوال: یوسف علیہ السلام کے قصہ میں صرف و لما بلغ اشدہ ہے وہاں پر و استوی کی قید نہیں۔

جواب: چونکہ یوسف علیہ السلام کو بچپن میں جبکہ کنوئیں میں تھے وحی بھیجی گئی تھی اور موسیٰ علیہ السلام کے ہاں چالیس سال کے بعد وحی آئی کما قال و آتیناہ حکما اور ہم نے انہیں حکم یعنی نبوت عطا فرمائی و علما اور علم یعنی دین۔ کاشفی نے کہا کہ یہاں پر نبوت کا ذکر فرمایا حالانکہ آپ کو نبوت ہجرت کے بعد حاصل ہوئی یعنی جب مدین سے مصر کی طرف لوٹے۔ وہ اس لیے کہ ان کے ساتھ وعدہ کے صدق کا اظہار ہو یعنی ان کی والدہ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تیرے صاحبزادے کو تیرے ہاں لوٹا دیں گے اور پھر انہیں نبوت سے سرفراز فرمائیں گے۔

مسئلہ: جمہور کا مذہب ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح بعض انبیاء علیہم السلام کو چالیس سال کے بعد نبوت کے اظہار کا حکم ہوا تھا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کو چالیس سال کے بعد نبوت ملتی ہے۔

فائدہ: بعض علماء نے فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام کے لیے چالیس سال کی قید صحیح نہیں اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت چالیس سال سے پہلے ملی اس لیے کہ آپ کو پینتیس سال کی عمر میں آسمان پر اٹھایا گیا۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ سال کی عمر میں نبوت سے نوازا گیا۔ ایسے ہی یحییٰ علیہ السلام کو جب نبوت عطا ہوئی تو اس وقت آپ نابالغ تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ صرف دو یا تین سال کے تھے اور انہیں عیسیٰ علیہ السلام سے ڈیڑھ سال پہلے شہید کر دیا گیا۔

احوالِ اولیاء: یہی حال بعض دفعہ اولیاء کرام کا ہے مثلاً حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن میں ہی مکاشفات و مشاہدات ہونے لگے یعنی ابھی نابالغ ہی تھے کہ تاج ولایت سے نوازے گئے۔

فائدہ: آیت میں تنبیہ ہے کہ عطیۂ الٰہی جسے نصیب ہوتا ہے تو وقت کو نہیں دیکھا جاتا۔ کسی کو دیر سے کسی کو جلد تر۔ طالب حق کو احسانِ الٰہی کا انتظار کرنا چاہیئے اس سے ناامیدی غلط ہے کیونکہ اس کریم کا قانون ہے کہ کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتا۔ کما قال۔ و کذلک نجزی المحسنین اور اسی طرح ہم نیکی والوں کی نیکی پر جزا دیتے ہیں جیسے ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو نیکی کی جزا دی۔

فائدہ: اس میں تنبیہ ہے کہ یہ دونوں اپنے اعمال میں مخلص اور اپنی جوانی میں خدا ترس اور متقی تھے جو بھی اپنے آپ کو اہل احسان کے زمرہ میں داخل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اجر و ثواب سے

marfat.com

نواز تا ہے۔

حکایت: ایک عورت رات کو کھانا کھانے بیٹھی تو سائل نے دروازہ کھٹکھٹایا اور طعام مانگا۔ اسی نیک عورت نے اپنا کھانا اُٹھا کر سائل کو دے دیا۔ ایک دن اُس کے بچے کو بھیڑیا اُٹھا کرلے گیا اُس نے بارگاہ الٰہی میں التجا کی تو منظور ہو گئی کہ بھیڑیئے کو کسی نے وار کرکے اس کی گردن اُڑا دی اور آسانی سے اس کے بچے کو بھیڑیئے کے منہ سے نکال لیا اور نیک عورت کے ہاں پہنچا دیا عورت نے کہا کہ یہ اسی طعام کا بدلہ ہے جو میں نے اپنے منہ سے نکال کر سائل کو دے دیا۔

احسان کی اقسام

احسان کی چند اقسام ہیں:

(۱) مرتبہ طبعیہ شریعت کے ساتھ اور مرتبہ نفس طریقت اور اصلاح نفس کے ساتھ اور یہ حظ نفس کو ترک کرنے سے حاصل ہوتا ہے اس لیے کہ نفس کے حظوظ بہت بڑا حجاب ہیں اور مرتبہ روح معرفۃ کے ساتھ اور مرتبہ سر حقیقۃ کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بندے کے احسان کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ بالکل فانی فی اللہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے احسان کا معنیٰ یہ ہے کہ بندے کو باقی باللہ بنا دے لیکن یہ مرتبہ فنا کے بعد نصیب ہوتا ہے اور فنائیت بھی توفیق ایزدی و تائید ربانی سے حاصل ہوتی ہے یعنی جب تک اللہ تعالیٰ ہدایت نہ بخشے اور انوارِ توحید سے قلب منور نہ ہو ایسا مرتبہ حاصل ہونا مشکل ہے اس لیے کہ توحید سعادت کی چابی ہے۔

سبق: طالب حق پر لازم ہے کہ مقام نفس میں خوف و رجاء کے درمیان رہے تاکہ وعدہ وعید سے نفس کا تزکیہ ہو سکے اور اسے چاہیئے کہ مقام قلب میں نورِ توحید کے ساتھ باطن کو منور اور صاف رکھے تاکہ تجلیات صفات کے لیے تیار ہو سکے اور مقام رواح میں ہدایت طلب کرے تاکہ تجلی ذات کا مشاہدہ کر سکے یاس و ناامیدی میں نہ رہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پُر اُمید رہے اس لیے کہ ایک دن ضرور کامیابی ہوگی۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے بعد پُر اُمید رہی اور اسے اس کے فضل و کرم پر بڑا بھروسہ تھا اسی لیے اپنے صاحبزادے کو بھی پا لیا اور نبوت کو گود میں پالنے سے بھی شرفیاب ہوئی یعنی موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کی پرورش کے لیے منتخب ہوئیں۔

مسئلہ: نعمتِ الٰہی کے حصول کے بعد شکر بجا لانا ضروری ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ حمد و ثنا کرے اور اپنے پیرومرشد کا بھی شکر ادا کرے کہ جس نے اسے اس طرح کی تربیت

marfat.ocm

کی کہ جس سے وہ اس کا اہل ہوا کہ وہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ جیسے مرتبہ کو حاصل کر لیا اور یہ قاعدہ ہے کہ جیسی نعمت ہوتی ہے ویسے ہی ادائیگی شکر بلکہ اس کے عطیات کے مقابلہ میں ہمارا شکر اور حمد و ثنا تو کچھ بھی نہیں۔

(۱) یکے گوش کودک بمالید سخت
که اے بوالعجب رائے گشتہ بخت

(۲) ترا تیشہ دادم کہ ہیزم شکن
نگفتم کہ دیوار مسجد بکن

(۳) زباں آمد از بہر شکر و سپاس
بغیبت نگرداندش حق شناس

(۴) گزرگاہ قرآن و پندست گوش
بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

(۵) دو چشم از پئے صنع باری نکوست
زعیب برادر فرو گیرو دوست

(۶) برو شکر کن چوں بنعمت دری
کہ محرومی آید ز مستکبری

(۷) گر از حق نہ توفیق خیرے رسد
کہ از بندہ خیرے بغیرے رسد

(۸) بنجش اے پسر کادمی زادہ صید
باحسان تواں کرد و وحشی بقید

(۹) مکن بد کہ بد بینی از یار نیک
نیاید ز تخم بدی بار نیک

ترجمہ

marfat.com

(۱) کسی نے بچے کے کان کھینچ کر کہا کہ اے کمبخت (۲) میں نے تجھے تیشہ دیا کہ لکڑیاں کاٹ نہ یہ کہا کہ مسجد کی دیوار کھود (۳) زبان شکر وسپاس کے لئے ہے لے حق شناس اسے غیبت میں ملوث نہ کر (۴) کان قرآن ونصیحت کی گزرگاہ ہے اسے بہتان اور باطل کے سننے میں نہ لگا (۵) دو آنکھیں اللہ کی صنعت دیکھنے کے لئے ہیں اے بھائی دوست کی عیب جوئی سے انہیں بند کر (۶) جب نعمت حاصل ہو تو اس کا شکر کر تکبر سے محرومی آتی ہے۔ (۷) اگر اللہ توفیق خیر نہ پہنچے تو کون ہے جو دوسروں پر بھلائی کرسکے (۸) اے عزیز عطا کرنے کی عادت بنا اس لئے آدمی زادہ شکار کی طرح احسان سے مقید ہوسکتا ہے (۹) یار نیک سے کچھ تکلیف پہنچے تو اسے برائی نہ پہنچا اس لئے بُرے بیج سے اچھا پھل نہیں آتا۔

فائدہ: خیر وبھلائی کا ثمرہ خیر وبھلائی کے شجر کے مطابق نصیب ہوتا ہے جیسے حنظل کے بیج سے حنظل ہی پیدا ہوگا ایسے نہیں کہ حنظل سے گندم پیدا ہو جسے بہترین کھجور چاہیئے اسے اچھی کھجور کا بیج بونا چاہیئے۔

حکایت: ایک عورت مہمان نواز تھی اور تھی محض غریب صرف بکری اور اُس کے بچوں کی وجہ سے اس کی معاش پوری ہوتی تھی۔ ایک دن اُس کے ہاں ایک مہمان حاضر ہوا اُس وقت اُس کے پاس کھانے کی کوئی شے نہیں تھی اُس نے مہمان کی خاطر بکری ذبح کر ڈالی اس کے بعد اسے اللہ تعالیٰ نے ایک اور ایسی بابرکت بکری عطا فرمائی جس کے پستانوں سے دودھ اور شہد اُترتا تھا اُس عورت کی یہ کرامت عوام میں مشہور ہوگئی۔ چند لوگوں نے اس کا مشاہدہ کرنے سے اس بی بی سے وجہ پوچھی تو اُس نے کہا کہ میں نے مہمان کی خاطر بکری ذبح کی اللہ تعالیٰ نے اس کی جزا میں ایسی ہی بکری عطا فرمائی ہے۔

فائدہ: چونکہ اس بی بی کا دل صاف تھا اور صرف رضائے الٰہی کی طالبہ تھی اللہ تعالیٰ نے بھی اسے احسن جزا عطا فرمائی یعنی بکری کے پستانوں میں بہترین دودھ اور شہد پیدا فرما دیا اور قاعدہ ہے کہ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کا فرمانا تو اس کا ایک خاص عطیہ ہوتا ہے جسے اہل اللہ ہی جانتے ہیں۔

فائدہ: بخل وامساک یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ نہ دینا محرومی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو طلب وارادہ سے اپنے اُوپر احسان کرتے ہیں بلکہ سعادت کے حصول اور وصال الٰہی کے اشتیاق اور اس کی سیر میں سر کی بازی لگاتے ہیں۔

ودخل المدینۃ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے شاہی محل سے باہر تشریف لا کر شہر میں داخل ہوئے اور فرعون کا شاہی محل شہر کے ایک کونے پر تھا چنانچہ اس کی تفصیل وجاء رجل من اقصی المدینۃ میں آئے گی۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ شہر خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمزمان فرعون نے تعمیر کردیا تھا جس میں وہ خود رہتا تھا۔ اس کے اندر نہریں جاری ہوتی تھیں اور اس کا تخت شاہی اس میں

marfat.ocm

تھا. دریائے نیل سے بارہ میل غربی جانب تھا یعنی وہ پرانے شہر میں واقع تھا. طوفان نوح علیہ السلام کے بعد ملک مصر میں یہی پہلا شہر تعمیر ہوا۔

علی حین غفلۃ من اھلھا در آنحالیکہ وہ موسیٰ علیہ السلام شہر میں ایسے وقت میں داخل ہوئے جسے بے ہنگام داخلہ کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آپ دوپہر کے وقت داخل ہوئے یہ وقت قیلولہ کا تھا جس میں عام راستے خالی پڑے تھے۔ **فوجد فیھا رجلین یقتتلان** یہ رجلین کی صفت ہے اور الاقتتال بمعنی ایک دوسرے کے ساتھ لڑنا یعنے پایا موسیٰ علیہ السلام نے دو مردوں کو آپس میں لڑتا جھگڑتا ہوا۔ **ھذا** ۔ ان کا ایک **من شیعتہ** آپ کی جماعت کا فرد تھا۔ یہ **شایعہ** سے ہے بمعنی **تابعہ علیٰ دینہ** یعنی فلاں فلاں کے دین کے تابع ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے تابع بنو اسرائیل تھے یعنی وہ بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ سامری تھا۔ (کذا فی فتح الرحمٰن) یہ اشارہ بطور حکایت ہے ورنہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ واقعہ بیان فرمایا نہ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام موجود تھے اور نہ ہی وہ دونوں لڑنے جھگڑنے والے۔

وھذا من عدوہ اور وہ دوسرا آپ کے دشمنوں میں سے تھا۔ العدو واحد اور جمع ہر دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور یہاں پر آپ کا دینی دشمن مراد ہے یعنی قبطی قوم کا ایک فرد اس کا نام فاتون تھا۔ (کذا فی کشف الاسرار) اور یہ فرعون کا خباز (روٹی پکانے والا تھا) اور وہ اُس وقت بنی اسرائیل کو مجبور کر رہا تھا کہ لکڑیاں اٹھوا کر فرعون کے باورچی خانہ میں پہنچا دے۔

فاستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوہ تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو فریاد کی کہ وہ اُس کی مدد فرمائیں۔ اسی وجہ سے یہ مِنْ سے متعدی ہوا ہے اور **استغثت** بمعنی طلبتُ الغوث ای النصرۃ یعنی میں نے مدد چاہی اور موسیٰ علیہ السلام کے سبطی نے قبطی کے ظلم و تشدد پر مدد چاہی اور موسیٰ علیہ السلام بہت بڑی قوت اور طاقت کے مالک تھے۔ آپ نے قبطی کو فرمایا کہ اسے چھوڑ دے لیکن اُس نے موسیٰ علیہ السلام کا حکم مسترد کر دیا۔ **فوکزہ موسیٰ** ۔ الوکز ھمچون الوعد بمعنی الدفع والطعن والضرب بجمع الکف یعنی بالضم و بالکسر انگلیوں کو ہتھیلی سے ملا کر مارنا یعنی موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو مکا مارا۔ **فقضی علیہ** تو وہ مر گیا۔ اس پر آپ کو ندامت ہوئی لیکن کیا ہو سکتا تھا آپ نے اسے ریت میں دفن کر دیا **قضی** شے کے اتمام اور اسی سے خارج ہونے کو کہا جاتا ہے۔

المفردات میں ہے کہ القضاء بمعنی موت بھی آتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے **قضی نحبہ** ۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی مر جائے وہ اسی لیے کہ اس نے وہ امر جو اس کے ساتھ دنیا میں مخصوص تھا اسے اس نے

marfat.com

پورا کیا۔ **القضاء در اصل** ۔فصل الامر کہا جاتا ہے۔ **قال موسیٰ** علیہ السلام نے کہا **ھذا** ۔ یہ قتل **من عمل الشیطان** یہ اس شخص کا عمل ہے جسے شیطان نے بہکایا ہو۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ ہمارے جیسوں کا عمل شیطان کا عمل ہے (معاذاللہ)

فائدہ: اس عمل کو شیطان کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ بُرے اعمال وہی کراتا اور دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کیونکہ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام کفارہ کے قتل کے مامور نہیں تھے یا اس لیے کہ اس سے قبل فرعون کی قوم میں موسیٰ علیہ السلام کو ظاہری امن حاصل تھا اور نہ ہی آپ کو ان سے کوئی خطرہ تھا۔

ازالہ وہم: اس سے موسیٰ علیہ السلام کی عصمت پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ یہ فعل موسیٰ علیہ السلام سے بلا ارادہ صادر ہوا۔ باقی رہا آپ نے اسے عمل شیطان کہنا اور اپنے آپ کو ظالم گردانا پھر اس سے استغفار کرنا یہ مقربین کی عادات سے ہے کہ اُن سے معمولی سی بات ظاہر ہو تو بھی اسے بہت بڑا امر تصور کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ عام لوگوں کے لیے نہایت سے نہایت صغیرہ گناہ ہو علاوہ ازیں یہ قتل خطأً تھا اور وہ بھی قبل از اظہارِ نبوت **انہ** بے شک شیطان **عدو** ابن آدم کا دشمن ہے۔ **مضل مبین** ۔گمراہ کرنے والا۔ ظاہری دشمنی والا ہے۔ **قال** ۔ دو کلاموں کے درمیان **قال** لانے میں اشارہ ہے کہ یہ دو کلاموں میں آپس میں مخالف نہیں یعنی دوسرا کلام دعاء و مناجات ہے۔ اور پہلا کلام ایسا نہیں۔ **رب** ۔ اے میرے پروردگار ۔ **انی ظلمت نفسی** بغیر امر الٰہی کے قبطی کو قتل کر کے بیشک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔ **فاغفرلی** پس مجھے بخش دے۔ **فغفرلہ** تو اس کے رب نے اس کی استغفار سے اسے بخش دیا۔ **انہ ھو الغفور الرحیم** ۔بیشک میں وہی غفور رحیم ہوں۔ یعنی اپنے بندوں کے گناہوں کو بخشنے والا اور ان پر بہت بڑی رحمت کرنے والا۔ **قال رب بما انعمت علیّ** یا یہ قسم ہے اور اس کا جواب محذوف ہے۔ اے پروردگار میں تجھے تیرے اس انعام کی قسم دیتا ہوں جو تو نے میرے اُوپر کی اور میرے ذنوب کی مغفرت فرمائی۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں **فلن اکون** پس میں اس کے بعد ہمیشہ ہمیشہ ہرگز ہرگز نہیں ہوں گا۔ **ظھیر اللمجرمین** مجرموں کا معین و مددگار۔ یہ ظاہرتہ بمعنی تقویت ظہرہ بکونی معہ ۔میں نے اس کی پشت پناہی کی جبکہ میں نے اسے اپنی حامی بھری۔ یا یہ استعطاف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تجھے اس احسان کی قسم جو تو نے میرے اُوپر فرمایا مجھے بچائیے تاکہ میں اس کی مدد نہ کروں کہ جس اعانت سے وہ شخص جرم کا ارتکاب کرے۔

ولی اللہ کا احترام: حضرت ابن عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اللہ کی نعمتوں کا عارف وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ ولی کامل کی مخالفت پر توفیق نہیں دیتا اور منعم کا عارف وہ ہے جو کسی وقت

marfat.ocm

بھی اس کے احکام کی مخالفت نہیں کرتا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا جو نعمت کے حصول پر شکرِ الٰہی نہیں بجا لاتا وہ کسی وقت مجرم کے جرم پر اعانت میں مبتلا ہوتا ہے اس کا بیان آئے گا۔

فائدہ: صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں پر مجرم سے وہ شخص مراد ہے جو کسی مذموم فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ بنی اسرائیلی کافر ہو جیسا کہ لفظ **من شیعتہ** سے معلوم ہوتا ہے۔

ھو عدو لھما اس لیے فرمایا کہ بنی اسرائیلی موسیٰ علیہ السلام سے پہلے یعقوب علیہ السلام کے دین پر تھے اسی لیے فرعون نے انھیں عبودیت و دیگر اُمورِ شاقہ میں مبتلا کر رکھا تھا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا **ظھیرا للمجرمین** کا کافرین معنیٰ بتانا اس لیے کہ مومن کو فاسق کو تغلیظاً و تشدیداً ایسے ہی کہہ دیا جاتا ہے۔

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام کی دعا **رب بما انعمت علی الخ** سے معلوم ہوا کہ جب لوگوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے اور وہ دین میں مختلف فرقے ہو جائیں یا شاہی میں جھگڑے اُٹھ جائیں تو ایسی دُعا کرنا مستحب ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت علی و حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلاف کے وقت بھی اس طرح دُعا کرتے تھے۔ (کذا فی کشف الاسرار)

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ مجرم وہ نہیں جو کفار (صفاتِ نفس) کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور اُن کی ہوا و ہوس میں مٹاتے ہیں لیکن شریعت کی مخالفت میں اور اتباعِ محمدی سے دُور ہو کر جیسے فلاسفہ و براہمہ اور راہبین وغیرہ ایسے لوگوں کا ایسا جہاد بھی عمل شیطان میں داخل ہے۔

تفسیر عالمانہ: **فاصبح** موسیٰ علیہ السلام صبح کے وقت داخل ہوئے **فی المدینۃ** شہر میں اس میں اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا شہر میں داخل ہونا اور قبطی کو مارنا دو عشاؤں کے درمیان واقع ہوا۔ جب لوگ اپنے کھانے پینے وغیرہ میں مشغول تھے۔ ایسے ہی بعض علماء نے فرمایا یترقب قبطی کے بدلہ کا انتظار کرتے تھے اور سوچتے تھے کہ ان کے حق میں قبطی کے قتل پر کیا کہا جا رہا ہے اور اس کے قاتل کے بارے میں تفتیش ہوتی ہے یا نہ۔

الترقب بمعنی اس امر کا انتظار کرنا جو طبیعت کو ناپسند ہو۔ المفردات میں ہے کہ ترقب بمعنی احترز راقبا ای حافظ۔ یہ یا مراعاۃ رقبۃ المحفوظ سے ہے یا **رفعۃ رقبۃ** سے **فاذا**۔ اذا مفاجاتیہ ہے بمعنی اچانک **الذی استنصرہ بالامس** پس اچانک وہی اسرائیلی جس نے کل قبطی مقتول کے جھگڑے پر موسیٰ علیہ السلام سے مدد چاہی آج بھی اُسی نے مدد چاہی۔

یستصرخہ۔ **الاستصراخ** بمعنی فریاد کو پہنچنا اور فریاد چاہنا۔ یعنی وہ موسیٰ علیہ السلام سے دھاڑیں مار کر مدد چاہتا تھا **الصراخ** سے ہے بمعنی دھاڑ مارنا۔ (کذا فی القاموس) یعنی وہ شخص ایک دوسرے

marfat.com

قبطی کے لیے دھاڑیں مار کر موسیٰ علیہ السلام سے مدد چاہتا تھا۔ **قال لہ موسیٰ** اس فریاد چاہنے والے (جو فرعونی کے جھگڑے پر فریاد چاہتا تھا) کو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **انک لغوی** بیشک تو گمراہ مرد ہے غوی بروزن فعیل بمعنی غادی) **مبین۔ بین الغوایۃ والضلالۃ** یعنی کھلی گمراہی اور ضلالۃ والا اس لیے کہ کل بھی تو ہی قبطی کے قتل کا سبب بنا تھا اور آج بھی تو دوسرے کے خلاف مدد چاہتا ہے یعنی کل بھی میں نے تیری وجہ سے قبطی کو قتل کر دیا تھا آج تو یہی چاہتا ہے کہ میں دوسرے کو قتل کر دوں۔ **فلما ان اراد** جب موسیٰ علیہ السلام نے چاہا **ان یبطش۔** البطش بمعنی شے کو مضبوط پکڑنا **بالذی ھو عدو لھما** یہ کہ پکڑیں موسیٰ علیہ السلام اس قبطی کو جو موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا دشمن تھا وہ اس لیے کہ وہ ان کے دین پر نہ تھا کیونکہ قبطی علی الاطلاق بنی اسرائیل کا دشمن تھے۔ **قال۔** بنی اسرائیلی نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام قبطی کو پکڑنا چاہتے ہیں اور جانتا تھا کہ ان کی گرفت سخت ہے کہ پکڑنے سے اس کا کام تمام کر دیں گے اور ان کے انک لغوی مبین اور آپ کے غصہ اور غضب سے سمجھ کر کہا۔ یا اس کا قائل وہی قبطی ہے اور اس نے بھی اس لیے کہا کہ مشہور ہو گیا تھا کہ جس نے کل قبطی کو مارا اور وہ یہی تھا اسی لیے کہا **یاموسیٰ اترید ان تقتلنی کما قتلت نفسا بالامس** اے موسیٰ علیہ السلام کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جیسے تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ **ان ترید** تم نہیں ارادہ کرتے **الا ان تکون جبارًا فی الارض** مگر یہ کہ تم دنیا میں جابر و غالب مشہور ہو جاؤ اس لیے کہ جو بھی ایسے بے تحاشا قتل و غارت کرے اور انجام پر نگاہ نہ رکھے تو وہ ایسے ہی مشہور ہو جاتا ہے۔ **وما ترید ان تکون من المصلحین** اور تم ارادہ نہیں رکھتے کہ تم قولاً و فعلاً لوگوں میں اصلاح کنندہ ہو جاؤ اور لوگوں کے جھگڑے مٹاؤ۔

ربط: ان کی اس گفتگو سے قبطی کے قتل کا راز کھل گیا اور فرعون تک بات پہنچ گئی اور اس کے ارکان دولت کو بھی معلوم ہوا کہ کل جو قبطی قتل کیا گیا ہے اس کا قاتل موسیٰ علیہ السلام ہے حالانکہ اس سے قبل سوائے اس اسرائیلی اور موسیٰ علیہ السلام کے اور کسی کو معلوم نہ تھا۔ اس کے بعد فرعون کے ارکانِ دولت نے ارادہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس کے بدلہ میں شہید کریں۔ آل فرعون سے ایک شخص مومن تھا بعض نے کہا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد (تھا) نے موسیٰ علیہ السلام کو خبر دینا چاہی **کما قال تعالیٰ وجاء رجل** اور آیا ایک مرد یعنی خربیل **من اقصی المدینۃ** شہر کے کنارے سے یعنی شہر کے آخری حصے سے یعنی شہر سے دور کی جگہ سے جہاں فرعون کا شاہی محل تھا۔ وہ شخص آیا۔ **اقصی۔** قصوت عنہ سے ہے اور **اقصیت** بمعنی اَبْعَدْتُ اور الاقصی بمعنی **البعید** یعنی وہ شخص آیا **قال یموسیٰ ان الملا** کہا اے موسیٰ علیہ السلام بیشک فرعون کے ارکان دولت۔ **یأتمرون بک۔** آپ کے سبب سے مشورہ کر رہے ہیں اور مشورہ کو ائتماد سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے

marfat.ocm

کہ وہ ہر ایک دوسرے کو حکم کرتا اور دوسرا اُس کو بجالانے کی حامی بھرتا تھا **یقتلوك** تاکہ آپ کو شہید کر دیں۔ **فاخرج** اسی لیے آپ شہر سے نکل جایئے۔ **انی لك من النٰصحین** بیشک میں آپ کے معاملہ یعنی شہر سے نکلنے کے مشورہ دینے میں خیر خواہ ہوں یعنی آپ کا مہربان اور بہی خواہ ہوں۔ یہ لام بیانیہ ہے یعنی یہ نصیحت آپ کو ہی بیان کرتا ہوں اور یہ لام ناصحین کے متعلق نہیں اس لیے کہ صلہ کا معمول موصول سے مقدم نہیں ہوا کرتا اور لک من الناصحین سے مقدم ہے **فخرج منها** پس اُسی وقت بغیر زادِ راہ اور بغیر ساتھی کے موسیٰ علیہ السلام شہر سے نکل پڑے۔ **خائفا** در آنحالیکہ اپنے لیے ڈرنے والے تھے **یترقب** گرفتار کرنے والوں کا۔ انتظار اور خیال کرتے ہیں کہ وہ مجھے اس راستہ میں ہی گرفتار کر لیں گے ——— یعنی آپ کا پیچھا کریں گے **قال رب نجنی من القوم الظٰلمین** کہا اے پروردگار مجھے ظالم قوم سے نجات دے اور مجھے ان سے خلاصی عطا فرما اور ان کے پیچھے کرنے سے مجھے محفوظ فرما۔ یعنی اے پروردگار مجھے نجات دے اور ظالمین یعنی فرعون اور اس کے ارکان دولت کے ظلم سے بچا اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ نے ظالموں سے نجات پائی۔

فائدہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے متعلق ارادہ فرماتا ہے کہ اسے **من دون اللہ** سے نجات دے کر صرف اپنا بنانا چاہے تو اس سے کوئی فعل مکروہ سرزد ہوتا ہے تاکہ وہ صرف اسی کا ہو جائے جب بندہ امتحان کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو جمال رحمٰن کو پاتا ہے اس سے اسے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اس سے فعل مکروہ کا صدور ہوا تھا وہ اسی وصول الٰہی کا سبب تھا۔

مثنوی شریف میں ہے:۔

(۱) یک جوانے بر زنے مجنوں بدست
روز و شب بے خواب و بے خور آمد است

بے دل و شوریدہ و مجنوں و مست
(۲) می ندادش روزگار وصل دست

(۳) پس شکنجہ کرد عشقش بر زمین
خود چرا دارد ز اوّل عشق کین

عشق اوّل چرا خونی بود
(۴) تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

marfat.com

چوں فرستادے رسولے پیش زن

(۵) آں رسول از رشک گردے راہزن

ور صبا را پیک کردے در وفا

(۶) از غبارے تیرہ گشتی آں صبا

(۷) راہ ہائے چارہ را غیرت ببست

لشکر اندیشہ را رایت شکست

خوش ہائے فکرتش بے گاہ شد

(۸) شب رواں را رہنما چوں ماہ شد

(۹) جست از بیم عسس و شب بباغ

یار خود را یافت چوں شمع و چراغ

بود اندر باغ آں صاحب جمال

(۱۰) کز غمش ایں در عنا بد ہشت سال

(۱۱) سایۂ او را بتوں امکان دید

ہمچو عنقا وصف او را می شنید

جز یکے لقیہ کہ اوّل از قضا

(۱۲) بر وے افتاد و شد، او را دل ربا

(۱۳) چوں در آمد خوش در آں باغ آں جوان

خود فروشد یا بگنجش در ناگہاں

مر عسس ز ساختہ یزداں سبب

(۱۴) تا ز بیم او دود در باغ شب

(۱۵) گفت سازندہ سبب را آں نفس

اے خدا تو رحمتی کن بر عسس

بہر ایں کردی سبب ایں کار را

(۱۶) تا ندارم خار من یک خار را

marfat.ocm

(۱۷) پس بد مطلق نباشد در جہان
بد بہ نسبت باشد ایں را ہم بداں

(۱۸) زہر ماراں مار را باشد حیات
نسبتش با آدمی باشد ممات

(۱۹) خلق آبی را بود دریا چوں باغ
خلق خاکی را بود آں مرگ و داغ

(۲۰) ہر چہ مکروہ ہست چوں شد او دلیل
سوئے محبوبت حبیب است و خلیل

(۲۱) در حقیقت ہر عدو داروئے تست
کیمیائے نافع و دلجوئے تست

(۲۲) کہ ازو اندر گریزی در خلا!
استعانت جوئے از لطف خدا

(۲۳) در حقیقت دوستانت دشمن اند
کہ ز حضرت دور و مشغولت کنند

ترجمہ

(۱) ایک نوجوان کسی عورت پر عاشق ہوگیا۔ رات دن نیند اور کھانے کے بغیر گزارنے لگا۔

(۲) بے ہوشی اور پریشان اور مجنون اور مست رہنے لگا لیکن زمانہ اسے وصال کا موقعہ نہ دیتا تھا۔

(۳) اے عشق نے زمین پر شکنجہ کھینچا اول سے ہی عشق کا یہی طریقہ ہے۔

(۴) عشق اول سے ہی خونی ہے وہ اسی سے گریز کرتا ہے جو اس سے باہر ہے۔

(۵) جب عورت کے پاس قاصد بھیجتا تھا الٹا وہی قاصد اس کا رہزن بن جاتا

(۶) اگر وفا کے لئے صبا کو پیام بھیجتا تو وہ صبا غبار بن کر اس کے لئے اندھیر کر دیتی۔

(۷) غیرت نے اس کے تمام راہ بند کر دیئے۔ اندیشہ کے لشکر نے اس کے جھنڈے توڑ دیئے۔

(۸) اس کے اچھے فکر بے گاہ ہو گئے رات کو جانے والے رہنما چاند کی طرح ہو گئے۔

(۹) کوتوال کے خطرہ سے رات کے وقت باغ میں چلا گیا۔ شمع و چراغ کی طرح معشوق کو باغ میں پایا۔

marfat.com

(۱۰) وہ صاحب جمال باغ میں ہی تھا جس کے غم سے وہ آٹھ سال مغموم رہا۔

(۱۱) اس کا سایہ امکان سے باہر دیکھا۔ عنقا کی طرح اسکی تعریف سنتا تھا۔

(۱۲) سوائے اسی پہلے دیدار کے کہ قدرتی ہوا اس پہ پہلی نگاہ پڑی۔

(۱۳) جب وہ نوجوان اس باغ میں خوشی سے آیا تو اچانک وہاں خزانہ پالیا۔

(۱۴) کہ قوال کو ہی اللہ نے اس کے وصال کا سبب بنا دیا تاکہ رات کو اس کے خوف سے باغ میں چلا جائے۔

(۱۵) اس وقت دعا کی کہ اے اللہ تو نے ہی کوتوال کو وصال کا سبب بنا دیا تاکہ رات کو

(۱۶) اسی لئے تو نے اس کو سبب بنایا تاکہ میرے اندر یہ کانٹا (فراق کا) چبھتا نہ رہے۔

(۱۷) مطلق برا کوئی نہیں جہاں میں، اگر کوئی برا ہے تو بہ نسبت دوسرے بزرگوں کے کم یاب ہیں۔

(۱۸) سانپوں کا زہر سانپ کے لئے تریاق ہے جو انسان کے لئے موت ہے۔

(۱۹) آبی مخلوق کے لئے دریا کا پانی باغ کی طرح ہے لیکن خاکی مخلوق کے لئے مرگ و داغ ہے۔

(۲۰) جو محبوب کی طرف لے جائے وہ بھی محبوب اور دوست ہے۔

(۲۱) درحقیقت ہر دشمن تیرا دوا ہے۔ وہ نافع کیمیا اور تیرا دلجو ہے۔

(۲۲) خلاء میں جس سے تو بھاگتا ہے اللہ سے استعانت چاہتا ہے۔

(۲۳) درحقیقت تیرے دوست دشمن ہے جو تجھے بارگاہِ الٰہی سے دور اور مشغول کرتے ہیں۔

سبق: جب عاشق الٰہی امتحان حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ خوف زدہ ہوتا ہے اور ڈرتا ہے تو اسے کوئی گمراہ گمراہی میں نہ ڈال دے کہ وہ وصولی الٰہی سے محروم نہ ہو جائے وہ اسی طرح خوف زدہ رہ جاتا ہے جب تک کہ وہ راہِ سلوک طے کرتا ہے ہم اللہ تعالیٰ سے وصول حق کا سوال کرتے ہیں اس لیے کہ اسی سے ہر مقصد کا سوال کیا جاتا ہے۔

xxxxxxxxxxxxxxxx

marfat.ocm

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿٢٢﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ

اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوا کہا قریب ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ بتائے اور جب مدین کے

مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۬ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ

پانی پر آیا وہاں لوگوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان سے اس طرف دو عورتیں دیکھیں کہ اپنے

تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۗ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۫ سکتہ وَاَبُوْنَا

جانوروں کو روک رہی ہیں موسیٰ نے فرمایا تم دونوں کا کیا حال ہے وہ بولیں ہم پانی نہیں پلاتے جب تک سب چرواہے پلا کر پھیر نہ لے جائیں

شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿٢٣﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ

اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں تو موسیٰ نے ان دونوں کے جانوروں کو پانی پلا دیا پھر سایہ کی طرف پھر اعرض کی اے میرے رب

اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿٢٤﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ

میں اس کھانے کا جو تو میرے لیے اتارے محتاج ہوں تو ان دونوں میں سے ایک اس کے پاس آئی شرم سے چلتی ہوئی بولی میرا باپ

اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ

تمہیں بلاتا ہے کہ تمہیں مزدوری دے اس کی جو تم نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے جب موسیٰ اس کے پاس آیا اور اسے باتیں کہہ

قَالَ لَا تَخَفْ ۪ قف نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ

سنائیں اس نے کہا ڈریے نہیں آپ بچ گئے ظالموں سے ان میں کی ایک بولی اے میرے باپ ان کو نوکر رکھ لو

اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿٢٦﴾ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ

بے شک بہتر نوکر وہ جو طاقتور امانت دار ہو کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں بیٹیوں

اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓي اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ

میں سے ایک تمہیں بیاہ دوں اس مہر پر کہ تم آٹھ برس میری ملازمت کرو پھر اگر پورے دس برس کر لو تو تمہاری

عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ

طرف سے ہے اور میں تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا قریب ہے ان شاء اللہ تم مجھے نیکوں میں پاؤ گے

الصّٰلِحِيْنَ ﴿٢٧﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ

موسیٰ نے کہا یہ میرے اور آپ کے درمیان اقرار ہو چکا میں ان دونوں میں جو میعاد پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی مطالبہ نہیں

عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿٢٨﴾ ع

اور ہمارے اس کہے پر اللہ کا ذمہ ہے

marfat.com

تفسیر عالمانہ: ولما توجہ تلقاء مدین ۔ التوجہ بمعنی بھلائی کی طرف منہ کرنا اور تلقاء بروزن تفعال لقیت سے اور مصدر ہے اس میں وسعت رکھی گئی ہے۔ اس اعتبار سے اسے ظرف میں استعمال کیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے جلس تلقائہ بمعنی حذائہ ومقابلتہ اور مدین شعیب علیہ السلام کے شہر کا نام ہے اور بحر القلزم کے کنارے پر واقع ہے اس شہر کا نام ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے کے نام پر ہے آپ کی اہلیہ قنطورا سے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی رہائش گاہ اسی شہر میں رکھی ہوئی تھی اس لیے ان کے نام سے وہ شہر مشہور ہوا اور وہ شہر فرعون کی حکومت میں شامل نہیں تھا مصر اور اس کے درمیان آٹھ دن کا فاصلہ تھا یعنی ایسا فاصلہ تھا جیسے کوفہ وبصرہ کے درمیان ہے متوجہ ہوئے قال اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اور اس پر حسن ظن کر کے اپنے دل میں کہا اگرچہ راستہ نہیں جانتے عسیٰ ربی شاید میرا رب تعالیٰ ان یھدینی میری رہبری فرمائے۔ سواء السبیل سیدھے راستے کی السبیل شارع عام کو کہا جاتا ہے یعنی وہ راستہ جس پر ہر ایک چل سکے یعنی شہر سے باہر جاتے وقت آپ کو تین راستے نظر آئے آپ نے ان میں درمیانے کو اختیار فرمایا آپ کی تلاش کرنے والے آپ کے پیچھے آئے تو درمیانی راستہ کو تلاش نہ کیا اس خیال پر کہ بھاگنے والا سیدھا راستہ نہیں چلتا کہ کہیں پکڑا نہ جاؤں بلکہ ادھر ادھر کے معمولی اختیار کرتا اسی لیے انہی دونوں راستوں میں تلاش کرتے رہے اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کو نہ پا سکے اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام آٹھ دن بلا زاد چلتے رہے کھانا نہ کھایا ایسے ہی پیدل چلتے رہے درختوں کے پتوں پر گزارہ کرتے رہے یہاں تک کہ مدین میں پہنچ گئے۔

سلمی نے فرمایا کہ اگرچہ موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف جا رہے تھے لیکن آپ کا دل حضرت ذو المدین یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھا۔ مدین کے راستہ کو غم وشوق لقائے حق سے طے کرتے رہے۔

غمت تا یار من شد روئے دراہ عدم کردم
خوش است آوارگی آزا کہ ہمراہی حسین باشد

ترجمہ: محبوب کا غم میرا ساتھی ہوا تو میں نے عدم کا راہ اختیار کیا ایسے آوارگی نہایت مبارک ہے کہ جس کا ایسا ساتھی ہو۔

تفسیر صوفیانہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہاں پر مدین سے عالم ازل وابد مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے حقیقۃ کی خوشبو شہر مدین سے پائی اس لیے کہ وہاں پر شعیب علیہ السلام مقیم تھے اس لیے موسیٰ علیہ السلام اس طرح مشاہدہ ولقائے یار کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ ایسے ہے جیسے حضور

marfat.ocm

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا انی لاجد نفس الرحمٰن من قبل الیمن بے شک میں رحمٰن کی خوشبو یمن سے پاتا ہوں۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے قلبِ اطہر کے باغ سے نسیم حق کی خوشبو کی خبر دی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اولیاء کرام کے قدسی نفوس میں نفحات رحمانی اور ان کے دیدار پُر انوار سے برکات جاودانی نصیب ہوتے ہیں۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام کو تاج نبوت سے نوازیں تو انھیں ایک نبی علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا لیکن اس سے قبل انھیں تکالیف و مصائب کا نشانہ بنایا تاکہ اس طرح سے وہ پختہ اور مضبوط ہو جائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں فرمایا وفتناك فتونا اور ہم نے آپ کو پورے طور پر آزمایا یعنی ہم نے آپ کو ابتلاؤ آزمائش کی بھٹی میں ڈالا تاکہ آپ انوار و تجلیات کے حصول کے لیے صاف و شفاف ہو جائیں۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل کر بارگاہ میں گریہ وزاری کی اللہ تعالیٰ نے ان کی گریہ وزاری کو دیکھ کر ان کی دُعا مستجاب فرمائی کہ دشمن کے خطرے سے بے خوف ہو کر قلب کو سکون و اطمینان بخشا اور فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اب گھبراتے کیوں ہو وہ وقت یاد نہیں جبکہ آپ دشمن کے گھر میں پرورش پا رہے تھے اور پھر اسی کی گود میں بیٹھ کر اس کے چہرہ پر تھپڑ مار دیتے تھے تب بھی اُس نے آپ کا کچھ نہیں بگاڑا اُس وقت بھی ہم نے آپ کی حفاظت کی اب تو آپ جوان ہیں اور دشمن کے شہر سے دور ہیں تو پھر ڈر کاہے کا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہی مدین جانے کا ارادہ فرمایا وہ از خود نہیں گئے وہ اس لیے کہ وہاں اس کا ایک پیغمبر علیہ السلام موجود تھا اس نے چاہا کہ وہ ان کی خدمت میں پہنچ کر ان کے برکات قدسی صفات سے آراستہ و پیراستہ ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام پر تمام بلاسے مسدود ہو گئے سوائے مدین کے۔ ان کا وہ حال تھا جو خلیل علیہ السلام کا تھا کہ اُنھوں نے بھی اپنے سے تمام راستے مسدود دیکھے تو کہا انی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوٰت والارض۔ اس سے معلوم ہوا کہ جواں مرد وہ نہیں جو سواری پر سوار ہو کر کھلی سڑک کا سفر کر کے مقصد کو حاصل کرے بلکہ مرد وہ ہے جو اندھیری رات میں رہبر کے بغیر یار کی گلی تک پہنچ جائے۔ چنانچہ یہی حال اکثر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا رہا۔

حضرت حافظ نے فرمایا ؎

شب تاریک و گردابے چنیں ہائل
کجا دانند حال ما سبکبار ان ساحلہا

ترجمہ: اندھیری رات اور گرداب بھی سخت ہے اور پھر میرے جیسے کیسے ساحل تک پہنچ سکتے ہیں۔

marfat.com

شرح شعر حافظ قدس سرہٗ از صاحب روح البیان

شبِ تاریک سے جلال الذات مُراد ہے کہ رات سے عالم ذات جلالۃ الغالب کی ظلمت کی طرف اشارہ ہے اور بیم موج سے صفات قہر و جلال کا خوف مراد ہے۔ گرد ابے چنیں ہائل سے امتحانات مراد ہیں جو ہلاک و تباہ کرنے میں دریا کی موج کی طرح ہیں۔ اس معنیٰ پر یہ مصرعہ مبتدی سالک کے لیے ہے یا ارباب احوال کے متوسط درجہ کے خطرات مراد ہیں اس لیے کہ یہ حضرات عشق کے دریا میں جب قدم رکھتے ہیں تو ان کو بہت بڑی خطرناک بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ساحل پر جب تک نہیں پہنچتے وہ ایسی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا رہتے ہیں اور "سبکساران ساحلہا" سے وہ لوگ مراد ہیں جو امانت کبریٰ کو نہیں اُٹھا سکتے اور امانت کبریٰ سے عشق مراد ہے۔ جب وہ بار امانت نہیں اُٹھاتے تو بشریت کے جنگل میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ ان سے عام عبادت گزار اور خشک زاہد مراد ہیں در اصل یہ بشریت و حجاب میں گرفتار لوگ ہیں انھیں عُشّاق (اولیاء) اور ان کے درجات و کمالات اور مشاہدات و کمالات کی خبر نہیں (جیسے وہابی اور اُس کے جملہ ہم نوا فرقے مودودی وغیرہ کا حال ہے اسی لیے ان کی طعن و تشنیع کا سلسلہ اکابر اولیاء پر جاری رہتا ہے) اس لیے کہ ظاہر و باطن میں بہت بڑا فرق ہے۔ یوں سمجھئے کہ ظاہر مکان کا دروازہ ہے اور علوم باطن و اسرار مخفیہ بمنزلۂ گھر کے اندر کے حصے ہیں یا یوں کہو کہ جیسے مبتدی اور منزل مقصود تک پہنچنے والے کے درمیان فرق ہے ایسے ہی ظاہر بین اور باطن کے واقف و عارف کا فرق ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عشق اور اس کے جملہ حالات اور الفاظ و مقامات سے گزر کر حقائق و معانی تک پہنچنے کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: **ولما ورد** ۔ الورود بمعنی اتیان الماء اس کی ضد اور نقیض صدور ہے یعنی کسی شے کی طرف رجوع کرنا۔

المفردات میں ہے الورود بمعنی پانی کا ارادہ کرنا پھر اس کا غیر پانی میں بھی استعمال ہونے لگا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ جب موسیٰ علیہ السلام پہنچے یعنی تشریف لائے۔ **ماء مدین** ۔ مدین کے کنوئیں پر اور یہ کنواں مدین کے کنارے پر شہر سے تین میل دُور تھا یا اس سے کچھ کم اس سے شہر کے لوگ خود بھی پانی کے کنارے پر جانوروں کو بھی پلاتے تھے۔

عجوبہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب اس کنوئیں تک پہنچے تو سبز پتے کھانے کی وجہ سے آپ کے پیٹ مبارک سے سبز پتوں کے آثار محسوس ہوتے تھے **وجد علیہ** آپ نے پایا کنوئیں کے کنارہ یعنی کنوئیں کے پانی نکالنے کے اُوپر والے حصے پر **اُمۃ من الناس** لوگوں کا ایک بہت بڑا گروہ **یسقون** پلاتے تھے اپنے جانوروں کو۔ **ووجد منھم** اور پایا اُن کے ہاں دوسری جگہ میں۔ **امرأتین** دو عورتیں بی بی صفوریا اور بی بی لیا وہ دونوں بشرون یعنی شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیاں تھیں۔

marfat.ocm

(کذا فی کتاب التعریف للسہیلی)

تذودان - الذود بمعنی روکنا اور ہٹانا. دفع کرنا یعنی وہ دونوں اپنی بکریوں کو کنوئیں پر جانے سے روکتی تھیں.

ربط : کاشفی نے لکھا کہ چونکہ انبیاء علیہم السلام ذاتی طور پر شفیق ہوتے ہیں اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے آگے بڑھ کر شفقت کرتے ہوئے فرمایا ماخطبکما الخطب بمعنی وہ امر عظیم جس میں تخاطب بکثرت ہو یعنی موسیٰ علیہ السلام نے بچیوں سے فرمایا تمہارا کیا معاملہ ہے کہ تم اپنی بکریوں کو آگے نہیں بڑھنے دیتیں دوسروں کی طرح اپنی بکریوں کو پانی کے لیے کیوں نہیں چھوڑتیں.

سوال : حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجنبی عورتوں سے کیوں گفتگو کی حالانکہ اجنبی عورت سے گفتگو کی عام آدمی کو بھی اجازت نہیں اور وہ تو نبی علیہ السلام تھے.

جواب : انہیں چونکہ اپنی عصمت پر پورا بھروسہ تھا اور عام آدمیوں کی طرح فتنہ میں پڑنے سے اپنے آپ کو معصوم سمجھتے تھے اسی لیے گفتگو کر لی.

نکتہ اور ردّ وہابیہ

یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام کسی عورت سے گواہوں کے بغیر نکاح کر لیں تو اُن کے لیے جائز ہے کیونکہ گواہ اس لیے ہوتے ہیں کہ ناکح کے نکاح سے انکار کا خطرہ ہوتا ہے اور ان سے انکار ناممکن. یا گواہ اس لیے ہوتے ہیں کہ دوسرے لوگ زن و شوہر کے نکاح سے انکار نہ کریں. اور اُمت کے ہر افراد اپنے نبی علیہ السلام سے بدگمانی نہیں کر سکتے اور نہ ہی اُن کے کسی فعل پہ انکار کر سکتے ہیں (اس سے انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت کا پتہ چلا لیکن وہابیہ تو اپنے ہر فعل و عمل کو انبیاء علیہم السلام جیسا کہہ کر ان کو ہر بات میں اپنی مثل بنانے کی کوشش کرتے ہیں).

قالتا لا نسقی حتی یصدر الرعاء الاصدار بمعنی باز رکھنا الرعاء بالکسر راع کی جمع ہے جیسے قیام قائم کی جمع ہے. الرعی اصل میں جانور کی نگرانی کو کہا جاتا ہے. اس کی ایسی غذا حاصل کر کے جو اس کی زندگی کی محافظ ہو یا اس کے دشمن کو اسے دور رکھ کر اور الرعی بالکسر وہ شے جو غذا بن سکے چارہ وغیرہ اور المرعی بمعنی چراگاہ. اسی طرح ہر وہ شخص جو اپنی یا کسی دوسرے کی نگرانی کرے. اسے بھی راعی کہا جاتا ہے.

حدیث شریف میں ہے "تم سب کے سب اپنی رعایا کے بارے میں سوال کیے جاؤ گے."

marfat.com

بعض نے کہا ہے کہ الدعاء وہ لوگ جو جانوروں کو چرائیں یعنی چرواہے اور الدعاۃ وہ جو لوگوں کی نگرانی کریں یعنی حکام وغیرہ۔

اَب آیت کا معنی یہ ہُوا کہ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے جانوروں کو اُس وقت پانی پلائیں گی جب دوسرے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر یہاں سے ہٹالے جائیں گے کیونکہ ہمیں ان سے پہلے پانی پلانے کی طاقت نہیں اور وہ چونکہ غیر محرم ہیں اس لیے ہمارا ان کے ساتھ مل کر جانوروں کو پانی پلانا بھی ناجائز ہے ہاں جب وہ بالکل فارغ ہو کر اپنے جانوروں کو یہاں سے ہٹالیں گے پھر ہم اُن کے جانوروں کا بچا ہوا پانی اپنے جانوروں کو پلائیں گی۔

فائدہ: یہاں سقی۔ ذود اور اصدار کا مفعول محذوف ہے اس لیے کہ یہاں پر اُنہی افعال کا اظہار ضروری ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے بھی انہی افعال کی وجہ سے شفقت فرمائی کہ وہ بیبیاں تو جانوروں کو دُور رکھے ہوئی ہیں اور عاجزی سے دور کھڑی ہیں اور اپنی عفت و عصمت سے کنوئیں پر نہیں جاتیں دوسرے اُن کے حال کی کوئی پرواہ نہیں کرتے اور نہ ہی ان پر رحم کرتے ہیں کہ وہ بیچاری اپنے جانوروں کو پانی سے روکے ہوئی ہیں اور پانی کی جگہ پر اُن کے جانور نہیں پہنچ رہے۔ وابونا اور ہمارے والد گرامی یعنی شعیب علیہ السلام شیخ بوڑھے۔ کبیر۔ کبیر السن یا کبیر القدر والشرف ہیں اسی لیے وہ یہاں تشریف نہیں لاسکتے اسی لیے ہمیں بکریوں کے چرانے اور پانی پلانے کے لیے بھیجتے ہیں ہم بنا بر ضرورت بکریاں چراتی اور یہاں پانی پلانے کے لئے آتی ہیں۔

سبق: اس میں اہل زمانہ عبرت حاصل کریں کہ ایک نبی زمانہ کی بکریاں تھیں اور انکی عوام نے پرواہ یعنے تعظیم و تکریم نہ کی۔۔۔ اس لیے کہ ہم عصر لوگ جوہر نبوت و ولایت کو نہیں پہچانتے۔ ایسے ہی ہمارے دور کے جہال کی حالت ہے کہ وہ شریعت کے جوہر سے بے خبر ہیں اور یہ طریقہ ہر دور میں رہا کہ اہل اللہ بہت تھوڑے اور ان کی قدر و منزلت سمجھنے والے بھی قلیل ہوتے ہیں۔ فسقی لھما حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر رحم کھایا اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھ کر ان کی بکریوں کو پانی پلایا۔

نبی علیہ السلام کی قوت اور ہمارے نبی علیہ السلام کی ظاہری قوت

مروی ہے کہ کنوئیں پر بہت بڑا بھاری پتھر ڈال دیتے تھے جسے سات یا دس یا چالیس آدمی مل کر ہٹاتے تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے اکیلے ہی ہٹا کر رکھ دیا باوجودیکہ آپ بھوکے اور سفر کرکے تھکے ہوئے اور پاؤں میں چھالے تھے اسی لیے کہا گیا ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کو چالیس مردوں کی طاقت و قوت دی جاتی

ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس پیغمبروں کے برابر طاقت دی گئی تھی۔ یہ بھی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان بیبیوں کے لیے ان لوگوں کو ہٹا کر کنوئیں سے پانی کھینچنے کا ارادہ فرمایا تو ان لوگوں نے بھاری پتھر کنوئیں پر ڈال دیا تا کہ موسیٰ علیہ السلام پانی نہ لے سکیں لیکن آپ نے اسے فوراً ہٹا لیا۔ کلام کے سیاق سباق کا یہی تقاضا ہے۔ **ثم**۔ فراغت کے بعد **تولی** اپنی پیٹھ اس طرف پھیر دی جو کنوئیں کے قریب تھی یعنی کنوئیں سے منہ پھیر کر چلے **الی الظل** سایہ کی طرف **الظل** سے وہ جگہ مراد ہے جہاں دھوپ نہ ہو اور وہاں پر ایک درخت تھا۔ دھوپ سے بچنے کے لیے آپ اس کے نیچے چلے گئے اور چونکہ آپ کو بھوک تھی اسی لیے **فقال** کہا **رب انی لما انزلت الی**۔ اے میرے پروردگار تو نے جو کچھ بھی میرے لیے اُتارا **من خیر** سے خیر قلیل ہو کثیر۔ اسے بعض علماء نے طعام پر محمول کیا ہے۔ **فقیر** محتاج اور سائل ہوں۔ اسی معنیٰ الکلام سے متعدی ہونا دلالت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ سالک جب عالم روحانیت میں پہنچے تو اسے چاہیئے کہ معارف کے حصول پر قانع نہ رہے بلکہ وہ بلا واسطہ فیض الٰہی کی طلب کرتا ہے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام تربیت حق میں بچے تھے تو بچوں کی طرح اپنی حد سے آگے نہ بڑھے بلکہ کہا **رب انی لما انزلت** الخ اور جب وہ جوان ہوئے تو بچوں کے طعام پر اکتفا نہ کیا۔ **ادنی انظر الیک** الخ کہا

خلاصہ یہ کہ ابتداء میں آپ نے طعام وغیرہ کی طلب کی لیکن انتہا میں رفع حجاب اور مشاہدہ رب الارباب کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے عبودیت سے ربوبیت کو دیکھا تو نہایت خضوع وخشوع اور محتاجی و عاجزی سے گفتگو کی اس لیے کہ آپ کے سر خفی پر انوار ربوبیت کی بارش ہوگئی۔ بنا بریں اسی طرح سوال کیا جیسے بندہ اپنے مولیٰ سے کچھ مانگتا ہے۔ آپ کا یہ سوال **من حیث السوال** اور **من حیث الطلب** تھا۔

فائدہ: حضرت سہل سے پوچھا گیا کہ فقیر صادق کسے کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ جو کسی سے سوال نہ کرے اور جو کچھ ملے اسے رد نہ کرے اور جو مل جائے اسے بند کر کے نہ رکھے۔

حکایت: فارس نے فرمایا کہ میں نے ایک فقیر پر بھوک کے آثار دیکھے میں نے پوچھا کہ آپ کسی سے کچھ مانگتے کیوں نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں کسی سے کچھ مانگوں اور وہ نہ دیں تو فلاح نہ پا سکیں گے۔

marfat.com

ربط: چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے بھوک کا ذکر کبھی لوگوں سے کچھ نہ مانگا بلکہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تو شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں نے آپ کی بھوک کو محسوس کر کے والد گرامی کے پاس پہنچیں حالانکہ ابھی لوگ اپنے جانور واپس نہیں لا سکے اور نہ ہی بیبیوں نے اپنی بکریاں ساتھ لیں۔ شعیب علیہ السلام ان کی جلدی سے سمجھ گئے کہ کوئی نیا معاملہ ہے۔ اسی لیے فرمایا بیٹیو! کیوں جلد آگئی ہو انھوں نے کہا کہ آج ہم نے ایک نیک انسان دیکھا ہے جس نے ہمارے حال پر رحم کر کے ہماری بکریوں کو پانی پلایا لیکن فراغت کے بعد درخت کے سایہ تلے گیا تو کہا رب انی لما انزلت الخ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ نیک انسان بھوکا معلوم ہوتا ہے لہٰذا تم میں سے ایک جا کر اسے میرے ہاں لے آئے **فجاءته احداهما** والد گرامی کے ہاں پہنچنے کے بعد ان میں ایک موسیٰ علیہ السلام کے ہاں آئی۔ علماء فرماتے ہیں اس سے بڑی صاحبزادی یعنی بی بی صفوراء مراد ہے۔

سوال: (وہابیہ) شعیب علیہ السلام کو کیسے جائز تھا کہ اپنی لڑکی کو ایک اجنبی کے ہاں بھیج دیا۔

جواب (۱) آپ کے ہاں کوئی ایسا مرد نہیں تھا جو آپ کے معاملات کو سمیٹ سکے۔

جواب (۲) قرینۂ حال سے آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی صلاحیت و اہلیت اور عفت اور پاکدامنی محسوس ہو گئی تھی۔

جواب (۳) نور وحی سے آپ کو علم ہوا۔

اسی تیسرے جواب کے مطابق ہم انبیاء علیہم السلام کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں کہ انھیں اللہ سے علم غیب عطا ہوتا ہے جسے وہابیہ شرک سے تعبیر کرتے ہیں[1]۔

علی تمشی یہ جاءته کے فاعل سے حال ہے یعنی در آنحالیکہ وہ بی بی صفوراء چلتی تھی۔ **علی استحیاء** شرمیلی ہو کر جیسے باکرہ لڑکیوں کی عادت ہوتی ہے۔ **الاستحیاء** بمعنی شرم و حیا کرنا۔

فائدہ: حضرت ابو بکر بن طاہر نے فرمایا کہ کامل ایمان اور شرافت جو ہر اور مکرم ترین نسب ہونے کی وجہ سے حیاء و شرم کے طریقہ سے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں آئیں۔

حدیث شریف

حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

فائدہ: اعرابی نے کہا انسان ہمیشہ باعزت رہتا ہے جب تک اس میں حیاء و شرم ہو اور ٹہنی اس وقت تک بارونق رہتی ہے جب تک اس میں پتے ہوں **قالت** یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے کہا بی بی صاحبہ نے **ان ابی یدعوک لیجزیک** میرے والد گرامی آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ کو

---

[1] اضافہ از اویسی

marfat.ocm

بدلہ دیں۔ **اجر ما سقیت لنا**۔ آپ کی وہ مزدوری جو آپ نے ہماری بکریوں کو پانی پلایا۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبول کر لیا لیکن کسی طمع و لالچ کی بناء پر نہیں بلکہ شعیب علیہ السلام کے ہاں تقرب اور آپ کی زیارت کے ارادہ پر تشریف لے گئے اور پہاڑی علاقہ کی وجہ سے گھبرائے ہوئے بھی تھے اسی لیے کہیں آبادی میں ٹھہرنا چاہتے تھے جونہی آپ کو شعیب علیہ السلام کا پیغام پہنچا تو آپ نے فوراً مان لیا اور چل پڑے چونکہ آپ راستہ سے ناواقف تھے اس لیے بی بی صفورا آگے چل پڑیں اور آپ اُن کے پیچھے ہو لیے لیکن چونکہ ہوا کے جھونکوں سے بی بی صفورا کی پنڈلی سے کبھی کپڑا کھل جاتا تھا اسی لیے آپ نے بی بی صاحبہ سے فرمایا کہ آپ میرے پیچھے ہو کر مجھے راستہ بتاتی چلو۔ چنانچہ بی بی صفورا موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے چل پڑیں اور راستہ بتاتی رہیں یہاں تک کہ شعیب علیہ السلام کے ہاں پہنچ گئے۔ بی بی صفورا نے آگے ہو کر والد گرامی کو موسیٰ علیہ السلام کو لانے کی خبر سنائی۔ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی اُس وقت شعیب علیہ السلام سخت بوڑھے ہو چکے تھے اور آنکھوں کی بینائی بھی بڑھاپے سے متاثر تھی۔ موسیٰ نے السلام علیکم کہا شعیب علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا اور گلے لگا کر اپنے سامنے بٹھا کر طعام پیش کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے تو آپ کی بچیوں کی فی سبیل اللہ امداد کی تھی۔ آپ مجھے کھانا کھلا رہے ہیں۔ چونکہ میں خاندانِ نبوت یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہوں اسی لیے مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ اس کا معاوضہ نہ ہو جائے جو میں نے آپ کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ شعیب علیہ السلام نے فرمایا نہیں عزیز یہ تو ہماری عادت ہے کہ جو بھی ہمارے ہاں آتا ہے ہم اُسے کھانا کھلاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی تسلی دلانے سے کھانا کھایا۔

مسئلہ: جو بھی کسی کے ساتھ احسان کرے اگر اسے کوئی شے ہدیہ کے طور پر دی جائے تو اُسے لینا حرام نہیں۔

فلما جاءہ جب موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں آئے **وقص علیہ القصص** اور بیان کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا وہ ماجرا جو آپ پر گزرا **القصص** مصدر بمعنی مفعول ہے جیسے علل بمعنی معلول آتا ہے۔ **قال** شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا **لا تخف نجوت من القوم الظالمین** آپ نے ظالم قوم یعنی فرعون اور اُس کی قوم سے نجات پائی اس لیے کہ اس کا یہاں ہمارے ہاں کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ہم اس کے زیرِ حکم ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ قلب پر ایسا مقام بھی آتا ہے جہاں اسے نفس کے ہر وقت خطرات لاحق ہوتے ہیں بلکہ اس کے صفات کے ظلم سے قلب

marfat.com

کو سخت گھبراہٹ ہوتی ہے۔ جب قلب بذریعہ سرِ خفی مقام رُوح تک پہنچ جاتی ہے تو پھر وہ نجات پا جاتی ہے پھر اسے نہ نفس کے ظلمات کا خطرہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی صفات کے ظلم کا ڈر اس لیے کہ جب تک مجاہد دار الحرب میں ہوتا ہے اسے ہر وقت دشمن کا خوف رہتا ہے جونہی اسلام کی حدود میں داخل ہوتا تو اس سے ہر طرح کے خطرات ٹل جاتے ہیں۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ جسے کوئی خوف اور خطرہ لاحق ہوتا ہے تو اُسے **لا تخف** سے تسلی دیتے ہیں اور جو نڈر اور بے باک ہو جائے اسے خف (ڈر) بولتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

لا تخافوا ہست نزل خائفاں
ہست در خورد از برائے خائف آں
ہر کہ ترسد مر اورا ایمن کنند
مر دل ترسندہ را ساکن کنند
آنکہ خوفش گوئی مترس
درس چہ دہی نیست او محتاج درس

ترجمہ: لا تخافوا (نہ خوف کرو) خائفین کی مہمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے کے لائق یہی ہے۔
جو کوئی ڈرتا ہے اسے تسلی دلاتے ہیں۔ خوف زدہ دل کو سکون و اطمینان سے نوازتے ہیں۔
جسے خوف ہو اُسے کہتے ہیں مت ڈر۔ اسے کیا سبق پڑھاتے ہو درس کا محتاج نہیں۔

ملفوظ سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ: محبوب کبریا عاشق مصطفٰے سیدنا حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ایسے رہو کہ گویا تم نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا ہے یعنی ہر وقت خوف زدہ اور مغموم رہو۔

فائدہ: حضرت شعیب بن حرب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں جب حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتا ہوں ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا وہ کسی منڈی درندوں کے جنگل میں رہتے ہیں یعنی خوف اور ڈر سے گھبرائے ہوئے ہوتے ہیں اور جب حضرت عبد العزیز بن ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتا ہوں گویا وہ قیامت کے دریچے کو جھانک کر دیکھ رہے ہیں۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ہاں نعمت ظاہری سے پرورش پائی لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کی اور سفر اور غیر علاقہ کی مشقتیں اٹھائیں تو اللہ تعالیٰ نے انھیں شعیب علیہ السلام کے ہاں ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا۔

نہ اگلے صفحہ پر

marfat.ocm

سافر تجد عوضا عمن تفارقه
وانصب فان اکتساب المجد فی النصب
فالاسد لولا فراق الخیس ما افترست
والسھم لولا فراق القوس لم یصب

ترجمہ (۱) سفر کرو اس میں وطن کی جدائی کا بہترین عوض پاؤ گے۔ دکھ اٹھاؤ اس لیے کہ بزرگی دکھ درد اٹھانے میں ہے۔
(۲) شیر کو جنگل چھوڑ کر باہر جانا نہ ہو تو کب حملہ کرتا ایسے ہی تیر جب تک کمان کو نہ چھوڑے گا شکار خاک کرے گا۔
کسی اور بزرگ نے فرمایا ؎

بلاد اللہ واسعة فضاء ورزق اللہ فی الدنیا فسیح
فقل للقاعدین علی ھوان اذا ضاقت بکم ارض فسیحوا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے شہروں کی وسیع فضا ہے اور اللہ تعالیٰ کا رزق دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔
گھر میں بیٹھنے والوں کو فرماؤ کہ ذلت وخواری اٹھالو۔ جب تمہیں علاقہ کے لوگ تنگ کریں تو ہجرت کرو۔
حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

سعدیا حب وطن گرچہ حدیث است صحیح
نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ: اے سعدی اگرچہ حب الوطن من الایمان (وطن کی محبت ایمان کی علامت ہے) اگرچہ حدیث صحیح ہے۔ لیکن سختی سے مرنا اچھی صرف اس خیال سے کہ میں یہاں پیدا ہوا تھا۔ (درست نہیں۔)

فائدہ: دیکھئے کہ موسیٰ علیہ السلام اگرچہ مصر میں پیدا ہوئے لیکن جب آپ پر مصر میں تکلیف و پریشانی کا حملہ ہوا تو مدین کی طرف ہجرت کر گئے تو وہاں ظاہری باطنی نعمت سے مالا مال ہوئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ولی کامل نہ زمانی ہے نہ مکانی بلکہ وہ وہاں چل پڑتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے اور پھر وہ پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتا اگرچہ اسے ترک وطن کو چھوڑنا پڑے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے تو مسافری بھی اسی کا وطن ہے اور ہر تنگی اس کے لیے وسعت ہے۔
مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کجا باشد شہ مارا بساط ہست صحرا اگر بود سم الخیاط

ل کسی نے فرمایا: اگر آجائے کوئی شعیب میسر تو شبانی سے کلیمی دو قدم ہے۔

marfat.com

ہر کجا یوسف رخی باشد چو ماہ جنت است آں اگرچہ باشد قعر چاہ

ترجمہ: جہاں محبوب کا قیام ہو وہ وسیع علاقہ منصور ہوتا ہے اگرچہ وہ جگہ سوئی کے ناکہ کے برابر ہو۔

جہاں محبوب یوسف چاند کے چہرے والا ہو وہ اگرچہ اندھا کنواں ہو تب بھی عاشق کے لیے جنت ہے۔

تفسیر عالمانہ: **قالت احدٰاھما** کہاں ان کی ایک نے۔ مفسرین نے فرمایا اس سے شعیب علیہ السّلام کی بڑی صاحبزادی یعنی بی بی صفورا تے اپنے والد گرامی سے عرض کی یاد رہے کہ اسی بی بی صفورا کے عقد نکاح حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ ہوا۔

یا ابت اباجی۔ استاجرہ اسے یعنی موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہاں خادم رکھ لیں تاکہ بکریاں بھی چرائیں اور آپ کے دیگر گھریلو معاملات بھی سمیٹیں **ان خیر من استاجرت القوی الامین** یہ لام عہدی نہیں بلکہ جنسی ہے اس معنی پر موسیٰ علیہ السّلام بھی اس میں داخل ہوں گے۔ **القوی** بمعنی طاقت ور **الامین** بمعنی استوار مضبوط۔

اس میں اشارہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام صاحب قوت اور امین ہے۔

موسیٰ علیہ السّلام کی قوت اور امانت کی دلیل مروی ہے کہ جب صاحبزادی نے شعیب علیہ السّلام سے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہاں خادم رکھنے کی استدعا کی تو آپ نے صاحبزادی سے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ طاقت ور اور امین ہے۔ صاحبزادی نے عرض کی کہ جب کنوئیں کو چرواہوں نے بھاری پتھر سے بند کر دیا تو اس نوجوان اکیلے نے پتھر کو ہٹا دیا اور بہت بڑے ڈول کو پانی سے بھر کر پھرتی سے بکریوں کو تھوڑی دیر میں سیر کر دیا اور جب میں آپ کے حکم سے اسے بلانے کے لیے گئی تو پھر میری طرف آنکھ بھی نہ اٹھائی اور تقویٰ و تورع کا یہ عالم تھا کہ جونہی میں اسے آپ تک لے آئی۔ مجھے دیکھا تک نہیں بلکہ جب میں آگے چلی تو مجھے پیچھے چلنے کا فرمایا کہ کہیں میرا جسم کا کوئی حصہ دیکھا نہ جاسکے۔

فائدہ: صرف ان دو عادتوں کا ذکر اس لیے خصوصی طور پہ ہوا کہ اُس وقت صرف دو خصلتوں کی ضرورت تھی:۔

(۱) قوت وطاقت تو اس لیے کہ کنوئیں سے پانی لینا سخت دشوار امر تھا۔

(۲) امانت اس لیے کہ آنکھ کو بچانا اور نفس کو محفوظ رکھنا بھی معمولی معاملہ نہیں۔

اس لیے حضرت یوسف علیہ السّلام نے بادشاہ کے سامنے بھی اپنی یہی دو صفات ظاہر فرمائیں کما قال انی حفیظ علیم اس لیے کہ حفظ وعلم یہ دونوں صفتیں اس وقت بادشاہ کو ضروری تھیں۔

marfat.ocm

(۱) حفظ تو اس کے لیے کہ خزانہ شاہی کی نگرانی معمولی بات نہیں تھی۔
(۲) اس خزانہ کے آمد و خرچ کی معرفت بھی مشکل امر تھا۔

حکایت، حضرت شریح صرف ان تین آیات کی تفسیر بیان فرماتے تھے:۔

(۱) **الذی بیدہ عقدۃ النکاح** فرمایا کہ یہاں **الذی بیدہ** الخ سے شوہر مراد ہے۔
(۲) **و اٰتیناہ الحکمۃ و فصل الخطاب**۔ فرمایا حکمۃ سے فقہ و علم اور فصل الخطاب سے بینہ اور ایمان مراد ہے۔
(۳) **ان خیر من استأجرت القوی الامین** اس کی وہی تفسیر بتائی جو ہم نے پہلے لکھی ہے یعنی رفع الحجر و غض البصر (**قال**) حضرت شعیب علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کی قوت و امانت کا علم ہوا تو فرمایا **انی اُرید** بیشک میں چاہتا ہوں۔ **ان انکحک** میں آپ کا عقد نکاح کر دوں۔ **احدی ابنتی ھاتین** اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ۔ اس سے بی بی صفورا رضی اللہ عنہا مراد ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ **اذ قال لاہلہ امکثوا** الخ میں ہے۔ **علی ان تاجرنی**۔ یہ انکحک کے مفعول سے حال ہے۔ یہ اس محاورہ سے ہے کہ کہا جاتا ہے۔ **اَجَرْتُہٗ**۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کا مزدور ہو جائے جیسے کہا جاتا ہے۔ **ابوتہ**۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شے کا باپ ہو تو وہ اس کے لیے یہ لفظ کہے۔ (کشاف) اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ کے لئے ضروری ہو گا کہ آپ ہمارے مزدور رہیں گے۔ **ثمانی حجج** آٹھ سال تک۔ یہ ظرف حجۃ (بالکسر) بمعنی السنۃ (سال کی جمع ہے)

فائدہ: یہ شرط شعیب علیہ السلام نے اپنے لیے لگائی ورنہ حق مہر کا مطالبہ ہوتا تو فرماتے **ان تاجرھا** اسی لیے اعتراض وارد نہیں ہو گا کہ حق مہر میں آٹھ سال کی مزدوری کی شرط کیسی۔ یا اس کا یہ جواب ہو گا کہ ان کی شریعت میں حق مہر میں شوہر سے مزدوری کی شرط جائز تھی اور عورت کے متولی کو ایسی شرط لگانا جائز تھا اور ہماری شریعت میں بھی ابتدائے اسلام میں جائز تھا کہ شوہر سے مدت معلومہ تک حق مہر کے عوض بکریاں چرانے کی شرط لگائی جائے۔

فائدہ: عین المعانی میں ہے کہ پہلی میں متولی کو جائز تھا کہ وہ اپنی لڑکیوں کے حق مہر میں ان کو شوہروں سے مدت معلومہ تک مزدوری کرائیں لیکن ہمارے اسلام میں یہ حکم **و اٰتوا النساء صدقاتھن نحلۃ** سے منسوخ ہو گیا۔

مسئلہ، ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک حق مہر کے عوض سے منافع حاصل کرنا ممنوع ہے اور

---

* کنوئیں سے پتھر ہٹانا اور غیر محرم سے آنکھ پھیرانا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔

مسئلہ: مہر میں مال متقوم ضروری ہے یہی ہماری شریعت کا حکم ہے کما قال اللہ تعالیٰ: ان تبتغوا باموالکم اور یہ بھی ضروری ہے کہ مہر عورت کو دیا جائے نہ کہ اس کے متولی کو کما قال۔ واٰتوا النساء صدقاتھن۔ (اور یہ کہ عورتوں کو ان کے مہر دو)۔

مسئلہ: اگر کسی نے کسی عورت سے نکاح کیا کہ مہر کے عوض اپنی عورت کو میں تعلیم قرآن دوں گا، یا اپنی عورت کی ایک سال تک خدمت کرے گا تو نکاح ہو جائے گا لیکن شوہر کو مہر مثلی ادا کرنی ہوگی اسی لیے تعلیم القرآن اور خدمت مال متقوم نہیں۔ ہاں اگر شوہر غلام ہو تو خدمت ایک سال تک کی شرط جائز ہے اس لیے خدمت غلام کے حق میں بمنزلہ مال متقوم ہے لیکن آزاد کے لیے خدمت مال متقوم نہیں۔

خلاصہ یہ کہ آیت میں ثمانی حجج کو مہر پہ محمول کیا جائے یا شرط پر یہ شعیب علیہ السلام کی شریعت کا مسئلہ ہے۔ ہماری شریعت سے اسے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ مہر کا عوض باپ کا حق نہیں بلکہ عورت کا حق ہے ایسے ہی شرط لگانا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے لیکن ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بھی تحسین منافع میں داخل ہے اسی لیے ناجائز ہے۔

فائدہ: بعض علماء نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہاں رکھنے کے لیے ایک شرط لگائی جس پر دونوں متفق ہو گئے اسے عقد نکاح سے کوئی تعلق نہیں اسی لیے یہاں یہ بحث بے سود ہے کہ ایسی شرط یا مہر میں خدمت جائز ہے یا نہ اور وہ شعیب علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھی اور ہماری شریعت میں ناجائز وغیرہ وغیرہ۔

فان اتممت عشراً۔ پس اگر آپ خدمت وعمل کے دس سال مکمل کریں گے **فمن عندك** تو یہ اتمام آپ کی طرف سے احسان ومروت ہوگی۔ میری طرف سے آپ پر ضروری نہ ہوگا۔ **وما ارید ان اشق علیك** اور میں نہیں چاہتا کہ میں آپ کو مشقت میں ڈالوں یعنی میں ایسا ارادہ نہیں رکھتا کہ آپ پر دس سال کی خدمت لے کر آپ کو دکھ اور تکلیف کا نشانہ بناؤں اور اندریں اثنا آپ کو آسان سے آسان کام بتاؤں گا ایسا کام میری طرف سے آپ کے ذمہ نہ ہوگا جس سے آپ کو تکلیف ہو۔

حل لغات: **المشقة** شق سے ہے ہر وہ شے کہ جس سے آپ کو خیال ہو کہ اس کی برداشت مشکل ہوگی پھر اس کے متعلق رائے مضمحل ہو کہ نا معلوم کیا بنتا ہے۔

علمِ غیب نبی: بعض عرفا نے فرمایا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے نورِ نبوت سے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آٹھ سال میں درجۂ کمال کو پہنچ جائیں گے بعد ازاں انھیں کسی تربیت کی ضرورت نہیں رہے گی اور چونکہ ان کا مکمل ترین درجہ پہنچنا دس سال سے منسلک تھا۔ اس لیے انھیں دس سال کا بھی

marfat.ocm

فرمادیا۔ یہ بھی نورِ نبوت سے دیکھا اور ساتھ ہی انہیں نورِ نبوت سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام دس سال تک مقام ارادہ تک پہنچیں گے۔ اس کے بعد ان کا مقام استقلال و استقامت شروع ہو جائے گا اس کے بعد استقلال و استقامت مقام ارادہ کا حاصل نہ ہو گا۔ اسی لیے فرمایا انی ادید الخ (یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو علم غیب عطا ہوتا ہے جسے اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ نورِ نبوت سے تعبیر کرتے ہیں اور ہم علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں لیکن مار کہ انہٖ اسے شرک کہتے ہیں ناظرین خود ہی سوچیں کہ یہ شرک کا فتویٰ کہاں کی بلا ہے ۔۔۔)

صاحب روح البیان کی صوفیانہ تقریر

صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس تاویل سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک تیس سال تھی کیونکہ آپ مدین سے دس سال گزار کر جب مصر کو روانہ ہوئے تو راستہ میں آپ کو نبوت کا پیغام بذریعہ وحی پہنچا اور پہلے تحقیق کی جا چکی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور یہی طریقہ کار ہر زمانہ میں اولیاء اللہ کا ہے کہ ان حضرات کو سلوک کی اٹھتیس یا چالیس سال کی عمر میں درجۂ فنا و بقا ملتا ہے اور یہیں پر دنیا کے رزق (نفسانی) کو ختم کر کے عالم ملکوت کی غذا حاصل کرتے ہیں (اسے اچھی طرح سمجھ لو) ورنہ وہابی ہو جاؤ گے) اویسی

ستجدنی انشاء اللہ من الصالحین آپ مجھے معاملہ سنجی اور خیر خواہی اور وفاداری میں صلاحیت و اہلیت کا مالک پائیں گے اور انشاء اللہ کہنا محض تبرک کے طور ہے علاوہ ازیں اپنے اُمور اللہ تعالیٰ کی توفیق پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ امور مذکورہ بالا میں جد و جہد چھوڑ کر صرف اسی پر بھروسہ کریں گے۔

فائدہ: حضرت شعیب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی محبت میں روتے ہوئے آنکھیں دے بیٹھے پھر اللہ تعالیٰ نے آنکھیں لوٹا دیں اور فرمایا کہ اے شعیب کیوں روتے ہو بہشت کے شوق سے یا دوزخ کے خوف سے عرض کی اے اللہ تو ہی خوب جانتا ہے کہ مجھے نہ بہشت کی لالچ ہے نہ دوزخ کا خوف لیکن چونکہ میں تیرے ساتھ محبت کا اعتقاد رکھتا ہوں لیکن تیری لاپرواہی کو دیکھ کر ڈر لگتا ہے کہ نامعلوم تو میرے ساتھ کیا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاں وحی بھیجی کہ اے شعیب اگر تم واقعی میری محبت رکھتے ہو تو اس سے تمہیں بہت بڑا فائدہ ہو گا۔ اسی تیری محبت سے ہی۔ میں نے موسیٰ علیہ السلام یعنی اپنے کلیم کو تیری خدمت میں

اضافہ اویسی ۔ ۔ یعنی وہابی

marfat.com

بھیجا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے بھاگنا اس طرف اشارہ ہے کہ طالب حق پر لازم ہے کہ مقام نفس امارہ سے کوچ کر کے عالم قلب کی طرف سفر کرے اور فرعون جیسے بُرے دوست سے بھاگ کر شعیب علیہ السلام جیسے حبیب خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرے اور اپنے پیر و مرشد کی صدق و ثبات کے ساتھ خدمت کرے۔

مروی ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہم نے سترہ سال لکڑیاں سر پر اٹھا کر نفس کی سرکوبی کی اور **علی ان تاجرنی ثمانی حجج** میں صوفیاء کرام کے طریقہ کی طرف اشارہ ہے یعنی ان کا مریدین سے خدمت لینا انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔

حضرت حافظ نے فرمایا ؎

شبان وادی ایمن گہی رسد بمراد
کہ چند سال بجان خدمت شعیب کند

ترجمہ: مرید اُس وقت مراد کو پہنچتا ہے جب کہ وہ چند سال اپنے مرشد کی خدمت کرے۔

تفسیر عالمانہ: **قال** موسیٰ علیہ السلام نے کہا **ذٰلک** جیسے آپ فرما رہے ہیں اور شرطیں لگا رہے ہیں وہ مجھے منظور نہیں اور میں ان پر قائم اور ثابت قدم ہوں **بینی و بینک** میرے اور آپ کے درمیان ہے یعنی میں اپنی شرط سے باہر نہ جاؤں گا اور نہ آپ اپنے معاہدہ کی خلاف ورزی کریں گے **ایما الاجلین قضیت** ایّ شرطیہ ہے اور قضیت کی وجہ سے منصوب ہے اور ما زائدہ اور ایّ کے ابہام کی تاکید کرتا ہے اور **اَجَلُ** شے کی مدت کو کہا جاتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے شعیب علیہ السلام آپ مدت کو بڑھائیں یا گھٹائیں میں آپ کی خدمت میں کوتاہی نہیں کروں گا۔

شرط کا جواب۔ **فلا عدوان علیّ** ہے تو مجھ پر تعدی اور تجاوز نہ ہوگا یعنی نہ دس سے زائد مدت ہوگی اور نہ آٹھ سے کم **واللّٰہ علیٰ ما نقول** جتنا شرائط ہم بیان کر رہے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ **وکیل** شاہد اور حفیظ ہے ہم کسی ایک شرط کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ اس معاہدہ کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام داخل ہوئے اور دس سال تک بکریاں چراتے رہے۔
(کذا فی فتح الرحمٰن)

فائدہ: مروی ہے کہ جب عقد نکاح کی رسم مکمل ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام سے شعیب علیہ السلام

marfat.ocm

نے فرمایا کہ میرے گھر میں داخل ہو کر ایک عصا اُٹھا لیجئے اس لیے کہ شعیب علیہ السلام کے ہاں انبیا علیہم السلام کے عصا مبارک تھے۔ حضرت موسیٰ علیہم السلام نے وہی عصا اُٹھایا جو آدم علیہ السلام بہشت سے اُٹھا کر لائے تھے انبیاء علیہم السلام کو وراثۃً ملتا رہا یہاں تک کہ شعیب علیہ السلام کو وراثت میں ملا چونکہ وہ کپڑوں سے لپیٹا ہوا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہ اُٹھایا اسی خوف سے کہ شاید کہ وہ اس کے لائق نہ ہوں لیکن جونہی آپ کوئی عصا اُٹھاتے تو آپ کے ہاتھ میں وہی عصا آجاتا یہاں تک کہ سات بار ایسے ہی ہوا اسی سے شعیب علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ یہ عصا موسیٰ علیہ السلام کے لائق ہے۔

معجزہ موسیٰ علیہ السلام

مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرانے کے لیے گھر سے باہر نکلے تو شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ عزیز جب آپ چوک میں پہنچیں تو دائیں جانب کے راستہ پر ہرگز نہ جانا اگرچہ وہاں گھاس بہت ہے لیکن وہاں ایک اژدہا ہے جس سے مجھے آپ کی جان اور بکریوں کا خطرہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جب چوک پر پہنچے تو بکریاں بھاگ کر دائیں جانب کو چلی گئیں موسیٰ علیہ السلام نے روکنے کی کوشش کی لیکن نہ روک سکے آپ بھی اُن کے پیچھے ہوئے لیکن وہاں تو بکریوں کے لیے بہترین گھاس تھا۔ موسیٰ علیہ السلام ایک جگہ سو گئے تو اژدہا نکل آیا۔ عصا نے اس کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ اسے مار دیا اور خون آلود ہو کر واپس موسیٰ علیہ السلام کے کنارے پر گیا موسیٰ علیہ السلام اُٹھے دیکھا کہ عصا خون آلود ہے اور اژدھا مرا پڑا ہے اس سے خوش ہو کر شعیب علیہ السلام کے ہاں واپس لوٹے اور تمام ماجرا سنایا۔ اس سے شعیب علیہ السلام کو مزید یقین ہوا کہ واقعی موسیٰ علیہ السلام اور عصا کی شان ارفع و اعلیٰ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا اس سال جتنا بکریوں کے بچے درع و درعا پیدا ہوں گے وہ سب آپ کے۔

فائدہ: درعا درعا ہر وہ بکری اور بکرا جس کے سینے سفید اور ران سیاہ ہو (کذا فی القاموس) اسی معاہدہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خواب میں حکم فرمایا کہ اپنا عصا اس میں ماریں جہاں سے بکریاں پانی پیتی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایسے ہی کیا تو وہاں سے بکریوں نے پانی پیا۔ اسی سال تمام بکریوں نے اسی طرح بچے جنے جیسے شعیب علیہ السلام نے شرط لگائی تھی اس سے شعیب علیہ السلام نے سمجھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے

بقیہ صفحہ ۹۰۵

marfat.com

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ
پھر جب موسیٰ نے اپنی میعاد پوری کر دی اور اپنی بی بی کو

اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا
لے کر چلا طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی اپنی گھر والی سے کہا تم ٹھہرو مجھے طور کی طرف سے ایک آگ

لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا
نظر پڑی ہے شاید میں وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا تمہارے لیے کوئی آگ کی چنگاری لاؤں کہ تم تاپو پھر جب آگ کے

نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ
پاس حاضر ہوا ندا کی گئی میدان کے دہنے کنارے سے برکت والے مقام میں پیڑ سے

اَنْ یّٰمُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٣٠﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا
کہ اے موسیٰ بیشک میں ہی ہوں اللہ رب سارے جہان کا اور یہ کہ ڈال دے اپنا عصا پھر جب موسیٰ

تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰٓی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ قف
نے اسے دیکھا لہراتا ہوا گویا سانپ ہے پیٹھ پھیر کر چلا اور مڑ کر نہ دیکھا اے موسیٰ سامنے آ اور ڈر نہیں

اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿٣١﴾ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ
بیشک تجھے امان ہے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال نکلے گا سفید چمکتا بے عیب

سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ
اور اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لے خوف دور کرنے کو تو یہ دو حجتیں ہیں تیرے رب کی

اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ
فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بے شک وہ بے حکم لوگ ہیں عرض کی اے میرے رب میں نے ان میں

مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿٣٣﴾ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا
ایک جان ماری ہے تو ڈرتا ہوں کہ مجھے قتل کر دیں اور میرا بھائی ہارون اس کی زبان مجھ سے زیادہ صاف ہے تو اسے

فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ ۫ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿٣٤﴾ قَالَ سَنَشُدُّ
میری مدد کے لیے رسول بنا کہ میری تصدیق کرے مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے فرمایا قریب ہے کہ ہم تیرے

عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚۛ بِاٰیٰتِنَآ ۚۛ
بازو کو تیرے بھائی سے قوت دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے تو وہ تم دونوں کا کچھ نقصان نہ کر سکیں گے ہماری نشانیوں

marfat.ocm

اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ

کے سبب تم دونوں اور جو تمہاری پیروی کریں گے غالب آؤ گے پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہماری روشن نشانیاں لایا

قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَقَالَ

بولے یہ تو نہیں مگر بناوٹ کا جادو اور ہم نے اپنے اگلے باپ داداؤں میں ایسا نہ سنا اور

مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ

موسیٰ نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے جو اس کے پاس سے ہدایت لایا اور جس کے لیے آخرت کا گھر

عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا

ہو گا بے شک ظالم مراد کو نہیں پہنچتے اور فرعون بولا اے درباریو میں تمہارے

عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ

لیے اپنے سوا کوئی خدا نہیں جانتا تو اے ہامان میرے لیے گارا پکا کر ایک محل بنا

لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٣٨﴾

کہ شاید میں موسیٰ کے خدا کو جھانک آؤں اور بے شک میرے گمان میں تو وہ جھوٹا ہے

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٣٩﴾

اور اس نے اور اس کے لشکریوں نے زمین میں بے جا بڑائی چاہی اور سمجھے کہ انہیں ہماری طرف پھرنا نہیں

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٠﴾

تو ہم نے اُسے اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا تو دیکھو کیسا انجام ہوا ستمگاروں کا

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿٤١﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ

اور انہیں ہم نے دوزخیوں کا پیشوا بنایا کہ آگ کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی مدد نہ ہوگی اور اس دنیا میں

فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿٤٢﴾ ع

ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگائی اور قیامت کے دن ان کا برا ہے

(بقیہ مضمون سابق)

جو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو دے دیں۔

مسئلہ: ہماری شریعت میں اس طرح کی شرط غیر واجب ہے لیکن چونکہ انبیاء علیہم السلام وعدہ کے پکے ہوتے ہیں اسی لیے ایفاء عہد فرمایا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

جرعه بر خاک وفا آنکس که ریخت — کے تواند صید دولت زو گریخت

پس پیمبر گفت بهر این طریق — باوفاتر از عمل نبی رفیق

marfat.com

گر بود نیکو ابد یارت شود ور بود بد در لحد یارت شود

ترجمہ: جس نے وفا کا گھونٹ زمین پر گرایا پھر اس سے دولت کا شکار کب بھاگ سکتا ہے۔

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ وفا سے بہتر اور کوئی عمل نہیں۔

اگر نیکی ہے تو وہ ہمیشہ تیرا ساتھی ہوگا اگر وہ بُرا ہے تب بھی وہ تجھے قبر میں نہ چھوڑے گا۔

تفسیر عالمانہ: فلما قضی موسی الاجل۔ فاء فصیحیہ ہے یعنی عقد مکمل ہوگیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ذمہ داری کو خوب نبھایا بالآخر شرط کے مطابق صحیح اُترے اور میعاد مقررہ پوری ہوئی۔

مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کے بعد کی تکمیل کی یعنی دس سال شیعب علیہ السلام کی بکریاں چرائیں۔ پھر آپ کو وطن کی محبت نے ستایا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی جوانی لوٹ آئی: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب وطن جانے کی تیاری کی تو شعیب علیہ السلام رو پڑے اور موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا آپ وطن جا رہے ہیں لیکن میرا حال یہ ہے کہ کمزوری حد سے بڑھ گئی ہے اور بڑھاپا سر چڑھ گیا ہے (بہتر تھا آپ نہ جاتے) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ مجھے گھر سے آئے طویل عرصہ ہو چکا ہے۔ میری ماں میری بہن بھائی ہارون بڑے سخت غمگین ہوں گے اور میری ایک بہن فرعون کے قبضہ میں تھی اس لیے بھی مجھے ہر وقت پریشانی رہتی ہے۔ شعیب علیہ السلام اُٹھے اور کھڑے کھڑے دُعا مانگی۔ آپ کی دعا کے الفاظ یہ ہیں:

یا رب بحرمۃ ابراھیم الخلیل واسماعیل الصفی واسحاق الذبیح و یعقوب الکظیم و یوسف الصدیق۔ اے اللہ ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب و یوسف علیہم السلام کے طفیل میری قوت اور میری بصارت (بینائی) واپس لوٹا دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام (آمین) کہتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کی قوت لوٹا دی اور آپ کی بینائی بھی بحال ہوگئی۔ اس کے بعد اپنی صاحبزادی صفورا، موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وسار اور موسیٰ علیہ السلام شعیب علیہ السلام سے اجازت لے کر مدین سے مصر کو روانہ ہوئے۔ السیر بمعنی زمین پر چلنا تھا۔ باھلہ۔ اپنی اہلیہ یعنی بی بی صفورا رضی اللہ عنہا کے ساتھ اُس وقت ایک بچہ بھی پیدا ہو چکا تھا جو کہ وہ روانگی کے وقت ساتھ تھا کذا فی کشف الاسرار اسی لیے کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ لے چلے موسیٰ علیہ السلام لوگوں کو۔ اس موقع پر باء تعدیہ کی ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ: حضرت ابن عطار حمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب محبت و عشق کی میعاد پوری ہوئی اور قربت اور نزدیکی کے ایام قریب ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے انوار کے

۱؎ یہی الفاظ قدیم سے اہل حق استعمال کرتے چلے آئے ہیں لیکن وہابیہ کی بدبختی کہ وہ اس طرح کے الفاظ دعا میں کہنے کو ناجائز کہتے ہیں بلکہ بعض تو اسے کفر کے دائرہ میں شامل کرتے ہیں۔

marfat.com

آثار ظاہر ہوئے تو اپنی اہلیہ کو بھی ساتھ لے گئے تاکہ ہر دو صنعت باری تعالیٰ کے معائنہ و مشاہدہ میں مشترک ہوں۔

ربط: کشف الاسرار میں ہے کہ ظہر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوئے۔ جب رات ہوئی تو جنگل میں پہنچے رات اندھیری تھی۔ ایک وادی کے کنارے خیمہ لگایا اور اہلیہ کو اس میں بٹھایا لیکن جونہی رات ہوئی تو موسلا دھار بارش و باراں سے تر بتر ہو گئیں یعنی وہی بکریاں جو شعیب علیہ السلام نے ساتھ بھیجی تھیں اور انہوں نے بھی انھیں ساتھ لے لیا اور اس وقت بی بی صفورا رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں۔ بی بی صاحبہ کو دردِ زہ شروع ہوا۔ دیا سلائی جلائی لیکن پانی پڑنے کی وجہ سے دیا سلائی سے آگ ہاتھ نہ لگی۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سخت غم لاحق ہوا۔ اسی وقت **انس من جانب الطور نارًا**۔ طور کی جہت کے مستقبل موسیٰ علیہ السلام نے آگ محسوس کی۔ **الطور** ایک مخصوص پہاڑ کا نام ہے اور **النار** وہ شعلہ جو آگ سے محسوس ہوتا ہے اور حرارت خالصہ کو بھی نار کہا جاتا ہے اور جہنم کو بھی نار کہتے ہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی نار دیکھی جو انوار پر دلالت کرتی تھی اس لیے کہ انھوں نے نور کو نار کے رنگ میں دیکھا وہ اس لیے کہ ان کا مقصد ہی نار تھا تو ان کے گمان کے مطابق ہی نار کے رنگ میں نور نظر آیا اور یہ قاعدہ ہے کہ انسان اپنے تخیلات کو اشیاء معہودہ مانوسہ میں دیکھتا ہے اور آگ بھی انسان کی مانوسہ اشیاء میں داخل ہے بالخصوص سردیوں میں اس کے ساتھ بہت زیادہ انس ہوتا ہے اور وہ موسم بھی سرمائی تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے نار کے لباس میں موسیٰ علیہ السلام کے تقاضا کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نار کے لباس میں نور کے ساتھ تجلی ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہے جیسے جبریل علیہ السلام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں محبوب انسان یعنی حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں حاضر ہوتے تھے اور اکثر ان کی حاضری اسی صورت میں ہوتی تھی۔

تفسیر عالمانہ: **قال** موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **لاهله امكثوا**۔ المکث انتظار کے ساتھ کسی جگہ ٹھہرنا یعنی اپنے اہل کو فرمایا یہاں پر ٹھہرو **انی انست نارًا لعلی** میں نے آگ کو محسوس کیا ہے شاید کہ **اٰتیکم** میں لاؤں تمھارے لیے **منها** آگ سے **بخبر** آگ کے قریب بیٹھنے والے لوگوں سے میں مصر کی طرف راستہ کی کوئی خبر لاؤں وہ اس لیے کہ رات اندھیری اور جنگل کی وجہ سے راستہ بھول گئے تھے **او جذوة** جذوہ سخت لکڑی کو کہا جاتا ہے اس پر چنگاری ہو یا نہ اسی لیے **من النار** کی قید لگائی ہے۔ اور المفردات میں ہے کہ وہ لکڑی جو آگ جلانے کے بعد بچ جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ سالک پر ظاہر کی تجرید باطن کی تفرید اور تجرید ظاہری یہ ہے کہ انسان اپنے اہل و عیال اور دنیا سے بالکل فارغ ہو جائے جتنا قدر تعلقات سے دور ہو جس پر مالک کے کچھ درہم بچ جائیں اور باطن کی تفرید یہ ہے۔ کہ یہ انسان کونین

marfat.com

کے تعلقات سے دُور ہو جائے جتنا قدر تعلقات سے دُور رہو گا اتنا قدر توحید کے شواہد کا مشاہدہ کرے گا۔ سب سے پہلا مشاہدہ شعلۂ نار سے محسوس ہو گا جیسے موسیٰ علیہ السلام کو ہوا ایسے ہی ستارہ کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہوا۔ لوامع اور طوالع وسواطع اور شموس واقمار کا سالک کو مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں کہ مطلع الوہبیت سے نور ربوبیت کے تجلیات متجلی ہوتے ہیں۔

حل لغات: لعلکم تصطلون۔ الاصطلاء بمعنی آگ سے گرم ہونا اور کشف الاسرار میں ہے کہ الاصطلاء التدفو بالصلاء بفتح الصاد وکسرہا بالفتح ہو تو الصلا کو بالقصر اگر بالکسر ہو تو بالمد پڑھا جائے بمعنی آگ سے گرمی حاصل کرنا۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ اوصافِ انسانیۃ برودۃ طبیعۃ سے جامد ہیں۔ یہ صرف نار محبۃ وعشق بلکہ جذبۂ الٰہیہ کی نار سے ہی گرم ہو کر پگھلتے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

حضرت کمال خجندی نے فرمایا ؎

بچشم اہل نظر کم بود ز پروانہ
دلے کہ سوختۂ آتش محبت نیست

ترجمہ: اہل نظر کی نگاہ میں وہ دل پروانہ سے بھی کم ہے جو عشق کی آگ سے نہیں جلی۔

خلاصہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل کو جنگل میں چھوڑا اور چل پڑے۔

تفسیر عالمانہ: فلما اتاھا پس جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے قریب پہنچے جسے دور سے محسوس کیا تھا۔ نودی من شاطئ الایمن۔ موسیٰ علیہ السلام کو ندا آئی اس جانب سے جو ان کے دائیں جانب تھی۔

اس معنی پر لفظ الایمن مجرور ہو گا اس لیے کہ وہ شاطی کی صفت ہو گی اور الشاطی بمعنی الجانب اور الشط بمعنی نہر کا کنارا اور الوادی وہ جگہ جس میں پانی رواں ہو اسی معنی پر دو پہاڑوں کے درمیانی مفرج (راہ) کو بھی وادی کہا جاتا ہے۔ فی البقعۃ المبارکۃ اس مبارک جگہ سے جو وادی کے متصل تھی۔ یا یہ نودی کا صلہ ہے اور البقعۃ زمین کا وہ ٹکڑا جس میں درخت نہ ہو۔ اور اس جگہ کو مبارک اس لیے کہا گیا کہ یہاں سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت یا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کی شرافت کا آغاز ہوا۔ اور تجلیات اولیاء کا حال بھی ایسے ہوتا ہے۔ (قدس اللہ اسرارہم)

من الشجرۃ یہ شاطئ سے بدل الاشتمال ہے اس لیے کہ وہ درخت اسی کنارہ پر تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے دور تک وہ درخت موجود رہا۔ (کذا فی کشف الاسرار)

فائدہ: وہ درخت یا عناب تھا یا کیکر یا بیری یا زیتون یا عوسج یعنی وہ درخت کہ جب بڑا ہوتا ہے تو اسے عرقد (بالغین) کہا جاتا ہے۔

marfat.ocm

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ یہود کا درخت ہے کہ وہ ہرگز نہیں بولے گا۔

شرح الحدیث: یعنی جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پہ تشریف لائیں گے اور یہودیوں کو قتل کریں گے تو جو یہودی بھی بھاگ کر کسی درخت کے نیچے چھپے گا تو وہی درخت بولے گا کہ اے مسلم یہ ہے یہودی اسے قتل کر دے سوائے غرقد کے اس لیے کہ یہ ان کا درخت ہے اس لیے یہ نہیں بولے گا۔ (کذا فی التعریف والاعلام للامام السہیلی)

اَن مفسرہ ہے یعنی ان بمعنی ای ہے۔ **یاموسیٰ انی انا اللّٰہ رب العلمین۔** اے موسیٰ علیہ السلام میں اللہ رب العالمین ہوں یعنی میں ہوں جس نے تجھے ندا دی اور جس نے تیرا نام لے کر تجھے بلایا میں اللہ تعالیٰ اور تمام مخلوق کا پالنے والا ہوں یہی وہ پہلا کلام ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نوازا۔

سوال: اللہ تعالیٰ کے کلام مخالفت کیوں؟ مثلاً طٰہٰ میں ایسے اور قصص میں یہ اور نمل میں دیگر۔

جواب: چونکہ مقصود سب کا ایک ہے اسی لیے اختلاف الفاظ سے مقصد میں فرق نہیں پڑتا۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب درخت میں دیکھا کہ اس سے ایک ایسی آگ نمودار ہو رہی ہے جس کا رنگ سفید ہے لیکن شوق دیدار الٰہی اسی ظاہری آگ سے پیدا ہوا اس سے گویا آپ کا ظاہری وجود جل گیا۔ ؎

ہست در من آتش روشن نمی دانم
ایں قدر دانم کہ ہم چوں شمع می کاہم دگر

ترجمہ: میرے اندر آگ روشن ہے جسے میں نہیں جانتا کہ شمع کی طرح پگھل رہا ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام (ان یاموسیٰ) کی ندا سے عشق الٰہی میں گم اور ذات حق میں فانی ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام (ان یاموسیٰ علیہ السلام) کی ندا سے عشق الٰہی سے جل گئے اور شوق حق سے گھل کر درخت کے سامنے کھڑے ہو گئے وہاں سے یہ آواز آتی تھی۔ **انی انا اللّٰہ رب العلمین**

تفسیر عالمانہ: **فائدہ:** کشف الاسرار میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اسی درخت کے نیچے صفات الٰہی میں گم اور ذات حق میں فانی ہو گئے اسی لیے سمع (کان) ہو گئے۔ جب ندائے الٰہی انہیں پہنچی تو قربت حق کی خلعت پہنی اور شربت الفت نوش فرمائی اس سے آپ وصال حق سے سرفراز ہوئے اور رحمت الٰہی کی خوشبو سونگھی۔ ؎

marfat.com

اے عاشق دل سوختہ اندوہ مدار روزے برار عاشقاں گردد کار

ترجمہ: اے دل سوختہ عاشق غم نہ کھا۔ ایک دن تو بھی عاشقوں کی طرح مراد پائے گا۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام درخت کے قریب پہنچے تو نار جل گئی اور نور آگیا پھر موسیٰ علیہ السلام کی خودی گم ہوئی۔ شجرہ ذات کی صفات سے آواز سنائی دی اور پہلی تجلی اور کلام حق سے عقیق ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام پر غشی طاری ہو گئی اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کرام کو موسیٰ علیہ السلام کو انس کا پنکھا ہلایا اور کہا اے موسیٰ علیہ السلام آپ تھک گئے ہیں اب آرام کیجئے اور آپ فنائیت سے بقا پا گئے ہیں اور آپ کو مبارک ہو کہ آپ بہت بڑی اونچی شان سے نوازے گئے ہیں یعنی اب آپ کا مقدر چمکا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی کا شرف نصیب ہوا ہے یہ آپ کا ابتدائی مقام تھا انتہائی مقام اس سے اور بلند تھا۔ اس کے بعد دوسری بار پھر بیہوش ہوئے اور غشی کھائی تو ملائکہ نے کہا اے حیض والی عورتوں کے بیٹے تیرے جیسے کس منہ سے دیدار کی آرزو کریں۔ کاش ملائکہ کو موسیٰ علیہ السلام کی شان معلوم ہوتی تو انھیں عار نہ دلاتے اس لیے کہ اگرچہ وہ ابتداءً مرید اور طالب تھے لیکن آخر میں مراد و مطلوب حق تھے اسی لیے کہ بعد کو انھیں اللہ تعالیٰ نے طلب فرماکر اپنے لیے چن لیا اسی لیے کہا گیا ہے کہ شجرہ موسیٰ علیہ السلام اور شجرۂ آدم علیہ السلام میں بہت بڑا فرق ہے اس لیے کہ آدم علیہ السلام نے شجرہ سے انھیں محنت اٹھانی پڑی اور آزمائش میں مبتلا ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام نے شجرہ سے نبوت و رسالت پائی لیکن یہ قول بھی حقیقت سے بے خبری کی دلیل ہے ورنہ ظاہر ہے کہ شجرہ آدم علیہ السلام میں شجرۂ ربوبیت کی طرف اشارہ تھا اسی لیے تو فرمایا کہ "ولا تقربا ھذہ الشجرۃ" کیونکہ آدم علیہ السلام صفاتِ حق سے متصف تو تھے ہی اسی لیے چاہا کہ وہ ان کی حقیقت سے دائمی زندگی بسر کریں تو اس سے اللہ تعالیٰ نے انھیں منع کر کے فرمایا کہ یہ ایسی حقیقت ہے جو آپ کے لائق نہیں کیونکہ حقیقت ازلیہ و صفات محدثہ کا اتحاد ممتنع ہے۔ پھر ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تجلیٔ ازلیہ کو شجرہ سے ظاہر فرمایا تو آدم علیہ السلام بیہوش ہوئے۔ اور بے صبری سے اسے اس کی تحصیل کے درپے ہوئے چنانچہ اس سے ربوبیت کے ایک جلوہ سے کچھ حاصل کر لیا اس کے بعد وہ حضرت حق میں نہ رہ سکے اور بہشت میں رہنے کے بجائے عشاق کے علاقہ میں بھیج دیئے گئے تاکہ ان مشتاقانِ عمر، وہ کے ساتھ رہ کر جلوہ ہائے ربانی کی یاد میں آنسو بہائیں۔

خلاصہ یہ کہ آدم علیہ السلام کا شجرہ شجرۂ اسرار تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا شجرۂ انوار اور ظاہر ہے کہ شجرۂ انوار ابرار کو نصیب ہوتا ہے اور شجرۂ اسرار اخیار کو۔

ردّ وہابیہ: جب شجرہ سے تجلیات کا ظہور اور بے کیف اور بلا جہت شجرہ سے کلام حق کا صدور ہو سکتا ہے تو شجرہ انسانیہ سے اس کا ظہور و صدور تو بطریق اولیٰ ہے۔ اس لیے مشائخ نے

marfat.ocm

توحید کے تین مراتب بتائے۔

۱. مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔

۲. مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ۔

۳. مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا۔

ایسے کلام کا متکلم درحقیقت اللہ تعالیٰ ہوتا ہے جس نے کلام ازلی سے جیسے چاہا کلام فرمایا۔

سبق: اگر تم اہلیت وصلاحیت رکھتے ہو تو ایسے کلام کا ذوق حاصل کرو ورنہ کم ازکم اس پر ایمان تو لاؤ۔ انکار کرو گے تو بے ایمان ہو کر مرو گے۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور پسندیدہ اور ابرار پر لاکھوں سلام ہوں اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں اشیاء کی حقیقت کا مشاہدہ نصیب فرمائے اس لیے کہ کل کائنات صرف وہم وخیال ہے اور جو کچھ ہے وہ درحقیقت حق ہے اس لیے کہ موجود ہے تو وہی اور مشہود ہے تو وہی۔

اے عزیز اسے پورے طور پر سمجھ اور میری اس تقریر کو غنیمت جان۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے عاشق کی زبان میں فرمایا ؎

مرا باوجود تو ہستی نماند   بیاد توام خود پرستی نماند

گرم جرم بینی مکن عیب من   توئی سر بر آوردہ از جیب من

ترجمہ: تیرے سامنے میری ہستی ہے ہی نہیں۔ میں تو صرف تیری یاد میں ہوں۔ مجھے اپنی بھی خبر نہیں۔

اگر میرا کوئی جرم د قصور ہے تو اسے مت دیکھئے کیونکہ مجھ سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ تو ہی ہے۔

اور فرمایا ؎

سمندر نہ ہر گرد آتش مگرد   کہ مردانگی باید آنگہ نبرد

لہ حضرت مولانا محمد یار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

بجاتے تھے جو اِنِّیْ عبدہٗ کی بانسری ہر دم
وہ عرش حق پر اِنِّیْ انا اللہ بن کے نکلیں گے

اسی طرح کے اور عارفانہ کلام اور حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ کا انا الحق اور حضرت بایزید قدس سرہ کا سبحان ما اعظم شانی فرمانا اسی قاعدہ کے مطابق ہے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.com

ترجمہ: آتشی جو ہے نہیں ہو اسی لیے آگ کے گرد: گھومے اس کے لیے تو جوانمردی لازم ہے۔ ایسے پہلے جوانمردی پیدا کرو اور پھر مقابلہ۔

سبق اس میں اشارہ ہے کہ چونکہ ہم مرتبۂ موسیٰ علیہ السلام نہیں اسی لیے تم ایسے جلوؤں کے حصول کی جد وجہدمت کرو۔ ہم انشاء اللہ نارِ عشق میں جلنے اور سر فنا کلی تک پہنچنے کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ : **وان الق عصاك** ۔اس کا عطف **یا موسیٰ** پر ہے اور ہر دونوں **نودی** کے مفسر ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا ہاتھ سے چھوڑ کر نیچے گرا دیجئے چنانچہ جب انھوں نے عصا نیچے ڈالا تو وہ اژدہا بن کر ادھر ادھر چلنے لگا **فلما راٰها تهتز** ۔جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ سخت تیز دوڑتا جا رہا ہے۔

اہتزاز بمعنی تحریک شدید **کانها جان** گویا وہ سرعة حرکة یا ہیئة وجثة میں اژدہا ہے اور وہ فرعون کے ہاں بہت بڑا اژدہا دکھائی دیا۔ الجان۔ ہر وہ سانپ جس کی آنکھیں سرمیلی اور بہت زیادہ چکر کاٹنے والا لیکن ایذا رسانہ دینے والا۔ **ولّٰی مدبرا** تو موسیٰ علیہ السلام پیچھے ہٹے در آنحالیکہ خوف زدہ تھے **ولم یعقب** اور نہ لوٹے، خلیل نے کہا عقب بمعنی رَجَعَ علٰی عقبہ۔ عقب موخر القدم کو کہا جاتا ہے۔ ان کے مڑنے پر ندا آئی **یا موسیٰ اقبل** اے موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھئے **ولا تخف** اور اس سانپ سے خوف نہ کیجئے **انك من الاٰمنین** بے شک آپ تمام ڈراؤنے امور سے امن اور قرار میں ہیں اور رسل کرام کو میرے ہاں بالکل خوف وحزن ہے نہیں جیسا کہ سورۂ نمل میں گزرا۔

سوال: عصا کو زمین پر گرانے کا کیا فائدہ۔

جواب: تجربہ مطلوب تھا تاکہ فرعون کے ہاں پہنچ کر انھیں ایسا معجزہ دکھانے سے خوف نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا تھا کہ فرعون کے ساتھ مناظرہ کے وقت عصا کو سانپ بنا کر دکھائیں گے۔ اگرچہ ان کے علاوہ معجزات بھی دکھائے جائیں گے۔ لیکن اسے مناظرہ کے ساتھ خصوصیت تھی۔ (کذا فی الاسئلة المقحمة)

تفسیر صوفیانہ : اس میں اشارہ ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ غیر اللہ کے جملہ سہارے منقطع کر دے اس لیے کہ جو بھی صرف اللہ تعالیٰ پر سہارا کرتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے اور جو غیر پر بھروسہ کرتا ہے وہ ہزاروں خوفوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دوسرے مقام پر فرمایا **خذها ولا تخف یا موسیٰ** ۔ اے موسیٰ علیہ السلام عصا کو لیجئے لیکن عصا سے محبت نہ کرنا اور نہ ہی اسے اپنی پناہ سمجھ کر اس پر بھروسہ کرنا۔ اس لیے کہ دنیا کی محبت جملہ گناہوں کی اصل ہے۔

معجزۂ محمدی و معجزۂ موسوی میں فرق

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور سرور انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان دو معجزوں میں بہت بڑا فرق ہے

marfat.ocm

وہ اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام کو خطابِ الٰہی سے نوازے جانے کے بعد اژدہا کو دشمن پر مسلط کر دیا اور ہمارے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج قربِ خاص سے نوازے جانے اور اسرار و رموز سے مشرف ہونے کے بعد اُمت کو نماز جیسی دولت سے نوازا جو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک قسم کی مناجات ہے اور اگرچہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام علیك ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ سے نوازا۔ لیکن آپ نے اپنی اُمت کو بھی شامل فرمایا السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین۔

تفسیر عالمانہ: اسلك یدك فی جیبك اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال دیجئے جیب یہ اونی کپڑا ہوتا ہے جو بجائے قمیص کے پہنا جاتا ہے اور اس کی آستین صرف کہنیوں تک ہوتی ہیں۔

تخرج بیضاء ظاہر ہوگا آپ کا ہاتھ مبارک در آنحالیکہ چمکیلا اور روشن ہوگا اور سورج کی طرح اس کی شعاعیں ہوں گی۔ من غیر سوء بغیر عیب کے مثلاً برص کی بیماری کی وجہ سے یعنی اس کی سفیدی (روشنی) مکروہ اور نفرت دلانے والی برص کی سفیدی کی طرح نہ ہوگی۔ واضمم الیك جناحك انسان کے لیے لفظ جناح کا استعمال اس کے بازو کے لیے ہوتا ہے یہاں دونوں ہاتھ مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ اپنے دونوں ہاتھ جو کہ آپ نے خائف اور گھبراہٹ والے سانپ سے بچنے کے لیے پھیلائے ہوئے ہیں سمیٹ لیجئے اور خوف زدہ اپنے ہاتھ یوں سمیٹتا ہے کہ اس کا دایاں ہاتھ بائیں پر یا اس کے برعکس یا پھر وہ انہیں گریبان میں ڈال دیتا ہے۔

اس تقریر پر اسلك کا تکرار ہوا لیکن غرض ہر دونوں سے علیٰحدہ علیٰحدہ ہے اسی لیے فصاحت کے خلاف نہیں۔ مثلاً دوسرے سے دشمن کے سامنے اظہارِ جرأت مراد ہے اور یہی آپ کے معجزہ کے ظہور کا مبدا ہے یا یوں کہا جائے کہ اضمم سے عصا کے سانپ بننے کے وقت اضمم سے تجلد و ثبات مراد ہے۔ یہ پرندہ کے پر سے استعارہ کہا گیا ہے اس لیے کہ پرندے کی عادت ہے کہ جب وہ کسی شے سے ڈرتا ہے تو وہ اپنے پر پھیلاتا ہے جب خوف زائل ہو جاتا ہے اور وہ پورے طور پر مطمئن ہو کر قرار پاتا ہے تو وہ اپنے دونوں پر سمیٹ لیتا ہے اس معنیٰ پر یہ انك من الآمنین کی تتمیم ہوگی۔ اس تقریر سے تکرار کا سوال ختم ہو گیا۔

من الرھب۔ الرہب بمعنی تحزن و اضطراب کے ساتھ خوف زدہ ہونا اور من سببیہ ہے یعنی جب آپ کو کوئی خوف طاری ہو تو اپنے آپ کو قابو کر کے ثابت قدمی سے ایسا کرنا۔ فذانك یہ عصا اور ہاتھ کی طرف اشارہ ہے۔ برھانان دو روشن دلیلیں اور واضح معجزے ہیں۔

marfat.com

حل لغات: برہان بروزن فعلان یہ ابرہ الرجل سے ہے۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص دلیل لائے یا برہ الرجل سے ہے یہ اُس وقت کہا جاتا ہے جب وہ سفید ہو جائے اس سے لفظ برھاءً و بَرْهَةٌ ہے بمعنی سفید عورت۔ اس کی لفظ سلطان بمعنی سلطان ہے سے سلیط سے لیا گیا ہے بمعنی زیت (زیتون) اس لیے کہ اسے جلا کر روشنی حاصل کی جاتی ہے بعض نے اس کا وزن فعلال ہے یہ "بُرْهَنَ" سے ہے۔ **من ربك برهانان کی صفت ہے**۔ یہ کائنا نان کے متعلق ہے یعنی وہ دو معجزے پہنچنے والے ہیں۔ تیرے رب تعالیٰ سے **الی فرعون وملاۂ**۔ فرعون اور اس کے لشکر کی طرف اور وہ دونوں معجزے ان کے ہاں پہنچے لیکن **انھم کانوا قوما فاسقین**۔ بیشک وہ حدود ظلم وعدوان سے خارج ہونے والے تھے اور وہ اس لائق تھے کہ ہم یہی دونوں معجزے دے کر ہم آپ کو ان کے ہاں رسول بنا کر بھیجیں۔

قال موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی **انی قتلت نفسا**۔ بیشک میں ایک قبطی قاعون فرعون کے باورچی کو قتل کیا تھا **فاخاف ان یقتلون** مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے اس بدلہ میں قتل نہ کر دیں **واخی ھارون ھو افصح منی لسانا** اور میرا بھائی ہارون علیہ السلام گفتگو میں مجھ سے فصیح تر ہے۔

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام نے گفتگو کے بجائے زبان کا نام اس لیے لیا کہ آپ کی زبان مبارک میں لکنت بھی بوجہ اس انگارے کے تھا جو آپ نے بچپن میں منہ میں ڈالا تھا اسی لیے اچھے سلیقے سے گفتگو نہیں فرما سکتے تھے اسی لیے فرعون نے آپ کے حق میں کہا **ولا یکاد یبین**۔

تفسیر صوفیانہ: بعض عارفین نے فرمایا کہ دراصل مقام فصاحت مقام صحو وتمکین کا دوسرا نام ہے اور یہ مرتبہ ایسا ہے کہ صاحبِ مقام اس مرتبہ میں حق واسرار حق سے ایسے طریقے سے خبر دے کہ علمی لحاظ سے عوام کو ثقالت محسوس نہ ہو اور یہ مرتبہ بطریق اتم واکمل سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا کما قال علیہ السلام " **انا افصح العرب**" میں عرب کا فصیح ترین انسان ہوں اور فرمایا **بعثت بجوامع الکلم**۔ جوامع کلم کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔

دراصل یہ قدرتِ کلامی کی کیفیت کا نام ہے اس سے وہ عارف متمکن موصوف ہوتا ہے جسے مشاہدۂ خالص اور مخاطبۂ خواص کی دولت نصیب ہو۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام اس وقت مقامِ سکر میں تھے اس لیے اپنے حال کو اچھی طرح بیان نہیں کر سکتے تھے جیسے وہ اس سے ماقبل گفتگو کرتے تھے اس لیے کہ اگر وہ اپنے اسی حال موجودہ کے مطابق گفتگو فرماتے تو آپ سے شطحیاتی کلام کا اظہار ہوتا اور ایسے کلام کے عوام حامل نہیں ہوتے بلکہ سنتے ہی فتنہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے مقام صحو وتمکین

marfat.ocm

کا سوال کیا کما قال، واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی۔ اس لیے کہ آپ کا کلام مواجہ خاص میں ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایسا دریا تھا جو صرف آپ کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی رسول بنا کر بھیجے ردءًا ور آنحا لیکہ وہ میرا معین ومددگار ہوگا۔ دراصل ردءًا کی طرح ہر اُس شے کو کہا جاتا ہے کہ جس سے کسی معاملہ میں مدد لی جائے لیکن یہاں پر دلیل (راہ دکھانے والے) کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ یصدقنی مرفوع اور ردءًا کی صفت ہے یعنی وہ ہارون علیہ السلام حق بیان کرنے اور حجت قائم کرنے اور دلائل واضح کرنے اور مخالف کے شبہات دُور کرنے اور اُس کے دلائل کے ابطال میں میری تصدیق کریں گے مثلاً کہے صدقت یا جماعت کہے۔ صدقوہ چنانچہ ھو افصح منی لسانا اس لیے کہ ایسی باتیں کرنے پر فصیح غیر فصیح بھی کر سکتا ہے۔ (کذا فی فتح الرحمٰن)

انی اخاف ان یکذبون مجھے خوف ہے کہ وہ میری تکذیب کریں بایں طور کہ میری بات کا رد کریں یا میری دعوت قبول نہ کریں اور پھر میری زبان گفتگو کے وقت صحیح طور پر کام نہیں کرتی۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ فرعون اور نمرودِ نفس والوں کو ہمیشہ حق بولنے والوں سے عناد اور تکذیب رہی اور ہارون عقل ہمیشہ ناطق بالحق کی تصدیق کرتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ نے فرمایا سنشد عضدک باخیک العضد کہنی اور مونڈھے کے درمیانی حصے کو کہا جاتا ہے بمعنی بازو یعنی ہم آپ کو آپ کے بھائی کی وجہ سے تقویت بخشوں گا وہ اس لیے کہ بھائی بھائی کا ہاتھ پکڑتا ہے اسی محاورہ پر موسیٰ علیہ السلام کے بازو کی قوت کا سبب ہارون علیہ السلام کو بنایا گیا اور اُس وقت ہارون علیہ السلام مصر میں تھے۔ ونجعل لکما سلطانا اور میں تمہیں تسلط اور غلبہ بخشوں گا۔ یہاں پر سلطان بمعنی تسلط وغلبہ ہے اور حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلطان بمعنی سبب ومحبۃ ہے یعنی دشمنوں کے دلوں میں آپ کی ہیبت اور دوستوں کے دلوں میں محبت ڈال دوں گا۔ اور حضرت ابن عطاء نے فرمایا کہ اخلاق نبوت کے ساتھ سیاست خلافت مراد ہے۔ فلا یصلون الیکما پس وہ تمہارے اُوپر استیلاء وغلبہ نہیں پا سکیں گے بایٰتنا اس کا متعلق محذوف ہے چنانچہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس محذوف کے متعلق تصریح کی گئی ہے مثلاً فرمایا اذھبا بایتنا یہ نجعل کے متعلق ہے اب معنی یہ ہوگا کہ ہم دونوں آیات بمعنی معجزات کے ذریعے ان پر غلبہ بخشیں گے یا لا یصلون کے متعلق ہے یعنی آپ ان سے آیات ومعجزات کی وجہ سے مامون ومصئون رہیں گے اس لیے وہ آپ کو قتل نہ کر سکیں گے اور نہ کوئی اور تکلیف پہنچا سکیں گے۔ (کذا فی فتح الرحمٰن)

انتما ومن اتبعکما الغالبون آپ کو اور آپ کے متبعین کو فرعون اور اس کی قوم پر غلبہ

marfat.com

اور تسلط ہو گیا اس لیے کہ ہمارے رایات، آیات عالی ہیں اور ہم ہمیشہ صرف اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور ہماری یہ مدد مسلسل پے در پے ہوتی ہے۔ (واللہ الغالب والمتعالی)

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی یہ مناجات مکمل ہوئی تو انہیں اللہ تعالیٰ نے واپسی کا حکم فرمایا۔ پھر علماء کا اختلاف ہے کہ موسیٰ علیہ السلام مدین سے سیدھے فرعون کے پاس چلے گئے یا پہلے اہل وعیال کے پاس گئے پھر فرعون کے ہاں تشریف لائے۔

ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اہل وعیال کو جنگل میں چھوڑ کر سیدھے فرعون کے ہاں چلے گئے اور آپ کے عیال میں شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی اور موسیٰ علیہ السلام کا ایک چھوٹا صاحبزادہ مدین و مصر کے درمیان ایک جنگل میں تین دن اکیلے رہے اور وہاں اُن کی بکریاں بھی تھیں جو شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو عنایت فرمائی تھیں۔ ان تین دنوں کے بعد ایک چرواہا اس جنگل سے گزرا تو اس نے شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کو پہچان لیا۔ دیکھا کہ بی بی اونڈ وہگین بیٹھی ہیں۔ انہیں وہ چرواہا مدین میں شعیب علیہ السلام کے سپرد کر گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام مناجات سے فارغ ہوئے تو اسی رات اپنے اہل وعیال کے ہاں واپس تشریف لے گئے تو اہل وعیال نے پوچھا کیا آپ آگ نہیں لائے آپ نے فرمایا میں نے آگ کے بجائے نور کو حاصل کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت نصیب ہوئی اور کرامات و معجزات سے نوازا گیا ہوں۔ اس کے بعد اہل وعیال کو مصر میں لے آئے۔ جب مصر میں وارد ہوئے تو رات کا وقت تھا۔ اس اثناء میں آپ کی بہن اور بھائی موجود تھے لیکن آپ کے والدگرامی کا وصال ہو چکا تھا موسیٰ علیہ السلام نے ایک سرائے کے باہر نوافل پڑھنے شروع کر دیئے۔ ایک گھر میں دیکھا کہ وہ لوگ کھانا وغیرہ کھا رہے ہیں آپ نے آواز دی کہ گھر والو ہم بھی آپ کے مہمان ہیں ہماری مہمانی آپ کے ذمہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے آواز سن کر ہارون علیہ السلام کو فرمایا کہ اس مسافر کو مہمانی دینی چاہیئے ممکن ہے میرے مسافر بچے (موسیٰ علیہ السلام) کو کوئی ایسا واقعہ پیش آئے تو اس کی بھی کوئی مہمان نوازی کر سکے) ہارون علیہ السلام والدہ کے حکم کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کو اندر سے گھر پر لے آئے اور طعام پیش کیا آپ کو کسی نے نہ پہچانا لیکن جونہی گفتگو شروع فرمائی تو والدہ نے پہچان لیا۔ اور اپنے پاس بلا کر گلے لگایا اور خوب روئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت و رسالت سے نوازا ہے اور حکم فرمایا کہ ہم دونوں فرعون کو جا کر احکام الٰہی کی دعوت دیں۔ ہارون علیہ السلام نے بسروچشم کہا مجھے کون سا انکار ہے ماں نے فرمایا کہ مجھے خطرہ ہے کہ وہ دونوں کو شہید نہ کر دے اس لیے کہ وہ بڑا سرکش اور طاغی ہے۔ ہارون

marfat.ocm

علیہ السلام نے فرمایا کہ جب ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو وہی ہماری حفاظت فرمائے گا اس میں ہمیں خوف کیوں؟ اس کے بعد دوسرے روز موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرعون کے پاس تشریف لے گئے اور فرعون کے شاہی محل کے باہر ایک بہت بڑا لشکر جمع تھا انہیں کہا کہ ہماری آمد کی اطلاع فرعون کو پہنچادو چنانچہ فوراً فرعون کے ہاں پہنچ کر پیغام الٰہی سنادیا۔

ایک روایت میں ہے کہ فرعون نے انہیں ایک سال تک اپنے ہاں تک آنے کی اجازت نہ دی۔ یہ دوسری روایت اگر صحیح ہو تو اس میں بھی موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی بھلائی تھی کہ انھوں نے اندریں اثنا فرعون کے ساتھ گفتگو کرنے کی تجاویز سوچ لیں اور دیگر غیبی امداد سے نوازے گئے۔ اس طرح سے دونوں کو فرعون کے ہاں دعوت دینے کی سہولت ہو گئی۔ بہرحال پہلی یا دوسری روایت کے مطابق موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے فرعون کو دعوتِ حق پہنچادی۔ کما قال اللہ۔ **فلما جاءھم موسیٰ**۔ جب ان کے ہاں موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ درآنحالیکہ وہ متلبس تھے۔ **بآیاتنا**۔ ہمارے آیات کے ساتھ اور ان آیات کا حال یہ تھا کہ **بینٰت** وہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی واضح دلیلیں تھیں اس سے وہ معجزات مراد ہے یعنی عصا موسیٰ علیہ السلام کے پاس موجود تھے جیسے عصا اور ید بیضا یا آئندہ حاصل ہوں گے یعنی عصا و ید بیضا کے علاوہ دیگر معجزات جیسے طوفان وغیرہ یعنی وہ نو معجزات جو مشہور ہیں ہم نے دونوں قسم کے معجزات اس لیے مراد لیے ہیں کہ لفظ مجئ میں وسعت ہے کہ اس میں موجود اور مستقبل ہر طرح کے زمانے شامل ہوتے ہیں۔ **قالوا ما ھذا**۔ فرعون اور اس کی قوم نے کہا کہ نہیں ہے یہ جو آپ لائے ہیں۔ **الا سحر مفتری** مگر جادو من گھڑت اس سے قبل ہم نے آپ کے لائے ہوئے جیسے جادو نہیں دیکھے۔

صوفیانہ تقریر

نفس کو عالم ملکوت کے اسفل حصہ سے الٹا پیدا کیا گیا ہے اور قلب کو عالم ملکوت کے وسط سے متوجہ الی اللہ کر کے یہی وجہ ہے کہ قلب جسے دیکھتا ہے اسے نہیں جھٹلاتا بخلاف نفس کے کہ وہ جسے دیکھتا ہے اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ اسی لیے جو قلب امراض و علل سے باصحت و عافیت ہو تو وہ حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھتا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی دعا میں عرض کیا کرتے **اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ** اے اللہ ہمیں حق کے مشاہدہ سے نواز کر اس کی اتباع کی توفیق بخش اور باطل سے باخبر کر کے ہمیں اس سے بچا۔

marfat.com

فائدہ: اس دعا سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم قلب کے امراض و علل کی سلامتی اور نفس کی ہلاکت اور اس کی خواہشات کا قلع قمع اور نفسانی حملوں کی تباہی چاہتے تھے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

وماسمعنا بھٰذا اور ہم نے ایسے جادو کے متعلق نہیں سنا۔ **فی اٰبائنا الاولین** اپنے آباؤ اجداد سے کہ ایسا جادو ان کے دور میں پایا گیا ہو۔ **وقال موسیٰ** اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **ربی اعلم بمن جاء بالھدیٰ من عندہ۔** میرا رب تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے اس کا بندہ ہدایت لایا ہے۔

فائدہ: اس سے موسیٰ علیہ السلام کی اپنی ذات مراد ہے یعنی میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور وہی جانتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور تم باطل پر۔ **ومن تکون لہ عاقبۃ الدار** اور اسے معلوم ہے کہ دار دنیا کا انجام یعنی آخرت کس کے لیے اچھی ہے اور ہم نے آخرت اس لیے مراد لی ہے کہ دنیا اسی کی گزرگاہ ہے کہ یہاں کے منازل کے اختتام کے بعد آخرت کی سرحد شروع ہوتی ہے اور یہی دنیا و آخرت کی کھیتی ہے۔ اور مقصود بالذات اجر و ثواب ہے اور عذاب تو مجرموں کے بد اعمال اور اُن کی برائیوں کا نتیجہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی عاقبت مطلقہ سے عاقبت محمودہ مراد ہے نہ کہ عاقبت مذمومہ۔ **انہ** بیشک شان یہ ہے کہ **لا یفلح الظالمون** اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوں گے اس لیے کہ اُنھوں نے خود کو کفر و تکذیب سے تباہ و برباد کر ڈالا یعنی اپنے مطلوب کو ہرگز نہیں پاسکیں گے اور نہ ہی کسی خطرہ سے بچ سکیں گے اور منجملہ ان خطرات کے دنیوی عذاب بھی ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ مومن پر لازم ہے کہ وہ نجات کے لیے جدوجہد کرے۔ اگر اس کا غیر کفر کی وجہ سے تباہی پائے تو اسے کسی قسم کا نقصان نہ ہوگا۔

وقال اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معارضہ کا ارادہ کرکے جادوگروں کو کہا **یاایھا الملا۔** اے میرے ارکان دولت۔ **ما علمت لکم من الٰہ غیری** مجھے معلوم ہے کہ میرے سوا تمھارا اور کوئی معبود نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس دعویٰ اور **انا ربکم الاعلیٰ** کے دعویٰ کے درمیان چالیس سال کا عرصہ گزرا یعنی اس کا پہلا دعویٰ یہ تھا کہ (موسیٰ علیہ السلام) کہتا ہے کہ زمین و آسمان کا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ **کما قال۔ رب السموات والارض** اور مجھے معلوم ہے کہ زمین پر میرے سوا اور کوئی معبود نہیں اور (موسیٰ علیہ السلام) غلط کہتا ہے۔ اسی لیے **فاوقد لی** لاایقاد بمعنی آگ جلانا۔ پس میرے حکم سے آگ جلائیے۔ **یاھامان** یہ فرعون کا وزیر تھا۔ **علی الطین** پانی اور مٹی کو ملایا جائے تو وہ طین (گارا) ہو جاتا ہے۔ اس سے آپ کی اینٹ تیار کرنا مراد ہے۔ اب

marfat.ocm

مطلب یہ ہوا کہ اے ہامان کچی اینٹوں کو پکائیے تاکہ جو تعمیر کروں وہ پختہ اور مضبوط ہو۔

فائدہ: پکی اینٹ کی ایجاد فرعون نے کی[1] اور چونکہ اس میں صنعت کی تعلیم کا اظہار مطلوب تھا اسی لیے اطبخ نہیں کہا بلکہ **فاوقد لی** الخ **فاجعل لی** پھر اس سے میرے لیے بنا **صرحًا** بہت بڑا اونچا محل یعنی ایسا منارا کہ جس میں سیڑھیاں ہوں جس پر میں چڑھ اور اتر سکوں **لعلی اطلع الیٰ الٰہ موسیٰ** تاکہ میں موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو جھانک کر دیکھوں اور اس سے واقف ہو سکوں کہ وہ کیسا ہے **و انی لاظنہ** اور بیشک میں اسے گمان کرتا ہوں کہ وہ **من الکاذبین** جھوٹے لوگوں سے ہے یعنی وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے جبکہ کہتا ہے کہ اس کا میرے سوا کوئی اور معبود اور وہ اس کا رسول ہے۔ اس نے اپنی قوم کے سامنے بناوٹی باتیں کیں اس کا یہ دعویٰ ہر لحاظ سے تحقیقی نہیں ہے چنانچہ **و جحدوا بہا واستیقنتہا انفسہم** سے معلوم ہوتا ہے۔

فائدہ: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اس میں شک نہیں کہ فرعون اپنے دعویٰ استحقاق الوہیت میں شکی تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ خود ہزاروں حاجات کا حاجت مند اور بے شمار بلیات میں مبتلا ہے لیکن چونکہ دعویٰ کر چکا تھا اس لیے سرکشی اور طغیان سے اپنے دعویٰ سے باز نہ آیا اور نہ وہ اپنے دل میں معترف تھا کہ وہ ہرگز الوہیت کا مستحق نہیں۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ فرعون کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے اور جسمانیت کے لحاظ سے آسمان پر مکان بنا رکھا ہے اسی لیے وہاں تک پہنچنا ممکن ہے وہ بدبخت ذیل کے مضمون سے بے خبر تھا۔

کہ مکاں آفریں مکان چہ کند
آسماں گر بر آسماں چہ کند

نہ مکاں رہ برد بروہ نہ زمان
نہ بیان نہ خبر دہد نہ عیاں

ترجمہ: مکان پیدا کرنے والے کو مکان کی کیا ضرورت۔ آسمان کا خالق آسمان کو کیا کرے گا۔
نہ مکان کو وہاں گنجائش نہ زمان کو۔ نہ بیان اس کی خبر دے سکتا ہے نہ عیاں۔

فائدہ: صاحب کشاف نے لکھا کہ ہامان نے پچاس ہزار مستری بلوائے اور بے شمار مزدور اکٹھے کیے تاکہ اسی منارہ کی تیاری کے لیے اینٹیں بنائیں اور پکائیں پھر اس کے بعد اینٹیں اور گارہ اور سیمنٹ وغیرہ مینارہ پر لگائیں اس کے اس کام سے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو سخت تکلیف پہنچی کیونکہ بنی اسرائیل کو اس کام میں بہت زیادہ لگایا گیا۔

فائدہ: حضرت ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مینارہ کا شیشہ کہیں سے میسر کیا گیا اور اس کے اوپر

---

[1] اس سے یہ قاعدہ واضح ہوا کہ فعل کے استحسان کو دیکھا جاتا ہے نہ کہ موجد کو۔ اس سے وہابیہ دیوبندیہ کو اپنے غلط اعتراض پر نظر ثانی کرنی چاہیے کہ چونکہ بہشت کذائیہ محفل میلاد کا موجد فلاں بادشاہ تھا لہٰذا ناجائز ہے۔ حالانکہ جب محفل میلاد ایک مقدس عمل ہے تو موجد کا بہانہ لے کر رد کرنے کی سعی ناشکری کیوں؟

marfat.com

کے حصہ پر کوئی شخص کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اس خطرہ سے کہ کہیں نیچے نہ گر جائے اور اس کی لمبائی پانچ ہزار اور چوڑائی تین ہزار گز تھی اور اتنا مضبوط اور اونچا تھا کہ اس سے قبل نہ پہلے کسی نے بنایا اور نہ ہی اس وقت اس جیسی عمارت کسی نے دیکھی اور سنی ؎

چناں بلند بنائے کہ عقل نتوانست
کمند فکر فگندن بگوشہ بامش

ترجمہ: وہ بنا اتنا بلند تھی کہ اس کی چھت پر کمند فکر نہیں پہنچ سکتا تھا۔

حکایت حضرت بہلول نے ہارون الرشید کے شاہی محل کی دیوار پر لکھا کہ ارے ہارون تو نے مٹی کو اونچا کیا اور دین کو نیچا اور گچ کو بلند کیا اور نص کو نیچا۔ اگر تو نے اپنے مال سے بنایا ہے تو تو نے اسراف کیا اور اللہ تعالیٰ مسرفین کو پسند نہیں فرماتا اگر تو نے غیر کا مال لگایا تو تو نے ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ ظالمین سے بھی محبت نہیں کرتا۔

فرعون نے آسمان کی طرف تیر پھینکا زاد المسیر میں ہے کہ جب وہ مینار تیار ہو گیا تو فرعون اس کے اوپر چڑھ گیا لیکن آسمان کو ویسا ہی اونچا پایا جیسے زمین سے دیکھا کرتا تھا۔ پریشان ہوا لیکن پھر بھی تیر انداز کو کہا کہ تیر آسمان کی طرف پھینکے چنانچہ تیر انداز نے آسمان کی طرف تیر پھینکا تو وہ تیر خون آلود ہو کر واپس لوٹا اس سے فرعون خوش ہو گیا اور کہا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو قتل کر دیا۔ (معاذ اللہ)

اعجوبہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فرعون کے مینارہ پر اپنا پر ماریں چنانچہ جبریل علیہ السلام نے پر مارا تو مینارہ تین حصے ہو گیا۔ ایک حصہ قبطیوں پر گرا جس سے ہزارہا قبطی مر گئے۔ ایک حصہ دریا میں گرا۔ تیسرا حصہ فرعون کے سپاہیوں اور مزدوروں پر پڑا جنہیں ملیامیٹ کر گیا۔

فائدہ فتح الرحمٰن میں ہے کہ جس نے بھی اس مینار کی تعمیر میں حصہ لیا باقی نہ رہا۔ تمام اسی مینار سے تباہ و برباد ہوئے صرف وہ جو فرعون کے دین پر تھا اور فرعون اس سے بھی متنبہ نہ ہوا بلکہ غرور اور سرکشی میں اور بڑھا۔

واستکبر ھو وجنودہ ۔ فرعون اور اس کے لشکر نے تکبر کیا یعنی ایمان سے روگردانی کی **الاستکبار** ۔ باطل بڑائی کا اظہار کرنا اور اس کا اطلاق باطل پر آتا ہے بخلاف تکبیر کے کہ وہ عام ہے اور کبر یہ ہے کہ خیال ... سے اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھے **فی الارض** مصر اور اس کے گرد و نواح میں **بغیر حق** ۔ بغیر استحقاق کے **وظنوا انھم الینا لا یرجعون** اور ان کا گمان تھا کہ وہ قیامت میں ہمارے ہاں نہیں

marfat.ocm

لوٹائے جائیں گے اور ہمارا دستور ہے کہ ہم سے روگردانی کرتا ہے ہم بھی اس سے روگردانی کرتے ہیں چنانچہ فرعون اور اس کا لشکر روگرداں ہوا **فاخذ ناہ وجنودہٗ** تو ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو پکڑ لینے جب وہ کفر وکبر کے انتہا کو پہنچا تو ہم نے بھی ان کی گرفت کی **فنبذ ناھم** اور انھیں پھینک دیا۔

فائدہ: الراغب میں ہے کہ النبذ بمعنی شے کو بیکار سمجھ کر پھینک دینا **فی الیم** دریا میں اس سے بحر قلزم مراد ہے یعنی ان کا انجام برباد کیا کہ انھیں دریا میں ڈبو دیا۔ اس میں گرفت کرنے والے کے شان کی عظمت اور گرفت کردہ شدہ کا حال تحقیر ہے بایں طور کہ باوجودیکہ بہت بڑی تعداد میں تھے لیکن انھیں گویا مٹی میں لے کر دریا میں ایسے پھینک دیا گیا جیسے کنکریوں کو مٹھی میں ڈال کر دریا میں پھینکا جاتا ہے۔

فانظر پس دیکھئے اے (محبوب) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قلب کی آنکھ سے **کیف عاقبۃ الظالمین** ظالمین کا کیسا انجام ہے اس سے اپنی قوم کو ڈرایئے **وجعلنا ھم ائمۃ یدعون الی النار** اور ہم نے انہیں مقتدا بنایا کہ وہ انھیں جہنم کی طرف بلاتے تھے یعنی آنکھو کفر و معاصی کے ارتکاب کرانے کا سردار بنایا تاکہ اس سبب سے وہ جہنم میں جائیں اور وہ دوسروں کو گناہ کرانے کے سردار بنائے گئے تاکہ انھیں اپنے گناہ اور دوسروں کے جرائم سے دوہرا عذاب ہو۔ **ویوم القیمۃ لاینصرون** اور قیامت میں ان سے کسی طرح سے بھی دفعیہ عذاب کی کسی قسم کی مدد نہیں دی جائے گی **واتبعناھم فی ھذہ الدنیا لعنۃ** اور ہم نے دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگائی یعنی انھیں اپنی رحمت سے دور کر دیا یا اس کا معنی یہ ہے کہ لعنت کرنے والوں (ملائکہ اور مومنین) کو ان پر لعنت کرنے پر لگا دیا کہ ان پر اس دنیا میں آگے پیچھے سب لعنیں بھیجیں **ویوم القیمۃ من المقبوحین** یوم القیمہ المقبوحین کے متعلق ہے یہ اس وقت ہے جب المقبوحین کا الف لام تعریف کا ہو اور اسے لام موصولہ نہ بنایا جائے۔ المقبوحین بمعنی المطرودین المبعدین مثلاً کہا جاتا ہے **قبح اللہ فلانا قبحا وقبوحا** یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو ہر طرح کی خیر و برکت سے دور رکھا جائے۔ **فھو مقبوح** بمعنی خیر و برکت سے محروم (کذا فی القاموس وغیرہ)

تاج المصادر میں ہے کہ **القبح والقباحۃ والقبوحۃ** بمعنی زشت شدن اسی معنی کو لے کر امام راغب نے المفردات میں لکھا ہے کہ **المقبوحین** بمعنی **الموسومین** یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کی حالت نہایت درجہ قبیح ہو جیسے سیاہ روئی۔ نیل چشمی اور اغلال و سلاسل سے کھینچ کر لے جانا وغیرہ وغیرہ۔

الوسیط میں ہے کہ المقبوحین بمعنی المقبحین ہے۔ معنی یہ ہے کہ وہ فرعون اور اس کے لشکری ذلیل و خوار لوگوں سے ہو گئے۔

marfat.com

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ قبیح اس لیے ہوئے کہ ان کا معاملہ قبیح تھا جیسے ہم محسن کو اس کے معاملہ کی وجہ سے حسن او وجہ کہتے ہیں۔ صحیح ہے کہ احسان کی جزا احسان اور برائی کی سزا برائی ہوتی ہے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ تکبر انہی قبائح سے ہے جو موجب لعنت اور محرومی از رحمتِ حق ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے بیان فرمایا کہ کبریائی میری چادر اور عظمت میرا ازار ہے جو دونوں مجھ سے چھیننا چاہے تو میں اسے دوزخ میں ڈالوں گا۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ردار و ازار بتائی قمیص و شلوار کا نام اس لیے نہیں لیا کہ قمیص و شلوار انسان کو محیط نہیں۔ دوسرے قمیص و شلوار میں ترکیب ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے صفات لائق نہیں جو غیر محیط اور مرکب ہوں کیونکہ ایسے اوصاف جسمانیات سے متعلق ہیں۔

فائدہ: کبر اعجاب اور اعجاب جہل سے پیدا ہوتا ہے جو انسان کے محاسن کو نقصان پہنچاتا ہے اور جہل انسان کو انسانیت کے دائرہ سے باہر پھینکتا ہے اور کبر قبول حق کے امتناع کا موجب ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان قبائح کو راس القبائح کہا ہے۔ **کما قال۔ الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تستکبرون فی الارض بغیر الحق**[۹]

مسئلہ: سب سے برا انسان وہ ہے جس میں کبر کے ساتھ بخل بھی ہو۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: دو عادتیں مومن میں نہیں ہوتیں:

۱۔ بخل ۲۔ کبر

فائدہ: جو شخص حکومت۔ افسری۔ شاہی ملنے کے بعد تکبر کرتا ہے تو یہ اس کے ردی جوہر کی دلیل ہے۔

تکبر کے زائل کرنے کا علاج: جس نے اپنے لیے یقین کیا کہ وہ چند بیکار اُمور سے مرکب ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی ابتداء و انتہا اور اوسط کیا ہے تو اپنے اندر ہزار نقائص و عیوب پائے گا اس طرح سے اس کا کبر اس کے دل سے زائل ہو جائے گا اور جس کا تکبر دنیا و دولت سے ہو تو اسے سمجھنا چاہیے کہ یہ عارضی شے چند روز کے بعد اس سے ختم ہو کر مٹ جائے گی۔

مسئلہ: آیت میں **بغیر الحق** کے لفظ میں اشارہ ہے کہ تکبر مذموم نہیں بلکہ بعض مواقع تکبر سے ثواب ملتا ہے مثلاً دشمن کے مقابلہ کے وقت تکبر کرنا بہت بڑا ثواب ہے اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو دجانہ کو صف جنگ میں تکبر سے چلتا ہوا دیکھ کر فرمایا ایسی چال اللہ تعالیٰ کو مبغوض ہے لیکن اگر جنگ کے موقع پر ہو تو محبوب ہے۔

---

۹ آج تم زمین پر ناحق تکبر کی وجہ سے سخت عذاب دیئے جاؤ گے۔

بقیہ صفحہ ۹۲۴

marfat.ocm

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولٰى بَصَائِرَ

اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی بعد اس کے کہ اگلی سنگتیں ہلاک فرمادیں جس میں لوگوں کے دل کی آنکھیں

لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٤٣﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ

کھولنے والی باتیں اور ہدایت اور رحمت تاکہ وہ نصیحت مانیں اور تم طور کی جانب مغرب میں نہ تھے

إِذْ قَضَيْنَا إِلٰى مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِينَ ﴿٤٤﴾ وَلٰكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُونًا

جب کہ ہم نے موسیٰ کو رسالت کا حکم بھیجا اور اس وقت تم حاضر نہ تھے مگر ہوا یہ کہ ہم نے سنگتیں پیدا کیں

فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوا عَلَيْهِمْ

کہ ان پر زمانہ دراز گزرا اور نہ تم اہل مدین میں مقیم تھے ان پر ہماری آیتیں پڑھتے ہوئے

آيٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿٤٥﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ

ہاں ہم رسول بنانے والے ہوئے اور نہ تم طور کے کنارے تھے جب ہم نے ندا فرمائی ہاں تمہارے

رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أَتٰهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ

رب کی مہر ہے (کہ تمہیں غیب کے علم دیئے) کہ تم ایسی قوم کو ڈر سناؤ جس کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہ آیا یہ

يَتَذَكَّرُونَ ﴿٤٦﴾ وَلَوْلَا أَنْ تُصِيبَهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا

امید کرتے ہوئے کہ ان کو نصیحت ہو اور اگر نہ ہوتا کہ کبھی پہنچتی انہیں کوئی مصیبت اس کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا

رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيٰتِكَ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾

تو کہتے اے ہمارے رب تو نے کیوں نہ بھیجا ہماری طرف کوئی رسول کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمان لاتے

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسٰى

پھر جب ان کے پاس حق آیا ہماری طرف سے بولے انہیں کیوں نہ دیا گیا جو موسیٰ کو دیا گیا کیا اس

أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسٰى مِنْ قَبْلُ قَالُوا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا وَقَالُوا إِنَّا

کے منکر نہ ہوئے تھے جو پہلے موسیٰ کو دیا گیا بولے دو جادو ہیں ایک دوسرے کی پشتی پر اور بولے ہم

بِكُلٍّ كٰفِرُونَ ﴿٤٨﴾ قُلْ فَأْتُوا بِكِتٰبٍ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ أَهْدٰى مِنْهُمَا

ان دونوں کے منکر ہیں تم فرماؤ تو اللہ کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان دونوں کتابوں سے زیادہ ہدایت کی

أَتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿٤٩﴾ فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا

ہو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو پھر اگر وہ یہ تمہارا فرمانا قبول نہ کریں تو جان لو کہ بس وہ اپنی

يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى

خواہشوں ہی کے پیچھے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اپنی خواہش کی پیروی کرے اللہ کی ہدایت سے جدا

marfat.com

مِنَ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۰﴾

بے شک اللہ ہدایت نہیں فرماتا ظالم لوگوں کو

مضمون سابقہ بقیہ صفحہ ۹۲۲

مسئلہ : اغنیاء کے سامنے بھی تکبر (استغناء) جائز ہے اس لیے کہ یہ تکبر (استغنا) اپنی عزت ہے اور یہ مذموم نہیں چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لا ینبغی للمؤمن ان یذل نفسہ ۔ مومن کو لائق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل رکھے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ قبولِ حق تواضع والوں سے تواضع اور بقدر دانوں کی قدر بڑھا کر اپنے آپ کو معزز بنائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام منزلہ کی پابندی کرے انشاء اللہ دنیا و آخرت سے کامیاب و کامران رہے گا۔ اور منجملہ ان لوگوں سے ہو جائے گا جن کے ظاہری و باطنی معاملات پر عوام و خواص کی زبان سے مدح سرائی ہوتی ہے ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے نعمتِ متواخرہ کا سوال کرتے ہیں :

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا :

بزرگان نکردند در خود نگاہ
خدا بینی از خویشتن مخواہ
بزرگی بناموس و گفتار نیست
بلندی بدعویٰ و پندار نیست
بریں آستان عجز و مسکینیت
بہ از طاعات و خویشتن بینیت
بلندیت باید تواضع گزیں
کہ آن بام را نیست سلم جز ایں

ترجمہ : بزرگوں نے اپنے آپ کو نہیں دیکھا جس نے اپنے آپ کو دیکھا اس سے خدا بینی مشکل ہے ۔
ناموس و گفتار کا نام بزرگی نہیں دعویٰ اور گمان کا نام بلندی نہیں۔
لیکن عجز و مسکینی ضروری ہے اور اپنے آپ کو دیکھنے سے طاعتِ الٰہی بہتر ہے ۔
تجھے بلندی کی ضرورت ہے تو تواضع کیجئے اس لیے کہ اس بلندی کی سیڑھی یہی ہے

ولقد اٰتینا موسی الکتٰب : بیشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات دی ۔ من بعد اھلکنا القرون الاولیٰ ۔ قرون قرن کی جمع ہے وہ لوگ جو زمانۂ واحد کو مقترن ہوں یعنی اس کے بعد کہ ہم

marfat.ocm

نے دنیا میں کئی قوموں کو جیسے قوم نوح و ہود و صالح و لوط علیہم السلام کو ہلاک و تباہ کر دیا۔ یعنی جب انھیں تباہ کرنے کی حاجت محسوس ہوئی۔

فائدہ: الراغب نے لکھا ہے کہ الھلاک بمعنی موت اور اسے اللہ تعالیٰ نے ذکر نہیں فرمایا سوائے چند مقامات کے، مثلاً: حتیٰ اذا اھلك ان امرؤ ھلك اور فرمایا وما یھلکنا الا الدھر اور فرمایا حتیٰ اذا اھلك قلتم لن یبعث اللہ من بعدہ رسولا۔ بصائر للناس۔ یہ الکتاب سے حال ہے اگرچہ کتاب خود بصائر ہے۔ اسی طرح اس کا مابعد کا معاملہ ہے۔ البصائر والبصیرۃ کی جمع ہے۔ یہ دراصل قلب کے ایک نور کا نام ہے جس سے باطنی امور کو دیکھا جاتا ہے جیسے بصر آنکھ کا نور جس سے ظاہری اشیاء کو دیکھا جاتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ کتاب بنی اسرائیل کے قلوب کا نور تھی کہ جس سے وہ حقائق اشیاء کو دیکھتے اور حق و باطل کی تمیز کرتے تھے جبکہ اس سے قبل ان کے قلوب ادراک و فہم سے بالکل اندھی تھیں۔ وھدی اور وہ شرائع و احکام (جنھیں راہِ حق سے تعبیر کیا جاتا ہے) کی طرف ہدایت دینے والی تھی۔

فائدہ: انسان العیون میں لکھا ہے کہ تورات پہلی آسمانی کتاب تھی جو احکام و شرائع پر مشتمل تھی بخلاف کتب سابقہ کے کہ وہ ایسی نہیں تھیں بلکہ انمیں صرف ایمان باللہ اور توحید کا بیان تھا اس لیے انھیں صحف کہا جاتا اور ان پر لفظ کتاب کا اطلاق مجازاً ہوتا ورحمۃ اور وہ کتاب رحمت تھی یعنی ہر اس شخص کے لیے رحمت ہوتی جو اس پر عمل کرتا لعلھم یتذکرون تاکہ وہ ایسے حال پہ ہو جائیں کہ ان سے مواعظ سے نصیحت حاصل کرنے کی امید کی جا سکے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تورات کے نزول کے بعد کسی قوم کو آسمانی عذاب سے تباہ و برباد نہ کیا گیا سوائے اس قوم کے جو خنزیر اور بندر ہو گئے۔ اس کا استدلال آیت مذکورہ سے ہے۔ وما کنت اور اے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نہیں تھے بجانب الغربی غربی جانب سے یعنی اس پہاڑ یا مکان غربی میں جہاں موسیٰ علیہ السلام کا میقات مقرب تھا اور وہاں پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے تھے یہاں موصوف محذوف اور صفت اپنے موصوف کے قائم مقام ہے یا الجانب الغربی مسجد الجامع کی طرح اضافۃ الصفۃ الی الموصوف کے قبیل سے ہے ہر دونوں اعتبار سے اس سے کوہ طور مراد ہے اذ قضینا الی موسی الامر۔ جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے عہد لیا اور انہیں وحی کے ذریعے نبوت کے اعلان کا حکم فرمایا اور تورات عطا فرمائی وما

marfat.com

کنت من الشاھدین۔ آپ ان مشاہدہ کرنے والوں سے نہیں[1] جو اس وقت وحی میں موجود تھے یعنی ان ستر آدمیوں کی جنہیں میقات موسیٰ میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جانے کے لیے بنی اسرائیل نے منتخب کر کے بھیجا تھا یہاں تک کہ آپ اُن کی طرح موسیٰ علیہ السلام کے حالات میقات کا مشاہدہ فرماتے اور تورات کی کتابت کے وقت کو آنکھوں سے ملاحظہ فرما کر لوگوں کو بتاتے۔ نیز یہاں یہ ثابت کرنا مطلوب ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ غیوب و احوال ماضی کی خبر دیئے ہیں وہ وحی الٰہی کے ذریعے سے ہے جو آپ کی نبوت کی واضح دلیل[2] ہے۔ اس کے بعد استدراک کے طور پر فرمایا ولکنا انشاء نا قرونا لیکن ہم نے آپ کے اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے درمیان میں بہت بڑے گروہ در گروہ پیدا فرمائے۔ فتطاول علیہم العمر۔ تطاول بمعنی طال ہے بمعنی دراز ہوئی۔

حل لغات: العمر بالفتح و بالضم و بضمتین بمعنی الحیاۃ۔ امام راغب نے فرمایا کہ بدن کی حیات کے ذریعے عمارت کی مدت کو عمر کہا جاتا ہے۔

اَب یہ معنیٰ ہُوا کہ ان پر طویل زندگیاں اور عرصے دراز اور بڑے برس گزر گئے اور پھر شرائع و احکام بدلتے رہے اس تغیر و تبدل سے ان کے اصلی حالات و اخبار اوجھل ہو گئے اسی لیے اَب ضرورت تھی انھیں ایسی نئی شریعت سے نوازا جائے جو ان کے حالات کو آراستہ و پیراستہ کرے اسی لیے ہم نے آپ کو وحی سے نوازا۔ یہاں پر مستدرک کے موجب کی وجہ مستدرک کو حذف کر دیا گیا ہے وما کنت ثاویاً یہ نفی اس احتمال کے لیے ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ آپ نے یہ قصہ اس سے سُنا ہو گا جو واقعہ کے وقت موجود تھا۔ الثواء بمعنی الاقامۃ والاستقرار یعنی آپ موسیٰ و شعیب علیہما السلام کی طرح اہل مدین میں مقیم نہیں تھے۔

---

[1] یہ دیوبندیوں اور وہابیوں کے ایک سوال کا پہلا جواب ہے۔ سوال یہ ہے اہلسنت وجماعت حضور علیہ الصلوٰۃ کو اولین و آخرین کے ذرہ ذرہ کے حالات پر حاضر و ناظر ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے صریح نفی کیوں فرمائی صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہاں پر الشاھدین سے مراد مخصوص چند افراد مراد ہیں اور ان کی ایک خاص کیفیت کے اعتبار سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے نفی کی گئی ہے تو یہ ہمارے مدعا کے خلاف نہیں کیونکہ معانی اور مناظرہ وغیرہما کا قاعدہ ہے کہ خصوص کی نفی سے عموم کی نفی نہیں ہوتی۔

[2] یہ وہابیہ دیوبندیہ کے سوال مذکور کا دوسرا جواب ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے منکر تھے لیکن ان کی کتب توراۃ میں بار بار واضح کیا گیا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان ان کی وحی ربانی ہے اور آیت کی نفی مذکور غیر وحی کے لیے ہے ورنہ وحی سے تو آپ نے حالات بتائے جن سے مخالفین کو بھی انکار نہیں اور یہی ہمارا مطلوب ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دعوت نبوت کے اثبات میں کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے اس طرح گفتگو فرماتے جس طرح کہ وہ اہل تھے یہ آپ کے فضائل و کمالات اپنے مقام پر حق ہیں۔

marfat.ocm

درآنحالیکہ آپ تتلو علیھم آپ ان سے قصہ پڑھتے ہیں جیسے شاگرد استاد سے پڑھتا ہے یہ ثاویا کی ضمیر مستکن سے حال ہے یا کنت کی خبر ثانی ہے ایاتنا ہماری آیات جو قصہ بیان کرتی ہیں۔ ولکنا کنا مرسلین اور لیکن ہم آپ کو رسول بنا کر بھیجتے اور آپ کے ہاں ان آیات اور اُن کی طرح دیگر وحی کرتے ہیں۔ وما کنت بجانب الطور اذ نادینا اور آپ اس وقت نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام طور کے قریب ندا دی کہ انی انا اللہ رب العلمین اور انہیں نبوت کی خبر دی اور انہیں فرعون کی طرف رسول بنا کر بھیجنے کا حکم فرمایا۔

نکتہ در شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اس نکتے میں الایمن کا اضافہ اس لیے نہیں کیا کہ کہیں محبوب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس بیان مذمت کا پہلو نہ نکل سکے اسی لیے کہ آپ تو ازل تا ابد جانب ایمن میں ہیں۔ اس نکتہ کو شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے خبر لوگ (مثلاً وہابی نجدی) غور سے پڑھیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا بھی گوارا نہیں کہ ایسے الفاظ ان کے حق میں لکھے جائیں جس میں ان کی بے ادبی و گستاخی کا ایہام ہو (لیکن یہ لوگ جس طرح کی گستاخانہ و بے باکانہ عبارات و کلمات حضور علیہ السلام کے حق میں استعمال کرتے ہیں تو الایمان والحفیظ کہ جن پر یہود و نصاریٰ اور ہنود و دیگر دشمنانِ اسلام بھی جرأت نہ کر سکیں تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب التحقیق الکامل فی تمیز الحق والباطل وغیرہ دیکھئے) ولکن رحمۃ من ربک اور لیکن ہم نے آپ کو قرآن ناطق دے کر رسول بنا کر بھیجا کہ اس میں ہماری اس عظیم رحمت کا بیان ہے جس سے ہم لوگوں کو نوازتے ہیں۔ لتنذر قوما یہ فعل معلل بالرحمۃ کے ساتھ متعلق ہے تاکہ آپ قوم کو ڈر سنائیں۔ ما اتاھم من نذیر من قبلک۔ یہ جملہ قوماً کی صفت ہے۔ یعنی ان سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا اس لیے کہ وہ فترت کا دور تھا اس سے عیسیٰ علیہ السلام اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مراد ہے۔ یہ پانچ سو پچپن سال کا عرصہ تھا یا اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے درمیان کا زمانہ مراد ہے اس لیے کہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی دعوت صرف بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی لعلھم یتذکرون۔ شاید وہ آپ کی تبلیغ سے نصیحت حاصل کریں۔ قضاء الامر اور اہل مدین کے قیام اور ندا کی تغیر و تنوعی میں تنبیہ ہے کہ یہ ہر ایک مستقل برہان اور روشن دلیل ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر ایک واقعہ تفصیل سے بیان کرنا وحی ربانی سے ہے۔ اگر ان واقعات کو ترتیب سے ذکر کیا جاتا مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل مدین میں نفی پھر قضاء الامر کے وقت موجود ہونے کی نفی جیسا کہ واقعات کی ترتیب ہے تو اس سے یہ سمجھا جاتا کہ یہ تمام واقعات نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی صرف ایک دلیل ہے حالانکہ وہ علیحدہ علیحدہ مستقل دلیل نبوت مصطفےٰ ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (کذا فی الارشاد)

marfat.com

فائدہ: تذکر نصیحت کرنا اسی ازلی عہد کی تجدید مطلوب ہے اور وہ کلمۂ شہادت سے ہوتی ہے اور کلمہ شہادت ہی دارین کی نجات کا موجب ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کا بیان

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل آس (درخت) کے پتہ پر لکھوا کر عرش معلیٰ پر رکھوا کر اعلان کرایا کہ **یا امۃ محمد** (صلی اللہ علیہ وسلم) **ان رحمتی سبقت غضبی اعطیتم قبل ان تسئلونی وغفرت لکم قبل ان تستغفرونی من لقینی منکم یشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدی ورسولی ادخلۃ الجنہ وقد اخذ اللہ المیثاق من موسیٰ ان یؤمن بانی رسول اللہ فی غیبتی۔**

ترجمہ: اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سن لو میرے غضب سے میری رحمت سبقت لے گئی ہے۔ میں نے تمہیں بے مانگے دے دیا اور میں نے تمہیں بخش دیا جو بھی میرے ہاں حاضر ہوا اور اسے میری توحید اور میرے محبوب کی رسالت کا اقرار اور یقین ہے تو میں اسے بہشت میں داخل کروں گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے میری رسالت کے متعلق غائبانہ عہد لیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمنّا

حدیث شریف میں ہے کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں جا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے آواز آئی اے موسیٰ علیہ السلام۔ آواز کو سن کر موسیٰ علیہ السلام دائیں بائیں دیکھا کچھ نظر نہ آیا۔ ایسے ہی تین بار آواز آئی اور آپ نے ہر بار دائیں بائیں لیکن مگر کچھ نظر نہ آیا۔ تیسری بار گھبرائے۔ آواز میں اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا **یا موسیٰ بن عمران انی انا اللہ لا الہ الا انا** موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی **لبیک** یہ کہہ کر سجدہ ریز ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام سر اٹھا لیجئے اور یاد رکھئے کہ اگر آپ قیامت میں میرے عرش کے نیچے سکون حاصل کرنا چاہتے ہو تو یتیم کے ساتھ اتنا احسان کیجئے کہ اسے باپ کا خیال تک نہ آئے اور بیوہ عورت کے ساتھ احسان و مروت کیجئے تاکہ اسے شوہر یاد نہ آئے اور اے موسیٰ علیہ السلام دنیا والوں پر رحم کیجئے آخرت میں آپ پر رحم کیا جائے گا اور جیسے کرو گے ویسے بھرو گے اور یاد رکھو کہ قیامت میں میرے ہاں جو بھی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر آئے گا میں اسے جہنم میں داخل کروں گا وہ میرا خلیل ابراہیم ہو یا موسیٰ کلیم علیٰ نبینا وعلیہما السلام۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے الہ العالمین تیرا محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **یموسیٰ وعزتی وجلالی ماخلقت خلقا اکرم علی منہ کتبت اسمہ مع اسمی فی العرش قبل ان اخلق السموات والارض والشمس والقمر بالفی سنۃ وعزتی وجلالی ان الجنۃ محرمۃ علی الناس حتی یدخلھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وامتہ** (روح البیان ج۶ ص۔۔۔)

marfat.ocm

ترجمہ: اے موسیٰ (علیہ السلام) مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں نے ان سے مکرم تر کوئی نہیں پیدا کیا۔ عرش پر ان کا نام میں نے اپنے نام کے ساتھ لکھا جبکہ دو ہزار سال سے پہلے ابھی میں نے آسمان و زمین اور سورج و چاند پیدا بھی نہیں کیے۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں نے بہشت لوگوں پر حرام کر دی ہے جب کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت اس میں داخل نہ ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ ہر وقت میری حمد و ثنا کریں گے اور ہر وقت چوکس رہیں گے اور اپنے اجسام کو پاک رکھیں گے اور دن کو روزے رکھیں گے اور رات کو بیدار رہیں گے۔ ان کی معمولی سے معمولی نیکی بھی قبول کروں گا اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی سچی گواہی پر انہیں بہشت میں داخل کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا الٰہ العالمین مجھے اسی اُمت کا نبی بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام اسی اُمت کے نبی میرے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ عرض کی تو مجھے اسی نبی (پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کا اُمتی بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو پہلے پیدا فرمایا اور اُن کی پیدائش میں سینکڑوں سال دیر ہے لیکن دار الجلال میں آپ کو ان کی ملاقات کراؤں گا۔

اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آوازیں موسیٰ علیہ السلام نے سنیں

حضرت وہب بن منبہ نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام ہوئے تو عرض کی یا اللہ میں نے تورات میں ایک اُمت کا ذکر پڑھا کہ وہ تمام اُمتوں سے بہترین اُمت ہے۔ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دے گی اور برائیوں سے روکے گی۔ انہیں صدقات کا کھانا روا ہوگا اور ان کی ہر نیکی قبول اور ہر دُعا مستجاب ہوگی۔ اے اللہ تعالیٰ مجھے اس اُمت کا نبی بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ میرے محبوب احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی تو میری اُن کے ساتھ ملاقات کرا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اُس وقت پیدا بھی نہیں ہوئی اور نہ ہی اُن کے ظہور کا اب وقت ہے اگر آپ چاہیں تو آپ کو اُس کی گفتگو سنا دیں عرض کی یہی سہی۔ اللہ تعالیٰ نے آواز دی اے اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ آواز سن کر تمام ارواح نے اپنے آباء کی پشتوں سے لبیک پکاری۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سب کی آواز سن لی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ تمہاری لبیک پہ میں ایک تحفہ عطا فرماتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں نے تمہاری دُعائیں قبول فرمالیں قبل اس کے کہ تم دعا مانگو اور میں نے تمہیں بخشش دیا قبل اس کے کہ تم مجھ سے بخشش مانگو اور میں نے تم پر رحم فرمایا قبل اس کے کہ تم مجھ سے رحم کی درخواست کرو۔

فائدہ: اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش بختی کا کیا کہنا کہ انہیں اعلیٰ اور بہتر مراتب و درجات عنایت ہوئے جن کی گواہی قرآن مجید اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔

ع حق لطف کردہ بما ہر چہ بہتر است

ترجمہ: حق تعالیٰ نے لطف و کرم سے ہمیں وہ درجات و مراتب بخشے جو ہمارے لیے بہتر تھے۔

marfat.com

تفسیر عالمانہ: ولولا ان تصیبھم مصیبۃ: یہ ضمیر اہل مکہ کی طرف راجع ہے اور مصیبۃ بمعنی عقوبۃ ہے امام راغب نے فرمایا کہ دراصل مصیبۃ اس تکلیف کو کہا جاتا ہے جو بچھے پہنچے لیکن پھر مطلق سزا وغیرہ سے مخصوص ہو گئی۔ اب یہ معنی ہوا کہ اگر انہیں کوئی مصیبت نہ پہنچتی۔ **بما قدمت ایدیھم** بسبب اس کے کہ جو انہوں نے جرائم و معاصی کا ارتکاب کیا۔

فائدہ: تقدیم کا اسناد ایدی (ہاتھوں) کی طرف اس لیے کہ عمل میں اعضاء سے یہی عضو قوی تر ہے اور عموماً افعال میں اسی سے زیادہ تر مدد لی جاتی ہے۔ **فیقولوا** اس کا عطف **تصیبھم** پر ہے اور لولا امتناعیہ کے حیز میں داخل ہے اس لیے کہ ما بجاب کا امتناع اسی پر ہے۔ **ربنا** ہمارے پروردگار۔ **لولا ارسلت الینا** تو نے ہمارے ہاں کیوں نہ بھیجا یہ لولا تحضیضیہ ہے بمعنی **ھلا**۔ **رسولا** کسی ایسے رسول کو جو تیری طرف معجزات کے ساتھ موید ہوتا **فنتبع ایاتک** تو ہم تیرے انہی آیات کی اتباع کرتے جو اسی رسول کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے۔ یہ لولا ثانیہ کا جواب ہے۔ **ونکون من المؤمنین** اور ہوتے ہم ان پر ایمان لانے والے اور پہلے لولا کا جواب محذوف ہے بوجہ دلالت حال کے۔

خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ اگر وہ اپنے کردار پر عذاب کے نزول کے وقت عذر مذکور نہ کرتے تو آپ کو رسول بنا کر نہ بھیجتے لیکن چونکہ ان کا قول مذکور محقق ہے جس سے وہ کسی قسم کا انکار نہیں کر سکتے۔ اسی لیے ہم نے آپ کو قطعی طور ان کا رسول بنایا تاکہ پھر قیامت میں کسی قسم کا عذر نہ کر سکیں اس لیے کہ ہم نے اپنی حجت قویہ قائم کر دی ہے۔ **فلما جاءھم** پھر اہل مکہ اور کفار عرب کے ہاں تشریف لایا۔ **الحق** اس سے قرآن مجید مراد ہے چونکہ دوسرے مقام پر اس کی تصریح فرمائی ہے۔ **کما قال: فلما جاء الحق و رسول مبین من عندنا**۔ ہمارے امر و حی سے (کذا فی کشف الاسرار)

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہاں پر حق سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے۔

انا الحق کی حقیقت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انانیت کو فنا کر کے ہویت حق کی بقا سے مشرف ہو چکے تھے۔ اس مرتبہ پر فائز ہونے کی بنا پر اگر آپ انا الحق کہتے تو آپ کو روا تھا لیکن آپ کا انا الحق نہ کہنا آپ کی عالی ظرفی کی دلیل ہے لیکن آپ کے غلاموں (اولیاء اللہ) میں اگر کسی (منصور رحمۃ اللہ علیہ) نے کہہ دیا تو ان کو جائز تھا اس لیے کہ اولیاء کرام کے قلوب ایسے روشن و متجلی ہوتے ہیں کہ ان کے قلوب قلب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آمنے سامنے ہو کر نبوت کی ولایت کے انوار سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب انور اس حقیقت کا سرچشمہ اور حق کے ظہور کا مظہر و مرکز ہے اسی لیے اگر آپ کا فرمانبردار بحکم **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** آپ کی اتباع میں اسی حقیقت

کو ظاہر کردے تو کون ساحرج ہے۔ (کذا فی التاویلات نجمیہ)

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت حق کی تحقیق

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے یہ بھی واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجنے سے پہلے آپ کو مقام عندیتہ سے مشرف فرمایا اور آپ کو استحقاق بخشا کہ آپ کا اسم گرامی بھی حق ہو حالانکہ حق اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ سے ہے دہم اہل سنت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی مقام فناء و بقا کی وجہ سے صفات الٰہیہ سے موصوف کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ رحیم ہے تو آپ بھی رحیم۔ اللہ تعالیٰ کریم ہے تو آپ بھی کریم۔ اللہ تعالیٰ کی صفت علم غیب اور حاضر و ناظر اور نور تو ایسے ہی آپ بھی لیکن جتنا صفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں گے وہ بحیثیت الوہیت کے اور نبی علیہ السلام کی وہی صفات بحیثیت نبوت کے ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے اور قرآن مجید میں بندوں کو سمیع و بصیر کہا ہے تو وہاں بھی یہی کہنا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے بحیثیت خالق ہونے کے اور بندوں کی یہ صفات بحیثیت مخلوق کے (فافہم ولا تکن من الوہابین)[1]

تفسیر عالمانہ:

قالوا۔ بطور سرکشی مطالبہ کرتے ہوئے کہا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ مقولہ قریش کا ہے جو انہوں نے یہود کے سمجھانے پر کہا لولا۔ کیوں نہیں۔ اوتی دیئے گئے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مثل ما اوتی موسیٰ۔ مثل اس کے جو موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا یعنی جیسے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب یکبارگی نازل ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قرآن مجید یکبارگی کیوں نازل ہوا ان پر متفرق طور پر کیوں نازل ہوا۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کفار اپنے کفر کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کے کمالات کو نہ دیکھ سکے ورنہ اس کے بجائے کہتے کہ موسیٰ علیہ السلام کو وہ کمالات کیوں نہ دیئے گئے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوئے۔ اولم یکفروا بما اوتی موسیٰ من قبل۔ کیا انہوں نے میرے محبوب علیہ السلام کے ساتھ کفر کی طرح موسیٰ علیہ السلام کے کمالات عطا کردہ کا انکار نہیں کیا تھا۔

ربط: ان کے کفر و انکار کی کیفیت بتاتے ہوئے فرمایا قالوا۔ انہوں نے کہا کہ وہ دونوں یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام کے کمالات سحران تظاہرا جادوگر ہیں۔ جنہوں نے ایک دوسرے کی مدد کی ہے یعنی ایک دوسرے کی تصدیق کر کے آپس میں ایک دوسرے کے معین و مددگار ہیں۔

شان نزول: مروی ہے کہ کفار مکہ یعنی قریش نے یہودیوں کی عید کے دن یہودیوں کے لیڈروں کے ہاں وفد بھیج کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کیا کہ تمہاری

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ ۱۲

marfat.com

کتاب میں ان کے متعلق کیا لکھا ہے تو یہودیوں کے لیڈروں نے صاف کہہ دیا کہ ہماری کتاب تورات میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مدائح اور فضائل وکمالات اور آپ کے اوصاف کریمہ وخصائل جمیلہ مذکور ہیں۔ جب قریش مکہ کا وفد واپس لوٹا اور یہودیوں کے لیڈروں کا بیان سنایا تو کافروں نے مذکورہ بالا کو اس کی وقالوا انا بکل اور کہا کہا کہ ہم ہر دونوں کتابوں (قرآن مجید اور تورات) کا فرون کو نہیں مانتے۔ بعض بزرگوں نے لکھا کہ یہاں پر قائلین سے ابناء جنس الکفار فی الرای والمذھب یعنی قبطی مراد ہیں اور من قبل سے قرآن اور سحران بمعنی ساحران اور ان سے موسیٰ وہارون علیہما السلام مراد ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ قریش کے ابناء جنس یعنی قبطیوں نے قرآن مجید کے نزول سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے عطا کردہ کمالات کا انکار نہیں کیا تھا اور اُنھوں نے کہا تھا کہ موسیٰ وہارون علیہما السلام دونوں جادوگر ہیں اور اُنھوں نے آپس میں ایک دوسرے کی معاونت اور تصدیق کی اور کہا کہ ہم ہر دونوں کے منکر ہیں۔

تردید از صاحب روح البیان: صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ مذکورہ بالا تقریر یعنی کفر کا اسناد ابنائے جنس کی طرف کرنا اگرچہ صحیح ہے اس لیے کفر کی جملہ ملّتیں ایک ہیں۔ ایک ملت کا کسی حقیقت کا انکار جملہ ملّتوں کے کفر کو مستلزم ہے جیسے آباء کے افعال کا اسناد ابناء کی طرف کیا گیا ہے اس لیے کہ وہ ابناء اپنے آباء کے افعال قبیحہ سے راضی تھے لیکن اس تقریر میں یہ خرابی ہے کہ یہاں پر قبطیوں سے مراد لی جائے تو موسیٰ علیہ السلام کے عطا کردہ کمالات کو صرف خوارق مخصوص تک محدود ماننا پڑے گا اور کتاب تورات کا عطیۂ کمال اس سے خارج ہوگا اس لیے کہ آپ کو تورات قبطیوں کی تباہی اور ہلاکت کے بعد ملا دوسری خرابی یہ ہے کہ قرآن مجید جو عطیۂ حق کا ذکر ہے اس کے بالمقابل موسیٰ علیہ السلام کے دوسرے کمالات تو ہوں گے لیکن تورات کو اس وقت بالمقابل نہیں مانا جائے گا اور یہ بھی فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا کمال علی الاطلاق عطیۂ تورات ہی ہے باقی عطیات اگرچہ کمالات میں داخل ہیں لیکن تورات کا عطیہ کو خصوصیت حاصل ہے۔ ان وجوہ سے ضروری ہوا کہ تقریر پہلی ہی بہتر ہے اس لیے کہ نظم کلام اور اس کی فصاحت و بلاغت کا تقاضا یونہی ہے چنانچہ اگلا مضمون صراحۃً ہماری تقریر کا موید ہے۔ **قُلْ** اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم جو کفار آپ پر مذکورہ بالا الزام لگاتے ہیں آپ انھیں فرمائیے **فائتوا تولاؤ بکتاب من عند اللہ ھو اَھدٰی منھما** اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسی کتاب جو ان دونوں کتابوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو یعنی وہ دونوں کتابیں جو موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئیں جنھیں تم جادو کہتے ہو ان سے طریقۂ حق کے مطابق بہت زیادہ راہ دکھانے والی ہو۔ **اتبعہ** یہ امر کا جواب ہے یعنی مذکورہ بالا صفت کی کتاب لاؤ میں بھی اسی کی اتباع کروں گا

marfat.ocm

یعنی شرط یہی ہے کہ ایسی کتاب لائی جائے جو حجت کے لحاظ سے واضح تر اور دلائل کے اعتبار سے روشن تر ہو یہ اس لیے کہ ایسی کتاب لائی جا سکے جس کا دونوں (قرآن مجید اور تورات) سے زیادہ روشن اور واضح ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی لیے ایسا امر فرمایا ہے جو ان سے محال ہو اور یہ تبکیت و افحام کے طور ہے ان کنتم صٰدقین اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو جب کہتے ہو کہ یہ دونوں کتابیں مختلف طرح کے جادو ہیں اور لفظ ان شرطیہ سے تہکم مطلوب ہے ورنہ کفار کے دعویٰ کا صدق تو ممتنع ہے فان لم یستجیبوا لک پس اگر وہ آپ کے سوال کو پورا نہ دے سکیں نہ ہی مذکورہ بالا اوصاف سے کتاب لاسکیں اور یقین کیجئے کہ وہ ہرگز نہیں لاسکیں گے۔ یہ آیت وان لم تفعلوا ولن تفعلوا کی طرح ہے اور اس کا مفعول بہ یعنی دعائک بہ محذوف ہے اس لیے وہ قرینہ سے معلوم ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور قاعدہ سے بھی معلوم ہوا کہ فعل استجابۃ دعا کی طرف خود بخود متعدی ہوتا ہے۔ اگر داعی کی طرف متعدی ہو تو لام کے ساتھ اور پھر قاعدہ ہے کہ داعی کی طرف متعدی ہوگا تو دعا کو اکثر حذف کر دیا جاتا ہے بنائے قاعدہ ہذا یہاں بھی دعائک کو محذوف کیا گیا۔ فاعلم انما یتبعون اھوائھم تو جان لو کہ یقیناً وہ اپنی غلط خواہشات کی اتباع کرتے ہیں ان کے ہاں کوئی مضبوط اور پختہ سند نہیں کہ جس سے وہ اپنے دعویٰ کو صحیح کر سکیں۔ اگر ان کے ہاں کوئی ایسی سند ہوتی تو لازماً پیش کرتے ومن اضل ممن اتبع ھواہ اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو خواہشاتِ نفسانی کا اتباع کرتا ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی خواہشاتِ نفسانی کرنے والا بہت بڑا گمراہ ہے۔ سب تمام گمراہوں سے بڑھ کر گمراہ ہے بغیر ھدی من اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر۔ یہ بیان وحجت ہے اور اگر تقریر کو پختہ کرنے اور شناعت وضلالت کے اظہار کے لیے اتباع ہویٰ کو ہدایت الٰہی کے بغیر مقید کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ جو خواہش ہدایت الٰہی سے مقارن ہو تو اس کا گمراہ ہونا محال ہے اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کبھی نفسانی خواہش حق کے موافق ہوتی ہے اسی لیے اتباع ہوائے نفس کو بغیر ہدی من اللہ سے مقید فرمایا ہے اس معنی پر بغیر ھدی من اللہ محلاً حال ہے ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین۔ بیشک اللہ تعالیٰ ظالمین یعنی اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والوں کو اپنے دین کا راستہ نہیں دکھاتا اس لیے کہ وہ ہوائے نفس اور اعراض عن الآیات میں بہت زیادہ منہمک ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ:

آیت میں چند لطائف دو طریق پر ہیں:

۱۔ صرف پڑھنا۔ پڑھانا۔ سماع مطالعہ۔

۲۔ ریاضت مجاہدہ۔ تزکیہ یہی راستہ حضرت احدیت تک بہت جلد پہنچانے والا ہے چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ من تقرب الی شبراً جو میرے ہاں انجذاب روحانی سے بالشت بھی قریب ہوتا ہے

marfat.com

تقرب الیہ ذراعاً تو میں فیض وفتح والہام وکشف سے اسکے ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں۔

اس سے ثابت ہُوا کہ کتابوں کے پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے اور مطالعہ سے جو گتھی نہیں سلجھتی وہ سلوک راہِ حق سے منٹوں میں حل ہو جاتی ہے اسی لیے ہم (اہلسنت) اولیاء اللہ سے اس راہ کی تلاش کرتے ہیں کیونکہ ان حضرات کو وراثۃ حق سے یہ راستہ حاصل ہوتا ہے اور مخلوق وخالق کی راہ دکھانے میں زمین وآسمان کا فرق ہے ؏

فیضی کہ جامی از دو سر پیالہ کہ یافت

مشکل کہ شیخ شہر بیابد بصد چلہ

ترجمہ: وہ فیض جو شیخ کی نگاہ کرم سے نصیب ہو وہ سینکڑوں چلوں سے بھی بصد مشکل ہوتا ہے۔

(۲) اگر کسی مرشد حاذق اور طالب صادق کو شیخ کامل کی صحبت نصیب ہو جائے اور وہ اس کی اقتداء میں ہدایات پاتا ہے بشرطیکہ وہ واقعی شیخ کامل اور اللہ والا ہو تو مرید پر لازم ہے کہ وہ ایسے کامل شیخ کی خدمت کے لیے ہر وقت مستعد رہے کیونکہ وہی اسے اللہ تعالیٰ سے ملا سکتا ہے تو مرید کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے شیخ کامل کی اتباع کرے اور اس کی ارادت کے دامن کو مضبوط پکڑے یہاں تک کہ تکمیل کو پہنچے۔ اگر اثنائے سلوک اسے اور کامل شیخ میسر ہو جو اس پہلے شیخ سے مکمل ترین ہے تو پھر اس کی خدمت میں جان نچھاور کرے۔ اسی طرح اگر اس دوسرے سے بھی اور کامل تر شیخ کی صحبت نصیب ہو تو اسی کے ساتھ ہو جائے ایسے ہی کامل سے کامل تر کی خدمت بدلتا جائے یہاں تک کہ منزل مقصود کو پہنچ جائے یعنی وصول الی اللہ بالاتصال بلا انفصال جو انسان کا حقیقی مطلوب ہے لیکن دور حاضرہ میں پہلے تو شیخ کامل کا ملنا مشکل ہے پھر اگر کسی خوش بخت کو کوئی بزرگ میسر آجائے تو خواہ مخواہ توہم کا شکار ہو کر کسی دوسرے بزرگ کی طرف رجوع کرنے کی کوشش نہ کرے جب تک شیخ خود حکم نہ فرمائے ورنہ "دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا" والا معاملہ ہو جائے گا۔[1]

(۳) فریب خوردہ عقلیات کے گرفتار وفلاسفہ کا خیال ہے کہ نفس کا جہاد عقل سے بھی کیا جا سکتا ہے ہدایت الٰہی اور توفیق ایزدی یعنی اتباع انبیاء علیہم السلام کی ضرورت نہیں یہ ان کی خام خیالی بلکہ حماقت وسفاہت ہے اس لیے کہ عقل کو رہبر ماننا اور انبیاء علیہم السلام کی اتباع کو عبث سمجھنا دراصل خواہشات نفسانی کا شکار بننا ہے اور ایسے لوگ نفسانی خواہشات کے پنجے سے کبھی نجات نہیں پا سکتے بلکہ ایسے لوگوں کی عبادت ان کے منہ پر ماری جاتی ہے جو صرف عقل کے زور سے عبادت الٰہی بجالاتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کی اتباع کو کچھ نہیں سمجھتے (ہمارے دور میں ماڈرن مسلمان اور نئی تہذیب کے دلدادگان کچھ اس قسم کی ذہنیت رکھتے ہیں اور نیچی طبیعت کے مولوی اور ماڈرن ملّاں ان کی ایسی غلط ذہنیت کی نہ صرف تائید بلکہ دین کی حقیقی تلقین کی تردید کرتے ہیں)۔[2]

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ، [2] ایضاً

marfat.ocm

یاد رکھئے کہ ایسے اذہان دراصل ہوائے نفس کے شکار ہیں اور ان کی عبادت بجائے عبادت میں لکھے جانے کے جہنم کی آگ میں لے جانے والی ہے کیونکہ عبادت کو ہدایت الٰہی کی تائید نصیب نہیں۔

فائدہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان کو کون نہیں مانتا لیکن پھر بھی انہیں حکم ہوا کہ آپ بھی انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کریں۔ **کما قال اللہ تعالیٰ فبھداھم اقتدہ** اس سے خام خیال مذہب کا جواب بھی ہو گیا کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی الانبیاء ہیں تو پھر وہ اُن کی اتباع کے لیے مامور کیوں۔

اُوپر بتایا گیا ہے کہ عقل والوں کو سمجھانا تھا کہ اتباع انبیاء ضروری ہے اور قرآن کا قاعدہ ہے کہ اہم معاملہ میں خطاب محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا ہے لیکن مقصود عوام ہوتے ہیں۔ **کما قال؛ یا ایھا النبی اتق اللہ** اور فرمایا **وثیابك فطھر** وغیرہ وغیرہ۔[1]

پیری اور مریدی کا راز: بعثت انبیاء علیہم السلام کا ایک راز یہی ہے اور اسی لیے مرید کو شیخ کامل کی اتباع ضروری ہے۔ کیونکہ شیخ کامل کو ہدایت الٰہی نصیب ہوتی ہے وہ اسی کی برکت سے مرید کو منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔

(۴) ظالمین وہ ہیں جو متابعت ہوائے نفس میں متابعت انبیاء علیہم السلام کو ضائع کر دیتا ہے اور ہدایت ایسے محل سے تلاش کی جہاں گمراہی ہی گمراہی تھی یعنی عقل بلا تائید ایزدی گمراہی کا سرچشمہ ہے۔

فائدہ: انسان ہوائے نفس کے اعتبار سے تین قسم ہے:

(۱) انسان پر خواہش نفسانی کا ایسا غلبہ ہو کہ انسان خواہش نفسانی کے سامنے گھٹنے ٹیک دے **کما قال اللہ تعالیٰ افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ**۔ کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کی اتباع کی ۱۲۔

(۲) اس کا خواہش نفسانی کے ساتھ ہر وقت مقابلہ رہے کسی وقت ہوائے نفس پر غالب ہو جائے اور کسی وقت مغلوب ایسے لوگ بھی قابل مدح ہیں اور ایسے لوگوں کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا **جاھدوا اھوائکم کما تجاھدون اعدائکم**۔ اپنی خواہشات نفسانی کا مقابلہ کرو جیسے دشمنوں سے مقابلہ کیا کرتے ہو۔

(۳) ہوائے نفس پر ہر وقت غلبہ حاصل ہو اور یہ مقام صرف انبیاء علیہم السلام یا اُونچے درجے کے اولیاء کرام کو حاصل ہے۔ انہی حضرات کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھویٰ** اور ایسے ہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر غلبہ بخشا ہے اسی لیے وہ میرے حکم پر چلتا ہے۔

یاد رہے کہ انسان شیطان پر اس کی خواہش نفسانی کے مطابق حملہ کرتا ہے۔

---

[1] اضافہ اویسی غفرلہ

marfat.com

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝٥١ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ

اور بیشک ہم نے انکے لیئے بات مسلسل اتاری کہ وہ دھیان کریں جنکو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان

بِهِ يُؤْمِنُونَ ۝٥٢ وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا

لاتے ہیں اور جب ان پر یہ آیتیں پڑھی جاتی ہیں کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے بے شک یہی حق ہے

إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ۝٥٣ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا

ہمارے رب کے پاس سے ہم اس سے پہلے ہی گردن رکھ چکے تھے ان کو ان کا اجر دوبالا دیا جائے گا بدلہ ان کے

صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝٥٤ وَإِذَا

صبر کا اور وہ بھلائی سے برائی کو ٹالتے ہیں اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جب

سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ

بیہودہ بات سنتے ہیں اس سے تغافل کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے عمل اور تمہارے لیے تمہارے عمل بس تم

لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ۝٥٥ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ

پر سلام ہم جاہلوں کے غرضی نہیں بے شک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کردو ہاں اللہ ہدایت فرماتا ہے

يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝٥٦ وَقَالُوا إِنْ نَتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَطَّفْ

جسے چاہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو اور کہتے ہیں اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو لوگ ہمارے

مِنْ أَرْضِنَا ۚ أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ

ملک سے ہمیں اچک لے جائیں گے کیا ہم نے انہیں جگہ نہ دی امان والی حرم میں جس کی طرف ہر چیز کے پھل لائے جاتے ہیں

رِزْقًا مِنْ لَدُنَّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝٥٧ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ

ہمارے پاس کی روزی لیکن ان میں اکثر کو علم نہیں اور کتنے شہر ہم نے ہلاک کردیئے جو اپنے

بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا

عیش پر اترا گئے تھے تو یہ ہیں ان کے مکان کہ ان کے بعد ان میں سکونت نہ ہوئی مگر کم اور ہمیں

نَحْنُ الْوَارِثِينَ ۝٥٨ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا

وارث ہیں اور تمہارا رب شہروں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کے اصل مرجع میں رسول نہ

رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ۝٥٩ وَمَا

بھیجے جو ان پر ہماری آیتیں پڑھے اور ہم شہروں کو ہلاک نہیں کرتے مگر جب کہ ان کے ساکن ستمگار ہوں اور جو

marfat.ocm

اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ

کچھ چیز تمہیں دی گئی ہے وہ دنیوی زندگی کا برتاوا اور اس کا سنگار ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر

وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۰

اور زیادہ باقی رہنے والا تو کیا تمہیں عقل نہیں

بقیہ سابقہ مضمون:

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اہلِ ہدیٰ میں شمولیت کی جدوجہد کرے اور اہلِ ہویٰ سے کوسوں دُور بھاگے جب اسے دو مختلف امر درپیش ہوں اور اسے معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں بہتر اور صواب تر کون سا امر ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس پر عمل کرے جو اس کے نفس پر شاق ہو اس پر عمل نہ کرے جو اس کی نفسانی خواہش کے مطابق ہو اس لیے کہ نفس کی خواہش کے خلاف عمل کرنا بھی جہاد ہے ویسے نفس کے ہر ناگوار امر میں خیر و برکت ہے ہاں جسے عقلِ سلیم اور فکر فہیم حاصل ہو وہ اس کے موافق عمل کرے تو بھی روا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

ہوا و ہوس را نماند ستیز
چو بیند سر پنجۂ عقل تیز

ترجمہ: ہوا و ہوس کو جنگ کی تاب نہیں رہتی جب اس کے مقابلہ میں عقلِ سلیم نبرد آزما ہو۔

تفسیر عالمانہ: ولقد وصلنا لھم القول ، التوصیل الوصل کا مبالغہ ہے بمعنی دو چیزوں کے درمیانی حائل کو ہٹانا ۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے قریش کو پے در پے اور بہت زیادہ باتیں پہنچائیں یعنی قرآن پاک کی آیات در آیات اور سورۃ در سورۃ پے در پے نازل فرمائیں جیسا کہ ہماری حکمت کا تقاضا تھا تاکہ ہر وقت ان کے سامنے پند و نصیحت کا دروازہ کھلا رہے اور اُن کے دلوں پر قرآنی آیات کے اثرات وارد ہوتے رہیں ۔ **لعلھم یتذکرون** تاکہ نصیحت حاصل کر کے ایمان لائیں اور طاعت گزار ہوں ۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے ان پر مسلسل مواعظ و زواجر اُتارے اور سابقہ اُمم کے گروہوں کے حالات سنائے کہ فلاں گروہ فلاں غلط کاری سے فلاں وقت تباہ ہوا وغیرہ مثلاً ہم نے کہا کہ قوم نوح فلاں عمل سے غرق ہوئی اور قوم ہود برباد ہوئی تو فلاں کردار سے اور قوم صالح فلاں غلطی سے تاکہ وہ نصیحت پذیر ہو کر ڈر جائیں کہ کہیں ان پر بھی اسی طرح کا عذاب نازل نہ ہو جیسے سابقہ امم پر نازل ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قول ظاہر پے در پے سننے سے باطن پر اثر مرتب ہوتا ہے ۔ یعنی ہم نے انھیں قرآن مجید کی تفہیم کی نعمت بخشی تاکہ عہد میثاق کو یاد کریں جبکہ **بلیٰ** کہہ کر دولتِ ایمان سے نوازے گئے اور توحید کا اقرار کیا تھا اور ظاہر ہے کہ دولت ایمان سماع قرآن سے ہی نصیب ہوتی ہے ۔

تفسیر عالمانہ: **الذین اٰتینٰھم الکتٰب** : یہ مبتدا ہے اور اس سے اہل کتاب ایمان لانے والے لوگ مراد ہیں ۔ **من قبلہ** نزول قرآن سے پہلے جنھیں ہم نے کتاب عطا فرمائی ۔ **ھم بہ یومنون** وہ قرآن مجید پر بھی ایمان لاتے ہیں ۔ یہ جملہ مبتدا مذکور کی خبر ہے ۔

ربط: اب وہ مضمون فرمایا جو ان کے ایمان بالقرآن کا موجب بنا ۔ کما قال : **واذا یتلیٰ علیھم** اور جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے ۔ **قالوا اٰمنا بہ** تو کہتے ہیں کہ واقعی قرآن مجید کلام الٰہی ہے ۔ **انہ الحق من ربنآ** ۔ بیشک وہ حق ہے اس کی حقیقت کو ہم پہلے سے ہی جانتے تھے کہ اسے ہمارے پروردگار نے اتارنا ہے اور ہمیں پختہ یقین تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے نازل ہونا ہے ۔ **انا کنا من قبلہ** ۔ بیشک ہم نزول قرآن سے پہلے سے ہی **مسلمین** مانتے تھے واضح کیا گیا ہے کہ ایمان کوئی نیا مسئلہ نہیں کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑا ہو بلکہ یہ مسئلہ تو قدیم الایام جملہ اقوام کا متفق ہے ۔ اس لیے کہ ان کی جملہ کتب متقدمہ میں مذکور رہے اور یہ لوگ نزول قرآن سے قبل بھی دین اسلام کے قائل تھے **اولٰئک یؤتون اجرھم** وہی لوگ جن کے صفات اُوپر مذکور ہوئے وہ ہیں جنہیں آخرت میں اجر و ثواب عطا ہو گا ۔ **مرتین** دو بار ایک بوجہ تورات پر دوسرا بوجہ قرآن پر ایمان لانے کی وجہ سے ۔ لفظ مرۃ کی تحقیق سورہ طٰہٰ میں تحت آیت **ولقد مننا علیك مرۃ اخریٰ** ۔ **بما صبروا** ۔ ان کے صبر اور دو ایمانوں پر ثابت قدمی اور دو شریعتوں پر عمل کرنے کی وجہ سے ۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ انہیں دوہرا اجر وثواب اس لیے نصیب ہوا کہ انھوں نے خواہشاتِ نفسانی کی مخالفت اور اوامر ونواہی شرع کی موافقت کی۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین ایسے شخص ہیں جنہیں دوہرا ثواب نصیب ہوتا ہے ایک وہ کہ جس کی لونڈی ہو اور وہ اسے اچھی طرح تعلیم دے اور اسے آداب سکھلائے۔ پھر اس سے نکاح کرے۔

دوسرا وہ شخص جو اپنے آقا کی خدمت کرے اور حقوق الٰہی بھی صحیح طور پر بجالائے۔

تیسرا وہ شخص جو کتاب اول (تورات یا انجیل یا زبور) پر بھی ایمان لائے اور قرآن مجید پر بھی۔ (کذافی کشف الاسرار)

تفسیر عالمانہ: ویدرؤن بالحسنۃ السیئۃ اور وہ لوگ طاعت وعبادت سے برائی کو اور قول حسن سے برے قول کی دفع کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ وہ اعمالِ صالحہ ادا کر کے اعمال سیئہ کی ظلمات دفع کرتے ہیں اور اعمالِ سیئہ سے شروع کی مخالفت مراد ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ برائی کے ارتکاب کے بعد فوراً نیکی کرو۔ نیکی کی برکت سے برائیاں معاف ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان الحسنات یذھبن السیئات اور یہ حکم عوام اہل ایمان کے لیے ہے اور خواص کے لیے حکم یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کی نیکی کے ساتھ قلوب سے حب دنیا اور اس کی شہوات وخواہشات کی زنگ دور کریں۔ اور اخص الخواص کے لیے یہ ہے کہ لا الٰہ کی نفی سے تعلق قلب کے ساتھ وجود موجودات کے شرک کی برائی کو ختم کریں بلکہ بصیرۃ کی آنکھ کو الا اللہ سے اثبات وجود کے ساتھ ماسوی اللہ کے دیکھنے والی آنکھ کو بند کردے۔ بس یہی تصور راسخ ہو کہ کان اللہ ولم یکن معہ شئی۔ اللہ کی ذات کے سوا کوئی شے ہے ہی نہیں۔

تفسیر عالمانہ: ومما رزقنھم ینفقون۔ اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ وجود مجازی کو وجود حقیقی کی طلب میں خرچ کرنا ضروری ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

تفسیر عالمانہ: واذا سمعوا اللغو۔ اور جب وہ لغویات والوں سے لغویات سنتے ہیں حد سے گری ہوئی بات یعنی بیہودہ کلام کو لغو سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اعرضوا عنہ تو وہ بات سے منہ پھیرتے ہیں۔

شان نزول: اہل کتاب کو کفار ومشرکین گالیاں دیتے تھے کہ تم نے بھی آباؤ اجداد کا قدیمی دین ترک کر دیا ہے حالانکہ تمہیں تو آباؤ اجداد کے دین کو محفوظ رکھنے کے لیے نبی علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ کرنا ضروری تھا۔

marfat.com

وقالوا - اور وہ بکو اسیوں کو کہتے ہیں لنا اعمالنا ہمارے لیے ہمارے عمل حوصلہ اور درگزر وغیرہ ولکم اعمالکم اور تمہارے لیے تمہارے عمل یعنی نکمی باتیں اور سفاہت وغیرہ ہر ایک اپنا کام کیے جاتے۔ سلام علیکم یہ سلام معروف نہیں جسے تحیہ اور کسی کو اپنی موافقت کی وجہ سے دعا کے طور کہا جاتا ہے بلکہ ان سے اظہار برأت اور ان سے دور ہونے کے طور پر کہا گیا ہے یعنی ہم نے تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا کہ جو چاہو کرو لا نبتغی الجاھلین الابتغاء بمعنی طلب اور جہل شے کو اس کی حقیقت کے برعکس سمجھنا یعنی ناسمجھوں کی صحبت نہیں چاہتے اور نہ ہی ہم اُن کے ساتھ میل جول کا ارادہ رکھتے ہیں بلکہ ہمیں ان سے گفتگو کرنے سے بھی نفرت ہے اور اُن کے اخلاق وعادات کو اپنا نا تو ہمارے مقاصد سے خارج ہے اس لیے کہ شریروں کی صحبت دنیا میں بدنامی ہے بلکہ آخرت کی بدانجامی کا سبب ہے

؎ از بداں بگریز با نیکاں نشین

یار بد زہرے بود بے انگبیں

ترجمہ: بُروں سے دور بھاگو اور نیک لوگوں کے ہاں بیٹھو۔ یار بد کو زہر قاتل سمجھو۔

مسئلہ: اگرچہ آیت مذکورہ آیت سیف سے منسوخ ہے لیکن مکارم اخلاق کی ترغیب وتحریص کا حکم باقی ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین خصلتیں جس میں نہیں اُس کے علم کا کوئی اعتبار نہیں۔

۱۔ حوصلہ کہ جس سے جاہل کے جہل کو دفع کرے۔

۲۔ اتقاء کہ جس سے معاصی وجرائم سے بچے۔

۳۔ حسن اخلاق کہ جس سے عوام میں زندگی بسر کرے۔

حکایت: حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جالینوس نے ایک بیوقوف کو دیکھا کہ وہ ایک دانش مند کے دست بگریباں ہے اور اسے منہ پھاڑ پھاڑ کر گالی دے رہا ہے۔ جالینوس نے کہا کہ اگر یہ دانشمند ہوتا تو سرے سے ایسے بیوقوف کے ساتھ بات نہ کرتا اور نہ نوبت یہاں تک پہنچتی۔ ؎

۱۔ دو عاقل را نباشد کین و پیکار ؛ نہ دانائے ستیزد با سبکسار

۲۔ اگر نادان ابوحشت سخت گوید ؛ خرد مندش برحمت دل بجوید

۳۔ دو صاحب دل نگہ دارند موئے ؛ ہمیں وول سرکشی و ازرم جوئے

۴۔ اگر بر ہر دو جانب جاہلانند ؛ اگر زنجیر باشد بگسلانند

۵۔ یکے را زشت خوی دادو دشنام ؛ تحمل کرد و گفت ای نیک فرجام

۶۔ بتر زانم کہ خواہی گفتن آنی ؛ کہ دانم عیب من چوں من ندانی

ترجمہ: (۱) دو سمجھداروں کے درمیان جھگڑا نہیں ہوتا اور نہ دانا بیوقوف سے جھگڑتا ہے۔

(۲) اگر کوئی نادانی بیوقوفی سے بُرا کہتا ہے سمجھدار آدمی اس کی نرمی سے دلجوئی کرتا ہے۔

(۳) دو صاحب دل اپنے بال بچا لیتے ہیں کہ ایک طرف سرکش ہو تو دوسرا صلح جو ہو۔

(۴) اگر ہر دونوں طرف سے جاہل ہیں۔ زنجیر ہوگا تب بھی توڑ دیں گے۔

(۵) کسی نالائق نے کسی کو گالی دی تو اس نے صبر کر کے کہا اے نیک بخت

(۶) بہتر برائی وہ ہے جو میں بتاؤں کیونکہ میں خود اپنی برائیوں کو خوب جانتا ہوں۔

حکایت: ایک شخص مستی سے سر راہ سو رہا تھا اور اتنا بے اختیار کہ اسے اپنی بھی خبر نہ تھی۔ ایک عابد کا وہاں سے گزر ہوا تو اس نے اسے ترچھی نگاہ سے دیکھا۔ اس مست نوجوان نے سر اٹھا کر قرآنی آیت پڑھی و اذا مروا باللغو مروا کراما۔ اور جب وہ بیہودہ امر سے گزرتے ہیں تو کریم ہو کر گزرتے ہیں۔

اذا رأیت اثیما   کن ساترا و حلیما
یا من یقبح لغوی   لم لا تمر کریما

ترجمہ: جب تم کسی گنہ گار کو دیکھو تو اس کی عیب پوشی اور حوصلہ کرو۔ اے فلاں جو تو نے میری غلطیوں کو قبیح سمجھا ہے کیوں کریم ہو کر نہیں گزرتے۔

متاب اے پارسا روئے از گنہ گار   بخشایندگی در وے نظر کن
اگر من ناجواں مردم بکردار   تو بر من چوں جواں مرداں گزر کن

ترجمہ: اے نیک انسان گنہگار سے روگردان نہ ہو بلکہ اسے عفو و مغفرت سے دیکھئے۔ اگر میں اپنی غلط کاری سے نالائق ہوں تو تم مجھے اپنی لیاقت و اہلیت کے مطابق دیکھئے۔

تفسیر صوفیانہ: اہل حقیقت کے نزدیک لغو وہ قول و فعل ہے جو انسان کو عبادت و ذکر الٰہی سے روکے اور ہر وہ کلام جس میں حال و واقعہ کا خطاب اور اس میں ماسوی اللہ کی طلب ہو۔ اسے بھی محققین صوفیہ لغو سے تعبیر کرتے ہیں۔ و اذا سمعوا اللغو۔ اور جب یہ حضرات ایسی لغو کو سنتے ہیں۔ اعرضوا عنہ تو اس سے روگردانی کرتے ہوئے قالوا کہتے ہیں لنا اعمالنا ہمارے لیے ہمارے عمل وہ یہ کہ وجود حقیقی کے حصول کے لیے وجود مجازی کو فنا کرنا۔ و لکم اعمالکم اور تمہارے لیے تمہارے وہ عمل یہ تم وجود مجازی کی خواہشات کو پورا کرنے اور شہوات کو حاصل کرنے اور وجود حقیقی کی طلب سے روگردانی اور اس کے منافع سے انتفاع کی سعادت سے محرومی ہو۔ سلام علیکم لا نبتغی الجاہلین۔ یہاں پر جاہلین سے غافل عن اللہ اور وہ لوگ مراد ہیں جو محجوب عن اللہ ماسوی اللہ کے طالب ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو ماسوی اللہ کا طالب ہے وہ حقیقت سے بے خبر ہے ورنہ اگر وہ حقیقت کے محاسن کا عارف ہوتا وہ صرف حقیقت کا طالب ہوتا اسے غیر حقیقت سے کسی قسم کا واسطہ

marfat.com

نہ ہوتا۔

سبق۔ سالکین راہِ ہدیٰ پر لازم ہے کہ جہال کی صحبت سے دُور بھاگے کیونکہ آپس میں کسی قسم کا واسطہ اور تعلق نہیں بلکہ ان کے معاشرہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے بلکہ سالک جاہل کی صحبت میں قیدخانہ میں رہنے سے بھی زیادہ تنگی محسوس کرے گا۔ علاوہ ازیں سالک ابھی راہ طے کر رہا ہے تو وہ خود بھی ابھی اتنا ضعیف ہے کہ وہ جاہلوں کی صحبت کے بُرے اثرات کا حامل نہیں بلکہ اسے ایسی صحبت سے اپنے حال کے تغیر کا خطرہ ہے بلکہ اس پر جاہلوں کی صحبت اثرات اپنی لپیٹ میں لے لیں گے پھر وہ بجائے منزل مقصود تک پہنچنے کے اُلٹے پاؤں گمراہی کے گڑھے میں گر جائے گا اور وہ نہ صرف مجرم و خطا کار ہو گا بلکہ دائرۂ اسلام سے بھی نکل جائے گا۔ ہم ترقی کے بعد تنزل کی خرابیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اور ہم اس سے ثبات و توفیق اور طریق التحقیق کی موت کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: **انک**۔ اے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بیشک ہم آپ **لا تھدی** ایسی ہدایت پر مامور نہیں جو ضروری اور لازماً منزل مقصود تک پہنچا دے۔ **من احببت** لوگوں میں سے جنہیں آپ چاہیں اور آپ کو ذاتی طور پر قدرت نہیں کہ آپ کسی کو اسلام میں داخل فرمائیں۔ اگرچہ اپنی تمام طاقت صرف کریں اور حد درجہ کی جدوجہد کریں **و لکن اللہ یھدی من یشاء**۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسے اسلام میں داخل کرنا چاہتا ہے تو اسے ہدایت دیتا ہے **وھو اعلم بالمھتدین** اور وہ انہیں خوب جانتا ہے کہ جو ہدایت ازلی کی استعداد سے سرشار ہے ؎

ہدایت ہر کہ ادا از ہدایت ۔۔۔ بدو ہمراہ باشد تا نہایت

ترجمہ: جسے ازل سے ہدایت سے نوازا وہی ابداً ہدایت یافتہ ہیں۔

فائدہ: جمہور کا مذہب ہے کہ آیت میں **من احببت** سے ابو طالب بن عبدالمطلب یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(آئندہ دیکھیں ص ۱۸۱)

حاشیہ اویسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ الجواب منہ الھدایۃ والصواب

علماء مشائخ اہلسنت کے عقائد میں حبیب رب غفار سرکار ابد قرار علیہ السلام والتسلیم کو امور تکوینیہ ہوں یا تشریعیہ کا باذنہ تعالےٰ اختیار حاصل ہے جن کے دلائل بامرہ بے حد حساب ہیں یہاں چند آیات مبارکہ اور احادیث نبویہ مقدسہ اور تصریحات علماء و مشائخ

---

[1] اس آیت کے متعلق فقیر اویسی غفرلہٗ سے محمدی شریف ضلع جھنگ کے مولانا صاحبزادہ محمد امین سیالوی نے سوال لکھ کر تفصیلی جواب کا حکم فرمایا۔ چنانچہ فقیر نے ایسے ہی انہی کے سوال کے متعلق لکھا جسے موصوف نے احسن ترتیب سے شائع فرمایا چونکہ وہ مضمون اس آیت کے متعلق ہے۔

marfat.ocm

اہلسنت کا ارشاد اب تحریر کرتا ہوں سر دست مخالفین کی پیش کردہ آیت کا جواب ملاحظہ ہو۔

(۱) مسلمات سے ہے کہ قرآنِ عظیم کی آیات میں تضاد و تناقض ممتنع ہے۔ بلکہ ہر آیت بمعہ دوسری آیات بینات کی مؤید و مصدق ہے چنانچہ باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ۔ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے متشابہا کا ترجمہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے فَلِاَنَّهٗ یُشْبِهُ بَعْضُهٗ بَعْضًا فِی الْحُسْنِ وَالصِّدْقِ (اتقان ص ۱۰۸ جلد ۱ مصر)

اس بنا پر حق حقیقت یہ ہے کہ قرآنی آیات میں ایک دوسرے کے ساتھ نہ تضاد ہے نہ تناقض۔ جس آیت کو مخالفین پیش کرتے ہیں اس کے بالمقابل قرآن پاک میں سورۃ شوریٰ شریف میں ہے۔ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ۔ میرے حبیب پاک بیشک آپ ہی صراط مستقیم کی ہدایت فرماتے ہیں۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ جہاں مخالف پہلی آیت پیش کرتے ہیں انہیں یہ دوسری آیت بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ مولیٰ تعالیٰ جل مجدہٗ تو اپنے پیارے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ھادی کل دانائے سبل ارشاد فرما رہے ہیں، منکرِ نبی کا اظہارِ خیال بصورت دیگر ہے کیونکہ اس کا عقیدہ نئے نبی کے امکان سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہماری پیش کردہ آیات و تصریحات و مشائخ اہلسنت کے عقائد و ارشادات کے انکار میں مسلمانوں کو تاریکی میں رکھنے کے لئے بالعموم ارشاد ربانی کی غلط ترجمانی کرتے ہوئے مخالف کہتا ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ (الخ) کہ حضور منزل ہدایت تک پہنچانے سے قاصر ہیں (معاذ اللہ) پیش کردہ آیت میں عموم ہے حضرات فن تفسیر کا قاعدہ یہ ہے کہ خصوص کی نفی سے عموم کی نفی نہیں ہوتی (تفسیر اتقان) ملاحظہ ہو۔

نمبر۳ - اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ (الخ) مخالف کا یہ اعتراض صورت قصص کی ایک آیت ہے جو کہ صورت شوریٰ سے پہلے اتری ہے چنانچہ علامہ سیوطی اپنی تفسیر اتقان کے صفحہ ۲۵ جلد اول میں صورتوں کی ترتیب کے قواعد مرتب کرتے ہوئے رقم طراز ہیں (پچھلی آیات) کہ پچھلے ارشادات پہلے فرمودات کیلئے یا تو ناسخ ہے یا ان کے اجمال کی تفصیل یا پھر ذاتی و عطائی کا فرق واضح مطلوب ہے۔ تاہم ایسے ہی اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ ارشاد ربانی میں ذاتی تصرفات کی نفی ہے اور اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ میں عطائی ہدایت کا اثبات موجود ہے اور یہ طریقہ قرآن کریم میں عام ہے ان تمام قوانین کی تفصیل فقیر نے اپنی تفسیر احسن البیان میں عرض کر دیا ہے

نمبر۴: اہلسنت کے نزدیک ہدایت بمعنی خلق الھدایت ہے۔

marfat.com

شرح عقائد: چنانچہ علم عقائد کی مشہور و معروف درسی کتاب میں تصریح موجود ہے کہ مخالفین کی پیش کردہ آیت میں تخلیق ہدایت کی نفی ہے نا کہ ہدایت کی

یہ ہمارے مسلک کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ ہم حضور کو خالق ہدایت تو قرار نہیں دیتے اور جہاں غیر اللہ کی طرف منسوب ہو تو وہاں ہدایت مجاز بمعنی راہ نمودن ہوتا ہے (راستہ دکھانا)

نمبر ۵: ہم نے بارہا مخالفین کی مخالفت کا لبادہ چاک کیا مگر عدم اختیار سرکار اِبد قرار کا کوئی ثبوت پیش نہ کر سکے چنانچہ مواقف و شرح مواقف کتب میں مذکور ہے کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ ہدایت بمعنی ایصال الی المطلوب اور مشائخ اہلسنت کہتے ہیں کہ ہدایت بمعنی ارادۃ الطریق کے ہیں ہمارا وجہ ہے کہ ہدایت کے معنیٰ و مطلوب کے متعلق متون۔ شروح۔ اصول منطق و علم کلام میں بہت لمبی چوڑی بحثیں کی گئی ہیں۔ اس کے متعلق تمام سوالات و جوابات کو فنون مذکورہ میں تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

نمبر ۶: آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ (الآیت) میں منفی اور مثبت آیت اِنَّكَ لَتَهْدِي اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ میں مثبت پہلو اور اصول کا مسلم قاعدہ ہے کہ اثبات و نفی کے تعارض میں اثبات کو ترجیح دی جاتی ہے۔

نمبر ۷: شاہ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی آیات کو آیاتِ متشابہات میں داخل فرمایا ہے۔

ان تمام دلائل کا خلاصہ یہ ہوا کہ آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ میں خلق ہدایت ذاتی اور بلا استقلال کی نفی ہے نا کہ معاذ اللہ سرے سے سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ہدایت دے ہی نہیں سکتے۔ اگر ایسا ہے تو پھر ارسالِ رسل سے کیا فائدہ؟ اور اِنَّكَ لَتَهْدِي اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ کی صریح اور نص قطعی الدلالت سے انکار لازم آتا ہے اور یہ فی الواقع کفر ہے۔

ایک غلطی کا ازالہ

برائے برادری (چچاؤں) اعزہ و اقربا کو راہِ راست پہ گامزن کرنے کی جدوجہد کرنے یا ان سے میل ملاپ محبت کرنا از خود سرکار نہیں تھا۔ بلکہ من حیث الوجوہ ارشادات ربانیہ پر عمل کرنا مطلوب تھا۔

اگر آپ ایسا نہ فرماتے تو ارشادات باری تعالیٰ کے خلاف ہوتا جو کہ منصب نبوت کے خلاف اور عہد رسالت کے شایان شان نہ تھا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آپ حکم الٰہی بجا نہ لاتے فقیر کی اس گذارش سے ثابت ہوا کہ معترض کا اعتراض نبوت پر نہیں بلکہ الوہیت پر ہے۔

marfat.ocm

کیونکہ مولیٰ تعالیٰ جل مجدہٗ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ
اسی عمومی حکم کے تحت آپ نے اپنے تمام اعزہ واقرباء کو تبلیغ فرمائی اور حق یہ ہے کہ منعم حقیقی کا
حق ادا فرمایا۔ اور برادری کیلئے خصوصی طور پر یوں ارشاد ہوا۔ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرَاھِیْمَ
حَنِیْفًا۔ اس حکم کے مطابق آپ کو سیدنا حضور ابراہیم علیہ السلام کے طور طریق کو اپنانا فرض ہو گیا آپ
اسی اقتدار میں اپنی برادری سے وہی طریقہ استعمال فرماتے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کیلئے کیا۔
کہ انہوں نے چچا کیلئے دعا فرمائی کیونکہ وہ بھی بارے دعا مامور من اللہ تھے کہ چچا سے بچپن میں جو وعدہ فرما چکے تھے
ارشاد ربانی: سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ اِنَّہٗ کَانَ بِیْ حَفِیًّا۔ سورت مریم
کما قال۔ الا قول ابراھیم لابیہ لاستغفرن لک وما املک لک من اللہ من شیء (الخ)
(ممتحنہ) اسی بنا پر روح حیات، جانِ کائنات ہمارے چچا و برادری دعا کی اور ان کی ہدایت کیلئے سرگرم
کوشش کرتے پر مامور من اللہ تھے اب اسی منزہ من کل عیب پر اعتراض کیا۔ اِنَّ کا معترض اُسی کا
معترض ہے کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ایمان لانے والوں کا جواب منفی میں ہوگا۔
جبکہ میں نے ان کے نہ ہدایت تخلیق ہی نہیں فرمائی تو پھر اپنے پیارے محبوب ومطلوب
صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تبلیغ اور ان کی دعا اور ان کی ہدایت کیلئے جدوجہد کرنے کا حکم کیوں نازل
فرمایا۔ ما ھو جوابکم فھو جواب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم، پھر دیکھیے
مادہ ایجاد خلقت صلی اللہ علیہ وسلم۔ اپنے دادا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اقتدار میں کتنا پختہ کار
ثابت ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام تو خود بخود رک گئے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ وما کان
استغفار ابراھیم لابیہ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَۃٍ وَّعَدَھَا اِیَّاہُ فلما تبین لہ انہ عدو
للہ تبرأ منہ (سورہ توبہ) لیکن جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تک اللہ تعالیٰ نے خود
نہیں روکا وہ بدستور سرگرم عمل رہے۔
کما قال اللہ تعالیٰ، ما کان لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ
ولو کانوا اولی قربی من بعد ما تبین لھم انھم اصحٰب الجحیم۔ سورۃ توبہ
نیز خود فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اپنے چچے کے بارے میں جب تک مجھے ممانعت نہ فرمادی گئی
بدستور وعدہ پورا کرتا رہوں گا۔ تو جب حکم خداوندی نازل ہوا اور ممانعت فرمادی گئی تو اس کے بعد
کبھی اظہار تمنا نہیں ہوا ثابت ہوا۔ امور مذکورہ از خود نہیں تھا بلکہ مامور من اللہ ہونے کی حیثیت سے
تھا۔ اس مختصر تمہید کے بعد فقیر چند ایک وہ احادیث صحیحہ پیش کرتا ہے جن سے ثابت ہوگا کہ سرکار
جانِ دوعالم کے چاہنے پر ان حضرات کو دولت اسلام ایمان نصیب ہوتی۔
(مالک کونین) حضرات، حضور سیدنا مولا سے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان لانا مسلمان ہونا

marfat.com

اویسی
آپ کو نبی کی تمنا تھی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کا اسلام دعائے مصطفٰے کا رہین منت ہے ورنہ راہ راست پر نہ تھی۔ (بخاری وغیرہ)

سیدنا مولائے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد گرامی ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر نوازی سے دولت اسلام نصیب ہوئی (شرح شفا لعلی القاری والخفاجی صـ۳۵۲ ج سوم وغیرھا)

نجات دہندہ کائنات کی دعا شریف کے بارے میں اعلیٰ حضرت کا ارشاد ہے

اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا　　بڑھی جب ناز سے دعائے محمد ﷺ

منظور ہیں ابرو کے اشارے سے دعائیں　　کیوں تیر کماندار نبوت کا خطا ہے

باغی سراقہ کو مصیبت میں مبتلا کر کے پھر اسی نگلنے والی زمین کو اگلنے کا حکم نافذ کرنا۔

کوئی قتل کو آتا ہے تو اندھا ہو جاتا ہے اندر بیت دیکھ کر اندھے ہو جاتے ہیں یہی ابوطالب دعائے نبوی سے شفایاب ہو جاتے ہیں۔ سورج کو چمکار لیتے ہیں۔ تخت نبوت پہ بیٹھے ہوئے اور تاج عنایت تقسیم کرتے ہوئے اقلیم چاند کو درہم برہم فرما دیتے ہیں جیسا کہ نظام کفر آپ نے روئے عالم سے بے نام ونشاں کر دیا۔ علی المرتضیٰ کی والدہ کو فردوسی بہاروں کا وارث بنا دیا۔ اعلحضرت کا ارشاد گرامی ہے

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
ارے اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

خاتم النبیین کی شہادت گوہ نے دی، ہرنی نے کلمہ پڑھا، بھیڑیا ایمان لایا، اونٹ کی دادرسی فرمائی، قلیل طعام کو پوری قوم ——— کے لئے کافی کر دیا، ابوہریرہ کے توشہ دان کو ہمیشہ فراواں کر دیا جو عرصہ دراز ۱۲ سال جاری رہا شہادت عثمانی کے دن باغیوں نے دندناتے ہوئے لوٹا۔ کس قدر قبضہ ہے سرکار کا　کون ومکان پہ خونخوار شیر نے اور جنگل کے موذی وحشی جانور بھیڑیئے تک نے بلا خوف دلوں کی گہرائیوں سے آقائے کونین کے اختیارات کو تسلیم کیا۔ دیکھئے حضرات! موذی جانوروں سے انکار نبوت اور اقتدار رسالت کا انکار نہیں ہو سکا۔ مگر جو بلا دریغ خبث باطن ظاہر کرتے ہوئے دلوں میں وسوسہ بن کر دوڑ جاتے ہیں اس لئے کہ ان کے دل سے دین وایمان کوچ کر چکا ہے۔

اِنّی جاعلٌ فی الارض خلیفۃً کی سربلندی کا شاید غیر شعوری کو علم ہی نہیں ورنہ مہر منیر کی روئے عالم کو رخشاں کرنے والی زردہیلی کرنوں سے کون واقف نہیں۔

نہایتی کارواں در کارواں ہے

marfat.ocm

امورِ تشریعی : جدھر دیکھا ہجوم رہبراں ہے کدھر ڈھونڈوں مرا رہزن کہاں ہے -
قارئین با تمکین! بس یہ کسی خبطی کا خبط ہے، ماسوائے مخبوط الحواس کے امورِ شریعیہ میں کسی قسم کا اختیار نہیں رکھتے،

اصل عالم کی تشریف آوری اور بعثتِ مقدسہ کی علت غائیہ ہی تشریعی امور کیلئے ہے کروڑوں نصوص صریحات، ہزاروں احادیث مقدسہ میں موجود ہے نمونہ کے طور پر مشت از خروار۔

(۱) ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے ششماہا بکرا برائے قربانی جائز قرار دیا، بخاری شریف ص ۸۳۴ ج دوم

(۲) حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی ایک گواہی کو دو مردانِ حق آگاہ کی گواہی کے قائم مقام فرمادیا، ابوداؤد شریف ص ۱۵۲ ج دوم

حالانکہ قرآن کریم کا فیصلہ ہے۔ واشهدوا ذوی عدلٍ منکم اور واستشهدوا شهیدین من رجالکم۔

(۳) ایک اعرابی شخص کیلئے روزے کا کفارہ معاف فرمادیا بلکہ اپنی فیاضانہ عطا اور کرم بخشی سے ایک ٹوکرہ کھجور حضور نے اسے مرحمت فرمائی (بخاری وغیرھا)

نعمتیں باختا جس سمت وہ ذیشان گیا ساتھ ہی منشی رحمت کا قلمدان گیا

(۴) مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو بحالتِ جنابت مسجد اقدس میں قیام پذیر رہنا مباح فرمایا زرقانی صفحہ ۳۲۸ ج ۔ ۵ حالانکہ بحالت جنابت مسجد میں از شریعت طاہرہ بالعموم داخلہ ممنوع ہے۔ بلکہ گناہ ہے۔

(۵) ایک شخص سے اس شرط پر اسلام قبول فرمالیا گیا کہ وہ دو نمازوں سے زائد نماز نہیں پڑھیگا۔ جہاں قرآن پانچ نمازیں فرض قرار دیتا ہے اگر کوئی عمداً ایک نماز ترک کردے تو سخت مجرم بارگاہ قرار دیا گیا ہے ثابت ہوا جملہ فرائض فروع؛ اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے۔
زرقانی شریف صفحہ ۳۲۸ ج ۵

(۶) تین طلاقوں کے بعد بغیر حلالہ کے حضرت ابو رکانہ کو بیوی واپس پھیر دی، زرقانی شریف ص ۳۲۸ ج ۵
حالانکہ قرآنی فیصلہ ہے، ربانی ارشاد ہوتا ہے۔ حتی تنکح زوجاً غیرہٗ

(۷) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سورج نکلنے کے وقت روزہ کھولنے کی اجازت بخشی۔
زرقانی شریف ج ۔ ۲

چشم ایمانی کو انکار نہیں ہے اختیارات و تصرفات نبوی میں مگر دبے لفظوں انکارِ نبوت

marfat.com

کرنے والے اپنی مثل بے اختیار دیکھتے ہیں۔ کیا کیجئے علاج اس مرض لا علاج کا۔

چشم بینا موجود ہو تو تشریعی اختیارات اس سے بڑھ کر اور کون سا ہو سکتا ہے، جہاں فیصلہ احکم الحاکمین موجود ہو (واتموا الصیام الی اللیل) بدنصیبی، روسیاہی کا علاج کلک رضا کے سوا نہ ہو سکا۔ جو پھر گمراہی سر اٹھانے لگی ۔ (تفسیر روح بیدنی)

سائل ہوں بنیرا مانگتا ہوں تجھ سے تجھی کو ۔ معلوم ہے اقرار کی عادت تیری مجھ کو

امورِ تکوینیہ:- محترم حضرات۔ جمہور اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہادی عالم مردِ کائنات اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے مظہر اتم ہیں۔ جیسا کہ آپ سے ہزاروں مواقع پر امورِ تکوینیہ کا ظہور ہوا۔ ان کے شواہدات بھی احادیثِ صحیحہ میں موجود ہیں۔ وہی ھذا۔

(۱) حضرت عمار بن یاسرؓ کو آگ میں ڈالا گیا تو مختارِ دو عالم کا ان پر گزر ہوا تو آپ نے عمار کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔ یا نارُ کونی برداً و سلاماً علیٰ عمارٍ الخ کذا فی الخصائص الکبری للسیوطی؟ ص۱۸۵ ج۲ ص۲۔ آگ کی مجال نہ تھی وہیں دم توڑ گئی۔ حضرت عمار کو گویا گلکدۂ فردوس میں احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھا دیا کیوں نہیں کائنات کو فردوسی نشیمن انہی کے دم قدم سے ملے گا۔

(۲) حکم بن ابی العاص ہادیٔ کل صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا جب احمد مختار گفتگو فرماتے تو وہ اپنا چہرہ بگاڑتا کچھ چمکارتا۔ قادرِ مطلق کے نائب اکبرؐ نے ارشاد فرمایا کن کذالک فلم یزل یختلج حتی مات یعنی مرتے دم تک اس کا حسن و جمال آپ نے بے نام و نشان کر دیا۔ جو گلزارِ حسن شعلے کی طرح سے بھڑکتا ہے وہ شعلے نہ رہے انگاروں میں شکل ہی آپ نے تبدیل فرمادی، بدصورت ہو گیا، خصائص کبری شریف ص۹ ج۲

حکم نافذ ہے تیرا خامہ تیرا سیف تیری
دم میں جو چاہو کرو دور ہے تا ہا تیرا

(۳) ہادی عالم رہبر کون و مکان نے ایک دن خطبہ فرمایا۔ ایک منکر عظمتِ مصطفیٰ نے آپ کے خطاب لاجواب کی نقل اتارنی شروع کر دی تو حبیب کبریا نے عتاب باری کو للکارا اور فرمایا کذالک فکن (خصائص کبری شریف) اسے لینے کے دینے پڑ گئے، بے ہوش و حواس زمین پر دھڑام گرا۔ یہاں تک کہ دو ماہ بعد اس کا منہ ویسے کا ویسا ٹیڑھا تھا جیسا بوقت نقل ہوا تھا۔

(۴) حکم بن العاص کو بوجہ استہزاء رعشہ میں مبتلا کر دیا گیا کیونکہ چلنے میں سرکار ابد قرار کو نقل نہ بنا رہا تھا۔ جلالِ باری عتاب میں آ گیا آقائے کونین نے غصہ میں فرمایا۔ کُن کذالک تو ایسا ہی مرے گا۔ انہیں بے اختیار جاننے والے۔ (جواہر البحار ص۱۹ ج۲)

(۵) احمد مختار راہنمائے کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ اسکے

marfat.ocm

والدہ نے عرض کی ہاں ہاں اسے برص کا مرض ہے حالانکہ وہ انس ہوذی ارض میں مبتلا نہ تھی گویا اس سے خاطر اقدس کو جلال میں آنے آفت الٰہی کو دعوت دے دی حضور نے خلاف ورزی کرنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا فلتکن کذلک (از جواہر البحار ص۱۱ ج ۳)

بس تیری تہمت کا شکار ہو گئی اسی مرض میں مبتلا ہو گئی۔

اعرابی کو فرمایا کن زیدا۔ پس وہ زید ہو گیا

حالانکہ وہ زید نہ تھا۔ (جواہر البحار شریف) مظہر کامل کی شانِ جلالت ملاحظہ ہو۔

ع۔ قدرت ہے آپ سے عیاں اس لایزال کی

(۶) ایک سوار کو دور سے دیکھ کر فرمایا "کن یا اباذر" تو وہ ابوذر بن گیا۔

معلوم ہوا نوعیت تبدیل فرما دیتے ہیں۔ (جواہر البحار ج ۱ ص۲۶)

(۷) آپ نے ایک شخص کو فرمایا "کن ابا خیثمہ" تو گویا وہ ابو خیثمہ ہی تھا۔ یہ اختیارات بیحد و حساب ہیں کارکنان قضا و قدر اشاروں کا انتظار کرتے ہیں۔

: یلوہا بینی فی قلوبہم مرض ای من الجھل والسوء العقیدۃ وعداوۃ النبی صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ اجمعین کثیرا کثیرا (تفسیر حماد ابوسعود)

حرف آخر:۔ آیت انک لاتہدی من احببت الخ میں نہ تو جناب ابو طالب وغیرہ کے ایمان کی نفی ہے اور نہ ہی حضور منبع نور علیہ السلام کی ہدایت نہ دینے کا اثبات موجود ہے چنانچہ امام فخر الدین والملت رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر کبیر میں اسی آیت کی تصریح فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ جل مجدہ کا ارشاد اقدس ہے کہ انک لتہدی الی صراط مستقیم (سورۃ شوریٰ پ ۲۵) اور فرمایا لکل قوم ھاد۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم اور فرمایا وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا۔ ان آیات طیبہ میں نص ہے کہ پروردگار کے نیک بندے اور قرآن حکیم —— ہادی ہیں اور کار ہدایت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ دشمن رسول کے منہ میں انگارے ہوں کس جرأت سے کہتے ہیں کہ نبی الانبیاء حبیب علیہ التحیۃ والثناء ہدایت نہیں دے سکتے، خاک بدہن سے پوچھتا ہوں کہیں کوئی اور در کوئی اور چوکھٹ کوئی اور دروازہ کہ جس کے لنگر سے کون و مکان سیراب ہوں

ع فیض ہے یا شاہ تسنیم نرالا تیرا کہ اک پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا

انہی کے لنگر سے دو عالم پلتے ہیں معطی وہ ہے قاسم یہ ہیں۔ کس زبان میں یہ بارا ہے کہ وہ کہے

marfat.com

کہ آپ ہدایت نہیں دے سکتے، ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے آیت متذکرہ بالا میں مطلق ہدایت کی نفی مراد ہے نہ یہ کہ ہدایت دینے میں آپ کو اختیار نہیں۔ پیشوائے اہلسنت حضرت تقی الدین سبکی قدس سرہٗ نے انک لا تہدی کی تفسیر فرماتے ہوئے فرمایا ہے کہ ولیس علیک ھدایۃ شفاء السقام صفحہ ۱۶۸ کے ثمرات بڑے مفید ہیں۔

غلطی کا ازالہ: اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ الخ آیت کریمہ میں ہدایت نہ دے سکنے، بے اختیار دکھانے کا معنیٰ کرنا قرآنی تحریف ہے وجہ یہ ہے کہ ہدایت کا معنیٰ ہدایت نہ دے سکنا نہ کسی لغت میں ہے نہ ہی کسی معتبر تفسیر میں، عداوت نبوی اور سکرِ بغضِ رسالت میں یہ معنیٰ کرنا دینِ مصطفوی سے دشمنی کے مترادف ہے۔

علمی نکتہ: آیت کریمہ میں بالفعل ہدایت کی نفی ہے تا کہ بالقوۃ کی، یاد رہے بالفعل کی نفی سے اصل کی نفی نہیں ہوتی مثلاً ایک شخص بیٹھا ہے تو آپ اسے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ تم کھڑے نہیں، یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم کھڑے ہو ہی نہیں سکتے۔ اسی طرح خاموشی اختیار کیے ہوئے ہو تو آپ اسے یوں کہہ سکتے ہو کہ تم بول ہی نہیں سکتے؟ حالانکہ وہ کھڑا ہو سکتا ہے اور یہ گفتگو پر قادر ہے۔ اسی طرح کوئی شخص کھانے سے ہاتھ کھینچ لے تو اس کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہو گا کہ اسے حاجت ہی نہیں یا یہ کہ وہ کھا ہی نہیں سکتا۔ (حالانکہ اس کی شکل و صورت دیکھ کر دیگ کا جگر دھڑکتا ہے) فرض کیجئے مطلوب ہے کہ آپ تقریر کا اعلان کر دیا گیا لیکن بروقت کسی مجبوری کی بنا پر مولانا معذرت پیش کر کے چلے جائیں تو کوئی بیوقوف دیوانہ منادی کرا سکتا ہے کہ حضرت مولانا علامہ فلاں صاحب سحر بیان تقریر ہی نہیں فرما سکتے۔ اُمید واثق ہے کہ جواب نفی میں ہو گا۔ ایسی لاتعداد مثالیں سمجھا سکتے ہیں لیکن بدقسمت غبی الدماغ بدقسمتی کا شکار ہے۔

قرآنی آیات سے استدلال: (۱) مولا کریم ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ

(۲) اِنَّ اللّٰهَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ وغیرہ صدہا آیات میں یہی کہا جائیگا کہ اللہ نے ظالمین، منکروں، فاسقوں کے لئے ہدایت مقرر ہی نہیں فرمائی نہ یہ کہ یہی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت ہی نہیں دے سکتا تو یہاں بھی جواب منکر رسول کا گوشۂ عدم میں پہنچ لیا۔ یہاں بھی جواب مناسب ہے جو دشمنانِ رسول کو ہمارے مشائخ دیا کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں (سوائے اس کے) کوئی صورت ہی نہیں

آخری اور علمی نکتہ

شریعت اسلامیہ کا مسلمہ ضابطہ اور قاعدہ ہے اور کلیہ لازمہ ہے کہ ہدایت دینا ارادہ و مشیت

marfat.ocm

پر موقوف ہے (یہاں محبوبیتِ مطلقہ اور وقار و اقتدارِ مصطفےٰ کی نفی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا)

دیکھئے مقامِ رضا میں مولا تعالیٰ جل مجدہٗ مفتربن کیلئے ایمان و اسلام سے محبت و پسندیدگی و رضا تو ہے لیکن ارادہ مشیت نہیں کیونکہ یہ منزل تنا ہے۔ کما قال۔ ولکن اللہ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الایمان وزَیَّنَہٗ فِی قُلُوبِکُمْ وکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الکفر والفسوق وَالعِصْیَان۔ نیز ارشاد فرماتا ہے اِنْ تکفروا فَاِنَّ اللہَ غَنِیٌّ عنکم ولا یرضیٰ لعبادہِ الکفر، پہلی آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب کیلئے ایمان کیلئے محبت ہے لیکن اس محبت کے باوجود کافر کافر ہی رہے ہادی عالم، صاحب لولاک نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخالفین فقط ابو طالب وغیرہ کے ایمان نہ لانے سے حضور جانِ سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض و عداوت میں بغیض بجا رہے ہیں اگر کوئی خداوند قدوس کا مخالف یہی آیت پیش کر دے کہ مولا تعالیٰ جل مجدہٗ کے عجز و عدم قدرت کا اعتراض کرے تو یہ مسائل کو قائل کرنا ہمارے کے بس کا روگ نہیں۔ کہا جائیگا مگر وہی کہا جائے گا جو ہم نے عرض کیا کہ منزلِ محبت مقامِ رضا پر ایمان و کفر کا دارو مدار نہیں بلکہ ارادہ و مشیت پر موقوف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ فلو شاء لھدٰکم اجمعین۔ نیز ارشاد ہوتا ہے ولو شاء ربک لجعل الناس امۃً واحدۃً،

متذکرہ بالا آیت کریمہ اِنَّکَ لَاتَھْدِی سے رفیع شان کا ثبوت

ہمارے بیان کردہ دلائل سے نجات دہندۂ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتِ شان کا ثبوت دستیاب ہوا مولا کریم نے منکرِ اختیارِ نبوت کا اعتراض آیت کریمہ میں ہدایت کو مشیت سے اور محبوبیت و حبیبیت کے لا تھدی کو من احببت کی شکل میں بیان فرمایا اس میں کچھ رازداری تو مقصود ہے ورنہ عبارت کا تقاضا یوں تھا کہ آیت کے الفاظ یوں ہوتے اِنَّکَ لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی مَنْ یُّحِبُّ۔ اس میں اشارہ ہے کہ میرے محبوب و مقصود صلی اللہ علیہ وسلم کی مشیت میری مشیت میں گم ہے، یہی مقام فنا ہے اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ ۝ محبوبیت کی منزلِ ارفع کا حسن و جمال ظہور پذیر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اور ہم ان جانوں کو سمجھایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یبایعونک اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللہ ید اللہ فوق ایدیھم ۝

فخرِ کائنات کا مقامِ فنا فی اللہ پر فائز ہونا واشگاف الفاظ میں بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے یکجہتی و یگانگت اور اتحاد فی المشیت والارادہ کو کتنے انوکھے اعزاز نکھرے ہوئے انداز میں بیان فرما کر غیریت فی المقصود کا وہم تک بھی گورستانِ عدم میں پہنچا دیا۔ لیکن یار لوگوں نے کچھ کا کچھ بنا دیا۔ الحق ان یرضوہُ کو بھلا دیا۔ یوں ہی اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا یار لوگوں کے دل ہیں

marfat.com

خطرناک نفاق واضح ہو رہا ہے کیونکہ پالنہارِ کائنات محبوبِ اعزاز واختیار واقتدار کو منوانا چاہتا ہے لیکن چمگادڑ آفتاب کی ضیاء بار کرنوں سے زخمی ناگن کی طرح پھڑکتے ہے۔

• ہزاروں تیر لگتے ہیں مخالف کے کلیجے پر
جو کہتا ہے کبھی کوئی مسلماں یا رسول اللہ

(۵) **ابوطالب کے ایمان کا مسئلہ**

مسئلہ: معترض کا اعتراض آیت کریمہ سے گو ابوطالب کے ایمان کے متعلق ہے تو یہاں کوئی علاقہ نہیں جبکہ خود علماء اہلسنت اس مختلف مسئلے میں متفق نہیں مثبت انداز میں جواب دینے والے مشائخ اور ان کے ایمان واسلام کے قائلین آئمہ حضرت امام شعرانی مختصر تذکرہ میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں حاشیہ نبراس بر خود از ملتانی پھر اس پر مستقل کتاب تصنیف فرمائی۔ مزید تحقیق تفسیر اویسی میں ملاحظہ فرمائیں۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ امام الانبیاء وسید المرسلین وخاتم النبیین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

۲۳ محرم الحرام، شب اتوار، بعد از صلوٰۃ المغرب متصلاً ۱۳۹۴ھ

الفقیر قادری ابوصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ بہاولپور

نوٹ: محمدی شریف سے یہی سوال حضرت علامہ کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا گیا ان کا جواب بھی اسی رسالہ کے ساتھ شائع ہوا، تبرکاً اسے بھی شامل تفسیر کیا جاتا ہے۔

نہایت اضطراب کی حالت میں آپ کو تکلیف دے رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ دینی خدمت کے رشتے سے یہ تکلیف آپ کے لئے بارِ خاطر نہ ہوگی۔

سوال: ہدایت دینی کسی رسول کی ذمہ داری نہیں ہے، یہ اللہ کا کام ہے رسول کا کام تو صرف تبلیغ تھا۔ (صفحہ ۱۱ تحریک جامعہ محمدی)

یہ دبے لفظوں نبوت کا انکار کرنے والے اس طرح وہ عظمتِ مصطفیٰ کو ہیچ اور سلطنتِ حبیبِ خدا سے روگردانی کرتے ہوئے اختیارات و تصرفاتِ آقائے دو عالم میں خندہ جبینی سے عجز پیش کرتے ہیں آیت قرآنی دلیلِ راہ بناتے ہیں۔ اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (الآیت) اور معتبر تفاسیر سے ثابت کرتے ہیں کہ وہ اپنے چچا کے چراغ کو بھی رسولِ کبریا عذاب

marfat.ocm

دوزخ سے محفوظ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے تھے لہٰذا آپ کو امور تکوینی اور تشریعی میں کوئی اختیار نہیں۔
کیا یہ جناب والا سے توقع کی جا سکتی ہے کہ اس کا معتبر اور مختصر جواب جلد تحریر فرما کر اطمینان بخشیں گے۔

والسلام، محتاج کرم

ایس کے رازی (ایم۔ اے) صدر انجمن ہذا۔ ۱۰ ار ذوالحجہ ۱۹۷۴ء

نوٹ:۔ عزیز نوازی سے جس طرح آپ نے مشرف فرمایا۔ اس اعزاز کو شائع کئے بغیر آپ کا بیان سراپا عرفان ہی شائع کیا جاتا ہے (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین

ج: امابعد لفظ ھدایت "جو کتاب وسنت میں وارد ہوا ہے اس کے شرعی حقیقی معانی معتزلہ کے نزدیک بیانِ طریقِ الصوابؔ ہیں۔ اور مشائخ اہلسنت اس کے شرعی حقیقی معنی خلق الاہتداء مانتے ہیں ہر ایک فریق اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کتاب وسنت کی آیات پیش کرتا ہے مثلاً معتزلہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ اس آیتِ کریمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہدایت سے مراد بیانِ طریق الصواب ہے۔

مشائخ اہل سنت فرماتے ہیں کہ اگر لفظ ہدایت کا معنی صرف بیان طریق الصواب ہوں تو

انک لا تھدی من احببت

کے کیا معنی ہوں گے؟ رسول اللہ تو ہر ایک کیلئے بیان طریق الصواب فرماتے ہیں اسکی نفی کیونکر درست ہوگی؟ لہٰذا تسلیم کرنا ہوگا "ہدایت کے اصل معنیٰ خلق الاہتداء ہیں" اور انہی معانی کی نفی آیتِ کریمہ اِنَّكَ لَا تَهْدِي میں کی گئی ہے کیونکہ خلق الاہتداء منصبِ رسالت نہیں یہ شانِ خالقیت ہے۔ ہم رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خالق نہیں مانتے تمام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کی طرف ہدایت کی اسناد ہے وہاں اسناد مجازی ہے اور جہاں ہدایت کے بعد ضمن [illegible] موجود ہے وہاں لفظ "ہدایت" لغوی معنیٰ میں مستعمل ہے جیسے اَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ یہاں ہدایت شرعی عید مراد ہیں۔ رہا یہ امر کہ ہدایت کے معنیٰ ارادۃ الطریق عند المعتزلہ اور ایصال الی المطلوب عند اہل سنت۔ کتب فن میں بیان کئے گئے ہیں تو یاد رکھیں حضرات قارئین با تمکین، یہ اختلاف ھی معنیٰ لغویہ کی طرف راجع ہے خلاصہ کلام یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنکو ہدایت نہیں فرمائی اُس کا مطلب یہ ہے کہ خلق اہتداء حضور نے نہیں کیا کیونکہ یہ حضور کا منصب ہی نہیں بلکہ ان کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے خلق الاہتداء فرمایا ہی نہیں یہ عدم ہدایت اگر کسی

marfat.com

حاشیہ

کا موجب ہے تو معاذ اللہ ذاتِ باری کے لئے اثباتِ نقص لازم آئے گا۔

تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیراً

مسئلہ سمجھنے کیلئے بالتمثیل یوں کہئے کہ ٹکسال میں جو سکہ ڈھلا ہی نہیں۔ اگر وہ کسی دولتمند کے پاس نہ ہو تو اُسکی دولت مندی میں کمی نہیں آتی جن لوگوں کیلئے خلقِ اهتدار ہوا ہی نہیں انہیں ہدایت نصیب نہ ہونا آقائے کونینؐ کے خزائن و دولت میں ہرگز کمی کا موجب نہیں بلکہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس تو یہ ہے۔ اللّٰہُ یُعطِی وَ اَنَا قَاسِمٌ۔ کفر پر مرنے والوں کیلئے ہدایت تو خزانہ خداوندی میں تھی ہی نہیں کیونکہ ایسے لوگوں کیلئے خلقِ اهتدار حکمت کے منافی تھا تو جو چیز اگر وہاں نہیں تو یہاں بھی نہ ہو تو کونسی خرابی لازم آتی ہے؟ بلکہ آیت کریمہ اِنَّکَ لَا تَہْدِی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ والتسلیم کو دشمنوں کے الزام سے محفوظ رکھنے کے لئے خلقِ اهتدار کی حضور سے نفی فرماتے ہوئے اپنی ذات مقدسہ کیلئے اسکا اختصاص

ظاہر فرمایا۔ کیونکہ جن کے لئے خلقِ اهتدار ہوا ہی نہیں وہ اپنی محرومی کا الزام اللہ کے رسولؐ پر نہ لگا سکیں گویا رب تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی محرومی کا الزام نہ لگاؤ خلقِ اهتدار تو میرا کام ہے ان کا کام ہی نہیں پھر وہ مورد کیسے ہو سکتے ہیں اور اگر مجھ پر الزام لگاؤ تو تمہاری جہالت ہوگی کیونکہ میرا کام حکمت کے عین مطابق ہے، نادانو! میں ہر عیب سے پاک ہوں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمدٍ وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین ہ

سیّد احمد سعید کاظمی ۱۶ مارچ ۱۹۷۴ء

حاشیہ ختم

★★★★★

marfat.ocm

(بقیہ ص ۱۲۶)

کے چچا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا والد مراد ہے اور یہ آیت اسی کے حق میں نازل ہوئی۔

ابوطالب کی سکرات الموت کا واقعہ، مروی ہے کہ جب ابوطالب پر نزع طاری ہوئی تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کی تمنا تھی کہ وہ کسی طرح ایمان لائے اسی لیے فرمایا اے چچا پڑھو لا الٰہ الا اللہ الخ تاکہ میں تمہارے لیے قیامت کے دن شاہد ہوں اس نے عرض کی بھتیجے اگر مجھے قریش کے عار دینے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور ایمان لاتا اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا۔

شرح الحدیث، حدیث شریف میں ہے کہ ابوطالب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی اکسرہ ان یقال خرع عند الموت۔ خرع بالخاء المعجمۃ والراء المہملہ علم کی طرح بمعنی ضعف وجبن۔ یعنی اگر میں کلمۂ اسلام پڑھ لوں تو قریش عار دیں گے کہ وہ موت کے وقت کمزور پڑ گیا اور بزدل ہو گیا اور موت کی بزدلی کی عار سے ان لوگوں کو اچھی نہیں لگتی تھی۔ اور ابوطالب نے یہ بھی کہا لولا ان یکون علیک و علی بنی ابیک غضاضہ بعدی۔ غضاضہ بمعنی ذلۃ و منقصۃ یعنی اگر میرے مرنے کے بعد مجھے قریش کی طرف سے آپ اور آپ کے خاندان پر ذلت و نقص و عیب گوئی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں آپ کا کلمۂ اسلام پڑھ لیتا اور آپ کی آنکھیں بھی ٹھنڈی کرتا جبکہ میں آپ کو فراق سے غمگین اور حزن میں دیکھتا ہوں اور آپ نے میرے کلمہ پڑھانے کے لیے جدوجہد کی لیکن میں نہ مانا تو آپ ملول ہوئے لیکن آپ کو عرض کیسے دیتا ہوں کہ میں اپنے مشائخ عبدالمطلب و ہاشم و عبد مناف کے دین پر مروں گا۔

مسلم شریف میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مذکورہ بالا کے مطابق روایت نقل کرکے لکھا کہ اس کے بعد انہوں نے یہ شعر پڑھے ؎

وَ لَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِیْنَ مُحَمَّدٍ
مِنْ خَیْرِ اَدْیَانِ الْبَرِیَّۃِ دِیْنًا
لَوْ لَا الْمَلَامَۃُ اَوْ حِذَارُ مَسَبَّۃٍ
لَوَجَدْتَنِیْ سَمْحًا بِذَاکَ مُبِیْنًا

marfat.com

ترجمہ: میں یقین سے جانتا ہوں کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین تمام جہانوں کے دینوں سے بہتر ہے۔ اگر ملامت گردن کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں نہایت صفائی کے ساتھ اس دین کو قبول کرتا اس کے بعد ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ جب ابو طالب نے کلمۂ توحید سے انکار کیا تو اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جب تک تیری بخشش کی دعا سے روکا نہ جاؤں گا تیرے لیے مغفرت کی دعا مانگتا ہوں گا۔ آپ کو ابو طالب کی دعا سے رکاوٹ پر آیت ماکان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی من بعد ما تبین لھم انھم اصحاب الجحیم۔ نبی علیہ السلام اور مومنین کے لئے لائق نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں۔

اسلام ابو طالب اور معجزہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم: بعض روایات میں آیا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین اور آپ کے چچا کو زندہ کیا تو یہ سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان ایمان لائے جیسا کہ سورۃ توبہ میں گزرا۔

لیکنؒ چونکہ یہ روایت بلا سند اور غیر معتبر ہے۔ اسی لیے قابل اعتماد وہی احادیث صحیحہ ہیں جو کتب صحاح میں موجود ہیں جنھیں اعلیحضرت قدس سرہ نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے لیکن یاد رہے کہ تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ ابو طالب کے ایمان و کفر کے مقابلے میں بے ضرورت گفتگو اور بحث و مباحثہ اور ان کو برا کہنے سے اجتناب کرنا چاہیئے کہ اس سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی ایذاء کا احتمال ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہدایۃ دراصل ربوبیت کی طرف عبودیت کے دروازے کھلنے کا نام ہے اور یہ خصائص قدرت حق سبحانہ، سے ہے کیونکہ بندے کے دل کے دو دروازے ہیں۔ ایک دروازہ نفس وجد کی طرف ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ دوسرا دروازہ روح اور حضرت کی طرف ہے اور وہ ہمیشہ بند رہتا ہے اسے سوائے رب فتاح (کہ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہر شے کی کنجی ہے) کے اور کوئی نہیں کھولتا جیسا کہ اپنے حبیب علیہ السلام کو فرمایا انا فتحنا لك فتحا مبینا۔۔

ؒ۔ فقیر اسی کو ترجیح دیتا ہے۔ اعلیحضرت قدس سرہ سے پہلے مفتی دحلان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسنی المطالب اور مولوی برخوردار ملتانی محشی نبراس نے رسالہ ایمان ابو طالب پر لکھا اور ہمارے معاصرین میں سے صائم چشتی شاعر نے بھی کچھ لکھ مارا لیکن کہاں اعلیحضرت امام اہلسنت اور کہاں یہ غریب شاعر۔ بہر حال اس گفتگو میں خاموشی بہتر ہے۔

marfat.ocm

یستغفرلك ما تقدم من ذنبك وما تاخر و یتم نعمته علیك و یهدیك صراطا مستقیما۔ یہاں صراط مستقیم سے حضرت حق کی جانب کا راستہ مراد ہے جیسا کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج قاب قوسین او ادنیٰ کے قرب کی طرف راستہ دکھایا اور جن لوگوں کے قلوب کے دروازے بند ہیں ان کے متعلق فرمایا ام علی قلوب اقفالها۔ کیا ان قلوب پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

حدیث شریف، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا قلب رب رحمٰن کے قدرت کی انگلیوں کے درمیان میں ہے وہ اسے جیسے چاہتا ہے پھیرتا ہے۔ چاہے تو اسے سیدھا رکھے چاہے تو ٹیڑھا کر دے۔

فائدہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام باوجودیکہ رفیع الشان تھے اور آپ کو اپنے قلب انور کے متعلق کسی قسم کا ٹیڑھا پن کا خطرہ نہ تھا لیکن اکثر یوں دعا مانگتے تھے:

یا مقلب القلوب ثبت قلب عبدك علی دینك وطاعتك

"اے دلوں کے پھیرنے والے اپنے بندے کے دل کو اپنے دین اور اپنی طاعت پر ثابت قدم رکھ۔"

اس سے ثابت ہوا کہ ہدایت کا معنی ہے قلب کو باطل سے حق کی طرف پھیرنا اور باطل سے ماسوی اللہ اور حق سے حضرت ربوبیت مراد ہے۔ جب ہدایہ کا یہی معنیٰ ہے تو یہ شان صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

فائدہ: عرائس البیان میں ہے کہ ہدایہ ارادہ ازلی سے مقرون ہے اس لیے ابوطالب کے ایمان کا مسئلہ واضح ہوا کہ صاحب روح البیان کے نزدیک بھی ابوطالب کا خاتمہ کفر پر ہوا چنانچہ لکھا ہے کہ

ولو کانت ارادۃ نبینا علیه السلام فی حق ابی طالب مقرونة بارادة حقه من جهة القرابة

الازل لکان مهتدیا ولکن کان محبته وارادته فی حقه من جهة القرابة الاتری انه اذ قال اللّٰهم اعز الاسلام بعمر کیف اجابه۔ روح البیان ص۳۱۶ ج۶

ترجمہ: اگر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ مبارک ارادۂ ازل کے موافق ہو جاتا تو ابوطالب کو لازماً ہدایت نصیب ہوتی لیکن آپ کی محبت ابوطالب کے ساتھ بوجہ قرابت کے تھی۔ اگر دینی لحاظ سے محبت ہوتی تو کچھ ہو جاتا جیسے حضرت عمر کے لیے دعا مانگی۔ اے اللہ عمر کے ذریعے اسلام کو عزت دے) تو دعا قبول ہو گئی۔ یہاں بھی اسی طرح ہوگا۔

فائدہ: اس سے ان لوگوں کی غلط فہمی دور ہو گئی جنہوں نے گزشتہ روایات نقل کر کے ثابت کیا۔ روح البیان

marfat.com

میں بھی ابو طالب کا ایمان ثابت ہے حالانکہ وہ تو صرف روایت نقل کی ہے اس میں فیصلہ تو نہیں لکھا۔ (اضافہ اویسی)

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ انک لا تھدی من احببت یعنی جسے ہم چاہیں تحیر کے جنگلوں میں حیران رکھیں اور جسے ہم چاہیں ہم سلسلہ قہر میں گرفتار رکھیں اور ازل میں جن کے سروں پر ہم نے تاج سعادت رکھ دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ وھٰؤلاء فی الجنة ولا ابالی اور یہ بہشتی ہیں مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں۔

سبق: اے عزیز! اللہ تعالیٰ کی صفات سے لا ابالی جیسی اور کوئی صفت سخت نہیں اسی لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول کاش میں ایک تنکا ہوتا اور درخت ہوتا۔ وہ بھی اسی خطرہ سے تھا دیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول ہر سالک راہ کے لیے مشعل راہ ہے تاکہ عبادت و طاعت میں سستی و غفلت نہ ہو۔ اور نہ ہی عبادت و طاعت میں غرور و تکبر پیدا ہو جیسا کہ ابلیس لعین کیسا ہی بہتر عبادتگذار اور فرمان بردار تھا لیکن چونکہ ازلی بدبخت تھا اس لیے اس کی بدقسمتی کی سیاہی کوئی نہ دھو سکا اور ازل سے ہی وہ قسمت کا مارا تھا۔ کما قال اللہ۔ و کان من الکافرین۔

حضرت حافظ نے فرمایا ؎

آب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد
گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

ترجمہ: جس کی ازل سے سیاہ اوڑھنی تیار ہوئی اسے کوثر و زمزم کے پانی سے سفید نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

گرت صورت حال بد یا نکوست
نگارید٫ دست تقدیر اوست

ترجمہ: اگر تیری صورت بری ہے یا اچھی وہ تقدیر کے ہاتھ سے لکھی ہوئی۔

قضائے الٰہی جہاں چاہے کشتی کو لے جائے اگرچہ ملاح فریاد و زاری سے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔

حضرت صائب نے فرمایا: ؎

با اختیار حق نبود اختیار ما
با نور آفتاب چہ باشد شرار ما

ترجمہ: حق کے اختیار کے بالمقابل ہمارا اختیار کیسا۔ آفتاب کے نور کے سامنے ہماری چنگاری کی کیا وقعت۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ: وقالوا ان نتبع الھدیٰ معک نتخطف من ارضنا۔ یہاں پر اتباع الھدیٰ سے اقتداء فی الدین اور سلوک الی طریق الرشاد ہے یعنی اُنہوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کے لائے ہوئے پیغام کو مانیں اور آپ کے دین کی اتباع کریں تو ہمیں خطرہ ہے کہ ہم اچک لیے جائیں۔ التخطف بمعنی الاختلاسی بسرعۃ۔ اچک لے جانا۔

شانِ نزول: یہ آیت حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف کے حق میں نازل ہوئی۔ مروی ہے کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کی کہ ہمیں یقین ہے کہ ہم حق پر ہیں ؎

قول تو حق و سخن راستست
و آنچہ می فرمائی سبب دولت ماست

ترجمہ: آپ کا قول حق اور بات صحیح ہے اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ ہماری دولت کا سبب ہے۔

لیکن اگر ہم آپ کے دین کا اتباع کریں تو ہمیں ڈر ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں شہر بدر کر دیں گے کیونکہ اُنہوں نے ہمارے خلاف محاذ قائم کیا ہوا ہے اور وہ کثیر تعداد میں ہیں اور ہم نہایت قلیل ہیں اور ہمیں اُن کے مقابلہ کی بھی تاب نہیں۔ اس کے ردّ میں یہ آیت اُتری اور فرمایا اولم نمکن لھم حرما آمنا۔ کیا ہم نے انھیں امن والے حرم شریف میں جگہ نہیں دی یعنی کیا ہم نے اُن کی آپس میں جنگ اور خونریزی کے باوجود اُن کے رہنے کی جگہ کی دشمنوں سے حفاظت نہیں کی اور اُن کے رہنے کی جگہ کو ہم نے معظم و محترم بنایا ہے اور ایسی عزت و عظمت کہ عرب کے لوگ آپس میں جنگ اور خونریزی کرتے ہیں لیکن اُن کے رہنے کی جگہ محفوظ ہے اور وہ خود مامون ہیں بلکہ نہ صرف انسان بلکہ حیوانات کو بھی یہاں امان نصیب ہے یہاں تک کہ پرندے انسانوں سے مانوس اور چرندے یہاں پر مطمئن بلکہ ہر بے قرار یہاں آکر قرار پاتا ہے۔ جب جملہ عرب اس کی حرمت کے قائل ہیں تو پھر کب یہاں قتل و غارت روا رکھیں گے۔ یجبیٰ الیہ اس حرم شریف کی طرف کھینچے چلے آتے ہیں اور اُٹھا کر لائے جاتے ہیں اور اس میں جمع کیے جاتے ہیں۔ ثمرات کل شیئٍ ہر شے کے ثمرات رنگا رنگ میوہ جات ہر جانب سے مثلاً مصر، شام، یمن، عراق سے اور تم مکہ معظمہ میں جاکر دیکھو تو ہر علاقہ کے پھل، فروٹ ترکاری، اجناس، غلّہ وغیرہ ہر وقت آسانی سے ملتے ہیں یہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کی روشن دلیل۔ چنانچہ انہوں نے مکہ معظمہ کی تعمیر کے بعد عرض کیا تھا "وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ" اور کاشفی نے لکھا کہ ہر قسم کے منافع اور ہر طرح کی نادر و عجیب اشیاء مکہ معظمہ میں پہنچتی ہیں۔ (فائدہ) یہاں پر کُلّ ثمرات کی کلیّۃ سے کثرت مراد ہے اور جملہ حرماً کی دوسری صفت ہے اور آنے والے مضمون سے پیدا شدہ توہم کو دُور کرتی ہے وہ توہّم یہ ہے کہ چونکہ مکہ معظمہ میں دوسرے شہروں سے اناج وغیرہ آتا ہے خدانخواستہ اگر اسی علاقہ سے اناج آنا بند ہو جائے یا سرے

marfat.com

وہاں پیدا ہی نہ ہو تو پھر مکہ کے لوگ فاقہ کا شکار ہو جائیں گے اس کے ازالہ میں اللہ تعالیٰ نے اس جملہ کا اضافہ فرمایا تاکہ کوئی متوہم وہم کا شکار نہ ہو جائے "رزقا من لدنا" یہ رزق ہے ہماری طرف سے اسی سے مخلوق کو کسی قسم کا واسطہ اور تعلق نہیں۔ جب ہم نے انہیں بت پرستی کے باوجود بھی حرم شریف میں پُر امن اور رزق سے بہرہ ور فرمایا تو پھر جب وہ توحید سے سرشار ہو کر ہمارے عبادت گزار بندے بن جائیں گے تو پھر ہم انہیں کس طرح بھلائیں گے۔ اور انہیں ہمارے دشمن کیسے اُچک لیجا سکتے ہیں۔ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

حرم خاص الہست توحید　　جملہ را جائے پناہ ہست توحید
باعث امن و امانست ایماں　٭　کان دل را شہ راہست توحید

ترجمہ: توحید اللہ تعالیٰ کی حریم خاص ہے اور جملہ عالم کی جاہ پناہ توحید ہے اور امن و امان کا باعث ایمان ہے اس لئے کہ دل کی شاہراہ توحید ہے رزقا کا منصوب ہونا علی المصدریۃ ہے جو کہ یجتبیٰ الیہ کے معنی کی تاکید کرتا ہے اس لئے کہ اس میں بھی یُرزقُ کا معنی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ ہماری طرف سے رزق عطا کئے جاتے ہیں (ف) حضرت کاشفی نے لکھا کہ ہم نے انہیں ایسی وادی سے روزی دی جہاں کھیتی کا نام و نشان تک نہیں اور پھر ان کی روزی ہم نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے انہیں کسی کا محتاج نہیں بنایا اور نہ ہم روزی دیکر منت و احسان جتلاتے ہیں۔ "ولکن اکثرھم لا یعلمون" لیکن اکثر جاہل قسم کے اہل مکہ نہ کچھ جانتے ہیں اور نہ کچھ سمجھتے ہیں بلکہ غور و فکر بھی نہیں کرتے تاکہ انہیں کچھ معلوم ہو سکے۔

قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالم قدس کا کعبہ ہے

عرائس البیان میں لکھا ہے کہ اہل مکہ کا ذکر حقیقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قلبِ انور ہے اور یہی عالم قدس کا کعبہ اور عالم انس کا حرم ہے اسی کعبہ کی جانب اشجار ذات و صفات کے جملہ میوہ جات جمع ہوتے ہیں جو بھی اس حرم مکرم میں بشرط محبت و موافقت داخل ہوتا ہے تو وہ کونین کی آفات سے محفوظ اور جملہ عالم میں سے اللہ تعالیٰ کا وہ منظور نظر ہوتا ہے ایسے ہی اس شخص کی شان بن جاتی ہے جو کسی ولی کامل کی قلب میں محبت و عشق سے داخل ہوتا ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کلید گنج سعادت قبول اہل دلست　٭　مبارک کر دریں نکتہ شک و ریب کند

ترجمہ: اہل دل کے ہاں مقبول ہونا سعادتمندی کی کنجی ہے خدا کرے اس نکتہ سے کسی کو شک و شبہ نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ نفس کو ارض انانیت میں جذبات الوہیت کے اچک لے جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ اگر وہ حمد قلب کی تابعداری کرے تو حرم ہُویت میں ہر قسم کی حقیقت روحانیہ و جسمانیہ کے ثمرات کو پالے گا۔ بلکہ اسے ہر خواہش پر ہزاروں لذات نصیب ہوں گی۔ لیکن

marfat.ocm

اسے رزق لدنی کے ذوق کے کمال کی کیا خبر ایسے لبعض ظاہر بین اور خشک زاہد مولوی) ایسی حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں ، اور جسے اس کا ذوق نصیب ہو وہ اسکی حقیقت کو کیا جانے ۔ حضرت کمال خجندی نے فرمایا ؎

زاہد غ عجب گر کند از عشق تو پرہیز ٭ لیکن لذت بادہ چہ داند کہ نخوادست

ترجمہ : زاہد کو اگر تیرے عشق کی حقیقت معلوم نہیں تو اس سے دُور رہو اس لئے کہ ایسی شراب کی لذت کی اسے کیا خبر جس نے اسے چکھا ہی نہیں ۔

تفسیر عالمانہ (ربط) اب بیان فرمایا کہ امر برعکس ہوگیا کہ کفار مکہ لوگوں سے تو خوفزدہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ سے بے خوف کر دیا حالانکہ ان پر لازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور لوگوں سے بے خوف خطر، چنانچہ قرآن میں ہے وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں جو اپنی معاش پر اترائی تھیں ۔ (حل لغات) اَلْبَطَرُ بمعنے نعمت میں سرکشی بعض نے کہا ہے کہ بطر اور اَشَرٌ کا ایک معنے ہے یعنے وہ دہشت جو انسان کو نعمت کو غلط طریقہ سے حاصل کرنے اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے اسے بیجا صرف کرنے سے طاری ہوتی ہے تقریباً طَرَبٌ کا بھی یہی مفہوم ہے لیکن یہ بطر و اشر سے خفیف اور اکثر سُرور و فرحت کی وجہ سے عارضی ہوتی ہے اور معیشتھا کا منصوب ہونا نزع الخافض سے ہے کہ یہ دراصل فی معیشتہا تھا (کذا فی الوسیط) اب معنے یہ ہوا کہ بہت سے علاقے زمانۂ سابق میں گزرے جن کا اہلِ مکہ کی طرح حال تھا مگر وسعت عیش میں وہ ان سے بہت زیادہ تھے یہاں تک کہ نعم دنیویہ کی فراوانی کی وجہ سے ناشکری کا شکار ہوئے تو ہم نے انہیں تباہ و برباد کر ڈالا اور ان کے علاقوں کو ویران "فتلك" یہ وہی نہیں "مساکنہم" جن کے مکانات گرے پڑے ہیں یہ ان کے ظلم کی سزا ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنے نفسوں پر کیا اور تم ان کی اُجڑی ہوئی بستیوں کو روزانہ اپنے تجارتی سفروں میں آتے جاتے وقت دیکھتے ہو۔ لم تسکن نہ ٹھہرے من بعدھم" انکی تباہی و بربادی کے بعد " الا قلیلا " مگر تھوڑی دیر اس لئے کہ یہاں پر صرف تھمنے جانے والے مسافرخانہ کی طرح ہے کہ یہاں جو بھی آیا چند روز ٹھہر کر پھر چلتا بنا ۔ یا الا قلیلاً کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ان مکانات میں ایسی نحوست چھوڑی کہ ان کے بعد وہاں جو بھی مقیم ہوا تو وہ طرح طرح کے مصائب و مشکلات کا شکار ہو کر چند روز کے اندر تباہ و برباد ہوجاتا یا وہاں سے بھاگ کر خالی مکان چھوڑ جاتا یا مرجاتا اس لئے کہ منحوس مکانات میں ٹھہرنے میں کوئی برکت نہیں ہوتی ۔ بعض نے کہا کہ وہ مکانات تو اور دیگر منحوس جانوروں کے ٹھہرنے کا مرکز بن گئے تھے اسی لئے وہاں کی زمین کی تسبیح یوں پڑھتی تھی ۔ سبحان الحی الذی لا یموت" (اس ذات کی پاکی بیان کی جاتی ہے جو زندہ ہے اور اسے موت نہیں) ؎

پردہ داری می کند در طاق کسریٰ عنکبوت ٭ بُوم نوبت می زند در قلعۂ افراسیاب

marfat.com

ترجمہ: کسری جیسے بادشاہوں کے شاہی گی مکڑی تانا تنتی ہے اُلّو افراسیاب قلعوں میں بسیرہ کرتا ہے
وَکُنّا نحن الوارثین ۔ اور ہم ہی سب کے وارث ہیں یعنے انکے انہی مکانات پر ہمارا قبضہ ہے اس لئے کہ ان کے
تباہ و برباد ہو جانے کے بعد کوئی ایسا نہیں تھا جو وہاں ٹھہرتا یا کوئی اور تصرف کرتا یعنی اللہ تعالی نے اسی ارشاد میں
اپنی بقاء دائمی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس میں مخاطبین کو وعید ہے۔ **وما کان ربك مهلك القرىٰ** ۔
اور تمہارا رب نہیں ہلاک کرتا کسی علاقہ کو ——————— حتی
یبعث فی امها " یہاں تک بھیجتا ہے ان بستیوں کے اصل یعنے مرکز میں " یہاں **أم** بمعنے اصل اور ان تمام
بستیوں میں سے بڑی بستی جس میں پبلک بکثرت اور اس کے ملحقات بہت زیادہ ہوں جسے ہم نے مرکز سے
تعبیر کیا ہے اور اسے مرکز یعنی اصل اور اعظم سے بھی اسی لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہاں کے لوگ سمجھدار پڑھے
لکھے اور معزز سمجھے جاتے ہیں اور رسل کرام علیہم السلام ہمیشہ معزز لوگوں کے ہاں بھیجے جاتے ہیں اور معزز
لوگوں کا عام بسیرہ شہر یا بڑے قصبوں میں ہوتا ہے۔ **رسولا یتلوعلیهم آیاتنا** رسول علیہ السلام انہیں ہماری
آیات ناطقہ پڑھ کر سناتے ہیں اور انہیں اسلام کی طرف ترغیب و ترہیب دے کر بلاتے ہیں رسل کرام علیہم السلام
کو اسی لئے بھیجا تاکہ ان پر حجۃ قائم ہو اور بعد کو عذر نہ کریں کہ ہمارے ہاں تو کوئی رسول علیہ السلام نہیں آیا اے پروردگار
تو ہمارے ہاں کوئی رسول بھیجتا تو ہم تیری آیات کی اتباع کرتے۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار

التکملہ میں ہے کہ الاُمّ سے مکہ معظمہ اور الرسول سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور مکہ معظمہ
ہا بمعنیٰ ام القریٰ ہے کہ تمام زمین کے بچھانے کا آغاز یہیں سے ہوا۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اے محبوب
محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کے ارد گرد جتنے شہر اور قصبات واقع ہیں، آپ کی برکت سے آخر زمانے تک
ہم انہیں تباہ و برباد نہ کریں گے یہاں تک کہ میں رسول تشریف لائے اور وہ تشریف لانے والے ہمارے
رسول علیہ السلام ہیں ——————— **وَمَا كُنَّا مهلكي القرىٰ** کسی مرکزی شہر میں رسول علیہ السلام
بھیجنے کے بعد انہیں دعوتِ حق دیتے اور راہ حق دکھاتے ہیں تو ہم کسی وقت بھی ان لوگوں کو تباہ و برباد نہیں کرتے **الا واهلها
ظالمون** ۔ درآنحالیکہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آیات سے کفر کریں ——— اس سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تشریف لانا موجب سنت الہیہ عدم صحت اہلاک کی نمایتہ ہے۔ ان کا تشریف لانا عدم وقوع اہلاک کے
لیے نہیں۔ اسی لیے سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے سے ضروری ہو جائے کہ وہاں کے لوگ تباہ و
برباد ہوں۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ ظلم ہلاکت و تباہی کا سبب ہے اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ **الظلم قاطع الحیاة** د

marfat.ocm

مانع البنات دانکو رہا ہم آسی طرح ناشکری ہی۔ بزرگوں نے فرمایا کہ نعمتیں کفو کو چاہتی ہیں جیسے خاندانی عورتوں کے نکاح میں کفو ضروری ہے اور سرکش کفو نہیں جیسے رذیل و خسیس کمینے لوگ خاندانی عورتوں کے کفو نہیں ہو سکتے۔

فائدہ تفسیر میں لفظ عقائل الحرام واقع ہے اور عقائل عقیلہ کی جمع ہے بمعنی اکرام امکرم ترین شئے اور حرم الرجل سے اس کی اہلیہ مراد ہے۔ اب معنی معزز اور خاندانی عورت خسیس اور کمینے لوگوں کی کفو نہیں ہو سکتی بلکہ اگر ان کا نکاح ہو جائے تو عورت کا متولی نکاح فسخ کر سکتا ہے اسی لیے کہ دو خاندانوں کا برابر ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سادات لڑکیوں کا نکاح عام اقوام میں جائز نہیں۔ اسی قاعدہ پر ہم اہل سنت کہا کرتے ہیں کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید سے نہیں ہو سکتا لیکن ہاشمی۔ قریشی خاندان کی سادات لڑکیوں سے نکاح ہو سکتا ہے اسی لیے کہ سید کوئی قوم نہیں بلکہ ایک لقب ہے ان کی اصل قوم بھی قریشی ہے۔ مگر ہم وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ عجم میں انسان محفوظ ہو سکتا ہے۔ مزید تحقیق فقیر اویسی غفرلہ کے رسالہ سیدزادی کی شادی کا مطالعہ کیجئے۔ اگر دو خاندانوں میں مساوات نہ ہو تو عار و ننگ کا شکار ہو جائے گی اور اسلام عورت کو ذلیل و خوار کرنا نہیں چاہتا۔ اسلام کا عورتوں پر ایک عظیم احسان ہے لیکن افسوس کہ دورِ حاضرہ کی عورت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کو بھول گئی ——— اور اپنے دشمن مغرب کی گندی ذہنیت کو اپنی فلاح سمجھ بیٹھی۔

مسئلہ:۔ اہل بطر و فخر و غرور سے بوجہ ناشکری کے بھی نعمت چھین لی جاتی ہے۔ ہاں اہل شکر کی سعی ضائع نہیں ہوتی بلکہ ان کے حال کا حسن بڑھتا ہے۔ رزق تو وسیع تر ہے۔ وہ ہر جگہ ہر ایک کو فراخی سے نصیب ہوتا ہے۔ وہ نہیں دیکھتا کہ بندہ شکر کرتا ہے یا ناشکری شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے ؎

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
بدیں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

ترجمہ:۔ اس کی زمین کا دستر خوان عام بچھا ہوا اس دستر خوان پر دوست دشمن برابر ہیں۔

حکایت:۔ حضرت شیخ عبد الواحد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہم نے ایک جزیرہ میں ایک بت پرست کو دیکھ کر کہا کہ تم ایسے بت کی پرستش کر رہے ہو جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ تجھے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیئے اس نے پوچھا اللہ کون ہے ہم نے کہا وہ ذات جس کا عرش آسمان پر ہے اور اس کی تعریفات زمین پر ہیں۔ اس نے کہا تم نے کیسے سمجھا یا ہم نے کہا ہمارے ہاں اس کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لایا جب انہوں نے رسالت و نبوت کے حقوق پورے کیے تو پھر انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں بلا لیا لیکن ہمارے ہاں اس کی کتاب چھوڑ گئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے نمونہ کے طور پر اس بت پرست کو قرآن مجید کی ایک سورت پڑھ کر سنائی۔ وہ قرآن مجید سن کر بہت رویا بالآخر مسلمان ہو گیا۔ ہم نے قرآن مجید کی چند سورتیں پڑھائیں جب رات ہوئی تو ہم نے عشاء

marfat.com

پڑھ کر بستر بے سیدھے کر لیے لیکن وہ ساری رات عبادت کرتا رہا۔ ہم اسے اسی حالت میں چھوڑ کر چلے گئے چند دنوں بعد ہمارا وہاں سے گزر ہوا ہم نے چندہ کر کے اس کے لیے کھانے پینے کی کچھ چیزیں خرید لیں اور اس کے ہاں پیش کیں تو اُس نے کہا کہ میں ایک پتھر کو پوجتا تھا تو بھی اُس نے مجھے روزی دی۔ اب جبکہ میں اسی کا ہو گیا ہوں تو پھر کب چھوڑے گا اب مجھے اس کا عرفان بھی نصیب ہوا ہے اور عارف اس کا محبوب ہوتا ہے اور محبوب کو دشمن میں نہیں چھوڑا جاتا اور فقر و فاقہ بھی انسان کا ایک دشمن ہے۔ اس اعتبار سے نہ اب مجھے فقر و فاقہ کا خطرہ ہے اور نہ درد و الم کا اندیشہ ہے۔

محالست چو دوست دارد ترا

دست دشمن گزارد ترا

ترجمہ: محال ہے کہ جب وہ تمھیں دوست رکھتا ہے تو پھر تجھے دشمن کے ہاتھ میں کس طرح گرفتار کرے گا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور اس کی نعمتوں کی قدر کرے بلکہ انھیں شکر کی قید سے مقید رکھے شکر کے بجائے ناشکری کر کے نعمتوں کو ضائع نہ کرے۔ اس لیے کہ نعمتوں کی ناشکری صریحاً ظلم ہے اسی لیے تباہی و بربادی کا انسان شکار ہو جاتا ہے کہ نعمتوں کا شکرانہ ادا نہیں کرتا اور انسان کے قلب کی تباہی اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی وجہ سے ہوتی ہے اور اسے یاد نہیں رہتا کہ اس کریم نے اس پر کتنا عظیم احسانات فرماتے ہیں اور کبھی انسان کو اللہ تعالیٰ پیاس شدید میں مبتلا کر دیتا ہے ویسے ہم نے بہت سے لوگوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جو پہلے قلب کی تباہی کا شکار ہوئے پھر اُن کے ظاہری مکانات اور گھر تباہ و برباد ہوئے اور مرنے کے بعد سیدھے جہنم رسید ہوئے۔ ہاں انسان نسیان کا مارا ہوا ہے وہ کسی بات سے عبرت نہیں پکڑتا بلکہ زندگی غفلت میں ضائع کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو غفلت کی نیند سے بیدار فرمائے اور ہر لحظہ ہم اس کی یاد میں زندگی بسر کریں بلکہ ہماری زندگی کے جملہ ساعات کامل بیداری میں بسر ہوں۔ (آمین)

وَمَا مبتدا ہے متضمن بمعنی شرط ہے اس لیے کہ اس شرط پر فاء داخل ہے بخلاف دوسرے مَا کے کہ وہ متضمن معنی شرط کو نہیں۔ اُوتِيتُم اور ہر وہ شے جو تمھیں عطا ہوتی ہے۔ یہ خطاب کفارِ مکہ کو ہے۔ (کذا فی الوسیط)

مِن شَیٔ۔ اسباب دنیا سے فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا تو یہ دنیا اور اُس کی زینت کا ساز و سامان ہے۔ یعنی وہ ایک ایسی شے ہے جس سے دنیا میں چند دنوں میں رہ کر نفع اٹھایا جائے اور سنگار کیا جائے اس کے بعد تمھیں اور دنیا میں تمام ساز و سامان کو فنا ہی فنا ہے۔

فائدہ: دنیا میں منافع کو متاع اس لیے کہا گیا ہے کہ ہر متاع کو فنا ہوتی ہے اور دنیا کا تمام ساز و سامان کو فنا

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ
تو کیا وہ جسے ہم نے اچھا وعدہ دیا تو وہ اس سے ملے گا اس جیسا ہے جسے
مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ
ہم نے دنیوی زندگی کا برتاؤ برتنے دیا پھر وہ قیامت کے دن گرفتار کرکے حاضر لایا جائے گا اور جس
يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِيْنَ
دن انہیں ندا کرے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جنہیں تم گمان کرتے تھے کہیں گے وہ جن پر بات
حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ
ثابت ہو چکی اے ہمارے رب یہ ہیں وہ جنہیں ہم نے گمراہ کیا ہم نے انہیں گمراہ کیا جیسے خود گمراہ ہوئے تھے ہم ان سے
تَبَرَّاْنَاۤ اِلَيْكَ ۫ مَا كَانُوْۤا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ
بیزار ہو کر تیری طرف رجوع لاتے ہیں وہ ہم کو نہ پوجتے تھے اور ان سے فرمایا جائے گا اپنے شریکوں کو تو وہ
فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾
پکاریں گے تو وہ ان کی نہ سنیں گے اور دیکھیں گے عذاب کیا اچھا ہوتا اگر وہ راہ پاتے
وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ
اور جس دن انہیں ندا کرے گا تو فرمائے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تو اس دن ان پر خبریں اندھی
يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا
ہو جائیں گی تو وہ کچھ پوچھ گچھ نہ کریں گے تو وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھا کام کیا
فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا
قریب ہے کہ وہ راہ یاب ہو اور تمہارا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند فرماتا ہے ان کا
كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ
کچھ اختیار نہیں پاکی اور برتری ہے اللہ کو ان کے شرک سے اور تمہارا رب جانتا ہے جو ان کے
صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَ
سینوں میں چھپا ہے اور جو ظاہر کرتے ہیں اور وہی ہے اللہ کہ کوئی خدا نہیں اس کے سوا اسی کی تعریف ہے دنیا اور
الْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٧٠﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ
آخرت میں اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے تم فرماؤ بھلا دیکھو تو اگر اللہ ہمیشہ تم پر
الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿٧١﴾
قیامت تک رات رکھے تو اللہ کے سوا کون خدا ہے جو تمہیں روشنی لادے تو کیا تم سنتے نہیں

marfat.com

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ
تم فرماؤ بھلا دیکھو تو اگر اللہ قیامت تک ہمیشہ دن رکھے تو اللہ کے سوا کون
غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ
خدا ہے جو تمہیں رات لا دے جس میں آرام کرو تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں اور اس نے اپنی مہر سے
لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾
تمہارے لیے رات اور دن بنائے کہ رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل ڈھونڈو اور اس لیے کہ تم حق مانو
وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا
اور جس دن انہیں ندا کرے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جو تم بکتے تھے اور ہر گروہ میں
مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ
سے ہم ایک گواہ نکال کر فرمائیں گے اپنی دلیل لاؤ تو جان لیں گے کہ حق اللہ کا ہے اور ان سے کھوئی
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾
جائیں گی جو بناوٹیں کرتے تھے

ہو گی اور اس کی مثال گھر میں سامان کی ہے کہ وہ کتنا ہی ان گنت کیوں نہ ہو تب بھی وہ فنا ہو جائے گا۔ **وما** یہ موصولہ ہے بمعنی عند اللہ اور وہ اجر و ثواب جو اللہ تعالیٰ سے حاصل ہو **خیر لکم** وہی تمہارے لیے اس عالم میں بہتر ہیں اور دنیا کا سامان بڑا پُر رونق ہے۔ اس میں بے شمار غم اور حزن مخفی کر دیا ہے۔ یہ ساز و سامان انہی مخفی غم و حزن کی صورت میں ہیں۔ **وابقٰی** اور اللہ تعالیٰ کا اجر و ثواب ہمیشہ رہنے والا ہے اس لیے کہ وہ ابدی ہے۔ **افلا تعقلون** تو کیا تم غور و فکر کر کے سمجھتے نہیں اس لیے کہ یہ امر واضح ہے بہتر امر کو ترک کر کے ادنیٰ کو لیتے ہو، اور کفر و معاصی کا ارتکاب اس سعادۃ پر شقاوۃ کو ترجیح دیتے ہو اور ایمان و طاعات سے تمہیں سعادت نصیب ہوتی۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو فرمایا کہ تم سمجھتے نہیں کہ فانی کو باقی پر اور محبوب کو مرغوب پر ترجیح دے رہے ہو ؎

صف باشد لعل و زر دادن ز چنگ
پس گرفتن در برابر خاک و سنگ

ترجمہ: "افسوس ہے کہ لعل و زر کو چھوڑ کر ان کے عوض مٹی اور پتھر حاصل کر رہے ہو۔"

marfat.ocm

اَفَمَنْ ۔ من موصولہ مبتدا ہے **وعدنٰہ** ۔ تو کیا جسے ہم نے ایمان و طاعت پر وعدہ دیا ۔ اچھا وعدہ اس سے بہشت اور اس کا ثواب مراد ہے اس لیے کہ وعدہ حسن موعود کے حسن کی وجہ سے ہوتا ہے ۔

کاشفی نے لکھا ہے ہم نے آخرت میں بہشت کا اور دنیا میں فتح و نصرت کا وعدہ دیا ۔ **فھو** پس وہ موعودلہٗ ۔ **لاقیہ** اسے وہ وعدۂ حسن ضرور حاصل ہوگا اس لیے کہ وعدہ الٰہی کا خلاف محال ہے ۔ **کمن** یہ مَنْ موصولہ اور پہلے مَن کی خبر ہے ۔ اس کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے فائدہ دیا ۔ **متاع الحیٰوۃ الدنیا** ۔ دنیوی زندگی کے ساز و سامان کا کہ جس کی محنت سراپا محنت اور اس کی دولت بے شمار تکالیف کا موجب اور ان کا مال مٹنے والا ہے اور جس کا جاہ و جلال دوسروں کی طرف منتقل ہونے والا ہے اور جس کی شیرینی میں زہر قاتل ۔ **ثمھو یوم القیمۃ من المحضرین** پھر وہ قیامت میں حساب یا جہنم یا عذاب کے لیے حاضر کیے ہوئے لوگوں سے ہوگا ۔ لفظ ثُمَّ تراخی فی الزمان کے لیے ہے یعنی پہلے وہ دنیا کے ساز و سامان کا زمانہ تھا پھر دوسرے دور میں حال احضار میں ہوگا یا یہ تراخی رتبہ کے لیے ہے اور فاء افمن الخ کی فا اس ترتیب کے لیے ہے اس میں اہل دنیا و اہل آخرت کے تشابہ کا انکار کیا گیا ہے کہ کہاں دنیا کا مال و متاع اور کہاں آخرت میں اللہ تعالیٰ کا انعام و اکرام اس میں بہت بڑا فرق ہے اس لیے جسے اپنا آقا بہترین انعامات سے نوازے گا اس کی شان ارفع و اعلیٰ ہے اور وہ مومن ہے اور جسے وعیدیں سنا کر ذلیل کیا گیا اور پھر آخرت میں جہنم رسید کیا جائے گا اس سے ذلیل تر اور کون ہوگا اور یہ کافر ہے اور یہ ذلت و خواری اسی ایک ساعت کے عیش اڑانے سے نصیب ہوئی ۔ اس نے دنیا میں چند روزہ زندگی بسر کی ۔

بھیڑ اور چیونٹی کا قصہ :۔ ایک دفعہ بھیڑ نے چیونٹی کو دیکھا کہ بہر حال ایک دن ایک دانہ اُٹھا کر اپنی بل میں جا رہی تھی اور صرف ایک دانہ اُٹھانے سے جو اس نے مشقت اُٹھائی اس کی تفصیل سب کو معلوم ہو گئی ۔ بھیڑ نے دیکھ کر کہا کہ چیونٹی بیچاری تو کیوں اتنا دکھ درد اُٹھا رہی ہے اور خواہ مخواہ ذلیل و خوار ہو رہی ہے ۔ میرے ہاں چل کر دیکھ کر میرے ہاں خورد و نوش کا کتنا بڑا انتظام ہے ۔ ہمارے ہاں پُر لطف اور لذیذ کھانے ایسے ہیں جو بادشاہوں کو بھی نصیب نہ ہوں ہم جہاں چاہتے ہیں بیٹھ جاتے ہیں اور جو چاہتے ہیں کھاتے ہیں ۔ ہمیں کسی قسم کی روک ٹوک نہیں ۔ یہ کہہ کر چیونٹی کو اپنی بڑائی دکھلانے کے لیے قصاب کی دکان پر چلا گیا ۔ اس کے گوشت کو مزے لے کر کھانے لگا ۔ قصاب نے چھری سے بھیڑ کے دو ٹکڑے کر دیئے ۔ گندی نالی میں پھینک دی ۔ چیونٹی نے اس کے غرور کو خاک میں ملا ہوا دیکھا اور چل کر اس کی ایک ٹانگ توڑ کر چلتی بنی اور کہا ۔

ایک منٹ کی شہوت رانی ہزاروں غم و حزن اور طویل دکھ درد کا نشانہ بناتی ہے ۔

حدیث شریف :۔ جس کی خواہشات دنیا کے متعلق ہو تو فقر و فاقہ اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیا جاتا ہے حالانکہ دنیا میں اسے وہی نصیب ہوگا جو اس کا مقدر ہے اور جس کی خواہش آخرت کے متعلق ہو تو استغنا ۔ پہ رکھ دیا جاتا ہے اور دنیا بے شمار ہر طرف سے سمٹ کر بلا تکلف شمار سے باہر اس کے ہاں جمع ہو جاتی ہے ۔

حکایت :۔ ایک بزرگ حج پر جا رہے تھے تو اس کے ہاں کھانا بلا تکلف پہنچ جایا کرتا تھا ۔ پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا مجھے ایک بڑھیا دے جاتی ہے ۔ بڑھیا سے مراد دنیا ہے ۔

marfat.com

فائدہ: جسے دین کا غم ہو لیکن دنیوی امور میں کمزور ہو تو اس دنیا دار مال دار سے بہتر ہے کہ جو کافر ہو۔

حدیث شریف نمبر (۱)

دنیا دار مالدار جہنمی کو جب جہنم میں ڈالا جائے گا تو اس سے پوچھا جائے گا کہ تجھے دنیا کی کوئی عیش یاد آتی ہے تو جواب دے گا کہ دنیا میں میں نے ذرہ برابر بھی عیش نہیں پایا یعنی اسے عذاب کی شدت دنیا کی عیش و عشرت بھلا دے گی ایسے ہی دنیا میں دکھ درد کے ستائے ہوئے کو بہشت میں لایا جائے گا تو پھر اس سے سوال ہو گا کہ دنیا کی تکالیف سے یاد آتا ہے تو وہ کہے گا کہ مجھے تو کوئی دکھ درد ہوا ہی نہیں۔

حدیث شریف نمبر (۲)

جسے دولتِ اسلام اور رزق بقدر ضرورت نصیب ہو وہ کامیاب ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں لفظ کفاف واقع ہوا ہے یعنی وہ روزی جو انسانی ضروریات کی کفایت کرے۔ بعض نے لکھا ہے کہ جو صبح و شام پیٹ بھر کر کھانے کو کفاف کہا جاتا ہے اور اس پر قناعت کرے۔ جو اس سے موصوف ہو وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: عام مومنین کو بہشت کا اور خواص کو رویت سے اخص الخواص کو وصال و وجدان کا وعدہ دیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ فی الحدیث القدسی۔ الامن طلبنی وجدنی۔ جو مجھے تلاش کرتا ہے اسے میرا وصال ضرور نصیب ہو گا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیج کر فرمایا کہ بھوک کے رہو اور تنہائی اختیار کرو۔ میرا وصال پاؤ گے۔

جوع تنویر خانۂ دل تست
اکل تعمیر خانۂ گل تست

ترجمہ: بھوک سے دل کا گھر آباد ہوتا کھانے سے جسم موٹا ہوتا ہے۔

غوث جیلانی کی بھوک سہانی

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے حجرہ سے آواز سنائی دیتی تھی۔ الجوع الجوع۔ اس کے صوفیہ کرام نے کئی مفہوم بتائے ہیں۔

(۱) الذوار الجوع: یعنی بھوک پر التزام کرو اس لیے کہ بھوک سے خدا ملتا ہے۔

(۲) اور بعض نے یہ بتایا ہے کہ آپ قدس سرہ کے نفس زکیہ کے شان کے خلاف ہے فلہذا یہ دوسرا مفہوم بیان کرنا غوث

marfat.ocm

اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے ادبی و گستاخی کے مترادف ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے وصول نعمت اور شرف بالرویہ کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: (و یوم ینادیھم) یوم اذکر مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور اس سے قیامت کا دن مراد ہے اور ضمیر ہم کا مرجع کفار ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کی اس گھڑی کو یاد کیجئے جبکہ تیرا پروردگار قیامت میں کافروں کو غضبناک عذاب دے کر رہے گا۔ **فیقول**۔ یہ ندا کی تفسیر ہے فرمائے گا۔ **این شرکائی الذین کنتم تزعمون**۔ کہاں ہے وہ میرے شرکاء جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے یہ میرے شریک ہیں اور تم انہیں برابر شریک مان کر ان کی اس طرح پرستش کرتے تھے جیسے تم میری عبادت کرتے ہو۔

فائدہ: دلالت کلام کی وجہ سے دونوں مفعولوں کو حذف کیا گیا ہے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ قیامت کے دن سوال بھی اللہ کے عذابوں میں سے ایک عذاب ہے کیونکہ ان کے ہاں ابھی کا کوئی جواب نہ ہوگا اور کسی سوال کا جواب نہ ہو سکنا بھی ہزاروں رسوائیوں پر مشتمل ہے اور اپنی جہالت کا اعتراف انسان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ **قال** یہ جملہ مستانفہ ہے مبنی بر حکایت سوال ہے گویا کسی سائل نے سوال کیا کہ اس وقت کافر کیا جواب دیں گے اس کے جواب میں فرمایا کہ **اَلَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْھِمُ الْقَوْلُ** (وہ لوگ جن پر ازل سے ہی لکھا جا چکا ہے انہوں نے جہنم میں داخل ہونا ہے) چنانچہ اس کی تائید **وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھداھا و لکن حق القول منّی** (اگر ہم چاہتے تو ہم سب کو ہدایت دیتے) سے بھی ہوتی ہے (التاویلات النجمیہ)

بعض اہل تفاسیر نے فرمایا کہ حق علیھم القول کا معنیٰ یہ ہے کہ ان پر وہی ثابت ہوا جو حق کا تقاضا اور اصل مدعا تھا اور وہ مدعا اس بیان میں بیان کیا گیا ہے **لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اجمعین**۔ اس آیت کے علاوہ اور دیگر آیات جو وعیدات پر مشتمل ہیں۔

فائدہ: ان کے شرکاء سے شیاطین یا اُن کے وہ لیڈر مراد ہیں جنھیں کافروں نے اللہ کے سوا اپنا ماویٰ و ملجا بنا رکھا تھا اور جس کام کے لیے وہ کہتے سر تسلیم خم کرتے اور جس سے وہ روکتے فوراً رُک جاتے۔

فائدہ: لیڈروں کی تخصیص صرف اس لیے کی گئی کہ کفر کے ارتکاب کے یہی اصل ہیں اور دوسرے عوام ان کی اتباع میں کفر و شرک کرتے اور عذاب جہنم میں لیڈر اور ان کے اتباع برابر کے شریک ہوں گے اور سوال کے جواب کی طرف یہی عجلت کریں گے۔ اگرچہ سوال میں ہر دونوں برابر ہوں گے اور سوال کے جواب کی طرف سے سمجھیں گے کہ یہ سوال گویا صرف انہی سے ہو رہا ہے اور صرف وہی ایسے سوالات کے مستحق ہیں اور ہم عوام کو ہم نے گمراہ کیا تھا فلھذا ایسی زجر و توبیخ صرف ہمیں ہو سکتی ہے نیز انھیں یقین ہوگا کہ ان کے اتباع بھی یہی جواب دیں گے کہ انھیں ان لیڈروں نے گمراہ کیا تھا۔

رَبَّنَا اے ہمارے پروردگار **هٰٓؤُلَآءِ** اگر شرکاء سے شیاطین مراد ہیں تو معنیٰ یہ ہوا کہ شیاطین کہیں گے یا رب یہی آدم علیہ السلام کے کافر بیٹے ہیں۔ اگر شرکاء سے کافروں کے لیڈر مراد ہیں تو معنیٰ یہ ہوا کہ کافروں کے لیڈر عرض کریں گے اے پروردگار یہ عوام ہیں۔ **اَلَّذِیْنَ اَغْوَیْنَا** یہاں موصول کی ضمیر راجع محذوف ہے یعنی یہ وہی ہیں جنھیں

marfat.com

ہم نے گمراہ کیا اور ھٰؤلاءِ اشارہ سے ان کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ جو چاہتے انھیں منوالیتے اور ان کے سامنے جیسی شکیں بناتے وہ سر تسلیم خم کر کے خاموش رہتے بلکہ انھیں ان کی سر مو کبھی گنجائش نہیں تھی۔ اَغْوَیْنٰاھُمْ کَمَا غَوَیْنَا انھیں ہم نے بہکایا جیسے ہم بہکے۔

دراصل کفار کا جواب یہی ہے۔ اور پہلا مضمون مبنی بر تمہید تھا یعنی ہم انھیں گمراہ کرنے پر مجبور تھے اس لیے کہ جیسے تیری تقدیر نے ہمارے نام لکھ رکھا تھا ہم نے وہی کیا اور انہوں نے گمراہ ہونا تھا اس لیے کہ ان کے لیے گمراہی تقدیر میں لکھی جا چکی تھی۔

اَدب کی نشانی: بنی آدم کی مسکینی قابل غور ہے کہ انہوں نے اپنے دادا کے جواب کے مطابق جواب دیا یعنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ وہ صرف اس لیے بنو آدم اَدب کا دامن نہیں چھوڑتے اور بالخصوص اپنے آقا کے سامنے انتہائی اَدب کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اسی اَدب کی بدولت اولیاء کرام بہت بڑے اونچے مراتب کو پہنچتے اور قربِ الٰہی سے سرشار ہوتے ہیں

بے اَدب کون: اس کے برعکس ابلیس نے (اَدب کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے) کہہ دیا تھا رب بما اغویتنی لاَ قعدن لھم لاے اللہ جن کی وجہ سے تو نے مجھے گمراہ کیا میں ان کے لیے بیٹھوں گا۔) اس سے سے معلوم ہوا کہ اہم اہلسنت خوش بخت ہیں کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا اَدب کرتے ہیں بلکہ اس کے جملہ مظاہر (انبیاء علیہم السلام وصحابہ کرام واہل بیت عظام اور اولیاء کرام وعلماء کرام وغیرہم) کا اَدب ملحوظ رکھتے ہوئے یہاں تک کہ ہمارے مخالفین کو بھی اعتراف ہے بلکہ وہ خود اپنی بے ادبی وگستاخی کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ (اضافہ فقیر اویسی غفرلہٗ)

تَبَرَّأْنَا اِلَیْكَ۔ ہم ان سے تیرے ہاں بیزاری کا اظہار کرتے ہیں کہ انھوں نے از خود نفسانی خواہشات پر کفر و معاصی کا ارتکاب کیا۔ یہ ماقبل کی تقریر و تاکید ہے اس لیے ان کے درمیان میں وہ صرف عطف نہیں لایا گیا مَا کَانُوْا اِیَّانَا میں لفظ مَا یَعْبُدُوْنَ کا مفعول ہے یعنی وہ ہماری پرستش نہیں بلکہ اپنی خواہشات نفسانی کی عبادت کرتے ہیں۔

وَقِیْلَ۔ غیر اللہ کی پرستش کرنے والے کو کہا جائے گا اور کہنے والے دوزخ کے خازن کے فرشتے ہوں گے ادعوا شرکاءکم اپنے بتوں وغیرہم کو بلاؤ تاکہ وہ تمھیں عذاب سے چھڑا لیں۔ شرکاء کی کی طرف اضافت اس لیے کی گئی ہے کہ وہ ان کے لیے شرکاء ہونے کے مدعی تھے۔ فَدَعَوْھُمْ۔ شدید حیرت سے ان کو وہ پکاریں گے۔ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَھُمْ تو وہ ان کو جواب نہیں دیں گے کیونکہ انھیں جواب دینے کی ضرورت نہ ہوگی اور نہ ہی وہ ان کی مدد کر سکیں گے۔ وَرَاَوُا الْعَذَابَ اور وہ موعودہ عذاب دیکھ کر کہیں گے لو انھم کانوا یھتدون کسی کے سبب سے دنیا میں وہ ہدایت پالیتے ہیں جس سے اب وہ اس عذاب کو رفع کر سکتے یا دنیا میں حق کو پالیتے تو آج یہ دن دیکھنے نہ ہوتے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر لَوْ تمنائیہ ہے یعنی کافر آخرت میں آواز کریں گے کہ کاش انھیں

marfat.ocm

ہدایت نصیب ہوتی تو آج وہ گمراہوں کے ساتھ جہنم میں نہ ہوتے۔

ویوم ینادیھم اور یاد کرو اس دن کو جب اللہ تعالیٰ کافروں کو زجر و توبیخ فرمائے گا۔ فیقول ماذا اجبتم المرسلین۔ تو اللہ تعالیٰ انھیں فرمائے گا کہ تم نے ان رسل کرام علیہم السلام کو کیا جواب دیا جو تمہارے ہاں تشریف لائے اور تمھیں میری توحید و عبادت کی دعوت دی اور تمھیں شرک سے روکا۔ انباء یومئذ تو اس دن ان پر یہ خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی یعنی قیامت میں پیغمبران عظام علیہم السلام کو اپنے دیئے ہوئے جوابات یاد نہیں رہیں گے۔

فائدہ: اہل تفاسیر فرماتے ہیں کہ قیامت میں ان پر اندھاپن چھائے گا اسی لیے وہ ان کی خبریں بتانے سے عاجز ہو جائیں گے

یہ عبارت دراصل فعموا عن الانباء بمعنی الاخبار ہے یعنی خبر دینے سے اندھے ہو جائیں گے۔ یہاں پر عمی کو اخبار کی طرف اسناد میں مبالغہ مطلوب ہے اور اسے علیٰ سے متعدی کرنا خفاء و اشتباہ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے۔

فائدہ: جب اسی جانکاہ وقت میں حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے علوم اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض فرمائیں گے حالانکہ وہ غلط بیانی سے منزہ و مقدس ہیں۔ اگر گمراہ لوگ اس وقت حیرت و دہشت میں ہوں تو کیا حرج ہے۔

بجائیکہ دہشت برد انبیاء
تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ: جہاں انبیاء علیہم السلام پر دہشت طاری ہوگی فلہذا تم پر لازم ہے کہ تم اپنے مالک کے حضور تائب ہو کر حاضری دو۔

فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ۔ بہت زیادہ دہشت اور حیرت کے غلبہ سے ایک دوسرے سے پوچھ گچھ نہ کر سکیں گے یا ان کا ایک دوسرے سے سوال نہ کرنا اس لیے ہوگا کہ انھیں یقین تھا کہ وہ سب جہالت کا شکار ہیں یعنی وہ سمجھیں گے کہ جب ہم سب جاہل ہیں تو پھر پوچھیں کس سے۔ فَاَمَّا مَنْ تَابَ تو وہ شخص کہ جس نے شرک سے توبہ کی تو وہ امن و عمل صالحاً۔ اور ایمان لایا اور اچھے عمل کیے۔ فعسیٰ ان یکون من المفلحین یعنی ایمان و عمل صالح کا جامع عنقریب اللہ تعالیٰ کے ہاں مطلوب کو پانے والوں اور عذاب سے نجات حاصل کرنے والوں سے ہوگا۔

نبی علیہ السلام کی توجہ کریمانہ کے بغیر نجات ناممکن ہے

ایمان و اعمال صالحہ کا جامع تب کامیاب ہوگا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اس کا ایمان و عمل قبول ہو۔

مزن بے رضا محمد نفس
رہ رستگاری ہمیں ست و بس
خلاف پیغمبر کسے رہ گزید

ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ترجمہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے بغیر دم نہ مار۔ نجات کی صرف یہی صورت ہے اور بس۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بغیر جس نے کوئی راہ لی تو وہ منزل مقصود تک ہرگز نہ پہنچے گا۔

قاعدہ عسیٰ اس کی نسبت اگر اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام یا بزرگانِ اسلام کی طرف ہو تو اس میں تحقیق کا معنیٰ ہے۔ اگر اس کی نسبت تائب کی طرف ہو تو ترجی کا معنی دیتا ہے۔ اس دوسرے معنیٰ پر مطلب یہ ہوگا کہ تائب کو فلاح کی اُمید رکھنی چاہیئے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ آیت ہذا میں لفظ عسیٰ میں اشارہ ہے کہ تائب کو ایمان و عمل صالح پر مداومت ضروری ہے۔ اگر درمیان میں سلسلہ منقطع ہو گیا تو پھر فلاح و فوز نصیب نہ ہوگی (ہم اللہ تعالیٰ سے ترقی کے بعد تنزل سے پناہ مانگتے ہیں)۔

سبق: آخرت کے طالب پر لازم ہے کہ اعمال صالحہ اور اوراد و وظائف پر مداومت کرے اس لیے کہ اعمال صالحہ اوراد و وظائف کو تحصیل درجات و جلب منافع و برکات میں بڑا دخل ہے بلکہ بہت بڑی تاثیر ہے۔ اہل سعادت دارین میں نفع پاتے ہیں اور اہل شقاوت کو دنیوی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اہلِ شقاوت دنیا میں صرف مراتب و مناصب اور احوال و اسباب سے نوازے جائیں گے۔ ابلیس کو دیکھئے کہ اس نے بہت بڑی عبادت کی لیکن اسے دنیا میں ہی مراتب و کمالات سے نوازا گیا کہ اسے عمر طویل عطا ہوئی اور بھی جو اس نے چاہا اسے نصیب ہوا۔ اس لیے عاقل پر لازم ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح کے لئے بھرپور جدوجہد کرے۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حمام سے روکا گیا تو رو پڑے اور فرمایا کہ شیطان کے گھر میں بغیر اجرت کے کوئی نہیں جا سکتا تو رحمٰن کے گھر میں ایمان اور عمل صالح کے بغیر کوئی نہیں جائے گا۔

مسئلہ: افضل الاعمال توحید اور ذکر الٰہی ہے اس لیے کہ اگر کوئی مشرق سے مغرب تک پہنچنے تک راہِ حق میں مال لٹاتا جائے اور دوسرا مغرب سے مشرق تک کفار پر تلوار چلاتا جائے تو بھی ذکر الٰہی کے عامل کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکیں گے۔

حدیث شریف: ذکر الٰہی ایمان کی علامت ہے۔

شرح: اس لیے کہ جب کوئی بھی لا الٰہ الا اللہ کہے گا تو ہم اس کے اسلام کی گواہی دیں گے۔ (کیونکہ یہ کلمہ منافقت سے برات اور اسلام کو مضبوط کرتا ہے رفرمایا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) اور کلمہ شیطان سے محفوظ رکھتا اور نار جہنم سے بچاتا ہے (جیسے) حدیث قدسی میں ہے کہ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو اس میں داخل ہوا وہ عذاب سے محفوظ و مامون رہا۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ: فاما من تاب۔ وہ جو محبت کے قدموں اور سچی طلب سے اللہ تعالیٰ کے حضور رجوع کرتا ہے۔ و امن اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام لائی ہوئی دعوت پر ایمان لاتا ہے۔ و عمل صالحًا اور رہبر کامل اور واصل باللہ اور صاحب قدرت کی متابعت و رہبری میں جو بھی نیک عمل کرے گا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچائیں گے۔ فعسٰی ان یکون من المفلحین (تاویلات نجمیہ) امید ہے کہ ایسے لوگ نفس کی قید سے کامیاب اور انانیت کی خرابی سے بچ کر قضاؤ قدر کلھویت کے وسیع میدان میں

تفسیر عالمانہ: پہنچ جائیں گے۔

وربک یخلق مایشاء و یختار۔ اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور برگزیدہ بناتا ہے۔

شان نزول: یہ آیت مشرکین کے جواب میں نازل ہوئی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کے لیے کیوں منتخب کیا۔ یہ قرآن مکہ و طائف کے کسی بڑے شخص پر کیوں نہ اُتارا گیا اس کلام کا قائل ولید بن مغیرہ تھا اور بڑے آدمی سے وہ خود کو اور عروہ بن مسعود ثقفی کو مراد لیتا تھا۔ اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ چنانچہ اس نے کہا لولا انزل ھٰذا القراٰن علٰی رجل من القریتین عظیم ان کے رد میں فرمایا۔ وربک یخلق مایشاء۔ فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میرا پروردگار جو کچھ پیدا کرنا چاہتا ہے وَ یَخۡتَارُ اپنی مخلوق میں مختار و برگزیدہ بنانا چاہتا ہے منتخب کرتا ہے جیسے جملہ اشیاء کی تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ایسے ہی اس کے اختیار میں بھی ما نافیہ ہے۔ کان لھم الخِیَرَةُ مشرکین کو کوئی اختیار نہیں جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے اس کے اختیار پر کفار اپنے اختیار کو غالب نہیں کر سکتے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کے لیے پسند فرمایا تو کافروں نے ولید بن مغیرہ اور عروہ کو نبوت کے لیے چنا اور ان کا چناؤ کسی کام نہ آیا۔

العبد ذو ضجر و الرب ذو قدر
و الدھر ذو دول و الرزق مقسوم
و الخیر اجمع فیما اختیار خالقنا
و اختیار سواہ اللوم و الشوم !!

ترجمہ: بندہ ضعیف اور رب بڑی طاقت والا ہے۔ زمانہ صاحب دولت ہے لیکن رزق ازل سے تقسیم شدہ ہے جملہ خیر و بھلائی ہمارے خالق و مالک کے اختیار میں ہے۔ اس کے ماسوا کا اختیار ملامت و نحوست کے سوا کچھ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا بندے کو اختیار کیسا جب جملہ اختیارات اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

بعض عرفاء نے فرمایا کہ جب اہل معرفت احکام الٰہیہ کو اچھی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں بہتر نگاہ

marfat.com

سے نوازتا ہے۔ کہ ان میں رضا و تسلیم کا مادہ پیدا فرما دیتا ہے ؎

در دائرہ قسمت ما نقطۂ تسلیم
لطف آنچہ تو اندیشی حکم آنکہ تو فرمائی

ترجمہ: "ہمارے لیے ضروری ہے کہ تیرے سامنے سر تسلیم خم کریں اس لیے کہ جو کچھ تو نے ہمارے لیے ارادہ فرمایا ہے وہ ہمارے لیے بہتر ہے اور تیرا ہر حکم ہمارے لیے ہزاروں فوائد پر مشتمل ہے۔"

حل لغات: الخیرۃ بمعنی تخییر یعنی برگزیدہ کرنا۔ جیسے طیرہ۔ یعنی وہ حالت جو متخیر کو عارض ہوتی ہے اور الوسیط میں ہے کہ الخیرۃ الاختیار کا اسم ہے جو مصدر کے قائم مقام ہوتا ہے اور المختار کا اسم ہو کر بھی مستعمل ہوتا جیسے کہا جاتا ہے محمد خیرۃ اللہ من خلقہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی جملہ مخلوق سے برگزیدہ ہیں)

تفسیر عالمانہ: سبحان اللہ پاکی صرف اللہ کا خاصہ ہے نہ اس سے نہ کوئی چھین سکتا ہے اور نہ اُسکے اختیار کے ساتھ کسی کا اختیار مزاحمت کر سکتا ہے۔ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ اور وہ ان کے شرک کرنے سے بلند و بالا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے اس میں تخلیق و اختیار ازلی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ فاعل و مختار ہے جسے جیسے جس سے اور جس کے لیے جب چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اسے خلق اشیاء میں ہر طرح کا اختیار ہے۔ وہ بعض اشیاء کو عدم میں اختیار کرتا ہے تو اس کو عدم میں رکھتا ہے۔ اسے عالم وجود میں نہیں لاتا اس کا اختیار ہے کہ بعض اشیاء کو جماد بعض کو نبات اور بعض کو حیوان اور بعض کو انسان۔ ان میں بعض کو کافر اور بعض کو مومن اور ان میں بعض کو ولی اور بعض کو نبی اور بعض کو رسول بناتا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ بعض کو کروبی اور بعض کو روحانی پیدا کرتا ہے اور چاہتا ہے تو بعض کو مقبول اور بعض کو مردود بناتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے اور انھیں بلند کر کے ساکن کیا اور تمام آسمانوں پر اپنی مخلوق میں جنھیں چاہا ان میں ٹھہرایا اس کے بعد اور مخلوق پیدا فرمائی۔ ان میں بنی آدم کو برگزیدہ بنایا اور بنی آدم میں عرب کو۔ اور عرب سے قبیلہ مضر کو اور قبیلہ مضر سے قریش کو اور قریش سے بنو ہاشم کو، بنو ہاشم سے مجھے برگزیدہ بنایا۔ یاد رکھو میں تمام برگزیدوں سے برگزیدہ ہوں۔ تم میں جو عرب سے محبت کرتا ہے تو گویا وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے تو وہ گویا مجھ سے بغض رکھتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کرام کو سوائے

marfat.ocm

انبیاء و مرسلین کے تمام مخلوق پر برگزیدہ بنایا۔ پھر میرے صحابہ میں سے میرے لیے چار یاروں (ابوبکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم) کو پسند فرمایا میرے صحابہ کو تمام انسانوں سے (سوائے انبیاء و مرسلین) برگزیدہ فرمایا ان میں تین قرون مسلسل ہیں اور ایک تنہا یعنی صدیوں میں ایک صدی (غالباً اس سے وہی صدی مراد ہو گی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی رضی اللہ عنہ تشریف لائیں گے)

فائدہ : انسان کو ذاتی طور پر کوئی اختیار نہیں اس لیے کہ اختیار اس کو ہوتا ہے جو صاحب ملک ہو اور انسان عبد ہے اور عبد کی کوئی شے ملک نہیں ہوتی جو املاک شرع پاک نے انسان کے لیے ثابت فرمائی ہیں وہ اس کے لیے مجازی اور عارضی ہیں جو عنقریب اس سے چھین لے جائیں گی اور حقیقی ملک کو زوال نہیں ہوتا اور ایسا ملک اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہی ہر شے کا کامل و مکمل مالک ہے نہ اس کے ملک کو زوال ہے نہ اس کی نعمت کو انقطاع ہے

ہمہ تخت و ملکے پذیر د زوال

بجز ملک فرمانده لا یزال

ترجمہ: تمام تخت شاہی اور ملک املاک کو زوال ہے سوائے مالک حقیقی لم یزل کے۔

افضل ترین مخلوق کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے جملہ عالم کو پیدا فرما کر ہر جنس سے افضل ترین مخلوق کو برگزیدہ بنا دیا مثلاً جبریل، میکائیل، اسرافیل و عزرائیل علیہ السلام کو فرشتوں سے اور آدمیوں سے پیغمبروں کو پیغمبروں سے خلیل و کلیم اور عیسیٰ و حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کرام سے ابوبکر تیمی و عمر عدوی و عثمان اُموی علی ہاشمی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اور زمین میں مکہ معظمہ کو جو ولادت گاہِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور مدینہ طیبہ کو جو ہجرت گاہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور بیت المقدس کو جو مصطفےٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر گاہ ہے اور ایام میں سے یوم جمعہ کو جو اجابۃ الدعوۃ کا دن ہے۔ یوم عرفہ کو کہ وہ یوم المباہات ہے اور یوم عید کو کہ وہ انعامات کا دن ہے اور یوم عاشورہ کو کہ وہ یوم الخلقۃ ہے اور راتوں میں شب برات کو اسی رات اللہ تعالیٰ بذاتِ خود نزول فرما کر تمام رات اپنے بندوں کو لطف و کرم کی ندا سے نوازتا ہے اور شب قدر کو کہ اسی رات میں زمین کے سنگریزوں کے برابر آسمان سے ملائکہ کرام آسمان سے زمین پر اُترتے ہیں اور بیدار لوگوں پر رحمت کے پھول برساتے ہیں اور شب عید کو کہ اس رات میں رحمت و مغفرت کے دروازے کھول دیتا ہے اور بے شمار گنہگاروں کے گناہ بخشتا ہے۔ پہاڑوں سے کوہِ طور کو وہاں موسیٰ علیہ السلام کو مناجات کا موقعہ نصیب ہوا اور جودی پہاڑ کو کہ وہاں نوح علیہ السلام کو نجات ملی اور کوہِ حرا کو کہ وہاں سے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور انسان کے جسم میں دل اور زبان کو اس لیے کہ دل نورِ معرفت کا اور زبان کلمہ شہادت کا مرکز ہے اور آسمانی کتابوں میں سے چار کتابوں (تورات، انجیل، زبور، قرآن پاک) کو کلمات میں سے سُبْحَانَ

marfat.com

اللہ وَالحمدُ للہِ وَلاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللہُ کو برگزیدہ بنایا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین کلام سُبحانَ اللہِ وَالحمدُ للہِ وَلاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللہُ وَاللہُ اکبرُ ہے تمہاری مرضی پر ہے کہ ان میں سے جسے چاہو پہلے پڑھو۔ (کشف الاسرار)

فائدہ: زہرۃ الریاض میں ہے مَا کَانَ لَھُمُ الخِیَرَۃ یعنی کفار کو کسی قسم کا اختیار نہیں جملہ کیونکہ اختیارات اللہ تعالیٰ واحد قہار کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اختیار صرف اسے ہے نہ جبرائیل میکائیل عزرائیل اسرافیل کو نہ آدم و نوح نہ ابراہیم، یعقوب، موسیٰ و عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لیے کہ اگر جبرائیل و میکائیل کو اختیار ہوتا تو وہ ہاروت و ماروت کو دوسرے فرشتوں میں شامل کر لیتے اگر اسرافیل کو اختیار ہوتا وہ ابلیس کو لعنت سے بچا لیتا اگر عزرائیل کو اختیار ہوتا تو وہ شداد کو عذاب سے نجات دلاتا۔ اگر آدم کو اختیار ہوتا تو قابیل کو نیک بنا لیتا اگر نوح کو اختیار ہوتا تو کنعان کو غرقِ طوفان سے بچا لیتا۔ اگر ابراہیم کو اختیار ہوتا تو آذر کو ایمان کی دولت سے نواز لیتا اگر یعقوب کو اختیار ہوتا تو عمالیق کو اپنی دعوت منوا لیتا اگر موسیٰ کو اختیار ہوتا تو فرعون کو اپنے دین میں شامل فرما لیتا اگر عیسیٰ علیہ السلام کو اختیار ہوتا تو اپنے حواریوں کو اپنے موافق بنا لیتا۔ اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہوتا تو ابوجہل کو دولتِ ایمان سے نوازتے لیکن جملہ اختیارات میرے ہاتھ میں ہیں البتہ میں نے آپ کو برگزیدہ بنایا تاکہ تم میرا شکر ادا کرو۔ کیونکہ اللہ کو خوب علم ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے رسالت و ولایت سے نوازتا ہے۔

فائدہ: حضرت یحییٰ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا الٰہی تو میرے عیوب کو خوب جانتا ہے جب تیرا اختیار واسع ہے تو اگر تُو میری مغفرت فرما دے تو اس میں کون سی کمی آئے گی۔

فائدہ: حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ مانگا تو انھیں عرصہ تک دکھ درد کا نشانہ بنایا اور حضرت اصحاب کہف نے غار کو پسند فرمایا تو انھیں حسن و جمال سے نوازا۔ انسان جس عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہ اس کی عیب پوشی کرتا ہے تاکہ کوئی اعتراض نہ کرے کہ تو نے خود اسے پسند فرمایا تو اب اعتراض کیوں بلا تمثیل اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو ازل سے بے اختیار پیدا فرمایا تو اس کی عیب پوشی کیوں نہ فرمائے گا بلکہ بندے کو اس کی ستار العیوبی پر بہت زیادہ بھروسہ ہونا چاہیے۔

اٹھارہ ہزار عالم انسان کے خُدّام ہیں

اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم میں اربعہ عناصر۔ آب۔ آگ۔ مٹی۔ ہوا کو برگزیدہ بنایا اور انھیں انسان کی خدمات پر مامور فرمایا۔ مثلاً پانی کو طہارت کے لیے۔ مٹی کو سجدہ ریزی کے لیے اور آگ کو کھانا پکانے کے لیے اور ہوا کو پنکھا ہلانے

marfat.ocm

کے لیے اور چار فرشتوں کو جسمانی خصوصی خدمات پر مامور فرمایا مثلاً جبریل علیہ السلام کو وحی لانے والے اور میکائیل علیہ السلام نعمت کے خازن اور اسرافیل علیہ السلام اور عزرائیل کو قابض ارواح اور شرائع میں سے بھی چار امور معین فرمائے

۱۔ نماز عمل صالح

۲۔ وضوء امانت

۳۔ روزہ ڈھال

۴۔ زکوٰۃ طہارت

اور قبلے چار ہیں:

۱۔ عرش انسان کی دعاء کا

۲۔ کرسی رحمت الٰہی کا مرکز

۳۔ بیت المعمور عمل صالح کا مرکز

۴۔ قبلہ و کعبہ (مطلق)

اور اوقات بھی چار مقرر فرمائے:

۱۔ مغرب کھانے کے لیے

۲۔ عشاء نیند کے لیے

۳۔ سحر مناجات کے لیے

۴۔ صبح تلاوتِ قرآن کے لیے

فائدہ: وہ پانی کا چشمہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُنگلیوں سے جاری ہوا۔ وہ آبِ زمزم کوثر بلکہ زمین و آسمان کے تمام پانیوں سے افضل و برتر ہے۔ زمین پر سب سے افضل وہ جگہ ہے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر آرام فرما ہے۔ یہاں تک کہ زمین میں کعبہ و بیت المقدس سے اور آسمان پر عرش معلیٰ اور لوح و قلم سے اور آخرت میں جنت الفردوس وغیرہ سے افضل ہے اور وہ گھڑی افضل ہے جس گھڑی دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہور پذیر ہوئے۔ اسی لیے محدثین نے فرمایا کہ ربیع الاوّل شعبان کے مہینے کی طرح تمام مہینوں سے افضل ہے۔ کیونکہ ربیع الاوّل و شعبان ہر دو مہینے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں۔ عالم دنیا کے بادشاہوں سے دولت عثمانیہ کے بادشاہ افضل ہیں۔

صاحب روح البیان نے عثمانیہ خاندان کی علمی خدمات کے پیش نظر فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ان کی دولت کا اتصال حضرت امام مہدی کی دولت سے ہوگا۔

marfat.com

اور اس اُمت میں ان اکابر علماء و مشائخ شریعت و طریقت کو برگزیدہ بنایا جو دونوں علوم ظاہر و باطن کے جامع ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے طریق تحقیق کا سوال کرتے ہیں اور وہی توفیق کا مالک ہے۔

تفسیر عالمانہ: وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ ۔ اور تمہارا رب جانتا ہے ان کے دلوں کی چھپی ہوئی بات اور ان کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت اور اہل ایمان کے ساتھ بغض و حسد سے ان کے دل بھرپور ہیں۔ اُن کا یہ معاملہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں اكننت الشئ بمعنى اخفيته في نفسك یعنی تم نے فلاں بات دل میں چھپائی اور کہا جاتا ہے وَكننته بمعنى سترته في بيت اوثوب اوغير ذالك من الاجسام یعنی میں نے اُسے گھر، کپڑے یا جسم میں چھپایا۔ وَمَا يُعْلِنُونَ ۔ اور جو اپنی زبان یا اعضاء سے ظاہر کرتے ہیں مثلاً گالی دینا، طعن و تشنیع کرنا مار پٹائی وغیرہ یعنی نبوت پر اعتراض کرنا اور قرآن مجید کی تکذیب اِعْلَانٌ بمعنی آشکارا کرنا وهو الله اور اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے۔

لا اله الا الله اس کے سوا پرستش کا کوئی حق دار نہیں ہے۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے هو الله لا اله الا هو ۔ کوئی بھی الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ الا هو ۔ سوائے اس کے کہ وہی عزت و عظمت کے لحاظ سے متوحد ہے اور جلال ربوبیت کے لحاظ سے منفرد ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اس کے برابر کا کوئی نہیں اس کی کوئی نظیر نہیں اور نعمتوں کا مستوجب وہی ہے فلہذا صرف اُسی کا شکر ہے۔ في الاولى دنیا میں والاخرة اور آخرت میں اس لیے کہ وہی جملہ نعمتوں کا مالک ہے وہ نعمتیں عاجلہ ہوں یا آجلہ۔ جملہ مخلوق اس کی نعمتوں کی ممنون ہے۔ اہل ایمان آخرت میں اس کی اسی طرح حمد کریں گے جیسے دنیا میں اس کی حمد کیا کرتے ہیں۔ آخرت میں اہل حمد کی حمد یہ ہو گی۔ الحمد لله الذى اذهب عنا الحزن اور الحمد لله الذى صدقنا وعده یعنی اس کی حمد و ثناء اور فضل و کرم کو دیکھ کر خوشی سے اور حمد و ثنا سے لذت پا کر بلا تکلف محامد بیان کریں گے وله الحكم اور تخلیق و اختیار و اعزاز و اذلال (ذلیل کرنا) احیاء و اماتت میں صرف اسی کا حکم چلتا ہے اور دنیا و آخرت میں صرف اُسی کا حکم جاری ہے نفاذ حکم میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اس کا دنیا و آخرت میں صرف اسی کا حکم چلتا ہے۔ اور دنیا و آخرت میں جملہ

حاشیہ گزشتہ صفحے کا: شیعوں والا امام مہدی مراد نہیں بلکہ وہی امام مہدی جس کی تحقیق ہم نے گزشتہ اوراق میں لکھی ہے۔

marfat.ocm

اُمور کے عواقب کے لیے جملہ مخلوق اسی کی طرف رجوع کرتی ہے اور کرے گی۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اہل طاعت کو مغفرت اور اہل معصیت کو شقاوت اور اعزاز کا حکم فرمانا صرف اسی کو لائق ہے۔ والیہ ترجعون اور قیامت میں صرف اسی کی طرف رجوع ہوگا۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اختیاراً یا اضطراراً صرف اسی کی طرف رجوع ہے۔ اور اختیاراً یہ کہ حضرت حق تعالیٰ کی طرف بطریق سیر وسلوک اور متابعت و وصول کے اور یہ صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے سوا یہ دولت کسی کو نصیب نہیں ہوگی اور اضطراراً یہ کہ انسان کی رُوح قبض ہوگی اس کے بعد حشر نشر اور حساب و جزا و ثواب ہوگا اور بُرے کو سزا دے کر جہنم رسید کیا جائے گا۔

فائدہ: آٹھ اُمور ایسے ہیں جن میں مخلوق کے ہر فرد کو مبتلا ہونا ہے۔

۱. موت

۲. حشر

۳. عمل نامہ مرنے کے بعد پڑھنا۔

۴. اعمال نامے کا وزن۔

۵. حسابِ اعمال

۶. پل صراط پر گزرنا۔

۷. سوال نکیرین

۸. جزائے اعمال۔

وحی موسیٰ علیہ السلام: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ اے موسیٰ اس جگہ مجھ سے یہ سوال نہ کر کہ مخلوق میں غنی کون ہے اس لیے کہ میں نے مخلوق میں کسی کو غنی بنایا ہی نہیں بلکہ سب کے سب میرے محتاج ہیں اور غنی صرف میں ہی ہوں اور مجھ سے علم غیب کے متعلق نہ پوچھ اس لیے کہ میرے سوا غیب کوئی نہیں جانتا۔[۱]

---

[۱] اس سے ذاتی علم غیب مراد ہے ورنہ پہلے جملہ میں غنی کی نفی ہے حالانکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار غنی پیدا فرمائے تو جیسے وہاں ذاتی غنا مراد ہے تو یہاں بھی ذاتی علم غیب مراد ہوگا ورنہ سینکڑوں آیات اور بے شمار احادیث کے خلاف لازم آتا ہے۔ تفصیل اہلسنت کی تصانیف میں دیکھئے۔ (اویسی غفرلہٗ)

marfat.com

اے موسیٰ علیہ السلام مجھ سے یہ سوال نہ کر کہ مخلوق میرا گلہ شکوہ نہ کریں اس لیے کہ بعض بندے ایسے نالائق ہیں کہ باوجودیکہ میں نے انھیں پیدا فرمایا انھیں روزی بخشی اور ان کی موت اور حیات کا مالک ہوں لیکن میری ہی برائی کرتے ہیں۔ جب میں اپنے متعلق ان کی زبان نہیں روکتا تو آپ کے لیے ان کی زبان کیوں روکوں اور مجھ سے بقا کا سوال نہ کرنا۔ کیونکہ باقی و دائم صرف میں ہوں۔

وحی محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی فرمائی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ جس سے محبت چاہیں کرلیں میں اُسے آپ سے جدا کر دوں گا اور جو عمل چاہیں کرلیں موت کے بعد وہی ملے گا جو آج عمل کرو گے اور زندگی جیسے چاہو گزارو بالآخر موت نہیں چھوڑے گی۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ نفاذ حکم پر صرف اللہ تعالیٰ کا قبضہ ہے۔ اگر کوئی شے کسی کے قبضہ میں ہوتی تو وہ اپنے اُوپر موت کو آنے نہ دیتا اور آخرت میں اعمال کی ملاقات کو روک لیتا

فائدہ: تسلیم ورضا اپنے اختیار سے رجوع الی اللہ میں ہے اس لیے کہ جب بندہ اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو کوئی تکلیف نہیں پائے گا بخلاف اس کے کہ جب اضطراراً رجوع کرے گا تو اُسے دُکھ ہوگا۔

تو پیش از عقوبت در عفو کوب
کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب

ترجمہ: "سزا سے پہلے معافی کا دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ جب ڈنڈا سر پر پڑے تو اس وقت آہ و فغاں کام نہ دے گی۔"

فائدہ: رجوع الی اللہ کی علامت یہ ہے کہ بندہ ظاہر و باطن میں فلاح و صلاح و خیر کے ساتھ رہے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے اس لیے کہ مبدأ لا امر کو جزع و اضطراب کا اظہار جہالت کی علامت ہے۔ بلاء مصیبت کا درد ہلکا ہو جاتا ہے جب یہ علم ہے کہ دینے والا تو وہی ہے کیونکہ بلاء مصیبت دینے والا حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہے اور لا الٰہ الا اللہ انسان کو مصائب و مشکلات میں کام آتا ہے اور توحید افضل الطاعات و خیر الاذکار والحسنات ہے۔ جب اُس کے الفاظ نجات کا موجب بنتے ہیں تو اس کا معنیٰ کیوں نہ نجات بخشے گا۔

حکایت: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص فوت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میرے بندے کے اعمال نامے میں دیکھو کہ اس کی کوئی ایسی نیکی ہے جس کی وجہ سے میں اُسے بہشت دوں۔ وہ عرض کریں گے یا الٰہ العالمین صرف اس کی ایک ہی نیکی ہے کہ اس کی انگشتری پر منقوش ہے لا الٰہ الا اللہ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندے کو بہشت میں داخل کر دو میں نے اُسے بخش دیا ہے

حضرت مغربی قدس سرہ نے فرمایا:

marfat.ocm

اگرچہ آئینہ داری از برائے حسن
ولے چہ سود کہ داری ہمیشہ آئینہ تار
بصیقل توحید ز آئینہ بزدائے
غبار شرک کہ پاک گردد از زنگار

ترجمہ: اگرچہ تو نے شیشہ اپنے چہرہ کے دیکھنے کے لیے رکھا ہوا ہے تو کیا فائدہ جب کہ تیرے دل کا شیشہ سیاہ ہے:

"توحید کے صیقل سے دل کے آئینہ کو صاف کر شرک غبار کو دل کے آئینے سے دھو ڈال"۔

ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حقیقتِ توحید سے آگاہ کرے اور ہمیں تقلید سود سے محفوظ فرمائے اور اُن مکاشفین سے بنائے جنہیں انوارِ صفات اور اسرارِ ذات سے نوازا ہے ہے۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اَرَءَيْتُمْ (اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کو فرمایئے کہ مجھے خبر دو کہ ہم نے اخبار کا معنیٰ اس لیے کیا ہے کہ رویت اخبار کا موجب ہے، ان جعل اللہ لکم اللیل سرمدًا۔ اگر اللہ تمہارے لیے ہمیشہ رات بنا دے کہ اس کے بعد دن نہ ہو سَرْمَدًا سَرْدٌ سے ہے بمعنی متابعت و اطراد ہے اس کا میم زائد ہے۔

نکتہ: دن کو رات پر مقدم کرنے کا راز یہ ہے کہ طلوعِ شمس سے پہلے رات کے چلے جانے کے بعد دن کے فوائد بہت زیادہ ہیں۔ (برہان القرآن)

اِلٰی یوم القیٰمۃ۔ قیامت تک سورج کو زمین کے نیچے چھپا کر یا ساکن کر کے یا اسے اس اُفق کے اِردگرد متحرک رکھا جائے اور اس جگہ پر ساکن ہو۔ من الٰہ غیر اللہ۔ اللہ کے سوا معبود کون ہے کہ اس کی قدرت کی طرح قدرت رکھتا ہو۔ یأتیکم بضیاء۔ یہ الٰہ کی دوسری صفت ہے اس پر تبکیت و الزام وارد ہے اس لیے کہ موصوف کے انعقاد سے صفت کا انتفاء لازمی امر ہے۔

فائدہ، هَلْ اِلٰهٌ الخ اس لیے نہیں فرمایا کہ اُن کے گمان پر الزام کا ایراد مطلوب ہے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود بھی ہیں۔ اگر مَا اِلٰهٌ الخ کہا جاتا تو یہ الزام وارد نہ ہوتا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ غیر اللہ روشنی لائے تاکہ دن روشن ہو تو وہ کسب معاش کریں اور بضیاء کی باء تعدیہ کی ہے۔ افلا کیا تم سنتے نہیں ہو یعنی اس سچے کلام کو سُن کر تدبر و تفکر کرو تاکہ فرمانبردار ہو جاؤ اور اس کے موجب پر عمل کرو اور توحید پر ایمان لاؤ۔

نکتہ: ضیاء پر آیت کا اختتام ہوا تاکہ مضمون کا خاتمہ روشنی پر ہو۔

marfat.com

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ ضیاء کو سمع سے اس لیے ملایا ہے کہ جس قدر سمع سے ادراک کیا جا سکتا ہے بصر سے نہیں وہ اس لیے کہ عقل بہ نسبت بصر کے سمع سے زیادہ استفادہ کرتی ہے۔ قل ارأیتم ان جعل اللہ علیکم النہار سرمدا ۔ فرمایئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اُوپر دائمی طور پر دن بنائے کہ اس میں رات نہ ہو مثلاً دن کو وسط سماء میں ساکن کر دے یا اسے زمین کے اُوپر متحرک رکھے اور اسے زمین پر نہ آنے دے مَنْ الٰہٌ غیر اللہ یاتیکم بلیل تسکنون فیہ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہے جو رات کو لائے جس میں تم سفر کی تھکان اُتار سکو۔

نکتہ: ضیاء کے منافع ذکر نہیں کیے گئے مثلاً کہا جاتا تم روشنی میں فلاں فلاں تصرف کرتے ہو وغیرہ وہ اس لیے کہ ضیاء مقصود بالذات ہے اور اس کے فوائد ظاہر و باہر ہیں۔ ان کے ذکر کی ضرورت نہیں لیکن رات کے فوائد اتنا واضح نہیں اس لیے کہ ان کے فوائد و منافع بیان کیے گئے ہیں۔ افلا تبصرون تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو اس کے منافع پر رکھنے والے سے مخفی نہیں۔ اللّیل کے ذکر کے بجائے النہار پر اس مضمون کو اس لیے ختم کیا گیا ہے کہ بصارت دن میں کام کرتی ہے۔ رات کی اندھیری میں اس کا کام نہیں چلتا۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ سکون لیل تو ہے بصر سے اس لیے متعلق کیا گیا ہے کہ رات میں انسان سے اس کا غیر اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے خود رات کو تاریکی میں کوئی فائدہ نہیں پا سکتا۔

فائدہ: بعض ایسے مقامات ہیں جہاں سورج چکی کی طرح گھومتا ہے وہاں ہمیشہ دن ہی دن رہتا ہے ایسے مقام پر سورج کی حرارت سے نہ کوئی حیوان زندہ رہ سکتا ہے نہ کھیتی اُگ سکتی ہے۔ اسی طرح زمین کے اندر سورج کا دورہ نہیں وہاں ہمیشہ رات ہی رات ہے اس لیے وہاں بھی کوئی حیوان زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ ہی وہاں پر کھیتی اُگ سکتی ہے اسی لیے فرمایا ومن رحمتہ جعل لکم اللیل والنہار ۔ یہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے۔ لتسکنوا فیہ تاکہ سکون حاصل ہو۔ ولتبتغوا من فضلہ اور دن کو اپنی معیشت کے اسباب حاصل کر سکو۔ ولعلکم تشکرون تاکہ باری تعالیٰ کے عطیات کا شکر کرو۔

چرخ را دو اشبا نروزی دہد
شب بروز آورد روزی دہد
خلوت شب بہر آں تا جان ریش
راز دل گوید بر جانان خویش
روزہا از غوغائے عوام
تا ابد ایشاں کار تن گیرد نظام

marfat.ocm

ترجمہ

۱۔ آسمان کو شب و روز کا دور بخشتا ہے۔ رات کے بعد دن لاتا ہے تاکہ تمہیں روزی بخشے۔

۲۔ رات اس لیے بنائی تاکہ عاشق نادار اپنے محبوب سے اپنا رازِ دل بیان کر سکے۔

۳۔ دن بنایا کہ عوام کا غوغا ہو اور اپنے معاملات کا انتظام کر سکیں گے۔

فائدہ: امام الحرمین وغیرہ نے فرمایا کہ ظاہر ہے کہ بعض لوگوں کے ہاں سورج طلوع کرتا ہے تو بعض کے ہاں راتیں طویل ہوتی ہیں اور بعض کے ہاں چھوٹی اور خطِ استوا میں رات دن برابر ہوتے ہیں یہ اس کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے۔

مسئلہ: حضرت شیخ ابو حامد سے بلغار کے بلاد کے متعلق سوال ہوا کہ وہاں کے لوگ نمازیں کیسے ادا کریں جبکہ وہاں سورج کا غروب صرف اتنا ہوتا ہے جیسے مغرب و عشاء کا درمیانی وقت ہے اس کے بعد پھر فوراً سورج نکل آتا ہے انہوں نے فرمایا وہ اپنے قریب ترین بلاد کے مطابق نمازیں ادا کریں لیکن اکثر فقہاء فرماتے ہیں کہ صحیح تر یہ ہے کہ وہ اپنی نمازیں اور روزے اندازے کے ساتھ ادا کریں اور گھڑیوں کے مطابق ان پر نمازوں اور روزوں کا حکم ہے۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کے دور میں اس کا ایک یوم سال کا اور ایک یوم مہینے کا اور ایک یوم ہفتہ کا ہوگا

فائدہ: اس دور میں نماز اور روزہ اندازے پر ادا ہوگا۔

(حدیث شریف کا ایسے ہی حکم ہے)

فائدہ: القاموس میں ہے کہ بلغر بروزن قرطق جسے عوام بلغار سے تعبیر کرتے ہیں وہ ایک سرد علاقہ کا شہر ہے وہ شمال و مغرب کی جانب میں واقع ہے جہاں سخت سردی ہوتی ہے۔ وہاں پر چھوٹی راتوں میں غیبوبۃ شفق سے پہلے ہی صبح صادق ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں پر سرے سے عشاء کی نماز فرض ہے ہی نہیں اور نہ ہی ان پر وتر واجب ہیں اس لیے کہ ان پر نماز کے وجوب کا سبب ہی مفقود ہے۔ اس لیے کہ نماز کے وجوب کا سبب وقت ہے چنانچہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ نماز کی ادائیگی کا وجوب وقت پر موقوف ہے۔ اگر کسی کو وقت میسر ہی نہیں تو اس پر نماز کا وجوب کیسا۔ اسی طرح ان پر عشاء کے فرض اور وتر واجب نہیں جس کے ہاں غروب شمس کے ہوتے ہی فوراً صبح صادق ہو جاتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی کے دونوں ہاتھ کہنیوں تک کٹ جائیں اور اس پر وضو کے صرف تین فرض ہیں وہ اسی لیے کہ ہاتھوں کو اس وقت دھونا فرض ہے جب ہاتھ ہوں جب سرے سے ہاتھ ہی نہ ہوں تو وجوب کیسا۔ ایسے ہی پاؤں کٹ جانے کا مسئلہ ہے خلاصہ یہ کہ ہاتھ یا پاؤں کے کٹ جانے سے انسان پر وضو کے صرف تین فرض ہیں (کذا فی الفقہ)

marfat.com

تفسیر صوفیانہ: شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ آیت میں نہار سے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تجلی نور اور لیل سے البشریہ مراد ہے اب معنٰی یہ ہوا کہ اگر تجلی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دن ہمیشہ رہتا تو ان تجلیات کے انوار کو متجلّٰی (اُمتی) متحمل نہ ہو سکتے اسی لیے اُسے اللہ تعالٰی نے بشریت کا سایہ سے ڈھانپ دیا تاکہ (اُمتی) سطوات انوار و تجلیات محمدی کی وجہ سے دیدار محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم نہ ہو۔

خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس طرف اشارہ فرمایا چنانچہ ایک دن بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کلمینی یا حمیراء اور یہ ستر شریف بھی از قبیل حجاب نہیں اس لیے کہ یہ ستر تجلی کے بعد ہوتا ہے جسے حجاب الرحمۃ والمنحۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے حجاب نہیں ہے یہ حجاب الرحمۃ والمنحۃ نہیں ہے۔ بہرحال حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت خلق کے خدا سے اُو صل رہی۔ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب و نقص سے محفوظ و معصوم تھے اسی لیے آپ نے فرمایا انہ لیغان علی قلبی وانی لاستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ بیشک میرے قلب پر ستر آجاتا ہے اس وجہ سے میں دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔

منجملہ لطف و کرم سے ہے ورنہ آپ کا اللہ تعالٰی سے محجوب ہونا کمالات سے ہے کیونکہ محجوب من الحق ہوتا ہے وہ مقہور و مغضوب ہوتا ہے۔ کما قال اللہ تعالٰی کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون

اور حضور علیہ السلام کے لیے ایسا تصور کسی بدقسمت کے ذہن میں آئے گا۔

نکتہ 8: صرف صفت ربوبیت کی ایک معمولی تجلی وہ بھی معمولی دیر میں کوہ طور پر پڑی تو راکھ ہو گیا اور موسٰی علیہ السلام جلیل الشان نبی (علیہ السلام) کے ہونے کے باوجود بیہوش ہو کر گرے اگر وہ تجلی دائمی رہتی تو پھر عالم دنیا سارا فنا ہو جاتا

تفسیر عالمانہ: ویوم ینادیہم، یوم اُذکر محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یاد کیجئے اس دن کو کہ اللہ تعالٰی مشرکین کو پکارے گا فیقول تو انہیں زجر و توبیخ کے طور پر فرمائے گا أَيْنَ تَزْعُمُونَ کہاں ہیں شرکائی الذین کنتم تزعمون میرے وہ شرکاء جن کیلئے تم گمان میں تھے کہ وہ میرے شریک ہیں۔ تنبیہہ در تنبیہہ ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ جب شرک کرنے پر ناراض ہوتا ہے تو اس کے غضب سے کوئی شے نہیں چھڑا سکتی۔ ایسے ہی اس کی توحید پر اس کی رضا سے کوئی شے رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتی (ونزعنا من کل امۃ نزع الشئ۔ شے کو اپنی قرارگاہ سے ہٹانا جیسے قوس کو کمان سے علیحدہ کرنے پر لفظ نزع بولا جاتا ہے اس کا عطف ینادیہم پر ہے۔ اور صیغہ ماضی تحقیق کے لیے ہے اور نزع کے معاملہ کی اہمیت کے اظہار کمال کے لیے غیب سے تکلم کی طرف التفات ہے۔ اس کا معنٰی یہ ہے کہ ہم ہر امت کا جدا جدا کریں گے۔ شہیدا۔ گواہ اس سے اسی

marfat.ocm

اُمت کے نبی علیہ السلام مراد ہیں جو اپنی اُمت کی ہر نیکی اور بُرائی کی گواہی دیں گے۔

مسئلہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام اپنی اُمت اور پھر جملہ آنے والے لوگوں کی گواہی دیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُمت کے اعمال نبی علیہ السلام کے سامنے ہر خمیس اور ہر سوموار کی رات کو پیش کیے جاتے ہیں۔

مسئلہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ شہید سے ہر اُمت کا ایک انسان مراد ہے اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے کسی زمانہ کو بھی ولایت سے خالی نہیں رکھا۔ یعنی ہر زمانہ میں ولی اللہ پیدا ہوتے اور قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے (لیکن افسوس کہ وہابی نجدی اس مسئلہ کی حقیقت کا منکر ہے)۔

ولی اللہ کی علامت

ولی اللہ سے مراد یہ ہے کہ وہ اُمور دینیہ کا مرجع ہو کہ لوگ اپنے دینی اُمور میں اس کی طرف رجوع کریں اور وہ لوگوں میں حجۃ الٰہیہ ہوتے ہیں اور انھیں دعوتِ اسلام دیتے ہیں اسی لیے وہ قیامت میں لوگوں کے متعلق نیکی و بُرائی کی گواہی دیں گے۔

(افسوس ہے کہ دورِ حاضرہ میں لوگوں نے ولایت کا مفہوم چھوڑ کر اُن لوگوں کو ولی بنا رکھا ہے جو کسی پیر فقیر کی اولاد یا کسی صاحبِ مزار سے قرابت (رشتہ داری) رکھتا ہو اگرچہ وہ بدعملی میں شیطان کا کھلونا ہو۔)

فقلنا ہم پر اُمت کو ھاتوا۔ یہ دراصل **اٰتُو** تھا ہمزہ کو ہا سے تبدیل کیا گیا ہے اس کی تحقیق گزری ہے **برھانکم** اپنے دعویٰ کی دلیل لاؤ جبکہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے **فَعَلِمُوْٓا** اُس وقت انھیں یقین ہوگا کہ **اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ**۔ بیشک الٰہیہ کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں **وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ** اور ان سے غائب ہو جائے گا وہ جو دنیا میں جھوٹی باتیں بناتے تھے۔ یعنی بتوں کی الوہیت کا دعویٰ کرتے تھے وہ ان سے غائب ہو جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ: یاد رہے کہ غیر اللہ کی عبادت صرف بتوں میں منحصر نہیں بلکہ لوگوں نے بتوں کے سوا اور بھی بے شمار خدا شریک بنا رکھے ہیں کچھ ظاہر سے متعلق ہیں اور کچھ باطن سے بعض لوگ وہ ہیں جنھوں نے اپنے نفس کو معبود بنا رکھا ہے بعض وہ ہیں جن کا گویا معبود اس کی عورت ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ جیسی محبت کرتا ہے اور اس کی اطاعت ضروری سمجھ کر عبادت الٰہی ترک کر دیتا ہے یہ وہ ہیں جنھیں قیامت میں کسی قسم کا فائدہ نہیں دیگی۔

marfat.com

حکایت: منقول ہے کہ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ جب نماز میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پڑھتے تو بیہوش ہو جاتے۔ جب ہوش میں آتے تو فرماتے ادھر تو ہم کہتے ہیں اِيَّاكَ نَعْبُدُ لیکن اطاعت کرتے ہیں ہم نفس کی اور نماز میں ہم کہتے ہیں اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ لیکن ضروریات کے وقت غیر اللہ کے دروازے کھٹکھٹاتے ہیں۔

حکایت: مروی ہے کہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اور ان کے جملہ متعلقین کو یہود نے شہید کر دیا تو زکریا علیہ السلام یہود کے ڈر سے گھر سے باہر نکل کھڑے ہوئے راستہ میں آپ کو شیطان چرواہے کی شکل میں ملا اور اشارہ کیا کہ درخت میں چھپ جائیے۔ آپ نے درخت کو فرمایا کہ مجھے چھپا لے۔ درخت چر گیا اور آپ کو اپنے اندر چھپا لیا لیکن شیطان نے درخت سے آپ کی چادر کے کونہ کو باہر کھلا رکھا اور یہود کو بتایا کہ زکریا علیہ السلام اسی درخت میں چھپے بیٹھے ہیں۔ چنانچہ یہودیوں نے درخت کو آرے سے دو حصہ کر دیا۔

فائدہ: حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے محبوبانہ عتاب سے نوازنا جب انہوں نے درخت کی پناہ لی اور یہ محبوبوں کے لیے شرک سے کمتر نہیں اور شرک جملہ سیئات سے قبیح تر ہے جیسے توحید جملہ حسین سے حسین ترین ہے۔

مسئلہ: جہاں ذکر الٰہی ہوتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے فرشتے نازل ہوتے ہیں صرف ذکر الٰہی کی شرافت سے چنانچہ مروی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کنوئیں میں ڈالے گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جسے جبریل علیہ السلام نے سن کر عرض کی یا اللہ میں اس کنوئیں سے تیرا پیارا ذکر سنتا ہوں مجھے اجازت بخشئے تاکہ میں کنوئیں میں جا کر تیرا ذکر سنوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے نہیں کہا تھا اتجعل فیھا من یفسد۔ کیا انہیں پیدا کرتا ہے جو زمین پر فساد کریں گے۔

اعجوبہ: جب اہل ایمان ظاہری و باطنی آداب شریعت و طریقت یعنی ظاہری و باطنی شرائط بجا لا کر ذکر الٰہی کرتے ہیں تو فرشتے اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں یا الٰہ العالمین ہمیں مہلت دے تاکہ ہم تیرے ان ذکر کرنے والے بندوں کے ساتھ جا کر بیٹھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ وہی ہیں جن کے متعلق تم نے کہا تھا اتجعل فیھا من یفسد فیھا۔ اب کہتے ہو کہ اجازت دو تاکہ ہم ان کی مجلس میں بیٹھیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب بہشت میں داخل ہو گئے سوائے منکر کے عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منکر کون ہے آپ نے فرمایا منکر وہ ہے جس نے لا الٰہ الا اللہ کو نہیں مانا۔

سبق: ہمیں لازم ہے کہ ہم موت سے پہلے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے ورد پر مداومت کریں۔ یہی اللہ تعالیٰ کی مقبول دری ہے اور بہشت کا ثمن ہے یہی وہ کلمہ ہے جس کی کائنات کا ذرّہ ذرّہ گواہی دیتا ہے بقیہ صفحہ ۹۸۹

marfat.ocm

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ
بے شک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا پھر اس

وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ
نے ان پر زیادتی کی اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے جن کی کنجیاں ایک زور آور جماعت پر بھاری تھیں

قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۝٧٦ وَابْتَغِ فِيمَا
جب اس سے اس کی قوم نے کہا اترا نہیں بے شک اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو مال تجھے اللہ

آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا
نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر طلب کر اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھول اور احسان کر

أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
جیسا اللہ نے تجھ پر احسان کیا اور زمین میں فساد نہ چاہ بے شک اللہ فسادیوں کو دوست

الْمُفْسِدِينَ ۝٧٧ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ
نہیں رکھتا بولا یہ تو مجھے ایک علم سے ملا ہے جو میرے پاس ہے اور کیا اسے یہ نہیں معلوم

قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً
کہ اللہ نے اس سے پہلے وہ سنگتیں ہلاک فرمادیں جن کی قوتیں اس سے سخت تھیں اور جمع اس

وَأَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ۝٧٨ فَخَرَجَ عَلَىٰ
سے زیادہ اور مجرموں سے ان کے گناہوں کی پوچھ نہیں تو اپنی قوم پر نکلا

قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا
اپنی آرائش میں بولے وہ جو دنیا کی زندگی چاہتے ہیں کسی طرح ہم کو بھی ایسا ملتا جیسا

مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۝٧٩ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا
قارون کو ملا بے شک اس کا بڑا نصیب ہے اور بولے وہ جنہیں علم دیا گیا

الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقَّاهَا
خرابی ہو تمہاری اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لیے جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے اور یہ انہیں کو

إِلَّا الصَّابِرُونَ ۝٨٠ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ
ملتا ہے جو صبر والے ہیں تو ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ سے

يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ ۝٨١ وَأَصْبَحَ الَّذِينَ
بچانے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ بدلہ لے سکا اور کل جس نے اس کے مرتبہ

marfat.com

تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
کل آرزو کی تھی صبح کہنے لگے عجب بات ہے اللہ رزق وسیع کرتا ہے اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے
مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ
اور تنگی فرماتا ہے اگر اللہ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا اے عجب
لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع
کافروں کا بھلا نہیں

بقیہ صفحہ ۹۸۶

ہشت ہر ذرہ بوحدت خویش
پیش عارف گواہ وحدت او
پاک کن جامہ از غبار دوئی
لوح خاطر کہ حق یکیست نہ دو

ترجمہ: "ہر ذرہ علیحدہ علیحدہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے تم بھی دوئی کے غبار دل کو پاک کرو اور دل پر لکھ دو کہ اللہ دو نہیں ایک ہے۔"

فائدہ: اس شہود اور توحید حقیقی تک پہنچنا رات دن میں ذکر الٰہی کے ذریعے سے میسر ہو سکتا ہے ورنہ مشکل ہے ؎

نخست دیدہ طلب کن پس آنگہے دیدار
ذانکہ یار کند جلوہ بر اولو الابصار

ترجمہ: "پہلے نگاہ طلب کر پھر دیدار اس لیے کہ محبوب کا جلوہ صرف اولو الابصار پر ہوتا ہے۔"

تفسیر عالمانہ: ان قارون۔ ہارون کی طرح عجمی ہے اسی لیے غیر منصرف ہے۔ کان من قوم موسیٰ بیشک قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا۔

قارون کا نسب نامہ

قارون موسیٰ علیہ السلام کا عمزاد بھائی تھا اس لیے کہ اس کا والد یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام تھا

marfat.ocm

اور موسیٰ علیہ السلام کے والد حضرت عمران بھی قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا اور تورات بھی پڑھی اور اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اسے منور کہا جاتا ہے۔ پھر دنیا کی محبت میں ایسا پھنسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا چہرہ بدل دیا اور وہ سامری کی طرح منافق تھا۔ فبغی علیہم۔ المفردات میں امام راغب نے لکھا کہ البغی بمعنی جس شے میں تجاوز کرنے کا ارادہ ہو اُس کی حد سے تجاوز کرنے کی طلب کرنا۔ تجاوز کر سکے یا نہ اور یہاں پر بغی بمعنی تکبر ہے اور قارون نے بھی ایسے ہی کیا کہ وہ اپنی قدر و منزلت سے تجاوز کر گیا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قارون نے ان پر اپنی بڑائی کا اظہار کیا اور چاہا کہ وہ سارے بنی اسرائیل اس کے ماتحت ہوں اور اس سے ایسے ہونا کچھ بعید بھی نہیں اس لیے کہ اب وہ مالدار ہو گیا تھا اور دنیا و دولت کا غرور ایسے کر گزرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا و اٰتینٰہ من الکنوز یعنی مال و دولت اس کی بغاوت کے سبب بنی اور اس کی بغاوت ظاہر ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے احکام شرعیہ ماننے سے انکار کر دیا اور استکبار و عجب میں مبتلا تھا اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت قبول کرنے سے روگردانی کی بلکہ تکبر سے چادر کو ٹخنوں سے نیچے تک کر کے نہایت تکبرانہ طریق سے چلتا تھا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ اس بندے کو نظر لطف و کرم سے نہیں نوازے گا جو تکبر سے اپنی چادر کھینچ کر چلتا ہے اور قارون فقراء پر پھبتیاں اڑاتا تھا اور اُن کے حقوق سے انہیں محروم رکھتا تھا۔

حدیث شریف: اس سے پہلے فقراء کی امداد کرو جبکہ ان کے ہاں دولت کی فراوانی ہو۔

فائدہ: یعنی قیامت میں فقراء کو دنیا و دولت سے بھرپور کیا جائے گا یہاں تک کہ اُن کی دولت اُن لوگوں پر اثر ڈالے گی جنہوں نے انہیں دنیا میں ایک دو لقموں سے مدد کی ہوگی یا پانی ایک دو گھونٹ پلائے ہوں گے اور نئی پوشاک کی تو بات ہی کیا انہیں اگرچہ پھٹے کپڑے دیئے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ تو وہ فقراء اپنے معاونین کے ہاتھ پکڑ کر انہیں بہشت میں لے جائیں گے۔

قارون کی بغاوت کا آغاز

احادیث میں ہے کہ قارون کی سب سے پہلی بغاوت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف حکم نازل فرمایا کہ آپ بنی اسرائیل کو حکم فرمائیں کہ وہ اپنی چادروں میں چار چار سبز تاگے باندھیں اور ہر تاگے کے آخری حصہ کو آسمانی رنگ سے رنگا جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا الٰہ العالمین اس میں کیا حکمت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب یہ نیلے تاگے دیکھیں گے تو انہیں میرے کلام کے نزول اور آسمان کی بات یاد آ جائے گی پھر وہ اسے میرا کلام سمجھ کر اس پر عمل بھی کریں گے

marfat.com

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی آپ انہیں تو یوں نہیں حکم فرماتے کہ وہ اپنی چادروں کے رنگ سبز تیار کریں اس لیے کہ وہ چادروں میں دھاگے باندھنے سے نفرت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام میرا چھوٹا حکم بھی بڑا ہے۔ اگر وہ چھوٹے حکم پر عمل نہیں کریں گے تو پھر وہ بڑے حکم کو بھی نہیں مانیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا حکم مذکورہ تمام بنی اسرائیل کو سنایا تو سب نے سرِ تسلیم خم کیا لیکن قارون نے انکار کر دیا اور کہا یہ تو آقا اپنے غلاموں سے چادروں میں دھاگے بندھواتے ہیں تاکہ غلام وغیر غلام میں امتیاز ہو اور میں کسی کا غلام تو نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے کسی کی غلامی منظور ہے۔ قارون کی یہی پہلی بغاوت ہے۔

قارون نے حضرت ہارون علیہ السلام پر حسد کیا

مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا کو عبور کر لیا تو حبورۃ القربان کی ڈیوٹی حضرت ہارون علیہ السلام کے سپرد کی اور حبورۃ القربان سے مذبح کی ریاست مراد ہے اور مذبح کی ریاست یوں تھی کہ بنی اسرائیل جتنی قربانیاں پیش کرتے تھے وہ پہلے ہارون علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کرتے تاکہ وہ پہاڑ پر رکھیں اور انہیں آگ آسمانی جلا جائے (کذا فی کشف الاسرار) اس پر قارون بگڑ گیا اور حسد کے طور پر کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام رسالت آپ نے سنبھال رکھی ہے اور ریاست المذبح اپنے بھائی ہارون کو دے دی اور میں ویسے کا ویسا رہ گیا حالانکہ بنی اسرائیل میں تورات کا سب سے بڑا قاری ہوں۔ اور میں اس پر صبر نہیں کروں گا ورنہ مجھے بھی کوئی عہدہ دیجئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں نے ہارون علیہ السلام کو از خود تو کوئی عہدہ نہیں دیا یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے جسے وہ چاہے عطا فرمائے قارون نے کہا میں آپ کی بات نہیں مانتا یہاں تک کہ آپ مجھے کوئی آیت ربانی دکھائیں جس سے مجھے یقین ہو کہ واقعی ہارون علیہ السلام کی ڈیوٹی منجانب اللہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے تمام سرداروں کو فرمایا کہ آپ لوگ اپنے عصا (ڈنڈے) اس قبے میں رکھ دو جہاں مجھ پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا فرمان مانا اور ساری رات انتظار کی ——— سویرے دیکھا تو صرف ہارون علیہ السلام کا عصا مبارک سبز رنگ کا تھا یعنی اس کی سبزی سبز پتے کی طرح تھی اور وہ ان کا عصا شجرۂ لوز کا تھا۔ قارون نے یہ عجوبہ دیکھ کر کہا کہ اس سے بڑھ کر جادو اور کیا ہو سکتا ہے۔ قارون کی بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام مع اپنے جملہ متبعین قارون سے علیحدہ ہو گئے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جدا ہو گیا اس کے ساتھ چند اور بنی اسرائیل بھی تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رشتہ داری کی وجہ سے اس کے لیے بڑی جدوجہد کی لیکن وہ الٹا تجبر و تکبر اور عناد و بغاوت اور بغض و عداوت میں اور بڑھتا گیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی ایذا رسانی کے درپے ہو گیا۔

وَاٰتَیْنٰہُ مِنَ الْکُنُوْزِ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو خزانے دیئے اور ذخیرۂ اموال اسے حاصل ہوا۔

marfat.ocm

فائدہ: امام راغب نے فرمایا کہ الکنز بمعنی بکثرت مال کہ ڈھیروں کے ڈھیر اوپر تلے مال ہی ہو) کو جمع کر کے رکھنا۔ یہ کنزت التمر فی الوعاء سے ہے۔ یعنی میں نے کھجور کو برتن میں جمع کر کے رکھ دیا۔

فائدہ: الرکاز وہ مال جو زمین میں مرکوز ہو پیدائشی طور پر یا اسے انسان خود زمین میں چھپا کر رکھ دے۔ المعدن وہ جو پیدائشی طور پر زمین میں ہو۔ الکنز وہ جو انسان چھپا کر رکھے۔ مَا موصولہ ہے بمعنی الذی۔ ان مفاتحہ۔ المفتح بالکسر کی جمع ہے وہ شے کہ جس سے کوئی شے کھولی جائے یعنی قارون کے وہ خزانے کہ جس کی صندوق کی چابیاں لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ یہ ان کی خبر اور مَا موصولہ کا صلہ اور اٰتینا کا مفعول ثانی ہے۔

حل لغات:

نا ء بہ الحمل۔ یہ اہل عرب اس وقت بولتے ہیں بوجھل شے کو جب کوئی اٹھائے تو جھکاؤ کے بغیر نہ اٹھا سکے۔

العصبۃ والعصابۃ بمعنی جماعت کثیرہ۔ المفردات میں ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں جماعۃ متعصبۃ یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ ایک دوسرے کے معین و مددگار ہوں۔

قارون کے خزانے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ عصبہ سے قارون کے وہ چالیس نوجوان مراد ہیں جو قارون کے خزانوں کی چابیوں کو محفوظ رکھتے تھے اور اس کے کل خزانے چار لاکھ تھے اور ہر محافظ کے ہاں دس ہزار چابیاں ہوتی تھیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ چابیاں اتنا بوجھل تھیں کہ محافظ کو اٹھاتے وقت ٹیڑھا کر دیتی تھیں یعنی ان کا اٹھانا محافظین کے لیے بار گراں تھا باوجودیکہ وہ محافظین بہت بڑے طاقتور تھے۔

انجیل میں لکھا ہے کہ قارون کے خزانوں کی چابیاں ساٹھ خچر اٹھاتے تھے اور ہر چابی انگلی سے بڑی نہ ہوتی تھی اور ایک چابی مستقل طور پر ایک خزانہ کے لیے تھی اور یہ بھی ہے کہ قارون جہاں جاتا تھا اپنی چابیاں ساتھ لے جاتا تھا پہلے لوہے کی تھیں جب بوجھ محسوس کیا تو پھر لکڑی کی بنوائیں ان سے بوجھ محسوس کیا تو پھر نیل گائے کے چمڑے کی بنوائیں۔ لیکن ان کا طول بھی انگلی سے زائد نہیں تھا۔

اذ قال لہ قومہ۔ یہ تنوء سے منصوب ہے یعنی جب اسے موسیٰ علیہ السلام اور دیگر بنی اسرائیل نے بطور نصیحت کہا۔ بعض نے لکھا کہ اس سے صرف موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ لا تفرح۔ مال دنیا سے خوشی نہ کر۔ الفرح بمعنی لذت عاجلہ سے سینہ کا انشراح اور اس کا اکثر استعمال لذات دنیویہ بدنیہ میں ہوتا ہے۔

مسئلہ: دنیا میں مطلقاً خوشی مذموم ہے اس لیے کہ اس سے نتیجہ نکلے گا کہ انسان کو دنیا سے محبت ہے اور وہ صرف اسی کو پسند کرتا ہے اور اسے اس سے کوچ کرنے کا تصور دل سے اٹھ گیا ہے۔ اور جب اسے معلوم

marfat.com

ہوگا کہ یہ راحت و فرحت تو مجھ سے جُدا ہو گئی تو اسے لازماً غم والم لاحق ہوگا۔ اسی لیے باری تعالیٰ نے فرمایا لکی لا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اٰتاکم۔ اس لیے کہ غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ سے جائے اور خوش نہ ہو اس پر جو تمہیں عطا ہوا۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے صرف دو مقام پر خوش ہونے کی اجازت بخشی ہے۔

۱۔ قل بفضل اللہ وبرحمۃ فبذٰلک فلیفرحوا۔ فرمایئے اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے ہی خوش ہو۔

۲۔ ویومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ۔ اور اس دن اللہ کی فتح و نصرت سے اہلِ ایمان خوش ہوں گے۔ (اس کی تفسیر سورۂ روم میں آتی ہے (انشاء اللہ تعالیٰ)

ربط: قارون کو خوشی نہ کرنے کی نہی کی علت بتائی کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتا ہے۔ کما قال ان اللہ لا یحب الفرحین۔ بیشک اللہ تعالیٰ دنیا کے نقش و نگار پر اترانے والوں سے خوش نہیں۔ اس لیے کہ دنیا اللہ تعالیٰ کی مبغوض و مقہور ہے۔ ؎

دنیائے دنی چیست سرائے ستمے
افگندہ ہزار کشتہ در ہر قدمے
گر دست دہد گدائے شادی کند
ور رفت شود نیز ندید غمے

ترجمہ: "دنیا کمینی کیا ہے؟ یہ ظلم و ستم کا گھر ہے اپنے ہر قدم ہزاروں کو قتل کرکے رکھ دیتی ہے۔ اگر کسی گدا کو مل جاتی ہے تو وہ اس سے خوش ہوتی ہے۔ اگر اس سے کم ہو جائے تو اس کا غم بڑھا کر گر جاتی ہے۔"

فائدہ: اللہ تعالیٰ اس بندے سے خوش ہوتا ہے جو عبودیت پر قائم رہے اور سعادتِ اُخرویہ کا طالب ہو۔

وابتغ فیما اٰتاک اللہ اور جو مال و دولت تمہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اس سے طلب کر فیما اٰتاک الخ کے بجائے بما اٰتاک اللہ اس لیے نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کے مال کی ضرورت نہیں بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ جب بندے کو مال حاصل ہو تو وہ اس سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرے۔ (کذا فی کشف الاسرار)

الدار الاٰخرۃ دار آخرت سے ثواب مراد ہے یعنی مال و دولت کو ایسی جگہ خرچ کرے جو اس کی نجات کا موجب ہے۔ مثلاً فقراء کی امداد اور صلہ رحمی اور غلام آزاد کرانا۔ اسی طرح جملہ کارِ خیر ؎

شعر اگلے صفحہ پر

لہ اس سے ذکر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مراد ہے تفصیل فقیر کے رسالہ " غوث العباد فی اثبات المیلاد " میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ۔

marfat.ocm

بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری

بخر جان من ورنہ حسرت خوری

ترجمہ:۔ "دنیا سے آخرت خریدی جا سکتی ہے اور تم خرید لو ورنہ حسرت کرو گے۔"

ولا تنس۔ اور بھولی بھلائی شے کی طرح نہ چھوڑیئے۔ المفردات میں ہے کہ النسیان بمعنی وہ شے جو اس کے ذہن میں ہے اس کے ضبط کو ترک کرنا ضعف قلبی سے یا غفلت سے یا قصد سے یہاں تک کہ قلب سے اس کا ذکر ختم ہو جائے نصیبک من الدنیا اپنا حصہ دنیا سے یعنی اس سے آخرت حاصل کر دیا دنیا کو بقدر کفایت استعمال کر کے باقی کو چھوڑ دو۔

فائدہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اپنی صحت و قوت اور شباب و غنا کو مت بھولو۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔

۱۔ شباب کو بڑھاپے سے۔

۲۔ تندرستی کو بیماری سے۔

۳۔ دولت مندی کو غریبی سے۔

۴۔ فراغت کو مشغولی سے۔

۵۔ حیات کو موت سے۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ مال دنیا سے اپنے حصہ کو مت بھلاؤ یعنی دنیا سے رخصتی کے وقت تجھے صرف ایک کفن نصیب ہوگا اس کے بعد کی زندگی کا فکر کرو۔ اس دنیوی مال و منال اور اسباب و رجاء پہ مغرور نہ ہو۔

گر ملک تو شام تا یمن خواھد بود

و از سرحد روم تا ختن خواہد بود

آں روز کزیں جہاں کنی عزم سفر

ہمراہ تو چند گز کفن خواھد بود

ترجمہ:۔ اگر تیرے قبضہ میں شام و یمن کا ملک ہو اور سرحد روم تک تیری سلطنت ہو۔ جب اس دنیا سے تم رخصت ہوگے تو صرف تیرے ساتھ چند گز کفن ہوگا وہ بھی قسمت میں لکھا ہے ورنہ ہزاروں انسان بے گور و کفن دنیا سے رخصت ہوگئے۔)

marfat.com

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

اگر پہلوانی اگر تیغ زن
نخواہی بدر بردن الا کفن

ترجمہ: "اگر تم پہلوان ہو یا تلوار سے لڑنے والے مجاہد اس دنیا سے صرف ایک کفن لے جاؤ گے۔"

فائدہ: بعض عارفین نے فرمایا کہ انسان کا دنیا سے وہی حصہ ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مجھے تمھاری دنیا سے صرف تین چیزوں کی محبت کا حکم ہے:

۱۔ خوشبو ۲۔ عورتیں ۳۔ نماز سے آنکھوں کی ٹھنڈک

فائدہ: خوشبو اور عورتوں اور نماز سے فرحت قلبی کی وجہ پہلے ہم نے بیان کی ہے۔

واحسن۔ اور اللہ تعالیٰ کے بندوں سے احسان کرو۔ احسن اللہ الیك۔ جیسے تجھ پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا ہے کہ بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

توانگری چو دل دوست کامرانت ہست
بخور ببخش کہ دنیا و آخرت بردی

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے تجھے دولت مندی سے نوازا ہے تو خود کھاؤ اوروں کو کھلاؤ اس طرح سے تم دنیا و آخرت ہر دونوں میں کامیاب رہو گے۔"

اور فرمایا ؎

اگر گنج قارون بچنگ آوری
نماند مگر آنکہ بخشی بری

ترجمہ: "اگر تیرے ہاتھ میں قارون کا خزانہ بھی آجائے تو بھی تیرے قبضہ سے نکل جائے گا۔" تو مرنے کے بعد وہی ساتھ لے جائے گا جو تو نے اللہ تعالیٰ کے راہ میں لٹایا ہے۔"

تفسیر عالمانہ: ولا تبغ الفساد فی الارض۔ اور نہ ہی دنیا میں فساد چاہ اس میں قارون کو اس ظلم و بغاوت سے روکا گیا ہے جو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے خلاف شروع کر رکھا تھا۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ: یہاں پر زمین سے وہ روحانیت مراد ہے جو ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے استعدادِ انسانی سے نوازا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ اس کے ذریعے سے مخالفاتِ شریعت و موافقاتِ طبیعت سے بچو کیونکہ مخالفت شریعت و موافقت طبیعت استعداد انسانی و روحانی کو فاسد کر دیتی ہیں۔

تفسیر عالمانہ: ان اللہ لا یحب المفسدین۔ بیشک اللہ تعالیٰ مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا ان کے برے افعال کی وجہ سے ہاں اللہ تعالیٰ کو مصلحین سے محبت ہے صرف ان کے اعمال صالحہ کی وجہ سے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کو ابدال سے محبت ہے کہ وہ حضرات جہل پر علم کو اور بخل پر سخاوت کو۔ حرص و ہوا پر عصمت کو اور ظلم پر عدالت کو اور گرفت پر نرمی کو اور فساد پر صلاح کو ترجیح دیتے ہیں۔

سبق: انسان جب ابدال کے درجات میں تکمیل پاتا ہے تو پھر احباب کے درجات کو طے کرنے لگتا ہے۔

قال۔ قارون نے نصیحت گروں کو جواب دیتے ہوئے کہا انما اوتیتہ۔ بیشک مجھے یہ مال عطا ہوا ہے۔ علی علم عندی۔ یہ اوتیتہ کی ضمیر مرفوع سے حال ہے یا اوتیتہ کے متعلق ہے اور عندی اس کی صفت ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ مجھے مال عطا ہوا ہے۔ درآنحالیکہ میں اس کا مستحق تھا اس علم کی وجہ سے جو میں نے تورات کو سمجھا اور واقعی وہ بنی اسرائیل میں تورات کا بہت بڑا عالم تھا لیکن اس بدبخت نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور منت و احسان کو نہ دیکھا اسی لیے تباہ و برباد ہوا۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو اپنے علم و فضل پر تکبر کرے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے لطف وکرم کو مدنظر نہ رکھے تو وہ بھی قارون کی طرح تباہ و برباد ہوگا۔ ورنہ قارون کا اور کیا جرم تھا سوائے اس کے کہ وہ علم کے باوجود تکبر و غرور میں مبتلا ہوا۔

حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

مباش غرہ بعلم و عمل فقیہ مدام
کہ ہیچکس ز قضائے خدا جان نبرد

ترجمہ: "اے فقیہ اپنے علم و عمل سے دھوکہ مت کھائیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے کوئی نجات نہیں پاسکتا۔"

حضرت صائب نے فرمایا:

بفکر نیستی ہرگز نمی فتند مغروراں
اگرچہ صورت مقراض لا دارد گریبان ہا

ترجمہ۔ دھوکہ خوردہ لوگوں کو نیستی کا فکر نہ ہو اور نہ مقراض کو دیکھئے کہ اس کی صورت لا کی طرح ہے لیکن کپڑوں کی جان کا دشمن ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ علم سے اس کی تجارت اور زراعت و دیگر کاروبار مراد ہے۔

marfat.com

قارون بڑا عابد وزاہد تھا

منقول ہے کہ قارون چالیس سال پہاڑوں پر عبادت میں مصروف رہا اور تمام بنی اسرائیل سے زہد وعبادت میں بے عدیل تھا۔ ابلیس نے اپنے لشکر کو بھیجا تا کہ اس کے دل میں وسوسہ ڈالیں اور اسے دنیا کی طرف راغب کریں۔ شیطانوں نے بڑی جدوجہد کی لیکن کسی کے قابو میں نہ آسکا بالآخر خود ابلیس کو میدان میں کودنا پڑا۔ ابلیس نے بوڑھے کی شکل اور نہایت عابد وزاہدانہ صورت میں اس کے بالمقابل عبادت میں مشغول ہو گیا۔ ابلیس نے قارون کے سامنے عبادتِ الٰہی کچھ ایسے طریقہ سے کی جس سے قارون نے اپنی عبادت گزاری کو لاشے تصور کیا ابلیس کو اپنے سے بڑا عابد وزاہد سمجھ کر اُٹھا اور اس کے سامنے عجز ونیاز سے پیش آیا اور اپنے آپ کو اس کا خادم تصور

کر لیا اور اس کے ہر حکم کی بجا آوری اپنے لیے سعادت عظمیٰ سمجھتا تھا اور ہر معاملہ میں اس کے اشاروں پر چلتا تھا اس کی رضا کو ایک نعمت تصور کرتا تھا۔ ایک دن ابلیس نے قارون سے کہا کہ ہم نماز باجماعت اور جمعہ کی ادائیگی سے محروم ہیں اور نہ ہی بزرگوں کی زیارت کے لیے کہیں جاتے ہیں اور جنازۂ اہل ایمان کی حاضری بھی نہیں ہوتی۔ اگر ہم گوشۂ تنہائی کو چھوڑ کر عوام میں رہیں تو بہتر ہے۔

ابلیس قارون کو ایسی ٹھنڈی میٹھی باتیں سنا کر پہاڑ سے اُتار کر ایک عبادت خانے میں لے آیا اور عبادت کے لیے ایک جگہ مقرر کر لی۔ جب عوام کو ان دونوں عابدوں کا علم ہوا تو ہر طرف سے عقیدت مند آنے شروع ہو گئے اور نذر ونیاز اور لذیذ کھانے و دیگر لوازمات کے ڈھیر لگا دیئے۔ ابلیس نے ایک دن قارون سے کہا کہ اگر ہم ہفتہ میں ایک دن مزدوری کر لیا کریں تو عوام کی دست نگری کی ضرورت نہ رہے گی اور وہ لوگ بھی ہماری خدمات سے نہیں گھبرائیں گے۔ قارون سرِ تسلیم خم کر کے مزدوری کے لیے بھی تیار ہو گیا چنانچہ جمعہ کے دن مزدوری کرتے اور باقی چھ دن عبادت میں لگے رہتے چند روز کے بعد پھر ابلیس نے قارون سے کہا کہ ہم صدقہ وخیرات کی نیکی سے محروم ہیں۔ اسی لیے چاہیئے کہ ہم ایک دن عبادت کریں اور ایک دن مزدوری۔ پھر ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے باقی تمام مال اللہ تعالیٰ کے نام خرچ کر دیں۔ جب مزدوری سے آمدنی بڑھی تو قارون کے دل میں دنیا و دولت کی محبت گھر کر گئی۔ ابلیس نے جب دیکھا کہ قارون دنیا کی محبت میں گھر گیا ہے تو فوراً اُس سے علیحدگی اختیار کر لی اور کہا کہ میں نے قارون کو پھنسا لیا ہے۔ فلہذا اب وہ جانے اور اس کا کام۔ چنانچہ ایسے ہی قارون دولت کمانے میں مصروف ہو گیا اور مال کی فراوانی سے سرکشی وطغیانی میں گرفتار ہو گیا اور دعویٰ کیا کہ میں نے اپنی علمی تجربہ اور ہنر اور فن تجارت سے مال کمایا ہے۔ اسی لیے تم مجھے نصیحت

marfat.ocm

مت کرو۔

علمِ کیمیا بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے علمِ کیمیا مراد ہے اس لیے کہ یہ علم موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تو انہوں نے اس کا ایک حصہ یوشع بن نون کو اور ایک حصہ کالب بن یوقنا کو اور ایک حصہ قارون کو سکھایا پھر قارون نے چالاکی سے ان دونوں حضرات کو کیمیا کے علم کے دونوں حصے سیکھ لیے۔ اور اس کے ذریعے سے بہت سا مال کمایا یا علم کیمیا قارون نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن کلثوم سے سیکھا اسی سے اس نے دولت کمائی اور اس کی دولت کی مثال تاقیامت قائم رہے گی۔ وہ قلعی۔ تانبا اور سونا چاندی بنا لیتا تھا۔

فائدہ: زجاج نے کہا کہ کیمیا کی کوئی حقیقت نہیں اور کواشی نے لکھا ہے کہ اس علم میں بہت زیادہ جھوٹ کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے۔

صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زجاج کے قول سے یہی مراد موزوں تر ہے اس لیے کہ اس میں اس کی اصل حقیقت کا اعتراف ثابت ہوتا ہے اور واقعی علم کیمیا کی حقیقت حق ہے اس پر بعض انبیاء علیہم السلام اور کاملین اولیاء عمل کرتے رہے اور یہ کوئی محال بھی نہیں اور اجساد کا ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف متبدل ہونا بھی ایک حقیقت ہے اور ہم نے اسے دوسری جگہ پر محقق طور پر لکھا ہے اور میں نے بھی ایسے لوگ دیکھے ہیں جنہوں نے اس فن کو آزمایا۔

ز کرامات بلند اولیاء
اولا شعرست و آخر کیمیا

ترجمہ۔ اولیاء کرام کی اعلیٰ کرامات سے پہلی شعر دوسری کیمیا ہے۔

اولم یعلم۔ کیا قارون کو معلوم نہیں۔ **ان اللہ قد اھلک من قبلہ من القرون**۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بے شمار کافر گروہ تباہ و برباد کیے ہیں۔ **القرون** وہ لوگ جو ایک دوسرے سے زندگیوں میں مقترن ہوں۔ **من ھو اشد منہ قوۃ** جو اس سے ساز و سامان اور گنتی کے لحاظ سے قوی اور سخت تر تھے۔ **واکثر جمعا** اور مال جمع کے لحاظ سے زیادہ تھے جیسے نمرود وغیرہ۔

بعض نے کہا کہ اس سے علم و طاعۃ مراد ہے جیسے ابلیس۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اسے زجر و توبیخ فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ قارون کا دنیا و دولت اور علم و طاعت پر اترانا اور غرور و کبر بے سود ہے اس لیے کہ اس نے تورات میں خود پڑھا ہے کہ اس سے قبل دنیا و دولت اور علم و طاعت میں بڑے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے سرو روگردانی کی تو تباہ و برباد ہوئے فلہذا اسے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے۔

marfat.com

مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم
کہ پیش از تو بودست و بعد از توہم
بگیر عبرت از ما سوائے قرون
خورد ضرب ہر اسپ کہ باشد حرون

ترجمہ: ملک و جاہ و حشم پر تکیہ کر کہ تیرے سے پہلے بھی گزرے ہیں اور تیرے کے بعد بھی گزریں گے۔ دوسرے گروہوں سے ہی تم عبرت حاصل کرو۔ وہی گھوڑا چابک کھاتا ہے جو سرکش ہوتا ہے۔

لا یسئل عن ذنوبھم المجرمون۔ اور مجرموں سے ان کی تباہی کے وقت ان کے گناہوں کے متعلق کوئی سوال نہیں ہوتا کہ وہ معذرت وغیرہ میں مشغول نہ ہو جائیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ ولا یوذن لھم فیعتذرون (کذا فی التاویلات النجمیہ)

فائدہ: حضرت حسن نے فرمایا قیامت کا یہ سوال معلومات کے حصول کے لیے نہیں ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر شے پر مطلع ہے بلکہ یہ سوال زجر و توبیخ کے طور ہوگا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ ان سے یہ سوال ہوگا ہی نہیں بلکہ وہ لوگ فوراً بلاحساب عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ یا یہ معنی ہوگا کہ ان کے متعلق ملائکہ کسی سے سوال نہیں کریں گے کیونکہ فرشتے ان لوگوں کی علامات سے خود بخود پہچان لیں گے۔

فخرج علی قومہ: اس کا عطف قال پر ہے درمیان میں جملہ معترضہ تھا۔

فی زینتہ: یہ خرج کے متعلق ہے یا اس کا متعلق محذوف ہے اور وہ مخرج کے فاعل حال ہے۔ یعنی قارون اپنی قوم میں درحالیکہ وہ زینت میں تھا اس سے دنیوی زینت مراد ہے جیسے مال۔ اسباب اور جاہ و منال وغیرہ۔

حل لغات: اہلِ عرب کہتے ہیں ذانہ کذا و زینہ۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی فعل یا قول سے اپنا حسن ظاہر کرے۔

قارون کا آخری ہار سنگار

منقول ہے کہ قارون ہفتہ کے دن اپنی قوم کے ہاں آیا اور اس کا یہ زندگی کا آخری ہار سنگار تھا۔ اشہب خچر پر سوار تھا اور اس پر ریشمی دوشالہ ڈالا ہوا تھا اور اس کی زینت وغیرہ سونے کی تھی اور ایسے ہی چار ہزار ساتھی تھے بعض نے کہا کہ نوے ہزار ساتھی تھے جو سرخ رنگ کے لباس پہنے ہوئے تھے اور اس سے پہلے کبھی ایسا لباس نہیں دیکھا گیا تھا۔

marfat.ocm

مسئلہ :۔ معصفر یعنی سُرخ رنگ کا لباس مردوں کو پہننا ممنوع ہے۔ اس لیے کہ یہ زینت اور تکبر کا لباس ہے اور اس سے ایسی خوشبو مہکتی ہے جو مردوں کے لائق نہیں۔

فائدہ :۔ عارفین فرماتے ہیں کہ اصل زینت یہ ہے کہ اللہ کی یاد اور اس کے عشق و محبت میں گریہ وزاری اور سجدہ ریزی اور شب خیزی سے چہرہ نورانی ہو جائے۔

فائدہ :۔ حضرت ابن عطاء نے فرمایا کہ میں وہ زینت چاہتا ہوں جو معرفت الٰہی سے انسان مزین ہو جاتا ہے اور مجھے وہ زینت مطلوب نہیں جو عارفین کے درجات سے گرادے اور عارفین کے درجات طاعت الٰہی سے نصیب ہوتے ہیں اور جو دنیا کے اسباب سے مزین ہونا چاہتا ہے وہ فریب خوردہ ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

قلندران حقیقت بہ نیم جو نخرند

قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ :۔ حقیقت شناس لوگ آدھے جو سے بھی نہیں خریدتے اس شخص کی قبا جو ہنر (عارفان) سے خالی ہو۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

افتخار از رنگ و بو واز مکان

ہست شادی و فریب کودکاں

ترجمہ :۔ رنگ و بو اور مکان پر فخر کرنا یہ بچوں کی شادی اور فریب ہے۔

حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

ہمچو طفلاں منگر اندر سرخ و زرد

چون زنان مغرور رنگ و بو نگرد

ترجمہ :۔ بچوں کی طرح سرخ و زرد کو نہ دیکھ۔ عورتوں کی طرح رنگ و بو کا فریب خوردہ نہ ہو۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کرا جامہ پاکست و سیرۃ پلید

در دوزخش را نباید کلید

ترجمہ :۔ جس کا کپڑا تو پاک ہے لیکن اس کی عادت پلید ہے اسے دوزخ کے لیے چابی کی ضرورت نہیں۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

وصلش مجو در اطلس شاہی کہ دوخت عشق

این جامہ بر تنے کہ نہاں زیر زندہ بود

marfat.com

ترجمہ: "عشق الٰہی اور پھر اطلس شاہی اس سے وصالِ الٰہی مشکل ہے۔ اسے یوں سمجھو کہ زندہ آدمی نے اپنے نیچے کپڑے پہنے ہوں۔"

قال الذین یریدون الحیوٰۃ الدنیا ۔ کہا ان لوگوں نے جو حیوٰۃ دنیا کا ارادہ رکھتے تھے جیسا کہ انسانی فطرت ہے کہ انسان اپنی بشریت کے تقاضا پر دنیا کی فراوانی اور وسعت چاہتا ہے۔ **یالیت لنا مثل ما اوتی قارون** ۔ کاش ہمارا بھی ایسا مال ہوتا جیسے قارون کو دیا گیا ہے۔ بعض نے اس کا معنیٰ کیا کہ اے میری آرزو آجا یہی تیرے آنے کا وقت ہے۔

نکتہ: اس کی مثل دنیا کی تمنا کی تا کہ حسد کا ابہام نہ ہو اس لیے کہ وہ مومن تھے اور مومن کسی پر حسد نہیں کرتا۔ **انہ لذو احظ عظیم** ۔ بیشک وہ دنیا میں وافر حصّہ والا تھا۔

حل لغات: راغب حظ اس نصیب کو کہتے ہیں جو انسان کے مقدور میں ہو یہی اُن کی تمنا کا خلاصہ اور ان کے نصیب کی تاکید ہے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اس آیت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومن کو لازم ہے کہ وہ ایسی آرزو نہ کرے جو اس کی گمراہی کا سبب بنے اور کثرت مال و اسباب گمراہی کا بہت بڑا سبب ہے۔ کما قال **ان الانسان لیطغی ان راٰہ استغنیٰ** ۔ یعنی انسان سرکشی کرتا ہے جبکہ غنا پاتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ بندے کو اتنا مال دیا جائے جو اس کی کفایت کرے اور زندگی بسر کر سکے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اے اللہ آل محمد کا رزق اتنا مقرر فرما جو اُن کی زندگی کو کفایت کرے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی۔ اے اللہ جو مجھ سے محبت کرتا ہے اسے پاک دامنی اور بہ کفایت مال عطا فرما اور جو مجھ سے بغض رکھتا ہے اسے بکثرت مال و اولاد دے۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ: "مبارک ہو اسے جو اسلام سے نوازا گیا اور اس کی زندگی کفایت شعار اور اسے دولت قناعت نصیب ہو۔"

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

گنج زرگر نبود گنج قناعت باقیست
آنکہ آں زر داد بشاہاں بگدایاں ایں داد

ترجمہ: اگر زر کا خزانہ نہ ہو قناعت کا خزانہ تو ہے۔ اس کریم نے بادشاہوں کو زر دی اور گداؤں کو قناعت بخشی۔

اور فرمایا ؎

marfat.ocm

ہمائے چون تو عالی قدر حرص استخوان حیفست
دریغا سایۂ ہمت کہ بر نا اہل افگندی

ترجمہ:۔ اے ہما تیرے جیسا عالی قدر کون لیکن جب تجھے حرص ہو تو افسوس اور ہما پر افسوس ہے کہ اُس نے اپنا سایہ نا اہل پر ڈالا۔

دریں بازار اگر سودیست با درویش خرسندست
الٰہی منعم گردان بدرویشی وخرسندی

ترجمہ:۔ اس بازار کا نفع اور خوشی صرف درویش کو ہے اے اللہ منعم بنا اور درویشی و خرسندی بھی عطا فرما۔

مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ہر سفلہ پے بگنج قناعت کجا برد
ایں نقد در خزینہ ارباب ہمتست

ترجمہ:۔ نا اہل قناعت کو کب اختیار کرتا ہے یہ نقد تو درویشوں کے خزانے میں ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نیرزد عسل جان من زخم نیش
قناعت نکوتر بدوشاب خویش

ترجمہ:۔ زخم نیش کھا کر شہد حاصل کرنا اچھا نہیں قناعت اچھی شے ہے اسے اپنے کاندھوں پر ڈال دے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بنی اسرائیل نے دنیا کی زینت کو نہ دیکھا لیکن اس کے کمینہ پن اور اس کی خساست کو نہ دیکھا اور وہ ذلیل ہونے کے علاوہ قلیل متاع والی بھی ہے وہ اس لیے کہ اُنھوں نے ظلمات صفات نفس کے پیدا شدہ دنیا اور اس کی زینت کے بچے کے لذیذ گوشت کی غذا ہوئی تھی۔ اسی لیے اُنھوں نے دنیا اور اُس کی زینت کو صفات ظلمات نفس دیکھتے تھے حالانکہ اس سے قبل وہ نور صفات قلب سے دیکھتے تھے اور ان کی نظروں میں آخرت کی عزت زیادہ تھی اور اس کی عظمت کے قائل تھے اور دنیا کی خستہ و ذلت سے بھی واقف تھے۔ اور قاعدہ ہے کہ رضاع طبائع کو تبدیل کر دیتا ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ وقال الذین اوتوا العلم : اور وہ لوگ جو آخرت کا علم رکھتے تھے اور دنیا کی ذلت و خساست سے واقف تھے۔ اُنھوں نے آرزو کرتے ہوئے کہا ویلکم اے دنیا کے طالبو! تم پر خرابی ہو یہ ہلاکت کی دعا کے وقت بولتے ہیں یعنی تم پر اللہ تعالیٰ عذاب

لازم کرے۔ اس لفظ کو پسندیدہ اُمور سے روکنے کے لیے زجر و توبیخ کے طور پر بولتے ہیں۔ اس کی تحقیق سورۃ طٰہٰ میں گزری ہے۔ ثواب اللہ۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا ثواب۔ خیر۔ تمہاری آرزو سے بہتر ہے۔ لمن امن و عمل صالحا اس کے لیے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔ فلہٰذا تمہارے لیے لائق نہیں کہ تم ایسی آرزو کرو جو ثواب و نعمت الٰہی کو کفایت نہ کرے۔ ولا یلقاھا۔ اور اس کی توفیق نہیں دیا جائے گا۔ (کذا فی الجلالین) اور کرامت سے ثواب وجنۃ مراد ہے۔ بنی اسرائیل کے علماء کی عبارت کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر ولقاھم نضرۃ وسرورا سے تعبیر فرمایا ہے اور لا یلقا بمعنی لایعطی ہے۔ لقی بمعنی اعطی ہے۔ اس کا معنیٰ استقبال بھی آیا ہے جیسے کہا جاتا ہے لقیتہ بمعنی استقبلتہ اور تلقیہ بمعنی تلقین بھی آیا ہے یعنی دل اور زبان سے دنیا کی نفرت اور کسی کو نہیں۔ الا الصابرون۔ مگر ان لوگوں کو طاعات پر اور زینت و شہوت سے صبر کرتے ہیں۔ ؎

اہل صبر از جملہ عالم بر ترانند
صابراں اوج گردوں بگذرند
ہر کہ کارد تخم صبر اندر جہان
بدرود محصول عیش صابراں

ترجمہ: اہل صبر جملہ عالم سے برتر نہیں صابر لوگ گردش آسمان سے دور ہیں وہ جو کچھ صبر کا بیج بوتا ہے وہی آخرت میں بہتر عیش حاصل کرے گا۔

تفسیر عالمانہ: فخسفنا به و بدارہ الارض

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں خسف المکان یخسف خسوفا۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی زمین میں دھنس جائے۔ (کذا فی القاموس) اور کہتے ہیں خسف القمر یعنی چاند کی روشنی زائل ہو گئی اور کہا جاتا ہے عین فاسفۃ یہ اُس وقت کہتے ہیں جب اس کی تیزی غائب ہو جائے۔ اور یہ بار تعدیہ کی ہے اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے قارون اور اُس کی بلڈنگ کو زمین میں دھنسا دیا۔

قارون زمین میں دھنس گیا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہُوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو فرمایا کہ ایک ہزار دینار سے ایک دینار اور ایک ہزار درہم سے ایک درہم اور ایک ہزار بکری سے

marfat.ocm

ایک بکری زکوٰۃ حصہ دے اور یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اس وقت زکوٰۃ کا دسواں حصہ ادا کرنا واجب تھا۔ مال کی چوتھائی زکوٰۃ دینے والا قول غلط ہے۔ قارون نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زکوٰۃ کا حکم سنا تو اپنی جائیداد کا حساب کیا تو بہت سا مال زکوٰۃ میں ادا کرنا پڑتا۔ بخل و حرص و ہوا نے قارون کو ادائیگی زکوٰۃ سے روکا۔ اس پر قارون نے بنی اسرائیل کو بلا کر کہا کہ تم نے موسیٰ علیہ السلام کے ہر حکم کی اطاعت کی تو اب وہ تمہارے مال پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا تو ہمارا بڑا ہے تو جو حکم دے گا ہم پورا کریں گے قارون نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کو برسرِ اجلاس رسوا کیا جائے پھر رسوائی سے نہ وہ کسی سے بات کر سکیں گے نہ ہی اسے کوئی منہ لگائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ فلاں رنڈی کو میری طرف سے بہت بڑے انعام کا لالچ دو تاکہ وہ برسرِ اجلاس حضرت موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگا دے۔ جب وہ مان جائے اور ایسے ہی کہہ دے جیسے میرا خیال تو موسیٰ علیہ السلام کو تمام لوگ چھوڑ دیں گے اور وہ اکیلے رہ جائیں گے۔ اسی رنڈی کو بلایا گیا اور اسے ایک ہزار دینار اور سونے کے تھال کا لالچ دیا گیا اور کہا گیا کہ کل جب بنی اسرائیل عید کے اجتماع میں جمع ہوں تو ایسے ہی کہہ دینا بات طے ہو گئی۔ چنانچہ کل عید کا دن تھا۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اجتماع میں تقریر فرما رہے تھے اور فرمایا کہ جو چوری کرے گا ہم اس کے ہاتھ کاٹیں گے اور جو زنا کرے گا اور اگر شادی شدہ ہو تو ہم اسے درے ماریں گے اور اگر غیر شادی شدہ زنا کرے تو ہم اسے سنگسار کریں گے۔ اس پر قارون بولا کہ اگر آپ بھی زنا کریں (معاذ اللہ) تب بھی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگرچہ میں خود بھی۔ اُس نے کہا بنی اسرائیل کا خیال ہے کہ آپ نے (معاذ اللہ) فلاں رنڈی سے زنا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے لاؤ۔ رنڈی کو بلایا گیا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ تجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے دریا کو چیرا اور تورات نازل فرمائی یہاں بھرے مجمع میں سچی بات کہہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے رنڈی کے دل پر ہیبت ڈال دی اور اسے سچ بولنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اُس نے کہا اے کلیم اللہ (علیہ السلام) قارون نے مجھے لالچ دے کر کہا کہ میں آپ پر بہتان لگاؤں اور جھوٹا دعویٰ کروں۔ اگرچہ میں گنہ گار ہوں لیکن میں کون لگتی ہوں کہ آپ پر افترا کروں۔ یقیناً آپ زنا سے پاک ہیں۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے شکرانے کا سجدہ کیا۔ روتے ہوئے بارگاہِ حق میں قارون کا شکوہ کیا اور فرمایا کہ اے اللہ اگر میں تیرا رسول ہوں تو میری وجہ سے قارون کو گرفت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی اور فرمایا اے موسیٰ (علیہ السلام) میں نے زمین کو حکم فرمایا ہے کہ وہ آپ کا فرمان مانے۔ آپ اسے جو کچھ فرمائیں گے وہ آپ کی اطاعت کرے گی۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے بنی اسرائیل جیسے مجھے اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ اب تم نے قارون کی شرارت آنکھوں سے ملاحظہ کی۔ چاہو تو میرے ساتھ چلے جاؤ۔ سب کے سب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو گئے۔ صرف دو مرد قارون کے ساتھ ہوئے۔ آپ نے قارون کو فرمایا اے بدبخت تو نے میری رسوائی کے لیے مجمع عام میں ایک عورت کو غلط بیانی پر مجبور کیا۔ اب دیکھ لے تیرا کیا حشر ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے زمین کو فرمایا کہ اے زمین قارون اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ لے۔ چنانچہ زمین نے انہیں گھٹنوں تک دھنسا دیا۔ قارون اور

marfat.com

اُس کے ساتھیوں نے عجز و زاری کی اور امان چاہی لیکن موسیٰ علیہ السلام نے کوئی توجہ نہ دی۔ پھر فرمایا اے زمین انھیں پکڑلے۔ زمین نے گھٹنوں تک دھنسا دیا۔ قارون اور اس کے ساتھی روئے لیکن موسیٰ علیہ السلام سخت غضب ناک تھے پھر فرمایا اے زمین انہیں پکڑلے۔ پھر زمین نے انہیں سینہ تک پھر گردن تک۔ اُس وقت قارون نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ کو اللہ تعالیٰ اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں مجھے معاف کیجئے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک نہ سنی۔ بالآخر زمین نے ان تینوں کو نگل لیا۔

آں را کہ زمین کشد چوں قارون
نے موسیٰ آورد بروں نے ہارون
فاسد شدہ را روز گار اہ دوں!!
لا یمکن ان یصلحہ العطارون

ترجمہ:۔ جسے زمین قارون کی طرح دھنسائے اسے نہ موسیٰ علیہ السلام باہر نکال سکتے ہیں نہ ہارون علیہ السلام۔ اور وہ تیل جو خراب ہو جائے اسے عطار اچھا نہیں کر سکتے۔

مہربان رب

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا جب آپ سے قارون فریاد کر رہا تھا تو آپ نے اس پر رحم فرمایا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم اگر وہ مجھ سے فریاد کرتا تو میں اُس کی ضرور امداد کرتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یا الہ العالمین میں نے تیرے غضب کی وجہ سے اس کے ساتھ ایسا کیا۔

قارون قیامت تک دھنسا جا رہا ہے

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب سے وہ زمین دھنسایا گیا۔ روزانہ انسانی قامت کے برابر نیچے دھنسایا جاتا ہے اور قیامت تک دھنستا ہوا آخری سطح تک پہنچے گا۔ صاحب لباب نے لکھا کہ انسانی قامت کے برابر روزانہ دھنسا جاتا ہے۔ نفخ صور کے وقت آخری زمین کی آخری سطح کو پہنچے گا۔

موسیٰ علیہ السّلام کے اَدب سے قارون کو ایک عذاب سے نجات ملی

کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ قارون روزانہ ایک قد کے برابر روزانہ زمین میں دھنسایا جاتا ہے حسن اتفاق سے جب یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں دریا کی نچلی سطح پر پہنچے تو قارون اسی سطح پر موجود تھا تو حضرت یونس علیہ السلام سے پوچھا کہ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام کا کیا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس روز سے قارون کو دھنسانے سے

marfat.ocm

روک دیا صرف اسی لیے کہ اُس نے موسیٰ علیہ السلام کی عزت و حرمت کا اظہار اور صلہ رحمی کا ثبوت دیا۔

قارون کے خزانے

جب قارون زمین میں دھنسایا گیا تو بنی اسرائیل کے چند نالائقوں نے کہا کہ قارون کو زمین میں دھنسا کر موسیٰ علیہ السلام قارون کی جائداد پر قابض ہونا چاہتے ہیں اور پھر مزے اڑائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے دُعا مانگی کہ قارون کے خزانے اور اس کی جملہ جائیداد دھنس جائے چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا۔

گنج قارون کہ فرو میرود از قہر ہنوز
خوانده باشی کہ ہم از غیرت درویشانست

ترجمہ۔ قارون کا خزانہ تا حال زمین میں دھنسا جا رہا ہے تم نے کتابوں میں پڑھا ہوگا تو یہ بھی اللہ والوں کی ناراضگی کا نتیجہ ہے۔

اور فرمایا۔

احوال گنج قارون کایام داد برباد
باغنچہ باز گویند تا زر نہاں ندارد

ترجمہ:۔ قارون کے خزانے برباد ہوئے غنچے کو کہہ دو کہ وہ اپنی دولت چھپائے نہ رکھے۔

اور فرمایا۔

توانگرا دل درویش خود بدست آورد
کہ مخزون زر و گنج درم نخواہد ماند

ترجمہ:۔ اے دولت مند درویش کا دل خوش رکھ اس لیے کہ زر دولت اور خزانے ہمیشہ ساتھ نہیں رہیں گے۔

اولیاءِ کرام کے گستاخ کی سزا

بعض مفسرین نے فرمایا کہ قارون نے فضل الٰہی کو بھلا کر اپنے لیے علم و فضل کا دعویٰ کیا۔ اسی لیے اسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسا دیا۔ ایسے ہی انسان سے کسی کوتاہی کی وجہ سے اسرار و رموز چھن جاتے ہیں جن کا اسے علم نہیں ہوتا اور خسف الاسرار کا معنیٰ یہ ہے کہ بندے سے عصمتِ الٰہی چھین لی جاتی ہے اور اسے اس کے اپنے نفس کے حوالے کیا جاتا ہے اور وہ اپنے فرضی دعاوی میں لاف گزاف مارتا ہے اور فضل الٰہی پہ اس کی نگاہ نہیں پڑتی اور شکرِ خدا کی بجا آوری سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس وقت سے اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قارون نے ایسے ہی کیا تو مارا گیا

marfat.com

ایسے ہی وہ تباہ و برباد ہوا جو اولیاء اللہ سے بغاوت اور ان کے بالمقابل تباہ و برباد ہوا جو ان کا مقابلہ کرتا ہے اور تکبر اور غرور کی شیخیاں بکھیرتا ہے۔ تو وہ اولیاء کی نگاہ و قلب سے گر جاتا ہے جب اولیاء کرام کی نگاہ و قلب سے گرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نظر و کرم کے لائق نہیں رہتا اور ایسے گستاخ اور بے ادب کے قلوب سے انوار و اسرار چھین لیے جاتے ہیں اسی لیے وہ بدبخت نہ ادھر کا رہتا ہے نہ ادھر کا۔ (نعوذ باللہ سبحانہٗ)

فما کان لہ۔ تو قارون کے ہاں نہ تھی۔ من فئۃ۔ کوئی جماعت۔ امام راغب نے کہا الفئۃ۔ وہ جماعت جو ایک دوسری کی معین و مددگار ہو جو بوقت ضرورت ایک دوسرے کی طرف رجوع کریں۔ یہ "فاء" سے ہے بمعنی رجع۔ ینصرونہ۔ جو اسے دھنسنے اور دفع عذاب کی مدد کرتی۔ من دون اللہ۔ درآنحالیکہ وہ نصرت الٰہی سے تجاوز کرنے والے ہوں۔ وما کان من المنتصرین اور وہ کسی وجہ سے بھی بدلہ لینے والوں میں سے نہ تھے۔ یہ نصرہ من عدوہ فانتصر سے ہے بمعنی منعہ فامتنع۔ (واصبح) اور ہو گئے وہ الذین تمنوا۔ جنہوں نے آرزو کی تھی۔ تمنّی بمعنی کسی شے کا دل میں تصور جمانا اور مقدر کرنا۔ اکثر اس کی استعمال ایسی آرزو پر ہوتی ہے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو اور الامنیۃ بمعنی وہ صورتیں جو دل میں ہوں یہ تمنی الشیٔ سے ہے۔ مکانہ اس کے مرتبہ و جاہ کی۔ بالامس۔ وہ وقت جو حالیہ زمانہ سے پہلے گزرا ہو۔ یہاں "کل گزشتہ کا دن مراد نہیں۔ بطریق استعارہ قریب کا گزرا ہوا زمانہ مراد لیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا حقیقی معنی (کل گزشتہ دن) ہے۔ یقولون ویکان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء من عبادہ و یقدر کہتے تھے۔ تعجب ہے اللہ تعالیٰ رزق بڑھاتا ہے اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ فرماتا ہے۔

حل لغات: یقدر بمعنی یضیق اہل عرب کہتے ہیں قدر علی عیالہ (بالتخفیف) بمعنی قتر یعنی فلاں نے اپنے اہل و عیال کو روزی کی تنگی دی یعنی بندوں کے رزق کی وسعت اور تنگی محض اس کی مشیت و حکمت پر مبنی ہے نہ کسی کرامت سے رزق میں وسعت ہوتی ہے نہ کسی کی ذلت سے۔

تحقیق ویکأنّ

بصریون کے نزدیک یہ لفظ وَیْ اور کَأَنَّ سے مرکب ہے لفظ وَیْ تعجب کا ہے۔ کسی سے تعجب اور اس پر ترحم کے طور پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے وَیْ لِمَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ۔ اے فلاں یہ تو نے کیا کیا چنانچہ راغب نے فرمایا کہ یہ کلمہ تحسّر و تندم و تعجب کے وقت مستعمل ہوتا ہے۔ وَیْ لِعَبْدِ اللہ اور کَأَنَّ تشبیہ کے لیے ہے اور کیسا ہی عجب امر ہے کہ اللہ تعالیٰ رزق وسیع اور تنگ کرتا ہے اور کوفیوں کے نزدیک ویکأن ویلك سے بمعنی ویلكَ ہے اور اس کے ساتھ اَنَّ ملایا گیا ہے۔ ویلك کے بعد لفظ اَعْلَمْ محذوف

marfat.ocm

ہے اب عبارت یوں ہوگی۔ ویک اعلم ان اللہ الخ جان لے کہ بیشک اللہ تعالیٰ الخ اور اس کا استعمال تنبیہ علی الخطاء اور تندم پر بھی آتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اپنی آرزو پر متنبہ ہو کر نادم ہوئے۔ لو ان من اللہ علینا۔ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان و انعام نہ فرماتا یعنی وہ ہماری آرزو پوری کرتا اور جو کچھ ہم نے دنیا کی آرزو کی تھی اس کے مطابق عمل در آمد فرماتا لخسف بنا تو وہ ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا جیسے قارون کو دھنسا دیا کیونکہ وہ کبر و عزور و بغاوت و دیگر تباہی و ہلاکت کے اسباب جو قارون میں تھے وہی ہم میں بھی ہیں۔ و یکانہ لا یفلح الکفرون اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ناشکری کرنے والوں کو کوئی کامیابی نہیں اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پاسکیں گے یا الکافرون سے رسل کرام اور اُن کے لائے ہوئے احکام کی تکذیب کرنے والے اور احکام پر عمل کرنے کے ثواب سے انکار کرنے والے مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ دنیا کی محبت نے قارون کو مال جمع کرنے پر اُکسایا اور مال جمع کرنے اور اسے بغاوت پر برانگیختہ کر گیا اور کثرت مال و منال اس کی ہلاکت و تباہی کا موجب بنی۔

حدیث شریف میں ہے حُبّ دنیا ہر برائی کی جڑ ہے۔

فائدہ: بلکہ ہر فتنہ و فساد حب دنیا سے جنم لیتا ہے اس لیے کہ جو اللہ تعالیٰ کا محب ہے وہ دنیا کی محبت میں گرفتار نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ دنیا آنی جانی شے ہے بلکہ اس کا بچھونا بہت جلد لپیٹ لیا جائے گا اور اس کی چراگاہ آوارہ لوگوں کی لاف گاہ ہے بلکہ خطرے سے بے خوف و خطر لوگوں کی جلسہ گاہ اور دولت سمیٹنے والوں کا سرمایہ اور بدبختوں کی معشوق اور نااہلوں کی نظر کا مرکز اور خسیس لوگوں کا قبلہ اور دوست بے وفا اور دایہ بے مہر و محبت اور جمال بے نقاب دنیا کے چند دوستوں اور عاشقوں کو اس نے خاک میں ملا کر رکھ دیا۔ نقش و نگار کو دیکھو تو آنکھ جھپکنے سے پہلے پھنسائے اور شکار کرنے کو آئے تو گھر بیٹھے دام کے بغیر گرفتار کرے تمہیں کہے گی میں صرف تمہاری ہوں۔ حالانکہ اُن کی آن میں ہزاروں عشاق اس کے مدنظر ہوں گے اور کھیگی میں بے ضرر ہوں لیکن لاکھوں کے خون پیس کر انہیں بے جان بنا رکھا ہوگا۔

حدیث شریف: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر کس دنیا میں مہمان ہے اور اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ عاریۃ کا مال ہے مہمان چلے جاتے ہیں اور عاریۃ کی شے واپس مالک کو لوٹائی جاتی ہے۔

شرح حدیث شریف: حدیث مذکور بالا میں دنیا کو مسافر خانہ اور ہر آنے والے کو مہمان قرار دیا گیا ہے اور اس مسافر خانہ میں مہمان کو ایک سے ڈرایا گیا ہے اور پھر مہمان کو سمجھایا گیا ہے کہ یہاں سنبھل کے رہو کہ بالآخر تم نے یہاں سے کوچ کرنا ہے اور ہوشیاری سے کام لو اور

marfat.com

یقین کرو کہ مسافر خانہ ٹھہرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ کوچ کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اگر کوئی اسے اپنی اقامت گاہ کا تصور کرے تو وہ بے وقوف ہے پھر ایسا بیوقوف نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ نہ منزل مقصود کو پہنچے گا نہ ہی اس کی کوئی آرزو پوری ہو گی۔ اسی لیے اے مہمان تم یہاں سے ایسے گزرو جیسے پل سے گزرنا ہوتا ہے ورنہ تم پر شیطان مسلط ہو جائے گا۔ پھر دیکھنا ہو کا بھیڑیا ان بکریوں کا اتنا نقصان نہ کرے گا جتنا کہ تیرا نقصان شیطان سے ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان الشیطٰن لکم عدو فاتخذوا عدوا۔ یعنی شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن بناؤ۔ بلکہ سو شیطان اپنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا انسان کو اپنا نفس نقصان دیتا ہے۔

حدیث شریف: "سب سے تمہارا بڑا دشمن نفس ہے جو تمہارے دونوں پہلوؤں میں ہے"۔

فائدہ: قارون کو دیکھئے کہ اسے نفس اور شیطان نے مل کر کیسے دام تیز و تر میں پھنسایا کہ پہلے اسے دین سے پھیرا۔ پھر اسے دنیا میں منہ دکھانے کا نہ رکھا۔ اس بدبخت کی ازل سے قسمت بری تھی اسی لیے اگرچہ چند روز اس نے عیش اڑائے اور ظاہری علم سے بھی اسے حصہ ملا لیکن شیطان و نفس نے اسے بری طرح ذلیل و خوار کیا۔ گویا وہ زبان حال سے کہتا ہوگا۔

من پندارم کہ ہستم اندر کارے
اے بر سرِ پندار چون من بسیارے
اکنوں کہ نماند با قوم بازاری
در دیدہ پنداشت زدم مسمارے

ترجمہ: میرا گمان تھا کہ میں بھی کوئی کام کر رہا ہوں اسی طرح سے میرے جیسے ہزاروں۔ اب جبکہ قوم کے سامنے میری کوئی عزت نہ رہی اسی لیے میں نے اپنی آنکھوں میں میخ گاڑ دی۔

مسئلہ: دنیا کی آرزو مذموم ہے ہاں اگر اس سے صحیح مقصد مدنظر ہو مثلاً اسے کسی کارِ خیر میں خرچ کرنا جیسے صدقہ اور خیرات۔ تو جائز ہے۔

حدیث شریف: حضرت کبشہ انماری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے تھے کہ تین باتوں کو قسم کھا کر سمجھاتا ہوں اور ایک کی صرف خبر دیتا ہوں۔ وہ تین یہ ہیں:۔

۱۔ صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں آتی۔

۲۔ کسی کے ظلم کرنے پر مظلوم صبر کرے تو مظلوم کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔

۳۔ بے ضرورت سوال کرنے سے فقر و فاقہ بڑھ جاتا ہے اور وہ ایک بات یہ ہے کہ دنیا ایک گھر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو وہی گھر بخشا پھر وہ بندے علم و مال سے نوازا جائے تو اس پر لازم ہے کہ

بقیہ صفحہ ۱۰۰۶

marfat.ocm

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ
یہ آخرت کا گھر ہم ان کے لیے کرتے ہیں جو زمین میں تکبر نہیں
عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۸۳ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ
چاہتے اور نہ فساد اور عاقبت پرہیزگاروں ہی کی ہے جو نیکی لائے اس کیلئے اس سے
فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا
بہتر ہے اور جو بدی لائے بدکام والوں کو بدلہ نہ ملے گا مگر
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۸۴ اِنَّ الَّذِىْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ
جتنا کیا تھا بے شک جس نے تم پر قرآن فرض کیا وہ تمہیں پھیر لے جائے گا جہاں پھرنا چاہتے ہو
قُلْ رَّبِّىْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۸۵
تم فرماؤ میرا رب خوب جانتا ہے اُسے جو ہدایت لایا اور جو کھلی گمراہی میں ہے
وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ
اور تم امید نہ رکھتے تھے کہ کتاب تم پر بھیجی جائے گی ہاں تمہارے رب نے رحمت
فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۸۶ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ
فرمائی تو تم ہرگز کافروں کی پشتی نہ کرنا اور ہرگز وہ تمہیں اللہ کی آیتوں سے نہ روکیں بعد
بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۸۷
اس کے کہ وہ تمہاری طرف اتاری گئیں اور اپنے رب کی طرف بلاؤ اور ہرگز شرک والوں میں نہ ہونا
وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَىْءٍ هَالِكٌ
اور اللہ کے ساتھ دوسرے خدا کو نہ پوج اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہر چیز فانی ہے
اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۸۸
سوا اس کی ذات کے اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے

وقف لازم

بقیہ صفحہ ۱۰۰۹

تقویٰ و طہارت سے اور صلہ رحمی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں اعمال صالحہ میں زندگی بسر کرے ایسے شخص کے لیے دنیا افضل المنازل ہے۔ دوسرا وہ بندہ جسے علم تو نصیب ہو لیکن مال و دولت سے خالی ہو لیکن اس کی نیت نیک ہو مثلاً کہے کہ میں مالدار ہوتا تو فلاں فلاں کام کرتا تو ایسی نیت کا ثواب نصیب ہو گا بلکہ جس قدر خرچ کرنے والے مالدار کو ثواب ملے گا اسی قدر ایسے نیک عالم نیک نیت والے کو نصیب ہو گا۔ اور ایک ایسا بندہ کہ جس کی دولت تو ہے لیکن اسے علم نصیب نہیں ہے تو وہ نہ تو پرہیزگاری کرتا ہے اور نہ ہی صلہ رحمی اور نیک نہ ہی نیک عمل۔ اسی طرح وہ بندہ جسے نہ تو علم نصیب ہے نہ ہی دنیا کی دولت لیکن وہ آرزو کرتا ہے کہ کاش میرا مال ہوتا تو میں بھی فلاں فلاں کار خیر میں حصہ لیتا یا فلاں برائی کا ارتکاب کرتا تو ایسے شخص کو نیت کے لحاظ سے اجر و ثواب اور گناہ و عذاب عمل کرنے والے کے برابر ملے گا۔ (المصابیح)

تفسیر عالمانہ: تلک الدار الآخرۃ - یہ اشارہ تعظیمی ہے یعنی وہ بہشت جس کی تم نے خبر سنی اور اس کے اوصاف تمہارے ہاں پہنچے ہیں۔ الدار - تلک کی صفت ہے اور وہ اپنی صفت سے مل کر مبتدا اور اس کی خبر نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض. علو بمعنی ارتفاع و غلبہ و تسلط جیسا کہ فرعون نے کیا جس کا ذکر سورۃ ہذا کے اول میں مفصل طور پر ہوا ہے۔ کما قال. ان فرعون لعال فی الارض و لا فسادا بمعنی ظلم و لوگوں پر زیادتی کرنا جیسے قارون نے کیا چنانچہ ابھی ناصح کی زبان سے گزرا کہ و لا تبغ الفساد فی الارض۔ آیت میں ترک ارادہ میں مبالغہ مطلوب ہے یعنی وہ ان کے علو و فساد کے ارادہ کو بھی گوارہ نہیں کرتا چہ جائیکہ ان کا ارتکاب کرے آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم ان کے لیے کرتے ہیں جو زمین پر تکبر اور فساد کا ارادہ بھی نہیں کرتے۔ و العاقبۃ نیک انجام للمتقین ان لوگوں کے لیے جو تکبر اور فساد اور ایسے اقوال و افعال سے بچتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں۔

سبق: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کے دل میں تصور ہو کہ میرے جوتے کا تسمہ فلاں شخص کے تسمہ سے بہتر ہے تو یہ بھی تکبر میں داخل ہے یعنی جو شخص اپنے لباس کو دیکھ کر اپنے اوپر تعجب کرے تو وہ بھی متکبر ہے۔

سیرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بازار میں اکیلے چلتے پھرتے تھے حالانکہ آپ اس وقت خلیفہ وقت تھے بازار میں گمراہ کو حق کی تلقین فرماتے اور ضعیف و ناتوان کی امداد کرتے اور سبزی فروش و دیگر دکانداروں کو فرماتے یاد رکھو

marfat.ocm

تلك الدار الاخرة ۔ (وہ دارِ آخرت)

شانِ نزول:۔ مروی ہے کہ یہ آیت ان حکام کے حق میں نازل ہوئی جو اہل عدل و تواضع تھے۔ اسی طرح ان لوگوں کے حق میں جو لوگوں سے زیادہ دولت اور شان و شوکت کے مالک تھے۔

فائدہ: حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ اس آیت کو بار بار پڑھتے یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوا۔

سیرت رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تواضعاً بکری کو خود دوہتے اور گدھے پر سوار ہوتے اور آزاد لوگوں کے علاوہ غلاموں کی دعوت قبول فرماتے اور مساکین و فقراء کے ساتھ نشست و برخاست فرماتے۔

نسخۂ روحانی:۔ بزرگوں نے فرمایا کہ تکبر سے بچو اور اپنے اندر ذلت و انکساری اور عاجزی پیدا کرو اگرچہ تم دنیا میں بہت بڑا مرتبہ پا جاؤ تو پھر کیا ہوا اور حق سے بلند تر اور کیا ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ خلق خدا میں حق کی وجہ سے تمہارا سکہ بیٹھا ہوا ہے اور خود سوچو کہ تم مٹی سے پیدا کیے گئے ہو۔ پھر تم اپنی ماں (زمین) پر اکڑ کر چلو یہ نہایت نامناسب ہے۔

عابد بنو زاہد بنو لیکن کیا فائدہ جب تمہارے اندر تکبر ہو۔ ہاں اپنے ہمجولیوں سے تواضع اور انکساری میں بلند مرتبہ بنو تو پھر تمہارا کمال ہے۔ بہرحال تکبر ہر حالت میں قبیح ہے اس لیے کہ ہم نے آنکھوں سے دیکھا کہ مخلوق پر جتنا بڑائی کرو گے اتنا ہی خدا تعالیٰ سے محجوب ہو گے۔ اگر تمھیں اس کا علم ہو جائے تو تم کبھی تکبر نہ کرو بلکہ ہر وقت خاضع و خاشع رہو۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ کل قیامت میں ایک گروہ مقعد صدق میں مقیم اور مقربین حضرت جبروت ہوگا۔ تو انھوں نے دنیا میں اپنی برتری و سرداری کیا تھا اور تمام لوگوں سے اپنے آپ کو کمتر و کہتر بنا رکھا تھا اور کبھی اپنے آپ کو اچھا نہ دیکھا۔

حکایت:۔ ایک بزرگ وفات سے فارغ ہو کر لوٹا تو اس سے پوچھا گیا کہ آپ نے اہل موقف کو کیسے پایا فرمایا کہ اگر میں ان میں نہ ہوتا تو یقیناً ان کی بخشش ہو جاتی۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بزرگے کہ خود را از خرداں شمرد
بدنیا و عقبیٰ بزرگی ببرد
تو آنکہ شوی پیش مردم عزیز
کہ مر خویشتن را نگیری بچیز

marfat.com

ترجمہ:۔ وہ شخص بزرگ ہے جس نے اپنے آپ کو کتروں میں دیکھا سمجھو اس نے دارین کی بزرگی حاصل کی۔ تم اپنے آپ کو لوگوں سے معزز سمجھتے ہو پھر کیا حاصل کرو گے۔

حکایت ابلیس:۔ ابلیس لعین کو کسی نے دیکھ کر فرمایا اے ابلیس مجھے نصیحت کیجئے۔ ابلیس نے کہا کہ انا (میں) نہ کہنا ورنہ میرے جیسے ہو جاؤ گے۔ میں کہنا شریعت میں زندیقی اور طریقت میں شرک ہے جب شریعت کے مقام پر ہو تو یہی سمجھنا کہ سب کچھ اسی سے ہے شریعت قال ہے اور طریقت حقیقت حال۔ اقوال و افعال کو تم صحیح کر لو احوال وہی خود پیدا فرما دے گا۔

تفسیر صوفیانہ:۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ نفس کو دیکھنا علو فی الارض ہے اور دنیا کو دیکھنا فساد فی الارض ہے اور دنیا شیطان کی بنائی شراب ہے جس نے اس سے ایک گھونٹ پیا وہ قیامت تک بیہوش رہے گا۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ خطرات فی القلب کا نام علو اور اعضاء کو بے راہ رو بنانا فساد فی الارض ہے جس کے قلب میں حب ریاست وجاہ و حظوظ النفس اور اس کے اعمال میں ریاء و سمعہ ہو وہ کبھی مقام قرب کو نہیں پہنچے گا۔ اسی طرح جس کے قلب میں برا عقیدہ اور اعضاء میں عبادت غیر اللہ اور دعوت غیر اور اموال و اسباب کے حرص اور اور دوسروں کی عزت پر حملہ اور گناہوں کو شیر مادر سمجھنے کی عادت ہو وہ کبھی بھی بہشت میں داخل نہ ہوگا۔ اس لیے کہ وہ شیطان کا ساتھی ہے اور شیطان کے تمام دوست و احباب جہنم میں جائیں گے۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ جس میں فراعنہ و جبابرہ و اکاسرہ و الاتکبر ہو سمجھو اس کی بشریت کی زمین میں علو ہے اور جس روحانیت میں ابلیسی دماغ ہو وہ بھی اسی زمرہ میں شامل ہے اور بعض ارواح میں ہاروت و ماروت کی ملکیت ہوتی ہے اور یہ دونوں قسم کی روحیں مذموم ہیں اور فساد فی الارض بھی یہی ہے کہ نظر الی غیر اللہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس بندے کو عالم ملکوت و غیب کی شاہی بخشتا ہے جس کا دل طلب علو سے پاک ہو اور بنظر محبت غیر کو نہ دیکھے بلکہ اپنے جملہ امور مالک حقیقی کو سپرد کر دے اور اپنے آپ کو درمیان سے خارج کر دے۔ پھر یہ حال ہوگا کہ

ع ہر کہ خواہی بکن کہ ملک تر است

جو چاہو سو کرو کیونکہ یہ سارا ملک تمہارا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو حقیقت تقویٰ کے دامن کو پکڑتے اور اعتراض و انقباض و دعویٰ سے محفوظ و مصئون ہیں۔

تفسیر عالمانہ: من جاء بالحسنۃ جو قیامت میں نیکی لائے گا۔ فلہ تو ۔۔۔ اس کے مقابلہ میں خیر منہا ذاتاً اور وصفاً و قدراً اس سے بہتر حاصل کرے گا۔ یہ بہتری اعمال کے لحاظ

marfat.ocm

بہتر اس لیے کہ اعمال اعراض ہیں اور اس کا صلہ جواہر ہوں گے اور مال کے لحاظ سے اس لیے کہ مال دنیا کے اگرچہ بہترین متاع سے ہو تب بھی آخرت کی نعمتوں سے اسے مناسبت نہیں اور وصف کے لحاظ سے اس لیے کہ آخرت کی نعمتیں باقی اور ہر درد و الم اور ہر کمی اور عیب سے پاک ہیں اور قدر کے لحاظ سے اس لیے کہ ہر نیکی کا بدلہ میں دس اجر ملیں گے۔ ایک اس کے عمل کی وجہ سے نواللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے زائد عطا فرمائے گا اور ظاہر ہے کہ دس ایک سے بہتر ہے۔ بعض صوفیہ کرام نے فرمایا کہ حسنہ سے معرفت مراد ہے اور اس کے بدلے دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا اور یہ معرفت سے بہتر ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے اعراض عما سوی اللہ مراد ہے اور اس کی جزا عطائے الٰہیہ مراد ہے اور وہ اعراض عن غیر اللہ سے بہتر ہے اس لیے کہ اعراض کو مخلوق سے تعلق ہے اور مخلوق اور اس کا تعلق فانی ہے اور عطائے الٰہیہ کو حق سے تعلق ہے اور حق اور اس کا تعلق باقی اور قدیم ہے۔

ومن جاء بالسیئة۔ اور وہ جو برائی لائے گا مثلاً شرک ریا و جہل وغیرہا۔ **فلا یجزی الذین عملوا السیئات**۔ یہاں پر ضمیر کے بجائے اسم ظاہر اس لیے لایا گیا ہے تاکہ برائی کرنے والوں کی مذمت ہو کہ ان کی برائی کو بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ عقل مند انسان برائی کے ارتکاب سے باز رہتا ہے۔ ؎

ہر چہ در شرع و عقل بد باشد
نکند ہر کہ با خرد باشد

ترجمہ۔ جو عمل شرعاً و عقلاً برا ہے۔ عقل مند اس کا ارتکاب نہیں کرتا۔

الا ما یعملون۔ یعنی جو لوگ برائی کا ارتکاب کرتے ہیں انھیں اتنا قدر جزا ملے گی جتنا وہ عمل کرتے ہیں۔ مثل کا لفظ حذف کر کے اس کے عوض ما کانوا یعملون لایا گیا ہے تاکہ مماثلت میں مبالغہ ہو۔

مسئلہ:۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو خبر دی ہے کہ برائی کی سزا دوگنی ہے ہوتی یہ اس کا فضل اور رحمت ہے اور عدل و انصاف ہے کہ سزا برے عمل کے مطابق دی جاتی ہے۔

سبق:۔ عاقل پر لازم ہے کہ جن قول و فعل سے فتویٰ و تقویٰ مانع ہوں اس سے احتراز کرے اس لیے کہ ہر حکم شرعی (فتویٰ و تقویٰ) کی جزا و سزا ضروری ہے۔ دنیا میں جلدی سے یا بدیر یا پھر آخرت میں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر چہ بر تو آید از ظلمات و غم
آں ز بے شرمی و گستاخیست ہم

ترجمہ۔ جو کچھ تجھے تکالیف اور غم پہنچتے ہیں وہ تیری بے شرمی اور گستاخی کی وجہ سے ہیں۔

حکایت:۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دکاندار سے ایک کھجور خریدی جب اپنی قیام گاہ میں پہنچے

marfat.com

اور کھول کر دیکھا تو وہ دو تھیں سمجھا کہ یہ اس دکان سے میری اپنی خریدشدہ ہیں۔ انھیں کھالیا۔ اس کے بعد بیت المقدس میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک قبہ ہے جسے صخرہ سے موسوم کرتے ہیں اس کے اندر داخل ہوئے اور پورا دن وہیں پر گزارا۔ وہاں کی رسم تھی کہ مغرب کے بعد وہاں سے سب کو نکال دیتے تھے اس خیال پر کہ یہاں رات کو ملائکہ تشریف لاتے ہیں۔ چنانچہ سب کو وہاں سے نکالا گیا لیکن حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے نہ دیکھا اسی لیے وہ اندر رہ گئے رات کے وقت فرشتے آئے۔ ایک فرشتے نے کہا کہ یہاں کسی آدم زادے کی بو آتی ہے دوسرے نے کہا یہ ابراہیم بن ادہم خراسان کے زاہد ہیں دوسرے نے کہا کہ وہی ابراہیم ہیں جن کی ہر روز نیکیاں آسمان پر جاتی ہیں اور فوراً قبول ہو جاتی ہیں۔ پہلے نے کہا ہاں یہ وہی ہیں لیکن افسوس کہ ایک سال سے اس کی نیکی قبول نہیں رہی صرف اسی کھجور کھانے سے جو اس نے دکاندار سے لی اور اس کے ساتھ دکاندار کی کھجور اس کے ساتھ مل گئی اور اس نے کھالی بلکہ نہ صرف نیکی قبول نہیں ہوتی اس کی دعا بھی مستجاب نہیں رہی۔ اس کے بعد فرشتے عبادت میں مشغول ہو گئے۔ صبح ہوئی تو صخرہ کے خادم نے دروازہ کھولا اور حضرت ابراہیم بن ادہم صخرہ سے نکل کر مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور اسی دکاندار کے ہاں پہنچے وہاں ایک نوجوان دکاندار کو دیکھا جو کھجوریں بیچ رہا تھا۔ اسے السلام علیکم کے بعد فرمایا کہ گزشتہ سال یہاں پر ایک بزرگ کھجوریں بیچتے تھے وہ کہاں گئے۔ اُس نے عرض کیا کہ وہ میرے والد بزرگ تھے ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کھجوروں والا واقعہ بیان فرمایا۔ نوجوان نے کہا کہ میں نے اپنا حصہ آپ کو بخش دیا لیکن میری والدہ اور بہن بھی ہیں کا اس میں حصہ ہے ان سے اگر معاف کرانا چاہیں تو وہ گھر پر ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے گھر پہ جا کر دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک بڑھیا باہر آئی جو عصا کے سہارا پر چلتی تھی۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنا کھجوروں کا حال سنایا۔ بڑھیا نے کہا میں اور میری لڑکی نے آپ کو معاف کیا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ بیت المقدس کو روانہ ہو گئے اور اسی قبہ میں داخل ہوئے اور ملائکہ رات کو تشریف لائے اور کہنے لگے کہ وہی ابراہیم بن ادہم جن کی ایک سال سے دعا مستجاب نہ ہوتی تھی اب عبادت بھی منظور کر لی ہے اور دعا بھی مستجاب ہے اور اس کے درجات بھی بلند فرما دیئے۔ اس پر حضرت ابراہیم خوشی سے رو پڑے۔ اس کے بعد آپ ہفتہ کے بعد صرف اس طعام سے افطار کرتے جس کے متعلق یقین ہوتا کہ واقعی وہ طعام حلال کمائی سے حاصل ہوا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ برائیوں کی سزا برائیوں کے مطابق ہو گی اور برائی از قسم شرک ہے تو اس کی سزا جہنم میں ہمیشہ رہنا ہو گا۔ اگر اور گناہ نہیں تو معاصی کی مقدار پر عذاب حاصل ہو گا اگر اور گناہ نہیں۔ اگر حب دنیا اور اس کی شہوات میں مبتلا رہا تو اس کی سزا حب دنیا کی مقدار میں جنت کی نعمتوں سے محرومی ہو گی۔ اگر طلب جاہ و ریاست و سلطنت دنیویہ کا گناہ ہے تو اس کی سزا ذلت و خواری اور جہنم کے

marfat.ocm

طبقات میں جانا۔ اگر آخرت کی نعمتوں اور رفع درجات کی خواہش تھی تو کمالات اور کشف شواہد حق سے محرومی کی سزا ہوگی اور معقولات وعلوم وفنون ظاہری کی لذت کا حصول مطلوب ہوگا تو کشوف علوم و معارف ربانیہ سے محرومی ہوگی۔ اگر بقاء وجود مطلوب تھی تو تجلی صفات جمال وجلال میں فنا فی اللہ و بقاء باللہ کی نعمت سے محرومی نصیب ہوگی۔

تفسیر عالمانہ ان الذی فرض علیك القرآن۔ بیشک اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے آپ پر قرآن کی تلاوت و تبلیغ اور اس پر عمل کرنا واجب فرمایا لرادك مرنے کے بعد لوٹانے والا ہے الرد بمعنی الصرف والارجاع۔ الی معاد۔ مرجع عظیم کی طرف کہ جسے دیکھ کر اولین و آخرین رشک کریں گے اسی سے مقام محمود مراد ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اعمال اور تبلیغ احکام میں مشقت اور تکلیف برداشت کرنے پر وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کو قیامت میں مقام محمود سے نوازوں گا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس سے بہشت مراد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ سے بالقوہ ہم سب پہلے بہشت میں تھے۔ اس معنیٰ پر معاد کا معنیٰ صحیح ہوا ورنہ **معاد** تو اس مقام کو کہتے ہیں جہاں پہلے قیام ہو تو پھر کسی وجہ سے وہاں سے دوسری جگہ چلے جانے کے بعد لوٹنا پڑے۔ ہماری اُوپر والی تقریر سے **معاد** کا معنیٰ ہم سب کے لیے صحیح ہوا۔ امام راغب نے فرمایا کہ یہی معنی صحیح ہے اس لیے کہ اسے امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا اور اس بالقوہ کے اعتبار سے ضروری نہیں ہوتا کہ بالفعل بھی ہو تو لفظ معاد مستعمل ہو ورنہ نہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر لفظ **معاد** مکہ مکرمہ مراد ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں۔ **ردفلان الی معادہ فلاں** مکہ کو لوٹایا گیا وہ اس لیے کہ انسان دوسرے علاقوں سے کاروبار کرنے کے بعد بالآخر اپنے شہر (گھر) لوٹتا ہے اور یہ آیت جحفہ میں نازل ہوئی (جحفہ بتقدیم الجیم المضموم علی الحاء الساکنہ) یہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے درمیان میں واقع ہے۔ یہی شام والوں کا میقات ہے (کذا فی التفسیر الفاتحہ للفناری رحمہ اللہ الباری) اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو اس مکان پہ واپس لوٹائیں گے جو عظمت کا مرکز ہے اور جو اس سے نکل جائے گا اس سے مکہ معظمہ مراد ہے جو آپ کا دنیوی وطن ہے۔

شان نزول کا واقعہ

جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور سے نکل کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کے لیے تشریف لے جا رہے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ راستہ سے ہٹ کر چل رہے تھے اس ارادہ پر کہ دشمن پیچھا کر رہے تھے کہیں گزند نہ پہنچا دیں۔ جب تسلی ہوئی کہ دشمن سے امن ہوا تو آپ سیدھے راہ پر تشریف لائے اور چلتے چلتے جحفہ کے مقام پر نزول اجلال فرمایا اور یہ ایک بستی تھی مکہ معظمہ سے بائیس میل کے فاصلہ پر اسے مُہیعہ بھی کہا جاتا تھا

marfat.com

یہ غلاموں نے آباد کیا تھا اور یہ عاد کے بھائی تھے جنہیں عمالقہ نے یثرب سے نکالا۔ پھر ان پر سیلاب کا حملہ ہوا تو وہ انہیں بہا کر لے گئی۔ یہ اجحاف سے بمعنی اذہاب اس لیے اس بستی کا نام جحفہ پڑ گیا۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں پر نزولِ اجلال فرمایا تو آپ کو مکہ معظمہ یاد آ گیا کیونکہ یہ آپ کا اور آپ کے آباء کا مولد اور وطن تھا اور اس میں آپ کا تمام قبیلہ آباد تھا اور حرم ابراہیم علیہ السلام ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔

مشتاب ساربان کہ مرا پائے در گلست
بیرون شدن ز منزل اصحاب مشکلست
چوں عاقبت ز صحبت یاران بریدنست
پیوند با کسی نکند ہر کہ عاقلست

ترجمہ: "اے شتربان جلدی نہ کیجئے اس لیے کہ میرے پاؤں کیچڑ میں پھنسے ہوئے ہیں اس لیے دوستوں کے گھروں سے باہر جانا مشکل ہے جبکہ دوستوں سے جدا ہونا ہے تو عاقل وہ ہے جو کسی سے تعلق نہیں جوڑتا۔"

اور کسی نے فرمایا۔

فتنہا در انجمن پیدا شود از شور من
چوں مرا در خاطر آید مسکن و مادائی دوست

ترجمہ: میری وجہ سے انجمن میں فتنے ہیں ہیں جبکہ مجھے دوست کا مسکن اور ٹھکانا یاد کرتا ہے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ معظمہ کے لیے اشتیاق دیکھ کر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کیا آپ کو مکہ معظمہ کا اشتیاق ہے گویا آپ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا۔

ع
ممکن نہ شد شرح وہم اشتیاق را

ترجمہ: ممکن نہیں کہ میں اپنا اشتیاق بیان کروں۔

اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی اور آپ کو تسلی دی کہ آپ کو اس پر غلبہ اور فتح و نصرت دوں گا بلکہ پھر آپ اسی شہر میں بلا خوف و خطر تشریف لائیں گے۔ آپ سے وہ نہ ہوگا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوا کہ حران بلدۂ کفر سے ہجرت کر کے ارض مقدسہ کی طرف تشریف لے گئے تو پھر واپس وطن کو نہ ہوئے۔ اسی طرح اسمٰعیل علیہ السلام ارض مقدسہ سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں آئے تو پھر واپس نہ جا سکے۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

سروش غیبم بشارتے خوش داد
کہ کس ہمیشہ گیتی دژم نخواہد ماند

marfat.ocm

ترجمہ:۔ غیبی فرشتہ ہر وقت آواز دے رہا ہے کہ دنیا کی کھیتی میں کسی نے ہمیشہ نہیں رہنا۔

تفسیر صوفیانہ:۔ حضرت ابن عطاء نے کہا ہے کہ وہ ذات جس نے آپ پر قرآن کا پڑھنا آسان کیا وہی ذات آپ کو اپنے اصلی وطن کو پہنچائے گی یہاں تک کہ پھر ہر وقت اسرار و رموز کا مشاہدہ کرتے رہو گے۔
چنانچہ تاویلات الکاشفی میں ہے کہ معاد کا معنی ہے احدیت ذات خنافی اللہ اور جمیع صفات کے ساتھ مقام تحقیق میں باقی باللہ ہونا۔ اس کے بعد بدء والیہ یعود کا راز منکشف ہوتا ہے۔

چوں روز بد ایں و آں را ابتداء
ہم بدو باید کہ باشد وتنہا
نور ہائے را کہ کرد از حق طلوع
جملہ را ہم سوئے او باشد رجوع

ترجمہ:۔ جب کہ اسی سے ہے ہر شے کی ابتداء تو اسی کی طرف ہے ہر شے کی انتہا اس لیے کہ جملہ انوار کا طلوع اس ذات سے ہے اس معنیٰ پر سب کا رجوع اسی کی طرف ہے۔

ربط:۔ آنے والے مضمون کو وعدہ سابق کو پختہ ظاہر کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ قل ربی اعلم۔ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میرا رب خوب جانتا ہے۔ من جاء بالھدی۔ اسے جو ہدایت لایا اور اسے جو آخرت میں ثواب دنیا میں فتح و نصرت کا مستحق ہے۔ ومن ھو فی ضلال مبین۔ اور اسے جو کھلی گمراہی میں ہے اس سے مشرکین مراد ہیں۔

فائدہ:۔ آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کو فتح و نصرت سے نوازتا ہے اور گمراہ کو مقہور و مغلوب کرتا ہے اور ہر دکھ کے بعد سکھ ہے اور جو صبر کرتا ہے اس کا انجام عنقریب سامنے آجائے گا۔

سبق:۔ عاقل پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

حکایت:۔ کوئی شخص کشتی پر سوار تھا طغیانی سے کشتی پاش پاش ہوگئی تو وہ کسی ایک جزیرے میں جا پڑا اس میں تین دن تک رہا۔ کوئی انسان وہاں دکھائی دیا اور نہ کچھ کھایا تو اس نے مثال دیتے ہوئے کہا

اذا شاب الغراب اتیت اھلی
وصار القیر کاللبن الحلیب
وصار البر مسکن کل حوت
وصار البحر مرتع کل ذیب

marfat.com

ترجمہ:۔ جب کوا بوڑھا ہوگا اور جب کالا تیل دودھ کی طرح سفید ہوگا اور جب جنگل جھیلوں کا گھر بنے گا اور جب دریا بھیڑیوں کی چراگاہ بنے گا تو میں گھر آؤں گا۔

اس کے یہ اشعار سن کر ہاتف نے جواب دیا

عسى الكرب الذى امسيت فيه
يكون وراءه فرج قريب
فيأمن خالف ويفك عان
و يأتى اهله الرجل الغريب

ترجمہ:۔ جو جس دکھ درد میں ہے وہ عنقریب بہت بڑی کشادگی دیکھے گا۔ خوف زدہ امن پائے گا اور قیدی قید سے آزاد ہوگا اور مسافر غریب اپنے اہل و عیال میں واپس لوٹے گا۔

وہ شخص کہتا ہے کہ تھوڑی دیر گزری میرے تمام دکھ درد کافور ہوگئے۔

حُب وطن کے کرشمے

آیت میں حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ (وطن کی محبت ایمان کی علامت ہے) کی طرف اشارہ ہے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر اوقات الوطن الوطن کہا کرتے یعنی وطن کو بہت یاد فرماتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کی آرزو پوری فرمائی (یعنی آپ کو شبِ معراج اپنے اصلی وطن کی سیر کرائی گئی)۔

اہلِ عرب کے مقولے:۔ اہل عرب کہتے ہیں نحن الى اوطانها و ان كان عهدها بعيد۔ ہم وطن میں ہیں اگرچہ وہ بظاہر کتنا دور رہی۔ والطير الى وكرها و ان كان موضعه مجد با۔ پرندے اپنے گھونسلے میں خوش رہتے ہیں اگرچہ وہ معاش کے لحاظ سے تنگی میں ہوں۔ والانسان الى وطنه و ان كان غيره اكثر له نفعا۔ انسان اپنے وطن میں خوش ہوتا ہے اگرچہ اس کے غیر نفع میں اس سے زیادہ ہوں۔

حکایت:۔ مروی ہے کہ حضرت اصیل الغفاری رضی اللہ عنہ آیت حجاب کے نزول سے پہلے مدینہ طیبہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے تو اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا مکہ معظمہ کا حال سنایئے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کی کھیتی ہری بھری اور اس کی وادیاں سفید ترین اور اس کی گھاس تروتازہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اصیل بس کیجئے مجھے زیادہ محزون نہ کیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر وطن کی محبت دل میں نہ رکھی جاتی تو ویران مقامات ویران اور غیر آباد رہ جاتے وطن کی

marfat.ocm

محبت سے ہی شہر آباد ہوتے ہیں۔

سبق:۔ یہ صحیح ہے کہ وطن کی محبت انسان کی فطرت میں داخل ہے لیکن اس پر لازم ہے کہ اسے ایسے مقام کو وطن بنانا چاہیئے جہاں دینداری بلکہ دین پروری کا جذبہ ہو اور وہ لوگ دینی معاملات میں اس کا تعاون کریں۔

صحبت کا گر: حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ صحبت کیسی ہونی چاہیئے۔ آپ نے فرمایا کہ صحبت ایسے شخص سے ہونی چاہیئے جس سے گفتگو کے ساتھ علمی اضافہ ہو اور جس کی دوستی سے دیدارِ الٰہی کی طلب کا جذبہ اور آخرت کے اعمال میں رغبت ہو۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا۔

سعدیا حب وطن گرچہ حدیث است صحیح
نتواں مرد بسختی کہ من ایں جا زادم

ترجمہ:۔ اے سعدی وطن کی محبت اگرچہ صحیح حدیث ہے لیکن سختی کی زندگی بسر کرنا بھی اچھا نہیں۔"

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا۔

دیا ریار مردم را مقید می کند ورنہ
چہ جائے فارسی کین محنت جہاں یکسر نمی ارزد

ترجمہ:۔ لوگ اپنے گھروں میں مقید رہتے ہیں اور وہاں رہنا ہی کیا جہاں انسان کی کوئی عزت نہ ہو۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ دوستوں اور وطن سے جدائی برداشت کرے لیکن مالکِ حقیقی سے جدائی کی نہ سوچے۔

ے لکل شئ اذا فارقتہ عوض
و لیس لہ ان فارقت من عوض

ترجمہ:۔ ہر شے کی جدائی کا بدل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی جدائی پر بدل نہیں ملے گا۔

سبق:۔ ماسوی اللہ کی محبت دل سے ہٹا دو قبل اس سے کہ تمہیں اضطراراً دنیا سے رخصت ہونا پڑے۔

ے الفت مگیر ہم چو الف ہیچ با کسے
تا بستۂ الم نشوی وقت انقطاع

ترجمہ:۔ الف کی طرح کسی سے الفت مت کرتا کہ جدائی کے وقت دکھ درد نہ ہو۔

حکایت: حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں سفر کرتے کرتے ایک شہر میں پہنچا، شہر کے اندر چلا گیا وہاں ایک بلڈنگ دیکھی اس کے ساتھ ایک نہر جاری تھی اس سے جا کر وضو کیا بلڈنگ کے اُوپر دیکھا تو ایک نوجوان نہایت حسین وجمیل لڑکی کھڑی تھی۔ اس نے کہا کہ اے ذوالنون میں نے تجھے دور

marfat.com

سے دیکھ کر سمجھا کہ تم مجنوں ہو۔ جب آپ نے وضو کیا تو خیال کیا کہ آپ عالم دین ہیں۔ جب آپ وضو سے فارغ ہوئے تو یقین ہو گیا کہ آپ عارف ہیں لیکن اب معلوم ہوا کہ آپ نہ مجنوں ہیں نہ عالم ہیں نہ عارف۔ میں نے کہا وہ کیسے اُس نے کہا اگر مجنوں ہوتے تو آپ وضو نہ کرتے اور اگر آپ عالم ہوتے تو آپ بیگانے مکان کو نہ دیکھتے اور نا ہی عورت کی طرف دیکھتے۔ اگر آپ عارف ہوتے تو ماسوی اللہ کے تصورات میں نہ ڈوبے ہوتے۔ (کذا فی جلیس الخلوۃ وانیس الوحدہ)

تفسیر عالمانہ: وما کنت۔ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نہیں تھے۔ ترجوان یلقی الیک الکتاب۔ آپ اُمید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر بھیجی جائے گی۔ یلقی بمعنی یرسل وینزل۔ یہ عجمیوں کے محاورہ کے مطابق ہے چنانچہ وہ ارسال وغیرہ کے لیے القاء (ڈالنا افگندن) وغیرہ استعمال کرتے ہیں (کذا فی کشف الاسرار)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ کو اپنے وطن کو واپس لوٹایا جائے گا اور یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ باوجودیکہ آپ اپنے لیے قرآن مجید کے نزول کے اُمیدوار نہیں تھے لیکن ہم نے اپنے فضل و کرم سے نازل فرما دیا تو جیسے یہ وعدہ پورا ہوا وہ بھی پورا ہو گا گویا یہ وعدۂ سابق کی تاکید و تقریر ہے۔ **الا رحمۃ من ربك۔** مگر رحمت ہے تیرے رب تعالیٰ سے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم نوازی ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دولت قرآن سے نوازا ہے اب آپ پر لازم ہے کہ اس پر عمل کریں۔ یہ استثناء منقطع ہے۔

یہی آیت لے کر بد مذاہب بالخصوص دیوبندی۔ وہابی۔ مودودی۔ نجدی وغیرہم نبوت کا شان کم بتانے کے لیے عوام کو بہکاتے ہیں ہم اس کا جواب مندرج ذیل میں عرض کیے دیتے ہیں تاکہ نبوت و رسالت کے عاشق رہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ظاہر میں یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس سے اہل ایمان مراد ہیں اس لیے اعلیحضرت مولانا احمد رضا نے ترجمہ میں عام خطاب لکھا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب میں آپ کی قدر و منزلت کا اظہار مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین کے خطاب کے اہل صرف محبوب ہی ہیں اگرچہ خود مراد نہ ہوں بلا تمثیل یوں سمجھیے کہ بادشاہ وقت شہر کا دورہ کرے لیکن صفائی کی حالت سے ناخوش ہو کر خواص سے گفتگو کرے گا اس قاعدہ پر تمام اس طرح کے خطابات کی ایک تقریر یہ ہو گی۔ قواعد کی تقریر فقیر کی کتاب احسن البیان میں اور آیات کی تفسیر فقیر کی کتاب "احسن التحریر" میں پڑھیے۔ فقیر اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ وما کنت ترجوا ان یلقی الیك الکتاب ۔ الکتاب سے قرآن مجید مراد ہے الالقاء میں اشارہ ہے کہ جیسے اکسیر تانبے کو سونا بناتی ہے ایسے ہی قرآن مجید سے انانیت کا جوہر اکسیر ہویت سے محویت نصیب نہیں ہوتی ۔

الا رحمۃ من ربك ۔ جب تک کہ تیرے رب تعالیٰ کی رحمت نہ ہو اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خصوصیت حاصل ہے کہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام الواح وصحف میں ظاہری طور پر نازل ہوتے اور ہمارے آقا ومولیٰ کے قلبِ اطہر پر قرآن مجید القاء کیا جس نے اکسیر کی سی صورت پیدا کی ۔ فلا تکونن ظہیرا للکٰفرین تو کافروں کی پشت پناہی نہ کیجئے جب تک کہ وہ کفر کا ارتکاب کرتے رہیں بلکہ آپ اہلِ ایمان کی مدد فرمایئے ولا یصدنك اور کافر ہی آپ کو روکیں ۔ عن اٰیٰتِ اللہ ۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی قرأت اور ان پر عمل کرنے سے ۔ بعد اذ انزلت الیك بعد اس کے کہ آپ پر وہ آیات اتریں اور آپ کے ہاں پڑھی گئیں ۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ کو کفار نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کی دعوت دی اور کہا کہ آپ ہمارے معبودوں کی پرستش اور ہمارے دین کی موافقت کریں ۔

وادع الی ربك ۔ اور آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و توحید کی طرف بلائیں ۔ ولا تکونن من المشرکین اور مشرکین کی موافقت کر کے منجملہ ان سے نہ ہو جایئے ۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اور دعوت دیتے وقت مشرکین سے نہ ہو جایئے کہ طلب حق وعشاق الٰہی کو جنت اور اس کی نعمتوں کو دعوت دیں کیونکہ اہلِ حق کے نزدیک بہشت کے لالچ میں عبادت کرنا بھی شرک ہے بلکہ انہیں صرف اور صرف خالصاً اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیں اس میں جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر تک نہ ہو ۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ آیت موادعۃ و مہادنۃ کو متضمن ہے اور یہ آیت سیف سے منسوخ ہے ۔

تفسیر عالمانہ: ولا تدع مع اللہ الٰھًا اٰخر ۔ کاشفی نے لکھا کہ ان آیات کے مخاطب حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں لیکن اس سے امت مراد ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کرنے کفار و مشرکین کی امیدوں پر پانی پھیرنا کہ کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی موافقت فرمائیں گے ۔

نکتہ: نیز اس میں اشارہ بھی ہے کہ امور بالا ایسے قبیح ترین کہ باوجودیکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا صدور ناممکن بلکہ ممتنع ہے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں روکا ہے ۔ لا الٰہ الا اللہ ۔ اللہ واحد کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ۔ کل شیءٍ ہر شے وہ انسان ہو یا حور یں جن ہو یا شیطان اور فرشتے ہوں یا حوریں ، جنت ہو یا دوزخ اور عرش ہو یا کرسی وغیرہ ۔ ھالك یہاں پر ہلاک بمعنی یعنی ہر شے فانی باطل و معدوم ہوگی ۔ اگرچہ بعض اشیاء کا ایک لحظہ ہی سہی الا وجھہ

marfat.com

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

شہود یار در اغیار مشرب جا ملست
کدام غیر کہ لاشے فی الوجود سواہ

ترجمہ: یار کا مشاہدہ اغیار میں ہے اور اغیار ہے کون جب اس کے سوا اور کوئی ہے نہیں۔

لہ الحکم۔ اسی کا حکم اور مخلوق میں اس کی قضا و قدر نافذ ہے والیہ اور صرف اسی کی طرف ہے۔ ترجعون جزاءً بالحق والعدل کے ساتھ قیامت میں لوٹائے جاؤ گے۔ جو اضطراراً لوٹایا گیا وہ اللہ تعالیٰ کو قہار و جبار پائے گا اور اسے اس کا پورا حساب کیا جائے گا اور جو اختیاراً لوٹایا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ معافی دینے والا اور بخشنے والا پائے گا۔ اسے اللہ تعالیٰ اجر و ثواب سے نوازے گا اور فنا سے پہلے فنا ہونے کو اختیاری موت کہا جاتا ہے اور یہ فنا ر یوں نصیب ہوتی ہے کہ تعلقات کے حجابات ہٹ جاتے ہیں اور انانیت کا وجود مٹ جاتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

اے برادر چو عاقبت خاکست
خاک شو پیش از آنکہ خاک شوے

ترجمہ: اے بھائی جب بالآخر مٹنا ہے تو پھر مٹنے سے پہلے ہی مٹ جا۔

فائدہ: شرح عوارف میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فھلک نہیں فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ کل اشیاء کا وجود اسی کے وجود میں آج بھی فانی ہے۔ اسے کل قیامت تمام لوگ آنکھوں سے دیکھیں گے اگرچہ خواص آج بھی اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور عوام جسے بعید دیکھ رہے ہیں وہ کل قیامت میں اسے قریب دیکھیں گے۔

ع باوجود تو زمن راست نیاید کہ منم

ترجمہ: تیرے وجود کے بالمقابل مجھے کہنا نامناسب سا ہے کہ کہوں میں بھی ہوں۔

سوائے ذات الٰہی کے کہ وہ واجب الوجود ہے اور اس کا ماسوا ممکن الوجود اور مٹنے کے لیے بنایا گیا ہے اور الوجہ یہاں پر ذات الٰہی مراد ہے۔

فائدہ: ابوالعالیہ نے فرمایا کہ ہر شے فانی ہے سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا اعمال سے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ہر عمل قیامت میں لایا جائے گا اور فرمان ہوگا کہ اس میں امتیاز کرو کہ کونسا عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس کے ماسوا کو دوزخ میں پھینک دو۔

فائدہ: بعض عارفین نے فرمایا وجہہ کی ضمیر شے کی طرف راجع ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ ہر شے فانی ہے مگر وہ شے جس کی جہت اللہ تعالیٰ سے متعلق ہو اس کی تقریر یوں ہے کہ ہر ممکن کا وجود اور عاریت وہ ہے جو وجود باری تعالیٰ کو عارض ہے

marfat.ocm

اگرچہ ممکن کا وجود امر اعتباری اور خارج میں معدوم ہے من حیث ہو ہو وجود کے قابل نہیں جیسے باری تعالیٰ کا وجود من حیث ہو ہو عدم کے قابل نہیں۔ چنانچہ بعض عارفین نے فرمایا کہ اعیان من حیث تعینات عدمیہ جیسے حدوث امکان یہ راجع ہے عدم کی طرف اگرچہ باعتبار حقیقت و تعینات وجود کے وجود باری تعالیٰ کے عین ہیں۔ اسی لیے عارفین فرماتے ہیں کہ مخلوق عدم ہے اور وجود کل کا کل اللہ تعالیٰ ہے اور اس قول سے کسی فرد بشر کو انکار نہیں اور عرفاء اسی معنیٰ پر کہتے ہیں کہ وجود صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور بس۔

حضرت مغربی نے فرمایا ؎

غیر تو نیست اما ہستی ہمی نماید
چوں پیش چشم تشنہ در بادیہ سرابے

ترجمہ: تیرا غیر ہے ہی نہیں اگر کوئی ہستی کسی کو نظر آتی ہے تو وہ ایسے ہے جیسے پیاسے کے سامنے سراب پانی نظر آتا ہے یعنی تمام صورتیں خیالی ہیں۔

فائدہ: حضرت شیخ ابوالحسن بکری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ماسوا اللہ سے ہر وقت پناہ مانگتا ہوں اس لیے کہ فانی پر لازم ہے کہ وہ اپنی انانیت کے وجود کے اثبات پر پناہ مانگے اور عارف تو وجود موہوم کا قائل ہے ہی نہیں بلکہ وہ حقائق توحید میں وجود موہوم کو فنا کر دیتا ہے بلکہ سر وحدۃ ذاتیہ و ہویۃ الٰہیہ کی تحقیق کے درپے رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

کشف الاسرار میں کہا ہے کہ **هُوَ** ایک اکیلا حرف ہے اس میں اشارہ ہے کہ اللہ اکیلا ہے۔ ذات میں نہ کوئی اس کا شریک ہے نہ صفت میں۔ نیز اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اس کا وجود بھی ہے اور صفات بھی۔ **هُوَ** قلۂ اصل **ھاء** ہے اور **واو** زائدہ ہے اور یہی نفس کی قرارگاہ ہے اسی لیے اس کا تثنیہ **هُمَا** آتا ہے ورنہ قیاس کا تقاضا تھا کہ **هُوَا** ہو۔ تاکہ معلوم ہو کہ وہ اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے تنہا و یگانہ ہے اس لیے انسان پر لازم ہے کہ اسے تنہا و یگانہ جیسے زبان سے مانے ایسے ہی دل سے تصدیق کرے بلکہ دل میں اس عقیدہ کو راسخ کرے کہ اس کی ذات کے تصور باندھنے کے وقت زبان کو محسوس تک نہ ہو اور نہایت پختگی کے ساتھ اس تصور کو سامنے رکھے یہاں تک کہ عین الیقین کا مرتبہ نصیب ہو اور ایسے لوگ اپنے دل غیریت سے پاک و صاف رکھتے ہیں جن کے سینوں میں صرف ذاتِ حق کا تصور پختہ ہے۔

حکایت

ایک شخص جا رہا تھا تو اس سے کسی نے سوال کیا کہ کہاں سے آ رہے ہو اس نے کہا **هُوَ** پھر سوال کیا کہاں جاؤ گے جواب دیا **هُوَ**۔ پھر پوچھا یہ کس کام کو جا رہے ہو کہا **هُوَ**۔ سائل جو سوال کرتا اس کے جواب میں **هُوَ** بولتا۔ کسی نے ایسے مرتبہ والے لوگوں کے لیے کہا ہے ؎

marfat.com

از بس کہ دو دیدہ در خیالت دارم

در ہر چہ نگہ کنم توئی پندارم

ترجمہ: میں دونوں آنکھیں تیرے خیال میں رکھتا ہوں۔ نگاہ کروں گا تو میں اسی کو تیری ذات پر گمان کروں گا۔

عابدین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور عاشقین کے نزدیک مقصود صرف وہی اور مکاشفین دو اجدین کے نزدیک موجود اس کے سوا اور کوئی نہیں۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے سورہ قصص کو ۱۱۰۹ھ ربیع الاول کے اواخر میں ختم کی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے ۱۳۹۷ھ بتاریخ ۲۸ ذوالحجہ بروز سوموار صبح آٹھ بجے اس کے ترجمہ سے فراغت پائی۔ الحمد للہ علی ذالک۔

وصلی اللہ علی حبیبہٖ خیر خلقہ سید الانبیاء و امام المرسلین رحمۃ للعٰلمین سیدنا ومولانا وماوانا وملجانا محمد وعلی الہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذریاتہٖ واھل بیتہٖ واحبائہٖ واولیاء اُمتہٖ وعلماء ملتہٖ وبارک وسلم اجمعین۔

حررہ الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

غرتبکدہ بہاولپور ۲۸/۱۲/۹۷ء

marfat.ocm

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ ۲۹ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۶۹ رُكُوْعَاتُهَا ۷

سورہ عنکبوت مکی ہے اور اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — انہتر آیتیں اور سات رکوع ہیں

الٓمّٓ ۝۱ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝۲
کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنی بات پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ کہیں ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ
وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا
ہوگی اور بے شک ہم نے ان سے اگلوں کو جانچا تو ضرور اللہ سچوں کو دیکھے گا
وَ لَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ۝۳ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ
اور ضرور جھوٹوں کو دیکھے گا یا یہ سمجھے ہوئے ہیں وہ جو برے کام کرتے ہیں کہ ہم سے
یَّسْبِقُوْنَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ۝۴ مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ
کہیں نکل جائیں گے کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں جسے اللہ سے ملنے کی امید ہو تو بے شک اللہ کی میعاد ضرور
اللّٰهِ لَاٰتٍ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝۵ وَ مَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ
آنے والی ہے اور وہی سنتا جانتا ہے اور جو اللہ کی راہ میں کوشش کرے تو اپنے ہی بھلے کو کوشش کرتا
اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
ہے بے شک اللہ بے پرواہ ہے سارے جہان سے اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے
لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَنَجْزِیَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۷
ہم ضرور ان کی برائیاں اتار دیں گے اور ضرور انہیں اس کام پر بدلہ دیں گے جو ان کے سب کاموں میں اچھا تھا
وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ
اور ہم نے آدمی کو تاکید کی اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کی اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ تو میرا شریک ٹھہرائے
لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸
جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہا نہ مان میری ہی طرف تمہارا پھرنا ہے تو میں بتادوں گا تمہیں جو تم کرتے تھے
وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ ۝۹
اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ضرور ہم انہیں نیکوں میں شامل کریں گے
وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ
اور بعض آدمی کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے پھر جب اللہ کی راہ میں انہیں کوئی تکلیف دی جاتی ہے تو لوگوں کے
فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَ لَىِٕنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَیَقُوْلُنَّ
فتنہ کو اللہ کے عذاب کے برابر سمجھتے ہیں اور اگر تمہارے رب کے پاس سے مدد آئے تو ضرور کہیں گے

marfat.com

إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ أَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعٰلَمِينَ ﴿١٠﴾
ہم تو تمہارے ہی ساتھ تھے کیا اللہ خوب نہیں جانتا جو کچھ جہان بھر کے دلوں میں ہے
وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِينَ ﴿١١﴾ وَقَالَ
اور ضرور اللہ ظاہر کردے گا ایمان والوں کو اور ضرور ظاہر کردے گا منافقوں کو اور کافر
الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ
مسلمانوں سے بولے ہماری راہ پر چلو اور ہم تمہارے گناہ اٹھالیں گے حالانکہ
وَمَا هُمْ بِحٰمِلِينَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ﴿١٢﴾
وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ نہ اٹھائیں گے بے شک وہ جھوٹے ہیں
وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ز وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
اور بے شک ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ اور ضرور قیامت کے دن پوچھے
عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١٣﴾ ع
جائیں گے جو کچھ بہتان اٹھاتے تھے

سورۃ العنکبوت مکیہ ہے اور اس کی چھیاسٹھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع وہ بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ: الٓمّٓ۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ حروف مقطعات مخلوق کو عاجز کرنے کے لیے نازل ہوئے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو وہ کتاب کے حقائق کی کنہ سے عاجز ہیں۔ کسی کامل کو اس کی آگاہی نہیں۔ ع

خرد عاجز و فہم در وے کم است

عقل عاجز اور فہم اس کے ادراک سے بے خبر ہے

اس سورۃ کے پہلے حرف الف میں اسم اللہ اور لام میں لطیف اور م مجید کی طرف اشارہ ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرماتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ ہوں فلہٰذا صرف میری اطاعت کیجئے اور میں لطیف ہوں تو میری عبادت میں خلوص کیجئے اور میں مجید ہوں اس لیے کسی دوسرے کی بزرگی کو تسلیم نہ کیجئے۔

فائدہ: صاحب روح البیان نے فرمایا کہ کسی مصیبت میں گرفتار کرنا بھی منجملہ الطاف سے ہے اس لیے کہ اس میں اس کا ارادہ ہوتا ہے کہ بندے کے جوہر کو کدورت کونیہ سے پاک اور اس کے باطن کو علائق امکانیہ سے صاف کرے اور یہ بھی اس کی مجد وعظمت ہے کہ ہر شے اس کے سامنے عجز ونیاز کا اظہار کرتی ہے۔ اس کی تسخیر وقدرت سے کوئی شے باہر نہیں ہوسکتی اور نہ ہی اس کے ابتلاء کے قبول سے روگردانی کرسکتی ہے۔

marfat.ocm

دوسری تقریر الف میں اشارہ ہے کہ وہ ہر شے سے مستغنی ہے بلکہ ہر شے اسی کی محتاج ہے چنانچہ الف کا طریقہ بتاتا ہے کہ وہ کسی حرف کا محتاج نہیں بایں معنی کہ کسی کے ساتھ اتصال کا محتاج نہیں بلکہ دوسرے حروف اسی سے متصل ہونے کے لحاظ سے محتاج ہیں۔

احسب الناس۔ الحسبان بالکسر بمعنی الظن (قاموس) المفردات میں ہے الحسبان بمعنی نقیضین میں سے ایک کا دوسرے پر حکم لگانا ہے۔

شانِ نزول۔ یہ ان اہلِ ایمان کے حق میں نازل ہوئی جو مکہ مکرمہ معظمہ میں مقیم تھے جنہیں کفار مکہ اسلام کی وجہ سے ایذا دیتے اور طرح طرح کی سختیاں ڈالتے۔ اہلِ اسلام ان سے بہت سخت پریشان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے آیت ہذا نازل فرمائی۔

مسئلہ:۔ آیت ہذا اگرچہ ایک مخصوص گروہ کے لیے نازل ہوئی لیکن اس کا حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رہتی دنیا تک باقی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ لوگوں نے گمان کیا ہے یعنی یہ گمان اچھا نہیں۔ **ان یترکوا**۔ یہ کہ چھوڑ دیئے جائیں گے۔ یہ حسب کے دو مضمونوں کے قائم مقام ہے اس لیے کہ یہ مسند و مسند الیہ پر مشتمل ہے۔ ان دراصل لِاَنْ تھا۔ **یقولوا آمنا وھم** اس لیے کہ کہیں ایمان لائے حالانکہ **لایفتنون** آزمائش نہ ہوگی ان کے اپنے اس دعویٰ میں جو ظاہر کرتے ہیں یعنی ان کا خیال ہے کہ ایمان کے اظہار کے بعد ان کا امتحان اور آزمائش نہ ہوگی حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ان کو سخت تکلیفوں اور مشقتوں میں مبتلا کر کے ان کا امتحان لے گا۔ مثلاً کبھی ہجرت کا حکم دے گا تو کبھی جہاد کا امر فرمائے گا اور شہواتِ نفسانیہ کے ترک اور طاعات کی بجا آوری کا فرمان کرے گا۔ علاوہ ازیں دیگر مصائب و تکالیف جو نفوس و اموال سے متعلق ہوں گی تاکہ مخلص و منافق اور راسخ فی الدین اور مضطرب کا امتیاز ہو تاکہ صبر کر کے بلند مراتب و درجات کو حاصل کر سکیں خالی ایمان لانا اگرچہ خلوص سے ہو تب بھی دائمی عذاب جہنم سے نجات کا موجب نہیں بن سکے گا۔

عاشقاں را درد دل بسیار می باید کشید
جور یار و طعنۂ اغیار می باید کشید

ترجمہ:۔ عاشقوں کو درد دل اٹھانا ضروری ہے۔ یار کا ظلم اور اغیار کی طعن و تشنیع بھی۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ **احسب الناس**۔ وہ فراموشی شعار لوگ جو غفلت و بطالت کا شکار ہیں۔ **ان یترکوا ان یقولوا آمنا**۔ کیا ان غافلوں کا خیال ہے کہ وہ ایسے ہی چھوڑے جائیں گے جو کہ کہتے ہیں کہ ہم تقلید اور جہالۃً ایمان لائے اور ان کا ایمان صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہو اور ان سے کسی قسم کی آزادی و ابتلاء نہ ہو۔ **وھم لایفتنون** اور وہ دوستی میں خلوص کی بنا پر ان کو آزمائش نہ ہوگی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ دوستی کے لیے آزمائش کسوٹی ہے جیسے سونا کسوٹی سے پرکھا جاتا ہے ایسے ہی دوستی آزمائش سے پرکھی جاتی ہے۔ یوں سمجھو کہ محبت و محنت جڑواں ہیں۔ ان میں صرف ایک نقطے کا فرق ہے اس میں اشارہ ہے کہ عشاق یار کے

marfat.com

نقطے کی طرح محض رضائے الٰہی کے پیش نظر اپنے آپ کو نیچا کر دیں اور تواضع و انکساری کو اپنا شعار بنالیں تو اللہ تعالیٰ انھیں محنت کے نون کے نقطے کی طرح بلند و ارفع کردے گا اور جو شخص تکبر و غرور کرتا ہے اور دنیا میں محنت کے نقطے کی طرح اپنے لیے رفعت و بلندی چاہتا ہے تو اسے بار کے نقطے کی طرح نیچے کر کے ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ اسی لیے عرب کا قول مشہور ہے۔

عندالامتحان یکرم الرجل او یھان۔ امتحان کے وقت یا تو انسان کی عزت بڑھ جاتی ہے یا پھر ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ اور صوفیہ کرام کا قاعدہ بھی مشہور ہے کہ من زاد قدرہ معناہ زاد قدر بلواہ جو معنیً بلند قدر رہتا ہے تو اس کی آزمائش میں اضافہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انسان کی آزمائش اس کے دین کے مقدار پر ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا، انبیاء علیھم السلام بلاو محنت میں مبتلا کیے جاتے ہیں بحیثیت نبوت کے پھر اولیاء بحیثیت ولایت کے اسی طرح دوسرے وہ لوگ جن کے مراتب اُن کے متصل پھر اسی طرح درجہ بدرجہ۔

فائدہ: عافیت چاہتا ہے جو ابتلاء آزمائش کی قدر و منزلت نہیں جانتا اور وہ اسے ایک عظیم مصیبت سمجھتا ہے ایسے ہی جسے اس کی قدر و منزلت معلوم ہے وہ اس سے ایسے راحت و فرحت محسوس کرتا ہے جیسے بیمار دوا اور علاج سے۔

صوفیانہ تقریر: نفوس کو آزمائش و ابتلاء میں اس لیے مبتلا کیا جاتا ہے کہ اس سے نفوس کی سستی و کاہلی دُور ہوتی اور احسن عمل کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور قلوب کو اس لیے کہ قبول نقوش غیب کے لیے زنگ و آلائش سے صفائی نصیب ہوتی ہے اور ارواح کو اس لیے کہ علائق و عوائق سے نجات پاتے ہیں۔ اور اسرار کو اس لیے کہ انہیں شاہد کشف کے حجرے میں بٹھلا کر آثار تجلی پر صبر کرنے کا اہل بنایا جاتا ہے یہاں تک کہ ذاتِ حق میں فنا پا کر بقا حاصل کرے۔

انسان کو سب سے بڑی آزمائش حفظ وجود توحید کے متعلق ہوتی ہے وہ اس طرح کہ بعض مواقع انسان کو شواہد حق کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اس سے وہ دھوکہ کھا جاتا ہے کہ یہی حق کی ذات ہے حالانکہ اسے یہ کہتا تھا کہ یہ حق سے ہے اور ایسے مواقع پر بہت بڑے اُونچے مراتب والے مار کھا جاتے ہیں۔ بہت تھوڑے خوش قسمت اس امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں۔

فائدہ: حضرت ابن العطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ خلقِ خدا کا خیال ہے کہ دعاوی محبت کے بعد انہیں ایسے ہی چھوڑا جائے گا۔ ان سے کسی قسم کی آزمائش نہ ہوگی اور نہ ہی حقائق محبت کا ان سے کسی قسم کا مطالبہ ہوگا اور حقائق محبت کا یہ معنیٰ ہے کہ عاشق کو بلاؤ محنت اور مشکلات و مصائب سے گھیرا ڈیا جاتا ہے۔ پھر وہ ہر بلاؤ محنت سے لذت محسوس کرتا ہے ایسے عاشق کو جسمانی محنت اور قلبی مصیبت اور مسری

marfat.ocm

مشقت اور روحانی کلفت میں مبتلا کیا جاتا ہے اور نفس کا امتحان ظاہراً امراض و محن سے ہوتا ہے اور حقیقۃً اس کا امتحان یہ ہے کہ وہ جب سے سن چکا ہے کہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون تو اس پر لازم تھا کہ وہ عبادت و طاعت الٰہی میں زندگی بسر کرتا جب اُس نے اسی سے تکاہل و تساہل برتا تو سمجھو کہ ایسا نفس امتحان میں مبتلا ہے اور قلب کی آزمائش اس میں ہے کہ شوق الٰہی کے ہجوم و اژدہام میں گرفتار ہو اور وقتاً فوقتاً ذاتِ حق سے واردات وارد ہوں تو اُن کی حفاظت کرے اور ان کی حرمت و ہیبت سے اپنے اقوال پر کنٹرول کرے اور سر کی آزمائش کا ایک ایسا مقام ہے جہاں مخلوق کی رسائی نہیں اور جو وہاں پہنچا اس کا لوٹنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور نہ ہی مخلوق کو وہاں تک رسائی ہو سکتی ہے اور روح کی آزمائش حصول کائنات اور اس پر قبضہ اور مشاہدات ربانی سے اور اس امتحان کی کسی کو قوت و طاقت نہیں۔ بوستان عشاق کے حق میں حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دمادم شراب الم درکشند
وگر تلخ بینند دم در کشند
بلائے خمار ست در عیش مُل
سلحدار خارست باشاہ گل

ترجمہ:۔ ہر آن شرابِ حقیقی کا درد کھینچتے ہیں اگرچہ اس سے تلخی دیکھتے ہیں تو پھر صبر کرتے ہیں۔ شراب میں خمار کا خطرہ ہے جیسے گلاب کے ساتھ کانٹے کی تکلیف۔

نیز فرمایا ؎

نہ تلخست صبرکہ بریاد اوست
کہ تلخی شکر باشد از دست دوست
اسیرش نخواہد رہائی زبند
شکارش بجوید خلاص از کمند

ترجمہ:۔ اس کی یاد میں صبر کڑوی نہیں ہوتی اس لیے کہ دوست کے ہاتھ سے کڑوی شے شیر و شکر ہوتی ہے۔ اس کا قیدی قید سے رہائی نہیں چاہتا نہ ہی اس کا شکار اس کی دام سے نجات چاہتا ہے۔

تفسیر عالمانہ:

ولقد فتنا اور بیشک ہم نے امتحان لیا اور آزمائش میں ڈالا۔ الذین من قبلھم ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے اس سے انبیاء علیہم السلام اور ان کی اُمت کے نیک لوگ مراد ہیں۔ یعنی اللہ کا قدیم سے یہ طریقہ چلا آ رہا ہے کہ بنا بر حکمت و مصلحت اس نے اپنے پیارے دوستوں محبوبوں سے ایسے ہی طریقہ جاری رکھا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ اس کے خلاف توقع نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے اہل اسلام کو ایسی

marfat.com

آزمائشوں اور امتحانوں سے گھبرانا نہیں چاہیئے بلکہ اگر غور سے دیکھیں تو سابقہ انبیاء علیہم السلام اور اُن کی اُمتوں کو سخت سے سخت آزمائش اور امتحان میں مبتلا کیا گیا اور اُنھوں نے صبر سے کام لیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ وکاین من نبی قاتل معہ ربیون کثیر فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا۔ یعنی صورت مذکور ہر ایک نبی علیہ السلام اور ہر ایک اُمت کے نیک لوگوں سے ہوئی اور تم بھی یقین کر لو کہ ایمان کی تکمیل آزمائش اور امتحان سے ہوگی۔ اس کسوٹی کے بغیر ایمان نامکمل ہوگا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں کو پکڑ کر ان کے سروں پر آرہ پھیرا جاتا تھا جس سے وہ دو ٹکڑے ہو جاتے باوجود ایں ہمہ وہ اپنے دین حق سے ذرہ برابر ادھر اُدھر نہ ہوتے بلکہ بعض کو تو ہڈیوں اور گوشت میں لوہے کی کنگھی چبھو دی جاتی۔ تب بھی وہ اپنے دین حق پر مضبوط رہتے۔

فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ان تمام اشیاء کو قدیم سے جانتا ہے بلکہ یہ اشیاء پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں تو انہیں جانتا تھا تو پھر اب انہیں جاننے کا کیا معنیٰ۔

جواب: یہاں علم سے ان کا اشیاء کا تعلق مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بجد اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق ان کے امتحان و آزمائش کے وقت موجود ہوا جیسے ان کے وجود سے پہلے اس کے علم میں تھا کہ وہ عنقریب ایسے ہوگا کہ ان میں بعض ایسے ہوں گے۔ ایمان باللہ میں صادق ہوں گے اور بعض ان میں اپنے کذب میں ہمیشہ کاذب رہیں گے۔ اسی صدق و کذب پر جزا و سزا مرتب ہوگی۔ اس لیے بعض مفسرین نے لیعلمن بمعنی لیمیزن یا لیجازین لکھا ہے یعنی اُنھوں نے علم بمعنی تمیز و مجازاۃ کہا یعنی یہاں پر سبب بول مراد ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ علم بمعنی تعلق حالی مراد ہے جو کہ وہ تمیز و مجازاۃ کا سبب ہے۔

صادق و کاذب

جو ایام راحت و فراخی میں شکر اور تکالیف پر صبر کرے وہ صادق ہے اور جو بوقت فراخی فخر و غرور کرے اور ایام مصیبت میں جزع و فزع کرے وہ کاذب ہے ؎

در محبت ہر کہ او دعویٰ کند
صد ہزاراں امتحاں بر وے زنند
گر بود صادق کشد بار جفا
در بود کاذب گریزد از بلا

ترجمہ: محبت کے دم بھرنے والے کو ہزاروں مصیبتوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اگر محبت میں سچا ہے تو تکالیف

marfat.ocm

برداشت کرتا ہے اگر جھوٹا ہے تو وہ مصائب سے بھاگتا ہے۔

آں بود دل کہ وقت پیچا پیچ
اندرو جز خدا نیابی ہیچ

ترجمہ:۔ وہ دل جو مصیبت کے وقت اس میں سوائے خدا کی یاد کے اور کچھ نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں صادقین کے صدق اور کاذبین کے کذب کی طرف اشارہ ہے ان کی پرکھ مصائب و مشکلات میں مبتلا ہونے کے وقت ہوتی ہے جس سے مصائب و مشکلات کے وقت صبر کا اظہار ہو وہ سمجھو سچا جوہر ہے۔ اگر اس کے برعکس جزع و فزع اور کفرانِ نعمت کے وقت شکر و زاری کا صدور ہو تو یقین کرو کہ وہ جھوٹا جوہر ہے۔ ان کے کئی اقسام ہیں:۔

۱۔ بعض حضرات نزولِ بلا کے وقت صبر اور ورودِ نعمت کے وقت شکر کرتے ہیں وہ صادق کہلاتے ہیں (۲) جو لوگ نزولِ مصائب و ورودِ مشکلات کے وقت جزع فزع کرتے اور نعمتوں کے حصول کے وقت شکر نہیں کرتے انہیں کاذبین کہا جاتا ہے ۳۔ بعض وہ ہیں جو نعمتوں اور خوش حالیوں سے خوشی کا اظہار نہیں کرتے اور نہ ہی عطائے الٰہی سے نفع اندوز ہوتے ہیں بلکہ وہ دکھ درد سے خوشی محسوس کرتے اور مصائب و مشکلات کے وقت سینہ تان کر کھڑے ہو جاتے ہیں وہ صدق میں منتہی کہلاتے ہیں۔

بلاؤ رنج کے فوائد

بلاؤ رنج انسان کے لیے ایسے ہیں جیسے طعام کے لیے نمک۔ انہی مصائب و بلیات کے نزول سے اللہ تعالیٰ کے اذن سے انسان کا وجود اصلاح پذیر ہوتا ہے جیسے طعام کی اصلاح نمک کے بغیر ناممکن ہے ایسے ہی انسانی وجود کی اصلاح بلیات و مصائب کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے بلیات و مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ہر مصیبت و تکلیف راحت و خوشی کے لیے بمنزلہ مقدمہ کے ہے۔

حکایت:۔ منقول ہے کہ امیر نصر احمد سامانی کو اُستاد محترم بچپن میں خوب مارتا تھا۔ امیر نصر احمد سامانی نے تہیہ کیا کہ جب بڑا ہوں گا اور تخت شاہی پر بیٹھوں گا تو اُستاد سے بدلہ لوں گا۔ جب تخت شاہی پر بیٹھا تو اسے اُستاد کی مار پٹائی یاد آئی تو خادم کو فرمایا اُستاد صاحب کو بلایئے چنانچہ خادم اُستاد صاحب کے ہاں پہنچا اور اُسے بلا کر لایا۔ اُستاد نے راستہ میں سے ایک سوکھی لکڑی اُٹھائی اور بادشاہ کے ہاں حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے حال دریافت کیا تو اُستاد نے ایک میوہ اُٹھا کر پیش کیا اور فرمایا خدا تعالیٰ آپ

marfat.com

کی عمر دراز فرمائے یہ میوہ فقیر (استاد) کی اس مار پٹائی کا نتیجہ ہے کہ آج آپ شاہی تخت پر بیٹھے ہیں یہ میوہ حاضر ہے اور آپ فقیر (استاذ) کی خدمت سے نفع اٹھائے مراتب عظیم و کمالات کو نہ پہنچتے۔ بادشاہ کو استاد کی بات پسند آئی اعزاز سے اپنے ساتھ بٹھایا اور انعام واکرام سے نوازا۔

تفسیر عالمانہ: ام حسب الذین یعملون السیّات۔ کیا وہ لوگ جو کفر و معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں انہیں خیال ہے کہ ہم نے کفر و معاصی ہر دونوں کو سیئات میں اس لیے شامل کیا ہے کہ لفظ عمل ہر دونوں افعال جوارح و قلوب کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ ان یسبقونا لفظ سبق بمعنی تقدم فی السیر آتا ہے یعنی چلنے میں آگے ہو جانا پھر مجازاً ہر قسم کے آگے ہو جانے کے لیے مستعمل ہونے لگا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ ہم سے نکل جائیں گے یا ہمیں عاجز کر دیں گے کہ ہم انہیں اعمال کی سزا انہیں دے سکیں گے۔ یہ حسب کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اس لیے کہ یہ مسند و مسند الیہ پر مشتمل ہے اور ام منقطعہ ہے بمعنی بل و ہمزہ اور بل سابق مضمون کے ابطال کے لیے ہے۔ لیکن یہاں پر یہ معنیٰ نہیں کیونکہ یہ پہلے حسبان کو باطل نہیں کر رہا ہے بلکہ یہاں پر بل انتقالیہ ہے بایں معنی کہ پہلے انہیں ان کے گمان پر توبیخ کی گئی کہ تم جس خیال میں ہو کہ ہم ایسے بیکار چھوڑے جائیں گے اور ہم سے کسی قسم کا امتحان و آزمائش نہ ہوگا۔ یہ خیال تمہارا غلط ہے۔

اب دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہو کر دوبارہ زجر و توبیخ کی گئی کہ یہ بھی تمہارا خیال غلط ہے۔ اور ان کا یہ دوسرا خیال تھا کہ گناہوں کے متعلق ہم سے کسی قسم کی باز پرس نہ ہوگی۔

سوال: یہ گفتگو اہل اسلام سے ہے اور اہل اسلام کا یہ گمان تو نہ تھا کہ ان سے گناہوں کی باز پرس نہ ہوگی پھر انہیں زجر و توبیخ کیوں۔

جواب: چونکہ بعض لوگ ان میں معاصی کا ارتکاب خوب کر رہے تھے اور پھر انہیں فکر آخرت بھی نہیں تھی ان کے اس طور طریق کو یحسب سے تعبیر کیا چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا **ایحسب ان مالہ اخلدہ ساء مایحکمون**) کیا ہی برا ہے وہ امر جس کا وہ حکم لگاتے ہیں۔ یہاں پر مخصوص بالذم محذوف ہے۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ فتوحات میں لکھا ہے کہ ان گنہ گاروں کا خیال ہے کہ برائیوں کو معاف کر دیا جائے گا ایسے غضب پر رحمت سبقت کرے گی اور وہ ایسے ہی بخش دیئے جائیں گے۔ ان کا یہ خیال ناپسندیدہ اور غلط ہے اس لیے کہ رحمت کی سبقت کا مطلب یہ ہے کہ میں نے ان کے گناہوں پر غضب کرنا تھا لیکن رحمت نے انہیں میرے غضب سے بچا لیا ورنہ جو ان کے گناہ ہیں ان کی انہیں ضرور سزا ملے گی ؎

گر گناہ تو از عدد بیش است
سبقت رحمتم از اں بیش است

marfat.ocm

ترجمہ:۔ اگرچہ تیرے گناہ گنتی سے باہر ہیں لیکن میری رحمت اس سے اور زیادہ ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ **من کان یرجوا لقاء اللہ** جو اللہ تعالیٰ کے ملنے کے اُمیدوار ہیں۔ **الرجاء** اس ظن کو کہا جاتا ہے جو شے کے حصول پر مسرت و فرحت کا مقتضی ہو اس کی نقیض خوف آتی ہے اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں اور **لقاء اللہ** سے قیامت مراد ہے یعنی جہاں انسان کا انجام کار ہے وہیں پر اللہ تعالیٰ کا ملنا ہوگا اس لیے اسے لقاء اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی جزاء و سزا کی اُمید رکھتا ہے تو اسے چاہیئے کہ اس پیشی سے پہلے تیاری کرے یعنی ایسے اعمال کی پابندی کرے جو اجر و ثواب کے موجب ہیں اور ایسے افعال و کردار سے اجتناب کرے جو عذابِ الٰہی کا مستحق بنائیں۔ **فان اجل اللہ لآت** بیشک اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وعدہ ضرور آئے گا۔ **الاجل** بمعنی مدت زمانہ کی غایت جسے کسی امر کے لیے متعین کیا جائے کبھی اسے کل زمانہ کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ استعمالاً پہلا معنیٰ زیادہ مشہور ہے یعنی وہ وقت جسے اللہ تعالیٰ نے حساب کے لیے مقرر فرمایا ہے اور وہ زمانہ اس لیے ضروری ہے۔ زمانہ کے اجر کا انصرام و انقطاع لازمی امر ہے اور وہ انقطاع و انصرام اسی یوم ہوگا۔ جبکہ بندے اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوں گے اور انہیں جزاء و سزا ملے گی۔ **وھو السمیع العلیم** اور وہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال خوب سنتا۔ **العلیم** اور ان کے اعمال ظاہرہ اور باطنہ کو جانتا ہے۔ اس لئے اس سے کوئی شے چھپ سکے گی۔ بنا بریں بندوں پر لازم ہے کہ وہ موت و فوت سے پہلے اعمال صالحہ میں جد و جہد کریں۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ جو شخص بھی اجر و ثواب کی اُمید رکھتا ہے وہ ایسے اعمال و کردار سے دور بھاگتا ہے جو عذاب کا موجب بنیں بلکہ وہ مجاہدات میں لگا رہتا ہے اس لیے کہ مجاہدات مشاہدات کا وارث بناتے ہیں اور جس کی زندگی ہمارے دیدار کے حصول کے لیے بسر ہوئی ہے اسے مبارک ہو کہ وہ عنقریب ہمارے جمال سے مشرف ہوگا۔

عظمت همت عین طمعت فی ان تراکا
او ما یکفی لعین ان تری من قدر اکا

ترجمہ:۔ وہ آنکھ پر ہمت و عظمت ہے جو تیرے دیدار کا طمع رکھتی ہے۔ کیا آنکھ کو اتنا شرف کم ہے کہ وہ اس ذات کو دیکھے جس نے تجھے دیکھا۔

وھو السمیع ۔ وہ مشتاقانِ غمزدہ کے گریہ کو سنتا۔ **العلیم** اور عشاقانِ نادیدہ اور صدق و صفا کے پیکروں کے عجز و نیاز کو جانتا ہے۔ **ومن جاھد** اور وہ جو اپنے نفس سے طاعت الٰہی اور کفار سے تلوار کے ساتھ اور شیطان سے دفع وسواس کے ساتھ مجاہدہ کرتا ہے۔ **المجاھدہ** اپنی جد و جہد کو صرف کرنا۔ الجہد (بالضم) یعنی دشمن کی مدافعت میں

marfat.com

قوت صرف کرنا۔ فانما یجاھد لنفسہ۔ بیشک وہ اپنے لیے ہی کوشش کرتا ہے اس لیے کہ اس کا نفع اسی کی طرف عود کرے گا۔ ان اللہ لغنی عن العالمین۔ بیشک اللہ تعالیٰ جملہ عالمین سے بے نیاز ہے اسے نہ کسی کی طاعت کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی کے مجاہدہ کی حاجت اور طاعت و مجاہدہ کا حکم بھی اپنے بندوں پر رحمت و شفقت کی بنا پر ہے تاکہ طاعت و مجاہدہ سے اَجرِ عظیم پائیں۔ کما قال خلقت الخلق الخ میں نے مخلوق کو اسی لیے پیدا فرمایا تاکہ میرے سے نفع پائیں ورنہ مجھے ان سے منفعت کی حاجت نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ کل کائنات اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے بلکہ دونوں جہانوں میں ہر ایک اسی کی محتاجی میں ہے اور وہ ہر ایک سے بے نیاز ہے ؎

بری ذاتش از تہمت ضد و جنس
غنی ملکشی از طاعت جنّ و اِنس
مر اورا سزد کبریا و منے
کہ ملکش قدیمست و ذاتش غنے
نہ مستغنی از طاعتش پشت کس
نہ بر حرف او جائے انگشت کس

ترجمہ:۔ اس کی ذات ضد اور جنس سے پاک ہے۔ اس کا ملک جنّ اور آدمی کی بندگی سے بے پرواہ ہے۔ اسی کو بڑائی اور خودی زیبا ہے۔ اس واسطے کہ اس کا ملک قدیم ہے اور اس کی ذات بے پرواہ ہے۔ نہ اس کی بندگی سے کسی کی پیٹھ بے پرواہ ہے نہ اُس کے حرف پر کسی کو اُنگلی کی جگہ ہے۔

حضرت ابو العباس جو شیخ زروق کے نام سے مشہور ہیں اُنھوں نے شرح الاسماء الحسنیٰ میں لکھا ہے کہ غنی وہ ہے جو ذات و صفات اور افعال میں کسی کا محتاج نہیں اس لیے کہ نہ اسے نقص واقع ہوتا ہے اور نہ ہی عارض لاحق ہوتا جو اللہ تعالیٰ کے غنی ہونے کا قائل ہے وہ ہر شے سے مستغنی اور ہر شے میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسے صرف اُس کی محتاجی ہوتی ہے بس۔ اسی اسم کے متعلق ہر فقر و فاقہ ظاہر فرماتا ہے۔ حضرت ابو حفص سے پوچھا گیا کہ مولا اپنے فقیر کو کیا عطا فرماتا ہے اُنھوں نے فرمایا کہ وہ اپنے فقیر کو فقر و فاقہ کی دولت سے نوازتا ہے۔ میں نے کہا کہ پھر اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ مولیٰ اپنے بندے کو اپنے فقر خاص سے نوازتا ہے اور یہی وہ اپنے بندوں سے چاہتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابن مشیش رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ ابو الحسن کو فرمایا کہ جب اُنھوں نے ان سے اسم اعظم پوچھا تو فرمایا کہ مولیٰ تعالیٰ کے ہاں فقر و عاجزی سے حاضری دو جب وہ تمھیں فقر اور عجز و نیاز میں کامل پائے گا تو تمھیں ہر دو عالم سے غنی بنا دے گا۔

صحت مندی کا گر۔ اسی اسم کی خاصیت یہ ہے کہ جو شخص اسے کسی مرض یا بلا و مصیبت میں یاد کرے تو اس سے بلا و مصیبت اور مرض سے نجات ملے گی۔ اسم غنی کا اصلی راز یہی ہے اور اسم اعظم

marfat.ocm

بھی اسی کو نصیب ہوتا ہے جو اس کا اہل ہو۔

دولت مندی کا وظیفہ

الاحیاء میں ہے کہ مندرجہ ذیل دعا جمعہ کی نماز کے بعد پڑھنا مستحب ہے۔ وہ دعا یہ ہے:۔

اَللّٰھُمَّ یَا غَنِیُّ یَا حَمِیْدُ یَا مُبْدِئُ یَا مُعِیْدُ یَا رَحِیْمُ یَا وَدُوْدُ اَغْنِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَبِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ جو اس دعا پر مداومت کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ مخلوق سے مستغنی بنا تا ہے اور اسے غیب سے رزق نصیب ہوگا جس کا اسے تصور تک نہ ہوگا۔

تفسیر عالمانہ:۔ والذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت اور ایمان داروں اور اعمال صالح والوں کے لیے کفران ہم ضرور ان سے اتاریں گے ان کے کفر بالایمان اور معاصی کو انہیں طاعات و عبادات کی توفیق سے اور تکفیر بمعنی چھپانا اور ڈھانپنا اور گناہوں کو ایسا نیست و نابود کرنا گویا انہوں نے گناہ کیا ہی نہیں۔ بعض لوگوں نے اس کا معنیٰ لکھا ہے بمعنی گناہ کو مٹا کر اس کے بجائے نیکی کو ثابت کرنا اور ان گناہوں کو معاف کر کے سزا نہ دینا۔ ولنجزینھم احسن الذی کانوا یعملون اور ہم انھیں اس عمل کی جو وہ دنیا میں نیک کام کرتے تھے بہتر جزا دیں گے مثلاً ایک نیکی پر دس نیکیاں یا اس سے بھی زائد اجر و ثواب عطا فرمائیں گے اور وہ بھی ان کے اعمال کی جزا نہ ہوگی بلکہ ہمارا لطف و کرم ہوگا۔

رسم باشد کہ غنی چیزے رسد محتاج را
طریقہ ہے کہ غنی سے محتاج کو عطیات نصیب ہوتے ہیں

عمل صالح کیا ہے:۔ ہمارے نزدیک ہر وہ حکم جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے وہ عمل صالح ہے اور اس کا صالح ہونا اللہ تعالیٰ کے حکم سے منسوب ہونے کی وجہ سے ہے اور جس فعل سے منع فرمایا ہے اس سے بچ جانا بھی ہمارے نزدیک عمل صالح میں داخل ہے اس لیے کہ یہ بھی اس کا ایک قسم کا حکم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فعل کی فی نفسہٖ صلاح و فساد کی کوئی حیثیت نہیں اس کی صلاح و فساد نسبت کی وجہ سے ہے۔

عقیدۂ معتزلہ:۔ معتزلہ نے کہا کہ فعل فی نفسہٖ صلاح و فساد کا حامل ہے۔ امر و نہی اسی کے ذاتی صلاح و فساد پر مرتب ہوتے ہیں مثلاً صدق ذاتی طور پر ایک صالح عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ذاتی صلاحیت کے پیش نظر امر فرمایا ہے اور ہمارے (اہلسنت) کے نزدیک صلاح و فساد اور حسن و قبح امر و نہی پر مرتب ہوتے ہیں لیکن وہ اس کے برعکس کہتے ہیں۔

marfat.com

مسئلہ: انسان جو بھی نیکی کا کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جزاء عطا فرمائے گا اور انسان اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں پائے گا جب قیامت میں اس کے ہاں حاضر ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ اس کی نیکی کا نفع انسان خود پائے گا اگرچہ بظاہر اس کی نیکی سے دوسرے بھی نفع پاتے ہیں۔

حدیث شریف: صحیح مسلم شریف میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرمائے گا کہ میں بیمار ہوا تھا تو میری طبع پرسی پر کیوں نہ آیا۔ بندہ عرض کرے گا یا اللہ تیری طبع پرسی کا کیا معنیٰ جبکہ تو ایسے عوارض سے منزہ اور پاک ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے میرے بندہ تمہیں معلوم تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تو اس کی طبع پرسی کے لیے نہیں گیا اگر تو اُس کے ہاں چلا جاتا تو تو مجھے وہاں ضرور پا لیتا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابن آدم میں نے تیرے سے طعام مانگا تھا تو نے انکار کر دیا تھا یہ کیوں؟ بندہ عرض کرے گا یا الہ العالمین تو کھانے سے پاک ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھے یاد ہوگا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے طعام مانگا تھا لیکن تو نے انکار کر دیا اگر تو اسے طعام کھلاتا تو آج اس کا صلہ میرے ہاں پاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے نہ دیا۔ بندہ عرض کرے گا یا اللہ العالمین تو پینے سے منزہ ہے تو پھر پانی کا سوال کیسا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھے یاد ہوگا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے انکار کر دیا اگر تو اسے پانی پلاتا تو آج تو اس کا ثواب مجھ سے پاتا۔

جزا کا بدلہ

ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں ایک سال حج کے لیے گھر سے روانہ ہوا تو راستہ میں ایک بڑا سیاہ سانپ پڑا دیکھا جس نے تمام راہ گیروں کا راستہ روک رکھا تھا اور شاید پیاس سے منہ کھول رکھا تھا لیکن لوگ اس کی اصلی غرض کو سمجھ نہیں رہے تھے۔ میرے ہاں پانی کا مشکیزہ تھا میں نے اس کا منہ کھول کر اس کے آگے رکھ دیا۔ وہ میرا پانی پی کر چلا گیا اور بالکل آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ ہم تمام لوگ حج کو چلے گئے اور فراغت کے بعد اسی راستہ سے واپسی ہوئی۔ جب اسی مقام پر پہنچے تو مجھے نیند آگئی اور قافلہ اُٹھ کر چلا گیا۔ جب میں نیند سے اُٹھا تو حیران ہو کر رہ گیا۔ لیکن مزید حیران کن یہ بات تھی کہ میری اُونٹنی کے ساتھ ایک اور اجنبی اونٹنی کھڑی تھی اور مجھے کہہ رہی تھی کہ میرے اُوپر سوار ہو جائیے میں اس پر سوار ہو گیا اور اپنی اونٹنی کو پیچھے لگا لیا یہاں تک کہ ہم صبح صادق قافلے سے جا ملے۔ قافلے تک پہنچا تو اُونٹنی بولی کہ آپ اُتریں اور مجھے رخصت عطا فرمائیے۔ میں نے نیچے اُتر کر اونٹنی سے پوچھا یہ کیا ماجرا ہے۔ اس نے کہا میں وہی سانپ ہوں جسے آپ نے پانی پلایا اور میں بدلہ اُتارنے آیا تھا کیونکہ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔

marfat.ocm

باحسانے آسودہ کردن دلے
بہ از الف رکعت بہر منزلے
گر از حق بلے توفیق خیرے رسد
کسے از بندہ خیرے بغیرے رسد
غم و شادمانی نماند ولیک
جزائے عمل ماند و نام نیک

ترجمہ:۔ احسان سے کسی کے دل کو آسودہ کرنا ہو تو ہر منزل تک ہزار رکعت ادا کر کے پہنچنے سے بہتر ہے۔

۲۔ اگر اللہ تعالیٰ سے تجھے بھلائی کی توفیق نہ ہو تو کسی کو کسی تک بھلائی نہ پہنچے گی۔

۳۔ غم و خوشی نہ رہے گی لیکن عمل کی جزا اور نیک کام باقی رہے گا۔

تفسیر عالمانہ:۔ ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا۔ اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید فرمائی کہ ماں اور باپ کو بہتر سے بہتر خدمات پیش کرے اور اسے حکم فرمایا کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور لفظ توصیۃ معنیٰ امر اور تصرف کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے۔ یہ وہ توصیہ ہے کہ جس کا استعمال مامور بہ کے اس نفع میں مستعمل ہوتا ہے جو مامور اور غیر مامور کی طرف لوٹے اور توصیۃ بمعنی وصیت کرنا۔

امام راغب نے لکھا ہے کہ اپنے غیر کو ایسا کلمہ پیش کرنا جو وعظ پر مشتمل ہو تاکہ وہ اس پر عمل کرے۔ اسے عربی میں وصیۃ کہا جاتا ہے۔ اسی سے توصیہ ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے وصیت زید العمرو بمعنی امرتہ معھدہ ومراعاتہ (وان جاھداك) اور ہم نے اسے کہا کہ اگر تیرے والدین کوشش کریں اور تیرے ساتھ جنگ و جدائی کریں تو یہاں پر قلنا محذوف ہے لیکن اگر وصینا بمعنی قلنا کہا جائے تو پھر لفظ قلنا محذوف ماننے کی ضرورت ہی نہیں لتشرك تاکہ تو میرے ساتھ شریک بنائے۔ ما لیس لك به علم اسے کہ جس کی الٰہیہ کا تجھے علم نہیں۔ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی بہ دراصل بالٰہیتہ تھا۔ مضاف کو محذوف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے۔ الٰھیۃ کی نفی کے بجائے اس سے علم کی نفی میں اشارہ ہے۔ جس شے کے وجود کا ہی علم نہیں تو پھر اس کی اتباع کا کیا معنیٰ اور پھر جس کے بطلان کا علم نہ ہو اس کی بھی اتباع کرنا جہالت ہے۔ اس سے مزید جہالت بلکہ حماقت ہے کہ جس کے بطلان کے علم کے باوجود اس کی اتباع کی جائے فلا تطعھما تو شرک کرنے میں ان کا کہنا مان کیونکہ خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ (کما ورد فی الحدیث)

مسئلہ:۔ ایسے ہی اُستاذ اور حاکم وقت کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ان کا فرمان نہیں ماننا چاہیے یعنی کسی برائی کے ارتکاب کا حکم فرمائیں یا شرع کے خلاف کا حکم دیں تو ان کا کہنا نہ مانو۔ الی مرجعکم تم سب کا یعنی مومن۔ کافر و مشرک اور ماں باپ کے خدمت گار اور ان کے نافرمان کا میرے ہاں پھرنا ہے۔ فانبئکم بما کنتم تعملون تو میں تمھیں

marfat.com

بتادوں گا جو تم عمل کرتے تھے۔ اظہار کو تنبئۃ سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ ہر دونوں علم کے اسباب ہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ قیامت میں برسرِ میدان تمہارے کردار کو ظاہر فرمائے گا اور تمہیں بتادے گا کہ تم دنیا میں ہمیشہ کن اعمال کا ارتکاب کرتے تھے اس کے بعد تمہارے کردار کے لائق جزا و سزا مرتب کروں گا۔

والذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت لندخلنھم فی الصّٰلحین ۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے اور ہم ضرور انہیں نیک لوگوں میں داخل کریں گے یعنی اس سے راسخین فی الصلاح کے زمرہ مراد ہیں یعنی قیامت میں یہ لوگ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے اور راسخین فی الصلاح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ہیں اسی طرح وہ لوگ جن کا باطن اللہ تعالیٰ کے لیے صاف اور صلاحیت میں کمال درجہ کے اہلِ ایمان بھی اس میں شامل ہیں اور صلاح و کمال اہلِ ایمان کا انتہائی مقام اور انبیاء و مرسلین کے اولین مقاصد میں سے ہے۔

حکایت ۔ سعد بن مالک جو سعد بن ابی وقاص کے نام سے مشہور ہیں (رضی اللہ عنہ) آپ سابقین اولین میں سے ہیں جب انہوں نے اسلام قبول کیا یا جب ہجرت کی (کذا فی التکملہ) تو انھیں اُن کی والدہ حمنہ بنت ابی سفیان بن اُمیہ نے کہا اے سعد یہ تو نے کیا کیا کہ اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کر لیا۔ روشنی کو چھوڑ کر تو اندھیرے میں چلا گیا جب تک تو اپنے نئے دین کو چھوڑ کر اپنے آباؤ اجداد کے دین میں واپس نہیں آئے گا میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی یہاں تک کہ مر جاؤں گی۔ اگر میں مر گئی تو پھر تجھے لوگ پکاریں گے **یا قاتل اُمہ** ۔ اے ماں کے قاتل۔ اسی طرح حمنہ نے اپنی قسم پر تین دن گزارا اور ضعف و نقاہت سے نہایت کمزور پڑ گئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے امی اگر تیری ـــــ جان اسی طرح دکھ اور درد جھیل کر نکل جائے تب بھی مجھے کوئی پرواہ نہیں میں اپنے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا تم کھاؤ یا نہ کھاؤ۔ جب حمنہ نے دیکھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے قول میں پختہ اور مضبوط ہے تو حمنہ نے کھانا پینا شروع کر دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے خصوصاً اور باقی جملہ اہلِ اسلام کو تاکید فرمائی کہ ماں باپ کے ساتھ احسان و مروت کرو اور ان کی خدمات میں کوتاہی نہ کرو اور شرک اور نافرمانی شرع کے سوا باقی جن اُمور میں وہ راضی ہوں انہیں راضی کریں۔ ہاں جب وہ شرک یا حکم شرع کے خلاف فرمائیں تو ان کا کہنا نہ مانیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

چوں نبود خویش را دیانت و تقویٰ
قطع رحم بہتر از مودت قربیٰ

ترجمہ: "جب رشتہ داران میں دیانت و تقویٰ نہ ہو۔ ایسے رشتہ داروں سے قطع رحمی ہوتی ہے تو کوئی حرج نہیں۔"

marfat.ocm

مسئلہ: ہدیۃ المہدیین میں ہے کہ ماں باپ کا نان نفقہ اور اُن کی خدمت و زیارت واجب ہے اگرچہ کافر ہوں۔ ہاں اگر وہ کفر پر مصر کریں تو اُن کے ہاں آنا جانا ترک کر دے۔

مسئلہ: اگر ماں باپ نابینا ہوں تو اپنی عورت کو حکم دے سکتا ہے کہ وہ انہیں گرجا وغیرہ سے گھر میں لائے اس کے برعکس کا حکم نہ دے کیونکہ بت خانہ و گرجا وغیرہ کی طرف لے جانے میں معصیت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر ذمی کافر بت خانہ وغیرہ کا راستہ پوچھے تو نہ بتائے تاکہ دلالت الی الشر میں داخل نہ ہو۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے بادشاہ کے گھر کا راستہ پوچھا تو آپ نے اسے گورستان کا راستہ دکھایا۔ بادشاہ کے لشکری کو معلوم ہوا تو آپ کو اس نے خوب مارا جب لشکری کو آپ کی شخصیت کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا میں نے پہلی مار سے تجھے معاف کر دیا تھا بلکہ میں تجھے دعائیں دیتا تھا کہ تو نے میرے ظالم نفس کو خوب سیدھا کیا (کذا فی البزازیہ)

مسئلہ: شبہات میں والدین کی اطاعت واجب ہے۔ حرام محض کے ارتکاب کا حکم فرمائیں تو اس میں ان کی نافرمانی بھلی۔ اسی طرح امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اکثر علماء کا یہی مذہب ہے اس لیے کہ ترک شبہات اتقاء ہے اور والدین کی خوشنودی ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ واجبات کی ادائیگی ضروری ہے۔

مسئلہ: نوافل توڑ کر ماں کے بلاوے کا جواب ضروری ہے بخلاف والد کے کہ اس کے بلاوے کا جواب ضروری نہیں۔

مسئلہ: طحاوی شریف میں ہے کہ اگر ماں باپ کو علم نہ ہو کہ بیٹا نوافل پڑھ رہا ہے اور بلائیں تو جواب دینا ضروری ہے اگر انہیں علم ہے کہ بیٹا نماز میں ہے تو نوافل سے فراغت کے بعد جواب دینا چاہیئے۔

مسئلہ: فرائض میں والدین کے پکارنے پر جواب نہ دے ہاں اگر مصیبت میں مبتلا ہو کر بلائیں تو جواب دینا چاہیئے کیونکہ ضرورت کے وقت نماز توڑنا جائز ہے۔

مسئلہ: جب کسی کو دیکھے کہ وہ چھت سے گرتا ہے یا آگ میں جلتا ہے یا پانی میں ڈوبتا ہے تو نماز توڑنا واجب ہے اگرچہ نماز فرض ادا کر رہا ہو۔

مسئلہ: نماز پڑھ رہا ہے تو کسی کافر نے کہا کہ مجھے اسلام کی تلقین کیجئے یا ایک درم یعنی چار آنے کی مقدار کوئی نقصان ہو رہا ہے یا اپنے بچے وغیرہ کی جان کا خطرہ ہے تو نماز توڑ سکتا ہے۔ فرض پڑھ رہا ہے یا نفل۔ (کذا فی البزازیہ)

مسئلہ: شرح التحفہ میں ہے کہ نفلی روزہ زوال کے بعد نہ توڑے۔ ہاں اگر روزہ رکھنے سے والدین کی نافرمانی لازم آتی ہے تو روزہ نفلی زوال کے بعد توڑ سکتا ہے۔

marfat.com

مسئلہ:۔ والدین کو خدمت کی ضرورت ہو اور ان کا کفیل اور کوئی نہ ہو تو جنگ پہ نہ جائے اور نہ ہی حج پڑھے اور نہ ہی علم (نفلی) پڑھنے کے لیے جائے اس لیے کہ والدین کی خدمت ان اعمال مذکورہ سے افضل ہے۔

حدیث شریف:۔ قیامت میں سب سے پہلے انسان سے نماز کے متعلق سوال ہوگا پھر والدین کے حقوق کے متعلق ایسے ہی عورت سے سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا۔ پھر آقا کے حقوق کے متعلق اگر ایک موقف میں جواب صحیح دے دیگا تو پھر دوسرے موقف پر سوال ہوگا ایسے ہی پچاس مواقف طے کرنے کے بعد کامیاب ہوا تو ورنہ عذاب جہنم میں مبتلا ہوگا۔ یاد رہے کہ ہر موقف ایک ہزار سال کا ہوگا۔

ماں باپ کی دعا:۔ حدیث شریف میں ہے کہ اولاد کے حق میں والدین کی دعا ستر و نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ محبوب پر بددعا جلد تر اثر کرتی ہے بالخصوص والدین کی بددعا اولاد کو۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

حکایت:۔ علامہ زمخشری سے کسی عالم دین نے پوچھا کہ آپ کا پاؤں کیسے کٹ گیا تھا اس نے کہا کہ میں نے بچپن میں ایک چڑیا کو پکڑ کر دھاگے سے اس کے پاؤں کو جکڑا اور پھر اپنی طرف کھینچا تو اس کا پاؤں کٹ گیا۔ میری والدہ نے اس کی حالت زار سے سخت مغموم ہوئیں اور مجھے فرمایا بیٹا جیسے تو نے چڑیا کا پاؤں کاٹا ہے خدا کرے تیرا پاؤں بھی ایسے ہی کٹ جائے۔ جب میں علم کی تحصیل کے لیے بخارا کو گیا تو راستہ میں سواری سے گرا تو میرا پاؤں ٹوٹ گیا۔ بعض نے کہا کہ راستہ میں پاؤں سردی سے سوکھ گیا جسے پھر کاٹنا پڑا۔ اسی لیے زمخشری لکڑی کے سہارے چلتا تھا۔ (کذا فی روضۃ الاخیار)

حقوقِ اولاد علی الوالدین

ماں باپ پر واجب ہے کہ وہ اولاد کی نافرمانی کا موجب نہ بنیں یعنی انھیں ایسے عمل پر مامور نہ کریں جس سے انہیں نافرمان ہونا پڑے بلکہ ان کے لیے ایسے اُمور کا سوچیں جو ان کے لیے فرمانبرداری پر معاونت کرسکیں۔

مسئلہ:۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے لیے صدقہ خیرات یعنی ایصال ثواب کرنا اور ہر جمعہ اُن کی قبور کی زیارت کرنا اور ان کے لیے ہر نماز کے بعد دُعائے خیر کرنا اور اُن کے معاہدوں اور وصیتوں کو پورا کرنا بھی برّ الوالدین میں داخل ہے اور یہ اُمور اُن کے مرنے کے بعد کے ہیں اور ان کی زندگی میں اُن کے حقوق یہ ہیں حسبِ استطاعت انہیں نان ونفقہ دے اور اُمور شرعیہ میں اُن کے حکم کی تعمیل کرے اور اُن کے ہر معاملہ کو ترجیح دے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ووصینا الانسان الخ میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی شان کی عظمت اور انبیاء علیہم السلام کی عزت وعظمت اور ان کے اعزا اولیاء ومشائخ کے

marfat.ocm

منزلت اور اُن کے اکرام کا بیان ہے وہ اس لیے کہ والدین کے حقوق کی رعایت کے دو سبب ہو سکتے ہیں اس لیے کہ والدین اولاد کے وجود کا سبب ہیں۔ دوسرے یہ کہ والدین اولاد کی تربیت کرتے ہیں اور یہ دونوں انعامات والدین کے غیبی نصیب ہوئے لیکن چونکہ والدین کو ان دونوں کے سبب بننے میں نفسانی حظ بھی اور اللہ تعالیٰ ہر ضرورت و حاجت سے منزہ اور پاک ہے اور والدین اگرچہ اولاد کے وجود کے اسباب نہیں لیکن مستقل بالبینۃ نہیں انھیں اللہ تعالیٰ اور اس کے ارادہ کی محتاجی ہے اس لیے کہ جب تک مشیت و ارادۂ الٰہی نہ ہو وہ اولاد کے وجود کے اسباب نہیں بن سکتے یہی وجہ ہے کہ اولاد محض تزوج و نکاح اور جماع وغیرہ سے پیدا نہیں ہوتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ نہ ہو اسی لیے فرمایا یھب لمن یشاء اناثا ویھب لمن یشاء الذکور (الآیہ) اس سے ثابت ہوا کہ ایجاد اولاد کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ ہے اور والدین محض اسباب ہیں اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ اسباب کے بغیر بھی انسان پیدا کر سکتا ہے جیسے آدم علیہ السلام کو ماں باپ کے بغیر پیدا فرمایا۔

فائدہ: اسی طرح تربیت بھی حقیقۃً اللہ تعالیٰ کرتا ہے اسی لیے کہ وہی ہر شے کا رب اور مُربی ہے اور والدین اولاد کے مجازی مُربی ہیں۔ ظاہری تربیت اللہ تعالیٰ نے اُن کے سپرد فرمائی ہے ورنہ حقیقۃً تربیت وہی کرتا ہے مثلاً نطفہ رحم میں ٹھہرا تو اُس کی تربیت فرمائی جس سے وہ علقہ (خون کی پھٹک) بنا اس کے بعد بوٹی اس کے بعد ہڈیاں بنیں پھر انہیں گوشت پہنایا۔ اس کے بعد اور صورت میں اُٹھان دی۔ اس سے واضح ہوا کہ رعایت حقوق میں اللہ تعالیٰ ہی زیادہ حقدار ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے سامنے اظہارِ عبودیت کیا جائے اور والدین کے حقوق میں بھی کوتاہی نہ برتی جائے۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وہ سب سے پہلے حقوق اللہ میں پھر حقوق والدین میں جدوجہد کرے۔ کما قال اللہ تعالیٰ و قضیٰ ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانًا۔

نبی اور ولی کی تربیت

نبی علیہ السلام اور ولی اللہ روحانیت کے اسباب ہیں کہ وہ انوارِ نبوت و ولایت اُمت اور مرید کے قلب میں ڈالتے ہیں پھر وہ اُن کی تربیت کرتے ہیں یہاں تک کہ عالمِ ملکوت میں قلب میں ایک راز پیدا ہوتا ہے چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام سے خبر دی کہ ملکوت السمٰوٰت والارض میں وہ ہر شخص داخل ہو سکتا ہے جو دوبارہ پیدا ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ نبی علیہ السلام اور ولی کامل عالم ارواح و اعلیٰ علیین اور مقام قرب کے اسباب ہیں اور والدین انسانی اجساد اور عالم اشباح و اسفل سافلین بھی مقام بعد کے اسباب ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے

marfat.com

لیے ایسے ہوں جیسے والد اپنی اولاد کے لیے ہوتا ہے۔ اسی معنیٰ پر نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات اُمت کی مائیں ہیں اور حضور علیہ السلام نے فرمایا الشیخ فی قومہ کالنبی فی اُمتہ۔ شیخ کامل ولی اپنی قوم میں سے ایسے ہوتا ہے جیسے نبی علیہ السلام اپنی اُمت میں۔ اور جبکہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر احسان عمیم اور امتنان قدیم ہیں۔ اسی لیے حقوق کے بیان میں پہلے اپنا پھر والدین کے حقوق کا ذکر فرمایا۔

وان جاھداك لتشرك بی ما لیس لك به علم فلا تطعھما۔ اس میں اشارہ ہے کہ مرید صادق اور طالب عاشق جب کسی شیخ کامل کا ارادۃً دامن پکڑتا ہے لیکن اس میں صداقت وطلب میں عشق اور خلوص ضروری ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ دنیا کے جمیع تعلقات سے آزاد ہو جائے نہ اسے جاہ و مرتبہ کی خواہش ہو اور نہ ہی مال و منال کی حب امکان طاقت بشری دنیا سے بچنے کی کوشش کرے اور مضبوط لوگوں کی طرح پختہ ارادہ کرے۔ حضرت حق میں واصل ہونے کے لیے ہر وقت متوجہ رہے۔ اگر کسی کے والدین اپنی جہالت اور بیوقوفی سے اپنی اولاد کو شیخ کامل کی صحبت اور اس کے صدق ارادت اور طلب حق کے روکنے اور دنیا کی طرف رغبت دیتے اور طلب جاہ واسباب اور مال و منال کا حکم دیتے ہیں اور بے وقت انھیں نکاح کرنے پر مجبور کرتے ہیں

اس لیے کہ ان کا یہ حکم طاغوتانہ ہے اور طاغوت سے کفر کرنا ضروری ہے بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کی رسی کو مضبوط پکڑے۔ اگر وہ شرک کرنے پر مجبور کرتے ہیں تو وہ جاہل ہیں نہ انھیں اپنا پتہ ہے نہ اپنی اولاد کے مراتب کا۔ سالک پر لازم ہے کہ وہ عبادتِ غیر سے اپنے آپ کو دُور رکھے اور ایسے نفسانی خواہشات اور دنیوی تعلقات سے بھی دور ہو کیونکہ صوفیہ کرام کے نزدیک خواہشاتِ نفسانی اور دنیوی تعلقات میں پھنسنا بھی شرک ہے۔ اگر والدین ایسے اُمور پر مجبور کریں تو بھی ان کا فرمان نہ مانے بلکہ نرمی وملاطفت سے انہیں سمجھائے انہیں نہ جھڑکے نہ گالی دے تاکہ وقضٰی ربك ان لا تعبد وا الخ فرمان ایزدی پر پورا اُتر سکے۔ ہاں جتنا ہو سکے ان کے ساتھ احسان کرے اور اُن کی بات کو غور سے سن کر ان کی فرمانبرداری کرے لیکن ایسا حکم نہ مانے جو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے کا سبب بنے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب کو اپنی طرف لوٹنے کا وعدہ یاد دلاتا ہے کہ الی مرجعکم فانبئکم پھر اے لوگو خواہ تم کسی کے والد ہو یا اولاد میری طرف سب کا رجوع ہے تو میں جزا دوں گا۔ بما کنتم تعملون اس کی جو تم عمل کرتے ہو عبادتِ خالصہ اللہ تعالیٰ یا خواہشاتِ نفسانی کی اس وقت تمھیں معلوم ہو گا کہ تم اپنی سزا کس عمل سے پا رہے ہو۔ والذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت اور اہل ایمان جنہوں نے محبت حق کی طلب کی ہو اور ایسے کام کیئے جو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والے ہیں اور حضرت حق کے لیے واصل ہیں۔ لندخلنھم فی الصالحین ہم انھیں جذبات عنائیتہ سے مقام انبیاء و اولیاء کے مقام پر فائز المرام فرمائیں گے۔ اسے تم انشاء اللہ سمجھ جاؤ گے اور امن میں رہو گے

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ: **ومن الناس** ۔ اپنے مضمون کے لحاظ سے یہ مبتدا ہے یعنی بعض لوگ اس کی خبر۔ (**من یقول امنا باللہ فاذا اوذی فی اللہ**) وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے جب انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایذا پہنچتی ہے یعنی انہیں کفار ایمان کی وجہ سے دکھ درد پہنچاتے ہیں۔

اوذی صیغہ مجہول اس کی ماضی **اذیٰ** اور مضارع **یوذی** آتا ہے **اذی اذیۃ** سے ہے بمعنی ہر وہ شے جو انسان کے دل یا جسم یا اُس کی اولاد یا اُس کے دنیوی یا اُخروی معاملہ میں ضرر پہنچائے (کذافی القاموس)

جعل فتنۃ الناس ۔ لوگوں کی طرف جو اسے اذیت پہنچتی ہے تو وہ اسے بنا تا ہے۔ فتنہ بمعنی (آزمائش و امتحان و اختبار) اہل عرب کہتے ہیں۔ **فتنۃ الذھب** ۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب سونے کو آگ میں ڈالا جائے تاکہ اُس کے کھوٹے کھرے کا امتیاز ہو اور اس کا محنت پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ اس لیے کہ محنت و مشقت سے قلب کے کھرے کھوٹے ہونے کا پتہ چلتا ہے کعذاب اللہ آخرت میں عذاب الٰہی کی طرح کہ جیسے وہاں شدت و ہول ہوگا وہ کافر کی اذیت کو اسی درجہ میں سمجھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جسے خوفِ الٰہی کی حمایت حاصل نہ ہو تو وہ خوفِ حق اور خوفِ باطل یعنی کافروں کی اذیت کو برابر سمجھتا ہے پھر چونکہ کفار کی اذیت کا خوف دنیا میں ہے اسی لیے اسے ترجیح دے کر دین سے منحرف ہو جاتا ہے۔ اگر اسے خوف الٰہی کی شدت کا علم ہوتا اور اسے معلوم ہوتا کہ لوگوں کی اذیتیں عذابِ الٰہی کے بالمقابل کچھ نہیں تو پھر وہ لوگوں کے عذاب سے ڈرتا ہی نہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی آرزو کو مٹا ڈالتا اور صرف اسی کی رضا کا طالب ہوتا تو اسے لوگوں کا خوف ہوتا اور نہ اُن کے عذاب سے۔

حدیث شریف: ۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے اور جو اس سے نہیں ڈرتا تو وہ اسے ہر شئے سے ڈراتا ہے۔ فرمایا:

بعض لوگوں نے اس کا معنیٰ یہ کیا ہے کہ جو ایمان سے پھر جانے کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح بناتا ہے یعنی کفر میں لوٹنے سے ڈرتا ہے یا یہ کہ لوگوں کے ڈر سے ایمان پر کفر کو ترجیح دیتا ہے۔ **ولئن جاء نصر من ربك** اور بخدا اگر آجائے آپ کے رب تعالیٰ سے فتح و نصرت اور اہل ایمان کے لیے غنیمت۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مدنیہ ہے۔

لیقولن ۔ بضم اللام من کے معنی کی وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے اور جآء کو مفرد لایا گیا ہے۔ اس کے لفظ کا اعتبار کرکے چنانچہ قاعدہ اس کا بارہا گزرا ہے۔ **انا کنا معکم** تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم تمہارے دین کی اتباع کرنے والے ہیں اسی لیے ہمیں بھی مال غنیمت میں شامل کیجیے۔ یہ ان ضعیف مسلمانوں کے لیے ہے جب انہیں کفار سے اذیت پہنچتی تو کفار کے ساتھ ہو جاتے اور اپنی اس موافقت کو اہلِ اسلام سے مخفی رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا **اولیس اللہ باعلم بما فی صدور العالمین** کیا اللہ تعالیٰ نہیں جانتا جو لوگوں کے دلوں میں ہے یعنی اسے معلوم ہے کہ ان میں مخلص کون ہے اور منافق کون یہاں تک کہ بعد کو ان سے جو فعل صادر ہوگا یعنی مرتد ہوں گے اسے جانتا ہے اور اسے اب کا حال بھی معلوم ہے کہ اب وہ صرف مالِ غنیمت کے ہاں ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو مخلص کے اخلاص کا اور منافق کی منافقت کا علم ہے۔ **ولیعلمن اللہ الذین امنوا** ۔ اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے خلوص کو **ولیعلمن المنافقین** اور اہل نفاق کی منافقت کو ظاہر فرمائے گا۔ ان کی منافقت ذاتی ہو یا کفار کی اذیت کی وجہ سے یعنی اہل ایمان کو جزا اور اہل منافقت کو سزا دے گا۔ ہم

marfat.com

نے یہاں پر حسب دستور علم بمعنی تعلق یا شئے کا معنی کیا ہے یعنی ظاہر کرنا جس پر کہ اُن کی جزا کا ترتب ہوگا اور ایمان کا جوہر اور منافقت کی گند گی قلب میں ہوتی ہے وہ امتحان اور آزمائش کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر محنت و بلا پر صبر کرے گا تو ایمان دار ہوگا۔ اگر جزع فزع کرے گا تو منافق ہوگا جیسے کھوٹے کھرے سونے کا پتہ آگ پر رکھنے سے ہوتا ہے۔

بشکل وھیأت انسان ذرہ مروز نہار
تو ان یصبر و تحمل شناخت جوہر مرد

ترجمہ:۔ انسانی ڈھانچہ سے انسان کا جوہر معلوم نہ ہوگا اسے صبر و تحمل سے پہچانا جا سکتا ہے۔

اگر ناپاک بود از بلا نخواہد جست
وگر در اصل بود پاک صبر خواہد کرد

ترجمہ:۔ اگر ناپاک ہوگا تو صبر و کے وقت شور و غل کرے گا۔ اگر پاک ہوگا تو صبر و تحمل سے کام لے گا۔

تفسیر صُوفیانہ:۔ آیت میں ہر مسلم کو تنبیہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی میں صبر اور حوصلہ کرے اور ایمان کی حقیقت ایک نور ہے جب کسی مومن کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس سے خارج نہیں ہوتا نہ ہی خلق خدا کی اذیت میں اور تکلیفیں اس کے نورِ ایمان کو اس کے قلب سے نکال سکتی ہیں بلکہ توکل علی اللہ کر کے تکالیف وغیرہ برداشت کے متعلق اس کا حوصلہ بڑھتا رہتا ہے اس لیے کہ اس کا نور حقیقی ہے عارضی شے نہیں کہ عوارض سے زائل ہو جائے جیسے سورج و چاند کا نور ذاتی ہے کہ جب طلوع کرتے ہیں تو اُن کے نور میں اضافہ ہوتا ہے کسی کو کیا مجال کہ ان کے نور کو بجھا سکے یا گھٹا سکے یا نور ایمانی کو اس پتھر کی طرح بموجہ نہایت صاف و شفاف ہوتا ہے اور رات کے وقت چمکتا رہتا ہے۔ اس کا نور کبھی کسی عارضہ سے نہیں بجھتا اور نہ ہی گھٹتا ہے بخلاف شمع کے کہ اس کا نور عارضی ہے وہ معمولی سے عارضہ سے بجھ جاتی ہے۔

فائدہ: بہت سے لوگوں کی مصیبت دنیوی اور نفسانی ہوتی ہے۔ مثلاً قریبی رشتہ دار مر جائے یا پیاری شے گم ہو جائے تو ایسی مصیبت کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قدر و منزلت نہیں اگرچہ لوگ اسے بہت بڑی مصیبت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہاں جس کی مصیبت و محنت اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو اس کی قدر و منزلت کا کیا کہنا لیکن ایسے مصائب والے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفار مکہ بہت بڑی اذیتیں پہنچاتے تھے لیکن آپ اس پر صبر فرماتے اور فرمایا جتنی مجھے ایذائیں پہنچائی گئیں ایسے کسی نبی علیہ السلام کو کفار نے ایذائیں نہیں پہنچائیں اس کا صوفیانہ ترجمہ یہ ہے کہ جتنی میری صفائی قلب منجانب اللہ ہوئی ایسے کسی نبی علیہ السلام کو صفائی قلب نصیب نہیں ہوئی وہ اس لیے کہ ایذائیں تصفیۂ قلب کی موجب ہیں بلکہ بقدر تکالیف اولیاء اور محبوبانِ خدا کی قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے وہ اس لیے کہ ایذاؤں اور تکلیفوں سے انسان کے قلوب کی میل اور کچیل دُور ہوتی ہے مثلاً یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ کے رہنے کی مدت میں کتنی صفائی قلب نصیب ہوئی کہ ان

marfat.ocm

کا نعم البدل کا جوہر معدن انسانیت سے انہی ایام میں صاف وشفاف ہوا وہ صرف اسی لیے کہ ان پر بلیات کے پہاڑ ڈھائے گئے لیکن آپ نے اُف تک نہ کی بلکہ صبر و تحمل سے کام لیا۔ اسی طرح حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حال تھا کہ ہر قبیلہ کا صحابی اپنے قبیلہ کے جملہ افراد سے تکالیف اور اذیتوں کا نشانہ بنتا بلکہ وہ لوگ اسے دین اسلام سے پھیرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے مثلاً قید کرتے لاٹھیاں اور پتھر مارتے بھوکا پیاسا رکھتے وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ جب کسی صحابی سے اپنے قبیلہ سے سخت مار پڑتی تو مار پٹائی کی شدت سے اس صحابی سے سیدھا ہو کر بھی نہیں بیٹھا جا سکتا تھا۔ ابو جہل اور اس کی پارٹی کا کام بھی یہی تھا کہ وہ اپنے متعلقین اہل اسلام کو سخت سے سخت سزائیں دیتے اور ہر طرح کی اذیتیں پہنچاتے۔ اگر اسلام لانے والا کوئی صاحب شریف ہوتا تو اس کے ہاں جا کر ڈراتا دھمکاتا اور کہتا تیری شرافت میں کمی آجائے گی اور تیرا وقار پھیکا پڑ جائے گا۔ تیری بات کوئی بھی نہیں سنے گا۔ اگر اسلام لانے والا تجارت پیشہ ہوتا تو اسے جا کر کہتا کہ تیرا کاروبار کم ہو جائے گا اور تیرا مال ضائع ہو جائے گا۔ اگر وہ کمزور ہوتا تو اس کے ایذاء دینے میں کسی قسم کی کمی نہ کرتا اور لوگوں کو اکساتا یہاں تک کہ بہت سے غریب لوگ اس کی کارروائی سے دینِ اسلام سے منحرف ہوئے اور پھر شرک کی گندگی میں پھنسے۔ (نعوذ باللہ) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب ڈنڈے برستے اور آپ کو سخت سے سخت ایذائیں دی جاتیں تو کہتے۔ احد احد یعنی اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرح دوسرے بہت سے سعادت مند بزرگوں کو دین میں تکلیفیں پہنچیں لیکن انہوں نے اس دنیوی عذاب کو سر پر اٹھایا اور دنیا کی رسوائی کو راحت سمجھا لیکن آخرت کے عذاب سے بچ گئے۔ اس لیے کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اس سے کئی گنا زائد اس دنیوی نار کو دیکھ لیجیے کہ یہ نار آخرت کی نار سے ستر گنا گرمی میں کم ہے۔ باوجودیکہ اسے بارہا بہشت کے پانی میں سے دھویا گیا لیکن اس کی گرمی کا حال سب کو معلوم ہے۔

فائدہ: حضرت واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور خواص بندوں کو مصائب و تکالیف پہنچی ہیں اس لیے سالک پر لازم ہے کہ تکالیف اور ملامت میں صبر کرے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

عاشق ثابت قدم آنکس بود کز کوئے دوست
او نگرداند اگر شمشیر بارد بر سرش

ترجمہ: عاشق ثابت قدم وہ ہے جو دوست کی گلی میں سے منہ نہیں موڑتا اگرچہ اس کے سر پر تلواریں چلتی رہیں۔

marfat.com

تفسیر عالمانہ:- وقال الذین کفروا للذین اٰمنوا۔ لام تبلیغ کی ہے یعنی کفار مکہ نے اہل ایمان سے مخاطب ہو کر کہا تاکہ وہ ان کی طرف مائل ہو کر دینِ حق سے منحرف ہوں۔ اتبعوا سبیلنا دین کے جس طریقے پر ہم چلتے ہیں تم اسی طرح کرو۔

اتباع بمعنی کسی کا کسی کے پیچھے چلنا۔ انہوں نے دین کو ایک راستہ قرار دے کر اہل اسلام کو اپنے پیچھے چلنے سے تعبیر کیا۔ ولنحمل خطایاکم اور اگر تمہارے کوئی گناہ ہیں جن کا تمہیں مؤاخذہ کا خطرہ ہے۔ تو اگر قیامت میں اٹھنا اور مؤاخذہ ہوا تو ہم سر پر اٹھالیں گے۔

خطایا خطیئۃ کی جمع اور خطأ سے مشتق ہے بمعنی عدول عن الجہۃ (صحیح جہت سے پھر جانا) اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کا رد فرمایا کہ وماھم بحاملین من خطایاھم من شیءٍ۔ حالانکہ وہ گناہوں سے کچھ نہیں اٹھائیں گے جبکہ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ہم لازماً اہل اسلام کے گناہ سر پر اٹھالیں گے۔ پہلا من تبیین کے لیے اور دوسرا زائدہ استغراق کے لیے ہے۔ انھم لکاذبون۔ بیشک وہ اپنے اس دعویٰ میں کہ ہم اہل اسلام کے گناہوں کے بوجھ اٹھانے کے وعدہ کو پورا کرنے پر قادر ہیں۔ ولیحملن اور یہی کفار جو بوجھ اٹھانے کے قائل ہیں۔ اٹھائیں گے۔ اثقالھم۔ اپنے ان گناہوں کے بوجھ جن کے وہ خود مرتکب ہوئے تھے اور یہ قیامت کے دن ہوگا اور اثقال ثقل بالکسر وسکون القاف کی جمع ہے جیسے حمل کی احمال آتی ہے۔ ثقل کا بالمقابل خفۃ یا ثقل ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو وزن کرتے وقت ترجیح پا جاتے ہیں یا اس کے ساتھ کسی شے کا اندازہ کیا جائے یہ دراصل اجسام میں مستعمل ہوتا ہے۔ مجازاً معانی میں استعمال کیا جاتا ہے اثقلہ الغرام والوزر اسے تاوان اور گناہوں نے بوجھل کر دیا۔ واثقالا مع اثقالھم اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ اس سے ان کا دوسروں کو گمراہ کرنا مراد ہے یعنی ایک تو ان کی اپنی گمراہی کے گناہ ہوں گے اور ساتھ دوسروں کو گمراہ کرنے کے گناہ بھی ان کے سر پر رکھے جائیں گے لیکن جنہیں گمراہ کیا ہوگا ان کے گناہوں میں بھی کمی کی جائے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ ضالین سے مضلین کے گناہوں کا بوجھ زیادہ ہوگا کیونکہ جو کسی کے کہنے پر گمراہ ہوا تھا تو اس کی اتباع کے گناہ گمراہی کی دعوت دینے والے کے سر پر ڈالے جائیں گے۔ ایسے ہی جو شخص برائی کا آغاز کرتا ہے تو جو بھی اس کی ایجاد کردہ برائی پر عمل کرتا ہے اس کا گناہ بھی ایجاد کرنے والے پر ڈالا جائے گا۔ کما ورد فی الحدیث۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کہ بنہد سنت بدائے فتی
تا در افتد بعد او خلق از عمی

بقیہ صفحہ ۱۰۴۹

marfat.ocm

جمع گردد بروے آن جملہ بزہ
کو سرے بودست وایشاں دم عزہ

ترجمہ:۔ جس نے بُرائی کے طریقے کی بنیاد رکھی کہ اُس کے بعد خلقِ خدا گمراہ ہو تمام گناہ جمع ہو کر اُس کے سر پر رکھے جائیں گے اس لیے کہ وہ ان تمام مجرموں کا سرخیل تھا اور یہ دوسرے اس کا لشکر۔

ولیسالن یوم القیمۃ۔ ان سے قیامت میں تقریع و تبکیت کا سوال ہوگا کہ وہ بُرائی کیوں کی اور اور کس وجہ اس کا ارتکاب کیا تھا۔ **عما کانوا یفترون**۔ جو کچھ وہ دنیا میں جھوٹی اور باطل باتیں گھڑ کر لوگوں کو گمراہ کرتے تھے منجملہ ان کے جھوٹ کے ایک یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

مسئلہ:۔ گناہوں کو اثقال سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ گناہ ایک عظیم بوجھ ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مرو زیر بار گناہ اے پسر
کہ حمال عاجز بود در سفر

ترجمہ:۔ اے عزیز گناہوں کے بوجھ تلے مت جا اس لیے کہ سفر میں بوجھ اُٹھا کر چلنا دشوار ہوتا ہے۔

شرحِ بیت:۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ سفر میں بوجھ اُٹھا کر چلنا بہت بڑی سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے بالخصوص جبکہ سفر لمبا اور راستہ بھی پُر خطر ہو۔

فائدہ:۔ گناہ بوجھ کے اعتبار سے مختلف ہیں۔

حدیث شریف:۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پاک دامن کو تہمت لگانے کا بوجھ چودہ طبقات آسمان و زمین سے زیادہ بوجھل ہے بلکہ جملہ موجودات سے بھی اور جبل الوجود اور انانیات کا بوجھ ان سے اور ثقیل تر ہے جیسا کہ وارد ہے کہ

تیرا وجود ایسا بھاری ہے کہ اس کے برابر کا اور کوئی گناہ نہیں۔

جمعیت خیرہا ہمہ در خانہ دینت
آن خانہ را کلید بغیر از فروتنی
شرع بد قیاس بیک خانہ جمع داشت
و آنرا کلید نیست بجز مائی و منی

ترجمہ:۔ تمام بھلائی تیرے اندر ہے اور اس کی چابی عاجزی و انکساری ہے اور برائیاں سبھی تیرے اندر ہیں ان کی چابی اور تکبر اور غرور ہے۔

marfat.com

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ
اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس سال
اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾
کم ہزار برس رہا تو انہیں طوفان نے آلیا اور وہ ظالم تھے
فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ
تو ہم نے اسے اور کشتی والوں کو بچا لیا اور اس کشتی کو سارے جہان کے لیے نشانی کیا اور ابراہیم کو جب
اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
اس نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ کو پوجو اور اس سے ڈرو اس میں تمہارا بھلا ہے اگر تم
تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ
جانتے تم تو اللہ کے سوا بتوں کو پوجتے ہو اور نرا جھوٹ گڑھتے ہو بے شک
الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ
وہ جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری روزی کے کچھ مالک نہیں تو اللہ کے پاس
اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا
رزق ڈھونڈو اور اس کی بندگی کرو اور اس کا احسان مانو تمہیں اسی کی طرف پھرنا ہے اور اگر تم جھٹلاؤ تو تم سے
فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾
پہلے کتنے ہی گروہ جھٹلا چکے ہیں اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا
اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى
اور کیا انہوں نے نہ دیکھا اللہ کیونکر خلق کی ابتدا فرماتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا بے شک یہ اللہ کو
اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ
آسان ہے تم فرماؤ زمین میں سفر کرکے دیکھو اللہ کیونکر پہلے بناتا ہے پھر
اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ
اللہ دوسری اٹھان اٹھاتا ہے بے شک اللہ سب کچھ کرسکتا ہے عذاب
مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ
دیتا ہے جسے چاہے اور رحم فرماتا ہے جس پر چاہے اور تمہیں اسی کی طرف پھرنا ہے اور نہ تم زمین میں

marfat.ocm

فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۲۲﴾

قابو سے نکل سکو اور نہ آسمان میں اور تمہارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی کام بنانے والا اور نہ مددگار

بقیہ صفحہ ١٠٣٦

(بقیہ مضمون سابقہ)

تفسیر صوفیانہ: جیسے اضلال اور کفر و معاصی پر برانگیختہ کرنا عظیم جرم اور اس کا عذاب بھی سخت تر ہے ایسے ہی غیر کی استعداد کو ضائع کرنا اور اسے طریق حق پر چلنے سے روکنا اور راہِ سلوک کا انکار کرنا سخت حرام اور اس کا عذاب شدید ہے اور یہ جرم زنا سے بھی زیادہ سخت ہے اس لیے کہ زنا میں بچہ کی پیدائش اور اس کی بقاو الد کے بغیر ہو گی لیکن افساد سے معنوی اولاد فیض کے بغیر باقی رہے گی اور ظاہر ہے کہ فساد معنی فساد صورت سے زیادہ بڑا ہے نیز آیت میں ارباب الحاد و دعویٰ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے جرائم کے ساتھ ان لوگوں کے بھی مجرم ہیں جنہیں وہ اپنی اتباع کا درس دیتے ہیں اور انہیں فساد و صلاح کا امتیاز نہیں کرنے دیتے اور نہ ہی انھیں ہلاک و بقاء کی خبر رکھنے دیتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں طریق مستقیم پر چلنے والوں سے بنا۔ آمین۔

تفسیر عالمانہ: ولقد ارسلنا اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے پہلے ہم نے دعوت توحید کے لیے بھیجا نوحاً نوح علیہ السلام کو جن کا اسم گرامی عبد الغفار تھا۔ وکذا ذکرہ السہیلی فی کتاب التعریف اور ابو اللیث نے البستان میں لکھا کہ ان کا اسم گرامی الشاکر تھا اور آپ چونکہ خوف الٰہی سے بکثرت گریہ زاری کرتے تھے اسی لیے اس نام سے موسوم ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر تشریف لانے کے بعد ایک ہزار چھ سو بیالیس سال میں پیدا ہوئے اور چالیس

marfat.com

سال کی عمر میں آپ کو نبوت ملی۔ الی قومہ۔ ان کی قوم کی طرف یعنی اُس وقت جتنے لوگ دنیا میں موجود تھے۔

سوال:۔ اس سے تو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت عامہ کے برابر ہوگئی حالانکہ آپ کے مرتبہ کے مطابق اور کسی کو درجہ نصیب نہ ہوا۔

جواب:۔ چونکہ نوح علیہ السلام کی نبوت صرف ان کی زندگی تک اور صرف اہل ارض اور وہ بھی چند محدود انسانوں کے لیے تھی اسی لیے انہیں سرکارِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ آپ کی نبوت کل کائنات علوی سفلی اور پھر آپ کے وصال کے بعد جاری و ساری ہے اسی لیے برابری کیسی۔ (کذافی انسان العیون)

فائدہ:۔ حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے نبی ہیں جو بتوں کے پجاریوں کی طرف مبعوث ہوئے اس لیے کہ بت پرستی کا آغاز آپ کی اُمت میں شروع ہوا۔ آپ تشریف لائے اور انہیں اس شرک سے بچنے کی تلقین فرمائی نیز یہی پہلے نبی علیہ السلام ہیں جو اقارب و غیر اقارب کے لیے مبعوث ہوئے ورنہ حضرت آدم علیہ السلام تو صرف اپنی اولاد کے نبی تھے۔ اُنہوں نے اپنی اولاد کو ایمان باللہ اور شرائع دین کی دعوت دی۔ اس معنی پر نوح علیہ السلام ہمارے لئے اب اصغر اور آدم علیہ السّلام اب اکبر ہیں۔

مزار نوح علیہ السّلام

علاقہ شام کرک (بالفتح) میں ہے (کذا فی فتح الرحمٰن) تو وہ اپنی اُمت میں ٹھہرے یعنی مبعوث ہونے کے بعد۔ بعث بالمکان اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی جگہ پر ہمیشہ کے لیے ٹھہرے۔ **الف سنة**۔ الف ایک مخصوص عدد کا نام ہے اور اس نام سے اس لیے موسوم ہوا کہ تمام اعداد اس میں جمع ہیں کیونکہ اصولی اعداد چار ہیں:۔

۱۔ احاد ۲۔ عشرات ۳۔ مآت ۴۔ اُلوف

جب ایک ہزار کی گنتی پوری ہوئی تو گویا اس میں پہلے اور پچھلے اعداد جمع ہوئے۔ بعض علماء کرام نے فرمایا الف اسی سے ماخوذ ہے کیونکہ نظام دنیا کا مبدا یہی ہے اور **السنة** دراصل سنھۃ تھا مثلاً کہتے ہیں سانھت فلانًا میں اس کے ساتھ سال بسال معاملہ کیا اور بعض نے کہا اس کا اصل سنو تھا چنانچہ اس کی جمع سنوات آتی ہے اور ہاء وقف کی ہے۔ الا خمسین عاما گرچہ پچاس سال لفظ عام سنۃ کی طرح ہے صرف فرق اتنا ہے کہ لفظ سنۃ کا استعمال اس سال کے لیے ہوتا ہے جس میں قحط اور تکالیف ہوں اس لیے قحط کے وقت لفظ سنۃ استعمال کرتا ہے اور العام

marfat.ocm

اُس وقت بولتے ہیں جب خوشحالی ہو۔

فائدہ: استثنار کے بعد لفظ عام لانے میں بھی اسی لطیف اشارہ کی طرف اشارہ ہے کہ قوم کے طوفان میں غرق ہونے کے بعد نوح علیہ السلام نے ساٹھ سال نہایت خوشحالی اور راحت و سرور کے ساتھ بسر کیا۔

فائدہ: بعض علمار نے فرمایا کہ سنتہ کو عام کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ سورج اپنے جملہ بروج میں عوم میں رہتا ہے اور عوم بمعنی تیرنا آتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ **کل فی فلك یسبحون**۔ اب معنی یہ ہُوا کہ نوح علیہ السلام نے اپنی اُمت میں ساڑھے نو سو سال بسر کیے اور اسی اثنار میں اپنی اُمت کو خوفِ الٰہی سُناتے رہے لیکن وہ بھی ڈھیٹ تھے کہ معمولی طور پر بھی توجہ نہ کرتے۔

فائدہ: لفظ الف مذکور میں طویل مدت کے اظہار کے لیے ہے تاکہ سامع کو اس کی درازی مدت کا احساس ہو۔ اس کے بعد خمسین کے استثنار سے اصل مدت بتائی۔ اس میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مطلوب ہے کہ نوح علیہ السلام بھی تکالیف و شدائد کفار پر صبر کرتے رہے۔ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم، قوم کی اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر کیجیے یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال قوم کو دعوت دی اور باوجود سخت تکلیفوں اور اذیتوں کے آپ نے دعوتِ دین سنانے میں کمی نہ کی اور قوم بھی راہِ راست پر نہ آئی سوائے چند ایک کے۔ کما قال اللہ تعالیٰ **وما اٰمن معه الا قليل**۔ جب قوم سے نا اُمید ہوئے تو ان پر بددعا کی تو ان کے لیے تباہی و ہلاکت کا حکم نازل ہُوا۔ کما قال **فاخذهم الطوفان** تو انہیں طوفان نے پکڑا۔ یعنی جب مدت مذکور ختم ہوئی تو اس وقت جملہ کفار جو زمین پر رہتے تھے طوفان میں غرق ہو گئے۔ **طوفان** ہر وہ شے جو کثرت و شدت و غلبہ کی وجہ سے دوسری شے کے ارد گرد چکر لگائے اور اسے گھیر لے جیسے سیلاب۔ ہوا۔ تاریکی۔ قتل۔ موت طاعون۔ چیچک۔ چھوٹے پھنسی پھوڑے۔ بھوک وغیرہ اور قوم نوح علیہ السلام کو پانی کے طوفان میں ڈبویا اور اس وقت تمام رُوئے زمین پر پانی ہی پانی تھا۔ **وهم ظالمون** حالانکہ وہ ظالم تھے اس لیے کہ وہ ظلم و کفر پر ڈٹے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے اتنا عرصہ دراز تک داعی حق کی ایک نہ مانی۔ **فانجيناه** پس ہم نے نوح علیہ السلام کو غرق اور کافروں کی اذیتوں اور تکلیفوں سے نجات بخشی **واصحاب السفينة** اور کشتی والوں کو یعنی آپ کی اولاد اور آپ کے تبعین جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے وہ کل اسی مرد اور عورتیں تھیں۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ کشتی میں مرد مومنین، مومنات کے علاوہ جانور بھی تھے۔ **السفينة** سفنہ یسفنہ سے ہے بمعنی قشرہ و نحتہ یعنی اسے چھیلا اور اسے اس معنیٰ پر اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ گویا وہ کشتیاں پانی کو چھیلتی ہوئی آگے کو نکل جاتی ہیں۔ اس معنیٰ پر سفینہ فعیلہ بمعنی فاعلۃ کے ہے **وجعلناها** اور سفینہ یا قصہ کو بنایا۔ **اٰية للعٰلمين**۔ عالمین آنے والی نسلوں کے لیے عبرت تاکہ اس سے نصیحت حاصل کریں یا دلالۃ

marfat.com

تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال کریں۔

فائدہ: ابو اللیث نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ کشتی مذکور جودی پہاڑ پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہورِ اقدس کے قریب زمانہ تک موجود رہی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور طوفان کے درمیان تین ہزار نو سو چوہتر (۳۹۷۴) سال گزرے (فتح الرحمٰن) اور وہ کشتی عبرت و نصیحت تھی اس کے لیے جس نے اسے دیکھا اسے اس کی خبر پہنچی تو اس نے بھی عبرت حاصل کی۔ کما قال **ولقد ترکناھا آیۃ** ۔ بیشک ہم نے کشتی کو نشانی کے طور پر چھوڑا۔

فائدہ: مروی ہے کہ نوح علیہ السلام نے چالیس سال کی عمر میں نبوت کے لیے مبعوث ہوئے ساڑھے نو سو سال اُمت کی تبلیغ میں گزارا اور ساٹھ سال طوفان کے بعد عیش و راحت سے زندگی بسر فرمائی یہاں تک کہ آپ کی اولاد عالمِ دنیا میں پھیلی یعنی آپ کے تین صاحبزادوں

۱۔ حام ۲۔ سام ۳۔ یافث

کی اولاد دُنیا میں پھیلی۔ اس لیے کہ جب کشتی سے باہر نکلے تو باقی تمام لوگ مر گئے صرف نوح علیہ السلام کی اولاد زندہ بچ گئی (کذافی البستان) اس معنیٰ پر حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ڈیڑھ ہزار سال ہوئی اور آپ ہی تمام انبیاء علیہم السلام سے طویل العمر پیغمبر گزرے ہیں۔ آپ ہی کا شیخ المرسلین کا لقب بجتا ہے اور قیامت میں ہمارے نبی علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے آپ ہی اپنی قبر انور سے نمودار ہوں گے۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا ہے کہ بوقت موت نوح علیہ السلام سے عزرائیل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ چونکہ تمام انبیاء علیہ السلام سے دراز عرصہ دنیا میں بسر کر کے دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں آپ نے دنیا کو کیسا پایا۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا کو ایک کمرے کی طرح پایا کہ جس میں دو دروازے ہوں میں ایک کمرے میں داخل ہوا تو دوسرے دروازے سے نکلا گیا ہوں ؎

گر عمر تو عمر نوح و لقمان باشد
آخر بروے چنانکہ فرمان باشد
در بودن دنیا و برون رفتن ازو
یک روز و ہزار سال یکساں باشد

ترجمہ۔ اگر تیری عمر نوح و لقمان کی طرح ہو لیکن جب حکم الٰہی پہنچے گا تو تمہیں یہاں دنیا سے جانا پڑے گا دنیا میں آنا اور جانا ہے ہزار سال اور ایک دن یہاں کے لیے برابر ہے۔

کسی اور نے کہا ؎

marfat.ocm

الا انما الدنیا کظل سحابۃ
اظلتك یومًا ثم عنك اضمحلت
فلا تك فرحانا بھا حین اقبلت
ولا تك جزعانا بھا حین ولت

ترجمہ۔ دنیا بادل کا سایہ ہے ایک دن تیرے سر پہ سایہ ڈال کر چلی جائے گی۔ اس کے نہ آنے کی خوشی مناؤ اور نہ جانے کا غم کرو۔

مسئلہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت میں وہ بوڑھا مومن لوگوں سے افضل ہوگا جسنے دنیا میں زندگی بسر کی تو بہت زیادہ ثواب حاصل کیا یعنی نیک عمل کرتا رہا۔

حکایت: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مردوں کا آپس میں بھائی چارہ مقرر فرمایا۔ ایک ان میں راہِ حق میں شہید ہوا۔ دوسرا جمعہ یا اس سے کم و بیش مدت میں فوت ہوا۔ اس دوسرے کی نمازِ جنازہ کے بعد آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم نے اس کے بارے میں کیا کہا۔ عرض کی کہ ہم نے اس کے لیے دُعا کی وہ کریم اس کے گناہ بخش دے اور اس کے حال پر رحم فرمائے اور اسے اپنے ساتھی کے ساتھ ملائے۔ آپ نے فرمایا کہ کہاں اس کی نماز و دیگر اعمال صالحہ اور کہاں اس کے ساتھی کے روزے اور اعمال صالحہ یا فرمایا اس کے روزے کہاں اور اس کے ساتھی کے روزے کہاں کہ اُن کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جیسے زمین و آسمان کے درمیان کا ہے اس شخص کو مبارک ہو جس کی عمر دراز اور اعمالِ صالحہ ہوں۔

فائدہ: جو ہزاروں سال کے بعد پہلی اُمتوں کو فیض حاصل ہوتا تھا وہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو تھوڑے عرصہ میں حاصل ہو جاتا ہے اس لیے کہ ان میں استعداد فطری بہ نسبت ان کے مکمل اور بہت زیادہ ہے۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ سابقہ اُمتوں کے مراتب و اعمال کی آرزو نہ کرے۔ اگرچہ ستر یا سو سال ہمیں عمریں ملی ہیں لیکن مراتب و اعمال کی قبولیت میں بہ نسبت ان کے ہم بہتر ہیں۔ ہاں نفس امارہ کی دست درازی سے پناہ اور خلوص فی الاعمال کی تمنا ضرور کرے اس لیے اگر عمر طویل نصیب ہو لیکن نفس امارہ کی اصلاح نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا نشانہ بنتا ہے اس لیے درازیٔ عمر قہر ایزدی سے نہیں بچا سکتی۔

نسخہ روحانی: نفس کو احکامِ شرعیہ میں لگائے رکھنے سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے۔ صوفیہ کرام نے سفینہ سے احکامِ شرعیہ مراد لی ہے اس لیے کہ جیسے کشتی کا سوار نجات پاجاتا ہے ایسے ہی شریعت پاک کا عامل نفس امارہ سے نجات حاصل کر سکتا ہے اس لیے کہ شریعت قیامت تک ایسا شارع عام ہے

marfat.com

کہ اس پر چلنے والا سیدھا بہشت میں پہنچتا ہے اور باطنی طور قربِ الٰہی و وصالِ حق سے مشرف ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا ظاہر نور اور اس کے اشارات میں سرور ہے اور اہلِ اشارہ ہی مقربانِ خداوندی کہلاتے ہیں اور جو ان کے ساتھ لگتا ہے وہ چھٹکارا پا جاتا ہے۔

حضرت حافظ نے فرمایا ؎

یار مردان خدا باش کہ در کشتئ نوح
ہست خاکے کہ بآبے نخرد طوفان را

ترجمہ: مردانِ راہِ خدا کا دوست ہو اس لیے کہ یہ کشتی نوح ہیں۔ اور وہ خاک ہے کہ اسے طوفان نقصان نہیں پہنچاتا۔

سبق: جو نفس امارہ کا گرفتار ہو وہ اس سے بچنے کے لیے جد و جہد کرے تاکہ اُس کی شرارت سے نجات پا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی ملجأ و ماویٰ ہے سب کا۔

وابراھیم۔ اس کا عطف نوحًا پر ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے۔ **ولقد ارسلنا ابراھیم** یعنی آپ کے تشریف لانے سے پہلے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی رسول بنا کر بھیجا۔ **اذ قال**۔ یہ اذکر مقدر سے منصوب ہے۔ اسی طرح مجھے الہام ہوا یعنی اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کو یاد دلایئے جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا **لقومہ** اپنی قوم سے اس سے اہلِ بابل مراد ہیں جن میں نمرود بھی تھا **اعبدوا اللہ** اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو۔ **واتقوہ** اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے سے ڈرو۔ **ذالکم** یہ جو تقویٰ اور عبادتِ الٰہی کا ذکر ہوا۔ **خیرلکم** تم جس کفر و معاصی میں ہو اس سے توحید و عبادت بہتر ہے۔ یہاں پر تفضیل مطلق بہتری کا معنی دے رہی ہے یعنی تمہارے شرک اور معاصی میں کسی قسم کی بھلائی نہیں۔ اگر اس کے لیے کچھ اچھا ہونے کا پہلو ہے تو اُن کے عقیدہ کے مطابق کیا گیا ہے کہ وہ اپنے فعل کفر و معاصی کو اچھا سمجھتے تھے۔ **ان کنتم تعلمون**۔ اگر تم بھلائی و بُرائی کو جانتے ہو اور ان کے مابین حق و باطل کے درمیان امتیاز کرتے ہو۔ **انما تعبدون من دون اللہ اوثانًا**۔ بیشک اللہ کے غیروں یعنی بتوں کی پرستش کرتے ہو اور وہ صرف تصویریں ہیں اور تمہاری اپنی بنائی ہوئی ہیں جنمیں سوائے اسی ظاہری تصویری شکل کے اور کوئی صفت نہیں۔ **اوثان**۔ وثن کی جمع ہے۔ مفسرین نے فرمایا کہ صنم وہ ہوتا ہے جسے انسانی شکل میں درخت اور سونے سے گھڑ کر بنایا جائے اور **وثن** وہ ہے جو اس طرح نہ ہو بلکہ اس کی صفت پتھر سے ہو اور صورتِ انسانی میں بھی نہ ہو **وتخلقون افکا**۔ اور امام راغب نے لکھا ہے کہ **الخلق** خدا کے لیے صرف دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

۱۔ التقدیر ۲۔ الکذب

یہاں دوسرا معنی مراد ہے مثلاً کہا جاتا ہے **خلق واختلق** بمعنی زبان یا ہاتھ سے افترا کرنا ایسے ہی

marfat.ocm

کہا جاتا ہے۔ نحت الاصنام۔ یہ اصنام کی دستی صنعت پر بولا جاتا ہے (کذا فی کشف الاسرار)

الافك بمعنی اسوء الکذب اور افک کو اس لیے کذب سے تعبیر کرتے ہیں کہ یہ ما فوک عن وجہہ ہے یعنی اپنی اصلی حالت سے پھرا ہوا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم ایسے جھوٹے ہو کہ بتوں کو اپنے ہاتھ سے گھڑ کر انھیں معبود عبادت کا مستحق سمجھتے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا سفارشی مانتے ہو۔ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ یہ ان کی شرارت ہے کہ ایک جھوٹی اور بناوٹی بات کو عبادت جیسی مقدس شے کا درجہ دیتے ہیں اس کے بعد ان کی شرارت پر یوں استدلال کیا ہے کہ باطل امور کے ساتھ معارضہ و مقابلہ بے سود ہے۔ **کما قال ان الذین تعبدون من دون اللہ لا یملکون لکم رزقًا**۔ بیشک جنکی تم پرستش کرتے ہو وہ تمہارے رزق کے کفیل نہیں۔ یہ ملکت الشئ سے ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے پر قدرت رکھتا ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کہا لا املك الا نفسی و اخی یعنی صرف اپنے اور اپنے بھائی کا مالک ہوں۔ رزقا۔ مصدر ہے اور اس کی تنکیر تقلیل کے لیے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انھیں کسی قسم کی قدرت نہیں کہ وہ تمہارے رزق میں سے کسی شے کے مالک ہوں۔ **فابتغوا**۔ پس طلب کرو۔ **عند اللہ الرزق**۔ تمام رزق اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ ہر ایک کے رزق پہنچانے پر قادر ہے۔ **واعبدوہ**۔ ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ **واشکروا لہ**، اس کی نعمتوں کا شکر کرو اور انہیں اپنے مقاصد کا وسیلہ بناؤ۔ نعمت کو شکر سے اس لیے مقید کیا گیا ہے کہ شکر سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے۔

فائدہ:۔ ابن عطار نے فرمایا کہ رزق تو طاعت میں ہے فلہذا طاعت میں پوری جدوجہد کر کے طلب کرو۔ اور حضرت سہل نے فرمایا کہ رزق توکل میں طلب کرو۔ کسب کو صرف سبب سمجھو کیونکہ رزق کسب میں نہیں اور کسب بھی صرف عوام کے لیے ہے۔ **الیہ ترجعون** صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو گے یعنی مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر اُٹھو گے پس وہی کرو جس کا میں نے تمھیں حکم فرمایا ہے۔ **وان تکذبوا**۔ اور اگر تم میری تکذیب کرو ان امور میں جن کی میں نے تمھیں خبر دی ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ہاں اُٹھائے جاؤ گے۔ **فقد کذب امم من قبلکم**۔ پس تحقیق تکذیب کی اُن اُمتوں نے جو تم سے پہلے گزری ہیں۔ یہ جواب کی تعلیل ہے اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ تم لوگ میری تکذیب کر کے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اس لیے کہ مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام جیسے شیث و ادریس و نوح علیہم السلام کو ان کی قوموں نے جھٹلایا تو ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے بلکہ انہوں نے اپنا نقصان کیا اس لیے کہ ان کی تکذیب ان پر نزول عذاب کا سبب بنی۔ اسی طرح اگر تم میری تکذیب کرو گے تو تمہارا اپنا نقصان ہو گا۔ **وما علی الرسول الا البلاغ المبین**۔ البلاغ بمعنی تبلیغ ہے یعنی رسول کی تبلیغ میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہوتا اور ان کے ذمہ بھی یہی ہوتا کہ وہ احکام الٰہیہ اُمت کو پہنچا دیں۔ کوئی تصدیق کرے گا تو فائدہ پائے گا۔ اگر کوئی تکذیب کرے گا تو اس کا اپنا نقصان ہو گا۔ اس میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ

marfat.com

علیہ وسلم کا کچھ نہ بگڑے گا۔ اب گویا محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے فرمایا کہ میں نے احکام الٰہیہ تمھیں پہنچا دیئے اور میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہو چکا ہوں اسی لیے تمھاری تکذیب مجھے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتی اور نہ ہی بعد کو میرا کچھ بگڑے گا اور نہ ہی قیامت میں مجھ سے مواخذہ ہوگا بلکہ تم ہی اپنے غلط کردار کی سزا پاؤ گے۔

فائدہ : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ البلاغ بمعنی القاء المعنی الی النفس علی سبیل الافہام سمجھانے کے لیے کسی کے دل میں معنی و مفہوم ڈالنا اگرچہ اسے سامع سمجھنے کی کوشش کرے یا سرے سے سمجھے ہی نہ۔ گویا حضور علیہ السلام نے کفار سے فرمایا کہ میں نے تو تمھیں اللہ تعالیٰ کے احکام کھول کر سمجھا دیئے ہیں اب تم سمجھو یا نہ۔ بتوفیق و ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ چاہے تو تمھیں سمجھنے کی توفیق بخشے اور راہِ ہدایت عطا فرمائے ؎

پیش وحی حق اگر کر سر نہد
کبریا از فضل خود سمعش دہد
جز مگر جانے کہ شد بے نور و فر
ہمچو ماہی گنگ مُد از اصل کر

ترجمہ : جو شخص خلوص قلبی سے وحی الٰہی کے سامنے سر جھکاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے حق کو قبول کرنے کی توفیق بخشتا ہے اور وہ قلب جو ازل سے بدنصیب ہے تو اس کی مثال اس گونگی مچھلی کی ہے جو قدرتی طور سننے کا مادہ ہی نہیں رکھتی۔

فائدہ : آیت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور آپ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے اور کفار کو زجر و توبیخ ہے اور ان بدبختوں کو فرمایا کہ تکذیب و انکار الٹا تمھیں نقصان دے گا۔ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہیں بگڑے گا۔

سبق : مومن پر لازم ہے کہ وہ طاعت و تقویٰ پر التزام کرکے اور اپنے مالک خالق کے احکام پر پابند ہو۔ اس لیے کہ تقویٰ انسان کے لیے آخرت کا بہترین زادِ راہ ہے بلکہ نجات کا موجب ہے اور تقویٰ سے رزق میں وسعت ہوتی ہے اور تقویٰ کی بنیاد توحید ہے اس لیے کہ توحید ایمان کی بنیاد اور بہشت کی چابی اور دوزخ کا دروازہ بند کرنے والی ہے۔

حکایت : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں سے گزرے اور السلام علیکم کہا لیکن حضرت عثمان نے سلام کا جواب نہ دیا۔ یہ شکایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کی تو حضرت کو بلایا گیا اور آپ سے سلام کے جواب نہ دینے کا سوال ہوا تو اُنھوں نے کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سلام سُنی ہی نہیں۔ اس لیے کہ میں اُس وقت کسی خاص کام میں مصروف تھا

marfat.ocm

لیکن اب میں آپ سے عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ ہم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اقدس میں عرصہ دراز تک رہے لیکن ہم نے کبھی یہ نہ پوچھا کہ بہشت کی کنجی اور دوزخ کے دروازوں کے بند کرنے کا کونسا عمل ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس کے متعلق حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ بہشت کی کنجی اور دوزخ کے دروازوں کے بند کرنے کا وہی کلمہ ہے جو آپ نے اپنے چچا ابوطالب کو پیش کیا یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن اُس نے اس سے انکار کیا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ایسی تاثیر ہے جو کسی اور شے میں نہیں۔

حکایت: حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ایک جنگل میں ایک زنگی کو دیکھا کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا تھا تو اس کا رنگ تبدیل ہو جاتا تھا یہاں تک کہ اس کی سیاہی سفیدی سے بدل جاتی۔ میں نے اسے پوچھا کہ حضرت یہ کیا ماجرا ہے اُنہوں نے فرمایا کہ بھائی اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر اوصاف ذمیمہ بدل دیتا ہے تو وہ شکل بھی بدل سکتا ہے۔

روحانی نکتہ

حضرت حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ذکرِ الٰہی زبان کو تر کرتا ہے جب زبان ذکرِ الٰہی سے فارغ ہو تو نفس کی حرارت اور نارِ شہوت کا اس پر اثر پڑتا ہے تو زبان خشک اور بیکار ہو کر خود بھی طاعت سے محروم ہوتی ہے اور دوسرے اعضاء کو بھی طاعت سے روکتی ہے پھر جیسے خشک درخت کو کاٹنا پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ پھر صرف ایندھن کا کام دیتا ہے ایسے ہی وہ زبان اور اعضاء بھی خشک لکڑی کی طرح جہنم کی آگ کا ایندھن بن جاتے ہیں (اعاذنا اللہ تعالیٰ)

رُوحانی نسخہ

توحید سے ہی شرک اور نفس کی شرارت کی میل کچیل سے طہارت کاملہ نصیب ہوتی ہے۔ نفس شیطان سے مل کر اسفل السافلین کی طرف لے جانا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اپنے بندوں کو اعلیٰ علیین کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام نے ہم سب کو دعوتِ حق دی اور بتوں اور دنیا اور شرک کی مذمت کی اور عبادت و توحید اور آخرت کی تحسین فرمائی اور دنیا جو کہ صرف ایک گھڑی بلکہ آنکھ جھپکنے سے بھی کم مدت رکھتی ہے۔ شکرِ الٰہی بجا لانے کی ترغیب دی اور یاد رہے کہ دنیا صرف ایک گھڑی بلکہ آنکھ جھپکنے کی مدت سے بھی کم ہے۔ ایک وقت ایسی مٹ جائے گی جس کا نام و نشان تک نہ رہے گا اور اس سے بھلائی کی اُمید رکھنا بے سود ہے۔

marfat.com

سبق :۔ عاقل پر لازم ہے کہ وہ داعیٔ حق کی بات کو غور سے سنے اور اسے دل سے قبول کرے۔ اس کی سچی خبر کی ایک لمحہ کے لیے بھی تکذیب نہ کرے بلکہ اس کی ہر بات کی تصدیق کرے اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم رکھے اور اس کی ہر بات کے سامنے خوشنودی کا اظہار کرے۔ اس طرح سے بہت بڑے مراتب و درجات اور راحتِ عظمیٰ کو حاصل کرے گا ؎

بدہ براحت فانی حیات باقی را
بمحنت دو سہ روزہ از غم ابد بگریز

ترجمہ: حیات باقی کو حیات فانی پر ضائع نہ کر۔ دو تین دن کی محنت سے ڈر کر دائمی غم کو سر پر مت رکھ۔

تفسیر عالمانہ :۔ اولم یروا کیف یبدئ اللہ الخلق۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی تخلیق میں کیسے ابتداء کرتا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کے درمیان جملہ معترضہ کے طور پر لایا گیا ہے تاکہ اہل مکہ کو نصیحت حاصل ہو اور انہیں تنبیہہ ہو کہ باوجودیکہ قیامت میں اُٹھنے کے لیے بے شمار دلائل ہیں لیکن وہ اتنا غبی اور بے وقوف ہیں کہ وہ اس کی طرف ذرہ برابر بھی دھیان نہیں کرتے اور ہمزہ اس انکار کے لیے ہے جو کہ ان کے برہان رؤیت کے موجب موجود ہیں لیکن وہ انہیں استعمال نہیں کرتے اور واو عاطفہ ہے اس کا معطوف علیہ محذوف ہے اور ابداء الخلق بمعنی مخلوق کو عدم سے وجود میں ظاہر کرنا یا یوں کہ وجود غیبی سے وجود علینی میں لانا۔

فائدہ :۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر شے کی پہلے کوئی مثل نہ ہو تو اس کی تخلیق کو ابداع سے اگر اس کی مثل پہلے ہو تو اسے اعادۃ سے تعبیر کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اس کے مرنے کے بعد پھر اسے قیامت میں اُٹھائے گا۔ یعنی اسے عدم کے بعد وجود بخش کر اسے قیامت میں اُٹھائے گا۔ ہر شے کا ابتداء اسی سے ہوا اور ہر شے اسی کی طرف لوٹ جائے گی۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ کیا کفار قریش مکہ نے نہیں دیکھا اور انھیں معلوم نہیں ہوا علم کو رؤیت سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق مادہ اور بلا مادہ کی کیفیت اتنا واضح اور روشن ہے کہ گویا وہ اُسے آنکھوں سے ملاحظہ کر رہے ہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہوں نے اس کیفیت کو خوب جانا۔ ثم یعیدہٗ۔ پھر وہ اسے وجود کی طرف لوٹائے گا اس کا عطف اَوَلَمْ یَرَوْا پر ہے۔ یبدؤ پر عطف ڈالنا غلط ہے اس لیے کہ رؤیت کا وقوع اس پر نہیں۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ وہ خلق کو قیامت میں لوٹائے گا جیسے اس نے ابتداءً اس کی تخلیق فرمائی ہاں یبدأ پر عطف ڈالا جائے تو اس کا معنیٰ یہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی انشاء کا اعادہ ہر سال

marfat.ocm

ایسے ہوتا ہے جیسے سال سابق میں تھا مثلاً اس نے جیسے پہلے سال انگوریاں اور ثمار وغیرہ ہا میں پیدا فرمائیں اور اس سے استدلال کیا جائے کہ وہ کریم ایسے ہی قیامت میں سب کو اٹھائے گا جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کو گنجائش نہیں۔
شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بامرش وجود از عدم نقش بست
کہ داند جز او کردن از نیست ہست
دگر رہ بکتم عدم در برد
و از انجا بصحرای محشر برد

ترجمہ: اس کے حکم سے عدم سے وجود ملا اس کے سوا کسی کو نیست سے ہست بنانے کا کیا پتہ۔ پھر وہ دوبارہ عدم میں سب کو لے جائے گا وہاں سے قیامت قائم ہوگی اور سب کو وہاں اٹھائے گا۔

ان ذالك وہ جو اعادہ کا ذکر ہوا علی اللہ یسیر۔ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے کہ اس میں کسی سبب کی تکلیف نہیں ہوگی اس لیے کہ اسے اعادہ میں کسی سبب کی محتاجی نہیں۔

تفسیر عالمانہ: قل۔ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم منکرینِ قیامت سے فرمایئے سیروا فی الارض زمین کے مختلف علاقوں کا سفر کیجئے۔ فانظروا کیف بدأ الخلق پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی کثرت اور اختلاف اشکال و افعال و احوال کے باوجود اسے کیسے ابتداءً پیدا فرمایا ثم اللہ ینشئ النشاۃ الاخرۃ۔ پھر اللہ تعالیٰ آخرت میں اٹھائے گا۔

حل لغات: نشأ نشأۃ سے ہے بمعنی حیی و ربا و شب زندہ ہوا۔ بڑھا اور جوان ہوا۔ امام راغب نے فرمایا کہ الانشاء بمعنی ایجاد الشئ و تربیتہ شے کو پیدا کرنا اور اس کی تربیت کرنا اس کا اکثر استعمال حیوانات میں ہوتا ہے اور النشاۃ ینشئ کا مصدر مؤکد ہے اس سے زوائد حذف کر دیئے گئے ہیں۔ اس لیے کہ یہ دراصل الانشاءۃ تھا یا اس کا عامل محذوف ہے دراصل ینشئ فینشاؤن النشاۃ الآخرۃ تھا جیسے النشاۃ الاخرۃ سے نشاۃ ثانیہ یعنی قبور سے قیامت کے میدان کا قیام مراد ہے۔ اس جملہ کا سیروا فی الارض پر عطف ہے اور یہ بھی قل کا مقولہ ہے اور عطف الاخبار علی الانشاء جائز ہے جبکہ انشاء کو محلاً معرب بنایا جا سکے اور اس کا عطف بدأ الخلق پر اس لیے نہیں ہو سکتا کہ نظر کا وقوع۔ نشأۃ آخرۃ پر نہیں ہو سکتا اس لیے نظر و فکر نتیجہ کے لیے نہیں بلکہ دلیل کے لیے ہوتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ جب تم نے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی ابتداء کا مشاہدہ کیا ہے اور تمہیں یقین ہوا کہ جملہ مخلوق کا خالق وہی اللہ ہے تو اس طرح تمہیں یقین کرنا چاہیئے کہ وہی اللہ تعالیٰ ایجادِ آخر اور حیاتِ دیگر فرمائے گا۔ جس میں شک و

marfat.com

شبہ کی گنجائش نہیں۔

خلاصہ یہ کہ جب تم کو یقین ہوگا کہ ابتدا میں سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے پھر تم پر حجت لازم آئے گی۔ جب وہ تمہیں واپس لوٹائے گا اُس وقت تمہیں پورا یقین آئے گا کہ جس طرح ابتدا میں خالق وہی لوٹانے والا بھی وہی ہے ان اللہ علیٰ کل شئ قدیر۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے کیونکہ اس کی قدرت ذاتی ہے وہ تمام ممکنات پر بڑی طور قدرت رکھتا ہے۔ وہ جس طرح پہلی تخلیق کر سکتا ہے تو اسے لوٹا بھی سکتا ہے۔ یعذب اُٹھانے کے بعد عذاب دے گا من یشاء جسے چاہے گا اس سے آخرت کے منکرین مراد ہیں۔ و یرحم من یشاء اور جس پر رحم کرنا چاہے رحم فرمائے گا اس سے آخرت کے ماننے والے مراد ہیں۔ عذاب کی تقدیم مقام کے لائق ہے کیونکہ ترہیب ترغیب پر ترجیح رکھتی ہے والیہ اور صرف اسی کی طرف تعقلون لوٹائے جاؤ گے یعنی قیامت میں تمہیں اُٹھایا جائے گا جو وہ چاہے گا کہ مجرم کو سزا اور نیک اعمال والے کو نیک جزا دے گا۔

فائدہ: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ کشف الاسرار میں ہے کہ عذاب اس کا عدل اور رحمت اس کا فضل ہے جس سے عدل کرے گا اسے دُور ہٹا دے گا جس پر فضل فرمائے گا اسے اپنے پاس بلائے گا۔ ؎

اگر رانی ز راہ عدل رانی
وگر خوانی ز روئے فضل خوانی
مرا با راندن و خواندن چہ کار
اگر خوانی و گردانی تو دانی

ترجمہ: اگر ہٹاتے ہو تو ہٹاتے ہو عدل سے اگر بلاتے ہو تو فضل سے بلاتے ہو۔ مجھے ہٹانے اور بلانے سے کیا کام ہٹاؤ یا بلاؤ تم خود خوب جانتے ہو۔

روحانی نُسخہ:

(۱) زاد المسیر میں ہے کہ عذاب بدخلقی سے اور رحمت خوش خلقی سے نصیب ہوتی ہے

(۲) بعض کے نزدیک عذاب و رحمت حب دنیا و ترک دنیا پر موقوف ہے۔

(۳) حرص و قناعت سے بھی عذاب و رحمت نصیب ہوتی ہے۔

(۴) بدعت (سیئہ) و سنت کی وجہ سے بھی عذاب و رحمت حاصل ہوتی ہے۔

(۵) دل کے تفرقہ و جمعیت بھی عذاب و رحمت کے سبب بنتے ہیں۔

(۶) امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عذاب اس کو ہوگا جو بندہ نفس کے سپرد ہو گیا اور رحمت اسے نصیب ہوگی جس

marfat.ocm

بندے کے امور کا اللہ تعالیٰ خود کفیل ہو جائے۔

ع تا تو نباشی یا اما رونق نیاید کار ما

ترجمہ: تم نہ ہو گے تو ہمارے کام میں رونق نہیں آئے گی

وما أنتم بمعجزین۔ اور تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں کہ وہ حکم و قضاء کا اجرا کر سکے۔ اگرچہ تم کہیں بھی بھاگو تب وہ اپنے احکام کا اجرار کرے گا۔ فی الارض زمین کی وسعتوں میں چھپ جاؤ یعنی زمین کے اندر چلے جاؤ۔ ولا فی السماء یا آسمانوں کے قلعوں میں محفوظ ہو جاؤ جو کہ یہ زمین سے وسیع تر ہیں یعنی جتنا اوپر کو ترقی کر کے چلے جاؤ تب بھی اس کے حکم و قضاء سے بھاگ نہیں سکتے وہ تمہیں پکڑے گا اور جو چاہے گا حکم جاری کرے گا وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر اور نہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کارساز اور نہ کوئی حمایتی اور مددگار یعنی کوئی نہیں اس کے سوا جو تمہیں بچائے ان بلاؤں سے جو زمین پر ظاہر ہوتی ہیں یا آسمان سے مصائب آئیں اگر وہ چاہے تو پھر ان کو کوئی نہیں ہٹا سکتا۔

فائدہ۔ ولی وہ ہے جو دوست سے ناگوار امر کو دفع کرے۔ نصیر ہے جو ایسے امر کے دفع کرنے کا حکم دے۔ ولی نصیر سے اخص ہے کیونکہ غیر ولی بھی مدد کرتا ہے۔

marfat.com

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖۤ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ
اور وہ جنھوں نے میری آیتوں اور میرے ملنے کو نہ مانا وہ ہیں جنھیں میری رحمت کی آس نہیں اور ان کے
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ
لیے دردناک عذاب ہے تو اس کی قوم کو کچھ جواب بن نہ آیا مگر یہ بولے انہیں قتل کر دو یا
حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾
جلا دو تو اللہ نے اُسے آگ سے بچا لیا بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں ایمان والوں کے
وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ
لیے اور ابراہیم نے فرمایا تم نے تو اللہ کے سوا یہ بت بنا لیے ہیں جن سے تمہاری دوستی یہی دنیا کی زندگی تک ہے
الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ؗ
پھر قیامت کے دن تم میں ایک دوسرے کے ساتھ کفر کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت ڈالے گا
وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ
اور تم سب کا ٹھکانا جہنم ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں تو لوط اس پر ایمان لایا اور ابراہیم نے کہا
مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں بے شک وہی عزت و حکمت والا ہے اور ہم نے اُسے اسحٰق اور یعقوب عطا
وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ
فرمائے اور ہم نے اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی اور ہم نے دنیا میں اس کا ثواب اسے عطا فرمایا
فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ
اور بے شک آخرت میں وہ ہمارے قرب خاص کے سزاواروں میں ہے اور لوط کو نجات دی جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا تم
الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ
بے شک بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا بھر میں کسی نے نہ کیا کیا تم مردوں
لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ
سے بدفعلی کرتے ہو اور راہ مارتے ہو اور اپنی مجلس میں بُری بات کرتے ہو
فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ
تو اس کی قوم کا کچھ جواب نہ ہوا مگر یہ کہ بولے ہم پر اللہ کا عذاب لاؤ اگر تم
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾
سچے ہو عرض کی اے میرے رب میری مدد کر ان فسادی لوگوں پر

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ: وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا۔ اور جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا جن پر دلائل تکوینیہ والتنزیلیہ دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال ہیں اس میں نشاۃ اولی بھی شامل ہے جو تحقیق بعث پر دلالت کرتی ہے اور آیات ناطقہ تو اس میں بطریق اولی شامل ہیں۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ کفر آیات اللہ کا یہ معنی ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر استدلال نہ کیا جائے بلکہ اس کے غیر کی طرف منسوب کیا جائے اور اس سے اس کی نعمتوں کا انکار کیا جائے۔ **ولقائہٖ** اور جنہوں نے اس کی حاضری کا انکار کیا جبکہ اس پر بھی یہی آیات دلالت کرتی ہیں و لقاء اللہ کے انکار کا یہی مطلب ہے کہ حاضری نہیں ہوگی اور اٹھنا نہیں ہوگا۔ قیامت نہیں آئے گی اور نہ حساب ہوگا اور نہ کوئی جنت ہے نہ دوزخ۔ **اولٰئک** وہ لوگ جو کفر بآیات کی صفت سے موصوف ہیں۔ **یئسوا من رحمتی** میری رحمت سے ناامید ہیں۔ ایاس بمعنی طمع کا انتفاء (کذا فی المفردات) یعنی ناامید ہونا (کذا فی تاج المصادر) یعنی وہ قیامت میں ناامید ہو جائیں گے۔ ماضی بوجہ تحقیق ہے یا دنیا میں ناامید ہیں کہ انہیں قیامت میں اٹھنے اور اس کی جزا کے منکر ہیں۔ **واولٰئک** اور یہی لوگ یا کفر بالآیات اللقاء وایاس سے موصوف ہیں وہ دوسرے کافروں سے امتیازی صورت میں ہوں گے۔ **لھم** ان ہی اوصاف قبیحہ کی وجہ سے ان کے لیے **عذاب الیم** دردناک عذاب ہوگا کہ اس کی شدت وایلام کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ تاثیر رحمت الٰہی بندوں کے حق تاثیر عذاب سے زیادہ ہے اور قرآن مجید میں صفات رحمت کا بیان غضب کے صفات سے زیادہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے **سبقت رحمتی غضبی**۔ میری رحمت میرے غضب پر سبقت کر گئی ہے۔ یہ دونوں صفتیں رحمت وغضب اللہ تعالیٰ کے ہیں ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم کہیں کہ اس کی فلاں صفت زائد اور فلاں کم اس طرح سے اس کی صفت کا نقص لازم آئے گا اور اس کی ہر صفت کا حادث ہونا لازم آئے گا اور اس کی ہر صفت نقص اور کمی سے منزہ ہے یا کمی وبیشی قرار دینے پر اس کی کسی صفت کا حادث ہونا لازم آئے گا اور اس کی ہر صفت حدوث سے پاک ہے اسی لیے ہم نے رحمت وغضب میں لفظ تاثیر کا اضافہ کیا ہے کہ اس کی رحمت کی تاثیر نے غضب کی تاثیر پر سبقت کی ہے چونکہ کافر اس کی رحمت سے ناامید ہیں اس لیے ان کے لیے فرمایا اولٰئک یرجون رحمۃ اللہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔

marfat.com

سبق: اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ وہ اس کی رحمت سے ناامید نہ ہوں اور نہ ہی اس کے عذاب سے بےپرواہ رہنا بھی کفر ہے بلکہ امیدوار رہے اس کی رحمت سے اور پُرخوف رہے اُس کے عذاب سے۔

فائدہ: کافر کو تو خوف و رجاء دل پر آتا ہی نہیں۔

صُوفیانہ قاعدہ

جب بندہ خوف و رجاء سے ترقی کرتا ہے تو اُسے قبض و بسط کی منزل پر پہنچنا ہوتا ہے۔ قبض عارف کے لیے ایسے ہے جیسے مبتدی کے لیے خوف اور اس کے لیے بسط ایسے ہی جو مبتدی کے لیے رجا۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ خوف و رجا مستقبل میں امر مکروہ و محبوب کا خوف و رجاء رہتا ہے اور عارف کو حاضر وقت میں وارد غیبی کی وجہ قبض و بسط رہتا ہے مثلاً جس وقت عارف پر قبض کا غلبہ ہوتا ہے تو کہتا ہے میں یہود سے بھی ذلیل ترین ہوں اور جب اس پر بسط کا غلبہ ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ کہاں ہیں ساتوں زمین و آسمان میں انہیں آنکھ کے بال کی نوک پر اُٹھالوں۔ آیت کا اول اس کے قبض کی طرف اشارہ ہے دوسری میں اس کے بسط کی طرف۔

تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بھی یہ واردات ہوتے تھے آپ پر جب قبض کا ورود ہوتا تو فرماتے لیت رب محمد لم یخلق محمد۔ کاش محمد کا ربّ محمد کو پیدا نہ کرتا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور جب آپ پر بسط کا ورود ہوتا تو فرماتے انا سید ولد اٰدم۔ میں ہی تمام اولاد کا سردار ہوں۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

تفسیر صوفیانہ:

اولم یروا (رکوع سابق میں) میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو عدم سے وجود کی طرف نکالا پھر انہیں عالم ارواح کی طرف اس کے بعد انہیں عالمِ ارواح سے عالمِ اشباح کی طرف اُتارا جبکہ اُس وقت یہ ملکوت ونفوس سماویہ وافلاک وانجم وفلک الاثیر والہواء والبحار اور کرۂ ارض کو عبور کرکے آئے۔ اس کے بعد مرکبات ومعادن وحیوانات کو عبور کرکے انہیں موجودات کے اسفل سافلین کی طرف لے گیا۔ اس سے قالب انسانی مراد ہے چنانچہ فرمایا ثم رددناہ اسفل سافلین یعنی ہم اسے تدبیر نفخۂ خاصہ سے اسفل سافلین کی طرف لوٹایا۔ کما قال ونفخت فیہ (میں نے اس میں پھونکا) اس کے بعد جذبات عنایت سے اسے حضرت الٰہیہ کی طرف لوٹائے گا کہ جہاں سے اُترا تھا وہیں سے منازل ومقامات طے کرے گا کہ اگلی منزل کے لیے پچھلے مقامات کو ترک کرے گا اور ان سے انتفاع کا تصور ختم کرے گا۔ اس حالت کو عبور کے وقت ان کے خواص اور بعض اجزاء استعارہ لے گا تاکہ وجودِ انسانی کی روحانی وجسمانی تکمیل ہو۔ اسی لیے اس کے بغیر وہ حضرت الٰہیہ سے محجوب رہتا ہے ہاں جب

marfat.ocm

ارجعی کے جذبہ سے واپس لوٹنا چاہتا ہے تو تمام مستعار سامان لوٹانے پڑیں گے اور ان تمام مقامات کو طے کرتا ہوا انانیت کے بغیر عدم میں پہنچے گا۔ یہ سب کچھ جذبۂ عنایت سے نصیب ہوتا ہے اور یہی فنا فی اللہ کا مقام ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

طے کن بساط کون کہ ایں کعبۂ مراد
باشد و رائے کون و مکاں چند مرحلہ

ترجمہ:۔ اس وجود کی چٹائی کو لپیٹ لے اس لیے کہ کعبہ مراد کون و مکاں کے آگے ہی چند مرحلہ پر ہے۔

اور حضرت شیخ مغربی نے فرمایا ؎

ز تنگ نائے جسد چوں بروں نہی قدم
بجز خطیرۂ قدسیٔ پادشاہ مپرس

ترجمہ:۔ اس جسم کی تنگ گلی ہے جب قدم باہر رکھو گے۔ بجز خطیرہ قدسیٔ بادشاہ کے کچھ نہ پوچھ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

از جمادی مردم نامی شدم
وز نما مردم بحیواں برزدم
مردم از حیوانی و آدم شدم
پس چہ ترسم کے ز مردن کم شدم
حملۂ دیگر بمیرم از بشر
تا بر آرم از ملائک پاؤ سر
و ز ملک ہم بایدم جستن ز جو
کل شیٔ ہالک الا وجہہ
بار دیگر از ملک قرباں شوم
آنچہ اندر وہم ناید آں شوم
پس عدم گردم عدم چوں از غنون
گویدم کانا الیہ راجعون

ترجمہ:۔ (۱) ڈھیلے سے ہی میں آدمی بنا۔ نشو و نما پا کر میں حیوان ہوا۔

(۲) حیوان سے نشو و نمائی پا کر آدم بنا پھر کیا خوف ہے کہ مجھ پر موت آئے گی۔

marfat.com

(۳) میں پھر دوسروں کی طرح مروں گا۔ ملائکہ کے ساتھ جاکر اپنا سر پاؤں ملاؤں گا۔

(۴) ملائکہ سے مجھے جستجو چاہیئے کیونکہ ہر شئے مٹ جائے گی سوائے اللہ کے۔

(۵) پھر ملائکہ سے آگے گزروں گا جس کا وہم وگمان بھی نہیں کہ وہ کیا ہے۔

(٦) وجود سے عدم میں چلا جاؤں گا، پھر کہوں گا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آیت ہذا کی تفسیر صوفیانہ: والذین کفروا الخ میں اشارہ ہے ارباب طلب واصحاب سلوک کے ایک گروہ کی طرف کہ ان کو مقامات کے عبور کرنے پر شواہد حق کے کچھ آثار نظر آتے ہیں اور ان پر بعض اسرار بھی منکشف ہو جاتے ہیں لیکن غیرت ایزدی کا حجاب ان کے آگے آجاتا ہے پھر وہ غیر کی طرف توجہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ وہ مکشوفات ان سے محجوب ہو جاتے ہیں ان کو جو مرتبہ ملتا تھا اس سے گر جاتے ہیں اور قرب کے بعد انہیں بُعد نصیب ہوتا ہے۔ بلانے کے بعد ان کو مردود بنایا جاتا ہے۔ بلند مراتب کے بعد نقصان میں پڑ جاتے ہیں۔ ہم ترقی کے بعد نقصان سے پناہ مانگتے ہیں (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ: فما کان جواب قومہ۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو تو ان کی قوم کا جواب نہ تھا۔ جواب کا منصوب ہونا کان کی خبر کی وجہ سے ہے اور اس کا اسم الا ان قالوا ہے مگر کہتا تھا بعض کا بعض کو۔ اقتلوہ اسے قتل کردو۔

حل لغات: القتل بمعنی موت یعنی جسم کا روح سے علیحدہ کرنا جب اس کا کوئی سبب بنے تو اسے قتل سے تعبیر کرتے ہیں اور جب روح جسم سے دوسرے طریق سے خارج ہو تو اسے موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اوحرقوا یا اسے جلادو۔

حل لغات: التحریق بمعنی اچھی طرح جلانا۔ تحریق۔ احراق وحرق میں فرق یہ ہے کہ احراق وتحریق بمعنی شعلہ دار آگ میں شے کو واقع کرنا اسی لیے بطور مجاز کہا جاتا ہے احرقنی بلومہ۔ فلاں نے مجھے ملامت دے کر جلا دیا۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو ملامت سے سخت سے سخت ایذائیں دے اور حرق بمعنی کسی شے کو آگ کی گرمی پہنچانا جس میں شعلہ نہ ہو جیسے کپڑے کو ٹھوکنے سے جلانا (کذا فی المفردات) اس میں ان کی بیوقوفی کا اظہار ہے کہ بجائے ابراہیم علیہ السلام کے صحیح جواب دینے جلانے اور قتل کرنے کی دھمکی دے دی۔ ایسے ہی ہر بے حجت مغلوب کی عادت[1] ہے۔ فانجاہ اللہ من النار تو اسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے نجات بخشی فافصیحہ یعنی انہوں نے

---

[1] فقیر نے آزمایا کہ جونہی فقیر نے اپنے دور کے بدمذاہب کے خلاف دلائل قائم کیے تو بجائے دلائل کے جواب دینے کے مقدمات کی بوچھاڑ کردی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے فقیر ایک دن بھی کچہری تک نہ گیا۔ الحمد علیٰ ذالک۔

marfat.ocm

ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا اللہ تعالیٰ نے آگ کے جلانے سے انھیں بچایا کہ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دی۔

اعجوبہ: اسی دن آگ ٹھنڈی پڑ گئی کہ اس نے اپنی گرمی کو ضبط کر لیا تھا۔ **ان فی ذالک** ۔ بیشک اس میں یعنی ابراہیم کے تمام جرم کو آگ سے نجات دیتے ہیں۔ **الآیات** ۔ البتہ آیاتِ عجیبہ ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے بچایا اور ان پر آگ ٹھنڈی کر دی۔ باوجودیکہ وہ اپنی گرمی میں زوروں پر تھی اور تھی بھی بہت بڑی لیکن ایک ہی لمحہ میں بجھ گئی بلکہ صرف وہی دھاگہ جلا تھا جس سے ابراہیم علیہ السلام کو باندھا گیا تھا۔ اس کے بعد تمام آگ گل و ریحان بن گئی۔ **لقوم یومنون** ۔ اس قوم کے لیے ہے جو ایمان لائے کیونکہ وہ اس سے نفع پانے والے ہیں اور اس میں تامل کرتے ہیں اور کافر تو محروم ہیں اس سے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ دعوت ابراہیم سے رُوح اور نمرود سے نفس اور اس کے صفات مراد ہیں کہ رُوح کو نفس کو شہوات و دنیا اور ماسوی اللہ سے روکتا ہے اور ان کا جواب نفس کی بدبختی اور اس کی سفاہت کی دلیل ہے کہ نفس اپنی برادری سے کہتا ہے کہ رُوح کو کفر و شرک کی تلوار سے قتل کر دو یا نارِ شہوات و اخلاقِ ذمیمہ کی آگ میں جلا دو لیکن اللہ تعالیٰ اسے شہوات و اخلاقِ ذمیمہ کی آگ سے بچا کر اس کے لیے وہی آگ جوہر روحانی بنا دیتا ہے بلکہ اسے ان خصائل سے نفع دیتا ہے جو اس کے اندر امانت کے طور پوشیدہ ہیں جو رُوح کی جبلت میں رہتے اور وہ سیر الی اللہ کے لیے ان کا ضرورت مند تھا۔ اسی استفادہ کے لیے اسے اسفل سافلین قالب میں بھیجا گیا تھا۔

تفسیر عالمانہ: **وقال** اور ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ **انما اتخذتم من دون اللہ اوثانا** ۔ اللہ کے ساتھ تم نے بتوں کو معبود بنا رکھا ہے جس پر تمہارے ہاں کوئی دلیل بھی نہیں۔ **مودۃ بینکم** ۔ بلکہ تمہاری آپس کی محبت کی وجہ سے ہے کہ تم اکٹھے ہو جاتے ہو **فی الحیوٰۃ الدنیا** ۔ دنیوی زندگی میں یعنی تادمِ زیست تمہاری یہ محبت و عبادت رہے گی اس کے بعد ختم ہے۔ **ثم یوم القیمۃ** پھر دنیا سے خروج کے بعد قیامت میں معاملات بدل جائیں گے اور تمہاری آپس کی محبت عداوت سے بدل جائے گی اور تم ایک دوسرے کے دشمن بن جاؤ گے۔ **یکفر بعضکم ببعض** تم یعنی عبادت کرنے والے بعض یعنی معبودان باللہ کے ساتھ کفر کریں گے۔ **و یلعن بعضکم بعضا** اور تمہارے بعض دوسروں پر لعنت کریں گے اور ایک دوسرے کو گالی دیں گے یعنی قیامت میں اللہ تعالیٰ بتوں کو بولنے کی طاقت دے گا اور وہ اپنے پجاریوں پر لعن طعن کریں گے اور اپنے سے دُور ہٹائیں گے ایسے ہی بت کے پجاری بتوں کو گالی دیں گے وغیرہ۔ یہ کلمات در اصل بد دعا کے لیے بولے جاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جب نفس شہوات دنیا کے وبال اور اس کے استعمال کی خرابیاں دیکھے گا تو ان کی بیزاری کا اظہار کرے گا اور دنیا پر لعنتیں بھیجے گا کیونکہ وہی اس کے بدبخت ہونے کا سبب بنے

marfat.com

تھے ایسے ہی دنیا نفس پر لعنتیں بھیجے گی۔

حدیث شریف میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارا کوئی دنیا کو ملعون کہتا ہے تو دنیا کہتی ہے کہ تو لعنتی ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا بے فرمان ہے۔

تفسیر عالمانہ: وماوٰکم۔ اے بت کے پجاریو تمہارا ٹھکانا النار جہنم ہے یعنی یہی تمہاری منزل ہے جہاں تم پناہ پاؤ گے اور اس سے کہیں نہیں جاؤ گے **ومالکم من ناصرین** اور تمہارا کوئی پروردگار نہیں جو تمہاری جان چھڑائے جیسے میرے پروردگار نے مجھے اس آگ سے بچایا ہے جس میں تم نے مجھے جلانے کے لیے پھینکا تھا۔ ناصر کی جمع ہے اور جمع اس لیے لائی گئی کہ کوئی بھی کسی ایک کا حامی و مددگار نہ ہوگا۔

چوں بت سنگین شما را قبلہ شد
لعنت و کوری شما را ظاہر شد
نیست ہرگز از خدا نفرت شما
شد محرّم جنت و رحمت شما

ترجمہ:۔ جب پتھر کا بت تمہارا قبلہ ٹھہرا تو تمہارا اندھاپن اور تم پر لعنت ظاہر ہوئی تمہیں اپنے بتوں سے نفرت نہیں اسی لیے تم پر جنت و رحمت حرام ہو گئی۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **انہ العزیز** یعنی وہ عزیز تر ہے اس سے کہ کوئی اس کے ہاں پہنچ سکے سوائے کہ پہلے وہ اس کے ماسوا سے تعلق توڑ دے **الحکیم** وہ ایسا حکیم ہے کہ بمقتضائے حکمت سوائے پاک کے کسی اور شے کو قبول نہیں کرتا بالخصوص اسے تو منہ نہیں لگاتا جو انانیت سے ملوث ہو جیسا کہ حدیث شریف میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ:

"بیشک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ صرف پاک کو ہی قبول کرتا ہے۔"

پہلا مہاجر: مروی ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے مہاجر حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو لے چلے آپ دو ہجرتوں کے مامور ہوئے۔ پہلے حکم ہوا کہ آپ لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو لے کر بستی سے (جو کہ کوفہ کے سواد میں ہے) حران کی طرف چلے جائیں پھر وہاں سے شام کے علاقہ کی طرف یہاں آپ نے فلسطین میں قیام فرمایا اور لوط علیہ السلام سدوم کی طرف چلے گئے۔

فائدہ:۔ صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ بوقت ہجرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر پچھتّر سال تھی اور اسی سال حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے بی بی ہاجرہ کے بطن سے جو بی بی سارہ کی کنیز تھیں۔ پھر جب آپ کی عمر ایک سو بیس سال تک پہنچی تو آپ کو بوڑھی بی بی سارہ سے اسحٰق علیہ السلام عطا ہوا۔ چنانچہ فرمایا **ووھبنا** اور ہم نے اسے

marfat.ocm

دہی بی بی یعنی سارہ سے عطا فرمایا **اسحق**۔ اسحاق علیہ السلام یعنی ہاجرہ سے اسمٰعیل پیدا ہوئے تو ان کے بعد سارہ سے اسحٰق علیہ السلام متولد ہوئے۔ **و یعقوب** اور یعقوب علیہ السلام زائد عطیہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں یہ اُس وقت ہوا جب آپ اولاد سے ناامید ہو چکے تھے۔ یہاں اسمٰعیل کا ذکر نہیں کیونکہ احسان جتلانے کا موقع ہے اور یہ اسحٰق علیہ السلام کی ولادت سے ہوا۔ (کذا قال القاضی)

فائدہ۔ ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ صاحبزادے تھے۔

۱۔ اسمٰعیل علیہ السلام بی بی ہاجرہ سے۔
۲۔ اسحٰق علیہ السلام بی بی سارہ سے۔
۳۔ یبقشان
۴۔ زیران
۵۔ مدان
۶۔ مدیان
۷۔ اسباق
۸۔ سوخ

یہ چھ بیٹے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی قطورہ رضی اللہ سے پیدا ہوئے۔[۱]

وجعلنا فی ذریتہ۔ اور ہم نے بنائی اُن کی نسل میں یعنی بنی اسماعیل و بنی اسرائیل کی اولاد میں۔ **النبوت**۔ نبوت اس لیے کہ نبوت کے حاملین انہیں میں زیادہ ہوئے۔ منقول ہے کہ ان کی اولاد سے ایک ہزار انبیاء علیہم السلام پیدا ہوئے۔ آپ گویا شجرۃ الانبیاء تھے (علیٰ نبینا و علیہم السلام) **والکتاب** اس سے جنس کتاب مراد ہے تاکہ کتب اربعہ کو یہ حکم عام ہو یعنی تورات۔ انجیل۔ زبور۔ قرآن۔ **وآتیناہ اجرہ**۔ اور ہم نے ہجرت کے مقابلہ میں اسے اجرِ عظیم عطا کیا **فی الدنیا**۔ دنیا میں اولاد عطا کر کے حالانکہ اُن کے لیے اولاد کا موسم نہ تھا اور مال عطا فرمایا اور اولاد پاکیزہ کے علاوہ ان میں دائمی نبوت اور ملّ حقہ کی نشوونما ان سے ہوئی اور بہترین محمود ثنا اور تاقیامت ان پر صلوٰۃ و سلام۔

تفسیر عالمانہ

فآمن لہ لوط۔ آمن لہ و آمن بہٖ کا تقریباً ایک ہی معنیٰ ہوتا ہے اور حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھانجے تھے۔ بعض اقوال میں آپ کے بھتیجے تھے۔ اَب معنیٰ یہ ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام باتوں کی تصدیق کی اس سے ان کی تصدیق نبوت مراد نہیں۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے تو نبوت کا دعویٰ بعد کو کیا اور دعوت دینی بھی بعد کو دی تو کیا اس سے قبل لوط علیہ السلام کفر کرتے رہتے (معاذاللہ) وہ تو نبی تھے اور قبل از اظہارِ نبوت بھی نبی کفر سے منزہ ہوتا ہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام پر اُس وقت ایمان لائے جب دیکھا کہ انھیں آگ کا کوئی اثر نہیں ہوا تو اسے بھی اسی معنیٰ پر محمول کیا جائے گا کہ ابراہیم علیہ السلام کی ہر بات کے وہ مصدق رہے صرف نبوت کی تصدیق اسی معنیٰ پر ہو گی کہ جب بھی اُنہوں نے نبوت کا اعلان کیا تو بلا تاخیر لوط علیہ السلام نے تصدیق کر دی یا ایمان سے مراد کوئی مرتبہ علیا مراد ہو اور یہ وہ مرتبہ ہو کہ اسے اہم شخصیات کو نصیب

---

[۱] مدیان اصل مدین کا جدِ بزرگ تھا۔ جن کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ اور جن کی ہدایت کے لئے حضرت شعیب مبعوث ہوئے۔ مدین کے علاوہ اصحاب الایکہ بھی جن کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ بنو قطورہ ہی میں سے تھے۔ (اضافہ از مصحح مدیر محمد خان)

marfat.com

ہوا اور ان میں سے اولیت حضرت لوط علیہ السلام کو نصیب ہوئی۔ و قال اور ابراہیم علیہ السلام نے لوط و سارہ علیٰ نبینا علیہما السلام کو فرمایا اور بی بی سارہ آپ کی عمزادہ تھیں۔ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کے نکاح میں بھی تھیں۔ انی مہاجر۔ بیشک میں اپنی قوم کو چھوڑ کر جانے والا ہوں۔ الی ربی اپنے پروردگار کی طرف جہاں وہ مجھے حکم فرمائے گا چلا جاؤں گا۔ المہاجرۃ بمعنی ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جانا یا کسی سے قطع تعلق کر لینا۔

حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا مگر مہاجر ہو کر یعنی اس کی زبان دل کے مطابق ذاکر نہیں ہے۔

المفردات میں ہے الہجر والہجران بمعنی کسی سے بدن یا زبان یا دل سے قطع تعلق کر لینا۔

صوفیانہ معنی

بعض عارفین نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے نفس سے رجوع کرتا ہوں اور دنیا سے بھی یعنی نفس اور دنیا کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہوں اس لیے کہ جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر وہ دنیا کی کسی شے کا نہیں رہتا بلکہ تمام کائنات سے کٹ جاتا ہے۔

حضرت کمال خجندی نے فرمایا ؎

وصل میسّر نشود جز بقطع
قطع نخست از ہمہ ببریدنست

ترجمہ:۔ انقطاع کے بغیر وصال مشکل ہے پہلے تمام سے انقطاع ضروری اور لازم ہے۔

انہ ھوالعزیز۔ بیشک وہ جملہ اُمور پر غالب ہے اسی لیے وہ مجھے دشمنوں سے بچائے گا۔ الحکیم وہ دانا ہے کہ اس کا ہر کام فعل از حکمت و مصلحت نہیں مجھے جو بھی حکم فرمائے گا اس میں میری بھلائی ہوگی۔

مسئلہ:۔ کسی کو اگر کسی علاقہ میں طاعت الٰہی کا موقعہ نہیں ملتا تو اسے چاہیئے کہ اس علاقے میں چلا جائے جہاں اسے طاعت الٰہی آسانی سے میسر ہو۔

اعجوبہ:۔ جیسے ان کی زندگی میں مہمانی کا سلسلہ تھا تا حال اور تا قیامت اُن کی مہمانی جاری ہے کہ لوگ ان کے مہمان خانے سے پل رہے ہیں ؎

سفرۂ اش مبسوط بر اہلِ جہان
نعمتش مبذول شد بے امتنان

ترجمہ:۔ ان کا دسترخوان اہل جہان کے آگے بچھا ہے اور بغیر احسان جتلائے ان کی نعمت خرچ ہو رہی ہے۔

marfat.ocm

وانه فی الاخرۃ لمن الصالحین ۔ اور بیشک وہ آخرت صالحین میں سے ہیں ۔ ان میں انبیاء اور ان اتباع کرنے والے مراد ہیں (علیٰ نبینا وعلیہم السلام)

فائدہ : ابن عطاء نے اس کا معنیٰ یہ کیا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں معرفت و توکل عطا فرمایا اور وہ آخرت میں مقام عارفین کی طرف رجوع کرنے والے ہیں اس لیے کہ دنیا و آخرت عارفین کے نصیبہ میں ہیں ۔ یہ اس لیے کہ وہ لوگ ظاہری و باطنی تکالیف و مصائب کو برداشت کرنے والے ہیں مثلاً ہجرت وغیرہ ۔

فائدہ : ہجرت دو قسم ہے ۔

۱۔ ظاہری اور وہ فتح مکہ شریف کے بعد ختم ہو گئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا **لا ھجرۃ بعد الفتح** فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں ۔

۲۔ معنوی وہ یہ کہ نفس کو قلب کا ۔ مکہ کو فتح کر کے اور اسے شرک اور خواہشات سے چھڑا کر اللہ تعالیٰ کی طرف لگا دینا اور یہ ہجرت تا قیامت جاری رہے گی ۔

فائدہ : جب انسان نفس کے علاقہ سے ہجرت کر کے قلب کے علاقہ میں پہنچتا ہے تو پھر جو وہ چاہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور یہ دنیوی اجر ہے ۔

حکایت باکرامت

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم مکہ معظمہ میں تین دن تک رہے لیکن کھانا کہیں سے نہ ملا ہمارے بالمقابل ایک درویش بیٹھا تھا اس کا لوٹا گھاس سے چھپا رہتا تھا ہم نے اُسے بارہا دیکھا کہ وہ اسی لوٹے سے روٹی نکال کر کھا لیتا ہے ۔ ایک دن میں نے اُسے کہا کہ ہم بھی آپ کے مہمان ہیں اس نے کہا بہت اچھا ۔ جب عشاء کا وقت ہوا تو اس نے ایسے ہی ہاتھ اُٹھا کر مجھے دو درہم تھما دیئے اور ہم نے اس سے کھانا خریدا اور پھر آ کر اس سے پوچھا کہ آپ کو یہ کرامت کہاں سے ملی ۔ اس نے فرمایا کہ اے ابو سعید دل سے مخلوق کا تصور ہٹا دو پھر جو چاہو مل جائے گا ۔

فائدہ : حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی اولاد سے نوازا جو بمنزلہ صادقہ جاریہ کے ہے جو اپنے والدین کے لیے دعائے خیر کرتے رہتے ہیں اور یہ ان صدقات سے ہیں جو دائمی ہیں جیسے اوقاف جاریہ اور مصاحف (قرآن مجید اور دینی کتب) جن کی تلاوت اور زیر مطالعہ رہتی ہیں ۔ اور وہ درخت جن سے نفع اُٹھایا جاتا ہے اور ایسے ہی ابراہیم علیہ السلام پر احسان فرمایا کہ ان کی اولاد میں نبوت جاری ہے ۔

تفسیر صوفیانہ : تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ انسان کی بہت بڑی سعادت یہ ہے کہ اس کی اولاد میں وارثین انبیاء یعنی کاملین اولیاء پیدا ہوں کیونکہ انہی اولیاء کے صدقے دنیا قائم ہے اور

marfat.com

دین انہی کی بدولت زندہ ہے اور انہی کے طفیل اہل اسلام کو ظاہری و باطنی ترقیاں نصیب ہوتی ہیں اور انہی کی وجہ سے ارواح مقربین کو انوار اور اعلیٰ علیین کی طرف رہبری حاصل ہوتی ہے۔ ایسی اولاد سے ہی انسان فخر تام اور شرف عام اور انتفاع کامل کا مستحق ہے اگرچہ ایسے لوگ نسباً ہیچ و ریہیچ ہوں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دراصل نسب دینی اصلی ہونا چاہیئے۔ خلاصہ یہ کہ اولاد طیب اور نسب طاہر مطلقاً اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے ؎

نعم الالٰہ علی العباد کثیرۃ

واجلھن نجابۃ اولاد

ترجمہ:۔ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں لیکن ان سب سے بڑی اور بزرگ نعمت اولاد نیک ہے۔

اے پروردگار ہمیں اولاد و ازواج نیک صالح اور طیب و طاہر عطا فرما (آمین)

تفسیر عالمانہ:۔ ولوطًا۔ بیشک ہم نے لوط علیہ السلام کو اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے پہلے بھیجا فلہذا آپ اپنی قوم کو یاد دلایئے۔ اذقال لقومہ جبکہ انہوں نے اپنی قوم کو فرمایا وہ جو کہ الٹی ہوئی بستیوں والے تھے۔ انکم۔ بیشک تم۔ لتاتون الفاحشۃ۔ ہو۔ برے فعل کرو وہ خصلت جو قباحت میں انتہائی ہے گویا کسی نے پوچھا کہ وہ خصلت کیسے قبیح تر ہے تو اس کے جواب میں فرمایا ماسبقکم اس سے پہلے کسی نے ایسا فعل قبیح نہیں کیا من احد من العالمین۔ عالمین میں سے کسی ایک نے (ایسا برا کام نہیں کیا) یعنی جس طرح کی قباحت تم نے پھیلائی ہے اس سے پہلے ایسا کام کسی نے نہیں کیا تم ایسے فعل کے مرتکب ہوتے ہو کہ جس سے لوگوں کو حد سے زیادہ نفرت ہے لیکن چونکہ تم خبیث طبیعت ہو اسی لیے ایسے گندے فعل کا ارتکاب کرتے ہو۔

اعجوبہ:۔ لوط علیہ السلام کی قوم سے پہلے ایسا گندا فعل (کہ مرد مرد پر چڑھ کر وطی کرے) کسی نے نہیں کیا تھا باوجودیکہ اس سے پہلے بہت بڑا وقت گزرا اور بہت بڑے جرائم کے ارتکاب والے گزرے لیکن ایسا گندا عمل کسی سے سرزد نہ ہوا۔ ائنکم لتاتون الرجال کیا بیشک تم مردوں کے ہاں آتے ہو یعنی ان سے مباشرت کرتے ہو بہت برا کرتے ہو۔ وتقطعون السبیل اور تم راستہ آسانی سے طے کرتے ہو جیسا کہ عادۃً راستہ طے کیا جاتا ہے۔

فائدہ:۔ قطع الطریق دو معنوں میں آتا ہے:۔

۱۔ عادۃً راستہ طے کرنا۔

۲۔ ڈاکہ زنی کرنا۔ یہ اس لیے کہ جب لوگوں کے مال غصب کیے جاتے ہیں تو لوگ وہ راستہ چھوڑ جاتے ہیں اس معنی پر اسے قطع الطریق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مروی ہے کہ یہ لوگ عوام راہ گیروں سے مال چھین لیتے تھے ـــــ تاکہ عوام ان کے شہروں میں آکر

marfat.ocm

ان کے پھل نہ توڑیں اور نہ ہی ان کی کھیتیوں کو خراب کریں یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم نسل کو قطع کرتے ہو کیونکہ لواطت حرث نہیں بلکہ خباثت ہے۔ و تاتون اور آتے ہو تم اور بے پرواہ ہو کر عمل کرتے ہو۔ المنکر: برائی کا۔ المفردات میں ہے کہ جس فعل کو عقل صحیح برا سمجھے وہ منکر ہے یا عقل کو تو اس کی قباحت میں توقف ہو لیکن شرع اسے قبیح کہے۔

لوطیوں کے قبائح

(۱) مجلس میں اعلانیہ جماع۔

(۲) لواطت۔

(۳) ڈینگ مارنا۔

فائدہ: ویسے زوردار ہوا خارج کو ضراط کہا جاتا ہے۔

فائدہ: اہل ہند پیٹ کی ہوا کو روکنے کو بیماری اور اس کے خارج کرنے کو علاج کہتے ہیں اسی لیے وہ بھری مجلس میں ہوا خارج کر دیتے ہیں اور وہ اسے عیب بھی نہیں سمجھتے۔

حکایت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر وعظ کر رہے تھے تو اچانک آپ نے ہوا خارج کر کے فرمایا بھائیو! اللہ تعالیٰ نے انسان میں عوارض رکھے ہیں منجملہ ان کے پیٹ کی ہوا ہے اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا (اس سے آپ گویا معذرت چاہتے تھے) آپ کی تقریر سن کر صعصعہ بن صوحان نے کہا آپ ٹھیک فرماتے ہیں لیکن پیٹ کی ہوا وضوء کی جگہ پر تو خارج کی جا سکتی ہے اور اسے سنت بھی کہا جا سکتا ہے لیکن منبر پر ہوا کا خارج کرنا بدعت ہے میں اپنے اور تمہارے لیے مغفرت چاہتا ہوں۔

(۴) بٹن کھلے رکھنا۔

(۵) سارنگیاں بجانا۔

(۶) مزامیر۔

(۷) مذاق کرنا۔

marfat.com

فائدہ :۔ اس میں تنبیہ ہے کہ ایسے اُمور معاشرہ میں داخل نہیں کرنے چاہئیں کیونکہ یہ قبیح اُمور ہیں ۔

ملفوظ جنید قدس سرہٗ

سیدنا جنید قدس سرہٗ سے پوچھا گیا کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے آپ نے فرمایا ہر مجلس بُری ہے سوائے اس کے کہ اس میں ذکر و فکر ہو ۔

فائدہ :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کنکریاں پھینکنا بھی منکر (برا) ہے یعنی اُنگلیوں میں کنکریاں رکھ کر لوگوں پر پھینکنا بُرا عمل ہے ۔

(۸) ان لوطیوں کی عادت تھی کہ ایک پیالے میں کنکریاں رکھ لیتے تھے جو بھی ان کے سامنے گزرتا اس پر کنکری پھینکتے جس کو کنکری لگتی ہے اس کے لیئے کہتے کہ جو کچھ اُس وقت میرے پاس ہے وہ تیرا ہے اور اس کا نکاح کرتے اور تین درا ہم تک اسے چٹی ادا کرتے اس معاملہ کے لیے قاضی بھی رکھے ہوئے تھے جو ان کا اس قسم کا فیصلہ کرتے ان میں ہوا جو سدوم کا قاضی بھی تھا ۔

(۹) ان کی عادات میں تھا کہ بندوق سے کنکریاں پھینکے جاتے ہیں ۔

حدیث شریف میں ہے کہ کنکریاں نہ پھینکو اس لیے کہ یہ کسی کو قتل بھی کر سکتی ہیں اور نہ شکار مار سکتی ہیں البتہ آنکھ نکلنے کا خطرہ ہے اور دانت ٹوٹنے کا بھی ۔

(۱۰) سیٹی بجانا ۔

(۱۱) انگلیوں کو کھینچ کر آواز نکالنا ۔

(۱۲) ہاتھوں کو مہندی لگانا ۔

مسئلہ ۔ نماز میں انگلیوں کو کھینچ کر آواز نکالنا مکروہ ہے ویسے خارج از صلوٰۃ بھی یہ عمل نہیں چاہیئے تاکہ لوطیوں سے مشابہت نہ ہو ۔

marfat.ocm

(۱۳) مساگ مارنا لیکن عورتوں کو مکروہ نہیں اگر روزہ دار نہ ہو یہ ان کے لیے بمنزلہ مسواک کے ہے کیونکہ ان کے دانت بہ نسبت مردوں کے کمزور ہیں جیسے ان کے دوسرے اعضاء بہ نسبت مردوں کے کمزور ہیں اسی لیے مسواک سے ان کے دانتوں کے گرنے کا خطرہ ہے اس لیے وہ مساگ ماریں تاکہ ان کے دانت اور مسوڑے مضبوط ہوں جیسے مردوں کو مسواک فائدہ دیتا ہے لیکن مساگ مردوں کو مکروہ ہے ہاں بیماری کی وجہ سے مثلاً منہ کی بدبو دُور کرنے کے لیے ہو تو جائز ہے لیکن بچنا چاہیئے تاکہ عورتوں سے مشابہت نہ ہو۔

(۱۴) لوطیوں کی عادات میں گالی دینا تھا۔

(۱۵) ان کی عادات میں تھا مزاح میں گالی دینا۔ بزرگ کہتے ہیں کہ مزاح میں گالی دینا شرک صغیر اور حرب کبیر کا موجب ہے۔

(۱۶) ان کی عادات میں تھا کبوتر بازی۔

کبوتر بازی سے تنگی رزق: حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کبوتر بازی لوطیوں کے عادات میں سے ہے اور کبوتر باز نہیں مرے گا جب تک کہ فقر و فاقہ کا منہ نہ دیکھ لے[1] (کذا فی حیوۃ الحیوان)

فما کان جواب قومه تو نہ تھا جواب ان کی قوم کا۔ یعنی جب لوط علیہ السلام نے انھیں مذکورہ بالا قبائح سے روکا **الا ان قالوا** تو ان کا جواب تھا مگر یہ کہ اُنہوں نے استہزاء کہا کہ ہم ان اُمور کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے **ائتنا** لائیے ہمارے ہاں وہ جو تو ہمیں نزولِ عذابِ الٰہی سے ڈراتا ہے۔ **ان کنت من الصادقین** اگر تم سچے لوگوں سے ہو کہ یہ اُمور قبیح ہیں اور ان کی وجہ سے عذاب نازل ہو گا تو لائیے عذاب۔

فائدہ: الارشاد میں ہے کہ جتنی بار لوط علیہ السلام نے انھیں عذابِ الٰہی سے ڈرایا تو ان کا کوئی جواب نہ تھا سوائے اسی کے۔

فائدہ: سورۂ اعراف میں بھی یونہی ہے **فما کان** الخ پھر سورہ نمل میں بھی تھا **فما کان** الخ لیکن یہ آخری مقولہ ہے کہ اس کے بعد پھر کوئی بات نہ ہوئی **قال** لوط علیہ السلام نے بطور مناجات کہا۔ **رب انصرنی** اے میرے پروردگار میری مدد فرما کہ ان پر موعدہ عذاب نازل فرمایئے۔ **علی القوم المفسدین**۔ ان مفسد لوگوں پر کہ اُنھوں نے ایسے بُرے عمل کی ابتدا کی کہ جس کی پہلے کوئی مثل نہیں اُنھوں نے آنے والی نسلوں کے لیے سے طریقہ

---

[1] فقیر کے مشاہدہ میں ہے کہ کبوتر باز عموماً روزی سے تنگ ہوتے ہیں۔

marfat.com

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ

اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس مژدہ لے کر آئے بولے ہم ضرور اس شہر والوں کو ہلاک کریں گے

الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا

بے شک اس کے بسنے والے ستمگار ہیں کہا اس میں تو لوط ہے فرشتے بولے

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ

ہمیں خوب معلوم ہے جو کچھ اس میں ہے ضرور ہم اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دیں گے مگر اس کی عورت

مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ

کو وہ رہ جانیوالوں میں ہے اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے ان کا آنا اسے ناگوار ہوا اور ان

بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا

کے سبب دل تنگ ہوا اور انہوں نے کہا نہ ڈریئے اور نہ غم کیجئے بیشک ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو

امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٣٣﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ

نجات دیں گے مگر آپ کی عورت وہ رہ جانیوالوں میں ہے بے شک ہم اس شہر والوں پر آسمان سے عذاب

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً

اتارنے والے ہیں بدلہ ان کی نافرمانیوں کا اور بے شک ہم نے اس سے روشن نشانی باقی

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا

رکھی عقل والوں کے لیے مدین کی طرف ان کے ہم قوم شعیب کو بھیجا تو اس نے فرمایا اے میری قوم اللہ

اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٣٦﴾ فَكَذَّبُوْهُ

کی بندگی کرو اور پچھلے دن کی امید رکھو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو تو انہوں نے

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٣٧﴾ وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟

اسے جھٹلایا تو انہیں زلزلے نے آلیا تو صبح اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے اور عاد اور ثمود کو

وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

ہلاک فرمایا اور تمہیں ان کی بستیاں معلوم ہو چکی ہیں اور شیطان نے ان کے کوتک ان کی نگاہ

اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿٣٨﴾ وَقَارُوْنَ

میں بھلے کر دکھائے اور انہیں راہ سے روکا اور انہیں سوجھتا تھا اور قارون

وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۫ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا

اور فرعون اور ہامان کو اور بے شک ان کے پاس موسیٰ روشن نشانیاں لے کر آیا تو انہوں

marfat.ocm

فِی الْاَرْضِ وَمَا کَانُوْا سٰبِقِیْنَ ﴿۳۹﴾ فَکُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ

نے زمین میں تکبر کیا اور وہ ہم سے نکل کر جانے والے نہ تھے تو ان میں ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ پر پکڑا تو

اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّیْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

ان میں کسی پر ہم نے پتھراؤ بھیجا اور ان میں کسی کو چنگھاڑ نے آلیا اور ان میں کسی کو

خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ

زمین میں دھنسا دیا اور ان میں کسی کو ڈبو دیا اور اللہ کی شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرے ہاں وہ

وَلٰکِنْ کَانُوْا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾ مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ

خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ان کی مثال جنھوں نے اللہ کے سوا اور مالک بنا

اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ ۖۚ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا ۖ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ

لیے ہیں مکڑی کی طرح ہے اس نے جالے کا گھر بنایا اور بے شک سب گھروں میں کمزور گھر

لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ ۘ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ

مکڑی کا گھر کیا اچھا ہوتا اگر جانتے اللہ جانتا ہے جس چیز کی اس کے سوا پوجا

دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا

کرتے ہیں اور وہی عزت و حکمت والا ہے اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان

لِلنَّاسِ ۚ وَمَا یَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

فرماتے ہیں اور انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے اللہ نے آسمان اور زمین

بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۴﴾

حق بنائے بے شک اس میں نشانی ہے مسلمانوں کے لیے

تفسیر عالمانہ

ولما جاءت اور جب آئے رسلنا ہمارے فرشتے یعنی جبریل علیہ السلام اور ان کے دوسرے ساتھی۔ ابراہیم بالبشری ابراہیم علیہ السلام کے ہاں خوشخبری

بقیہ صفحہ ۳۰۲

جاری کر دیا اور اس برے فعل پر اصرار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا کہ تم ابراہیم علیہ السلام کے ہاں چلے جاؤ اور ان کو جا کر خوشخبری سناؤ۔ خوشخبری کا بیان اگلے رکوع میں ہے۔

فائدہ: انہیں مفسدین سے موصوف کیا علیھم یا علی قومی تاکہ معلوم ہو کہ وہ اس عذاب کے مستحق اسی افساد کی وجہ سے ہوئے اور اس لائق تھے کہ ان پر فوراً عذاب نازل ہو۔

قاعدہ: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب کافر کو فسق و افساد سے موصوف کیا جائے تو وہاں اس کا کفر میں غلو مراد ہوتا ہے۔ اویسی غفرلہٗ۔

marfat.com

دے کر یعنی صاحبزادہ کی ولادت کا مژدہ قالوا ابراہیم علیہ السلام کو مزید یہ بھی سُنایا کہ انا مھلکوا اھل ھذہ القریۃ اس بستی والوں کو ہم تباہ و برباد کرنے کے لیے آئے ہیں اس سے سدوم کا علاقہ مراد ہے اور یہ اضافہ لفظی ہے کیونکہ اس میں استقبال کا معنیٰ ہے۔ ان اھلھا کانوا من الظالمین۔ بیشک ان کے لوگ ظالم ہیں کفر کرتے اور جھٹلاتے اور دیگر کئی قسم کی برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ قال۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے اہل ایمان پر شفقت کرتے ہوئے اور ان سے حجت کرکے فرمایا ان فیھا لوطًا۔ بیشک اس میں لوط علیہ السلام بھی ہیں۔ پھر اس شہر کو کس طرح تباہ کیا جائے گا۔

لُوط کی وجہ تسمیہ

لوط علیہ السلام کا یہ نام اس لیے ہُوا کہ لوط بمعنی کسی کا اس سے دل لگ جانا چونکہ ابراہیم علیہ السلام کا دل ان سے چمٹا رہتا تھا کیونکہ وہ آپ سے محبت رکھتے تھے اسی لیے اس نام سے موسوم ہوئے۔ قالوا۔ ملائکہ نے کہا نحن اعلم ہم آپ سے بہت زیادہ جانتے ہیں بمن فیھا۔ ان کو جو اس میں ہیں اور نہ ہم لوط علیہ السلام کے حالات سے بے خبر ہیں اور آپ کو اس کا خوف نہ ہو کہ اہل ایمان پر ظلم ہوگا لننجینہ۔ البتہ ہم لوط علیہ السلام کو نجات دیں گے۔ واھلہ اور اس کے اہل کو یعنی ان کے تابعداروں کو جو اہل ایمان ہیں یعنی ان کی صاحبزادیاں الا امراتہ مگر اس کی عورت کانت من الغابرین۔ جو پیچھے رہنے والوں میں ہے یعنی عذاب والوں یا بستی والوں میں سے ہے یعنی ہم لوط اور ان کے ماننے والوں کو کہیں گے کہ یہاں بستی سے نکل جاؤ تو پھر وہ چلے جائیں گے اور ان کی اہلیہ بستی میں رہ جائے گی اور ان کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہوگی۔ ولما ان یہ ان دونوں کا صلہ ہے۔ جاءت رسلنا۔ آئے ہمارے مذکورہ بالا فرشتے ابراہیم علیہ السلام سے فراغت کے بعد لوطًا سیٔ بھم لوط علیہ السلام کے ہاں لوط علیہ السلام کو ملال لاحق ہوئی۔ اس خوف سے کہ کہیں انھیں میری قوم سے نقصان نہ پہنچے یعنی اپنی عادت کے مطابق ان کے ساتھ بُرائی نہ کریں کیونکہ وہ مسافرین کو ستاتے تھے اور لوط علیہ السلام اُس طرف متوجہ نہ ہوئے کہ یہ فرشتے ہیں کیونکہ وہ اس وقت بے ریش حسین لڑکے تھے ان پر لباس فاخرہ تھا اور خوشبو سے مہکتے ہوئے آئے تو سمجھا یہ اجنبی انسان اور بے ریش ہیں۔ وضاق بھم ذرعًا۔ ان کے معاملہ میں تنگی محسوس کی اور سوچ میں پڑ گئے کہ ان کے بچنے کی تدبیر کس طرح ہوگی اور اس کشمکش میں پڑ گئے کہ کیا انھیں روانہ کر دیا جائے یا اپنے ہاں ٹھہرایا جائے ضاقت یدہ اس کا ہاتھ تنگ ہوگیا اس کے بالمقابل بولتے ہیں رحب ذرعہ بکذا جب اس کو اس کام کی طاقت ہو اور اس کے پورا کرنے پر قدرت رکھتا ہو کیونکہ لمبے ہاتھ والا جو کام کر سکتا

ف یہ عقیدہ حق ہے کہ جہاں اللہ والے ہوتے ہیں وہاں تباہی و بربادی نہیں ہوتی یہی ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ ہم اہل سنت کو نصیب ہوا۔ (اویسی غفرلہٗ)

marfat.ocm

ہے وہ چھوٹے ہاتھ والا نہیں کر سکتا۔ **و قالوا** اور جب فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو غم گین دیکھا گیا تو انہیں تسلی کے طور پر کہا **لا تخف** خوف نہ کھائیے کہ آپ کی قوم ہیں کچھ کہے گی **ولا تحزن** اور غم نہ کیجئے **انا منجوك واهلك** ہم تمہاری قوم کو تہس نہس کر دیں گے لیکن آپ کو اور آپ کے اہل کو نجات دیں گے **الا امرأتك كانت من الغابرين** مگر آپ کی زوجہ جو کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے۔ **انا منزلون على اهل هذه القرية** ہم اسی سدوم بستی والوں پر (جو سات ہزار نفوس پر مشتمل تھی (کذا کشف الاسرار) **رجزا من السماء**۔ آسمان سے عذاب آتارنے والے ہیں یعنی ان کو زمین میں دھنسا دیں گے پھر ان کی شکلیں تبدیل ہو جائیں گی۔

فائدہ:۔ رجز وہ عذاب جو معذب کو پریشان و ذلیل کرے۔ یہ ارتجز سے بمعنے ارتعش واضطرب **بما كانوا يفسقون** بسبب اس کے کہ وہ فسق کرتے رہے اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے اپنے ایک پر سے شہر کو پھر ان پر پتھر برسائے بعد اس کے کہ لوط علیہ السلام اپنی بچیوں کو ساتھ لے کر باہر تشریف لے گئے۔ خلاصہ یہ کہ لوط علیہ السلام اپنے ماننے والے سمیت بچ گئے۔ اور وہاں سے چلے گئے اور مجرمین تباہ و برباد ہو گئے پھر شہر ویران پڑ گیا اور آنے والوں کے لیے عبرت بن چنانچہ فرمایا **ولقد تركنا منها** یہ من تبیین کا ہے تبعیضیہ نہیں کیونکہ بقایا وہ بستی کا بعض حصہ نہیں بلکہ کل کا بقایا تھا یعنی بیشک ہم نے اس بستی سے چھوڑی آیۃ تبیبہ نشانی ظاہر اس سے اس کا قصہ عجیبہ مراد ہے اور اس کی وہ حکایت جو آج زبان زد ہے اور ان کے گھروں کے نشانات جو تباہ و برباد پڑے ہیں یا وہ پتھر جو ان پر برسے جو ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ نامزد ہو کر آسمان سے اترے کیونکہ وہ عرصہ دراز تک پڑے رہے جسے ان کے بعد آنے والے لوگوں نے آنکھوں سے دیکھا یا اس سے وہ کالا پانی مراد ہے جو ان کے زمین کے دھنستے وقت روئے زمین پر ظاہر ہوا ایسا بدبو دار کہ لوگ اس کی بدبوئی دُور دُور سے سونگھتے اور پریشان ہو جاتے **لقوم يعقلون** ایسی قوم کے لیے جو اپنی عقلوں میں عبرت پکڑنے میں استعمال کرتے ہیں یا یہ ترکنا کے متعلق ہے یا بینۃ کے۔

فائدہ:۔ اس میں عقل کی شرافت کی طرف اشارہ ہے لیکن وہ جو انسان کو عبرت دلائے اور گناہوں اور خطرات میں گرنے سے بچائے۔

مثنوی شریف میں ہے:۔

(۱) عقل ایمانی چو شحنہ عادلست	پاسبان حاکم شہر دلست
(۲) ہمچو گربہ باشد او بیدار ہوش	دزد در سوراخ ماند ہمچو موش
(۳) در ہر آنجا بر آرد موش دست	نیست گربہ یا کہ نقش گربہ است
(۴) گربہ چوں شیر شیر افگن بود	عقل ایمانی کہ اندر تن بود

marfat.com

(۵) غمزۂ او حاکم درماندگان !! نعرۂ او مانع چرندگان

(۶) شہر پر دزد است و بر جامہ کنی خواہ شحنہ باش گرو خواہ نی

ترجمہ

(۱) ایمان دار کی عقل کوتوال کی طرح ہے وہ دل کے شہر کا پاسبان اور حاکم ہے۔
(۲) وہ بلی کی مانند بیدار و ہوشیار ہے چور چوہے کی طرح سوراخ میں رہتے ہیں۔
(۳) وہاں سے چوہا ہاتھ باہر نکالتا ہے جہاں بلی یا اس کی تصویر نہ ہو۔
(۴) بلی شیر کی طرح گرنے والی ہوتی ہے ایماندار کی عقل بھی ایسے ہے۔
(۵) اس کی چمک درندوں کی حاکم ہے اس کا شور چرندوں کا مانع ہے۔
(۶) شہر چوروں سے پُر ہے ہوشیاری سے کام لے اس میں کوتوال ہو یا نہ۔

حدیث شریف:- حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کی نیکی بہت بڑی تعریف کی گئی۔ آپ نے فرمایا وہ عقل کتنا رکھتا ہے صحابہ کرام نے عرض کی حضور ہم آپ کو اس کی نیکی کی تعریف کرتے ہیں آپ اُس کی عقل پوچھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ احمق بہت بڑے فاجر سے بھی زیادہ بدبخت ہے[1] کل قیامت میں لوگ اپنی عقل سے ہی بہت بڑے درجات پاسکیں گے۔

لطیفہ:- ہر شے جتنی زیادہ ہو وہ چلی جاتی ہے عقل جتنی زیادہ ہو قیمتی ہوتی ہے۔

---

[1] سچ فرمایا محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس لیے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بعض عورتوں کو اپنی زوجیت سے شرف بخشا لیکن بے چاری بے عقلی کا شکار ہو کر ایسے بہت بلند مراتب سے محروم ہوگئیں جن کا بعد کو اُنھوں نے اظہارِ تحسر کیا لیکن کیا فائدہ۔ ناظرین کے افادہ کے لیے چند ایک کے حالات حاضر ہیں شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس میں عجیب نکتہ ہے جو مفید و نافع ہے بیان کرتے ہیں اگرچہ اس حیثیت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال شریف کا ذکر ہے اور اس بارگاہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں سب ہی مفید و نافع اور موجب ذوق و لذت ہیں۔ ان عورتوں میں سے ایک عورت ضحاک کی بیٹی کلابیہ تھی جس نے دنیا کو اختیار کر رکھا تھا۔ آخر کار اس کا حال اس حد تک پہنچا کہ کھجوروں کی گٹھلیاں اور ایک روایت میں ہے کہ میگنیاں چنتی تھی ایک شخص نے اُسے دیکھا تو پوچھا تو کون ہے اس نے سر اُٹھا کر کہا "انا الشقیۃ التی اختارت الدنیا علی اللہ و رسولہ" میں وہ بدبخت عورت ہوں جس نے اللہ اور اس کے رسول پر دنیا کو اختیار کیا تھا۔ دوسری عورت اسماء کندیہ ہے جسے جامع الاصول میں

لطیفہ: ایک اعرابی نے کہا کہ اگر عقل اپنی صورت میں باہر آجائے تو سورج اُس کے نور سے بے نور ہو جائے اور اگر حماقت اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہو تو رات بھی اس سے زیادہ روشن ہو یعنی وہ اتنا سیاہ ہے کہ کالی رات احمق کی نسبت پھر بھی روشن ہے حالانکہ اس میں روشنی ہے ہی نہیں اسی لیے تو اس کا نام لیل (کالی) ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) گفت پیغمبر کہ احمق ہر کہ ہست	او عدو ماست غول و رہزن است
(۲) ہر کہ عاقل بود از جان ماست	روح او وریح او ریحان ماست
(۳) مادہ عقلیت نے نان و شوی	نور عقلیست اے پسر جان راغذی
(۴) نیست غیر نور آدم را خورش	از جز آں جاں نباید پرورش!
(۵) ایں خورشہا اندک اندک باز بر	زیں غذائے خر بود نے آں حر

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:

جیسا کہ کہا ہے۔ مواہب لدنیہ میں ہے اسماء بنت النعمان بن ابی الجون الکندیہ الجونیہ نام بتایا گیا ہے اور کہا کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح فرمایا البتہ اُس کو اپنے سے علٰحدہ کرنے کے بارے میں اتفاق ہے چنانچہ قتادہ اور ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے قرب سے نوازنا چاہا اور اس سے فرمایا کہ قریب آؤ تو اس عورت نے انکار کیا اور سرکشی کی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس عورت نے کہا کہ میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پناہ تلاش کرتی ہے اور بہت بڑی پناہ مانگتی ہے بلا شبہ حق تعالیٰ نے تجھے پناہ دے دی۔ الحقی باہلک۔ جا تو اپنے گھر والوں سے مل جا یہ کلمہ ایسا ہے جو طلاق کی نیت سے بولا جاتا ہے۔ جامع الاصول میں اسی بنت الجون کے قصہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا کہ ابنۃ الجون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اُس نے کہا اعوذ باللہ منک اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے بہت بڑی پناہ تلاش کی ہے جا اپنے اہل کے ساتھ مل جا۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ نسائی میں اس طرح مروی ہے کہ کلابیہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو (الحدیث) سیدہ صدیقہ سے اتنا ہی روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا مطلب یہ کہ کسی دوسرے نے اس کو سکھایا بلکہ اس نے اپنی طرف کہا اور کسی دوسرے کو کیا ضرورت تھی کہ وہ سکھائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تو ایسا گمان ہی کرنا نہیں چاہیئے کہ اُنہوں نے اسے سکھایا ہو اور وہ اس قصہ میں داخل ہوں حسن ظن لازم ہے (واللہ اعلم) مزید تحقیق فقیر کی کتاب باادب بانصیب اور بے ادب بے نصیب میں پڑھیئے۔ (اویسی غفرلہ)

marfat.com

(۶) تا غذائے اصل را قابل شوے لقمہائے نور را آکل شوی

ترجمہ

(۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وہ جو احمق ہے وہ ہمارا دشمن اور الو اور راہزن ہے۔

(۲) وہ جو عاقل ہے وہ ہماری جان ہے وہ ہماری روح اور ریحان و راحت ہیں۔

(۳) عقل ایک دستر خوان ہے وہ روٹی وغیرہ کی طرح لقمہ نہیں عقل نور ہے اے عزیز وہ جان کی غذا ہے۔

(۴) آدمی کی غذا سوائے اس نور کے اور کوئی شے نہیں اسی رُوح کی پرورش اسی سے ہے۔

(۵) ایسی خوراک سے تھوڑا تھوڑا حاصل کر لیا کرو اس غذا سے اچھے لوگ فائدہ پاتے ہیں نہ کہ بیوقوف۔

(۶) ایسا ہو جا کہ اس غذا کے لائق سمجھا جائے۔ نور کا لقمہ کھانے والا تجھے تصور کیا جائے۔

فائدہ: آیت سے ثابت ہُوا کہ اللہ نجات دینے پر اور دشمنوں کو تباہ کرنے پر قدرت رکھتا ہے اور وہ جملہ اُمور پر غالب ہے اور اس کا گروہ کامیاب ہے۔ اس کا گروہ انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام ہیں اور وہ لوگ جو ان کے قریب ہوتے ہیں اور نجات پانے والے بھی اور اہل حشر بھی وہی ہیں اور وہ لوگ جو ان کے قریب ہوتے ہیں تابعداری لیکن اتصال معنوی بھی ضروری ہے کیونکہ اتصال ظاہری کوئی فائدہ نہیں دیتا جیسے لوط علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کی عورتیں اگرچہ بظاہر تو ان کے ساتھ تھیں لیکن اتصال معنوی نصیب نہ تھا اسی لیے ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے خیانت کا اظہار فرمایا ہے اور انہیں جہنم میں داخل کیا جائے گا بوجہ ان کی خیانت کے اور عدم اطاعت کے حالانکہ لوط علیہ السلام کی صاحبزادیاں نجات پا گئیں کیونکہ انھیں اپنے والد گرامی سے اتصال معنوی اور ایمان حاصل تھا۔ پاکی ہے اُس ذات کے لیے جو زندوں کو مردوں سے نکالتا ہے یعنی کافروں میں ایمان دار پیدا فرماتا ہے۔

والیٰ مدین اخاھم شعیبا۔ اور ہم نے مدین کی طرف اُن کی برادری کے شعیب علیہ السلام کو بھیجا اخ اس لیے کہا گیا کہ آپ ان کے نسب سے تھے۔ اس آیت کی تفسیر بار بار گزری ہے۔ **فقال** تو شعیب علیہ السلام نے بطریق دعوت فرمایا۔ **یا قوم**۔ اے میری برادری **اعبدوا اللہ** اللہ کی عبادت کرو یعنی اسے واحد لاشریک مانو **وارجوا الیوم الاخر** اور قیامت کے دن کے لیے نیک اُمید رکھو اور قیامت کو یوم آخر سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ آخری دن ہے کیونکہ اس دن بہت بڑی سختیاں ہوں گی۔ فلہذا اس دن کے لیے ایسے نیک کام کرو جن سے تم فائدے پاسکو اور عذاب الٰہی سے بچ سکو۔ بعض نے کہا اس سے موت کا آخری دن ہے کیونکہ اس دن میں زندگی کے لمحات ختم ہوں گے۔ **ولا تعثوا**۔ اعثار سے ہے بمعنی افسد اول باب سے ہے اور نہ پھیلو **فی الارض** زمین پر یعنی مدین میں درآنحالیکہ **مفسدین** تم فساد ڈالنے والے ہو۔ کیل و وزن کم کر کے۔

سوال۔ اسے افساد سے کیوں مقید کیا گیا ہے حالانکہ عثا میں ہوتا ہی فساد ہے۔

marfat.ocm

جواب:۔کبھی اس میں فساد نہیں ہوتا مثلاً ظالم کے ظلم کو روکنے کے لیے بھی ہوتا ہے اور کبھی اس میں اصلاح بھی مطلوب ہوتی ہے جیسے خضر علیہ السلام نے نوجوان کو قتل اور کشتی کو چیر ڈالا تھا۔ **فکذبوہ**۔ پس انہوں نے اسے جھٹلایا یعنی شعیب علیہ السلام کے روکنے پر فساد سے نہ رکے۔ **فاخذتھم الرجفۃ** تو انہیں جھٹکے نے پکڑا۔ رجفہ سے زلزلہ شدیدہ مراد ہے اور وہ ایسا جھٹکا تھا کہ دیواریں ان پر گر پڑیں اور سورۃ ہود میں ہے **فاخذت الذین ظلموا الصیحۃ** تو انہیں صیحہ نے پکڑا۔ یہ صیحہ چیخنا جبریل علیہ السلام کا تھا جو وہی رجفہ کا سبب بنا کہ وہی آواز ہوا میں گھوم کر انکی تہہ میں داخل ہوئی تو دیواریں گر گئیں **فاصبحوا فی دارھم** پس ہو گئے اپنے گھروں میں۔ دار کے بجائے دیار نہیں کہا گیا اس لیے کہ یہاں پر التباس کا خطرہ ہے۔ **جاثمین**۔ گھٹنوں کے بل۔ مرے ہوئے یعنی اندھے گر پڑے تھے وہ اس لیے کہ انھوں نے نبی علیہ السلام کی بات نہ مانی تو اس کی سزا یونہی پائی کیونکہ سزائیں بوجہ بدعملی کے ہوتی ہیں۔

اس کا منصوب ہونا فعل محذوف ہے جس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے کہ دراصل **واھلکنا عاد** اتھا اور ہم نے ہلاک کیا عاد یعنی ہود علیہ السلام کی قوم کو **وثمود** اور صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کو یہ غیر منصرف علی تاویل القبیلہ کے **وقد تبین لکم** اور بیشک تمہارے لیے اے اہل مکہ ظاہر ہو گیا ان کا ہلاک کرنا اس لیے کہ یمن میں ان کی بقایا منزلیں بتاتی ہیں یعنی عاد کی منزلیں اور حجر میں ثمود کی منزلیں نظر آتی ہیں جب وہاں سے تم لوگ گزرتے ہو **وزین لھم الشیطٰن اعمالھم** اور جب انھیں ان کے اعمال شیاطین نے سنگار یعنی کفر و معاصی ان کی نظروں میں اچھے نظر آئے۔ **فصدھم عن السبیل** تو شیطان نے انھیں اس راستے سے روکا جس پر انہوں نے چلنا تھا یعنی وہ سیدھا راستہ جو توحید اور حق تک پہنچانے والا تھا۔ **وکانوا مستبصرین** اور تھے وہ دیکھنے والے۔

حل لغات:۔

یہ **استبصر فی امرہ** سے ہے۔ یہ اس کے لیے بولتے ہیں جو صاحب بصیرۃ ہو یعنی باوجودیکہ وہ لوگ صاحب بصیرت اور عقل مند تھے اور پورے طور ان امور کو سمجھتے تھے

اور استدلال کرنے کی بھی طاقت رکھتے تھے لیکن نہ کر سکے بوجہ شیطان کی اتباع کے اسی لیے وہ حق و باطل کے امتیاز میں اپنے عقول سے فائدہ نہ اٹھا سکے گویا وہ۔۔ جانوروں کی طرح بے عقل رہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

مہر حق بر چشم و بر گوش خرد
گر فلاطونست حیوانش کند

ترجمہ۔ حق کی مہر اگر آنکھ اور عقل کے کان پر لگ جائے تو افلاطون بھی ہو تب بھی وہ اسے حیوان بنا دے گی۔

marfat.com

وقارون وفرعون وھامان۔ اس کا عطف عاد پر ہے اور ان تینوں میں سے قارون کی تقدیم اس کی نسبی شرافت کی وجہ سے ہے (موسیٰ علیہ السلام کا رشتہ دار تھا) جیساکہ گزرا ہے۔ اس میں قریش مکہ کو تنبیہ ہے کہ تم اپنی نسبی شرافت پر ناز کر رہے ہو اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ولقد جاءھم موسیٰ بالبینات اور بیشک انکے پاس موسیٰ علیہ السلام روشن دلائل اور اس کے بہترین معجزات لائے۔ فاستکبروا تو قبول حق سے تکبر کرکے محروم ہوگئے فی الارض مصر کی زمین میں وما کانوا سابقین اور نہ تھے وہ ہم سے چوکنے والے یعنی ہم نے انہیں پکڑ لیا اور تباہ و برباد ہو گئے۔

حل لغات:: سبق بمعنی طالب سے ہے یہ اُس وقت کہتے جب کسی سے کوئی چوک جائے۔ امام راغب کی مفردات میں ہے کہ دراصل السبق بمعنی استقدام فی السیر چلنے میں آگے ہونا ہے پھر مجازاً ہر سبقت کے لیے مستعمل ہونے لگا۔ اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بندے سے جزائے عمل کی سبقت فرمائی ہے اگر نیک عمل ہیں تو نیک جزا ہو گی اگر برے اعمال ہوں گے تو سزا فکلا یہ سابق مضمون (عدم سبق) مجمل کی تفسیر ہے یعنی مذکورین میں سے ہر ایک کو اخذنا بذنبہ ہم نے اُس کے گناہ کے بدلے میں پکڑا یعنی ہر ایک کو اپنے کیے کی سزا ملی یہ نہیں ان میں بعض کو سزا ملی ہو اور بعض کو چھوڑ دیا گیا ہو جیساکہ تقدیم مفعول سے معلوم ہوتا ہے۔

اخذ کی تحقیق

بعض نے کہا کہ اخذ دراصل ہاتھ سے پکڑنے کو کہا جاتا ہے پھر مجازاً چند معانی میں مستعمل ہوا۔

(۱) بمعنی القبول کما قال تعالیٰ واخذتم علی ذلکم اصری ای قبلتم الخ یعنی تم نے میرا معاہدہ قبول کر لیا۔

(۲) بمعنی تعذیب جیسے اس مقام میں مستعمل ہوا ہے۔ المفردات میں ہے کہ اخذ بمعنی شے کو اکٹھا کرنا اور حاصل کرنا پھر یہ کبھی ہاتھ سے لینے سے ہوتا ہے جیسے معاذ اللہ ان ناخذ الا من وجدنا متاعنا عندہٗ پناہ خدا کی کہ ہم حاصل کریں مگر اسے جس کے پاس ہمارا سامان ہے۔ بمعنی قہر جیسے لا تاخذہٗ سنۃ ولا نوم (اس پر اونگھ اور نیند غلبہ نہیں کرتی) کہا جاتا ہے اخذتہ الحمی (اس پر بخار کا حملہ ہوا ہے) قیدی کو ماخوذ اور اخیذ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

سوال:۔ الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ گناہ کے بغیر کسی کو سزا نہیں دیتا حالانکہ اہلسنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو گناہ کے بغیر بھی سزا دے تو دے سکتا ہے۔

جواب:۔ اس کا قانون یہ ہے کہ جرم کے بغیر کسی کو سزا نہ دی جائے اور اگر وہ کسی کو اپنی حکمت سے کوئی سزا دے تو مالک ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے فمنھم من ارسلنا علیہم حاصبا تو ان میں بعض وہ ہیں جن پر ہم نے پتھراؤ کیا۔ فذ کی تفصیل ہے یعنی انہیں بعض وہ بھی تھے جن پر سخت آندھی کے ذریعے ان پر پتھراؤ ہوا۔

marfat.ocm

حاصبًا چھوٹی کنکریوں کو کہا جاتا ہے اور یہ عذاب عاد کی قوم پر ہوا یا حاصبا سے وہ فرشتہ مراد ہے جس نے ان پر کنکریاں پھینکیں اور وہ لوط علیہ السلام کی قوم تھی یعنی جن پر ملائکہ نے پتھر برسائے اور جن پر ہوا کے ذریعہ پتھراؤ ہوا اور وہ عاد کی قوم تھی **و منهم من اخذ ته الصيحة** اور ان میں بعض وہ تھے جن کو چنگھاڑ نے پکڑا یعنی ان پر جبریل علیہ السلام نے چیخ ماری تو ان کے دل پھٹ گئے اور دہشت سے ان کی روح پرواز کر گئی **و منهم من خسفنا به الارض** اور ان میں بعض وہ ہیں جنہیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا جیسے قارون اور اس کے ساتھی یہ بار تصدیہ کی ہے اس سے ان کے اعمال کی پوری سزا مراد ہے اس لیے کہ مال کثیر تو زمین کے نیچے رکھا جاتا ہے لیکن یہاں اُن کے سروں پر رکھا گیا **و منهم من اغرقنا** اور ان میں بعض وہ ہیں جنہیں ہم نے غرق کر دیا جیسے قوم نوح اور فرعون اور اس کی قوم **الاغراق** بمعنی غرق کرنا (کذا فی التاج) **الغرق** بمعنی پانی کے اندر چلا جانا **وما كان الله ليظلمهم** اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ ان پر ظلم کرے یعنی فعل کو غیر محل میں رکھے کیونکہ یہ اس کے حق میں محال ہے اسی لیے اس نے پہلے رسل کرام علیہم السلام بھیجے **ولكن كانوا انفسهم يظلمون** لیکن وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے رہے یعنی ایسے عمل کرتے رہے جن کی وجہ سے ایسی سزائیں پائیں۔ ؎

(۱) اے کہ حکم شرع را رد می کنی
راہ باطل می روی بد می کنی
(۲) چوں تو بد کردی بدی یابی جزا
پس بدیہا جملہ با خود می کنی

ترجمہ

(۱) اے فلاں تو شرع کا حکم رد کرتا ہے باطل راہ پر چل کر بُرا کرتا ہے۔
(۲) تو بُرائی کرتا ہے تو تجھے سزا بھی بُری ملے گی اس سے ثابت ہوا کہ تو تمام برائی تو خود کرتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

پس ترا ہر غم کہ پیش آید ز درد
بر کسے تہمت منہ بر خویش کرد

ترجمہ: تجھے درد کی وجہ سے جو غم بھی آتا ہے کسی دوسرے پر تہمت نہ کر یہ تیرا اپنا کیا ہوا ہے۔

روحانی نسخے: حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بعض کتب میں پڑھا ہے کہ

marfat.com

(١) دنیا کی حلاوت آخرت کے کڑوے پن کا

(٢) دنیا کا کڑوا پن آخرت کی حلاوت کا سبب ہے

(٣) دنیا کی پیاس آخرت کی سیرابی

(٤) دنیا کی سیرابی آخرت کی پیاس کا موجب ہے۔

(٥) دنیا کی خوشی آخرت کے حزن کا

(٦) دنیا کا حزن آخرت کی خوشی کا سبب ہے۔

(٧) جس نے آخرت کے لیے نیکی یا بُرائی بھیجی وہ اُسے آخرت میں ضرور پائے گا۔

سبق: کفار سابقین کا حال تم نے پڑھا کہ جب تم نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو سخت سے سخت عذاب میں مبتلا ہوئے اگر تصدیق کرتے تو اُن کے سابقہ گناہوں کی معافی ممکن تھی۔ خلاصہ یہ کہ جب اُنھوں نے اپنی غلطیوں پر اصرار کیا تو عذاب میں مبتلا ہوئے اور ایسی حالت پر قیامت میں اُٹھیں گے۔ اسی لیے وارد ہے کہ قبروں سے ہائے ہائے کرتے ہوئے اُٹھیں گے۔

فائدہ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ اہل مکہ اور آنے والے لوگوں کو عبرت دلائی ہے تاکہ عبرت پکڑ کر اپنے عقول کو استعمال کر کے نفع حاصل کریں ظلم و ایذاء اور تکبر و افساد سے اجتناب کریں اسی میں ان کی بہتری اور نجات اور کامیابی ہے لیکن تربیت و ارشادات انھیں مؤثر ہو سکتے ہیں جن میں استعداد ازلی ہو۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

چوں بود اصل جوہرے قابل
تربیت را درو اثر باشد
ہیچ صیقل نکو نداند کرد
آہنے را کہ بد گہر باشد

ترجمہ: جب جوہر کا اصل قابل ہی نہ ہو تو اس میں تربیت اثر نہ کرے گی۔
وہ صیقل لوہے کو صحیح نہ کر سکے گا جس کا اصل بُرا ہو۔

فائدہ: قرآن دریا کی مانند ہے اس سے وہی پاک ہو سکتا ہے جس کے اندر پاک ہونے کی استعداد ہو جیسے انسان ورنہ کتا ہزار بار دریا میں غوطے لگائے ناپاک ہی رہے گا۔ ؎

خر عیسیٰ اگر بمکہ برند
چوں بیاید ہنوز خر باشد

marfat.ocm

سگ بدریائے ہفت گانہ مشوی
کہ چوں تر باشد پلید تر باشد

ترجمہ:۔ عیسیٰ علیہ السلام کے گدھے کو اگرچہ مکہ معظمہ میں لے جائیں گے جب واپس لوٹے گا تو گدھا ہی ہوگا۔
کتے کو دریا میں باربار نہ نہلا۔ اس لیے کہ وہ جونہی تر ہوگا اور زیادہ پلید ہو جائے گا۔

لطیفہ وحکایت

ایک شخص نے اپنی بزرگی کا دعویٰ کیا محض اس گمان پر کہ اس نے فلاں بزرگ کی چالیس سال خدمت کی ہے کسی بزرگ نے اس کا دعویٰ سن کر فرمایا کہ وہ بزرگ چالیس سال خچر پر سواری کرتے رہے تو کیا وہ بھی بزرگ ہو گیا ہے جب وہ خچر استعداد کی کمی سے بزرگ کے سوار ہونے کے باوجود بزرگ نہیں بن سکا تو بھی اپنی استعداد کی کمی کی وجہ سے بزرگ نہیں ہو گیا مدعی سن کر شرمسار ہوا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے نفس کی شرارت سے خروج اور خطیرۂ قدس میں اقامت کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ:۔ قل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء۔ مثال ان لوگوں کی جنہوں نے ماسوی اللہ کو حقیقی کارساز بنایا۔

حل لغات:۔ مثل بفتحتین بمعنی شے کی صفت (کذا فی المختار) اتخاذ افتعال اخذ سے ہے۔ اولیا سے اصنام (معبودان باطلہ) مراد نہیں (روح البیان صنـ۴۷ ج۶)

(وہابی دیوبندی فرقہ کا واضح رد ہے جبکہ وہ یہاں پر اولیاء سے اولیاء اللہ مراد لیتے ہیں۔ اس طرح سے وہ قرآن مجید کی تحریف کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک) (اویسی غفرلہ)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ مشرکین کا عجیب طریقہ ہے کہ انہوں نے بتوں کو اپنا حقیقی کارساز بنا لیا۔ (کمثل العنکبوت)

حل لغات:۔ عنکبوت کا واحد۔ جمع۔ مذکر۔ مؤنث پر آتا ہے اکثر اس کا استعمال مؤنث کے لیے ہوتا ہے۔ طاغوت کی تاء کی طرح یہ تاء زائدہ ہے مؤنث کی نہیں یعنی ان کا طریقہ مکڑی جیسا ہے کہ اتخذت وہ اپنے لیے بناتی ہے۔ بیتا گھر یعنی جیسے وہ کمزور سے کمزور تر تانا تن کر گھر بناتی ہے اور اس سے صرف وہی نفع اٹھا سکتی ہے۔

فائدہ:۔ ہیئۃ کی ہیئت سے تشبیہ ہے۔ بتوں کو حقیقی کارساز اور معبود بنا رکھا ہے اور ان سے منافع اور شفاعت کی امید وابستہ کرتے ہیں۔ ان کا حال مکڑی جیسا ہے کہ اس نے اپنے منافع کو اپنے گھر پر موقوف رکھا ہوا ہے کہ گرمی وسردی میں اس میں رہنے کا پروگرام بناتی ہے حالانکہ اس کا گھر نہ اسے گرمی سے بچا سکتا ہے اور نہ سردی سے

marfat.com

اور نہ ہی بارش سے روک سکتا ہے اور نہ ہی دوسری تکلیفوں سے تھوڑی سی ہوا سے اُڑ جاتا ہے ایسے ہی بت اپنے پرستاروں کو نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتے اور نہ ہی خیر دے سکتے ہیں اور نہ ہی شر دفع کر سکتے ہیں۔

ے

پیش چوب و پیش سنگ نقش کند
کہ بسا کولان سرہا می نہند

ترجمہ:۔ مکڑی اور پتھر کے آگے کوئی نقش کرے۔ تو تھوڑے عرصہ کے بعد وہ نقش مٹ جائے گا۔

سبق:۔ جو بھی سراب کو پانی تصور کرتا ہے وہ زیادہ دیر نہیں ٹھہرے گا۔ بالآخر اُسے معلوم ہو جائے گا۔

ع غلط بود آنچہ پنداشتم

ایسے ہی جو بھی ماسوی اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اسے کچھ حاصل نہ ہو گا اور نفس پر اعتماد کرنے والا مار کھاتا ہے ایسے ہی جو بھی اپنے نفس کو حامی و مددگار سمجھتا ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت منہ پھیر لیتی ہے اسے اپنے نفس کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ آیت میں اشارہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور صرف اسی پر سہارا کرتے ہیں وہی مومن ہیں ان کی مثال اس گھر کی ہے جو پتھروں سے تیار کیا جائے اور اس کے ارد گرد ایسی دیوار کھچی ہو کہ اس میں شرور کے گھسنے کا امکان تک نہ ہو اس کی چھت ایسی مضبوط کہ اس میں سردی اور بارش کے پہنچنے تک کا تصور بھی نہ ہو۔ ے

دوستیہائے ہمہ عالم بروب از دل کمال
پاک باید داشتن خلوت سرائے دوست را

ترجمہ:۔ تمام عالم کی دوستی کے خیالات دل سے صاف کرے کیونکہ دل دوست کی خلوت سرا ہے اسے صاف رکھنا ضروری ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ وان اوھن البیوت اور بے شک ضعیف ترین گھروں کا (لبیت العنکبوت) مکڑی کا گھر ہے جتنا ہی حشرات الارض اپنے لیے گھر بناتے ہیں مکڑی کے گھر سے زیادہ کمزور کوئی گھر نہیں ہے اس لیے کہ نہ تو اس کی کوئی بنیاد ہے نہ دیوار اور نہ چھت اور نہ گرمی سے بچا سکتا ہے نہ سردی سے اسی لیے جلد تر مٹ جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ اس میں اشارہ ہے کہ ماسوی اللہ کی دوستی کی بھی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اس کی کوئی بنیاد نہیں۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے۔

marfat.ocm

تکیہ کم کن صوفی بر دیوار غیر
غیر او دیار نے غلاق دیر

ترجمہ: اے صوفی غیر کی دیوار پر سہارا نہ کر۔ غیر کی دار تادیر نہ رہے گی۔

لو کانوا یعلمون۔ اگر جانتے ہوتے تو وہ یقین کر لیتے کہ یہ بت تو ان جیسے ہیں تو پھر وہ ان سے دوری ہی اختیار کرتے۔

اعجوبہ: حضرت کاشفی مرحوم نے لکھا کہ بحر الرائق میں ہے کہ مکڑی جتنا تانا تنتی ہے اپنے لیے قید خانہ بناتی ہے کیونکہ وہی گھر اس کی موت کا سبب بن جاتا ہے تو وہ اس کا گھر نہ ہوا بلکہ قید خانہ۔ ایسے ہی جو لوگ غیر خدا کو پوجتے ہیں تو ان کی یہ پوجا الٹا ان کے لیے وبال جان بن جائے گی کیونکہ ان کی یہ پرستش خواہش پرستی اور دنیا پروری اور شیطان کی تابعداری پر مبنی ہے۔ اس کی سزا سے وہ پابند سلاسل ہو کر جہنم میں گھسیٹے جائیں گے جس سے چھٹکارا کبھی نہ ہو گا اور جہنم میں تباہ و برباد رہیں گے۔ اور ہمیشہ کے لیے محروم رہ کر سزا یافتہ اور عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

فائدہ: بعض صوفیہ کرام ؒ ہوٰی تابعداری کو تارِ عنکبوت سے تشبیہ دیتے ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

از ہوا بگزر کہ بس بے اعتبار افتادہ است
رشتۂ دام ہوا چوں تار بیت عنکبوت

ترجمہ: خواہش نفسانی کو چھوڑ اس لیے کہ نہایت ہی غیر معتبر ہے خواہش کی پھانسی کا رشتہ تارِ عنکبوت کی طرح ہے۔ اے اللہ ہمیں وہ دنیا نصیب فرما جس میں ہوائے نفس نہ ہو اور اس سے نجات دے جس پر ماسویٰ کا اطلاق ہوتا ہے۔

ہر لمحہ دو عیدیں۔ عشاق کو ہر لمحہ میں دو عیدیں نصیب ہوتی ہیں اور مکڑیاں مکھیوں کا گوشت کھاتی ہیں۔

شرح: دو عیدوں سے نیستی و ہستی مراد ہے جو عارف کی نگاہ میں سے ہر وقت گزرتی ہیں کیونکہ عید لوٹنا اور یہ خیال بھی قلب پر بار بار لوٹتا ہے اسی لیے اسے عیدؔ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وحدۃ الوجود کی تقریر: وہ لوگ جو تعینات کی قیود میں گرفتار ہیں ان کی مثال مکڑی کی ہے اور مکڑیوں کے باسی گوشت کھانے میں اشارہ ہے کہ یہ تعینات کے گرفتار موجودات موہومہ عالم

ؔ یعنی عرفی معنیٰ کے لحاظ سے اسے عید کہا گیا ہے۔ اسی معنیٰ پر ہم اہلسنت میلاد النبی کی تقاریب و محافل و مجالس کو عید سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہمارے دور کے خوارج کو اس اطلاق پر اعتراض ہے وہ کہتے ہیں کہ شرع نے صرف دو عیدیں دی ہیں

(بقیہ صفحہ آئندہ پر)

marfat.com

کو متحقق تصور کرتے ہیں اور حقیقت حال سے غافل ہیں۔ گویا وہ مکھیوں کا باسی گوشت کھا رہے ہیں کیونکہ اشیاء کا وجود حقیقی نہیں اور ان کی موجودیت صرف اس قدر ہے کہ ان کو وجود حقیقی سے نسبت ہے۔ جب یہ نسبت ہوگی تو یہ معدوم ہو جائیں گے اسی لیے وجودی حضرات کہتے ہیں **التوحید اسقاط الاضافات**۔ توحید اضافات کو گرانے کا نام ہے ۔

جہاں را نیست ہستی جز مجازی

سراسر حال او لہو است و بازی

ترجمہ:۔ جہان کی ہستی مجازی ہے اس کا تمام حال لہو ولعب ہے۔

ایسے ہی بعض اہل تاویل نے کہا ہے۔ لیکن فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ **عیدین** سے سانس کا آنا جانا مراد ہے اور عارفین کو ان ہر دونوں میں بہت بڑی عید نصیب ہوتی ہے کیونکہ ان ہر دونوں سانسوں میں مشاہدۂ حق میں مستغرق ہوتے ہیں اور مکڑیوں سے وہ بندگان مراد ہیں۔ عبادت ظاہرہ میں مشغول تو ہیں لیکن شہود حق سے محروم ہیں۔ لذیذ اور تازہ کھانا کہاں اور باسی روٹی کہاں۔

تفسیر عالمانہ: انّ اللہ یہاں قول محذوف ہے یعنی اے نبی علیہ السلام کافروں کو تہدید فرمائیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ **یعلم ما یدعون** جانتا ہے وہ جو عبادت کرتے ہیں۔

ردّ وہابیہ دیوبندیہ: صاحب روح البیان نے یہاں پر **یدعون** بمعنی یعبدون لکھا ہے کہ یہ لوگ یدعون سے پکارنا (اور وہ بھی جو ہم اہلسنت وسیلہ کے طور اولیاء اللہ کو مدد کے لیے ندائیں کرتے ہیں) مراد لیا ہے اس سے قرآن کی تحریف لازم آتی ہے اور وہ ایسی تحریفوں کے استاد واقع ہوئے ہیں مزید فقیر کی تفسیر احسن التحریر فی دورۃ التفسیر دیکھئے) اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

ما استفہامیہ ہے **یدعون** سے منصوب ہے **من دونہ** یعنی ماسوی اللہ کی اس کا تعلق **یعلم** سے ہے **من شئ**۔ من بیانیہ ہے یعنی ماسوی اللہ بت ہوں یا ستارے یا فرشتے یا جن وغیرہ اور اس کی لطافت مخفی نہیں پھر اللہ تعالیٰ اس فعل بد پر ان کو سزا دے گا۔

وھو العزیز اور وہ اللہ تعالیٰ غالب اور اپنے اعداء سے انتقام لینے پر قادر ہے۔ **الحکیم** وہ عجلت کے ساتھ سزا نہ دینے پر حکمت والا ہے۔

بقیہ حاشیہ۔ اور تم لوگ ایک تیسری عید مناتے ہو۔ ہم نے قوی دلائل سے ثابت کیا کہ ہمارا یہ اطلاق عرفی ہے یعنی عید بمعنی خوشی اور شادمانی اور شرعی اصطلاح کے الفاظ کا اطلاق دوسرے مطالب پر جائز ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر اویسی غفرلہٗ کی کتاب "میلاد النبی عید کیوں"

marfat.ocm

شانِ نزول: بعض اہلِ عرب جو انھیں بیوقوف اور جاہل کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب کیسا ہے کہ مکھیوں اور مکڑیوں کی مثال دینے سے حیا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا **و تلک الامثال** یہی مثال ان جیسی اور۔ مثل وہ کلام جو ایک بات کو دوسری بات سے تشبیہ دینے کے لیے واقع ہو یعنی دوسرے کے حال کی تشبیہ یعنی یہ وہ مثالیں ہیں۔

نضربھا للناس ۔ اہلِ مکہ اور دوسروں کے لیے ہم انھیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ بات جو ان کے ذہنوں سے دور ہے قریب ہو جائے۔

حل لغات: المفردات میں ہے کہ ضرب المثل۔ ضرب الدراہم سے لی گئی ہے کہ جیسے درہم پر مہر لگنے سے تذکیر مطلوب ہے اس بیان سے مثال دے کر تذکیر مقصود ہے کہ جس طرح درہم پر مہر لگنے کے بعد نشان اور اثر باقی ہے ایسے ہی اس بیان کا نشان و اثر تادیر رہے گا۔ **و ما یعقلھا** ۔ ان امثال کے حسن و فائدہ کو نہیں سمجھتے **الا العالمون** مگر وہ جو اہلِ علم ہیں یعنی وہ جو راسخ فی العلم ہیں اور اشیاء کی حقیقت میں تدبر و تفکر کرتے ہیں ان سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں منجانب اللہ سمجھ نصیب ہوتی ہے اسی لیے وہ اس سمجھ پر عبادت و طاعت بجالاتے اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچتے ہیں۔

نکتہ: حقیقت میں عالم وہی ہے جس کا علم معاصی سے بچائے۔ عاصی جاہل ہے اگرچہ عالم کہلاتا اور عوام میں اہلِ علم سمجھا جاتا ہو۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ **و ما یعلمھا الا العاقلون** کیوں نہیں فرمایا حالانکہ عقل علم سے سابق ہے۔

جواب: عقل ایک آلہ ہے کہ جس کے ساتھ تامل کرنے پر اشیاء کے معانی کا ادراک ہوتا ہے لیکن اشیاء کا تامل اور ان تک پہنچنا علم کے بغیر ناممکن ہے اسی لیے **و ما یعلمھا الا العاقلون** کے بجائے **و ما یعقلھا الا العالمون** فرمایا۔

لطیفہ: اس سے معلوم ہوا کہ عقل پر علم کو فضیلت حاصل ہے کیونکہ ہر عالم عاقل ہوتا ہے لیکن بہت سے عقل مند تو ہوتے ہیں لیکن عالم نہیں ہوتے۔

فائدہ: المفردات میں ہے کہ العقل یہ ایک قوت ہے جو قبول علم کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جس قوت کے ذریعے علم کے لیے انسان استفادہ کرتا ہے اسے بھی عقل کہتے ہیں اسی لیے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں ؎

العقل عقلان ۔ مطبوع و مسموع
ولا ینفع مطبوع ۔ اذا لم یک مسموع

marfat.com

کما لا تنفع الشمس ۔ وضوء العین ممنوع

ترجمہ:۔(۱) عقل دو ہیں ۱۔مطبوع ۲۔مسموع

(۲) مطبوع کوئی فائدہ نہیں دیتا جب تک مسموع ساتھ نہ ہو۔

(۳) جیسے سورج کی روشنی کوئی فائدہ نہیں دیتی جب تک آنکھ میں روشنی نہ ہو۔

تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم برائے قول علی رضی اللہ عنہ ۔ پہلے عقل کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عقل سے مکرم تر کوئی شے پیدا نہیں فرمائی اور دوسرے کی طرف اشارہ فرمایا۔ بندے کا کوئی کام اس سے افضل نہیں جو اسے ایسا عقل نصیب ہوا جو اسے ہدایت کی طرف لے جائے اور برائی سے روکے۔ اور آیت میں یہی دوسرا عقل مراد ہے کہ فرمایا وما یعقلھا الا العالمون۔

قاعدہ نمبر (۱) جہاں پر کفار کی عقل کی مذمت کی ہے بلکہ فرمایا انہیں عقل نہیں تو اس میں بھی عقل کی دوسری قسم مراد ہے نہ کہ پہلی۔

قاعدہ نمبر (۲) جہاں بندے سے تکلیف کا ارتفاع ہے بوجہ عقل کے نہ ہونے کے تو وہاں عقل سے پہلی قسم مراد ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:۔

(۱) عقل دو عقلست اوّل مکسبے
که در آموزی چو در مکتب صبی

(۲) از کتاب و اُوستاد و فکر و ذکر
از علوم و از معانی خوب و بکر

(۳) عقل تو افزوں شود بر دیگراں
لیک تو باشی ز حفظ آں گراں

(۴) لوح حافظ باشی اندر و درو گشت
لوح محفوظ اوست کو زین درگزشت

(۵) عقل دیگر بخشش یزداں بود
چشمہ آں درمیاں جان بود

(۶) چوں زسینہ آب جوش کرد
نے شود گندہ نے دیرینہ نے زرد

marfat.ocm

(۷) در رہ نبعش بود بستہ چہ غم
کو ہمی جوشد رخانہ دمبدم
(۸) عقل تحصیلی مثال جویہا
کاں رود در خانۂ از کوہہا
(۹) راہ آبش بستہ شد شد بے نوا
از درون خویشتن چوں چشمہ را
(۱۰) جہد کن تا پیرو عقل و دین شوی
تا چو عقل کل تو باطن بین شوی

ترجمہ

(۱) عقل دو ہیں (۱) کسبی تعلیم سے حاصل ہوتا جیسے بچہ مکتب میں حاصل کرتا ہے۔
(۲) کتاب سے اُستاد سے اور فکر و ذکر سے علوم سے معانی وغیرہ وغیرہ۔
(۳) ایسا عقل تیرا دوسروں سے بڑھے گا لیکن تو اس کے یاد کرنے میں تکلیف پائے گا۔
(۴) دور و گشت میں لوح کا حافظ ہو گا جب حاصل ہو جائے گا پھر وہ تیرے لیے لوح محفوظ ہے۔
(۵) دوسرا عقل بخشائش الٰہی ہے وہ جان میں بمنزلہ چشمہ کے ہے۔
(۶) جب سینے میں جاگزیں ہو گا تو پھر ایسا چشمہ ہے کہ نہ گندلہ ہو گا اور نہ پرانا ہو گا۔
(۷) وہ تو چشمہ وار ہے اگر چہ بند ہے تو کیا غم کیونکہ گھر میں ہے ہر لحظہ وہ جوش میں ہے۔
(۸) تحصیلی عقل نہر کی طرح ہے وہ گھروں میں جاتا ہے لیکن گلیاں کوچے گھوم کر۔
(۹) جب اسے پیچھے بند کر دیں گے تو وہ بے نوا ہو جائے گا لیکن وہ چشمہ دائمی ہے جو اپنے اندر سے پانی لیتا ہے۔
(۱۰) کوشش کر تاکہ تجھے عقل و دین نصیب ہو۔ پھر عقل کی طرح باطن بین ہو جا۔

تفسیر عالمانہ: خلق السموات والارض بالحق۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا درآنحالیکہ وہ حق میں یعنے حکمتوں و مصلحتوں کے عین مطابق ہے۔ یہ **خلق** کے فاعل سے حال ہے یا اس کا متعلق متلبسہ ہے یعنی ان کی تخلیق حق ہے کہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے ان میں دینی و دنیوی منافع ہیں پھر یہ اس کے مفعول سے حال ہے یعنی یہ دونوں انسانوں کے معاش پر مشتمل ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے شواہد ان میں موجود ہیں یہ دلالت کرتے ہیں کہ وہ عظیم قدرتوں کا مالک ہے اور بہت بڑی عظیم الشان صفات سے موصوف ہے جیسے اس کی طرف اشارہ فرمایا **ان فی ذلک** بیشک اس کے پیدا کرنے میں **الایۃ** البتہ نشانیاں ہیں جو اس کے مختلف نشانوں

marfat.com

پر دلالت کرتی ہیں۔ للمؤمنین اہل ایمان کے لیے اہل ایمان تخصیص اس لیے ہے کہ یہی ان سے نفع پاتے ہیں ورنہ یہ نشانیاں تو ہدایت و ارشاد کے لیے عام ہیں ہر مومن و کافر کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے خلق اللّٰہ السموات والارض بالحق یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا حق کے ساتھ اس لیے صفات حق کے آئینہ ہونے کے لیے تاکہ یہ تمام اس کے مظاہر ہوں ان فی ذالک لآیۃ یعنی آسمانوں و زمینوں کی تخلیق نشانی ہے یعنی حق کی نشانی جو ان میں بطور امانت رکھی گئی ہے للمؤمنین ان اہل ایمان کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتے ہیں اس لیے کہ نور کو نور سے ہی دیکھا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے نور پیدا نہیں فرماتا اس کے لیے کوئی نور نہیں۔ ؎

جہاں مرأت حسن شاہد ماست
فشاہد وجہہ فی کل ذات

ترجمہ:۔ یہ جہان ہمارے محبوب کے حسن کا آئینہ ہے فلہذا تم ہر ذرہ میں اس کے چہرے کا مشاہدہ کرو۔

سبق:۔ عاقل پر لازم ہے کہ وہ آثارِ رحمت الٰہی کو بغور دیکھے اور اس کی عجائب صنعت اور غرائب قدرت میں فکر کرے تاکہ اس کی معرفت کے دریا سے اسے جواہر نصیب ہوں۔

حکایت:۔ مروی ہے کہ داؤد علیہ السلام ایک دن اپنے حجرۂ عبادت میں داخل ہوئے تو وہاں ایک چھوٹا سا کیڑا دیکھ کر عجائب صنعت باری تعالیٰ میں غور و فکر میں ڈوب گئے اور خیال کیا کہ اس کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی تو اللہ تعالیٰ نے کیڑے کو بولنے کی طاقت دی۔ کیڑا بولا اے داؤد آپ میری صورت سے متعجب ہیں آپ کو عجب نفس نے گھیرا ہے میں اگرچہ چھوٹا ہوں لیکن میں آپ سے بہت زیادہ ذکر اور شکر کرتا ہوں جتنا آپ کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے آپ اتنا قدر نہ شکر کرتے ہیں نہ ذکر۔

حکایت:۔ ایک شخص خنفساء کو دیکھ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ اسے پیدا نہ کرتا تو کونسا نقصان تھا نہ اس کی شکل ہے نہ اس سے اچھی خوشبو حاصل۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک زخم میں مبتلا کر دیا جس کے علاج سے اطباء اور ڈاکٹر عاجز آگئے بلکہ اسے لاعلاج کہہ کر موت کی تیاری کا کہہ دیا۔ مایوس پڑا تھا کہ ایک دن گلی میں اعلان کیا کہ کسی نے علاج کرانا ہو تو اس مایوس العلاج نے کہا اسے لاؤ اس کے علاج سے ممکن ہے کہ تندرستی نصیب ہو لوگوں نے کہا کہ بہت بڑے حاذق۔ ماہر حکما تیرے علاج سے جواب دے گئے یہ غریب کیا کرے گا اس نے کہا لے آؤ۔ ممکن ہے آرام مل جائے۔ بلایا گیا تو اس نے زخم دیکھ کر کہا کہ خنفساء لے آؤ۔ لوگ ہنس پڑے تو بیمار نے کہا یہ جیسے کہے اس پر عمل کرو چنانچہ خنفساء لایا گیا تو اس نے اسے جلا کر راکھ کر دیا پھر راکھ کو زخم پر رکھا تو بیمار تندرست ہو گیا۔ لوگ حیران ہو گئے خود بیمار نے کہا کہ میرا قصور ہے میں نے اس کو دیکھ کر کہا یہ کیڑا کس کام کا لیکن قادر مطلق کی قدرتوں کا راز نرالا ہے۔ (کذا فی روح)

marfat.ocm

سبق:۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی پیدا کردہ شے بیکار نہیں بلکہ ہر شے کی تخلیق میں ہزاروں حکمتیں ہیں ہم جانیں یا نہ اسی لیے مومن پر لازم ہے کہ غور و فکر سے کام لے اور اس میں ترقی کرتا ہوا اس مقام تک پہنچ جائے کہ ہر شے کی تخلیق کی حقیقت معلوم ہو جائے جیسا کہ اہل بصیرت کی شان ہے۔

نسخہ صوفیانہ:۔ اہل تصوف فرماتے ہیں المشاہدۃ مجاہدہ کا ثمرہ ہے اسی لیے لازم ہے کہ عقل کو بلکہ تمام قومی کو تفکر میں استعمال کرے یعنی ہر ایک سے وہی خدمت لے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے کیونکہ

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

بلکہ اس خدمت سے کشف حقیقی نصیب ہوگا حیرۃ الٰہی میں اضافہ ہوگا اور اطمینان قلب نصیب ہوگا ؎

بے طلب نتواں وصالت یافت آرے کہ دہد
دولت حج دست جز راہ بیاباں بردہ را

ترجمہ:۔ طلب کے بغیر وصال ناممکن ہے۔ حج بھی نصیب نہیں ہوتا جب تک دور دراز کا سفر نہ کیا جائے۔

شرح شعر بالا:۔ یہاں پر طلب سے قصد قلبی اور زبانی لسانی بات مراد نہیں بلکہ بقدر امکان ظاہری و باطنی جد و جہد کرنا مطلوب ہے اور انسان کا حقیقی مقصد ہے اس کے بعد فتح و کامرانی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے اگر وہ چاہے تو ملکوت سمٰوٰت والارض دکھائے یا نہ اور مکاشفہ و مشاہدہ کا شرف بخشے یا نہ اسی کی مرضی پر ہے وہ شے کا تحقق نصیب فرما دے یا نہ اور چاہے تو وہ ایک مقام پر رکھے چاہے تو بلندی عطا فرمائے۔ انسان کے بلند مراتب میں سے ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اسے تفکر بالعقل نصیب ہو وہ جو اسے امانت کے طور پر عطا ہوا اور اس پر لازم ہے کہ شکر خداوندی بجا لائے کہ اس نے غافلین و معرضین کے دائرہ سے نکالا ہے۔

اے اللہ ہمیں متفکرین اور بیدار مغز لوگوں سے بنا اور ان لوگوں میں رکھ جو ہر شے میں حقائق امور کا یوں عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہی ہے خالق السمٰوٰت والارض وہی ہے جو حقائق امور کا ادراک بخشتا ہے۔

ھذا آخر مارقمہ قلما لفقیر القادری ابی الصالح محمد فیض احمد اویسی غفر لہ
بحمدہٖ تعالیٰ اس فقیر کو پارہ ۳۰ کے ترجمہ سے ۵ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ مطابق
۹ فروری ۱۹۸۳ء بشب اتوار بعد نماز مغرب فراغت نصیب ہوئی۔

فصلی اللہ علی حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

نام مضمون	صفحہ نمبر	نام مضمون	صفحہ نمبر	نام مضمون	صفحہ نمبر
قال للملا حوله ان عربی مع ترجمہ	548-549	وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی ثَمُوْدَ عربی مع ترجمہ	722	تکبر کے زائل کرنے کا علاج	922
وَاَوْحَيْنَا اِلٰی مُوْسٰی اِنْ اَسْرِ عربی مع ترجمہ اُردو	562	نسب نامہ سبا اور اُس کا واقعہ	733	وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ رکوع عربی مع ترجمہ اُردو	923-924
وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ عربی مع ترجمہ اُردو	573-574	قَالَتْ يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا رکوع عربی مع ترجمہ اُردو	744-745	وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ رکوع عربی مع ترجمہ	936-937
كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ رکوع عربی مع ترجمہ اُردو	602	قصہ حیض میں جماع کرنے کا	761	اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا	965-966
كَذَّبَتْ عادُ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ رکوع عربی مع ترجمہ اُردو	609	بال صفا دوائی کی ایجاد	773	اٹھارہ ہزار عالم انسان کے خدام ہیں	976
كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ رکوع عربی مع ترجمہ اُردو	617	اختتام پارہ 19	792	اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ رکوع عربی مع ترجمہ اُردو	987-988
كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ رکوع عربی مع ترجمہ اُردو	626	آغاز پارہ نمبر 20	793	تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ رکوع عربی مع ترجمہ اُردو	1009
كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ	632	وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا مع ترجمہ	822-823	آغاز سورۃ العنکبوت عربی مع ترجمہ	1025 تا 1026
وانہ لتنزیل رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	639-640	ازلی بدبخت کا قصہ	833	وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا رکوع عربی مع ترجمہ اُردو	1048 تا 1049
آغاز سورۃ النمل عربی مع ترجمہ اُردو	683-684	وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ مع ترجمہ	836-837	وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ رکوع عربی مع	1062
ولقد اتینا داؤد وسلیمن رکوع عربی مع ترجمہ	699-700	آغاز سورۃ القصص عربی مع ترجمہ	851-852	کبوتر بازی سے تنگی رزق	1075
ابوزریق پرندے کا واقعہ	709	وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ رکوع مع ترجمہ	873-874	وَلَمَّا جَآءَ ک عربی مع ترجمہ	1076-1077
مدینہ منورہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی حاضری	719	وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ مع ترجمہ اُردو	887	اختتام پارہ نمبر 20	1095
چیونٹی کے فہم و اذکان کا بیان لشکر سلیمانی اور لشکر محمدی کا فرق	722	فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ رکوع عربی مع ترجمہ	904 905		

marfat.ocm